تاریخ عالم اسلام

تاریخ قبل از اسلام

سیرت طیبہ، سیرت خلفاء راشدین

تاریخ بنو امیہ، بنو عباس، اندلس، پاک و ہند



پروفیسر محمد نعیم صدیقی

مکتبہ دانیال



تاریخ عالم اسلام

پروفیسر محمد نعیم صدیقی

ناشر
مکتبہ دانیال
جلال الدین ہسپتال بلڈنگ سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
ہیلو: 0333-4276640, 042-7660736
www.maktabahdaneyal.com

محمد ابوبکر صدیق
نے
ندیم یونس پرنٹرز لاہور
سے چھپوا کر مکتبہ دانیال لاہور
سے شائع کی

قیمت......-/300

مکتبہ دانیال

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
www.maktabahdaneyal.com

فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

— عرب قبل از اسلام —

عرب محل وقوع اور قومیں

عرب کی وجہ تسمیہ:

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق دو آراء ہیں: پہلی رائے کے مطابق ''عرب'' کے لفظی معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں چونکہ اہل عرب دیگر اقوام کو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنے ہم پلہ اور ہم پایہ نہیں سمجھتے تھے اس لئے وہ اپنے آپ کو فصیح البیان جبکہ باقی دنیا کو ''عجم'' یعنی گونگے کہہ کر پکارتے تھے اور زبان آوری کے مقابلہ میں اقوام عالم کو اپنے سے کم تر خیال کرتے تھے۔

دوسری رائے کے مطابق ''عرب'' کا لفظ ''عربہ'' سے مشتق ہے جس کے معنی صحرا اور ریگستان کے ہیں چونکہ اس ملک کا بیشتر حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس بناء پر سارے ملک کو عرب کہا جانے لگا۔

عرب کا جغرافیائی محل وقوع:

جغرافیائی اعتبار سے ایشیا کے جنوب مغرب میں ایک بہت بڑا جزیرہ نما علاقہ ہے جسے ''عرب'' کہتے ہیں اس کے مغرب میں بحیرۂ قلزم' آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے۔ مشرق میں بحر ہند' خلیج فارس اور بحر عمان ہے جبکہ جنوب میں بحر ہند ہے۔ شمال کی حدود بہت مختلف ہیں بعض جغرافیہ دانوں کا خیال ہے کہ یہ شام کی حدود تک وسیع ہیں۔

عرب کا رقبہ:

عرب کا تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو کہ جرمنی اور فرانس سے چار گنا زیادہ ہے لیکن عرب کی باقاعدہ اور حتمی پیمائش ابھی تک نہیں ہوئی۔ ملک کا بڑا حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل ہے۔ ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ عراق' یمن اور شام کے خطے سرسبز و شاداب اور زرخیز ہیں مگر محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب و ہوا الگ الگ ہے لیکن عموماً گرم خشک ہے۔

عرب کی جغرافیائی تقسیم:

چونکہ ملک عرب تین اطراف میں سمندر سے گھرا ہوا ہے اس لئے اہل عرب اسے ''جزیرۃ

العرب" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ مختلف صوبوں اور حصوں میں منقسم ہے۔ شمال میں پہاڑی علاقے کے نیچے حجاز کا مشہور علاقہ ہے جس میں اسلامی دنیا کے دو مقدس ترین شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ جنوب مغرب میں یمن کے نشیبی علاقے کو تہامہ کہا جاتا ہے۔ یمن کے مشرق کی طرف حضر موت کا علاقہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی عمان ملا ہوا ہے۔ حجاز کی مشرقی حدود سے لے کر خلیج فارس تک نجد کا صحرا پھیلا ہوا ہے۔ ہر علاقے کی طبعی خصوصیات ایک دوسرے سے الگ ہیں۔

عرب کی آب و ہوا:

عرب کی مجموعی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔ بارش بہت کم ہوتی ہے اور وہ بھی ساحلی علاقوں تک محدود رہتی ہے بالخصوص جنوب اور جنوب مغرب میں زیادہ ہوتی ہے اسی وجہ سے وہاں آبادی زیادہ ہے۔ مشرقی ساحل کے بعض علاقے خصوصاً عمان کا علاقہ نسبتاً زیادہ سرسبز و شاداب ہے لیکن بارش کی عام کمی کی وجہ سے علاقے بھر میں کوئی بڑا دریا نہیں البتہ ندی نالے بکثرت ہیں لیکن وہ صرف برسات کے موسم میں بہتے ہیں۔ گرم لو چلنے کے باعث دن کو خاصی گرمی ہو جاتی ہے لیکن رات مقابلتاً ٹھنڈی ہوتی ہے۔ پہاڑی علاقوں میں کہیں کہیں صحت افزاء مقامات بھی پائے جاتے ہیں۔

عربوں کی قدیم تاریخ اور طبقات:

زبان کے اعتبار سے عرب سام بن نوح کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بناء پر انہیں سامی کہا جاتا ہے۔ مؤرخین نے عرب کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

1- عرب بائدہ 2- عرب عاربہ 3- عرب مستعربہ

1- عرب بائدہ:

عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا تھا۔ عاد و ثمود کی اقوام اسی طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفوں کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کے حالات کا اتا پتا نہیں چلتا۔

2- عرب عاربہ:

عرب عاربہ (جو کہ قحطانی کہلاتے ہیں) کی تاریخ موجود ہے۔ یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے۔ یہی لوگ عرب کے اصل باشندے ہیں اور عرب کی قدیم تاریخ بھی اب انہی سے وابستہ ہے۔ عرب میں ان کی بڑی بڑی ترقی یافتہ اور متمدن حکومتیں تھیں۔ ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈرات اب تک عرب میں پائے جاتے ہیں جو ان کے دنیاوی جاہ و جلال اور ٹھاٹھ باٹھ پر شہادت دیتے ہیں۔

3- عرب مستعربہ:

یہ طبقہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ظہور پذیر ہوا۔ ظہور اسلام کے وقت یہی دو طریقے تھے اور اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی سے وابستہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام

بعثت ابراہیمی کی تاریخی روئیداد:

حضرت مسیح علیہ السلام سے قریباً دو ہزار سال قبل سلطنت بابل نہایت عروج پر تھی۔ سلطنت مالی اور فوجی اعتبار سے نہایت مستحکم تھی۔ دولت کی فراوانی اور ملکی امن و سکون نے بادشاہ کے دماغ میں نخوت اور غرور و تکبر اس حد تک بھر دیا تھا کہ اس نے ملک کے سب سے بڑے عبادت خانے میں اپنا سونے کا مجسمہ بنوا کر رکھوایا اور حکم دیا کہ رعایا اس کو سجدہ کرے اور اس سے نذر و نیاز مانگی جائے اور اس کے نام کی منت مانی جائے۔

یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ سے قبل سارے عالم پر کس قدر ضلالت اور گمراہی چھائی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص اللہ وحدہٗ لاشریک کی پرستش کرنے والی نہ تھی۔ اس دور میں رب العالمین نے انسانیت کو راہ راست پر لانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کو مبعوث فرمایا۔ بادشاہ کو توحید کی آواز پسند نہ آئی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے بادشاہ کو خدائی کے درجے سے اُتر کر بندہ بننا پڑتا تھا چنانچہ ہر طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت ہوئی۔

حضرت ابراہیمؑ کا گھرانہ جو کہ بادشاہ کا مقرب تھا' اپنے نونہال کے خلاف ہو گیا لہٰذا آپ کی توحید کی عملی کوشش کے نتیجہ میں آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ گھر' قوم اور سلطنت کی مخالفت کے پیش نظر آپ نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ آپ کی بیوی حضرت سارہؓ اور بھتیجے حضرت لوط بن فاران نے ہجرت کرنے میں آپ کا ساتھ دیا۔ (رحمۃ للعالمین' ص 29- تاریخ اسلام' ص 35)

حضرت ابراہیمؑ کے اہل بیت کی فضیلت:

جب عام تاریک نگاہیں حضرت ابراہیمؑ کے نور ہدایت کو نہ پہچان سکیں تو وہ وہاں سے کوچ کرتے ہوئے مصر جا پہنچے۔ مصر پر اس وقت رقیون نامی حکمران تھا۔ وہ دراصل بابل کا ہی باشندہ تھا۔ بادشاہ مصر نے حضرت ابراہیمؑ کی عزت و ناموس حضرت سارہؓ کو اپنے ملک کی عام خاتون سمجھ کر اپنے لئے پسند کر لیا اور ان کی عزت پر حملہ کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے جلد ہی معلوم کروا دیا کہ یہ برگزیدہ پیغمبر کی پاکدامن بیوی ہے چنانچہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کی نہایت قدر و منزلت کی اور جب وہ وہاں سے وطن کو واپس ہوئے تو اس نے اپنی بیٹی حاجرہ بھی ساتھ کر دی تاکہ اس کی اس نیک خاندان میں تربیت ہو اور وہ اپنے ہی ملک اور قدیم نسل کے باشندوں میں بیاہی جائے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت حاجرہؓ سے نکاح کر لیا۔ آپ کا پہلا بیٹا حضرت اسماعیلؑ انہی کے بطن سے پیدا ہوا۔ حضرت سارہؓ سے دوسرا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اسحاقؑ رکھا گیا۔ رب جلیل نے اپنے خلیل کو بتا دیا تھا کہ یہ دونوں بیٹے بابرکت ہوں گے اور بڑی بڑی قوموں کے جداعلیٰ ہوں گے اور کثرت کی وجہ سے ان کی اولاد کا شمار نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے باپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور خاندان کی درخواست پر ان کے لئے علیحدہ

علیحدہ ملک تقسیم کر دیئے۔ ملک شام اسحاق علیہ السلام کو دیا کیونکہ بابل اس کے مشرق میں تھا اور اسحاق کو اپنے ننھیال سے قربت کا موقع ملا جبکہ ملک عرب اسماعیلؑ کو دیا کیونکہ مصر اس کے مغرب میں تھا اور اسماعیلؑ کو اپنے ننھیال سے قریب تر رہنے کا موقع مل گیا۔ گویا دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے کہ ان کے درمیان کوئی تیسرا ملک نہ تھا تاکہ وقت پر ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ (رحمتہ للعالمین' ص 30)

فطرت نسواں:

حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی حضرت سارہؓ تھیں' ان کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے جبکہ حضرت حاجرہؓ کے شکم سے حضرت اسماعیلؑ پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سوکن ہونے کے ناطے اور فطرت نسواں کے مطابق حضرت سارہؓ کو حضرت حاجرہؓ اور ان کا لخت جگر اچھے نہیں لگتے تھے اور ماں بیٹا دونوں ان کی نگاہ میں کھٹکتے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ ابھی دودھ پیتے بچے تھے کہ حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کر دیا کہ وہ ان دونوں ماں بیٹا کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں۔ اس لئے خلیل نے اپنے رب جلیل کے حکم سے حضرت حاجرہؓ اور بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو لے جا کر عرب میں آباد کر دیا۔ (تاریخ اسلام' شاہ معین الدین ندوی' ص 35)

اساس مکہ' تعمیر کعبہ:

حضرت ابراہیمؑ نے گمراہی کو ہدایت سے بدلنے کے لئے لوگوں کو توحید سے آشنا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور عراق' مصر اور شام کی متمدن دنیا میں گھوم پھر کر اللہ کا پیغام سنایا مگر کوئی سننے کے لئے آمادہ نہ ہوا تو توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ریگستان عرب کا انتخاب کیا جو اپنی اصلی فطرت پر موجود اور تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا۔ مقدس باپ نے نامور بیٹے کی رہائش گاہ مکہ میں توحید کا مرکز بنانے کی نیت سے بغیر چھت کے ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور حضرت اسماعیلؑ کو اس کا متولی بنایا اور پھر اس گھر کی آبادی' مرکزیت اور نسل اسماعیل کی برکت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ یہ روئے زمین پر پہلا گھر تھا جو خالص اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ فرمان الٰہی ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا..... الخ

''تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکے میں ہے برکت والا......''

کعبہ کی تعمیر سے پہلے یہ بے آباد علاقہ تھا اور مکہ میں کوئی آبادی نہ تھی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی قبولیت دعا کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ سب سے پہلے جرہم قبیلہ اطراف مکہ میں آ کر آباد ہوا۔

آل اسماعیلؑ کی مملکت:

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں بارہ بیٹے ہوئے' انہوں نے عرب کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ وہ بہت جلد اس قدر پھیل گئے کہ مغرب کی طرف سے اپنے ننھیال ملک مصر سے جا ملے اور جنوب کی طرف

ان کی بستیاں یمن تک پہنچ گئیں جہاں ان کے باپ نے ان کے بھائیوں بنوقطوراہ کو آباد کیا تھا اور شام کی طرف وہ شام کی سرحد سے جا ملے جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے تو اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم وتہذیب کے مالک ہو گئے اور بحر ہند اور بحیرۂ احمر کی ایسی بندرگاہوں پر ان کا قبضہ ہو گیا جہاں سے وہ اس وقت کی تمام متمدن دنیا کی تجارت پر اپنا قبضہ کر سکتے تھے اور عرب کا اندرونی حصہ بھی ان کے پاس آ گیا جو غیر اقوام سے بچاؤ کے لئے ہمیشہ ناقابل تسخیر حصار ثابت ہوا ہے۔ (رحمتہ للعالمین' ص 31)

آل اسماعیل اور تولیت کعبہ:

حضرت اسماعیلؑ نے قبیلہ جرہم کے سردار مضماض جرہمی کی لڑکی سے شادی کی اس سے بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں سے نابت وقیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ وجلال حاصل کیا۔ حضرت ابراہیم کی زندگی میں ہی کعبہ کو عرب میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی چنانچہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے بیٹے نابت کے حصے میں آیا اور دو ہی پشتوں کے بعد آل اسماعیل میں اتنی کثرت ہو گئی کہ انہیں حصول معاش کے لئے مکہ سے باہر جانا پڑا۔ ان کے نکلنے کے بعد بنوجرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ آل اسماعیل نے ننھیالی رشتہ کی وجہ سے ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے۔ کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہت کے مترادف تھی لیکن آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انہوں نے تولیت کے گھمنڈ میں بڑی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔ وہ خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے' حجاج کو ستاتے' طرح طرح کے مظالم ڈھاتے۔

جب ان کی بدعنوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو آل اسماعیل نے انہیں مکہ سے نکال کر پھر خانہ کعبہ کی تولیت واپس لے لی اور یہ منصب نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا عدنان تک جا پہنچا۔ یہ بڑا تاریخی شخص ہے' نبی کریم ﷺ اور اکثر صحابہؓ کا سلسلۂ نسب اس پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا۔ اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ ربیعہ' مضر اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے جنہوں نے قدیم تاریخ عرب میں بڑی عظمت وشان حاصل کی۔ حجاز' نجد' عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام علاقوں میں ان کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ عدنان کے چھوٹے بھائی عک نے یمن میں سلطنت قائم کر لی تھی۔

عدنان کے بعد اس قوم پر بنوجرہم غالب آ گئے اگرچہ وہ ان کے ماموں ہی تھے چونکہ بنواسماعیل نے اب تک بت پرستی میں بنوجرہم کا ساتھ نہ دیا تھا اس بناء پر بنوجرہم نے انہیں 207ء میں مکہ سے نکال دیا تھا۔ (تاریخ اسلام شاہ معین الدین ص 35- رحمتہ للعالمین ص 32)

خاندان قریش کی سیاسی اور تاریخی بنیاد:

عدنان کی نسل سے فہر نامی ایک عظیم شخص پیدا ہوا جو کہ خاندان قریش کا جد امجد اور مورث اعلیٰ ہے چونکہ اس کا لقب قریش تھا اس لئے اس نسبت کی بناء پر اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے۔ قریش کے

تمام قبائل اسی کی نسل سے ہیں۔ عدنان کی پندرہویں اور فہر کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شہرت کا حامل شخص ''قصی'' پیدا ہوا۔ اس نے قریش کو دوبارہ سیاسی اور اجتماعی شعور دیا۔ اس بناء پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ قریش کی سیاسی و اجتماعی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے۔ قصی بچپن میں ہی باپ کی شفقت سے محروم ہو گیا۔ والدہ نے عذرہ خاندان میں دوسری شادی کر لی تھی۔ ظاہر ہے قصی کا بچپن بنو عذرہ میں ہی گزرا' جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اپنے اصلی خاندان کے متعلق آگاہی حاصل ہوئی اور اس کی عظمت کا پتہ چلا۔ خوددار اور غیرت مند طبیعت نے اجنبی لوگوں میں رہنا گوارا نہ کیا چنانچہ اس نے بنو عذرہ کو چھوڑ کر حجاز میں واپسی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جب وہ ددھیالی خاندان میں حجاز واپس آ گیا تو چہرے سے عظمت و بلندی اور جواں ہمتی کے آثار دیکھ کر خاندان والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب قریش کی حالت قابل رحم تھی کیونکہ حالات دن بدن بد سے بدتر ہو رہے تھے۔ خاندانی اور قبائلی نظام افراتفری کا شکار تھا اور قریش ملک حجاز کے مختلف گوشوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ حرم کی تولیت پر بنوخزاعہ قابض ہو گئے تھے' جب قصی مکہ میں آیا تو اس وقت کعبہ کی تولیت خلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی۔ قصی چونکہ بچپن سے ہی نہایت حوصلہ مند' عقل مند اور امارت پسند تھا لہٰذا اسے یہ حرم کی ولایت کا منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارا نہ ہوا چنانچہ پہلے تو اس نے بنوکنانہ کی مدد سے بنوخزاعہ کو حرم سے نکالا۔ دوسرا کام یہ کیا کہ قریش جو کہ مختلف مقامات پر منتشر تھے' انہیں مجتمع کر کے مکہ میں لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی۔ قصی کی اس کوشش کے نتیجہ میں اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی حیثیت حاصل ہوئی اور یہاں سے ان کا اصل تاریخی دور شروع ہوا۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل اردو- تاریخ طبری' ص 1097)

قریش کا ریاستی انتظام:

قصی نے چھوٹی سی ریاست کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ ریاست جمہوری اصول پر قائم کی۔ اس کے کئی شعبے تھے جو مختلف قبائل میں تقسیم کیے گئے۔ ریاست کے بڑے شعبے تو تین تھے:

1- فوجی شعبہ 2- عدالتی شعبہ 3- مذہبی شعبہ

1- فوجی شعبہ:

یہ شعبہ چار ذیلی شعبوں پر مشتمل تھا:

i- عقاب...... یعنی قومی نشان کی علمبرداری

ii- قبہ...... یعنی فوجی کیمپ کا انتظام

iii- آعنہ...... سوار لشکر کی سپہ سالاری

iv- سفارہ...... دوسرے قبائل اور حکومتوں کے درمیان گفتگو اور خط و کتابت وغیرہ

2- عدالتی شعبہ:

یہ شعبہ بھی چار ذیلی شعبوں پر مشتمل تھا:

i- ندوہ......قومی مجالس کا اہتمام

ii- مشورہ......اہم امور میں صلاح و مشاورت

iii- اشناق...... جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت

iv- حکومتی مقدمات کا فیصلہ

3- مذہبی شعبہ:

یہ شعبہ چھ ذیلی شاخوں پر مشتمل تھا:

i- سقایہ......حجاج کرام کے خوردونوش کا انتظام

ii- عمارہ......خانہ کعبہ کا انتظام

iii- رفادہ......حاجیوں کی مالی اعانت

iv- سدانہ......خانہ کعبہ کی کلید برداری

v- ایسار...... بتوں سے استخارہ کی خدمت

vi- اموال محجرۃ......بتوں کے چڑھاوے کا انتظام

ریاستی عہدوں کی تقسیم:

مذکورہ بالا تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ظہور اسلام کے وقت یہ عہدے اس طرح تقسیم تھے:

عقاب: بنی امیہ' قبہ اور آعنہ: بنی مخزوم' سفارت: بنی عدی' ندوہ: بنی عبد الدار' شورہ: بنی اسد' اشناق: بنی تیم' حکومت: بنی سہم' سقایہ اور عمارہ: بنی ہاشم' رفادہ: بنی نوفل' سدانہ: بنی عبدالدار' ایسار: بنی جمح اور اموال المحجرہ: بنی سہم۔ (عقد الفرید' ج دوم' ص 31)

قصی کی خدمات حجاج:

خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا' حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے۔قصی سے قبل ان کے لئے آرام و آسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ "حجاج سینکڑوں میلوں کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لئے آتے ہیں لہٰذا ان کی میزبانی کرنا ہمارا فرض منصبی ہے۔" اس تحریک پر قریش نے اس مقصد کے لئے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔مکہ چونکہ ایک بے آب و گیاہ مقام ہے' قصی نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا۔ (تاریخ طبری' ص 196)

قصی کے چھ بیٹے تھے' مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبدالدار کو دے دیئے اور قریش کی سیادت عبدمناف نے حاصل کر لی۔عبدمناف کے چھ لڑکے تھے ان میں سے ہاشم رسول اللہ ﷺ کے دادا سب سے زیادہ بااثر تھے۔ بنوعبدالدار کی نااہلی کی وجہ سے انہوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبدالدار سے لے لئے۔

عرب جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں

عربوں کی اجتماعی حالت

کسی ملک کی آب و ہوا وہاں کے رہنے والوں کی زندگی پر طبعی طور پر نمایاں اثر ڈالتی ہے۔ آب و ہوا ہی ان کے معاشی اور معاشرتی نظام پر مترتب ہوتی ہے۔ ان کی طبیعتوں اور ان کے اخلاق پر زیادہ تر اسی کا غالب اثر ہوتا ہے۔ عرب ایک بنجر اور خشک جزیرہ نما سرزمین تھی جہاں بارش بہت کم ہوتی اور چشمے نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس بناء پر یہ زمین ناقابل کاشت تھی اور نہ ہی یہ شہری زندگی کے لئے موزوں تھی۔ علاوہ ازیں یہاں کے باشندے فطری طور پر خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے۔ وہ خیموں میں رہتے اور بھیڑ بکریاں چراتے' ان کا گوشت کھاتے اور دودھ پیتے' ان کی اون اور بالوں سے پوشاک بناتے۔ وہ اپنے جانوروں کو چرانے کے لئے بارانی مقامات اور سبزہ زار علاقوں کی تلاش میں پھرتے رہتے اور وہ اس کی وادیوں اور گھاٹیوں میں گھومتے رہتے۔

جبکہ قریشی اور قحطانی ان سے مختلف تھے کیونکہ قریش کا تو بیت اللہ کی دیکھ بھال اور تولیت کی وجہ سے احترام کیا جاتا تھا اور یمن و شام کے تجارتی سفروں کی وجہ سے ان کی قبائل کے ساتھ ربط و تعلق اور اُلفت و محبت تھی جبکہ قحطانیوں کا علاقہ سرسبز و شاداب' زرخیز اور بارانی تھا۔ ان کی زمین سے وافر مقدار میں غلہ اور پھل حاصل ہوتا تھا لیکن جب قحط پڑ جاتا اور زمین خشک ہو جاتی تو وہ آپس میں ایک دوسرے پر حملے کرتے اور مال وغیرہ لوٹ لیتے تھے جس بناء پر ان کے فکری رجحانات پراگندہ تھے۔ مسلسل لڑائیاں ہوتی تھیں' ہر طرف بدامنی تھی اور آپس میں ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ قحط اور جنگ ان کی جاہلی زندگی کے دو ہی محرک تھے۔ انہی کی وجہ سے وہ بہادری اور سخاوت کے مداح تھے۔ زبان دانی اور فصاحت پر اتراتے تھے۔ لڑکوں کو ترجیح دیتے اور لڑکیوں کو زندہ درگور تک کر دیتے تھے۔ افرادی قوت پر ناز کرتے تھے اور وسیع رشتہ داروں کو باعث غلبہ سمجھتے تھے۔

(تاریخ ادب عربی اُردو' ص 19)

عربوں کی سیاسی حالت

خانہ بدوش زندگی سے لگاؤ' سفروں سے محبت اور جنگ و جدال کی وجہ سے ان کی طبیعتیں کسی قسم کی پابندی قبول کرنے کی عادی نہیں تھیں۔ ان پر حریت' عصبیت اور وحشت کا غلبہ تھا۔ ان کا نہ تو کوئی اجتماعی تمدن تھا نہ سیاسی حکومت تھی۔ نہ فوجی نظام تھا اور نہ ہی کوئی دینی فلسفہ تھا۔ پوری قوم اور اُمت کا کوئی سماجی نظام نہ تھا اور قبیلوں کے سردار ہی حکمران ہوتے تھے جو نسل در نسل ان کے وراثتاً مالک ہوتے تھے اور وہ مروجہ دستور کے مطابق حکومت کرتے تھے۔ ان کے ہاں نہ تو یونانیوں کی طرح

خاندانی طرز حکومت تھا' نہ مصریوں اور ایرانیوں کی طرح شاہی حکومت تھی البتہ حیرہ اور شام میں عرب تاجدار تھے لیکن وہ خود نہ تھے بلکہ حیرہ میں لخمی' کسریٰ ایران کے ماتحت اور شام میں غسانی حکمران' قیصر روم کے زیر کنٹرول ہوتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت تک تمدن' رائے عامہ' ملوکیت' جمہوریت اور جاگیرداری کے معانی و مطالب کے اظہار کے لئے تمام عربوں اور سامی اقوام کے پاس الفاظ نہیں ملتے۔ فوجی نظام تو اسلام کے بعد تک بھی مکمل اور منظم شکل میں وجود پذیر نہیں ہو سکا کیونکہ کسی کی ماتحتی قبول کرنا اور اپنی انفرادیت و شخصیت سے دستبردار ہونا' یہ عسکری نظام کے دو بنیادی رکن ہیں۔ یہی دو چیزیں ہیں جو کہ عربی ذہنیت اور طبیعت کے بالکل برعکس تھیں۔

اہل عرب دو بڑی نسلوں سے تعلق رکھتے تھے:

1- قحطان

2- عدنان

1- قحطان یا قطورا:

یہ دراصل یمن کے رہنے والے تھے۔ زمانہ قدیم میں ان کا ایک بادشاہ سرخ لباس پہننے کے سبب حمیر کے لقب سے مشہور تھا اس نسبت سے یہ لوگ بھی حمیری کہلانے لگے۔ اکثر مورخین انہیں ابھی تک یمنی ہی لکھتے ہیں۔ دوسری صدی عیسوی میں ان کی ایک شاخ جو بنی خزاعہ کہلاتی تھی' مکہ کے گردونواح میں جا کر آباد ہو گئی۔ رسول کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت یہ قبیلہ سواد مکہ ہی میں سکونت پذیر تھا۔ حمیریوں کی ایک دوسری شاخ مدینہ چلی گئی اور اوس و خزرج دو مشہور قبیلوں میں بٹ گئی۔ ایک تیسری شاخ عراق اور شام کے علاقوں میں جا پہنچی۔ اس کے بھی دو حصے ہو گئے اور وہ بنی عدنان اور بنی کلب کہلائے۔

2- عدنان:

یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے تھے مگر بعد میں اپنے ایک ممتاز سردار مضر کے نام پر مضری کہلانے لگے۔ ان کی مختلف شاخیں بنی قیس' بنی بکر' بنی تغلب' بنی تمیم اور بنی قریش سارے صوبہ حجاز میں پھیلی ہوئی تھیں۔ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے باعث قبیلہ قریش کو سب سے افضل سمجھا جاتا تھا۔

حمیریوں اور مضریوں کے مابین ابتداء ہی سے عداوت چلی آتی تھی۔ اس کا سبب حمیریوں کی تمدنی برتری تھی جس کی بدولت انہوں نے مضریوں کے متعدد قبائل کو اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ اس غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے کئی ایک خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ شاعروں اور افسانہ نگاروں نے باہمی مناقشت کو اور بھی ہوا دی۔ جنگ و جدل کا یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا تا آنکہ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام نے اس عناد کو ختم کر کے دیرینہ دشمنوں کو باہم شیر و شکر بنا دیا۔

عربوں کی معاشرتی حالت

اہل عرب تہذیب و حضارت اور شہریت کے اصولوں سے نا آشنا تھے۔ وہ معاشرتی نظم و نسق سے بے بہرہ تھے تاہم بدوی طرز زندگی میں بھی معاشرے کے ابتدائی خدوخال نمایاں تھے۔ معاشرتی طور پر ہم عربوں کو تین طبقات میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1- حضری

2- بدوی

3- غلام

1- حضری اہل عرب:

حضری اہل عرب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو مستقل طور پر شہروں میں رہائش پذیر تھے۔ ان لوگوں کی گزران کا دارومدار تجارت اور زراعت پر تھا لیکن دیگر عربوں کی بہ نسبت ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ یہ عرب لوگ بحر قلزم کے ساحلی صوبوں یمن اور حجاز میں آباد تھے۔

2- بدوی اہل عرب:

عرب کی زیادہ تر آبادی بدوی قبائل پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ خانہ بدوشی اور صحرانشینی کی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ان لوگوں کی معیشت اور زندگی کا انحصار جانوروں پر تھا۔ ان کا دودھ اور گوشت بطور خوراک اور کھال بطور لباس استعمال کرتے اس بناء پر جہاں کہیں چراگاہ اور نخلستان نظر آتا' وہیں خیمے گاڑ دیتے۔ جب پانی اور گھاس ختم ہو جاتی تو کسی دوسری جگہ کی تلاش میں نکل پڑتے اور یہ لوگ تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے۔ قتل و غارت گری میں بہادری محسوس کرتے۔ ڈاکہ مار کر روزی حاصل کر کے فخر کا اظہار کرتے۔

3- غلام اہل عرب:

غلاموں کو عرب معاشرے میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ غلاموں کو نوکروں اور خادموں کی حیثیت دیتے تھے۔ غلام عرب اور عجم دونوں سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب' جنگ میں شکست کے بعد غلام بن جاتے۔ عجمی لوگ تجارت کی غرض سے عرب علاقوں کا رُخ کرتے۔ غلاموں کی خرید و فروخت کے لئے باقاعدہ بازار لگتے۔ آقا یعنی مالک غلام پر ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھاتا۔ مالکوں کو حق حاصل تھا کہ وہ غلاموں کو جان تک سے مار ڈالیں۔ معمولی نوعیت کی غلطیوں پر غلاموں کو عبرت ناک سزائیں دی جاتیں' انہیں اذیت ناک اور انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ پھر یہ غلامی نسل در نسل منتقل ہوتی۔ غلام ابن غلام ہوتا حتیٰ کہ لونڈیوں کو بھی ظلم کا تختہ مشق بنایا جاتا۔ بعض لوگ ان سے زبردستی پیشہ کرواتے اور وہ آقاؤں کی ہوس پرستی کے کام آتیں۔ ناچنے والی لونڈیاں نسبتاً زیادہ قیمتی ہوتیں۔

مختصر یہ کہ غلاموں اور لونڈیوں کی جان و مال' عزت و آبرو اور اولاد حتیٰ کہ سب کچھ ان کے

آقا کی ہی ملکیت تھی یعنی مالکوں کو غلاموں پر قاہرانہ تصرف حاصل تھا۔

عربوں کی معاشرتی خامیاں اور عیوب:

دنیا کی شاید ہی کوئی برائی ہو جو عربوں میں موجود نہ تھی مثلاً:

1- عرب لہو و لعب، فسق و فجور اور قتل و غارت گری کے رسیا تھے۔ بدکاری عام تھی، زنا کا علانیہ ارتکاب کیا جاتا۔

2- شراب نوشی اس قدر عام تھی کہ عرب کا ہر گھر مے خانہ تھا۔ کثرت شراب نوشی کی بناء پر واہی تباہی بکنا عربوں کا معمول تھا۔

3- بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی اور باپ کی وفات کے بعد بیویاں بطور وراثت بیٹوں میں تقسیم ہو جاتیں۔

4- ایک ہی شخص کا دو حقیقی بہنوں سے نکاح جائز تھا۔

5- جواء بازی، شائستہ اور شریفانہ تفریح سمجھی جاتی تھی۔ جوئے باز مال و متاع، گھر بار حتیٰ کہ بیویاں تک داؤ پر لگا دیتے تھے۔

6- یہودیوں سے تعلقات کی بناء پر سودخوری کی لعنت سے آلودہ تھے۔ سود در سود کی وجہ سے جب مقروض دیوالیہ ہو جاتا تو اسے غلام بنا لیا جاتا۔

7- بے ہودگی اس قدر تھی کہ کوئی عرب اگر کسی دوشیزہ پر فریفتہ ہو جاتا تو اس کے حسن و شباب کی تعریف میں نہایت فحش اور عریاں اشعار کہتا۔ سرعام عاشقانہ تعلقات کی تشہیر کی جاتی۔ اشعار میں محبوبہ کے ایک ایک عضو کی ساخت کی تعریف کی جاتی۔

8- شریف زادیوں کی عفت و عصمت کو سرعام نیلام کیا جاتا۔ ایسی ذلت و اہانت سے بچنے کے لئے عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔

9- عرب نہایت سنگدل تھے، وہ جانوروں کو درختوں سے باندھ کر تیر اندازی کی مشق کرتے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے۔

10- عرب مجرموں کو حد درجہ وحشیانہ سزائیں دیتے۔ قیدیوں سے غیر انسانی سلوک کیا جاتا۔ ایک ایک عضو کاٹ کر موت کا مزا چکھایا جاتا۔ دشمنوں کا جگر نکال کر کچا چبا لیا جاتا اور ان کی کھوپڑی میں شراب پی جاتی۔ مقبولیت کے اعضاء ناک، کان، ہاتھ، پاؤں کاٹ دیئے جاتے۔

11- عربوں میں انسانی اور حیوانی جان کا احترام بالکل ختم ہو چکا تھا۔ حرام و حلال کی قطعاً تمیز نہ تھی۔ وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا۔ زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ کر کھا جاتے۔ جانوروں کو ڈنڈوں سے ہلاک کر کے گوشت کھا جاتے۔

12- عربوں میں بے حیائی عام تھی، بالکل برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے، کھلے میدانوں میں بالکل ننگے بیٹھ کر نہاتے اور محفل میں ازراہ مذاق ننگے ہو جاتے۔

الختصر عرب جہالت، خونخواری، قتل و غارت، بے حیائی جیسی پستی کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

عربوں کی معاشرتی خوبیاں اور محاسن:

بے شمار خامیوں کے باوجود عربوں میں کچھ نہایت اعلیٰ درجے کی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1- عرب حریت و آزادی کے متوالے اور علمبردار تھے۔ ملی غیرت کی خاطر جان تک کی بازی لگا دیتے تھے۔ عرب حقیقی معنوں میں بطل حریت تھے۔ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ فنون حرب اور سپاہ گری تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

2- عرب حد درجہ کے مہمان نواز اور وعدہ نبھانے میں ضرب المثل تھے۔ عیاری اور مکاری سے ناآشنا اور حق گوئی اور بے باکی ان کا شیوہ تھا۔ ان کے عزائم ناقابل تسخیر اور ان کے ارادے غیر متزلزل ہوتے تھے۔

3- عرب مستقل مزاج، آہنی اعصاب اور بے پناہ قوت کے حامل تھے۔

4- عرب شاعری، زبان آوری، فصاحت و بلاغت، خطابت اور شعلہ نوائی میں بے مثل تھے۔ وہ اپنے مقابلے میں غیر عربوں کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے۔ عربی زبان ان کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار تھا۔

5- اہل عرب کے بچے، بوڑھے، مرد و زن اور عالم و جاہل، شعر گوئی، فن شاعری اور نقد شعر کے اوصاف سے مالا مال تھے۔

6- اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو بے نظیر قوت حافظہ اور لاثانی ذہانت و فطانت کی نعمتوں سے نوازا تھا۔

7- ان کا نظام دیہاتی علاقوں کے خاندانوں سے کافی حد تک ملتا جلتا تھا جو افراد خاندان کی ریڑھ کی ہڈی کہلاتے تھے وہ ماں، باپ، اولاد، پوتے اور غلام ہوتے تھے۔ باپ گھر کا مطلق العنان سربراہ ہوتا تھا۔ خاندان میں شوہر کے بعد بیوی کا احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ شوہر اس کی عزت افزائی کرتا اور اسے اپنے معاملات میں شریک کرتا تھا اور اشعار میں اس کی تعریف کرتا تھا۔

8- ان کے ہاں شادی کی رسم میاں بیوی کے درمیان خوشگوار رابطے اور محبت کی بناء پر انجام پاتی تھی۔

9- خاندان کے افراد اور قبیلے کے افراد کا آپس میں اس قدر گہرا تعلق ہوتا تھا کہ ان کے ہاں ایک مقولہ مشہور تھا:

انصر اخاک ظالما او مظلوما

''اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔''

عربوں کی تمدنی حالت

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے ہر علاقے کی مختلف حالت تھی۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور میں یمن' تمدنی اعتبار سے اوج کمال پر پہنچ چکا تھا۔ شام اور ایران سے متصل علاقے بھی ترقی یافتہ تھے لیکن عرب کے اندرونی مقامات کی حالت نہایت ابتر تھی۔ کئی چیزوں مثلاً سکہ' چراغ' کوزہ' پاجامہ وغیرہ کے لئے ان کی اپنی زبان میں الفاظ نہیں تھے بلکہ غیر زبانوں کے الفاظ لے کر انہیں عربی لہجہ میں ڈھالا ہوا تھا۔ ویسے عربی زبان ادبی لحاظ سے کافی وسیع تھی' شعر و شاعری کا بڑا رواج تھا۔ میلوں' نمائشوں اور دیگر اجتماعات کے مواقع پر شعراء اپنا اپنا کلام سناتے اور حسب قابلیت انعام و اکرام حاصل کرتے۔

عرب معاشرے میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ جس کی بظاہر یہ وجہ تھی کہ مردوں کو اہل و عیال کی معاشی کفالت کے علاوہ اکثر جنگیں بھی لڑنا ہوتی تھیں۔ سوسائٹی کا نظام چونکہ قبائلی تھا اس لئے چراگاہوں یا چشموں پر حق ملکیت کے لئے اکثر اوقات قبیلوں کی ایک دوسرے یا ایک ہی قبیلے کی دو شاخوں کی آپس میں لڑائیاں ہو جاتیں۔ کبھی کسی سردار کی جانشینی وجہ نزاع بن جاتی۔ اس قسم کی عداوتیں پھر سلسلہ وار اور نسل در نسل منتقل ہوتی جاتیں اور شعراء اپنی آتش بیانی سے اس آگ کو اور بھی بھڑکاتے رہتے۔ لڑائیوں کے اس لامتناہی سلسلے میں مردوں کے اکثر قتل کے نتیجے میں عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا جن کی حفاظت کی ذمہ داری باقی ماندہ مردوں پر آ پڑتی۔ اس بناء پر بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی بلکہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج عام تھا۔

عربوں کی اخلاقی حالت

عربوں کی اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی۔ ایک عورت کئی کئی خاوند کر سکتی تھی۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بدمستی میں ہر گناہ ثواب سمجھا جاتا' محرمات تک سے تمتع کار خیر خیال کیا جاتا۔ عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی۔ بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامہ عصمت اُتار پھینکتی تھیں۔ مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا۔ بعض قبیلوں میں انسانی شرمگاہ تک کی پرستش کی جاتی تھی۔ مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے۔ دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی۔ عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر دی جاتی تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد عورت تمام دنیاوی لذتوں سے محروم کر دی جاتی تھی اس لئے وہ شوہر کے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیتی تھی۔

اس تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوتا تھا تو اسے اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لئے جنگلوں اور پہاڑوں کا رُخ کرنا پڑتا تھا اور وہ تزکیہ روح کے لئے جسم کو ایسی درد انگیز سزائیں دیتا تھا جو بشری طاقت کی برداشت سے باہر ہیں۔ اس عالمگیر تاریک دور میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید کی جا سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے لیکن انہیں غرور اور گھمنڈ نے برباد کر دیا

تھا۔ ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا لیکن وہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا۔ وہ انتہاء درجہ کے طماع اور لالچی تھے۔ سودخوری ان کی فطرت میں داخل تھی جس نے ان میں بڑی شقاوت اور سنگدلی پیدا کر دی تھی۔ معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس ان کے ہاتھوں میں نہ تھا چنانچہ وہ دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت و تحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔

عربوں کی عقلی و فکری حالت

عربوں کی عقلی' فکری حالت اور علمی مقام کا اندازہ یمن کے تبع بادشاہوں' حیرہ کے منذر فرمانرواؤں اور شام کے غسانی حکمرانوں کے کارناموں سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے عالی شان بند باندھے' بنجر زمینوں کو آباد کیا' شہروں کو بسایا۔ اس کے باوجود ان کی ترقی کا صحیح مقام اور ان کے علوم کی کچھ حقیقت سے آشنائی ہمیں محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین کی تگ و دو کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے اور مزید ہونے کی توقع ہے۔ عدنانیوں کو ان کی قوت نظری' کثرت تجربات اور حالات کی مجبوریوں نے وسیع معلومات سے روشناس کیا جو ان کے تجربہ' کھوج اور سوچ و بچار کے نتیجے میں انہیں حاصل ہوئیں چنانچہ وہ جنگوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے طب' بیطاری اور شہسواری میں ماہر ہو گئے۔ گھاس اور بارش سے گہرا تعلق ہونے کی بناء پر وہ ان تاروں سے واقف ہو گئے تھے جن سے بارش کا پتہ چلتا ہے اور وہ ستاروں اور ہواؤں کا رُخ جاننے میں تجربہ کار ہو گئے تھے اور وہ ان تاروں کی وجہ سے بری و بحری تاریکیوں میں ان کی رہنمائی میں چلتے تھے۔

انہوں نے اپنے قومی تعصب کی حفاظت کرنے' قابل فخر واقعات بیان کرنے اور اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے علم انساب' واقعات گوئی اور شاعری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ وہ فراست' قیافہ شناسی اور علاقے کے اوصاف بیان کرنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے تاکہ اپنی نسل میں بیگانوں کا اندراج واضح کر دیں' اپنے سے بھاگنے والوں کو قدموں کے نشانات سے پہچان لیں۔ ان کے روحانی اعتقاد کے میلان نے انہیں کہانت' عرافت (غیبی باتیں معلوم کرنا) اور زجر (جانوروں کی آواز سے حالات کا اندازہ لگانا) پر ایمان لانے پر مجبور کیا چنانچہ وہ اپنی بیماریوں میں کاہنوں کی طرف رجوع کرتے اور اپنے اغراض و مقاصد کو سرانجام دینے کے لئے عرافوں سے پوچھتے تاآنکہ اسلام نے آ کر ان تمام خرافات کو ختم کر دیا۔

عربوں کی مذہبی حالت

وہ عرب جہاں حضرت ابراہیمؑ نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور خالصتاً خدائے واحد کی پرستش کے لئے سب سے پہلے اللہ کا گھر بنایا' یہ قوم دوسری اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی۔ گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی اور اہل عرب مسلک ابراہیمی کو ترک کرتے ہوئے

مشرکانہ عقائد اور دوسرے مذاہب کے غیر فطری رسم و رواج کے جال میں پھنس چکے تھے۔ وہ مختلف قسم کے خرافات اور اوہام و تصورات کا شکار تھے۔ تعویذ' ٹونے ٹوٹکے اور کہانت کی گرم بازاری تھی۔ وہ مختلف مذاہب کے مختلف عقائد کے اسیر تھے اور سرزمین عرب میں بیک وقت کئی مذاہب رائج تھے۔ اب ہم ذیل میں مذاہب عرب کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں:

(1) صنم پرستی

عربوں کا سب سے بڑا مذہب صنم پرستی یعنی پتھروں اور بتوں کی پوجا کرنا تھا۔ ان کی نظر محسوس اشیاء کی عادی تھی حتیٰ کہ خانہ کعبہ جو کہ مرکز توحید تھا' صنم خانے میں تبدیل ہو چکا تھا جس میں اعلان نبوت کے وقت تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ ہر دن کا بت الگ ہوتا تھا۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے بتوں کے علاوہ لات' منات' عزیٰ اور ہبل اہم ترین بت تھے۔ ہر قبیلے اور خاندان کا اپنا علیحدہ بت تھا۔

لات...... بنو ثقیف کا بت تھا اور یہ طائف میں نصب تھا۔

مناۃ...... اوس اور خزرج کا بت تھا اور یہ مکہ اور مدینہ کے عین درمیان میں نصب تھا۔

ہبل...... خانہ کعبہ کی چھت پر تھا۔

یغوث...... قبیلہ بنو مراد کا بت تھا۔

یعوق...... بنو ہمدان اس کے پجاری تھے۔

عزیٰ...... یہ بنو غطفان کی عبادت کا مرکز تھا۔

دواریہ...... کنواری دوشیزاؤں کا بت تھا۔

اساف...... کوہ صفا اور ...... نائلہ...... کوہ مروہ پر نصب تھا۔ ان دونوں بتوں کے حضور قربانیاں دی جاتیں اور عجب پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی۔

لات' منات اور عزیٰ کے متعلق مشرکین کا عقیدہ تھا کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں لہٰذا تمام اہل عرب ان دیویوں کی پرستش کرتے۔ نہ جانے کتنے خدا تھے جو مختلف شعبہ حیات کے انچارج تھے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

> ''کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی تصویر تھی' ان کے ہاتھ میں استخارے کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی مورت بھی خانہ کعبہ کی زینت تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی مورتیاں بھی خانہ کعبہ میں موجود تھیں۔ یغوث اور یعوق' ایام جاہلیت کے مشہور لوگوں میں سے تھے جن کی تصویروں کو پتھروں پر منقش کر کے بطور یادگار خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیا گیا تھا۔ پھر ایک مدت بعد انہیں معبودیت کا رتبہ دے کر ان کی پرستش کرنے لگے۔'' (تاریخ طبری' تاریخ ابن خلدون)

سرزمین عرب کے بت

1- سواع:

قرآن پاک کی سورت نوح میں ود، یعوق، یغوث اور نسر نامی بتوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے یعنی قوم نوح ان پانچ بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ ان کی غرقابی کے ایک عرصہ بعد خزاعہ قبیلہ کے سردار عمرو بن لحی نے شام میں بت پرستی ہوتے دیکھی تو وہاں سے چند بت ساتھ لے آیا۔ پھر اس نے مذکورہ پانچوں بتوں کو جدہ کے مقام پر دریافت کیا اور اس کے بعد مختلف علاقوں میں ان کی پوجا ہونے لگی۔ عہد اسلام سے قبل یثرب (مدینہ) کے مغرب میں ینبع کے قریب رہاط کے مقام پر سواع بت کی پوجا ہوتی تھی نیز دومتہ الجندل میں قبیلہ ہذیل کے لوگ بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔ سواع کی شکل عورت کی تھی۔

2- العزیٰ:

یہ نام اعز کی تانیث اور تفضیل کا صیغہ ہے جبکہ اعز بمعنی عزیز اور عزی بمعنی عزیزہ لیا گیا ہے۔ مکہ سے چند میل دور وادیٔ نخلہ میں ببول کا ایک درخت تھا جس کے نیچے بت عزیٰ کا تھان تھا۔ عزیٰ کا بت حرم کعبہ میں بھی رکھا ہوا تھا جسے فتح مکہ کے وقت توڑا گیا۔ وادیٔ نخلہ میں بنو کنانہ عزیٰ کو پوجتے تھے اور اسے توڑنے کے لئے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا گیا تھا۔

3- اللات:

طائف میں بنو ثقیف اس کی عبادت کرتے تھے۔ "لات" کے معنی ہیں "ستو گھولنے والا" یہ ایک شخص تھا جو حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا' بعد میں عمرو بن لحی کے ایماء پر اس کا بت بنا کر اس کی پوجا کی جانے لگی۔ قریش سونے سے پہلے لات اور عزیٰ کی پوجا پاٹ کرتے اور انہی کی قسم کھایا کرتے تھے۔

4- منات:

یہ بت قدیم ترین تھا اور بحیرۂ احمر کے ساحل قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا۔ لات' منات اور عزیٰ عرب کے سب سے بڑے بت تھے اور ان تینوں کے نام سورۂ نجم میں آئے ہیں۔ اس کی پوجا کا آغاز بھی عمرو بن لحی نے کیا تھا۔ بنو ازد اور غسان' منات کا حج بھی کرتے تھے۔ اوس اور خزرج حج کے بعد منات کے پاس آ کر احرام اُتارتے تھے۔ فتح مکہ کے لئے جاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ نے اس بت کو منہدم کیا تھا۔

5- نسر:

حمیر (یمن) کے علاقے میں نجران کے پاس قبیلہ ذی الکلاع کے لوگ اس کی پوجا کرتے

تھے۔ آج کل نجران سعودی عرب کا شہر اور صوبہ ہے جو سرحد یمن کی طرف واقع ہے۔ نسر پرندے (گدھ) کی شکل کا بت تھا۔

6- وَدّ:

یہ بت دومتہ الجندل میں نصب تھا اور بنو کلب اس کے پجاری تھے۔ قریش بھی اس بت کو پوجتے تھے۔ وَد اور وُد دونوں ایک ہی بت کے نام ہیں۔ قریش کا مشہور بہادر اسی نسبت سے عبد وُد تھا جو کہ غزوۂ احزاب میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

7- یعوق:

یہ بھی ان بتوں میں شامل تھا جو جدہ میں دفن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن لحی کے تابع ایک جن نے اسے ان بتوں کا پتہ دیا تھا اور وہ انہیں کھود کر تہامہ لے آیا اور حج کے دنوں میں انہیں مختلف قبائل کے حوالے کر دیا۔ یعوق' یمن میں ارحب کے مقام پر نصب تھا۔ بنو ہمدان اور خولان اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کا تھان صنعاء سے دو دن کے فاصلے پر مکہ کی جانب واقع تھا۔ یعوق کے معنی ''مصیبت روکنے والا'' اور اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔

8- یغوث:

یہ بت اکمہ (یمن) میں نصب تھا اور بنو مذحج اور ہمدان اس کی پوجا کرتے تھے۔ قبیلہ طے کی شاخ انعم' مراد اور بنو غطیف بھی اس کے پجاری تھے۔ یغوث کے معنی ہیں ''فریاد کو پہنچانے والا'' اور اس کی شکل شیر کی تھی۔

10,9- اساف' نائلہ:

اساف' ایک انسانی شکل کا بت تھا اور عمرو بن لحی نے اسے زمزم کے پاس رکھ دیا تھا۔ لوگ اس کا طواف کرتے اور ساتھ قربانی بھی دیتے تھے۔ اساف (مرد) اور نائلہ (عورت) خانہ کعبہ میں زنا کے مرتکب ہوئے تھے اور جب لوگوں نے دیکھا کہ وہ پتھر بن چکے تھے تو لوگوں نے عبرت کے لئے اساف کو صفا اور نائلہ کو مروہ پر رکھ دیا مگر ابن لحی نے حرم میں ان کی پوجا شروع کر دی۔

11- ذوالخلصہ:

یہ بت تبالہ کے مقام پر نصب تھا اور دوس' خثعم اور بجیلہ قبائل اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے تھان کو کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا۔

12- ذوالشریٰ:

یہ ازد اور دوس قبائل کا دیوتا تھا اور عسیر کے علاقے میں اس کی پوجا ہوتی تھی۔ شریٰ' تہامہ میں ایک پہاڑی مقام تھا دراصل قبطیوں میں ذوالشریٰ اور خریس دیوتاؤں کا جوڑا تھا۔ ادوم (اردن) کے ایک پہاڑی مقام کا نام بھی شریٰ تھا اور یہاں بھی ذوالشریٰ کو خصوصاً پترا (بطراء) میں پوجا جاتا تھا۔

13- ذوالکفین:

یہ قبیلہ دوس کا دیوتا تھا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے واپس گئے اور جا کر ذوالکفین کو جلا دیا۔

14- ہبل:

یہ قریش کے سب سے بڑے دیوتا کا نام تھا۔ یہ دراصل ''بعل'' کی تحریف ہے۔ ''بعل'' شامیوں کا دیوتا تھا اس سے منسوب بعلبک' شام کا قدیم شہر ہے۔ بعل کے لغوی معنی ''قوت'' کے ہیں اور مجازاً آقا کے معنی لئے جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں ''بعل'' شوہر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ بت قریش کو انسانی مورت کی شکل میں ملا تھا جو سرخ عقیق سے تراشا گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا' قریش نے وہ سونے کا بنوا کر لگا دیا۔ ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ فال کے پانسے اس کے آگے ڈالے جاتے تھے۔ قریش جنگوں میں أعل ھبل (ہبل کی جے) نعرہ لگاتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ نے اسے توڑ دیا تھا۔

(2) یہودیت

بت پرستی کے بعد عرب کا دوسرا اہم ترین مذہب یہودیت تھا۔ پانچویں صدی قبل مسیح' بخت نصر کے حملہ کے نتیجہ میں یہودی عرب میں آباد ہوئے 354 قبل مسیح ذونواس حمیری بادشاہ جب یہودی ہوا تو عرب میں یہودیت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ حجاز میں انہیں عربوں پر علم اور دولت میں برتری حاصل تھی۔ یہ لوگ خود کو عربوں سے اعلیٰ و ارفع خیال کرتے بلکہ وہ عربوں کو ''اُمّی'' یعنی جاہل کہتے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی چہیتی اور برگزیدہ قوم کہتے۔ وہ یقین سے کہتے تھے کہ جہنم کی آگ ہمیں چند دن سے زیادہ نہیں چھوئے گی۔ وہ الٰہیات کے اجارہ دار سمجھے جاتے۔ انہیں مذہبی موشگافیوں میں کمال حاصل تھا۔ وہ سودی کاروبار میں بہت آگے تھے۔ ان کے نزدیک اُمیوں سے دجل' فریب اور ظلم جائز تھا لیکن وہ عرب میں اپنے نجات دہندہ (آخری نبی) کی آمد کے منتظر تھے۔

(3) عیسائیت

تیسری صدی عیسوی میں نصرانیت عرب میں داخل ہوئی۔ اس وقت تک مشرقی کلیسا میں خرابیاں اور بدعتیں رواج پا چکی تھیں۔ بنوربیعہ' بنوغسان اور بنوقضاعہ عیسائی اور رومی سلطنت قریب ہونے کی وجہ سے اس مذہب سے متاثر ہوئے۔ حبشہ کی عیسائی سلطنت کے آثار بھی یہاں پہنچے۔ یہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی بجائے سینٹ پال کے مذہب کے پیروکار تھے۔ یہ تثلیث کے علاوہ ''مادر خدا'' کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔ وہ اس فریبی تصور میں مبتلا تھے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بیٹے (حضرت عیسیٰؑ) کی قربانی قبول کر کے عیسائیوں کا کفارہ بھی قبول کر لیا ہے اور اب انہیں

گناہوں کی کھلی چھٹی ہے۔ وہ صرف پادری کے سامنے اعتراف جرم ضروری سمجھتے البتہ یہودیوں کے مقابلے میں ان کی اخلاقی حالت بہتر تھی اور یہ قبول حق کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔

(4) مجوسیت

ایران و عراق کی سرحد کے قریب آباد عرب' زرتشت کے آتش پرست مذہب سے متاثر ہوئے۔ یہ ایرانیوں کی طرح نیکی کے خدا یزدان اور بدی کے خدا اہرمن کے قائل تھے۔ یہ لوگ عملاً آگ کی پوجا کرتے اور آگ ہی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ حیرہ کی ریاست مجوسی عربوں کے زیر تسلط تھی۔

(5) صابئیت

جاہلی عربوں میں ستارہ پرستی کا بھی بڑا چرچا تھا۔ ستارہ پرست یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ہمارا مذہب' الہامی مذہب ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم حضرت شیث اور حضرت اخنو یعنی حضرت ادریس علیہم السلام کے پیرو ہیں۔ ان کے نزدیک سات وقت کی نماز اور ایک قمری مہینہ کا روزہ تھا۔

علامہ ابن خلدون کے مطابق ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کا دعویٰ صحیح ہو لیکن ان میں یہ بڑا عیب تھا کہ وہ سات ستاروں کے پجاری تھے اس کے باوجود وہ خانہ کعبہ کی تکریم کرتے تھے۔

(6) دہریت

عرب میں کچھ لوگ اس طرح کے بھی تھے جنہوں نے مشرکانہ عقائد کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ لوگ نہ تو بت پرست تھے اور نہ ہی کسی کتاب اور الہامی مذہب کے پابند تھے وہ خدا اور حشر و نشر کے منکر تھے لہٰذا وہ جزا و سزا کے بھی قائل نہ تھے بلکہ وہ دنیا کو ہی ازلی و ابدی خیال کرتے تھے چنانچہ یہ خود تشکیک کا شکار ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں کوئی تبدیلی نہ لا سکے۔

(7) کہانت

کہانت بھی جاہل عرب معاشرے کا نمایاں وصف تھی۔ کاہن وہ کہلاتا تھا جو اسرار کے جاننے اور غیبی خبروں پر اطلاع رکھنے کا دعویٰ کرے۔ گزشتہ حالات کی خبر دینے والا کاہن اور مستقبل کے متعلق مطلع کرنے والا عراف کہلاتا تھا۔ غیب دانی کا دعویٰ کرتے والوں میں مرد و زن ہر دو شامل تھے۔ عرب کے کاہنوں میں افعیٰ' جزیمہ ابرش' شق اور سطیح بہت مشہور تھے۔ غیب دانوں کی ایک قسم ناظر کہلاتی جو پانی سے بھری ہوئی پلیٹ یا آئینہ پر نگاہ ڈالتے اور غیب کی باتیں بتاتے یا حیوانات کی ہڈیوں' جگر اور اعضاء کو دیکھ کر حکم لگاتے۔ انہی میں طارقین حصی (کنکریاں پھینکنے والے) شامل تھے۔ اہل عرب تفاؤل اور

تشاؤم (نیک فالی و بدفالی) کے بھی بہت قائل تھے۔ کوے اور اُلو کو بہت منحوس خیال کرتے' اُلو کی آواز کو موت اور ویرانی کی علامت سے تعبیر کرتے۔ عطس (چھینک) کو بدفالی خیال کرتے۔ ان میں ساحر (جادوگر) بھی تھے جو شیطان کو دوست بنانے کے لئے بڑی جدوجہد کرتے تھے۔

(8) مذہب توحید

بقول ابن خلدون اقوام عرب کے دلوں میں دین کی تلاش کا شوق جاگزیں ہوا۔ انہیں بت پرستی اور الحاد سے بالکل نفرت ہو چلی تا آنکہ ورقہ بن نوفل' اسد بن عبدالعزیٰ' عثمان بن الحویرث بن اسد' حضرت عمر بن خطاب کے چچا زید بن عمرو (بنو عدی سے) اور عبیداللہ بن جحش (بنو اسد بن خزیمہ سے) ایک جلسہ میں جمع ہوئے اور بتوں اور پتھروں کی پرستش سے بیزاری ظاہر کر کے اقوام عرب کو سمجھانے اور انہیں دین ابراہیمی کے سکھانے پر آمادہ ہوئے۔ اس جستجو اور فکر میں ورقہ بن نوفل نصرانی ہو گئے اور عبیداللہ بن جحش اپنے خیال پر قائم رہا تا آنکہ اسلامی دور آیا تو یہ بھی مسلمان ہو گیا۔

لیکن ایسی فطرت سلیمہ کے مالک اور بصیرت قلبی کے حامل لوگ خال خال تھے۔ وہ توحید خالص تک پہنچنا چاہتے تھے مگر رسالت کی رہنمائی کے بغیر منزل مقصود پر پہنچنا محال تھا۔ زید بن عمرو نے بت پرستی' مردار خواری' خون ریزی اور دیگر معاشرتی خباثتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس قسم کے صاف باطن لوگ معاشرے کی مذہبی گمراہیوں سے نفرت کرتے اور ہدایت خداوندی کے منتظر تھے۔

عربوں کی اقتصادی حالت

اقتصادی اعتبار سے اہل عرب میں امیر' متوسط اور غریب ہر طرح کے لوگ پائے جاتے تھے۔ عرب کی وادی غیر زرعی تھی۔ ملک کا اکثر حصہ بنجر' خشک اور بے آب و گیاہ تھا۔ اس بناء پر غرباء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کسی باغ یا نخلستان کے مالک کو امیر ترین خیال کیا جاتا۔ عربوں کے عام پیشے زراعت' تجارت اور گلہ بانی تھے۔ اب ہم ذیل میں اس کا مختصر خاکہ بیان کرتے ہیں:

1- زراعت:

قرآن نے عرب کو "وادی غیر ذی زرع" قرار دیا ہے۔ عرب وسیع و عریض ریگستانوں اور بے آب و گیاہ ویرانوں پر مشتمل ہے۔ کہیں کہیں پانی مل جاتا تو زراعت ممکن تھی۔ بڑے بڑے شہر' نخلستانوں' چراگاہوں اور پانی کے چشموں کے پاس آباد تھے۔ مکہ مکرمہ میں تو ایسی صورت ممکن نہ تھی البتہ طائف اور یثرب (مدینہ) میں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ تاہم یمن کی زرخیزی و شادابی کا دارومدار زراعت کی ترقی میں تھا لیکن عرب اپنے جھگڑوں' نفاق کی بناء پر اور نظم کے فقدان کی وجہ سے اپنی معیشت کو مضبوط اور مستحکم نہ کر سکے بلکہ ان کے آپس کے اختلافات اور باہمی لڑائیوں کی وجہ سے انہیں اتنی فرصت ہی نہیں تھی کہ اقتصادی ترقی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے متعلق سوچ و بچار کر سکتے۔

2- تجارت:

مکہ اور طائف کے باشندے عموماً تاجر تھے۔ آنحضرت کے جدامجد ہاشم نے روم کے قیصر' ایران کے کسریٰ' حبشہ کے نجاشی اور یمن کے اقیال سے تجارتی لائسنس حاصل کر لئے تھے چنانچہ عرب تجارتی قافلے بلاخوف وخطر ان ممالک میں کاروباری آمدورفت رکھتے۔ اس بناء پر مکہ کے تجارتی وفود مکہ سے عراق' عمان' فلسطین' شام' مصر' یمن اور حبشہ جاتے رہے۔ ان کی قیادت چونکہ مذہبی تھی نیز پاسبان حرم ہونے کی وجہ سے ان کے تجارتی قافلے ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ سے محفوظ اور کسی خوف اور خطرے کے بغیر مصروف سفر رہتے بلکہ بعض اوقات تو یہاں تک بھی ہو جاتا کہ ڈاکو دوسرے قافلوں کا لوٹا ہوا سامان اور مال و متاع بھی بطور نذرانہ انہیں دے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے قریشیوں کی تجارتی برتری پورے عرب میں مسلم تھی۔

ڈاکٹر حمید اللہ آف پیرس لکھتے ہیں کہ بعض اوقات دوسرے قبائل کو بھی بعض علاقوں سے گزرنے کے لئے ان سے اجازت نامے حاصل کرنے پڑتے تھے اور عرب کا ایک طبقہ صرف غلاموں کی تجارت کرتا تھا۔ یہی ان کا ذریعہ آمدن تھا۔

3- گلہ بانی:

عربوں کا اہم ترین پیشہ گلہ بانی تھا۔ شہروں کے معزز لوگ بھی اسے اختیار کئے ہوئے تھے۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء حتیٰ کہ سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی گلہ بانی کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ بدوی عربوں کا تو یہ واحد ذریعہ معاش تھا۔

4- دیگر مختلف پیشے:

زراعت' تجارت اور گلہ بانی کے مسلمہ ذرائع معاش کے علاوہ اہل عرب درج ذیل طریقوں سے بھی روزی کے حصول کی کوشش کرتے تھے۔

1- شعراء میلوں اور محفلوں میں کلام سنا کر روپیہ کماتے۔
2- کچھ لوگ سودی کاروبار کرتے تھے۔
3- کچھ بدوی قبائل لوٹ مار' ڈاکہ زنی اور تجارتی قافلوں کی غارت گری کو بھی آمدن کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے بلکہ وہ اسے شجاعت اور بہادری قرار دیتے تھے۔
یمن کے قحطانی قبائل' عدنانی قبائل سے زیادہ امیر اور خوشحال تھے۔

جاہلیت میں عرب کی مشہور منڈیاں اور تجارتی میلے

1- دومتہ الجندل:

یہ تجارتی بازار یکم ربیع الاوّل سے 15 ربیع الاوّل تک منعقد ہوتا تھا' پھر نرم پڑ جاتا اور کچھ نہ کچھ سلسلہ مہینے کے آخر تک چلتا رہتا۔ پھر لوگ آئندہ سال تک کے لئے اپنے اپنے قبائل میں واپس

چلے جاتے۔ بنوطے بنی جدیلہ اور بنوکلب اس کے اردگرد رہائش پذیر تھے۔

2- مشقر:

یہ منڈی ہجر کے قریب بحرین میں لگتی تھی اور جمادی الاخریٰ کے آغاز سے مہینے کے آخر تک جاری رہتی تھی۔ اس منڈی میں فارس کے تاجر سمندری سفر طے کر کے اپنا تجارتی سامان لے کر آتے تھے۔ عبدالقیس اور تمیم کے قبائل اس کے آس پاس مقیم تھے۔

3- صحار:

یہ منڈی عمان میں رجب کی پہلی تاریخ سے پانچ تاریخ تک لگا کرتی تھی۔

4- دبا:

یہ منڈی رجب کے آخری دن لگتی تھی اس میں سندھ، ہند اور چین کے تاجر شریک ہوتے تھے۔

5- شحر:

یہ منڈی مہرہ کے علاقے میں اس پہاڑ کے سائے میں منعقد ہوتی تھی جس پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ بنو محارب اس کے اردگرد قیام پذیر تھے۔

6- سوق عدن:

یہ بازار یکم رمضان سے شروع ہو کر 10 دن تک جاری رہتا تھا۔

7- سوق صنعاء:

یہ نصف رمضان سے آخر ماہ تک جاری رہتا تھا۔

8- رابیہ:

یہ بازار کندہ قبیلہ کے قریب حضر موت میں لگتا تھا۔ یہ عکاظ کی منڈی کے عین ساتھ ذوالقعدہ کے نصف سے آخر ماہ تک رہتا تھا۔

9- عکاظ:

یہ بازار عرفات کے قریب لگتا تھا اور یہ عرب کی سب سے بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اس میں قریش، غطفان، ہوازن، اسلم اور دوسرے مختلف قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ منڈی ذوالقعدہ کے نصف سے آخر ماہ تک جاری رہتی تھی۔

10- ذوالمجاز:

یہ منڈی بھی عکاظ کے قریب ہی لگتی تھی۔ یہ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر یوم الترویہ یعنی آٹھ ذوالحج تک جاری رہتی تھی۔ پھر لوگ منیٰ کو چلے جاتے تھے۔ ذوالمجاز کے شمال میں مجنہ کی منڈی بھی لگتی تھی۔

11- نطاۃ:

یہ منڈی خیبر میں لگتی تھی اور یوم عاشورہ یعنی 10 محرم سے آخر محرم تک جاری رہتی تھی۔

12- حجر:

یہ منڈی یمامہ میں عاشورہ سے شروع ہو کر محرم کے آخر تک لگتی تھی۔

(اطلس السیرۃ النبویہ مترجم' ص 61)

جزیرہ نمائے عرب کا طبعی جغرافیہ

جزیرہ نمائے عرب اسلامی تحریک کا ابتدائی مرکز رہا ہے۔ یہ قدیم زمانہ سے عربوں کا وطن ہے۔ یہ براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اسے تین سمندروں نے گھیرا ہوا ہے۔ مغرب میں بحیرۂ قلزم' جنوب میں بحیرۂ عرب اور خلیج عدن اور مشرق میں خلیج عربی (خلیج فارس) اور خلیج عمان جبکہ شمال میں شام کا صحرا ہے۔ علماء جغرافیہ نے طبعی لحاظ سے جزیرۂ نمائے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1- تہامہ:

یہ وہ ساحلی پٹی ہے جو بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم) کے ساتھ شمال میں ینبع سے لے کر جنوب میں نجران تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس علاقے کو سخت گرمی اور حبس کی وجہ سے ''تہامہ'' کہا جاتا ہے۔

2- کوہستان سراۃ:

یہ وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جزیرہ نمائے عرب کے مغرب میں اور تہامہ کے نشیبی علاقے کے مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی وادیاں ہیں۔ یہ سلسلہ خلیج عقبہ سے یمن تک وسیع ہے۔ اس کے شمال میں مدین کے پہاڑ اور جنوب میں عسیر کے پہاڑ ہیں اور درمیانی علاقے کو حجاز کہا جاتا ہے جہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ اس علاقے کو حجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تہامہ اور نجد کے درمیان حائل ہے (کیونکہ حجز کا لغوی معنی رکاوٹ ہے)۔

3- سطح مرتفع نجد:

یہ یمن اور جنوبی عراق کے درمیانی علاقے کا نام ہے اس کے مشرق میں علاقہ عروض ہے اس علاقے کو نجد اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سطح سمندر سے کافی بلند ہے۔ (چونکہ نجد کے لغوی معنی بلندی کے ہیں)۔

4- یمن:

جزیرہ نمائے عرب کے انتہائی جنوب مغرب میں پہاڑی علاقہ ہے جو مشرق میں حضرموت' مہرہ اور عمان سے ملا ہوا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کی سب سے اونچی چوٹی یہیں پائی جاتی ہے جو صنعاء کے

جنوب مغرب میں 3750 میٹر بلند ہے۔

5- عروض:

یہ یمامہ، عمان اور بحرین پر مشتمل ہے اس علاقہ کو ''عروض'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ نجد اور یمن کے سامنے (مشرق میں) واقع ہے۔

عرب کے شمالی علاقوں میں بارشیں سردیوں میں ہوتی ہیں اور وہ بھی بہت کم۔ یمن، عسیر اور عمان میں موسم گرما کی موسمی بارشیں بہت زیادہ ہوتی ہیں حتیٰ کہ یمن اور عسیر کے بعض علاقوں میں بارش کی مقدار 500 ملی میٹر تک پہنچ جاتی ہے البتہ عمان میں بارش اس سے کم ہوتی ہے۔ خط سرطان جزیرہ نمائے عرب کو خط استواء کے شمالی جانب 23.5 درجہ عرض بلد پر کاٹتا ہے اس لئے اس کے اکثر علاقوں میں عموماً گرمی ہوتی ہے خصوصاً موسم گرما میں تو انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی حکومتیں

جزیرہ نمائے عرب میں آج کل سات حکومتیں قائم ہیں، رقبے کے لحاظ سے ان کی ترتیب کچھ یوں ہے:

ملک	رقبہ	دارالحکومت
مملکت سعودی عرب	2,248,000 مربع کلومیٹر	ریاض
جمہوریہ یمن	472,099 مربع کلومیٹر	صنعاء
سلطنت عمان	306,000 مربع کلومیٹر	مسقط
متحدہ عرب امارات	83,000 مربع کلومیٹر	ابوظہبی
کویت	17,818 مربع کلومیٹر	کویت
قطر	11,437 مربع کلومیٹر	دوحہ
بحرین	694 مربع کلومیٹر	منامہ

اس طرح جزیرہ نمائے عرب کا مجموعی رقبہ 3,139,048 مربع کلومیٹر بنتا ہے۔

حجاز کا محل وقوع:

حجاز دراصل ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو جبل السراۃ کے وسطی حصے پر مشتمل ہے اور جبال مدین اور عسیر کے مابین واقع ہے۔ اس کے مشرق میں نجد اور مغرب میں تہامہ کا ساحلی میدان ہے۔ یہیں مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ اور مدینہ واقع ہیں۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 7 کے مطابق ''مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گرد و پیش کے علاقے حرم ہیں۔ جہاں صرف مسلمانوں کو داخلے کی اجازت ہے اگرچہ صحیح معنوں میں تہامہ، حجاز کا حصہ نہیں تاہم اسے اکثر کے نزدیک اس میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ جنوب میں حجاز کی سرحد یمن سے ملتی تھی لیکن زمانہ حال میں دونوں کے درمیان العسیر

حائل ہے اور الحجاز سے مراد وہ علاقہ ہے جو سعودی عرب کا مغربی صوبہ ہے۔"

المنجد فی الاعلام میں مرقوم ہے: "سعودی مملکت کا صوبہ حجاز' نجد کے مغرب میں بحیرۂ احمر پر واقع ہے۔ یہ شمال میں خلیج عقبہ سے لے کر جنوب میں (صوبہ) عسیر تک پھیلا ہوا ہے اس کا رقبہ 4 لاکھ مربع کلومیٹر اور آبادی 30 لاکھ ہے۔ اس کا صدر مقام مکہ ہے اور مدینہ' طائف' تبوک اور جدہ بڑے شہر ہیں۔

جدہ اور ینبع حجاز کی بڑی بندرگاہیں ہیں۔ حجاز کی چھوٹی بندرگاہوں میں خلیج عقبہ پر واقع حقل اور مقنا ہیں اور بحیرۂ احمر کے ساحل پر مویلح' ضبا' الوجہ اور اُم لج ہیں۔ مدینے سے نجد جانے والا بڑا راستہ نخلستان حناکیہ کے بعد دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک شاخ (سڑک) مشرق کی جانب القصیم کو چلی جاتی ہے اور دوسری حائل کو۔ مکہ مکرمہ سے مشرق کو جانے والا راستہ السیل الکبیر' قاعیہ اور دوادمی سے گزرتے ہوئے الریاض کو جاتا ہے۔ مدینہ کو دمشق سے ملانے والی حجاز ریلوے لائن کو پہلی جنگ عظیم میں نقصان پہنچا تھا۔

حجاز کے اندر مکہ مکرمہ اور طائف کے نواح میں چار قدیم قبیلے اب تک موجود ہیں۔ بنوہذیل' بنو ثقیف' بنوفہم اور بنوسعد بن بکر۔ نبی کریم ﷺ بچپن میں بنوسعد کی دائی حلیمہ سعدیہ کی نگرانی میں رہے۔ ادھر بنوبلی اور بنوجہینہ کے مرکز علی الترتیب الوجہ اور ینبوع یا ینبع ہیں۔ قریش مکہ میں صرف بنوشیبہ ہیں جو کعبے کے موروثی متولی ہیں جبکہ دیگر قبائل سب منتشر ہو چکے ہیں۔

تاریخ میں حجاز کی خودمختار سلطنت کا سرکاری نام صرف دس برس سے بھی کم عرصے کے لئے رہا یعنی شاہ الحسین بن علی کے عہد حکومت (1334ھ تا 1343ھ) میں 1344ھ/ 1925ء سے پورا حجاز سعودی مملکت میں شامل ہے۔" (اٹلس سیرتِ نبوی' بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ' ج 7)

تنبیہ:

یہ بات قابل توجہ ہے کہ شریف مکہ' حسین بن علی ہاشمی نے پہلی جنگ عظیم کے دوران میں خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کر کے برطانیہ کا ساتھ دیا تھا اور حجاز میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تھا۔

شمالی حجاز میں مدائن صالح کا قدیم نام الحجر ہے یہیں آج سے چھ ہزار سال پہلے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود آباد تھی جو پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اپنے گھر بناتی تھی۔ مدائن صالح' مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے کا سب سے بڑا اسٹیشن تھا جس کی سنگی عمارت اب تک جوں کی توں موجود ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک پرانا ترکی قلعہ ہے اس کے اندر ایک پرانا کنواں ہے جو اب خشک پڑا ہے۔ مقامی لوگوں کے بقول اس کنویں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ ان دنوں حجاز تین صوبوں مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ اور تبوک میں بٹا ہوا ہے۔

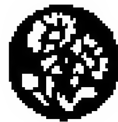
(سیّد ابوالاعلیٰ مودودی "سفرنامہ ارض القرآن")

دعوت توحید کیلئے عرب کا انتخاب

دنیا کا ہر اصلاحی اور مفید انقلاب خواہ وہ اخلاقی' روحانی یا مادی ہو اس کی زد سب سے زیادہ اونچے اور متمدن طبقے پر پڑتی ہے۔ اس سے اس کے وقار اور امتیاز کو صدمہ پہنچتا ہے اس لئے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں ہر مفید تحریک اور دعوت و اصلاح کی (خواہ وہ پیغمبر کی آواز حق ہو یا دنیاوی مصلح کی دعوت) اس طبقہ نے مخالفت کی جبکہ تجدید و اصلاح اور اس کو قبول کرنے اور اسے پھیلانے والے وہی طبقے رہے ہیں جنہیں غریب' نچلے درجے کا اور غیر متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔

ظہور اسلام کے زمانہ میں ایران و روم اور فرنگ کے خطے تعلیم و تہذیب' دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہو چکے تھے۔ ان میں جدید آواز حق کو سننے اور قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ تھی۔ عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا۔ عرب' کتابی تعلیم سے ناآشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے اور ہر طرح کی برائیوں اور خامیوں کے باوجود ان میں آزادی' حریت' حق گوئی' جرأت و بے باکی' شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے اس لئے متمدن اقوام کے مقابلہ میں ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی اس لئے امانت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لئے اس سادہ مگر پُرجوش قوم کا انتخاب ہوا اور دنیا میں توحید کے علمبردار خلیل اللہ کی نسل سے محمد بن عبداللہ ﷺ کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا۔

(تاریخ اسلام از شاہ معین الدین' ص 40)



رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد ہاشم:

ہاشم، عبد مناف کے بیٹوں میں نہایت صاحب صولت اور بااثر تھے۔ وہ شدید قحط کے سال میں فلسطین گئے، وہاں سے اونٹوں پر آٹا لدوا کر مکہ لائے، اس کی روٹیاں پکوائیں پھر ان کا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور مکہ والوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ اس لئے ان کا لقب ہاشم پڑ گیا۔ ایک بار ہاشم تجارت کے لئے شام روانہ ہوئے، راستے میں یثرب کے میلے میں ایک حسین عورت سلمٰی نجاریہ دیکھی، ہاشم کی خواہش پر سلمٰی نے ان سے نکاح کر لیا۔ شادی کے بعد وہ شام چلے گئے اور غزہ (فلسطین) میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئے۔ بعد میں سلمٰی سے ان کا بیٹا شیبہ پیدا ہوا جس نے آٹھ برس تک یثرب میں پرورش پائی، پھر ہاشم کے بھائی مطلب بھتیجے کو مکہ لے آئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب:

چونکہ شیبہ کی پرورش ان کے چچا مطلب نے کی اس لئے ان کا نام عبدالمطلب "یعنی مطلب کا غلام" مشہور ہو گیا۔ عبدالمطلب کی کنیت "ابوحارث" اور ابوالبطحاء تھی۔ عبدالمطلب بڑے خوبصورت، طویل قامت، دانشور اور فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ وہ ملت ابراہیمی کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ رمضان کا پورا مہینہ جبل حرا پر عبادت میں گزارتے۔ غرباء اور مساکین حتیٰ کہ وحشی جانوروں اور پرندوں کو کھانا کھلاتے۔ شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے سخت متنفر تھے۔ حطیم میں ان کے بیٹھنے کے لئے قالین بچھا رہتا تھا جس پر کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

عبدالمطلب کا عظیم کارنامہ، چاہ زمزم کی دریافت:

جب بنو جرہم کی بے اعتدالیوں اور مکہ میں آنے والے حاجیوں پر ان کے ظلم و ستم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے اقتدار چھیننے اور انہیں مکہ سے نکالنے کے اسباب مہیا کیے تو ان کے آخری سردار عمرو بن حارث جرہمی نے کعبہ کے نفیس اور قیمتی تحائف زمزم میں پھینک دیئے اور اسے توڑ پھوڑ کر اس طرح بھرا کہ اس کا نشان ہی مٹا دیا اور خود یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر مدتیں گزر گئیں اور زمزم اور اس کا محل وقوع لوگوں کے ذہن سے محو ہو گیا۔ آخر خواب میں عبدالمطلب کو زمزم کھودنے اور اسے دوبارہ جاری کرنے کا اشارہ ملا اور خواب میں ہی اس کے محل وقوع کی نشاندہی کی گئی چنانچہ عبدالمطلب صبح سویرے کدال لے کر اپنے بڑے بیٹے حارث کے ہمراہ وہاں پہنچے اور نشان زدہ جگہ کو کھودنا شروع کیا۔ جب کچھ دیر کھودنے کے بعد چاہ زمزم کے نشان مل گئے تو انہوں نے خوشی سے نعرہ بلند کیا۔

(مختصر سیرۃ الرسول، ص 49)

ایک لڑکا ذبح کرنے کی نذر:

عبدالمطلب نے آب زمزم پینے کے لئے سب لوگوں کے لئے وقف کر دیا اور نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس لڑکے عطا کرے جو ان کے لئے قوت کا ذریعہ اور مدافعت کا کامیاب علاج ہوں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس ذبح کر دیں گے۔

ایفائے نذر:

جب اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو دس لڑکے عطا کر دیئے اور وہ مضبوط جوان ہو گئے اور دشمن کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے تھے تو انہوں نے اپنی نذر پوری کرنا چاہی لیکن قریش رکاوٹ بن گئے مگر عبدالمطلب' عبداللہ کو ذبح کرنے پر اصرار کر رہے تھے کیونکہ قرعہ ان کے نام نکلا تھا بالآخر ایک کاہنہ نے یہ ترکیب بتائی کہ بچے اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو اگر قرعہ بچے کے نام نکلے تو دس اونٹ زیادہ کر کے پھر قرعہ ڈالو اس طرح دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ حتیٰ کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔ جب اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو ان اونٹوں کو ذبح کر دو اور سمجھ لو کہ اب رب راضی ہو گیا ہے اور تمہارے بچے کی جان بچ گئی ہے چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا بالآخر سو اونٹوں کے بعد قرعہ اونٹوں کے نام نکلا لہٰذا سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے۔ اس کے بعد قریش بلکہ سب عربوں میں سو اونٹ دیت مقرر کی گئی۔ بعد از اسلام نبی کریم ﷺ نے بھی اسے بحال رکھا۔

عبدالمطلب 579ء میں فوت ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ:

اونٹوں کے نام قرعہ نکلنے پر حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی چنانچہ قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی آمنہ سے ان کی شادی کر دی گئی۔ ایک روایت کے مطابق شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر 17 برس سے کچھ اوپر تھی۔ وہ تجارت کے لئے شام سے تجارتی قافلے کے ساتھ دومتہ الجندل' تیماء اور خیبر کے راستے یثرب پہنچے اس وقت بیمار تھے۔ انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ میں اپنے ماموؤں بنوعدی بن نجار کے ہاں ٹھہروں گا۔ وہاں وہ مہینہ بھر بیماری کی حالت میں رہے' قافلے کے مکہ پہنچنے پر عبدالمطلب کو خبر ملی تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو یثرب بھیجا مگر حضرت عبداللہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے اور انہیں دارالنابغہ میں دفن کیا گیا۔ (اٹلس سیرت نبوی' ص 84)

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے چالیس سال

حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ کی ولادت:

حضرت عبداللہ جن کا شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال ہو گیا' چونکہ محبوب خاندان تھے لہٰذا ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا۔ حضرت عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم

بہار اپریل 571ء میں 12 ربیع الاوّل کو ان کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچے کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لئے دعا مانگی۔ ساتویں دن عقیقہ کر کے محمد ﷺ نام رکھا (سیرت ابن ہشام ج 1) اور سارے قریش کی دعوت کی۔ قریش نے اس غیر مانوس نام رکھنے کا' جو اَب تک رائج نہ تھا سبب پوچھا تو عبدالمطلب نے کہا: میرا فرزند ساری دنیا میں مدح و ستائش کا سزاوار قرار پائے۔ (سیرت ابن ہشام ج 1)

ایام رضاعت:

عرب میں اس وقت دستور تھا کہ پیدائش کے بعد شرفاء اپنے بچوں کو کسی دیہاتی دایہ کے حوالے کر دیتے جو اسے لے کر گاؤں میں چلی جاتی۔ اس طرح کھلی ہوا میں تندرست رہنے کے علاوہ بچوں میں اہل عرب کی حقیقی خصوصیات بھی پیدا ہو جاتیں اور وہ خالص عربی زبان سیکھ جاتے چنانچہ ولادت کے آٹھ دن بعد نبی کریم ﷺ قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ کے سپرد ہوئے۔ بنی سعد اپنی فصاحت میں مشہور تھے' تقریباً چھ سال تک حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کی پرورش کی اس کے بعد واپس لا کر والدہ کے سپرد کر دیا۔

والدہ محترمہ کا انتقال:

حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد حضرت آمنہ ہر سال ان کی قبر کی زیارت کو مدینہ منورہ تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ چھٹے سال رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ہمراہ تشریف لے گئے' واپسی پر حضرت آمنہ بیمار ہو گئیں اور ابواء کے مقام پر انتقال فرمایا۔ والد ماجد تو پیدائش سے قبل ہی چل بسے تھے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔

نبی کریم ﷺ کا لڑکپن:

آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو شروع ہی سے آپ ﷺ کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ماں کے انتقال کے بعد انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا لیکن جب آپ ﷺ کی عمر 8 برس 10 دن کی ہوئی تو آپ ﷺ کے شفیق دادا بھی رحلت فرما گئے۔

آنحضرت ﷺ حضرت ابوطالب کی کفالت میں:

آپ ﷺ کے دادا اپنے انتقال سے قبل حضور اکرم ﷺ کو ان کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب کے حوالے کر گئے۔ چچا نے یتیم بھتیجے کی پرورش باپ کی طرح کی اور انہیں اپنی حقیقی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھا۔

نبوت شناس بحیرا راہب سے ملاقات:

رسول اکرم ﷺ جب بارہ سال کے ہوئے تو حضرت ابوطالب شام کے تجارتی سفر پر جانے لگے تو آپ ﷺ بھی اصرار کر کے ساتھ چلے گئے۔ جب یہ قافلہ بُصری (ملک شام) پہنچا تو عیسائیوں

کے ایک راہب بحیرا نے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق آخرالزمان نبی ہونے کی پیشین گوئی کی اور آپ ﷺ کے چچا سے کہا کہ اسے یہودیوں کے ملک میں نہ لے کر جاؤ' وہ کہیں انہیں پہچان کر تکلیف نہ پہنچائیں چنانچہ مشفق چچا نے آنحضرت ﷺ کو بصری سے ہی واپس کر دیا۔

حرب فجار:

پندرہ برس کی عمر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ میں حصہ لیا جسے حرب فجار کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں قریش اور بنی قیس کا آپس میں مقابلہ تھا۔ اگرچہ قریش سچائی پر تھے تاہم آنحضرت ﷺ نے کشت و خون میں حصہ نہیں لیا۔ آپ صرف دشمن کے پھینکے ہوئے تیر اُٹھا اُٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔ لڑائی کا خاتمہ بالآخر صلح پر ہوا۔

حلف الفضول:

حلف الفضول ایک مقدس اور پاکیزہ معاہدہ تھا۔ یہ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر منعقد ہوا تھا۔ اس کے پہلے محرک اور داعی رسول کریم ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ ہوا یوں کہ یمن کے شہر زبید سے ایک تاجر تجارت کی غرض سے آیا۔ مکہ کے صاحب حیثیت اور بااثر رئیس عاص بن وائل نے اس کا سارا مال خرید لیا لیکن رقم دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے قریش کے ہر قبیلے کے پاس فریاد کی لیکن کوئی بھی عاص کو یہ کہنے پر تیار نہ ہوا تو اس نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر پُرسوز اشعار پڑھے جن کو سن کر حضرت زبیر بن عبدالمطلب کا دل پگھل گیا چنانچہ انہوں نے اپنے حلیف قبائل کو غیرت دلائی لہٰذا یہ قبائل عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں خدا کی قسم کھا کر معاہدہ کیا کہ

"واللہ ہم سب مظلوم کی مدد کے لئے ظالم کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح متحد رہیں گے اور جب تک ظالم سے مظلوم کا حق نہیں لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

اس معاہدے کو قریش نے "حلف الفضول" کا نام دیا۔ پھر انہوں نے مل کر عاص بن وائل سے اس کا حق لے کر دیا۔ اس معاہدے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک ایسے معاہدے میں شرکت کی ہے کہ مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر اسلام میں بھی مجھے اس قسم کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔"

(مختصر سیرۃ الرسول' ص 47)

تجارت کا خیال:

جب رسول اکرم ﷺ جوان ہوئے تو آپ ﷺ کا میلان پہلے تجارت کی طرف ہوا مگر ذاتی سرمایہ نہیں تھا۔ مکہ میں نہایت شریف خاندان کی ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں' وہ بہت مالدار تھیں۔ اپنا روپیہ تجارت میں لگائے رکھتی تھیں انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ ﷺ کی سچائی' دیانت داری اور سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے خود درخواست کردی کہ اس کی رقم سے کاروبار کریں۔ رسول اکرم ﷺ اس کا مال تجارت لے کر گئے اس تجارت میں

آپ کو بہت نفع ہوا۔

اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی ان تمام خوبیوں اور محاسن کا ذکر حضرت خدیجہؓ کے گوش گزار کیا جن کا مشاہدہ خود سفر میں کیا تھا۔ ان اوصاف حمیدہ کو سن کر حضرت خدیجہؓ نے خود نکاح کی درخواست کر دی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا حالانکہ اس سے قبل حضرت خدیجہؓ بڑے بڑے سرداروں کے پیغام نکاح کو رد کر چکی تھیں۔

رسول اکرم ﷺ کا نکاح:

جب یہ نکاح ہوا تو آپ ﷺ کی عمر مبارک 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں وہ 25 سال تک زندہ رہیں۔ رسول اکرم ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی اکثر ان کا محبت سے ذکر کیا کرتے حتیٰ کہ ان کی سہیلیوں سے بھی عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔

اس شادی کے بعد آنحضرت ﷺ کا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور انسانیت کی فلاح و بہبود میں گزرتا تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو:

آنحضرت ﷺ کی عمر 35 سال تھی کہ زبردست سیلاب آیا جس سے خانہ کعبہ کی دیواریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئیں۔ قریش نے باقی ماندہ حصہ بھی توڑ دیا اور خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ عمارت کے بنانے میں تو سبھی شامل تھے مگر جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو ان کے مابین سخت اختلاف پیدا ہوا کیونکہ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ کام اس کے ہاتھ سے سرانجام پائے۔ چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر قریش میں سب سے عمر رسیدہ شخص ابو امیہ بن مغیرہ نے یہ رائے دی کہ کسی کو ثالث بنا کر اس سے فیصلہ کروا لیں۔ اس رائے کو تسلیم کر لیا گیا اور طے یہ پایا کہ اب جو کوئی سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا وہی سب کے لئے حَکَم ہوگا۔

جملہ قبائل کی طرف سے آپ ﷺ کو حکم تسلیم کرنا:

اب سب کی نظریں باب بنو شیبہ کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اتفاقاً آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے۔ اہل مکہ پہلے ہی آپ ﷺ کے وقار، صدق گفتار کی وجہ سے تیز گندے اخلاق اور ناپاک عادات سے دور رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو "امین" کہا کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ کو دیکھنا تھا کہ "ھذا الامین رضیناہ" کے نعرے لگ گئے یعنی "امین آ گیا ہم سب اس کے فیصلے پر راضی ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ایک چادر بچھائی، حجر اسود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس میں رکھ دیا، پھر ہر ایک قبیلے کے سردار کو کہا کہ اس چادر کو پکڑ کر اٹھائیں چنانچہ وہ اس چادر کو وہاں تک لائے جہاں پتھر نصب کرنا تھا۔ پھر

آنحضرت ﷺ نے اسے اٹھا کر کونے پر اور طواف کے سرے پر لگا دیا۔ (رحمتہ للعالمین یکجا' ص 45)

آنحضرت ﷺ نے اس حسن تدبیر سے ایک خونخوار جنگ کا انسداد کر دیا ورنہ اس وقت کے اہل عرب میں ریوڑ کے پانی پلانے' گھوڑوں کے دوڑانے' اشعار میں ایک قوم سے دوسری قوم کے اچھا بتانے جیسی ذرا ذرا سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔



کائنات ارضی پر آغاز انقلاب کے اثرات

غار حرا میں عبادت:

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ بعثت سے سات برس قبل آپ ﷺ کو ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی۔ آپ ﷺ اس روشنی کے معلوم کرنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔ اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب آتا گیا' آنحضرت ﷺ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کئی میل پرے سنسان جگہ کوہ حرا (جبل نور) کے ایک غار میں جس کا طول 4 گز اور عرض پونے دو گز تھا' جا بیٹھتے۔ عبادت کیا کرتے' اس عبادت میں اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس کا بھی ذکر شامل تھا اور قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر بھی۔ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتے شہر میں نہ آیا کرتے تھے۔

اب نبی اکرم ﷺ کو خواب نظر آنے لگے۔ خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے' دن میں ویسا ہی ظہور میں آ جاتا تھا۔ (رحمتہ للعالمین' ص 45)

بعثت و نبوت کی علامات:

جب رسول اکرم ﷺ کی عمر قمری سال کے مطابق چالیس سال ایک دن ہوئی تو 9 ربیع الاوّل 41 میلادی مطابق 12 فروری 610ء بروز سوموار روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام غار حرا میں اس وقت تشریف لائے جب آپ ﷺ عبادت میں مصروف تھے اور آپ ﷺ سے کہا کہ اقرأ (پڑھیں) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ما انا بقارئ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) تو حضرت جبریلؑ نے آپ کو سینے سے لگایا اور دبایا۔ پھر چھوڑ کر دوبارہ پڑھنے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا تو جبریلؑ نے پھر سینے سے لگا کر خوب دبایا اور چھوڑ کر تیسری بار پھر پڑھنے پر اصرار کیا تو آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا تو انہوں نے پھر اتنے زور سے دبایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے یوں محسوس ہوا کہ میری جان نکل رہی ہے۔ پھر چھوڑ کر کہا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق' خلق الانسان من علق' اقرأ و ربک الاکرم' الذی علم بالقلم' علم الانسان مالم یعلم

"پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھئے' آپ کا رب بڑا کریم ہے کہ جس نے قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

بعثت کا غیر معمولی آغاز:

ظہور اسلام کا یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا۔ آپ ﷺ واپس آئے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا۔ آپ ﷺ گھر آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو' جب طبیعت میں قدرے

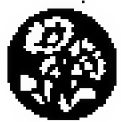
سکون محسوس ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ پر حضرت خدیجہ کی شہادت:

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ ﷺ کو کس چیز کا ڈر ہے' میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقرباء پر شفقت فرماتے ہیں' سچ بولتے ہیں' بیواؤں' یتیموں اور بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو غم زدہ نہیں کرے گا۔

عیسائی عالم ورقہ کی شہادت آپ ﷺ کی نبوت پر:

خدیجۃ الکبریٰؓ کو خود بھی اطمینان قلب کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ وہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر آپ ﷺ نے ورقہ کے سامنے جبریلؑ کی آمد اور بات کرنے کا واقعہ بیان کیا۔ وہ جھٹ بول اٹھا' یہی ہے وہ ناموس جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا' کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب قوم آپ کو نکال دے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بولا: ہاں' اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی' اس سے (شروع میں) عداوت ہی ہوتی رہی۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور آپ ﷺ کی نمایاں خدمت کرسکوں چنانچہ آپ ﷺ کی پریشانی ختم ہو گئی اور آپ کو دلی سکون محسوس ہوا۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت

دعوت اسلام

دعوت کے ادوار و مراحل:

ہم نبی اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے مکمل طور پر نمایاں اور ممتاز تھے' وہ دونوں حصے یہ ہیں:

1- مکی زندگی...... تقریباً تیرہ سال
2- مدنی زندگی...... دس سال

مکی زندگی کے مراحل:

مکی زندگی تین مرحلوں پر مشتمل تھی:

1- پس پردہ دعوت کا مرحلہ...... تین برس
2- اہل مکہ میں اعلانیہ دعوت کا مرحلہ...... نبوت کے چوتھے سال کے آغاز سے دسویں سال کے اواخر تک
3- مکہ سے باہر اسلام کی دعوت کی مقبولیت اور نشر و اشاعت کا مرحلہ...... نبوت کے دسویں سال کے اواخر سے ہجرت مدینہ تک

مدنی زندگی کے مراحل:

مدنی زندگی کو تین مراحل پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1- پہلا مرحلہ...... جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کیے گئے' اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے چڑھائیاں کیں۔ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ ذی قعدہ 06ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔
2- دوسرا مرحلہ...... جس میں بت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی۔ یہ مرحلہ فتح مکہ رمضان 08ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی مرحلہ میں شاہان عالم کو دعوت دین پیش کی گئی۔
3- تیسرا مرحلہ...... جس میں مخلوق خدا فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوئی۔ یہی مرحلہ مدینہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا مرحلہ بھی ہے۔ یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الاول 11ھ تک محیط ہے۔ (الرحیق المختوم)

پہلا مرحلہ...... خفیہ دعوت کے تین سال

مکہ چونکہ دین عرب کا مرکز تھا' یہاں کعبہ کے پاسبان بھی تھے اور ان بتوں کے نگہبان بھی جنہیں پورا عرب عزت و تقدیس کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کیفیت کے پیش نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کے سامنے اچانک ایک ہیجان انگیز صورت حال نہ آ جائے۔

کاروان اسلام کے اولین راہرو:

اصول فطرت کے مطابق آپ ﷺ نے ابتداء میں ان لوگوں کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جن سے آپ ﷺ کا سب سے گہرا تعلق تھا اور جن کے چہروں پر آپ ﷺ حق اور خیر کے آثار دیکھ چکے تھے چنانچہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اولین کے وصف سے مشہور ہیں۔ ان میں سرفہرست آپ ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' آپ ﷺ کے یار غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ' آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ یہ سب کے سب پہلے دن مسلمان ہو گئے تھے۔ (رحمۃ للعالمین' حصہ اوّل ص 47)

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اسلام کی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے۔ ان کی کوشش سے حضرت عثمان' زبیر' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔ یہ حضرات اسلام کا ہراول دستہ تھے۔

شروع شروع میں جو لوگ اسلام لائے ان ہی لوگوں میں حضرت بلال' ابوعبیدہ بن الجراح' ابو سلمہ' ارقم' عثمان بن مظعون' عبیدہ بن حارث' سعید بن زید' خباب بن ارت' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے افراد مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ مجموعی طور پر قریش کی تمام شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 275)

مختلف واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مرحلے میں تبلیغ کا کام اگرچہ انفرادی طور پر چھپ چھپا کر کیا جا رہا تھا لیکن قریش کو اس کی سن گن لگ چکی تھی مگر انہوں نے اسے قابل توجہ نہ سمجھا البتہ قریش نے آپ ﷺ کے نبی ﷺ ہونے کی خبر کے پھیلنے اور اثرات بڑھنے کے کچھ اندیشے ضرور محسوس کیے تھے اور ان کی نگاہیں رفتار زمانہ کے ساتھ آپ ﷺ کے انجام اور آپ ﷺ کی تبلیغ پر رہنے لگی تھیں۔ (فقہ السیرۃ' ص 76)

تین سال تک تبلیغ کا کام خفیہ اور انفرادی رہا اور اس دوران اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہو گئی اس کے بعد کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

دوسرا مرحلہ...... اعلانیہ تبلیغ

اظہار دعوت کا پہلا حکم:

تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔ فرمان الٰہی یوں جاری ہوا:
وانذر عشیرتک الاقربین (214:26) یا ایھا المدثر قم فانذر (المدثر 1-2) اور فاصدع بما تؤمر (94:15)

اپنے خاندان میں تبلیغ:

نبی اکرم ﷺ نے ایک روز تمام خاندان کو کھانے پر جمع کیا' یہ سب بنی ہاشم ہی تھے۔ ان کی تعداد تقریباً چالیس تھی۔ اس روز ابولہب کی بے ہودگی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو کلام کرنے کا موقع ہی نہ ملا' اس لئے دوسری شب پھر انہی کو دعوت دی گئی۔ جب سب کھانا کھا چکے' دودھ پی کر فارغ ہو گئے تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے خاندان والو! میں تم سب کے لئے دنیا اور آخرت کی بہبود لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر اور افضل کوئی شئے لایا ہو۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی دعوت دیں۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟ یہ سن کر سب کے سب چپ رہ گئے۔ حضرت علیؓ نے اُٹھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔'' (رحمتہ للعالمین' ج اول ص 50)

پہاڑی کا وعظ:

ایک روز نبی اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا جب سب اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے قریش! اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آ رہا ہے تو تمہیں یقین آئے گا؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: ''ہم نے تمہیں ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے۔'' تو فرمایا کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا۔
(صحیح بخاری' ج دوم ص 10)

اب نبی اکرم ﷺ نے سب کو عام طور پر سمجھانا شروع کر دیا۔ ہر ایک میلے میں' ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبیاں بتاتے۔ بتوں' درختوں اور پتھروں کی پوجا سے روکتے۔ بیٹیوں کو مار ڈالنے سے ہٹاتے۔ بدکاری سے منع کرتے اور جواء کھیلنے سے روکتے تھے۔ عرب میں عکاظ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور تھے دور دراز سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ وہاں جاتے اور لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت دیتے تھے۔

(تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی' ص 107)

قریش کی مخالفت کی وجوہات:

مغرور قریش کو جو اپنے آپ کو عرب میں سب سے بڑا سمجھتے تھے' نبی اکرم ﷺ کا وعظ پسند نہ آیا۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

1- وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی انسان' انسانوں کے سمجھانے کے لئے آئے۔

2- وہ اعمال کی جزا و سزا کے قائل نہ تھے اس لئے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی جوابدہی ہو گی' ان کے نزدیک بالکل قابل تمسخر تھی۔

3- وہ خاندان اور بزرگوں کی شرافت پر نہایت مغرور تھے اور انہیں اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کا قبول کرنا ایک قسم کی حقارت اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔

4- ان میں اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت رکھتے تھے اور اپنے دشمن قبیلے کے ایک شخص کی تعلیم پر چلنا انہیں عار معلوم ہوتا تھا۔

5- وہ بت پرستی پر بالکل قانع تھے اور اس سے برتر کسی مذہب میں کسی خوبی کا امکان بھی ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔

6- وہ زنا' جواء' رہزنی' قتل' عہد شکنی' آوارگی' ہر ایک وعدہ اور قانون کی بندش سے آزاد رہنے اور بے شمار عورتوں کو گھروں میں رکھنے کے عادی تھے اور اسلامی قانون انہیں اپنی دل پسند عادات کا دشمن معلوم ہوتا تھا۔

اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور اسلام کا نام و نشان مٹانے کا فیصلہ کیا۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 52)

رسول اکرم ﷺ کی دعوتی دوڑ دھوپ' میلوں اور نمائشوں میں تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ حج سے واپس ہوتے تو ان کے علم میں یہ بات آ چکی ہوتی تھی کہ آپ ﷺ نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے۔ یوں ان کے ذریعے پورے دیار عرب میں آپ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

محاذ آرائی کے مختلف انداز:

جب قریش نے دیکھا کہ محمد ﷺ کو تبلیغ سے روکنے کی حکمت عملی کارگر نہیں ہو رہی ہے تو انہوں نے ایک بار پھر غور و خوض کیا اور آپ ﷺ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جن کا خلاصہ یہ ہے:

1- ہنسی' مذاق' ٹھٹھا' تحقیر' استہزاء اور تکذیب۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو بددل کر کے ان کے حوصلے توڑ دیئے جائیں اس کے لئے مشرکین نے نبی اکرم ﷺ کو ناروا تہمتوں اور بے ہودہ گالیوں کا نشانہ بنایا چنانچہ وہ کبھی آپ ﷺ کو پاگل کہتے' کبھی آپ ﷺ پر جادوگر اور جھوٹے ہونے کا الزام لگاتے۔

-2 آپ ﷺ کی تعلیمات کو مسخ کرنا' شکوک وشبہات پیدا کرنا' جھوٹا پروپیگنڈہ کرنا' تعلیمات سے لے کر شخصیت تک کو واہیات اعتراضوں کا نشانہ بنانا اور یہ سب اس کثرت سے کرنا کہ عوام کو آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔

-3 پہلے لوگوں کے واقعات اور افسانوں سے قرآن کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اس میں اُلجھائے اور پھنسائے رکھنا جیسا کہ نضر بن حارث حیرہ گیا اور وہاں بادشاہوں کے واقعات اور اسفند یار و رستم کے قصے سیکھے' پھر واپس آیا اور رسول اکرم ﷺ جہاں لوگوں کو اسلام کی باتیں سکھاتے' یہ وہاں پہنچ کر انہیں وہ قصے کہانیاں سناتا پھر کہتا آخر کس بناء پر محمد ﷺ کی بات مجھ سے بہتر ہے؟ اور انہوں نے چند گانے والی لونڈیوں کو تیار کیا جو اسلام میں دلچسپی لینے والے کو گانے سناتیں اور خوب کھلاتی پلاتیں۔ یہاں تک کہ اس کا اسلام کی طرف جھکاؤ ختم ہو جاتا۔

-4 سودے بازیاں جن کے ذریعے مشرکین کی یہ کوشش تھی کہ اسلام اور جاہلیت دونوں بیچ راستے میں ایک دوسرے سے جا ملیں یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کے مطابق بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتیں مسلمان چھوڑ دیں تاکہ کوئی درمیانی راہ نکال لیں۔

(الرحیق المختوم' ص 118)

اسلام کے خلاف قریش کی تدبیریں:

قریش نے اسلام کو ختم کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلام لانے والوں کو سخت اذیت دی جائے تاکہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں وہ واپس آ جائیں اور نئے لوگ اسے اختیار نہ کریں۔

اسلام لانے والوں پر قریش کے ظلم وستم:

قریش نے اسلام لانے والوں پر جو مظالم کئے اور جو انہیں اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں' انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم ذیل میں ایک معمولی سی جھلک پیش کرتے ہیں:

-1 حضرت بلال حبشیؓ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے' جب اُمیہ نے سنا کہ بلالؓ مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کے لئے مختلف قسم کے عذاب ایجاد کئے گئے:

(i) گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ انہیں مکہ کی پہاڑیوں میں لئے پھرتے۔ (ii) انہیں وادئ مکہ کی گرم ریت پر لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا۔ (iii) ان کی مشکیں باندھ کر انہیں لکڑیوں سے پیٹا جاتا۔ (iv) دھوپ میں بٹھایا جاتا۔ (v) بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔

حضرت بلالؓ نے یہ سب برداشت کیا' آخر صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

-2 حضرت عمارؓ ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہ مسلمان ہو گئے تھے' ابوجہل نے انہیں گوناگوں عذاب پہنچائے۔ ایک دن رسول اکرمؐ نے انہیں عذاب سہتے دیکھ کر فرمایا: اے آل یاسرؓ صبر کرو تمہارا مقام جنت ہے۔ (مدارج النبوۃ' ج 2' ص 50)

3- ابو فکیہؓ جن کا نام افلح تھا' ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔ (اعجاز التنزیل' ص 53)

4- خباب بن ارتؓ کے سر کے بال کھینچے جاتے' گردن مروڑی جاتی' گرم پتھروں سے بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔

5- عینیہ' زنیرہ' نہدیہ اور اُم عبیس بیچاری لونڈیاں تھیں اور ان کے سنگ دل آقا ان کو ایسی ہی سخت وحشیانہ سزائیں دیا کرتے تھے۔

قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہی نہ تھا بلکہ اپنے عزیزوں اور فرزندوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سفا کی اختیار کرتے تھے۔

6- حضرت عثمان بن عفانؓ کے اسلام لانے کی خبر جب ان کے چچا کو ہوئی تو وہ کم بخت انہیں کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔

7- حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کی والدہ نے اسلام لانے کے جرم میں گھر سے نکال دیا تھا۔

8- بعض صحابہؓ کو قریش گائے اور اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا کرتے تھے۔

الغرض ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ صرف اسلام کی صداقت ہی ان کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ (زاد المعادج اوّل ص 24' 297 بحوالہ رحمتہ للعالمین' ج اوّل' ص 53)

ظلم و جور کی قرارداد:

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو اذیتیں دینے کی کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ روکنے میں مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں تو ایک بار پھر جمع ہوئے اور 25 سرداران قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا سربراہ رسول اکرم ﷺ کا چچا ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غوروخوض کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ایک فیصلہ کن قرارداد منظور کی جس میں یہ طے کیا گیا کہ اسلام کی مخالفت' پیغمبر اسلام ﷺ کی ایذاء رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور وستم اور ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ (الرحیق المختوم' ص 122)

مشرکین نے یہ قرارداد طے کر کے اسے روبہ عمل لانے کا عزم مصمم کرلیا۔

رسول اکرم ﷺ کے دشمن پڑوسی:

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جو گردہ گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا' وہ یہ تھا: ابولہب' حکم بن ابی العاص بن اُمیہ' عقبہ بن ابی معیط' عدی بن حمراء ثقفی' ابن الاصداء ہذلی۔ یہ سب کے سب آپ ﷺ کے پڑوسی تھے۔ ان میں سے حکم بن ابی العاص (یہ اُموی خلیفہ مروان بن حکم کے باپ تھے) کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ ہوا' انہوں نے مختلف انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستایا اور ستانے میں حد کردی۔ (ابن ہشام' ج اوّل' ص 416)

دار ارقم ابتدائی مرکز اسلام:

ان ستم رانیوں کے مقابلے میں حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ قولاً اور عملاً دونوں طرح اسلام کے اظہار سے روک دیں اور ان کے ساتھ خفیہ طریقے سے اکٹھے ہوں کیونکہ اگر آپ ﷺ ان کے ساتھ کھلم کھلا اکٹھے ہوتے تو مشرکین یقیناً آپ ﷺ کے تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت پر مبنی تعلیم کے کام میں رکاوٹ ڈالتے اور اس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان تصادم ہوسکتا تھا۔ ایک بار ایسا ہو بھی گیا تھا لیکن بات آئی گئی ہو گئی لہٰذا واضح ہے کہ اگر اس طرح ٹکراؤ بار بار ہوتا اور طول پکڑ جاتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آ سکتی تھی۔ اسی حکمت کے پیش نظر عام صحابہ کرام اپنا اسلام' اپنی عبادت' اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات سب کچھ پس پردہ کرتے تھے۔

ارقم بن ابی ارقم مخزومیؓ کا مکان کوہ صفا پر سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دور الگ تھلگ واقع تھا اس لئے آپ ﷺ نے 5 نبوت سے اسی مکان کو اپنی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے اجتماع کا مرکز بنالیا تاکہ کفار سے دور رہ کر اپنے دینی مشن کو آگے بڑھایا جا سکے۔
(مختصر السیرۃ از محمد بن عبدالوہاب' ص 61)

پہلی ہجرت حبشہ

جور وستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا آخر میں شروع ہوا تھا اور ابتداء میں معمولی تھا مگر دن بدن اس میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ پانچویں سال کے وسط تک اپنے شباب کو پہنچ گیا حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے مکہ میں رہنا محال ہو گیا اور انہیں ان مسلسل ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

ادھر رسول اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ نجاشی شاہ حبشہ اُصحمہ ایک عادل بادشاہ ہے' وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اس کے بعد ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق رجب 5 نبوی میں صحابہ کرامؓ کے پہلے گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس گروہ میں 12 مرد اور 4 عورتیں تھیں۔ حضرت عثمانؓ اس قافلہ کے امیر تھے۔ یہ لوگ رات کی تاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ رازداری کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے' اس قافلے کا رُخ بحر احمر کی بندرگاہ ''شعیبہ'' کی جانب تھا۔ (یہ بندرگاہ مکہ کے جنوب مغرب میں تقریباً ایک سو کلومیٹر دور بحیرۂ قلزم کے ساحل پر واقع ہے یہاں سے ہی جہاز پر سوار ہو کر حبشہ کو روانہ ہوتا تھا) خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجود تھیں۔ حبشہ کو ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا یہ قافلہ ''شعیبہ'' سے بحری سفر طے کر کے ''مصوع'' کی بندرگاہ پر اُترا تھا جہاں سے وہ ''اکسوم'' روانہ ہوا تھا۔ (اکسوم حبشہ کا قدیم دارالحکومت تھا یہیں شاہان حبش کی تاجپوشی ہوتی تھی اس شہر کے کھنڈرات ابھی تک باقی ہیں) مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر سکھ کا سانس لیا۔ (زاد المعاد ج اوّل ص 24- اٹلس سیرت نبوی' ص 119)

قریش مکہ نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص پر مشتمل سفارت شاہ حبشہ نجاشی اصحمہ کے پاس بھیجی اور ان سے مطالبہ کیا کہ ''ہمارے مجرم ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔'' نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ''تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کا مخالف ہے؟'' مسلمانوں کی طرف سے جعفر بن ابی طالبؓ نے ایک پُراثر تقریر کی اور پھر نجاشی کے مطالبے پر سورۃ مریم کی چند آیات تلاوت کیں۔ اس پر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔'' نجاشی نے سفرائے قریش سے کہا کہ ''میں ان مظلوموں کو ہرگز تمہیں واپس نہیں دوں گا۔'' اگلے روز عمرو بن عاص کے ایماء پر نجاشی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ''حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے' نبی اور کلمتہ اللہ ہیں۔'' اس پر نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا: ''واللہ جو تم نے کہا' عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔'' قریش کے سفیر بالکل ناکام لوٹے اور اصحمہ شاہ حبش نے اسلام قبول کر لیا اور چند سال بعد جب اس کا انتقال ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ (سیرت النبی شبلی وسلیمان ندوی' ج اوّل)

ان کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے حبشہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حبش میں مسلمانوں کی تعداد تراسی تک پہنچ گئی تھی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی' ج اوّل ص 114)

مہاجرین واپس مکہ میں:

اسی سال ماہ رمضان (5 نبوت) یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی اکرم ﷺ حرم میں تشریف لے گئے تو وہاں قریش کا ایک بہت بڑا مجمع تھا' ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ آپ ﷺ نے ایک دم کھڑے ہو کر سورۂ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ سب کے سب متوجہ ہو گئے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے سورۃ کے اواخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ کا یہ حکم سنایا کہ:

فاسجدو اللہ و اعبدوا (النجم)

''اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔''

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا سب کے سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ (صحیح بخاری میں اس سجدے کا واقعہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے مختصراً مروی ہے۔ باب سجدۃ النجم اور باب سجود المشرکین والمسلمین ج اوّل ص 146)

مشرکین کے اس سجدہ کرنے کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو بھی معلوم ہوئی اور انہیں یہ پتہ چلا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں چنانچہ انہوں نے ماہ شوال میں مکہ واپسی کی راہ لی لیکن جب اتنے قریب آ گئے کہ مکہ ایک دن سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حقیقت حال واضح ہوئی تو کچھ لوگ تو واپس حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا قریش کے کسی آدمی کی پناہ لے کر مکے میں داخل ہوئے۔

(زاد المعاد' ج اوّل ص 24' ج دوم ص 44- سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 364)

دوسری ہجرت حبشہ

اس کے بعد ان مہاجرین پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا جور وستم اور ظلم و تشدد مزید بڑھ گیا اور ان کے خاندان والوں نے انہیں خوب ستایا کیونکہ قریش کو ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک کی جو خبر ملی تھی وہ اس پر نہایت آزردہ خاطر تھے۔ ناچار رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو پھر ہجرت حبشہ کا مشورہ دیا چنانچہ اس دفعہ کل 83 مردوں اور 18 عورتوں نے ہجرت کی۔

(زاد المعاد ج اوّل ص 24)

شاہ حبش سے قریش کا مطالبہ:

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ مکہ کے افراد مسلمان ہو ہو کر حبش کی طرف ہجرت کر کے چلے جاتے ہیں اور وہاں آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں تو ان کو خطرہ پیدا ہوا کہ اس طرح تو ممکن ہے کہ ہماری بڑی طاقت بتدریج اسلام میں داخل ہو کر باہر کسی مرکز میں جمع ہو اور ہم پر باہر سے کوئی آفت نازل ہو جائے لہٰذا انہوں نے مکہ میں آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر مظالم کو اور زیادہ کر دیا اور عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ دو معزز افراد کو نجاشی شاہ حبش کے دربار میں بھیجا جس کی تفصیل ہجرت حبشہ اولیٰ میں گزر چکی ہے۔ (تاریخ اسلام اکبر شاہ)

قریش مکہ کی رسول اکرم ﷺ کو پیشکش:

جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ حبش تک جانے کا بھی فائدہ نہیں ہوا تو انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ آؤ ہم پہلے محمد ﷺ کو لالچ دیں پھر دھمکی دیں کسی طرح تو مان ہی جائیں گے۔ یہ مشورہ کرنے کے بعد مکہ کا مشہور مالدار سردار عتبہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ کو دولت، چوہدراہٹ وغیرہ کی پیشکش کی تو اس کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "تم نے جو کچھ میری بابت سنا اور کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، دولت، عزت اور حکومت کچھ نہیں چاہیے اور میرے دماغ میں بھی خلل نہیں ہے۔ میری حقیقت تمہیں اس کلام سے سمجھ آئے گی۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی ابتدائی چند آیات تلاوت کیں چنانچہ کلام الٰہی کے سننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا بالآخر چپ چاپ اُٹھ کر واپس چلا گیا۔ قریش جو نتیجہ کے انتظار میں بے قرار بیٹھے تھے عتبہ کے پاس اکٹھے ہو کر کے پوچھنے لگے تو عتبہ نے کہا: اے قریشیو! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے نہ جادو ہے نہ منتر ہے۔ تم میری بات مانو محمد ﷺ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے کہا کہ عتبہ پر بھی محمد ﷺ کی زبان کا جادو چل گیا۔

(سیرت ابن ہشام ج اوّل مترجم ص 316 البدایہ والنہایہ مترجم ج سوم ص 120)

قریش کا وفد ابوطالب کی خدمت میں:

جب مشرکین مکہ کی ہر چال ناکام ہو گئی تو درحقیقت انہیں اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ

(نعوذ باللہ) اس "مصیبت" سے نمٹنے کے لئے اب ان کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے ہیں:

1- یا تو رسول اللہ ﷺ کو بزور طاقت تبلیغ سے روک دیں۔

2- یا پھر آپ ﷺ کے وجود کا ہی صفایا کر دیں۔

لیکن دوسری صورت انتہائی مشکل تھی کیونکہ ابوطالب آپ ﷺ کے محافظ تھے اور مشرکین کے عزائم کے سامنے آہنی دیوار بنے ہوئے تھے اس لئے یہی مفید سمجھا گیا کہ ابوطالب سے دوٹوک بات کر لیں۔

اس تجویز کے بعد سرداران قریش ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے: ابوطالب! آپ ہمارے لئے معزز و محترم ہیں، ہم نے آپ سے گزارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکئے مگر آپ نے انہیں نہیں روکا۔ آپ یاد رکھیں کہ اب ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہماری عقل و فراست کو حماقت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے خداؤں پر عیب چینی کی جائے۔ آپ اسے روک دیجئے ورنہ ہم آپ سے اور اُن سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ (رحمتہ للعالمین، ج اوّل ص 57- الرحیق المختوم، ص 139)

سارے ملک کی عداوت دیکھ کر چچا کا دل درد اور محبت سے بھر گیا اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بلایا اور سمجھایا کہ "بت پرستی کا رد نہ کیا کرو ورنہ میں بھی تمہاری کچھ حمایت نہ کر سکوں گا۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چچا اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے مشن سے نہ ہٹوں گا اور اللہ کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ اس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔

(سیرت ابن ہشام، ج اوّل 280- مختصر سیرت الرسول مترجم، ص 181)

اس کے بعد آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ ﷺ رو پڑے اور اُٹھ گئے۔ جب واپس ہونے لگے تو ابوطالب نے پکارا جب آپ ﷺ سامنے تشریف لائے تو کہا: بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو۔ خدا کی قسم میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔

(سیرت ابن ہشام، ج اوّل ص 265-266- بحوالہ الرحیق المختوم، ص 139)

قریش کی ابوطالب کو پیشکش:

پچھلی دھمکی کے باوجود جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کئے جا رہے ہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ابو طالب رسول اکرم ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتے بلکہ اس بارے میں قریش سے جدا ہونے اور ان کی عداوت مول لینے کو تیار ہیں چنانچہ وہ لوگ ولید بن مغیرہ کے لڑکے عمارہ کو ہمراہ لے کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان کو یہ پیش کش کی کہ

"اے ابوطالب! یہ قریش کا سرو قد اور خوبصورت نوجوان ہے، آپ اسے لے لیں اور اپنا بیٹا بنا لیں اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں، ہم اسے قتل کریں گے۔ پس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک

آدمی کا حساب ہے۔"

ابو طالب نے کہا:

"خدا کی قسم! کتنا بُرا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو' خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر مطعم بن عدی کہنے لگا کہ تم ان لوگوں کی کسی بات کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔"

تو ابوطالب نے کہا کہ تم نے ناانصافی کی بات کی ہے بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پر تلے بیٹھے ہو تو ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔ (مختصر سیرۃ الرسول اُردو' ص 181)

رسول اکرم ﷺ کے قتل کی تجویز:

دونوں مرتبہ کے مذاکرات کی ناکامی کے بعد قریش کا ظلم و ستم کا جذبہ اور بڑھ گیا۔ انہی دنوں قریش کے سرکشوں کے دماغ میں نبی اکرم ﷺ کے خاتمے کی ایک تجویز اُبھری لیکن یہی تجویز اور یہی جور و ستم مکہ کے دو جانباز سرفروشوں (حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ) کے اسلام لانے اور ان کے ذریعے اسلام کے استحکام کا سبب بن گیا۔

آپ ﷺ پر ظلم و ستم کے ایک دو نمونے یہ ہیں:

کہ ایک بار عقبہ بن ابی معیط نے رسول اللہ ﷺ کی گردن حالت سجدہ میں اس زور سے روندی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں نکل آئیں گی۔

(مختصر السیرۃ از شیخ عبداللہ' ص 111)

ابن اسحاق کی ایک طویل روایت سے بھی قریش کے سرکشوں کے اس ارادے پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے خاتمے کے چکر میں تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا' جب آپ ﷺ حسب عادت تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے' ادھر قریش بھی اپنی مجلسوں میں آ چکے تھے (اس سے قبل ابوجہل نے کہا تھا کہ میں ایک بھاری پتھر لے کر بیٹھوں گا جب محمد ﷺ سجدہ کرے گا تو میں اس پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا) اور ابوجہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ سجدے میں گئے تو ابوجہل نے پتھر اُٹھایا اور آپ ﷺ کی طرف بڑھا لیکن جب قریب پہنچا تو شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا اور اس کا رنگ فق تھا اور بہت مرعوب تھا۔ ادھر قریش کے لوگ اُٹھ کر اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابوالحکم! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تو اس نے کہا جب میں محمد ﷺ کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی' ویسی گردن اور ویسے دانت نہیں دیکھے تھے' وہ مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج اوّل ص 298)

ابوجہل کے علاوہ دوسرے قریشی بھی آپ ﷺ کے متعلق اسی قسم کا عزم کئے ہوئے تھے اور وہ حطیم میں بیٹھ کر آپ ﷺ کے متعلق لعن طعن کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قریش آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ

پر لعن طعن کرنے لگے میں نے آپ ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے۔
(سیرت ابن ہشام ج اوّل ص 289)

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے پوچھا کہ قریش نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی اس کی تفصیل کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آ گیا۔ اس نے آتے ہی اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر نہایت سختی کے ساتھ آپ ﷺ کا گلا گھونٹا' اتنے میں ابوبکرؓ آ پہنچے اور انہوں نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر اسے دھکا دیا اور اسے نبی اکرم ﷺ سے دور کرتے ہوئے فرمایا: "اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ" (تم لوگ ایک آدمی کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔) (صحیح بخاری باب اذکر مالقی النبی ﷺ من المشرکین بمکة)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ 6 نبوی کے اخیر ماہ ذی الحجہ کا ہے۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہے کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل وہاں پہنچ گیا۔ اس نے پہلے تو نبی اکرم ﷺ کو گالیاں دیں' جب نبی کریم ﷺ گالیاں سن کر چپ رہے تو اس نے ایک پتھر حضور ﷺ کے سر پر دے مارا جس سے خون چلنے لگا۔ پھر وہ خانہ کعبہ میں قریش کی مجلس میں جا بیٹھا۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی' حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آئے تو لونڈی نے آپؓ کو اس سے مطلع کیا۔ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے' قرابت کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ پھر نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے اور کہا: بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی چنانچہ حضرت حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (مختصر سیرۃ الرسول' ص 175)

ابتداء میں حضرت حمزہؓ کا اسلام محض اس حمیت کے طور پر تھا کہ ان کے عزیز کی توہین کی گئی تھی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا اور انہوں نے اسلام کا کڑا مضبوطی سے تھام لیا اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں سرگرمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ قریش سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کو اب قوت اور حمایت حاصل ہو گئی ہے' حضرت حمزہؓ ضرور ان کو بچائیں گے چنانچہ وہ آپ ﷺ کو تکلیفیں دینے سے کافی حد تک محتاط ہو گئے۔ (مختصر السیرۃ از محمد بن عبدالوہاب مترجم' ص 175)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا:

امیر حمزہؓ سے تین دن بعد عمر بن خطابؓ مسلمان ہوئے۔ یہ بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ قریش کی طرف سے بیرونی ممالک کی سفارت کا کام ان سے متعلق تھا۔ ایک دن عمرؓ اپنی بہادری کے بھروسے پر نبی اکرم ﷺ کے قتل کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے' بدن پر سب ہتھیار سجا رکھے تھے۔ راستے میں انہیں

معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بہن کے گھر گئے اور ان دونوں کو خوب مارا تو ان کی بہن فاطمہؓ نے کہا کہ اے عمر! پہلے تم وہ کتاب سن لو جسے سن کر ہم ایمان لائے ہیں' اگر وہ تمہیں اچھی نہ لگے تو پھر ہمیں مار ڈالنا۔ عمر نے کہا: ''اچھا' اس وقت ان کے گھر میں ایک صحابی (حضرت خبابؓ) بھی تھے جو عمرؓ کے آ جانے سے اندر چھپ گئے تھے تو اس (صحابی) نے قرآن مجید (سورۃ طٰہٰ کا پہلا رکوع) سنایا۔ حضرت عمرؓ قرآن سن رہے تھے اور بے اختیار رو رہے تھے۔ وہی عمر جو گھر سے قاتل بن کر نکلے تھے اس وقت نبی اکرم ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آئے اور جان نثار بن گئے۔

اس وقت تک مسلمان نماز اپنے گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھا کرتے تھے' اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے۔ کافر یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ جلے اور مسلمانوں کو بے حد تکلیفیں دینے لگے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آنے لگے۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 60)

حضرت عمرؓ کی وجہ سے اسلام کو تقویت ملی:

حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ تو کہتے ہیں میں نے کہا کہ پھر چھپ کر عبادت کرنا کیا معنی؟ اللہ کی قسم! ہم ضرور باہر نکلیں گے چنانچہ ہم دو صفوں میں آپ ﷺ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہؓ تھے اور ایک صف میں' میں تھا۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کا کہنا ہے کہ قریش نے جب اس طرح مجھے اور حضرت حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی جواب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن سے رسول اکرم ﷺ نے میرا لقب ''فاروق'' رکھ دیا۔ (تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی' ص 6-7)

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے' یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ (مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ' ص 103)

حضرت صہیب بن سنانؓ کے بقول حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا' اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی' ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے' بیت اللہ کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔

(تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی' ص 13)

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا' تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔ (صحیح البخاری باب اسلام عمر بن الخطاب' ج اوّل ص 545)

قریش کا نمائندہ رسول اکرم ﷺ کے حضور میں:

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ظلم وطغیان کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کو ظلم وستم کا تختہ مشق بنانے کی مشرکین پر جو بدمستی چھائی ہوئی تھی اس کی جگہ سوجھ اور غور و فکر نے لینی شروع کر دی چنانچہ اب مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سودے بازی کا

پروگرام بنایا۔ کفار نے مشورہ کے بعد عتبہ بن ربیعہ سفیر قریش بن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمہیدی کلمات کے بعد کہا کہ میں تمہارے سامنے چند باتیں رکھتا ہوں' ان پر غور کریں ہو سکتا ہے کہ کوئی بات قبول کر لیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ابوالولید کہو' میں سنتا ہوں۔ اس نے کہا: تمہیں مال کی ضرورت ہے تو ہم تمہارے حسب منشاء مال جمع کر دیتے ہیں' تمہیں اعزاز و مرتبہ کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں' اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی جن بھوت آتا ہے جسے تم اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارا علاج تلاش کر لیتے ہیں۔ جب عتبہ نے اپنی بات ختم کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لو اب میری سنو! آپ ﷺ نے سورۃ فصلت کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ عروہ خاموشی سے سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے: "فان أعرضوا فقل أنذرتكم صعقة مثل صعقة عاد و ثمود" تو عتبہ تھرا کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول اکرم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ میں تمہیں اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ ڈراوا آن نہ پڑے۔ پھر وہ قوم کے پاس گیا اور اس نے قریش کو مشورہ دیا کہ "اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم میں نے جو اس کا قول سنا ہے اس سے کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لئے باعث سعادت ہو گا۔"

لوگوں نے کہا: ابوالولید تم بھی اس کے جادو کا شکار ہو گئے ہو۔ اس نے کہا: میری تو یہی رائے ہے' اب تمہیں جو ٹھیک معلوم ہو وہ کر لو۔

(سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 293-294۔ تفسیر ابن کثیر' ج ششم ص 159 تا 161)

ابوطالب کا قوم سے مشورہ:

اگرچہ حالات کی رفتار بدل چکی تھی اور گردوپیش کے ماحول میں فرق آ چکا تھا مگر ابوطالب کے اندیشے برقرار تھے۔ انہیں مشرکین مکہ کی طرف سے اپنے بھتیجے کے متعلق برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے واقعات پر بدستور غور کر رہے تھے کیونکہ مشرکین نے انہیں مقابلہ آرائی کی دھمکی دی تھی۔ پھر عمارہ بن ولید کے عوض ان کے بھتیجے کو حاصل کر کے قتل کرنے کے لئے سودے بازی کی کوشش کی تھی' ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر ان کے بھتیجے کا سر کچلنے کے لئے اٹھا تھا' عقبہ بن ابی معیط نے چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے اور مار ڈالنے کی کوشش کی تھی' خطاب کا بیٹا تلوار لے کر آپ ﷺ کا کام تمام کرنے نکلا تھا۔

ابوطالب ان واقعات پر غور کرتے تو انہیں ایک سنگین خطرے کی بو محسوس ہوتی تھی جس سے ان کا دل کانپ اٹھتا تھا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں' اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں ابوطالب کو کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنے جد اعلیٰ عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اب

تک اپنے بھتیجے کی حفاظت و حمایت کا جو کام وہ تنہا انجام دیتے رہے ہیں' اب اسے سب مل کر انجام دیں۔

ابوطالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور غیر مسلم تمام افراد نے قبول کی البتہ ابوطالب کا بھائی ابولہب اس سے الگ ہو گیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکین قریش سے جاملا اور ان کا ساتھ دیا۔

(سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 284- مختصر السیرۃ الشیخ عبداللہ' ص 106)

قریش کا بنوہاشم اور بنومطلب سے مکمل بائیکاٹ:

صرف چار ہفتے یا اس سے بھی کم مدت میں مشرکین کو چار بڑے بڑے دھچکے لگ چکے تھے یعنی حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا' پھر حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے' پھر رسول اکرم ﷺ نے مشرکین کی سودے بازی کی پیشکش مسترد کی' پھر قبیلہ بنوہاشم و بنی مطلب کے سارے ہی مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کا عہدو پیمان کیا۔ اس سے مشرکین چکرا گئے۔ اب انہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو ان کی اب تک کی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین تھی۔

اس تجویز کے مطابق مشرکین وادئ محصب میں خیف بن کنانہ کے اندر جمع ہوئے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے' نہ خرید و فروخت کریں گے' نہ ان کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں گے' نہ ان سے میل جول رکھیں گے' نہ ان کے گھروں میں جائیں گے اور نہ ان سے بات چیت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا جس میں اس بات کا عہدو پیمان کیا گیا تھا کہ وہ بنی ہاشم کی طرف سے کبھی بھی کسی صلح کی پیشکش قبول نہ کریں گے' نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروت برتیں گے جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے مشرکین کے حوالے نہ کر دیں۔ یہ عہدنامہ منصور بن عکرمہ یا بغیض بن عامر نے اپنے ہاتھوں تحریر کیا اس ظالمانہ وسفاکانہ عہدنامہ لکھنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کی جس کے نتیجے میں اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

اس عہدنامہ پر تمام قریش نے دستخط کر کے خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا' اس کے بعد تمام بنوہاشم اور بنومطلب شعب ابی طالب میں منتقل ہو گئے وہاں انتہائی پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں تین سال (بقول ابن سعد دو سال) کا عرصہ کاٹا۔ یہاں وہ اتنا تنگ ہوئے کہ ان کے پاس شہر سے کوئی چیز چھپ چھپا کر ہی پہنچ سکتی تھی' کھلے بندوں کوئی چیز میسر نہیں آ سکتی تھی۔ قریش نے ان پر منڈیوں کے دروازے بند کر دیئے اور اتنا شدید بائیکاٹ کیا کہ بھوک کی وجہ سے ان کی عورتوں اور بچوں کے چیخنے کی آوازیں شعب کے باہر تک سنی جاتی تھیں۔ یہ تو شعب ابی طالب میں داخل ہونے والوں کا حال تھا اور جو مسلمان وہاں نہیں جا سکے تھے' اہل مکہ نے ان پر وہ مظالم توڑے کہ الامان والحفیظ! یہ بعثت

کے ساتویں سال محرم کی چاند رات کا واقعہ ہے۔ (مختصر سیرت الرسول' ص 184)

خاندان بنو ہاشم و مطلب کے مشکل ترین سال:

خاندان بنو ہاشم و بنو مطلب نے تین سال مسلسل اسی حصار میں سخت تکلیف کے ساتھ گزارے۔ (فتح الباری' ج ہفتم ص 147) یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگ دل مشرکین سن سن کر خوش ہوتے۔ (طبقات ابن سعد' ج اوّل ص 139- عیون الاثر لابن سیدالناس' ج اوّل 139- سیرت النبی ابن ہشام' ج اوّل ص 387- زاد المعاد لابن قیم' ج دوم ص 36- فتح الباری باب تقاسم المشرکین' ج 7 ص 146)

اس حصار میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی۔ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں بھوکا تھا' اتفاق سے رات کو میرا پاؤں کسی تر چیز پر پڑا فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کیا شے تھی۔

حضرت سعدؓ اپنا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو پیشاب کرنے نکلا راستہ میں اونٹ کی کھال کا سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ لگا' پانی سے دھو کر اسے جلایا اور کوٹ چھان کر اس کا سفوف بنایا اور پانی کے ساتھ اسے پی لیا۔ تین راتیں اسی سہارے پر بسر کیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تھا تو ابولہب اُٹھتا اور اعلان کرتا پھرتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد ﷺ کو کوئی چیز عام نرخوں پر فروخت نہ کرے بلکہ ان سے دوگنی چوگنی قیمت وصول کرے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں ذمہ دار ہوں۔ صحابہؓ خریدنے کے لئے آتے مگر قیمت کی اس قدر گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے۔ (روض الانف للسہیلی' ج اوّل ص 232)

مقاطعت کا خاتمہ اور محصوری کا اختتام:

بنی ہاشم کے چھوٹے بچوں کا بھوک کے مارے تڑپنا اور فاقہ زدہ والدین کے سامنے ان کی اولاد کا بلکنا ایسی چیزیں تھیں کہ قریش مکہ اس کا صحیح اندازہ کر سکتے تھے' بعض لوگوں کا اپنے عزیزوں کی اس تکلیف کو دیکھ کر دل دکھتا تھا۔ انہی تکالیف اور مصائب کی بناء پر بعض رحم دل لوگوں کو اس ظالمانہ عہد کو توڑنے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے ہشام بن عمرو کو یہ خیال آیا کہ افسوس ہم تو کھائیں پئیں اور ہمارے خویش و اقارب دانہ دانہ کو ترسیں اور فاقے پر فاقے کریں۔ جب رات ہوتی تو ہشام ایک اونٹ غلہ کا شعب ابی طالب میں لے جا کر چھوڑ دیتے۔

ایک دن ہشام یہی خیال لے کر ابوطالب کے بھانجے زہیر بن ابو امیہ کے پاس گئے اور اسے کہا کہ اے زہیر کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تم جو چاہو کھاؤ' پیؤ پہنو اور نکاح کرو جبکہ تمہارے ماموں (ابوطالب) ایک ایک دانہ کو ترسیں۔ خدا کی قسم! اگر ابوجہل کے ماموں اور ننھیال کے لوگ اس حال میں ہوتے تو ابوجہل ہرگز ایسے عہدنامے کی پرواہ نہ کرتا۔ زہیر نے کہا افسوس میں تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ کاش کوئی اور ہم خیال مل جائے تو پھر اس کام کے لئے تیار ہوں۔ ہشام بن عمرو وہاں سے اُٹھے اور

مطعم بن عدی کے پاس گئے' انہیں بھی اپنا ہم خیال بنا لیا' پھر ابوالبختری اور بعدازاں زمعہ بن الاسود کو اپنے نقطۂ نظر کا حامی بنایا۔

جب یہ پانچ آدمی یہ عہد توڑنے پر آمادہ ہو گئے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ کل جب سب جمع ہوں اس وقت اس کا ذکر کیا جائے۔ زہیر نے کہا ابتداء میں کروں گا۔ صبح ہوئی اور لوگ حسب معمول مسجد حرام میں جمع ہوئے تو زہیر نے کہا اے اہل مکہ! کس قدر افسوس اور غیرت کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں' پئیں' پہنیں اور نکاح کریں اور بنوہاشم فاقہ سے مریں۔ خدا کی قسم! جب تک یہ صحیفہ قاطعہ اور ظالمہ چاک نہ کیا جائے گا میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا۔ ابوجہل نے کہا خدا کی قسم! یہ عہد نامہ کبھی نہیں پھاڑا جا سکتا۔ زمعہ بن اسود نے کہا خدا کی قسم! ضرور پھاڑا جائے گا جس وقت اس کی تحریر ہوئی تھی ہم تو اس وقت بھی راضی نہ تھے۔ ابوالبختری نے کہا زمعہ سچ کہتا ہے ہم بھی راضی نہ تھے۔ مطعم نے کہا یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ہشام بن عمرو نے پھر اس کی تائید کی۔ ابوجہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا یہ تو رات کا طے شدہ منصوبہ معلوم ہوتا ہے۔ (تاریخ الامم والملوک ازابن جریر طبری' ج اوّل ص 1198' ج دوم ص 228- سیرت النبی ﷺ لابن ہشام' ج اوّل ص 412)

اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کو یہ خبر دی کہ اس عہد نامہ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء کے سوا کیڑوں نے کھا لیا ہے اور باسمک اللھم کے علاوہ جو بطور عنوان ہر تحریر کے شروع میں لکھا جاتا تھا' تمام حروف کو کیڑے چاٹ گئے ہیں۔

ابوطالب نے یہ واقعہ قریش کے سامنے پیش کیا اور کہا میرے بھتیجے نے آج ایسی خبر دی ہے اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ان کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی ہے' آؤ بس اسی پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر محمد ﷺ کی خبر صحیح اور سچ نکلے تو تم اس ظلم وستم سے باز آؤ گے' اگر غلط نکلے تو محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں گا چاہے تم ان کو قتل کرنا یا زندہ چھوڑنا۔ لوگوں نے کہا ابوطالب آپ نے بالکل انصاف کی بات کہی۔ اسی وقت عہد نامہ منگوایا گیا' دیکھا تو واقعی سوائے خدا کے نام کے تمام حروف کو کیڑوں نے کھا لیا تھا تو دیکھتے ہی شرمندگی اور ندامت سے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس طرح اس ظالمانہ عہدنامہ کا خاتمہ ہوا۔ (طبقات ابن سعد' ج اوّل ص 139 تا 141)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ محصوری کی حالت میں ابوطالب نے مشہور قصیدہ "لامیہ" لکھا۔ (الخصائص الکبریٰ السیوطی' ج اوّل ص 151' البدایہ والنہایہ لابن کثیر' ج سوم ص 86) اسی طرح تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور 10 نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پہلے شعب ابی طالب سے باہر نکلے۔ (فتح الباری' ج ہفتم ص 147)

عام الحزن والملال:

محصوری سے نکلنے کے بعد بھی ابوطالب پوری جاں نثاری کے ساتھ اپنے بھتیجے کی حمایت و حفاظت میں لگے ہوئے تھے لیکن اب ان کی عمر اسی (80) سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ کئی سال سے پے درپے سنگین حادثات نے خصوصاً محصوری نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کی ہمت جواب دے چکی تھی

اور کمر ٹوٹ چکی تھی چنانچہ گھاٹی سے نکلنے کے بعد چند ہی مہینے گزرے تھے کہ انہیں سخت بیماری نے آن پکڑا' ابوطالب کا مرض بڑھتا گیا۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے' وہاں ابوجہل بھی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے' بس ایک کلمہ جس کے ذریعے میں اللہ کے پاس آپ کے لئے حجت پیش کر سکوں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا: ابوطالب! کیا عبدالمطلب کی ملت سے رُخ پھیر لو گے؟ پھر یہ دونوں برابر ان سے بات کرتے رہے' یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے لوگوں سے کہی یہ تھی کہ "عبدالمطلب کی ملت پر"۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں جب تک آپ کے متعلق اللہ کی طرف سے روک نہ دیا جاؤں اُس وقت تک آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفر واللمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم (113:9)

"نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لئے درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔"

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: انک لا تعدی من اجبت (56:28)۔

"جسے آپ پسند کریں' ہدایت نہیں دے سکتے۔" (صحیح بخاری' قصۃ ابی طالب' ج اوّل ص 548)

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے چچا کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ممکن ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انہیں جہنم کی ایک کم گہری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ وہاں آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے۔" (صحیح بخاری باب قصۃ ابی طالب' ج اوّل ص 548)

حضرت خدیجہؓ کی رحلت کا حادثہ فاجعہ:

جناب ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد یا صرف تین دن بعد...... علی اختلاف الاقوال...... حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ ان کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی' اس وقت وہ 65 برس کی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنی عمر کی پچاسویں منزل میں تھے۔ (تلقیح الفھوم' ص 7)

حضرت خدیجہؓ کے فوت ہونے کا آپ ﷺ کو بہت دکھ ہوا کیونکہ حضرت خدیجہؓ نے اپنا سارا مال و زر نبی اکرم ﷺ کی خوشی پر قربان اور راہ خدا میں صرف کر دیا تھا۔ یہ سب سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی اس بیوی کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا تھا' اس بیوی کے گزر جانے کا رنج نبی ﷺ پر بہت ہوا۔ (رحمۃ للعالمین' ج اوّل ص 62)

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کو بہت محبت دی تھی کیونکہ وہ آپ کی تمام مصائب و تکالیف

میں رفیق تھیں، انہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کی ہمت بندھائی اور مصیبتوں میں آپ ﷺ کو تسلی دی تھی۔ ابو طالب اور خدیجہؓ دونوں آپ ﷺ کے ایسے رفیق و ہمدم تھے کہ ان کی وفات نے آنحضرت ﷺ کو بہت ہی غمگین بنا دیا اور ساتھ ہی قریش کی ایذاء رسانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی، ج اوّل ص 124)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ترک مکہ اور واپسی:

اہل مکہ نے جس طرح نبی کریم ﷺ کے خلاف ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اسی طرح وہ آپ ﷺ کے رفقاء کے خلاف بھی ستم رانی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے چنانچہ آپ ﷺ کے ہمدم و ہمراز ابوبکر صدیقؓ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور حبشہ کے ارادے سے تن تنہا نکل پڑے لیکن برک غماد پہنچے تو ابن دغنہ سے ملاقات ہو گئی اور وہ اپنی پناہ میں آپ کو مکہ واپس لے آیا۔

(صحیح بخاری، ج اوّل صفحات 552-553)



تیسرا مرحلہ...... بیرون مکہ دعوت اسلام

دعوت اسلام کے لئے طائف کا سفر:

ابوطالب کے بعد آپ ﷺ کا ان کی طرح کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اس لئے آپ ﷺ نے قریش کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال 10 نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیں اور ان کے ساتھ ہو جائیں چنانچہ زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔

آپ ﷺ نے عبد یالیل' مسعود اور حبیب ان تینوں بھائیوں پر جو وہاں کے سرداروں میں سے تھے' اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کلمہ سننے کے بجائے نہایت سختی سے آپ ﷺ کو جواب دے دیا۔ ایک نے کہا کیا خدا نے کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لئے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ایک نے کہا کیا اللہ کو اپنے پیغمبروں کے لئے تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملا۔ ایک نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا' اگر واقعی اللہ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا سخت خطرناک ہے۔ اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو پھر تم قابل التفات نہیں اور بعدازاں بازاری اور اوباش لڑکوں کو اُکسا دیا کہ وہ آپ ﷺ پر پتھر برسائیں اور آپ ﷺ کی ہنسی اُڑائیں۔ ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ زخمی ہو گئے' جب آپ ﷺ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ ﷺ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لئے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔

زید بن حارثہؓ جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے' وہ آپ ﷺ کو بچاتے اور یہ کوشش کرتے کہ جو پتھر بھی آئے وہ بجائے آپ ﷺ کے مجھ پر گرے۔ اسی میں زید بن حارثہ کا تمام سر زخمی ہو گیا اور آپؐ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے کہ ان سے خون بہنے لگا۔

طائف سے واپسی میں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا باغ پڑتا تھا' وہاں ایک درخت کے سایہ میں دم لینے کے لئے بیٹھ گئے اور دُعا مانگی۔

اس دُعا کا زبان سے نکلنا تھا کہ دُعا کی قبولیت کے دروازے کھل گئے۔ وہی عتبہ اور شیبہ کہ اب تک پتھر سے زیادہ سخت تھے' آپ کی اس بے کسی اور مظلومیت کو باغ کے اندر بیٹھے دیکھ رہے تھے یہ دیکھ نرم ہو گئے۔ خون قرابت اور حمیت جوش میں آئی تو اپنے غلام عداس کو بلا کر ایک پلیٹ میں انگور دے کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا تو اس نے کہا یہاں کے لوگ تو ایسے نہیں کہتے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم کس مذہب کے ہو اور کہاں کے باشندے ہو؟ اس نے بتایا کہ میں عیسائی ہوں اور نینوی کا باشندہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہاں کے جہاں اللہ کے نیک بندے حضرت یونس بن متیٰ رہتے تھے؟ عداس نے کہا آپ کیسے انہیں جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی تھے وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ﷺ ہوں۔ عداس نے آپ ﷺ کی پیشانی اور ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا: اشھد انک عبداللہ و رسولہ۔ (الاصابہ ج دوم ص 266 - زرقانی ج اوّل ص 299)

جب عداس آپ ﷺ کے پاس سے واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا کہ تو اس دشمن کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ کیوں دے رہا تھا۔ یہ شخص کہیں تجھ کو تیرے دین سے نہ ہٹا دے' تیرا دین اس کے دین سے کہیں بہتر ہے۔ (عیون الاثر' ج اوّل ص 134 - ابن کثیر' ج سوم ص 193)

آنحضرت ﷺ بیان کرتے ہیں کہ واپسی پر قرن الثعالب جگہ پر مجھے کچھ افاقہ ہوا' یکا یک سر اُٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ جبریل نے وہیں سے مجھے آواز دی کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جو جواب دیا ہے' وہ اللہ نے سن لیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تا کہ آپ ﷺ جو چاہیں ان کو حکم دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں میں اللہ سے اُمید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں کچھ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ (صحیح بخاری' ج اوّل ص 458' باب ذکر الملائکۃ۔ فتح الباری' ج ششم ص 225)

طائف سے واپسی اور مقام نخلہ پر جنات کی حاضری:

واپسی پر اللہ کی جانب سے اس غیبی مدد کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا اور غم و الم کے بادل چھٹ گئے چنانچہ آپ ﷺ نے مکے کی راہ پر مزید پیش قدمی فرمائی اور وادی نخلہ میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں آپ ﷺ کا قیام چند دن رہا' اس دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی جس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ پر آیا ہے۔ سورۃ الاحقاف میں یہ آیات اس کی نشاندہی کرتی ہیں: واذ صرفنا الیک نفرا من الجن...... (آیت 29 تا 31) اور سورۃ جن کی یہ آیات ہیں: قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن (آیت 1-2)

آخر رسول اکرم ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے اور مکے کے قریب پہنچ کر کوہ حراء کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر خزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے اخنس بن شریق کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے دے مگر اخنس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا' اس کے بعد آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنی کعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم نے کہا: ہاں اور پھر ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا: تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں پر جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد مطعم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ مکہ میں آ جائیں۔ آپ ﷺ پیغام پانے کے بعد زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لے کر مکہ تشریف لائے اور مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد مطعم بن عدی نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ قریش کے لوگو! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے' اب انہیں کوئی نہ چھیڑے۔ ادھر رسول اکرم ﷺ سیدھے حجر اسود پہنچے' اسے چوما پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے گھر کو پلٹ آئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور ان کے لڑکوں نے ہتھیار باندھ کر آپ ﷺ کے اردگرد حلقہ باندھے رکھا تا آنکہ آپ ﷺ اپنے مکان کے اندر تشریف لے

جائیں۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 419 تا 422- زاد المعاد' ج دوم ص 46 تا 47- مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ' ص 141 تا 143- تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج اوّل ص 126-127- رحمۃ للعالمین' ج اوّل ص 64)

رسول اللہ ﷺ نے مطعم بن عدی کے اس حسن سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا چنانچہ بدر میں جب کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لئے حضرت جبیر بن مطعم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الو کان المطعم بن عدی حیاثم کلمنی فی ھؤلاء النتنی لتر کتھم له (صحیح بخاری' ج دوم ص 573- طبقات ابن سعد' ج اوّل ص 142- عیون الاثر' ج اوّل ص 135' زاد المعاد لابن قیم الجوزی' ج دوم ص 47)

قبائل اور افراد کو دعوت اسلام:

ذی قعدہ 10 نبوت (اواخر جون یا اوائل جولائی 619ء) کو نبی اکرم ﷺ طائف سے مکہ تشریف لے گئے اور یہاں کے افراد اور قبائل کو پھر سے اسلام کی دعوت دینی شروع کی چونکہ موسم حج قریب تھا اس لئے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے دور و نزدیک ہر جگہ سے پیدل اور سواروں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر دعوت اسلام دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عامر' محارب' فزارہ' غسان' مرہ' حنیفہ' سلیم' عبس وغیرہ کئی ایک قبائل کو دعوت اسلام دی لیکن کوئی بھی قبیلہ اسلام لانے پر آمادہ نہ ہوا۔
(مختصر السیرۃ' ص 149)

بعض قبائل پر اسلام کی پیشی اور ان کے جواب کی کیفیت:

اب ہم ذیل میں چند قبائل کا تذکرہ کرتے ہیں:

1- بنو کلب:

آپ ﷺ اس قبیلے کی ایک شاخ بنو عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے' اسلام کی دعوت پیش کی۔ باتوں باتوں میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے تمہارے جدامجد کا نام بہت اچھا رکھا تھا لیکن اس قبیلے نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہ کی۔

2- بنو حنیفہ:

آپ ﷺ ان کے ڈیرے پر تشریف لے گئے' انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن ان جیسا بُرا جواب اہل عرب میں سے کسی نے بھی نہ دیا۔

3- عامر بن صعصعہ:

انہیں آپ ﷺ نے اللہ کی طرف بلایا جواب میں ان کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے کہا ہم آپ ﷺ کا ساتھ دیتے ہیں لیکن اگر آپ غالب آ جاتے ہیں تو کیا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ ہم ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو اللہ کو پتہ ہے تو انہوں نے آپ ﷺ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 424-425)

نور اسلام کی شعاعیں مکہ سے باہر:

جس طرح آپ ﷺ نے وفود اور قبائل پر اسلام پیش کیا اسی طرح افراد اور اشخاص کو بھی اسلام کی دعوت دی اور بعض نے اچھا جواب بھی دیا۔ ذیل میں چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں:

1- سوید بن صامت رضی اللہ عنہ کا اسلام:

یہ گہری سوجھ بوجھ کے حامل عظیم شاعر تھے۔ یہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ تشریف لائے جب آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا میرے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: حکمت لقمان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پیش کرو۔ اس نے پیش کی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس نے کہا یہ تو اس سے بہت اچھا کلام ہے چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (رحمۃ للعالمین' ج اوّل ص 74- سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 425-427)

انہوں نے 11 نبوی کے آغاز میں اسلام قبول کیا تھا۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 ص 125)

2- ایاس بن معاذ:

یہ بھی یثرب کے باشندے تھے۔ جنگ بعاث سے کچھ پہلے اوس کا ایک وفد خزرج کے خلاف قریش سے حلف و تعاون کی غرض سے مکہ آیا تھا' ایاس بن معاذ بھی 11 نبوی میں اس وفد کے ہمراہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس وفد کی آمد کا علم ہوا' آپ نے پوچھا تو ان کے بتانے پر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر چیز دوں؟ آپ ﷺ نے قرآن پیش کیا تو ایاس بولے: اے قوم خدا کی قسم یہ اس سے کہیں بہتر ہے لیکن دوسرا رکن آڑے آ گیا اور کہنے لگا: چھوڑو۔ ہم تو دوسرے مقصد (قریش کی مدد حاصل کرنے) کے لئے آئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر چلے آئے لیکن وہ بھی ناکام واپس گئے۔ مدینہ پلٹنے کے تھوڑے ہی دن بعد ایاس انتقال کر گئے لیکن وہ اپنی موت کے وقت تہلیل و تکبیر اور تسبیح کر رہے تھے اس لئے لوگوں کو ان کے اسلام لانے کا یقین ہے۔ (سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 427)

3- ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

یہ یثرب کے اطراف میں سکونت پذیر تھے جب سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ کے ذریعے یثرب میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو یہ خبر ابوذر رضی اللہ عنہ کے کان سے بھی ٹکرائی اور یہی ان

کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 ص 128)
(ان کے ایمان کی تفصیلی حالت معلوم کرنے کے لئے: صحیح بخاری باب اسلام ابی ذر' ج 1 ص 544 ملاحظہ فرمائیں۔)

4- طفیلؓ بن عمرو دوسیؓ کا اسلام قبول کرنا:

یہ شریف انسان' شاعر' ذی عقل اور قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ یہ 11 نبوی میں مکہ تشریف لائے' اہل مکہ نے ان کا استقبال کیا پھر عرض کرنے لگے کہ اے طفیلؓ ہمارے ہاں ایک آدمی ظاہر ہوا ہے جس نے تمام قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ اس کا کلام جادوئی اثر رکھتا ہے کہ باپ اور بیٹے' بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی ڈالتا ہے۔ آپؓ اس سے بچ کر رہنا' ہمیں ڈر لگتا ہے کہ جس مصیبت سے ہم دوچار ہیں کہیں وہ آپؓ پر اور آپؓ کی قوم پر بھی نہ آن پڑے لہٰذا آپؓ اس سے ہرگز گفتگو نہ کریں اور نہ اس کی کوئی بات سنیں۔

قریش نے انہیں اس قدر ڈرایا کہ انہوں نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ کہیں اتفاقی طور پر بھی اس شخص کا کلام کان میں نہ پڑ جائے۔ طفیل کہتے ہیں کہ اتفاقاً میں ایک روز مسجد حرام کی طرف گیا آپ ﷺ کھڑے بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔

طفیل کہتے ہیں میں ان کے قریب جا کر کھڑا ہوا تو میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ﷺ کا کلام سن لیا۔ نہایت اچھا اور بھلا معلوم ہوا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں تو صاحب عقل اور بڑا شاعر ہوں' مجھ پر کسی کی کلام کا حسن و قبح مخفی نہیں رہ سکتا۔ میں یہ کلام ضرور سنوں گا' اگر اچھا ہوا تو قبول کر لوں گا لیکن اگر برا ہوا تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ حرم سے واپس گھر پلٹے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب گھر پہنچے تو آپ ﷺ کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت فرمائی' اللہ تعالیٰ گواہ ہے میں نے اس سے عمدہ قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی نہ سنی تھی چنانچہ میں نے وہیں پر اسلام قبول کر لیا۔ (طبقات ابن سعد' ج 4 ص 175- عیون الاثر' ج 1 ص 139- خصائص الکبریٰ السیوطی' ج 1 ص 135- سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 421- دلائل النبوہ لابی نعیم' ج 1 ص 78)

5- ضماد ازدی:

یہ یمن کے باشندے اور قبیلہ ازدشنوءہ کے فرد تھے۔ ان کا کام جھاڑ پھونک کرنا اور آسیب اتارنا تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے لوگوں سے سنا کہ محمد ﷺ پاگل ہیں۔ سوچا کیوں نہ اس شخص کے پاس جاؤں' ہو سکتا ہے میرے ہاتھوں ہی اسے شفاء ہو جائے چنانچہ آپ ﷺ سے ملاقات کی اور کہا اے محمد ﷺ! میں آسیب اتارنے کے لئے جھاڑ پھونک کیا کرتا ہوں' کیا آپ کو بھی اس کی ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ

واشهد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ' اما بعد!

ضماد نے کہا ذرا اپنے ان کلمات کو دہرایئے' آپ ﷺ نے تین بار دہرایا۔ اس کے بعد ضماد نے کہا میں کاہنوں' جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ ﷺ کے ان جیسے کلمات نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لایئے اپنا ہاتھ بڑھایئے' آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کروں۔ اس کے بعد انہوں نے بیعت کرکے اسلام قبول کر لیا۔ (صحیح مسلم' مشکوۃ' باب علامات النبوۃ' ج 2 ص 525)

یثرب کے چھ خوش نصیب حضرات:

مدینہ میں زیادہ آبادی اوس اور خزرج کی تھی جو مشرک اور بت پرست تھے اور ان کے ساتھ یہود بھی رہتے تھے جو اہل کتاب اور اہل علم تھے۔ مدینہ میں چونکہ یہودی اقلیت میں تھے اس لئے جب کبھی یہود کا اوس اور خزرج سے کوئی جھگڑا ہوتا تو یہود یہ کہا کرتے تھے کہ اب عنقریب نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والے ہیں' ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں قوم عاد اور ارم کی طرح ہلاک و برباد کر دیں گے۔

جب حج کا موسم آیا تو خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے' یہ 11 نبوی (جولائی 620ء) کا واقعہ ہے۔ اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو بیڑا اُٹھا رکھا تھا اس کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ آپ ﷺ رات کی تاریکی میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تاکہ مکے کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

اس حکمت عملی کے تحت ایک رات آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے' چلتے چلتے منیٰ کی گھاٹی سے گزرے تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے سنا۔ آپ ﷺ نے سیدھا ان کی طرف رُخ کیا اور ان کے پاس جا پہنچے یہ یثرب (مدینہ) کے چھ جوان تھے اور سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے جن کے نام یہ ہیں:

1- اسعد بن زرارہ
2- عوف بن حارث بن رفاعہ
3- رافع بن مالک بن عجلان
4- قطبہ بن عامر بن حدیدہ
5- عقبہ بن عامر بن نابی
6- حارث بن عبداللہ بن رباب

آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر دریافت فرمایا کہ آپ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یعنی یہود کے حلیف؟ بولے ہاں۔ فرمایا پھر کیوں نہ آپ حضرات کے پاس بیٹھیں تاکہ کچھ بات چیت کی جائے۔ وہ لوگ بیٹھ گئے' آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت پیش کی اور انہیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور قرآن کی تلاوت

فرمائی۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: بھئی دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں لہٰذا یہود تم پر سبقت نہ لے جانے پائیں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً آپ ﷺ کی دعوت دین قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد یہ لوگ مدینہ واپس ہوئے تو اپنے ساتھ اسلام کا پیغام بھی لے گئے چنانچہ وہاں گھر گھر رسول اللہ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

(مختصر السیرۃ' ص 150 تا 152- رحمۃ للعالمین' ج 1 ص 71- زاد المعاد' ج 2 ص 50- سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 480- زرقانی شرح مواہب اللدنیہ' ج 1 ص 311- عیون الاثر' ج 1 ص 156- البدایہ والنہایہ ابن کثیر' ج 3 ص 202)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

اسی سال شوال 11 نبوی میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا' اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینہ میں مدینہ کے اندر ان کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ (تلقیح الفہوم ص 10- صحیح البخاری ج 1 ص 550)

کائنات انسانی کا حیرت ناک کرشمہ' اسراء و معراج:

رسول اکرم ﷺ کی دعوت و تبلیغ ابھی کامیابی اور ظلم و ستم کے اس درمیانی مرحلے سے گزر رہی تھی کہ اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا۔

معراج کا سال:

علماء سیر کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کو معراج کس سال ہوئی؟ علماء کے اس بارے میں دس اقوال ہیں:

1- ہجرت سے چھ ماہ قبل معراج ہوئی
2- ہجرت سے آٹھ مہینے پہلے
3- ہجرت سے گیارہ مہینے پہلے
4- ہجرت سے ایک سال پہلے
5- ہجرت سے ایک سال دو ماہ قبل
6- ہجرت سے ایک سال تین ماہ قبل
7- ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ قبل
8- ہجرت سے ایک سال چھ ماہ پہلے
9- ہجرت سے تین سال قبل
10- ہجرت سے پانچ سال قبل

یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ فتح الباری باب المعراج میں مذکور ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعت عقبہ سے پہلے معراج ہوئی۔ کثرت روایات اسی طرف ہیں کیونکہ پہلے کے آٹھ اقوال اس پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد معراج ہوئی نیز یہ امر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت خدیجہؓ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئی تھیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت خدیجہ شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ ان کا انتقال شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ہوا اور یہ مسلمہ امر ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے رفقاء شعب ابی طالب سے 10 نبوی میں باہر نکلے لہٰذا ان تمام مقدمات سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ معراج 10 نبوی کے بعد 11 نبوی میں سفر طائف سے واپسی کے بعد کسی مہینہ میں ہوئی۔

معراج کس مہینے میں ہوئی؟

رہا یہ امر کہ کس مہینہ میں ہوئی' اس میں اختلاف ہے۔ ربیع الاول یا ربیع الآخر یا رجب یا رمضان یا شوال میں ہوئی۔ ان پانچ اقوال میں سے مشہور یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب ہوئی۔ (فتح الباری باب المعراج' ج 7 ص 154- زرقانی شرح مواہب لدنیہ' ج 1 ص 307- زاد المعاد' ج 2 ص 49- مختصر السیرۃ' ص 148- رحمتہ للعالمین' ج 1 ص 67)

واقعہ معراج کی تفصیلات:

ائمہ حدیث نے اس واقعے کی جو تفصیلات روایت کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق آپ ﷺ کو جسم مبارک سمیت براق پر سوار کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے وہاں نزول فرمایا اور انبیاء کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا تھا۔

اس کے بعد اسی رات آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا' جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا' آپ ﷺ نے وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کہا انہوں نے آپ ﷺ کو مرحبا کہا اور سلام کا جواب دیا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے دائیں جانب سعادت مندوں کی اور بائیں طرف بدبختوں کی روحیں دکھلائیں۔

پھر آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا اور دروازہ کھلوایا گیا' آپ ﷺ نے وہاں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا' مبارک باد دی اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے مبارک باد دی اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا' مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو دیکھا' سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا' مبارک باد دی اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی' آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا البتہ جب آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ ان سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت کے لوگوں سے بہت زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی' آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا' مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ پھر آپ ﷺ کے لئے بیت معمور کو ظاہر کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچایا گیا اور آپ ﷺ اللہ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر حسب منشاء الٰہی وحی فرمائی اور پچاس نمازیں فرض کیں' اس کے بعد آپ ﷺ واپس ہوئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پچاس نمازوں کا۔ انہوں نے کہا آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ آپ ﷺ اپنے پروردگار کے پاس واپس جایئے اور اپنی اُمت کے لئے تخفیف کا سوال کیجئے۔ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ لے رہے ہیں تو انہوں نے اشارہ کیا ہاں' اگر آپ چاہیں۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے حضور لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر آپ ﷺ نیچے تشریف لائے' پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا۔ انہوں نے پوچھا آپ ﷺ نے بتایا انہوں نے کہا کہ ابھی آپ ﷺ پھر اپنے رب کے پاس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے تو اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آپ ﷺ کی آمدورفت جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ نمازیں باقی رکھیں اس کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے نمازوں میں تخفیف کروانے کا مشورہ دیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا: اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اس پر راضی ہوں۔ (زاد المعاد ج 2 ص 47)

عجائبات معراج

معراج سے قبل نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شق صدر کا واقعہ پیش کیا اور آپ ﷺ کو اس سفر کے دوران کئی چیزیں دکھلائی گئیں۔

آپ ﷺ پر دودھ اور شراب پیش کیے گئے' آپ ﷺ نے دودھ اختیار فرمایا۔

آپ ﷺ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں دو ظاہری اور دو باطنی۔ ظاہری نہریں نیل وفرات تھی۔ (اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت نیل وفرات کی شاداب وادیوں کو اپنا وطن بنائے گی یعنی یہاں کے باشندے نسل در نسل مسلمان ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں نہروں کے پانی کا منبع جنت میں ہے واللہ اعلم!)

آپ ﷺ نے جہنم کے داروغہ ''مالک'' کو بھی دیکھا' وہ نہ ہنستا تھا اور نہ اس کے چہرے پر خوشی اور بشاشت تھی۔ آپ ﷺ نے جنت اور دوزخ بھی دیکھی۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں۔ ان کے ہونٹ' اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منہ میں پتھر کے ٹکڑوں جیسے انگارے ٹھونس رہے تھے جو دوسری جانب ان کے پاخانے کے راستے نکل رہے تھے۔

آپ ﷺ نے سودخوروں کو بھی دیکھا' ان کے پیٹ اتنے اتنے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے تھے اور جب آل فرعون کو آگ پر پیش کرنے کے لئے لے جایا جاتا تو ان کے پاس سے گزرتے وقت انہیں روندتے ہوئے جاتے تھے۔

آپ ﷺ نے زناکاروں کو بھی دیکھا' ان کے سامنے تازہ اور فربہ گوشت تھا اور اس کے پاس ہی سڑا ہوا چھچھڑا بھی تھا۔ یہ لوگ تازہ اور فربہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا چھچھڑا کھا رہے تھے۔

آپ ﷺ نے ان عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں پر دوسروں کی اولاد داخل کر دیتی ہیں (یعنی دوسروں کے زنا کے ذریعے حاملہ ہوتی ہیں لیکن لاعلمی کی وجہ سے بچہ ان کے شوہر کا سمجھا جاتا ہے) آپ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ ان کے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑھے کانٹے چبھو کر انہیں آسمان و زمین کے درمیان لٹکا دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے آتے جاتے ہوئے اہل مکہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا اور انہیں ان کا ایک اونٹ بھی دکھایا جو بدک کر بھاگ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا پانی بھی پیا جو ایک ڈھکے ہوئے برتن میں رکھا تھا۔ اس وقت قافلہ سو رہا تھا' پھر آپ ﷺ نے اسی طرح ڈھک کر برتن چھوڑ دیا اور یہ بات معراج کی صبح آپ ﷺ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوئی۔

(سیرت ابن ہشام ج اوّل ص 454' کتب تفاسیر سورۃ اسراء)

قوم کے سامنے معراج کا تذکرہ:

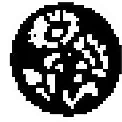
علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی اور اپنی قوم کو ان بڑی بڑی

نشانیوں کی خبر دی جو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو دکھلائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت رسانی میں اور شدت آ گئی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کی کیفیت بیان کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے بیت المقدس کو ظاہر فرما دیا اور وہ آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ آپ ﷺ نے قوم کو اس کی نشانیاں بتلانا شروع کیں اور ان سے کسی بات کی تردید نہ بن پڑی۔ آپ ﷺ نے جاتے اور آتے ہوئے ان کے قافلے سے ملنے کا بھی ذکر فرمایا اور بتلایا کہ اس کی آمد کا وقت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اونٹ کی بھی نشاندہی کی جو قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا پھر جیسا کچھ آپ ﷺ نے بتایا تھا' ویسا ہی ثابت ہوا لیکن ان سب معجزات کے باوجود ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا اور ان ظالموں نے کفر کرتے ہوئے کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیا۔

(زاد المعاد' ج اوّل ص 48- صحیح بخاری' ج دوم ص 684- صحیح مسلم' ج اوّل ص 96)

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ کو اسی موقع پر صدیق کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ نے اس واقعہ کی اس وقت تصدیق کی جبکہ اور لوگوں نے تکذیب کی تھی۔

(مختصر سیرۃ الرسول' ص 260- الرحیق المختوم' ص 202)



بیعت عقبہ اولیٰ

پیچھے ہم بتا چکے ہیں کہ نبوت کے گیارہویں سال موسم حج میں یثرب کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی قوم میں جا کر آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر کسی کو یہ خوشخبری سناتے تھے کہ وہ نبی ﷺ جس کا تمام عالم کو انتظار تھا' آ گیا ہے۔ ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا' ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا ہے اور اس نے ہمیں اس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے ہیچ ہے۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 72)

ان لوگوں کی بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال جب حج کا موسم آیا تو (ذی الحجہ 12 نبوی مطابق جولائی 621ء) کو بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں حضرت جابر بن عبداللہ بن رباب کو چھوڑ کر باقی پانچ وہی تھے جو پچھلے سال بھی آ چکے تھے اور ان کے علاوہ سات آدمی نئے تھے جن کے نام یہ ہیں:

1- معاذ بن حارث
2- ذکوان بن عبدالقیس
3- عبادہ بن صامت
4- یزید بن ثعلبہ
5- عباس بن عبادہ بن نضلہ
6- ابوالہیثم بن التیہان
7- عویم بن ساعدہ

ان میں سے آخر والے دو آدمی قبیلہ اوس میں سے تھے بقیہ سب کے سب خزرج میں سے تھے۔

(رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 72- سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 481- البدایہ والنہایہ' ج 3 ص 203)

بیعت کی شرائط:

ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے جن باتوں پر بیعت کی تھی' وہ یہ ہیں:

1- ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔
2- ہم چوری اور زنا کاری نہیں کریں گے۔
3- ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔
4- ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کھایا کریں گے۔
5- ہم اچھی بات میں نبی ﷺ کی اطاعت کیا کریں گے۔

(صحیح بخاری باب حلاوۃ الایمان' ج اوّل ص 7' باب وفود الانصار' ج اوّل ص 551-550 'باب قول اللہ تعالٰی اذا جاء ک المؤمنات' ج دوم ص 727' باب الحدود کفارۃ' ج دوم ص 1003)

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی بطور مبلغ اسلام یثرب روانگی:

بیعت کرنے کے بعد یہ لوگ جب مکے سے اپنے اپنے قبائل میں گئے تو انہوں نے اپنے اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور یوں بہت سے لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے' یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت معاذ بن عفراء اور رافع بن مالک کو بھیجا اور یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ اُن کے ہاں کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو انہیں اسلام کی تعلیم دے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے ہاں مصعب بن عمیرؓ کو روانہ کیا جو وہاں پہنچ کر اسعد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے۔ (البدایہ والنہایہ' ج سوم ص 204)

حضرت مصعبؓ اور اسعد بن زرارہؓ دونوں نے مل کر اہل یثرب میں جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت مصعبؓ "مقری" (معلم اور استاذ) کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت مصعبؓ کی تبلیغ کا شاندار کرشمہ:

ایک دن حضرت مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ اور چند مسلمان بیئر مرق پر جمع ہوئے اور غور کرنے لگے کہ بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں کس طرح اسلام کی منادی کی جائے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے' انہیں بھی خبر ہوئی تو سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

"تم کس غفلت میں پڑے ہو' دیکھو یہ دونوں ہمارے گھروں میں آ آ کر ہمارے بے وقوفوں کو بھگانے لگے' تم جاؤ انہیں جھڑک دو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں۔ میں خود ایسا کرتا مگر اس لئے خاموش ہوں کہ اسعدؓ میری خالہ کا بیٹا ہے۔"

اسید بن حضیر اپنا ہتھیار لے کر روانہ ہوا' اسعدؓ نے مصعبؓ کو کہا: "دیکھو! یہ قبیلے کا سردار آ رہا ہے' خدا کرے کہ وہ تیری بات مان جائے۔" مصعبؓ نے کہا کہ اگر وہ آ کر بیٹھ گیا تو میں ضرور اس سے کلام کروں گا۔ اتنے میں اسید آ پہنچا اور کھڑا کھڑا گالیاں دیتا رہا اور یہ بھی کہا کہ تم ہمارے احمق اور نادان لوگوں کو پھسلانے آئے ہو۔

مصعبؓ کے وعظ پر اسید کا مسلمان ہونا:

مصعبؓ نے کہا: کاش آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں' اگر پسند آئے تو قبول فرما لیں' ناپسند ہو تو اسے چھوڑ جائیں۔ اسید نے کہا: خیر' کیا مضائقہ ہے۔ مصعبؓ نے سمجھایا کہ اسلام کیا ہے اور پھر اسے قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ اسید نے سب کچھ چپ چاپ سنا بالآخر کہا کہ ہاں یہ تو بتاؤ کہ جب کوئی تمہارے دین میں داخل ہونا چاہتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟

انہوں نے کہا: نہلا کر، پاک کپڑے پہنا کر کلمہ شہادت پڑھا دیتے ہیں اور دو رکعت نفل پڑھوا دیتے ہیں۔ اسید اُٹھا کپڑے دھوئے، کلمہ شہادت پڑھا اور نفل ادا کئے، پھر کہا: میرے پیچھے ایک اور شخص ہے اگر وہ تمہارا پیرو ہو لیا تو پھر تمہارا کوئی مخالف نہ رہے گا اور میں ابھی جا کر اُسے تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں۔ اسید یہ کہہ کر چلا گیا۔ ادھر سعد بن معاذ اس کے انتظار میں تھا، دور سے چہرہ دیکھتے ہی بولا: دیکھو! اسید کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ جب اسید آ بیٹھا تو سعد نے پوچھا کہ کیا ہوا۔ اسید بولا: میں نے انہیں سمجھا دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری منشاء کے خلاف نہیں کریں گے مگر وہاں تو ایک حادثہ اور پیش آیا، بنو حارثہ وہاں آ گئے تھے اور وہ اسعد بن زرارہؓ کو اس لئے قتل کرنے پر تیار ہیں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ غصے سے بھر گیا اور اپنا حربہ سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔ اسے ڈر تھا کہ بنی حارثہ اس کے بھائی (اسعد) کو مار نہ ڈالیں۔ اس نے چلتے وقت یہ بھی کہا کہ اسید! تم تو کچھ بھی کام بنا کر نہ آئے۔

مصعبؓ کے وعظ پر سعد بن معاذؓ کا ایمان قبول کرنا:

سعد وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مصعب اور اسعدؓ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، سعد سمجھ گیا کہ اسید نے مجھے ان کی باتیں سننے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ خیال آتے ہی گالیاں دینے لگا اور اسعد کو یہ بھی کہا کہ اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمہاری کیا مجال تھی کہ ہمارے محلے میں چلے آتے۔ اسعد نے مصعب سے کہا کہ دیکھو! یہ بڑے سردار ہیں، اگر اسے سمجھا دو تو پھر کوئی دو آدمی بھی تمہارے مخالف نہ رہ جائیں گے۔

مصعبؓ نے سعدؓ سے کہا: آیئے بیٹھ جایئے کچھ باتیں کریں۔ اگر پسند آئے تو قبول فرما لینا ورنہ انکار کر دینا۔ سعد حربہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ مصعبؓ نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید کی تلاوت کی۔ آخر سعد نے بھی وہی سوال کیا جو اسید نے کیا تھا۔ الغرض سعد اُٹھا، نہایا، دھوئے ہوئے کپڑے پہنے، کلمہ پڑھا، نفل ادا کئے اور ہتھیار لے کر اپنی مجلس میں واپس آیا، آتے ہی اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکار کر کہا:

اے بنی عبدالاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟

سب نے کہا: تم ہمارے سردار ہو، تمہاری رائے اور تمہاری تلاش بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے۔

سعد بولا: سنو! خواہ کوئی مرد ہے یا عورت! میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے۔

تمام قبیلہ ایک ہی دن مسلمان ہو گیا:

سعد بن معاذؓ کے کہنے کا اثر یہ ہوا کہ بنو عبدالاشہل میں شام تک کوئی مرد اور عورت اسلام سے خالی نہ رہا اور تمام قبیلہ ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔ مصعبؓ کی تعلیم سے اسلام کا چرچا اسی طرح انصار کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا۔

(رحمتہ للعالمین، ج اوّل ص 73- سیرت المصطفیٰ، ج اوّل ص 370- عیون الاثر، ج اوّل ص 158- تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی، ج اوّل ص 149- سیرت ابن ہشام، ج اوّل ص 483- تاریخ اسلام نجیب آبادی، ج اوّل ص 134- مختصر سیرۃ الرسول، ص 273)

مدینہ منورہ میں جمعہ کا آغاز:

اسی سال اسعد بن زرارہؓ نے مدینہ منورہ میں جمعتہ المبارک کا آغاز کیا۔ آپؓ نے جب یہ دیکھا کہ یہود نے اجتماع کے لئے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا ہوا ہے، اسعدؓ نے مسلمانوں کے اجتماع اور ذکر و عبادت کے لئے جمعہ کا دن تجویز کیا اور اس روز سب کو نماز پڑھائی۔ (عبد بن حمید عن ابن سیرین باسناد صحیح بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ، ج اوّل ص 371- سیرت ابن ہشام، ج اوّل ص 483)

اس کے کچھ ہی دنوں بعد رسول اکرم ﷺ کی طرف سے جمعہ کے آغاز کے متعلق مصعب بن عمیرؓ کے نام پیغام پہنچا کہ جمعہ کے دن نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہ خداوندی میں دو رکعتوں سے تقرب الٰہی حاصل کیا کرو۔ (دارقطنی عن ابن عباس، زرقانی، ج اوّل ص 315)

عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد کعبؓ جب جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ کے لئے دعائے مغفرت فرماتے۔ میں نے ایک بار دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ مدینہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہؓ ہی نے ہمیں جمعتہ المبارک پڑھایا ہے۔

(الاصابہ، ج اوّل ص 34- ترجمہ اسعد بن زرارہؓ سنن ابی داؤد، الحاکم)

بیعت عقبہ ثانیہ

نبوت کے تیرہویں سال موسم حج (جون 622ء) میں یثرب کے ستر سے زیادہ مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ تشریف لائے یہ ابھی یثرب یا مکے کے راستے میں ہی تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کب تک رسول اکرم ﷺ کو یونہی مکے کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوفزدہ کیے ہوئے چھوڑے رکھیں گے؟

پھر جب مدینہ کے مسلمان مکہ پہنچ گئے تو درپردہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سلسلہ اور رابطہ شروع کیا اور آخرکار اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ دونوں فریق ایام تشریق (ماہ ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخ) کی درمیانی رات (12 ذوالحج کو) منیٰ میں جمرۂ اولیٰ یعنی جمرۂ عقبہ کے پاس جو گھاٹی ہے اسی میں جمع ہوں اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں بالکل خفیہ طریقے پر ہو۔

بیعت کی تفصیل حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی:

حضرت کعبؓ واقعے کی تفصیلات یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حسب دستور اس رات اپنی قوم کے ہمراہ اپنے ڈیروں میں سوئے لیکن جب تہائی رات گزر گئی تو اپنے ڈیروں سے نکل نکل کر

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے شدہ مقام پر جا پہنچے۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دبک کر نکلتے تھے جیسے چڑیا گھونسلے سے سکڑ کر نکلتی ہے یہاں تک کہ ہم سب عقبہ میں جمع ہو گئے۔ ہماری کل تعداد پچھتر تھی جن میں تہتر مرد تھے اور دو عورتیں (اُم عمارہ نسیبہ بنت کعبؓ اور اُم منیع اسماء بنت عمروؓ) تھیں۔ ہم سب گھاٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے' آخر وہ لمحہ آ ہی گیا جب آپ ﷺ اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ تشریف لائے' وہ اگرچہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لئے پختہ اطمینان حاصل کر لیں' سب سے پہلے بات بھی انہوں نے شروع کی۔

حضرت عباسؓ کی طرف سے معاملہ کی نزاکت کی وضاحت:

مجلس مکمل ہو گئی تو دینی اور فوجی تعاون کے عہد و پیمان کو قطعی اور آخری شکل دینے کے لئے گفتگو کا آغاز ہوا۔ رسول اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے سب سے پہلے زبان کھولی' ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ پوری صراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کی نزاکت واضح کر دیں جو اس عہد و پیمان کے نتیجے میں ان حضرات کے سر پڑنے والی تھی چنانچہ وہ یوں گویا ہوئے۔

خزرج کے لوگو! ہمارے اندر محمد ﷺ کی جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے ہماری قوم کے جو لوگ دینی نقطۂ نظر سے ہماری جیسی رائے رکھتے ہیں' ہم نے محمد ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا ہے وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں قوت و عزت اور طاقت و حفاظت کے اندر ہیں' اب وہ تمہارے پاس جانے اور تمہارے ساتھ لاحق ہونے پر مصر ہیں لہٰذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو' اسے سنبھالو گے اور انہیں ان کے مخالفین سے بچا لو گے تب تو ٹھیک ہے اور تم نے جو ذمہ داری اُٹھائی ہے اسے تم جانو لیکن اگر تمہارا یہ اندازہ ہے کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔

کعبؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عباسؓ سے کہا کہ آپ کی بات ہم نے سن لی' یا رسول اللہ ﷺ اب آپ گفتگو فرمایئے اور اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو عہد و پیمان پسند کریں' لیجئے۔

آپ ﷺ نے گفتگو فرمائی' آپ ﷺ نے سب سے پہلے قرآن کی تلاوت کی' اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی ترغیب دی۔

عقبہ ثانیہ پر آنحضرت ﷺ کا اہل یثرب سے مکالمہ:

رسول کریم ﷺ نے انصار کو اللہ کا پیغام پڑھ کر سنایا جس کے سننے سے وہ ایمان و یقین سے معمور ہو گئے اب سب لوگوں نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ہمارے شہر میں چل کر بسیں تا کہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

1- کیا تم دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے۔

2- اور جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں تو کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل

دعیال کی مانند کرو گے۔

ایمان والوں نے پوچھا کہ ایسا کرنے کا ہمیں صلہ ملے گا؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بہشت۔ ایمان والوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضور ﷺ ہمیں بھی چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں، میرا جینا' میرا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔

اس آخری فقرے کا سننا تھا کہ عاشقان صداقت' عجب فرحت ونشاط کے ساتھ جاں نثاری کی بیعت اسلام کرنے لگے۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 491- سیرت المصطفیٰ' ج اوّل ص 377- عیون الاثر' ج 1 ص 163- زرقانی شرح مواہب' ج 1 ص 317- فتح الباری' ج 7 ص 104' 173- رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 75- البدایہ والنہایہ' ج 3' ص 206)

بیعت کی دفعات:

بیعت کا واقعہ امام احمد بن حنبل نے حضرت جابرؓ سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ سے کس بات پر بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس بات پر:

1- چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔
2- تنگی اور خوشحالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔
3- بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔
4- اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے۔
5- اور جب میں تمہارے پاس آ جاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے پھر تمہارے لئے جنت ہے۔ (مسند احمد' مستدرک حاکم' صحیح ابن حبان بحوالہ مختصر السیرۃ الشیخ عبداللہ' ص 155)

بیعت کی تکمیل:

اسعد بن زرارہ' مصعب بن عمیر کے ساتھ مل کر مدینے میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے اس لئے طبعی طور پر وہی ان بیعت کرنے والوں کے دینی سربراہ بھی تھے اسی لئے سب سے پہلے انہوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد بیعت عامہ ہوئی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک آدمی کر کے اُٹھے اور آپ ﷺ نے ہم سے بیعت لی اور اس کے عوض جنت کی بشارت دی۔

(مسند احمد' سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 492)

باقی رہیں دو عورتیں جو اس موقع پر حاضر تھیں تو ان کی بیعت صرف زبانی ہوئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت سے مصافحہ نہیں کیا۔

(صحیح مسلم باب کیفیۃ بیعۃ النساء' ج دوم ص 131)

بارہ نقیبوں کا انتخاب:

جب سب بیعت کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے اسی طرح میں بھی جبریل علیہ السلام کے اشارے سے تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں اور ان بارہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو جیسے حواریین عیسیٰ علیہ السلام کے کفیل تھے۔ (الطبقات الکبریٰ از محمد بن سعد' ج 1 ص 150)

نقباء کے اسماء:

جن حضرات کو رسول اللہ ﷺ نے نقیب منتخب فرمایا' ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

1- اسعد بن زرارہ
2- عبداللہ بن رواحہ
3- سعد بن الربیع
4- رافع بن مالک
5- ابو جابر عبداللہ بن عمرو
6- براء بن معرور
7- سعد بن عبادہ
8- عبادہ بن صامت
9- اسید بن حضیر
10- سعد بن خیثمہ
11- منذر بن عمرو
12- رفاعہ بن عبدالمنذر

بعض اہل علم نے رفاعہ کے بجائے ابوالہیثم بن تیہان کا نام ذکر کیا ہے۔

نقباء کا انتخاب الہامی تھا:

امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھ سے انصار میں سے ایک شیخ نے بیان کیا کہ انتخاب کے وقت جبریل امین رسول اللہ ﷺ کو اشارہ سے بتلاتے جاتے تھے کہ فلاں فلاں کو نقیب بنائیں۔

(زرقانی شرح المواہب' ج اوّل ص 371)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھے کیوں نقیب نہیں بنایا گیا کیونکہ میں مامور ہوں جس طرح اللہ کا حکم ہے میں اسی طرح کروں گا۔ (روض الانف' ج 1 ص 277)

شیطان کا اشتعال:

معاہدہ مکمل ہو چکا تھا' اب لوگ بکھرنے ہی والے تھے کہ ایک شیطان کو اس کا پتہ چلا تو اس نے گھاٹی کی چوٹی سے اتنا زور سے چلا کر کہا کہ اتنی اونچی آواز کبھی سنائی نہ دی: اے منیٰ کے خیموں میں اترنے والو! کیا تمہیں مذمم اور اس کے بے دین ساتھیوں کے منصوبوں کی کچھ خبر ہے؟ یہ تم سے لڑنے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس گھاٹی پر متعین شیطان ہے اس کا نام ازب بن ازیب ہے۔ پھر فرمایا: اے اللہ کے دشمن! کان کھول کر سن لے اللہ کی قسم! میں عنقریب تیرے لئے فارغ ہو جاؤں گا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: اپنے اپنے ڈیروں پر چلے جاؤ۔

(مختصر السیرۃ' ص 275- زاد المعاد' ج دوم ص 51)

روسائے قریش کی تحقیق احوال کے لئے آمد:

جب صبح ہوئی اور یہ خبر مکہ میں پھیلی تو مکہ میں کہرام مچ گیا چنانچہ قریش نے انصار کے خیموں کا رُخ کیا اور یوں عرض کرنے لگے:

''خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس صاحب یعنی محمد ﷺ کو ہمارے درمیان سے لے جانے کے لئے آئے ہیں اور ہم سے جنگ کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے۔'' (سیرت ابن ہشامؒ ج اوّل ص 498)

قافلہ میں جو یثرب کے بت پرست اور مشرک تھے چونکہ اُن کو اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا اس لئے ان لوگوں نے اس خبر کی تکذیب کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمیں ضرور علم ہوتا کیونکہ یہ بیعت مکمل رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں زیرِعمل آئی تھی بالآخر یہ وفد عبداللہ بن ابی ابن سلول کے پاس پہنچا' وہ بھی کہنے لگا یہ باطل ہے' ایسا نہیں ہوا اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کام کر ڈالے۔ اگر میں یثرب میں ہوتا تو بھی مجھ سے مشورہ کئے بغیر میری قوم ایسا نہ کرتی۔ باقی رہے مسلمان تو انہوں نے چپ سادھ لی' آخر روسائے قریش نامراد واپس چلے گئے۔

خبر کا یقین اور بیعت کرنے والوں کا تعاقب:

روساء مکہ برابر اس خبر کی کرید میں لگے رہے بالآخر انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے اور بیعت ہو چکی ہے لیکن یہ پتہ اس وقت چلا جب حجاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے۔ قریش انصار کو پکڑنے کے لئے دوڑ پڑے مگر قافلہ نکل چکا تھا' کوئی ہاتھ نہ آیا البتہ انہوں نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو دیکھ لیا۔ منذر تو نکل بھاگے البتہ سعد بن عبادہ پکڑ لئے گئے۔ ان کا ہاتھ گردن کے پیچھے انہی کے کجاوے کی رسی سے باندھ دیا گیا' پھر انہیں مارتے پیٹتے اور بال نوچتے ہوئے مکہ لے جایا گیا لیکن مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے آ کر چھڑایا کیونکہ ان دونوں کے جو قافلے مدینے سے گزرتے تھے وہ حضرت سعد ہی کی پناہ میں گزرتے تھے۔ ادھر انصار اُن کی گرفتاری کے بعد باہم مشورہ کر رہے تھے کہ کیوں نہ دھاوا بول دیا جائے مگر اتنے میں وہ نظر آ گئے اس کے بعد تمام لوگ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ (زاد المعادؒ ج دوم ص 51-52)

مکی زندگی پر تبصرہ:

بعثت کے بعد تیرہ سال تک حضور ﷺ مکہ میں رہے۔ جب آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو اہل مکہ اس کی شدید مخالفت کی کیونکہ یہ لوگ جس مذہب پر صدہا سالوں سے کاربند چلے آ رہے تھے' اسے یکبارگی چھوڑ دینا ان کے لئے آسان تو نہ تھا اس بناء پر آپ کو تبلیغی مشن میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ پہلے پہل صرف چند آدمیوں نے اسلام کے آغوش میں پناہ لی لیکن

رسول اکرم ﷺ نے اپنے مشن کی تکمیل کی طرف بڑھتے ہوئے انتہائی ہمت' عزم اور حوصلے سے اپنی کوشش اور جدوجہد جاری رکھی۔ آپ ﷺ کی مساعی سے دور دراز کے قبائل تک نبوت کی آواز سنی گئی لیکن جو لوگ صدیوں سے بت پرستی کا شکار تھے اور قبیح اعمال کے عادی ہو چکے تھے یکدم تو ان کی کایا نہیں پلٹ سکتی تھی۔ ذہنی تبدیلی کے لئے وقت درکار تھا البتہ حضور اکرم ﷺ کا پاکیزہ کردار اور اسلام کی سچی' پاکیزہ اور سادہ تعلیمات آہستہ آہستہ مخالفین کے کانوں سے ٹکرا کر دلوں کو متاثر کر رہی تھیں اسی کا نتیجہ تھا کہ کسی تصادم کے بغیر بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے بلکہ مدینہ کے لوگ بھی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اسلام کے مستقبل کی مضبوط دیوار مکہ ہی میں تعمیر ہونی شروع ہو گئی تھی' یہ الگ بات ہے کہ اس کا اصلی مرکز بننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل سے مدینہ منورہ کا انتخاب کیا ہوا تھا۔

اہل اسلام نے قریش کے ہاتھوں جو مصائب و آلام برداشت کئے اس نے بھی بہت سے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر اس دین میں وہ کیا خصوصیات ہیں جن کی خاطر یہ لوگ تمام قسم کی تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں' آخرکار اسی غوروفکر نے ان کے لئے راہ ہدایت کھول دی۔

اگر ابتدائی مشکلات' تین سال کی نظربندی اور قریش کے ظلم و ستم کو پیش نظر رکھ کر حضور ﷺ کی مکی زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آپ ﷺ نے ان تیرہ سالوں میں زبردست کامیابی حاصل کی تھی' کسی بھی نظریہ کی اشاعت کا ابتدائی دور ہی سب سے مشکل اور اہم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان تمام مراحل کو بڑے تدبر سے طے کیا اور جس وقت مکہ کو چھوڑا اس وقت اسلامی ریاست کی بنیادیں استوار ہو چکی تھیں اور اسلام پر جان نچھاور کرنے والوں کی ایک ایسی مضبوط جماعت بھی تیار ہو چکی تھی جس نے مدنی عہد کی عظیم فتوحات کو ممکن بنایا۔



ہجرت مدینہ

ہجرت مدینہ کا پروگرام:

آنحضرت ﷺ کا فرض صرف چند انسانوں کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا تھا بلکہ عالم انسانیت کو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکانا اور اللہ کے اولین گھر بیت اللہ کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کرنا تھا اور یہ اہم فرض مکہ میں رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے' اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے بعد ابھی بہت کم اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے اس لئے اللہ کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لئے کسی پُرامن مقام کی ضرورت تھی۔ اوس اور خزرج کے قبول اسلام سے مدینہ منورہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن سب کچھ اسلام پر وارنے کو تیار تھی اس لئے آپ ﷺ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کرنے کا پروگرام بنایا۔ انصار کے لئے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی تھی چنانچہ وہ آنکھیں فرش راہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کو ترک وطن کی اجازت:

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکہ سے باہر نہیں گئے تھے لیکن ان پر اب اتنے ظلم وستم ہونے لگے کہ پیارا وطن ان کے لئے آگ کا پہاڑ بن گیا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یثرب چلے جانے کی اجازت دے دی اور ان ایمان والوں کو گھر بار' خویش و اقارب' باپ بھائی' بیوی اور اولاد کے چھوڑنے کا ذرا غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جا کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کر سکیں گے۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 76)

جب رسول اکرم ﷺ نے مکہ میں قیام پذیر تمام مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اپنی جانیں بچانے کے لئے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں تو حکم پاتے ہی لوگ اپنے گھروں کو خالی چھوڑ چھوڑ کر' عزیز اور رشتہ داروں سے جدا ہو کر مدینہ کی طرف جانے لگے۔ قریش نے جب دیکھا کہ یہ لوگ یہاں سے ہجرت کرنے پر آمادہ ہیں اور مدینہ جا کر اطمینان و فراغت کی زندگی بسر کریں گے تو انہیں یہ بھی گوارا نہ ہوا تو وہ ہجرت کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔

(تاریخ اسلام از نجیب آبادی' ج اوّل ص 138)

ہجرت کی دشواریاں:

ہجرت کرنے والوں اور گھر بار چھوڑنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔

حضرت اُم سلمہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھ کو اونٹ پر بٹھایا' میری گود میں میرا چھوٹا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم روانہ ہوئے تو میرے قبیلہ کے لوگوں نے ابوسلمہ کو گھیر لیا اور کہا

کہ تو تو جا سکتا ہے لیکن ہماری لڑکی کو نہیں لے جا سکتا۔ اتنے میں ابو سلمہ کے قبیلے والے بھی آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ تو چلا جا لیکن یہ لڑکا ہمارے قبیلے کا ہے تو اسے نہیں لے جا سکتا چنانچہ بنو عبدالاسد تو بچہ چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ اُم سلمہ کو لے گئے اور ابو سلمہ تنہا مدینہ چلے گئے۔ اُم سلمہ سے خاوند اور بچہ دونوں جدا ہو گئے اور ابو سلمہ نے بیوی اور بیٹے دونوں کو چھوڑ کر ہجرت کا ثواب حاصل کیا۔

(تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج اوّل ص 138)

-1 اُم سلمہ روز شام کو اسی جگہ جہاں وہ بچے اور شوہر سے الگ کی گئی تھیں' پہنچ جاتیں گھنٹوں رو دھو کر واپس آ جاتیں۔ ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا۔ آخر ان کے چچازاد بھائی کو رحم آیا اور انہوں نے ہر دو قبائل سے کہہ سن کر اُم سلمہ کو اجازت دلا دی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں اور بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا۔ اُم سلمہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر تن تنہا مدینہ کو چل دیں۔ ایسی مشکلات کا سامنا تقریباً ہر صحابی کو کرنا پڑا۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 77)

-2 صہیب رومیؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے انہیں آ گھیرا' کہا: صہیب! جب تو مکہ میں آیا تھا تو مفلس اور قلاش تھا۔ یہاں ٹھہر کر تو نے ہزاروں کمائے آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے کر چلا جائے' یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا۔ صہیبؓ نے کہا اچھا اگر میں سارا مال و متاع تمہیں دے دوں' تب تو تم مجھے جانے دو گے؟ قریش بولے: ہاں۔ حضرت صہیبؓ نے سارا مال انہیں دے دیا اور یثرب روانہ ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ سودے میں صہیبؓ نے نفع کمایا۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 526)

-3 حضرت ہشام بن عاصؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا مشرکین مکہ کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے حضرت ہشامؓ کو پکڑ کر قید کر دیا اور قسم قسم کی تکلیفیں پہنچائیں۔ حضرت عیاشؓ ہجرت کر کے مدینہ جا پہنچے تھے' ابوجہل ان کے پیچھے وہاں جا پہنچا اور انہیں دھوکہ دے کر مکہ میں لایا اور وہاں لا کر قید کر دیا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نکلنے کا سامان کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ' ج سوم ص 213- سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 524)

غرض اس قسم کی رکاوٹوں کے باوجود ایک ایک دو دو کر کے بہت سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ وہاں یہ تمام مہاجرین' مدینہ کے مسلمانوں کے مہمان تھے۔ مکہ سے آئے ہوئے ان مہمانوں کا نام مہاجرین اور مدینہ کے باشندوں یعنی میزبانوں کا نام انصار مشہور ہوا۔ اب 14 نبوی شروع ہو چکا تھا مکہ میں صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت علی رضی اللہ عنہم اور ان کے اہل و عیال باقی رہ گئے تھے یا چند نہایت ہی کمزور ضعیف لوگ جو ہجرت کی طاقت نہ رکھتے تھے' باقی تھے ورنہ تمام مسلمان مکہ سے ہجرت کر چکے تھے اور مکہ میں بہت سے گھر جن میں مسلمان آباد تھے' خالی پڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ابھی تک ہجرت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا کیونکہ آپ ﷺ وحی الٰہی یعنی اجازت اور حکم خداوندی کے منتظر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اپنی ہمراہی کے لئے کہ رفیق سفر ہوں گے' روک لیا تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ بھی آپ ﷺ کے حکم اور اجازت کی

بناء پر رُکے ہوئے تھے۔ (تاریخ اسلام' ج اوّل ص 139)

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ ہجرت' مشرکین کے لئے خطرناک چیلنج:

جب مشرکین نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیار ہو ہو کر نکل گئے اور بال بچوں اور مال دولت کو لاد پھاند کر اوس و خزرج کے علاقے میں جا پہنچے تو ان میں بڑا کہرام مچا' غم و الم کے لاوے پھوٹ پڑے اور انہیں رنج و قلق ہوا کہ اس سے پہلے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اب ان کے سامنے ایک ایسا عظیم اور حقیقی خطرہ مجسم ہو چکا تھا جو ان کی بت پرستانہ اور اقتصادی اجتماعیت کے لئے چیلنج تھا۔

مشرکین کو معلوم تھا کہ محمد ﷺ کے اندر کمال قیادت اور رہنمائی کے ساتھ ساتھ کس قدر انتہائی درجہ کی قوت تاثیر موجود ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ میں کیسی عزیمت و استقامت اور کیسا فداکاری کا جذبہ پایا جاتا ہے' پھر اوس و خزرج کے قبائل میں کس قدر قوت' و قدرت اور جنگی صلاحیت ہے اور ان دونوں قبائل کے اہل عقل میں صلح و صفائی کے کیسے جذبات ہیں اور وہ کئی برس تک خانہ جنگی کی تلخیاں چکھنے کے بعد اب باہمی رنج و عداوت کو ختم کرنے پر کس قدر آمادہ ہیں۔

انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ یمن سے شام تک بحر احمر کے ساحل سے ان کی جو تجارتی شاہراہ گزرتی ہے اس شاہراہ کے اعتبار سے مدینہ فوجی اہمیت کے کس قدر حساس اور نازک مقام پر واقع ہے جبکہ ملک شام سے صرف مکہ والوں کی سالانہ تجارت ڈھائی لاکھ دینار سونے کے تناسب سے ہوا کرتی تھی۔ اہل طائف وغیرہ کی تجارت اس کے علاوہ تھی اور معلوم ہے کہ اس تجارت کا سارا دارومدار اسی پر تھا کہ یہ راستہ پُرامن رہے۔

ان تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یثرب میں اسلامی دعوت کے جڑ پکڑنے اور اہل مکہ کے خلاف اہل یثرب کے صف آراء ہونے کی صورت میں مکے والوں کے لئے کتنے خطرات تھے۔ چونکہ مشرکین کو اس گمبھیر خطرے کا پورا پورا احساس تھا جو ان کے وجود کے لئے چیلنج بن رہا تھا۔

(الرحیق المختوم' ص 223)

قریش کی پارلیمنٹ کا دارالندوہ میں ہنگامی اجلاس:

مذکورہ صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے اس خطرے کا کامیاب ترین علاج سوچنا شروع کیا اور معلوم ہے کہ اس خطرے کی اصل بنیاد دعوت اسلام کے علمبردار حضرت محمد ﷺ ہی تھے۔

مشرکین نے اس مقصد کے لئے بیعت عقبہ کبریٰ کے تقریباً ڈھائی مہینہ بعد 26 صفر 14 نبوت بمطابق 12 ستمبر 622ء بروز جمعرات دن کے پہلے پہر مکہ کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں تاریخ کا سب سے خطرناک اجتماع منعقد کیا اور اس میں قریش کے تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی۔ موضوع بحث ایک ایسے قطعی پلان کی تیاری تھی جس کے مطابق اسلامی دعوت کے علمبردار کا قصہ جتنی جلدی ہو سکے پاک کر دیا جائے اور اس دعوت کی روشنی کلی طور پر مٹا دی جائے۔

اجتماع میں شریک قبائل قریش کے نمایاں چہرے:

اس اجلاس میں قریش کے مشہور مشہور قبائل میں سے مندرجہ ذیل مشہور سردار موجود تھے:

1- بنو عبد شمس میں شیبہ و عقبہ فرزندان ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب
2- بنو نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عامر
3- بنو عبدالدار میں سے نضر بن حارث بن کلاہ
4- بنو اسد بن عبدالعزیٰ میں سے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام
5- بنو مخزوم میں سے ابوجہل بن ہشام
6- بنو سہم میں سے حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ
7- بنو جمح میں سے امیہ بن خلف (رحمتہ للعالمین، ج اوّل ص 78)

وقت مقررہ پر یہ نمائندگان دارالندوہ پہنچے تو ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں عبا اوڑھے راستہ روکے دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا یہ کون سے شیخ ہیں؟ ابلیس نے کہا: ''یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے، آپ لوگوں کا پروگرام سن کر حاضر ہو گیا ہے۔ باتیں سننا چاہتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ آپ لوگوں کو خیر خواہانہ مشورے سے بھی محروم نہ رکھے۔''

لوگوں نے کہا کہ بہتر ہے آپ بھی آ جائیے چنانچہ ابلیس بھی ان کے ساتھ اندر آ گیا۔

دارالندوہ میں قریش کی تجاویز:

جب قریش کا اجتماع مکمل ہو گیا تو تجاویز اور حل پیش کئے جانے شروع ہوئے اور دیر تک بحث جاری رہی۔

پہلے ابو الاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شخص کو اپنے درمیان سے نکال اور اپنے شہر سے جلاوطن کر دیں پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کہاں رہتا ہے، پس ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور ہمارے درمیان پہلے جیسی یگانگت ہو جائے گی۔

مگر شیخ نجدی نے کہا: نہیں، خدا کی قسم یہ مناسب رائے نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی بات کتنی عمدہ اور بول کتنے میٹھے ہیں اور جو کچھ لاتا ہے اس کے ذریعے کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو کوئی بعید نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے میں نازل ہو اور انہیں اپنا پیروکار بنا لینے کے بعد تم پر حملہ کر دے اور تمہیں تمہارے شہر کے اندر روند کر تم سے جیسا سلوک چاہے کرے لہٰذا کوئی اور تجویز سوچو۔

ابوالبختری نے کہا: اسے لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو پھر اس کے انجام (موت) کا انتظار کرو جو اس سے پہلے دوسرے شاعروں مثلاً زہیر اور نابغہ وغیرہ کا ہو چکا ہے۔

شیخ نجدی نے کہا: نہیں، نہیں خدا کی قسم! یہ رائے بھی مناسب نہیں ہے واللہ اگر تم لوگوں نے

اسے قید کر دیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو اس کی خبر بند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی' پھر کچھ بعید نہیں کہ وہ لوگ تم پر دھاوا بول کر اس شخص کو تمہارے قبضے سے نکال کر لے جائیں اور اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں لہٰذا یہ تجویز بھی مناسب نہیں کوئی اور تجویز سوچو۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل 529-530)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تجویز:

آخر ابوجہل (لعین) نے ایسی تدبیر بتائی جسے تمام جلسہ نے بالاتفاق منظور کر لیا' وہ تجویز یہ تھی

1- عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے ایک ایک جواں مرد کا انتخاب کیا جائے۔

2- یہ سب بہادر رات کی تاریکی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیر لیں۔

3- جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لئے باہر نکلیں اس وقت یہ سب بہادر اپنی اپنی تلوار سے ان پر وار کر دیں۔ اس تدبیر کا فائدہ یہ ہو گا کہ جس قتل میں تمام قبیلے شامل ہوں گے اس کا بدلہ نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ لے سکے گا اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے شر و فساد برپا کر سکیں گے۔

(رحمۃ للعالمین' ج اوّل ص 79

شیخ نجدی نے کہا: بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ اگر کوئی تجویز اور رائے ہو سکتی ہے تو یہی ہے' باقی سب ہیچ ہیں۔ اس کے بعد مکہ کی پارلیمنٹ نے اس مجرمانہ قرارداد پر اتفاق کر لیا اور ممبران اس عزم صمیم کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے کہ اس قرارداد پر عمل فی الفور کرنا ہے۔

(البدایہ والنہایہ' ج سوم ص 218- الرحیق المختوم بحوالہ سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 480 عیون الاثر' ج اوّل ص 173- زرقانی شرح مواہب' ج اوّل ص 321- طبقات ابن سعد' ج اوّل ص 152- مختصر سیرت الرسول' ص 284- سیرۃ المصطفیٰ' ج اوّل ص 393)

مزید یہ طے پایا کہ یہ کام اسی شب میں انجام کو پہنچا دیا جائے' ادھر پارلیمنٹ کا اجلاس ختم ہوا اور ادھر جبریل امین علیہ السلام یہ وحی لے کر پہنچ گئے۔

واذ یمکربک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (سورۃ الانفال: 30)

''اور یاد کرو جس وقت کافر تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا نکال دیں اور طرح طرح کے منصوبے بنا رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔''

اور تمام واقعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا اور اللہ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیام پہنچایا اور اس دُعا کی تلقین کی گئی:

وقل ربّ ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا (الاسراء: 80)

''اے میرے رب مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال

اور میرے لئے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے۔"

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے جبریلؑ سے پوچھا کہ سفر ہجرت میں میرا ساتھی کون ہو گا؟ جبریل نے کہا: ابوبکر ہو گا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ہفتم ص 177- زرقانی شرح مواہب' ج 1 ص 344- المستدرک للحاکم' ج سوم ص 5)

جبریل نے ہجرت کے وقت کا تعین بھی کر دیا کہ آپ ﷺ یہ رات اپنے اس بستر پر نہ گزاریں جس پر اب تک سویا کرتے تھے۔

(زاد المعاد' ج دوم ص 52- الخصائص الکبریٰ' ج اوّل ص 185)

اس اطلاع کے بعد نبی اکرم ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے تاکہ ان کے ساتھ ہجرت کے سارے پروگرام اور مرحلے طے کر لیں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے' اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے کے بعد آپ ﷺ اندر تشریف لائے پھر میرے والد ابوبکر سے فرمایا: تمہارے پاس جو لوگ ہیں' انہیں ہٹا دو۔ ابوبکرؓ نے کہا: بس آپ ﷺ کی اہل خانہ ہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو مجھے روانگی کی اجازت مل گئی ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا: میرے ماں باپ قربان ہوں اے اللہ کے رسول' کیا اس ناچیز کو بھی ہمرکاب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

(صحیح بخاری باب ھجرۃ النبی ﷺ' ج اوّل ص 553)

اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لے گئے اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے ہجرت کے لئے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں جن کو چار مہینے سے ببول کے پتے کھلا رہے تھے' عرض کی ان میں سے جو مرضی ہے پسند کر لیں۔ وہ میری طرف سے آپ ﷺ کے لئے ہدیہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں قیمت کے بغیر نہیں لوں گا۔ تو ابوبکرؓ عرض کرنے لگے اگر آپ ﷺ قیمتاً لینا چاہیں تو قیمتاً لے لیں۔

(فتح الباری' ج ہفتم' ص 183- البدایہ والنہایہ' ج سوم ص 223)

رسول اکرم ﷺ کے گھر کا محاصرہ:

ادھر قریش کے اکابر مجرمین نے اپنا سارا دن مکے کی پارلیمنٹ دار الندوہ کی پہلے پہر کی طے کردہ قرارداد کے نفاذ کی تیاری میں گزارا اور اس مقصد کے لئے ان اکابر مجرمین میں سے گیارہ سردار منتخب کئے جن کے نام یہ ہیں:

1- ابوجہل بن ہشام
2- حکم بن عاص
3- عقبہ بن ابی معیط
4- نضر بن حارث
5- امیہ بن خلف
6- زمعہ بن الاسود
7- طعیمہ بن عدی
8- ابولہب

9- ابی بن خلف 10- نبیہ بن الحجاج
11- اس کا بھائی منبہ بن الحجاج
(زاد المعاد ج دوم ص 52- طبقات ابن سعد ج دوم ص 154)

ابن اسحاق کے مطابق جب رات ذرا تاریک ہو گئی تو یہ لوگ گھات لگا کر نبی اکرم ﷺ کے دروازے پر بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ سو جائیں تو یہ لوگ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑیں۔

اس سازش کے نفاذ کے لئے آدھی رات کے بعد کا وقت مقرر تھا اس لئے یہ لوگ جاگ کر رات گزار رہے تھے اور وقت مقررہ کے منتظر تھے لیکن اپنے کام پر غالب نہ ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ کامیاب اور کفار ناکام ہو گئے:

قریش مکہ اپنے پلان کے نفاذ کی انتہائی تیاری کے باوجود فاش ناکامی سے دوچار ہوئے چنانچہ اس نازک ترین لمحے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

"تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔" کیونکہ رسول اکرم ﷺ یہی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے نیز وہ امانتیں جو قریش آپ ﷺ کے پاس رکھا کرتے تھے' آپ ﷺ نے وہ سب امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں کہ صبح کو یہ امانتیں ان لوگوں تک پہنچا دینا۔ (سیرت ابن ہشام ج اول ص 4)

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ باہر تشریف لے آئے' مشرکین کی صفیں چیریں اور ایک مٹھی میں سنگریزوں والی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈالی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے' اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

وجعلنا من بين ايديهم ومن خلفهم سدا فاغشينهم فهم لا يبصرون

"ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔" (سورہ یٰسین: 9) (عیون الاثر ج 1 ص 179)

پھر آپ ﷺ ان کے سامنے سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے' پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے رات ہی رات یمن کا رخ کیا اور چند میل پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔ (زاد المعاد ج دوم ص 52)

اسی اثناء میں ایک شخص ان کے پاس سے گزرا تو قریش کے گروپ سے پوچھا تم کیوں اس طرح کھڑے ہو اور کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم محمد ﷺ کے منتظر ہیں کہ وہ باہر نکلیں تو ہم انہیں قتل کر دیں۔ اس نے کہا: آپ لوگ ناکام و نامراد ہوئے' خدا کی قسم! محمد ﷺ تو آپ لوگوں کے پاس سے گزرے اور آپ لوگوں کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے اپنے کام کو چلے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم ہم نے تو انہیں نہیں دیکھا اور اس کے بعد اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

لیکن پھر انہوں نے دروازے کی درازسے جھانک کر دیکھا تو حضرت علیؓ نظر آئے' کہنے لگے:

خدا کی قسم! یہ محمد ﷺ تو سوئے پڑے ہیں' ان کے اوپر ان کی چادر موجود ہے چنانچہ یہ لوگ صبح تک وہیں ڈٹے رہے ادھر صبح ہوئی اور حضرت علیؓ بستر سے اُٹھے تو مشرکین کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے' انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا: مجھے تو معلوم نہیں۔

(البدایہ والنہایہ' ج 3 ص 176- عیون الاثر' ج اوّل ص 179)

گھر سے غار تک:

رسول اللہ ﷺ 27 صفر 14 نبوی مطابق 12 ستمبر 622ء کی درمیانی رات اپنے قابل اعتماد ساتھی کو لے کر باہر کی راہ لی تھی تا کہ مکہ سے جلد از جلد یعنی طلوع فجر سے پہلے پہلے باہر نکل جائیں۔

چونکہ رسول اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ قریش پوری جانفشانی سے آپ ﷺ کی تلاش میں لگ جائیں گے اور جس راستے پر پہلے ان کی نظر اُٹھے گی وہ مدینہ کا کارواں یا قافلوں والا راستہ ہو گا جو شمال کے رُخ پر جاتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے وہ راستہ اختیار کیا جو اس کے بالکل اُلٹ تھا یعنی یمن جانے والا راستہ جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ آپ ﷺ نے اس راستے پر کوئی پانچ میل کا فاصلہ طے کیا اور ثور پہاڑ کے دامن میں جا پہنچے۔ یہ نہایت بلند' پُر پیچ اور مشکل چڑھائی والا پہاڑ ہے۔ یہاں پتھر بھی بکثرت ہیں جن سے رسول اکرم ﷺ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار کے پاس جا پہنچے جو تاریخ میں غارِ ثور کے نام سے معروف ہے۔

(رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 79 -مختصر السیرۃ' الشیخ عبداللہ' ص 167)

غار میں قیام:

یہاں دونوں حضرات نے جمعہ' ہفتہ اور اتوار کی تین راتیں چھپ کر گزاریں۔

(فتح الباری' ج ہفتم ص 336)

اس دوران ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبداللہ بھی رات یہیں گزارتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک' سخن فہم نوجوان تھے۔ سحر کی تاریکی میں ان دونوں حضرات کے پاس سے واپس چلے جاتے اور مکہ میں قریش کے ساتھ یوں صبح کرتے گویا انہوں نے یہیں رات گزاری ہے۔ پھر آپ دونوں کے خلاف سازش کی جو کوئی بات سنتے اسے اچھی طرح یاد کر لیتے اور جب تاریکی گہری ہو جاتی تو اس کی خبر لے کر غار ثور میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات رات کو خوب دودھ پی لیتے۔ پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے تینوں راتیں انہوں نے یہی کیا۔

(صحیح بخاری' ج اوّل ص 553-554)

مزید یہ کہ عامر بن فہیرہ' حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد انہی کے نشانات قدم پر بکریاں ہانکتے تھے تا کہ نشانات مٹ جائیں۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 535)

منصوبہ کی ناکامی پر قریش کی جنونی کیفیت:

ادھر مکہ میں یہ صورتحال تھی کہ جب منصوبہ قتل والی رات گزر گئی اور صبح کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ رسول اکرم ﷺ ان کے ہاتھ سے واقعی نکل چکے ہیں تو گویا ان پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنا غصہ حضرت علیؓ پر اُتارا۔ آپؓ کو گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے اور کچھ دیر تک زیرِ حراست رکھا کہ ممکن ہے ان دونوں کے متعلق خبر ہاتھ لگ جائے لیکن جب حضرت علیؓ سے کچھ ہاتھ نہ آیا تو حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا' حضرت اسماء بن ابی بکرؓ باہر آئیں' ان سے پوچھا: تمہارے ابا (ابوبکرؓ) کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم مجھے تو اپنے ابا کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اس پر کم بخت' بدنصیب ابوجہل نے ہاتھ اُٹھا کر ان کے رخسار پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔

(رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 79- سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 537- تاریخ طبری' ج اوّل ص 247)

قریش کا ہنگامی اجلاس:

اس کے بعد قریش نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ دونوں حضرات کو گرفتار کرنے کے لئے تمام ممکنہ وسائل کام میں لائے جائیں چنانچہ مکے سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کسی بھی سمت جا رہا ہو' نہایت کڑا مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اسی طرح یہ اعلان عام بھی کیا گیا کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کو یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ حاضر کرے گا اسے ہر ایک کے بدلے میں سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری' ج اوّل ص 554)

اس اعلان کے نتیجے میں سوار اور پیادے اور قدموں کے نشانات کے ماہر کھوجی نہایت سرگرمی سے تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں' وادیوں اور نشیب و فراز میں ہر طرف بکھر گئے لیکن نتیجہ لاحاصل رہا۔ (مختصر السیرہ الشیخ عبداللہ' ص 168)

حضرت اسماءؓ کی ایمانی کیفیت:

ہجرت کے متعلق ایک چھوٹی سی مگر نہایت اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ کہتی ہیں کہ میرے والد جاتے ہوئے گھر سے نقد روپیہ پیسہ سب ساتھ لے گئے تھے' یہ تقریباً پانچ چھ ہزار درہم تھے۔ والد کے چلے جانے کے بعد میرے دادا ابوقحافہ نے کہا: بیٹی! میں سمجھتا ہوں کہ ابوبکر نے تمہیں دوہری تکلیف میں ڈال دیا ہے' وہ خود بھی چلا گیا اور اپنے ساتھ ساری نقدی بھی لے گیا۔

اسماء بولی: نہیں دادا جان! وہ ہمارے لئے کافی نقدی چھوڑ گئے ہیں۔

اسماء نے ایک پتھر لیا' اس پر کپڑا لپیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ ہوا کرتا تھا' وہاں رکھ دیا اور پھر دادا کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی۔ ابوقحافہ کی بینائی ختم ہو چکی تھی اور کہا: دادا جان! ہاتھ لگا کر دیکھو کہ مال موجود ہے۔ بوڑھے نے اسے ٹٹولا اور پھر کہا: خیر جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے تو اب ابوبکرؓ کے جانے کا

بالکل غم نہیں۔ یہ ابوبکرؓ نے اچھا ہی کیا میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے کافی انتظام کر گیا ہے۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے یہ تدبیر بوڑھے دادا جان کے اطمینان قلب کے لئے کی تھی ورنہ والد محترم تو سب مال نقدی رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔ (سیرت ابن ہشام' ج اوّل ص 528)

قریش غار کے دھانے پر مگر......:

تلاش کرنے والے غار کے دھانے پر بھی پہنچے لیکن اللہ اپنے کام پر غالب ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ غار میں تھا' سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے پاؤں نظر آ رہے ہیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ان میں سے اگر کوئی شخص محض اپنی نگاہ نیچی کر دے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکرؓ! خاموش رہو' ہم دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری' ج اوّل ص 554)

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک عظیم معجزہ تھا جس سے اللہ نے آپ ﷺ کو مشرف فرمایا۔ چنانچہ تلاش کرنے والے اس وقت واپس چلے گئے جب آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ باقی نہ رہ گیا تھا۔

سفر ہجرت کے واقعات:

جب جستجو کی آگ بجھ گئی تو تلاش کی تگ و دو رُک گئی اور تین روز کی مسلسل اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کے جوش و جذبات سرد پڑ گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے لئے نکلنے کا عزم فرمایا۔

غار سے روانگی اور سراقہ کا تعاقب:

چوتھی رات ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے دو اونٹنیاں آ گئیں جن کو اس سفر کے لئے خوب فربہ اور تیار کیا گیا تھا۔ ایک پر نبی اکرم ﷺ اور ابوبکرؓ اور دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط (جسے راستہ بتانے پر نوکر رکھ لیا گیا تھا) سوار ہوئے اور یکم ربیع الاوّل بمطابق 16 ستمبر 622ء بروز سوموار کو روانہ ہوئے۔

دلیل راہ (راہ بتانے والے) نے درمیانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا تھا' جب رسول اکرم ﷺ رابغ کے موجودہ قلعے اور ساحل سمندر کے درمیان میدان میں سے گزر رہے تھے تب سراقہ بن مالک بن جعشم نے حضور ﷺ کا تعاقب کیا۔

سراقہ کا برادر زادہ عبدالرحمٰن بن مالک مدلجی بیان کرتا ہے:

سراقہ خود سر پر لگائے' نیزہ تانے' بدن پر ہتھیار سجائے' اپنی گھوڑی پر ہوا سے باتیں کرتا جا رہا تھا کہ اس کی نظر حضور ﷺ پر پڑ گئی' اس نے سمجھا کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے۔ اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گری' سراقہ نیچے آیا۔ اُٹھا' گھوڑی کو اُٹھایا' سوار ہوا' پھر چلا۔ نبی ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور اللہ سے لو لگائے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے کہ حضور ﷺ کو دشمن کے قریب تر

پہنچنے کی اطلاع کی گئی۔ فرمایا: الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔ ادھر جب الفاظ منہ سے نکلے ادھر گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ گرا اور سمجھ گیا کہ حفاظت الٰہی پر غالب آنا محال ہے۔ اس نے عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی' امان دی گئی۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا۔ پھر اس کی درخواستِ اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر عامر بن فہیرہ نے اسے امان کا خط بھی لکھ کر عطا فرما دیا۔ (صحیح بخاری باب الھجرۃ' ج 1 ص 551- الاصابہ' ج 1 ص 339- البدایہ والنہایہ' ج 3 ص 235- تاریخ الاسلام والمسلمین' ص 158- الاستیعاب لابن عبدالبر' ج 2 ص 120)

خیمہ ام معبد پر رسول اکرم ﷺ کا ورود مسعود:

غار سے نکل کر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا' راستہ میں اُم معبد کے خیمہ پر آپ ﷺ کا گزر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ وہاں رُکے کیونکہ یہ خزاعہ قبیلہ کی عورت مسلمانوں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لئے مشہور تھی۔ سرراہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں آ کر ستایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے یہاں پہنچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ وہ بولی نہیں' اگر ہوتی تو پوچھنے سے پہلے حاضر کر دیتی۔

رسول اکرم ﷺ نے خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری دیکھی' پوچھا: یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ ام معبد نے کہا: یہ کمزور ہے' ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اجازت دیں کہ ہم اس کا دودھ دوھ لیں۔

ام معبد نے کہا: اگر حضور کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوھ لیجئے۔

نبی اکرم ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا' برتن مانگا' وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اُچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمراہیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا' برتن بھر گیا۔ یہ بھی ہمراہیوں نے پیا۔ پھر تیسری دفعہ برتن بھرا گیا اور وہ ام معبد کے لئے چھوڑ دیا گیا اور اگلی منزل کے لئے چل دیئے۔

کچھ دیر بعد ام معبد کا شوہر آیا' خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا اور یہ دودھ اسی کی آمد کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا ذرا تم اس کے اوصاف تو بیان کرو تو ام معبد نے آپ ﷺ کا حلیہ بیان کیا۔ یہ اوصاف سن کر وہ بولا: یہ ضرور صاحب قریش ہی ہے اور میں اسے ضرور جا کر ملوں گا۔ (زاد المعاد' ج 1 ص 307)

اثناء راہ میں بریدہ اور 70 اشخاص کا مسلمان ہونا:

نبی اکرم ﷺ یثرب کو جا رہے تھے کہ اثناء راہ میں بریدہ اسلمی ملا' یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کی گرفتاری پر ایک سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کیا تھا اور بریدہ اسی انعام

کے لالچ میں آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلا تھا۔ جب نبی ﷺ کے سامنے ہوا اور حضور ﷺ سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا تو بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اپنی پگڑی اُتار کر نیزہ پر باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ' صلح کا حامی' دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔

(رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 384- الاستیعاب' ج 1 ص 174)

اثناءِ راہ میں زبیر بن عوامؓ کی ملاقات:

راستے میں نبی اکرم ﷺ سے حضرت زبیر بن عوامؓ ملے۔ یہ مسلمانوں کے ایک تجارت پیشہ گروہ کے ساتھ ملک شام سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے پیش کئے۔ (صحیح بخاری عن عروۃ ابن الزبیر' ج اوّل ص 554)

قافلہ نبوت کی قباء میں تشریف آوری:

8 ربیع الاوّل 14 نبوت یعنی 1 ہجری بمطابق 23 ستمبر 622ء بروز سوموار کو رسول اللہ ﷺ قباء میں وارد ہوئے۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 84)

حضرت عروہ بن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانان مدینہ نے مکہ سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سن لی تھی اس لئے لوگ روزانہ صبح ہی صبح "حرۃ" کی طرف نکل جاتے اور آپ ﷺ کی راہ تکتے رہتے' جب دوپہر کو دھوپ سخت ہو جاتی تو واپس چلے آتے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہنچ چکے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر سے آپ ﷺ کو رونق افروز ہوتے دیکھا تو بے اختیار پکار کر یہ کہا: "یا بنی قیلۃ ھذا جدکم" (اے بنی قیلہ! یہ ہے تمہارا بخت مبارک اور خوش نصیبی کا سامان جو آ پہنچا ہے۔)

(شرح مواہب للورقانی' ج 1 ص 350- البدایہ والنہایہ' ج 3 ص 196- فتح الباری' ج 7 ص 179)

یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑ پڑے اور ہتھیاروں نے سج دھج کر استقبال کے لئے اُمڈ پڑے۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 555)

ابن قیم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی (ساکنان قباء) بنی عمرو بن عوف میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی' مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لئے نکل پڑے پھر آپ ﷺ سے مل کر تحیۃ نبوت پیش کیا اور گردوپیش میں پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور یہ وحی نازل ہو رہی تھی:

فان اللہ ھو مولٰہ و جبریل و صالح المؤمنین والملائکۃ بعد ذالک ظھیر (66/4)

"اللہ آپ ﷺ کا مولیٰ ہے اور جبریل علیہ السلام اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔" (زاد المعاد' ج 2 ص 54)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں سے ملنے کے بعد آپ ﷺ ان کے

ساتھ دائیں طرف مڑے اور بنو عمرو عوف میں تشریف لائے یہ سوموار کا دن اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ ابوبکرؓ آنے والوں کے استقبال کے لئے کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انصار کے جو لوگ آتے' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا' وہ سیدھے ابوبکرؓ کو سلام کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آ گئی اور ابوبکرؓ نے چادر تان کر آپ ﷺ پر سایہ کیا تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 555)

قباء (جو کہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر آبادی ہے) میں آباد انصار کے خاندانوں میں عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا اور اس خاندان کے سردار کلثوم بن ہدم تھے چنانچہ قباء میں پہنچ کر کلثوم کے مکان پر قیام فرمایا اور ابوبکر صدیقؓ خبیب بن اساف کے مکان میں ٹھہرے۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق اور جوش عقیدت میں محبانہ اور والہانہ سلام کے لئے حاضر ہوتے۔

اور حضرت علیؓ نے مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی امانتیں انہیں واپس کر کے پیدل ہی مدینہ کا رُخ کیا اور قباء میں رسول اکرم ﷺ سے آ کر مل گئے اور کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا۔
(رحمتہ للعالمین' ج 1 ص 84- زادالمعاد' ج 2 ص 54- مختصر السیرۃ الرسول' ص 296)

رسول اللہ ﷺ نے قباء میں کل چار دن (سوموار' منگل' بدھ' جمعرات) قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قباء کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ یہ آپ ﷺ کی نبوت کے بعد پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ اس مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لمسجد اسس علی التقویٰ من اوّل یوم أحق أن تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین (التوبہ: 108)

''البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ مسجد اس کی پوری مستحق ہے کہ آپ ﷺ اس میں جا کھڑے ہوں' اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

پانچویں دن ربیع الاوّل 1 ہجری بروز جمعتہ المبارک کو آپ ﷺ بحکم الٰہی سوار ہوئے' ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے ردیف تھے۔ آپ نے بنونجار کو اطلاع بھیج دی تھی چنانچہ وہ تلواریں سونتے ہوئے حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے (ان کی معیت میں) مدینہ کا رُخ کیا جب بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آ گیا' آپ ﷺ نے بطن وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں آج مسجد ہے۔ اس میں کل ایک سو آدمی تھے۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 555' 560- زادالمعاد' ج 2 ص 55- رحمتہ للعالمین' ج 1 ص 84- سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 544)

مدینہ میں عظیم الشان داخلہ:

یہ آنحضرت ﷺ کا پہلا خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد دیا' نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد نبی ﷺ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام مدینۃ النبی ﷺ ہو گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔

یہ داخلہ عجیب شاندار تھا' گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد' عورت' بچے' بوڑھے آپ ﷺ کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے۔ انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار سجائے ہوئے آپ ﷺ کے دائیں' بائیں اور آگے پیچھے آپ ﷺ کے جلو میں چل رہا تھا۔

(رحمتہ للعالمین' ج 1 ص 86- فتح الباری' ج 7 ص 195- شرح مواہب' ج 1 ص 354)

ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ ﷺ میرے ہاں قیام فرمائیں' ہر طرف سے یہی والہانہ اور محبت سے بھرپور نیازمندی کی استدعا تھی۔ آپ ﷺ ان کو دعا دیتے اور فرماتے کہ یہ اونٹنی من جانب اللہ مامور ہے جہاں یہ اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی' وہیں قیام کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ' ج 3 ص 265- فتح الباری' ج 7 ص 192)

آپ ﷺ نے اونٹنی کی لگام کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا' کسی جانب لگام کو دست مبارک سے حرکت نہیں دیتے تھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ خواتین جمال نبوی کے دیکھنے کے لئے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں اور انصار کی بچیاں یہ اشعار گا رہی تھیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

"چودھویں رات کے چاند نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا ہے۔"

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

"ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے' جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے۔"

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

"اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کو لے کر آئے ہو' جن کی اطاعت واجب ہے۔"

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمد من جار

"ہم لڑکیاں ہیں بنو نجار کی محمد ﷺ کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں۔"

اور فرط مسرت سے ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

جاء نبی اللہ جاء رسول اللہ

(الجامع الصحیح للبخاری' ج 1 ص 558- باب مقدم النبی کتاب المناقب)

غرض یہ کہ اونٹنی اسی شان سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی انصار اگرچہ بڑے دولت مند نہیں تھے لیکن ہر ایک کی یہی آرزو اور خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ہاں قیام فرمائیں چنانچہ آپ ﷺ انصار کے جس مکان یا جس محلے سے گزرتے وہاں کے لوگ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ ہم تعداد' سامان' ہتھیار اور حفاظت میں فرش راہ ہیں' آپ ﷺ تشریف لائیے مگر آپ ﷺ فرماتے کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو' یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے چنانچہ اونٹنی آپ ﷺ کے ننھیالی رشتے دار بنو نجار میں خود بخود اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے مگر آپ ﷺ ناقہ سے نہ اترے کچھ دیر کے بعد ناقہ اٹھی اور ابو ایوب انصاریؓ کے دروازہ پر جا بیٹھی اور کچھ دیر کے

بعد اُٹھ کر پہلی جگہ پر آ بیٹھی اور گردن زمین پر ڈال دی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ناقہ سے اُترے اب بنو نجار کے لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے جانے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے عرض گزاری شروع کی لیکن ابو ایوب انصاریؓ نے لپک کر کجاوہ اُٹھا لیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔ ادھر رسول اکرم ﷺ کا طبعی میلان بھی اسی طرف تھا کہ آپ ﷺ بنی نجار ہی میں اُتریں۔

(شرح مواہب' ج 1 ص 356 تا 359 - وفاء الوفاء' ج 1 ص 181 تا 187 - عیون الاثر' ج 1 ص 194 - فتح الباری' ج 7 ص 192' زاد المعاد' ج 2 ص 55)

خاندان نبوت کی مدینہ میں آمد:

چند روز بعد آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ اُم المومنین حضرت سودہؓ اور آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ' اُم کلثومؓ' حضرت اسامہ بن زیدؓ اور اُم ایمن رضی اللہ عنہم بھی آ گئیں۔ ان سب کو حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ آل ابوبکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں' لے کر آئے تھے البتہ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ' ابو العاصؓ کے پاس باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آنے نہیں دیا' وہ جنگ بدر کے بعد مدینہ تشریف لا سکیں۔ (زاد المعاد' ج 2 ص 55)

مدینہ کے حق میں دعائے رسول ﷺ:

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اس طرح محبوب کر دے جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضاء صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع اور مد (غلے کے پیمانے) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے۔ اللہ نے آپ ﷺ کی دعا سن لی اور حالات بدل گئے۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 588)

یہاں تک حیات طیبہ کی ایک قسم اور اسلامی دعوت کا ایک دور یعنی مکی دور پورا ہو جاتا ہے۔

سنہ ہجری کی ابتداء:

حضرت عمرؓ کی خلافت میں' ان کی رہنمائی میں' آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے وقت سے سنہ ہجری کی ابتداء ہوئی ہے اور آج تک اس کے مطابق تاریخ کا تعین ہوتا ہے۔ سہیل بن سعد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی بعثت سے سنہ جاری نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ کی وفات سے بلکہ آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر سنہ جاری کیا ہے۔

(مختصر السیرۃ' ص 298 - فتح الباری' ج 7 ص 209)



داعی انقلاب کی مدنی زندگی کا آغاز

مدنی عہد کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1- پہلا مرحلہ:

جس میں فتنے اور مشکلات برپا کی گئیں' اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے چڑھائیاں کیں۔ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ ذی قعدہ 6ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔

2- دوسرا مرحلہ:

یہ وہ مرحلہ ہے جس میں بت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی۔ یہ فتح مکہ رمضان 8ھ پر ختم ہوتا ہے۔ یہی مرحلہ شاہان عالم کو دعوت دین پیش کرنے کا بھی مرحلہ ہے۔

3- تیسرا مرحلہ:

جس میں اللہ کی خلقت دین میں فوج در فوج داخل ہوئی۔ یہی مرحلہ مدینہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا بھی مرحلہ ہے۔ یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الاوّل 11ھ تک محیط ہے۔

ہجرت کے وقت ہجرت گاہ کے حالات:

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں: ''ہجرت کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ فتنے اور مذاق کا نشانہ بننے سے نجات حاصل کر لی جائے بلکہ یہ مقصد بھی تھا کہ ایک پُرامن علاقے میں ایک نئے معاشرے کی تشکیل میں تعاون کیا جائے اسی لئے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر اس کی تعمیر جدید میں حصہ لینا فرض قرار پایا''۔

بلاشبہ آنحضرت ﷺ اس معاشرے کی تشکیل کے امام اور رہنما تھے' اب بلاشرکت غیرے تمام اختیارات آپ ﷺ کے پاس تھے۔

مدینہ میں آباد اقوام کی صورت حال:

مدینہ میں رسول کریم ﷺ کو تین طرح کی قوموں سے واسطہ پڑا تھا جن میں سے ہر ایک قوم دوسری قوموں سے جداگانہ حیثیت رکھتی تھی اور ہر قوم کے تعلق سے کچھ خصوصی مسائل تھے جو دوسری قوموں کے مسائل سے مختلف تھے۔ یہ تینوں اقوام یہ تھیں:

1- آپ ﷺ کے پاکباز صحابہ کرامؓ کی منتخب اور ممتاز جماعت

2- مدینے کے قدیم اور اصلی قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین' جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے

3- یہود

1- صحابہ کرامؓ:

صحابہ کرامؓ کے تعلق سے آپ ﷺ کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا' وہ کچھ یوں تھے کہ ان کے لئے مدینے کے حالات مکی حالات سے قطعی مختلف تھے۔ مکے میں اگرچہ اُن کا کلمہ اور مقاصد ایک تھے مگر وہ خود مقہور و مجبور و کمزور و بے بس تھے اور مختلف گھرانوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ کسی طرح بھی کسی نئے معاشرے کی تشکیل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ دنیا کا کوئی بھی انسانی معاشرہ اپنے قیام کے لئے جن اجزاء ولوازمات کا تقاضا کرتا ہے' مسلمانانِ مکہ ان سے بالکل تہی دامن تھے اسی وجہ سے مکہ میں نازل ہونے والے احکامات کا تعلق مسلمانوں کی انفرادی زندگی کی اصلاح سے متعلق ہے جن میں عقائد' توحید کے علاوہ مکارم اخلاق کی ترغیب اور رذائل ومجارم سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کے برعکس مسلمانان مدینہ اوّل دن سے ہی بااختیار اور آزاد تھے' کسی کے زیر تسلط نہ تھے لہٰذا اب وقت آ گیا تھا کہ مسلمان' تہذیب وعمرانیات' معاشیات و اقتصادیات' سیاست وحکومت اور صلح و جنگ کے مسائل کا سامنا کریں اور انہیں حلال و حرام اور عبادات و اخلاقیات کے ضابطوں سے باقاعدہ آگاہ کیا جائے اور نیا اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ نئے معاشرے کی تشکیل کئی دنوں اور مہینوں کی بات تو نہیں بلکہ اس قسم کے انقلاب کے لئے سالہا سال درکار ہوتے ہیں کیونکہ قانون سازی کے ساتھ ساتھ عملی مشق اور تربیت کا بھی مکمل اہتمام کیا جائے۔

احکام وقوانین کا صدور اللہ کی جانب سے تھا جبکہ رسول اکرم ﷺ اس کے عملی نفاذ کے ذمہ دار تھے اور مسلمان وہ اشخاص تھے جو ان احکامات پر عمل درآمد میں خوشی و راحت محسوس کرتے تھے۔ یہ مسئلہ ہنگامی نہیں تھا بلکہ دائمی تھا البتہ اس کے علاوہ کچھ دوسرے مسائل بھی تھے جو فوری توجہ کے طالب تھے جن کی مختصر کیفیت کچھ اس طرح ہے:

اہل اسلام کے فوری توجہ طلب مسائل:

مدنی مسلمان دو طرح کے لوگ تھے ایک وہ جو ذاتی گھر بار والے اور صاحب جائیداد تھے' یہ گروہ انصار تھا لیکن ان کی پشت ہا پشت سے باہم بڑی مستحکم عداوتیں اور نفرتیں چلی آ رہی تھیں۔ اب ان کے برعکس دوسرا گروہ مہاجرین کا تھا جو ذاتی ملکیت سے محروم' اپنی جانیں بچا کر لٹ پٹ کر کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچ گیا تھا۔ فی الحال ان کے پاس نہ رہنے کے لئے مکان اور نہ پیٹ پالنے کے لئے روزی میسر تھی۔ اس پر مزید یہ کہ دن بدن مہاجرین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا کیونکہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتا ہے وہ ہجرت کر کے مدینہ آ جائے۔

یہ تو معلوم ہے کہ مدینے میں نہ کوئی بڑی دولت تھی اور نہ ہی آمدنی کے ذرائع و وسائل چنانچہ مدینے کا اقتصادی توازن بگڑ گیا اور اس تنگی ترشی میں اسلام دشمنوں نے بھی مدینے کا تقریباً اقتصادی

بائیکاٹ کر دیا جس سے درآمدات بند ہوگئیں اور حالات انتہائی سنگین ہو گئے۔

2- مدینے کے اصل باشندے یعنی مشرکین:

مدینے کے اصل مشرک باشندوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر کوئی بالادستی حاصل نہ تھی۔ کچھ مشرکین شک و شبہے میں مبتلا تھے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں تردد کر رہے تھے لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی عداوت نہیں رکھ رہے تھے اس طرح کے لوگ تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمان ہو گئے اور خالص اور پکے مسلمان ہوئے۔

اس کے برعکس کچھ ایسے مشرکین تھے جو اپنے سینے میں مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ و عداوت چھپائے ہوئے تھے لیکن انہیں مسلمانوں کے مدمقابل آنے کی جرأت نہ تھی لیکن حالات کی نزاکت کے پیش نظر آپ ﷺ سے محبت وخلوص کا اظہار کرنے پر مجبور تھے ان میں سرفہرست عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ یہ وہ شخص ہے جسے جنگ بعاث کے بعد اپنا سربراہ بنانے پر اوس وخزرج نے اتفاق کر لیا تھا حالانکہ اس سے قبل دونوں فریق کسی کی سربراہی پر متفق نہیں ہوئے تھے لیکن اب اس کے لئے مونگوں کا تاج تیار کیا جا رہا تھا تاکہ اس کے سر پر تاج شاہی رکھ کر باقاعدہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے یعنی یہ شخص مدینے کا بادشاہ بننے والا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کی آمد آمد ہوگئی اور لوگوں کا رُخ اس کے بجائے آپ ﷺ کی طرف ہو گیا اس بناء پر اسے احساس تھا کہ آپ ﷺ نے ہی اس کی بادشاہت چھینی ہے لہٰذا وہ اپنے دل میں حضور ﷺ کے خلاف سخت عداوت کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود جب اس نے جنگ بدر کے بعد دیکھا کہ حالات اس کے موافق نہیں ہیں اور وہ شرک پر قائم رہ کر اب دنیاوی فوائد سے بھی محروم ہو رہا ہے تو اس نے بظاہر قبولیت اسلام کا اعلان کر دیا لیکن وہ درپردہ اب بھی کافر تھا اس لئے جب بھی اسے رسول کریم ﷺ یا مسلمانوں کے خلاف کسی شرارت کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ چوکتا اس کے ساتھی عموماً وہ رؤساء تھے جو اس کی بادشاہت کے زیرسایہ بڑے بڑے مناصب کے حصول کی توقع باندھے بیٹھے ہوئے تھے مگر اب انہیں اس سے محروم ہو جانا پڑا تھا' یہ لوگ اس کے شریک کار تھے اور اس کے منصوبوں کی تکمیل میں اس کی مدد کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے بسا اوقات نوجوانوں اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اپنی چابک دستی سے اپنا آلہ کار بنا لیتے تھے۔

3- یہود مدینہ کی تیسری قوم:

یہ لوگ اشوری اور رومی ظلم و جبر سے بھاگ کر حجاز میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ درحقیقت یہ لوگ عبرانی تھے لیکن حجاز میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے ان کی بودوباش' وضع قطع' زبان اور تہذیب وغیرہ بالکل عربی رنگ میں رنگ گئی تھی یہاں تک کہ ان کے قبیلوں اور افراد کے نام بھی عربی ہو گئے تھے اور ان میں اور عربوں کے آپس میں شادی بیاہ کے رشتے بھی قائم ہو گئے تھے لیکن ان سب کے باوجود ان کی نسلی عصبیت برقرار تھی اور وہ عربوں میں ضم نہ ہوئے تھے بلکہ اپنی اسرائیلی یہودی قومیت پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو انتہائی حقیر سمجھتے تھے حتیٰ کہ انہیں "اُمّی" کہتے تھے جس کا مطلب ان کے

نزدیک یہ تھا: بدھو' وحشی' رذیل' پسماندہ اور اچھوت بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ان کے لئے مباح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قالوا لیس علینا فی الأمیین من سبیل (75/3)

"انہوں نے کہا ہم پر اُمیوں کے معاملے میں کوئی راہ نہیں"

یعنی اُمیوں کا مال کھانے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں۔ ان یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت کے لئے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی' لے دے کے ان کے پاس دین کی جو پونجی رہ گئی تھی وہ تھی فال گیری' جادو اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔ انہی چیزوں کی بدولت وہ اپنے آپ کو صاحب علم و فضل اور روحانی قائد و پیشوا سمجھتے تھے۔

یہودیوں کی معاشی' معاشرتی اور سیاسی حالت:

یہودیوں کو دولت کمانے کے فنون میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ غلے' کھجور' شراب اور کپڑے کی تجارت انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ لوگ کھجور برآمد کرتے تھے اور غلہ' کپڑے اور شراب درآمد کرتے تھے علاوہ ازیں ان کے مختلف کام تھے جن میں وہ سرگرم رہتے تھے۔ وہ اپنے تجارتی مال میں عربوں سے دوگنا تین گنا منافع لیتے تھے اور اسی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ وہ سود خور بھی تھے اس لئے وہ عرب شیوخ اور سرداروں کو سودی قرض کے طور پر بڑی بڑی رقمیں دیتے تھے جنہیں یہ سردار حصول شہرت کے لئے اپنی مدح سرائی کرنے والے شعراء وغیرہ پر بالکل فضول اور بے دریغ خرچ کر دیتے تھے ادھر یہود ان رقموں کے عوض ان سرداروں سے ان کی زمینیں' کھیتیاں اور باغات وغیرہ گروی رکھوا لیتے تھے اور چند سال گزرنے پر ان کے مالک بن بیٹھتے تھے۔

یہ لوگ دسیسہ کاریوں' سازشوں اور دنگا فساد کی آگ بھڑکانے میں بھی بڑے ماہر تھے۔ ایسی عیاری سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کے بیج بوتے اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کہ ان قبائل کو احساس تک نہ ہوتا اور اس کے بعد ان قبائل میں مسلسل جنگ برپا رہتی۔ اگر خدانخواستہ جنگ کی یہ آگ سرد پڑتی دکھائی دیتی تو یہود کی خفیہ اُنگلیاں پھر حرکت میں آ جاتیں اور پھر جنگ بھڑک اُٹھتی۔

کمال یہ تھا کہ یہ لوگ قبائل میں دشمنی کی آگ لگا کر چپ چاپ کنارے بیٹھ رہتے اور عربوں کی تباہی کا تماشا دیکھتے البتہ بھاری بھرکم سودی قرضے دیتے رہتے تاکہ سرمائے کی کمی کے سبب لڑائی بند نہ ہونے پائے تو اس طرح وہ دہرا نفع کماتے رہتے ایک طرف اپنی یہودی جمعیت کو محفوظ رکھتے اور دوسری طرف سود کا بازار ٹھنڈا نہ پڑنے دیتے بلکہ سود در سود کے ذریعے بڑی بڑی دولت کماتے۔

یثرب میں یہود کے مشہور قبیلے:

یثرب میں ان یہودیوں کے تین مشہور قبیلے تھے:

1- بنو قینقاع...... یہ خزرج کے حلیف تھے اور ان کی آبادی مدینے کے اندر ہی تھی۔

2- بنو نضیر

3- بنو قریظہ...... یہ دونوں قبیلے اوس کے حلیف تھے اور ان دونوں کی آبادی مدینے کے اطراف میں تھی۔

ایک مدت سے یہی قبائل اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکا رہے تھے اور جنگ بعاث میں اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوئے تھے۔

اسلامی ریاست...... مدینہ...... میں یہود کا عملی کردار:

فطری بات ہے کہ ان یہود سے اس کے سوا کوئی اور توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ یہ اسلام کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھیں کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ ان کی نسل سے نہیں تھے کہ وہ ان کی نسلی عصبیت (جو ان کی نفسیات اور ذہنیت کا جزو لاینفک بنی ہوئی تھی) کو سکون ملتا' پھر اسلام کی دعوت ایک صالح دعوت تھی جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتی تھی' بغض و عداوت کی آگ بجھاتی تھی' تمام معاملات میں امانتداری برتنے اور پاکیزہ و حلال مال کھانے کی پابند بناتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب یثرب کے قبائل آپس میں جڑ جائیں گے اور ایسی صورت میں یقیناً وہ یہود کے پنجوں سے آزاد ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں ان کی تجارتی سرگرمیاں ماند پڑ جائیں گی اور وہ اس سودی دولت سے محروم ہو جائیں گے جس پر ان کی مالداری کی چکی گردش کر رہی تھی بلکہ یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان قبائل بیدار ہو کر اپنے حساب میں وہ سودی اموال بھی داخل نہ کر لیں جنہیں یہود نے ان سے بلاعوض حاصل کیا تھا اور اس طرح وہ ان زمینوں اور باغات کو واپس نہ لے لیں جنہیں سود کے ضمن میں یہودیوں نے ہتھیا لیا تھا۔

جب سے یہودیوں کو معلوم ہوا تھا کہ اسلامی دعوت یثرب میں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہے تبھی سے انہوں نے ان ساری باتوں کو اپنے حساب میں داخل کر رکھا تھا اسی لئے یثرب میں آنحضرت ﷺ کی آمد کے وقت ہی سے یہود کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہو گئی تھی اگرچہ وہ اس کے مظاہرے کی جسارت خاصی مدت بعد کر سکے۔

مدینہ داخلے کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہود کا اوّلین تجربہ:

آنحضرت ﷺ جب مدینہ آئے تو پہلے ہی دن انہیں یہود کے متعلق جو تجربہ حاصل ہوا اس کی شہادت صحیح بخاری کی روایت سے کچھ اس طرح ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک نہایت بلند پایہ یہودی عالم تھے' آپ ﷺ کو جب بنو نجار میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ بعجلت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوالات کئے جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے اور جب انہوں نے آپ ﷺ کی جانب سے ان کے جوابات سنے تو وہیں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ سے عرض گزار ہوئے کہ یہود ایک بہتان باز قوم ہے' اگر انہیں اس سے قبل کہ آپ ﷺ کچھ دریافت فرمائیں' میرے اسلام لانے کا پتا لگ گیا تو وہ آپ ﷺ کے پاس مجھ پر بہتان تراشیں گے لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے یہود کو بلا بھیجا' وہ آئے۔ اور ادھر عبداللہ بن سلامؓ گھر کے اندر چھپ گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبداللہ بن سلامؓ تمہارے ہاں کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا:

ہمارے سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ ہمارے سب سے اچھے آدمی ہیں اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر عبداللہ مسلمان ہو جائیں تو؟ یہود نے دو یا تین بار کہا: اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے' اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلامؓ برآمد ہوئے اور فرمایا: اشھد ان لا الٰه الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ.

اتنا سننا تھا کہ یہود بول پڑے "شرنا وابن شرنا" (یہ ہمارا سب سے برا آدمی ہے' سب سے برے آدمی کا بیٹا ہے) اور اسی وقت ان کی برائیاں شروع کر دیں۔ جب انہوں نے یہود کو سمجھایا تو وہ کہنے لگے کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 459' 556' 561)

یہ پہلا تجربہ تھا جو رسول اکرم ﷺ کو یہود کے متعلق حاصل ہوا اور یہ مدینے میں داخل ہونے کے پہلے ہی دن ہو گیا۔

قریش مکہ کا گھناؤنا سیاسی کردار:

جہاں تک بیرون مدینہ کا حال تھا تو بیرون مدینہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن قریش تھے۔ تیرہ سال تک جب مسلمان ان کے زیردست تھے' انہوں نے دہشت مچانے' دھمکی دینے اور تنگ کرنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال کر چکے تھے' طرح طرح کی سختیاں اور مظالم کر چکے تھے' منظم اور وسیع پراپیگنڈے اور نہایت صبر آزما نفسیاتی حربے استعمال میں کر چکے تھے' پھر جب مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تو قریش نے ان کی زمینیں' مکانات اور مال و دولت سب کچھ ضبط کر لیا اور مسلمانوں اور ان کے اہل و عیال کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے جس کو پا سکے قید کر کے طرح طرح کی اذیتیں دیں پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ داعی اعظم حضرت محمد ﷺ کو قتل کرنے اور آپ ﷺ کی دعوت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے خوفناک سازشیں کیں اور اسے روبہ عمل لانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں' اس کے باوجود جب مسلمان کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر کوئی پانچ سو کلومیٹر دور مدینہ کی سرزمین پر جا پہنچے تو قریش نے اپنی ساکھ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی گھناؤنا سیاسی کردار انجام دیا یعنی یہ چونکہ حرم کے باشندے اور بیت اللہ کے پڑوسی تھے اور اس کی وجہ سے انہیں اہل عرب کے درمیان دینی قیادت اور دنیاوی ریاست کا منصب حاصل تھا اس لئے انہوں نے جزیرۃ العرب کے دوسرے مشرکین کو بھڑکایا اور ورغلا کر مدینے کا تقریباً مکمل بائیکاٹ کرا دیا جس کی وجہ سے مدینہ کی درآمدات نہایت کم رہ گئیں جبکہ وہاں مہاجرین پناہ گیروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ درحقیقت مکے کے ان سرکشوں اور مسلمانوں کے اس نئے وطن کے درمیان حالت جنگ قائم ہو چکی تھی اور یہ نہایت احمقانہ بات ہے کہ اس جھگڑے کا الزام مسلمانوں کے سر دیا گیا۔

مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ جس طرح ان کے اموال ضبط کئے گئے تھے' اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کے اموال ضبط کریں جس طرح انہیں ستایا گیا تھا اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کو ستائیں اور جس طرح مسلمانوں کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی ان کی زندگیوں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کریں اور ان سرکشوں کو "جیسے کو تیسا" والا بدلہ دیں تاکہ انہیں پھر سے

مسلمانوں کو تباہ کرنے اور جڑ سے اکھاڑنے کا موقع نہ مل سکے۔

خلاصۂ کلام:

یہ تھے وہ قضایا اور مسائل جن سے رسول اکرم ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کے بعد بحیثیت رسول و ہادی اور امام و قائد واسطہ درپیش تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مسائل کے ہوتے ہوئے بھی مدینہ میں پیغمبرانہ کردار اور قائدانہ رول ادا کیا۔ یہاں تک کہ چند برسوں میں زمام کار اسلام اور اہل اسلام کے ہاتھ آ گئی۔

(الرحیق المختوم بتغیر یسیر از صفحات 244 تا 252)

ہجرت کے بعد مدینۃ الرسول میں ایک نئے معاشرے کی تشکیل:

رسول اکرم ﷺ نے مدینے میں بنونجار کے ہاں جمعہ 12 ربیع الاوّل 1 ہجری بمطابق 27 ستمبر 622ء کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے نزول فرمایا تھا اور اسی وقت فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ یہیں منزل ہوگی۔ پھر آپ ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں منتقل ہو گئے تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

جس جگہ آپ ﷺ کی اونٹنی آ کر بیٹھی تھی وہ جگہ یتیموں کا مربد یعنی کھجوریں خشک کرنے والی جگہ تھی۔ آپ ﷺ نے اس جگہ کے متعلق دریافت فرمایا کہ یہ جگہ کس کی ہے تو معلوم ہوا کہ دو یتیم بھائیوں سہل اور سہیل کی ہے۔ اس جگہ کھجور کے چند درخت کھڑے تھے اور مشرکین کی چند قبریں تھیں اور چوپایوں کا ریوڑ بھی اسی جگہ آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ معاذ بن عفراء نے عرض کیا کہ یہ دونوں بچے میرے رشتے دار ہیں اور میرے ہاں ہی پرورش پا رہے ہیں، میں ان کو راضی کرلوں گا۔ آپ ﷺ شوق سے اس جگہ مسجد بنائیں۔ جب آپ ﷺ نے اصرار کیا کہ ہم اس کی قیمت ادا کر کے لیں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت ادا کر دی۔

بعدازاں اس زمین پر کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو ہموار کرنے کا آرڈر دیا اور اس کے بعد کچی اینٹیں بنانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ﷺ خود بنفس نفیس اس کے بنانے میں مصروف ہو گئے اور انصار و مہاجرین ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے اور صحابہ اینٹیں اُٹھاتے جاتے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

اللھم لا خیر الا خیر الآخرہ
فانصر الانصار والمھاجر

''اے اللہ آخرت کی بھلائی اور خیر کے سوا کوئی خیر اور بھلائی نہیں، پس تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما جو صرف آخرت کی بھلائی کے خواہاں ہیں۔''

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج 7 ص 193- طبقات ابن سعد، ج 1 ص 240)

طلق بن علی کو گارا بنانے پر مامور کیا گیا۔

(شرح المواھب، ج 1 ص 368- وفاء الوفاء، ج 1 ص 315)

یہ مسجد اپنی سادگی میں بے مثل تھی، کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں، کھجور کے تنوں کے ستون تھے کھجور کی ہی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی۔ جب بارش ہوتی تو پانی اندر آ جاتا تھا اس کے بعد چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا۔ مسجد سو گز لمبی اور تقریباً سو گز ہی چوڑی تھی اور تقریباً تین ہاتھ گہری بنیادیں تھیں۔ دیواروں کی بلندی قد آدم سے زائد تھی۔ دیوار قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھی اور مسجد کے تین دروازے رکھے گئے تھے۔ ایک دروازہ اس طرف رکھا گیا جس جانب اب قبلہ کی دیوار ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب میں جسے باب الرحمۃ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ آپ ﷺ کی آمدورفت کے لئے تھا جسے اب باب جبریل کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ کے بعد عقب کا دروازہ بند کر کے اس کے مقابل دوسرا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج 3 ص 215)

مسجد کے طول و عرض کی پیمائش میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے جو کہ مختلف روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں مسجد کی تعمیر دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ کی تعمیر میں مسجد کا طول و عرض سو گز سے کم تھا، فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے مسجد کو دوبارہ تعمیر کرایا چونکہ وہ بوسیدہ ہو چکی تھی، اس مرتبہ اور زمین لے کر مسجد میں توسیع کی۔

(سیرۃ المصطفیٰ، ج 1 ص 264 بحوالہ وفاء الوفاء ج 1 ص 316، خلاصۃ الوفاء باب چہارم)

ازواج مطہراتؓ کے لئے حجرات کی تعمیر:

جب آپ ﷺ مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ازواج مطہراتؓ کے لئے حجروں کی بنیاد ڈالی اور سردست دو حجرے تیار کرائے ایک حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لئے۔ بقیہ حجرے بعد میں حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

(صحیح بخاری، ج 1 ص 56 - خلاصۃ الوفاء، ص 127)

اسی اثناء میں رسول اکرم ﷺ نے زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ حضرت فاطمہ، اُم کلثوم اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما کو لے آئیں۔ انہی کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ نے عبداللہ بن ابوبکرؓ کو روانہ کیا تا کہ حضرت عائشہؓ، اسماء، اُم رومان اور عبدالرحمٰن کو لے آئیں۔

جب زید بن حارثہؓ سب کو لے کر مدینہ پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ ابو ایوب انصاریؓ کے مکان سے تعمیر شدہ حجروں میں منتقل ہو گئے۔

(شرح المواہب، ج 1 ص 370 - صحیح بخاری، ج 1 ص 71 - زاد المعاد، ج 2 ص 56)

داعی انقلاب کا عظیم کارنامہ، مؤاخات انصار و مہاجرین:

مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے اہل و عیال، خویش و اقارب اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دنیائے کائنات میں محبت و مؤدت کا محیر العقول کارنامہ یوں سرانجام دیا کہ مہاجرین و انصار کو مؤاخات (بھائی بندی) کا حکم دیا تا کہ وطن اور اہل و عیال سے جدائی کا غم اور پریشانی، انصار کی اُلفت اور مؤانست سے بدل جائے۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا

معین و مددگار اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کا غمگسار ہو۔ ضعیف اور کمزور کو قوی اور زبردست کی اخوت سے قوت حاصل ہوئی انصار نے جو مواخات کا حق ادا کیا اور جس مخلصانہ ایثار کا ثبوت دیا اولین و آخرین میں اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ زر اور زمین' مال اور جائیداد سے جو مہاجرین کے ساتھ سلوک کیا وہ تو کیا ہی کہ زمین اور باغات مہاجرین کو دے ڈالے' ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں' عدت کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا۔

(عیون الاثر' ج 1 ص 201- سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 563- شرح المواہب' ج 1 ص 374)

یہ رشتہ مواخات اس قدر مضبوط اور مستحکم تھا کہ نسب و قرابت کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ کوئی انصاری مرتا تو مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا۔ چند روز کے بعد میراث کا حکم تو منسوخ ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی: انما المؤمنون اخوۃ (الحجرات: 10)

اب مواخات کا رشتہ فقط مواسات یعنی ہمدردی و غمخواری اور نصرت و حمایت کے لئے رہ گیا اور میراث نسبی رشتہ داروں کے لئے خاص کر دی گئی۔

(فتح الباری' ج 7 ص 210- شرح مواہب' ج 1 ص 374)

اسلامی تعاون کا باہمی معاہدہ:

مذکورہ مواخات (بھائی چارے) کی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور عہد و پیمان کرایا جس کے ذریعے ساری جاہلی کشاکش اور قبائلی کشمکش کی بنیادیں گرا دی گئیں اور دور جاہلیت کے رسم و رواج کے لئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ ذیل میں ہم اس عہد و پیمان کو اس کی دفعات سمیت مختصر انداز میں پیش کرتے ہیں۔

یہ تحریر ہے محمد نبی ﷺ کی جانب سے قریشی' یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مؤمنین اور مسلمانوں کے درمیان کہ:

1- یہ سب اپنے ماسوا انسانوں سے الگ ایک اُمت ہیں۔

2- مہاجرین قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے درمیان معروف طریقے اور انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے اور انصار کے تمام قبیلے اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

3- اور اہل ایمان اپنے درمیان کسی بے کس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عطاء و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

4- اور یہ کہ ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

5- کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی

مدد کرے گا۔

-6 اور اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہوگا' ایک معمولی آدمی کا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

-7 جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں' ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

-8 مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

-9 مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

-10 کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لئے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

-11 جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور اس کا ثبوت موجود ہوگا اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

-12 اور یہ کہ سارے مؤمنین اس کے خلاف ہوں گے ان کے لئے اس کے سوا کچھ حلال نہ ہوگا کہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔

-13 کسی مومن کے لئے حلال نہ ہوگا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے (یا بدعتی) کی مدد کرے اور اسے پناہ دے اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا اور اس کا فرض و نفل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

-14 تمہارے درمیان جو بھی اختلاف رونما ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد ﷺ کی طرف پلٹایا جائے گا۔ (الرحیق المختوم بحوالہ سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 502-503)

یہود مدینہ سے معاہدہ:

مدینہ منورہ میں اکثر و بیشتر آبادی اوس و خزرج کے قبائل کی تھی مگر عرصہ دراز سے یہود بھی یہاں آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی۔ مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں مشرکین کے مقابلہ میں علمی فوقیت اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب سماویہ کے ذریعے نبی آخرالزمان کے احوال و اوصاف کا بخوبی علم تھا مگر حق سے حسد اور عناد' انکار اور تکبر ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا' جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حسد و بغض کی آگ اور مشتعل ہوگئی اور وہ سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہوگئی ہے اور اہل ہوا و ہوس نے حق کی عداوت میں اپنے پچھلوں کی اتباع کی۔

قرآن کریم یہود کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے' ان لئے آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا تا کہ ان کے فتنہ و فساد میں زیادہ تختی نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں ان کو اپنے دین اور اپنے اموال و

املاک پر برقرار رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا۔ یہاں پر اس معاہدہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

معاہدہ کی دفعات:

یہ تحریری عہدنامہ ہے محمد نبی اُمی (ﷺ) کی طرف سے مسلمانان قریش و یثرب اور یہود کے درمیان کہ جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر درج ذیل امور کا پابند ہوگا:

-1 بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی اُمت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر' خود ان کا بھی یہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی اور بنوعوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

-2 یہود اپنے اخراجات کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

-3 اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔

-4 اور اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیرخواہی' خیراندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے' گناہ پر نہیں۔

-5 کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

-6 مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

-7 جب تک جنگ برپا رہے گی' یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

-8 اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔

-9 اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے تو جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ عزوجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

-10 قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

-11 جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لئے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

-12 یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لئے آڑ نہ بنے گا۔ (سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 554)

اس معاہدے کے طے ہو جانے سے مدینہ اور اس کے اطراف میں ایک وفاقی حکومت بن گئی جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے اور جس میں کلمتہ اللہ نافذ تھا اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی اور اس طرح مدینہ واقعتاً اسلام کا دارالحکومت بن گیا اور اس معاہدے پر مدینے کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہو گئے۔

گردونواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع:

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے چاہا کہ گردونواح کے قبیلوں کو بھی اس معاہدہ میں شامل کر لیا جائے تو اس سے دو فائدے ہوں گے:

1- جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ جاری رہتی اور خلق خدا کے خون سے خدا کی زمین کو رنگین کرتی رہتی ہے اس کا انسداد ہو جائے۔

2- قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

الف: اس مبارک اور امن بخش ارادے سے نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال ودان تک (جو مدینے اور مکہ کے درمیان ہے) سفر فرمایا اور قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا کیونکہ اس عہدنامہ پر عمرو بن فحشی الضمری نے دستخط کئے تھے۔ (زاد المعاد ج 1 ص 334)

ب: اسی ارادہ سے ماہ ربیع الاوّل 2ھ کو اللہ کے رسول ﷺ رضویٰ کی طرف گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا۔

ج: اسی سال ماہ جمادی الآخریٰ آنحضرت ﷺ ذی العشیرہ تشریف لے گئے یہ مقام ینبوع اور مدینے کے درمیان ہے اور بنو مدلج سے معاہدہ لے کر مدینہ تشریف لائے۔

(رحمتہ للعالمین ج 1' ص 92 بحوالہ زادالمعاد ج 1 ص 334)

اس مبارک ارادے کی تکمیل کے لئے اگر کافی وقت مل جاتا تو دنیا پر آشکارا ہو جاتا کہ رحمتہ للعالمین ﷺ دنیا میں تلوار چلانے کو نہیں بلکہ صلح پھیلانے اور امن قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے خلاف قریش کا سفاکانہ کردار:

مسلمانوں کے مکہ چھوڑ کر مدینے ہجرت کر جانے کے بعد بھی قریش مکہ اپنی ستم رانیوں سے باز نہ آئے بلکہ یہ دیکھ کر ان کا جوش غضب اور بھڑک اٹھا کہ مسلمان ان کی گرفت سے صحیح سلامت بچ کر نکل چکے ہیں اور انہیں مدینے میں ایک پُرامن جائے قرار مل گئی ہے چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو (جو ابھی تک کھلم کھلا مشرک تھا) اس کو اس حیثیت کی بناء پر ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ وہ انصار کا سردار ہے چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کو قریش کی طرف سے دوٹوک انداز میں یہ مخاطب کرتے ہوئے یہ خط لکھا گیا کہ:

''آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے اس لئے خدا کی قسم یا تو آپ لوگ اُس سے لڑائی کیجئے یا اُسے نکال دیجئے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر کے آپ کے سارے جنگی افراد کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے۔''

(سنن ابی داؤد باب فی خبر النضیر)

جب یہ خط عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کو موصول ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے اس حملہ کرنے والے مجمع میں خود جا کر گفتگو فرمائی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"قریش نے تم سے ایسی چال کھیلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آ گئے تو تمہارا نقصان بہت زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تم ان کی اس بات کا انکار کر دو گے کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) قتل کرو گے۔ اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں کا مقابلہ ہوگا۔ (سنن ابی داؤد باب فی خبر النضیر)

اگرچہ عبداللہ بن ابی وقتی طور پر جنگ سے باز آ گیا لیکن قریش کے ساتھ اس کے روابط درپردہ برقرار رہے بلکہ اس معاملے میں اس نے یہودیوں سے بھی سازباز کر لی تاکہ ضرورت پڑنے پر ان سے مدد لی جا سکے لیکن رسول اکرم ﷺ کی حکمت عملی تھی جو کہ رہ رہ کر شر و فساد کی بھڑکنے والی آگ کو بجھا دیا کرتی تھی۔ (صحیح بخاری، ج 2 ص 655، 656، 916، 924)

قریش کی ایک اور سازش:

اس کے بعد قریش مکہ نے اندر ہی اندر یثرب کے یہودیوں سے سازش کرنی شروع کر دی اور جب خفیہ طور پر ان کو اپنے ساتھ ملا چکے تب اپنی کامیابی پر پورا بھروسہ کر کے مسلمانوں کو کہلا بھیجا:

"تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے ہیں، ہم یثرب میں پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیتے ہیں۔" اس پیغام کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

(رحمۃ للعالمین، ج 1 ص 93)

قریش مکہ کا مسلمانوں پر پہلا حملہ:

ربیع الاول 2 ہجری کا ذکر ہے کہ سرداران قریش میں سے ایک شخص کرز بن جابر الفہری یثرب پہنچا اور مدینے والوں کے مویشی جو باہر میدان میں چر رہے تھے، وہ لوٹ کر لے گیا اور بچ کر صاف نکل گیا۔ گویا مدینے والوں کو اپنی طاقت دکھا گیا کہ ہم تین سو میل پر دھاوا کر کے تمہارے گھروں سے تمہارے مویشی لے کر جا سکتے ہیں۔ (رحمۃ للعالمین، ج 1 ص 94)

ہجرت مدینہ کے اسباب

نبی کریم ﷺ کا مکہ معظمہ کو خیرباد کہہ کر مستقل طور پر مدینہ منورہ چلے جانا اور وہاں ایک چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کر لینا اسلامی تاریخ کا بڑا اہم باب ہے اس لئے اس تاریخی ہجرت کے اسباب مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں:

1- قریش مکہ کی بت پرستی پر ہٹ دھرمی:

بعثت سے پہلے حضور ﷺ مکہ میں ہر دلعزیز تھے۔ تمام قریش آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کے گن گاتے تھے لیکن نزول وحی کے بعد جب آپ ﷺ کو حکم ملا کہ کھلم کھلا دین کی تبلیغ کرو تو وہی لوگ آپ ﷺ کے خلاف ہو گئے اگرچہ کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو تسلیم کر لیا مگر اکثریت نے انکار کر دیا اور بت پرستی پر مصر رہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو پھیلانا تھا' ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں میں رہ کر نبوت کا یہ فرض منصبی انجام نہیں دیا جا سکتا تھا اسی غرض سے طائف بھی گئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب دین کی نشرواشاعت کا کوئی اور مرکز تلاش کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

2- قریش کا ظلم وستم:

قریش مکہ نے صرف دین اسلام کو جھٹلانے اور توحید سے انکار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ خود حضور ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں جن کی اذیت وحشت و بربریت کی حد تک پہنچ گئی۔ حضور ﷺ پر غلاظت پھینکنا' سڑک پر کانٹے بچھانا' راہ چلتے ہوئے آوازے کسنا اور ان سب سے بڑھ کر معاشرتی اور اقتصادی مقاطعہ کرنا جس کے باعث حضور ﷺ کے سارے قبیلہ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں رہنا پڑا۔ اولین مسلمانوں نے جو تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں' ان کی داستان بڑی دردناک اور طویل ہے جن کی بناء پر مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہو گیا تھا۔

3- ہجرت حبشہ کا تجربہ:

حبشہ ہجرت کا تجربہ اس لحاظ سے مفید ثابت ہوا تھا کہ مسلمان اپنے وطن سے باہر جا کر آزادانہ طریقے سے اپنے معبود حقیقی کی پرستش کر سکتے تھے لیکن ایک وہ جگہ بہت دور تھی' دوسرے حکومت غیر تھی۔ نجاشی رحم دل ضرور تھا لیکن ابھی ایمان نہیں لایا تھا اور نہ ہی حبشہ کی آبادی میں مدینہ کی طرح کوئی حامیان اسلام پہلے سے موجود تھے اس لئے وہاں مستقل اقامت اختیار کر کے اسلام کا پھیلانا آسان کام نہ تھا۔

4- دفاعی حیثیت:

مدینہ دفاعی اعتبار سے بھی بہت محفوظ مقام تھا جس کے تین اطراف پہاڑ اور ایک طرف نخلستان تھے۔ اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بہت زیادہ تھی کہ مکہ سے جانے والے تمام تجارتی قافلے اس راستے سے گزرتے تھے' آب و ہوا اور پیداوار کے لحاظ سے بھی یہ مقام خاصی اہمیت رکھتا تھا۔

5- قریش کے ناپاک عزائم اور ارادہ قتل:

ان تمام تکلیفوں کے باوجود حضور ﷺ نے خود مکہ چھوڑنے کا ارادہ اس وقت کیا جب کفار نے آپ کو قتل کر دینے کی سازش مکمل کر لی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں اسلام پھیلتا دیکھ کر قریش مکہ بہت برہم تھے۔ انہوں نے ابوجہل کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان چن کر ایک

رات انہیں حضور اکرم ﷺ کے پاس ٹھہرا دیا جائے تاکہ صبح کو جب حضور ﷺ باہر نکلیں تو سب یکدم اُن ﷺ پر ٹوٹ پڑیں اور ان کا کام تمام کر دیں۔ تمام قبیلوں کو اس سازش میں شریک کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ کو قتل کرنے کی ذمہ داری سب پر یکساں ہو اور بنی ہاشم کسی سے انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچا کر دین کو غالب کرنا تھا اس لئے آپ ﷺ صاف بچ کر نکل گئے۔

ہجرت کی اہمیت:

نبوت کے تیرہویں سال حضور ﷺ نے اپنی جائے پیدائش مکہ کو چھوڑا اور باقی ماندہ زندگی مدینہ میں گزاری۔ وصال کے بعد بھی وہیں مدفون ہوئے۔ اس وقت سے اسلامی دنیا کا مرکز یثرب کا شہر بنا جو مدینۃ النبی ﷺ کے نام سے مشہور تھا۔ مسلمانوں کا سنہ ہجری اس وقت سے شروع ہوتا ہے لیکن ہجرت کی اہمیت صرف انہی دو وجوہ کی بناء پر نہیں ہے' درحقیقت مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا آغاز اس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ جب مکہ میں ان کی حیثیت ایک سیاسی اقلیت کی سی تھی اور کفار کا غلبہ تھا۔ نہ تو یہ کھلم کھلا دین کی اشاعت کر سکتے تھے اور نہ ہی آزادی سے اسلامی احکام کے مطابق اپنی زندگی ڈھال سکتے تھے۔ (تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین' ص 25-26)

میثاق مدینہ کی اہمیت

میثاق مدینہ ایسا معاہدہ تھا کہ مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ان کے ایسا کرنے سے مدینہ امن کا گوارہ بن گیا اور اسے ہر قسم کی لڑائی جھگڑوں سے نجات مل گئی۔

مختلف قبائل جو دور اور نزدیک بکھرے ہوئے تھے' اس میثاق کی بدولت منضبط اور منظم ہو گئے اور ایک مرکز کا قیام عمل میں آیا اور ایک ریاست کی بنیاد رکھی گئی جس میں شامل ہر گروہ اور قوم کے حقوق مقرر تھے۔ میثاق کی وجہ سے قائم ہونے والی ریاست حقیقت میں مسلمانوں ہی کی ریاست تھی جس میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لینے کے ساتھ ساتھ رسول مقبول ﷺ کو چیف جسٹس تسلیم کیا گیا تھا۔

اس طرح قائم ہونے والی ریاست کی اصل روح اسلامی تھی۔ اس معاہدہ کی وجہ سے تمام غیر مسلموں سے رواداری اور ایک دوسرے کا احترام مقدم تھا۔ یہ تحریری معاہدہ آج کی ترقی یافتہ دنیا کے سیاسی و جمہوری اداروں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا۔

اسی معاہدہ کی بدولت مسلمانوں کا اثر و رسوخ قرب و جوار میں بڑھنے لگ گیا' قریش مکہ پر سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالنے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ ملک شام کی تجارت بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی چونکہ ان میں شامل تمام فریق امن و سلامتی کے اصولوں پر متفق و متحد تھے جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مدینہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔

ہجرت مدینہ کے بعد میثاق مدینہ کی اصل اہمیت یہ تھی کہ مسلمان جو کبھی زبردست تھے'

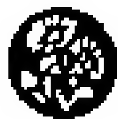
زبردست ہونے لگ گئے تھے۔ اب ان کی اپنی ریاست کی بنیاد رکھی جا چکی تھی جو مستقبل میں عالم اسلام اور کائنات انسانی کی نجات' فلاح اور رشد و ہدایت کا منبع بننے والی تھی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ مسلمان جو کبھی بے کسی اور کسمپرسی کی حالت میں مہاجر بن کر آئے تھے' صرف دس سال کی قلیل مدت میں ایک حاکم کی حیثیت سے اسی مکہ میں دوبارہ داخل ہوئے۔ قریش مکہ جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بھی جان و مال اور عزت و آبرو کے دشمن تھے' جن کو اپنی عظمت و جاہ کا غرور تھا جو عالی نسب کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے' مکہ فتح ہو جانے کے بعد اس نبی اُمی اور نبی یتیم کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے' ان کے اجسام تھر تھر کانپ رہے تھے کہ نہ جانے آج مسلمانوں کا رسول ﷺ ہم سے کیسے پیش آئے گا۔ انہیں اپنے کارنامے فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہے تھے مگر اس رسول مقبول نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ ان کے گھروں میں داخل ہونے والوں کو بھی امان دے دی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب کچھ میثاق مدینہ کا ثمر تھا' اگر یہ معاہدہ نہ ہوا ہوتا تو مسلمانوں کو اتنی جلدی ترقی کرنے کے مواقع میسر نہ آتے۔ (تاریخ اسلام' ص 57)

ہجرت کے پہلے سال کے اہم واقعات:

آپ ﷺ کے مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لانے سے سنہ ہجری شروع ہوتا ہے چونکہ بارہ ربیع الاوّل کو آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے اس لئے پہلا ہجری سال صرف ساڑھے نو مہینے کے بعد ختم ہو گیا۔ یکم محرم سے دوسرا سال شروع ہو گیا تھا لہٰذا یہ سمجھنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ 2 ہجری کے ماہ صفر تک ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں رہے۔

ہجرت کے پہلے سال میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں مسجد نبوی کی تعمیر' حجرات نبوی کی تعمیر اور مکہ میں بعض رُکے ہوئے مسلمانوں کا مدینہ آ جانا' انصار و مہاجرین کے مابین مواخات کا قیام' اسی سال پہلی سیاسی دستاویز لکھی گئی جسے میثاق مدینہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مدینہ کے آس پاس کے قبائل کو بھی شامل کر لیا۔

اسی سال مسجد میں نمازیوں کو بلانے اور مجتمع کرنے کے لئے اذان شروع ہوئی۔ اسی سال یہود کے ایک زبردست عالم عبداللہ بن سلامؓ مسلمان ہوئے' اسی سال حضرت سلمان فارسیؓ جو پہلے مجوسی تھے' پھر انہوں نے عیسائی مذہب قبول کیا تھا اور یہود و نصاریٰ کی کتابیں پڑھ کر نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسی سال زکوٰۃ فرض ہوئی اور اس سال حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔



کفر اور اسلام کی جنگی کشمکش

غزوۂ بدر

غزوۂ بدر کا پس منظر:

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

قریش آنحضرت ﷺ کے مکہ سے صحیح سالم نکل جانے کے بعد اپنے آپ کو شکست خوردہ سمجھنے لگے تھے اور ان کی تمام کوششیں، تمام جوش و خروش اور تمام خواہشات مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے صرف ہونے لگیں۔ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے اور قتل و غارت کا اہتمام تمام قریش مکہ کا سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام تھا۔ اور اس کام کی اہمیت ان کے لئے تمام کاموں اور مشغلوں پر غالب آ گئی تھی اس لئے ان کی آپس میں رقابتیں اور معمولی مخالفتیں بھی سب دور کر کے ساری قوم اپنی تمام طاقتیں اس ایک کام میں صرف کر دینے پر آمادہ و مستعد ہو گئی تھی۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان قریباً تین سو میل کا فاصلہ تھا۔ مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے خاص اہتمام اور جنگی تیاریوں کی بھی ضرورت تھی۔ راستے کے قبائل اور ملک کی دوسری قوموں کو بھی اس کام کی طرف متوجہ کرنا یا کم از کم اپنا ہمدرد بنا لینا ضروری تھا۔

اس آنے والے خطرے کو آنحضرت ﷺ بھی ایک ذی ہوش سردار اور دور اندیش سپہ سالار کی حیثیت سے محسوس فرما چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی حفاظت اور مدافعت کی اجازت مل چکی تھی۔ دین اسلام کی اشاعت اور نومسلموں کے راستے کی بے جا رکاوٹیں بھی دور کر دینا لازمی امر تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت مدینہ منورہ میں تین چار سو مردوں سے زیادہ نہ تھی۔ یہ مسلمان اگرچہ تعداد اور سامان کے اعتبار سے بہت ہی کم اور ضعیف تھے مگر کفار کی شرارتیں اور مظالم کو دیکھ کر ان کی عربی حمیت و شجاعت جوش میں آتی تھی اور وہ بار بار کفار کا مقابلہ کرنے اور شمشیر و تیر سے جواب دینے کی اجازت آنحضرت ﷺ سے چاہتے تھے۔

اب جبکہ اسلام کی صداقت اور ایمان کی طاقت مکمل طور پر ثابت ہو گئی تھی اور مسلمانوں نے روح فرسا مصائب برداشت کر کے دنیا کے سامنے یہ ثبوت بہم پہنچا دیا کہ اسلام کے ساتھ عشق و شیفتگی کسی خوف یا لالچ سے تعلق نہیں رکھتی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریروں کو سزا دینے اور اپنی حفاظت آپ کرنے کی اجازت آ گئی۔ تاہم واقعات کے تسلسل پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ جنگ پر صلح کو اور انتقام پر درگزر ہی کو ترجیح دی۔

کفار مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر نے ایک جماعت کو ہمراہ لے کر اور مکہ سے چل کر مدینہ

منورہ کی متصلہ چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مسلمانوں کے بہت سے اونٹ پکڑ کر چل دیا۔ مسلمانوں کو جب اس چھاپہ کا حال معلوم ہوا تو اس کے تعاقب میں مقام سفوان تک گئے لیکن دشمن نکل چکا تھا' مجبوراً لوٹ آئے۔ یہ مکہ والوں کی طرف سے نہایت صاف اور کھلی دھمکی اور جنگ کا اعلان تھا۔ انہوں نے مدینہ والوں کو یہ بتا دیا کہ ہم چار سو کلومیٹر چل کر تمہارے گھروں میں سے تمہارے اموال کو لوٹ کر لا سکتے ہیں۔ ادھر دوسری تدبیروں سے بھی غافل نہ تھے' انہوں نے ایک طرف عبداللہ بن ابی اور دوسری طرف مدینہ کے یہودیوں سے برابر خط و کتابت جاری رکھی تھی اور ان کو اندر ہی اندر مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر دیا تھا۔ اسی سال ماہ شعبان میں تحویل قبلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور چند ہی روز کے بعد کہ ماہ شعبان بھی ختم نہ ہوا تھا کہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے۔ شروع رمضان میں یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی کہ مکہ والوں کا ایک قافلہ شام آ رہا ہے اور وہ مدینہ کے قریب سے گزرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ والوں پر ایک قسم کا رُعب قائم کرنے اور کرز بن جابر کی حملہ آوری کا جواب دینے کے لئے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا کہ مکہ والوں کے قافلے کو روکیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ مدینہ والوں سے بگاڑ کرنا ان کی تجارت کے لئے بے حد مضر ہے اور ان کی تجارت شام سے منقطع ہو سکتی ہے۔ یہ جماعت جنگ کے ارادے سے روانہ نہیں کی گئی تھی بلکہ اس کا مدعا تخویف و تادیب ہی تھا اسی لئے اس کی روانگی میں جنگی احتیاطیں بھی ملحوظ نہیں رکھی گئیں۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ والوں کا قافلہ مسلمانوں کی اس جمعیت کے روانہ ہونے سے فوراً مطلع اور باخبر ہو گیا۔ امیر قافلہ ابوسفیان راستے سے کترا کر اور بچ کر اپنے قافلہ کو نکال کر لے گیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت دے کر راستے ہی سے مکہ کی طرف دوڑا دیا کہ ہم کو مسلمانوں کے حملے کا خطرہ ہے' ہماری مدد کرو اور اپنے اموال کو بچاؤ۔

اس خبر کے پہنچتے ہی ابوجہل مکہ سے تقریباً ایک ہزار جرار فوج جس میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے شامل تھے' لے کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ یہ تمام لشکر ہر طرح کیل کانٹے سے لیس اور سپاہی سب زرہ پوش تھے' گانے والے اور خبریں پڑھنے والے بھی ہمراہ تھے۔ عباس بن عبدالمطلب' عتبہ بن ربیعہ' امیہ بن خلف' نضر بن حارث' ابوجہل بن ہشام وغیرہ کل تیرہ آدمی کھانا کھلانے والے تھے ابوسفیان کا قافلہ بحفاظت مکہ میں پہنچ گیا' مسلمانوں کی جمعیت جو قافلہ والوں کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجی گئی تھی' واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ (تاریخ اسلام ص 156 تا 158)

واقعات جنگ بدر:

رمضان 2 ہجری رسول اکرم ﷺ اپنے ساتھ 313 ساتھیوں کو (جو پہلے سے تیار نہ تھے) لے کر مدینہ سے چلے۔ اس لشکر کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام لشکر میں دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔ یہ عجیب اتفاق کہ اہل بدر کی تعداد بھی لشکر طالوت کے برابر تھی جبکہ وہ جالوت کے مقابلہ میں نکلا تھا۔ اہل اسلام کا لشکر جب بدر پہنچا تو دیکھا کہ دشمن کا لشکر جو تعداد میں ان سے تین گنا اور سامان میں ہزار گنا سے زیادہ ہے' پہلے ہی بدر میں اُتر چکا ہے۔

جنگ سے ایک دن پہلے نبی کریم ﷺ نے میدان جنگ ملاحظہ کیا اور بتایا کہ کل ان شاء اللہ فلاں دشمن اس جگہ اور فلاں دشمن اس جگہ قتل ہو گا۔

17 رمضان 2 ہجری کو جنگ ہوئی' جنگ سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے نہایت تضرع سے اللہ کے حضور میں دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ اے اللہ اگر یہ مسلمان مارے گئے تو دنیا پر توحید کی منادی کرنے والا کوئی بھی نہ رہ جائے گا۔ اہل اسلام نے بھی دعائیں کیں۔

نصرت الٰہی سے مکہ والوں کو شکست ہوئی' ان کے ستر مشہور افراد قیدی اور ستر بہادر مارے گئے۔ ابوجہل بھی اسی جنگ میں مارا گیا اور وہ چودہ سردار جو دارالندوہ میں آنحضرت ﷺ کے قتل کے مشورہ میں شریک ہوئے تھے' ان میں سے بھی گیارہ مارے گئے' تین جو بچ گئے تھے انہوں نے بھی بالآخر اسلام قبول کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری' کتاب المغازی عن براء ابن عازب)

اس زمانے کے قانون' مسلمانوں کے جوش انتقام اور دیگر قبائل پر جنگی رعب قائم کرنے کی ضرورت اس امر کا تقاضا کر رہے تھے کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا مگر رحمتہ للعالمین ﷺ نے فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا' پڑھے لکھے قیدیوں کا تاوان آنحضرت ﷺ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ (رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 96 مزید تفصیلات کے لئے: شرح المواہب' ج 1 ص 414 تا 416- فتح الباری' ج 7 ص 219- صحیح مسلم' ج 2 ص 102 ذکر النبی من یقتل ببدر- طبقات ابن سعد' ج 2 ص 9- کنز العمال باب غزوۃ بدر' ج 4 ص 99- سیرت ابن ہشام' ج 1 ص 714 تا 751- البدایہ والنہایہ' ج 3 ص 325 تا 385- مختصر السیرہ 326 تا 360- تاریخ الاسلام والمسلمین از مسعود احمد ص 199- الاصابہ' ج 2 ص 95' 266- صحیح بخاری باب قصة غزوۃ بدر' ج 2- مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحق محدث' ج 2 ص 86' 132- عیون الاثر' ج 1 ص 255- الخصائص الکبریٰ للسیوطی' ج 1 ص 204- الروض الانف للسہیلی' ج 2 ص 88- تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۂ آل عمران' ج 1 ص 402- مجمع الزوائد للہیثمی' ج 2 ص 84- زاد المعاد از ابن قیم' ج 3 ص 184- تاریخ الکامل لابن الاثیر' ج 2 ص 47- عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری' ج 8 ص 148- شرح السیر الکبیر للسرخسی' ج 2 ص 7- تفسیر قرطبی' ج 7 ص 367- مسند احمد بن حنبل' ج 3 ص 247- المستدرک للحاکم' ج 3 ص 21- تفسیر درمنثور از سیوطی' ج 3 ص 202- طبقات ابن سعد' ج 2 ص 14- تفسیر احکام القرآن للجصاص' ج 3 ص 72- سنن کبریٰ للبیہقی' ج 9 ص 57 باب قسمة الغنیمة- الاستیعاب' ج 2 ص 482- ارشاد الساری شرح صحیح بخاری للقسطلانی' ج 7 ص 90' ج 10 ص 177- سیرت النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانی' ج 1 ص 187-188)

جنگ بدر میں اہل اسلام کی کامیابی کی وجوہ

لشکر کی تعداد اور سامان جنگ کی غیر معمولی کمی کے باوجود مسلمانوں کی شاندار فتح تائید الٰہی کا بین ثبوت تھا تاہم دنیاوی اسباب فتح نظرانداز نہیں کئے جا سکتے' ہم ذیل میں اس کی چند وجوہ بیان

کرتے ہیں:

1- قریش کا باہمی نفاق:

عتبہ اور کئی دوسرے سردار شروع ہی سے اس لڑائی کے خلاف تھے اور بنو زہرہ کے لوگ تو راستے ہی میں سے واپس پلٹ گئے تھے اس لئے فوج میں ہم آہنگی اور جوش نہ تھا۔

2- بارش کا اثر:

بارش کا اثر بھی دونوں جانب یکساں نہ تھا' مسلمانوں کی طرف مٹی بیٹھ کر زمین بہتر ہو گئی جبکہ کفار کی جانب کیچڑ ہو گیا جس سے چلنے پھرنے میں دقت پیدا ہو گئی۔

3- سورج کی سمت:

سورج مسلمانوں کی پشت پر تھا لیکن کفار کے عین سامنے تھا جس سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

4- بالائی علاقے کی اہمیت:

مسلمان چڑھائی کی جانب اونچی زمین پر تھے جس کے باعث ان کی تھوڑی تعداد بھی زیادہ معلوم ہوتی تھی اس کے برعکس کفار کی فوج نشیبی علاقے میں خیمہ زن تھی جس سے ان کی عددی فوقیت نمایاں نہ ہو سکی بلکہ وہ اُلٹا دھوکہ کھا کر مسلمان کی تعداد سے مرعوب ہو رہے تھے جیسا کہ قرآن حکیم نے اس طرف اشارہ کیا ہے: ''وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے۔''

5- کفار کی صفوں کی بدنظمی:

کفار کی صفوں کا انتظام نہایت ابتر تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ فوجی ترتیب اور صف بندی کا بالکل فقدان تھا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی قطاروں کو خود آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک میں تیر لے کر درست کیا تھا اس لئے فوج اگرچہ تھوڑی تھی لیکن منظم تھی۔

6- رات کو آرام سے سونا:

مسلمان نہایت بے فکری سے رات بھر سو کر صبح کو تازہ دم اُٹھے تھے جبکہ قریش تمام رات بے چین رہے تھے اس لئے صبح کو ان کی حالت دگرگوں تھی۔

جنگ بدر کی اہمیت

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے' چند غریب الوطن جو قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے' آج اس قابل ہو گئے کہ ظالموں کو بزور شمشیر مار بھگایا۔ اس سے اہل اسلام کے حوصلے بڑھ گئے' اسلام کا حقیقی عروج یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اب مسلمان محض جلاوطن اور بے گھر مہاجر نہ تھے بلکہ ایک زندہ اور آزاد قوم

تھے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں: "بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا"

(سیرت النبیؐ ج اوّل ص 364)

مولانا اسلم جیراجپوری فرماتے ہیں:

"یہ لڑائی درحقیقت اسلامی شوکت کا سنگ بنیاد تھی یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ سارے کے سارے جنتی قرار دیئے گئے۔" (تاریخ الامت' ج 1 ص 88)

جنگ بدر کے نتائج

اب ہم ذیل میں ان اثرات اور نتائج کا ذکر کرتے ہیں جو عالم اسلام کی ترقی کا باعث بنے اور جس سے اسلام کو چار چاند لگ گئے اور مسلمانوں کے وقار میں اضافہ ہوا۔

1- اسلام کی ترقی کی حقیقی ابتداء:

اس لڑائی سے اسلام کی شان و شوکت کے نمایاں ہونے کا آغاز ہوا یوں سمجھا جائے کہ اب اسلامی ریاست واقعتاً منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی تھی۔ اب مسلمان قریش کے نفسیاتی دباؤ سے نکل آئے اور ان کے اندر معاشرتی طور پر اعتماد پیدا ہو گیا اور نفاذ اسلام کے لئے راہ ہموار ہو گئی اور اسلامی ارتقاء کا آغاز ہو گیا۔

2- حق کی حمایت میں فیصلہ ربانی:

مٹھی بھر مسلمانوں کا اپنے سے تین گنا اور مسلح فوج پر چند گھنٹوں میں غالب آ جانا' معجزہ سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فتح کو "حق کی حمایت میں فیصلہ ربانی" کا درجہ حاصل ہے۔ فتح بدر نے اسلام کو نصرت و فوقیت بخشی اور باطل کو محو کر کے دنیا بھر میں پیغام حق کی اشاعت کے دروازے کھول دیئے۔ آنحضرت ﷺ اب صرف مبلغ اور واعظ نہ تھے بلکہ پیغام حق اور حق پرستوں کی جانوں کی شمشیر سے بھی حفاظت کر سکتے تھے۔ دنیا آپ ﷺ کی کامیابی کا لوہا مانتی ہے چنانچہ معرکہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ کی کامیابی کے متعلق شک کرنے والے کثیر تعداد میں ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور ان کا شک حقانیت میں بدل گیا۔

3- مشاہیر قریش کا خاتمہ:

مشاہیر قریش جو اسلام کے جانی دشمن تھے اس لڑائی میں ختم ہو گئے۔ ابوجہل' عتبہ' شیبہ' ولید' سعد بن العاص اور امیہ بن خلف سب کے سب سرداروں میں سے تھے جن کے قتل ہو جانے سے قریش کی قوت ہمیشہ کے لئے زائل ہو گئی۔

4- منافقین اور قبائل عرب مرعوب ہو گئے:

منافقین اور جہت سے قبائل عرب جو واقعات کا رُخ دیکھ رہے تھے' فتح بدر کے بعد خوف کھانے لگے اگرچہ وہ مسلمانوں سے اتحاد تو نہ کر سکتے تھے لیکن مخالفت چھوڑ دی کیونکہ اب مسلمان اینٹ

کا جواب پتھر سے دینے کی پوری قوت رکھتے تھے۔

5- یہود حاسد بن گئے:

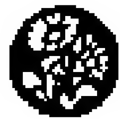
''میثاق مدینہ'' کی رُو سے یہودیوں کو مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن انہوں نے امداد دینے کی بجائے عین وقت پر غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اب جبکہ مسلمان باوجود قلیل تعداد کے کفار پر غالب آ گئے تو وہی یہودی ان کی روزافزوں ترقی دیکھ کر حسد کرنے لگے اور معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں سے کھلم کھلا دشمنی شروع کر دی۔ اس پر آنحضرت ﷺ کو ان کے خلاف قدم اُٹھانا پڑا چنانچہ سب سے پہلے یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کیا گیا۔

6- جنگ کے تفصیلی احکام کا نزول:

جنگ بدر کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ سورۃ انفال خاص کر جنگی احکام کی توضیح کے لئے نازل ہوئی' مال غنیمت کی تقسیم کا حکم نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجنے کا وعدہ فرما کر ثابت قدمی سے جہاد کرنے کی تاکید فرمائی اور فتح کی بشارت دی جس سے اس قلیل تعداد کے حامل گروہ کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔

7- حسین اور زرّیں یادگار:

چونکہ رسول اکرم ﷺ کا اصل مشن اسلام کی نشرواشاعت ہے اس لئے قیدیوں کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ مسلمانوں کو قیدیوں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا چنانچہ اسیران جنگ سے مسلمانوں کا حسن سلوک جنگ بدر کی ایک زرّیں یادگار ہے۔



غزوۂ اُحد

غزوۂ اُحد کا پس منظر:

قریش مکہ جب بدر سے بہت بُری شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروان تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر لائے تھے' وہ مع اصل سرمایہ اور زر و منافع دارالندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے۔ بدر کی اس ذلت آمیز شکست کا زخم یوں تو ہر شخص کے دل میں تھا لیکن جن لوگوں کے باپ' بیٹے' بھائی' بھتیجے' خویش و اقارب بدر میں مارے گئے' ان کو رہ رہ کر جوش آتا تھا۔ جذبہ انتقام سے ہر شخص کا سینہ لبریز تھا۔

سرداران قریش نے اتفاق رائے سے تمام سرمایہ تقریباً پچاس ہزار دینار جنگ کے لئے وقف کر دیا۔

قریشی عورتوں کا لشکر کے ہمراہ چلنا:

قریش نے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ہمراہ لے لیا تاکہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں تاکہ وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں۔

لشکر قریش کی تعداد:

قریش نے تین ہزار کا لشکر جمع کیا جن میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ان کے ہمراہ تھیں۔ یہ عظیم لشکر بڑی کروفر سے ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں 5 شوال 3 ہجری کو مکہ سے روانہ ہوا۔

(طبقات ابن سعد' ج 2 ص 37- شرح مواہب' ج 2 ص 20- تاریخ الامم طبری' ج 3 ص 9)

حضور ﷺ کو ارادۂ قریش کی اطلاع:

آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے یہ تمام حالات لکھ کر نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ روانہ کئے اور قاصد کو یہ تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر کسی طرح آنحضرت ﷺ کے پاس یہ خط پہنچا دے۔ (شرح المواہب' ج 2 ص 20)

لشکر اسلام کی تیاری اور روانگی:

11 شوال جمعہ کی رات آپ ﷺ کو یہ خبر ملی تو صبح ہوتے ہی صحابہؓ سے مشورہ کیا' اکابر انصار و مہاجرین نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ میں ہی پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے لیکن جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکنے والے نوجوانوں نے اصرار کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہئے۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے وعظ فرمایا اور جہاد و قتال کی ترغیب دی اور تیاری کا حکم دیا۔

نمازِ عصر کے بعد ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ گھوڑے پر سوار تھے۔ سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ زرہ پوش آپ ﷺ کے آگے آگے تھے اور سب لوگ آپ ﷺ کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ (طبقات ابن سعد' ج 2 ص 39)

لشکر اسلام سے منافقین کی علیحدگی اور واپسی:

جب آپ ﷺ احد کے قریب پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو تین سو آدمیوں کی جماعت اپنے ساتھ لایا تھا' یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ آپ ﷺ نے میری رائے (مدینہ میں پناہ گزین ہو کر جنگ کی جائے) نہیں مانی لہٰذا ہم بلاوجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں' یہ جنگ نہیں ہے' اگر ہم جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ دو اور قبیلوں بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے بھی واپسی کا پروگرام بنایا لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ آپ ﷺ نے مقام شیخین میں آرام فرمایا' پھر رات کے آخری حصہ میں کوچ فرمایا اور صبح کے وقت احد کے قریب پہنچ گئے۔

لشکر کی ترتیب:

صبح کی نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ مدینہ کو سامنے اور احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا اور جہاد و قتال کے لئے مسلمان صف بستہ کھڑے ہو گئے اور پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے بٹھا دیا تاکہ قریش پشت سے حملہ نہ کر سکیں اور عبداللہ بن جبیر کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھ تاکید کی کہ اگر تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے بھی دیکھو تب بھی ہماری مدد کے لئے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔

(طبقات ابن سعد' ج 2 ص 27– صحیح بخاری باب غزوۂ احد' ج 2 ص 579)

جنگ کا آغاز:

لڑائی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے ابو عامر راہب (جو مدینہ کا باشندہ اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی قوم میں بڑا بزرگ سمجھا جاتا تھا) مدینہ میں مسلمانوں کے آنے سے آتشِ حسد میں جل بھن گیا تھا اور مکہ میں جا کر رہنے لگا تھا' وہ بھی کفار کے ساتھ آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ میں میدان جنگ میں قبیلہ اوس کے لوگوں کو اپنی طرف بلا لوں گا۔ وہ لشکر کفار سے نکل کر میدان جنگ میں آیا اور بنو اوس کو آواز دی مگر انصار نے اس کو دھتکار دیا اور وہ شرمندہ ہو کر واپس پلٹ گیا۔ اس کے بعد طرفین کی طرف سے جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہؓ' حضرت علی اور حضرت ابودجانہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ جواں مردانہ اور شجاعانہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کفار کو قتل کرتے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے کہ جہاں ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان ان کی زد میں آ گئی اور اس نے اپنے آپ کو قتل ہوتے دیکھ کر چیخ ماری' ابودجانہ نے عورت کی آواز پر ہاتھ روک لیا کہ عورت کو قتل کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

اس طرح ہند بنت عتبہ کی جان بچ گئی۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

ادھر حضرت حمزہؓ نے حملہ کر کے مشرکین کے علمبردار طلحہ کو قتل کیا اور پھر دو دستی تلوار چلاتے ہوئے اور مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے۔ کفار کے حبشی وحشی غلام نے آپ کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا اور ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آپؓ کفار کو مارتے اور ہٹاتے ہوئے مزید آگے بڑھ گئے تو اس نے موقع پا کر اپنا حربہ پھینک مارا اور وہ تیر ایک پہلو سے دوسرے پہلو کے پار نکل گیا جس سے حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے اور وحشی نے جا کر ہند بنت عتبہ کو حضرت حمزہؓ کو شہید کر دینے کی خبر سنائی جسے سن کر وہ بہت خوش ہوئی۔

دیگر جواں مردان حق کی شجاعت:

حضرت حنظلہؓ نے حملہ کر کے کفار کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور ابوسفیان تک پہنچ گئے۔ حضرت حنظلہؓ دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا ہی چاہتے تھے کہ شداد بن اسود نے پیچھے سے آ کر ان پر وار کیا اور وہ شہید ہو گئے۔

حضرت نضر بن انسؓ اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہم نے بڑے مردانہ جوہر دکھائے' قریش کے بارہ علمبردار یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں سے آٹھ کو صرف حضرت علیؓ نے قتل کیا۔ ان علمبرداروں میں سے جب ایک قتل ہوتا اور علم گرتا تو دوسرا آ کر اُٹھا لیتا تھا۔ اسی طرح جب آخری علمبردار صواب قتل ہوا تو پھر کسی میں علم اُٹھانے کا حوصلہ نہ رہا اور وہ جھنڈا اسی طرح زمین پر پڑا رہا۔ مسلمانوں کے صف شکن حملوں اور جوانمردانہ شمشیر زنی کے مقابلے میں کفار کے تین ہزار بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دوپہر کے قریب کفار پسپا ہونے شروع ہوئے' پہلے پہل تو وہ اُلٹے پاؤں لڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے رہے' پھر پشت پھیر کر فرار ہونے لگے یہاں تک کہ وہ اپنی حد سے بھی نکل گئے اور قریش کی عورتیں بھی اپنا سامان چھوڑ چھاڑ کر بھگوڑوں کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھیں۔ ہند بنت عتبہ بھی جو عورتوں کی جرنیل تھی' ایسی بدحواسی کے ساتھ بھاگی کہ اپنا تمام سامان میدان جنگ میں ہی چھوڑ گئی۔

جنگ کا پانسہ پلٹ گیا:

مشرکوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح میں اب کوئی شک و شبہ باقی نہ رہ گیا تھا' کفار جب مسلمانوں کے مقابلے سے بھاگے تو دوپہر کا وقت تھا' کفار کو بھاگتے ہوئے اور ان کے جھنڈے کو دیر تک زمین پر پڑے ہوئے دیکھ کر تیراندازوں کو (جو گھاٹی کی حفاظت پر مامور تھے) اس بات کا شوق اور جوش پیدا ہوا کہ ہم بھی کفار کے تعاقب میں شریک ہو جائیں۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو ہرچند روکا کہ جب تک آنحضرت کا حکم نہ ہو' ہمیں اپنی جگہ سے نہیں ہلنا چاہیے مگر فتح کی خوشی اور کفار کے تعاقب کے شوق نے انہیں کچھ نہ سننے دیا اور انہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔

خالد بن ولید جو کہ لشکر قریش کے دستہ میمنہ کے افسر تھے' اس گھاٹی کی اہمیت کو خوب تاڑ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سو سواروں کا دستہ لے کر اور ایک میل کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے پیچھے سے ہو کر اسی گھاٹی سے نکل کر یکلخت مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر اور چند ہمراہی اگرچہ اپنی جگہ پر موجود تھے مگر وہ اس دستہ کو نہ روک سکے اور عبداللہ بن جبیر اس جگہ شہید ہو گئے۔ تیراندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے اس اچانک اور غیر متوقع حملہ نے مسلمانوں میں پریشانی پیدا کر دی۔

مسلمانوں کو اس حالت میں دیکھ کر عکرمہ بن ابوجہل نے بھی دوسری طرف سے اپنے سواروں کا دھاوا بول دیا' ساتھ ہی ابوسفیان جو میدان چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا' اپنے افراد کو اکٹھا کر کے اور سب بھاگنے والوں کو روک کر واپس لوٹے اور لشکر کفار نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ تمام حملے یکے بعد دیگرے اور آناً فاناً اچانک ہوئے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا۔ مسلمان ہر طرف سے کفار کے نرغے میں آ گئے اور ان کی جمعیت میں انتشار اور سراسیمگی پھیل گئی۔ میدان جنگ کی یہ صورت ہو گئی کہ جابجا تھوڑے سے مسلمان بہت زیادہ کافروں کے غول میں گھر گئے۔ ایک کی دوسرے کو خبر نہ رہی اور ہر طرف سے ان پر تلواریں برسنے لگیں۔ آنحضرت ﷺ بھی صرف بارہ صحابیوں کے ساتھ ایک جماعت کفار کے نرغے میں آ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ جو کہ علم لئے ہوئے آنحضرت ﷺ کے قریب ہی کھڑے تھے' کفار کے ایک مشہور شہسوار ابن قمیہ لیثی نے حملہ کیا اور حضرت مصعبؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت مصعبؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کے ہم شکل تھے اس لئے اس نے سمجھا (نعوذ باللہ) کہ اس نے محمد ﷺ کو شہید کر دیا۔

ابن قمیہ نے ایک بلند مقام پر چڑھ کر باآواز بلند کہا کہ "قد قتلت محمدا" (میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے) اس آواز سے مشرکوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ خوشی سے اچھلنے لگے۔ مسلمان یہ سن کر اپنی اپنی جگہ حیران و ششدر رہ گئے۔ کعب بن مالکؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا: مسلمانو! خوش ہو جاؤ کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں زندہ و سلامت موجود ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: "الی عباد اللہ انا رسول اللہ" (خدا کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں) یہ آواز سن کر مسلمان ہر طرف سے آپ ﷺ کی طرف آنا شروع ہو گئے' مسلمان کفار سے لڑتے' ان کے حملوں کو روکتے اور ان کو مارتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ ادھر آنحضرت ﷺ کی اس آواز نے کفار کو بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کس جگہ تشریف فرما ہیں' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی سب اسی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ مقام جہاں آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے تھے' لڑائی کا مرکز بن گیا۔

کچھ لوگ مسلمانوں کی فوج کی ایسی حالت اور ایسے مقام پر تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ تک نہ پہنچ سکے اور اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اس پریشانی اور کارزار کے عالم میں عبداللہ بن شہاب نے آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر تلوار کا ایک زبردست ہاتھ مارا کہ خود کے دو حلقے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک

میں آنکھ سے نیچے کی ہڈی میں گھس گئے۔ ان کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے دانت سے پکڑ کر کھینچا تو آپ ﷺ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ کفار کی پوری طاقت اب آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک پر حملے میں صرف ہونے لگی۔

ادھر چند جاں نثاروں نے آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنا لیا تھا۔ حضرت ابودجانہ نے آپ ﷺ کی طرف منہ کر کے اپنی پشت کو سپر بنا لیا۔ ان کی پشت تیروں سے چھلنی ہو گئی لیکن وہ اسی طرح کھڑے رہے۔

حضرت سعد بن وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے آہنی دیوار کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور تیر و تلوار چلا چلا کر دشمنوں کو روکتے رہے۔ حضرت طلحہؓ دشمنوں کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ زخموں کی کثرت سے بیکار ہو گیا تھا۔ حضرت زیاد بن سکن اپنے پانچ انصاری ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت عمارہ بن زیادؓ بھی آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں پروانہ وار شہید ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ کی استقامت:

جب آنحضرت ﷺ کے گرد خوب زور و شور سے ہنگامہ کارزار گرم تھا کہ ایک شقی القلب نے دور سے ایک پتھر پھینک مارا جس سے آپ ﷺ کا ہونٹ مبارک زخمی ہوا اور نیچے کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ کا پائے مبارک ایک گڑھے میں جا پڑا اور آپ ﷺ گر گئے۔ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپ کو اٹھا کر باہر نکالا۔ جب آپ ﷺ کے گرد صحابہؓ کی ایک مختصر سی جماعت فراہم ہو گئی اور لڑائی شدت سے جاری ہوئی تو کفار کے حملوں میں سستی پیدا ہونے لگی اور صحابہ کرامؓ نے کفار کو مار مار کر ہٹا دیا۔ اس حالت میں آنحضرت ﷺ نے پہاڑ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کی ایک بلندی پر چڑھ گئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کفار کے نرغہ سے نکل کر پہاڑ کو پشت پر لیں اور لڑائی کا ایک محاذ قائم ہو جائے چنانچہ یہ تدبیر بہت مفید ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ کے بلند مقام پر جانے کے بعد ابوسفیان نے بھی پہاڑ پر چڑھنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ابوسفیان کی جماعت کو نیچے دھکیل دیا۔

اب مسلمانوں کی جمعیت جلدی جلدی بڑھنے لگی۔ منتشر مسلمان آ آ کر آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ اب کفار کو حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایک کافر ابی بن خلف آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر وار کیا اور وہ بدحواسی سے پیچھے کو بھاگا' واپسی پر مکہ جاتے ہوئے راستے میں ہی مر گیا۔

پھر ابوسفیان نے بلند آواز میں کہا کہ تم لوگوں میں محمد ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ کے اشارہ پر صحابہ خاموش رہے' پھر اس نے پوچھا کہ تم میں ابوبکر صدیقؓ ہیں؟ اس پر بھی سکوت رہا۔ پھر وہ بولا کہ معلوم

ہوتا ہے کہ یہ سب قتل ہو گئے ہیں تو اس پر فاروق اعظمؓ خاموش نہ رہ سکے۔ چلا کر بولے: ''اے دشمن خدا یہ سب زندہ ہیں اور تو رسوا ہو گا۔'' پھر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا تو حضرت عمرؓ نے اللہ کا نعرہ لگایا تو ابوسفیان نے کہا کہ ''یہ لڑائی جنگ بدر کا بدلہ ہو گئی' اب ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال پھر بدر میں ہو گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وعدہ منظور ہے۔''

میدان جنگ میں شہداء کی تلاش:

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مطمئن ہو کر پہاڑی سے اُترے۔ میدان جنگ میں شہداء کی لاشوں کو دفن کیا گیا۔ 65 انصار اور 4 مہاجرین شہید ہوئے تھے۔ کافروں نے بعض شہداء کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ہند بنت عتبہ نے موقع پا کر حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا اور جگر کاٹ کر چبانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کے کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی جو اس قدر چھوٹی تھی کہ سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے' پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا۔ آخر سر چھپا دیا گیا۔ تمام شہداء ایک قبر میں دو دو کر کے دفن کیے گئے۔

مدینہ پہنچ کر اگلے دن رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جو لوگ کل لڑائی میں شریک تھے' آج پھر صرف وہی لوگ میرے ساتھ چلیں چنانچہ زخموں سے چور صحابہؓ آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے مدینہ سے روانہ ہو کر آٹھ میل چل کر حمراء الاسد کے مقام پر قیام کیا اور تین دن تک وہاں مقیم رہے۔

روحاء کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے سوچا کہ اس لڑائی میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوا کہ ہمارا مسلمانوں سے مقابلہ برابر رہا' جب مکے جا کر کہیں گے کہ ہمیں فتح ہوئی ہے تو لوگ کہیں گے اس جنگ میں پھر بارہ نامی گرامی بہادروں کو قتل کروا آئے ہو اور پھر کہیں گے کہ قیدی اور مال غنیمت کہاں ہے تو اہل مکہ کو کیا جواب دیں گے؟

یہ سوچ کر سب کی رائے بدلی از سر نو پھر مرنے مارنے پر مستعدی کا اظہار کیا گیا اور ابوسفیان اس تمام لشکر کو لے کر مقام روحاء سے واپسی پر آمادہ ہوا کہ مدینہ پر حملہ آور ہو۔ اسی حالت میں معبد بن ابی معبد (جس نے آنحضرت ﷺ اور ان کے لشکر کو حمراء الاسد جگہ پہ دیکھا تھا) مقام روحاء میں پہنچا اس نے ابوسفیان کو خبر سنائی کہ محمد ﷺ مدینہ سے نکل کر تمہارے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہیں۔ مجھے ان کا لشکر حمراء الاسد میں ملا تھا اور وہ غالباً بہت جلد تم تک پہنچ جانے والے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی لشکر کفار بدحواس ہو کر وہاں سے سیدھا مکہ کی جانب روانہ ہوا اور مکہ پہنچ کر کفار کے دم میں دم آیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ تحقیق ہو گئی کہ کفار بدحواسی سے مکہ کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں تو آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس کے ذریعے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا اور مدینہ ان کے حملے سے محفوظ رہا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو زخم پہنچنے سے مدینہ کے منافق اور یہودی بہت خوش ہوئے اور ان

کی جرأت بڑھ گئی مگر آنحضرت ﷺ درگزر ہی سے کام لیتے رہے۔

(تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی' ج اوّل ص 171 تا ص 183)

غزوۂ احد کی مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

مختصر السیرہ از صفحات 392 تا 414- البدایہ والنہایہ' ج چہارم از صفحات 430 تا 470- سیرت ابن ہشام' ج 2- رحمتہ للعالمین ج 1' ص 98 تا 100- الرحیق المختوم' از صفحات 328 تا 392- تاریخ الاسلام والمسلمین' از صفحات 259 تا 273- سیرت المصطفیٰ از مولانا ادریس کاندھلوی' ج 2 از صفحات 201 تا 274۔

غزوۂ احد کے متعلق جزوی تفصیلات کے لئے دیکھیں: تاریخ طبری' ج 2 ص 502- شرح المواہب' ج 2 ص 22' ج 3 ص 13- طبقات ابن سعد' ج 2 ص 39- صحیح بخاری باب غزوہ احد' ج 2 ص 579- فتح الباری' ج 7 ص 270- الاصابہ' ج 4 ص 123- عیون الاثر' ج 1 ص 336- مجمع الزوائد' ج 6 ص 121- الخصائص الکبریٰ' ج 1 ص 416- روض الانف' ج 2 ص 133- سنن نسائی کتاب الجہاد' ج 2 ص 42- صحیح مسلم باب غزوۂ احد' ج 2 ص 107- مسند احمد بن حنبل' ج 3 ص 179- حادی الارواح الی بلاد الافراح' ج 1 ص 250- المستدرک للحاکم' ج 3 ص 201- الاستیعاب' ج 2 ص 35- زاد المعاد' ج 2 ص 196- تفسیر ابن کثیر' ج 1 ص 418- سیرت مغلطائی ص 50- السیرۃ الحلبیہ' ج 2 ص 22۔

غزوۂ احد میں کارفرما خدائی حکمتیں

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ لکھتے ہیں:

علامہ ابن قیم نے اس عنوان پر تفصیل سے لکھا ہے۔ (زاد المعاد' ج 2 ص 99 تا 108)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد اور اس کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والی زک میں بڑی عظیم ربانی حکمتیں اور فوائد تھے جنہیں ہم مختصراً بیان کرتے ہیں۔

1- معصیت کے انجام سے آگاہی:

مسلمانوں کو معصیت کے بُرے انجام اور ارتکاب نہی کی نحوست سے آگاہ کرنا کیونکہ تیر اندازوں کو اپنے مرکز پر ڈٹے رہنے کا جو حکم دیا گیا تھا' انہوں نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکز چھوڑ دیا تھا' اسی وجہ سے زک اُٹھانا پڑی۔

2- پیغمبروں کی سنت پہلے تکلیف پھر کامیابی:

اس میں ایک حکمت پیغمبروں کی اس سنت کا اظہار بھی تھا کہ وہ پہلے ابتلاء میں ڈالے جاتے ہیں پھر آخرکار انہی کو کامیابی ملتی ہے۔

3- صادق و کاذب میں تمیز ہو جائے:

اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر انہیں ہمیشہ کامیابی ہی کامیابی حاصل ہو تو اہل ایمان کی صفوں میں وہ لوگ بھی گھس آئیں گے جو صاحب ایمان نہیں ہیں۔ پھر صادق و کاذب میں تمیز نہ ہو سکے گی اس لئے حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں صورتیں پیش آئیں تاکہ صادق و کاذب کی تمیز ہو سکے کیونکہ منافقین کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ تھا جب یہ واقعہ پیش آیا اور اہل نفاق نے اپنے قول و فعل کا اظہار کیا تو اشارہ صراحت میں بدل گیا اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے اپنے گھروں کے اندر بھی ان کے دشمن موجود ہیں اس لئے مسلمان ان سے نمٹنے کے لئے مستعد اور ان کی طرف سے محتاط ہو گئے۔

4- دیر آید درست آید:

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ بعض مقامات پر مدد کی آمد میں تاخیر سے خاکساری پیدا ہوتی ہے اور نفس کا غرور ٹوٹتا ہے چنانچہ جب اہل ایمان ابتلاء سے دوچار ہوئے تو انہوں نے صبر سے کام لیا البتہ منافقین میں آہ و زاری مچ گئی۔

5- اہل ایمان کی اعلیٰ درجات تک رسائی:

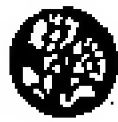
ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے اپنے اعزازی گھر یعنی جنت میں کچھ ایسے درجات تیار کر رکھے ہیں جہاں تک ان کے اعمال کی رسائی نہیں ہوتی البتہ ابتلاء و مصائب کے بھی کچھ اسباب مقرر فرما رکھے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ان درجات تک اہل ایمان کی رسائی ہو سکے۔

6- شہادت کا مقام:

ایک حکمت یہ بھی کہ شہادت اولیاء کرام کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے لہٰذا یہ مرتبہ ان کے لئے مہیا کر دیا گیا۔

7- اہل ایمان کی گناہوں سے پاکی:

ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اللہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا لہٰذا ان کے لئے اس کے اسباب بھی فراہم کر دیئے یعنی کفر و ظلم اور اولیاء اللہ کی ایذاء رسانی میں حد سے بڑھی ہوئی سرکشی (پھر ان کے اسی عمل کے نتیجے میں) اہل ایمان کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا اور کافروں کو ہلاک و برباد کر دیا۔ (فتح الباری ج 7 ص 347)



غزوۂ خندق و احزاب

غزوۂ احزاب کا پس منظر:

غزوۂ احد سے واپسی پر ابوسفیان نے یہ کہا تھا کہ آئندہ سال بدر پر ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ حسب وعدہ آئندہ سال ابوسفیان یہ کہہ کر راستے سے واپس ہو گیا کہ یہ قحط سالی کا زمانہ ہے جنگ کے لئے مناسب نہیں۔ اس کے ایک سال بعد دس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا جسے غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق کہتے ہیں۔

اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ بنونظیر کے بیس سردار اور رہنما مکے میں قریش کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں رسول اکرم ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا۔ پھر یہ وفد بنو غطفان کے پاس گیا' انہیں بھی تیار کر لیا۔ پھر اس وفد نے بقیہ قبائل عرب میں گھوم گھوم کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دی۔ (عیون الاثر' ج 2 ص 55)

تو اس طرح یہودی ریاست کاروں نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے تمام بڑے بڑے گروہوں اور جتھوں کو رسول کریم ﷺ آپ ﷺ کی دعوت اور اہل اسلام کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لئے آمادہ کر لیا۔

مخالفین اسلام کا پروگرام:

اس کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق جنوب سے قریش' کنانہ اور تہامہ میں آباد دیگر حلیف قبائل نے مدینے کی جانب کوچ کیا۔ ان سب کا سپہ سالار اعلیٰ ابوسفیان تھا اور ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ لشکر مرّ الظہران پہنچا تو بنوسلیم بھی اس میں آ کر شامل ہو گئے۔ ادھر اسی وقت مشرق کی طرف سے غطفانی قبائل فزارہ' مرہ اور اشجع نے کوچ کیا ان کے علاوہ بنو اسد اور دیگر قبائل کے بہت سے افراد بھی آئے تھے۔

لشکر کفار کا مدینہ کی طرف کوچ:

ان سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رُخ کیا تھا اس لئے چند دن کے اندر اندر مدینے کے پاس دس ہزار افراد کا زبردست لشکر جمع ہو گیا تھا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ غالباً مدینہ کی (عورتوں اور بچوں سمیت) پوری آبادی بھی اس کے برابر نہ تھی مگر جونہی یہ لشکر اپنی جگہ سے حرکت میں آیا' مدینے کے مخبرین نے اپنی قیادت کو اس کی اطلاع دے دی۔

اہل اسلام کی دفاعی حکمت عملی:

اطلاع پاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح مشورہ کیا۔ اہل شوریٰ نے غور وخوض کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کی خندق کھود کر دفاع کرنے کی

تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ اہل عرب اس طریقے کار سے واقف نہ تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس تجویز پر فوراً عمل درآمد شروع فرماتے ہوئے ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا۔ (فتح الباری ج 7 ص 302 باب غزوۃ الخندق- طبقات ابن سعد ج 2 ص 47)

خندقیں اس قدر گہری کھودی گئیں کہ تری نکل آئی۔ (تاریخ الامم طبری ج 3 ص 568)

لشکر کفار کے مدینے کی دیواروں تک پہنچنے کے قبل مقررہ پروگرام کے مطابق خندق تیار ہو گئی۔

رسول اکرم ﷺ کا لشکر اسلام سمیت قلعہ بند ہونا:

اس لشکر سے مقابلے کے لئے مسلمان کوہ سلع کے قریب جا ٹھہرے اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔

عورتوں اور بچوں کو مدینے کے قلعوں اور گڑھیوں میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

لشکر کفار خندق دیکھ کر حیران ہو گیا:

جب لشکر کفار نے آ کر اپنے سامنے خندق کو پایا تو وہ حیران ہو گئے چنانچہ مجبوراً انہیں محاصرہ کرنا پڑا کیونکہ خندق کے ذریعے دفاع کا تو انہوں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کیونکہ عرب اس دفاعی انداز سے واقف ہی نہ تھے۔ مشرکین غیظ وغضب سے خندق کے پاس چکر کاٹنے لگے ادھر مسلمان بھی ہمہ تن چوکس تھے اور ان پر تیر برسا رہے تھے۔

شہسوار عرب عمرو بن عبدود کا قتل:

اس قدر انتظار عرب کے شایان شان نہیں تھا چنانچہ ان کی ایک جماعت نے جن میں عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ نے ایک تنگ مقام سے خندق پار کر لی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے ادھر سے حضرت علیؓ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے ان کے آنے کی جگہ پر قبضہ کر کے واپسی کا راستہ بند کر دیا چنانچہ عمرو بن عبدود نے مبارزت کے لئے للکارا۔ حضرت علیؓ مقابلہ کے لئے آگے آ گئے۔ عمرو عرب کا مشہور بہادر تھا اور شہ زور پہلوان تھا۔ ان دونوں میں پرزور ٹکر ہوئی۔ ہر ایک نے دوسرے سے بڑھ بڑھ کر وار کیے بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کر دیا، باقی مشرکین بھاگ کر خندق پار چلے گئے۔ وہ اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ بھی چھوڑ دیا۔

مشرکین کی طرف سے خندق پار کرنے کی مسلسل کوششیں اور ناکامی:

مشرکین کی طرف سے خندق عبور کرنے کی مسلسل کوششیں اور مسلمانوں کی طرف سے پیہم دفاع کئی روز تک جاری رہا مگر چونکہ دونوں فوجوں کے درمیان خندق حائل تھی اس لئے دست بدست اور خونریز جنگ کی نوبت ہی نہ آ سکی بلکہ صرف تیراندازی ہوتی رہی۔

اسی تیراندازی میں فریقین کے چند افراد بھی مارے گئے جن میں سے چھ مسلمان اور دس مشرک تھے۔ ان میں سے ایک یا دو آدمی تلوار سے قتل کیے گئے تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ کو بھی اسی

غزوہ میں تیر لگا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

بنوقریظہ کی بدعہدی' پریشانی کا ایک اور سامان:

ایک طرف مسلمان محاذ جنگ پر ان مشکلات سے دوچار تھے تو دوسری طرف سازش اور پروپیگنڈہ کے سانپ اپنے بلوں میں حرکت کر رہے تھے۔ چنانچہ بنونضیر کے مجرم اکبر ''حیی بن اخطب'' نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی سے درخواست کی کہ اب خندق کی وجہ سے ہم ناکام ہو رہے ہیں' اب ایک ہی راستہ ہے کہ تم ہمارا ساتھ دو ہم محمد ﷺ اور مسلمانوں کا صفایا کر دیں۔ ایسا موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ پہلے تو کعب انکار کرتا رہا لیکن حیی اس کو فریب دہی سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ اسے رام کر ہی لیا چنانچہ کعب نے معاہدہ توڑ دیا اور عملی طور پر یہود کے ساتھ شریک ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام' ج 2 ص)

اسی اثناء میں ایک یہودی فارع نامی قلعے (جہاں عورتیں اور بچے تھے) کے گرد چکر کاٹنے لگا تاکہ حملہ کا پروگرام بنایا جا سکے۔ اس وقت بنوقریظہ معاہدہ توڑ چکے تھے' حضرت صفیہؓ نے کمرہمت باندھی' ستون کی لکڑی لی اور قلعے سے نیچے اتر کر لکڑی سے وار کر کے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ اس کارروائی سے غالباً یہود نے سمجھا کہ ان قلعوں اور گڑھیوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے۔ اس لئے یہودیوں کو دوبارہ اِدھر آنے کی جراُت نہ ہوئی البتہ وہ بت پرست حملہ آوروں کے ساتھ اپنے اتحاد اور انضمام کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لئے انہیں مسلسل رسد پہنچاتے رہے حتیٰ کہ مسلمانوں نے ان کی رسد کے بیس اونٹوں پر قبضہ بھی کر لیا۔

مسلمان تحقیق احوال کے لئے بنوقریظہ کے پاس:

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے سعد بن معاذ' سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو حالات کی تحقیق کی غرض سے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آ کر مبہم انداز میں بتانا تاکہ لوگوں کو سمجھ نہ آ سکے اور اگر خبر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ لوگ کعب بن اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا۔ کعب نے کہا: کیسا معاہدہ اور کون محمد ﷺ؟ میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ جب واپس آئے تو رسول اکرم ﷺ سے یہ عرض کیا کہ عضل و قارہ یعنی انہوں نے بھی عضل و قارہ کی طرح غداری کی ہے۔

(سیرت ابن ہشام' ج 2۔ شرح المواہب' ج 2 ص 111)

بنوقریظہ کی بدعہدی سے آنحضرت ﷺ کو صدمہ:

رسول اللہ ﷺ کو ان کی غداری اور بدعہدی کا بہت صدمہ ہوا۔ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا' باہر کے دشمنوں کا ٹڈی دل لشکر سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا' اندرونی دشمن یعنی بنوقریظہ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ ہر شخص مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے

لئے عجب پریشانی کا وقت تھا۔ سخت سردی کی راتیں تھیں مزید یہ کہ کئی کئی دن کا فاقہ تھا۔

منافقین کا پول کھل گیا:

اسی موقع پر بعض منافقین نے بھی سر نکالا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ تو ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے جبکہ یہاں یہ حالت ہے کہ پیشاب پاخانے کے لئے نکلنے میں بھی خیر نہیں چنانچہ منافقین نے حیلے اور بہانے تراشنے شروع کئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر پس دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں' بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے ہم اس لئے اجازت چاہتے ہیں۔ وہ صرف بھاگنے کے لئے حیلے بہانے کر رہے تھے۔ (سورۃ الاحزاب' آیت 13)

نوفل بن عبداللہ کا قتل:

نوفل بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا' گھوڑے پر سوار تھا' خندق کو پھاندتے ہوئے خندق میں گر پڑا' گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ مشرکین نے اس کی لاش لینے کے لئے دس ہزار درہم کی پیشکش کی تو آپ ﷺ نے بغیر رقم لئے لاش اٹھانے کی اجازت دے دی۔
(شرح المواہب' ج 2 ص 114- سیرت النبی' ج 3)

اثناء محاصرہ میں نعیم بن مسعود کا کردار:

اثناء محاصرہ میں نعیم بن مسعود اشجعی غطفان کے ایک رئیس آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ پر ایمان لایا' میری قوم کو میرے ایمان لانے کا علم نہیں اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم تجربہ کار آدمی ہو' کرو اگر کچھ کر سکتے ہو۔ چنانچہ نعیم نے ایسی تدبیر کی کہ بنوقریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی اور بنوقریظہ' قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔
(فتح الباری' ج 7 ص 309- تاریخ طبری' ج 3 ص 50- شرح المواہب' ج 2 ص 116)

نعیم بن مسعودؓ کا حربہ کامیاب ہو گیا:

نعیمؓ کے بنوقریظہ کے ساتھ اچھے تعلقات تھے' انہوں نے کعب بن اسد سے کہا کہ تمہارا یہ اپنا علاقہ ہے تم اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتے بالفرض قریش اور غطفان کو شکست ہو جاتی ہے وہ تو چلے جائیں گے پھر تم محمد ﷺ کے رحم و کرم پر ہو گے۔ وہ چونکے اور کہنے لگے پھر کوئی حل بتایئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک قریش کے لوگ آپ کو اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں' آپ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ قریظہ نے آپ کی رائے کی تائید کی۔

پھر قریش کے پاس گئے' اُن کے ان سے بھی مراسم تھے۔ ان سے جا کر کہا کہ بنوقریظہ محمد ﷺ سے بدعہدی کر کے بڑے نادم ہیں' اب ان کے مابین یہ مراسلت ہوئی ہے کہ وہ (قریظہ) آپ لوگوں سے کچھ (افراد) یرغمال حاصل کر کے ان (محمد ﷺ) کے حوالے کریں گے' پھر آپ لوگوں کے خلاف محمد ﷺ سے اپنا معاملہ استوار کر لیں گے لہٰذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو ہرگز نہ دینا۔ پھر غطفان کے

پاس جا کر بھی یہی بات کی تو ان کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

چنانچہ قریش نے یہود کے پاس لڑنے کے لئے پیغام بھیجا تو انہوں نے آگے سے یہ جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ آج ہفتہ کا دن ہے' آج ہم حملہ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ آپ لوگ جب تک کچھ آدمی ہمیں بطور یرغمال نہ دے دیں' ہم لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ دونوں فریقوں نے کہا واللہ نعیم بن مسعود سچ کہتے تھے۔ اس طرح دونوں فریقوں کا ایک دوسرے سے باہمی اعتماد اُٹھ گیا اور ان کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور انکے حوصلے ٹوٹ گئے۔

مسلمانوں کی دعائیں قبول ہو گئیں' پانسہ پلٹ گیا:

اس دوران مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے:

اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا

"اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ فرما۔"

اور رسول اللہ ﷺ یہ دعا کر رہے تھے:

اللھم منزل الکتاب' سریع الحساب' اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم و زلزلھم

"اے اللہ! کتاب اُتارنے والے اور جلد حساب لینے والے' ان لشکروں کو شکست دے دے۔ اے اللہ! انہیں شکست دے اور انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دے۔"

(صحیح بخاری کتاب الجہاد' ج 1 ص 411' کتاب المغازی' ج 2 ص 590)

دشمن کو بھاگتے راہ نہ ملی:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور قریش اور غطفان پر ایک سخت ہوا مسلط کی کہ جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے' رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں' ہانڈیاں اُلٹ گئیں' گرد وغبار اُڑ اُڑ کر آنکھوں میں بھرنے لگا جس سے کفار کا تمام لشکر پریشان اور سراسیمہ ہو گیا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یاایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاء تکم جنود فارسلنا علیھم ریحا و جنودًا لم تروھا و کان اللہ بما تعملون بصیرا (الاحزاب: 9)

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو تم پر اس وقت ہوا جب کافروں کے بہت سے لشکر تمہارے سروں پر آ پہنچے تھے' پس اس وقت ہم نے تمہارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمہاری مدد کے لئے آسمان سے ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے تھے یعنی فرشتے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔"

حضرت حذیفہؓ دشمن کی خبر لینے گئے:

اسی سرد اور کڑکڑاتی ہوئی رات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ بن یمان کو کفار کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت حذیفہؓ ان کے محاذ میں پہنچے تو وہاں ٹھیک یہی حالت بپا تھی کہ ہوا اس قدر

تیز تھی کہ کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اتنے میں حضرت حذیفہؓ نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا کہ اے گروہ قریش! یہاں ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ ہمارے جانور ہلاک ہو گئے' بنوقریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور اس ہوا نے تو ہمیں انتہائی پریشان کر دیا ہے' چلنا پھرنا اور بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ بہتر یہ ہے کہ فوراً واپس لوٹ چلیں۔ یہ کہہ کر ابوسفیان اونٹ پر سوار ہو گیا۔

جب حضرت حذیفہؓ نے واپس آ کر ان کی روانگی کی اطلاع دی تو صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے لشکر کو عزت بخشی' اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو شکست دی چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ واپس آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختتامی الفاظ:

جب قریش واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم

(صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق' ج 2 ص 590)

''اب ہم ان پر حملہ کریں گے اور یہ کافر ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے' ہم ہی ان پر حملہ کرنے کے لئے چلیں گے۔''

یعنی کفر اب اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اب اس میں اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کر سکے اور اسلام فقط اپنا دفاع کرے بلکہ اس کے برعکس اب اسلام اتنا قوی ہو گیا ہے کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ابتداءً اقدام کرے گا اور حملہ آور ہو گا۔



غزوۂ بنی قریظہ

جس روز رسول اکرم ﷺ خندق سے واپس تشریف لائے اسی دن اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ کو بنوقریظہ سے جنگ کا حکم دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہؓ میں جنگ کی منادی کروانے کے بعد حضرت علیؓ کو جنگ کا پھریرا دے کر آگے روانہ فرما دیا' وہ بنوقریظہ کے قلعوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے گالیوں کی بوچھاڑ کر دی' مختلف ٹکڑیوں کی شکل میں اسلامی لشکر بنوقریظہ کے علاقے میں پہنچا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر بنوقریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تو یہود کے سردار کعب بن اسد نے یہود کے سامنے تین متبادل تجویزیں پیش کیں:

1- یا تو اسلام قبول کر لیں اور محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو کر اپنی جان' مال اور بال بچوں کو محفوظ کر لیں۔

2- اپنے بیوی بچوں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں' پھر تلوار لے کر نبی کی طرف نکل پڑیں اور پوری قوت سے ٹکرا جائیں اس کے بعد فتح پائیں یا سب کے سب مارے جائیں۔

3- رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر دھوکے سے ہفتے کے دن حملہ کر دیں کیونکہ انہیں اطمینان ہو گا کہ آج لڑائی نہیں ہو گی۔

ان تینوں تجاویز کو رد کرنے کے بعد ان کے پاس ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ آپ ﷺ پر چھوڑ دیں لیکن انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی صورت میں نتیجہ معلوم کرنا چاہا چنانچہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ ابولبابہ کو بھیج دیں' ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں (چونکہ یہ ان کے حلیف تھے)۔ ابولبابہؓ سے انہوں نے نتیجہ معلوم کیا' پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ انہیں قتل کریں گے۔

کافی دن ہو چکے تھے' کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا' دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں خون منجمد کر دینے والی سردی اور بھوک کی سختیاں سہہ رہے تھے۔ خندق کھودنے اور جنگ خندق کی مصروفیات کے باعث تھکاوٹ سے چور چور تھے لیکن بنوقریظہ سے جنگ درحقیقت ایک اعصابی جنگ تھی۔

ایک دن حضرت علیؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ نے پیش قدمی فرمائی اور حضرت علیؓ نے گرج کر یہ اعلان کیا کہ "میں اب یا تو حمزہ کی طرح شہید ہو جاؤں گا یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔"

حضرت علیؓ کا یہ عزم سن کر بنوقریظہ نے جلدی سے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مردوں کو باندھ دیا جائے چنانچہ انہیں باندھ دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے آپ ﷺ سے

رحم کی اپیل کی تو آپ ﷺ نے انہی کے قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کو فیصلے کا اختیار دے دیا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ سنایا کہ ''ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے' عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے اموال تقسیم کر لئے جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔'' اس کے بعد بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا گیا اور اموال کو خمس نکال کر تقسیم فرما دیا۔ عورتوں اور بچوں کو حضرت سعد بن زید انصاریؓ کی نگرانی میں نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ریحانہ بنت عمرو کو منتخب کیا۔ ابن اسحاق کے بقول وہ آپ ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کی ملکیت میں رہیں۔

یہ غزوہ ذی قعدہ 5 ہجری میں پیش آیا۔ پچیس روز تک اس کا محاصرہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ خندق اور اس غزوہ کے متعلق بہت سی آیات نازل فرمائیں۔ مومنوں اور منافقوں کے حالات بتائے اور اہل کتاب کی بدعہدی کے نتائج پر روشنی ڈالی۔

غزوہ احزاب اور غزوہ بنوقریظہ کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

البدایہ والنہایہ' ج چہارم ص 508 تا 541- الرحیق المختوم' ص 409 تا 423- تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 ص 195 تا 201- مختصر سیرۃ الرسول' ص 447 تا 463- تاریخ الاسلام والمسلمین از مسعود احمد' ص 325 تا 337- سیرت ابن ہشام' ج 2- سیرۃ المصطفیٰ' ج 2 ص 334 تا 360- شرح المواہب' ج 2 از صفحات 103 تا 137- فتح الباری' ج 7 صفحات 302 تا 316-

غزوہ احزاب اور بنوقریظہ کے متعلق جزوی تفصیلات کے لئے دیکھیں:

صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق' ج 2 ص 588- 424 باب لاتمنوا القاء العدو' 590 باب غزوۃ الخندق' 591 باب امرجع النبی من الاحزاب- عیون الاثر' ج 2 ص 55' 75' 78- طبقات ابن سعد' ج 2 ص 47' 48' 74- روض الانف از سہیلی' ج 3 ص 189' ج 2 ص 87' 93' 191- تاریخ طبری' ج 3 ص 50' 568' 573' 574- مسند احمد بن حنبل' ج 3 ص 103- شرح السیر الکبیر از سرخسی' ج 3 ص 312 تا 323- الاستیعاب' ج 2 ص 32- مدارج النبوۃ' ج 2 ص 162-



صلح حدیبیہ

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں اس نام سے آباد ہے۔ یہ گاؤں مکہ سے 9 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

حدیبیہ روانگی کا پس منظر:

رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے کچھ اصحابؓ مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے بعض اصحاب نے سر منڈایا اور بعض نے کترایا۔

بروز سوموار یکم ذی قعدہ 6 ہجری رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ تقریباً پندرہ سو مہاجرین و انصار آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کے لئے قلادہ ڈالا اور شعار کیا اور عمرہ کا احرام باندھا اور بسر بن سفیان کو مخبر بنا کر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ کیا چونکہ ارادہ جنگ کا نہ تھا' اس لئے کسی قسم کا سامان حرب اور اسلحہ ساتھ نہیں لیا' صرف اتنے ہتھیار ساتھ رکھے جتنا کہ مسافر کے لئے ضروری ہیں اور وہ بھی نیام میں۔ (فتح الباری' ج 5 ص 24 کتاب الشروط- طبقات ابن سعد' ج 2 ص 95)

آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر پاتے ہی لشکر جمع کیا ہے' آپ ﷺ نے فوراً وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستے سے نکل کر مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے۔

سفیر رسول ﷺ کی حدیبیہ سے مکہ روانگی:

حدیبیہ میں قیام کے بعد آپ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی کو اہل مکہ کے پاس یہ خبر دینے کے لئے روانہ کیا کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں' جنگ کے لئے نہیں مگر اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور وہ بچ بچا کر آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔

حضرت عثمانؓ کا مکہ روانہ ہونا:

پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ابوسفیان اور دیگر روسا کو ہمارا پیغام پہنچا دو کہ ہم صرف عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں چنانچہ حضرت عثمانؓ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ آپ اس سال تو مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے اور حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا گیا' ادھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان غنیؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔

بیعت رضوان:

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں ان سے عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لوں گا' یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔ وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جس

کے سایہ میں فروکش تھے' بیعت لینی شروع کر دی۔ جب بیعت سے فارغ ہوئے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔

(صحیح بخاری باب غزوۃ الحدیبیہ' ج 2 ص 599)

اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی۔ قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے اور صلح کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔ (فتح الباری' ج 7 ص 345)

قریش کی صلح کے لئے سفارت:

عروہ بن مسعود قریش کی جانب سے گفتگو کے لئے حاضر ہوئے۔ عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ کی حسن عقیدت اور صدق اخلاص کا ایسا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ جو ان سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ صحابہؓ آپ ﷺ کے حکم کو فوراً بجا لاتے ہیں' آپ ﷺ کی لعاب دہن کو زمین پر گرنے نہیں دیتے ہاتھوں ہاتھ لے کر چہروں پر مل لیتے ہیں۔ جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو پانی کا قطرہ نیچے گرنے نہیں دیتے۔ آپ ﷺ بولتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

عروہ جب آپ ﷺ کے پاس سے واپس ہوئے تو قریش سے جا کر کہا:

''اے قوم! واللہ میں نے قیصر و کسریٰ' نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر خدا کی قسم عقیدت و محبت اور تعظیم و جلال کا عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا۔'' اور کہا: ''میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد ﷺ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ بادشاہ معلوم نہیں ہوتے۔''

(شرح المواہب' ج 2 ص 192)

بعد ازاں قریش کی طرف سے مکرز بن حفص آیا' مکرز ابھی آپ ﷺ سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھ کر صحابہؓ سے فرمایا: ''اب تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا ہے۔''

(شرح المواہب' ج 2 ص 194)

اور فرمایا کہ قریش اب صلح کی طرف مائل ہو گئے ہیں' انہوں نے اس شخص کو صلح کے لئے بھیجا ہے۔ سہیل سے دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی بالآخر حضرت علیؓ کو شرائط صلح لکھنے کا حکم دیا۔

(صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ' ج 2 ص 102)

شرائط صلح:

شرائط صلح حسب ذیل تھیں:

1- دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔

2- قریش میں سے جو شخص اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے

گا اگر چہ وہ مسلمان ہی ہو کر جائے۔

3۔ جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آ جائے تو اسے واپس نہ دیا جائے گا۔

4۔ اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اُٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

5۔ محمد ﷺ اس سال عمرہ کئے بغیر مدینہ واپس ہو جائیں اور مکہ میں داخل نہ ہوں۔ آئندہ سال صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں۔ تلواروں کے بغیر کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور تلواریں بھی نیام یا غلاف میں ہوں گی۔

6۔ قبائل متحدہ کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں۔

(شرح المواہب' ج 2 ص 197)

ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد' ج 2 ص 71- فتح الباری' ج 5 ص 245 تا 256 کتاب الشروط)

پھر آپ ﷺ نے قربانی کی' سر منڈوایا۔ آپ ﷺ کی دیکھا دیکھی صحابہؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔

حدیبیہ سے واپسی اور سورۃ الفتح کا نزول:

تقریباً دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پہنچے تو سورۂ فتح نازل ہوئی: انا فتحنا لک فتحا مبینا. آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ سورت سنائی۔ صحابہؓ نے ازراہ تعجب پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ فتح ہے؟ تو آپ ﷺ نے قسم اُٹھا کر فرمایا: یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (مسند احمد بن حنبل' ج 1 ص 391)

صلح حدیبیہ کے فوائد:

اس صلح کی وجہ سے لڑائی ختم ہوئی تو امن قائم ہو گیا۔ جو لوگ اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے وہ اعلانیہ طور پر اسلام کے احکام بجالانے لگے۔ آپس کی منافرت اور کیشدگی دور ہوئی' بات چیت کا موقع ملا' اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرہ کی نوبت آئی۔ قرآن کریم کو سنا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ابتدائے بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوئے۔

(فتح الباری' ج 5 ص 256- شرح المواہب' ج 2 ص 210)

صلح حدیبیہ کی مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

البدایہ والنہایہ' ج چہارم ص 581 تا 593- مختصر سیرۃ الرسول' ص 472 تا 488- سیرۃ المصطفیٰ' ج 2 ص 377 تا 406- الرحیق المختوم' ص 459 تا 474- سیرت ابن ہشام' ج 2- تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 ص 204 تا 212- تاریخ الاسلام والمسلمین' ص 396 تا 411)



دوسرا مرحلہ...... نئی تبدیلی

اشاعت اسلام کی بین الاقوامی کوششیں

بادشاہان عالم کے نام دعوت اسلام پر مبنی خطوط:

صلح حدیبیہ سے قبل تک عرب کی مخالفت کی وجہ سے دعوت اسلام اور تبلیغ احکام کا دروازہ بند تھا۔ اس صلح نے اس دروازہ کو کھول دیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے تمام بندوں تک پہنچا دیا جائے' اب رسول اکرم ﷺ نے حدیبیہ سے واپس ہو کر ماہ ذی الحج 7 ہجری میں بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا قصد فرمایا' صحابہ کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں پوری انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تمام دنیا کو یہ پیغام پہنچا دوں۔ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا کہ اگر قریب بھیجنے کو کہا تو راضی ہو گئے اور اگر کہیں دور جانے کا حکم دیا تو زمین پر بوجھل ہو کر بیٹھ گئے۔''

نیز صحابہؓ نے آپ ﷺ کو مہر بنانے کا مشورہ دیا کیونکہ سلاطین و امراء بغیر مہر خط کو ناقابل وثوق سمجھتے تھے بلکہ پڑھتے تک نہیں تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مہر کندہ کرائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور نگینہ بھی چاندی کا ہی تھا مگر صنعت حبشہ کی تھی اور ''محمد رسول اللہ'' اس مہر پر کندہ تھا اور سلاطین و امراء کے نام خطوط روانہ فرمائے۔ انہیں حق کی دعوت دی اور اس سے آگاہ کیا کہ رعایا کی گمراہی کی تمام تر ذمہ داری تم پر عائد ہے۔

قیصر روم کی طرف نامہ مبارک:

تمام خطوط کا مضمون تقریباً ایک ہی تھا' ان میں لکھا تھا کہ اسلام کو قبول کر لے اس کی وجہ سے تجھے سلامتی ملے گی۔ اگر اسلام سے روگردانی کی تو اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا اور رعایا کے گناہوں کا بوجھ بھی تجھ پر ہو گا۔

قیصر کی طرف خط دے کر دحیہ کلبیؓ کو بھیجا گیا۔ قیصر نے دحیہ سے خط لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور بوسہ دیا اور کہا کہ کل جواب دوں گا۔ پھر اس نے وہاں پر آئے قریش کے تجارتی وفد کو اپنے دربار میں بلایا جس نے ابوسفیان کو گفتگو کے لئے حکم دیا اور پھر ابوسفیان سے کچھ سوال و جواب کئے۔ نبی ﷺ کی صداقت کا یقین کر لینے کے باوجود اس نے یہ کہہ کر اسلام لانے سے انکار کر دیا کہ اگر میں اسلام لاؤں تو میری سلطنت جاتی رہے گی اور روم کے لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ اگر قیصر روم اسلام لے آتا تو اس کی دنیا و آخرت سنور جاتی۔ (فتح الباری' ج 1 ص 34)

کسریٰ ایران کے نام خط:

خسرو پرویز کسریٰ شاہ ایران کی طرف خط دے کر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو روانہ فرمایا۔ کسریٰ آپ ﷺ کا خط دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور خط کو چاک کر ڈالا اور کہنے لگا کہ یہ شخص مجھے یہ خط لکھتا ہے کہ "مجھ پر ایمان لاؤ" حالانکہ یہ شخص میرا غلام ہے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے آ کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ ہو گیا۔

اس نے دو آدمیوں کو آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا' خط سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور دونوں کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کل آنا۔ جب یہ صبح حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات فلاں وقت اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا۔ اس نے کسریٰ کو قتل کر ڈالا اور فرمایا باذان کو جا کر اطلاع دے دو کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی سلطنت پہنچی ہے۔ باذان نے یہ سن کر کہا کہ یہ بات بادشاہوں کی سی نہیں۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو خدا کی قسم بلاشبہ وہ نبی ہیں چنانچہ اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو باذان مع اپنے خاندان' رفقاء اور احباب مسلمان ہو گیا اور اپنے اسلام سے آنحضرت ﷺ کو مطلع کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ' ج 4 ص 692)

نجاشی شاہ حبشہ کے نام خط:

نجاشی شاہ حبشہ کے نام نامہ مبارک دے کر حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا۔ نجاشی نے جواباً کہا کہ "میں گواہی دیتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی نبی اُمی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کرتے تھے" اور کہا کہ "مجھے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اس درجہ یقین ہے کہ عینی مشاہدہ کے بعد بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہو گا۔" اور آپ ﷺ کے خط کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام قبول کیا اور حق کی شہادت دی اور جواباً بہت اچھے انداز میں خط لکھا۔

(شرح المواہب' ج 3 ص 346)

شاہ مصر مقوقس کے نام پیغام:

مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام خط دے کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کو روانہ کیا گیا۔ شاہ مقوقس نے بڑی توقیر و عظمت کے ساتھ آپ ﷺ کے خط کو لیا اور پڑھا اور حاطب ؓ کی آؤ بھگت کی اور جواباً خط بھی لکھا اور بطور ہدیہ ماریہ قبطیہ نامی کنیز بھیجی' دوسری کنیز سیرین نامی تھی جو حضرت حسان ؓ کو دے دی گئی اور دلدل نامی ایک خچر بھیجی۔ (الخصائص الکبریٰ' ج 2 ص 12- شرح المواہب' ج 3 ص 348)

شاہ بحرین کی طرف خط:

منذر بن ساویٰ شاہ بحرین کے نام خط دے کر علاء بن الحضرمی ؓ کو روانہ کیا گیا۔ منذر خط پڑھ کر مشرف باسلام ہوا اور آپ ﷺ کے نام جوابی خط لکھا جس میں کچھ مسائل پوچھے تو آپ ﷺ نے پھر جواباً منذر کو اس کے سوالوں کے جواب لکھوا کر ارسال کئے۔

شاہ عمان کی طرف دعوت نامہ:

شاہ عمان کی طرف دعوت نامہ دے کر حضرت عمرو بن العاصؓ کو روانہ کیا گیا۔ شاہ عمان جلندی بہت بوڑھا ہو چکا تھا چنانچہ عملاً اس کے دو بیٹے عبد اور جیفر حکمران تھے۔ انہوں نے حضرت عمروؓ کی بہت توقیر و تعظیم کی اور دو روز کے تامل کے بعد دونوں نے قبول اسلام کا اعلان کر دیا اور بہت سے لوگ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد' ج 1 ص 18- شرح المواہب' ج 3 ص 353- زاد المعاد' ج 3 ص 62- ہدایۃ الحیاریٰ' ص 34)

رئیس یمامہ کے نام خط:

رئیس یمامہ ہوذہ بن علی کے نام نامہ مبارک لے کر سلیط بن عمروؓ روانہ ہوئے' ہوذہ نے آپ ﷺ کا خط نہایت احترام سے پڑھا اور حضرت سلیطؓ کی بہت عزت کی۔ پھر جواباً خط لکھا کہ "جس چیز کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے ہیں وہ بہت بہتر ہے۔ عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے ڈرتے ہیں' آپ ﷺ مجھے کچھ اختیار دے دیجئے تو میں آپ ﷺ کی اتباع کروں گا۔"

اور چلتے وقت اس نے حضرت سلیطؓ کو ہدیہ دیا اور کچھ ہجر کے بنے ہوئے کپڑے بھی دیئے لیکن اسلام نہ لایا۔

امیر دمشق کی طرف دعوت اسلام کا خط:

امیر دمشق حارث غسانی کی طرف شجاع بن وہب اسدیؓ کو خط دے کر روانہ کیا' پہلے تو حارث بہت برہم ہوا اور آپ ﷺ کا خط پھینک دیا اور کہنے لگا کہ وہ کون شخص ہے جو مجھ سے میری سلطنت چھینے گا' میں خود اس کی طرف جانے والا ہوں اور گھوڑوں کی نعل بندی کا حکم دے دیا اور اس مضمون کا ایک خط قیصر کے نام روانہ کیا۔ قیصر روم کا جواب آیا کہ اپنا ارادہ ملتوی کر دو۔ قیصر کا جواب آنے کے بعد حارث نے حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو بلایا اور سو مثقال سونا بطور ہدیہ پیش کیا۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 94- شرح المواہب' ج 3 ص 356)

شاہان عالم کے نام ارسال کردہ خطوط اس بات کی صریحاً دلیل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت فقط عرب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عرب و عجم' جن و انس' یہود و نصاریٰ اور مشرکین و مجوس سب کے لئے ہے۔



غزوۂ خیبر

خیبر مدینے سے شام کی جانب تین منزل پر ایک مقام ہے۔ یہ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا۔ آبادی کے گرداگرد مستحکم قلعے بنائے ہوئے تھے۔

غزوۂ خیبر کا پس منظر:

نبی اکرم ﷺ کو حدیبیہ سے واپس ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ سننے میں آیا کہ خیبر کے یہودی پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور جنگ احزاب کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی کھوئی جنگی عزت وقوت کو ملک بھر میں بحال کرنے کے لئے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔ انہوں نے قبیلہ بنوغطفان کے چار ہزار جنگجو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ اگر مدینہ فتح ہو گیا تو خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ ہمیشہ بنوغطفان کو دیتے رہیں گے۔

(فتح الباری' ج 7 ص 356- شرح المواہب' ج 2 ص 217)

غزوۂ احزاب میں دشمنان اسلام نے جو مدینے کا محاصرہ کئے رکھا تھا' مسلمان ابھی تک اس کی سختی کو نہیں بھولے تھے چنانچہ سب مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ اس حملہ آور دشمن کو آگے بڑھ کر لینا چاہئے۔ (رحمۃ للعالمین بحوالہ طبقات کبیر ابن سعد' ص 7)

لشکر کی روانگی:

رسول اکرم ﷺ نے اس غزوہ میں صرف انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی تھی جو لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ الخ کی بشارت سے ممتاز تھے۔ ان کی تعداد چودہ سو تھی جن میں دو گھڑ سوار تھے۔

جنگی حکمت عملی:

چونکہ آپ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ غطفان نے خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لئے لشکر جمع کیا ہے اس لئے آپ ﷺ نے مدینہ سے چل کر خیبر اور غطفان میں رجیع کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تاکہ غطفان کا لشکر آپ ﷺ سے مرعوب ہو کر یہود خیبر کی مدد نہ کر سکے چنانچہ جب غطفانیوں کو یہ معلوم ہوا تو چپ چاپ واپس چلے گئے۔ (سیرت النبی' ج 2 ص 380)

جب آپ ﷺ خیبر کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے صبح کا انتظار فرمایا' جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ صبح ہوتے ہی یہود کدال اور پھاوڑے لے کر اپنے کام کاج کیلئے نکلے لیکن آپ ﷺ کے لشکر کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ اپنی فوج سمیت آ گئے ہیں تو آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر دعا کیلئے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 53)

اہل خیبر کی دفاعی حکمت عملی:

رسول اکرم ﷺ کا بڑا کیمپ خیبر کے باہر نصب کیا گیا اور فرمایا کہ حملہ آور افواج کے دستے یہیں سے جایا کریں گے۔ وہیں ایک مسجد تعمیر کر کے تبلیغی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اس بڑے کیمپ کے ذمہ دار افسر حضرت عثمانؓ مقرر کیے گئے۔

اہل خیبر نے اپنی دفاعی حکمت عملی کے تحت خیبر کی آبادی کے آس پاس دس قلعے تعمیر کیے ہوئے تھے جن کے اندر دس ہزار جنگی افراد رہتے تھے۔ ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں' ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

-1 قلعہ ناعم　　　-2 قلعہ نطاۃ
-3 حصن صعب بن معاذ　　　-4 حصن الزبیر

یہ چاروں قلعے (حصون) نطاۃ کے نام سے نامزد تھے۔

-5 حصن شن　　　-6 حصن البر
-7 حصن ابی

یہ تینوں قلعے شن کے نام سے نامزد تھے۔

-8 حصن قموص طبری
-9 حصن وطیح
-10 حصن سلام یا حصن بنی الحقیق بھی کہتے ہیں۔

واقعات جنگ:

محمود بن مسلمہ کو حملہ آور فوج کا سردار بنا دیا گیا تھا اور انہوں نے قلعہ نطاۃ پر جنگ کا آغاز کیا۔ نبی اکرم ﷺ خود بھی جنگ میں شریک تھے' پانچ روز تک حملہ جاری رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ ا[...] کے بھائی محمد بن مسلمہؓ نے نخلستان کی کھجوریں کاٹنے کا مشورہ دیا تا کہ انہیں دکھ پہنچے اور یہ یہودی با[...] کر لڑیں۔ کچھ کھجوریں کاٹ دیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے رسول اکرم ﷺ سے التماس کیا کہ یہ علا[...] بالآخر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے گا تو خود ہی اپنا نقصان کیوں کریں؟ رسول اکرم ﷺ نے ا[...] رائے کو پسند فرمایا اور حکم امتناعی جاری فرما دیا۔ (عیون الاثرؒ ج 2 ص 132)

محمود بن مسلمہ قلعہ کی دیوار کے سائے میں کچھ دیر ستانے کے لئے بیٹھے تو یہود نے پتھر ما[...] انہیں شہید کر دیا۔ محمد بن مسلمہ نے حضور ﷺ کو اپنے بھائی کی مظلومانہ شہادت کا قصہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل فوج کا علم اس شخص کو دیا جائے گا جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ محبت کرتے [...] اور اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔ یہ ایسی تعریف تھی جسے سن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے روز فوج [...] کمان ملنے کی اُمید کرنے لگے۔

ایک یہودی سے جنگی راز مل گئے:

اس رات لشکر کی حفاظت حضرت عمرؓ کے سپرد تھی۔ انہوں نے راؤنڈ لگاتے ہوئے ایک یہودی کو گرفتار کر لیا اور اسی وقت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس یہودی سے گفتگو ہوئی' یہودی نے عرض کی اگر اسے اپنی اور اپنے بچوں کی جان کی امان عطا ہو تو وہ بہت سے جنگی راز بتا سکتا ہے۔ امان کا وعدہ ملنے کے بعد اس نے بتایا کہ نطاۃ کے یہودی آج کی رات اپنے بچوں اور عورتوں کو قلعہ شق میں بھیج رہے ہیں اور نقد وجنس کو قلعہ نطاۃ کے اندر دفن کر رہے ہیں۔ مجھے وہ مقام معلوم ہے' قلعہ کی فتح مندی کے بعد میں وہ جگہ بتا دوں گا۔ قلعہ شق کے تہہ خانوں میں قلعہ شکنی کے بہت سے آلات منجنیق وغیرہ موجود ہیں۔ قلعہ شق کی فتح کے بعد میں وہ بھی بتا دوں گا۔

حضرت علیؓ کے ہاتھوں خیبر کی فتح:

صبح ہوئی تو پورا لشکر جمع ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یاد فرمایا۔ بتایا گیا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے بلا کر ان کی آنکھوں پر لب لگایا تو تمام درد جاتی رہی۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو علم دیا گیا تو انہوں نے قلعہ ناعم پر جنگ کی طرح ڈالی۔ مقابلہ کے لئے قلعہ کا مشہور سردار مرحب رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا آگے بڑھا' یہ ایک ہزار بہادروں کے برابر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے پر پہلے حضرت عامر آئے لیکن وہ اپنی ہی تلوار لگنے سے شہید ہو گئے۔ پھر حضرت علیؓ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے میدان میں اُترے۔

حضرت علیؓ نے ایک ہی ہاتھ تلوار کا ایسا لگایا کہ مرحب کے آہنی خود کو کاٹتا' عمامہ کو قطع کرتا اور سر کے دو ٹکڑے بناتا ہوا گردن تک جا پہنچا۔

پھر مرحب کا بھائی یاسر نکلا تو اسے حضرت زبیر بن العوامؓ نے خاک میں سلا دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کے عام حملہ سے قلعہ ناعم فتح ہو گیا۔ ادھر تیسرے روز حباب بن المنذر نے قلعہ صعب کو فتح کر لیا۔ قلعہ صعب سے مسلمانوں کو جو' کھجور' چھوہارے' مکھن' روغن' چربی اور کپڑوں کی کثیر مقدار ملی۔ اس سے فوجیوں کی قلت رسد کی کمی دور ہو گئی اور اس قلعہ سے قلعہ شکن آلات بھی برآمد ہوئے جس کی خبر یہودی جاسوس دے چکا تھا اور اس سے اگلے روز قلعہ نطاۃ فتح ہو گیا۔ اب پہاڑ کی چوٹی پر واقع قلعہ زبیر پر حملہ کیا گیا۔ دو روز کے بعد ایک یہودی لشکر اسلام میں آیا اس نے کہا اس قلعے کی کامیابی کے لئے حل یہ ہے کہ قلعے میں جانے والا چشمے کا پانی کاٹ دیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ اب اہل قلعہ کھلے میدان میں آ کر لڑے چنانچہ مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر قلعہ فتح کر لیا۔

پھر حصن ابی پر حملہ شروع ہوا۔ اہل قلعہ نے سخت مدافعت کی چند یہودی یکے بعد دیگرے مبارزت کے لئے نکلے' مسلمانوں نے انہیں قتل کر دیا۔ یہودیوں پر رعب طاری ہو گیا آخر ابو دجانہ آگے بڑھے' صحابہ نے ساتھ دیا قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے۔ اہل قلعہ بھاگ گئے۔ اس قلعہ سے بکریاں' کپڑے اور بہت سا مال و اسباب ملا۔

اب مسلمانوں نے حصن البر پر حملہ کر دیا یہاں تک قلعہ نشینوں نے اتنے تیر اور پتھر برسائے کہ یہاں پر مسلمانوں کو منجنیق کا استعمال کرنا پڑا چنانچہ قلعہ کی دیواریں گرائی گئیں اور یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔

یہ تفصیل کچھ ردوبدل کے ساتھ رحمتہ للعالمین' ج 1 ص 187 تا 190 سے لی گئی ہے۔

غزوہ خیبر کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

مختصر السیرہ اُردو' ص 488 تا 499- البدایہ والنہایہ' ج چہارم ص 600 تا 626- تاریخ الاسلام والمسلمین' از صفحات 419 تا 430- سیرت ابن ہشام- تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 از صفحات 212 تا 217- الرحیق المختوم' ص 497 تا 512- سیرۃ المصطفیٰ' ج 2 ص 449 تا 470- طبقات ابن سعد' ج 2 ص 111- زادالمعاد' ج 3 ص 322- الکامل لابن اثیر' ج 2 ص 83- سیرت حلبیہ' ج 2 ص 164- عون المعبود' ج 3 ص 120- ابوداؤد' ج 2 ص 128- شرح معانی الآثار' ج 1 ص 316- روض الانف' ج 2 ص 246)



فتح مکہ یا غزوۃ الفتح الاعظم

فتح مکہ کا پس منظر:

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا تو اس میں دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس کے عہد میں چاہیں شامل ہو جائیں چنانچہ بنوبکر قریش کے عہد میں اور بنوخزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شامل ہو گئے تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں زمانہ جاہلیت سے ان بن چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر خزاعہ کی سرزمین میں داخل ہوا خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بنوبکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنوخزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنوبکر کے تین سرداروں ذویب' سلمٰی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

زمانہ جاہلیت سے زمانہ بعثت تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ ظہور اسلام کے بعد اسلامی معاملات میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے یہ سلسلہ رُک گیا۔

حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے۔ بنوبکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا چنانچہ بنوبکر میں سے نوفل بن معاویہ نے اپنے ہمراہیوں سمیت خزاعہ پر شب خون مارا' رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سو رہے تھے جس کا نام وتیر تھا۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ' شیبہ بن عثمان' سہیل بن عمرو' حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنوبکر کی امداد کی' خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو یہاں بھی قتل کرنے سے گریز نہ کیا گیا۔

قریش نے بنوبکر کی ہر طرح سے امداد کی' ہتھیار بھی دیئے اور لڑنے کے لئے آدمی بھی۔ خزاعہ کے لوگ مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے مگر بنوبکر اور رؤسا قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور لوٹا اور یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہو گی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور یہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا' اسے ہم نے اپنی غلطی سے توڑ ڈالا۔

عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے ساری صورتحال پیش کی تو آپ ﷺ نے ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد یہ وفد واپس ہو گیا اور آپ ﷺ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا کہ ان کو یہ پیام پہنچا دے کہ تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لیں:

-1 خزاعہ کے مقتولین کی دیت دے دی جائے۔

-2 بنو نفاثہ (جنہوں نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تھا) کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

-3 معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب یہ پیام دیا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ تو خزاعہ کے مقتولوں کی دیت دیں گے' نہ بنو نفاثہ سے اپنے تعلقات منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے فسخ پر ہم راضی ہیں لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابوسفیان کو تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا گیا۔

(فتح الباری' ج 8 ص 4- شرح مواہب اللدنیہ' ج 2 ص 292)

تجدید معاہدہ کیلئے ابوسفیان کی مدینہ روانگی:

ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابوبکرؓ کے پاس گیا' مایوس ہوا۔ پھر عمرؓ کے پاس گیا اور مایوس ہوا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے پاس گیا' انہوں نے بھی کوئی حامی نہ بھری البتہ یہ مشورہ دیا کہ مسجد میں اعلان کر دے چنانچہ اس نے مسجد میں بلند آواز سے پکار کر کہا کہ میں تجدید معاہدہ اور صلح کی مدت بڑھانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر مکہ چل پڑا۔ مکے جا کر جب صورتحال بتائی تو انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ کی بغیر رضامندی اور اجازت کے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے ہو' محض لغو اور بے کار چیز لے کر آئے ہو جس کا توڑنا ان پر کچھ دشوار نہیں' تو نہ تو صلح کی خبر لے کر آیا ہے کہ جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔

رسول اکرم ﷺ کا صحابہ کو مکہ کی روانگی کی تاکید کرنا:

ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری' سامان سفر اور آلات حرب درست کرنے کا حکم دے دیا لیکن اسے پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی اور آس پاس کے قبائل میں بھی کہلا بھیجا کہ تیار ہو جائیں۔ (شرح المواہب' ج 2 ص 293)

مدینہ منورہ سے روانگی:

آنحضرت ﷺ دس رمضان المبارک کو دس ہزار افراد کے ساتھ بعد از نماز عصر مکہ کے ارادے سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ (صحیح بخاری باب غزوۃ الفتح فی رمضان' ج 2 ص 612)

راستے میں ذوالحلیفہ یا جحفہ کے مقام پر حضرت عباسؓ مدینہ جاتے ہوئے ملے۔ انہوں نے سامان اور اہل و عیال کو مدینہ بھیج دیا تھا' خود آپ ﷺ کے ساتھ ہو لئے۔ مقام ابواء میں آپ ﷺ کے چچا زاد ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی زاد عبداللہ بن ابو امیہ ملے۔ انہوں نے اسلام لانے کی خواہش کی' بڑی مشکل سے آپ ﷺ نے ان کی طرف توجہ کی خیر بعد میں ان کا اسلام اچھا رہا۔

(شرح مواہب' ج 2 ص 300 تا 302)

آنحضرت ﷺ جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اس وقت آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ روزہ سے تھے۔ مقام کدید میں پہنچ کر صحابہؓ کی مشقت کے خیال سے آپ ﷺ نے روزہ افطار فرمایا چنانچہ صحابہؓ نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء میں روزہ توڑ دیا۔ (صحیح بخاری' ج 2 ص 612)

مرالظہران میں لشکر کا قیام:

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپ ﷺ مرالظہران میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمے کے سامنے آگ سلگائے۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ لشکروں میں آگ روشن کیا کرتے تھے۔ اسی کے موافق آپ ﷺ نے حکم دیا۔ جب قریش مکہ کو آپ ﷺ کے لشکر کی آمد معلوم ہوئی تو ابوسفیان بن حرب' بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کو خبر لینے کی غرض سے مکہ سے نکلے۔ جب مرالظہران کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا اور گھبرا گئے رسول اللہ ﷺ کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت عباسؓ جو رسول اللہ ﷺ کے خچر پر لشکر کا گشت کر رہے تھے ادھر آ نکلے ابوسفیان کی چوکیداروں سے گفتگو کی آواز پہچان کر فرمایا: افسوس اے ابوسفیان' یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم فتح یابی کی شکل میں تیری گردن اڑا دیں گے اور قریش کی اسی میں بہتری ہے کہ آپ سے امن کا مطالبہ کر دیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ ابوسفیان حضرت عباسؓ کی آواز سن کر اسی سمت چل پڑے اور ان سے مل کر پوچھا کہ پھر بچنے کی صورت کیا ہے؟

ابوسفیان بارگاہ نبوت میں:

پھر حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے فرمایا کہ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جا' میں تجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تاکہ تیرے لئے امن حاصل کروں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لشکر اسلام دکھاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عباسؓ اسے اپنے خیمے میں لے جاؤ' صبح میرے پاس لانا۔ ابوسفیان تو شب بھر حضرت عباسؓ کے خیمے میں رہے جبکہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اس وقت خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔

ابوسفیان کا اسلام لانا:

صبح ہوتے ہی حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوسفیان! افسوس ہے کیا ابھی تیرے لئے وقت نہیں آیا کہ تو مجھے اللہ کا رسول مانے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں' آپ ﷺ کس قدر حلیم ہیں باوجود میری دشمنی کے اظہار کے ابھی تک مجھ پر مہربان ہیں۔ مجھے اسی میں ذرا تردد ہے کہ آپ ﷺ نبی ہیں یا نہیں۔

بعدازاں حضرت عباسؓ کے سمجھانے پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضرت عباسؓ نے

التماس کیا کہ ابوسفیان سردار آدمی ہے اس کی عزت و شرف کے لئے کوئی خصوصی امتیاز کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے۔'' اس نے مزید کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حرم میں داخل ہونے والے کے لئے امن ہے۔ اس نے مزید عنایت کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اور جو ہتھیار ڈال دے اسے بھی امن ہے۔

ابوسفیانؓ کو لشکر اسلام کا نظارہ کروایا گیا:

آنحضرت ﷺ جب مرالظہران سے روانہ ہونے لگے تو حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہو جائیں تاکہ یہ لشکر اسلام کو بخوبی دیکھ سکے چنانچہ یکے بعد دیگرے جب قبائل جوق در جوق گزرنے لگے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ ''تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہو گیا ہے۔'' جو قبیلہ سامنے سے گزرتا تھا' ابوسفیان پوچھتا جاتا تھا کہ یہ کون سا قبیلہ ہے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید تقریباً ایک ہزار کے دستے کے ساتھ گزرے' پھر مختلف دستے گزرتے گئے تا آنکہ اخیر میں آنحضرت ﷺ مہاجرین و انصار کے زرہ پوش و مسلح گروہ کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے۔ مہاجرین کا علم حضرت زبیرؓ جبکہ انصار کا حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ سعد بن عبادہؓ جب گزرے تو ابوسفیان کو دیکھ کر جوشیلے ہو گئے اور جوش میں یہ کہہ بیٹھے:

اليوم يوم الملحمه اليوم تستحل الكعبة

''آج لڑائی کا دن ہے آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہو گا۔''

ابوسفیانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا تو فرمایا: سعد نے غلط کہا: ''آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔''

ابوسفیانؓ کا مکہ میں اعلان:

ابوسفیان آپ ﷺ سے رخصت ہوا اور عجلت سے مکہ واپس آ گیا اور اس نے باآواز بلند یہ اعلان کیا: ''محمد ﷺ لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں' میری رائے میں کسی میں ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے لہٰذا اسلام لے آؤ' بچ جاؤ گے البتہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے یا پھر جو شخص اپنا دروازہ بند کرے یا ہتھیار ڈال دے اسے بھی امن ہے۔''

ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کی مونچھ پکڑ لی اور کہا: یہ بے وقوف ہو گیا ہے۔ پھر اسے گالیاں دیں۔ لوگ جمع ہو گئے۔ ابوسفیانؓ نے کہا: اب وقت ان باتوں سے کچھ نہیں ہو گا۔ میں تمہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ اعلان سنتے ہی لوگ بھاگے' کوئی مسجد حرام کی طرف تو کوئی اپنے گھر کی طرف بھاگا۔

خاتم الرسل کا مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخلہ:

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کداء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مکہ میں داخل

ہوتے وقت آنحضرت ﷺ نے کعبۃ اللہ کے ادب و احترام کو حد درجہ ملحوظ رکھا۔ تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے اور آپ ﷺ خوش الحانی کے ساتھ سورہ انا فتحنا پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کے خادم اور خادم زادہ اسامہ بن زیدؓ آپ کے ردیف تھے۔

(بخاری باب دخول النبی ﷺ من اعلیٰ مکہ' ج 2 ص 614- الحاکم' ج 3 ص 47)

جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اوّل اُم ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔

(صحیح بخاری' باب منزل النبی ﷺ' ج 2 ص 614)

شعب ابی طالب میں نصب خیمہ میں قیام:

نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے سوشل بائیکاٹ کیا تھا۔ (شرح المواہب' ج 2 ص 324- فتح الباری' ج 8 ص 16)

بیت الحرام میں آمد:

فتح کے بعد آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا' خانہ کعبہ میں اس وقت تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ پڑھتے جاتے تھے:

جاء الحق و زھق الباطل

اور بت منہ کے بل اوندھے گر جاتے تھے۔ (الخصائص الکبریٰ' ج 1 ص 264)

بیت اللہ کے اندر سے تصویریں مٹا دی گئیں:

آپ ﷺ حرم میں داخل ہوئے تو ناقہ پر سوار تھے اسی حالت میں طواف فرمایا۔ طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ کو کھلوایا۔ دیکھا کہ اس میں تصویریں ہیں' ان سب کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر ان کو مٹانے کے بعد آب زم زم سے دھو دیا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ (شرح مواہب اللدنیہ' ج 2 ص 334)

باب کعبہ پہ خطاب نبوت:

آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے دیکھا کہ مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ یہ سب منتظر ہیں کہ مجرموں اور دشمنوں کے متعلق کیا حکم دیا جاتا ہے۔ یہ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ تھی۔ آپ ﷺ باب کعبہ پر کھڑے ہوئے اور چابی آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ "اے قریش! میری نسبت کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟"

لوگوں نے کہا: بھلائی کا کیونکہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ تو آپ

ﷺ نے فرمایا: ''میں آج تمہیں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا' تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

بیت اللہ کی حجابت اور زمزم کی سقایت:

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ مسجد میں بیٹھ گئے اور بیت اللہ کی کنجی آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کنجی ہمیں عطا فرما دیجئے تاکہ زمزم کی سقایت کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی حجابت یعنی دربانی کا شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (النساء: 58)

آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی عطا فرمائی اور فرمایا کہ ''یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو۔ یہ میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ نے تمہیں دلائی ہے سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہیں چھین سکے گا۔''

حضرت بلالؓ نے نام خدا کو بلند کیا:

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیں۔ قریش مکہ دین حق کی فتح مبین کا یہ عجیب و غریب منظر پہاڑوں کی چوٹیوں سے دیکھ رہے تھے جو یہ منظر نہ دیکھ سکے وہ روپوش ہو گئے۔

ابو محذورہؓ کی بطور مؤذن کعبہ تقرری:

جب حضرت بلال نے اذان دی تو ابو محذورہ جمحی اور ان کے چند نوجوان ساتھی ان کے ساتھ بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔ ابو محذورہؓ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ان سے اذان سنی۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے سنائی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں ایک تھیلی دی جس میں کچھ درہم تھے اور سر' پیشانی' سینہ' جگر اور شکم پر ناف تک ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی۔

ابو محذورہؓ کہتے ہیں کہ میرے دل سے آپ ﷺ کے متعلق نفرت نکل گئی اور محبت بھر گئی۔ اب میں نے خود عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیں چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں مؤذن مقرر فرما دیا۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔ وفات تک وہ مؤذن رہے اور وفات کے بعد ان کی اولاد و نسلاً بعد نسل ان کی اذان کی وارث ہوتی رہی۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر ج 3 ص 153)۔

انصار کا خدشہ اور نزول وحی سے تسکین:

پھر آنحضرت ﷺ کوہ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کئے ہوئے دعا میں مشغول رہے۔ بعض انصار کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اب مکہ فتح ہو گیا ہے کہیں ایسے نہ ہو کہ وطن کی محبت غالب آ جائے اور رسول اللہ ﷺ یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیں اور ہم آپ ﷺ سے محروم ہو

جائیں تو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی' آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے گروہ انصار! تم نے ایسے ایسے کہا ہے؟" عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دلوں میں خدشہ تو پیدا ہو ہی جاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں اللہ کا رسول ہوں' میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے۔ اب میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔"

یہ سن کر انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ اپنے اس خیال پر پچھتائے۔

مردوں اور عورتوں سے بیعت:

دعا سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کوہ صفا پر بیٹھ گئے' لوگ بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ مردوں سے اسلام اور جہاد اور اطاعت پر بیعت لیتے۔ مردوں سے فارغ ہو کر پھر عورتوں سے ان امور پر بیعت لی جس کا تذکرہ سورۃ نساء کی اس آیت میں مذکور ہے:

یا ایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم.

آنحضرت ﷺ عورتوں سے جو بیعت لیتے وہ محض زبان سے ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی نامحرم عورت کا ہاتھ مس نہیں کیا۔ نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ کیا۔ (الکامل لابن اثیر' ج 2 ص 96)

مجرمان خاص کے متعلق احکام:

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے عفو عام کا اعلان کر دیا مگر چند اشخاص جو بارگاہ نبوی میں حد درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے' ان کے متعلق یہ حکم دیا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیئے جائیں' ان کے نام یہ ہیں:

1- عبداللہ بن اخطل ...... یہ مسلمان ہو گیا تھا' پھر مرتد ہو گیا اور آپ ﷺ کے متعلق ہجو کہتا تھا۔ یہ فتح مکہ کے دن بیت اللہ کے پردے کے ساتھ لپٹ گیا۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا' آپ ﷺ نے فرمایا: قتل کر ڈالو چنانچہ ابو برزہ اسلمی اور سعد بن حریث نے وہیں جا کر قتل کر دیا۔

(الصارم المسلول از ابن تیمیہ' ص 633)

2- قرتنی

3- قریبہ...... یہ دونوں عبداللہ بن اخطل کی لونڈیاں تھیں۔ شب و روز آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار گاتی رہتی تھیں۔ مشرکین مکہ کی مجالس میں آپ ﷺ کے خلاف شعر پڑھتیں۔ ان میں ایک مسلمان ہو گئی اور دوسری کو قتل کر دیا گیا۔

(فتح الباری' ج 8 ص 9- الصارم المسلول' ص 126)

-4 سارہ...... بنو مطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی ہجویہ اشعار گاتی تھی اور حاطب کا اہل مکہ کے نام خط بھی یہی لے کر گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں اسلام لے آئی اور زمانہ خلافت عمرؓ تک زندہ رہی۔ (فتح الباری' ج 8 ص 10)

-5 حویرث بن نقید...... یہ شاعر تھا اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتا تھا اسے حضرت علیؓ نے قتل کیا۔

-6 مقیس بن صبابہ...... یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا' پھر مرتد ہو کر مکہ چلا گیا تھا۔ اس کے بھائی کو غلطی سے ایک انصاری نے قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیت دلا دی اس کے باوجود اس نے انصاری کو شہید کر دیا لہٰذا اسے قتل کر دیا گیا۔

-7 عبداللہ بن سعد بن ابی سرح...... پہلے کاتب وحی تھا' پھر مرتد ہو کر کفار سے جا ملا۔ حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا' وہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے بالآخر آپ ﷺ کو بیعت پر راضی کر لیا تو وہ پھر مسلمان ہو گیا۔

-8 عکرمہ بن ابوجہل...... یہ ابوجہل کا بیٹا تھا۔ یہ بھی باپ کی طرح شدید ترین دشمن تھا۔ یہ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلا گیا۔ اس کی بیوی مسلمان ہو گئی۔ اس نے اس کے لئے معافی کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے مان لی۔

-9 ہبار بن الاسود...... یہ وہی تھا جس نے ہجرت کے وقت آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کے نیزہ مارا تھا جس سے وہ زخمی ہو گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا اور پھر اسی بیماری میں فوت ہو گئیں۔ آپ ﷺ جعرانہ میں تھے' ہبار نے آ کر معافی کی درخواست کی' آپ ﷺ نے مان لی۔

-10 وحشی بن حرب...... یہ حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا۔ مکہ سے بھاگ کر طائف چلا گیا' پھر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے قصور کی معافی مانگی اور مسلمان ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ کے بدلہ میں اس نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔

-11 کعب بن زہیر...... یہ بھی ہجویہ اشعار کہا کرتا تھا۔ پھر یہ مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جو "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہوا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر خوش ہوئے اور اسے اپنی چادر عنایت فرمائی۔

-12 حارث بن طلال...... یہ بھی ہجویہ اشعار کہتا تھا۔ اسے حضرت علیؓ نے فتح مکہ کے روز قتل کیا۔

-13 عبداللہ بن زبعریٰ...... یہ ایک زبردست شاعر تھا اور آپ ﷺ کی گستاخی کیا کرتا تھا۔ یہ بھاگ کر نجران چلا گیا تھا بعدازاں مدینہ حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

-14 ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی...... یہ بھی اسی طرح کا شاعر تھا۔ یہ فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ گیا' وہیں مر گیا۔

-15 ہند بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان...... ہند کو جب قتل کے حکم کا پتہ چلا تو اس نے آپ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی۔ آپ ﷺ نے معافی قبول فرمالی۔
(البدایہ والنہایہ' الاصابہ' فتح الباری' شرح المواہب' الصارم المسلمون' الاستیعاب' مدارج النبوت' سیرۃ حلبیہ)

فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے چند اہم اشخاص:

فتح مکہ کے موقع پر قریش کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے جن میں چند اہم یہ ہیں:

- حضرت ابوبکرؓ کے والد محترم ابو قحافہؓ اسلام لائے۔ حضرت ابوبکرؓ ان کو اُٹھا کر آپ ﷺ کے پاس لائے۔
- قریش کا مشہور سردار صفوان بن امیہ...... یہ مشہور سردار امیہ بن خلف کا بیٹا تھا۔ یہ پہلے جدہ بھاگ گئے تھے' ان کے چچازاد نے ان کے لئے امان طلب کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حنین کے بعد بے شمار بکریاں دیں۔ یہ اس سخاوت کو دیکھ کر اسلام لے آئے۔
- سہیل بن عمرو...... یہ مکہ کے اشراف وسادات میں سے تھے اور خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ یہ وہی ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھا تو فرمایا کہ اب اللہ نے معاملہ آسان کر دیا ہے کیونکہ سہیل آ رہا ہے۔ یہ بھی مسلمان ہو گئے۔
- ابولہب کے بیٹے عتبہ اور معتب...... آپ ﷺ نے ان دونوں کو حضرت عباسؓ کو بھیج کر خود بلایا اور ان کے حق میں دعا کی۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔
- معاویہ...... اُم المومنین اُم حبیبہؓ کے بھائی معاویہ بھی مسلمان ہوئے۔

مکہ سے مدینہ واپسی:

آپ ﷺ تقریباً پندرہ دن مکہ میں مقیم رہے۔ جب خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ بتوں سے پاک ہو گیا تو پھر آپ ﷺ نے مکہ کے اطراف واکناف میں بتوں کے منہدم کرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ کیں۔

رمضان کا پورا مہینہ اسی بت شکنی میں گزرا لہٰذا مکہ میں آمد اور فتح مکہ کا مقصد پورا ہو گیا۔



تیسرا مرحلہ…… اسلامی دعوت کے نتائج

یہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا آخری مرحلہ ہے جو آپ ﷺ کی اسلامی دعوت کے ان نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں آپ ﷺ نے تقریباً 23 سال کی طویل جدوجہد' مشکلات و مشقت' ہنگاموں اور فتنوں' فسادات' جنگوں اور خونریز معرکوں کے بعد حاصل کیا تھا۔

ان طویل برسوں میں فتح مکہ سب سے اہم ترین کامیابی تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی۔ اس کی وجہ سے حالات کا دھارا بدل گیا اور عرب کی فضاء میں تغیر آ گیا۔ یہ فتح درحقیقت اپنے ماقبل اور مابعد کے دونوں زمانوں کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے چونکہ قریش اہل عرب کی نظر میں دین کے محافظ اور انصار تھے اور پورا عرب اس بارے میں ان کے تابع تھا اس لئے قریش کی سپر اندازی کے یہ معنی تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستانہ دین کا کام تمام ہو گیا۔

یہ آخری مرحلہ دو حصوں میں تقسیم ہے:

1- مجاہدہ اور قتال

2- قبول اسلام کے لئے قوموں اور قبیلوں کی دوڑ

(الرحیق المختوم ص 560)



غزوۂ حنین

غزوۂ حنین کا پس منظر:

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں ہوازن وثقیف قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل نہایت جنگجو اور ماہر تیرانداز تھے۔ فتح مکہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں آنحضرت ﷺ ہم پر حملہ نہ کر دیں اس لئے مشورے سے یہ طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپ ﷺ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں چل کر آپ ﷺ پر حملہ کر دینا چاہئے چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر لے کر آپ ﷺ پر حملہ کرنے کے لئے چل پڑا۔

مالک بن عوف نے تمام سپہ سالاروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ ہر شخص کے اہل وعیال اس کے ساتھ رہیں تاکہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔

رسول اکرم ﷺ کی حنین کی طرف روانگی:

رسول اکرم ﷺ 8 شوال 8 ہجری بروز ہفتہ بارہ ہزار افراد کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد فرمایا۔ لشکر کی کثرت تعداد کو دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے فخریہ کلمہ نکلا:

"آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔"

اس کلام میں فخر اور خود پسندی کا شائبہ تھا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے چنانچہ یہ کلمہ بارگاہ خداوندی میں پسند نہ کیا گیا اور بجائے فتح کے پہلے ہی ہلّہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

واقعات جنگ حنین:

لشکر اسلام منگل کی شام کے وقت وادئ حنین میں پہنچا' قبائل ہوازن وثقیف دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے ہدایت کر دی تھی کہ تلواروں کے نیام سب توڑ کر پھینک دو اور لشکر اسلام جب ادھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر ہلّہ بول دو چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکر اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو قبائل ثقیف و ہوازن نے کمین گاہوں سے نکل کر ایک دم ہلّہ بول دیا اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے صرف دس بارہ شیدایان نبوت آپ ﷺ کے پہلو میں رہ گئے۔ اس وقت حضرت عباسؓ آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیانؓ بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عباسؓ بلند آواز تھے آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دیں تو انہوں نے باآواز بلند کہا: اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان والو! آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹے اور چند ہی منٹوں میں آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مشرکین پر حملہ کا حکم

دیا۔ جب گھسان کی لڑائی شروع ہو گئی اور میدان کارزار گرم ہو گیا تو آپ ﷺ نے ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا:

کوئی انسان ایسا نہ رہا تھا کہ جس کی آنکھ میں مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو اور ایک لحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے۔ بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لئے گئے۔ دشمن کے ستر آدمی کام آئے۔ قیدیوں کے علاوہ بہت کچھ مال و اسباب ہاتھ آیا۔ (عیون الاثر ج 2 ص 192)

دشمن کی شکست اور فرار:

شکست کے بعد ہوازن و ثقیف کا سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نصری ایک جماعت کے ساتھ بھاگا اور طائف میں جا کر دم لیا اور درید بن صمہ اور کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ بھاگ کر مقام نخلہ میں پہنچے۔

دشمن کا تعاقب اور طائف کا محاصرہ:

آنحضرت ﷺ نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا۔ مالک اپنی فوج کے ہمراہ آپ ﷺ کے پہنچنے سے قبل ہی طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا اور منجنیق کے ذریعے سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیراندازوں کو بٹھلا دیا۔ انہوں نے ایسی سخت تیر باری کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے۔ بیس روز تک محاصرہ جاری رہا' قلعہ کی فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ منجنیق اور دیگر قلعہ شکن آلات کارگر ثابت نہ ہو سکے آخر آنحضرت ﷺ نے ایک معزز صحابی کے مشورہ سے محاصرہ اٹھا لیا لیکن بعد میں یہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا۔ سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف' ان کا سردار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

حنین کے مال غنیمت کی تقسیم:

طائف سے چل کر آپ ﷺ 5 ذی قعدہ کو جعرانہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع تھا۔ چھ ہزار قیدی' چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے دس دن ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں' عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لئے آ جائیں لیکن وہ نہ آئے تو آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرما دیا۔

(فتح الباری' ج 8 ص 38۔ عیون الاثر' ج 2 ص 193)

ہوازن کے اہل و عیال کی واپسی:

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں نو آدمی تھے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن

فرد نے عرض کی یا رسول اللہ ان اسیروں میں آپ ﷺ کی پھوپھیاں' خالائیں اور گود کھلانے والیاں ہیں۔ اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت کچھ مہربانی ہوتی' آپ ﷺ کی شان تو اس سے کہیں بہتر ہے۔ ہم آپ ﷺ سے احسان کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارا بہت انتظار کیا' اب تو غنائم تقسیم ہو چکی ہے۔ دو چیزوں میں سے ایک اختیار کر لو قیدی یا مال۔ وفد نے حسب و نسب کو اختیار کر لیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حصہ تو تمہارا ہے' باقی جو کچھ مسلمانوں کے حصہ میں جا چکا ہے تم ظہر کی نماز کے بعد مسلمانوں سے درخواست کرنا میں سفارش کر دوں گا۔ چنانچہ بنو ہوازن کے خطباء نے ظہر کے بعد فصیح و بلیغ تقریریں کرنے کے بعد مسلمانوں سے قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی اور آپ ﷺ نے ان کی سفارش کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص خوشی سے ایسا کر دے تو بہتر ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ سب نے کہا کہ ہم دل سے راضی ہیں تو اس طرح چھ ہزار قیدی دفعتہً آزاد کر دیئے گئے۔ (فتح الباری' ج 8 ص 26)

اسیرۂ حنین شیماء کا عزت و احترام:

انہی جنگی قیدیوں میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں پہچاننے کے بعد انہیں مرحبا کہا اور بیٹھنے کے لئے چادر بچھا دی۔ فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ شیماء نے کہا کہ میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (الاصابہ' ج 2 ص 344)

تالیف قلبی کے لئے اشراف قریش کو انعامات کثیرہ سے نوازا گیا:

فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے اشراف قریش ابھی اعتقادی اعتبار سے متذبذب تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی تالیف قلبی کے لئے تقسیم غنائم کے وقت انہیں بہت زیادہ انعام سے نوازا' کسی کو سو' کسی کو دو سو اور کسی کو تین سو اونٹ دیئے۔

(فتح الباری' ج 8 ص 38- شرح مواہب' ج 3 ص 36)

انصار کا اعتراض اور رسول اکرم ﷺ کا جواب:

چونکہ یہ دولت اشراف قریش کو دی گئی اور انصار کو کچھ نہ دیا گیا چنانچہ بعض نوجوانان انصار نے کہا کہ

"رسول اللہ ﷺ نے قریش کو تو دیا اور ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اب تک ان کے خون سے ٹپکتی ہیں۔ بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔"

آپ ﷺ نے ان کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے

جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور فرمایا اگر ہجرت تقدیری امر نہ ہوتا تو میں بھی انصاری ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا اور دعا کی اے اللہ! تو انصار پر ان کی اولاد اور اولاد در اولاد پر رحم فرما۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار چیخ اٹھے اور روتے روتے داڑھیاں تر ہوگئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ﷺ ہمارے حصے میں آیا۔ اس کے بعد مجمع برخواست ہوگیا۔

(فتح الباری ج 8 ص 40- شرح مواہب' ج 3 ص 38- الکامل لابن اثیر' ج 2 ص 131)

عمرہ کی ادائیگی اور مدینہ واپسی:

بعدازاں 18 ذوالقعدہ کو رات کے وقت آپ ﷺ جرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ عمرہ کے بعد عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی مقرر فرمایا اور معاذ بن جبلؓ کو بطور مبلغ دین ان کے پاس چھوڑا اور دو مہینے اور سولہ دن کے بعد 27 ذی القعدہ کو مع اپنے صحابہؓ مدینہ منورہ داخل ہوئے۔ (زرقانی' ج 2 ص 41)



غزوۂ تبوک

غزوۂ تبوک کا پس منظر:

نصارائے عرب نے روم کے شاہ ہرقل کو یہ خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ فاقوں اور قحط سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ مناسب موقع ہے۔ ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ ﷺ سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

(شرح مواہب زرقانی' ج 3 ص 54)

رسول اکرم ﷺ کو دشمن کی تیاری کی خبر مل گئی:

ملک شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے' ان کے ذریعے یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے آپ ﷺ سے مقابلہ کے لئے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا ہے جس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔

(مجمع الزوائد' ج 6 ص 191 – طبقات ابن سعد' ج 2 ص 119)

غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم:

اس اطلاع پر رسول اللہ ﷺ نے سفر کی تیاری کا فوری حکم صادر فرمایا تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ ادھر جن حالات میں یہ حکم دیا گیا وہ اپنی جگہ ایک جنگ سے کم نہ تھے کیونکہ مسافت کی دوری' گرمی کا موسم' قحط کا زمانہ' فقر و فاقہ کی گرانی اور بے سروسامانی کا عالم' ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے منافق' منافقت کا پردہ چاک ہونے کے خطرہ سے گھبرا اٹھے' خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے۔

(عیون الاثر جلد 2' ص 215)

مومنوں کی مالی و جانی جانثاری:

مومنین و مخلصین جان و مال کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے صدیق اکبرؓ نے کل مال 4000 درہم پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال حاضر کر دیا' عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ چاندی اور عاصم بن عدیؓ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ عثمان غنیؓ نے مع سامان 300 اونٹ اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ (شرح مواہب' ج 3 ص 64 – فتح الباری' ج 7 ص 44)

اکثر صحابہؓ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زادراہ کا سامان پورا نہ ہو سکا' کئی لوگ سواری نہ ہونے کی وجہ رو دیئے۔ آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ چلتے وقت آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ کا والی اور حضرت علیؓ کو اہل و عیال کی خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔

(صحیح بخاری' ج 1 ص 526-عیون الاثر' ج 2 ص 216-شرح مواہب' ج 3 ص 73)

معذب بستیوں پر آپ ﷺ کا گزر:

راستہ میں جب آپ قوم ثمود کی بستی سے گزرے تو حد درجہ متاثر ہوئے اور اپنے چہرہ پر کپڑا لٹکایا اور سواری کو تیز کر دیا اور صحابہؓ کو تاکید کی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے اور نہ اس سے وضو کرے۔ سرنگوں روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا' ان کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 478 کتاب الانبیاء)

رسول اکرم ﷺ مقام تبوک میں:

تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے بیس روز قیام فرمایا مگر کوئی مقابلہ پر نہ آیا لیکن آپ ﷺ کا آنا بیکار نہیں گیا' دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جربہ' اذرح اور ایلہ (یہ تینوں شام کے شہر ہیں) کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرما دیا۔ (الخصائص الکبریٰ' ج 1 ص 273)

اکیدر کی گرفتاری اور صلح:

اسی مقام سے آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ کیا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا فرمانروا تھا' حضرت خالدؓ نے انہیں گرفتار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا تو اکیدر نے دو ہزار اونٹ' آٹھ سو گھوڑے' چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کر لی۔ (عیون الاثر' ج 2 ص 22-شرح المواہب' ج 3 ص 77)

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ واپسی:

اخیر شعبان یا شروع رمضان میں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے۔ اوّل مسجد نبوی میں جا کر نماز دوگانہ ادا فرمایا۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں سے ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے بعدازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔

یہ آخری غزوہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔

متخلفین کا معاملہ:

جب آپ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقوں کا ایک گروہ شرکت سے عمداً رہ گیا لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بہ تقاضائے بشریت گرمی اور لو کی گرمی سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔ انہی مومنین میں سے کعب بن مالک' مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔ یہ تینوں اپنی سستی کی بناء پر پیچھے رہ گئے بالآخر اللہ نے ان کی معافی قبول فرمالی۔ (صحیح بخاری باب حدیث کعب بن مالک' ج 2 ص 634 تا 636-فتح الباری' ج 8 ص 86)

حجتہ الوداع

حجتہ الوداع کا پس منظر:

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا اور ایک ایسی جماعت تیار ہو چکی جو سارے عالم کی رہنمائی کر سکے تو وحی نازل ہوئی۔

"جب خدا تعالیٰ کی مدد آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ دین خداوندی میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں لہٰذا خدا کی حمد پڑھو اور استغفار کرو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

عام لوگ اس سورۃ کے لطیف اشاروں کو نہ سمجھ سکے لیکن حضور ﷺ نے جان لیا کہ اب آپ ﷺ کے ذمہ کام ختم ہو چکا ہے' اب آپ ﷺ کی دنیا میں رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی چنانچہ 10 ہجری میں آپ ﷺ نے آخری بار حج کا تہیہ کیا اور تمام قبائل کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔

مدینہ سے روانگی:

اس خبر کے سنتے ہی اطراف عالم سے مسلمانوں کا جم غفیر اُمڈ آیا۔ 26 ذی قعدہ کو جب رسول اکرم ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تو نوے ہزار مسلمان آپ ﷺ کے ہمراہ تھے لیکن راستے میں عرب کے مختلف اطراف سے اور لوگ بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ حج کرتے وقت ایک لاکھ چالیس ہزار کی جمعیت آپ ﷺ کے ساتھ تھی۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ کے مقام پر قیام فرمایا۔

مکہ میں قیام اور مناسک حج کی ادائیگی:

مکہ کے قریب پہنچ کر مقام سرف میں ٹھہرے۔ 5 ذوالحج کو مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا: "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ شرف عطا فرما۔"

بعدازاں خانہ خدا کا طواف کیا' طواف سے فارغ ہوئے تو کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ لاشریک ہے۔ حکومت' ملک اور حمد اس کے لئے ہے' وہی مارتا اور جلاتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔"

صفا سے اُترے تو مروہ پر تشریف لے گئے جہاں بھی دعا کی اور حمد پڑھی جمعرات کے روز آٹھویں ذوالحجہ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ مقام منیٰ میں قیام فرمایا۔

خطبہ حجتہ الوداع:

دوسرے دن یعنی نویں ذوالحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور معروف خطبہ دیا جو اسلامی تاریخ میں خطبہ الوداع کے نام سے مشہور

ہے۔ یہ خطبہ درحقیقت اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ آج کے دن دین الٰہی پوری شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوا تھا اور جاہلیت کی تمام رسومات کلیتہً مٹا دی گئی تھیں۔

خطبہ حجتہ الوداع کے اہم نکات:

اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"جاہلیت کے تمام دستور و مراسم میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔"

مخلوق خدا ذات پات اور اونچ نیچ کے لحاظ سے بٹی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے غلام و آقا کے امتیازات کو مٹاتے ہوئے اور انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے' تمہارا باپ ایک ہے' عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر' سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں' برتری صرف تقویٰ کے سبب سے ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرو' جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔"

اہل عرب کا انتقامی جذبہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا کئی پشتوں تک انتقام کا سلسلہ جاری رہتا۔ ایک ایک قتل کے عوض برسوں تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں۔ حضور ﷺ نے اس جاہلانہ طریقے کو مٹا دیا اور فرمایا:

"جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔"

اس طرح سودی کاروبار کے ضمن میں فرمایا:

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان میں عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔"

عورتوں کو مساویانہ حقوق دینے کے متعلق ارشاد فرمایا:

"عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو' تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ ان سے نرمی اختیار کرو اور مہربانی سے پیش آؤ۔"

مسلمانوں پر ایک دوسرے کا جان و مال حرام کرتے ہوئے کہا:

"جس طرح تم اس مہینہ' اس دن اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو اسی طرح تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے۔" اور کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دوسرے پر حلال نہیں جب تک وہ خود بخوشی اسے نہ دے۔

قرآن مجید کی پیروی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں' اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ!"

"اے لوگو! اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق چلائے تو

اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو' اپنے پروردگار کی عبادت کرو' پانچوں وقت کی نماز پڑھو' ماہ رمضان کے روزے رکھا کرو۔ میرے احکام کی اطاعت کرو' خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

اور فرمایا:

''لوگو! عمل میں خلوص' مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد' یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔''

''تم پر لازم ہے کہ میرا یہ کلام ان لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اکثر لوگ روایتہ کلام کو سن کر ان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔''

اس الوداعی خطبے کے بعد مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سے میری نسبت پوچھے گا تو کیا جواب دو گے۔'' صحابہ نے بیک زبان عرض کیا: ''ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور تین بار کہا:

''اے اللہ تو گواہ رہنا۔'' عین اس وقت قرآن کی آخری آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔''

اس آیت کے بعد وحی الٰہی کے نزول کا سلسلہ ختم ہو گیا چونکہ یہ واضح ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کا فریضہ نبوت اب پورا ہو چکا اس لئے آپ ﷺ نے صاف صاف لوگوں سے فرما بھی دیا کہ شاید میں آئندہ سال تم سے نہ مل سکوں۔

خطبہ حج کی تفصیل کے لئے:

شرح مواہب' ج 3 ص 103 تا 107 - زاد المعاد' ج 2 ص 152 تا 158۔

حجتہ الوداع سے واپسی:

آنحضرت ﷺ حجتہ الوداع سے فارغ ہو کر آخر ذوالحج میں مدینہ منورہ پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ 10 ہجری ختم ہو کر 11 ہجری شروع ہو گیا۔

سریہ اسامہ بن زید کی تیاری اور روانگی:

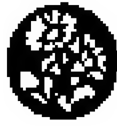
26 صفر بروز اتوار 11 ہجری کو آپ ﷺ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام اُبنیٰ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا اسی جگہ غزوۂ موتہ ہوا تھا جس میں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید' حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے تھے۔

یہ آخری سریہ تھا اور آپ ﷺ نے یہ آخری فوج بھیجی تھی۔ اسامہ بن زید بن حارثہؓ کو آپ ﷺ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا تھا اور اس لشکر میں مہاجرین اولین اور بڑے بڑے جلیل

القدر صحابہ کو روانگی کا حکم دیا۔ بدھ کے روز سے آپ ﷺ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جمعرات کے روز علالت کے باوجود خود آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا اور یہ فرمایا:

''اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر کرنے والوں کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ کرو۔''

لشکر اسلام ابھی مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ابھی مقام جرف میں تھا کہ آپ ﷺ کی شدید علالت کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا تھا کہ ادھر سے حضرت اسامہؓ کو رسول اکرم ﷺ کی وفات کی خبر مل گئی چنانچہ لشکر واپس مدینہ آ گیا۔



وفات حسرت آیات

حجتہ الوداع سے واپس آنے کے بعد حضور ﷺ اپنا زیادہ وقت حمد و تسبیح میں گزارتے۔ 18 یا 19 صفر 11 ہجری کو آپ ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے' وہاں سے واپس آئے تو طبیعت علیل ہو گئی۔ جب تک چلنے کی ہمت رہی مسجد میں جا کر خود نماز پڑھاتے رہے' علالت زیادہ شدید ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

مرض کی حالت یکساں نہ تھی کبھی شدت ہو جاتی اور کبھی افاقہ نظر آتا۔ ایک دن طبیعت کو ذرا سکون ہوا تو غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے' آپ ﷺ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹنے لگے آنحضرتؐ نے اشارے سے منع کیا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس بات پر خصوصیت سے زور دیا کہ یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ذلیل کیا اور لعنتی قرار دیا کہ ان میں جب کوئی بزرگ یا مذہبی پیشوا مر جاتا تو اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیتے اور پرستش شروع کر دیتے۔ دیکھو! تم ایسی حرکت نہ کرنا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز' کتاب المغازی' باب مرض النبی ﷺ۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰة باب النبی عن بناء المسجد علی القبور)

12 ربیع الاول 11 ہجری سوموار کے دن بمطابق 8 جون 632ء بوقت چاشت وہ روح اعظم عالم قدس میں پہنچ گئی۔ اگلے روز جسد اطہر کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں دفن کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر قمری حساب سے 63 سال 4 دن تھی۔

وفات نبوی ﷺ پر صحابہؓ کی کیفیت:

حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی زبان سے نکلنے والے درد بھرے الفاظ نہایت روح فرسا تھے۔ ادھر صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حیران و پریشان اور دیوانہ و سرگرداں تھے۔ کوئی جنگل کو بھاگا تو کوئی ششدر ہو کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ انتقال فرما گئے ہیں۔

ابوبکر صدیقؓ گھر میں گئے' جسم اطہر دیکھا' منہ سے منہ لگایا' پیشانی کو چوما' آنسو بہائے پھر زبان سے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں طاری نہیں کرے گا۔

(صحیح بخاری' باب مرض النبی ﷺ)

پھر مسجد میں آئے اور وفات حسرت آیات کا اعلان کیا اور خطبہ پڑھا' حمد و صلوٰة کے بعد کہا:

اما بعد! کہ جو شخص تم میں سے محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو وہ تو رحلت فرما گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اسے موت نہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے: محمد

ﷺ تو ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ ہاں جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔" (صحیح بخاری' باب مرض النبی ﷺ)

نماز جنازہ:

حضرت علیؓ نے رسول اکرم ﷺ کو غسل دیا اور آپ ﷺ کو تین کپڑوں میں دفنایا گیا۔ (شرح مسلم النووی' کتاب الام از امام شافعی)

آپ ﷺ کے جسم اطہر کو اسی جگہ رکھا گیا جہاں آپ ﷺ کا انتقال ہوا تھا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کی نماز جنازہ کنبہ والوں نے' پھر مہاجرین نے' پھر انصار کے مردوں نے اور عورتوں اور پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں امام کوئی نہ تھا' حجرہ مبارک تنگ تھا اس لئے دس دس شخص اندر جاتے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر آتے تب اور دس جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا اس لئے تدفین مبارک بدھ کی رات کو یعنی رحلت سے قریباً 32 گھنٹے بعد عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

نبی اکرم ﷺ کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی جاتی تھی:

إن الله و ملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما اللهم ربنا لبيك و سعديك صلوة الله البر الرحيم والملائكة المقربين والنبيين والصديقين والصالحين وما سبح لك من شيئ يا ربّ العالمين على محمد بن عبدالله خاتم النبيين و سيّد المرسلين و امام المتقين و رسول ربّ العالمين الشاهد المبشر الداعي باذنك السراج المنير و بارك عليه وسلم۔

(رحمتہ للعالمین' ج اوّل ص 212 بحوالہ شرح مواہب ج 8 ص 293 مطبوعہ ازہریہ 1328 ہجری)



خلافت راشدہ

خلافت کا مفہوم:

خلافت کے لغوی معنی "جانشینی" کے ہیں اور جو خلافت کے منصب پر فائز ہو تو اسے خلیفہ یا امام کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

خلافت کی شرائط:

دنیا کے ہر ملک اور قوم کے اکابرین یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ ملک کا بادشاہ اور قوم کا سردار ایسا ہونا چاہئے جو عاقل و بالغ ہو' آزاد ہو' مرد ہو' عقل مند ہو' صاحب اثر و اقتدار ہو اور صاحب الرائے ہو۔

اسلام نے ان شروط سے اتفاق کیا ہے اور اس کے ساتھ حسب ذیل شروط کا اضافہ کیا ہے:

1- مسلمان ہو۔

2- قرآن مجید جو اسلام کا اساسی دستور ہے اس کی دفعات کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ پر بھی عبور حاصل ہو علاوہ ازیں اجتہادی بصیرت بھی رکھتا ہو۔

3- عادل ہو۔

4- قریشی ہو یعنی خاندان قریش کا فرد ہو کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: الائمة من قریش.

عدالت' علم' سلامتی حواس' اعضاء' اصابت رائے اور شجاعت شروط خلافت میں متفق علیہ ہیں۔

خلیفہ کا انتخاب:

خلیفہ کے انتخاب کے لئے اسلام نے یہ شرط عائد کی ہے کہ خلیفہ وہ شخص ہو سکتا ہے جسے عام مسلمان منتخب کریں۔ یا مسلمانوں کے وہ نمائندے منتخب کریں جنہیں اہل حل و عقد کہا جاتا ہے۔

اہل حل و عقد سے مراد وہ امرائے سلطنت' سرداران لشکر اور علماء اُمت ہیں جو علم و فضل' فہم و بصیرت اور تدبر و دور اندیشی اور ملت کے درد کے اوصاف سے متصف ہوں اور مسلمان اپنے مجموعی مسائل کی ذمہ داری ان کے سپرد کریں۔

ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت نہیں ہو سکتی۔

خلفاء اربعہ کا تقرر:

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب انصار حضرت سعد بن عبادہؓ کی بیعت کرنا چاہتے تھے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

الائمة من قریش (امارت کا حق قریش کو ہے۔)

حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے ارشاد نبوی سن کر انصار نے فوراً تسلیم کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے مختصر

تقریر کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ آگے کیجئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کی دیکھا دیکھی تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت عام کی۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت عمر فاروقؓ کو انتخاب خلافت کے لئے نامزد کیا لیکن آپؓ نے نامزدگی سے پہلے اکابر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اس کے بعد عام استصواب رائے کے لئے حضرت عمرؓ کا نام عامتہ المسلمین کے سامنے پیش کیا جب سب مسلمانوں نے رضامندی ظاہر کی تو انہیں ہونے والا خلیفہ قرار دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا بلکہ چھ ارکان کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور یہ نامزد کردہ افراد عشرہ مبشرہ تھے اور السابقون الاولون میں سے تھے اور مسلمانوں کی جماعت میں ان کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے بعد اتفاق رائے سے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔

حضرت علیؓ کی بیعت خلافت مہاجرین و انصار کے اصرار پر ہوئی اور مہاجرین و انصار نے باہمی صلاح و مشورہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ (الکامل لابن اثیر ج 3 ص 153)

خلافت راشدہ:

حکومت اسلامی صحیح معنوں میں حکومت الٰہی ہو احکام الٰہی کا اجراء ہو حدود اللہ کا نفاذ ہو دین اسلام کی تبلیغ ہو علوم شریعت کی اشاعت ہو سنت رسول ﷺ کے مطابق جھگڑوں کا فیصلہ ہوتا ہو اور اس کا نظام شوریٰ کی بنیادوں پر قائم ہو۔ خلیفہ علوم اسلامیہ کا جامع ہو یعنی قرآن و سنت اور فقہ و اجتہاد میں کامل بصیرت رکھتا ہو اور اس کے علاوہ مجلس قضاء اور میدان جنگ میں سپہ سالار ہو۔

غرض وہ تمام مذہبی و سیاسی امور میں رسول اکرم ﷺ کا جانشین ہو تو ایسی خلافت کو ''خلافت راشدہ'' یا ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' کہتے ہیں۔

اس معیار سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگی اور دور خلافت ''خلافت راشدہ'' کا مکمل نمونہ تھا جس میں نبی کریم ﷺ کے مزاج اور طرز زندگی کی پوری نمائندگی کی تھی۔

خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم) کا دور خلافت ''خلافت راشدہ'' کا دور تھا۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''خلافت میرے بعد تیس (30) سال ہے اور اس کے بعد حکومت۔''

دراصل خلافت راشدہ نبوت کا تکملہ اور تتمہ ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا البتہ خلفاء ہوں گے۔''

خلفاء راشدین کی فضیلت:

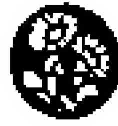
آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"میری اُمت پر سب سے زیادہ رحم دل ابوبکرؓ ہیں اور امر الٰہی میں سب سے زیادہ مضبوط عمرؓ ہیں اور سچی حیاء میں سب سے بڑھ کر عثمانؓ ہیں اور سب سے بڑھ کر قاضی علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔"
(مشکوٰۃ المصابیح)

تفصیل مدت خلافت راشدہ:

-1	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	....	2 سال 3 ماہ 9 دن
-2	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	....	10 سال 5 ماہ 4 دن
-3	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	....	12 سال 11 دن
-4	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	....	4 سال 9 ماہ
-5	حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم	....	6 ماہ
	میزان	....	29 سال 11 ماہ 24 دن

(عشرہ مبشرہ، حبیب الرحمٰن، ص 99)



خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مختصر حالات زندگی:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے قدیم رفیق' اسلام کے سب سے پرانے جانثار' محرم اسرار نبوت' ثانی اثنین فی الغار' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' آپ ﷺ کے جانشین منتخب ہوئے۔ آپ کا نام عبداللہ' کنیت ابوبکر اور صدیق اور عتیق لقب ہے۔ والد کا نام قحافہ تھا۔ آپ قریش کی شاخ بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹی پشت پر آپؓ کا نسب آنحضرت ﷺ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا۔ قریش کے سیاسی نظام میں خون بہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپؓ ہی کے گھر میں تھا۔ (کنزالعمال' ج 6 ص 312)

اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کاروبار تجارت تھا' آپ ابتداء ہی سے سلیم الفطرت تھے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاق عرب کے عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اس زمانہ کے لوگوں پر آپ کے حسن اخلاق' راست بازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور شرفاء مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپؓ تقریباً آنحضرت ﷺ کے ہم عمر تھے۔ طبیعت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے۔ ان روابط کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کسی تردد کے بغیر اس کی تصدیق کر دی۔ قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت ﷺ کے دست راست بن گئے اور راہ خدا میں جان و مال اور عزت و آبرو سب نثار کر دی اور اس جانثاری میں کوئی آپ پر بازی نہ لے جا سکا۔ (جامع ترمذی' مناقب ابی بکرؓ)

آپؓ نے قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں' سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور مکہ کی پُرخطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آنحضرت ﷺ کے پشت پناہ رہے۔ تبلیغ اسلام میں آپ ﷺ کی رفاقت کرتے جہاں حضور تشریف لے جاتے' ساتھ جاتے اور اپنے جاننے والوں سے آپ ﷺ کا تعارف کراتے۔ (کنزالعمال' ج 6 ص 319)

حضرت عثمان' حضرت زبیر بن عوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم جیسے اکابر اساطین اسلام آپ ہی کی کوشش سے مشرف بااسلام ہوئے۔ کفار کے ظلم و جور کے مقابلے میں سینہ سپر رہے۔

(بخاری باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین مکۃ)

حضرت بلال' عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم اور متعدد غلاموں کو جو اسلام کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے' اپنے مال سے آزاد کرایا۔ ہجرت نبوی میں رفاقت کی'

ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ نے تعمیر مسجد کا ارادہ فرمایا تو وہ دو یتیموں کی جگہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس زمین کی قیمت ادا کر دی۔ اس طرح مدینہ میں سب سے پہلا گھر حضرت ابوبکرؓ کی مدد سے تعمیر ہوا۔
(فتح الباری' ج 7 ص 192)

غزوۂ بدر' احد' بنی مصطلق' حدیبیہ' خیبر' فتح مکہ' حنین' طائف اور تبوک کے تمام معرکوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور سب میں نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دیں۔

9 ہجری میں امارت حج کا منصب تفویض ہوا۔ غرض کہ آغاز اسلام سے لے کر وفات نبوی تک ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا جانثارانہ ساتھ دیا۔ آپ ﷺ پر ان کی ان قربانیوں کا اتنا اثر تھا کہ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ (بخاری شریف باب فضائل ابی بکرؓ)

اس رفاقت اور ان خدمات کی بناء پر صحابہ کرامؓ کی جماعت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبوی کے محرم تھے اس لئے وہ قدرتی طور پر نیابت نبوی کے سب سے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف بھی حاصل ہوتا رہتا تھا۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے مرض الموت میں' جب آپ ﷺ میں نقل و حرکت کی طاقت نہ رہی تو اس وقت آپ ﷺ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی عطا فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری باب اهل العلم والفضل احق بالامامة)

جو کہ جانشینی کی طرف اشارہ تھا لیکن چونکہ نظام اسلام شوریٰ پر مبنی ہے اس لئے آپ ﷺ اپنی جانب سے جانشین مقرر کر کے اسے توڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے صراحتاً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی تعلیم نے آپ ﷺ کے حاشیہ نشینوں میں ایسی بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے آئندہ کے بارہ میں تصریح سے سکوت اختیار فرمایا۔
(تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی' از ص 107 تا 108)

سقیفہ بنی ساعدہ میں "ابوبکر صدیق" بطور خلیفہ منتخب:

آنحضرت ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین مدینہ کی سازشیں سامنے آ گئیں اور انہوں نے خلافت کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ انصار مدینہ میں سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ سعد بن عبادہ مشہور انصاری صحابی ہیں' جنگوں میں انصار کا علم ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ انصار کا خیال تھا کہ خلیفہ رسول ان کو ہونا چاہئے۔ ان کے علاوہ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ امیر دو ہونے چاہئیں ایک مہاجرین سے اور ایک انصار سے ہو۔

ظاہر ہے کہ دوسری تجویز کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہو سکتی تھی اس سے اسلامی وحدت کا شیرازہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جاتا۔

دوسری طرف مہاجرین کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کی جانشینی پر بحث کر رہے ہیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے اور جا کر صورت حال کا جائزہ لیا اور آپؓ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتے' پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ سے خاندانی تعلقات کی بناء پر نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابوعبیدہ اور عمر موجود ہیں' ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔''

لیکن حضرت عمرؓ نے پہل کر کے فوراً اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں' آپ ہم سے زیادہ حقدار ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو ہم سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

چنانچہ تمام لوگ بیعت کے لئے آگے بڑھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے لگے۔ اس کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

(صحیح بخاری' ج 1 ص 518)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے ساتھ ہی تمام مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

(مختصر سیرت الرسول ص 741 - تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 ص 288 - خلفاء راشدین ص 37)

حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ خلافت:

ربیع الاوّل 11 ہجری کو جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت پر متمکن ہو گئے تو انہوں نے بیعت عام کے بعد حسب ذیل تقریر فرمائی:

''لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں ٹھیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں غلط راہ اختیار کروں تو تم پر فرض ہے کہ مجھے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی تلقین کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت' تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہے جب تک میں اس سے حق نہ لے لوں۔ یاد رکھو' جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔''

(طبقات ابن سعد' ج 3 ق اوّل ص 129)

حضرت علیؓ اور چند دیگر صحابہؓ کی بیعت میں تاخیر کی وجوہ:

انصار میں صرف سعد بن عبادہ اور مہاجرین میں سے تجہیز و تکفین میں مشغول ہونے والوں نے سقیفہ بنو ساعدہ میں بیعت نہیں کی۔ حضرت سعد نے تو اسی روز تھوڑی دیر بعد بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ اور زبیر بن طلحہؓ نے مہاجرین میں سے چالیس روز تک محض اس بناء پر بیعت نہیں کی کہ سقیفہ بنو ساعدہ کی بیعت میں ہمیں مشورہ میں شریک کیوں نہ کیا گیا۔

ایک دن حضرت علیؓ یہی شکایت لے کر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے یوں جواب دیا:

"رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ میں سقیفہ میں بیعت لینے کے لئے نہیں گیا تھا بلکہ مہاجرین و انصار کے اختلاف کو رفع دفع کرنے گیا تھا۔ دونوں فریق اختلاف میں بہت دور نکل گئے تھے۔ میں نے خود بیعت کی درخواست نہیں کی بلکہ حاضرین نے خود بالاتفاق میرے ہاتھ پر بیعت کی اگر میں اس وقت بیعت لینے کو ملتوی کر دیتا تو اس اندیشہ اور خطرہ کے دوبارہ زیادہ طاقتور انداز میں نمودار ہونے کا قوی احتمال تھا۔ تم جب تجہیز و تکفین میں مشغول تھے تو میں اس عجلت میں تمہیں کیسے وہاں سے بلوا سکتا تھا۔"

حضرت علیؓ نے یہ باتیں سن کر فوراً شکایت واپس لے لی اور اگلے روز مسجد نبوی میں مجمع عام کے روبرو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر، تاریخ اسلام نجیب آبادی، ج 1 ص 288)

مسند خلافت کے فوراً بعد درپیش چند اہم مشکلات اور ان کا تدارک

اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت سنبھالنے کے بعد کیا مشکلات پیش آئیں اور آپؓ نے ان پر کیسے قابو پایا۔

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے فوراً بعد آپؓ کو جو اہم مشکلات پیش آئیں انہیں ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

1- منافقین کا وار، داخلی انتشار پیدا کر دیا:

مدینہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا، ہمیشہ سے ہی موجود تھی اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی رہتی تھی چونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین سے پہلے ہی منافقین

کی سازش سے آپ ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ چھیڑ دیا گیا۔ اوس و خزرج سے تعلق رکھنے والے منافقین نے انصار کو اس بات پر اُکسایا کہ خلافت انصار کا حق ہے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم بروقت نہ پہنچتے تو ممکن ہے صورت حال قابو سے باہر ہو جاتی اور مہاجرین و انصار کی اخوت و محبت ذرا سی دیر میں برباد ہو کر جمیت اسلامی پارہ پارہ ہو جاتی چنانچہ ان معزز حضرات نے بروقت پہنچ کر صورت حال کو کمال دانشمندی سے کنٹرول کر لیا۔ تاہم سعد بن عبادہ جن کو انصار نے امیر نامزد کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی' بعد میں البتہ اسی روز کر لی تھی۔ ادھر اکابرین بنو اُمیہ جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں ابھی اسلام کی کلیتاً محبت جاگزیں نہیں ہوئی تھی اور یہ فتح مکہ کے دن اسلام سے مرعوب ہو کر ایمان لائے تھے' قبائلی تعصب اور نسلی تفاخر کو ہوا دے رہے تھے۔

تذکرۃ الکرام المعروف تاریخ خلفائے عرب و اسلام کے مؤلف لکھتے ہیں کہ:

''ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ کے پاس آ کر کہا کہ

یہ کیا غضب ہو گیا؟ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کس طرح خلیفہ بنا دیا گیا؟ اے علی! اگر تم چاہو تو خدا کی قسم میں اس وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں؟ مگر حضرت علیؓ نے جواب دیا:

ابوسفیان! تم ساری عمر اسلام اور اہل اسلام سے دشمنی کرتے رہے ہو مگر تمہاری دشمنی سے نہ اسلام کا کچھ بگڑ سکا اور نہ اہل اسلام کا' ہم ابوبکرؓ کو اس کا اہل سمجھتے ہیں۔''

چنانچہ بعض ایسے عناصر موجود تھے جو اس متحدہ اُمت کو پھر سے بکھیرنا چاہتے تھے۔ اس بناء پر آغاز خلافت سے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑا اور آپ نے نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے ہوئے داخلی انتشار پر قابو پایا۔

2- فتنۂ ارتداد:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور مسلمانوں کے لئے بڑا صبر آزما اور نازک تھا انہیں چاروں طرف سے مصائب و مشکلات نے گھیر رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''جب رسول اللہ کی وفات ہوئی تو میرے باپ پر ایسے حوادث و مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی نازل ہوتے تو ان کو ریزہ ریزہ کر دیتے۔ ایک طرف مدینہ میں نفاق گھسا ہوا تھا اور دوسری جانب عرب مرتد ہونے لگے تھے۔'' (فتوح البلدان' ص 102)

رسول اکرم ﷺ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا تھا جسے پُر کرنا قطعاً ناممکن تھا خود اہل ایمان اس المناک حادثہ سے انتہائی سرگرداں تھے' کسی کو رسول کریم ﷺ کے انتقال کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ جب قبائل عرب میں رسول اکرم ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو نومسلم بدو اسلام سے منحرف ہونے لگے۔ قبائلی سرداروں نے مرکزی حکومت سے علیحدگی کا سنہری موقع سمجھتے ہوئے بت پرستی کی طرف واپسی کا راستہ بنا لیا۔ بعض روایات میں تو یہاں تک بھی ہے کہ طائف اور مکہ

میں بھی ارتداد کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ارتداد کا انقلاب سب سے اہم تھا' بہت سے قبائل نے آنحضرتﷺ کی زندگی میں اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں ابھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا اس لئے وہ آپﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی' ص 71)

3- زکوٰۃ کا انکار:

بہت سے قبائل ایسے بھی تھے جنہوں نے زکوٰۃ دینی بند کر دی بلکہ اس سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ رسول خداﷺ کو ہم سے زکوٰۃ لینے کا حق تھا' اب ان کی وفات کے بعد یہ حق کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ وہ اگرچہ اسلام پر قائم رہے مگر وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو محکومی کی علامت تصور کرنے لگے تھے۔

(خلفاء راشدین' ص 42- خلفائے اربعہ' ص 13)

4- جھوٹے نبیوں کا ظہور:

بہت سے جھوٹے نبی مثلاً طلیحہ' مسلیمہ کذاب' اسود عنسی اور سجاح بنت حارث نمودار ہوئے اور لوگوں کو اپنی اپنی نبوت کی طرف دعوت دینے لگے۔ ادھر مرتدین کی اکثریت جھوٹے نبیوں کی معتقد ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ کو ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔

5- بیرونی خطرات:

جنگ موتہ میں مسلمانوں کی ناکامی کے باعث سرحدیں غیر محفوظ ہو گئی تھیں اور کسی وقت بھی بیرونی حملہ ہو سکتا تھا لہٰذا جنگ موتہ کا انتقام لینا بھی ضروری تھا۔

6- شام کی مخدوش حالت:

حیات نبویﷺ میں ہی ملک شام کے عیسائیوں کے ساتھ تصادم کا آغاز ہو گیا تھا۔ عیسائیوں نے غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک میں اسلام کی شان و شوکت کا اندازہ کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں رومی سلطنت کی پشت پناہی اور تائید حاصل تھی جو انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دے رہی تھی اس بناء پر ان کے جارحانہ عزائم ابھی تک خاک آلود نہیں ہوئے تھے لہٰذا اس کا بھی سدباب ضروری تھا۔

(تاریخ اسلام' ج 1 ص 290)

فتنۂ ارتداد کے اسباب

1- آزاد پسند طبیعت:

عرب قبائل آزادی پسند طبیعت کے حامل تھے۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ مطلق العنان اور خود مختار تھا۔ وہ کسی حکومت کے ماتحت رہنا جانتے ہی نہ تھے جبکہ اسلام نے انہیں اجتماعیت کا درس دے کر ایک لڑی میں پرو دیا تھا اور پرانا قبائلی نظام ختم کر کے عرب قبائل کو مدینہ کی مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا تھا۔

عرب قبائل اسے اپنی آزادی کے منافی سمجھتے تھے اور اس اجتماعی نظام کو اپنے پاؤں کی زنجیر سمجھتے ہوئے اس سے آزادی کی فکر میں مبتلا ہو گئے تھے۔

2- اسلام سے بے رغبتی:

جو قبائل عرب مدینہ سے زیادہ دور تھے وہی زیادہ تر فتنہ کا شکار ہوئے کیونکہ وہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لئے اسلامی تعلیمات نے ان کے دلوں میں ابھی گھر نہیں کیا تھا۔ ادھر رسول اکرم ﷺ بھی انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی طرف پوری طرح توجہ نہ دے سکے تھے اس لئے بعض قبائل کی تعلیم ناقص رہ گئی تھی چنانچہ وہ آپ ﷺ کی وفات پر یہ سمجھے کہ اب اسلام کا رہنما نہیں رہا لہٰذا وہ آسانی سے کفر کی طرف پلٹ سکتے ہیں۔

3- سیاسی اتحاد میں دشواری:

عرب ایک گنجان اور متمدن ملک نہ تھا بلکہ ایک وسیع و عریض ریگستان تھا۔ جس میں آمدورفت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں اور عرب لوگ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے لہٰذا مدینہ کے مرکز سے اکناف و اطراف میں پھیلے ہوئے قبائل پر مؤثر کنٹرول کرنا اور اتنے قلیل عرصہ میں ان سب قبائل کو ایک حکومت کے ماتحت لانا بہت مشکل امر تھا لہٰذا وہ حکومت سے باغی ہو گئے۔

4- نبوت کے متعلق غلط فہمی:

رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو دیکھ کر کئی خودغرض لوگ یہ سمجھے کہ شاید نبوت کوئی اختیاری چیز ہے اور نبوت کا ڈھونگ رچا کر وہ بھی عرب کی سرداری حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ ان کے دماغ میں بھی نبی بن جانے کا فتور سا گیا اور وہ بہت سے لوگوں کو اپنے دام فریب میں لانے میں کامیاب بھی ہو گئے۔

5- غیر مسلموں کی خفیہ سازشیں:

عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تعداد ابھی بہت تھی۔ یہ لوگ اسلام کے سخت مخالف تھے چونکہ اعلانیہ طور پر تو انہیں مخالفت کی طاقت نہ تھی اس لئے خفیہ سازشیں کر کے مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہا اور فتنہ پردازوں کو خوب اُبھارا۔

6- باغی عناصر کی بیرونی امداد:

نبوت کے جھوٹے دعوے داروں اور باغی عناصر کو بیرونی ممالک سے کافی امداد ملی جس سے ان کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ بحرین کے باغیوں کو شاہ ایران نے مدد دی۔ مشہور جھوٹی مدعیہ نبوت سجاح بنت حارث کی شمالی عرب کے عیسائیوں کے حکمرانوں نے امداد کی۔ اس بیرونی امداد نے قبائل کو بغاوت پر اُبھارا اور ان کے حوصلے بڑھا دیئے۔

7- فیضان صحبت نبوی ﷺ کی عدم دستیابی:

نجد اور یمن کے باشندے اگرچہ اسلام لا چکے تھے چونکہ اسلام ابھی ان بادیہ نشین قبائل کے

دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا اور ان بدوی قبائل کو فیضان نبوت کی صحبت بھی میسر نہیں آئی تھی بلکہ اسلام کی شان وشوکت نے ان کی گردنوں کو جھکنے پر مجبور کر دیا تھا اس وجہ سے ان کے دلوں میں ابھی تک کجی موجود تھی۔

8- وہ زکوٰۃ کی روح کو نہ سمجھ سکے:

اسلامی قانون کے مطابق ایک مخصوص آمدن پر محدود نصاب کے مطابق کچھ مقررہ حصہ وصول کیا جاتا ہے جسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر ہی خرچ کیا جاتا ہے یا انہیں نقدی کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کا نام زکوٰۃ رکھا ہے۔ یہ زکوٰۃ امیروں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کی جاتی اور اسلامی اصولوں کی روشنی میں مستحق لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہے لیکن یہ لوگ زکوٰۃ کو ایک قسم کا ٹیکس سمجھتے تھے اس لئے بعض قبائل نے اسے اپنی محکومی قرار دیتے ہوئے مالی ٹیکس سمجھ کر دینے سے صاف انکار کر دیا۔

9- معاشرتی پابندیوں کی ناگواری:

عرب کا معاشرہ چونکہ مادر پدر آزادی کا قائل تھا۔ معاشرتی برائیوں اور اخلاقی بداعمالیوں کو وہ اپنی تہذیب قرار دیتے تھے بلکہ وہ اس پر نازاں و فرحاں تھے اور وہ زناء و شراب اور جواء کے عادی تھے۔ رقص و سرود اور شراب و شباب کی مجلسیں ان کی مرغوب اور پسندیدہ تفریحات تھیں جبکہ اسلام ان چیزوں سے قطعی پرہیز کی تلقین کرتا ہے بلکہ ان پر اسلام نے تعزیری سزائیں اور حدود کا نفاذ کیا ہے اور ان سزاؤں کے ذریعے برائیوں کے سیلاب کے آگے بند باندھا ہے جبکہ یہ پابندیاں ان کے ذوق تسکین کے لئے زہر قاتل تھیں اور وہ کیسے ان پابندیوں کو قبول کر سکتے تھے۔

10- جھوٹے نبیوں کی شریعت میں منکرات کی کھلی چھٹی:

عرب تو پہلے ہی بداخلاقیوں کے رسیا اور شراب و قمار کے عادی تھے ادھر نبوت کے جھوٹے دعوے داروں نے لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے انہیں برائیوں کے اجازت نامے بانٹنے شروع کر دیئے جس سے لوگوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے چنانچہ ان لوگوں نے اپنی ہوس رانی اور تعیش پر مبنی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے جھوٹے نبیوں کے دامن میں پناہ لے لی کیونکہ مسلیمہ کذاب کی شریعت میں زنا اور شراب نوشی جائز تھی۔

11- سیاسی مقاصد کا حصول:

عرب کا نظام چونکہ قبائل پر مبنی تھا اس لئے اکثر قبائل معاشرتی اور سیاسی تغلب و تسلط کے لئے ایک دوسرے پر برسرپیکار رہتے تھے۔ اس طرح عدنانی اور قحطانی قبائل ایک دوسرے کے ازلی اور جانی دشمن تھے چونکہ آنحضرت کا میثاق اور معاہدہ عدنانی قبائل سے تھا چنانچہ قحطانی قبائل آپ کے غلبہ و تسلط کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے عدنانیوں نے قحطانی اقتدار کو ختم کر دینے کی بھرپور کوشش کی اور وہ مسلیمہ کذاب کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے حالانکہ وہ اس کے کذب کو بھی

جانتے تھے مگر سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس کے گرد جمع ہو گئے اور حصول اقتدار کے لئے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

12- منافقین و یہود کا گھناؤنا کردار:

منافقین اور یہود جو اوّل روز سے ہی اسلام اور اہل اسلام کے دشمن تھے اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے چونکہ جزیرۃ العرب میں منافقین اور یہودیوں کی کافی تعداد موجود تھی ادھر مشرکین کا ابھی تک مکمل صفایا نہ ہو سکا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اُن لوگوں نے خبث باطن کی بناء پر اسلام دشمنی کے دبے ہوئے جذبات کی تسکین کے لئے جدید الاسلام لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات کی اشاعت شروع کر دی لہٰذا سجاح بنت حارث نبوت کی جھوٹی دعویدار کے ساتھیوں میں بنو تغلب کے نصرانیوں کی کثیر تعداد شامل ہو گئی تھی۔

13- مدینہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش:

جب مکہ فتح ہو گیا تو عرب قبائل کے وفود مدینہ میں آ آ کر اسلام قبول کرنے لگے۔ پھر جب رسول کریم ﷺ جنگ تبوک کے لئے گئے تو گویا روم و ایران کے دروازے پر دستک دے آئے۔ آپ ﷺ کے اس مجاہدانہ طرز عمل کا اثر یہ ہوا کہ روم و ایران کی سرحدوں کے قریب چھوٹی چھوٹی ریاستیں اسلام سے مرعوب ہو کر آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئیں مگر جب آپ نے وفات پائی تو وقتی طور پر آپ ﷺ کی رحلت کی وجہ سے مدینہ کا اقتدار کمزور ہوا تو وہ لوگ سابقہ آبائی مذہب کی طرف پلٹ گئے چنانچہ بحرین اور حلم میں بغاوت کرنے والے مجوسی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اقدامات

اِس نازک صورت حال سے نپٹنے کے لئے آہنی عزم اور ناقابل تسخیر استقامت کی ضرورت تھی۔ انصار و مہاجرین کے نزدیک صدیق اکبرؓ کی ذات اعتماد اور تعاون کی سزاوار تھی اور وہ سب آپؓ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے لہٰذا اندرونی انتشار و افتراق کی سب کوششیں خاک میں مل گئیں' جب آپ نے بیرونی دشمنوں کے خلاف مؤثر کارروائی کا آغاز کیا تو اہل اسلام کو ان خطرات کا احساس ہوا جو ان کے وجود کو چیلنج کر رہے تھے چنانچہ ان خطرات کے پیش نظر اتحاد و اتفاق ہو گیا کیونکہ ہر طرف سے ارتداد کی خبریں آنی شروع ہوئیں یہ خبریں اس تسلسل اور کثرت سے مدینہ میں آئیں کہ ان کو سن سن کر صحابہ کرامؓ کی آنکھوں کے سامنے مصائب و آلام اور غم و اندوہ کے پہاڑ تھے اور ان کے دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا کہ انہوں نے اگر درس گاہ نبوی ﷺ اور آغوش رسالت ﷺ میں صبر و استقامت کی تعلیم نہ پائی ہوتی تو ان کی اور اسلام کی بربادی یقینی تھی۔

مدینہ' مکہ اور طائف تین مقامات کے سوا باقی تمام براعظم عرب میں فتنہ ارتداد کے شعلے پوری قوت و استعداد کے ساتھ بھڑک اُٹھے تھے' ساتھ ہی یہ خبریں بھی پہنچیں کہ مدینہ منورہ پر ہر طرف سے

حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ صورتحال انتہائی پریشان کن تھی۔

جیش اسامہ کی روانگی:

رسول اکرم ﷺ نے اپنی مرض الموت میں حضرت اسامہ بن زید کو شام کی جانب رومیوں کے مقابلہ کے لئے لشکر اسلام دے کر روانہ فرمایا تھا جو کہ آنحضرت ﷺ کی علالت کے باعث رُکا ہوا تھا۔ اب وفات نبوی ﷺ کے بعد صدیق اکبرؓ نے اس لشکر کو روانہ کرنا چاہا تو صحابہ کرام نے خلیفۃ المسلمین سے عرض کیا کہ ایسی حالت میں جب ہر طرف سے ارتداد کی خبریں آ رہی ہیں اور مدینے پر حملہ ہونے کا خطرہ ہے اس لئے لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دیا جائے بلکہ اس مہم کی روانگی سے پہلے دیگر انقلابات کا تدارک ضروری ہے مگر صدیق اکبرؓ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا بلکہ فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں اس مہم کو نہیں روکوں گا جس کی روانگی کا حکم رسول اکرم ﷺ فرما چکے تھے۔"

(تاریخ الخلفاء سیوطی' ص 71)

چنانچہ آپؓ نے حکم دیا کہ وہ تمام لوگ جو لشکر میں شامل تھے' روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ کے باہر لشکرگاہ میں جلد پہنچ جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام حضرت اسامہؓ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ پھر آپؓ خود لشکر کو رخصت کرنے کے لئے پیدل لشکرگاہ تک پہنچے۔ حضرت اسامہؓ کو مع لشکر رخصت کیا اور خود حضرت اسامہؓ کی رکاب میں باتیں کرتے ہوئے چلے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا تو آپؓ سوار ہو جائیں یا میں سواری سے اُتر کر پیدل چلوں تو آپؓ نے فرمایا کہ نہ تو میں سوار ہوں گا اور نہ ہی آپؓ کو اُترنے کی ضرورت ہے۔ میرا چند قدم آپ کے ساتھ چلنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس طرح پیدل چلتے دیکھ کر پورا لشکر حیران رہ گیا اور جن لوگوں کے دلوں میں حضرت اسامہؓ کی سپہ سالاری کے متعلق کچھ انقباض تھا' وہ دور ہو گیا اور اس کے بدلے میں فرمانبرداری اور خلوص کے جذبات پیدا ہو گئے۔

حضرت اسامہ کو خلیفہ کی دس نصیحتیں:

آپؓ نے حضرت اسامہؓ کو ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے ان دس باتوں کی نصیحت اور وصیت کی' آپؓ نے فرمایا:

1- خیانت نہ کرنا۔
2- جھوٹ نہ بولنا۔
3- بدعہدی نہ کرنا۔
4- بچوں' بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔
5- کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا' نہ جلانا۔
6- کھانے کی ضرورت کے سوا اونٹ' بکری اور گائے وغیرہ کو ذبح نہ کرنا۔

7- جب کسی قوم پر گزر ہو تو اس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلانا۔
8- جب کسی سے ملنا تو اس کے مرتبے کا خیال رکھنا۔
9- جب تمہارے سامنے کھانا آئے تو اللہ کا نام لے کر شروع کرنا۔
10- یہودیوں اور عیسائیوں کے راہب لوگوں سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

اور ان تمام کاموں میں جن کے کرنے کا حکم رسول اکرم ﷺ نے تمہیں دیا ہے' نہ کمی نہ ہی زیادتی کرنا۔ جاؤ اللہ کے نام پر کفار سے لڑائی کرو۔

(تاریخ طبری' ص 1850- تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 1 ص 292)

صدیق اکبرؓ یہ نصیحتیں کر کے مقام جرف سے واپس پلٹے اور واپسی پر حضرت اسامہ سے اجازت لے کر حضرت عمرؓ کو مشورے کے لئے ساتھ لے آئے۔

لشکر اسامہؓ کی کامیابی اور مدینہ واپسی:

حضرت اسامہ نے محاذ جنگ پر شاندار عسکری صلاحیتوں کا ثبوت بہم پہنچایا' شامیوں کو ہزیمت کی ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ آپؓ بے شمار مال غنیمت اور جنگی قیدی لے کر مدینہ واپس آئے۔ اس مہم پر چالیس دن صرف ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ سے باہر نکل کر اس لشکر کا استقبال کیا۔ بظاہر ایسے نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا فوج کو روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا نہایت اچھا اثر پڑا۔ (تاریخ طبری' ج 2 ص 462)

لشکر اسامہؓ کی کامیاب واپسی کے خوشگوار اثرات:

اس لشکر کی روانگی بظاہر بے حد خطرناک معلوم ہوتی تھی مگر اس کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئے۔ ملک کی اس شورش اور بدامنی کے زمانے میں لشکر اسلام کا اس طرح رومیوں پر حملہ آور ہونا گویا تمام مرتدین اور باغیوں کو یہ بتا دینا تھا کہ ہم تمہاری ان سرکشیوں اور تیاریوں کو ایک پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔ اس ہمت و طاقت کے عملی اشتہار اور اعلان نے سرکشوں اور باغیوں کے حوصلوں کو پست کر کے ان کو فکر و تردد میں مبتلا کر دیا اور وہ بجائے اس کے کہ بے تحاشا سب کے سب مسلمانوں کی بیخ کنی پر پل پڑتے' اپنی اپنی جگہ یہ تحقیق کرنے لگے کہ مسلمانوں کو مغلوب کیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ وغیرہ مدعیان نبوت اپنے اپنے علاقوں سے باہر قدم نہیں نکال سکے اور منکرین زکوٰۃ وغیرہ سرکش قبائل اسلام کی مخالفت کا قطعی فیصلہ نہ کر سکے۔

حضرت اسامہؓ کا رومیوں پر فتح مند ہونا اور صحیح سالم غنیمت لے کر واپس آنا اور اس خبر کا ملک میں شہرت پانا اور بھی زیادہ مفید ثابت ہوا چونکہ مال غنیمت بھی خوب ہاتھ آ گیا تھا لہٰذا آئندہ سرکشوں کو درست کرانے اور ملک کے امن و امان کو بحال کرنے میں اس مال غنیمت سے اہل اسلام کو بڑی امداد ملی اور فوجی دستوں کی روانگی میں سامان سفر کی تیاریاں زیادہ تکلیف دہ نہ ہو سکیں اور ابوبکرؓ کے اس فیصلے کو

خوش آئندہ قرار دیا گیا۔ (تاریخ اسلام' ج 1 ص 292)

مزید برآں اس سے ایک طرف تو بیرونی طاقتوں کے دلوں پر خوف طاری ہو گیا' دوسری طرف انقلابیوں کو اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت کافی ہے ورنہ ایسے حالات میں جبکہ اندرونی قبائل میں بغاوت بپا ہے وہ بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتنی بڑی فوج نہیں بھیج سکتے تھے' مقابلہ کی صورت میں مسلمانوں کی عسکری قوت انہیں کچل کر رکھ دے گی۔ (تاریخ اسلام شاہ معین ندوی' ج 1 ص 110)

نبوت کے دعویداروں کی سرکوبی

رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں بعض نبوت کے مدعی پیدا ہو چکے تھے چنانچہ مسلیمہ کذاب نے 10 ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں' نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری ہے۔

اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے یوں لکھا تھا

''محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسلیمہ کذاب کو' امابعد۔ دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔''

لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد اور بھی بہت سے لوگوں نے نبوت کے لئے سر اُٹھایا اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا' کیونکہ بنو غطفان اس کی پشت پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔

اسود عنسی نے یمن میں' مسلیمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرد تو مرد عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا چسکا سا گیا تھا چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمی نے نہایت زور و شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مسلیمہ سے شادی کر لی تھی اور یہ مرض وباء کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی اس بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرف خاص توجہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لئے کون شخص زیادہ موزوں رہے گا؟

قرعہ انتخاب حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا چنانچہ وہ 11 ہجری میں حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت لے کر مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ (تاریخ طبری' ص 1749)

1- طلیحہ بن خویلد:

اس کا اصلی نام طلحہ تھا' مسلمان تحقیراً اسے طلیحہ کہتے تھے۔ یہ بنو اسد سے تعلق رکھتا تھا جو قریش کا دیرینہ حریف تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصن فزاری کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر عیینہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذرخواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر

بھیجے اور تجدید اسلام کر کے مومنین کے حلقہ میں داخل ہو گیا اور ایران و عراق کی مہموں میں شجاعت کے کارنامے بھی دکھائے۔ (تاریخ یعقوبی ج 2 ص 145)

2- مسلیمہ کذاب:

یہ شخص علاقہ یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ یہ بڑا اقتدار پرست تھا۔ اس نے یمامہ پر قبضہ جمانے کے لئے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مسلیمہ مدینہ آیا اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ مجھے اپنا جانشین تسلیم کر لیں تو میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں احکام خداوندی سے تجاوز نہیں کر سکتا اس شرط پر اگر تم کھجور کی یہ چھڑی بھی مانگو تو نہیں دوں گا۔" (صحیح مسلم)

مسلیمہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرجیل بن حسنہؓ روانہ کئے گئے لیکن اس سے قبل وہ حملہ کی ابتداء کر چکا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی اعانت کے لئے روانہ کیا گیا چنانچہ انہوں نے مجاعہ کو شکست دی اس کے بعد خود مسلیمہ سے مقابلہ ہوا۔ مسلیمہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر مقابلہ پر آیا۔ گھمسان کا رن پڑا اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ شروع میں دشمن نے بہت زور مارا' خالدؓ کی فوج پیچھے ہٹی اور پلٹ کر زوردار حملہ کیا۔ تمام سپاہ نے جان کی بازی لگا دی اور بنو حنیفہ کے منہ پھیر دیے۔ پاس ایک باغ تھا' مسلیمہ لشکر کو لے کر اس میں گھس گیا اور دروازے بند کر کے محصور ہو گیا۔ بعض مجاہد دیوار پر سے کود کر اندر جا پہنچے اور صدر دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالدؓ کی فوج حرکت میں آئی اور جھوٹے نبی کے بہت سے ساتھی کام آئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی کیونکہ جنگ کا آغاز صحیح نہ ہوا تھا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت شرجیل اور عکرمہ بن ابی جہل کو الگ الگ راستوں سے بھیجا اور ہدایت کی کہ دونوں یکجا ہو کر حملہ کریں مگر حضرت عکرمہؓ نے سوچا کہ میں تنہا ہی فتح حاصل کر لوں گا' اکیلے مسلیمہ سے جا اُلجھے مگر پسپا ہونا پڑا۔ اب شرجیل کی فوج مسلیمہ کے مقابلہ میں آئی' انہیں بھی حضرت خالدؓ کے انتظار کا حکم تھا لیکن انہوں نے بھی عکرمہ کی طرح جلدی کی اور شکست کھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ ادھر سے حضرت خالدؓ بھی آ گئے' حضرت خالدؓ کے پہنچنے پر شدید جنگ شروع ہوئی۔ پھر خالدؓ نے باغ کے اندر جھوٹے نبی کے ساتھیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔

سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے جس حربہ سے انہیں شہید کیا تھا' اسے صیقل کر کے رکھ چھوڑا تھا کہ جب بھی موقع ملا اس سے مسلیمہ کو قتل کروں گا۔ آج اس نے دیکھا کہ مسلیمہ دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہے اس نے تاک کر حربہ پھینکا جو اس کی چھاتی سے پار ہو گیا۔ ایک انصاری نے بڑھ کر مسلیمہ کی کھوپڑی پر تلوار کا وار کیا اور اسے ڈھیر کر دیا اور مسلیمہ کی باقی ماندہ فوج بھاگ نکلی۔ (صحیح بخاری' باب الغزوات)

اس جنگ میں مسلیمہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ بارہ سو مسلمانوں نے شہادت پائی جن میں سے بہت سے حافظ قرآن بھی تھے۔ (تاریخ یعقوبی ج 2 ص 145)

3۔ اسود عنسی:

اس کا اصل نام عبہلہ تھا۔ یہ یمن کے قبیلہ عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ سیاہ فام ہونے کی وجہ سے لوگ اسے "اسود" کہتے تھے۔ اس نے جناب رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اس کی قوت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اتفاق سے اس کے چند پیروکار مسلمان سرداروں کے ساتھ مل گئے۔ اسود کو ابھی چار ماہ بھی حکومت کرنا نصیب نہ ہوئی تھی کہ قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے اسے نشہ کی حالت میں ذبح کر دیا۔ (تاریخ طبری، ص 1863)

4۔ سجاح بنت حارث:

قبیلہ بنو تمیم کی ایک حوصلہ مند خاتون سجاح بنت حارث بھی نبی بن بیٹھی۔ لوگ جوق در جوق اس کے پیروکار بن گئے۔ بنو تمیم کے ایک نامور سردار مالک بن نویرہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو کر سجاح کی مریدی اختیار کی۔ سجاح نے اپنی قوت بڑھانے کے لئے مسلیمہ کذاب سے شادی کر لی۔ حضرت خالدؓ جب سجاح کی سرکوبی کے لئے بنو تمیم میں پہنچے تو اسے غائب پایا۔ بنو تمیم نے حضرت خالدؓ کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور اسلام لے آئے۔ حضرت خالدؓ نے انہیں معاف کر دیا۔ سجاح وہاں سے بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔ (تاریخ یعقوبی، ج 2 ص 145)

دیگر مرتدین کی سرکوبی:

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے سردارانِ عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے حلقے کا بادشاہ بن بیٹھا چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اُٹھایا، لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اسی طرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے مدعیان نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اس طوائف الملوکی کی طرف توجہ کی چنانچہ علاء بن الحضرمیؓ کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا، اسی طرح حذیفہ بن محصن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کرا کے سرزمین عمان کو پاک کیا اور زیاد بن لبید کے ذریعے سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی۔

(تاریخ طبری، ص 1863)

منکرین زکوٰۃ کی گوشمالی

مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا چونکہ یہ گروہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا، اس لئے اس گروہ کے خلاف تلوار اُٹھانے کے متعلق خود صحابہ میں اختلاف رائے ہوا چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحب رائے بزرگ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپؓ ایک ایسی جماعت کے ساتھ کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غیر متزلزل ارادہ و استقلال اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا اور صاف صاف کہہ دیا:

"خدا کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کی خلاف جہاد کروں گا۔" اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین زکوٰۃ خود زکوٰۃ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔ (صحیح بخاری' ج 1 ص 188)

اس طرح اپنے حسن تدبر اور عزم و استقلال کے باعث حضرت ابوبکرؓ نے ایک سال کے عرصہ میں اس بڑے فتنہ کو دبا دیا اور سرکش قبائل ایک بار پھر دائرۂ اسلام میں آ گئے اس شورش کے درمیان حضرت ابوبکرؓ نے لشکروں کی تیاری' قائدین لشکر کا انتخاب اور لشکر کی نقل و حرکت کے متعلق ضروری ہدایات کے سلسلہ میں جس دانشمندی اور تدبر کا ثبوت دیا' وہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

جمع و ترتیب قرآن اور اس کا پس منظر

مدعیان نبوت اور مرتدین اسلام کے مقابلہ میں خصوصاً مسلیمہ کذاب کے فتنہ کو دبانے کے لئے جو جنگ یمامہ میں ہوئی تھی اس میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول جنگ یمامہ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد جو شہادت سے سرفراز ہوئی 6000 (چھ ہزار) تھی۔
(خطبات بہاولپور' ص 14)

حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر حکومت نے تحفظ قرآن مجید پر توجہ نہ کی اور حفاظ قرآن اس طرح جنگوں میں شہید ہوتے رہے یا طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہوتے رہے تو ممکن ہے قرآن کے اجزاء ضائع ہو جائیں لہٰذا قرآن کریم کو ایک جگہ لکھ لینا چاہئے۔

یہ سوچ کر حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے ہیں اس لئے اگر آپ نے جمع قرآن پاک کی طرف توجہ نہ کی تو اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا' وہ میں کیسے انجام دوں۔ حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ یہ کار خیر ہے آپ کو اس طرف توجہ دینی چاہئے بالآخر ابوبکرؓ کے ذہن میں یہ بات آ گئی چنانچہ انہوں نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو یہ خدمت تفویض کی۔ (صدیق اکبر' ص 393)

حضرت ابوبکرؓ نے جمع قرآن کے سلسلہ میں چار صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس کے ارکان یہ تھے:

1- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
2- حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ
3- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
4- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

بقول ڈاکٹر حمید اللہ پانچویں حضرت عمرؓ تھے۔ اس کمیٹی کے صدر حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ (خطبات بہاولپور' ص 15)

چنانچہ کمیٹی کے ارکان نے شب و روز کی محنت اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا اس کی تکمیل 11 ہجری کے آخر میں ہوئی۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی تک ان کے پاس رہا' ان کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس محفوظ رہا اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد اُم المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں رہا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ نسخہ حضرت حفصہؓ سے مستعار لے کر اس کی متعدد نقلیں کروائیں اور مختلف اسلامی علاقوں میں بھیجیں۔ (فتح الباری' ج 9 ص 10)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد "و انا له لحافظون" ہوتا ہے اور جس کی بشارت "ان علینا جمعه و قرآنه" میں موجود ہے۔" (ازالۃ الخفاء' ج 2 ص 5)

فتوحات عہد صدیقیؓ میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب داخلی انتشار' فتنۂ ارتداد اور مدعیان نبوت کا استیصال کر چکے تو انہوں نے پھر دو اسلام دشمن طاقتوں کی طرف توجہ کی جو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے اور وہ تھے: ایران (فارس) اور روم۔

ایران (فارس) کا تعارف:

ایران کی سلطنت بہت قدیم تھی۔ یہ سب سے بڑی متمدن سلطنتوں میں شمار ہوتی تھی اور یہ سب سے بڑی وسیع سلطنت تھی۔ افغانستان اور عراق عرب' ایران کی حکومت کا حصہ تھے۔ ایران پر ساسانی خاندان حکومت کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کے زمانہ میں ساسانی خاندان کا مشہور عادل بادشاہ نوشیرواں تخت فارس پر متمکن تھا۔ ایران کے بادشاہوں نے اپنا لقب "کسریٰ" رکھا ہوا تھا۔ ساسانی خاندان کا دارالسلطنت شہر "مدائن" تھا۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے دجلہ کے مشرقی و مغربی کناروں پر آباد تھا۔ اسی شہر میں "قصر کسریٰ" تھا جو اپنے حسن تعمیر کے لحاظ سے عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایران کی عظیم الشان سلطنت "سلطنت اسلامیہ" کا حصہ بن گئی۔ (خلفائے راشدین: عبدالرشید عراقی' ص 87)

روم کا تعارف:

سکندر یونانی کے بعد جو دوسری عظیم الشان سلطنت یورپ میں قائم ہوئی وہ رومی سلطنت تھی۔ اس سلطنت کا صدر مقام حکومت اٹلی کا موجودہ دارالحکومت "روم" تھا۔ رومی سلطنت کے عروج کا زمانہ

تھا جب ہندوستان، ایران، چین اور ترکستان چھوڑ کر تمام دنیا اس کے زیرنگیں تھی اور یہ سلطنت "گریٹ رومن ایمپائر" کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔ رومی سلطنت کے بادشاہ کا لقب "قیصر" تھا۔

آغاز اسلام میں رومی سلطنت کا تاجدار "ہرقل" تھا۔ یہ پہلے افریقہ کا گورنر تھا پھر 610ء میں اس نے "قیصر خوقا" کو قتل کر کے سلطنت روم پر قبضہ کر لیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ قیصر روم ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ 9ھ میں رومیوں نے مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو رومیوں کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی رُک گئی۔ تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ رومیوں کا خطرہ دامن گیر رہا۔

عہد صدیقی میں عرب و عجم کی صورت حال:

شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ:

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام پر رومی جھنڈا لہرا رہا تھا تو دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا۔ ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے عرب کے آزاد اور جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ بٹھانے کی ہمیشہ کوشش کی خصوصاً ایرانی سلطنت کو تو اس مقصد کے حصول کے لئے بارہا عظیم قربانیاں بھی پیش کرنا پڑیں۔ لہٰذا اس مہم کو سر کرنے کے لئے عظیم الشان لشکروں کو روانہ کیا گیا۔ بعض اوقات اس کو کامیابی بھی ملی جس کے نتیجہ میں اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا چنانچہ ساسانی سلطنت کے دوسرے فرمانروا شاپور بن اردشیر کے عہد حکومت میں حجاز اور یمن دونوں اس کے باجگزار تھے۔ اسی طرح سابور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا یثرب (مدینہ منورہ) تک پہنچ گیا۔ یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا جو رئیسان عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے۔ یہ ان کے شانے اکھڑوا دیتا تھا اس وجہ سے یہ عرب میں "ذوالاکتاف" (شانوں والا) کے لقب سے مشہور ہوا۔ (تاریخ الطوال، ص 49)

لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہیں جانتی تھی اس لئے جب کبھی انہیں موقع ملا، باغی بن گئے۔ یہاں تک کہ کئی بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں، چنانچہ فرمانروایان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرمانروا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔

گو شاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا بالآخر اپنی سلطنت کا ایک حصہ بنا لیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اس سرزمین پر آ کر آباد ہوتے رہے۔ غرضیکہ عرب و ایران کے تعلقات قدیمی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عہد تک باہمی چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی چنانچہ جنگ ذی وقار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم قومی جنگ تھی، جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا:

هذا اوّل یوم انتصفت العرب من العجم (عقد الفرید' ج 3 ص 81)

''یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔''

6ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوت اسلام دی تو شہنشاہ ایران پرویز نے اسی قدیم عناد کی وجہ سے نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا: ''میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے۔'' (تاریخ طبری' ص 1572)

رومی سلطنت سے بھی عرب کے دیرینہ تعلقات تھے۔ عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلیح' غسان اور جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی اور 6ھ میں حضرت دحیہ کلبیؓ قیصر روم کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

(اسد الغابہ تذکرہ دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیرؓ کو بصریٰ کے حاکم عمر بن شرجیل نے قتل کرا دیا۔ 8ھ میں غزوہ موتہ اسی قتل و غارت کا انتقامی نتیجہ تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ شہید ہوئے۔

(طبقات ابن سعد' حصہ مغازی ص 92)

9ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود پیش قدمی کی تو عارضی طور پر لڑائی کا سلسلہ رک گیا تاہم مسلمانوں پر ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کے طرف سے خطرات منڈلاتے رہتے تھے چنانچہ 11ھ میں رسول اکرم ﷺ نے اس حفظ ماتقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

خلاصہ کلام:

اس تفصیل سے یہ بیان کرنا مقصد ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ہدف بنا ہوا تھا خصوصاً اسلام کی روزافزوں ترقی نے انہیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا جو اس عربی نونہال کے لئے حد درجہ خطرناک تھا۔

خلیفہ اوّل نے انہی اسباب کی بناء پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ (خلفائے راشدین' ص 46 تا 48)

عہد صدیقی میں ایران کی سیاسی حالت:

ان زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے سب بھائیوں کو قتل کرا دیا۔ یہ کل آٹھ مہینے تخت پر رہا اس کے بعد اس کا صغیر السن بیٹا تخت پر بیٹھا اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود

بادشاہ بن گیا۔ چند دنوں بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جواں شیر کو تخت نشین کیا۔ ایک سال کے بعد یہ بھی مر گیا۔ اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا اس لئے شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد اُسے بادشاہ بنایا جائے گا۔ (اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری، ص 116)

عراق پر عرب قبائل کا حملہ:

ایرانی سلطنت چونکہ طوائف الملوکی کے سبب اپنی گزشتہ شان و عظمت کھو بیٹھی تھی یزدگرد کے نابالغ ہونے کی وجہ سے ایک عورت تخت ایران پر متمکن تھی چنانچہ عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختہ مشق رہ چکے تھے، ایسے مواقع سے فائدہ اُٹھانے کے منتظر تھے چنانچہ موقع پا کر نہایت زور وشور کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت اکٹھی کر کے حرہ اور اھلہ کے نواح میں غارتگری شروع کر دی۔

مثنیٰ شیبانی اسلام لا چکے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم حکومت سے ٹکر نہیں لے سکتے اس لئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت اور مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ابتداء محرم 12ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو اسلامی فتوحات کا سنگ بنیاد نصب کرنے کے لئے ایران کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ دس ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر لے کر عراق کی سرحد پر پہنچ گئے۔ یہاں حضرت مثنیٰ آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی اور اس سارے لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔

حضرت خالدؓ کو خلیفہ رسول نے ہدایت کی تھی کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ورنہ انہیں جزیہ دینے کے لئے کہیں اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کریں۔

حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کے تین حصے کئے ایک حصے کا امیر حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو بنایا، دوسرے کا عدی بن حاتم کو اور تیسرے کو اپنے ماتحت رکھا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ہرمز کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

''اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو اسلام قبول کر لو اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ دو اور مسلمانوں کی پناہ میں آ جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر جو نتیجہ ہوگا اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ میں ایک ایسی قوم کو ساتھ لایا ہوں جو موت سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی تم زندگی سے محبت کرتے ہو۔''

(تاریخ طبری، ج 2 ص 554)

جنگِ ذات السلاسل:

ادھر ہرمز کو جب یہ خط ملا اس وقت اسلامی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع بھی ملی تو اس نے اس کی اطلاع کسریٰ ایران اردشیر (یزدگرد) کو دی اور وہ حضرت خالدؓ کے مقابلہ میں ایک لشکر جرار لے کر آ گیا۔ ہرمز نے اپنی فوجوں کی صف بندی اس طرح کی کہ اس کے میمنہ اور میسرہ کی قیادت ایران کے شاہی خاندان کے دو بھائی ''نوشجان اور قباذ'' کر رہے تھے۔ ایرانیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ان کے کئی دستوں نے ایک دوسرے کو زنجیروں کے ساتھ جکڑ رکھا تھا تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ''ذات السلاسل'' کہا جاتا ہے۔

یہ سب انتظامات مکمل ہوئے تو ہرمز نے حضرت خالدؓ کو دعوت مبارزت دی۔ حضرت خالد آگے بڑھے لڑائی ہونے لگی۔ ہرمز نے قواعد جنگ کے خلاف کچھ آدمیوں کو اس پر تیار کر رکھا تھا کہ جب خالدؓ میرے مقابلہ پر آئیں اور میرے ساتھ مصروف ہوں تو آپ خالدؓ پر حملہ کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن اس وقت اچانک حضرت قعقاع بن عمرو حضرت خالدؓ کی مدد کو پہنچے اور اس زور سے حملہ کیا کہ ہرمز کے آدمی بدحواس ہو گئے اور حضرت خالدؓ نے پہلو بچا کر ہرمز پر ایسا کاری وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میدان جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر اسلامی افواج نے حملہ کر دیا اور ایرانی شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں نے تعاقب کر کے بے شمار ایرانیوں کو قتل کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم نصیب فرمائی۔

اسلامی افواج کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں ہرمز کا مرصع تاج بھی تھا اور ایک ہاتھی بھی۔ حضرت خالدؓ نے سب مال غنیمت مدینہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیج دیا۔ ہاتھی کو بھی مدینہ بھیجا گیا اور اسے مدینہ کی گلیوں میں گھمایا گیا۔ عربوں کے لئے یہ بالکل ایک نیا جانور تھا۔ لوگوں نے بڑے ذوق و شوق سے اسے دیکھا۔ بعد میں یہ ہاتھی واپس بھیج دیا گیا۔ (تاریخ ابن اثیر' ج 2 ص 262)

ہرمز کا تاج حضرت خالدؓ کو عطا کیا گیا کیونکہ انہوں نے ہی ہرمز کو قتل کیا تھا۔

دیگر جنگوں کا حال:

ذات السلاسل کے بعد کئی ایک جنگیں ہوئیں جو کہ یہ تھیں:

جنگ مزار:

یہ جنگ ماہ صفر 12ھ میں ہوئی۔ اس جنگ میں ایرانیوں کے نامور جرنیل قارن نوشجان اور قباذ مارے گئے۔ مؤرخ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ایرانیوں کا ان جیسا نامور اور بلند مرتبہ شخص آئندہ کسی جنگ میں نہیں مارا گیا اور اس جنگ میں ایرانیوں کے تیس ہزار آدمی مارے گئے۔

(تاریخ الکامل لابن اثیر' ج 2 ص 263)

جنگ ولجہ:

یہ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ ابن اثیر کے مطابق اس جنگ میں دونوں فریقوں نے گمان کیا کہ

صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے' بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ مجاہدین اسلام آناً فاناً قہر خداوندی بن کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے جو باقی بچ گئے وہ بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ (حوالہ مذکور)

معرکہ الیس:

یہ جنگ عربی النسل عیسائیوں سے ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ عیسائی فوج حواس باختہ ہو گئی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں ستر ہزار عیسائی اور ایرانی مارے گئے۔ (حوالہ مذکور)

حضرت خالدؓ کی ان مسلسل فتوحات کا علم جب حضرت ابوبکرؓ کو ہوا تو آپؓ نے خوش ہو کر فرمایا: ''عورتیں خالدؓ جیسا کوئی فرزند پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔'' (حوالہ مذکور)

حیرہ کی فتح:

ان پیہم شکستوں نے ایرانیوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ شہر کا محاصرہ کیا تو وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر تم جزیہ دینا قبول کر لو اور قلعے کا دروازہ کھول دو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہماری ہو گی۔ اہل حیرہ نے اس کے جواب میں مسلمانوں پر پتھر برسانے شروع کر دیئے چنانچہ حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو ان پر مسلسل تیر مارنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس بناء پر اسلامی لشکر نے ان پر اس کثرت سے تیر برسائے کہ ان کے بے شمار آدمی مارے گئے۔

آخر دشمن کی افواج کے سرداروں نے حضرت خالدؓ سے درخواست کی کہ ہم آپ سے مصالحانہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں' آپ لڑائی بند کر دیں۔ حضرت خالدؓ نے یہ درخواست قبول کر لی چنانچہ ان کا وفد حاضر خدمت ہوا اور انہوں نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی اور ایک تحریری معاہدہ ہوا۔ (ابن اثیر ج 2 ص 267)

فتح انبار:

حیرہ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ انبار کی طرف بڑھے۔ اہل انبار کو اطلاع ملی تو وہ بھی قلعہ بند ہو گئے۔ جب مسلمان ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت خالدؓ نے جوابی حملہ کیا جس سے دشمن کے ایک ہزار سپاہی اپنی آنکھوں سے محروم ہو گئے۔ جب مسلمانوں کی طرف سے زیادہ دباؤ بڑھا تو انہوں نے صلح کر لی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (حوالہ مذکور)

فتح عین التمر:

فتح انبار کے بعد حضرت خالدؓ عین التمر کی طرف بڑھے' یہاں ایک ایرانی جرنیل مہران پسر بہرام جنگ کی تیاری میں مصروف تھا۔ حضرت خالدؓ نے اتنا شدید حملہ کیا کہ ایرانی بدحواس ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے ایرانی لشکر میں شامل عیسائی عربوں کو گرفتار کیا اور ان میں سے بیشتر کی گردنیں اڑا دیں۔

وہاں ایک گرجا دیکھا' اس کا دروازہ کھولا تو اس میں چالیس لڑکے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے متعلق یرغمال ہونے کا ذکر کیا۔ حضرت خالدؓ نے انہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اندلس کے مشہور فاتح موسیٰ بن نصیر اور بصرہ کے مشہور محدث وفقیہ محمد بن سیرین انہی لڑکوں میں شامل تھے۔ (تاریخ طبری' ج 2 ص 577)

معرکہ دومتہ الجندل:

دومتہ الجندل' عین التمر سے تین سو میل کی مسافت پر اس راستہ پر واقع ہے جو حیرہ اور عراق کی طرف جاتا ہے۔ دومتہ الجندل کا سردار اکیدر بن عبدالملک کندی تھا۔ 9ھ میں آنحضرتﷺ نے اس کی سرکوبی کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا تھا تو حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کر کے مدینہ بھیجا تو یہاں آ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کو پروانہ امن لکھ دیا لیکن آنحضرتﷺ کے انتقال کے بعد اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور عہد شکنی کر کے مرتد ہو گیا۔ (فتوح البلدان' ص 68)

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے دومتہ الجندل کا محاصرہ کیا اور اکیدر کو گرفتار کر لیا اور اسے عہد شکنی اور بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد جنگ ہوئی جس میں بے شمار عیسائی قتل ہوئے۔ اس جنگ میں جودی جو عرب قبائل کا سردار تھا' قتل ہوا اور اس کی بیٹی جو حسن و جمال میں بہت مشہور تھی' گرفتار ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے پہلے اسے خریدا پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ (حوالہ مذکور)

عراق میں بغاوت:

حضرت خالدؓ ابھی دومتہ الجندل ہی میں تھے کہ ایرانیوں اور عراق کے عربی قبائل نے ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی تو آپ دومتہ الجندل سے روانہ ہوئے۔ دوسری طرف دوسرے مسلمان جرنیل حضرت قعقاعؓ' حضرت ابولیلیٰؓ' حضرت اعبد اور حضرت عروہ حضرت خالدؓ سے آ ملے۔ پھر متحدہ اسلامی لشکر نے ایرانیوں اور ان کے عرب حلیفوں پر تباہ کن شب خون مارا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ عیسائی عربوں کا سردار ہذیل بن عمران بچ کر نکل گیا لیکن باقی تمام عیسائی عرب اور ایرانی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

(ابن اثیر' ج 2 ص 272)

جنگ فراض:

فراض عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ حضرت خالدؓ عراق کی بغاوت ختم کرنے کے بعد فراض پہنچے اور دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن ہو گئے۔ یہاں رومی' ایرانی اور عیسائی عرب تینوں جمع ہو گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے جب دیکھا کہ تینوں جمع ہو گئے ہیں تو آپؓ نے ان کے مقابلہ کے لئے خاص اہتمام کیا کیونکہ اس وقت ایران' عرب اور روم کی طاقت متحدہ تھی اور درمیان میں دریائے فرات حائل تھا۔ مخالفین دریائے فرات

کو پار کر کے چلے آئے اور ساحل پر فریقین کا مقابلہ ہوا اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین طاقتیں تھیں لیکن ان کے جوش جہاد اور سرفروشی نے تینوں کو نہایت شکست فاش دی۔ مؤرخین کے مطابق اس جنگ میں دشمن فوج کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے۔ (طبری' ج 2 ص 584)

عراق میں حضرت خالدؓ کا قیام ایک سال دو ماہ (محرم 12ھ تا صفر 13ھ) رہا لیکن اس قلیل مدت میں انہوں نے جو فتوحات حاصل کیں' وہ جنگ وحرب کی تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے۔ ان جنگوں کا دائرہ خلیج فارس سے شام کی سرحد فراض تک وسیع ہے اور پھر جنگ کسی ایک قوم سے نہیں تھی بلکہ ایرانی' رومی اور قبائل عرب ان تینوں کے متحدہ لشکران سے جو تعداد میں سازو سامان اور اسلحہ میں مجاہدین اسلام سے ہر طرح برتر تھے۔ ان تمام معرکوں میں الحمدللہ ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا جہاں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہو' حضرت خالدؓ نے عراق میں اپنے قیام کے دوران پندرہ جنگیں لڑیں اور سب میں ہی فتح یاب ہوئے۔ (سیرۃ خلیفتہ الرسول' ص 260)

فتوحات شام

13ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شامیوں اور رومیوں کے خطرہ کو مٹانے کے لئے شام و فلسطین کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا انتظام کیا۔ آپؓ نے اس لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ کا ایک مستقل سپہ سالار مقرر کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

1- حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ...... حمص
2- حضرت عمرو بن العاصؓ...... فلسطین
3- حضرت یزید بن ابی سفیانؓ...... دمشق
4- حضرت شرجیل بن حسنہؓ...... اُردن

اسلامی فوج کے یہ چاروں سپہ سالار اپنی اپنی فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے جابیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اپنا مورچہ عرب میں قائم کیا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان نے بلقاء میں ڈیرے ڈالے اور حضرت شرجیل بن حسنہ نے بصرہ میں قیام کیا۔ اسلامی فوج کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔

جب شامیوں اور رومیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان کے ملک کو گھیر لیا ہے تو بہت پریشان ہوئے اور اپنے بادشاہ ہرقل سے مدد کے طالب ہوئے۔ ہرقل اس وقت حمص (شام) میں تھا جب اسے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے تمام مسلمان سپہ سالاروں کے مقابلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں۔

چنانچہ جب اسلامی افواج شام کی حدود میں داخل ہوئیں تو انہیں قدم قدم پر رومی فوجوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی کثرت تعداد کو دیکھ کر اسلامی افواج کے سپہ سالاروں نے خلیفتہ المسلمین کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور مزید فوج کا مطالبہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت عراق میں مقیم تھے' حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ بن حارثہ کے سپرد کر کے شام چلے جائیں چنانچہ حضرت خالدؓ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ (فتح البلدان' بلاذری' ص 111)

حضرت خالد نے سرزمین شام پر قدم رکھتے ہی بصریٰ پر فوج کشی کی اور یہاں کے بطریق کو شکست دی۔ اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے۔ (حوالہ مذکور' ص 119)

جنگ اجنادین:

بصریٰ کے بعد حضرت خالدؓ کا ارادہ تھا کہ وہ دمشق کی طرف پیش قدمی کریں لیکن اچانک انہیں اطلاع ملی کہ ہرقل (قیصر روم) نے ایک لاکھ کا لشکر جرار اجنادین میں جمع کر دیا ہے اور مسلمانوں پر بھرپور حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت شرجیل بن حسنہ کو بصریٰ چھوڑا اور یہ دونوں سپہ سالار اجنادین کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرو بن العاص جو اس وقت عربہ میں تھے وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ 13ھ جمادی الاولیٰ 18 یا جمادی الثانی 2 تاریخ کو رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن اسلامی لشکر کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چل سکی اور ہزاروں آدمی قتل کرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت خالدؓ نے اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ایک خط کے ذریعے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہی تعریف کے لائق ہے جس نے مسلمانوں کی مدد کی اور فتح کی خبر سے میری آنکھیں ٹھنڈی کیں۔'' (فتوح الشام' بلاذری' ص 81)

دمشق کا محاصرہ:

اجنادین کو فتح کرنے کے بعد حضرت خالد' حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دمشق روانہ ہوئے اور دونوں سپہ سالاروں نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ کامل تین ماہ تک محاصرہ جاری رہا' ابھی محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ ختم ہو گیا۔

متفرق فتوحات:

عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو توج روانہ کیا گیا۔ انہوں نے توج' مکران اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو زیرنگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرمی زارہ پر مامور ہوئے انہوں نے زارہ اور اس کے اطراف کو زیرنگیں کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اوّل نے اس میں سے مدینہ کے ہر خاص و عام' مرد' عورت' شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 51)

علالت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا استخلاف:

جمادی الثانی 13ھ میں حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے' انہیں پندرہ دن بخار رہا۔ آپؓ خلقۃً بہت ناتواں تھے' عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا۔ نشست و برخاست سے معذور ہو گئے۔ آپ کی علالت میں حضرت عمرؓ امامت کرتے تھے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آئندہ اپنے جانشین کے بارے میں مشورہ کیا اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا:

''ان کی اہلیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں۔''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

''ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے۔''

حضرت طلحہ عیادت کو آئے ہوئے تھے' انہوں نے بھی حضرت عمرؓ کے درشت مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا:

''جب وہ آپؓ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپؓ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

''جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔''

ایک صحابی نے کہا:

''آپ عمرؓ کی درشتی کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ آپؓ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟''

فرمایا' میں عرض کروں گا:

''الٰہی! میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب سے اچھا تھا۔''

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی۔ حضرت عمرؓ کا نام سن کر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا اور فرمایا: ''اللہ تمہیں جزائے خیر دے' تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔'' وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ کے عام مجمع میں سناؤ اور خود بالا خانہ پر جا کر حاضرین سے فرمایا:

''میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم میں سب سے بہتر ہے۔''

سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 ق اوّل' ذکر وصیت ابی بکر رضی اللہ عنہ' ص 42)

خلیفہ اوّل کی وصیت:

جانشینی کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انہوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دے دی تھی لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو گی اس لئے فرمایا:

"اے جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے' کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر لو گی؟" حضرت عائشہؓ نے حامی بھر لی تو آپؓ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لئے وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے مسلمانوں کے مال میں ہے ایک کنیز اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں۔ عائشہ! میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں چنانچہ یہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؓ نے مزید فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی چیز تو نہیں رہ گئی ہے' اگر ہو تو اسے بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔ گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کاشانہ صدیقی سے برآمد نہیں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 136)

بیماری کے دوران آپؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے عہد خلافت میں بیت المال سے جو خرچ کیا ہے' اس کا حساب کرواؤ۔ حساب کیا گیا تو آٹھ ہزار درہم ہوئے۔ فرمایا میں اس کے عوض اپنی فلاں علاقے کی زمین اہل اسلام کو دیتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کے پاس جب یہ چیزیں پہنچیں تو فرمانے لگے:

"ابوبکرؓ کے جانشینوں کے لئے بڑی مشکل پیدا ہو گئی ہے۔"

وفات اور تجہیز و تکفین:

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا جسم پر ہے اس کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن بنا دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے' کفن کے لئے نیا کپڑا ہونا چاہیے تو فرمایا:

"اے بیٹی! زندے مردوں کی نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ میرے لئے یہی پھٹا پرانا کفن کافی ہے۔"

اس کے بعد پوچھا آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: سوموار۔ پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ کی رحلت کس دن ہوئی تھی؟ کہا گیا' سوموار کے روز۔ فرمایا: "تو میری یہی آرزو ہے کہ میں آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں۔"

چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی یعنی سوموار کا دن ختم ہوا تو منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول 13ھ کو راہ عدم کے مسافر ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد)

انا للہ وانا الیہ راجعون!

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ کی زوجہ حضرت اسماء

بنت عمیسؓ نے غسل دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ طلحہؓ عبدالرحمن بن ابی بکر اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اُتارا۔ اس طرح سرور کائنات کے رفیق زندگی آپ ﷺ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لئے جنت میں پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت و کردار اور ذاتی حالات

حلیہ صدیقؓ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد سفید رنگ کے دُبلے پتلے آدمی تھے۔ کمر ذرا خمیدہ تھی تہبند کمر پر رُک نہیں سکتا تھا۔ چہرہ ہڈیاں نکلا ہوا اور آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی تھیں۔ پیشانی بلند انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی تھے۔ پنڈلیاں اور رانیں پُر گوشت نہیں تھیں۔ قد موزوں تھا۔ مہندی خضاب لگاتے تھے۔ یہ آخری عمر کا حلیہ تھا۔ (تاریخ طبری ج 2 ص 615)

ذریعہ معاش:

آپؓ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ شروع سے ہی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ کاروباری سلسلہ میں اکثر شام و یمن کا سفر کرتے تھے۔ اپنی ایمانداری اور خوش معاملہ ساز ہونے کی وجہ سے قریش کے تمام تاجروں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

لباس و غذا:

غذا بہت سادہ تھی اور لباس بھی معمولی اور سادہ استعمال کرتے تھے۔ بہت خوش حال تھے۔ کبھی کبھی فاقہ بھی ہو جاتا تھا۔ جو کماتے تھے بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔

(طبقات ابن سعد تذکرہ ابوبکر صدیقؓ)

عہد خلافت میں وظیفہ:

دوران خلافت آپؓ کا وظیفہ دو ہزار درہم مقرر ہوا۔ فتوحات کے بعد یہ وظیفہ چھ ہزار ہو گیا نیز دو چادریں ملتی تھیں جب وہ بوسیدہ ہو جاتیں تو واپس کر کے نئی لے لیتے تھے۔

(طبقات ابن سعد حوالہ مذکور)

لیکن مولانا حبیب الرحمان لکھتے ہیں کہ آپؓ نے کل مدت خلافت میں صرف آٹھ ہزار درہم وصول کیے۔ اس حساب سے آپ کا وظیفہ ڈھائی ہزار سالانہ بنتا ہے۔ (سیرت الصدیق)

ازواج و اولاد:

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے چار نکاح کیے۔ دو اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

-1 قتیلہ بنت عبدالعزیٰ...... ان کے بطن سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماء پیدا ہوئیں۔ ان

اسلام مشکوک ہے۔ ان کو آپؓ نے طلاق دے دی تھی۔ (صحیح بخاری ج 1 ص 558)

2۔ اُم رومان...... ان کے بطن سے حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمانؓ پیدا ہوئے۔ ان کو اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ 5ھ میں فوت ہوئیں۔ (الاصابہ ج 4 تذکرہ اُم رومان)

3۔ اسماء بنت عمیس...... ان کے بطن سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کی تھی کہ یہ مجھے یہ غسل دیں۔ (الاستیعاب تذکرہ اسماء بنت عمیس)

4۔ حبیبہ بنت خارجہ...... ہجرت کے بعد حضرت خارجہ بن زید سے مؤاخات کی تھی۔ حضرت حبیبہ انہی کی بیٹی تھیں۔ آپ کے انتقال کے وقت یہ حاملہ تھیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی (اُم کلثوم) پیدا ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد چھ بچے تھے۔

تین لڑکے: عبداللہ' عبدالرحمان اور محمد اور تین لڑکیاں: اسماء' عائشہ اور اُم کلثوم۔

حضرت ابوبکرؓ کی سیرت اور اخلاق و عادات:

حضرت ابوبکر فطرتاً اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ زمانہ قبل از اسلام عفت' پارسائی' رحمدلی' ...پائی اور دیانتداری ان کے مخصوص اوصاف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی دیت کی تمام رقم انہی کے پاس جمع ہوتی تھی۔ شراب نوشی' فسق و فجور اگرچہ عام بیماریاں تھیں مگر ان کا دامن کبھی ان دھبوں سے داغ دار نہیں ہوا۔ فیاضی' مفلس و بے نوا کی دستگیری' قرابت داروں کا خیال' مہمان نوازی' مصیبت ...دوں کی اعانت غرض اس قسم کے تمام محاسن و محامد ان میں پہلے سے موجود تھے۔ شرف ایمان نصیب ہوا ...رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔ اب ہم ذیل میں ان کی سیرت کے چند ...وشوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

تقویٰ و پرہیز گاری:

آپؓ انتہائی متقی اور پرہیز گار تھے۔ ایک دفعہ آپؓ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر ...۔ جب آپؓ تناول فرما چکے تو اس نے کہا: آپ جانتے ہیں' یہ کس طرح حاصل ہوا؟ فرمایا: بیان ...۔ غلام بولا: میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی حالانکہ میں فال کھولنا جانتا نہیں ...' صرف اسے دھوکہ دیا تھا لیکن اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس صلہ میں یہ کھانا دیا۔ یہ واقعہ سنا ...منہ میں اُنگلی ڈال کر جو کھایا تھا قے کر دیا۔ (صحیح بخاری باب بنیان الکعبہ' ج 1 ص 542)

حضرت ابوبکرؓ کا ورع و تقویٰ اس منتہائے کمال پر تھا کہ درشت الفاظ اور نامناسب کلمات سے ...یشہ پرہیز فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت لفظ زبان سے نکل جاتا تو ...ایت ندامت اور پشیمانی ہوتی اور جب تک اس کی تلافی نہ ہوتی چین نہ آتا۔

حضرت ربیعہ بن جعفر اور حضرت ابوبکرؓ میں ایک درخت کے متعلق اختلاف رائے ہوا۔ اثنائے ...ت ابوبکرؓ سے کوئی ناگوار جملہ نکل گیا جونہی غصہ ٹھنڈا ہوا کہنے لگے ربیعہ تم بھی مجھے ایسی ہی سخت بات ...ہہ دو۔ پھر دونوں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے' روئیداد سنائی پھر اصرار کیا تو آپ ﷺ نے

ربیعہ کو فرمایا کہ انہیں غفر اللہ لک کہہ دو۔ حضرت ابوبکر پر ان الفاظ کا اتنا اثر ہوا کہ زار و قطار رو رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ (فتح الباری' ج 7 ص 18)

زہد و ورع:

آپ کو امارت' دنیا طلبی اور جاہ پسندی سے سخت نفرت تھی۔ خلافت کا بوجھ بھی صرف اُمت کو اختلاف و تفریق سے بچانے کے لئے اُٹھایا۔ انہوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس کی تصریح فرما دی تھی اور اعلان کیا کہ اگر کوئی اس بوجھ کو اُٹھانے کے لئے تیار ہے تو میں سبکدوش ہو جاتا ہوں۔
(طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث' ص 150)

ایک مرتبہ انہوں نے پینے کے لئے پانی مانگا لوگوں نے شہد ملا پانی پیش کر دیا جیسے وہ منہ کے قریب لے کر گئے' بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ جب قدرے سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ زاری کی وجہ پوچھی۔ بولے ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا' آپ ﷺ کسی چیز کے متعلق دور دور کہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کس چیز کو دور دور کہہ رہے ہیں' میں تو کچھ نہیں دیکھ رہا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''ظاہر فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اسے دور کر دیا۔''
اس وقت یکایک مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا اور ڈرا کہ شاید میں اس کے دام فریب میں نہ آ جاؤں۔ (اسد الغابہ' ج 3 ص 217)

تواضع اور انکساری:

حضرت ابوبکرؓ نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام کے کرنے میں انہیں عار نہیں تھا۔ اکثر بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے اور محلے والوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے تھے چنانچہ منصب خلافت کے لئے جب ان کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلے کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہو گئی اور اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا: ''اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟'' حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو فرمایا: خدا کی قسم میں ہی بکریاں دوہوں گا۔ امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی۔
(طبقات ابن سعد' قسم اوّل' جزء ثالث' ص 137)

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپؓ کو تکلیف ہوتی اور فرماتے لوگوں نے مجھے بہت بڑھا دیا ہے اور اگر کوئی مدح و ستائش کرتا تو فرماتے:
''اے خدا! تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر' میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کرنا۔ (اسد الغابہ' ج 3 ص 217)

انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت ابوبکرؓ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے' انہوں نے

تمام دولت راہ خدا میں صرف کر دی۔ (طبقات ابن سعد' ق اوّل' ص 143)

آنحضرت ﷺ نے بارہا اس فیاضی کے برمحل ہونے کا اعتراف فرمایا:

''ابوبکر کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لئے مفید ثابت نہ ہوا۔''

(کنزالعمال' ج 6 ص316)

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے دعوتِ توحید پر لبیک کہا تھا' ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ استبداد میں گرفتار تھی' حضرت ابوبکرؓ نے اکثر کو آزاد کرایا جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں: بلال' عامر بن فہیرہ' نذیرہ' جاریہ بن مؤمل' نہدیہ اور بنت نہدیہ وغیرہم۔

حضرت ابوبکرؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لحات تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپؓ نے فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا بلکہ اپنے مال میں ان کے لئے ایک خمس کی وصیت فرما دی۔

(کنز العمال' ج 6 ص 317)

مخلوق خدا کی خدمت گزاری:

مخلوق خدا کی نفع رسانی اور خدمت گزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے تھے' بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتواں اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔

اطراف مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی' حضرت عمرؓ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے یہ ثواب حاصل کر لیتا ہے۔ ایک روز بنظر تفتیش پہلے سے جلدی آئے تو دیکھا کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے تھے۔ بولے' قسم ہے کیا آپ ہی ہر روز سبقت لے جاتے ہیں۔ (کنزالعمال' ج 6 ص 312)

نیکوکاری اور حصول ثواب کا شوق:

حضرت ابوبکرؓ قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دلی اور رقت قلبی کے باعث ان کا نام ہی اواہ منیب ہو گیا تھا۔

نیکوکاری اور حصول ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: آج تم میں کس کا روزہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں روزے دار ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟ کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟ ان سوالوں کے جواب میں گویا ہونے والی زبان ابوبکرؓ کی تھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں' وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔"
(صحیح مسلم' فضائل ابی بکرؓ)

مہمان نوازی:

آپؓ نہایت مہمان نواز تھے۔ ایک مرتبہ رات کو چند اصحاب صفہ ان کے مہمان تھے' انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں' تم میرے آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حسب ہدایت ان کے سامنے جو تھا' پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے ابوبکرؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے' دیکھا تو مہمان ابھی تک بھوکے بیٹھے ہیں۔ اپنے بیٹے پر نہایت برہم ہوئے اور اسے برا بھلا کہا اور فرمایا:

"واللہ میں اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر کر مکان کے ایک گوشے میں چھپ گئے' کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے:

"مہمانوں سے پوچھ لیجئے میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا۔"

مہمانوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا:

"خدا کی قسم! جب تک آپؓ عبدالرحمٰن کو نہیں کھلائیں گے' ہم بھی نہیں کھائیں گے۔"
(صحیح بخاری' کتاب الادب' ج 1' باب مایکرہ من الغضب)

غرض اس طرح غصہ فرو ہو گیا اور دستر خوان بچھایا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن کھانا کسی طرح ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ پھر کچھ کھانا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔
(طبقات ابن سعد' ق اوّل' ج 3' ص 139)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کارہائے نمایاں

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے پُر ہے خصوصاً انہوں نے جو سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنی انتھک محنت اور جدوجہد کے جو لازوال نقوش چھوڑے وہ رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد دنیا ایک بار پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ:

"قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلامی حکومت سے باغی ہو گیا تھا' مدعیان نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں' منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے' خورشید دو عالم کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا لیکن جانشین رسول نے اپنی روشن ضمیری اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے

محفوظ رکھا بلکہ اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا اس لئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیا نے اسلام پر جس کا سب سے زیادہ احسان ہے وہ یہی ذات گرامی ہے۔"

بلاشبہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے' زبردست مہمات امور کا فیصلہ ہوا' یہاں تک کہ روم و ایران کے تخت اُلٹ دیئے گئے تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ کا نام نامی ہی لیا جاسکتا ہے اور دراصل وہی اس کے مستحق بھی ہیں۔ اس لئے اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ عہد صدیقیؓ نے وہ داغ بیل ڈالی جس پر عہد فاروقیؓ میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظام خلافت کا مؤسس اولین:

اسلام میں خلافت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی' آپ اپنے بڑے بڑے تمام کاموں میں کبار صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب الرائے اور تجربہ کار صحابہ رضی اللہ عنہم کو کبھی دارالخلافت سے جدا نہ ہونے دیا۔ اسامہؓ کی مہم میں آپؓ نے مشورہ کے لئے حضرت عمرؓ کو مدینہ میں رکھ لیا۔ (طبقات ابن سعد' حصہ مغازی)

شام پر لشکر کشی سے پہلے صحابہؓ سے مشورہ کیا' حضرت علیؓ نے موافق مشورہ دیا۔ پھر اس پر اتفاق ہو گیا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 149)

البتہ عہد فاروقی کی طرح باقاعدہ مجلس شوریٰ کا نظام نہ تھا حضرت ابوبکر عموماً مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز لوگوں یعنی عمر' عثمان' علی' عبدالرحمٰن بن عوف' معاذ بن جبل' ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو بلاتے تھے۔ یہ سب عہد صدیقی میں مفتی بھی تھے۔

(طبقات ابن سعد' قسم ج' ج 2 ص 109)

ملکی نظم و نسق کا بہترین اسلوب:

نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اسلوب اور اصول پر قائم کرنا' عہدوں کی تقسیم اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتداء ہوئی تھی اس لئے ان کے دائرہ حکومت کو صرف عرب تک محدود سمجھنا چاہئے۔ انہوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا چنانچہ مدینہ' مکہ' طائف' صنعاء' نجران' حضرموت' بحرین اور دومتہ الجندل الگ الگ صوبے بنائے گئے تھے۔

ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض سرانجام دیتا تھا البتہ مرکز میں تقریباً اکثر کاموں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کئے گئے تھے مثلاً ابوعبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے قبل افسر مال تھے'

حضرت عمرؓ قاضی تھے' حضرت عثمانؓ و حضرت زید بن ثابتؓ حکومتی امور کے کاتب تھے۔
(تاریخ طبری' ص 2136)

حضرت ابوبکرؓ جب کسی کو کسی عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے تھے۔
(تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 148)

حکام کی نگرانی اور احتساب:

کسی حکومت کا قانون و آئین خواہ کیسا ہی مرتب و منظم ہو اگر حکام کے احتساب اور ان پر تنقید کا سامان نہ ہو تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اوّل کو اپنی فطری نرم دلی' تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر مواقع پر تشدد' احتساب اور کڑی نکتہ چینی سے کام لینا پڑا۔ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ ایکشن لیتے چنانچہ جنگ یمامہ میں مسلیمہ کذاب کے سپہ سالار نے حضرت خالدؓ کو دھوکہ دے کر مسلیمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجہ سے بچا لیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کی غداری پر اسے سزا دینے کی بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہؓ شہید ہو گئے تھے اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کی اس مصالحت پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

"تمہارے خیمے کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے ہو۔" (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 148)

حدود و تعزیرات کا نفاذ:

قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے متعلق وہی طریقہ کار برقرار رکھا جو عہد رسالت میں تھا البتہ اس میں اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں مثلاً حد خمر کی چالیس دُرے سزا لازمی کر دی۔ (مسند احمد بن حنبل' ج اوّل)

حضرت ابوبکرؓ کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ اور بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اسے نہایت عبرت ناک سزائیں دیتے تھے چنانچہ اس دور میں مشہور راہزن عبداللہ بن ایاس سلمی جس نے پورے ملک میں ات مچا رکھی تھی' گرفتار کروایا اور آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 96)

مالی انتظامات کے ضمن میں بیت المال کی تعمیر:

عہد نبوت میں مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا' مختلف ذرائع سے آنے والی رقم تقسیم کر دی جاتی تھی۔ عہد صدیقی کے پہلے سال یہی طریقہ رہا' ہر ایک آزاد' غلام' مرد' عورت اور اعلیٰ و ادنیٰ کو بلاتفریق دس دس درہم عطا کئے۔ دوسرے سال آمدنی بڑھی تو بیس بیس درہم دیئے۔ ایک شخص نے اس مساوات

پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و منقبت اور چیز ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟
(طبقات ابن سعد ج 3 ص 151)

دوسرے سال کے آخر میں ایک بیت المال تعمیر کرایا۔ خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عثمان اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مقام سخ میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا۔ لوگوں نے کہا' خدا! ابوبکرؓ پر رحم کرے اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک کس قدر مال آیا ہو گا؟ اس نے کہا دو لاکھ دینار۔ (طبقات ابن سعد' ق 1' ج 3 ص 151)

فوجی نظم و نسق:

عہد نبوت ﷺ اور عہد صدیقیؓ میں فوج کا کوئی باضابطہ نظام نہیں تھا البتہ یہ اضافہ کیا گیا تھا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اسے مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے البتہ امیر الامراء یعنی کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ خلیفہ اوّل کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد کمانڈر انچیف بنے۔ (فتح البلدان' بلاذری' ص 115)

فوج کی اخلاقی تعلیم و تربیت:

عہد نبوت ﷺ و عہد صدیقیؓ میں جتنی لڑائیاں ہوئیں وہ سب کی سب للہیت اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے لڑی گئی تھیں اس لئے ہمیشہ یہی کوشش کی گئی کہ اس عظیم مقصد کے لئے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں دنیا کی تمام فوجوں سے ممتاز ہو۔ لشکر کی روانگی کے وقت آپؓ خود لشکر کے ساتھ پیدل چلتے اور امیر لشکر کو زرّیں نصائح کے بعد رخصت فرماتے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 96)

جنگی سامان کی فراہمی:

حضرت ابوبکرؓ مختلف ذرائع سے آمدہ آمدنی کا ایک معقول حصہ اسلحہ اور سامان باربرداری پر خرچ کرتے تھے۔ اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے۔ ربذہ جگہ پر ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔ (کتاب الخراج' ص 12- کنزالعمال' ج 3 ص 132)

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ:

حضرت ابوبکرؓ کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود خود ہی فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ کرتے تھے اور سپاہیوں میں جو مادی یا روحانی خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مہم کے سلسلہ میں جرف جگہ میں فوجیں اکٹھی ہوئیں۔ حضرت ابوبکرؓ معائنہ کے لئے تشریف لائے' فزارہ کے ایک فوجی نے کہا کہ بنوعبس سے بڑا جھنڈا لے کر فزارہ کو دے دیں' ہم ان سے اچھے ہیں تو آپؓ نے اسے ڈانٹ کر کہا:

''چپ احمق' ادھر بنوعبس بولنے لگے تو انہیں بھی چپ کرا دیا۔ غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں

اونچ نیچ کو درست کرتے رہتے تھے اور باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔" (کنز العمال، ج 3 ص 132)

بدعات کا سدباب:

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا انہوں نے فوراً اسے ختم کر دیا۔

ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ احمس کی عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے خاموش حج کی نذر مانی ہے تو آپؓ نے فرمایا یہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ اسلام میں ایسا جائز نہیں۔ اس نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا: ابوبکرؓ۔ (صحیح بخاری، ج 1 ص 541)

حدیث کی خدمت اور اس میں حزم و احتیاط:

حضرت ابوبکرؓ حدیث سے بھی قرآن کی طرح دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں جمع فرمائی تھیں لیکن وفات سے چند دن قبل اس خیال کے پیش نظر ضائع کر دیں کہ کہیں ان میں کوئی روایت خلاف واقعہ نہ ہو۔

حزم و احتیاط کے متعلق صحابہ کو خصوصی تاکید کی، آپ حدیث پر بھی اسی طرح عمل کرتے تھے جس طرح قرآن کریم کے احکامات پر کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج 1 ص 3)

محکمہ افتاء کا قیام:

حضرت ابوبکرؓ نے مسائل کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کیا تھا جس میں حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس خدمت پر مامور تھے۔ ان کے سوا کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں تھی۔

(طبقات ابن سعد، ق 2 ج 3 ص 109)

اشاعت اسلام کی طرف خصوصی توجہ:

حضرت ابوبکرؓ کو اگرچہ خلافت سے پہلے بھی اشاعت اسلام میں بہت انہماک تھا، خلافت کا بوجھ پڑا تو قدرتی طور پر یہ انہماک اور زیادہ ترقی کر گیا۔ تمام عرب میں پھر نئے سرے سے اسلام کی آواز بلند ہوئی۔ رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں بھیجی جانے والی افواج کو یہ ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں نیز اطراف عرب میں آباد قبائل میں دعوت اسلام کو پھیلا دیں چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ کی جدوجہد سے بنو وائل کے تمام بت پرست اور عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت خالد کی دعوت پر عراق عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا۔

(تاریخ یعقوبی، ج 2 ص 145)

رسول کریم ﷺ کے اہل بیت اور متعلقین کا خیال:

مسئلہ خمس اور باغ فدک کے تنازعہ نے گو رسول اکرم ﷺ کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی خصوصاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رنج تھا۔ تاہم خلیفہ اوّل نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور سیّدہ فاطمہؓ کی وفات کے وقت عفو خواہ ہو کر ان کا آئینہ دل صاف کر دیا۔ آپ کو امہات المؤمنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت ﷺ کے حفظ و ناموس کا خاص خیال رہتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے لئے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ ﷺ کا خاص لطف و کرم رہتا تھا' حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر کی اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا خیال رکھا۔ (الاستیعاب تذکرہ سندر)

ذمی رعایا کے حقوق کا تحفظ:

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروکاروں کو اسلامی محروسہ ممالک میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعے سے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے' حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف انہیں برقرار رکھا بلکہ اپنے دستخط اور مہر سے ان کی توثیق کی اور خود ان کے عہد میں مفتوحہ ممالک کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے اس کے لئے حیرہ کا معاہدہ قابل مثال ہے۔
(کتاب الخراج)



خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا تعارف:

حضرت عمرؓ قبیلہ قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتداء میں اسلام کے سخت مخالف تھے اور مسلمانوں کو بڑی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے' راستے میں معلوم ہوا کہ ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں چنانچہ فوراً ان کے گھر پہنچے اس وقت وہ دونوں میاں بیوی قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ کیفیت دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا مگر ان کے پایۂ استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ یہ استحکام دیکھ کر ان کا دل بھی پسیج گیا۔ قرآن کے اوراق مانگ کر پڑھے تو اتنا اثر ہوا کہ فوراً ایمان لے آئے اور حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ کر بیعت کر لی۔

مکہ میں حضرت عمرؓ کے دبدبے اور رُعب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر علی الاعلان کعبہ میں نماز پڑھی اور کسی کو مزاحمت کرنے کی جرأت نہ ہوئی' جب ہجرت مدینہ شروع ہوئی تو مسلمان چوری چھپے گھروں کو خیرباد کہہ کر مدینہ جاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ بیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر اعلانیہ نکلے اور قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ جسے جان عزیز نہیں وہ آئے اور مجھے روکے مگر کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ہجرت کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے' اکثر اوقات حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔ خلیفہ اوّل کے زمانے میں بھی بطور مشیرِ اعلیٰ خدمات سرانجام دیتے رہے' طبیعت میں عجلت اور جوش اعتدال سے کچھ زیادہ تھا اس لئے جذبات کی رو میں بہہ کر صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ سے گستاخی کر بیٹھے جس کے ازالہ کے لئے تمام رات گڑگڑا کر خدا تعالیٰ سے معافی مانگتے رہے لیکن خلیفہ بن جانے کے بعد آپ کی طبیعت میں بہت ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ (الاستیعاب' ترجمہ عمر)

حضرت عمرؓ کا خلافت پر تمکن:

گو صحابہ کرامؓ میں حضرت عمرؓ کا تدبر' ان کی صداقت و حق پرستی اور ان کی اہلیت مسلم تھی لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی' لوگ کسی قدر ڈرتے تھے چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا لیکن انہوں نے ان کے شبہات دور کر کے انہیں مطمئن کر دیا اور تمام اکابر صحابہؓ نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ 13ھ جمادی الثانی کو تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ج 1' تذکرہ استخلاف عمرؓ)

خطبہ خلافت:

22 جمادی الثانی لوگوں نے حضرت عمرؓ کی بیعت کی' لوگوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت عمرؓ نے خطبہ خلافت ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں آپ نے اپنے لائحہ عمل کا اعلان کیا' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا:

تین دعائیں ہیں جب میں مانگوں تو تم سب آمین کہنا۔

1- اے اللہ میں ضعیف ہوں' مجھے قوی کر دے۔
2- اے اللہ میں سخت ہوں' مجھے نرم کر دے۔
3- اے اللہ میں بخیل ہوں' مجھے سخی بنا دے۔

پھر فرمایا:

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس بوجھ کو اٹھانے والا کوئی شخص مجھ سے زیادہ طاقت والا ہے تو اس ولایت کے قبول کرنے کی نسبت مجھے یہ زیادہ پسند ہوتا کہ کوئی میری گردن اڑا دیتا۔

بعدازاں فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے ساتھ آزمایا ہے اور میرے دوست کے بعد مجھے تمہارے ساتھ آزمایا ہے۔ واللہ تمہارا جو بھی معاملہ میرے سامنے ہوگا' میرے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں دے گا اور جو معاملات میری دسترس سے دور ہوں گے' انہیں طے کرنے کے لئے میں حتی الامکان صاحب صدق و امانت کو متعین کرنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اگر وہ ٹھیک ٹھیک چلیں گے تو میں ان کے ساتھ نیک سلوک کروں گا' اگر وہ غلط رویہ اختیار کریں گے تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔

(عمر فاروق از علامہ طنطاوی' ص 71)

فتوحات فاروقی

ملکی فتوحات کا آغاز حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت سے ہو چکا تھا۔ 12ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور اس کے تمام اضلاع فتح ہو گئے تھے۔ اسی طرح 13ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں فتوحات کثرت سے ہوئیں۔ آپ کے عہد خلافت میں جو ممالک اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:

1- عراق
2- ایران
3- شام وفلسطین
4- بیت المقدس
5- مصر

عراق کی مہم اور فتوحات:

آپ رضی اللہ عنہ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اس لئے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی۔ آپؓ کی بیعت کے سلسلے میں عرب کے تمام حصوں سے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم میں شرکت پر ابھارا لیکن ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر نہ کی۔ آپ نے چوتھے دن ایک ایسی پُر جوش تقریر کی کہ سامعین کے دل دہل گئے اور حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے اُٹھ کر کہا کہ:

"مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمایا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجمی اب ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔"

حاضرین مجلس میں قبیلہ بنو ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی بھی تھے انہوں نے جوش میں آ کر کہا: "انا لھذا" (میں اس کام کے لئے تیار ہوں) ابو عبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں مدینہ اور اطراف مدینہ کے چند ہزار افراد کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کر دیا۔

ادھر حضرت عمرؓ نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ کو فوراً عراق کی طرف روانہ کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ابو عبید ثقفی کی آمد کا انتظار کریں۔

عراق کی گزشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار اور بیدار کر دیا تھا چنانچہ عام ایرانی سرداروں نے آپس کے اختلافات کو ختم کر کے قومی خطرہ کا متحدہ مقابلہ کرنے کی تدبیر سوچی۔ کافی غور و خوض کے بعد انہوں نے بوران دخت کو تخت نشین کیا اور مشہور سردار رستم کو جو اپنی عقل و تدبر اور جرأت و ہمت میں شہرۂ آفاق تھا' اس کا نائب السلطنت اور سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا اور تمام اہل فارس نے یہ عہد کیا کہ وہ رستم کی اطاعت سے باہر نہ ہوں گے اور مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر دی جو ہرمز پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

چنانچہ رستم نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہمہ تن جوش بن گئی اور چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور عراقی اضلاع مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے۔

جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ میں بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد پر مامور کیا۔ یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکل چکے تھے' دوسری طرف سے ابو عبید آ رہے تھے۔

معرکہ غارق:

جب مثنیٰ بن حارثہ عراق پہنچے تو انہیں حالات کا علم ہوا لیکن وہ حسب ہدایت امیر المومنین'

ابوعبید ثقفی کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ ابوعبید ثقفی ایک مہینہ کے بعد اپنی فوج کے ساتھ عراق پہنچ گئے۔

کچھ دن آرام کے بعد ابوعبید جابان کے مقابلہ کے لئے غارق پہنچے' دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانی بڑے جوش وخروش سے لڑے لیکن شکست کھا کر بھاگے اور انہیں نہایت فاش شکست ہوئی۔ جابان کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا' وہ پہچانتا نہ تھا اس لئے اس نے مسلمان سپاہی سے کہا کہ میں ایک بوڑھا سپاہی ہوں تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تمہیں ایک معقول معاوضہ دوں گا۔ مسلمان سپاہی نے منظور کر لیا' جب جابان کو ابوعبید کے پاس لایا گیا تو دوسرے سپاہیوں نے اسے پہچان کر شور مچایا کہ اس نے دھوکے سے اپنی جان بچائی ہے لہٰذا اسے قتل کرنا چاہئے مگر ابوعبید نے کہا:

یہ نہیں ہو سکتا جب ایک مسلمان نے امان دے دی ہے تو ساری قوم کو اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسلام میں وعدہ خلافی کی گنجائش نہیں ہے۔ (محاضرات' علامہ حضری' ص 300 بحوالہ تاریخ ملت' ج 1 ص 216- اخبار الطوال از دینوری' ص 121)

معرکہ کسکر:

غارق کی فتح کے بعد ابوعبید کسکر کی طرف روانہ ہوئے جہاں نرسی نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی تھیں۔ سقاطیہ کے مقام پر زبردست لڑائی ہوئی اور ایرانی بڑی بہادری سے لڑے لیکن شکست فاش کھائی اور راہ فرار اختیار کی۔ اس شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار اور آس پاس کے علاقوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہونے سے اچھا اثر مرتب ہوا چنانچہ ان علاقوں کے رئیس ابوعبید ثقفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مطیع ہونے کا اقرار کر لیا۔ (الفاروق' ص 83)

معرکہ مروحہ اور مسلمانوں کو شکست:

جابان اور نرسی کی شکست سے رستم تلملا اٹھا چنانچہ اس نے ایک ایرانی سردار مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا اور اسے حصول برکت کے لئے درفش کاویانی بھی عطا کیا گیا جو کہ ایران کا قدیم جھنڈا تھا۔ یہ ایرانیوں کا مقدس علم تھا اور اسے فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتار دیں۔ دوسری طرف مسلمان تھے ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا لیکن ابوعبید جوش جہاد سے ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امراء کے اختلاف کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے۔ دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ مسلمان جس میدان میں اترے تھے وہ نہایت ناموزوں تھا۔ ایرانی فوج میں دیوپیکر ہاتھی تھے جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اس لئے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانوں کو پیدل ہونا پڑا۔ گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر ہاتھیوں کے سواروں کو گرانا شروع کر دیا۔ ابوعبیدؓ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے انہیں سونڈ میں لپیٹ کر پیروں تلے مسل ڈالا۔ ابوعبیدؓ کے شہید

ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے لیکن جگہ بہت کم تھی' آگے ایرانی تھے پیچھے دریا اس لئے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکل سے تین ہزار جانیں بچائیں لیکن چھ ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔ (البدایہ والنہایہ' ج 7 ص 28)

حضرت عمرؓ کو اس شکست سے بڑا رنج ہوا اور مسلمانوں پر افسردگی طاری ہو گئی۔

معرکہ بویب اور ایرانیوں کی شکست:

معرکہ مروحہ میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی' اس کا انتقام لینے کے لئے حضرت عمرؓ نے پُرجوش خطبوں کے ذریعے پورے عرب میں آگ لگا دی چنانچہ حضرت عمرؓ کے اس جوش دلانے سے عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے ایک تازہ دم فوج حضرت عبداللہ بجلیؓ کی قیادت میں محاذ جنگ پر روانہ کی۔ دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی۔

یوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مسلمان چونکہ بُویب میں خیمہ زن تھے چنانچہ وہ سیدھا بویب آیا اور فرات کو عبور کر کے ان کے پار صف آراء ہوا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے' دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ گزشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' وہ اس کی تلافی میں اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلے کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس معرکے کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 220)

یزدگرد کی تخت نشینی:

معرکہ بویب کی شکست اور ایرانی فوجوں کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ انہوں نے بوران دخت (عورت) کو تخت سے اُتار کر کسی مرد کے بٹھانے کا فیصلہ کیا چنانچہ کافی سوچ و بچار کے بعد یزدگرد جو شہریار بن کسریٰ کی اولاد میں سے تھا' اسے اپنا بادشاہ بنایا۔ اس کی عمر اس وقت اکیس (21) سال تھی اور وہ بڑا پُرجوش نوجوان تھا اس نے ازسرِنو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامان سے بھر دیا۔ ساتھ ساتھ سازش کر کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی چنانچہ بہت سارے علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر واپس آ گئے اور فوراً حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمرؓ کی خصوصی جنگی تیاریاں

حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں اور عرب کے تمام حکام کو حکم دیا کہ جہاں کہیں بھی کوئی بہادر سردار' ہوشمند' مدبر' سحر بیان شاعر اور خطیب ہو اسے دربار خلافت میں بھیجا جائے چنانچہ حضرت عمرؓ کا حکم ملتے ہی لوگ جوق در جوق دارالخلافہ (مدینہ) کی طرف آنے شروع ہو گئے اور چاروں طرف فوجوں کا جنگل نظر آنے لگا۔ آپؓ نے بیس ہزار نفوس پر مشتمل فوج تیار کی اس میں 70 بدری صحابہؓ تین سو (300) اصحاب بیت الرضوان اور کثیر تعداد میں اصحاب فتح مکہ کی شرکت کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ اس لشکر کو لے کر آپؓ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا مگر اکابر صحابہؓ نے آپ کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ (فتوح البلدان' ص 264) چنانچہ آپؓ نے بلند مرتبہ اور عہد رسالت میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ چونکہ تجارت کے سلسلے میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے چپے چپے سے واقف تھے اس لئے فوج کی نقل و حرکت' اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی اپنے ہاتھ میں رکھی اور سعد بن ابی وقاصؓ کو ہدایت کی کہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں۔

چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے "شراف" کے مقام پر پڑاؤ ڈالا' اس وقت صرف مثنیٰ ذی قار کے مقام پر حضرت سعدؓ کا انتظار کر رہے تھے' ان کے پاس آٹھ ہزار فوج تھی۔ وہ بیمار تھے چونکہ معرکہ مرویہ میں زخمی ہو چکے تھے' زخم ٹھیک نہ ہوا اور وہ حضرت سعدؓ کے پہنچنے سے قبل ہی فوت ہو گئے۔

حضرت سعدؓ نے حسب الحکم "شراف" کا نقشہ' لشکر کا پھیلاؤ' فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت کے متعلق انہیں اطلاع دی اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت' حملہ کا بندوبست' لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایات درج تھیں اور ساتھ یہ حکم تھا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے بنائیں کہ ایران کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے کیونکہ فتح کی صورت میں آگے بڑھا جا سکتا ہے اور شکست کی صورت میں پہاڑوں میں پناہ لی جا سکے۔ مثنیٰ بن حارثہ نے بھی اپنی وصیت میں یہی مشورہ دیا تھا۔ (تاریخ طبری' ج 4 ص 2223 تا 2229)

قادسیہ پہنچنے کے بعد حضرت سعدؓ نے قادسیہ کا پورا نقشہ مدینہ بھیجا اسے دیکھ کر حضرت عمرؓ نے ہدایات بھیجیں اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لئے ایرانی دربار میں بھیجا جائے۔

جنگ قادسیہ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے دربار خلافت کے حکم کے مطابق قادسیہ میں مورچہ جمایا۔ قادسیہ

نہایت سرسبز و شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت سعدؓ نے حسب الحکم حضرت نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ منتخب اشخاص کو دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مست تھے وہ بھلا خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کہاں خاطر میں لاتے تھے؟ چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔ (بلاذری' ص 226)

رستم کو چونکہ مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے وہ جنگ سے بچنے کے حیلے بہانے ڈھونڈتا تھا چنانچہ ایرانی بادشاہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا۔ وہ کئی مہینے تک ساباط میں خیمہ زن رہا' جب اس حالت نے طول پکڑا تو اسے مجبوراً قادسیہ میں آکر خیمہ زن ہونا پڑا۔ رستم قادسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور کافی مدت تک سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر "اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہو گا۔" رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا اور تلوار کے فیصلے کے اصرار کا سن کر جوش و غضب سے بھر گیا اور کہنے لگا آفتاب و ماہتاب کی قسم' کل صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ حضرت مغیرہ یہ سن کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے واپس لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان' ص 265-266)

قبل ازیں یزدگرد نے بھی غصے میں آکر یہی کہا تھا: "کہ جاؤ ہمیں تمہاری شرطیں منظور نہیں' رستم آ رہا ہے وہ تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"

رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ اس نے غضبناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ صبح کے وقت قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے جنگل نظر آنے لگا جس کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے ہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے۔

دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی' دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا جب شام کو تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آ گئے۔ پہلے دن لڑائی کے آغاز میں ہاتھیوں نے مسلمانوں کا بڑا نقصان کیا۔ اس روز بظاہر ایرانی غالب نظر آتے تھے۔ یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا' عربی میں اس کو "یوم ارماث" کہتے ہیں۔

دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا۔ عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور ساتھ ہی بہادروں کے لئے تحائف بھی بھیجے گئے جس کے اعلان سے فوجیوں میں اور جوش و خروش بڑھ گیا۔ دوسرے روز عربوں نے اونٹوں پر کالے برقعے پہنا کر ہیبت ناک بنا دیا جس سے ایرانی گھوڑے بدکنے لگے۔ آدھی رات تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی فوج کام آئی یعنی ماری گئی۔ اس کے ممتاز نامور افسر مارے گئے۔ دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس جنگ کا نام "یوم اغواث" ہے۔

تیسرا معرکہ جو کہ "یوم العماس" کے نام سے مشہور ہے اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے نقصان پہنچا تھا۔ اگرچہ قعقاع نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے' صف کی صف پس جاتی تھی۔ حضرت سعدؓ نے نو مسلم پارسیوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیئے جائیں۔ حضرت سعدؓ نے قعقاع' جمال اور ربیع کے ذمے یہ کام لگا دیا چنانچہ ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا اور برچھے مار مار کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ حضرت قعقاع نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ وہ جھرجھری لے کر بھاگا' وہ بھاگا تو اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھاگ نکلے۔ ہاتھیوں کی اس بھگدڑ سے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور ان ہاتھیوں نے بدحواسی میں اپنی ہی فوج کو قدموں تلے روند ڈالا۔ اس طرح یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔ اب مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچاکھچ' نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔

صبح ہو گئی اور لڑائی کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ رستم تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا بالآخر خود اتر کر میدان میں کود پڑا اور نہایت جرأت' پامردی اور استقلال کے ساتھ لڑتا رہا اور خوب تلوار چلائی آخرکار زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا تاکہ تیر کر نکل جائے گا لیکن بلال نامی ایک مسلمان نے اس کا تعاقب کیا اور اس نے بھی نہر میں چھلانگ لگا دی اور اسے نہر سے باہر لا کر تلوار سے قتل کر دیا اور واپس آ کر اس کے تخت پر چڑھ کر پکارا۔ رب کعبہ کی قسم میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔ رستم کے قتل سے سلطنت ایران کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ ایرانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلے۔ اسلامی فوج نے ان کا پیچھا کر کے بے شمار ایرانیوں کو قتل کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

قادسیہ کی جنگ نے کسریٰ ایران اور اس کے خاندان کی قسمت کا بھی فیصلہ کر دیا۔ درفش کادیان ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت سے کسریٰ کی سلطنت پر لہرانے لگا۔ قادسیہ کی جنگ میں تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے اور آٹھ ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت سعدؓ نے ایک قاصد کے ذریعے فتح کی خوشخبری حضرت عمرؓ کو بھیجی اور اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش دی ہے اور مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا ہے۔

(تاریخ ملت' ج 1 ص 231- تاریخ طبری' ج 5 ص 2235 تا 2368)

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ:

قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ دو مہینے تک قادسیہ میں ٹھہرے رہے' جب ان کی فوجیں تازہ دم ہو گئیں تو خلیفہ کے حکم کے مطابق مدائن کی فتح کے لئے آگے بڑھے۔ مدائن میں

کسریٰ ایران کا "قصر ابیض" تھا جب اس پر مسلمانوں کی نگاہ پڑی تو انہیں حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی یاد آ گئی کہ:

عصیبة من المسلمین یفتحون البیت الابیض بیت کسریٰ (صحیح مسلم)

"مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کے محل (قصر ابیض) کو فتح کرے گی۔"

آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کے یاد آتے ہی مسلمانوں کے دل باغ باغ ہو گئے اور ان کے بازوؤں میں شجاعت کی برقی لہریں دوڑ گئیں۔

مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوثیٰ، بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا، وہاں پہنچے تو اسے عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ حضرت سعدؓ نے اللہ کا نام لے کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا چنانچہ انہیں دیکھ کر پوری فوج نے آن کی آن میں اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ جب ایرانی فوج نے انہیں دیکھا تو انہیں خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں ہو سکتے اور بے ساختہ پکار اُٹھے:

دیواں آمدند، دیواں آمدند...... یہ کہتے ہوئے پوری کی پوری ایرانی فوج بھاگ نکلی۔ اسلامی فوج جب دریا کے پار پہنچی تو مزاحمت کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ کسریٰ ایران فرار ہو کر حلوان پہنچ گیا تھا چنانچہ مسلمان بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہو گئے اور قصر ابیض پر اسلامی جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ جمعہ کا وقت قریب تھا، ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی، اس فتح میں مال و دولت کے بے شمار ذخیرے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ (البدایہ والنہایہ ج 7 ص 65)

حضرت سعدؓ نے پانچواں حصہ نکال کر جس میں عجائب و نوادر بھی شامل تھے باقی مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ قیمتی ساز و سامان کے علاوہ ہر سپاہی کے حصہ میں چودہ ہزار دینار آئے۔ مدینہ میں جب خمس پہنچا تو حضرت عمرؓ نے ایرانی شان و شوکت کی نمائش کے بعد اسے مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ (تاریخ ملت، ج 1 ص 235)

فتح حلوان:

اب ایرانی حلوان میں اپنے قدم جمائے بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ اسلامی فوج حضرت قعقاعؓ کی سرکردگی میں حلوان کی طرف بڑھی اور ایرانی فوج کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گئی۔ حضرت قعقاعؓ نے حلوان میں قیام کیا اور عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے وہ مامون و محفوظ ہوں گے۔ اس منادی پر بہت سے امراء و رؤساء برضاء و رغبت اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ عراق کی آخری فتح تھی کیونکہ یہاں پر اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ (خلفائے راشدین، ص 109)

معرکہ جلولاء:

حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ اب جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے: "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے اور نہ ہی

اس پر چڑھ کر جا سکتے۔"

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانی فوجوں نے جلولاء کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیئے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی تو انہوں نے حضرت سعد کو لکھا کہ ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں جلولاء کی تسخیر کے لئے فوج بھیجی جائے چنانچہ خلیفہ کے حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا۔ انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا مگر اولاً تو جلولاء خود نہایت مستحکم شہر تھا' دوسرے یزدگرد برابر حلوان سے امدادی فوجیں بھیج رہا تھا اس لئے کئی مہینے لگ گئے۔ آخر کئی مہینوں کے بعد اسلامی فوج نے ایک زبردست حملہ کیا اور خندق کو پار کر کے جلولاء شہر میں داخل ہو گئے۔ ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی لیکن آخرکار ایرانی بھاگ نکلے۔ اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور تین کروڑ کا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 235)

حلوان پر قبضہ:

یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا' اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان کو چھوڑ کر "رے" بھاگ گیا۔ اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع یہاں پہنچے اور خسرو دشنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرا دی کہ "جو لوگ اسلام یا جزیہ دینا قبول کر لیں' ان کی جان و مال محفوظ رہے گی۔"

اس اعلان کے بعد بہت سے امراء دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ (تاریخ اسلام' شاہ معین الدین ندوی' حصہ اوّل ص 130)

کوفہ و بصرہ نئے شہر بنائے گئے:

صفر 16ھ تا محرم 17ھ مدائن' عراق کی اسلامی افواج کا صدر مقام رہا لیکن مدائن کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہ آئی چنانچہ 17ھ محرم میں خلیفہ حضرت عمرؓ کے حکم سے کوفہ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا گیا چنانچہ حضرت سعدؓ مدائن سے کوفہ منتقل ہو گئے۔ اس سے دو سال قبل حضرت عمرؓ کے حکم سے خلیج فارس کی بندرگاہ ایلہ کے قریب بصرہ کے نام سے ایک شہر بسایا گیا تھا۔ کوفہ اور بصرہ دونوں شہر اسلامی افواج کے مرکز قرار پائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

1- بالائی عراق اور اس کا صدر مقام کوفہ اور اس کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مقرر ہوئے۔

2- زیریں عراق اور اس کا صدر مقام بصرہ اور اس کے گورنر عتبہ بن غزوان مقرر ہوئے۔

(تاریخ ملت' ج 1 ص 240)

خوزستان کی فتوحات:

عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے' اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا۔ پوری ایرانی قوم مقابلہ پر آ گئی۔ عراقی سرحد سے ملنے والے لوگ اہل جزیرہ نے تکریت میں زبردست اجتماع کیا۔ حضرت سعدؓ نے مفصل حالات لکھ کر حضرت عمرؓ سے ہدایت لینا چاہی' ان حالات میں حضرت

عمرؓ کے لئے مقابلہ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے انہوں نے عبداللہ بن غنمؓ کو اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔

تکریت پر قبضہ:

وہ اس حکم پر دہ 16ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے' اس لئے کامیابی نہ ہو رہی تھی۔ عبداللہ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیج کر انہیں اپنے ساتھ ملا لیا اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دو پاٹوں میں پڑ کر پس گئے اور مسلمانوں کا تکریت پر قبضہ ہو گیا۔

جزیرہ زیر نگیں آ گیا:

پھر اس کے چند دن بعد 17ھ میں حضرت عمرؓ نے عیاض بن غنمؓ کو مامور کیا۔ انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ' حران' نصیبین' میافارقین' سمساط' سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ فتح کر لیا۔

اہواز کی فتح:

عراق کے سرحدی علاقہ خوزستان پر قبضہ بھی ضروری تھا اس کے بغیر نو تعمیر کردہ مرکز بصرہ کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ 16ھ میں بصرہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا اور اہواز پر مکمل اور مستقل قبضہ کر لیا۔ اہواز کے بعد سوس کو فتح کر کے رامہرمز کا محاصرہ کیا لیکن اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔

یہ فتوحات دیکھ کر ہرمزان نے کسریٰ ایران یزدگرد کی خدمت میں درخواست کی اگر مجھے اہواز اور فارس کا حکمران بنا دیا جائے تو میں عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا۔ کسریٰ نے نہ صرف یہ علاقہ اسے دے دیا بلکہ ایک فوج بھی اس کے ساتھ روانہ کر دی اور ہرمزان نے شوستر میں آ کر ایک زبردست فوج تیار کر لی۔ جب ابو موسیٰ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دے کر مزید فوج مانگی تو آپؓ نے فوراً گورنر کوفہ کو اپنی فوجیں لے کر ان کی مدد کو پہنچنے کا حکم دیا۔ ادھر سے جریر بن عبداللہ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے۔ ابو موسیٰ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے ہرمزان نے نہایت بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے مگر آخر کار وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ کافی عرصہ محاصرہ کے باوجود کامیابی نہ ہوئی' اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کو ایک خفیہ راستہ مل گیا چنانچہ چند مسلمانوں نے اس راستے کے ذریعے اندر جا کر قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ مسلمان فوراً اندر گھس پڑے۔ ہرمزان قلعہ بند ہو گیا اور امیر لشکر کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے عمرؓ کے پاس بھیج دیں تو میں نکل آتا ہوں۔ ابو موسیٰ نے اس کی بات منظور کر لی۔ ہرمزان مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اس کا دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ

فتوحات ایران کے متعلق ان سے صلاح و مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔ شوستر نے بعد جندیسا پور فتح ہو گیا اور خوزستان کا پورا علاقہ زیرنگیں ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج 7 ص 88)

نہاوند کا خونریز معرکہ اور فتح:

معرکہ جلولا میں شکست' ہرمزان کی گرفتاری اور پھر مسلمان ہونے کی خبر کے بعد یزدگرد نے مسلمانوں سے آخری ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں اس نے حلوان کے درمیانی علاقوں کے رئیسوں کو اکٹھا کیا اور ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل ایک لشکر جرار کو لے کر نہاوند چھاؤنی کی طرف روانہ کیا اور مردان شاہ کو اس کا کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ (طبری' ج 5 ص 3602)

حضرت سعدؓ نے امیر المومنین کو اس کی اطلاع بھیجی تو انہوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد حضرت نعمان بن مقرن کو اسلامی فوج دے کر نہاوند کی مہم پر بھیجا۔ نئی فوج اور ایران میں پہلے سے موجود فوج پر انہیں سپہ سالار بنایا چنانچہ حضرت نعمان تیس ہزار (30,000) کی فوج لے کر نہاوند کی طرف روانہ ہوئے۔ نہاوند کے مقام پر دونوں فوجیں برسرپیکار ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کبھی نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ اسلامی فوج کے سالار حضرت نعمان بن مقرن شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر جنگ جاری رکھی۔ مسلمانوں کو علم کی اس تبدیلی کا علم نہ ہوا' رات ہوتے ہی ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے انہیں تہ تیغ کیا۔ اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی کام آئے اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر ایسی سروسامانی کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلے پر نہیں آ سکے۔ عرب مؤرخین اس فتح کو "فتح الفتوح" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس جنگ میں ابولؤلؤ فیروز بھی گرفتار ہوا تھا جس کے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی۔

اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ خمس مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ سائب بن اقرع فتح کی خبر لے کر مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر ہی قاصد کے انتظار میں تھے۔ سائب سے فتح کی خبر سن کر سجدۂ شکر بجا لائے مگر نعمان بن مقرن کی شہادت کی خبر سن کر دیر تک روتے رہے۔ یہ واقعہ 19ھ محرم میں پیش آیا۔ (تاریخ اسلام' حصہ اوّل' ص 132)

ایران پر عام لشکر کشی:

حضرت عمرؓ اب فتوحات کا سلسلہ روکنا چاہتے تھے لیکن ایرانی چین سے بیٹھنے والے نہیں تھے' وہ آئے روز بغاوتوں اور سازشوں کا سلسلہ شروع رکھتے تھے۔ صحابہؓ سے صلاح مشورہ کے بعد حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ اب ایرانیوں کا سر کچلنا بہت ضروری ہے چنانچہ آپؓ نے 18ھ تا 23ھ پانچ سالوں میں سلطنت ایران کے مغربی و مشرقی علاقوں پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر لئے جن کی روئیداد کچھ اس طرح ہے۔

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت حذیفہؓ کی سرکردگی میں ہمدان کی طرف فوج روانہ کی'

انہوں نے ہمدان کے سردار فیروزان کو شکست دے کر ان کی درخواست پر صلح کر لی۔ پھر اسلامی فوجیں قومس کی طرف روانہ ہوئیں' یہ شہر بلامقابلہ فتح ہو گیا۔ پھر جرجان کا رُخ کیا' وہاں بھی ان کے باشندوں کی درخواست پر صلح ہو گئی۔ پھر وہاں ہی طبرستان کے حاکم نے صلح کی درخواست کر دی جسے منظور کر لیا گیا۔

اصفہان کی فتح:

حضرت عمرؓ نے امیر بصرہ عبداللہ بن عتبان کو اصفہان کی طرف فوجیں لے کر روانہ ہونے کا حکم دیا اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو ان کی مدد کرنے کی ہدایت کر دی۔ اہل اصفہان کے ساتھ زبردست لڑائی ہوئی بالآخر مسلمان کامیاب ہو گئے۔

آذربائیجان کی فتح:

اس کے بعد اسلامی فوجوں نے آذربائیجان کا رُخ کیا مگر انہوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔

فارس کی فتح:

فارس پر حملہ کے لئے درمیان میں دریا پڑتا تھا' حضرت عمرؓ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر علاء بن حضرمی والی بحرین نے حملہ کر دیا تھا مگر سخت نقصان اُٹھایا۔ اسلامی فوج کا بڑا حصہ شہید ہو گیا تھا جو بچے انہیں اہل فارس نے گھیر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب اطلاع ملی تو بہت رنجیدہ خاطر ہوئے فوراً عتبہ بن غزوان کو مدد کے لئے پکارا چنانچہ انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی افراد کو بچا لیا تھا۔ اس کے بعد جب ایران پر عام لشکر کشی ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ساریہ بن زنیم کلابی کو 23ھ میں فارس کی طرف بڑھنے کا حکم دیا یہاں کے ایرانی باشندوں سے اسلامی افواج کا سخت مقابلہ ہوا' لڑائی کے دوران ایک موقع پر ساریہ دشمنوں میں گھر گئے اس وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی کہ وہ فرما رہے ہیں:

یا ساریہ الجبل الجبل

"اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو' پہاڑ کی پناہ لو۔"

ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور پہاڑ کو پشت پر رکھ کر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی توج' اصطخر' جور' کازرون' نوبند جان' شیراز' ارجان اور خنباب وغیرہ فارس کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا گیا بعدازاں فساد اور دارابجرد پر قبضہ کر لیا۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی فوج نے رے' طبرستان' آرمینیہ' کرمان' سیستان اور مکران کے علاقے فتح کر لیے۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ:

ان فتوحات میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلسل مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ خراسان پر فوج کشی کے وقت کسریٰ ایران خراسان کے شہر مرو میں تھا۔ مقدس آگ ساتھ تھی چونکہ وہ یہاں بیٹھے بیٹھے بغاوت کرواتا رہتا تھا چنانچہ احنف بن قیس جنہیں اس مہم کے لئے خصوصاً بھیجا

گیا تھا' سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے ٹھکانے مرو شاہجہان کا رُخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور' حارث بن حسانؓ کو سرخس روانہ کیا۔ یزدگرد کو اسلامی افواج کی آمد کا پتہ چلا تو وہ مروالروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ احنف بھی یہ خبر پا کر مروالروز چلے گئے۔ یزدگرد وہاں سے نکل کر بلخ چلا گیا۔ احنف نے بھی تعاقب کیا۔ یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔ یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا اور حضرت عمرؓ کو فتوحات کی صورتحال لکھ کر بھیج دی۔ حضرت عمرؓ نے احنف کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔

یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے پاس جا پہنچا' اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں بعد ترک' فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا۔ احنف اس وقت مروالروز میں تھے۔ یہیں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا' کچھ دنوں دونوں میں جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکل گئے۔ احنف نے یکے بعد دیگرے تینوں کو قتل کر دیا۔ خاقان نے اس سے فال بد لی' اسے مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا اس لئے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کے لئے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ دشمن بنانا مناسب نہیں ہے' فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل کر جانے کا قصد کر لیا۔ جب ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے یزدگرد کو سمجھایا کہ چینیوں کے پاس جانے کی بجائے مسلمانوں سے مصالحت کر لیتے ہیں لیکن وہ نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا تو ایرانیوں نے زبردستی اس سے دولت چھین لی اور وہ نامراد و ناکام ترکستان چلا گیا۔ یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیوں نے احنف بن قیس کے پاس جا کر صلح کر کے کل خزانہ ان کے حوالے کر دیا۔

مسلمانوں نے بھی اس صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے۔

(طبری' ج 5 ص 2682 تا 2688)

شام و فلسطین کی فتوحات:

ممالک شام میں سے اجنادین' بصریٰ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد صدیقیؓ میں فتح ہو چکے تھے' حضرت عمرؓ مسند آراء ہوئے تو دمشق کا محاصرہ ہو چکا تھا۔

فتح دمشق:

دوران محاصرہ دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پی لیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس کی

اطلاع ہوگئی' وہ کمند لگا کر چند جانبازوں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اُتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے۔ مسلمان باہر منتظر تھے' وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے۔ اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے اور مصالحت پر مجبور ہو گئے تو اس طرح حضرت خالدؓ نے 14ھ ماہ رجب میں اپنے حسن تدبیر سے اس شہر کو مسخر کر لیا۔ (تاریخ طبری' ص 2153-2154)

حضرت ابوعبیدہؓ نے دمشق کی فتح کی خبر حضرت عمرؓ کو بھیجی۔

معرکہ فحل اور فتح اردن:

دمشق شام کا مرکزی شہر تھا' اس کا انہیں بہت دکھ ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں۔ رومیوں کے مقابلہ کے لئے مسلمان فحل مقام پر جمع ہوئے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کی طرف مصالحت کا پیغام دے کر بھیجا گیا لیکن صلح کی کوئی صورت نہ نکلی آخر ذی قعدہ 14ھ میں فحل کے میدان میں زبردست معرکہ ہوا بالآخر یہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ آ رہا۔ اس معرکہ کے بعد مسلمانوں نے اردن کے شہر اپنے قبضہ میں کر لئے۔
(تاریخ طبری' ص 2158)

حمص وغیرہ کی فتح:

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس' حمص اور انطاکیہ تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد رضی اللہ عنہ حمص کی طرف بڑھے' راستے میں بعلبک وغیرہ کو زیرنگیں کر کے حمص پہنچے۔ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کی آخرکار صلح پر مجبور ہو گئے۔ حضرت ابوعُبیدہؓ نے عبادہ بن صامت کو حمص کی نگرانی پر مامور کیا اور خود لاذقیہ کا رُخ کیا۔ یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ ابوعبیدہؓ نے اپنے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کی گئی۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 261)

اس کے بعد اسلامی فوج نے ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رُخ کیا لیکن انہیں حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا کہ اس سال مزید آگے نہ بڑھا جائے۔ چنانچہ اسلامی افواج واپس آ گئیں۔
(فتوح البلدان' ص 131)

قنسرین کی فتح:

حضرت خالدؓ نے قنسرین کا رُخ کیا تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے محاصرہ جاری رکھا بالآخر وہ تنگ آ گئے۔ شہر کے دروازے کھول دیئے اور صلح کر لی۔

جنگ یرموک کا فیصلہ کن معرکہ:

اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھا۔ اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی رکاوٹ نہ تھی اس لئے ابوعبیدہؓ نے اس میدان کا انتخاب کیا اور تمام فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں۔ قریب ہی رومیوں کا دو لاکھ کا لشکر آ کر

خیمہ زن ہوا اور اسلامی فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ان میں ایک سو بدری صحابہؓ اور ایک ہزار عام صحابہؓ تھے۔

میدان کارزار گرم ہوا اور پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا لیکن 5 رجب 15ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار سپاہیوں نے اپنے پاؤں میں جم کر لڑنے کے لئے زنجیریں ڈال رکھی تھیں اور ہزاروں پادری اپنے ہاتھوں میں صلیب لئے آگے آگے تھے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام لے کر لوگوں کو جوش دلاتے تھے۔

یہ جوش و خروش دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فوجوں کو ازسرنو مرتب کیا اور اسے جدید طریقے سے چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے صف آرائی کی چنانچہ میدان جنگ خوب گرم ہو گیا اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ میں رہا۔ رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا کل جانی نقصان تین ہزار ہوا۔ اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل توڑ کر رکھ دی چنانچہ جب قیصر کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔

(فتوح البلدان' ص 143)

حضرت عمرؓ کو جب اس فتح کی اطلاع ملی تو اسی وقت سجدہ میں گر کر اللہ تعالٰی کا شکریہ ادا کیا۔

حلب کی فتح:

اہل حلب نے اسلامی لشکر کی آمد کا سن کر قلعہ میں پناہ لے لی' وہ قلعہ بند ہو گئے بالآخر مجبور ہو کر صلح کا پیغام بھیجا اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے قبول کر لیا۔ (الفاروق' ص 151)

انطاکیہ کی فتح:

حلب کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ انطاکیہ کی طرف بڑھے۔ یہ شہر قیصر کا دارالسلطنت تھا اور اپنی جغرافیائی حیثیت' فوجی مرکزیت اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ ابوعبیدہؓ نے ہر طرف سے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصہ محصور رہنے کے بعد آخرکار اہل انطاکیہ نے صلح کا پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ ان میں سے جو لوگ شہر چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں' انہیں جانے کی اجازت دی جائے اور جو یہاں رہیں جزیہ ادا کریں گے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

(تاریخ ملت' ج 1 ص 263)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:

''انطاکیہ کے فتح ہونے سے تمام شام مرعوب ہو گیا اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ کوئی مسلمان افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا' عیسائی خود آ کر ان سے صلح کے طلبگار ہوتے۔''

(الفاروق' ص 151)

یغراس کی فتح:

انطاکیہ کی فتح کے بعد یغراس نامی مقام کے لوگوں نے جنگ کی تیاری کی تھی۔ حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا' بڑا معرکہ بپا ہوا۔ ہزاروں اہل یغراس قتل ہوئے اور یہ شہر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 264)

فتح بیت المقدس

پیچھے ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے تھے چنانچہ فلسطین پر جو لشکر بھیجا گیا تھا اس کے افسر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے بیت المقدس پر حملہ کرنے سے پہلے اس کے قریب کے شہروں نابلس' لد' عمواس اور بیت جبریں پر قبضہ کیا۔ 16ھ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ یہ شام کا مرکزی شہر تھا۔ اس دوران حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے چند دن تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی' آخر ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور اپنے اطمینان کے لئے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود یہاں تشریف لا کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں اور اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائیں تو ہم شہر (بیت المقدس) مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ (تاریخ طبری' ص 2404)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سفر بیت المقدس:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اطلاع حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دی کہ بیت المقدس کی فتح آپ رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری پر موقوف ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور اپنے سفر بیت المقدس کے بارے میں صلاح ومشورہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائمقام بنایا اور رجب 16ھ میں مدینہ سے عازم بیت المقدس ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سفر نہایت سادگی میں کیا' صرف ایک غلام اسلم ساتھ تھا اور یہ سفر اونٹنی پر مکمل ہوا۔ ایک منزل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک منزل غلام سوار ہوتا تھا اور دوسرا مہار پکڑ کر پیدل چلتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی قریب جابیہ کے مقام پر پہنچے یہاں حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ نے استقبال کیا تو اس وقت غلام اونٹنی پر سوار تھا اور امیر المومنین مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے۔ جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہاں لکھا گیا اور یہاں ہی عیسائی سردار آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (الفاروق' ص 154)

بیت المقدس میں داخلہ:

اس عہدنامہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں رات کو داخل ہوئے' سب سے پہلے مسجد

اقصیٰ میں حاضری دی اور محراب داؤد علیہ السلام میں دو رکعت نماز ادا کی' پھر صبح اسی مقام پر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ (فتوح البلدان' ص 147)

بیت المقدس سے واپسی:

عیسائیوں کے ساتھ ان کے جان و مال کی حفاظت کا معاہدہ لکھنے اور شہر فتح کرنے کے بعد واپس مدینہ طیبہ آ گئے۔

حمص کی بغاوت اور سرکوبی:

مسلمانوں کی عظیم فتوحات سے قیصر روم کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے تھے اور اس کی عظیم رومی سلطنت قریب المرگ تھی۔ اس کے پاس اہل جزیرہ کا پیغام پہنچا کہ اگر آپ مسلمانوں سے آخری ٹکر لینے کی ہمت کریں تو ہم پوری طاقت کے ساتھ آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔

اہل جزیرہ کے اس پیغام سے ہرقل کے دل میں کچھ اُمید پیدا ہو گئی چنانچہ اس نے منتشر رومی طاقت کو جمع کر کے حمص کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔ اہل جزیرہ کی تیس ہزار فوج بھی قیصر کی امداد کے لئے پہنچ گئی۔

حضرت ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت خالدؓ کو قنسرین سے بلا لیا اور حضرت عمرؓ سے مدد کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو کوفہ پیغام بھیجا کہ حضرت قعقاع کو فوج دے کر حضرت ابوعبیدہؓ کی مدد کے لئے بھیجو۔ جب فوجیں پہنچ گئیں تو حضرت ابوعبیدہؓ نے لشکر اسلام کے سامنے پُرجوش تقریر کی اور فوج کو شہر سے باہر نکل کر حملہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ اسلامی لشکر نے اس زور و شور سے رومیوں پر حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو اس فتح کی خوشخبری بھیجی گئی۔ (الفاروق' ص 155- تاریخ ملت' ج 1 ص 275)

طاعون عمواس:

17ھ کے آخر اور 18ھ کے شروع میں شام' عراق وغیرہ میں سخت طاعون پھیلا۔ حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؓ خود تدبیر و انتظام کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام سرغ پر امراء لشکر نے آپؓ کا استقبال کیا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ اس موقع پر آپؓ کا شام وغیرہ کا سفر کرنا نامناسب ہے۔ آپؓ نے اس سلسلہ میں مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا تو ان کا آپس میں اختلاف ہوا اور حضرت عمرؓ نے واپسی کی رائے کو ترجیح دی۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا:

''اے عمرؓ کیا تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟''

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

''ہاں میں تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔''

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تشریف لائے' انہوں نے فرمایا کہ:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب تم سنو کہ کسی شہر میں وباء پھیل گئی ہے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو۔''

حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو سن کر اپنی رائے کی صورت پر اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے مدینہ واپس آ گئے۔

طاعون سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' معاذ بن جبل اور حضرت معاذ کے صاجزادے اور کئی دوسرے صحابہ کرام نے انتقال فرمایا۔ اس وباء میں پچیس ہزار مسلمان فوت ہوئے۔
(تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 177)

حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی:

شام کی فتوحات میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں' وہ تاریخ اسلام میں ایک سنگ میل ہیں۔ قنسرین کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''خالد بن ولیدؓ نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا ہے' خدا تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحمت بیکراں نازل کرے' وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے کہ انہوں نے خالدؓ کو ان کے صحیح مقام و مرتبہ پر سرفراز فرمایا تھا۔'' (تاریخ ملت' ج 1 ص 261)

فتح یرموک کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کرتے ہوئے ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو دے دی۔ جب قاصد نے معزولی کے احکام سنائے تو حضرت خالدؓ نے بے نظیر صبر وتحمل' عدیم النظیر وفاکوشی اور بے مثال اطاعت امیر کا مظاہرہ کرتے ہوئے عسکری تاریخ اسلام میں تنظیم اور ڈسپلن کی سنہری روایت تحریر کی ہے۔ بھرے مجمع میں معزول ہونے کا حکم سنایا گیا۔ علامت عزل کے طور پر سر سے ٹوپی اُتار لی گئی تو خالد بن ولیدؓ نے کہا:

''جو کچھ تو نے کہا ہے' میں نے سنا اور اس کی اطاعت کی۔ اب میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمت بجا لانے کے لئے مستعد اور تیار ہوں۔''

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''خالد واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں اور گورنروں کو لکھا کہ میں نے خالد کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ ان کے حیرت انگیز کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنوں میں مبتلا ہو رہے تھے' میں نے انہیں معزول کر دیا ہے تاکہ لوگوں پر واضح ہو کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی منشاء سے ہوتا ہے۔'' (تاریخ اسلام' ندوی' حصہ اوّل' ص 140)

حضرت عمرؓ کا دوبارہ سفر شام:

چونکہ طاعون عمواس میں ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے دوبارہ شام کا قصد کیا اور اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کئے اور شام کی سرحدوں

پر فوجی دستے متعین کئے اور یزید بن ابی سفیانؓ کی جگہ ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیانؓ کو دمشق کا گورنر مقرر کیا۔

قیساریہ کی فتح:

طاعون عمواس سے قبل ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہو چکا تھا' ایک شہر قیساریہ جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پُر رونق تھا' یہ رہ گیا تھا۔ اس پر کئی مرتبہ فوج کشی ہوئی مگر فتح نہ ہو سکا بالآخر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 19ھ میں اسے فتح کر ہی لیا۔

قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات:

شام کے زیرنگیں ہونے کے بعد اس ہم سرحد ملک مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا تمام تر سہرا حضرت عمرو بن العاصؓ کے سر ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی لہٰذا رومی کسی بھی وقت قبطیوں کے ذریعے شام میں کم از کم اس کے سرحدی علاقوں میں شورش بپا کرا سکتے تھے۔ اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔

چنانچہ جب حضرت عمرؓ شام کے سفر پر آئے تو انہوں نے امیر المومنین سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ آپ نے احتیاطاً انکار کر دیا لیکن پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کے مسلسل اصرار پر رضامند ہو گئے۔ یہ واقعہ 18ھ کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔

پھر حضرت عمرؓ سے اجازت کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے 21ھ کے آغاز میں مصر پر فوج کشی کی اور عریش کے راستے سے فرما پہنچے' یہاں کی رومی فوجوں کو شکست دے کر آگے بڑھے اور بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ (فتوح البلدان' ص 220)

فسطاط کا محاصرہ اور فتح:

فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد شہر تھا لیکن یہاں حکومت کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ عمرو بن العاصؓ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اس لئے عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے مزید امدادی فوجیں مانگیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے دس ہزار مزید فوج اور چار افسر بھیجے۔ یہ افسر مندرجہ ذیل تھے:

1- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
2- حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
3- حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ
4- حضرت سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

اور پھر ایک خط لکھا جس میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا کہ ان میں ہر ایک افسر ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت زبیر کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ سات ماہ تک محاصرہ رہا مگر کامیابی نہ ہو سکی آخر کار حضرت زبیر نے ایک دن ہمت کی اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعض اور صحابہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ عیسائی یہ سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے ہیں' بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ حضرت زبیر نے قلعہ میں اُتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر شاہ مصر مقوقس نے صلح کر لی۔ مقوقس چونکہ قیصر کے ماتحت تھا اس لئے اس نے یہ کہلا بھیجا کہ مصالحت نہیں کرنی' میں ایک عظیم لشکر بھیج رہا ہوں اور اسی وقت یہ لشکر قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کر دیا۔
(فتوح البلدان' ص 220)

اسکندریہ کی تسخیر:

مقوقس صلح پر قائم رہا اس لئے اب مقابلہ رومیوں اور مسلمانوں کا تھا۔ رومی فوجیں اسکندریہ پہنچ چکی تھیں۔ فسطاط کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے چند دن آرام کیا اور اس کے بعد دربار خلافت سے اسکندریہ پر چڑھائی کی اجازت مانگی وہاں سے منظوری کے بعد 21ھ میں حضرت عمروؓ نے اسکندریہ کا رُخ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ مصری دل سے جنگ میں شریک نہیں تھے لیکن چونکہ وہ قیصر روم کے ماتحت تھے۔ اس لئے کھل کر انکار بھی نہیں کر سکتے تھے اور مقوقس نے خفیہ اطلاع کے ذریعے حضرت عمروؓ کو بتا دیا تھا کہ ہم تمہارے خلاف نہیں لڑیں گے لہٰذا تم بھی قبطیوں کو نقصان نہ پہنچانا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (خطط مقریزی' ج 1 ص 263)

چھ ماہ گزر گئے' اسکندریہ فتح نہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے ناراضگی کا خط لکھا اور فرمایا کہ فوراً حملہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پُر جوش تقریر کی۔ لوگوں کو جہاد پر اُبھارا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملے میں اسکندریہ شہر فتح ہو گیا۔ اسی وقت حضرت عمروؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوائی۔ (حوالہ مذکور)

پھر تمام قیدیوں کو اختیار دیا گیا کہ یا مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دینا قبول کر لیں چنانچہ بہت سے قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ (فتوح البلدان' ص 217)

فسطاط کا نیا شہر:

اسکندریہ فتح کرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ قصر شمع میں واپس آ گئے۔ اب مصر میں کوئی اہم شہر باقی نہیں رہ گیا تھا۔ خارجہ بن حذافہ عدی اور عمیر بن وہب جمحی کو دیگر چھوٹے بڑے مقامات کو فتح کرنے پر مامور کیا اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند ہی دنوں میں پورا مصر زیرنگیں ہو گیا۔ اب مطمئن ہو کر حضرت عمروؓ نے خلیفۃ المسلمین کے مشورہ سے نیل کے مشرقی کنارے پر فسطاط کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور یہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے

زمانہ میں اس کی توسیع کی گئی۔ یہ شہر مصر کی اسلامی حکومت کا صدر مقام قرار پایا۔ شان و شوکت کے اعتبار سے اس نے بڑی ترقی کی' پھر جب فاطمیوں کے دور میں اس کے قریب قاہرہ کی بنیاد رکھی گئی تو اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہی۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 286)

عروسہ نیل:

حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو وہاں قدیم زمانے سے ایک دستور جاری تھا کہ قبطی مہینہ کے مطابق ہر سال کی بارہ تاریخ کو ایک قبطی کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کر دیتے تھے اور اس دن کو عید قرار دیتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ نیل ایک دیوتا ہے۔ اگر اس کے سپرد ایک لڑکی نہ کی جائے تو یہ ناراض ہو جائے گا اور پانی نہ دے گا۔ مقررہ دن آنے پر قبطیوں نے حضرت عمرو بن العاص سے اس رسم کی ادائیگی کی اجازت مانگی۔ حضرت عمروؓ نے اسے خون ناحق قرار دیتے ہوئے کہا کہ ''اسلام نے ان خرافات کو باطل قرار دیا ہے۔''

اتفاق سے یہ رسم بد ادا نہ کی گئی اور دریا میں پانی نہ آیا اور مصری اہل زراعت کو مشکلات پیش آئیں۔ مصر کے زمیندار قبائل نے ترک وطن کا ارادہ کر لیا' جب حضرت عمرو بن العاصؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے ساری صورتحال حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی' حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو جواب لکھ بھیجا کہ آپ نے قبطیوں کو بالکل صحیح جواب دیا اور کہا کہ میں آپ کو ایک خط بھیج رہا ہوں وہ دریائے نیل میں ڈال دینا۔

حضرت عمرؓ کے خط کا مضمون یہ تھا کہ:

''اللہ کے بندے اور مسلمانوں کے امیر عمر بن خطابؓ کی طرف سے نیل مصر کے نام!

امابعد! اے نیل اگر تو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہہ لیکن اگر تیری روانی کا سرچشمہ خداوند قہار کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔''

حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا' خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس سال دریائے نیل میں اس قدر پانی آیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ' ج 7 ص 100)

طرابلس الغرب کی تسخیر:

مصر کی تسخیر کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے شمالی افریقہ کا رُخ کیا اور سب سے پہلے برقہ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ برقہ کے بعد عقبہ بن نافع کو زذیلہ بھیجا' یہاں بھی صلح ہو گئی۔ (فتوح البلدان' ص 231-232)

پھر حضرت عمرو بن العاص نے طرابلس الغرب پر فوج کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا۔ (تاریخ ابن اثیر' ج 3 ص 19)

حضرت عمرؓ کی شہادت فاجعہ:

حضرت عمرؓ کا اصول یہ تھا کہ وہ کسی بالغ ذی کو مدینہ منورہ میں آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ابولؤلؤ فیروز جو کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا' یہ ایران الاصل اور مجوسی المذہب تھا۔ یہ نجار اور نقاش تھا۔

اس نے ایک دن اپنے مالک مغیرہ کے متعلق خلیفہ سے شکایت کی کہ یہ مجھ سے بھاری ٹیکس لیتے ہیں' اسے کم کرا دیجئے۔ آپؓ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دو درہم روز لیتے ہیں تو پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا آہن گری' نجاری و نقاشی۔ تو فرمایا کہ ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک دو دھاری خنجر تیار کر کے زہر میں بجھایا۔

حضرت عمرؓ 26 ذی الحجہ 23ھ بدھ کے دن صبح فجر کی نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور تکبیر تحریمہ کی آواز لوگوں نے سنی' اس کے بعد آواز آئی کہ "کتے نے مجھے مار دیا ہے۔" ابولؤلؤ مجوسی نے چھ وار کئے اور حضرت عمرؓ زخمی ہو کر نیچے گر پڑے اور گرنے سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لئے آگے کیا' انہوں نے نہایت مختصر نماز پڑھائی۔ اس کے بعد مجوسی غلام بھاگا اور اس نے تیرہ آدمی زخمی کئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کمبل ڈال کر اسے پکڑنا چاہا' وہ کمبل میں الجھ گیا تو اپنے پکڑے جانے کے ڈر سے اپنے ہی خنجر سے اپنا گلا کاٹ لیا۔ حضرت عمرؓ نے زخمی حالت میں فرمایا: کان امر اللہ قدرا مقدورا "اللہ تعالیٰ نے جو مقدر میں لکھا تھا' وہ ہو کر رہا۔"

(المرتضیٰ' ص 184- طبقات ابن سعد' ج 1 ص 253)

لوگ نماز کے بعد حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر لائے تو پوچھا: میرا قاتل کون ہے؟ لوگوں نے کہا: فیروز مجوسی۔ فرمایا: الحمد للہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ زخم چونکہ نہایت گہرا تھا' بچنے کی امید نہیں تھی۔ آپ کو آنحضرت ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی خواہش تھی اس لئے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس اجازت کی غرض سے بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ جگہ تو اپنے لئے رکھی تھی لیکن عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ حضرت عبداللہ نے آ کر اجازت کی خوشخبری سنائی تو الحمد للہ فرمایا اور مزید فرمایا کہ دفن سے پہلے ایک مرتبہ پھر اجازت کی توثیق کروا لینا ورنہ جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ (مستدرک حاکم' ج 3 ص 11-13 - الفاروق' ص202- المرتضیٰ' ص 185)

اور حضرت عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر قرض کو ادا کر دینا' نہ پورا ہو تو خاندان عدی سے کہنا پھر نہ ہو تو خاندان قریش سے ان کے سوا کسی سے نہ کہنا۔ (المرتضیٰ' ص 185)

جانشینی کے بارے میں وصیت:

حضرت عمرؓ نے جانشین کے بارے میں کئی بار سوچا تھا لیکن اپنے طے کردہ معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ بعض نے رائے دی کہ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو خلیفہ بنا دیں تو فرمایا جسے

بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے' وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 154) بالآخر لوگوں کے اصرار پر خلافت کے بارے میں یہ وصیت کی کہ چھ اشخاص میں سے جس پر اتفاق ہو جائے تین دن کے اندر خلیفہ کا انتخاب کر لیا جائے اور تین دن 'صہیب رومی' قائمقام خلیفہ ہوں گے اور وہی نمازوں کی امامت کروائیں گے۔ وہ چھ اشخاص یہ تھے: حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت طلحہ بن عبیداللہ' حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

26 ذی الحج 23ھ بروز بدھ بوقت صبح آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور اتوار یکم محرم 24ھ کو آپ نے شہادت پر مبنی انتقال فرمایا۔

حضرت صہیب رومیؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ مسجد نبوی میں پڑھا گیا۔ آپؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ' عثمان' سعید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اُتارا اور آپؓ کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(الفاروق ص 205- عمر فاروق' طنطاوی' ص 566- المرتضیٰ' ص 185)

وفات کے وقت حضرت عمرؓ کی عمر 63 سال تھی اور مدت خلافت 10 سال' 6 ماہ اور 4 دن بنتی ہے۔ (انسانیت موت کے دروازے پر' ص 58)

اولاد:

وفات کے وقت حسب ذیل اولادیں یادگار چھوڑیں: عبداللہ' عاصم' عبدالرحمٰن' زید' مجیر رضی اللہ عنہم۔ ان میں پہلے تین بیٹے زیادہ نامور ہوئے۔ لڑکیوں میں اُم المومنین حضرت حفصہ اور رقیہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف انتساب کے حصول کیلئے حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم سے چالیس ہزار مہر کے بدلے عقد کیا تھا۔ (تاریخ اسلام' ندوی' حصہ اوّل ص 145)

خلافت فاروقی میں نظام حکومت

حضرت عمرؓ کا عہد حکومت صرف فتوحات کے لئے ہی مشہور نہیں ہے بلکہ آپؓ کا بے مثال نظام حکومت بھی حیرت انگیز تدبر اور کمال حکمت عملی کا اظہار کرتا ہے۔ آپ کے دور خلافت میں سلطنت اسلامی بہت دور دور تک پھیل گئی تھی چنانچہ آپ نے اس وسیع و عریض سلطنت کے لئے ایسے اصول و قواعد مرتب کئے کہ تمام لوگ آرام و سکون سے اور خوشحال زندگی گزارنے لگے۔ آپ نے اسلامی سلطنت کے مختلف طبقات و عناصر کو ایک سانچے میں ڈھالا۔ اہل اسلام خلافت فاروقی میں رشتہ وحدت میں منسلک تھے۔ وحدت عقیدہ' وحدت جنس و قوم اور وحدت زبان و بیان نے انہیں مضبوط و متحد بنا دیا تھا۔ آپ نے حکومت کے وہ آئین وضع کئے جو بعد میں ایک مثالی اسلامی حکومت کی اساس قرار پائے۔ اس اعتبار سے حضرت فاروق اعظمؓ کو اسلام کے سیاسی نظام کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ یہی حضرت عمرؓ کا اصل کارنامہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسا آئین حکومت مرتب کر دیا' ایسا عادلانہ

نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں پیش کیا جا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اپنی حکومت کو جس طرح باقاعدہ اور منظم بنایا تھا اور جس طرح حکومت کی ہر شاخ کو ایک مستقل محکمہ کی صورت میں قائم کیا تھا' ذیل میں ہم مختصراً اسے بیان کرتے ہیں۔

صوبہ جات اور اضلاع میں ملکی تقسیم/صوبائی نظام:

حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ ممالک کو گیارہ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا:

1- مکہ
2- مدینہ
3- شام
4- جزیرہ
5- بصرہ
6- کوفہ
7- مصر
8- فلسطین
9- خراسان
10- آذربائیجان
11- فارس (الفاروق' ج 2 ص 23-24)

مولانا شبلی نعمانی نے الفاروق میں ہر صوبے کے ضلعوں کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

صوبوں میں متعین کیے جانے والے افسروں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1- گورنر یعنی حاکم صوبہ
2- کاتب یعنی میر منشی
3- کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی
4- صاحب الخراج یعنی کلکٹر
5- صاحب احداث یعنی پولیس افسر
6- صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ
7- قاضی یعنی جج

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ (تاریخ طبری' ص 2641)

مجلس شوریٰ:

اسلام کا سیاسی نظام شورائیت پر مبنی ہے۔ اس اصول کے تحت کوئی اہم کام اہل الرائے صحابہ کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا تھا بلکہ تمام قومی و ملکی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق رائے یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ' حضرت معاذ بن جبلؓ' حضرت ابی بن

کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم (کنز العمال' ج 3 ص 134)

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے علاوہ ایک تیسری مجلس بھی تھی جسے ہم مجلس کہتے ہیں اس میں صرف مہاجرین صحابہ ہی شریک ہوتے تھے۔

(فتوح البلدان' بلاذری' ص 276)

عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ نماز کے بعد حل طلب مسئلہ پر مفصل خطبہ دیتے تھے۔ پھر ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔ (تاریخ طبری' ص 2574)

عہد فاروقی میں مسجد نبوی اسمبلی ہال اور سیکرٹریٹ کا کام دیتی تھی۔ گورنروں' صوبائی والیوں اور سپہ سالاروں کے نام تمام ہدایات مسجد نبوی سے جاری ہوتی تھیں۔

عہدہ داروں کا انتخاب:

ایک اہم مرحلہ عمال کے انتخاب کا تھا۔ حضرت عمرؓ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کے لئے جس کو منتخب کر لیتے تھے' دوسرا اس کے لئے نہ مل سکتا تھا اس لئے جو جس شعبہ سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجہ کمال تک پہنچا دیتا تھا۔ عہد فاروقی کی فتوحات اور انتظامی ترقیاں اس کی شاہد ہیں اس جوہر شناس کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام ندوی' حصہ اوّل ص 147)

گورنروں کے مال و اسباب کی فہرست:

حضرت عمر فاروقؓ جس شخص کو گورنر مقرر کرتے تھے' پہلے اس کی جائیداد اور مال و اسباب کا گوشوارہ تیار کر کے اس پر چار گواہوں کے دستخط ثبت کرا لیتے تھے اور پھر اسے مرکز میں محفوظ کر لیا جاتا تھا اور اگر گورنر کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔

(فتوح البلدان' ص 211)

گورنروں سے حلف کی عبارت:

- گورنر کی تقرری کی دیگر ہدایات کے علاوہ یہ حلف لیا جاتا تھا:

1- وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہو گا۔

2- باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

3- چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

4- دروازہ پر دربان مقرر نہیں کرے گا۔ (فتوح البلدان' ص 211)

گورنروں کو سخت تاکید:

حضرت عمرؓ نے تمام صوبوں کے گورنروں کے نام یہ فرمان جاری کیا ہوا تھا کہ ہر سال حج کے

موقع پر مکہ میں حاضر ہوں چنانچہ تمام گورنر حاضر ہوتے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت عمرؓ تمام گورنروں کی کانفرنس طلب کرتے تھے اور اس کانفرنس میں حضرت عمرؓ اعلان فرماتے تھے کہ جس کسی کو کسی گورنر کے خلاف شکایت ہو تو وہ پیش کرے چنانچہ لوگ اپنی اپنی شکائتیں پیش کرتے اور تحقیقات کے بعد ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج' ص 166)

گورنروں کی خطاؤں پر سزا کا نفاذ:

حضرت عمرؓ نے شکایات کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن بھی بنا رکھا تھا جس افسر کے خلاف شکایت سنتے' اگر تحقیق کے بعد وہ شکایت درست ہوتی تو فوراً ایکشن لیتے چنانچہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کو باریک لباس پہننے اور دروازے پر دربان مقرر کرنے کے جرم میں کمبل کا کرتہ پہنا کر بکریوں کے ریوڑ منگوا کر چرانے کے لئے جنگل بھیج دیا اور کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپؓ نے ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی۔
(الفاروق' ج 2 ص 36

گورنروں کی دیانت اور راست بازی قائم رکھنے کے لئے ان کی بیش قیمت تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ حضرت معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی۔ (ازالۃ الخلفاء' ج 2 ص 71)

محکمہ عدالت:

ابتداء میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کچھ دیر تک انتظامی اور عدالتی شعبے ایک ہی ر... لیکن جب پورا نظام قائم ہو گیا تو عدالت کا محکمہ مستقل کر دیا گیا۔ آپؓ نے تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں' جج مقرر کئے اور عدل و انصاف کے اصول و ضوابط پر ایک فرمان جاری کیا۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ صرف معزز اور دولت مند لوگوں کو جج بناتے تاکہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں۔ رشوت سے بچانے کے لئے تمام ججز کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں اور قاضیوں کو ہدایت تھی کہ مقدمات میں اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو' اگر قرآن میں وہ صورت نہ ملے تو حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو اور اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو۔ (کنز العمال' ج 2 ص 174)

جج کے انتخاب میں علم' تقویٰ' ذہانت اور قوت فیصلہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت' کوفہ کے عبداللہ بن مسعود اور قاضی شریح تھے۔ اسی طرح دیگر علاقوں میں نہایت لائق اور قابل افراد کی تقرری کی گئی تھی۔ ان بزرگوں کی جلالت علمی کا اندازہ اسماء رجال کی کتابوں سے ہو سکتا ہے۔ (فتح القدیر حاشیہ ہدایہ' ج 3 ص 247)

محکمہ افتاء:

محکمہ عدل کا ایک ذیلی شعبہ افتاء قائم کیا گیا۔ افتاء کے لئے حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا تھا کہ عام لوگ فتویٰ نہ دیں بلکہ وہ اہل لوگ جو قرآن و سنت کے علوم پر عبور رکھتے ہوں۔ افتاء کے لئے حضرت عمرؓ نے ان حضرات کا انتخاب کیا تھا:

حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی۔ (الفاروق، ج 2 ص 72)

محکمہ پولیس:

حضرت عمرؓ نے ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ پولیس کے انسپکٹر جنرل کو "صاحب الاحداث" کہا جاتا تھا۔ اس محکمہ کا کام امن و امان کے قیام کے ساتھ احتساب کرنا بھی تھا۔ یعنی یہ کہ دوکاندار ناپ تول مین کمی نہ کریں، کوئی شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے اور اس طرح کے دیگر کئی کام پولیس کے ذمے تھے۔ (تاریخ اسلام، ص 125)

جیل خانوں کا قیام:

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت صفوان بن امیہ کا مکان خرید کر اسے جیل خانہ بنایا۔ (خطط مقریزی، ج 2 ص 187) پھر دوسرے اضلاع میں جیلوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔ (فتوح البلدان، ص 468) اور جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد کردہ ہے چنانچہ ابومحجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ (الفاروق، ج 2 ص 74)

محکمہ ڈاک:

حضرت عمرؓ نے سرکاری خطوط، فوجی مراسلات اور مال غنیمت کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لئے محکمہ ڈاک قائم کیا۔ تیز رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے سرکاری خطوط اور مراسلات بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ اس محکمے کی بدولت حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھ کر عراق، شام، فلسطین اور مصر میں اپنی فوجوں کو ہدایات بھیجا کرتے اور ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

(اسلامی دستور حیات، ص 619)

ٹکسال کا قیام:

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں سونے چاندی کے غیر ملکی سکے رائج تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں چاندی کے سکے بنائے اور ان پر عربی میں عبارت کندہ کرائی البتہ سونے کے سکے خلیفہ عبدالملک بن ولید کے دور کی ایجاد ہے۔ چاندی کے سکے کو درہم اور سونے کے سکے کو دینار کہا جاتا تھا۔

(حوالہ مذکور)

محکمہ پبلک ویلفیئر:

پبلک ورکس کے تحت حضرت عمرؓ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ عہد فاروقی کا

ایک درخشندہ باب ہے۔

آپ نے سرکاری عمارتیں تعمیر کروائیں، رفاہ عامہ کے لئے سڑکیں، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، نہریں کھدوائیں، مسافروں کے لئے مہمان خانے بنوائے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہر منزل پر چوکیاں قائم کیں۔ بیت المال کے لئے خاص طور پر عمارتیں بنائی گئیں۔ نئے شہر تعمیر کئے گئے۔ (فتوح البلدان، ص 331)

نئے شہروں کی تعمیر

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد حکومت میں تین نئے شہر آباد کئے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1- بصرہ:

14ھ میں حضرت عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا۔ شروع میں اس کی آبادی صرف 800 (آٹھ سو) افراد پر مشتمل تھی۔ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں اس کی آبادی 80,000 (اسی ہزار) ہو گئی تھی۔ بصرہ اپنی علمی خصوصیات کی وجہ سے مدتوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا۔

2- کوفہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ اس میں شروع میں 40,000 (چالیس ہزار) افراد کی آبادی کے لئے مکانات تعمیر کئے گئے، اس میں تعمیر کردہ مسجد میں بیک وقت 40,000 (چالیس ہزار) افراد نماز ادا کر سکتے تھے۔

3- فسطاط:

دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک وسیع میدان تھا۔ حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر نے اثنائے جنگ یہاں قیام کیا۔ اتفاق سے ان کے خیمے میں کبوتر نے گھونسلا بنا لیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا تھا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ مصر کی تسخیر کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اس لئے اس شہر کا نام ''فسطاط'' رکھا۔

فسطاط نے بہت جلدی ترقی کی اور جلد ہی پورے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہؓ کے دور امارت میں اس کی آبادی 40,000 (چالیس ہزار) افراد پر مشتمل تھی جبکہ موصل اور جیزہ جو پہلے سے موجود تھے ان کی ازسرنو تعمیر کی۔ (فتوح البلدان، ص 331-332)

نئی نہروں کی کھدوائی

حضرت عمرؓ نے زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضروریات کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

1- نہر ابی موسیٰ:

بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی' شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے دریائے دجلہ سے نومیل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے گھر گھر پانی وافر مقدار میں مہیا ہو گیا۔ (خلاصۃ الوفاء' ص 132)

2- نہر معقل:

یہ نہر بھی دریائے دجلہ سے نکالی گئی اور ایک جلیل القدر صحابی حضرت معقل بن یسارؓ نے اس کی کھدائی کی نگرانی کی اس بناء پر اس کا نام نہر معقل ہو گیا۔

3- نہر سعد:

یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعدؓ نے کھدوائی تھی جو نہر سعد کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس نہر کی کھدائی کے درمیان راستے میں پہاڑ آ گیا چنانچہ اسے ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے زمانے میں اس پہاڑ کو کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا۔

4- نہر امیر المومنین:

سب سے بڑی نہر' نہر امیرالمومنین تھی۔ 18ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے 99 میل لمبی نہر کھدوا کر دریائے نیل کو بحرقلزم سے ملا دیا اور مصر کے جہاز براہ راست مدینہ کی بندرگاہ تک آنے لگے۔ اس سے مصر کی تجارت کو بھی بہت فروغ حاصل ہوا۔
(فتوح البلدان' ص 365- حسن المحاضرہ از سیوطی' ص 68)

مکہ اور مدینہ اسلام کے مرکز تھے مگر ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے۔ 17ھ میں مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں' سرائے اور حوض تعمیر کرائے۔ (تاریخ طبری' ص 2529)

مالی نظام

حضرت عمرؓ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے اسلامی سلطنت میں مالیات کا معقول بندوبست کیا۔ آپ نے باقاعدہ مالیات کا محکمہ قائم کیا۔

حضرت عمرؓ نے مدینہ میں ایک مرکزی بیت المال تعمیر کرایا اور ہر صوبے میں ایک صوبائی بیت المال قائم کیا گیا۔ آپؓ نے بیت المال کے لئے مضبوط اور کشادہ عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اگرچہ مرکزی

بیت المال حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں قائم ہو گیا تھا اور موجود بھی تھا مگر اس میں کچھ جمع نہ رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔ آمدنی و اخراجات کے اصول وضع کیے۔ بیت المال کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ایماندار اور صاحب لیاقت افراد کا تقرر کیا گیا۔ دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقمؓ تھے۔ کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ اور اصفہان کے خالد بن حارثؓ وغیرہ تھے۔

بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی۔ یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو چیز بچتی تھی وہ مرکزی بیت المال بھیج دی جاتی تھی۔ (کنز العمال، ج 3، ص 163)

بیت المال کے مصارف:

بیت المال کی آمدنی عموماً ان امور پر خرچ ہوتی تھی:

1- سرکاری ملازمین کی تنخواہیں
2- فوجی اخراجات
3- عوامی وظیفے (ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق وظیفہ ملتا تھا)
4- رفاہ عامہ
5- سرکاری عمارتوں کی تعمیر
6- قیدیوں کی کفالت
7- سامان جنگ کی خرید

بیت المال کے ذرائع آمدن

1- زکوٰۃ:

زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی اور صاحب نصاب مسلمانوں کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ بیت المال میں جمع کروانا ہوتا تھا۔ زکوٰۃ جس میں چاندی، سونا، نقدی، سکہ، مویشی اور تجارتی سامان وغیرہ سب کی آمدنیاں شامل ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ سے پہلے گھوڑوں پر زکوٰۃ نہ تھی کیونکہ گھوڑوں کی تجارت نہ تھی جبکہ آپؓ کے عہد میں ان کی تجارت ہونے لگی تو ان پر بھی زکوٰۃ لگا دی گئی۔

2- عشر:

عشر بھی مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ یہ دراصل زرعی زمین پر لگان ہے جو مسلمان ادا کرتے ہیں۔ بارانی اور نہری زمین پر دسواں حصہ ہے جبکہ کنوؤں سے سینچ کر سیراب کی ہوئی زمین پر بیسواں حصہ حکومت کو دینا پڑتا تھا۔

عشر کا طریقہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں رائج ہو چکا تھا لیکن حضرت عمرؓ

نے اس کو مزید وسعت دی۔ مفتوحہ ممالک کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا' ان پر عشر کا نظام نافذ کر دیا گیا۔

3- عشور:

مسلمان تاجر جب پڑوسی ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تو وہاں کی حکومتیں ان سے سرمایہ کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرتی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے بھی حکم دیا کہ غیر ممالک کے تاجروں سے بھی اسی قدر ٹیکس وصول کیا جائے۔ اس کا نصاب دو سو درہم تھا۔ پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا۔ ذمیوں کے لئے پانچ فیصد جبکہ مسلمانوں کے لئے ڈھائی فیصد مقرر تھا۔

4- خراج:

وہ رقم یا غلہ جو غیر مسلم رعایا سے زمین کی پیداوار میں سے وصول کیا جاتا تھا۔ خراج کی مقدار معین نہ تھی بلکہ زمین کی نوعیت و حیثیت کے مطابق خراج کی شرح مقرر کی جاتی تھی اور خراج اس زمین سے وصول کیا جاتا تھا جو فتح کے بعد غیر مسلم کاشتکاروں کے پاس رہتی تھی۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں کی درخواست پر زمین انہی کو دے دی گئی تھی اور اور معاملہ بٹائی پر طے ہو گیا۔ 16ھ میں جب عراق عرب پر مسلمانوں کا پورا قبضہ ہو گیا اور یرموک کی جنگ نے رومیوں کا استیصال کر دیا تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف خصوصی توجہ کی اور خراج و عشر کا باقاعدہ نظام رائج کیا جس سے حکومت کی آمدنی میں خاصا اضافہ ہوا۔ (الفاروق' ج 2 ص 46)

5- جزیہ:

اسلامی حکومت میں اہل ذمہ فوجی خدمت پر مامور نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی حفاظت کی ذمہ دار حکومت ہوتی' اس کے بدلے میں انہیں کچھ رقم سالانہ ادا کرنا ہوتی ہے اسے جزیہ کہتے ہیں۔ یہ صرف انہی لوگوں پر عائد ہوتا ہے جو تلوار اٹھانے کے قابل ہوں اور خوشحال ہوں۔ معذور' راہب' بوڑھے' عورتیں' بچے اور نادار لوگ جزیہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جزیہ کی شرح مقرر نہیں ہوتی اس میں حیثیت کے مطابق کمی بیشی ہو سکتی ہے اور معاف بھی ہو سکتا ہے۔ جو ذمی فوج میں شامل ہو جائے اس سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔

6- مال غنیمت:

دشمنوں کی ہر وہ چیز جو مسلمان مجاہدوں کے ہاتھ آتی' مال غنیمت کہلاتی تھی۔ اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا باقی مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

7- خالصہ:

ایسی زمین جو سرکاری ملکیت ہوتی تھی۔ کاشتکاروں کو آبادکاری کے لئے دی جاتی تھی اور اس

طرح اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سرکاری بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے تمام زمینوں کی باقاعدہ پیمائش کرائی اور اس کے تحفظ کا انتظام کیا۔ سرکاری غیر آباد زمین بے زمین کاشتکاروں کو اس شرط پر دی جاتی تھی کہ اسے تین سال کے عرصہ میں آباد کر لیں گے۔ جو کاشتکار ایسے نہ کر سکتا تھا اس سے واپس لے لی جاتی۔ زرعی اصلاحات کا نفاذ عمل میں لایا گیا' جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا گیا' تمام مسلمانوں کو زمین خریدنے سے روک دیا گیا' بے آباد زمینوں کی سیرابی اور آبادکاری کے منصوبے بنائے گئے۔ صرف مصر میں نہریں کھودنے کے کام پر ایک لاکھ بیس ہزار افراد سرکاری طور پر مقرر کیے گئے تھے۔ کئی بند باندھے گئے۔ تالاب بنائے گئے۔ نہری پانی کی تقسیم کے لئے دھانے بنائے گئے' ان سب کاموں کی نگرانی کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا جس کا کام صرف زمین سے متعلقہ معاملات نمٹانا تھا۔

فوجی نظام

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہیں تھا لیکن فاروقی دور میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا گیا تو باقاعدہ فوج کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ ولید بن ہشام کے مشورے سے فوج کو باقاعدہ محکمے کا نام دیا گیا۔ قریش اور انصار کے نام رجسٹروں میں درج کرا کے ان کے رتبے کے لحاظ سے تنخواہیں مقرر کیں جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے' ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ تھیں۔ ان کے بعد مہاجرین حبش اور مجاہدین کا نمبر تھا۔ کم سے کم تنخواہ -/100 درہم اور زیادہ سے زیادہ -/5000 سالانہ مقرر ہوتی۔ فوجیوں کے بیوی بچوں کو بھی وظیفے ملتے تھے۔ غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر تنخواہیں ملتی تھیں۔ (کتاب الخراج' ص 24- مقریزی' ج 1 ص 92- فتوح البلدان' بلاذری' باب ذکر العطاء فی خلافة عمر بن الخطابؓ)

فوج کی اقسام:

فوج دو حصوں میں تقسیم تھی:

1- باقاعدہ فوج   2- رضا کار یا ریزرو فوج

باقاعدہ فوج سے مراد وہ فوج جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول اور مستقل فوجی چھاؤنیوں میں رہتی تھی اور رضا کار فوج سے مراد وہ لوگ جو اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن بوقت ضرورت طلب کر لئے جاتے تھے' انہیں بھی تنخواہ ملا کرتی تھی۔ آج کل کی اصطلاح میں اس فوج کو ریزرو فوج کہتے ہیں۔

فوجی مراکز:

حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ علاقوں میں فوجی مراکز قائم کر رکھے تھے جن میں مدینہ' کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط کے شہر تو محض فوجی مراکز بنانے کے لئے آباد کیے گئے تھے۔ ان مراکز میں فوجی

ضروریات کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل انتظامات کئے گئے تھے:

1- سپاہیوں کے رہنے کے لئے بیرکیں بنی ہوئی تھیں۔

2- گھوڑوں کے بڑے بڑے اصطبل تھے جہاں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازو سامان سے لیس رہتے تاکہ فوری ضرورت پر انہیں کام میں لایا جا سکے۔

3- ہر اصطبل کے ساتھ چراگاہیں تھیں' عمدہ نسل کے گھوڑوں پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔

4- ان مقامات پر فوج کا نام وغیرہ درج کرنے اور تنخواہ کا حساب کتاب رکھنے کے لئے باقاعدہ دفتر بنے ہوئے تھے۔

5- سپاہیوں کو رسد اور کپڑا مہیا کرنے کے لئے علیحدہ دفتر اور سٹور کھلے ہوئے تھے دیگر چھوٹی چھوٹی چھاؤنیوں کو سامان رسد انہی مقامات سے بھیجا جاتا تھا۔

نوٹ: ان بڑی بڑی چھاؤنیوں کے علاوہ اکثر مقامات پر چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں بھی بقدر ضرورت موجود تھیں۔ خوزستان کے علاقے میں سب سے زیادہ چھاؤنیاں تھیں۔ سرحدی مقامات اور ساحلی علاقوں کی حفاظت کا کام ایک علیحدہ محکمے کے سپرد تھا۔ اس محکمہ نے حضرت عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں ضروری مقامات پر جابجا قلعے تعمیر کرائے اور جو پرانی چھاؤنیاں تھیں ان کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور ہر مفتوح علاقے میں بقدر ضرورت فوج مقرر کر دی جاتی۔

(تاریخ طبری' ص 23 و 2504 – فتوح البلدان' ص 57' 135)

فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی گئی کہ انصار و مہاجرین سے بڑھتے بڑھتے یہ سلسلہ سارے عرب کو محیط ہو گیا۔ تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس میں ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ (کنز العمال' ج 2 ص 231)

فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام پر کھول دیئے گئے تھے۔ اس میں عجمی' رومی' یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے۔ سپاہیوں کی تنخواہ دو سو سے تین سو درہم سالانہ تھی اور افسروں کی سات ہزار سے دس ہزار سالانہ تک تھی۔ فوجیوں کے بیوی بچوں کو علیحدہ وظیفے ملتے تھے۔ تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کو مہینے میں خوراک کے لئے ایک من غلہ' بارہ کلو روغن زیتون اور بارہ کلو سرکہ ملتا تھا لیکن بعد میں کھانا ملنے لگا تھا۔ (فتوح البلدان' ص 215-135)

فوجیوں کی فٹنس پر توجہ:

فوج کی صحت اور آرام و آسائش کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ 17ھ میں مدائن کی فتح کے بعد ناموافق آب و ہوا کے باعث سپاہیوں کی صحت پر قدرے بُرا اثر پڑا تو حضرت عمرؓ نے سپہ سالار کو حکم دیا کہ موسم بہار میں فوجیوں کو سرسبز و شاداب مقامات پر لے جایا کریں۔ چھاؤنیوں کا انتخاب کرتے وقت آب و ہوا کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ سپاہیوں کے رہنے کے لئے بیرکیں وسیع' کشادہ اور ہوادار بنائی جاتی تھیں۔ ہر چھاؤنی کے ساتھ جسمانی ورزش اور جنگی مشقوں کے لئے کھلے میدان چھوڑے جاتے۔ شہسواری' تیراندازی' تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ہر سپاہی کے لئے ضروری تھی۔ گرم ملکوں پر

سردیوں میں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی۔ (تاریخ طبری' ص 2482)

ہر فوج کے سپہ سالار کے علاوہ افسر خزانہ' محاسب' قاضی' مترجم اور طبیب بھی ہوتے تھے۔ جمعہ کے دن عام تعطیل ہوتی تھی اور سال میں ایک دو دفعہ ویسے بھی رخصت ملتی تھی۔ کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جاتا۔

خبر رسانی اور جاسوسی کا نہایت مربوط اور مکمل انتظام تھا۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ اس کی بناء پر حضرت عمرؓ ہمہ وقت فوج سے باخبر رہتے تھے۔ اس طرح گویا فوجوں کی کمان خود حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں ہوتی۔ راستہ صاف کرنے' سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا۔

(طبری' ص 2225- خطط مقریزی' ج 1 ص 163)

اہل ذمہ اور غیر مسلموں سے سلوک:

کسی حکومت کے عدل و انصاف کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا ہے؟ اور ان کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس اعتبار سے عہد فاروقیؓ عدل و انصاف اور مساوات کا کامل نمونہ تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب کی ہمسایہ سلطنتوں کے بیشتر علاقے فتح ہوئے۔ عربی تسلط سے پہلے غیر اقوام تو درکنار خود ان کی ہم قوم رعایا سے ان سلطنتوں کا جو سلوک رہا تھا' وہ غلاموں سے بھی بدتر تھا۔ اہل شام اگرچہ رومیوں کے ہم مذہب تھے مگر اس کے باوجود انہیں اپنی زمینوں پر ملکیتی حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ خود ایک قسم کی جائیداد تصور کئے جاتے' جب زمین ایک آقا سے دوسرے کے قبضہ میں چلی جاتی تو وہ بھی اس کے ساتھ منتقل ہو جاتے اور نئے آقا کو ان پر وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو پہلے آقا کو تھے۔

یہودیوں کی حالت تو اور بھی بدتر تھی۔ وہ بے چارے غیر مذہب کے پیروکار ہونے کی وجہ سے محروم تھے۔ ایران میں جو عیسائی آباد تھے' ان کی حالت بھی شامی یہودیوں کی طرح سخت قابل رحم تھی۔ جب یہ ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو ان کی حالت یکدم تبدیل ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں مسلمانوں کے مساوی حقوق دیئے اور ان کا درجہ وہی ہو گیا جو دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ ہر قوم کے بنیادی حقوق جان' مال اور مذہب سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے نہ صرف قانون ہی وضع نہیں کیے گئے بلکہ ان پر عمل بھی کیا گیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:

"یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام اہل مذاہب کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجا گھروں میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ وہ گرائے جائیں گے۔ نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا' نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارہ میں ان پر قطعاً کوئی جبر نہیں کیا جائے

گا۔ مزید برآں ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔" (طبری، فتح بیت المقدس)

یہ حقوق صرف ایلیا والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو ان کے عہد ناموں میں موجود ہیں۔ اہل جرجان، آذربائیجان اور موقان کے معاہدوں میں اسی طرح کی تحریر ہے کہ "جان و مال و مذہب اور شریعت کو امان ہے۔" (طبری، ص 62, 2658)

ان معاہدوں کی پوری پوری پابندی کے لئے حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً گورنروں کو تاکید کرتے رہتے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو شام کی فتح کے بعد یہ فرمان بھیجا کہ:

"مسلمانوں کو منع کرنا کہ کہیں ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو نقصان پہنچائیں اور نہ بلاوجہ ان کا مال کھائیں اور ان سے جو شرطیں طے کی ہیں، سب وفا کی جائیں۔"

(کتاب الخراج، ص 82)

ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالتا تو اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل کر دیا جاتا۔

ایک مرتبہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے، حکم کی فوری تعمیل ہوئی اور وارثوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ (ادرایہ فی تخریج الھدایہ)

ذمیوں کی املاک کو اگر کوئی نقصان پہنچتا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے۔ ایک مرتبہ شام میں فوج نے ایک ذمی کی زرعی زمین پامال کر دی تو حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اسے دس ہزار معاوضہ دلایا۔

(کتاب الخراج، ص 68)

اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے وصول نہ کی جائے چنانچہ جب عراق سے خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی؟ (کتاب الخراج، ص 65)

ذمیوں سے فوجی خدمات نہیں لی جاتی تھیں اس لئے اس کے عوض نیز ان کی جان و مال کی حفاظت کے صلہ میں انہیں ایک ٹیکس دینا پڑتا تھا جسے جزیہ کہتے ہیں اور وہ لوگ جن سے ہنگامی حالات میں فوجی خدمت لی جاتی، ان کا جزیہ بھی معاف کر دیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ کہ اگر کسی بناء پر مسلمان ذمیوں کی جان و مال کی حفاظت سے معذور ہو جاتے تو انہیں سارے کا سارا جزیہ واپس کر دیا جاتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب رومیوں کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کو جنگی مصلحتوں کی بناء پر پیچھے ہٹنا پڑا تو انہوں نے جزیہ کی رقم شامیوں کو واپس کر دی گئی۔ وہاں کے عیسائی اور یہودی باشندے اس بے نظیر انصاف سے اتنے متاثر ہوئے کہ صدق دل سے دعائیں کیں کہ "مسلمانو! خدا تمہیں دوبارہ یہاں لائے۔" (فتوح البلدان، ص 143- کتاب الخراج، ص 81)

مذہبی رسومات کی ادائیگی میں ذمیوں کو پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ اعلانیہ طور پر ناقوس بجاتے، صلیب نکالتے اور اپنے مذہبی تہوار مناتے البتہ نماز کے وقت ناقوس بجانے کی ممانعت تھی

اگرچہ مسلمان اسلام کی اشاعت میں بہت کوشاں رہتے پھر بھی کسی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا اور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی قسم کی سختی کی جاتی۔

انہی مہربانیوں اور احسانات کی بدولت ذمی اکثر اپنے ہم مذہب حکمرانوں کی بجائے مسلمانوں کی حکومت کو ترجیح دیتے۔ ان کے لئے رسد پہنچانے کا بندوبست کرتے' اسلامی لشکر کے لئے سڑکیں اور پل بناتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کا کام کرتے۔

(تاریخ اسلام از حمید الدین فراہی' ص 145)

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور پر یہ وصیت تھی کہ

''میں ذمیوں کے حق میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے' اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔''

(کتب حدیث)

محکمہ تعلیم و تبلیغ

خلفاء راشدین کے دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی باقاعدہ اشاعت کی چونکہ مذہب کی اولین بنیاد کلام اللہ ہے چنانچہ اس کی حفاظت اور تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ آپ ہی کے اصرار سے عہد صدیقی میں قرآن کریم مدون ہوا۔ آپؓ نے اپنے عہد خلافت میں تمام مفتوحہ علاقوں میں قرآنی تعلیم کے لئے مکتب قائم کئے اور ان کے لئے باتنخواہ استاذ مقرر کئے گئے۔

(سیرۃ عمر لابن جوزی)

آپؓ حفاظ کرام کو مختلف مقامات پر درس قرآن کے لئے بھیجتے تھے چنانچہ آپؓ نے اس مقصد کے لئے حضرت عبادہ بن صامت' معاذ بن جبل اور ابودرداء رضی اللہ عنہم کو شام میں بھیجا۔ انہوں نے حمص' فلسطین اور شام میں درس جاری کیا۔ (کنز العمال' ج 1 ص 281- اسد الغابہ تذکرہ عبادہ)

بدوؤں کے لئے قرآن کی تعلیم ایک اعتبار سے جبری تھی۔ ایک معلم ابوسفیان چند افراد کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لے جس کو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے۔ (الاصابہ تذکرہ اوس بن خالد)

قرآن کریم میں احکام پر مبنی سورتوں مثلاً سورۃ بقرۃ' نساء' مائدہ' حج اور نور کا یاد کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ (کنز العمال' ج 1 ص 231)

جو لوگ لغت کے ماہر نہ ہوں' انہیں قرآن کی تعلیم دینے سے منع کر دیا گیا اور قرآن کے طلباء کے وظائف مقرر کیے۔ (ازالتہ الخفاء' حصہ دوم' ص 6)

ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ کرام پیدا ہوئے۔

خدمت حدیث:

دوسرا بنیادی ماخذ حدیث ہے۔ آپؓ نے اس کی طرف بھی خصوصی التفات فرمایا۔ حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں' معقل بن یسار' عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کو بصرہ' عبادہ بن صامتؓ اور ابو الدرداءؓ کو شام روانہ کیا گیا اور امیر معاویہؓ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث کو قبول نہ کیا جائے۔
(صحیح مسلم' باب الاستیذان)

آپؓ کے زمانہ میں نئے نئے مسائل پیش آتے تھے چنانچہ جب نیا مسئلہ سامنے آتا تو صحابہؓ سے اس کے متعلق حدیث دریافت کرتے اس طرح سے حدیث کا کافی حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی۔ باوجودیکہ تمام صحابہ عادل ہیں' پھر بھی بشری خصائل کی بناء پر غلطی کا ہونا ممکن ہے اس اصول کے پیش نظر حضرت عمرؓ قبول روایت میں حد درجہ محتاط تھے۔ جب تک دو راویوں سے حدیث نقل نہ ہوتی' قبول نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک حدیث بیان کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کا ثبوت دو ورنہ سزا دوں گا۔ تو ابو موسیٰ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ اسی طرح حضرت مغیرہ نے ایک حدیث بیان کی تو انہیں اس کی شہادت کے لئے حضرت مسلمہ کو پیش کرنا پڑا۔ اس شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیثیں روایت کرنا کم یا بند کر دیا تھا۔
(تذکرۃ الحفاظ' ج 1 ص 6)

علاوہ ازیں یہ ہے کہ آپ نے احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ خاطر رکھا چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف توجہ فرمائی جن کا تعلق عبادات' معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نفاذ سے تھا۔ باقی احادیث کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کی۔

تعمیر مساجد

مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ شام کے حکام کو لکھ بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے (مقریزی' ج 2 ص 246- حسن المحاضرۃ' ج 2 ص 123) اور تنخواہ دار امام اور مؤذن مقرر کیے۔

حرم کی توسیع:

حرم محترم کی عمارت تنگ تھی' 17ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار بنوا کر اسے عام آبادی سے ممتاز کیا۔ (خطط مقریزی' ج 1 ص 184) کعبہ پر نطع (جو ایک معمولی کپڑا ہے) کا غلاف چڑھا کرتا تھا' آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا۔
(صحیح بخاری' باب بنیان الکعبہ و احکام السلطانیہ' ص 154)

مسجد نبوی کی توسیع:

مسجد نبوی کی توسیع کی' ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے' سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا۔ پہلے مسجد کا طول سو گز تھا اس تعمیر میں بیس گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آ کر باتیں کریں۔ (فتوح البلدان' ص 54)

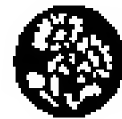
اولیات فاروقی (عمومی اصلاحات)

حضرت عمر فاروقؓ نے درج بالا مربوط' منقسم اور باقاعدہ شعبہ جات کے قیام کے علاوہ مندرجہ ذیل عام اصلاحات جاری کیں' یہ اصلاحات عمر فاروقؓ کی دور بینی' تدبر' معاملہ فہمی اور انتظامی صلاحیتوں کا ناقابل تردید ثبوت ہیں:

1- بیت المال یا خزانہ باقاعدہ طور پر قائم کیا۔
2- سنہ ہجری قائم کیا۔
3- امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔
4- فوج کے لئے باقاعدہ دفتر مقرر کیا۔
5- مالیات کا دفتر الگ' قائم کیا۔
6- رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
7- ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا۔
8- مردم شماری کرائی۔
9- نہریں کھدوائیں۔
10- شہر آباد کرائے مثلاً کوفہ' بصرہ' حیرہ' فسطاط۔
11- مقبوضہ ممالک کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا۔
12- حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
13- درہ کا استعمال کیا۔
14- جیل خانہ قائم کیا۔
15- پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
16- راتوں کو خود گشت کر کے رعایا کے حال سے باخبر رہنے کا طریقہ نکالا۔
17- پرچہ نویس مقرر کئے۔
18- راستے اور مسافروں کے لئے کنویں اور مکانات بنوائے۔
19- مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔
20- نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کیا۔

21- تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
22- نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر سب کا اجماع کیا۔ (تاریخ اسلام' نجیب آبادی' ج 1 ص 409)
23- مہمان خانے تعمیر کروائے۔
24- راہ میں پڑے ہوئے (لاوارث) بچوں کی پرورش اور تربیت و پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔
25- گھوڑوں کی مختلف نسلوں کی تشخیص کی' داغنے اور نمبر لگانے کا طریقہ رائج کیا۔
26- یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے۔
27- مکاتب قائم کئے اور معلمین کی تنخواہیں مقرر کیں۔
28- وقت کا طریقہ ایجاد کیا۔
29- شراب نوشی کی حد اسّی کوڑے مقرر کی۔
30- مساجد میں رات کے وقت روشنی کا انتظام کیا۔
31- اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
32- ہجو کہنے پر تعزیری سزا مقرر کی۔
33- غزلیہ اشعار میں خواتین کا نام لینے کو جرم قرار دیا۔
34- عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا۔
35- حضرت ابوبکرؓ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی۔
36- بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کی بجائے زکوٰۃ مقرر کی۔
37- جو لونڈی صاحب اولاد ہو جائے اس کو فروخت کرنے سے منع کیا۔

(تاریخ اسلام' شاہ معین الدین ندوی' حصہ اوّل ص 168)



حضرت عمرؓ کی سیرت و کردار

اخلاق و عادات:

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ صاحب کمالات' جامع الصفات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔آپ کا عہد' خلافت راشدہ کا زرّیں عہد ہے۔آپ نے اسلام لانے سے لے کر تا دم مرگ اسلام کی بے نظیر خدمات سرانجام دیں۔ آپؓ رسول اکرم ﷺ کی دعا کے نتیجے میں مسلمان ہوئے تھے۔ فاروق اعظمؓ تاریخ اسلام کے ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کے بے مثل و لاثانی حکمران ہیں۔آپ کی سیرت کا ہر پہلو ایمان افروز اور ولولہ انگیز ہے۔آپ کی شخصیت خشیت الٰہی' حب رسول' جلال و انکسار' سادگی و وقار اور بے مثال فہم و فراست کا شاندار مرقع ہے۔ ان کے آئینہ اخلاق میں رجوع الی اللہ' دنیاوی لذتوں سے اجتناب' حفاظت زبان' حق پرستی' راست گوئی اور تواضع کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ جو شخص آپؓ کی صحبت میں رہتا تھا' وہ بھی متاثر ہو کر کم و بیش اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا۔

مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری و تقویٰ سیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد فاروقی کے افسر اور عہدیدار سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ (مؤطا امام مالک' باب ما جاء فی صلوٰۃ اللیل)

اب ہم ذیل میں حضرت عمرؓ کی سیرت کے چند پہلوؤں کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

1- خشیت الٰہی:

یہ وصف حضرت عمرؓ میں بہت نمایاں تھا' آپؓ نماز کی ادائیگی میں خشوع و خضوع کا بہت اہتمام کرتے تھے۔نماز میں اثنائے تلاوت قیامت یا جلالت و عظمت الٰہی کا تذکرہ آ جاتا تو روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ ایک دن دوران نماز جب سورۃ یوسف کی اس آیت پر پہنچے:

انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ و اعلم من اللہ مالا تعلمون (یوسف:86)

تو اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ (صحیح بخاری' ابواب الصلوٰۃ)

قیامت کے مؤاخذہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ہر وقت دل میں قیامت کا خوف رہتا تھا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے: کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ (کنز العمال' ج 6 ص 345)

ایک مرتبہ فرمایا: میں تو اسی قدر چاہتا ہوں کہ بلا مؤاخذہ چھوٹ جاؤں۔
(صحیح بخاری' باب ایام ابی ھیلۃ)

2- رسول اکرم ﷺ سے محبت:

آپؓ کو رسول اکرم ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ جان' مال' اولاد اور ہر چیز رسول اکرم ﷺ پر فدا تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر الگ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا' آپ کی خدمت میں آئے۔ بار بار اجازت مانگنے کے باوجود جب حاضری کی اجازت نہ ملی تو عرض

گزار ہوئے کہ میں حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا' اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو میں اس کا سر قلم کر دوں۔ (فتح الباری' ج 9 ص 251)

آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب آپؓ کو رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک یاد آ جاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے۔

بیت المقدس' مسجد اقصیٰ میں جب باصرار حضرت بلالؓ سے اذان سنی اور عہد نبوت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ گیا تو اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ (فتوح الشام ازدی باب فتح بیت المقدس)

3- متعلقین رسالت کا لحاظ:

حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ سے تعلق رکھنے والے تمام احباب کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے۔ جب آپ نے صحابہ کے وظائف مقرر کرنا چاہے تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تعلق کے قرب و بعد کے لحاظ سے مقرر کئے چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم' ان میں سے بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا۔ اس کے بعد بنو امیہ اور اپنے قبیلہ بنو عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں۔ حضرت حسینؓ اگرچہ ان میں شامل نہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی ذریت سے تعلق کی بناء پر ان کی تنخواہ بدری صحابہ کے برابر تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کئے۔ آنحضرت ﷺ کے غلام کے صاحبزادے اسامہ کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ جب عبداللہؓ نے استفسار کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

(کتاب الخراج' ص 24-25- مستدرک حاکم' ج 3' مناقب عبداللہ بن عمرؓ)

4- اتباع سنت:

حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے حسین باب اتباع سنت تھا۔ عبادات و معاملات کے علاوہ روزمرہ کی زندگی میں بھی اتباع سنت کا پورا اہتمام کیا کرتے تھے اور عمال کو بھی ایسی تاکید کرتے تھے۔

ایک مرتبہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ کھانا کھایا جب معمولی قسم کے کھانے کے بعد جب عمدہ قسم کا کھانا آیا تو ہاتھ کھینچ لیا' فرمایا اللہ کی قسم! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صراط مستقیم سے ہٹا دے گا۔ (کنز العمال' ج 6 ص 345)

آپؓ کی ساری زندگی کوشش رہی کہ اتباع سنت پر عمل پیرا ہوں۔

ایک مرتبہ آپؓ نے ذوالحلیفہ سے گزرتے ہوئے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ ایک شخص نے پوچھا کہ یہ کون سی نماز ہے تو فرمایا: میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم' باب الصلوٰۃ فی ذی الحلیفہ)

5- احتساب نفس:

جب بھی دل میں غرور کا شائبہ پیدا ہوتا تو فوراً اس کا تدارک کرتے۔ ایک دن خطبہ دیا اور

ارشاد فرمایا:

''صاحبو! ایک زمانے میں' میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کے لئے چھوہاروں کے عوض پانی بھر دیا کرتا تھا۔ وہی کھا کر زندگی بسر کرتا تھا۔''

یہ کہہ کر منبر سے نیچے اُتر آئے تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات ہے۔ فرمایا: ''میری طبیعت میں ذرا سا غرور آ گیا تھا اور یہ اس کی دواء تھی۔'' (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 200)

6- تواضع و انکساری:

حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و داب کا یہ حال تھا کہ محض ان کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا اور دوسری طرف یہ بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے تھے اور مجاہدین کی بیویوں کو بازار سے سودا سلف لا کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ بازار گئے' تھک گئے۔ ایک غلام گدھے پر سوار جا رہا تھا اس کو اپنے ساتھ بٹھانے کی درخواست کی' وہ اُترا اور آپ کو آگے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا' نہیں میں پیچھے ہی بیٹھوں گا۔ چنانچہ اسی حالت میں آپؓ مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے اور لوگ امیرالمومنین کو ایک غلام کے پیچھے بیٹھے دیکھ کر تعجب کر رہے تھے۔ (کنزالعمال' ج 6 ص 253)

7- زہد و قناعت:

دنیا طلبی اور حرص تمام بداخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی۔ آپ کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں' قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے۔ خالد اور معاویہ سے بازپرس ہو رہی ہے اور فاتح ایران و مصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں۔

دوسرا رُخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگے کپڑے ہیں' جوتا ٹوٹا ہوا ہے۔ بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لئے کندھے پر مشک ہے یا کسی وقت مسجد کے ایک کونے میں کام سے تھک کر آرام کر رہے ہیں' یا پھر چٹیل میدان میں دھوپ میں ریت پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اینٹوں کا سرہانہ ہے اور کوڑہ قریب پڑا ہوا ہے۔

انہی حالتوں میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملا کرتے تھے اور وفود کو حاضری کی اجازت دیتے تھے۔ مسلمانوں کو شرم آتی تھی مگر اقلیم زہد کے بادشاہ کے آگے کون زبان کھول سکتا۔ آپؓ کے زہد و قناعت کے بہت سے واقعات کتب سیرت کے صفحات کی زینت ہیں۔

(کنزالعمال' ج 6 ص 350- طبقات ابن سعد' ج 3 ص 199)

حضرت عمرؓ اپنے عمال کو بھی زہد و قناعت کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ رومیوں اور عجمیوں کی معاشرت اختیار نہ کیا کریں۔

8- سادگی:

حضرت عمرؓ جب سفر پر جاتے تو کوئی خیمہ وغیرہ ساتھ نہیں ہوتا تھا جہاں منزل کی وہاں کسی

سایہ دار درخت کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے اور وقت گزار لیا۔ آپؓ کی سادگی کی وجہ سے کئی دفعہ لوگوں کو آپ کے پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔

23ھ میں سفرحج کیا' اس زمانے میں آپ کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ سعید بن مسیب مشہور تابعی بھی آپؓ کے شریک سفر تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ مقام ابطح میں پہنچے تو سنگریزے اکٹھے کر کے ان پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔

(موطا امام محمدؒ ص 304)

9- غذا اور لباس:

آپ کے گزارہ کے لئے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی اسے بھی اس شرط پر قبول فرمایا تھا کہ جب مالی حالت درست ہو جائے گی تو نہ لیں گے اور فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 198)

آپ کے لباس میں صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے اور ان میں بھی پیوند در پیوند لگے ہوتے تھے۔ (ابن سعد' ص 337)

ایک دن حضرت حفصہؓ نے آپؓ سے اس بارہ میں گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانوں کے مال سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔ انہی کپڑوں میں بر سر عام نکلتے تھے۔

حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا اور اس کو دھو کر پہنتے تھے۔ (کنز العمال' ج 6 ص 347)

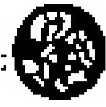
غذا میں عموماً موٹے' بے چھنے آٹے کی روٹی اور زیتون کا روغن ہوتا تھا۔ کبھی کبھار گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے۔ کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے۔

ایک مرتبہ جب عتبہ بن فرقد جو آپ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور اُبلے ہوئے گوشت اور روکھی روٹی کے ٹکڑے حلق سے نہ اُترنے کی وجہ سے کہا کہ آپ کھانے میں کچھ زیادہ صرف کر لیں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو۔

10- مزاج میں سختی اور نرمی کا امتزاج:

حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں اور ایک حد تک وہ صحیح بھی ہیں۔ اسلام لانے کے بعد بھی سختی کافی حد تک قائم رہی لیکن خلافت کا بوجھ پڑتے ہی بہت نرم ہو گئے تھے البتہ خلافت کے ایام میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں' وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی' حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس' مذہبی احکام کی پابندی کے لئے

تعزیر و تنبیہ اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے۔ اس لئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ منصب خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا بلکہ وہ جس قدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے' ہمدردی کے مواقع پر اس سے زیادہ لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے۔ مخلوق خدا میں غلاموں سے زیادہ قابل رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عربی غلاموں کو آزاد کرایا (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 158) اور یہ قانون بنا دیا کہ اہل عرب کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں تو غلاموں کی تنخواہیں ان کے مالکوں کے برابر طے کیں۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ ایک شخص کے دستر خوان سے صرف اس لئے اُٹھ گئے تھے کہ اس نے اپنے غلام کو ساتھ نہیں بٹھایا تھا۔ (فتوح البلدان' باب ذکر العطاء)



خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمانؓ کا تعارف:

حضرت عثمانؓ قریش کی مشہور شاخ بنو اُمیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچویں پشت پر آپؓ کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان کی شخصیت اسلامی تاریخ میں جس درجہ اہم اور نہایت عظیم الشان ہے اسی درجہ ان کی شہادت کا المیہ بھی دردناک ہے۔ حضرت عثمانؓ کو صحابہ کرامؓ میں جو عظمت اور فضیلت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی اس لئے آپ ذوالنورین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتے تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن شمس قریش کے روٗساء میں شمار ہوتے تھے۔ اسی سے منسوب ہو کر بنواُمیہ ''اموییّن'' کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت عثمانؓ عہد شباب میں تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت' دیانت اور راست بازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا اور اتنی کامیابی حاصل کی کہ ان کا لقب ہی ''غنی'' پڑ گیا اور آپؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ اسلام لانے والوں میں چوتھے نمبر پہ تھے۔ (کنز العمال' ج 15 ص 22)

ان کے اسلام لانے کے بعد ان کی والدہ اروئی بنت کریز ان سے ناراض ہو کر اپنے بھائی عامر بن کریز کے گھر چلی گئیں۔ پھر سال بھر کے بعد مایوس ہو کر خود ہی اپنے گھر آ گئیں۔

(انساب الاشراف' بلاذری' ج 5 ص 2)

مکہ میں کفار کی طرف سے مصائب و آلام سے تنگ آ کر آپؓ اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری اُمت میں عثمان پہلا شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلاوطن ہوئے۔''

(الاصابہ' ج 8' تذکرہ رقیہ)

پھر جب قریش کے مسلمان ہونے کی افواہ پھیلی تو آپ واپس آ گئے لیکن پھر واپس نہ گئے۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 38)

مدینے میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور یہ اس کا ذریعہ معاش بھی تھا۔ غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ (الاستیعاب' ج 2 ص 488)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمانؓ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر میں حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت میں دونوں کا حصہ ملے گا۔ (صحیح بخاری' باب مناقب عثمان)

غزوۂ احد میں حضرت عثمانؓ موجود تھے لیکن جب اتفاقی حادثہ پیش آیا اور صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے تو حضرت عثمان بھی انہی میں سے تھے لیکن انہیں اس کا شدید قلق رہا۔ غزوہ ذات الرقاع میں حضرت عثمان کو مدینہ پر نبی کریم ﷺ کی نیابت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 39)

غزوۂ حدیبیہ میں آپ سفیر رسول ﷺ بن کر مکہ گئے۔ غزوۂ تبوک میں آپ نے ایک ہزار اونٹ' ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور رسد کے پیش کئے۔ آنحضرت ﷺ حضرت عثمانؓ کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (مستدرک حاکم' ج 3 ص 103)

حضرت عثمانؓ کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لئے وقف تھی۔

(جامع الترمذی' مناقب عثمان)

حضرت عثمانؓ کا انتخاب خلافت:

26 ذوالحج 23ھ کو حضرت عمر فاروقؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور یکم محرم 24ھ کو وہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ شہادت سے قبل آپ نے چھ افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی کہ ان چھ میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ میرے صاحبزادے عبداللہ ساتویں ممبر ہوں گے مگر یہ صرف مشورہ میں شامل ہوں گے۔ وہ چھ افراد یہ تھے:

حضرت عثمان' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت طلحہ بن عبیداللہ حضرت زبیر بن عوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

اور فرمایا کہ تین دن کے اندر خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ اس دوران صہیب رومیؓ نمازوں کے امام ہوں گے۔ آپ کی تدفین کے بعد حسب وصیت مقداد بن اسود نے ان چھ افراد کو مسور بن مخرمہ کے مکان میں جمع کیا' دو دن تک بحث و تمحیص جاری رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ خلافت کو تین حضرات میں محدود کر دینا چاہیے چنانچہ حضرت زبیر نے حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی۔ حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام پیش کیا اور حضرت سعد نے عبدالرحمٰن کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا نام واپس لے لیا بہر حال خلافت کا معاملہ صرف حضرت علی اور حضرت عثمان تک محدود ہو گیا۔ اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا جو شخص کتاب اللہ' سنت رسول اللہ اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔

اور آپ نے دونوں احباب سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں اصحاب ان کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب رہے گا چنانچہ اس پر دونوں راضی ہو گئے اور دونوں نے انہیں اختیار دے دیا۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن انصار و مہاجرین کے معزز سرداروں سے مشورہ کرتے رہے' آخر تیسرے دن مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کیا اور بڑی جامع اور مؤثر تقریر کی اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ

پر بیعت کی اور ان کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی اور بعد میں تمام صحابہ کرامؓ نے بیعت کی اور حضرت عثمانؓ 4 محرم الحرام 24ھ میں اتفاق رائے سے مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ یہ تیسرے خلیفہ راشد تھے۔ (طبقات ابن سعد ج 3 ص 42-43)

انتخاب کے بعد خطبہ خلافت:

بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھے اور اپنی نئی ذمہ داریوں سے اس قدر متاثر تھے کہ کانپنے لگے۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا:

''اے لوگو! کسی نئی سواری پر چڑھنا آسان کام نہیں ہے۔ آج کے بعد تقریر کے لئے اور بہت سے مواقع آئیں گے' اگر میں زندہ رہا تو اور کسی دن خطبہ دوں گا اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ میدان تقریر کے شہسوار نہیں ہیں۔ (طبقات ابن سعد ج 3 ص 43)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی تقرری:

ابتداء میں کچھ دن تک حضرت عثمانؓ نے فاروقی نظام میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ صرف حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا۔ (تاریخ ابن اثیر ج 3 ص 31)

دربار خلافت میں پہلا مقدمہ:

حضرت عمرؓ کے قاتل ابولولو نے آپؓ کو شدید زخمی کرنے کے فوراً بعد خودکشی کر لی تھی لیکن بعض قرائن سے شک ہوا کہ اس سازش میں اس کے ساتھ دو آدمی جفینہ اور ہرمزان بھی شریک تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بیٹے عبیداللہ نے جوش غضب میں آ کر ان دونوں کو قتل کر دیا تو سب سے پہلے عبیداللہ سے ان کا قصاص لینے کا مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے اکابر مہاجرین و انصار سے رائے لی۔ حضرت علیؓ اور کچھ دیگر صحابہ نے قصاص کی رائے دی جبکہ حضرت عمرو بن العاص اور دیگر صحابہ نے یہ رائے دی کہ ایسا نہ کیا جائے کیونکہ کل حضرت عمر شہید ہوئے تو آج ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے۔ دونوں آراء سننے کے بعد حضرت عثمانؓ نے دوسری رائے کو ترجیح دیتے ہوئے اس قضیہ کو یوں حل کیا کہ ان دونوں کی دیت اپنے پاس سے ادا کر دی۔ اس فیصلے کو بہت پسند کیا گیا۔ (ابن اثیر ج 3 ص 75)

خلافت عثمانی اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے محروسہ ممالک میں شامل کر لیا تھا نیز ملکی نظم و نسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا اس لئے حضرت عثمانؓ کے لئے میدان صاف تھا چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نرمی و ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنا لیا اور ایک سال تک قدیم نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا۔ (ابن اثیر ج 3 ص 61)

خلافت عثمان کا اہم کارنامہ:

خلافت عثمانی کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تھا اور شام' مصر اور ایران کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا تھا' حضرت عثمانؓ نے نہ صرف ان فتوحات کو جاری رکھا بلکہ ان میں نامکمل فتوحات کی تکمیل کی اور ممکنہ بغاوتوں کو ختم کر کے حکومت میں استحکام پیدا کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ ہمیشہ بحری جنگ کے خلاف رہے۔ حضرت عثمانؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کا آغاز کیا۔

اسکندریہ کی بغاوت اور دوبارہ فتح:

مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی سلطنت کا نہایت ہی اہم حصہ تھا اور قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اسکندریہ میں رومیوں کی بڑی تعداد تھی۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد 25ھ میں قیصر نے انہیں خفیہ سازش کے ذریعے بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑا مدد کے لئے بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بھیجا۔ انہوں نے حسن تدبیر سے اس بغاوت کو فرو کر دیا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لئے شہر نیا مسمار کرا دی۔ (ابن اثیر' ج 3 ص 31)

لیبیا اور تیونس کی فتح:

اسکندریہ کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے لیبیا اور تیونس کی طرف پیش قدمی کی اور طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عثمانؓ 25ھ میں عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا کہ تیونس کی طرف پیش قدمی کریں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ 27ھ میں دوبارہ حضرت عثمانؓ نے ایک لشکر جرار بھیجا۔ اس لشکر میں حضرت حسن' حسین' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عمرو بن العاص' عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر ملت شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی سرح اپنا لشکر لے کر آگے بڑھے تو مقابلے میں رومی فوج آئی جس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی بڑی سخت جنگ ہوئی' آخر رومیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کا تیونس پر قبضہ ہو گیا۔ (عثمان ذوالنورینؓ ص 103)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی:

26ھ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ معزولی کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو کوفہ کے افسر خراج تھے بھاری رقم قرض کے طور پر حاصل کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے وقت مقررہ پر تقاضا کیا تو سعد نے ناداری کا عذر کیا اور یہ قضیہ دربار خلافت میں پہنچا۔ بیت المال میں اس قسم کا تصرف دیانت کے خلاف تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو والئی کوفہ مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر بھی خفگی ظاہر کی لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی اس لئے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا گیا۔ (ابن اثیر' ج 2 ص 68)

آرمینیہ اور آذربائیجان میں بغاوت اور اس کا استیصال:

چونکہ آرمینیہ اور آذربائیجان کی حفاظت کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ کی جاتی تھیں جب حضرت سعد کو کوفہ کی گورنری سے سبکدوش کر دیا گیا تو آذربائیجان والوں نے ان کے جاتے ہی بغاوت کر دی۔ ولید بن عقبہ نے سلیمان بن ربیعہ باہلی کو بھیجا اور انہوں نے آرمینیہ پر فوج کشی کر کے ان کو مطیع بنا لیا۔ (تاریخ اسلام ج 1 ص 250)

حضرت عمرو بن العاص کی معزولی:

حضرت عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن ابی سرح بیت المال کے انچارج تھے۔ دونوں کی طرف سے دربار خلافت میں ایک دوسرے کے خلاف شکایتیں پہنچیں۔ عمرو بن العاصؓ کے خلاف شکایت تھی کہ انہوں نے فوجی قوت کم کر دی ہے جبکہ عبداللہ بن ابی سرح کو شکایت تھی کہ انہوں نے خراج کی رقم گھٹا دی ہے۔ مصر کے خراج کی کمی کی شکایت حضرت عمر فاروق کے دور سے چلی آ رہی تھی چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ سے خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا تو حضرت عمروؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا اور عبداللہ بن ابی سرح کو پورے صوبہ مصر کا حاکم بنا دیا۔ انہوں نے خراج میں کافی اضافہ کیا' بیس لاکھ سے چالیس لاکھ کر دیا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 189)

طرابلس کی فتح:

مہم طرابلس کا اہتمام تو 25ھ ہی میں ہوا تھا لیکن اس پر باقاعدہ فوج کشی 27ھ میں ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سرح مصر کے گورنر تھے چنانچہ 27ھ میں عبداللہ بن ابی سرح طرابلس کی حدود میں داخل ہوئے۔ حاکم طرابلس ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ پر آیا' جنگ ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکردگی میں مزید فوج بھیجی۔ بڑے معرکہ کی جنگ ہوئی لیکن طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے' آخر انہوں نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔

(ابن اثیر ج 3 ص 93)

افریقہ کی فتح:

افریقہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب تیونس' الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے۔ یہ ممالک 26ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی محروسہ ممالک میں شامل ہو گئے۔ (فتوح البلدان' ص 235)

اسپین پر حملہ:

شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا۔ چنانچہ 27ھ میں حضرت عثمانؓ نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن نافع بن عبدقیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو اصحاب کو اس مہم کے لئے نامزد کیا جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا چونکہ مستقل فوج کشی کا خیال نہ تھا اس لئے وہ صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر واپس لوٹ آئے اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس افریقہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔

(خلفائے راشدینؓ ص 170- ابن اثیرؒ ج 3 ص 93)

27ھ میں اندلس پر جو حملہ کیا گیا اس معرکہ میں کامیابی سے مسلمانوں کی طاقت وقوت اور شوکت و ہمت میں مزید اضافہ ہوا۔

قبرص کی فتح:

قبرص جسے انگلش میں "سائپرس" کہتے ہیں، بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور روم اور شام کی طرف سے مصر اور شام کی فتح کا دروازہ بھی ہے چنانچہ مصر اور شام کی نہ تو اس وقت تک حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ ہی رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو اس لئے امیر معاویہؓ کی عہد فاروقی سے ہی اس پر نظر تھی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس پر فوج کشی کی اجازت مانگی تھی مگر عمر فاروقؓ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لئے اجازت نہ دی۔ پھر امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے باصرار اجازت مانگی تو انہوں نے مشروط اجازت دے دی۔ اجازت ملتے ہی حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا' یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے اور جنگ و جدال سے گھبراتے تھے اس لئے انہوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح کر لی:

1- اہل قبرص سات ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

2- مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔

3- رومیوں سے مقابلے کے لئے یہ لوگ مسلمانوں کو اپنے جزیرے سے گزرنے دیں گے اور ساتھ ہی رومیوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں کو آگاہ بھی کرتے رہیں گے۔

کئی سال تک اہل قبرص اس پر عمل پیرا رہے لیکن 32ھ میں اہل قبرص نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو امیر معاویہؓ نے حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور ایک اسلامی نو آبادی بنا دیا۔

(فتوح البلدانؒ ص 235)

یہ پہلا جزیرہ تھا جو اسلامی حکومت میں شامل ہوا جس کی فتح میں معاویہ بن ابی سفیان اور عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت نے اہم کردار ادا کیا۔ (ہسٹری آف عرب' ص 167- عثمان ذوالنورینؓ ص 105- ابن اثیرؒ ج 3 ص 47 و 75' ج 6 ص 107)

والئی بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی:

حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے ایک گروہ حضرت ابوموسیٰ کے خلاف چلا آ رہا تھا لیکن ان کو فاروقی رعب و داب کی وجہ سے مخالفت کی ہمت نہ پڑی۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں اس گروہ میں دن بدن اضافہ ہونے لگا' سوئے اتفاق سے اس زمانہ میں کردوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جہاد پر وعظ فرمایا اور پاپیادہ جہاد میں شرکت کی اپیل کی اور پیادہ چلنے کے بہت سے فضائل بیان کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگ گھوڑے ہونے کے باوجود چلنے کو تیار ہو گئے لیکن چند افراد نے کہا کہ ٹھہرو چلنے میں اتنی بھی کیا جلدی ہے' دیکھتے ہیں ہمارا گورنر کس طرح نکلتا ہے؟

اتفاق سے جس دن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روانہ ہوئے تو آپ ایک عمدہ نسل کے ترکی گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر ان کا اسباب و سامان تھا۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ جناب امیر یہ قول و فعل میں تضاد کیسا؟ ہمیں پیدل چلنے کی ترغیب اور خود سواری پر سوار' یہ سواری ہمیں دو اور خود پیدل چلو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کی یورش دیکھ کر کوڑا یارا چنانچہ اس گروہ کے لوگ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ ان کے مطالبہ پر ابوموسیٰ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا گورنر بنایا۔

(ابن اثیر' ج 3 ص 74-75)

جزیرہ روڈس کی فتح:

جزیرہ قبرص کی فتح کے بعد امیر معاویہ نے جزیرہ روڈس کی فتح کی اجازت طلب کی۔ یہ جزیرہ بحر روم میں ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور تقریباً پینتالیس میل لمبا ہے۔

حضرت عثمانؓ کو جب امیر معاویہ کی طرف سے اس پر حملہ کرنے کی درخواست موصول ہوئی تو آپؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور ان سے رائے طلب کی۔ مجلس شوریٰ نے رائے دی:

امیر المومنین! جزیرہ قبرص کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں اور ان کو بحری جنگ کرنے میں کوئی تامل نہیں اس لئے آپؓ امیر معاویہ کو جزیرہ روڈس پر حملہ کرنے کی اجازت دے دیں چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں لیکن اللہ سے ڈرنا اور دوراندیشی کو ہاتھ سے مت جانے دینا اور اگر تمہیں سمندر کا ذرا بھی ڈر ہو تو ہرگز اس پر مت سوار ہونا کیونکہ سمندر کا ہول بہت ہوتا ہے۔"

(عثمان ذوالنورینؓ ص 107)

ایک عظیم الشان بحری جنگ:

31ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو (500) جہاز تھے

سواحل شام پر حملہ کے لئے بھیجا۔ مؤرخین کے مطابق رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لئے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے تمام جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ بے شمار رومی مارے گئے۔ مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے لیکن ان کے استقلال و شجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد بچی، خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا اور اسلامی بیڑا مظفر و منصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا۔ (تاریخ ابن اثیر، ج 3 ص 91)

جزیرہ صقلیہ پر حملہ:

32ھ میں امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر جزیرہ صقلیہ پر حملہ کیا اور تین سو کشتیوں کا بحری بیڑہ تیار کر کے سمندر میں کود پڑے۔ تلواروں اور نیزوں سے زبردست جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے کشت و خون کی افراط اس قدر ہوئی کہ سمندر کا پانی سرخ ہو گیا اور لاشوں کے تودے بن گئے۔ آخر رومی بدحواس ہو کر بھاگے اور مسلمانوں کا بیڑا فتح و کامرانی کا پرچم لہراتا ہوا ساحل شام پر فروکش ہوا۔ امیر معاویہ اور عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمانؓ کو فتح کی خوشخبری کی اطلاع دی جس سے آپؓ بہت خوش ہوئے۔ (عثمان ذوالنورین، ص 112)

ایران میں بغاوت اور اس کا استیصال:

ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا اور وہ ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہتا تھا لیکن اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد یزدگرد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور 29ھ میں فارس میں کرمان سے لے کر خراسان تک اس نے بغاوت کرا دی اور سارے عجم میں آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ کو اس بغاوت کے استیصال کا حکم بھیجا۔ عبداللہ بن عامر لشکر لے کر بصرہ سے فارس پہنچے اہل فارس نے پوری قوت سے مقابلہ کیا لیکن ابن عامر نے ان کو شکست دے کر فارس پر قبضہ کر لیا۔ (تاریخ اسلام، ج 1 ص 254)

ولید بن عقبہ کی معزولی:

30ھ میں حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ گورنر کوفہ کو ان کے منصب سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

خراسان کی فتح:

30ھ میں مجاہدین اسلام نے طبرستان، خراسان وغیرہ پر حملہ کر کے ان علاقوں کو اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔ عبداللہ بن عامر نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات، سیستان اور کابل کو فتح کر کے نیشاپور کا رُخ کیا اور اہل نیشاپور نے سات لاکھ سالانہ درہم پر مصالحت کر لی۔ (خلفائے راشدین، ص 173)

ماوراء النہر اور سرخس کی فتح:

نیشاپور کی فتح کے بعد عبداللہ بن عامر نے عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے۔ اہل سرخس نے اطاعت قبول کر لی' ادھر اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کر دی اور بہت سے گھوڑے' ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے تو عبداللہ بن عامر نے صلح کر لی اور قیس بن الہیثم کو اپنا قائمقام بنا کر خود اسباب و سامان کے ساتھ دارالخلافہ کا رُخ کیا۔ (خلفائے راشدین' ص 173)

متفرق فتوحات:

قبرص' طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمان کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں۔ 31ھ میں حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔
(ابن اثیر' ج 3 ص 91)

32ھ میں امیر معاویہ تنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔ 32ھ میں عبداللہ بن عامر نے مرورود' طالقان' فاریاب اور جوز جان کو فتح کیا۔ 33ھ میں امیر معاویہؓ نے ارض روم میں حصن المرأۃ پر حملہ کیا۔ اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کر دی' عبداللہ بن عامرؓ والئی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔ اسی طرح 34ھ میں اہل طرابلس نے نقض امن کیا' عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے انہیں قابو میں کیا۔ (خلفائے راشدین' ص 174)



عہد خلافت عثمانی میں شورش کے اسباب

دور عثمانی کے ابتدائی پانچ یا چھ سال نہایت امن و سکون سے گزرے' فتوحات کی وسعت' مال غنیمت کی فراوانی' محصولات و خراج کی زیادتی' وظائف کی کثرت اور زراعت و تجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش و عشرت کے سامان سے معمور کر دیا۔

اس دور میں دولت کی فراوانی کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک عجیب تبدیلی آ گئی تھی کہ لوگوں کے دلوں میں خوف خدا کی جگہ دنیا کی محبت اور مال و دولت کی ہوس جگہ لینے لگی تھی اور بغض و حسد اور رشک و روابط کے قدم جمنے لگے۔ ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا انقلاب برپا کیا جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ اس شورش اور انقلاب کے خارجی اسباب حسب ذیل تھے:

1- صحابہ کرام کا دنیا سے اُٹھ جانا:

صحابہ کرام کی وہ نسل جو نبوت سے براہ راست فیض یاب ہوئی تھی' کافی حد تک ختم ہو چکی تھی جو لوگ موجود تھے' وہ بڑھاپے کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے تھے اور ان کی جگہ ان کی اولادیں لے رہی تھیں اور یہ نوجوان' زہد و تقویٰ' عدل و انصاف اور راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے بلکہ مال و دولت کی فراوانی نے ان میں رشک اور حسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا چنانچہ ان میں سے اکثر میں اپنے اسلاف جیسا خلوص اور ولولہ موجود نہیں تھا۔

2- اکابر قریش کا مدینہ سے باہر چلے جانا:

حضرت عمرؓ بڑے دور اندیش انسان تھے' انہوں نے اپنے عہد خلافت میں اکابر قریش کو جن کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا' مدینہ سے باہر نہیں نکلنے دیا جبکہ حضرت عثمانؓ نے یہ قید اٹھا دی اور یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندان رسالت سے تعلق کی وجہ سے لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں اپنی جلالت شان کا احساس پیدا ہو گیا اور مفتوحہ اقوام نے ان میں خلافت کے جذبات پیدا کر دیئے اور مفسد لوگ ان کی آڑ لے کر فتنے پیدا کرنے لگے چنانچہ مدینہ کی مرکزیت ختم ہو گئی بلکہ بصرہ' کوفہ' دمشق اور فسطاط وغیرہ اہمیت حاصل کرنے لگے۔

3- مفتوحہ اقوام کے انتقامی جذبات:

اسلام نے جن اقوام کو مغلوب اور فتح کیا تھا اگرچہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک نہایت اچھا تھا مگر ان کے دلوں میں انتقامی جذبات موجود تھے چنانچہ انہوں نے وقت کی نزاکت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سازشوں کا جال بچھا کر ملکی نظم و نسق میں افراتفری پیدا کر دی اور شرپسندوں نے ان کے

نام سے کئی فتنے کھڑے کر دیئے۔

4- غیر قریش عرب سرداروں کا حسد:

اب تک سلطنت کے اہم معاملات پر قریش چھائے ہوئے تھے مگر فتوحات میں کارہائے نمایاں دکھلانے کے باعث قریش کے علاوہ دوسرے عرب قبائل کے سردار قریش کی ہمسری کا دعویٰ کرنے اور ان سے حسد کرنے لگے۔ ادھر قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے آپ کو عام عربوں سے بلند سمجھتے تھے اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں ملی تھیں۔ ان کے اس غرور و امتیاز کو دیگر اقوام عرب ناپسند کرتی تھیں بلکہ وہ قریشی افسروں کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور اس میں مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

5- بنو ہاشم کی رقابت:

بنو ہاشم نبی اکرم ﷺ سے نسبی تعلق کی بناء پر خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ کی امارت ان کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتی تھی جبکہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ زمانہ نبوت میں یہ عداوت عارضی طور پر دب گئی مگر اب پھر اُبھرنے لگی اور بنو ہاشم نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت شروع کر دی۔

6- حضرت عثمانؓ کا اپنے اعزہ و اقارب سے حسن سلوک:

حضرت عثمانؓ نہایت شریف انسان تھے' وہ اپنے رشتہ داروں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ وہ اپنی جیب خاص سے بنو اُمیہ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ شرارت پسند لوگ خیال کرنے لگے کہ وہ بیت المال کو اپنے خاندان پر صرف کر رہے ہیں' اس طرح انہوں نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف اُبھارنا شروع کر دیا۔

7- عادل حکمرانوں کی عدم دستیابی:

خلافت کی کامیابی کے لئے افسروں کا نہایت قابل' فرض شناس اور وفادار ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے حضرت عثمانؓ کو ایسے اہل کار نہ مل سکے' گورنر اپنے کام کو بہتر طریقہ سے سرانجام نہیں دیتے تھے۔ بیشتر افسر بنو امیہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے غفلت اور سستی سے کام لیتے تھے جس سے نظام حکومت بگڑ گیا اور حالات قابو سے باہر ہو گئے۔

8- مروان کے غلط مشورے:

حضرت عثمانؓ نے مروان کو اپنا معاون مقرر کیا اور اسی کے مشوروں پر عمل کرنے لگے۔ مروان کسی حد تک قابل اعتماد شخص نہ تھا اس نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال شروع کر دیا جبکہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہ بدعنوانیاں حضرت عثمانؓ کر رہے ہیں اس لئے بھی لوگ ان سے بدظن ہونا شروع ہو گئے۔

9۔ معزول کردہ گورنروں کی مخالفت:

حضرت عثمانؓ نے کچھ گورنروں کو بعض وجوہ کی بناء پر ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا تھا چنانچہ یہ گورنر ان سے ناراض تھے اور ان کے خلاف کارروائیوں کی یا تو ہمت افزائی کرتے تھے یا چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔

10۔ منافقین کا منافقانہ کردار:

اس زمانے میں عبداللہ بن سبا جیسے منافق لوگ موجود تھے جنہوں نے محض اس لئے اسلام قبول کیا تھا کہ اندر ہی اندر مسلمانوں کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں' ان منافقوں نے اپنے گھناؤنے کردار سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور مسلمانوں میں فرقہ بندی پیدا کر کے عجیب انتشار پیدا کر دیا۔

11۔ حضرت عثمان کا اموی خاندان کے افراد کی تقرری کرنا:

حضرت عثمانؓ غیر اُموی گورنروں اور اعلیٰ حکام کو تو معقول وجوہات کی بناء پر برطرف کر دیا لیکن ان کی جگہ اُموی گورنروں کو مقرر کیا تھا کیونکہ اُموی لوگوں کی صلاحیت پر انہیں زیادہ اعتماد تھا مخالفین کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ اپنے خاندان کا خیال رکھتے ہیں اور دیگر کی پرواہ نہیں کرتے لہٰذا انہیں نکتہ چینی کا موقع مل گیا۔

12۔ شرعی قوانین کے نفاذ پر نومسلموں کی برہمی:

پہلے خلفاء کی طرح اس عہد میں بھی احکام شریعت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ عدل و انصاف کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا جبکہ نومسلم لوگوں کو یہ باتیں ناگوار گزرتی تھیں کیونکہ ان کی نظر میں شرعی احکام کی زیادہ وقعت نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر سختی سے عمل کرتے تھے اس وجہ سے یہ نومسلم ان کے خلاف ہو گئے۔ ویسے بھی ایران کے نومسلم شاہ پرست تھے جب مفسدوں نے اہل بیت کے حقوق کے نام پر تحریک شروع کی تو وہ اس سے فوراً متاثر ہو گئے خلافت کو موروثی حق قرار دینے کی جدوجہد کرنے لگے۔

13۔ حضرت عثمانؓ کی فطری نرم مزاجی:

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان تمام فتنوں کا اصل سبب حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی تھی کیونکہ آپ حد سے زیادہ حلیم تھے۔ وہ اپنی فطری نرمی کی وجہ سے معمولی بدعنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے بلکہ وہ اتنی مخالفت کے باوجود نہیں چاہتے تھے کہ کسی کا خون بہایا جائے' کئی دفعہ گورنروں نے مشورہ دیئے کہ ان فتنوں کو طاقت کے ذریعے دبا دیا جائے مگر آپؓ فرماتے تھے کہ میں مسلمانوں کا خون نہیں بہانا چاہتا۔ دوسری طرف آپ کی اس نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناتجربہ کار اموی گورنروں کی بدعنوانیاں بڑھتی چلی گئیں اور حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو نکتہ چینی کا موقع ہاتھ آ گیا اور ان کے حوصلے بڑھتے چلے گئے۔

14۔ قریشی نوجوانوں کا غلط پراپیگنڈہ:

قریش کے وہ نوجوان جنہیں آپ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا' انہوں نے برملا تنقید شروع کر دی اور آپ کی خاندانی رعایت کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا۔

15۔ محکوم قوموں کی انقلاب کی خواہش:

محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لئے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو جائے۔

16۔ غیر قوموں کی عورتوں سے نکاح:

غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں' ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔

17۔ مجوسیوں کا انقلاب برپا کر کے مراعات حاصل کرنے کی کوشش:

مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو جائے جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔

18۔ یہودیوں کی معاندانہ سازش:

یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق و انتشار پیدا کر دیا جائے کہ ان کی قوت پاش پاش ہو جائے اس لئے انہوں نے خوب فتنہ پھیلایا۔

(خلفاء راشدین' از ص 174 تا 177 - تاریخ اسلام' ندوی' حصہ اوّل ص 175-176)

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی پر مبنی تحریک:

33 ہجری سے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک سوچی سمجھی تحریک کا آغاز ہوا اس تحریک کا اصل بانی عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا۔ یہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا اس کا اصلی وطن صنعاء (یمن) تھا۔ اس نے چند دن مدینہ میں رہ کر اہل اسلام کے حالات کا مطالعہ کیا' اس کے بعد صوبوں میں جا کر عجیب و غریب طریقے ایجاد کر کے پھیلا دیئے۔ اس نے لوگوں کو اپنی چرب لسانی کے ذریعے اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا۔ اموی عمال کو بدنام کر کے اور خلیفہ کی کنبہ پروری کی داستانیں سنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت کھڑی کر دی' اس کی یہ تحریک عجم میں زیادہ کامیاب ہوئی کیونکہ عجمی لوگ تو پہلے ہی اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے بے تاب تھے۔ سبائیوں نے اپنی تحریک کو اس طرح پھیلایا کہ ملکی فضاء کو بدل کر رکھ دیا۔

عبداللہ بن سبا نے یہ تحریک بصرہ سے شروع کی' وہاں سے نکالا گیا تو کوفہ پہنچا اور اپنے مقصد

میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ اس کے بعد وہ شام گیا مگر وہاں حضرت معاویہؓ نے اسے کوئی خاص کامیابی نہ حاصل کرنے دی۔ پھر وہ مصر گیا' وہاں اس نے سب لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا چنانچہ اس طرح عبداللہ بن سبا نے تمام سلطنت اسلامیہ میں مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا بھڑکایا اور ایسے حالات خراب کئے کہ حضرت عثمانؓ کے لئے ان حالات پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

عبداللہ بن سبا کا گھناؤنا کردار:

چونکہ اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا اس لئے وہی اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی کا آغاز ہو گیا تو اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا۔ یہ بڑا ذہین' طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا چونکہ وہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حضرت عثمانؓ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی چونکہ بنو ہاشم اور بنوامیہ میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا لیکن وہ دلوں سے ختم نہ ہوئی تھی۔ ابن سبا نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور اہل بیت سے محبت کے لبادہ میں ان کی حمایت کے ساتھ ساتھ خلفاء ثلاثہ خصوصاً حضرت عثمانؓ اور بنوامیہ کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لئے ان کے اوصاف اور سادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے مثلاً آنحضرت ﷺ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے' رسول اللہ ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں اور وہی ان کی جانشینی کے حقدار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں اور حضرت عثمانؓ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے لہٰذا ان کو خلافت سے معزول کر دینا چاہیے۔

اور اس نے تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے حسب ذیل طریقے اختیار کئے:

1- امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے پُرفریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔
2- عثمانی گورنروں کو ہر ممکن طریقے سے بدنام کرنا۔
3- حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری کی داستان مشہور کرنا۔

اس طرح اس نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ بہت سے پختہ یقین لوگ بھی اس کے فریب میں آ کر حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ حضرت عثمانؓ کے عمال کے مظالم کی جھوٹی داستانیں سنا کر لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے لگے۔

عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسے ایسے الزام تراشے اور ان پر ایسی تہمتیں لگائیں جو ناقابل یقین اور ناقابل قیاس تھیں۔ شروع میں تو لوگوں کو اس پر یقین نہ آتا تھا مگر بعد میں اس نے ایسا پراپیگنڈہ کیا کہ بڑے بڑے نیک لوگ بھی اس سے متاثر ہو گئے۔

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مراکز میں بچھا دیا اور ہر جگہ داعیوں اور خفیہ خط و

کتابت کے ذریعے ایسا وسیع اور منظم پراپیگنڈہ کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضاء خراب ہو گئی۔

مخالفین خلافت عثمانی کے اغراض و مقاصد:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرنے والی مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ اور انقلاب کے حقیقی اسباب درج ذیل تھے:

1- بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج اور ترقی کو کسی طرح پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے آپ کو خلافت کے منصب کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔

2- عام عرب قبائل قریش سے حسد کرتے تھے اور ان کی عظمت و جلالت کو ختم کرنا اور اپنے آپ کو شریک خلافت کرنا اپنا استحقاق خیال کرتے تھے۔

3- مجوسی ایسی حکومت لانا چاہتے تھے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں اور عربوں کے مقابلہ میں انہیں کم درجہ نہ دیا جائے۔

4- یہودی کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کی قوت کو پاش پاش کرنا چاہتے تھے۔

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی ذاتی غرض کے لئے اس کوشش میں مصروف تھی اس لئے خفیہ مقاصد پر عمل پیرا ہونے کے لئے حکومت، اسلام اور عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی کہ جس کا بجھانا آسان نہ تھا۔ فتنہ پردازیوں کا دائرہ عمل دن بدن وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کا مقصد فتنہ وفساد برپا کرنا تھا۔

کوفہ کی انقلاب پسند جماعتوں میں اشتر نخعی' ابن ذی الحبکہ' جندب' صعصعہ' ابن الکواء' کمیل اور عمیر بن ضابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (ابن اثیر' ج 3 ص 108)

ان لوگوں کا خیال تھا کہ امارت قریش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے چونکہ عام لوگوں نے فتوحات حاصل کی ہیں اس لئے سب ہی اس کے مستحق ہیں۔ سعید بن العاص والئ کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی لہٰذا ان کو بدنام کرنے کے لئے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی چنانچہ اشراف کوفہ نے دربار خلافت میں التجا کی کہ کوفہ کو ان فسادیوں سے پاک کیا جائے چنانچہ انہوں نے اس جماعت کے تقریباً دس سرکردہ افراد کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (حوالہ مذکور)

اسی طرح بصرہ میں ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے یہاں سے بھی چند افراد کو ملک بدر کرا دیا لیکن نقل مکانی اُلٹا اور زیادہ فتنہ کا سبب بن گئی۔ مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ عبداللہ بن سبا نے منظم انداز میں فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی۔

عبداللہ بن سبا کی کامیابی کے اسباب:

جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بناء پر ایک جماعت حضرت

عثمانؓ کے خلاف پہلے سے موجود تھی اسے تو حضرت عثمانؓ کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے کوئی بہانہ چاہئے تھا اس لئے اس جماعت میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی۔ یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے جن کی حکومت عربوں نے ختم کی تھی۔ ان کی فطرت میں شاہ پرستی تھی چونکہ ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا اس لئے سرزمین عجم میں اس تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں اس طرح آ گئے کہ بعض نوجوان عثمانیؓ عمال میں جو عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے' ان میں صحابہ کرام جیسا اخلاص اور دینداری نہیں تھی اور پھر یہ کہ حضرت عثمانؓ میں فاروقیؓ شان اور رعب و دبدبہ نہ تھا جس سے بڑے بڑے مدبرین تھرا جاتے تھے بلکہ آپ فطرتاً نہایت نرم خو' حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے۔ آپ کے عمال سے جو بدعنوانیاں ہوتی تھیں' گو علم کے بعد آپؓ ان کا پورا تدارک کرتے تھے لیکن کبھی کبھی چشم پوشی بھی کر جاتے تھے۔ دونوں صورتوں میں بہرحال مخالفین کو بدنام کرنے کا موقع مل جاتا تھا اس لئے بعض مخلص اور خلافت کے خیر خواہ مگر سادہ مزاج بزرگوں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے۔

ابن سبا نے داعیوں کے ذریعے اور تحریری پراپیگنڈہ کرنے کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ میں جا کر خفیہ جماعتیں قائم کیں۔ سب سے پہلے 33ھ میں عبداللہ بن عامر کو اس سازش کا علم ہوا جو کہ بصرہ کے گورنر تھے' انہوں نے اسے بصرہ سے نکال دیا تو وہ کوفہ چلا گیا۔ کوفہ سے بھی نکالا گیا تو آخر میں اس نے مصر کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ غرض مذکورہ اسباب کی بناء پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پراپیگنڈہ کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا رہا خصوصاً عراق جس میں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شر اور فساد کی فطری صلاحیت تھی اس فتنہ کا مرکز بن گیا چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں اعلانیہ حضرت عثمانؓ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

شورش کا باقاعدہ عملی آغاز:

عبداللہ بن سبا نے اپنی سرگرمیاں عراق سے شروع کیں۔ اہل عراق بہت جلد اس کے حامی ہو گئے۔ عراق کے کچھ لوگ جو اپنے عمال سے ناراض تھے' وہ بھی شورش میں شریک ہو گئے۔ کوفہ میں سبائی پارٹی نے پہلے وہاں کے گورنر ولید بن عقبہ کے خلاف شکایت کر کے اسے معزول کرا دیا پھر ان کے جانشین سعید بن العاص کو بدنام کر کے حضرت عثمانؓ کو مجبور کیا کہ ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیں۔

بصرہ میں اس پارٹی نے ابوموسیٰ اشعریؓ پر قول و فعل کے تضاد کا الزام لگا کر گورنری سے معزول کرا دیا پھر جب عبداللہ بن عامر گورنر بنے تو ان کے خلاف شکایتیں کرنے لگے۔ شام میں اگرچہ وہ حضرت معاویہؓ کے حسن انتظام کے باعث کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے تاہم انہوں نے ایک مقتدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کو امیر معاویہؓ کے خلاف بھڑکایا جس کی وجہ سے حضرت ابوذرؓ کو شام سے مدینہ بھیجنا پڑا۔ مصر میں تو عبداللہ بن سبا کی تحریک نے خوب ترقی کی کیونکہ یہاں دو بااثر صحابی محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابو حذیفہ فسادیوں سے مل گئے اور وہاں کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف لوگوں کو ورغلایا۔

محمد بن ابوبکر اور محمد بن ابوحذیفہ کی مخالفت کی وجہ:

محمد بن ابوحذیفہ یتیم تھے اور حضرت عثمانؓ ان کے کفیل بھی تھے' انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کسی منصب کی خواہش کی لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو اس کا اہل نہ سمجھا اور انکار کر دیا اور یہ مصر چلے گئے۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؓ کے زیر سایہ پرورش پائی تھی' جب حضرت ابوبکرؓ نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ابھی تھوڑی تھی اور ان کی والدہ نے حضرت علیؓ سے نکاح کر لیا تھا۔ ان پر کسی شخص کا مطالبہ تھا حضرت عثمانؓ نے ان کے ساتھ رعایت نہ کی اس بات پر وہ ناراض ہو کر مصر چلے گئے۔ اس بناء پر عبداللہ بن سبا نے جب مصر کو تحریک کا مرکز بنایا تو اس نے مصر میں دو اشخاص کی خدمات حاصل کر لیں۔

اگر چہ حضرت عثمانؓ لوگوں کے مطالبہ پر گورنروں کو برابر تبدیل کرتے رہے تاہم عراق اور مصر سے بے اطمینانی کی اطلاعات برابر موصول ہوتی رہیں کیونکہ مخالفین اور مفسدین نے اس طرح کی شکایات مسلسل بھیجنے کی باقاعدہ اسکیم بنائی تھی اس پر مدینہ میں مقیم صحابہ کرامؓ کو تشویش لاحق ہوئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ مختلف صوبوں میں تحقیقاتی وفد بھیجے جائیں۔

چنانچہ محمد بن مسلمہ کو کوفہ' اسامہ بن زید کو بصرہ' عبداللہ بن عمر کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر بھیجا گیا تاکہ حقیقت حال کا جائزہ لیں اور رپورٹ بھیجیں۔ پہلے تین صحابہ نے تو یہ رپورٹ بھیجی کہ عمال کے خلاف شکایات بالکل بے بنیاد ہیں البتہ عمار بن یاسر مفسدوں کے بہکاوے میں آ گئے اور انہوں نے شکایات کو درست قرار دیا۔

مفسدین کا حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام:

حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد 34ھ میں سب سے پہلے کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی وہ سبائیوں کو لے کر حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لئے مدینہ چلا لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا' گرفتار ہونے پر اس نے کہا کہ میں تو والئ کوفہ سعید بن العاص کا تبادلہ کروانا چاہتا ہوں اس لئے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا۔ اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں بھی شورش شروع ہو گئی' اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے غلام کو قتل کر دیا۔ جب سعید بن العاص نے دیکھا کہ مفسدین مجھے معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو گورنر بنانا چاہتے ہیں تو خود جا کر حضرت عثمان سے صورت حال ذکر کی چنانچہ حضرت عثمانؓ نے قیام امن کی نیت سے انہیں معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو مقرر کر کے اہل کوفہ کے نام ایک خط بھیجا کہ میں نے تمہاری حسب منشاء سعید بن العاص کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعری کو گورنر مقرر کر دیا ہے اور اب میں تمہارے متعلق صبر سے کام لوں

گا۔ (تاریخ ابن اثیر' ج 3 ص 57)

عمال کانفرنس کا انعقاد:

حضرت عثمانؓ نے مذکورہ تحقیقاتی کمیشن کے علاوہ تمام صوبوں میں احکام بھیجے کہ آئندہ حج کے موقع پر تمام عمال جمع ہوں تاکہ لوگ ان کے خلاف شکایات پیش کر سکیں۔ حج کے موقع پر تمام حکام جمع ہوئے لیکن شکایات پیش کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا کیونکہ ان کا مقصد تو انقلاب برپا کرنا تھا' جب حضرت امیر معاویہؓ' عبداللہ بن سعد' سعید بن العاص' عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاصؓ وغیرہ تمام ذمہ دار گورنروں سے موجودہ صورت حال کے متعلق مشورہ کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ یہ فساد چند شرارت پسند لوگوں نے پھیلا رکھا ہے اور اس سازش کا علاج یہ ہے کہ فسادیوں کو سختی سے دبایا جائے اور اس فتنہ کے بانی عبداللہ بن سبا کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی نرم دلی کے باعث یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ پھر امیر معاویہ نے حفاظت کی خاطر انہیں اپنے پاس شام میں رکھنا چاہا تو فرمانے لگے کہ میں کسی صورت رسول ﷺ کی قربت نہیں چھوڑوں گا۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے لئے شاہی فوج بھیج دوں تو فرمانے لگے' اپنے لئے بیت المال سے اتنا خرچہ کرنا گوارا نہیں ہے۔

عبداللہ بن عامر نے مشورہ دیا کہ لوگوں کو جہاد میں مصروف کر دیں تو ان کی توجہ ہٹ جائے گی۔ سعید بن العاص نے اس فتنہ کے سرغنہ کو پکڑ کر قتل کر دینے کا مشورہ دیا تاکہ مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے لیکن امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر صوبے کا حاکم صوبے میں امن و امان کا ذمہ دار قرار پائے۔ میں شام کی ذمہ داری لیتا ہوں اور عبداللہ بن سعد نے کہا کہ یہ سب پیسے کے لالچی ہیں' روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجئے۔ (طبری' ص 2937 تا 2940)

غرضیکہ آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا۔

ادھر سبائی پارٹی کا یہ منصوبہ تھا کہ جب عمال حج سے واپس جانے لگیں تو فساد شروع کر دیا جائے مگر وہ اپنے ارادہ میں کسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ کوفہ' بصرہ اور مصر سے وفدوں کی صورت میں مدینہ جائیں اور بہانہ یہ بنائیں کہ وہ گورنروں کی شکایات کرنے جا رہے ہیں تاکہ انہیں راستہ میں کوئی نہ روکے۔ چنانچہ تینوں مقامات سے وفود مدینہ پہنچے اور مدینہ سے دو میل دور ٹھہرے۔ جب حضرت عثمانؓ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ نے حقیقت حال کی آگاہی کے لئے کچھ صحابہ کو ان کے پاس بھیجا۔ یہ صحابہ کرامؓ علیحدہ علیحدہ ہر وفد سے ملے اور حضرت عثمانؓ کو آ کر اطلاع دی کہ وہ آپ کی غلطیاں جتلا کر آپ کو خلافت سے ہٹانا چاہتے ہیں اور اگر آپ نے خلافت سے علیحدگی اختیار نہ کی تو وہ آپ کو شہید کر دیں گے۔

آپ یہ سن کر مسکرائے اور معززین مدینہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ مفسدوں کو پکڑ کر قتل کر دینا چاہئے تاکہ فتنہ یہیں پر ختم ہو جائے مگر آپ نے یہ مشورہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میرے پاس ان کے قتل کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ اس پر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد آپ نے ان وفود کو بلا بھیجا اور کبار صحابہؓ کے سامنے ان کی شکایات سنیں اور ان سب کا تسلی بخش جواب دیا مگر فتنہ پردازوں نے ان جوابات کو بڑی بے پروائی سے سنا اور اپنے ارادے سے باز نہ آئے۔

مخالفین عثمانؓ کے اعتراضات اور ان کی حقیقت

حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کئے جاتے تھے' وہ یہ ہیں:

1- اکابر صحابہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا مثلاً مغیرہ بن شعبہؓ' ابوموسیٰ اشعریؓ' سعد بن ابی وقاصؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو اُن کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

2- بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ' عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

3- بیت المال کا روپیہ بے جا طور پر صرف کیا گیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا' عبداللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا اور عبداللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیئے۔

4- بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے سے روک دیا گیا۔

5- اموی عمال کی بدعنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں ہوا۔

6- حدود کے اجراء میں تغافل برتا گیا۔

7- ایک مصحف کے علاوہ باقی تمام مصاحف جلا ڈالے۔

8- بعض نئی بدعتیں جاری کیں مثلاً سنت رسول اور سنت شیخین کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

9- فرائض میں تمام امت کے خلاف شاذہ روایات پر عمل کیا حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایات کو قبول نہیں کرتے تھے۔

10- حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ مدینہ بلا لیا۔

11- مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

اعتراضات کی اصل حقیقت:

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کئے جاتے ہیں لیکن ان میں سے بعض تو بالکل ہی غلط ہیں' بعض میں واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں لیکن ان کی اصل حقیقت یہ ہے:

1- پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں ایک یہ ہے کہ اکابر صحابہ کو معزول کیا گیا' دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں۔ اگر کسی صحابی کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے' خالد سیف اللہؓ کو معزول کر دیا تھا اور مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر کی وصیت کر کے گئے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے جن صحابہ کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی معزولی کے متعلق حضرت عمرؓ کی وصیت تھی۔ (طبری' ص 2803)

ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ یہ بصرہ کی رعایا کو خوش نہیں رکھتے تھے اور تمام اہل بصرہ ان کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وفد نے دارالخلافہ جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ کیا ان کو معزول کرنے کے لئے یہ وجہ کم تھی؟ اور پھر بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا گیا۔ (طبری' ص 2830)

سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم بطور قرض لی تھی جس کو ادا نہ کر سکے تھے۔ انچارج بیت المال حضرت ابن مسعودؓ کے تقاضے پر سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی۔ (طبری' ص 2811)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا جس کی تصریح معزول کرتے وقت کر دی گئی تھی پھر ان کی جگہ ایک دوسرے صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کا تقرر کیا۔
(اسد الغابہ' ج 2 ص 232)

عمرو بن العاصؓ گورنر مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ نامنصفانہ سلوک کیا تھا اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے بلکہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جا رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے حکم پر بھی عمرو بن العاص نے اضافہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی حالانکہ اس میں بہتری کی گنجائش تھی کیونکہ ان کے جانشین عبداللہ بن ابی سرح نے چند دنوں میں ہی بڑھا کر دوگنا کر دیا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 189)

دوسرا الزام کہ نااہل اور ناتجربہ کار افراد کی تقرری محض ایک بے معنی مغالطہ ہے کیونکہ یہ ٹھیک ہے کہ ولید بن عقبہ' سعید بن العاص' عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن عامر اگرچہ صحابہ کرامؓ اور فاروقیؓ عمال کی طرح زہد و اتقاء کے مالک نہ تھے تاہم ان کے انتظامی کارنامے اور عظیم الشان فتوحات کی طرح بھی ان کو نااہل ثابت نہیں کرتے کیونکہ ولید بن عقبہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے۔ (طبری' ص 2813)

سعید بن العاص نے طبرستان اور آرمینیہ فتح کیا۔ (ابن اثیر' ج 3 ص 84)

عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس اور قبرص کو زیر نگیں کیا۔ (فتوح البلدان' ص 235)

عبداللہ بن عامر والئی بصرہ البتہ ایک کمسن نوجوان تھے لیکن فطری لیاقت کا عمر کی کمی بیشی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سپہ سالار بنایا تھا حالانکہ وہ کم سن تھے جبکہ اس نوجوان نے کابل' ہرات' بجستان اور نیشاپور کو اسلام کے ماتحت کیا تھا۔ ثابت ہوا کہ عمال کی نااہلی اور ناتجربہ کاری کا الزام سراسر خلاف واقعہ ہے۔

البتہ تیسرا الزام ایک حد تک قابل غور ہے کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا بلاشبہ شیخین اس معاملے میں نہایت محتاط تھے۔ وہ ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملہ میں اپنے اعزہ و اقارب کے لئے ہمیشہ کوتاہ دست رہے لیکن حضرت عثمان ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے۔ اپنے اختیارات سے اپنے قرابت داروں کو فائدہ پہنچانا صلہ رحمی خیال کرتے تھے۔ (خلفائے راشدین' ص 184)

2- اکابر صحابہؓ کے ساتھ بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا کہ حضرت ابوذر کو جلاوطن کر دیا گیا' بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے انہیں جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود تارک دنیا ہو گئے تھے کیونکہ جب تحقیق احوال کے لئے حضرت عثمان نے انہیں بلایا اور کہا کہ آپ میرے پاس رہئے' آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور وہ خود مدینہ کے قریب ایک ویرانے ربذہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد' ج اوّل ص 167)

حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو سرزنش ضرور کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے سیاسی مصالح کی بناء پر عمال کو اعلانیہ سزا دی بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ ضرور بند کیا گیا لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لئے عہد صدیقیؓ کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے۔ حضرت ابن مسعود کے پاس ایک الگ مصحف تھا' وہ دینے پر قطعاً آمادہ نہ تھے تو ان سے وہ زبردستی لیا گیا اس بناء پر ان کا وظیفہ بند کیا گیا لیکن ان کی وفات کے بعد جس قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ تھا' وہ ان کے ورثاء کے حوالے کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 تذکرہ عبداللہ بن مسعود)

3- بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط ہے جس فیاض اور غنی نے اسلام کے عہد عسرت میں اس کے مصالح کے لئے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ رکھتا ہوگا۔ حضرت عثمانؓ اپنے عہد خلافت میں بھی بڑے صاحب ثروت تھے۔ انہیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ خلفاء میں وہی ایک خلیفہ تھے جو اپنے واجبی مصارف کے لئے بھی بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا تھا اور صلہ رحمی کے طور پر حکم کو جیب خاص سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے تھے نیز مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا تو

اصل واقعہ کو مفسدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ سے کچھ کر دیا۔

طرابلس کے مال غنیمت سے مروان کو خمس دلانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے۔ بلکہ ابن خلدون کے بقول مروان نے اسے خرید لیا تھا۔ (تاریخ ابن خلدون' ج 2 ص 129)

ابن ابی سرح کو مال غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں حصہ دینے کا واقعہ یہ ہوا کہ طرابلس کی جنگ سے قبل حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم نے اس کو فتح کر لیا تو انعام کے طور پر مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ تمہیں دے دیا جائے گا چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ انہیں دے دیا۔ اس سے عام مسلمانوں کو شکایت ہوئی اور انہوں نے اس کا حضرت عثمان سے اظہار کیا تو انہوں نے اسے واپس لے لیا۔ (تاریخ طبری' ص 2815)

البتہ عبداللہ بن خالد کو تین لاکھ کا عطیہ دیا گیا لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بطور قرض لی ہے۔

حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔

اسی طرح صاحبزادیوں کو ہیرے جواہرات دینے کا جو قصہ ابن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے چونکہ اس روایت کی سند میں درمیانہ راوی مجہول ہے اس لئے یہ روایت قابل استناد نہیں ہے۔ (خلفائے راشدین' ص 187)

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن خالد کو ان کی خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے واپس کرا لیا گیا۔ (طبری' 2952)

بیت المال کے صرف سے اپنے لئے محل تعمیر کرنے کا قصہ بالکل صریح جھوٹ ہے۔

بیت المال کے انچارج حضرت زید بن ثابت کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے بلکہ ہوا یہ کہ بیت المال میں ایک مرتبہ معقول رقم بچ گئی تو حضرت عثمانؓ نے انہیں حکم دیا کہ کسی رفاہ عامہ کے نام پر صرف کر دیں تو انہوں نے اسے مسجد کی تعمیر و توسیع پہ خرچ کر دیا۔

(خلفائے راشدین' ص 187)

4- بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقیؓ سے بیت المال کے مویشیوں کے لئے مخصوص تھیں اس کی تصریح خود حضرت عثمانؓ نے ایک بیان میں فرمائی ہے:

"میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص کیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں۔ میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہے حالانکہ خلافت سے پہلے عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک میں تھا اور جو دو اونٹ میں نے سفر حج کے لئے رکھ چھوڑے ہیں ان کے علاوہ ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے۔ (طبری' ص 2952)

باقی رہا حکومت کے جانوروں کے لئے چراگاہ مخصوص کرنا تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مقام بقیع کو چراگاہ قرار دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار

کروائی تھیں۔ عہد عثمانیؓ میں قدرتی طور پر گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا' یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

(الوفاء باخبار دار المصطفیٰ' ص 156)

5- یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بدعنوانیوں کا تدارک نہیں کیا گیا بلکہ آپ کے علم میں جو بدعنوانی آتی تھی' اس کا تدارک فرماتے تھے چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایات موصول ہوئیں تو آپؓ نے ممالک محروسہ میں عام اعلان کروا دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کا محاسبہ کیا کروں گا جس کو کسی قسم کی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے اور مجھ سے یا میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف کر دے کہ اللہ معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (طبری' ص 2944)

لوگوں کی شکایت پر سعید بن العاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر کوفہ مقرر کیا۔

6- اجرائے حد میں تغافل کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبید اللہ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا گیا۔ دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کی حد میں تاخیر کی گئی۔ پہلے واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت علیؓ نے قصاص کی تجویز پیش کی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے' کل عمرؓ قتل ہوئے ہیں تو آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے تو آپ نے اس مسئلہ کو حل کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے میں ولی کی حیثیت سے قصاص کو دیت میں بدل دیتا ہوں چنانچہ آپ نے جیب خاص سے دیت ادا فرمائی۔ (ابن اثیر' ج 3 ص 58- طبری' ص 2849)

ولید بن عقبہ کی شراب نوشی کی جونہی اطلاع ملی اسے فوراً معزول کر دیا گیا لیکن حد کے اجراء میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ گواہوں پر کامل اطمینان نہیں تھا۔ جب کافی ثبوت فراہم ہو گئے تو حد کے اجراء میں کوئی پس و پیش نہیں کیا گیا۔ (فتح الباری' ج 7 ص 45- طبری' ص 2849)

7- آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف جلا ڈالے یہ الزام نہایت لغو اور مہمل ہے کیونکہ یہ تو حضرت عثمانؓ کی بڑی مذہبی خدمت اور اُمت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پوری اُمت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی وہی حشر ہوتا۔

8- مذہب میں بدعات کے اختراع کا الزام نہایت لغو اور سراسر جھوٹ ہے۔ اتباع سنت' حضرت عثمانؓ کا مقصد حیات تھا۔ منیٰ میں دو رکعتوں کی بجائے چار رکعت نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نص شرعی پر مبنی تھا چنانچہ جب صحابہ نے اس کو بدعت پر محمول کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں چار رکعت نماز پڑھنے کی یہ وجہ بیان کی۔

کہ ساتھیو! جب میں مکہ میں پہنچا تو یہاں اقامت کی نیت کر لی تھی کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جو شخص کسی شہر میں اقامت کی نیت کر لے اسے مقیم کی طرح نماز پڑھنی

چاہئے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج 1 ص 62)

9- نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ پیش نہیں کیا گیا۔ آپؓ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر شاذہ پر عمل نہیں کیا ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو۔ یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے بلکہ اس قسم کا اختلاف تمام صحابہؓ میں پایا جاتا ہے۔

10- حکم بن العاص کو ضرور رسول اکرم ﷺ نے جلاوطن کر دیا تھا لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپ ﷺ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی جس کا علم عام طور پر لوگوں کو نہیں تھا۔

(صاحب اسد الغابہ اور صاحب اصابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔)

11- ایک اعتراض یہ کہ بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

یہ اعتراض بھی من گھڑت ہے اگر اسے تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر نائب رسول اور ایک جفاکار بادشاہ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ البتہ کھجور کی گٹھلیوں کو زکوٰۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لئے خریدنے کا انتظام کیا گیا ہوگا لیکن یہ تو الزام عائد نہیں ہوسکتا۔

12- ایک الزام یہ عائد کیا گیا کہ عثمانؓ نے اپنے حاشیہ نشینوں اور اہل قرابت کو اطراف ملک میں وسیع قطعات زمین دیئے ہیں۔

اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ عہد عثمانیؓ میں بہت سے یمنی لوگ گھر اور جائیداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی سہولت کے خیال سے "نزول" کی اراضی کا ان کی یمن کی جائیداد سے تبادلہ کر لیا تھا مثلاً حضرت طلحہ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ جائیداد کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ انتظامی حیثیت سے اس قسم کا ردوبدل ناگزیر تھا۔

عراق میں بہت سی زمین بے آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو قابل زراعت بنایا۔ حضرت عثمانؓ نے "من احیا ارضا میتة فهی له" پر عمل کر کے اُن کو اس کا مالک قرار دیا اور ملک کو آباد اور قوم کو خوشحال کرنے کے لئے اس قسم کی ترغیب و تحریص نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

13- مصریوں کے ساتھ بدعہدی کی تفصیل آگے آئے گی۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش اور حضرت عثمانؓ پر حملہ:

جب سبائیوں نے محسوس کیا کہ اب فضاء ہمارے خلاف ہوسکتی ہے تو انہوں نے اپنے ناپاک مشن کو جلد عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی۔ حضرت عثمانؓ ہمہ وقت فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے ہر اصلاحی صورت کو قبول کرنے پر آمادہ رہتے تھے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ "آپؓ جو کچھ مشورہ دیں گے میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیجئے۔" چنانچہ تیس انصار و مہاجر صحابہ نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ لائحہ عمل کی توضیح کی۔ یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سامعین رو دیئے۔ (طبری 2956 تا 2961 ملخصا)

دوسری یورش اور نعرۂ انتقام:

ابھی اس خوش آئندہ خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی جو حضرت عثمانؓ کی اصلاحی اسکیم اور موثر تقریر سے محسوس ہونے لگی تھی کہ اچانک ایک دن مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے قیامت کا شور برپا ہو گیا۔ کبار صحابہ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے اور دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آ گئی ہے اور انتقام انتقام کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر واپسی کا سبب پوچھا' مصریوں نے کہا کہ ہمیں راستے میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا جو کہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مصر جا رہا تھا۔ اس کی مشتبہ حالت سے بدگمانی ہوئی کہ شاید ہمارے متعلق والئی مصر کے نام احکام جا رہے ہیں' تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کو مختلف سزائیں دی جائیں اور قتل کر دیا جائے۔ اس لئے اب ہم اس بدعہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔ (تاریخ ابن اثیر' ج 3 ص 129)

خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ:

حضرت علیؓ نے محمد بن مسلمہ کے ہمراہ جا کر حضرت عثمانؓ کے پاس یہ واقعہ بیان کیا تو آپؓ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے بالکل اس خط کی اطلاع نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یہ یقیناً مروان کی شرارت ہے لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے' انہوں نے خود لکھ لیا ہو یا مروان کا لکھا ہو۔ اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آ گئی تھی چنانچہ انہوں نے کہا کہ "جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں' ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور سرکاری کارندہ اسے لے کر جائے اور اسے اس کی خبر تک نہ ہو۔ ایسا شخص تو ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے اس لئے آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔"

آپؓ نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خلعت پہنائی ہے' میں اسے اپنے ہاتھوں سے نہیں اُتاروں گا اور حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔"

(طبقات ابن سعد' تذکرہ عثمانؓ)

البتہ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر ندامت ہے اور آئندہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہوں لیکن باغی کچھ سننے کے لئے تیار نہ ہوئے' انہوں نے کہا کہ "اگر تم خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تمہیں قتل کر کے چھوڑیں گے اور جو شخص مزاحم ہو گا اسے بھی قتل کر دیں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میں سر دے دوں گا لیکن اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا۔" (تاریخ ابن اثیر' ج 3 ص 66- طبری' ص 2994' 2996)

خلیفہ رسول کے گھر کا محاصرہ:

اس مرتبہ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا لیکن اب سب کے سروں پر خون سوار تھا اس لئے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ

باہر سے کوئی شئے اندر نہ جانے پاتی تھی۔ اس وقت بھی جانثاروں کی ایک جماعت آپؓ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی لیکن آپؓ نے باصرار سب کو واپس کر دیا۔ چند نوجوان حضرت حسنؓ، ابن عباسؓ، محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم واپس نہ گئے' آخر میں باغیوں نے پانی تک کو بند کر دیا۔ حضرت علیؓ اور ام حبیبہؓ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لئے گئے لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان میں گناہ و ثواب کی تمیز ختم ہو گئی تھی۔ حرم نبوی کا بھی ادب و احترام نہ کیا گیا۔ ام حبیبہؓ کی شان میں نامناسب الفاظ کہے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا' چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا۔ (طبری' ص 3010)

باغیوں کی خودسری سے صحابہؓ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلام' ابوہریرہ' سعد بن ابی وقاص اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر جانا چاہا تو باغیوں نے انہیں روک دیا۔ آپؓ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اُتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 47' تذکرہ عثمانؓ)

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی' باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا۔ ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی۔ صحابہ کرامؓ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے۔ یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے۔ کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے بالآخر وہ بھی مجبور ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 47)

اتمام حجت کے لئے تقریریں:

حقیقت یہ ہے کہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمانؓ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی اور حضرت عثمانؓ کو اس کے تباہ کن نتائج نظر آ رہے تھے اس لئے محاصرہ کی حالت میں بھی ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی۔ ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی۔

لوگو! میرے قتل کے درپے کیوں ہو میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی لیکن بہرحال میں انسان ہوں اس لئے اصابت رائے کے ساتھ ساتھ غلطیاں بھی ہوئیں۔

یاد رکھو! واللہ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تاقیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے' نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔ (طبقات ابن سعد' تذکرہ عثمانؓ)

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے وحدت اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا' وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

قصر خلافت سے مجمع عام کو خطاب:

ایک دن حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع عام کو مخاطب ہو کر فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی' آپ ﷺ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف فرمائے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی تو میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز نہیں پڑھنے دے رہے ہو؟

میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں' بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو خرید کر کون عام مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اسے جنت میں ملے گا تو میں نے ہی اس کی تعمیل کی تو کیا تم اسی کنویں کا پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو؟

کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں نے ہی ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟

سب نے جواب دیا: الٰہی یہ سب باتیں سچ ہیں مگر سنگ دلوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

(مسند احمد بن حنبل' ج 1 ص 70' 75 تا 76)

آپؓ نے پھر ایک دن یوں تقریر فرمائی:

میں ان لوگوں کا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کوہ احد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے ٹھوکر مار کر فرمایا: احد ٹھہر جا' تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی' ایک صدیقؓ اور ایک شہید ہے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے اس کی تصدیق کی۔

پھر آپؓ نے فرمایا:

میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں جو بیعت رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی تھی؟ سب نے کہا: ہاں یہ سچ ہے۔

(مسند احمد بن حنبل' ج 1 ص 59)

حضرت عثمانؓ کی آخری تقریر:

آخر میں باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہوا جاتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رُخ کریں گے اور موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ آپؓ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جس کو خود حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا تو آپؓ نے مجمع سے مخاطب ہو کر آخری تقریر فرمائی:

اے لوگو! آخر تم مجھے کس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں:

1۔ جو اسلام کے بعد مرتد ہو جائے۔

2- پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو۔
3- کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

ان تینوں عیبوں سے میرا دامن پاک ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا۔ میں نے نہ تو زمانہ جاہلیت میں بدکاری کی نہ ہی اسلام میں اس کا ارتکاب کیا اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا' پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو؟ (مسند احمد بن حنبل' ج 1 ص 61)

جانثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لئے اجازت طلبی:

جب حالات زیادہ نازک ہو گئے تو ایک دن حضرت مغیرہ بن شعبہ کسی نہ کسی طریقے سے حضرت عثمانؓ سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان سے کہا کہ

اس وقت جو صورتحال درپیش ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی تین صورتیں ہیں:

1- آپ کے پاس فوج ہے' آپ اس کا مقابلہ کیجئے۔
2- صدر دروازہ پر باغیوں کا ہجوم ہے مکان کی پچھلی دیوار توڑ کر مکہ چلے جایئے۔
3- شام چلے جایئے وہاں معاویہؓ موجود ہیں اور شام کے لوگ وفادار ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت مغیرہ سے فرمایا:

1- مجھے منظور نہیں کہ میں خلیفہ رسول ہو کر اُمت محمدیہ کا خون بہاؤں اور نہ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھوں اُمت کی خونریزی کا آغاز ہو۔
2- میں مکہ معظمہ نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ لوگ حرم کا احترام نہیں کریں گے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص حرم مقدس میں فتنہ و فساد کرائے گا اس پر آدھی دنیا کا عذاب ہو گا۔
3- میں شام بھی نہیں جاؤں گا کیونکہ میں اپنے دار ہجرت اور جوار رسول ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ (مسند احمد' ج 1 ص 67)

اُمت کے خیر خواہ نے کسی مقام پر بھی اپنے بچاؤ کے لئے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی بلکہ فرمایا کہ میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے۔
(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 48)

شہادت کی تیاری:

اب جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا حضرت عثمانؓ کو آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں کے مطابق اپنی شہادت کا یقین ہوتا چلا جا رہا تھا۔ (انسانیت موت کے دروازے پر' ص 74-75)

باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپؓ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی جس دن شہادت ہوئی آپ روزہ سے تھے' جمعہ کا دن تھا کہ خواب میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان سے کہہ رہے تھے' عثمانؓ جلدی کرو آج روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا۔ بیدار ہوئے تو اپنی اہلیہ محترمہ سے خواب کا تذکرہ فرمایا:

میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے' باغی مجھے قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد آپؓ نے پائجامہ منگوایا اور اس کو زیب تن کیا اور 20 غلام آزاد کئے اور قرآن مجید کھول کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ (مسند احمد بن حنبل' ج 1 ص 66)

شہادت خلیفۃ المسلمین:

جمعہ 18 ذوالحج 35ھ باغی مکان کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت حسنؓ دروازے پر موجود تھے' انہوں نے مزاحمت کی اور زخمی بھی ہوئے لیکن باغی زبردستی اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ روزہ کی حالت میں تھے اور عصر کا وقت تھا اور قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔

سب سے پہلے محمد بن ابی بکر نے آپ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کھینچا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا: بھتیجے! داڑھی چھوڑ دے۔ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو تیری اس حرکت کو کبھی پسند نہ کرتا۔

محمد بن ابی بکر پشیمان ہو کر پیچھے ہٹ ہو گیا۔ (طبری' ص 3021)

اس کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور قرآن پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔

(طبری' ص 3021)

ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لٹھ ماری کہ حضرت عثمانؓ چکرا کر پہلو کے بل زمین پر گر پڑے اور زبان سے یہ الفاظ نکلے: بسم اللہ توکلت علی اللہ. دوسری ضرب سودان بن حمران نے ماری جس سے خون کا فوارہ چل نکلا اور ذلیل عمرو بن الحمق آپ کے سینے پر کھڑا ہو گیا اور نیزے سے جسم کو چھیدنے لگا۔ حضرت نائلہؓ نے روکنا چاہا تو اس نے تلوار چلا دی جس سے ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ اس دوران امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جس وقت سودان بن حمران نے ضرب لگائی تھی' حضرت عثمانؓ اس وقت قرآن کی تلاوت میں مشغول تھے اور جب خون کا فوارہ نکلا تو اس آیت پر خون کے چھینٹے پڑے:

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (البقرہ: 137)

"اللہ تعالیٰ عنقریب ان سے آپ کو کافی ہوگا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔"

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 51-52)

یہ نسخہ قرآن مجید آج بھی استنبول کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

تجہیز و تکفین:

شہادت کا واقعہ جمعہ کے دن 18 ذوالحج 35ھ کو پیش آیا تھا۔ باغیوں کی وجہ سے مدینہ میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا' تمام شہر پر گویا ان کا قبضہ تھا۔ بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی

تھی۔ دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی' دوسرے دن ہفتے کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی۔ شہادت کی وجہ سے غسل نہ دیا گیا چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اُٹھایا۔ حضرت جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک چوالیس لاکھ مربع میل پر پھیلی مملکت کے سربراہ کو سترہ آدمیوں کی مختصر سی جماعت نے رات کے اندھیرے میں خفیہ طور پر جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 51- مسند احمد بن حنبل' ج 1 ص 74)



امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو انقلاب رونما ہوا اور جو فتنہ و فساد برپا ہوا جس کے نتیجے میں آپ کو شہید کیا گیا' اگر تاریخی حقائق اور حالات و واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی حسب ذیل وجوہات سامنے آتی ہیں:

1- جہادی مشغولیت میں کمی:

عہد فاروقیؓ تک مسلمان اتنے محاذوں پر برسر پیکار تھے کہ انہیں باہمی اختلاف اور شورش و انقلابی سرگرمیوں کی طرف توجہ کرنے کی ہوش ہی نہیں تھی۔ وہ ہر وقت جہاد میں مصروف رہتے۔ عہد عثمانیؓ میں پوری مملکت میں عموماً حالات پُرسکون تھے' بس کہیں کہیں جنگ ہو رہی تھی لہٰذا پرانا قبائلی تعصب اور بغض و عناد عود کر آیا جس سے فسادیوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔

2- کبار صحابہؓ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے:

فاروقیؓ عہد میں اہم مناصب پر وہ لوگ فائز تھے جنہوں نے اپنے خون دل سے اسلام کی آبیاری کی تھی جبکہ عہد عثمانی میں اکثر کبار صحابہؓ دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے اور جو بقید حیات تھے وہ اتنے عمر رسیدہ تھے کہ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قاصر تھے۔ اب جو حکومت کے ذمہ داران تھے نہ تو وہ دین کے ساتھ مکمل مخلص تھے اور نہ ہی وہ کبار صحابہؓ کی طرح لائق صد احترام تھے لہٰذا ان کے خلاف ردعمل ایک فطری عمل تھا۔

3- تعلیم و تربیت کی کمی:

عہد فاروقیؓ میں مسلمان روم' ایران' عراق' شام اور مصر کے وسیع علاقوں پر قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل یہ لوگ اپنے ظالم حکمرانوں کی مظلوم رعایا تھے جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کے حسن سلوک سے یہ بہت تیزی کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی رفتار اس کا مقابلہ نہ کر سکی نتیجتاً نومسلم صحابہ کرامؓ کی طرح تربیت یافتہ نہ ہو سکے لہٰذا نومسلموں میں اپنے تہذیبی اثرات باقی رہے جس کی وجہ سے وہ جلدی صحیح راہ سے ہٹ گئے اور غیر اسلامی تحریکوں کا حصہ بن گئے۔

4- مفتوحہ اقوام کا جذبہ انتقام:

جو قومیں عربوں سے شکست کھا گئی تھیں وہ بھلا چین سے کیسے بیٹھ سکتی تھیں چنانچہ وہ زیرزمین خفیہ طور پر تخریبی اور اسلام مخالف سرگرمیون میں مصروف ہوگئیں اور وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کا موقع تلاش کر رہی تھیں۔

5- دولت و ثروت کی بہتات:

پے درپے فتوحات' خراج اور جزیہ کی آمدنی کی وجہ سے دولت کی ریل پیل ہوگئی اور مال و

ثروت کی فراوانی ہو گئی چنانچہ بدمزاج لوگوں پر دولت کے اثرات نمایاں ہونے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہمی نفرت اور نفسا نفسی کا عالم دکھائی دینے لگا۔

6- اکابر صحابہؓ کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت:

حضرت عمرؓ نے قریش کے سرداروں اور چوہدریوں کو مفتوحہ علاقہ میں زمینیں خریدنے اور آباد ہونے سے منع کیا ہوا تھا جبکہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس پر سے پابندی اُٹھالی جس کا رزلٹ یہ سامنے آیا کہ شاہ پسند عجمی لوگوں نے انہیں اپنے بادشاہ اور شہزادے بنا لیا۔ پھر بعض دیگر عرب قبائل کے لوگ ان سے حسد کرنے لگے تو اس طرح حسد، بغض اور نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی جس سے معاشرتی بگاڑ اور انتشار کی ابتداء ہوئی۔

7- خاندانی اور قبائلی تعصب:

عربوں کے دلوں میں خاندانی اور قبائلی تعصب صدہا سالوں سے راسخ تھا، صورت حال یہ تھی کہ قریش حکومت کے سیاہ و سپید کے مالک تھے جبکہ دیگر قبائل فتوحات اور دیگر اسلامی خدمات میں برابر کے شریک تھے لیکن وہ اقتدار سے محروم رہے چنانچہ ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی ادھر بنوہاشم اور بنو اُمیہ میں پرانی خاندانی چشمک چلی آ رہی تھی اگرچہ بنوہاشم نے براہ راست خلافت عثمانیؓ کے خلاف کوئی غیر مناسب قدم نہیں اُٹھایا لیکن شورش پسندوں اور انقلابیوں نے اس باطنی اور اندرونی خلفشار اور کشمکش سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

8- اموی گورنروں کا تقرر:

حضرت عمرؓ خلافت کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ سے کچھ زیادہ دوراندیش تھے، انہوں نے انہی خطرات سے بچنے کے لئے اپنے خاندان بنوعدی سے اعلیٰ حکام کا تقرر کرنے سے ممکن حد تک گریز کیا تھا اسی بناء پر کسی کو اُنگلی اُٹھانے اور زبان طعن دراز کرنے کا موقع نہ مل سکا جبکہ اس کے برعکس حضرت عثمانؓ کے نزدیک صوبوں کی سربراہی کے لئے بنوامیہ کے لوگ ہی زیادہ موزوں تھے۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک صوبوں کی سربراہی کے لئے بنوامیہ کے لوگ ہی زیادہ موزوں تھے۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ کی خلوص نیت اور طہارت نفس سے انکار نہیں کیا جا سکتا بہرحال مخالفین اسلام کو اقرباء نوازی اور خویش پروری کا الزام عائد کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ بارہا اس طرف توجہ دلانے کے باوجود حضرت عثمانؓ نے اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جس کا شرپسندوں نے اپنے انقلاب کے لئے بہترین اور کامیاب ترین ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے ان کا شیرازہ بکھیر دیا۔

9- عبداللہ بن سباء کی منافرت پر مبنی تحریک:

عبداللہ بن سباء نے نہایت عیاری، مکاری اور ہوشیاری سے عثمانی خلافت کے خلاف منافرت کی تحریک چلائی اور ان کو خلافت سے معزول کرنے کی سازش تیار کی۔

شہادت عثمان کے نتائج و اثرات

حضرت عثمانؓ کی شہادت نے ملت اسلامیہ اور اسلامی تاریخ پر گہرے نقوش اور اثرات چھوڑے اور اُمت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس جانکاہ حادثہ پر مولانا ابوالکلام آزاد اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

''اسلامی تاریخ میں نفاق کی ایک لکیر ہے جو لکیر حضرت عثمانؓ کے خون سے کھینچی گئی اور اسی میں اسلام کا پورا جاہ و جلال دفن ہو گیا۔ اس حادثہ سے وحدت اسلامی کے قصر رفیع میں ایسا شگاف پیدا ہو گیا جو کبھی نہ بھرا جا سکے گا۔ آپؓ کی شہادت کے بعد مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو گئی۔'' (انسانیت موت کے دروازے پر' ص 59)

1- مملکت اسلامیہ میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی:

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر آناً فاناً سارے ملک میں پھیل گئی اور صحابہ کرامؓ میں صفت ماتم بچھ گئی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

''اے اللہ تو گواہ رہنا میں حضرت عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔''

نیز فرمایا:

''ان کی شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔''

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے ہیں۔''

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:

''حضرت عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ گیا ہے' اب وہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔''

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ:

''عثمانؓ کے قتل سے عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔'' (عثمان ذوالنورین)

حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

حضرت ابوہریرہؓ حادثہ کا ذکر کر کے زار و قطار روتے تھے۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 از صفحات 56-57)

یہ تاثرات اور تبصرے اس اضطراب اور بے چینی کا پتہ دیتے ہیں جس نے ساری مملکت اسلامیہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

2- زمانۂ جاہلیت کے خاندانی تعصّبات اور رقابتوں کا احیاء:

اسلام سے قبل اہل عرب قبائلی تعصبات اور شعوبی رقابتوں کی وجہ سے مستقل خانہ جنگی کی حالت میں رہتے تھے۔ اسلام نے آ کر ان تمام تعصبات کو باطل قرار دے کر ان کا خاتمہ کر دیا اور انہیں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا سبق دیا اور انہیں توحید کے پرچم تلے جمع کر دیا مگر خون عثمان سے وہ تمام نفرتیں پھر عود کر آئیں' قتل و غارت گری کا مدتوں سے بند دروازہ پھر کھل گیا اور مسلمان آپس میں اس طرح برسرپیکار اور دست و گریبان ہوئے کہ مدت دراز تک کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں اور خون آلود کرتہ جب حضرت معاویہؓ کے پاس شام میں بھیجے گئے اور انہیں مجمع عام میں دکھایا گیا تو ہر طرف سے انتقام انتقام کی آوازیں آئیں چنانچہ بنو اُمیہ کے تمام لوگ حضرت معاویہؓ کے گرد جمع ہو گئے یوں سالہا سال سے خاندانی رقابتوں کی بجھی ہوئی چنگاری پھر سے بھڑک اُٹھی اور بنو عباس اور بنو امیہ کے مابین ازسرنو دشمنی نے جنم لیا جس سے اسلام کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔

3- خلافت کی نوعیت تبدیل ہو گئی:

شہادت عثمان سے قبل خلفاء اسلام کا انتخاب لوگوں کی مرضی و منشاء کے مطابق ہوتا تھا جبکہ ان کے بعد عہدۂ خلافت موروثی بن گیا اور خلافت کا فیصلہ زبان خنجر کرنے لگی۔ امیر معاویہؓ نے خون عثمانؓ کے قصاص کی بنیاد پر اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی اس طرح شورائی نظام بھی درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

4- اتحاد و اتفاق ختم ہو گیا:

اس عظیم حادثے سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور اسلامی ملت فرقوں اور طبقات میں بٹ کر رہ گئی۔ حضرت عثمان کے قصاص کے دعویدار عثمانی کہلائے جبکہ حضرت علیؓ کے حامی شیعان علی کے نام سے ملقب ہوئے۔ سرحدوں پر مصروف جہاد لوگ غیر جانبدار ہو گئے۔ اس طرح باہمی الزامات اور غلط فہمیوں کا لامتناہی سلسلہ چل نکلا جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں اپنے اثرات دکھا رہا ہے۔

5- اسلامی فتوحات کا خاتمہ:

اس سانحہ کے بعد اسلامی فتوحات کا سیلاب ایک مدت تک رُک گیا۔ شجاعان اسلام کی تلواریں جو اس سے قبل رگ باطل کے لئے وقف تھیں' ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگیں اور تاریخ اسلام میں بے شمار خونیں ابواب کا اضافہ ہوا۔

حضرت عثمانؓ کے اخلاقی اوصاف و کمالات

فضل و کمال:

حضرت عثمانؓ بساط نبوت کے خاص حاشیہ نشینوں میں سے تھے اس لئے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم و عمل کا نمونہ تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ' ج 1' ص 8)

آپ ابتداء ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لئے وحی الٰہی کی کتابت کی عظیم خدمت آپ سے لی گئی۔ (فتوح البلدان' بلاذری' ص 37)

تقریر و خطابت میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا لیکن آپ کی تحریر دلکش اور دل پذیر ہوتی تھی جس کے نمونے ابھی تک تاریخ میں محفوظ ہیں۔

مذہبی علوم میں آپ کو خاص دسترس اور کلام اللہ کے ساتھ خاص رغبت حاصل تھی کیونکہ اسے آپ نے زبان نبوت سے براہ راست اور بطور خاص حاصل کیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ' ج 1 ص 8)

بعض روایات کے مطابق آپ کی کلام اللہ پر نظر گہری اس لئے بھی تھی کہ آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 148)

کلام نبوی کے بھی ممتاز حافظ تھے مگر اس میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے خوف سے بہت کم روایت کرتے تھے۔ آپ کے ذہن میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہمہ وقت موجود رہتا تھا کہ "جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کر دے گا جو میں نے نہیں کیا تو اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانے کے لئے تیار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد 124 ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ' ج 1 ص 18- مسند احمد' ج 1 ص 65)

آپ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے فقہ و اجتہاد میں کم مرتبہ کے حامل تھے مگر ایک مجتہد تسلیم کئے جاتے تھے اور دیگر صحابہ کرامؓ آپ کے اجتہاد کو سند مانتے تھے۔ (صحیح بخاری' کتاب الغسل)

علم فرائض میں آپؓ صحابہؓ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ عہد صحابہؓ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے جن میں سے ایک حضرت زید بن ثابتؓ اور دوسرے حضرت عثمانؓ۔ وراثت سے متعلقہ معاملات انہی دونوں بزرگوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ کئی لوگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں احباب فوت ہو گئے تو علم وراثت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال' ج 6 ص 72)

سیرت و کردار

حضرت عثمان عہد جاہلیت سے ہی صاحب ثروت تھے۔ لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار تھا لیکن زندگی کے کسی مرحلے میں دولت مندی کی وجہ سے آپ کو بُرے نتائج کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

1- خشیت الٰہی اور رقت قلبی:

آپؓ نہایت رقیق القلب تھے ہر پل اور ہر گھڑی آپ کا دل خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ (کنز العمال' ج 6 ص 72)

2- روز قیامت مؤاخذہ کا ڈر:

آپ روز حساب کی پیشی سے اتنے خوفزدہ ہوتے تھے کہ قیامت کا ذکر شروع ہوتے سے

آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور فرماتے تھے کہ اگر مجھے یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملے گی یا جہنم تو اس کے فیصلہ ہونے کے مقابلے میں مٹی میں مل جانا پسند کروں گا۔
(تذکرۃ الحفاظ' ج 1 ص 9- کنز العمال' ج 6 ص 372)

3-رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت:

حضرت عثمانؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور لگاؤ تھا۔ آپ کی رضا اور خوشی کے حصول کے لئے کل کائنات قربان کرنے پر ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ اہل بیت کو کئی دنوں کا فاقہ ہے تو بے چین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت گندم' آٹا' کھجور' بکری کا گوشت اور تین سو درہم نقد دے کر حضرت عائشہؓ کے گھر بھجوایا اور ساتھ ہی یہ عرض کی کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آ جائے تو عثمانؓ کو یاد فرمایا جائے۔ (کنز العمال' ج 6 ص 375)

4-رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی' تمام عمر وہ ہاتھ شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ (طبقات ابن سعد' تذکرہ عثمانؓ)

5-رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پاسداری:

حضرت عثمانؓ کی پوری زندگی اتباع سنت کا عملی نمونہ تھی۔ ہر وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کو پیش نظر رکھتے تھے۔ کتب حدیث و سیرت میں اتباع سنت کے عملی نمونوں پر مبنی واقعات کثرت سے موجود ہیں اور آپ کے فرمان کا اس قدر پاس اور لحاظ تھا کہ جان دے دی لیکن دشمنوں کے مقابلہ پر آمادہ نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد تبسم کیا' پوچھنے پر وجہ بتائی کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنے کے بعد تبسم کرتے دیکھا تھا۔ (مسند احمد' ج 1 ص 58)

6-سخاوت اور فیاضی:

آپ طبعاً فیاض اور دریا دل تھے۔ سینکڑوں بیواؤں' یتیموں اور اپنے غریب رشتہ داروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ (مسند احمد' ج 1 ص 58)

آپ نے راہ خدا میں بے دریغ دولت لٹائی بلکہ فیاضی تو آپ کی سیرت اخلاق کا ایک روشن باب ہے۔ آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپ کے مخالفین کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا۔

7-شرم و حیاء:

اگرچہ حضرت عثمانؓ کی ذات ہمہ جہت خوبیوں کی مالک تھی مگر حیاء کا وصف دیگر تمام لوگوں سے ممتاز تھا۔ آپ طبعی طور پر اتنے باحیاء تھے' ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما

تھے جن میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے اور آپ کے زانو مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا' آپ ﷺ نے اسے نہ ڈھانپا کچھ دیر بعد حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو آپ نے انہیں دیکھ کر فوراً کپڑا برابر کیا۔ صحابہؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان سے تو فرشتے بھی حیاء کی وجہ سے شرماتے ہیں۔
(صحیح بخاری' باب مناقب عثمانؓ)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''میری امت میں حیاء میں سب سے زیادہ سچا عثمانؓ ہے۔'' (عثمان ذوالنورین' ص 277)

8- صبر و تحمل کا کمال مظاہرہ:

آپ حلم اور تحمل و برداشت کا عظیم پہاڑ تھے۔ آپ کے خلاف کس قدر زبردست طوفان اور انقلاب برپا ہوا لیکن آپ نے صبر و تحمل کے دامن کو نہیں چھوڑا' مخالفین نے روبرو گستاخیاں کیں لیکن اس پیکر عظیم نے صبر و تحمل کے سوائے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا لیکن اپنی خاطر ایک جان کا بھی خون بہانا جائز نہ سمجھا اور صبر و تحمل کا کمال مظاہرہ کیا۔
(تاریخ اسلام' ج 1 ص 300)

9- تواضع اور انکساری:

آپ کے پاس کنیزوں اور غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لئے ان کے آرام میں خلل نہ ڈالتے تھے۔ رات کو تہجد کے وقت کسی غلام کو اُٹھانے کی بجائے خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے۔ جب آپ کو کہا گیا کہ آپ خود کیوں زحمت کرتے ہیں تو جواب دیا کہ رات کا وقت ان کے آرام کرنے کا ہے' انہیں کیوں زحمت دی جائے۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 41)

10- طبیعت میں سادگی:

آپ بہت سادہ مزاج تھے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مسجد نبوی میں چادر کا تکیہ بنائے ہوئے سو رہے ہیں' اسی حالت میں دو سقے لڑتے ہوئے آئے تو آپؓ نے ان کا فیصلہ کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ' ج 1 ص 10)

11- ذریعہ معاش:

حضرت عثمانؓ کا شمار نہ صرف مکہ بلکہ عرب کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی خیبر کی ایک جاگیر عطا کی تھی۔ آپؓ نے خود بھی کافی زمینیں خریدی تھیں۔ اپنی زندگی میں لاکھوں درہم راہ خدا میں خرچ کئے اس کے باوجود شہادت کے وقت آپ نے دیگر جائیدادوں کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ دینار اور پینتیس لاکھ درہم نقد چھوڑے۔ (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 53)

12- غذا اور لباس:

آپؓ شروع سے لے کر آخر تک دولت و ثروت کے گہوارے میں رہے' زندگی کے کسی دور میں

بھی عسرت اور تنگدستی کی کیفیت سے واسطہ نہ پڑا۔ اس لئے سخت اور پُر محنت زندگی کے عادی نہ تھے۔ آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ خوش خوراک و خوش لباس تھے۔ آپ کا دستر خوان بہت وسیع ہوتا تھا لیکن اس میں زیادہ اہتمام نہ ہوتا تھا۔ اچھے لباس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار بہت ہی سستے اور معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے اور کبھی کل چار پانچ درہم کی تہمد میں مسجد میں آ جاتے تھے۔

(مستدرک حاکم' ج 3 ص 96)

13-اندازِ گفتگو:

حضرت عثمانؓ فطرتاً کم سخن اور کم گو تھے اسی وجہ سے مقرر نہیں تھے لیکن مجلسی زندگی میں سیر حاصل اور بلیغ گفتگو کرتے تھے۔ اس وصف میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 39)

خلافت عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمانؓ کو اگرچہ اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے امت اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بہت سے ممالک زیرنگیں ہوئے۔ نظام خلافت حضرت عمرؓ کے ہی زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی بہت کم گنجائش تھی تاہم جو گوشے تشنہ رہ گئے تھے' ان کی تکمیل ہوئی اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام پائے۔

بغاوتوں کا استیصال:

حضرت عمرؓ کی شہادت کے ساتھ ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں۔ ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے۔ خراسان' آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں نے اطاعت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ مصر اور اسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت بپا کر دی۔ قیصر روم اسکندریہ پر چڑھ آیا غرضیکہ ہر طرف خلفشار بپا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کیا۔

عہد عثمانی کی فتوحات:

بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک' ترکستان' کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا اور اسپین پر حملہ ہوا اور اسلامی حکومت کے حدود سندھ اور کابل سے لے کر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئے۔

نظام خلافت:

عہد فاروقی میں نظام خلافت اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجائش بہت کم تھی۔

حضرت عثمانؓ نے اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجائش تھی' ان کو ترقی دی۔

مجلس شوریٰ:

گو عثمانیؓ عہد خلافت میں عہد فاروقیؓ کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہیں رہ گیا تھا لیکن اہم امور میں حضرت عثمانؓ کبار صحابہؓ اور عمال حکومت سے مشورہ فرماتے تھے' انقلاب اور یورش کے حالات میں آپؓ نے حالات کے تقاضوں کے مطابق بار بار اکابر صحابہؓ سے مشورے کئے کہ یورش و فساد کی بیخ کنی کیسے کی جائے۔

بعض تبدیلیاں:

صوبوں کی تقسیم تقریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقیؓ میں تھی البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا' اسے ایک صوبہ بنا دیا گیا اور امیر معاویہؓ پورے صوبے کے گورنر مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا۔ نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے۔

عمال حکومت کا احتساب اور ان کی نگرانی:

عمال کی بدعنوانیوں اور ان کے احتساب کے سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے' اگر اسے نظرانداز کر دیا جائے تو حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن اگر اسے ملحوظ خاطر رکھا جائے تو بہت سے شکوک و شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں کہ آپ حلیم الطبع' نرم خو اور خطاپوش تھے۔ آپ میں عفو و درگزر کا پہلو غالب تھا اور آپ میں مواخذہ اور احتساب کی وہ سختی نہ تھی جو حضرت عمرؓ کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ بعض ایسے امور پر چشم پوشی فرما جاتے تھے جس پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت عمرؓ عمال کی شان و شوکت کو ناپسند کرتے تھے جبکہ حضرت عثمانؓ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس فرق کے باوجود آپ کسی ایسی بدعنوانی کو نظرانداز نہ کرتے تھے جس سے اصول اسلام' اخلاق عامہ یا حکومتی نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو۔ جب کسی گورنر کے خلاف اس قسم کی شکایت ہوتی تھی تو اسے فوراً معزول کر دیتے تھے جیسے کہ سعد بن ابی وقاص' ولید بن عقبہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی معزولی کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

حج کے موقع پر تمام عمال طلب کئے جاتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے چنانچہ شکایات سن کر آپؓ ان کا تدارک کرتے رہتے تھے۔ (طبری' ص 2944)

بیت المال کی آمدن و اخراجات:

خلافت عثمانی کے دوران بہت سے نئے ممالک فتح ہوئے اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی علاوہ ازیں آپ کے عمال کے حسن انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا چنانچہ مصر کے خراج کی

رقم دوگنی ہوگئی۔ (تاریخ یعقوبی ج 2 ص 189)

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لئے نقد ملتا تھا۔ ان کا کھانا بھی مقرر فرمایا۔ ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کیا۔ (تاریخ طبری ص 2804)

فوجی نظام میں تغیر و تبدل:

شعبہ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں۔ بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے جو اب تک ایک چلے آتے تھے الگ الگ کر دیئے۔ سپاہیوں کی تنخواہوں میں سو سو درہم کا اضافہ کیا۔ نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ امیر معاویہ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں بسا دیں۔ (ابن اثیر ج 3 ص 33)

فاروقیؓ عہد میں جو سرکاری گھوڑوں اور دیگر مویشیوں کے لئے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں حضرت عثمانؓ نے ان میں اور اضافہ کیا اور ان کے لئے چشمے جاری کرائے۔ یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ (وفاء الوفا ج 2 ص 253)

اسلامی بحری بیڑا اور بحری فوج کا قیام:

عہد عثمانیؓ میں فوجی شعبہ میں سب سے اہم ترقی اور نمایاں کام بحری فوج کا قیام ہے۔ عہد فاروقیؓ میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ نے ان سے بار بار بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی تھی لیکن حضرت عمرؓ فارس کے تلخ تجربہ کے بعد اجازت دینے پر راضی نہ ہوئے بعد ازاں حضرت عثمانؓ نے انکار کیا لیکن امیر معاویہؓ کے مسلسل اصرار کے بعد مشروط طور پر اجازت دے دی کہ کسی کو بحری جنگ میں جانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (ابن اثیر ج 3 ص 36)

چنانچہ اس کے بعد جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا گیا جس سے امیر معاویہؓ اور والئی افریقہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے چند ہی برسوں میں اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس دور کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا چنانچہ 31ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی۔ (ابن اثیر ج 3 ص 45)

عہد عثمانیؓ کے رفاہی کام:

عہد عثمانیؓ میں رفاہ عامہ کے بھی بہت سے کام انجام پائے خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا۔ دفاتر کے لئے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں رعایا کی سہولت کے لئے سڑکیں، پل اور مسافر خانے بنائے گئے۔ کوفہ میں عقیل اور ہبار کا مکان خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ بنوایا۔ (طبری ص 2842)

مدینہ اور نجد کے درمیان راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے ساتھ ایک بازار بسایا اور

میٹھے پانی کا ایک کنواں کھدوایا علاوہ بیر سائب' بیر عریس اور بیر عامر ناموں سے کئی کنویں کھدوائے۔
(وفا الوفاء' ج 2 ص 254)

سیلاب کی روک تھام کا موثر انتظام:

خیبر کی جانب سے مدینہ نشیب میں ہے اس لئے کبھی کبھی یہاں سیلاب آ جایا کرتا تھا جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب بند بندھوایا اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا جس سے مدینہ کی پوری آبادی بالکل محفوظ ہو گئی۔
(وفاء الوفاء' ج 2 ص 217)

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع:

تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا ایک عظیم کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کروائی تھی مگر عہد عثمانیؓ میں یہ ناکافی ثابت ہوئی تو آپؓ نے 29ھ میں اس کی دوبارہ توسیع کروائی۔ عمارت کے لئے چونا اور پتھر بطن نخلہ سے منگوایا' ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کئے' ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا اور طول میں 20 اور عرض میں 30 گز کا اضافہ کیا۔ (ابن اثیر' ج 2 ص 39- یعقوبی' ج 2 ص 191)

مصحف صدیقیؓ کی نشر و اشاعت کا اہتمام:

مذہبی خدمات کے سلسلے میں آپؓ کا لوگوں کو ایک مصحف پر متحد کرنا روشن ترین کارنامہ ہے۔ اگرچہ کلام اللہ کی تدوین عہد صدیقیؓ میں ہو چکی تھی مگر اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی۔ قرآن کریم کا تلفظ اور اس کی املاء مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے چنانچہ مختلف صحابہؓ اسے مختلف انداز اور طریقوں سے پڑھتے اور لکھتے تھے لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ اس بناء پر صحابہؓ کے ہاں اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

لیکن نئے مسلمان ہونے والے عجمی لوگوں کی چونکہ مادری زبان عربی نہ تھی چنانچہ اس اختلاف کی اہمیت بہت بڑھ گئی' ہر علاقہ کے لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان ایک جہاد میں شریک ہوئے' انہوں نے عجمیوں کا یہ اختلاف دیکھا تو انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔

لہٰذا انہوں نے واپس آ کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر اس اختلاف کا جلد تدارک نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی کتاب اللہ میں اختلاف پیدا کر دیں گے۔ ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ منگوایا جو کہ حضرت حفصہؓ کے پاس موجود تھا اور اس کی نقلیں کروا کر تمام صوبوں میں بھیج دیں اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انہیں تلف کرا دیا۔

(صحیح بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل منقول ہے۔)

چنانچہ اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا۔

مؤذنوں کا معاشی خیال:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں باقاعدہ مؤذن مقرر کیے گئے اور ان کو ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ (تاریخ الخلفاء، ص 164)

مذہبی تعلیم اور اخلاقی اصلاح و تربیت کا اہتمام:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں خلیفہ وقت کا ایک اہم فریضہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی و اصلاحی تربیت ہے۔ حضرت عثمانؓ مدینہ میں اس کو بنفس نفیس سرانجام دیتے تھے۔ اہل اسلام کو دینی مسائل سے آگاہ کرتے تھے اور انہیں اس کی عملی تعلیم دیتے تھے۔ ایسے واقعات کا حدیث کی کتابوں میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

دولت کی فراوانی اور فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو و لعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے۔ اس سلسلہ میں کبوتر بازی اور غلیل بازی کئی لوگوں کا دلچسپ مشغلہ بن گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص 165)



خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت علیؓ کا مختصر تعارف:

حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چہیتے چچا حضرت ابوطالب کے بیٹے تھے اور بچپن سے ہی حضور ﷺ کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ بعثت کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے سامنے اسلام پیش کیا تو حضرت علیؓ نے سب سے پہلے لبیک کہی اور ایمان لے آئے' اس وقت ابھی آپ نوعمر ہی تھے۔ ہجرت کی رات آنحضرت ﷺ آپؓ کو ہی اپنے بستر پر لٹا کر مدینہ روانہ ہوئے تھے۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ لڑائی میں بے مثال شجاعت اور کمال جرأت کا ثبوت دیا۔ غزوۂ خیبر کے ہیرو قرار پائے۔ آنحضرت ﷺ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی آپؓ ہی کے ساتھ ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے خطوط اور دعوت نامے عموماً آپ ہی لکھا کرتے تھے۔ پہلے تینوں خلفاء کے زمانوں میں آپ کو مشیر خاص کا درجہ حاصل رہا اور ہر اہم کام آپ کی رائے سے انجام پاتا تھا۔

انتخاب خلافت:

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی پڑی رہی' مدینہ میں قیامت کا شور بپا تھا' ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا اس وقت اکابر صحابہؓ میں صرف حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا چنانچہ مہاجرین و انصار نے جن میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی شامل تھے' آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس وقت خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' تم جسے منتخب کرو گے میں بھی اسے قبول کر لوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے' اس لئے آپ کے سوا کسی اور کو منتخب نہیں کر سکتے۔ آپ نے بار بار انکار کیا اور کہا مجھے امیر ہونے کے بجائے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے عرض کیا ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ بالآخر آپؓ مان گئے اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (طبری ص 1326 - ابن اثیر ج 3 ص 74)

اس بیعت میں مدینے کے تمام ممتاز صحابہؓ شریک تھے۔ (طبقات ابن سعد ج 4 ص 20) بیعت کے بعد ذی الحج 35ھ میں آپؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

چند احباب نے بیعت نہیں کی:

مسجد نبوی کے اجتماع عام میں انصار و مہاجرین نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کو لایا گیا اور بیعت کے لئے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ "اور لوگوں کو بیعت کر لینے دو تو میں بھی

کرلوں گا۔" حضرت علیؓ نے فرمایا: "رہنے دو۔" عامتہ المسلمین نے بیعت کر لی مگر چند لوگوں نے بیعت سے گریز کیا جن میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، کعب بن عجرہ، ابوسعید خدری، محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، سلمہ بن سلامہ، عبداللہ بن سلام، حبیب بن سنان، اسامہ بن زید، قدامہ بن مظعون اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔
(تاریخ اسلام، ج 1 ص 485)

خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت علیؓ کیلئے مشکلات کا آغاز:

بیعت خلافت کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے اہم مرحلہ اور مقدم فرض قاتلین عثمانؓ کا پتہ چلا کر ان سے قصاص لینا تھا جس میں کئی ایک وجوہ کی بناء پر ناکامی ہوئی۔ حضرت علیؓ کی جانب سے اس میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ دشواری یہ تھی کہ شہادت کے وقت اصل قاتل کے متعلق کسی کو علم نہ تھا کیونکہ اس وقت حضرت عثمانؓ کے پاس صرف حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا تھیں، وہ پردہ نشینی اور ضعف بصارت کی وجہ سے گھر میں گھسنے والوں میں سے صرف محمد بن ابی بکر کو پہچانتی تھیں لیکن وہ ابتداء میں ہی لوٹ گئے تھے اور قتل میں ملوث نہیں تھے۔

اور پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت علیؓ کو اس گروہ پر دسترس نہیں تھی۔ حضرت علیؓ اس معاملہ میں بے بس تھے جبکہ دوسری طرف حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہؓ بھی صرف قصاص چاہتے تھے اور وہ حضرت علیؓ کی مجبوریوں کو مدنظر نہیں رکھتے تھے۔

ادھر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، میں اس سے غافل نہیں ہوں لیکن میں ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا قابو نہیں ہے۔ بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی، اس لئے آگے چل کر صحابہ کو خود اپنے طور پر ان سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہوا جس کے نتیجے میں جنگ جمل ہوئی۔

کبار صحابہ کرامؓ جو اس وقت بقیدحیات تھے، نئی خلافت کا دست و بازو بننے کی بجائے بے شمار غلط فہمیوں کا شکار ہو چکے تھے کچھ بالکل غیر جانبدار ہو گئے تھے اور بعض نے حضرت علیؓ کی مخالفت میں کمر باندھ لی تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص میں تاخیر غلط فہمیوں اور بے چینیوں کا باعث بن رہی تھی۔

اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے لئے ایک نہایت پریشان کن مسئلہ عثمانیؓ عہد کے مقرر کردہ عمال تھے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے اکثر ان لوگوں کو حکومتی ذمہ داریاں دی تھیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے وہ اُموی ہونے کے ناطے حضرت علیؓ کے لئے قابل اعتماد نہ تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں کشمکش:

حالات تو پہلے ہی قابو سے باہر تھے' دوسری طرف حضرت علیؓ کی بعض سیاسی فروگزاشتوں کی بناء پر ایک اور دردناک صورت پیدا ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت علیؓ عثمانیؓ عہد کے اکثر عمال خصوصاً شام کے گورنر حضرت معاویہؓ کے سخت مخالف تھے چنانچہ تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت علیؓ کے عاقبت اندیش خیرخواہوں نے اس کی مخالفت کی' حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو سیاسی تدبر میں حضرت امیر معاویہؓ کے ہم پلہ تھے' حضرت علیؓ سے عرض کی کہ ابھی آپ حضرت معاویہؓ اور دیگر عثمانیؓ عمال کو معزول نہ کیجئے' جب وہ آپ کی بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں تو جو دل میں آئے کیجئے لیکن حضرت علیؓ نے سختی سے انکار کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی مشورہ دیا کہ فی الحال امیر معاویہؓ اور دیگر گورنروں کو الگ نہ کیا جائے کیونکہ اگر امیر معاویہؓ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو انہیں اس کی پرواہ نہ ہو گی کہ خلیفہ کون ہے لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے تو عثمانؓ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام اور عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے لیکن حضرت علیؓ نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔ (تاریخ ابن اثیرؒ ج 3 ص 77- اخبار الطوال' ص 151)

حضرت علیؓ نے 36ھ میں تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ نئے گورنر مقرر کر دیئے چنانچہ شام پر سہیل بن حنیف کو' بصرہ پر عثمان حنیف کو' کوفہ پر عمارہ بن شہاب کو' یمن پر عبداللہ بن عباس کو اور مصر پر قیس بن سعد کو گورنر مقرر کر دیا۔

نئے مقررہ کردہ عاملوں میں کوفہ کا نامزد راستے ہی سے واپس لوٹ آیا کیونکہ اہل کوفہ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قیس بن سعد نے بڑی حکمت سے اپنے عہدہ کا چارج لیا' یمن اور بصرہ میں حضرت علیؓ کے عمال کو تسلیم کر لیا گیا' شام کے نامزد والی جب شام کی سرحد میں داخل ہوئے تو انہیں آگے جانے سے روک دیا گیا اور وہ بھی واپس آ گئے۔

(طبری' ص 2083)

خطوط اور قاصدوں کا تبادلہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کے لئے علیحدہ ایک خط لکھا تھا اس وقت اکابر صحابہ حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت خصوصاً آپؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے۔ امیر معاویہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمانؓ کا خون آلود لباس اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگوا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں۔ اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو روک لیا تھا' یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ جب انہوں نے اسے کھولا تو اندر کچھ نہ تھا' آپ کو حالات کا کچھ کچھ اندازہ ہو چلا تھا چنانچہ قاصد سے پوچھا کہ شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا' وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ حضرت عثمانؓ کے پیرہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں تو اس وقت حضرت علیؓ کے سامنے حقیقت حال واضح ہوئی اور آپؓ نے فرمایا: الٰہی! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔ (طبری' ص 3091)

حضرت علیؓ کی امیر معاویہؓ کے خلاف مقابلہ کی تیاریاں:

جب حضرت علیؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا تو آپؓ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ہی بے نیام ہونے والی تھیں۔ اس لئے اکثر صحابہ اس میں شرکت کے بارے میں متردد تھے۔ اکثر صحابہ نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ (اخبار الطوال' ص 152)

حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے۔ غرضیکہ بہت سے محتاط صحابہ کرامؓ نے اس میں شرکت سے کنارہ کشی کی تاہم بعض نے اپنی خدمات پیش بھی کیں۔

حضرت علیؓ فوج جمع کر کے فوراً شام پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہو پڑے مگر اسی اثناء میں خبر ملی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سرکردگی میں ایک فوج مکہ سے بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہے چنانچہ حضرت علیؓ شام کا ارادہ ترک کر کے اپنی جمعیت کو لے کر بصرہ کی طرف چل پڑے۔



جنگ جمل کے اسباب، واقعات اور نتائج

جنگ جمل سے قبل کی صورتحال:

ابھی حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دوسری طرف سے اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورتحال پیدا ہو گئی کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت مکہ میں تھیں، یہیں آپ کو واقعہ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد مسلسل مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں۔ یہ اطلاع آپ کو مکہ سے مدینہ واپسی کے وقت راستے میں ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی ہے اور مدینہ میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ (طبری، ص 3098)

یہ حالات سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا قلق ہوا اور فرمایا: قاتلین نے اسلام کا بہت بڑا اصول توڑ دیا ہے، ایسے باغیوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ اسی اثناء میں حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہم بھی حضرت علیؓ سے رنجیدہ ہو کر مکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی ناراضگی کا سبب یہ بتایا کہ حضرت علی، حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے میں لیت و لعل سے کام لے رہے ہیں چنانچہ سب نے باہم فیصلہ کیا کہ بصرہ چل کر خلیفہ مقتول کے انتقام کا مطالبہ کیا جائے۔

جب یہ جماعت بصرہ کے قریب پہنچی تو وہاں کے علوی گورنر عثمان بن حنیف نے انہیں زبردستی روکنے کی کوشش کی مگر شکست کھائی اور گرفتار ہو گئے۔ جب اسے حضرت عائشہؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے رہائی کا حکم دے کر کہا کہ جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ وہ رہا ہو کر سیدھے حضرت علیؓ کے پاس مدینہ پہنچے۔ (طبری، ص 3119- ابن اثیر، ج 3 ص 83)

بصرہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد اعلان عام کر دیا گیا کہ جس جس قبیلہ میں ایسے لوگ ہوں جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے، پکڑ کر لائے جائیں چنانچہ اس قسم کے بہت سے لوگ لائے گئے اور جو مجرم ثابت ہوئے انہیں قتل کر دیا گیا۔

جب حضرت علیؓ کو واقعات کی اطلاع ملی تو شام پر لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کر کے بصرہ کو روانہ ہو گئے۔

محتاط صحابہ کرامؓ کی روش:

حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے چنانچہ جب آپؓ نے بصرہ روانگی کا پروگرام بنایا تو اہل مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا۔ (طبری، ص 3063)

کیونکہ اہل مدینہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے، ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے اُس وقت تک ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (طبری، 3093)

حضرت علیؓ کی مدینہ سے روانگی:

کچھ بدری صحابہؓ اور چند انصاری صحابہؓ نے آپ کا ساتھ دیا اور آپؓ 36ھ ربیع الاول میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن سلام کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپ مدینہ سے نہ نکلئے' اگر اس وقت نکلے تو اللہ کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا لیکن اس صورتحال میں ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

چنانچہ مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ سات سو آدمی تھے جن میں زیادہ تعداد اہل کوفہ و بصرہ کی تھی لیکن راستے میں برابر لوگ ساتھ ہوتے چلے گئے۔ (طبری' ص 3106)

اہل کوفہ اور بصرہ کی مدد:

حضرت علیؓ نے ذی قار جگہ پر پہنچ کر منزل کی اور کوفہ و بصرہ سے مدد کے لئے داعی بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے' ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر وحدت اور قوت پیدا ہو جائے۔ (طبری' ص 3140)

حضرت حسن' عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روکنے کے لئے وعظ و نصیحت کر رہے ہیں اور ان کی نصیحت کا خاصا اثر ہو رہا ہے تو حضرت حسنؓ نے انہیں مسجد سے نکال دیا اور خود کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے اور لوگوں کو حضرت علیؓ کی حمایت پر آمادہ کیا تو آپؓ کی تقریر پر دس ہزار افراد نے ساتھ دیا۔
(اخبار الطوال' ص 154)

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے مابین مصالحت:

کوفہ کے رؤساء میں ایک صحابی اور خیر خواہ امت حضرت قعقاع بن عمروؓ تھے۔ حضرت علیؓ نے انہیں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس مفاہمت کی غرض سے بھیجا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے آنے کا مقصد پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا اصلاح کے لئے تو پھر قعقاع نے عرض کیا کہ اصلاح کا طریقہ کیا ہو؟ تو جواب دیا گیا کہ قاتلین عثمانؓ کا قصاص' اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو گویا قرآن کو چھوڑ دیا گیا۔ تو حضرت قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کے چھ ہزار افراد نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے' پھر جب آپ نے حرقوص کو پکڑا تو وہ چھ ہزار مزاحم ہوئے تو آپ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اسے تو تم خود چھوڑ چکے ہو لہٰذا اب اگر آپ نے جنگ کا ارادہ ترک نہ کیا تو آپ کا ساتھ چھوڑنے والے یہ چھ ہزار آپ کے خلاف لڑیں گے۔

تو پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ حوصلہ رکھیں' حالات کو پرسکون ہو جانے دیں فی الحال بیعت کر لیں۔ آپ امت کو سخت

آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔ یہ چند افراد کا نہیں ساری امت کا سوال ہے۔ چنانچہ حضرت قعقاع کی باتیں سن کر تینوں نے اسے درست مانا اور عرض کیا کہ جا کر حضرت علیؓ کی بھی رائے لو۔

چنانچہ حضرت قعقاع حضرت علیؓ کے پاس پہنچے' انہیں جا کر خوشخبری سنائی' آپ سن کر بہت خوش ہوئے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت و مفاہمت کے لئے تیار ہوگئی اور قعقاع نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ان سے کہا کہ اب معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں اس لئے میں کل واپس کوفہ چلا جاؤں گا لہٰذا تم لوگ بھی واپس چلے جاؤ لیکن جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے' انہیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہئے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہئے۔

(طبری میں یہ واقعات مفصل بیان کئے گئے ہیں)

سبائیوں کی فتنہ انگیزی:

سبائی یہ صلح کا رنگ دیکھ کر سخت مضطرب ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ اگر یہ صلح اپنے انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں ہے' اب بہتر یہی ہے کہ سب مل کر علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصاص کا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ (تاریخ طبری' ص 3165)

صلح کا انعقاد:

فریقین ہر ممکن طریقے سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے چنانچہ احنف بن قیس بھی چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر الگ ہو گئے۔

اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے آنے کے بعد آپؓ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح میں ہی ہے۔ مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں میں مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے۔ (طبری' ص 3180)

جنگ جمل کے اسباب پر ایک نظر

یہ جنگ دراصل حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے مابین غلط فہمیوں کا نتیجہ تھی۔ تاریخی واقعات کا احاطہ کرنے اور ان میں چھان پھٹک کرنے کے بعد مندرجہ ذیل اسباب کی واضح نشاندہی دیتے ہیں:

1- قبائلی عصبیت کا بھڑک اٹھنا:

حضرت عثمانؓ کی شہادت نے عام مسلمانوں کو انتہائی غم زدہ اور رنجیدہ کر دیا تھا جبکہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود کپڑوں اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کو جب جامع مسجد دمشق میں منظر عام پر لٹکایا تو اس صورتحال نے شعوبی اور قبائلی تعصب اور منافرت کو حد درجہ بھڑکا دیا۔

2- حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا مکہ جا کر حضرت عائشہ کو مدینہ کے حالات سے آگاہ کرنا:

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے۔ انہوں نے مکہ جا کر حضرت عائشہ کو مدینہ کی ابتری و بے چینی کی شدید صورتحال سے آگاہ کیا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت اضطراب ہوا۔

3- سبائیوں کا حضرت علیؓ کے گروپ میں شامل ہو جانا:

وہ لوگ جن کا حضرت عثمانؓ کے قتل میں ہاتھ تھا اور وہ انقلاب برپا کرنے والے تھے' وہ بیعت کر کے حضرت علیؓ کی پارٹی میں شامل ہو گئے اور ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ جنگ لڑی جائے۔

4- مرکز کا فقدان:

حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کی آوازیں تو مختلف سمتوں سے آ رہی تھیں مگر ایسے لوگ خود کسی ایک مرکز پر جمع نہیں تھے۔ حضرت عائشہؓ کی قیادت میں قصاص عثمانؓ کے حامی اکٹھے ہو گئے اور جنگ کی فضاء تیار ہو گئی۔

5- سبائی دونوں فریقوں میں گھس گئے۔

دونوں فریق مسلمانوں کا خون بہانے کے خلاف تھے مگر سبائی دونوں گروہوں میں گھس گئے اور وہ صلح اور امن کی تمام مساعی کو ناکام بنا رہے تھے کیونکہ صلح کی صورت میں ان کے تخریبی اور منافقانہ کردار کا ثابت ہو جانا یقینی تھا۔

6- سبائیوں کی سازش کامیاب ہوگئی:

حضرت قعقاع بن عمروؓ نے دونوں جانب کے فریقوں سے مل کر انتہائی احسن انداز میں صلح کے لئے فضاء سازگار کر لی تھی کہ سبائیوں نے ان تمام کوششوں کو تباہ کر دیا' وہ کسی صورت میں اتحاد بین المسلمین دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے خود ان کو اپنے انجام بد کا خطرہ تھا لہذا سبائیوں کی سازش بھی جنگ کے اہم ترین اسباب میں سے ہے۔

جنگ جمل کے واقعات

حضرت علیؓ نے بصرہ کی طرف روانگی سے قبل ایک مصالحانہ تقریر کی جس میں آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فتنہ دشمنان اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے مسلمانوں کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر ان کے سینوں میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور آپؓ نے یہ بھی کہا کہ ہم کل بصرہ روانہ ہوں گے مگر جنگ و جدال و قتال کے لئے نہیں بلکہ امن و امان اور اتفاق کے لئے جائیں گے لہذا بلوائیوں میں سے کوئی بھی ہمارے ساتھ نہ جائے۔

حضرت علیؓ کے ارشادات سن کر سبائیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی لہذا انہوں نے ہر

صورت جنگ چھیڑنے کا پروگرام طے کرلیا۔ دوسرے دن علی الصبح حضرت علیؓ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئے، حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی اپنے لشکر لے کر نکلے، تین دن تک دونوں لشکر آمنے سامنے صف آراء رہے اور سفیروں کی آمدورفت بھی جاری رہی۔ آخر ایک رات صلح کی تمام شرائط طے ہوگئیں۔ رات دونوں فوجیں امن و اطمینان کی نیند سوئیں لیکن فرقہ سبائیہ کے لوگوں نے جو لشکر علیؓ میں شامل تھے، حسب پروگرام حضرت عائشہؓ کے لشکر پر شب خون مارا اور ہنگامہ بپا ہوگیا۔ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہم نے اپنے خیموں سے نکل کر پوچھا کہ یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے تو شر پسندوں نے جواب دیا کہ "حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔" حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ "افسوس حضرت علیؓ مسلمانوں کا خون گرانے سے باز نہ رہے۔"

ادھر حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا: "یہ شوروغل کیسا ہے؟" حضرت علیؓ نے کہا: "افسوس طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مسلمانوں کا خون بہانے سے نہ رکے۔" جبکہ فریقین بری الذمہ تھے اور منافقین و فرقہ پرداز سبائیوں کا وار چل گیا تھا۔ طلوع آفتاب سے قبل ہی صلح و امن کا دل آویز خواب بکھر چکا تھا۔

مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگیں۔ بصرہ کے قاضی کعب بن ثور کی درخواست پر اُم المومنین حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو کر میدان جنگ میں تشریف لے گئیں تاکہ مسلمانوں کو اس خانہ جنگی سے روکیں۔ احتیاطاً آپ کے ہودج کو زرہوں سے ڈھک دیا گیا تھا، ادھر اہل کوفہ نے خیال کیا کہ ام المومنین خود لڑائی میں شریک ہونے کے لئے آئی ہیں چنانچہ وہ مزید جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے کعب بن ثور سے کہا کہ وہ اعلان کر دیں کہ مسلمان آپس میں لڑائی بند کر دیں اور کتاب اللہ کے فیصلے کو قبول کر لیں۔ کعب یہ اعلان کرنے بڑھے تو ایک سبائی نے تاک کر تیر مارا جس سے وہ جاں بحق ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی سبائیوں نے حضرت عائشہؓ کے ہودج پر تیروں کی بارش کر دی۔ اہل بصرہ نے جب حرم رسول ﷺ کو خطرے میں دیکھا تو حرمت بیت رسول کی حفاظت کے لئے پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ (تاریخ طبری، ص 3182)

حضرت زبیرؓ کی جنگ سے علیحدگی اور شہادت:

عین ہنگامہ کارزار میں جب حضرت علیؓ کی نظر جب حضرت زبیرؓ پر پڑی تو انہوں نے ان سے کہا کہ ابوعبداللہ تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے ایک دن پوچھا تھا کہ تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے ہاں میں جواب دیا تھا تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا: ہاں مجھے یاد آ گیا۔ (مستدرک حاکم، ج 3، فضائل زبیرؓ)

آنحضرتؐ کی یہ پیشین گوئی سن کر حضرت زبیرؓ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کرلیا اور واپس لوٹ گئے۔ (اخبار الطوال، ص 157)

واپسی پر ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہوگیا، وادی سباع میں نماز کا وقت ہو گیا تھا، حضرت زبیرؓ جب سجدہ میں گئے تو ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگزاری دکھانے کے لئے آپ کا سر، گھوڑا اور زرہ لے کر خوشی خوشی

حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو اور بہت شدید ناراض ہوئے۔

حضرت طلحہؓ کی شہادت:

حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی واپسی کا قصد کر لیا۔ مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر سے وہ شہید ہو گئے۔ (اخبار الطوال' ص 158)

اونٹ کے گرد جانبازوں کی بہادری کے مظاہر:

ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا۔ فریقین نے نہایت پامردی سے ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ اور محمل پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی لیکن جانثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنو ضبہ نے جانیں فدا کیں۔
(اخبار الطوال' ص 157)

اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن جانثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا جیسے ہی ایک گرتا تھا فوراً دوسرا جگہ لے لیتا تھا اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے جانیں قربان کر دیں۔
(یعقوبی' ج 2 ص 212)

جنگ کا خاتمہ:

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک حضرت عائشہ کا اونٹ کھڑا ہے' لڑائی جاری رہے گی لہٰذا آپؓ کے حکم سے ایک شخص اعین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے چنانچہ وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے' نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے' نہ کسی کا مال لوٹا جائے' جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے۔ (اخبار الطوال' ص 161 و یعقوبی' ج 3 ص 213)

یہ اعلان ہوتے ہی آپ کی فوج نے ہاتھ روک لئے' بعض آدمیوں کے ایک سوال پر آپ نے فرمایا کہ اس حکم کی تعمیل کرو اور جس بات کو نہیں جانتے ہو اسے چھوڑ دو۔ (اخبار الطوال' ص 161)

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی حاضری:

جنگ ختم ہونے کے فوراً بعد حضرت علیؓ فوراً حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: امی جان! مزاج کیسے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: الحمدللہ خیریت سے ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو معاف فرمائے۔ تو اُم المومنین نے آمین کہا۔

چند دن کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو نہایت عزت و احترام سے مدینہ روانہ کیا۔ بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو ہمرکاب کیا۔ زادِ راہ' نقد و جنس اور جملہ سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا

اور محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ بحفاظت ام المومنین کو مدینہ پہنچا دیں۔ روانگی کے وقت خود دور تک رخصت کرنے گئے۔ (طبری' ص 3231)

رخصت کے وقت فریقین کی خوش آئندہ گفتگو:

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے فرمایا:

''میرے بچو! یہ جنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ میرے اور علی کے درمیان جو ساس اور داماد کے درمیان کبھی کبھار نوک جھونک ہو جایا کرتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی رنجش نہیں تھی۔ میں ہر حالت میں انہیں بھلا آدمی سمجھتی ہوں۔''

ام المومنین کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ نے فرمایا: ''ام المومنین سچ فرماتی ہیں۔ خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی' وہ دنیا اور آخرت دونوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کی محترم بیوی ہیں۔''

اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے چنانچہ حضرت عائشہؓ مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔

دونوں بزرگوں کی نیت ٹھیک تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تاعمر اس کی ندامت رہی۔ جب جنگ جمل کا تذکرہ آتا تھا تو زاروقطار رونے لگتی تھیں اور فرماتیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے میں دنیا سے ہی اُٹھ گئی ہوتی۔ (مسند احمد بن حنبل' تذکرہ حضرت عائشہؓ)

جنگ جمل کے نتائج

جنگ جمل کے مکمل حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد اس سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1- مسلمانوں کی تلواریں باہم ٹکرا گئیں:

اس جنگ کو تاریخ اسلام میں اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ پہلی بار یہ افسوسناک حادثہ پیش آیا کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی اس سے قبل ان کی تلواریں باطل کے خلاف ٹکراتی تھیں مگر اب وہ ایک دوسرے کا خون پینے لگیں جس کے نتیجے میں مسلمان آپس میں لڑ کر کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

2- متحدہ مرکز ختم ہو گیا:

اس جنگ میں دس ہزار مسلمان مارے گئے اور ان کی جمعیت کمزور ہو گئی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کی قوت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس کے بعد وہ پھر ایک مرکز پر متحد ہو کر جمع نہ ہو سکے بلکہ اس کے بعد ان میں جنگوں اور اندرونی سازشوں کا سلسلہ چل نکلا۔

3۔ دارالخلافہ کی مدینہ سے کوفہ منتقلی:

حضرت علیؓ کا عسکری اور سول نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ انہیں از سرِ نو نظم و نسق بحال اور افواج کو منظم کرنا پڑا۔ کوفہ میں ان کے ہمدرد زیادہ تھے لہٰذا انہوں نے دارالحکومت کو مدینہ سے کوفہ میں منتقل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ بہت سے مخلص ساتھیوں سے محروم ہو گئے۔

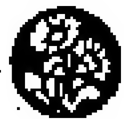
4۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی فوجوں کا توازن تبدیل ہو گیا:

اس جنگ کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت بہت بڑھا لی۔ جنگ جمل کے باعث حضرت علیؓ کی فوجی تیاریوں میں بہت زیادہ کمزوری واقع ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ جو بائیس برس سے صوبائی گورنر تھے' اب اپنی معزولی اور جنگ جمل کے باعث مرکزی سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ اب انہوں نے خلیفہ وقت بننے کا ارادہ کر لیا تھا اور اس کے لئے فضاء بنانی شروع کر دی تھی۔

5۔ حضرت عائشہؓ عمر بھر افسردہ رہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس جنگ کا عمر بھر نہایت قلق رہا۔ وہ اکثر افسوس کرتیں اور فرماتی تھیں:

''کاش! میں آج سے بیس برس پہلے ہی دنیا سے اٹھ گئی ہوتی۔'' یہ جنگ ہر لحاظ سے مسلمانوں کے حق میں انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی اور اس کا فطری اور منطقی نتیجہ جنگ صفین کی شکل میں ظاہر ہوا۔



جنگ صفین کے اسباب، واقعات اور اہمیت و نتائج

جنگ صفین کے اسباب و محرکات:

جنگ صفین کے بھی کم و بیش وہی اسباب و حالات ہیں جو جنگ جمل کے وقوع پذیر ہونے کا باعث بنے تھے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور نہ ہی ان کی طرف سے صادر شدہ معزولی کے حکم کو تسلیم کیا تھا بلکہ حضرت عثمانؓ کے خون آلود کپڑے اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق میں منگوا لیں اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے قصاص پر اُبھارنے لگے چنانچہ ایک بہت بڑی جمعیت نے ان کی دعوت پر لبیک کہی اور خلیفہ شہید کے قاتلوں سے انتقام لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا مگر اتنے میں خبر آئی کہ حضرت عائشہؓ مقتدر صحابہ کے ساتھ بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہیں اس لئے شام کا ارادہ ملتوی کر کے بصرہ چل دیئے جہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔ (تاریخ اسلام، فراہی، ص 175)

جنگ صفین کے واقعات:

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جو خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا اس سے مثبت نتائج کی کوئی توقع نہ تھی۔ امیر معاویہ اپنی ضد پر قائم تھے اس لئے چار و ناچار حضرت علیؓ کو ان کے خلاف قدم اُٹھانا پڑا۔

چنانچہ حضرت علیؓ کوفہ سے ذی الحج 36ھ میں اسی ہزار (80,000) فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس فوج میں ستر بدری، سات سو بیعت رضوان کے جانثار اور چار سو عام مہاجر و انصار شامل تھے۔ (تاریخ یعقوبی، ج 2 ص 218)

حضرت علیؓ نے کوفہ سے روانہ ہو کر نخیلہ کے مقام پر قیام کیا اور یہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے اپنے لشکر کے ساتھ حضرت علیؓ سے آ ملے۔ یہاں حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اس کے بعد شام کی طرف کوچ کیا اور دریائے فرات کو عبور کر کے میدان صفین میں پڑاؤ ڈالا۔

حضرت امیر معاویہؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت علیؓ اپنی فوج کے ہمراہ صفین کے میدان میں پہنچ چکے ہیں تو وہ بھی اپنا ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر میدان میں آ پہنچے تو اس طرح عراقی اور شامی مسلمانوں کی طاقتیں صفین کے میدان میں آمنے سامنے صف آراء ہو گئیں۔

پانی کے لئے کشمکش:

پانی پر شامی فوجوں نے قبضہ کر لیا تھا جب انہوں نے علوی فوج کو پانی نہ لینے دیا تو انہوں نے طاقت سے پانی پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت علیؓ نے شامیوں کو پانی لینے کی عام اجازت دے دی اور دونوں فوجوں میں اس قدر آنا جانا ہو گیا کہ دونوں طرف سے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ اب جنگ

نہیں ہو گی بلکہ صلح ہو جائے گی۔ (تاریخ طبری، ص 3269)

صلح کی ایک اور کوشش مگر ناکام:

دو دن عراقی اور شامی فوجیں خاموشی سے آمنے سامنے بیٹھی رہیں۔ تیسرے دن صلح کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علیؓ نے ایک وفد حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا۔ ارکان وفد نے حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے یہی مطالبہ تھا کہ علی قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم ان کی بیعت کر لیں گے۔ ورنہ ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی لہٰذا یہ وفد ناکام واپس آیا۔

جنگ کا باقاعدہ آغاز:

جمادی الاوّل 37ھ باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا۔ عراقی اور شامی فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ابتداء میں کوئی خونریز جنگ نہ ہوئی۔ ایک ایک دستہ سامنے آتا تھا، معمولی جھڑپیں ہوتیں اور شام کو اپنے اپنے خیموں میں واپس چلی جاتی تھیں۔

میدان جنگ میں مصالحت کی ایک اور کوشش:

جمادی الاوّل 37ھ سے جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور جمادی الثانی کے آخر تک اسی طرح جنگ کا سلسلہ جاری رہا اور جیسے ہی رجب کا چاند طلوع ہوا، حرمت والے مہینے کے پیش نظر دونوں طرف سے جنگ رُک گئی۔ اس التواء سے صلح کنندگان کو مصالحت کا ایک اور موقع مل گیا چنانچہ حضرت ابوالدرداء اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہم دونوں امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی۔

ابوالدرداء: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے مگر قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ ان کو میرے حوالے کر دیں تو میں سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد دونوں احباب حضرت علیؓ کے پاس آئے اور انہیں حضرت امیر معاویہؓ کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ اسے سن کر 20 ہزار آدمی حضرت علیؓ کی فوج سے باہر نکل آئے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔

حضرت ابوالدرداء اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہم نے یہ رنگ دیکھا تو دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف چل پڑے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ (تاریخ اسلام، ج 1 ص 333)

صلح کی آخری مگر ناکام کوشش:

جب صلح کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو آخری بار امیر معاویہؓ نے ایک چار رکنی وفد حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے حضرت علیؓ سے صلح کے متعلق گفتگو کی۔ تو وفد کے ارکان کے سامنے حضرت علیؓ نے اپنے استحقاق خلافت اور انصار و مہاجرین کی ان کی بیعت کر لینے کے متعلق گفتگو کی۔

وفد کے ایک رکن شرجیل بن سمط نے کہا:

''یہ تو فرمایئے کہ عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے ہیں؟''

حضرت علیؓ نے فرمایا:

''نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیے گئے اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ ظالم ہونے کی حیثیت سے۔''

حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر وفد کے ارکان اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ جو شخص حضرت عثمانؓ کی شہادت کو مظلومانہ تسلیم نہیں کرتا' ہمارا اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اس طرح صلح کی یہ آخری کوشش بھی رائیگاں چلی گئی۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 374)

فیصلہ کن جنگ:

شعبان 37ھ کے آغاز میں شامی اور عراقی فوجیں آمنے سامنے آئیں اور نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ یہ سلسلہ کئی مہینے جاری رہا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے' خون کی ندیاں بہہ گئیں' صفین کا میدان خون سے سرخ ہو گیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے یعنی کل ستر ہزار آدمی قتل ہوئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے اور مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ درمیان میں مُردوں کی تجہیز و تکفین کے لئے ایک ایک دو دو روز جنگ ملتوی کرنا پڑتی تھی۔

(اخبار الطوال' ص 182- تاریخ اسلام' ج 1 ص 333)

شامی فوج کی پسپائی:

حضرت علیؓ کی فوجوں نے بڑی جرأت اور شجاعت سے شامی فوجوں کا مقابلہ کیا اور شامی فوجوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اب تو ہمیں اپنی شکست صاف نظر آ رہی ہے' جلدی سوچو کیا کرنا ہے۔

عمرو بن العاصؓ کی تدبیر اور علوی فوج میں اختلاف:

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ ہم لوگ قرآن مجید کو ثالث بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے قبول و انکار سے حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ حضرت معاویہؓ نے اس تدبیر کو مناسب سمجھا تو یکا یک شامی فوجوں نے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرکے پکارنا شروع کر دیا۔

یہ اللہ کی کتاب ہے اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلے کو منظور کرو۔ اگر اہل شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور اگر اہل عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟

حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ جنگی چال ہے اس لئے انہوں نے اپنی فوج سے کہا:

''خدا کے بندو! جنگ جاری رکھو' دھوکہ میں نہ آؤ' فتح بہت قریب ہے۔ میں معاویہ' عمرو بن

العاص، حبیب بن مسلمہ، ابن ابی سرح اور ابن ابی محیط کو جانتا ہوں۔ انہوں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ چال چلی ہے۔" (طبری، ص 3330)

دوسری طرف امیر معاویہؓ نے اعلان کر دیا کہ جنگ بہت طول کھینچ گئی ہے، ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل تصور کرتا ہے اس جھگڑے کو چکانے کے لئے ہم نے قرآن کو ثالث ماننے کی دعوت دی ہے اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ پھر ہماری حجت قائم ہو چکی۔

اس اعلان کے ساتھ ہی امیر معاویہ نے حضرت علی کو ایک خط لکھا کہ

"اس خونریزی کا مؤاخذہ میرے اور تمہارے سر ہے، اب میں تمہیں اس کو بند کرنے، اُلفت و محبت قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں۔" (تاریخ اسلام، ج 1 ص 336)

واقعہ تحکیم

شامی فوج نے جب اپنے نیزوں پر قرآن بلند کیا تو عراقی فوجوں نے جنگ روک دی۔ حضرت علیؓ نے انہیں کہا بھی کہ یہ ایک جنگی چال ہے مگر ان کی فوج نے کہا کہ ہمیں قرآن کو حکم مان لینا چاہئے۔ تو حضرت علیؓ فوج میں انتشار پھیلنے کے خطرہ کے پیش نظر تحکیم پر رضامند ہو گئے۔

چنانچہ طے یہ ہوا کہ دونوں رہنما حضرت علی و امیر معاویہ اپنی جانب سے ایک ایک شخص کو متعین کر دیں اور یہ دونوں ثالث اس بات کو طے کر دیں جس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا وکیل نامزد کر دیا۔ ادھر حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا وکیل نامزد کرنا چاہا لیکن بعض لوگوں نے مخالفت کی اور کہا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو وکیل بنایا جائے چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وکیل مقرر ہوئے۔

عہد نامہ تحکیم کی تحریر:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ شام کے ایک گاؤں میں عزلت نشین تھے۔ قاصد کے ذریعے انہیں بلایا گیا اور فریقین عہد نامہ تحکیم کی تحریر کے لئے اکٹھے ہوئے۔

مؤرخین کے مطابق ایک طویل عہد نامہ تحکیم لکھا گیا جس میں سے اہم باتیں یہ ہیں:

1- علی بن ابی طالب اور ان کی جماعت نے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) کو اور معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا ہے۔

2- یہ دونوں فریق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

3- حکمین کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہو گا۔

4- جو فریق فیصلے کو تسلیم نہیں کرے گا تو حکم اور مسلمان دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔

5- کتاب و سنت کے ساتھ مطابقت نہ رکھنے کی صورت میں اس کی پابندی ضروری نہیں ہو گی۔

6- فیصلہ کے اعلان تک جنگ ملتوی رہے گی اور کامل امن و اطمینان رکھا جائے گا۔

7- ماہ رمضان تک فیصلہ ہو جانا چاہئے، فریقین کی رضامندی سے کچھ تاخیر ہو سکتی ہے۔

8- اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو ازسرنو جنگ کرنے کا اختیار ہوگا۔
(البدایہ والنہایہ' ج 7 ص 277)

اس معاہدہ پر فریقین کی طرف سے ممتاز لوگوں کے دستخط ہو گئے اور یہ بھی طے ہوا کہ دومتہ الجندل کے مقام پر فیصلہ سنایا جائے گا۔ شامی اور عراقی فوجوں کو تمام شرائط سے آگاہ کر دیا گیا۔

معاہدۂ تحکیم کی شرائط سن کر حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ علیحدہ ہو گیا جس نے بعد میں ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی اور یہ "خارجی فرقہ" کے نام سے موسوم ہوا۔

حکمین کا اجلاس:

معاہدہ تحکیم کے تحت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا اجلاس ہوا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے دانشمند' مدبر' معاملہ فہم اور زیرک انسان تھے انہوں نے پہلے ہی تعظیم و تکریم کے ذریعے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیا اور کہا کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ ﷺ کے مقتدر صحابی ہیں' اس لئے آپ اپنا خیال ظاہر فرمایئے چنانچہ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی جبکہ عمرو بن العاصؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ فرمانے لگے کہ عمرو! آپس میں خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کر دیا ہے' اب ہم ان کو فتنہ وفساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاص نے کہا: "پھر آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابوموسیٰ نے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ ہم علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے۔"

حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ "مجھے اس سے اتفاق ہے۔" (خلفائے راشدین' ص 258)

فیصلہ کا اعلان:

جب فیصلہ کا دن آیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاص دومتہ الجندل میں اکٹھے ہو گئے وہاں دونوں جماعتوں کے اکثر لوگ بھی موجود تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ پہلے آپ فیصلہ سنائیں لیکن انہوں نے کہا کہ آپ فضل و شرف اور سن و سال میں مجھ سے زیادہ افضل ہیں اس لئے آپ ہی فیصلہ سنائیں چنانچہ ابوموسیٰ اشعری' حضرت عمرو بن العاص کی باتوں میں آ گئے حالانکہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ فیصلہ کرنے میں سبقت نہ کرنا بلکہ پہلے عمرو بن العاص سے فیصلہ کا اعلان کروائیں کیونکہ عمرو بن العاص چالاک آدمی ہیں کہیں آپ سے پہلے اعلان کرنے سے تمہیں دھوکہ دے جائیں۔

چنانچہ وہی ہوا جس کا حضرت ابن عباسؓ کو خطرہ تھا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ فیصلہ سنانے کے لئے کھڑے ہوئے اور حمد وثناء کے بعد کہا:

لوگو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا اس اُمت کے اتفاق' اتحاد اور اصلاح کی اس کے سوا اور کوئی

صورت نظر نہیں آتی کہ علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں منتخب کر لیں۔ اس بناء پر میں علی اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں' آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص فیصلہ سنانے کے لئے کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا:

لوگو! ابو موسیٰ کا فیصلہ آپ نے سن لیا' انہوں نے اپنے آدمی (علی بن ابی طالب) کو معزول کر دیا ہے' میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی (معاویہ بن ابی سفیان) کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لئے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ (اخبار الطوال' ص 214- تاریخ اسلام' ج 1 ص 342)

حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے اور کہا کہ ''یہ صریحاً غداری اور دھوکہ ہے۔'' اور حضرت عمرو بن العاصؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''تمہاری مثال اس کتے کی طرح ہے کہ جب اس پر بوجھ لادو تب بھی ہانپتا ہے اور جب چھوڑو تب بھی ہانپتا ہے۔''

اور عمرو بن العاصؓ نے جواب میں کہا کہ ''تمہاری مثال ان گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔''

اس فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی اور امیر معاویہ کے حامیوں نے اسے باضابطہ تسلیم کر لیا۔

جنگ صفین کی اہمیت و اثرات:

جنگ صفین نے تاریخ اسلام کا رُخ بدل دیا اس سے قبل امیر معاویہؓ صرف شام کے گورنر اور قصاص عثمان کے داعی تھے' تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد وہ خلافت کے داعی ہی نہ رہے بلکہ خلیفہ بنا دیئے گئے۔

پہلے تو وہ صرف ایک مخالف تھے جو ایک بہانے کی آڑ میں مرکزی حکومت سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ جنگ کے نتیجے اور عمرو بن العاصؓ کے فیصلے نے انہیں نہ صرف خلافت کا دعویدار بنا دیا تھا شامیوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی عظیم تعداد تقریباً ستر ہزار نفوس میدان جنگ میں کام آئے' جن میں صالح ترین اور سعید ترین افراد بھی شامل تھے۔

جنگ کے خاتمے کے بعد حضرت علیؓ کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی فوج کا ایک حصہ الگ ہو گیا' یہی لوگ آئندہ چل کر خارجی کہلائے۔

حضرت علیؓ کی فوجی قوت کمزور ہو گئی جبکہ امیر معاویہؓ نے اپنی عسکری قوت کو مضبوط اور منظم کر لیا۔

اتحاد اور ملت اسلامیہ کی آخری اُمید بھی دم توڑ گئی۔

اسلامی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور مسلمان کئی فرقوں میں بٹ گئے۔

قبائلی اور جاہلی تعصبات نے دلوں میں پھر جگہ پکڑ لی جس کا افسوس ناک نتیجہ سانحہ کربلا کی شکل میں رونما ہوا۔

جنگ صفین کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مملکت اسلامیہ کا شورائی نظام ختم ہو گیا۔

جنگ کے نتیجے میں امیر معاویہ کہنے کو تو بظاہر خلیفہ وقت اور امیر المومنین تھے مگر ان کا انداز حکومت اور طریق سیاست سراسر شاہانہ تھا۔

انہوں نے اپنی وفات کے بعد اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس کے حق میں بیعت لے لی اور دوسری طرف حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کی بطور خلیفہ نامزدگی سے خلافت موروثیت اور ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور خلافت راشدہ کا زرّیں عہد شہادت علیؓ کے بعد اختتام پذیر ہو گیا۔



1- النجدات:

خارجیوں کا ایک مؤثر گروہ "النجدات" کہلاتا تھا۔ یہ فرقہ اس بات کا قائل تھا کہ خلافت و ریاست کا قیام ہی غیر ضروری ہے۔ مسلمانوں کو خود ہی حق کے مطابق اجتماعی طور پر عمل کرنا چاہئے لیکن اگر وہ کسی مرحلے پر خلیفہ منتخب کرنے کی ضرورت محسوس کریں تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

2- ازارقہ:

یہ خارجیوں کا سب سے بڑا گروہ تھا' یہ اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو مشرک سمجھتا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خوارج پر اپنے سوا کسی اذان پر نماز ادا کرنا جائز نہیں اور خارجی کے علاوہ کسی کا کیا ہوا ذبیحہ حلال نہیں۔ نہ ہی کسی دوسرے سے شادی بیاہ کا تعلق جائز ہو سکتا ہے اور نہ خارجی و غیر خارجی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ وہ دوسرے تمام مسلمانوں کے خلاف جہاد فرض عین قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا اور ان کا مال و متاع لوٹ لینا جائز تھا۔ ازارقہ خود ان خارجیوں کو بھی کافر کہتے تھے جو عام مسلمانوں کے خلاف جہاد کے لئے نہ نکلیں' وہ اپنے مخالفین کے ساتھ خیانت حلال جانتے تھے۔ ان کی تنگ نظری اور تشدد کا یہ حال تھا کہ غیر مسلموں کو ان کے ہاں مسلمانوں کی نسبت زیادہ امان نصیب تھی۔

3- اباضیہ:

خارجیوں کا سب سے زیادہ نرم اور معتدل گروہ اباضیہ تھا جو عام مسلمانوں کو کافر تو قرار دیتا مگر مشرک کہنے سے احتراز کرتا۔ ان کے نزدیک عام مسلمان غیر مومن تھے' وہ ان کی شہادت قبول کرتے۔ شادی بیاہ اور توارث جائز رکھتے اور ان کے علاقے کو دارالکفر یا دارالحرب کے بجائے دارالتوحید سمجھتے تھے۔ ہاں حکومت کے مراکز کو اس سے مستثنیٰ رکھتے تھے۔ مسلمانوں پر چھپ کے حملہ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے البتہ ان سے اعلانیہ جنگ کو وہ صحیح اور جائز مانتے تھے۔

خوارج اس معاملہ میں بڑی شدت کے حامل تھے کہ دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے اور جس شخص کو اس عقیدہ سے اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے۔ اس کے بعد خوارج نے نہروان کو اپنا مرکز بنا لیا۔ (تاریخ اسلام' ج 1 ص 243)

خوارج کے مظالم:

خوارج نے اپنے عقائد کی اشاعت دوسرے شہروں میں کرنی شروع کر دی اور کوفہ' بصرہ' مدائن اور عراق کے شہروں میں ایک کثیر تعداد اپنی ہم خیال بنالی۔ اب خوارج نے ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کی ابتداء ایک بزرگ عبداللہ بن خباب اور ان کی حاملہ بیوی کا قتل ہے۔

حضرت عبداللہ بن خباب اپنی بیوی کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ خوارج نے انہیں پکڑ لیا اور کچھ سوالات کئے جس کے انہوں نے جوابات دیئے تا آنکہ ایک سوال ان سے یہ کیا گیا کہ حضرت علیؓ کے متعلق تحکیم سے قبل اور بعد آپ کی کیا رائے ہے؟

عبداللہ نے کہا:

''علیؓ تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔''

خوارج نے کہا:

''تم راہ ہدایت سے دور اور شخصیت پرستی میں گرفتار ہو۔''

پھر انہوں نے عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے لے جا کر ذبح کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے انہیں شہید کر دیا۔ (تاریخ ملت' ج 1 ص 390)

نہروان کی جنگ اور خارجیوں کی شکست:

حضرت علیؓ نے خارجیوں کو خط لکھا کہ ہم نے حکمین کے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور شام پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اس لئے شامیوں کے خلاف ہماری مدد کرو۔ اس کے جواب میں خارجیوں نے کہا کہ یہ لڑائی آپ اپنی ذات کے لئے لڑنا چاہتے ہیں نہ کہ حق کے لئے لہٰذا ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد خارجیوں نے اپنی سرگرمیاں مزید تیز کر دیں' وہ لوگوں کو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہونے سے روکتے اور اپنے عقائد کی تائید نہ کرنے والے کو بے دریغ قتل کر دیتے چنانچہ بہت سے مسلمان تہ تیغ کر دیئے گئے۔ حضرت علیؓ نے انہیں سمجھانے کے لئے ایک قاصد بھیجا مگر خارجیوں نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ ان حالات میں آپ نے شام جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور خارجیوں کی فتنہ انگیزی کا سدباب کرنے کے لئے اسی ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ نہروان کا رُخ کیا۔

خوارج کے خلاف جنگی کارروائی کرنے سے پہلے آپ نے حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے گفتگو کر کے انہیں ان کی غلطیوں پر متنبہ کریں لیکن یہ دونوں صحابہ کرامؓ ناکام واپس آئے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ

''تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے' ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے شاید خدا تعالیٰ تمہیں راہ راست پر لے آئے۔'' ان لوگوں نے جواب دیا کہ ''ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں۔''

(تاریخ اسلام' ج 1 ص 345)

چنانچہ اس جواب کے بعد حضرت علیؓ ان سے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے اور جب دونوں طرف صفیں آراستہ ہوئیں تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اعلان کیا کہ

''جو شخص ہمارے اس علم کے نیچے آ جائے یا لوٹ جائے یا خوارج کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے۔''

اس اعلان کے سننے کے بعد ایک خارجی سردار فردہ بن نوفل اپنے پانچ سو آدمی لے کر علیحدہ ہو گیا اور ایک اور گروہ نے علیحدگی اختیار کی اور کوفہ کی راہ لی اور ایک ہزار آدمیوں نے ابو ایوبؓ کے علم

کے نیچے پناہ لی اور اب صرف چار ہزار آدمی عبداللہ بن وہب کے ساتھ رہ گئے۔

حضرت علیؓ نے اب بھی ابتداء نہ کی بلکہ خود خارجی لا حکم الا للہ کا نعرہ لگا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ علوی فوج حیران و ششدر رہ گئی۔ ان کے اعضاء کٹ کر الگ ہو جاتے تھے لیکن وہ بدستور لڑتے جاتے۔ خوارج نے بڑا زبردست مقابلہ کیا مگر اسی ہزار کے مقابلے میں چار ہزار کی کیا پیش جاتی بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد شکست کھائی اور وہ سارے کے سارے مارے گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

(تاریخ اسلام ج 1 ص 347)

خوارج کی قلیل تعداد جنگ کے بعد مختلف اطراف میں پھیل گئی اور زیرزمین سرگرمیاں شروع کر دیں اور ایک مدت تک ان کا استیصال نہ ہو سکا۔

جنگ نہروان کے اثرات:

بلاشبہ اس فیصلہ کن جنگ نے خارجیوں کی قوت کو کچل کر رکھ دیا مگر اس کے نتائج اور اثرات حضرت علیؓ کے حق میں اچھے ثابت نہ ہوئے کیونکہ اس جنگ میں علوی فوج کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور اب جو انہوں نے شام کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو لشکریوں نے کہا کہ خارجیوں کی جنگ میں ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور نیزے ٹوٹ چکے ہیں' بہتر یہی ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے شام پر فوج کشی کا خیال ملتوی کر دیا جائے تاکہ ہم اپنا اسلحہ وغیرہ درست کر لیں اور تازہ دم ہو کر شامیوں کا مقابلہ کریں چنانچہ اس عذر پر ایک ایک کر کے سب اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے اور حضرت علیؓ کے ساتھ صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر آپؓ بھی کوفہ لوٹ آئے۔

(تاریخ ابن اثیر' ج 3 ص 139 - تاریخ اسلام' ڈاکٹر حمید الدین' ص 182)

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ:

حضرت علیؓ نے مصر میں عثمانی گورنر کو معزول کر کے قیس بن سعد انصاری کو مصر کا نیا گورنر مقرر کیا تھا۔ قیس بن سعد نے حکمت عملی سے کام لے کر اہل مصر سے حضرت علیؓ کے لئے خلافت کی بیعت لے لی اور امن و امان بحال کر دیا۔

جنگ صفین کے موقع پر امیر معاویہ نے سعد کو اپنا حلیف بنانا چاہا مگر وہ گول مول جواب دے کر ٹال گئے۔ امیر معاویہ نے فوج کشی کی دھمکی دی تو ابن سعد نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر امیر معاویہؓ نے افواہ پھیلا دی کہ سعد میرے طرفدار ہیں' اس افواہ نے حضرت علیؓ کو بھی متاثر کیا اور باہمی غلط فہمیاں اس قدر بڑھیں کہ قیس بن سعد مصر کی حکومت سے مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر نامزد کر دیا گیا۔ وہ کم سن اور ناتجربہ کار تھے' حالات پر قابو نہ پا سکے۔

وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر معاویہؓ نے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر معاویہ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر بھیجا۔ محمد بن ابوبکر نے مردانہ وار مقابلہ کیا مگر

شکست کھائی اور مصر پر شامیوں کا قبضہ ہو گیا۔

(ابن اثیر' ج 3' ص 107-108' 143- طبری' ص 92-3391)

حضرت امیر معاویہؓ کے جارحانہ اقدامات اور اس کے نتائج:

38ھ میں مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ ہو گیا تو اب امیر معاویہ کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا چنانچہ انہوں نے 39ھ میں حجاز' عراق اور جزیرہ وغیرہ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بھیج دیئے جنہوں نے لوٹ مار کر کے ہر طرف بدامنی پھیلا دی۔ خود امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا لہٰذا حضرت علیؓ نے دستوں کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مقبوضہ علاقوں سے انہیں نکال دیا۔

امیر معاویہ نے 40ھ میں مشہور جفاکش سردار بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور اس نے کسی مزاحمت کے بغیر مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے امیر معاویہؓ کی بیعت لے لی۔ حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابن مسعودؓ کو چار ہزار فوج کے ساتھ حجاز بھیجا اس لشکر کا حال سن کر شامی حجاز چھوڑ کر بھاگ گئے اور مکہ و مدینہ پر حضرت علیؓ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

(طبری اور ابن اثیر مختلف سنین)

حجاز کے علاوہ باقی صوبوں میں بھی اس قسم کی افراتفری بپا تھی اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے مگر جلد ہی اس شورش پر قابو پا لیا گیا۔

اس مسلسل خانہ جنگی' خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے 40ھ میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے حجاز و عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علیؓ کے پاس رہا اور شام و مصر اور مغرب کا علاقہ امیر معاویہؓ کے حق میں آیا۔ اس طرح خلافت دو حصوں میں بٹ گئی اور اسلامی یکجہتی کا محض سیاسی طور پر ہی خاتمہ نہ ہوا بلکہ اسلامی اخوت و مساوات کا جس کا مقصد وحید نسلی اور معاشرتی تعصبات کو مٹانا تھا' ضرب کاری لگی اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے جمہوری نظام کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ (تاریخ اسلام' شاہ معین الدین' حصہ اول' ص 225)

عہد علویؓ کی فتوحات:

حضرت علیؓ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں میں گزرا' تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لئے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی اس لئے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات ہوئیں۔ 38ھ میں بحری راستہ سے کوہ کن پر حملہ ہوا۔ (فتوح البلدان' بلاذری)

بغاوتوں کا استیصال:

مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جگہ جگہ بغاوتیں بپا ہو گئیں۔ کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے۔ بعض اور علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار نظر آتے تھے۔ حضرت علیؓ

نے اندرونی شورشوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا۔ اس نے بغاوت فرو کر کے باغی علاقوں کو قابو میں کیا۔ (تاریخ اسلام ندوی' حصہ اول' ص 225)

حضرت علی پر قاتلانہ حملہ اور شہادت:

40ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا اس لئے اس جماعت کے تین افراد عبدالرحمٰن بن ملجم' برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بے کار ہے۔ معاویہؓ اور علیؓ میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں' ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے مخلوق خدا مصیبت میں مبتلا ہے' ان کو ختم کیے بغیر امن وسکون قائم نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو' برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا اور تینوں نے ایک ہی دن 16 رمضان 40ھ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔

اتفاق سے عمرو بن العاصؓ کے بجائے اس دن ایک اور شخص خارجہ بن حبیب نماز پڑھانے کے لئے آئے تھے' ان کے دھوکے میں وہ مارے گئے۔ برک بن عبداللہ تمیمی نے دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہو کر جس وقت امیر معاویہؓ نماز فجر کی امامت کر رہے تھے' تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور سمجھا کہ تلوار کا ہاتھ کاری لگا ہے' بھاگا لیکن گرفتار کر لیا گیا۔ امیر معاویہؓ زخمی تو ہوئے لیکن زخم مہلک نہ تھا چند روز کے علاج معالجہ کے بعد تندرست ہو گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کی تفصیل:

عبدالرحمٰن بن ملجم اسی نیت سے کوفہ پہنچا' وہاں خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ عبدالرحمٰن بن ملجم ان سے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن بعض خارجیوں نے ابن ملجم کی ملاقات ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ سے کرائی۔ عبدالرحمٰن بن ملجم اس پر عاشق ہو گیا۔ سنگدل نازنین نے کہا کہ میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں وہ مجھے ادا کرو۔

ابن ملجم راضی ہو گیا۔

قطام نے اپنا مہر بتلایا: تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک کنیز اور حضرت علیؓ کا کٹا ہوا سر!

ابن ملجم نے کہا: منظور ہے۔

مگر میں علی کو کس طرح قتل کروں؟

اس خونخوار نازنین نے کہا: چھپ کر۔

اگر تم کامیاب واپس آئے تو مخلوق کو شر سے نجات دو گے اور اہل وعیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرو گے اور اگر مارے گئے تو جنت اور لازوال نعمتیں حاصل کرو گے۔

روایات سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کو احساس ہو گیا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے' ابن ملجم کو دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔

طبقات ابن سعد کی روایت ہے' حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ

"خدا کی قسم! مجھے آنحضرت ﷺ نے بتلایا تھا کہ میری موت قتل سے ہوگی۔"

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 33)

ایک دن دوران خطبہ آپؓ نے فرمایا:

"قسم ہے اس پروردگار کی جس نے بیج اگایا اور جان پیدا کی (اور اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے۔ بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین! ہمیں اس کا نام بتائیں' ہم ابھی اس کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔"

تو فرمایا:

"تم ایسے آدمی کو کیوں قتل کرو گے جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا۔"

قتل کی سازش:

ایک دن ایک شخص نے حضرت علیؓ سے کہا کہ امیر المومنین ہوشیار رہیے۔ قبیلہ مراد کے لوگ آپ کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور آپ کے قتل کی فکر میں ہیں۔

ایک دن ابن اشعث نے ابن ملجم کو تلوار لگاتے دیکھا تو کہا کہ مجھے اپنی تلوار دکھاؤ' تلوار بالکل نئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے تم کیوں تلوار لگا رہے ہو۔ اس نے جواب دیا: میں گاؤں کے اونٹ کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علیؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا:

"آپ عبدالرحمن بن ملجم کی شجاعت اور جرأت سے واقف ہیں۔"

آپؓ نے جواب دیا:

"لیکن مجھے اس نے ابھی تک قتل نہیں کیا۔" (طبقات ابن سعد' ج 3 ص 34)

حضرت علیؓ کی پشیمانی:

اس وقت پورے ملک میں جو حالات تھے' حضرت علیؓ اس سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

امیر المومنین علیؓ کو حالات نے بہت افسردہ کر دیا تھا۔ ان کی فوج میں بے راہ روی تھی' اہل عراق نے ان کی مخالفت شروع کر دی تھی' ان کے ساتھ تعاون سے کترا رہے تھے۔ ادھر شامیوں کی قوت زور پکڑ چکی تھی۔ اب وہ دائیں بائیں حملے کرتے اور لوٹ مچا رہے تھے جبکہ لوگوں نے ان کو بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا' ان سے کنارہ کش ہو گئے یہاں تک کہ خود امیر المومنین اپنی زندگی سے اکتا گئے

اور موت کی تمنا کرنے لگے اور کہتے تھے یہ (اپنی ریش مبارک کی طرف اشارہ کر کے) اس کے (اپنے سر کی طرف اشارہ کر کے) خون سے رنگ دی جائے گی بالآخر یہی ہو کر رہا۔

(البدایہ والنہایہ ج 7 ص 334)

صبح شہادت:

اقدام قتل جمعہ 17 رمضان 40ھ صبح کی نماز کے وقت ہوا۔ ابن ملجم رات اشعث بن قیس کی مسجد میں اس سے باتیں کرتا رہا اور نماز فجر سے پہلے اپنے ایک خارجی ساتھی شبیب بن بجرہ کے ساتھ کوفہ کی جامع مسجد میں جہاں حضرت علیؓ نماز ادا کرتے تھے آ گیا۔

حضرت حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ

"جس دن یہ حادثہ ہونا تھا' حضرت علیؓ کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی نیند آ گئی تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آپ کی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف اُٹھائی ہے

آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ سے دعا کرو کہ وہ تجھے ان سے چھٹکارہ دے دے۔

اس پر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے:

اے اللہ! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انہیں مجھ سے بہتر ساتھی دے۔"

(ابن سعد' ج 3 ص 36)

اس کے بعد امیر المومنین اُٹھے اور مسجد تشریف لے گئے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب مسجد تشریف لے جاتے تو لوگوں کو نماز کے لئے جگاتے جاتے۔

اس کے بعد آپ مسجد کے دروازے پر پہنچے اور اندر داخل ہونے لگے تو دو تلواریں چمکیں اور ایک آواز بلند ہوئی۔

حکومت خدا کی ہے نہ کہ علیؓ تیری۔

ابن شبیب کی تلوار تو دروازے کے طاق پر پڑی لیکن ابن ملجم کی تلوار پیشانی پر لگی اور دماغ میں اُتر گئی۔ زخم کھاتے ہی حضرت علیؓ نے کہا:

فزت و ربّ الکعبہ "کعبہ کے ربّ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

اور اس کے ساتھ ہی آپؓ نے آواز لگا دی کہ "قاتل جانے نہ پائے" لوگ ہر طرف سے دوڑے ابن شبیب تو بھاگ گیا لیکن ابن ملجم پکڑا گیا۔ (ابن سعد' ج 3 ص 37)

قاتل کے بارے میں وصیت:

حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو بلایا اور فرمایا:

"یہ قیدی ہے اس کی خاطر تواضع کرو' اچھا کھانا دو اور نرم بستر دو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے

خون کا خود دعوے دار ہوں گا' قصاص لوں گا یا معاف کر دوں گا۔ اگر انتقال کر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔

اے بنی عبدالمطلب! ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خون ریزی شروع کر دو۔ تم کہو گے امیر المومنین قتل کر دیئے گئے ہیں مگر خبردار میرے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل نہ کرنا۔ دیکھو اگر میں اس کے وار سے مر جاؤں تو اس پر بھی ایک ہی وار کرنا اس کا مثلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ خبردار! کسی ذی روح کو مار کر اس کا مثلہ نہ کیا جائے خواہ وہ بھونکنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

(طبقات ابن سعد' ج 3 ص 86)

لوگوں کے استفسار پر حضرت علیؓ کا جواب:

اس کے بعد حضرت علیؓ بے ہوش گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے عرض کیا:

"امیر المومنین! اگر آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کی جگہ ہم لوگ حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔" تو آپ نے فرمایا:

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ میں منع کرتا ہوں۔"

پھر آپؓ نے اپنی اولاد کو ایک دوسرے کے متعلق خیر خواہی کی وصیتیں کیں' پھر حضرت حسنؓ کو خصوصی طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور حسن اخلاق کی وصیتیں کیں۔

(تاریخ طبری' ج 6 ص 85)

حضرت علیؓ دنیا سے رخصت ہو گئے:

اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ آیات پڑھیں:

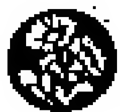
ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (الزلزال)

اور بعد میں:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

(تاریخ طبری' ج 6 ص 86)

حضرت علیؓ کا انتقال 20 رمضان 40ھ جمعہ کی رات کو ہوا' آپ کی عمر 63 سال تھی اور مدت خلافت چار سال اور نو ماہ تھی۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے حضرت حسن بن علیؓ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں چار کی بجائے پانچ تکبیریں کہیں اور کوفہ کے دارالامارت کے اندرونی حصہ میں دفن کئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ' ج 7 ص 330)



حضرت علیؓ کے اخلاقی اوصاف و کمالات

حضرت علی بن ابی طالب فطرتاً سلیم تھے۔ ایام طفولیت ہی سے آنحضرتؐ کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لئے قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کا نمونہ تھے۔ آپ کی زبان نہ کبھی کلمہ شرک و کفر سے آلودہ ہوئی اور نہ ہی آپ کی پیشانی کبھی غیر خدا کے سامنے جھکی۔ شراب جو عربوں کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی اس سے متنفر تھے۔

حضرت علیؓ خلق نبوی کا پیکر اور اسلامی تعلیمات کی تصویر تھے۔ اب ہم ذیل میں ان کے چند اخلاق و عادات کا تذکرہ کرتے ہیں:

1- عبادت و ریاضت:

حضرت علیؓ بہت زیادہ عبادت گزار تھے اور عبادت ہی آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

"علی بن ابی طالب قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔" (جامع الترمذی، مناقب علی)

اور زبیر بن سعید قریشی کا قول ہے کہ

"ہاشمی خاندان میں حضرت علیؓ سے زیادہ عبادت گزار میں نے نہیں دیکھا۔"

(مستدرک حاکم، ج 3 ص 108)

2- امانت و دیانت:

امانت و دیانت آپ کا بہترین وصف تھا۔ آپ کو ہی رسول اکرمؐ نے ہجرت کے موقع پر لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کی ذمہ داری سپرد کی تھی۔

مال غنیمت بڑی احتیاط سے تقسیم کرتے تھے اور تقسیم میں کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہونے سے بہت محتاط رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مال غنیمت میں سے ایک نارنگی حضرت حسنؓ نے اٹھالی تو فوراً ان سے چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔ (خلفائے راشدین، ص 355)

3- زہد و ورع:

آپ کے فضائل میں سب سے اعلیٰ وصف آپؓ کا زہد و ورع ہے۔ زہد کے بارہ میں آپ کا مشہور مقولہ ہے:

"دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہیے۔"

(شرح نووی، ج 1 ص 346)

آپ کی ساری عمر عسرت و تنگی میں گزری۔ کئی بار ایسا ہوا کہ فاقوں کی نوبت تک آ جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں اور ایک دفعہ اپنی تلوار فروخت کرنا پڑی۔ (مسند احمد بن حنبل، ج 1 ص 135)

4-انفاق فی سبیل اللہ:

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے ناکام واپس نہیں گیا۔ قوت لا یموت تک سائلوں کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ کرتے تھے۔

قرآن مجید کی یہ آیت

ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا (الدھر: 8)

"اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین' یتیم اور قیدیوں کو۔"

اس قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری' باب مناقب علیؓ)

5-شجاعت و بسالت:

اس وصف میں آپ کا کوئی معاصر اور حریف نہیں تھا۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور اپنی شجاعت اور بہادری کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

غزوہ بدر میں آغاز جنگ سے پہلے ولید کو جہنم واصل کیا' پھر شیبہ کو ختم کیا۔

جنگ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا' یہ بھی حضرت علیؓ کی تلوار سے جہنم رسید ہوا۔

غزوہ خندق میں عرب کے مشہور پہلوان عبدود کو آپ نے ہی قتل کیا۔

جنگ خیبر میں ایک ہزار آدمیوں کے برابر طاقتور مرحب کو مقابلے میں ایسی ضرب لگائی کہ آپ کی تلوار اس کے دماغ کو چیرتی ہوئی اس کے جبڑوں تک پہنچ گئی۔

جنگ حنین میں جب مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑ میں پاؤں اکھڑ گئے تو چند صحابی ثابت قدم رہے' حضرت علیؓ بھی ان میں شامل تھے۔ (سیرت کی تمام کتابوں میں یہ واقعات مذکور ہیں۔)

6- تواضع اور سادگی:

حضرت علیؓ کے مزاج میں اتنی بے تکلفی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے تھے۔ ایک دفعہ زمین پر چادر اوڑھے سوئے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آپ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ محبت آمیز لہجے میں کہا: "قم یا ابا تراب" "اے ابوتراب (مٹی والے) اب اُٹھو"

حضرت علیؓ کو یہ کنیت بہت محبوب تھی۔ اس کنیت کو سن کر آپ کے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔ (خلفائے راشدینؓ ص 359)

7- دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک:

حضرت علیؓ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کہ

"بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے" کے صحیح مصداق تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔

جنگ جمل کے اختتام پر آپ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور خیریت دریافت

5- فوجی انتظامات:

حضرت علیؓ ایک بڑے تجربہ کار سپاہی اور میدان جنگ کے آدمی تھے۔ اس لئے آپ نے فوج کی جانب پوری توجہ کی چنانچہ شام کی سرحد پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ 40ھ میں جب حضرت امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے ان چھاؤنیوں کے سپاہیوں نے انہیں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث وہاں بے شمار قلعے تعمیر کرائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔

اس کے علاوہ جنگی ضروریات کے پیش نظر دریائے فرات پر پل تعمیر کرایا اور یہ پل جنگ صفین میں بڑا مفید ثابت ہوا۔ (تاریخ طبری' ج 6 ص 331)

6- خراج کی آمدنی کا احتساب:

حضرت علیؓ خراج کے ذمہ داران کا سخت احتساب کرتے اور ان پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ خراج کی رقم تاخیر سے پہنچنے کا سخت نوٹس لیتے۔

ایک مرتبہ یزید بن قیس نے جو کہ ایک علاقہ پر خراج کے عامل تھے' خراج بھیجنے میں تاخیر سے کام لیا تو حضرت علیؓ نے اس پر سخت ایکشن لیا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 237)

7- بیت المال کی حفاظت:

حضرت علی بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور بیت المال سے معمولی خیانت کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے جو حضرات بیت المال سے قرض لیتے تھے' ان کی وقت مقررہ پر واپسی نہ ہونے پر سخت سرزنش کرتے تھے اور قرض واپس کرنے کی ہدایت کرتے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار درہم قرض لئے تھے لیکن وہ وقت مقررہ پر رقم جمع نہ کرا سکے تو انہیں واپسی کے لئے لکھا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ تو انہیں سمجھایا جس پر انہوں نے رقم جمع کروا دی۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2 ص 237)

8- رعایا کے ساتھ برتاؤ:

حضرت علیؓ کا رعایا کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ تھا۔ بیت المال میں جو کچھ آتا اسی وقت غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ ایران میں بے شمار بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علیؓ نے ایرانیوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کیا حتیٰ کہ ایرانی آپ کی شفقت اور نرمی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کہتے تھے:

"خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کر دی۔" (خلفائے راشدینؓ ص 330)

9- بازار کی نگرانی:

حضرت علیؓ بعض اوقات بازار کی خود نگرانی کرتے تھے۔ نرخ اور ناپ تول کا خود مشاہدہ کرتے تھے۔ درہ لے کر بازار نکل جاتے اور تاجروں کو حسن معاملہ اور صحیح ناپ تول اور گاہکوں سے اچھے انداز

میں گفتگو کرنے کی ہدایت فرماتے۔ (ابن سعد' ج 3 ص 10)

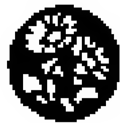
10- عدل و مساوات:

حضرت علیؓ عدل و انصاف کے معاملے میں کسی امیر' غریب اور مسلم و غیر مسلم میں فرق نہیں کرتے تھے فریق مقدمہ ہونے کی صورت میں خود عدالت میں حاضر ہوتے۔

ایک مرتبہ آپ کی زرّہ گر گئی اور نصرانی کے ہاتھ آ گئی' وہ بازار بیچنے آیا۔ حضرت علیؓ نے وہ دیکھ لی اور کہا یہ زرّہ میری ہے اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے گواہ طلب کیا تو اپنے بیٹے حسنؓ اور غلام قنبر کو پیش کیا۔ قاضی نے کہا کہ باپ کے حق میں بیٹے اور مالک کے حق میں غلام کی گواہی قابل قبول نہیں لہذا نصرانی کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔

اس فیصلہ سے نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور زرّہ حضرت علیؓ کو واپس کرتے ہوئے کہا:

"یہ تو انبیاء جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔" (تاریخ ابن اثیر' ج 3 ص 160)



شیعان علی

خوارج کے بالکل برعکس دوسرا گروہ شیعان علی کا تھا۔ شیعہ کے لفظی معنی مطیع، فرمانبردار اور مددگار کے ہیں۔ حامیان علی کا گروہ ابتداء میں شیعان علی کہلاتا تھا جس طرح قصاص عثمان کی دعوت بلند کرنے والے عثمانی کہلاتے تھے لیکن عملاً کشمکش بنوامیہ اور حامیان علی کے درمیان شروع ہوئی' بعد میں اصطلاحاً انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔

رسول اکرم ﷺ کے بعد بنو ہاشم کے کچھ لوگ اور دوسرے لوگوں میں سے بھی چند افراد ایسے تھے جو حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے زیادہ اہل سمجھتے تھے اور بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ دوسرے صحابہ خصوصاً حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں اور بعض ایسے بھی تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاندانی انتساب کی وجہ سے انہیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے تک اس طرز عمل کے لوگوں نے خلفاء وقت کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ پہلے تینوں خلفاء کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے باقاعدہ مخصوص نظریات کے ساتھ ایک فرقے یا گروہ کے وجود کے آثار اس وقت نمایاں ہوئے جب مسلمان طلحہؓ و زبیرؓ اور عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ معرکہ جمل اور حضرت معاویہؓ و علیؓ کے ساتھ معرکہ صفین میں ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے اور جب حضرت علیؓ نہروان کے علاقے میں خارجیوں کے استیصال میں مصروف تھے۔

حضرت حسینؓ کی شہادت نے ان کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ ان کے جذبات میں تندی اور خیالات میں شدت پیدا ہوئی اس طرح ان کے عقائد کو ایک واضح شکل ملی۔ اس کے علاوہ بنوامیہ کے خلاف ان کے طرز حکومت اور عامۃ المسلمین میں جو نفرت پھیلی اور اموی و عباسی عہد میں اولاد علی اور ان کے حامیوں پر جبر و تشدد کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے۔

شیعان علی کے مخصوص نظریات کا خلاصہ

شیعان علی کے اپنے مخصوص نظریات تھے جن کی تفصیل تاریخ اور سوانح کتب میں پائی جاتی ہے۔ ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

1۔ خلافت کی بجائے امامت کی اصطلاح:

امامت (خلافت کی جگہ ان کی مخصوص اصطلاح ہے) مصالح عامہ سے نہیں ہے لہٰذا اس کا انتخاب عام لوگوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا' اُمت کے بنانے سے کوئی شخص امام نہیں بن سکتا' امامت دین کا ایک اہم رکن اور اسلام کا بنیادی پتھر ہے اور نبی اکرم ﷺ کے فرائض میں سے ہے کہ امام کا انتخاب امت پر چھوڑنے کے بجائے خود واضح حکم سے اسے مقرر کیا جائے۔

2- امام معصوم عن الخطاء ہے:

امام کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہوتا ہے یعنی وہ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس سے غلطی کا صدور جائز نہیں ہے اور ہر قول و فعل جو اس سے صادر ہو برحق ہے گویا امام ہر قسم کی غلطی' کوتاہی اور خامی سے مبرا ہوتا ہے۔

3- حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامزد کردہ امام تھے:

حضرت علیؓ وہ شخص ہیں جن کو حضرت محمد ﷺ نے اپنے بعد امام نامزد کیا تھا لہٰذا وہ واضح نص کی بناء پر امام تھے۔

4- ہر امام اپنے بعد امام کا تقرر کرے گا:

ہر امام کے بعد نیا امام لازماً اپنے سے پہلے امام کی نص صریح پر مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس منصب کا تقرر امت کے سپرد ہی نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کے منتخب کرنے سے کوئی شخص امام نہیں ہو سکتا۔

5- امامت کا استحقاق:

شیعان علی کے مخصوص نظریے کی بناء پر خلافت کا حق صرف حضرت علیؓ کی اولاد کو حاصل ہے۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا امام نہیں ہو سکتا۔

شیعہ کے مختلف گروہ اور ان کی آراء

اس متفق علیہ نظریے کے بعد شیعوں کے مختلف گروہوں کی آراء مختلف ہو گئیں۔

معتدل شیعہ کا نقطۂ نظر:

معتدل شیعہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ کے بعد افضل ترین مخلوق ہیں۔ ان سے لڑنے والا یا ان سے بغض رکھنے والا خدا کا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کا حشر کفار و منافقین کے ساتھ ہوگا۔ ابوبکرؓ عمر و عثمان جو ان سے پہلے خلیفہ بنا دیئے گئے تھے' اگر ان کی خلافت ماننے سے حضرت علیؓ نے انکار کیا ہوتا یا ان سے ناراضگی کی ہوتی تو ہم بھی کہتے کہ وہ دوزخی ہیں مگر چونکہ حضرت علیؓ نے انہیں خلیفہ تسلیم کیا' ان سے بیعت کی اور ان کی اقتداء میں نماز ادا کی لہٰذا ہم حضرت علیؓ کے فعل سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ ہم علیؓ اور نبی کے درمیان مرتبہ نبوت کے سوا کوئی فرق نہیں کرتے اور باقی تمام حیثیتوں میں ان کو نبی کے ساتھ مشترک فضیلت دیتے ہیں۔

متشدد شیعہ کا نظریہ:

حضرت علیؓ سے پہلے جن خلفاء نے خلافت کی بیعت لی وہ غاصب تھے اور جن لوگوں نے انہیں خلیفہ بنایا وہ گمراہ اور ظالم تھے کیونکہ انہوں نے نبی اکرمؐ کی وصیت کا انکار کیا اور امام برحق کو امامت سے محروم کیا اور بعض لوگ مزید تجاوز کرتے اور کہتے کہ پہلے تین خلفاء (رضی اللہ عنہم) اور ان

کے منتخب کرنے والے کافر تھے۔ (نعوذ باللہ) یہ لوگ عبداللہ بن سباء سے زیادہ متاثر تھے۔

نرم مزاج شیعہ کا موقف:

ان میں سے سب سے زیادہ نرم اور معتدل مسلک زیدیہ کا تھا جو زید بن علی بن حسینؓ (متوفی 122ھ) کے پیرو تھے۔ وہ حضرت علیؓ کو افضل تسلیم کرتے تھے مگر ان کے ہاں افضل کی موجودگی میں غیر افضل کا امام ہونا جائز تھا۔ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کے حق میں شخصی یا صریحی طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی نص موجود نہیں ہے اس بناء پر وہ حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے تاہم ان کی رائے یہ تھی کہ امام اولاد فاطمہ میں سے کوئی شخص ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ سلاطین کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور اس کا مطالبہ کرے۔

اہل تشیع آج بھی دنیا کے ہر مسلمان ملک میں کہیں اکثریت میں اور کہیں اقلیت کی شکل میں موجود ہیں خصوصاً ایران، عراق اور شام میں شیعہ کی اکثریت ہے۔



خلفائے راشدین کا طریق انتخاب اور مشترکہ انتخابی اصول کا جائزہ

یہاں دو امور سمجھنے کے لائق ہیں:

1- خلفاء راشدین میں سے ہر ایک کا انتخاب کس طرح عمل میں آیا؟

2- خلفاء راشدین کے انتخاب میں مشترکہ اصول کا جائزہ۔

خلفاء اربعہ کا انتخابی طریقہ کار:

پہلے جزو کا مختصر جواب یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں خلیفہ کے منتخب کرنے میں کسی قسم کے سرکاری دباؤ یا اثر ورسوخ کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا اسی طرح کسی قسم کی طاقت کا استعمال کرنے کا بھی سوچنا عبث ہے۔ عوام نے اپنی آزاد رائے سے ہمیشہ خلیفہ یعنی سربراہ مملکت اسلام کا انتخاب کیا۔

1- خلیفہ اوّل کا انتخاب:

خلیفہ اوّل کے انتخاب کے وقت انصار کی جماعت نے اکٹھے ہو کر اور ہم مشورہ ہو کر آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صرف حضرت علیؓ نے کچھ ماہ بعد یہ فرض ادا کیا اور یہ دیر کرنے کی وجہ بھی انہوں نے خود بیان کر دی تھی جس کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔

2- خلیفہ ثانی کا انتخاب:

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا نام حضرت ابوبکرؓ نے صائب الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد پیش کیا تھا اور عام مسلمانوں نے اس کی بھی تائید کر دی تھی۔

3- خلیفہ ثالث کا انتخاب:

خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے وقت حضرت عمرؓ کی وصیت کردہ چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کا فیصلہ بھی عوام نے صادر کیا تھا۔

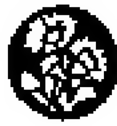
4- خلیفہ چہارم کا انتخاب:

چوتھے خلیفہ کے انتخاب میں انصار و مہاجرین کی ایک جماعت نے آغوش نبوت میں پرورش پانے والے داماد رسول حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کیا مگر انہوں نے جواب دیا کہ "انہیں امیر بننے کے بجائے وزیر بننا زیادہ پسند ہے تم جس کو چاہو منتخب کر لو میں راضی ہوں۔" لیکن لوگوں نے بہت زیادہ زور دیا تو حضرت علیؓ مسجد نبوی میں عوام کی رائے سے مسند خلافت پر قدم رنجہ ہوئے اور مجمع عام میں آپؓ کی بیعت ہوئی۔

ان تمام انتخابات کی تفصیل ہم ان کے مقامات پر کر چکے ہیں' تفصیل جاننے کے لئے ہر خلیفہ کا طریق انتخاب خلافت اس خلیفہ کے حالات سے معلوم کیا جا سکتا ہے جو کہ پچھلے اوراق میں ہم درج کر چکے ہیں۔

جہاں تک مشترکہ انتخابی اصول کا تعلق ہے جو کہ دوسرے جزو سے متعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم یوں کہیں گے کہ خلفائے راشدین کے انتخاب میں جمہوری طریقہ (شوریٰ کا مشورہ) ایسا اصول نظر آتا ہے جو کہ سب کے انتخاب میں مشترک ہے لیکن حضرت علیؓ کے انتخاب میں اس پر کماحقہ پورا پورا عمل نہیں کیا گیا کیونکہ اسلامی مملکت کا بڑا حصہ شام اس انتخاب میں شامل نہیں تھا اور نہ ہی یہ انتخاب مکمل ہوا مگر چونکہ انصار و مہاجرین سے تعلق رکھنے والے مقتدر حلقوں نے ان کی بیعت کر لی تھی اس بناء پر انہیں بھی خلفاء راشدین میں شمار کیا جاتا ہے۔

چونکہ اس کی مفصل بحث حوالہ جات کے ساتھ ہم پیچھے کر چکے ہیں اور تمام حوالے گزشتہ اوراق میں دیئے جا چکے ہیں اس لئے نئے سرے سے حوالہ جات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔



خلافت راشدہ تاریخ اسلام کا
ایک مثالی اور سنہری دور

خلافت راشدہ کی وجہ تسمیہ:

خلافت راشدہ کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جن لوگوں نے اسلامی مملکت کا نظام قرآن و سنت کے مطابق چلانے کا فریضہ سرانجام دیا' وہ خلیفہ کہلاتے تھے۔ ان کی تعداد چار ہے جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ اس کے بعد نظام خلافت برقرار نہ رہ سکا بلکہ بادشاہت غالب آ گئی جس کا آغاز امیر معاویہؓ کے دور حکومت سے ہوتا ہے اس لئے انہیں خلیفہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان کا شمار اسلام کے پہلے بادشاہ کے طور پر کیا جا سکتا ہے چونکہ خلفاء کی تعداد اربعہ یعنی چار تھی اس لئے اسے خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

خلافت راشدہ بطور مثالی دور ایک اجمالی تجزیہ:

جب ہم خلفائے راشدین کے دور پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں خلافت راشدہ کے دور کو تاریخ عالم کا سنہری دور ماننا پڑتا ہے کیوں ان سب کے دور میں عدل و انصاف' مساوات' مواخات' انسانی آزادی' اسلام کی معاشرتی اور تہذیبی ترقی اور فلاح انسانیت اپنے عروج پر تھی۔ یہ وہ دور تھا کہ جب سیاست' ریاست' قانون' انصاف اور عدل اجتماعی کے علاوہ انسانی مصالح کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جاتا تھا جس سے بنی نوع انسان کی آنے والی نسلوں کے لئے ایک قابل عمل نمونہ قائم ہو گیا تھا۔ اب ہم اس دور کی چند چیدہ چیدہ خصوصیات ذکر کرتے ہیں:

1- خلیفہ کا انتخاب:

خلافت راشدہ کے پورے دور میں یہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا کہ کسی خلیفہ کے چناؤ میں کسی قسم کا دباؤ ڈالا گیا ہو یا اثر و رسوخ استعمال کیا گیا ہو یا کہیں طاقت کے استعمال کا شائبہ ہو بلکہ عوام اپنی رائے اور مرضی سے خلیفہ کا چناؤ عمل میں لاتے تھے جیسا کہ اس سے قبل اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

2- شورائی حکومت:

اسلامی جمہوریت کی بنیاد شوریٰ پر رکھی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ خلافت راشدہ میں شوریٰ کی روح

کارفرما تھی اور سب اہم امور شوریٰ کی روشنی میں طے کیے جاتے تھے البتہ اس وقت وہ رسمی ادارے اور تکلفات موجود نہ تھے جو آج کل کی جمہوریت کے لوازم میں سے ہیں۔

عہد صدیقی میں شوریٰ کو بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ سب امور خلافت کبار صحابہؓ کے مشورہ سے طے پاتے تھے۔ رعایا کے تمام افراد خلیفہ پر تنقید کر سکتے تھے۔ عوام کو عام اجازت تھی کہ جب بھی خلیفہ کو غلطی پر دیکھیں تو برملا اپنی رائے کا اظہار کریں۔

اس کی مثال ہمیں عہد فاروقی میں بڑی واضح دکھائی دیتی ہیں۔ جب مجمع عام میں ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مال غنیمت میں سے سب کو ایک ایک چادر ملی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے دو چادروں سے اپنا لباس تیار کروایا تھا جس کا جواب بھی مجمع میں ہی دیا گیا کہ میرے بیٹے نے اپنے حصے کی چادر بھی مجھے دے دی تھی تاکہ میں اپنا لباس بنوا سکوں۔

اگر خلیفہ کے پاس اپنے موقف میں واضح دلیل نہ ہوتی تو اسے شوریٰ کا فیصلہ ماننا ضروری ہو جاتا تھا۔ کوئی شخص بھی شوریٰ کی تنقید سے بالاتر نہیں ہوتا تھا۔

3- خلیفہ کا مقام اور حیثیت:

خلفائے راشدین رسول اکرم ﷺ کے سچے اور صحیح پیروکار تھے' ان میں سے ہر ایک خلق محمدی کا پیکر اسلامی تعلیمات کی مکمل تصویر تھا۔ سادگی و واضع' امانت و دیانت' عبادت و ریاضت اور شجاعت و خدمت ان سب کا شعار تھا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے مطابق حکومت کی اور اپنے عمل سے حضور ﷺ کی زندگی کا مکمل خاکہ پیش کر کے رسول خدا ﷺ کے صحیح جانشین ہونے کا حق ادا کر دیا۔

4- بیت المال کا صحیح استعمال:

خلافت راشدہ کے سنہری دور میں بیت المال کی حفاظت بطور امانت کی جاتی تھی اس طرح کہ وہ اپنی مرضی سے معمولی رقم بھی نہ لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عوام کے وظائف مقرر کیے تو اپنے لئے صرف اتنا ہی وظیفہ مقرر کیا جس سے دو وقت کی روٹی چل سکے۔ حضرت عثمانؓ کا تو معاملہ ہی الگ تھا اس لئے انہوں نے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیا۔ حضرت علیؓ بیت المال کی حفاظت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اور وہ اپنے لئے بیت المال سے لینا جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بھائی عقیل نے کچھ رقم لینے کی درخواست کی تو انہیں یہ کہہ کر انکار کر دیا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی تمہیں مسلمانوں کا مال دے کر جہنم میں جائے۔''

5- اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی پیروی:

خلفائے راشدین کے دور کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں ملکی اور دینی معاملات میں ہمیشہ قرآن و سنت کو اوّلین حیثیت دی جاتی تھی۔ نہ صرف خلفاء بلکہ ان کے مقرر کردہ گورنروں کو بھی یہ حق حاصل نہ تھا۔ کہ وہ کسی معاملے میں اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کریں۔ اگر کسی مسئلہ کا حل کتاب و سنت میں نہ ملتا تو اکابر صحابہ اجتہاد کے ذریعے مناسب حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ پورے دور خلافت

راشدہ میں قوت' طاقت اور اقتدار کا سرچشمہ ذات خداوندی کو حاصل تھا۔ خلیفہ تو ایک ذریعہ ہوتا تھا کیونکہ وہی قانون الٰہی کو نافذ کرتا تھا۔

6- خوشحالی اور فارغ البالی:

خلافت راشدہ کے عہد میں اتنا سکون تھا کہ اگر کوئی عورت حجاز تک لق و دق صحرا میں ہاتھوں پر سونا اُچھالتی ہوئی گزر جاتی تو اس کی عفت و عصمت پر حرف آنے کا اندیشہ نہ ہوتا اور نہ جان و مال کے ضائع ہونے کا فکر ہوتا اور خوشحالی اور فارغ البالی کا یہ عالم تھا کہ لوگ گھروں سے زکوٰۃ وصدقات لے کر نکلتے مگر اسے قبول کرنے والا کوئی شخص نہ ملتا۔ یہ خوشحالی اور فارغ البالی عہد عثمانی میں بام عروج پر تھی کیونکہ مال زیادہ ہوتا تھا اور لینے والے کم تھے۔

7- عصبیتوں سے پاک حکومتیں:

خلفائے راشدین کے دور کی ایک اہم خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں قبائلی' وطنی اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو کر تمام لوگوں سے یکساں سلوک کیا جاتا تھا تاہم حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری چھ سالوں میں اور حضرت علیؓ کے زمانے میں اموی اور ہاشمی عصبیتوں نے دوبارہ سر اُٹھایا لیکن اسلامی اخوت اور دینی جذبے نے اپنا اثر دکھایا اور امت مسلمہ کی کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ گئی۔

اس دور میں تمام فیصلے کسی کے مقام و مرتبہ کی پرواہ کیے بغیر نافذ العمل ہوتے تھے۔

8- خدا خوفی اور پرہیز گاری:

خلفائے راشدین کے دل خدا خوفی اور اسلام پسندی سے معمور تھے۔ خودغرضی' ہوس پرستی اور حرص و لالچ نے انہیں چھوا تک نہیں تھا۔ ان کے اندر دنیا طلبی کی کوئی خواہش نہ تھی بلکہ ان کے پیش نظر ہر کام میں خوف خدا ہوتا تھا۔ تمام خلفاء راشدین آنحضرت ﷺ کے مقرب ترین صحابہ اور ولمن خاف مقام ربہ جنتان کا حقیقی مصداق تھے۔ اسی بناء پر وہ عادات و افعال اور اخلاق و پرہیز گاری میں بے مثال تھے۔

9- استحکام اسلام:

خلفائے راشدین کے اسلام کے استحکام اور مضبوطی کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور اسلام کے مقابلے میں تمام بغاوتوں اور فتنوں کی سرکوبی کر کے باغیوں اور سرکشوں کو اسلام کا مطیع و فرمانبردار بنایا۔

10- اصلاح معاشرہ:

خلفاء راشدین نے ان تمام معاشرتی' اقتصادی اور تمدنی بُرائیوں کا خاتمہ کر دیا تھا جو معاشرے کی خرابی کا باعث اور محرک ہوتی تھیں مثلاً بدکاری' جوا بازی' سودخوری' اقرباء پروری' بہتان تراشی' ڈاکہ زنی' کم تولنا' جھوٹ اور فریب دہی وغیرہ اسی بناء پر معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن گیا۔

11- عمال کا احتساب:

خلفائے راشدین اسلامی مملکت کے دور دراز صوبوں تک کے گورنروں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ مختلف ذرائع سے ان کی کارکردگی کا باقاعدہ جائزہ لیتے رہتے تھے۔ بدعنوانی کے تدارک کی خاطر تقرر کے وقت ہر ایک کے ذاتی اثاثہ کا ریکارڈ رکھ لیتے تھے اور جب کوئی اپنے عہدے سے سبکدوش ہوتا تو موازنہ کر لیتے کہ کہیں عامل نے اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے زیادہ مال و متاع تو نہیں جمع کر لیا۔

تمام گورنروں کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا۔ ان کی موجودگی میں اعلان ہوتا کہ جس شخص کو عامل سے شکایت ہو تو وہ پیش کرے چنانچہ عامل اپنی شکایات پیش کرتے۔ اگر کوئی عامل بلاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں سزا دیتے تھے۔

12- عدل و انصاف:

خلافت راشدہ تاریخ اسلام کا مثالی اور سنہری دور عدل و انصاف کی وجہ سے بھی ہے۔ عدل و انصاف ہی کسی حکومت کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے جس حکومت میں عدل و انصاف نہ ہو وہ چند دنوں کی مہمان ہوتی ہے۔ عدل کی تین مشہور صورتیں ہیں: (1) سماجی (2) قانونی (3) اقتصادی عدل۔ خلفائے راشدین کے دور میں عدل و انصاف کی تینوں صورتیں قائم تھیں خصوصاً عدل فاروقی تو ضرب المثل ہے۔

13- اشاعت دین:

خلافت راشدہ میں دعوت اسلام اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور فروغ دینے کے سلسلے میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ خلفاء راشدین اس بات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے کہ دین کی روح کمزور نہ ہونے پائے۔

خلفاء راشدین کے دور میں قرآن و حدیث کی خوب اشاعت ہوئی۔ جگہ جگہ مساجد تعمیر ہوئیں دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے ملک کے اطراف و اکناف میں مبلغ بھیجے جاتے تھے۔

14- قانون کی بالادستی:

خلافت راشدہ کے دور میں قانون حاکمیت اور بالادستی کا اصول عملاً رائج تھا اور پوری ریاست کے لوگ قانون کی نظر میں برابر تھے۔ آقا اور غلام کالے اور گورے عربی اور عجمی میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ ایک آدمی اگر خلیفہ وقت کے خلاف شکایت کرتا تو خلیفہ کو بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا تھا اور جرم کا فیصلہ بلا رو رعایت کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی مثالیں اس سلسلہ میں قانون کی بالادستی کی درخشندہ مثالیں ہیں۔ عدلیہ انتظامیہ سے آزاد اور خودمختار تھی کسی مسلمان اور غیر مسلم میں تمیز نہ برتی جاتی تھی۔

15- روح جمہوریت:

خلافت راشدہ کے دور میں عوام کو حق حاصل تھا کہ وہ خلیفہ کے ہر عمل پر احتساب اور مواخذہ کر سکتے تھے۔ اگر خلیفہ کا کوئی اقدام غلط معلوم ہوتا تو اسے فوراً ٹوکا جا سکتا تھا۔ خلیفہ مسجد نبوی میں نماز پنج گانہ کی امامت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ خلیفہ عام مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے لئے کوئی محل نہ ہوتا تھا اور نہ ہی ان کے دروازے پر کوئی پہرے دار مقرر ہوتا تھا بلکہ اس کے دروازے چوبیس گھنٹے کھلے رکھے جاتے تھے تاکہ مظلوم کو فریاد کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ خلیفہ کے لئے کوئی خاص نشان یا لباس نہ تھا اسی لئے عام مجمع میں اس کی پہچان مشکل ہوتی تھی۔ اس کی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں۔

خلاصہ کلام:

المختصر یہ کہ خلافت راشدہ دنیائے اسلام کا درخشاں و تابناک، مثالی اور سنہری دور تھا اس مختصر مدت میں خلفاء راشدین نے جو بیش بہا خدمات انجام دیں، وہ تاریخ اسلام کا انتہائی حیرت انگیز اور قابل فخر کارنامہ ہے۔



خلافت راشدہ کا نظام حکومت اور حکومتی ادارے

خلافت کا مفہوم:

خلافت کا لفظ خاص ہے اور صرف رسول اکرم ﷺ کی نیابت اور جانشینی کے لئے بولا جاتا ہے۔ جب خلافت کے لفظ کے ساتھ راشدہ کی صفت کا اضافہ کیا جاتا ہے تو اس سے مراد تاریخ کا وہ تیس سالہ زرّیں دور ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ کی خلافت سے شروع ہو کر حضرت حسنؓ کی جانشینی پر ختم ہوا۔ تاریخ کی زبان میں ان کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دینی اور دنیوی امور کے انتظامات کے لئے ایک ایسی جمہوری ریاست قائم کی جائے جس میں نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اور نیابت ہو اس ریاست کے رئیس کو خلیفہ یعنی جانشین رسول کہا جاتا ہے۔ خلیفہ مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور اور ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ میں سے چار حضرات یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ چاروں اصحاب رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ تھے چونکہ یہ نور نبوت سے براہ راست ہدایت یافتہ تھے اس لئے راشدین کہلائے اور ان کا عہد حکومت خلافت راشدہ کے نام سے مشہور ہوا۔ خلفاء راشدین نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ سرور کائنات ﷺ کے نقش قدم پر چل کر جمہور مسلمانوں کو اسلامی زندگی کا عادی بنائیں اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، عوام کی فلاح و بہبود اور اتباع سنت ان کا مقصد حیات تھا۔

خلافت کا دستور:

اسلامی حکومت کے اصول و قوانین کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے۔ کتاب و سنت کے احکامات ابدی اور ناقابل تقلید ہیں۔ یہاں قانون بنائے نہیں جاتے بلکہ خلیفہ اور ذمہ دار حکومت، اللہ تعالیٰ کے بنے بنائے قوانین کو دنیا میں نافذ کرتا ہے کیونکہ اسلام میں حقیقی قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ رسولوں کو بھی قانون بنانے کا حق حاصل نہیں البتہ وہ قانون الٰہی کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔

علماء و فقہاء، کتاب و سنت کے دائرہ میں محدود رہ کر مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ صحیح اسلامی جمہوریت کی مثال ہمیں خلافت راشدہ میں ملتی ہے۔

خلفاء راشدین کا نظام حکومت

آنحضرت ﷺ نے اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد رکھی تھی۔ آپ ﷺ صرف مذہبی اور روحانی پیشوا ہی نہ تھے بلکہ اسلامی حکومت کے مؤسس اور بانی بھی تھے خلفائے راشدین آپ ﷺ کے نقش

قدم پر گامزن رہے۔

خلافت راشدہ میں حکومت کے دو شعبے تھے:

-1 مرکزی

-2 صوبائی

مرکزی نظام براہ راست خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ صوبوں پر والی (گورنر) مقرر تھے جن کے تحت مختلف محکموں کے افسر کام کرتے تھے۔ گورنر کا تقرر خود خلیفہ کرتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک بعض عہدہ دار تنخواہ نہیں لیتے تھے البتہ حضرت عمرؓ نے سب گورنروں کو تنخواہیں لینے پر مجبور کیا۔

1- مرکزی نظام:

خلافت راشدہ کے دور میں خلیفہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی جس کا انتخاب مسلمانوں کے نمائندے کرتے تھے۔ پھر عام بیعت کی جاتی تھی۔ منتخب خلیفہ کی اطاعت امت مسلمہ پر فرض ہوتی تھی لیکن شرط یہ ہوتی تھی کہ جب تک وہ شرعی احکام کی پابندی کرتا رہے۔ قانون سازی کا کام خلیفہ کی ذمہ داری نہیں تھا بلکہ تمام قوانین قرآن و سنت کی ہدایت کے مرہون منت ہوتے تھے۔ خلیفہ کو شوریٰ کے مشورے اور فیصلے بھی ماننے پڑتے تھے یعنی وہ کوئی اہم قدم شوریٰ کے مشورے کے بغیر نہ اُٹھا سکتا تھا البتہ خلیفہ کو رسول اکرم ﷺ کی مہر' چادر اور انگوٹھی مبارک کے استعمال کی اجازت تھی۔

مرکزی حکومت کے زیادہ شعبے نہ تھے اس دور میں کاتب کا عہدہ بڑا اہم تھا۔ اس کے بعد قاضی' کاتب دیوان' خزانچی اور صاحب الخراج کے عہدے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جو نظام حکومت بنایا' وہ آپؓ کے بعد بھی جاری رہا۔ اس نظام کے چلانے کے لئے اور اس کو مشورہ دینے کے لئے ایک مجلس بنائی گئی جسے مجلس شوریٰ کہتے ہیں جس کی مدد سے خلیفہ احکام خداوندی کے مطابق عمل کرتا تھا۔

تمام اراکین مجلس شوریٰ کا انتخاب اعلیٰ افسران کو ان کی ذمہ داریاں تفویض کرنا' جمعتہ المبارک کا خطبہ دینا اور نماز کی امامت کرنا بھی خلیفہ کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ اسلام کی ترویج' ترقی' اسلام کی اشاعت' مفتوحہ علاقوں کا انتظام' ریاستی سرحدوں کی حفاظت' ریاست میں امن و امان کی بحالی' مفتوحہ علاقوں کی سرحدوں کی نگرانی' وہاں عدالتی بندوبست اور جہاد کا اعلان بھی خلیفہ کی ذمہ داری تھی خلیفہ کے لئے امیر المومنین کا لقب پہلی مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا۔

2- صوبائی نظام:

خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی ریاست کو کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر صوبے کا انتظام ایک عامل (گورنر) کے ذمہ ہوتا تھا جس کا انتخاب بڑی چھان بین اور احتیاط سے کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں صوبے بہت کم تھے' جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا تو صوبوں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ صوبے کا سب سے بڑا افسر والی یا امیر یا عامل کہلاتا تھا۔ والی کے تقرر کے وقت اس کی اہلیت و

صلاحیت کو خوب جانچا جاتا تھا۔ ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے میں ہر قسم کے انتظام سے متعلق جوابدہ ہوتا تھا۔

ہر سال حج کے موقع پر تمام صوبوں کے والیوں کی حاضری لازمی ہوتی تھی اور خلیفہ خود کچہری لگاتا تھا۔ والی اپنے علاقے سے آنے والے حجاج کے سامنے جوابدہ تھے۔ ہر صوبے میں ایک قاضی' میر منشی' کاتب دیوان' صاحب احداث (پولیس آفیسر) اور بیت المال کا نگران ہوتا تھا۔ ان تمام عہدوں کا تقرر مجلس شوریٰ کے مشورے سے کیا جاتا تھا جن پر مرکز کی گرفت بہت مضبوط ہوتی تھی۔ والیوں کو شرعی حدود کے علاوہ دیگر معاملات میں لوگوں سے نرمی برتنے کا حکم تھا۔

ہر شخص کو والی کے پاس بلاجھجک آنے کی اجازت تھی۔ والی کی قیام گاہ جسے دارالامارت کہتے تھے' مسجد سے ملحق ہوا کرتی تھی۔ وہ مسجد میں امامت کرواتا اور وہیں بیٹھ کر لوگوں سے ملاقات کرتا۔

3- مالی نظام:

رسول اکرم ﷺ نے کوئی مستقل خزانہ قائم نہیں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں باقاعدہ بیت المال کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسے دیوان کہا جاتا تھا جس میں تمام ذرائع سے آنے والی آمدنی جمع ہوتی تھی۔ مدینہ میں اس کے باقاعدہ دفاتر قائم کئے گئے۔ ہر صوبے میں بیت المال کی شاخیں قائم کی گئیں۔ صوبے کے اخراجات سے جو رقم بچ جاتی تھی وہ مرکزی بیت المال میں جمع کر دی جاتی تھی۔ آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع میں زکوٰۃ' خراج' عشر' خمس اور جزیہ ہوتے تھے۔ خلافت راشدہ میں مال گزاری کا باقاعدہ بندوبست کیا گیا۔ زمینوں کی پیمائش کر کے زرخیزی کی نسبت سے مالیہ وصول کیا جاتا تھا۔ بیت المال کے جانوروں کے لئے چراگاہیں مخصوص کر دی جاتی تھیں' ملک میں آبپاشی اور جانوروں اور زمینوں کی بہتری کے لئے ملک میں نہریں اور بند بندھوائے گئے تھے۔

4- فوجی نظام:

آنحضرت ﷺ کے دور میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے ہر مسلمان ضرورت کے وقت جہاد میں شریک ہوتا تھا جوں جوں مسلمان بڑھتے گئے اور فتوحات کا سلسلہ بڑھنے لگا تو باقاعدہ فوج کا محکمہ قائم کر دیا گیا۔ ایک رجسٹر میں تمام فوجیوں کے ناموں کا اندراج کیا گیا۔ ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک باقاعدہ فوج تھی جسے چھاؤنیوں میں رکھا جاتا تھا جس کی ہر قسم کی ضرورت پوری کی جاتی تھی۔ ان کے گھوڑوں کے لئے اصطبل قائم تھے جہاں گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ ہر چار ماہ کے بعد انہیں گھر جانے کے لئے رخصت دی جاتی تھی۔

جبکہ دوسری قسم کی فوج وہ ہوتی تھی جو عام طور پر اپنے گھروں میں رہتے تھے اور بوقت ضرورت انہیں طلب کر لیا جاتا تھا۔ تنخواہ دونوں کی برابر ہوتی تھی۔ ہر فوجی کو اعلیٰ تربیت دینے کے لئے باقاعدہ ماہرین مقرر ہوتے تھے جو انہیں تیراندازی' نیزہ بازی' گھڑسواری' شمشیرزنی اور تیراکی سکھاتے تھے۔

تمام مفتوحہ علاقوں میں فوجی مراکز قائم کئے گئے اور ان مراکز کا نہایت معقول انتظام کیا گیا۔ فوجیوں کی صحت اور آرام و آسائش کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ فوجیوں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ مفتوحہ اقوام سے اچھا برتاؤ کریں۔ خلفائے راشدین فوجی افسروں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ جیسے عظیم فاتح کو سبکدوش کر دیا تھا۔

اسلامی افواج سادگی کی تصویر ہوتی تھیں۔ جنگ کے لمحات میں قراء خوش الحانی سے سورہ انفال کی آیات کی تلاوت کرتے تھے جس کے پُرتاثیر الفاظ دلوں کو جوش ایمانی سے معمور کر دیتے تھے۔ غازیوں کی تکبیریں دشمن کی فوج کو لرزہ براندام کر دیتی تھیں۔ مشکلات کے ہجوم' سامان کی کمی اور سپاہیوں کی قلت کے باوجود عربوں نے تاریخ میں پہلی بار بڑی بڑی حکومتوں کو زیرنگیں کیا۔

5- مفتوحہ علاقوں کا نظام:

خلافت راشدہ میں جو علاقے فتح کئے گئے تھے' خلفائے راشدین نے ان کے انتظام کی طرف خاص توجہ دی۔ وہاں کے ظالمانہ قوانین کو منسوخ کر کے عادلانہ نظام جاری کیا۔ زمینوں کو ان کے قدیم مالکوں کے پاس ہی رہنے دیا گیا۔ عربوں کو مفتوحہ اقوام کی زمینیں خریدنے اور وہاں کاشتکار کی حیثیت سے آباد ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ ان علاقوں میں امن و امان بحال رکھنے کے لئے فوجیں متعین کی گئیں۔

6- اہل ذمہ اور بہبود عامہ کا نظام:

خلافت راشدہ کے عہد میں عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت زیادہ کام کئے گئے۔ دریاؤں پر پل بنوائے گئے' کنویں کھدوائے گئے' نہریں بنوائی گئیں' سڑکیں تعمیر کی گئیں' مجرموں کے لئے جیل خانے بنوائے گئے' شاہراہوں پر حفاظتی چوکیاں اور سرائیں بنوائی گئیں' غیر مسلموں کو بیت المال سے وظائف دینے کا بندوبست کیا گیا۔

ذمیوں کی جان و مال اور مذہب کی حفاظت حکومت کے فرائض میں شامل تھی۔ ذمیوں کو پورے انسانی اور مذہبی حقوق حاصل تھے۔ ان پر کوئی مسلمان جبر نہیں کر سکتا تھا۔ اہل ذمہ کے باہمی مقدمات کے لئے ان کے اپنے جج ہوتے تھے۔ خلافت راشدہ میں اہل ذمہ کو اہم اور کلیدی عہدے نہیں دیئے جاتے تھے کیونکہ ان سے اس وفاداری کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی جو مسلمانوں کی طرف سے تھی۔

7- تبلیغی نظام:

خلافت راشدہ میں دعوت اسلام اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور فروغ دینے کے سلسلہ میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ خلفائے راشدین اس بات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے کہ دین کی روح کمزور نہ ہونے پائے۔ قرآن و حدیث کی خوب اشاعت ہوتی۔ جگہ جگہ مسجدوں کی تعمیر ہوئی۔ دینی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے اطراف ملک میں مبلغ بھیجے جاتے تھے۔ خلیفہ اور والی بذات خود جمعہ کا خطبہ دیتا

اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھاتا تھا۔

8- تعلیمی نظام:

ظہور اسلام سے قبل عرب جہالت کا گہوارہ تھا۔ پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اسلام نے پڑھنے پڑھانے پر اس قدر زور دیا کہ عرب کے جاہل بھی علم و حکمت کے زیور سے آراستہ ہو کر علمی مجالس کی زینت بننے لگے۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں اشاعت کا آغاز ہوا۔ خلافت راشدہ میں اس میں مزید ترقی ہوئی اور جگہ جگہ علمی مراکز قائم کئے گئے۔ حکام و عمال کے فرائض میں ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ علم دین کو فروغ دیں۔ فوجی امراء اچھے خاصے تعلیم یافتہ ہوا کرتے تھے۔ شہروں میں معلم مقرر تھے جو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ علم کو طلب دنیا کے لئے حاصل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حصول علم کا مقصد فقط دین اسلام کی خدمت تھی۔ مساجد میں مکتب قائم تھے۔ لوگوں کو قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں علم کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ لوگ دیوانہ وار اس متاع عزیز کو حاصل کرنے کے لئے سعی جدوجہد میں مصروف رہتے تھے۔

اس وقت علم کا بیشتر سرمایہ قرآن وسنت کی تعلیمات تھیں اس دور میں احادیث کو یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ خلافت راشدہ میں حدیث کے کئی مجموعے لکھے گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی روایات قلم بند کروا کر رکھ لیں۔ یہ بہت ضخیم سرمایہ تھا۔ ان کے شاگردوں نے بھی ان کی روایات کے مجموعے تیار کئے جن میں سے ایک مجموعہ صحیفہ ہمام بن منبہ اب بھی ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے احادیث نبویہ کو تحریر کرنے کا وسیع پیمانے پر بیڑا اٹھایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مجموعہ احادیث تیار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات حضرت سعید بن جبیر نے لکھیں۔ یہ مجموعے کافی ضخیم تھے۔

9- اقتصادی اور تمدنی ترقی:

اسلام کے ابتدائی دور میں اہل عرب کی اقتصادی حالت بہت خراب تھی۔ جوں جوں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا' ان کی حالت بھی تبدیل ہوتی گئی۔ مال غنیمت کی فراوانی عراق' فارس' شام اور مصر جیسے زرخیز ملکوں کے خراج نے مسلمانوں کی اقتصادی زندگی کی کایا پلٹ دی۔ اب ان کے مکانات عالی شان' نفیس سامان زیبائش' اعلیٰ ترین لباس اور گھروں میں ایرانی قالین بچھائے جاتے تھے۔ پختہ مکانات تعمیر کئے جانے لگے۔ غذا میں بہت کچھ تبدیلی آ گئی۔

عرب میں عام طور پر جو کی روٹی کھائی جاتی تھی' جب مسلمان شام میں فاتحانہ داخل ہوئے تو میدے کی سفید روٹی اور پرندوں کا گوشت کھانے لگے۔ باریک کپڑا جو ابتدائی دور میں نایاب تھا' اب عام استعمال ہونے لگا تھا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ اپنے عمال کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ باریک کپڑا نہ

پہنچیں۔ خلافت راشدہ کے عہد میں اقتصادی اور تمدنی ترقی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ بہت سی پڑوسی حکومتوں کے لئے قابل رشک تھی۔

10- معاشرتی حالات:

اقتصادی ترقی کی وجہ سے قدرتی طور پر معاشرہ میں تین طبقات اعلیٰ' اوسط اور ادنیٰ پیدا ہونے لگے تھے لیکن ابھی ان میں اتنا بُعد نہیں پیدا ہوا تھا کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ لباس' رہن سہن اور کھانے پینے میں مختلف طبقات کا فرق نمایاں تھا۔ عام لوگ لمبا کرتہ' کمر پر چمڑے کی پیٹی اور اونٹ کے بالوں کی ڈھیلی عبا پہنتے تھے۔ سروں پر عقال باندھا جاتا تھا۔ متوسط اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ پاجامے پر لمبا کرتہ اور ٹخنوں تک لمبا چوغہ پہن کر اس پر ریشمی پٹکا لپیٹ لیتے تھے۔ سر پر عمامہ باندھتے' کندھوں پر طیلسانی چادر پڑی رہتی تھی۔ عورتوں کا لباس بھی عمامہ اور عبا کے سوا یہی ہوتا تھا۔

11- سیاسی حالات:

حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور تک اسلامی ریاست برابر وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کی سیاسی قوت کا یہ عالم تھا کہ روم کی عظیم الشان سلطنت جس کا اقتدار یورپ تک پھیلا ہوا تھا' ہمیشہ لرزہ براندام رہتی تھی۔ عہد عثمانی میں جب مسلمانوں کا بحری بیڑا بھی تیار ہو گیا تو ان کی عزت و عظمت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا۔ مشرق میں اسلامی حکومت کا اقتدار' ترکستان تک پہنچ چکا تھا۔ افغانستان کے بیشتر علاقے اسلامی علم کے سامنے سرنگوں تھے۔ مجاہدین کی نگاہیں ہندوستان کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ بدقسمتی سے اس زمانہ میں وہ عظیم فتنہ اُٹھا جس نے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مسلمان خانہ جنگی کا شکار ہو کر خود آپس میں ہی قتل و غارت گری کرتے رہے۔ جو تلوار حضرت عثمان کی شہادت کے لئے بے نیام ہوئی تھی' حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری تک لاکھوں توحید پرستوں کا خون چاٹ گئی۔ اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا اور امت مسلمہ میں جو تفرقہ پڑ گیا تھا' وہ آج تک ختم نہیں ہو سکا۔ اگر مسلمانوں کا سیاسی اور مذہبی اتحاد قائم رہتا تو وہ دعوت اسلام کو تمام یورپ اور افریقہ کے جنوبی کونوں تک پہنچا دیتے لیکن خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنہ بپا ہوا اس نے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا اور اس کے بعد بھی تاریخ اسلام مختلف ادوار میں اپنوں ہی کے خون سے لالہ زار ہوتی رہی۔

12- عدالتی نظام:

خلافت راشدہ کے دور اقتدار میں پوری اسلامی ریاست میں قاضیوں کی عدالتیں قائم کی گئی تھیں۔ ہر ہر ضلع میں عدالتی دفتر اور قاضی مقرر تھا جو تمام متنازع امور کے فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں کرتا تھا۔ اعلیٰ عدالت مدینہ میں قائم تھی جہاں پیچیدہ مقدمات کا فیصلہ خود خلیفہ کرتا تھا۔ تمام عدالتیں

اور قاضی بااختیار تھے۔ ان پر انتظامیہ کسی قسم کا اثر نہ ڈال سکتی تھی جہاں کوئی فیصلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کرنا ناممکن ہوتا تھا' وہاں قاضیوں کی امداد کے لئے مفتی مقرر تھے جو اجتہاد کے ذریعے مسئلہ کا حل نکالتے تھے۔

13- پولیس کا نظام:

ریاست میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے پولیس کا الگ محکمہ قائم کیا گیا تھا جس کا کام ایسے مقدمات کی ابتدائی کارروائی کرنا تھا جن میں چوری یا بدکاری کا ارتکاب کیا گیا ہو۔ اس محکمہ کی ابتداء حضرت عمرؓ نے کی تھی جبکہ حضرت علیؓ نے اس کو اور زیادہ مضبوط کیا۔ محکمہ پولیس مجرموں کا سراغ لگانے' عدالتوں کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں پر عمل درآمد کرنے اور امن بحال رکھنے کے لئے رات کو شہر میں گشت لگانے اور لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔

14- جیلوں کا نظام:

خلافت راشدہ کے دور میں جیل خانے اس لئے قائم کئے گئے تھے کہ اس سے پہلے مجرموں کو سزا دے کر جلاوطن کر دیا جاتا تھا جس کے اچھے اثرات مرتب نہ ہوتے تھے۔ بعض اوقات جلاوطن کئے جانے والے مجرم دشمنان اسلام کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف منصوبے بناتے اور نقصان پہنچاتے تھے۔ خلفاء راشدین نے اس کا تدارک یہ کیا کہ ایسے تمام مجرم جیل خانوں میں بند کر دیئے جاتے۔ ان کو بلند اخلاق سے آراستہ کرنے کی کوشش کی جاتی' اس کوشش کا لوگوں پر اچھا تاثر قائم ہوا اور ان کی اخلاقی حالت بھی سدھرنے لگی تھی۔

15- اسلامی کرنسی کا استعمال:

نزول اسلام سے پہلے عرب تجارت میں یونانی اور ایرانی سکے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عرب کی ساری معیشت کی چابی ایرانیوں اور یونانیوں کے قبضہ میں تھی۔ اس سے جان چھڑانے کے لئے حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے چاندی کے سکے ڈھلوا کر رائج کئے اس کے بعد اسلامی تجارت میں اسلامی سکہ استعمال ہونے لگا۔

16- غلامی سے آزادی کا فارمولا:

اسلام ایسا مذہب ہے جو دنیا کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے آیا تھا۔ اس کی ابتداء رسول اکرم ﷺ نے کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے غلامی کی جڑیں اکھاڑنے میں بہت زیادہ تدبیریں کیں۔ پورے عرب میں کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی صاحب ثروت کیوں نہ ہو' کسی کو غلام نہ بنا سکتا تھا۔ یہ بھی حکم نافذ کر دیا گیا کہ جو لونڈی صاحب اولاد ہو جائے گی اس کی خرید یا فروخت قانونا جرم ہوگی۔ غلام کو حق دیا گیا کہ خود محنت مزدوری کرکے اپنے آقا کو اپنی قیمت ادا کرکے آزاد ہو سکتا ہے۔ کنیزوں کو گھر میں اس کا مقام دوسری خواتین کے برابر دیا گیا۔ اس فارمولے کے تحت اسلامی معاشرے میں غلام کا مقام بلند ہوگیا۔

17- عورت کا مقام:

اسلام نے عورت کا جو مقام و مرتبہ بیان کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے عورت کو وہی مقام و احترام دیا یعنی عورت گھر کی مالکہ ہے، گھر کی ملکہ ہے اور والدہ ہونے کی حیثیت سے انتہائی واجب الاحترام ہے۔ خلافت راشدہ نے اس کا یہ مقام و مرتبہ بحال رکھا۔ اسے مسجد میں جانے کی اجازت تھی مگر عورت کا اصل مقام جو اسلام نے متعین کیا ہے وہ امور خانہ داری کی ادائیگی اور اولاد کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری ہے جو اس پر شرعی اور معاشرتی طور پر عائد ہوتی ہے۔

18- مذہبی آزادی:

خلافت راشدہ کے زمانے میں ہر قسم کی مذہبی آزادیاں حاصل تھیں یعنی عیسائی، یہودی اور دیگر مذاہب کے پیروکار اپنی عبادت کی ادائیگی میں آزاد تھے۔ ان کے عبادت خانوں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جب بھی کوئی علاقہ فتح کر لیا جاتا تھا تو پہلا حکم یہ جاری کیا جاتا تھا کہ ان کی عبادت گاہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ عہد فاروقی میں اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

19- رہنے سہنے کا طریقہ کار:

تمام خلفاء بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اچھے کھاتے پیتے گھرانوں میں بھی یہی سادگی دکھائی دیتی تھی۔ جب بھی کوئی تقریب منعقد کی جاتی تھی تو گھر کے اندر زمین پر جانوروں کی کھال بچھا دی جاتی جس پر تمام مہمان میزبان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ کھانا ہاتھ سے کھایا جاتا تھا۔ اگر کوئی پلیٹ میں تین انگلیوں سے زیادہ ڈبوتا تو اسے بدتمیزی تصور کیا جاتا تھا۔ چھری کھانٹے کا رواج نہ تھا۔

لباس اس وقت بھی ایسا ہوتا تھا جیسا عرب میں آج کل استعمال ہوتا ہے یعنی مرد شلوار یا پاجامہ اور کرتہ استعمال کرتے تھے اس کے اوپر ایک عبا ہوتی تھی۔ پاؤں میں بوٹ کی قسم کے جوتے ہوتے تھے۔ عورتیں بھی شلوار، قمیص پہنتی تھیں فرق صرف یہ ہوتا تھا کہ کرتہ گردن پر کھلا ہوتا تھا۔ سردی کے موسم میں ایک جیکٹ نما چیز کرتے کے اوپر اوڑھتی تھیں۔ جب بھی گھروں سے باہر نکلتیں تو ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ اوپر اس لئے لے لیتی تھیں کہ چہرہ بھی چھپا رہے اور لباس گرد وغیرہ سے بھی محفوظ رہے۔

20- مسجد کا مقام:

خلافت راشدہ میں مسجد اسلامی معاشرے کا ثقافتی وعلمی اور اہم ترین سماجی ادارہ تھی۔ اس کی حیثیت قومی اجتماع گاہ کی تھی۔ یہاں رشد و ہدایت کے علاوہ علمی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا البتہ خلافت راشدہ کے بعد مسجد کی یہ اہمیت ختم ہوگئی۔ شاہی دربار اور مکتب الگ ہوتے چلے گئے اور مسجد محض نماز پڑھنے کی جگہ رہ گئی۔

21- تقویٰ کا ماحول:

خلافت راشدہ کے اجتماعی نظام کی نمایاں خصوصیت خشیت الٰہی' قلب ونظر کی طہارت اور باطنی صفائی کا ماحول ہے۔ صحابہ کرام کی عظیم اکثریت موجود تھی جو کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی' فلاح و بہبود اور بہتری کے لئے کوشاں رہتے۔ وعظ و نصیحت کی باتیں عام تھیں۔ کسی بھائی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اس کی نشاندہی حکمت و تدبیر سے اس طرح کی جاتی: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اصلاح کرو۔'' صحابہ کرام کے درمیان غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئیں جن کے نتیجے میں لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن ورع اور خوف خدا اِن حد تک غالب تھا کہ غلطی واضح ہو جانے کے فوراً بعد رجوع کیا جاتا۔ سخت مخالفت کے باوجود الزام تراشی' غیبت اور سوئے ظن کا نام ونشان تک نہ تھا۔

حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے بعد ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو شکست خوردہ فریق کی اصل قائد تھیں' حد درجہ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل انعام پانے کی امید لئے ہوئے حاضر ہوا تو اسے جہنم کی بشارت سنائی گئی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ملنے کے لئے آئے تو بڑی محبت کے ساتھ انہیں اپنے پاس بٹھایا گیا اور ان کی جائیداد واپس کر دی گئی۔

22- قبائلی نظام:

عرب کا قدیم قبائلی نظام' خلافت راشدہ میں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا۔ اس قبائلی نظام کی بگڑی ہوئی صورت فتنۂ ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کی تھی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی سرکوبی کے بعد اس کی اصلاح کی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی قبائلی تعصبات کو ختم کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ انہوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو عہدے اور منصب دینے سے احتراز کیا لہٰذا اس کے باوجود اس نظام کے جراثیم کا کلی طور پر خاتمہ نہ ہو سکا۔

عہد عثمانی میں آپؓ کے اموی عمال حکومت کے خلاف شدید رد عمل رونما ہوا۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان کشمکش اور ذہنی تصادم کا آغاز ہوا حتیٰ کہ امیر معاویہ نے قصاص عثمان کا نعرہ بلند کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے خلاف تلوار اُٹھائی۔ چنانچہ شیخین کے دور میں قبائلی تعصب میں جس حد تک بھی کمی ہوئی اس سے پورا فائدہ نہ اُٹھایا جا سکا۔ عہد اموی میں حکومت اور شمالی و جنوبی قبائل کے درمیان جنگ ایک مستقل درد سر ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ کے آخری دور میں مفتوحہ اقوام نے بھی قبائل کے ساتھ تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے اسی طرح وہ ان کے ''موالی'' بن گئے لہٰذا عرب کے قبائلی نظام نے اب عجم کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

23- احتساب کا نظام:

محکمہ احتساب سورۂ حج کی اس آیت کے ارشاد کے مطابق قائم کیا گیا:

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰة و آتوا الزکوٰة و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر و للّٰہ عاقبة الامور

''مسلمان وہ ہیں کہ جب ہم انہیں دنیا میں اقتدار عطا کرتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور (یہ بات یاد رہے کہ) معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے)۔''

24- فن تعمیر کی صورت حال:

خلافت راشدہ کے نصف اوّل میں سادگی کی شان برقرار رہی۔ مسلمانوں کی عمارتیں ان کے ذہن اور فکر کی ترجمانی کرتی تھیں۔

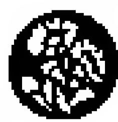
سیّد امیر علی لکھتے ہیں کہ

خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں فن تعمیر کا کوئی مخصوص نمونہ اور انداز موجود نہیں تھا۔ مکانات پتھر یا اینٹوں کو گارا لگا کر بنائے جاتے۔ مسجد نبوی بھی نہایت سادہ تھی۔ حضرت عمرؓ اسراف کے قائل نہ تھے۔ اگرچہ انہوں نے مسجد نبوی میں توسیع بھی کروائی مگر سادگی کو برقرار رکھا تاہم حقیقی ضرورت پر فاروق اعظم عمدہ اور مضبوط تعمیرات کا اہتمام بھی کرتے۔ آپ کے عہد میں جب کوفہ' بصرہ اور فسطاط کے شہر آباد ہوئے تو آپ نے بانسوں کے ستون اور گھاس پھوس کی چھت کا حکم دیا۔ جب کوفہ میں ان مکانات کو آگ لگ گئی تو آپ نے سب مکانات کو پختہ کرنے کا حکم دے دیا۔

آپؓ نے جو مکانات بنوائے ان میں صرف تین کمرے بنانے کی اجازت تھی۔ بعض گورنروں نے اپنے مکانات میں ڈیوڑھی اور بالاخانے تعمیر کروائے تو آپؓ نے ناپسند فرماتے ہوئے انہیں منہدم کروا دیا۔ عہد فاروقیؓ میں مصر میں ایک خوبصورت اور عظیم الشان قلعہ تعمیر ہوا جو ایک سال کی مدت میں مکمل ہوا تھا۔ کوفہ میں جو مسجد تعمیر ہوئی وہ بہت وسیع و عریض اور بلند چبوترے پر واقع تھی۔ اس میں بیک وقت چالیس ہزار سپاہی آسکتے تھے۔

عہد عثمانی میں بہت سے غیر ملکی معمار مدینہ آئے چنانچہ عرب میں غیر ملکی فن تعمیر کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے لئے جو مکان بنوایا وہ عظیم الشان بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ نے بھی کوفہ میں شاندار مکانات تعمیر کروائے۔ کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی بہترین عمارتیں تعمیر کرائیں خصوصاً اہل مکہ نے اچھی اور عمدہ عمارتیں بنوائیں کیونکہ وہ تاجر اور مالدار لوگ تھے۔

حضرت علیؓ نے مساجد اور بیت المال تعمیر کروائے مگر اپنے لئے کوئی مکان نہ بنوایا۔ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں نے فن تعمیر میں بہت زبردست ترقی کی لیکن سادگی اور پرکاری کی وہ شان مفقود ہو کر رہ گئی جو عہد فاروقیؓ کا طرۂ امتیاز تھی۔



خلافت بنو اُمیہ

خاندانِ بنی اُمیہ:

قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں:

1- بنو ہاشم	2- بنو اُمیہ
3- بنو نوفل	4- بنو عبدالدار
5- بنو اسد	6- بنو تیم
7- بنو مخزوم	8- بنو عدی
9- بنو جمح	10- بنو سہم

یہ تمام شاخیں نسبی اعزاز میں قریباً برابر برابر تھیں۔ ان سب میں قریش کے اجتماعی نظام کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا لیکن بنو ہاشم اور بنو اُمیہ دنیاوی وجاہت اور عظمت و شان میں ان سب میں نمایاں تھے۔ بنو ہاشم تولیت کعبہ کی وجہ سے سارے عرب میں معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے جبکہ بنو اُمیہ کو امارت اور کثرت تعداد کی بناء پر عظمت و شان حاصل تھی۔

ان دونوں شاخوں کی بنیاد عبد مناف سے پڑتی ہے۔ یہ قصی کی اولاد میں بڑے نامور تھے' ان کی متعدد اولادیں تھیں جن میں ہاشم اور عبد شمس بڑے نامور تھے۔ انہی سے یہ دونوں خاندان چلے۔ بنو اُمیہ کے مورث اعلیٰ اُمیہ' عبد شمس کے لڑکے تھے۔ بنو عبد مناف کی عظمت انہی دونوں سے وابستہ تھی۔ ابتداء میں قریش کی سپہ سالاروں کا عہدہ بنو مخزوم میں تھا لیکن عبد شمس کے زمانے سے یہ منصب بنو اُمیہ میں منتقل ہو گیا تھا۔ پھر یہ سلسلہ ان کی نسل میں چل نکلا۔ عکاظ' فجار اوّل' فجار دوم اور ذات نکیف کی لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں کے درمیان ہوئیں' عبد شمس کے پوتے حرب بن اُمیہ سپہ سالار تھے۔ (عقد الفرید' ج 2' ص 31)

حرب کے بعد ان کے لڑکے ابوسفیان اس عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ ظہور اسلام کے زمانے میں یہی سپہ سالار تھے۔ قریش اور مسلمانوں کی پہلی جنگ بدر میں ابوسفیان قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ گئے ہوئے تھے لہٰذا ان کی بجائے عتبہ بن ربیعہ نے قیادت کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب وغیرہ میں ابوسفیان حسب معمول اس عہدہ پر تھے۔

(تاریخ مکہ...... ازرقی' ج 1' ص 66)

ابوسفیان کی اسلام دشمنی کا ایک سبب ان کے عہدہ کی ذمہ داری بھی تھی۔ مسلمانوں کے علاوہ اگر کسی اور جماعت سے قریش کا مقابلہ ہوتا تو ان کے مقابلہ میں بھی ابوسفیان کی یہی سرگرمی ہوتی۔ قریش کے اور خانوادوں کی طرح بنو اُمیہ بھی تجارت پیشہ تھے۔ ان کا بڑا وسیع کاروبار تھا۔ مصر اور شام تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ ہرقل فرمانروائے روم کے نام جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام

کا خط لکھا' اس زمانہ میں ابوسفیان تجارت کے سلسلہ میں روم میں موجود تھے چنانچہ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے متعلق انہی سے تحقیقات کی تھیں۔

(صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں اس کی پوری تفصیل ہے۔)

تجارت کے شغل کی وجہ سے بنواُمیہ بڑے مالدار تھے اور ان کی دولت قومی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔ جنگ فجار کی صلح میں حرب بن اُمیہ نے مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کی تھی۔

(ابن اثیر' ج 1' ص 217)

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں چشمک:

دو ممتاز اور برابر کے خاندانوں کی طرح بنو اُمیہ اور بنو ہاشم میں بھی چشمک تھی مگر ظہور اسلام سے قبل تک کیونکہ دونوں کی دنیاوی وجاہت و اعزاز میں کوئی بڑا فرق نہیں تھا اس لئے یہ چشمک ہلکی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے بنو ہاشم کو نبوت کے شرف سے نوازا اور بنو اُمیہ کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو گیا تو بنو اُمیہ کی مخالفت تیز ہو گئی اور چونکہ فوج کی قیادت بنو اُمیہ کے پاس تھی اس لئے ان کی مخالفت اور زیادہ نمایاں ہو گئی ورنہ بنو اُمیہ کو بنو ہاشم یا آنحضرت ﷺ کے ساتھ کوئی خاندانی عناد نہ تھا البتہ وہ عام سرداران قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔

تاہم دونوں خاندانوں میں باہم جو قدیم رشتہ داریاں اور عزیزانہ تعلقات تھے وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قائم رہے۔ خود آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص بن الربیع اُموی سے بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں منسوب ہوئیں۔ خود اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں۔ ابوسفیانؓ مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالف تھے لیکن حضرت عباسؓ سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ ہی نے انہیں لے جا کر اپنی غلطیوں کی معافی کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا بلکہ ابوسفیانؓ کی حمایت میں ان میں اور حضرت عمرؓ میں جھڑپ بھی ہو گئی تھی۔ بنو اُمیہ میں حضرت عثمانؓ بھی تھے جن کی ساری دولت اسلام کے دور عسرت میں اسلام خدمت کے لئے وقف تھی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ بنو اُمیہ کے اکثر ارکان اسلام کے غلبہ تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب کفار قریش کا زور ٹوٹا' اس وقت قریش کے اکثر خاندانوں کی طرح بنو اُمیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیانؓ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں لے جا کر پیش کیا اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے دماغ میں ریاست کی بو تھی اور فخر پسند آدمی تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کا اعزاز بڑھانے کے لئے ان کے گھر کو دارالامن قرار دیا کہ جو شخص ان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے۔ (سیرت ابن ہشام' ج 2' ص 276)

ابوسفیان کے بیٹے معاویہ کو کاتب وحی بنایا گیا اور ابوسفیان کی تالیف قلبی کے لئے ان کو حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے۔ فتح مکہ کے بعد اُموی خاندان کے ایک عتاب بن اسید کو مکہ کا عامل مقرر کیا اور فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں کن لوگوں کا عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ کا' اگر مکہ والوں کے لئے تم سے زیادہ موزوں کوئی آدمی نظر آتا تو اس کو بناتا۔"

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس خاندان کے اعزاز کا خیال رکھا چنانچہ شام کی فوج کشی میں ابوسفیان کے بیٹے یزید کو فوج کے ایک حصے کا سردار بنایا۔ ان لوگوں نے بھی گزشتہ مخالفت کی تلافی کی پوری کوشش کی اور گزشتہ لغزشوں کا حق ادا کر دیا۔ شام کے جہاد میں ابوسفیان کا پورا گھرانہ وہ خود اور ان کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ اور ان کی بیوی ہند تک شریک تھیں۔ وہ میدان جنگ میں مسلمانوں کو ابھارتی تھیں۔

(صحیح بخاری' کتاب المغازی ابواب فتح مکہ۔ اسد الغابہ' ج 3' ص 358)

چنانچہ شام کی لڑائیوں میں آل ابوسفیان نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ دمشق کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابوسفیان کو یہاں کا حاکم بنایا۔ چند ہی دنوں کے بعد عمواس کے تاریخی طاعون میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ کو مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں ان کو پورے صوبہ شام کا والی بنایا۔ ان دونوں زمانوں میں خصوصاً عہد عثمانیؓ میں امیر معاویہؓ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

الغرض کہ بنو اُمیہ کا گھرانہ ہر دور میں نہایت ممتاز تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جس طرح امیر معاویہ کو خلافت و حکومت ملی اس کی تفصیل پچھلے اوراق میں بیان کی جا چکی ہے۔ بنو اُمیہ کی حکومت تقریباً ایک صدی تک رہی اور اس میں بارہ فرمانروا ہوئے۔

حضرت امیر معاویہؓ کی داخلی اور خارجی حکمت عملی:

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ ان کے جانشین ہوئے۔ آپ کے خلافت کے اعلان کے فوراً بعد امیر معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ حضرت حسنؓ کی فوجی اور سیاسی پوزیشن مضبوط نہ تھی کیونکہ حضرت حسنؓ مقابلہ کے لئے نکلے لیکن عراقیوں نے کمزوری دکھائی اور حضرت حسنؓ طبعاً نرم خو' حلیم الطبع تھے اور انہیں خون ریزی اور جنگ و جدال سے نفرت تھی' انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہے بغیر ان کی خلافت قائم نہیں رہ سکتی لہٰذا آپؓ نے یہی مناسب خیال کیا کہ اُمت اسلامیہ کو خون ریزی اور قتل و غارت سے بچایا جائے چنانچہ آپؓ امیر معاویہؓ سے اپنا گزارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ اُمت مسلمہ کے بلاشرکت غیرے کامل حکمران:

حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد 41ھ میں امیر معاویہؓ سارے عالم اسلام کے حکمران بن گئے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں تمام اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کیا۔ اسلامی حکومت کا رتبہ بڑھایا اور اسے ہمہ جہت ترقی دی۔ ان کے زمانہ میں مسلمانوں میں تین سیاسی پارٹیاں تھیں۔

عہد معاویہ کی سیاسی پارٹیاں:

اس عہد میں مندرجہ ذیل پارٹیاں تھیں:

1-شیعانِ علی:

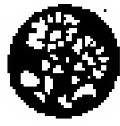
یہ گروہ خلافت کو صرف اہل بیت کا حق سمجھتے تھے اور حضرت علیؓ کے حامی اور امیر معاویہؓ کے سخت مخالف تھے لیکن حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد ان کی ہمت پست ہو چکی تھی اس لئے امیر معاویہؓ کے زمانے میں زیادہ تر خاموش رہے اگر کہیں کسی معمولی سازش کا پتہ چلا تو فوراً اس کا تدارک ہو گیا۔ کوئی سازش و انقلاب کی صورت پیدا نہ ہونے پائی۔

2-شیعانِ بنو اُمیہ:

یہ گروہ بنو اُمیہ کا حامی تھا۔

3-خوارج:

یہ لوگ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو گمراہ اور ان کے حامیوں کو قتل کرنا جائز سمجھتے تھے۔ یہ اپنے عقائد میں بڑے پختہ، بڑے بہادر اور جانباز تھے۔ (تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی، حصہ دوم، ص 253- تاریخ اسلام، نجیب آبادی، ج دوم، ص 23)



اندرونی بغاوتوں کا استیصال اور ملکی استحکام

جب امیر معاویہؓ نے مسند حکومت سنبھالی تو انہیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مرکزی حکومت میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی آپس کی قتل و غارت اور کشت و خون نے سرکشوں کو موقع بہم پہنچایا کہ وہ نظام حکومت کو نقصان پہنچائیں۔ امیر معاویہ نے بڑی آسانی سے باغیوں کو کچل کر رکھ دیا اور ملک میں امن و امان کی فضاء بحال کر دی۔

خوارج کی سرگرمیاں:

خوارج کا گروہ امیر معاویہؓ کے خلافت کے زمانہ میں بڑے زور وشور سے اُٹھا۔ ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کر دیا۔ امیر معاویہ نے اس کے مقابلے میں فوجیں روانہ کیں مگر فروہ بن نوفل نے افواج شاہی کی زبردست مزاحمت کی اور انہیں عبرتناک شکست دی۔ امیر معاویہ کو گمان ہوا کہ کوفی بھی در پردہ اس کے ساتھ ہیں اس لئے انہوں نے اہل کوفہ کے نام لکھا:

''اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ اگر تم لوگ فروہ کو گرفتار کر کے حوالہ نہ کرو گے تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

اس حکم پر اہل کوفہ نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو سردار بنا لیا۔ اس کے قتل کے بعد جوثرہ بن وداع نے اس کی جگہ لی۔ امیر معاویہ نے اس کے مقابلہ میں عبداللہ بن عوف کو بھیجا' جوثرہ مارا گیا لیکن خارجیوں کی جانبازی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایک سردار مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا اس طرح ان کی شورش کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔

کوفہ کے گورنر کی تبدیلی اور مغیرہ بن شعبہ کا تقرر:

خارجیوں کا زور دیکھ کر امیر معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو جو بڑے آزمودہ کار اور نامور مدبر تھے خارجیوں کی طاقت توڑنے کے لئے کوفہ کا گورنر بنایا۔ مغیرہ بن شعبہ نے ایک سال کے اندر ان کا زور توڑ دیا۔ کچھ دنوں تک امن رہا' 43ھ میں ایک خارجی سردار مستورد بن علقمہ نے خفیہ سازش کی کہ یکم شوال 43ھ کو جب لوگ نماز عید کے لئے جائیں تو ان پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ مغیرہؓ کو بروقت اس سازش کا علم ہو گیا چنانچہ وہ سازش ناکام بنا دی گئی۔ مغیرہؓ کی سختیوں اور تشدد سے تنگ آ کر خارجی لیڈر مستورد اپنے قبیلے کو چھوڑ کر بھاگ نکلا لیکن مغیرہؓ نے اس کے تعاقب میں معقل بن قیس کو مامور کیا۔ ایک لڑائی کے دوران مستورد مارا گیا لیکن معقل خود بھی ہلاک ہو گیا چنانچہ مستورد کے قتل کے بعد کوفہ میں خارجیوں کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔

زیاد بن ابی سفیان بطور حاکم بصرہ:

کوفہ کے بعد بصرہ خوارج کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بصرہ کے والی عبداللہ بن عامر چونکہ حلیم

الطبع تھے اس لئے خارجیوں پر مکمل کنٹرول نہ کر سکے۔ ان کے بعد اگرچہ حارث بن عبداللہ ازدی کو گورنر بنایا گیا مگر انہیں درست کرنے کے لئے کسی سخت گیر کی ضرورت تھی اس لئے 45ھ میں چار مہینے کے بعد خوارج کے استیصال کی مہم زیاد بن ابی سفیان جو کہ زیاد ابن سمیہ کے نام سے معروف تھے' کے سپرد کی گئی۔ زیاد نے آتے ہی جامع مسجد بصرہ میں ایک پُرزور تقریر کی اور اہل شہر کو خبردار کر دیا کہ اگر وہ شرپسندی سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بڑا خوفناک اور ناقابل تصور ہو گا۔

اس تقریر سے اہل بصرہ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر اس نے زبانی سمجھانے کے بعد پولیس کا زبردست انتظام کیا جو راتوں کو گشت لگا کر نگرانی کرتی تھی۔ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ عشاء کے بعد گھر دں سے باہر قدم نہ رکھیں جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اور مقررہ وقت کے بعد گھر سے نکلتا تو اسے بے دریغ قتل کر دیا جاتا۔ ان سختیوں سے بصرہ کی حالت بہت جلد سدھر گئی۔ (اخبار الطوال' ص 233)

زیاد بصرہ اور کوفہ کا بیک وقت حکمران:

50ھ میں حضرت مغیرہ کی وفات کے بعد کوفہ کی ولایت بھی زیاد کے سپرد کر دی گئی چنانچہ اس نے کوفہ میں آ کر بھی وہی طرز عمل اپنایا تو کوفہ والوں نے اس پر کنکریاں پھینکیں تو اس نے مسجد کے دروازے بند کروا کے تحقیق کی' تیس آدمی مجرم پائے گئے اس نے ان سب کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

مداح علیؓ حضرت حجر بن عدی کا قتل:

حضرت حجر بن عدیؓ حضرت علیؓ کے زبردست فدائیوں میں سے تھے۔ جب حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانے میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی مکروہ رسم جاری کی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے چنانچہ حضرت حجر یہ توہین برداشت نہ کر سکتے تھے لہٰذا جواباً انہوں نے امیر معاویہ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت مغیرہ نے اسے برداشت کیا۔ امیر معاویہ نے بھی برداشت کیا لیکن زیاد ابن سمیہ نے شروع میں انہیں سمجھا دیا تھا لیکن ان پر اس کا اثر نہ ہوا چنانچہ زیاد نے حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ حجر بن عدی چونکہ ایک باکمال صحابی تھے' آپ کے قتل نے دنیائے اسلام پر بڑا اثر چھوڑا۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی گرفتاری کی خبر سن کر امیر معاویہؓ کے پاس فوری طور پر آدمی دوڑائے لیکن ان کے پہنچنے سے قبل وہ قتل کیے جا چکے تھے۔ حضرت عائشہ کو سخت صدمہ ہوا۔ بعد میں ایک دفعہ جب حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ''اے معاویہ! تمہیں حجر کو قتل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا ذرا خوف نہ آیا۔''

(تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 74-273- ابوالفداء' ج 1' ص186- اخبار الطوال' ص 237- الاستیعاب' ج 1' ص 138)

شورشوں کا خاتمہ:

امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں اندرونی شورش کے ساتھ ساتھ متعدد مفتوحہ علاقوں میں بھی بغاوت پھیلی۔ 41ھ میں بلخ' ہرات' ابوشیخ اور بادغیس کے باشندے باغی ہو گئے۔ مشرقی علاقے کے

گورنر عبداللہ بن عامر نے قیس بن ہیثم کو خراسان کا والی مقرر کر کے بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا۔ یہ سیدھے بلخ پہنچے اور یہاں کے آتش کدہ کو مسمار کر کے اہل بلخ کو مطیع بنایا اور عبداللہ بن حازم نے ہرات' ابوشیخ اور بادغیس کے علاقوں کو قابو میں کیا۔ (تاریخ ابن اثیر' ج 3' ص 166)

43ھ میں کابل کا علاقہ باغی ہو گیا۔ اس کے استیصال کے لئے عبدالرحمن بن سمرہ کی ڈیوٹی لگی' انہوں نے کابل پہنچ کر شہر کا محاصرہ کیا اور سنگ باری کر کے شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ اہل کابل نے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اموی افواج اطراف و اکناف کے علاقے بست' رزان اور طخارستان کو فتح کرتی ہوئی غزنہ پہنچیں' غزنویوں نے اگرچہ جم کر مقابلہ کیا لیکن مفتوح ہوئے چنانچہ پورے باغی علاقے پر دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ (ابن اثیر' ج 3' ص 174)

47ھ میں اہل غور نے بغاوت کی۔ اسے حکم بن عمرو غفاری نے فرو کیا غرضیکہ جہاں جہاں بھی بغاوت کے آثار نظر آئے اس کا فوراً تدارک کیا گیا اور مفتوحہ ملکوں کا ایک چپہ بھی ہاتھ سے نکلنے نہ پایا۔

خارجہ پالیسی:

امیر معاویہ ایک تجربہ کار جرنیل اور بے پناہ عسکری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ عہد عثمانی میں انہوں نے بحری بیڑا تیار کر کے رومیوں کو پے در پے کئی معرکوں میں شکستیں دی تھیں۔ برسر اقتدار آنے کے بعد انہوں نے فتوحات اور توسیع سلطنت کی پالیسی کو اپنا کر اسلامی حکومت کا دائرہ بہت بڑھا دیا تھا۔ ان کے دور کی فتوحات کا اجمالی تذکرہ یہ ہے۔

امیر معاویہ کے عہد میں ہندوستان پر دو اطراف سے حملہ کیا گیا۔ ایک قدیم راستہ سندھ سے دوسرے خیبر کی راہ سے۔ خیبر کے راستہ سے مہلب نے فوج کشی کی اور کابل کو طے کر کے ہندوستان میں قدم رکھا۔ مہلب نے قلات تک کا سرحدی علاقہ فتح کیا اور مال غنیمت لے کر لوٹ گئے۔ دوسری فوج منذر کے زیر کمان مکران کے راستے سے سندھ پر حملہ آور ہوئی۔ منذر نے مکران کا علاقہ فتح کر کے قلات کی طرف پیش قدمی کی۔ دونوں مہمیں بہت کامیاب رہیں۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے بعد بھی ہندوستان کی طرف کامیاب مہمات بھیجی گئیں اور ان کے عسکری اثرات نے بعد کی نسلوں کے لئے فتح کا راستہ ہموار کیا۔ (فتوح البلدان بلاذری' ص 439-440)

ترکستان کی فتوحات:

54ھ میں عبیداللہ بن زیاد خراسان کا والی مقرر ہوا۔ یہ بڑا باہمت اور حوصلہ مند نوجوان تھا۔ اس نے ترکستان پر حملہ کر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 55ھ میں ان کے جانشین حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے سعید بن عثمان نے ان مہمات کو جاری رکھا۔ دریائے جیحون کو پار کر کے صوبہ سغد کے دارالحکومت پر حملہ آور ہوئے۔ اس صوبے کی قبق نامی عورت حکمران تھی۔ اس نے صلح کر لی مگر رعایا نے صلح قبول نہ کی بلکہ مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ملکہ نے بھی صلح توڑ دی اور ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کو نکلی۔ بخارا کے مقام پر افواج کا آمنا سامنا ہوا مگر جنگ شروع ہونے

سے پہلے ہی ان کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی اور بہت سی فوج میدان چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ ملکہ کی درخواست پر دوبارہ صلح ہوئی اور مسلمان کسی جنگ کے بغیر بخارا میں داخل ہو گئے۔

بخارا کے بعد سعید نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے خوب مقابلہ کیا اور تیروں کی بارش سے مسلمانوں کا نہایت نقصان کیا مگر مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور نہایت سختی سے محاصرہ جاری رکھا' تنگ آ کر اہل شہر نے سات لاکھ سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدے پر صلح کر لی۔

سمرقند سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر ترمذ پہنچا' وہاں کے باشندے چونکہ مسلمانوں کی بہادری اور فتح کے قصے سن چکے تھے اس لئے مقابلہ کو بے سود سمجھ کر صلح کر لی۔

(ابن اثیر ج 3' ص 197- فتوح البلدان' ص 417)

شمالی افریقہ کی فتوحات:

خلافت راشدہ کے عہد میں شمالی افریقہ کا کافی حصہ فتح ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ نے اس کی وسعت میں اور اضافہ کیا۔ 41ھ میں عقبہ بن نافع نے لواتہ اور زناتہ کو مغلوب کرتے ہوئے 42ھ میں غداس پر قبضہ کیا۔ 43ھ میں سوڈان کے بعض حصے فتح کئے۔ (ابن اثیر' ج 3' ص 67)

ادھر 41ھ میں معاویہ بن خدیج نے افریقہ کے ایک بڑے اور خوبصورت ساحلی شہر بنزرت اور رویفع بن ثابت انصاری نے جزیرہ حربہ پر قبضہ کر لیا۔ (المونس' ص 45)

دوبارہ معاویہ بن خدیج نے 45ھ میں بڑے اہتمام سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک وغیرہ صحابہ اور اکابر قریش ساتھ تھے۔ ابن زبیر نے سوسہ اور عبدالملک نے جلولا کو فتح کیا۔ (بلاذری' ص 417)

شمالی افریقہ کے بربری باشندے بڑے سرکش واقع ہوئے تھے۔ جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے چنانچہ انہوں نے متعدد بار ایسا کیا جس سے اسلامی لشکر کو بہت سا مالی و جانی نقصان برداشت کرنا پڑا چنانچہ امیر معاویہ کے حکم سے 50ھ میں عقبہ بن نافع نے دس ہزار عرب اور بہت سے نومسلم بربریوں کے ساتھ باغی علاقہ میں گھس کر باغیوں کا قلع قمع کر دیا اور آئندہ اس کے انسداد کے لئے قیروان کا نیا شہر آباد کر کے فوجی چھاؤنی قائم کر دی تاکہ آئندہ کے لئے باغیوں کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو۔

(المونس' ص 25- بلاذری' ص 236)

رومیوں سے معرکے:

مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی رومی حکومت تھی۔ ان کا زیادہ مقابلہ انہی سے رہتا تھا۔ مصر و شام کے ساحلی علاقے اس کی بحری زد میں تھے اور رومیوں کو اپنے بحری بیڑے پر بڑا ناز تھا۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بحری فوج کا قیام لازمی تھا چنانچہ امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر ایک زبردست بحری بیڑا تیار کیا جس نے عیسائیوں کو کئی سمندری جنگوں میں نیچا دکھایا۔ بحری بیڑے کے ساتھ ایک مستقل گرمائی فوج قائم کی جو صرف رومیوں سے برسرپیکار رہتی تھی۔ کوئی

سال بحری جنگ سے خالی نہ جاتا تھا۔ عبداللہ بن قیس حارثی' جنادہ بن امیہ' عبدالرحمن بن خالد بن ولید بسر بن ابی ارطاۃ' مالک بن ہبیرہ' فضالہ بن عبید اور یزید بن شجرہ وغیرہ مختلف سنین میں بحری معرکوں میں مشغول رہے مگر قسطنطنیہ پر حملہ کے سوا کوئی اور قابل ذکر معرکہ پیش نہیں آیا۔

(ابن اثیر مختلف صفحات

قسطنطنیہ پر حملہ:

اس زمانہ میں قسطنطنیہ تمام عیسائی دنیا کا دل سمجھا جاتا تھا۔ اسے فتح کرنے کے لئے امیر معاویہؓ نے آزمودہ کار اور تجربہ کار جرنیلوں کی زیر کمان ایک لشکر جرار روانہ کیا چونکہ آنحضرت ﷺ نے فاتحین قسطنطنیہ کے لئے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی اس لئے بہت سے ممتاز صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابو ایوب انصاری' عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اس جہاد میں شریک ہوئے۔

یہ لشکر خشکی اور تری دونوں راستوں سے روانہ ہوا اور اسلامی بیڑا بحر روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا۔ قسطنطنیہ مشرقی کلیسا کا مرکز تھا اس لئے رومیوں نے اس کی مدافعت میں پوری طاقت صرف کر دی' مسلمانوں نے بھی جوش جہاد میں بڑا پُرزور مقابلہ کیا۔

چونکہ قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی اور سنگین تھی' رومی اس کے اوپر سے آگ برسا رہے تھے اور مسلمان نشیب میں تھے اور وہاں کی سردی عربوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اسلامی لشکر شہر کو فتح نہ کر سکا اور بہت سا نقصان اُٹھا کر ناکام واپس لوٹا۔

محاصرہ کے دوران حضرت ابوایوب انصاریؓ وفات پا گئے۔ مرض الموت میں ان سے وصیت پوچھی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے مجھے دشمن کی سرزمین کے اندر لے جا کر دفن کرنا چنانچہ ان کی میت کو قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کیا گیا اور عیسائیوں کو انتباہ کر دیا کہ اگر تم نے قبر کی بے حرمتی کی تو اسلامی سلطنت کی حدود میں نہ تو ناقوس بج سکے گا اور نہ ہی کوئی کلیسا محفوظ رہ سکے گا۔ بعد میں عثمانی ترکوں کی فتح کے بعد انہوں نے اس پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا جس کی زیارت کو لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ (الاستیعاب' ج 2' ص 638- ابن اثیر ج 3' ص 182)

یہ معرکہ 55ھ میں پیش آیا اس مہم میں حضرت سفیان بن عوف الازدی کو فوج کا سپہ سالار بنایا گیا البتہ فوج کے ایک دستہ کی کمان امیر معاویہؓ کے بیٹے یزید نے کی۔ یہ حملہ اگرچہ ناکام رہا لیکن رومیوں پر حد درجہ خوف غالب رہا اور انہوں نے اگلے کئی برسوں تک مسلمانوں کے خلاف جارحانہ اقدام کا ارتکاب نہیں کیا۔

روڈس اور ارواڈ کے جزائر پر قبضہ:

قبرص' روڈس اور ارواڈ وغیرہ کے جزیرے ساحل شام کے نزدیک ہی واقع ہیں' قبرص تو عہد عثمانؓ میں فتح ہو چکا تھا۔ بعد میں امیر معاویہ نے اپنے عہد میں روڈس کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ یہاں ہر قسم کے میووں کی پیداوار ہے۔

52ھ میں جنادہ بن امیہ نے اس کو فتح کیا۔ (الاستیعاب ج 2 ص 638)

اس کے دو سال بعد 54ھ میں جزیرہ ارواڈ پر قبضہ ہوا کریٹ پر حملہ کیا لیکن وہ فتح نہ ہو سکا بلکہ عہد عباسی میں فتح ہوا۔

امیر معاویہ نے نہایت تدبیر اور سیاسی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے داخلی استحکام حاصل کیا۔ مخالفین کو سختی سے کچل ڈالا۔ خارجہ حکمت عملی کے تحت بہت سی فتوحات حاصل کیں اور اسلامی ریاست کے دائرے کو کافی پھیلا دیا تو اس طرح وہ دولت بنوامیہ کے مؤسس اور کامیاب حکمران ثابت ہوئے۔

یزید کی ولی عہدی اور بیعت:

مغیرہ بن شعبہ حاکم کوفہ امیر معاویہؓ کے معتمد علیہ اور مشیر خاص تھے انہوں نے امیر معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اُمت کو جانشینی کے نزاع اور فتنہ وفساد سے بچانے کے لئے وہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہدی کے لئے نامزد کر دیں۔ یہ بات اگرچہ امیر کے دل کی بات تھی مگر امیر کو معلوم تھا کہ یزید کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دے گی اس لئے ایسا اقدام اُٹھاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس خدشہ کا اظہار حضرت مغیرہ سے کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ بالکل مطمئن رہیں اس کٹھن مہم کو ہم خود سرانجام دیں گے۔

اس وقت سیاسی اور مذہبی لحاظ سے کوفہ بصرہ اور حجاز تین بڑے مراکز تھے۔ امیر جانتے تھے کہ اگر ان مقامات کے لوگ یزید کی جانشینی منظور کر لیں تو باقی اُمت خود بخود بیعت کر لے گی چنانچہ کوفہ بصرہ اور حجاز کی ذمہ داری بالترتیب وہاں کے حاکموں مغیرہ بن شعبہ زیاد بن ابی سفیان اور مروان بن حکم کے سپرد ہوئی۔

مغیرہ بن شعبہ بڑے دانا اور سیاستدان تھے کوفہ میں ان کا بڑا اثر تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف اہل کوفہ کو یزید کی بیعت پر آمادہ کر لیا بلکہ وہاں کے معززین اور رؤساء کا ایک وفد شام بھیجا جس نے امیر کی خدمت میں حاضر ہو کر خود یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا۔ اس وفد کی آمد کے بعد امیر کا ڈر بہت کم ہو گیا اور انہوں نے اعلانیہ طور پر یزید کی بیعت لینی شروع کر دی۔

زیاد بن ابی سفیان جیسا جابر اور سخت گیر حکمران زبردستی بھی بیعت لے سکتا تھا مگر اس نے احتیاط سے کام لیا اور اپنے مشیر خاص عبید بن کعب کو بلا کر کہا کہ یزید لا اُبالی قسم کا نوجوان ہے لوگ خوشی سے اس کی جانشینی کو تسلیم نہیں کریں گے بہتر یہ ہے کہ یزید کو سمجھایا جائے کہ وہ قابل اعتراض حرکات سے احتراز کرے چنانچہ عبید دمشق گیا اور اپنے طور پر اسے جا کر سمجھایا بجھایا جس سے یزید نے بڑی حد تک اپنی اصلاح کر لی اور سیر و شکار اور لہو ولعب کے طریقے ترک کر دیئے۔

اسی اثناء میں بصرہ کا ایک وفد احنف بن قیس کی سرکردگی میں دمشق پہنچا اور امیر کے ساتھ یزید کی ولی عہدی کے متعلق گفتگو کی۔ امیر نے دربار عام لگایا اور یزید کے فضائل و مناقب بیان کر کے حاضرین کو بیعت کے لئے ترغیب دی۔ امیر معاویہ نے احنف بن قیس سے اس بارے رائے مانگی تو انہوں نے کھڑے ہو کر کہا:

"یا امیر المومنین اگر جھوٹ کہیں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اگر سچ کہیں تو آپ سے خوف آتا ہے۔ آپ یزید کے مشاغل سے ہماری نسبت زیادہ واقف ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی آپ یزید کی ولی عہدی کو اُمت کے لئے مفید سمجھتے ہیں تو پھر صلاح مشورے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ اس منصب کا اہل نہیں تو اس کی دنیا کو بہتر بنانے کے لئے اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہیں' ویسے ہم تو آپ کا ہر حکم بجالانے کو تیار ہیں۔"

مگر امیر معاویہؓ تو یزید کی جانشینی کا تہیہ کر چکے تھے اس لئے کچھ لوگوں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اور کچھ کو ڈرا دھمکا کر یزید کی بیعت پر رضامند کر لیا چنانچہ عراق و شام کے تمام باشندوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کر لیا۔

حجاز کا معاملہ البتہ پیچیدہ تھا' وہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ عبداللہ بن عباسؓ اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر جیسے بزرگ صحابہ اور صحابہ زادے موجود تھے جن کی فضیلت اور اہلیت کے سامنے یزید کی کوئی حقیقت نہ تھی اس لئے اہل حجاز کی مخالفت یقینی تھی چنانچہ امیر معاویہؓ نے حاکم مدینہ مروان کو لکھا کہ

"میں بہت ضعیف العمر اور کمزور ہو گیا ہوں' خدشہ ہے کہ میرے بعد اُمت میں پھر کہیں فتنہ فساد نہ کھڑا ہو جائے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی کسی شخص کو نامزد کر دوں جو میرے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہو لیکن اہل حجاز کے مشورے کے بغیر میں کوئی قدم اُٹھانا نہیں چاہتا لہٰذا تم وہاں کے معززین کے سامنے یہ معاملہ پیش کرو اور جو کچھ وہ جواب دیں اس سے آگاہ کرو۔"

مروان نے مدینہ کے معتبر حضرات کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کیونکہ اس خط میں کسی جانشین کا نام نہیں تھا اس لئے سب لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا مگر بعد میں جب امیر نے یزید کی ولی عہدی کا اعلان بھیجا تو تمام اہل حجاز نے اس کی نامردگی کی شدید مخالفت کی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مروان کو مخاطب کر کے کہا:

"تمہیں اور امیر کو اُمت کی خیر خواہی منظور نہیں بلکہ تم خلافت کو میراث اور شہنشاہیت میں تبدیل کرنا چاہتے ہو تاکہ جب ایک بادشاہ مر جائے تو اس کی جگہ اس کا بیٹا حکمران بن جائے۔" مروان نے یہ تمام حالات امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجے۔

عراق اور شام کی بیعت سے فارغ ہو کر امیر خود ایک ہزار شامیوں کی فوج لے کر مدینہ روانہ ہوئے ان کی آمد کی خبر سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ عبداللہ بن عباسؓ عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حسینؓ مکہ چلے گئے۔ امیر معاویہؓ بھی ان کے پیچھے مکہ پہنچ گئے اور ان حضرات کو بلا لیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن زبیر کو گفتگو کے لئے منتخب کیا۔ امیر نے ابن زبیرؓ سے کہا کہ

"یزید تمہارا بھائی ہے اسے خلیفہ کا لقب دے دو باقی حکومت کا سارا نظم و نسق تمہارے ہاتھوں میں ہو گا۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ "ہمارے سامنے خلیفہ منتخب کرنے کے صرف تین

طریقے ہیں:

1- اوّل یہ کہ آنحضرت ﷺ کی طرح کسی کو نامزد نہ کریں' اُمت جسے چاہے گی خلیفہ بنا لے گی۔
2- دوم یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح کسی ایسے شخص کو جانشین نامزد کریں جو آپ کا رشتہ دار نہ ہو۔
3- سوم یہ کہ حضرت عمرؓ کی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے معزز مسلمانوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دیجئے جو باتفاق رائے یا کثرت رائے سے خلیفہ منتخب کرے۔

ان طریقوں کے علاوہ کوئی اور طریقہ ہمارے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔"

اس جواب پر امیر معاویہ بہت ناخوش ہوئے اور غصہ میں آ کر کہا کہ

"مجھے آپ سے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکا ہوں اور جو کچھ میں نے ارادہ کیا ہے' وہ پورا کر کے رہوں گا خواہ تم اسے تسلیم کرو یا نہ کرو۔"

چنانچہ باہر نکل کر اعلان کر دیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربرآوردہ اور بزرگ ہیں' ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں دیا جائے گا۔ انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے اس لئے آپ لوگ بھی بیعت کر لیجئے۔ اس اعلان پر اکثر اہل حجاز نے یزید کی ولی عہدی کو تسلیم کر لیا۔ بعد میں حقیقت حال کا علم ہوا تو بہت سٹپٹائے مگر امیر کے خوف سے کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔

(تاریخ طبری ج 7' ص 56-57- ابن اثیر' ج 3' ص 220)

امیر معاویہ کی وفات:

جمادی الثانی 60ھ میں امیر معاویہ بیمار ہوئے اس وقت یزید کسی مہم پر گیا ہوا تھا' جب مرض بڑھا اور زندگی کی کوئی اُمید نہ رہی تو امیر نے اپنے معتمد خاص ضحاک بن قیس کو بلا کر یزید کے نام وصیت لکھوائی جس کا خلاصہ یہ ہے:

"جان پدر! میں نے تیرے لئے تمام راستے ہموار کر دیئے اور دشمنوں کو مطیع و مغلوب کر کے تیرا فرمانبردار بنا دیا ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کا خاص طور پر خیال رکھنا کیونکہ وہی ہماری اصل بنیاد ہیں۔ اہل عراق کی سب خواہشیں پوری کرنا اور اگر وہ حاکموں کے تبادلہ کا پُرزور مطالبہ کریں تو پورا کرنا کیونکہ عمال کی تبدیلی خون ریزی سے بہتر ہے۔ اہل شام کی بہبودی اور بہتری کو ہر وقت پیش نظر رکھنا' دشمنوں سے مقابلہ میں ان سے مدد لینا لیکن مہم سے فارغ ہونے کے فوراً بعد انہیں واپس شام میں بلا لینا ورنہ دوسری جگہ رہنے سے ان کے خلاق بدل جانے کا خدشہ ہے۔

خلافت کے معاملے میں صرف چار آدمی تمہارے دشمن ہو سکتے ہیں: حسین بن علی' عبداللہ بن عمر' عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور عبداللہ بن زبیر۔ ان میں سے عبداللہ بن عمر کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ عابد و زاہد ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر اکیلے حوصلہ نہیں رکھتے وہ اپنے رفیقوں کی پیروی کریں گے البتہ حسین بن علیؓ کی طرف سے ضرور خطرہ ہے کیونکہ عراقی انہیں اُکسا کر ضرور تمہارے مقابلہ میں کھڑا کر دیں گے۔ اگر واقعی ایسا ہوا اور تمہیں غلبہ ہوا تو چشم پوشی سے کام لینا کیونکہ وہ ہمارے قریبی اور

آنحضرت ﷺ کے نواسے ہیں مگر جو شخص لومڑی کی مانند چکمہ دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیر ہے اس پر اگر قابو پالے تو اس پر ہرگز رحم نہ کرنا اور اس کی بوٹی بوٹی کر دینا'۔

(طبری ج 7' ص 196-197 - الفخری' ص 102)

اس کے بعد اپنے متعلق کچھ وصیتیں کیں اور یکم رجب 60ھ بمطابق 680ء انتقال فرما گئے۔ ضحاک بن قیس نے نماز جنازہ پڑھائی اور عرب کے اس مدبر اعظم کو دمشق کی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔ انتقال کے وقت عمر 78 سال تھی۔ خلافت کی مدت انیس سال اور چند مہینے تھی۔

(الاستیعاب' ج 1' ص 262)



نظام خلافت اور کارہائے نمایاں

امیر معاویہ کے زمانہ میں نظام خلافت میں سب سے بڑا انقلاب یہ رونما ہوا کہ خلافت اسلامیہ موروثی و شخصی حکومت کے قالب میں ڈھل گئی جس سے اس کی اصل روح بدل گئی لیکن اس کا ظاہری ڈھانچہ وہی رہا جو خلافت راشدہ کے زمانے میں تھا بلکہ امیر معاویہ نے اس کو مختلف حیثیتوں سے اور زیادہ ترقی دی۔ مسلسل خانہ جنگی سے نظام خلافت میں جو برہمی پیدا ہو رہی تھی اسے از سر نو قائم کیا۔ اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا خاتمہ کر کے امن و سکون پیدا کیا' بغاوتیں فرو کیں' نئے ملک فتح کئے' تمدنی ضروریات کے مطابق بہت سے نئے شعبے قائم کئے اور اپنے بعد ایک وسیع اور طاقتور حکومت چھوڑ گئے۔

امیر کے مشیر کار:

امیر معاویہ کی حکومت شخصی تھی اس میں خلافت راشدہ کی طرح مہاجرین و انصار کی مجلس شوریٰ نہ تھی لیکن اس عہد کے عرب کے اکثر نامور مدبر مثلاً عمرو بن العاص' مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان امیر کے خاص مشیروں میں تھے اور کوئی اہم کام ان کے مشورے کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔ امیر معاویہ کی کامیابیاں ان کی ذاتی تدبیر و سیاست کے علاوہ ان مدبرین کی صلاح و مشورہ کا بھی نتیجہ تھیں۔

صوبے اور ان کا انتظام:

امیر معاویہ کے زمانے میں صوبوں کی تقسیم اور ان کا انتظام وہی رہا جو عہد فاروقی میں تھا۔ مغرب کے نئے مفتوحہ علاقے مصر کے اور مشرق کے علاقے خراسان کے ماتحت تھے اور ان کے نظام میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔

فوجی ترقی:

فوج کی سپہ سالاری کئی پشتوں سے بنی اُمیہ میں چلی آ رہی تھی اس لئے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں فوج کے شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بری فوج کا نظام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں مزید کسی ترمیم و اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ جن پہلوؤں سے ترقی کی گنجائش تھی اسے مزید ترقی دی گئی۔

بحری فوج:

بحری فوج میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بحری فوج امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ ہی کے زمانہ میں قائم کر دی تھی اور اس کو اتنی ترقی دی تھی کہ اسی زمانہ میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا تھا۔ خود ان کے زمانہ میں بحری بیڑا اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا۔

امیر البحر:

بحری فوج کی سپہ سالاری کا علیحدہ مستقل عہدہ قائم کیا چنانچہ جنادہ بن ابی اُمیہ اور عبداللہ بن

قیس حارثی اس عہدہ پر فائز تھے۔ عبداللہ نے پچاس بحری معرکے سر کیے اور جنادہ یزید کے زمانے تک بحری لڑائیوں میں مصروف رہے۔ (اسد الغابہ' تذکرہ جنادہ)

جہاز سازی کے کارخانے:

جگہ جگہ جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ سب سے پہلے یہ کارخانہ مصر میں قائم ہوا۔ بلاذری کے مطابق تمام ساحلی مقاموں پر کارخانے تھے۔

(فتوح البلدان' ص 144- حسن المحاضرۃ' ج 2' ص 199)

سرمائی اور گرمائی فوجیں:

موسم اور مختلف ملکوں کی آب و ہوا کے اعتبار سے فوج کی دو قسمیں شاتیہ اور صائفہ یعنی سرمائی اور گرمائی قرار دیں جو موسم کے لحاظ سے مختلف ملکوں میں نبرد آزما رہتی تھیں۔

قلعوں کی تعمیر:

امیر نے بہت سے نئے قلعے بنوائے۔ پرانے قلعوں کی مرمت کروائی خصوصاً پایہ تخت شام جس پر رومیوں کے حملے کا زیادہ خطرہ تھا' قلعوں کو مستحکم کیا۔ انطرطوس' بلنیاس اور مرقیہ میں نئے قلعے بنوائے۔ رومیوں کے پرانے قلعے جبلہ کو جو شام کی فتح کے وقت ویران ہو گیا تھا' اسے دوبارہ آباد کیا۔ روڈس میں ایک قلعہ بنوایا جو سات برس تک فوجی مرکز رہا۔ مدینہ میں ایک قلعہ قصر خل بنوایا۔ علاوہ ازیں قبرص میں ارواڈ میں فوجی مراکز قائم کیے اور فوجی ضرورتوں کے پیش نظر قیروان شہر آباد کیا۔

(فتوح البلدان' ص 224,140)

منجنیق کا استعمال:

منجنیق کا استعمال غالباً صحیح طرح پہلی مرتبہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں ہوا۔ کابل کے محاصرہ میں سنگ باری سے شہر پناہ توڑی گئی تھی۔ (فتوح البلدان' ص 160)

محکمہ پولیس:

ملک کے اندرونی نظام اور قیام امن کے لئے پولیس کے شعبے کو بڑی ترقی ہوئی خصوصاً عراق میں جہاں ہر وقت فتنہ و فساد رہتا تھا پولیس کا بڑا زبردست نظام قائم کیا گیا۔ صرف کوفہ شہر میں چالیس ہزار پولیس کے افراد تھے۔ زیاد کے دور میں امن و امان کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص راستے میں گری پڑی چیز اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا تا آنکہ خود اس کا مالک نہ اٹھاتا۔ قیام امن کے لئے مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی ایک احتیاط ہے۔ امیر معاویہ نے دمشق کے تمام بدمعاشوں کے نام رجسٹر میں درج کرائے تھے اور زیاد نے جعد بن قیس کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔

(ابن اثیر' ج 3' ص 174- طبری' ج 7' ص 89,77- الادب المفرد' باب الظن)

محکمہ ڈاک:

اسلامی حکومت میں امیر معاویہ سے پہلے سرکاری ڈاک اور خبررسانی کا باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ انہوں نے برید کے نام سے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا کہ ملک بھر میں تھوڑی تھوڑی مسافت پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار ملتے تھے۔ سرکاری ہرکارے منزل بمنزل انہیں بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام پر لاتے اور لے جاتے تھے۔ (الفخری' ص 97)

دیوان خاتم:

سرکاری فرامین کی نقلیں دفتر میں رکھنے کا باقاعدہ نظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ان میں ردوبدل کا موقع مل جاتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک لاکھ کے دو لاکھ بنا کر وصول کئے۔ اس وقت سے امیر معاویہ دیوان خاتم کے نام سے ایک نیا شعبہ قائم کیا وہ جو حکم صادر کرتے تھے وہ پہلے دیوان خاتم میں آتا تھا' یہاں اس کی ایک نقل رکھ لی جاتی تھی اور دفتر کا محرر حکم نامہ کو لفافہ میں بند کر کے اس پر مہر لگا کر آگے بڑھاتا تھا۔ اس احتیاط کے بعد احکام میں ردوبدل کا امکان باقی نہ رہ گیا۔
(الفخری' ص 97)

یہ طریقہ محض شاہی احکام کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ بڑے بڑے حکام بھی اس پر عامل تھے۔ زیاد بھی اپنے تمام فرامین و خطوط کی نقلیں رکھواتا تھا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 279)

رفاہ عامہ کے کام

امیر معاویہ کے دور میں بہت سے ایسے کام ہوئے جن سے حکومت کے ساتھ رعایا کو بھی فائدہ پہنچا۔

نہروں کی کھدائی:

زراعت کی ترقی کے لئے بہت سی نہریں جاری کرائیں جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ' نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔
(وفاء الوفاء' ج 2' ص 117- خلاصۃ الوفاء' ص 136)

دیگر بہت سے علاقوں میں چھوٹی بڑی متعدد نہریں نکالی گئیں۔
(فتح البلدان' ص 316-طبری' ج 7' ص 169)

ان نہروں کے ذریعے سے پیداوار میں خاصی زیادہ ترقی ہوئی۔ (وفاء الوفاء' ج 2' ص 321)

شہروں کی آبادی:

امیر معاویہ کے زمانے میں بعض پرانے ویران شہر دوبارہ آباد ہوئے اور کچھ نئے شہر بسائے گئے۔ قیروان کے نام سے ایک شہر بسایا گیا جو بعدازاں مسلمانوں کا ایک مرکزی شہر بن گیا۔ شام کے اُجڑے ہوئے شہر مرعش کو دوبارہ آباد کیا گیا۔ (معجم البلدان' ذکر قیروان)

اسلام کی نوآبادیاں:

مختلف مقامات پر اسلامی نوآبادیاں قائم ہوئیں۔ 43ھ میں انطاکیہ میں ایک نوآبادی بسائی۔ (فتوح البلدان' ص 154)

روڈس اور ارواڈ کے جزیروں میں مسلمان آباد کئے گئے خصوصاً ان مقامات پر جہاں کسی دوسری حکومت کے ساتھ مسلمانوں کی سرحد ملتی تھی اور مسلمانوں کی آبادی کم تھی' وہاں مسلمان آباد کئے اس سے دو فائدے ہوئے ایک یہ کہ ان مقامات پر دوسری قوموں کے حملوں کا خطرہ کم ہو گیا۔ دوسرے اسلامی حکومت میں جہاں جہاں مسلمان آباد نہ تھے' ان کی آبادی ہو گئی۔

مجاہدین کے بچوں کے وظائف:

مجاہدین کے بچوں کے وظائف سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے جاری کئے۔ وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ امیر معاویہؓ نے اسے قائم رکھا لیکن اتنی ترمیم کر دی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد وظیفہ جاری ہوتا تھا۔ (فتوح البلدان' ص 464)

ذمیوں کے مال و جائیداد کی وضاحت:

حسب سابق امیر معاویہ کے عہد میں بھی ذمیوں کے ساتھ معاہدوں کا پورا احترام کیا جاتا تھا۔ گورنر مصر عقبہ بن نافع کو تھوڑی سی زمین کی ضرورت تھی تو انہوں نے امیر کی اجازت سے ایک ایسی زمین منتخب کی جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی۔ نوکر نے انہیں اچھی زمین پسند کرنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے کہا کہ ذمیوں کے معاہدے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کی زمین ان کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی۔ (خطط مقریزی' ج 1' ص 208)

ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر:

امیر معاویہ نے متعدد غیر مسلموں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا چنانچہ ابن آثال نصرانی کو حمص کا کلکٹر مقرر کیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 265)

سرجون بن منصور رومی کو کاتب بنایا۔ (طبری' ج 7' ص 283)

مذہبی خدمات

امیر معاویہ کی حکومت خلافت راشدہ کے مقابلے میں خالص دنیاوی تھی لیکن بہرحال وہ صحابی رسول ﷺ تھے اس لئے سلطنت کی مادی اور دنیاوی ترقیوں کے ساتھ وہ دین و مذہب کی خدمت سے غافل نہ تھے۔

اشاعت اسلام:

امیر معاویہؓ کے عہد میں اسلام کی بھی خاصی اشاعت ہوئی۔ شمالی افریقہ کے بربری بغاوت کے

ساتھ مرتد بھی ہو جاتے تھے۔ قیروان آباد کر کے اس کا تدارک کیا گیا۔ رومیوں کی خاصی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔

حرم کی خدمت:

شیخینؓ کے زمانہ میں حرم میں خانہ کعبہ پر معمولی غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے قیمتی غلاف چڑھایا اور امیر معاویہؓ نے دیبا سے آراستہ کیا اور اس کی خدمت کے لئے غلام مقرر کئے۔
(یعقوبی' ج 2' ص 283)

مساجد کی تعمیر:

اس زمانہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ زیاد نے بصرہ کی جامع مسجد کو ازسرنو تعمیر کرایا۔
(فتوح البدان' ص 355)

قبرص میں بہت سی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ (فتوح البلدان' ص 160)

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کرائی۔ (فتوح البلدان' ص 404)

مصر کی مسجدوں میں مینار کا رواج نہ تھا' مسلمہ بن مخلد نے تمام مسجدوں میں مینار بنوائے۔
(الاصابہ' تذکرہ مسلمہ بن مخلد)

امیر معاویہؓ کی سیرت اور کردار

امیر معاویہؓ کا شمار اپنے عہد کے پانچ بہترین اور بے مثال مقررین میں ہوتا تھا۔ ان میں لوگوں پر چھا جانے اور انہیں متاثر کرنے کی بے پناہ صلاحتیں موجود تھیں۔ یہ مسلم ہے کہ ان میں کماحقہ خلفاء راشدین کی خوبیاں موجود نہ تھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اعلیٰ پائے کے حکمران تھے۔ تدبر' تفہم' فراست' دوراندیشی اور مردم شناسی میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔ خطابت اور فصاحت و بلاغت میں بھی وہ بے نظیر تھے۔ خوردونوش' بودوباش اور لباس و اطوار میں شاہانہ زندگی کے عادی تھے۔ ان کے دربار سے قیصر وکسریٰ کا جلال نمایاں ہوتا تھا۔ وہ درباریوں' شاعروں' دوستوں' حاجت مندوں پر خسروانہ عنایات کر کے ان کے دل و دماغ کو خرید لیتے۔

شاہانہ مزاج کے باوجود وہ رعایا کے غریب سے غریب آدمی کے حالات سے بھی باخبر ہوتے تھے۔ مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی شکایات سنتے اور مناسب امداد کرتے۔ انہوں نے اہل دربار پر بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ لوگ جو ان تک رسائی نہیں رکھتے' ان کی ضروریات کو امیر تک پہنچانا ان کی ذمہ داری ہے۔

زہد و ورع' خشیت الٰہی اور ایک مجاہد کی حیثیت سے ان کا درجہ یقیناً حضرت علیؓ سے کم تر ہے مگر فوجی مہارت' انتظام اور امور ریاست میں تدبر کے لحاظ سے اس عہد میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں ان کی بے مثل کامیابی اور فتوحات اُن کی شاہد عدل ہیں۔

سب سے بڑھ کر جو چیز ان کو ہم عصر حکمرانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کی سیاست دانی' معاملہ فہمی' تدبر اور منصوبہ بندی ہے۔ آپ کی سیاست ہمیشہ کامیاب رہی' انہی اوصاف کی بدولت انہوں نے مضبوط حکمران خاندان کی بنیاد رکھی جس کی کامیابیاں اور کامرانیاں ملت اسلامیہ کے عروج کا مظہر ہیں۔

حکومت کے انتظام و انصرام' نظم و نسق اور فتوحات کے اعتبار سے خلافت راشدہ میں فاروق اعظمؓ کے سوا کوئی دوسرا ان کا مدمقابل نہیں ہے۔

مسلم بادشاہت کا آغاز:

امیر معاویہؓ بنیادی طور پر ایک دنیاوی حکمران تھے لہٰذا ان کے عہد حکومت کو خلفاء راشدین پر جانچنا ایک تاریخی غلطی نظر آتی ہے بلکہ ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی جس میں ان کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہؓ میں یقیناً کمزوریاں تھیں لیکن جن کمزوریوں سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوتی ہو' وہ لائق التفات نہیں۔ (تاریخ اسلام' ندوی' حصہ دوم' ص 267)

اپنی حکومت کے آغاز میں انہوں نے مدینہ طیبہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں تمہاری حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے بے خبر نہ تھا کہ تم میرے برسراقتدار آنے پر خوش نہیں ہو اور اسے ناپسند کرتے ہو' اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خوب جانتا ہوں کہ میں نے اپنی تلوار کے زور سے تمہیں مغلوب کر کے اسے لیا ہے۔ اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا پورا پورا حق ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی ہو جاؤ۔''

اگرچہ انہوں نے حکومت کا ظاہری ڈھانچہ وہی رکھا جو خلفاء راشدین کے عہد میں تھا مگر انہوں نے اسلامی طرز حکومت میں جو تبدیلیاں کیں اس کی وجہ سے باقاعدہ مسلم بادشاہت کا آغاز ہوا۔

اسلام میں موروثی اور شخصی حکومت کا آغاز:

اسلام میں مطلق العنانیت اور شخصی حکومت کا کوئی تصور نہیں۔ خلفاء راشدین عوامی تائید و حمایت ہی سے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ عوام کو احتساب و مؤاخذہ کا پورا حق حاصل تھا لیکن امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنی نگرانی میں جانشین مقرر کر دیا اور اس کے حق میں حکمت' جبر اور حیلے بہانے سے بیعت بھی لے لی۔ یہیں سے اسلام میں موروثی اور شخصی حکومت کا آغاز ہوا۔

شورائیت کی بجائے درباریوں کا تقرر:

خلافت کی بنیاد شورائیت پر تھی' خلیفہ کی مدد اور رہنمائی کے لئے مجلس شوریٰ موجود تھی جس کے رکن اکابر صحابہ تھے۔ یہ پوری آزادی اور شرح صدر سے اسلامی مملکت کے سربراہ کو مشورے دیتے اور اس پر تنقید کرتے لیکن امیر معاویہؓ نے شورائیت کے ادارے کو ختم کر کے اس کی جگہ درباری امیروں' وزیروں اور مشیروں کو دے دی۔ یہ ''مشیر'' بالعموم ان کے عزیز و اقارب یا ان کے حامی ہوتے۔

بیت المال ایک شاہی خزانہ:

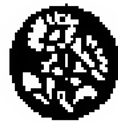
خلفاء راشدین کے نزدیک بیت المال ایک قومی امانت تھی مگر اب یہ حکمرانوں کے ذاتی تصرف میں آ گیا۔ آمدن وخرچ میں جائز و ناجائز کی تخصیص روا نہ رکھی جاتی۔ بیت المال عام لوگوں کے ذہن اور صلاحیت خریدنے میں صرف ہونے لگے اور اسے عوامی تائید حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا چنانچہ امیر معاویہ کے عہد میں بیت المال ایک "شاہی خزانہ" کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

اعلیٰ منصب کے لئے تقویٰ کی بجائے ذاتی تعلق:

اعلیٰ مناصب پر تقرری کے لئے تقویٰ اور اہلیت کی بجائے حاکم وقت کے ساتھ قرابت داری یا ذاتی تعلقات بنیادی خصوصیات قرار پائیں۔

سادگی کے بجائے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ:

خلافت راشدہ کا دور سادگی کا انتہائی ایمان افروز نمونہ تھا۔ مسجد نبوی ہی قصر و دربار تھی لیکن امیر معاویہؓ نے اپنے دفاتر اور محلات قیصر و کسریٰ کے نمونے پر تعمیر کروائے۔ ان کا طرز معاشرت شاہانہ تھا۔ قصر پر پہرہ اور دروازوں پر دربان مقرر تھے اور آپؓ نے اسلام میں پہلی مرتبہ یہ انداز اپنائے۔ آپ نے بیٹھنے کے لئے تخت نما چیز بنوائی۔ آپ مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے مگر وہاں بھی اپنے لئے مقصورہ (آڑ) بنوا رکھی تھی۔ یہ انداز و اسلوب ایرانی و رومی بادشاہوں سے مستعار لئے گئے تھے۔ یہ تبدیلیاں بڑی تیزی سے رونما ہوئیں چنانچہ اسلامی حکومت کا مزاج یکسر بدل گیا۔ (خلافت وملوکیت ص 159- تاریخ الخلفاء، ص 202- مروج الذهب مسعودی، ج 4، ص 423- یعقوبی، ج 2، ص 283- الفخری، ص 94)



یزید بن معاویہ

(60ھ تا 64ھ بمطابق 680ء تا 683ء)

یزید کا تعارف:

امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا یزید اوّل تخت نشین ہوا۔ یہ میسون بنت بحدل کے بطن سے تھا۔ اس کی پیدائش امیر معاویہؓ کے دور امارت میں ہوئی تھی لہٰذا اس نے ناز و نعمت کے گہوارہ میں پرورش پائی۔ اس کی زندگی شہزادوں اور امیر زادوں کی سی تھی۔ وہ سیر اور شکار کا بہت شوقین تھا لیکن اس میں سپہ گری کے جوہر موجود تھے۔ لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا۔ قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں بھی شریک تھا اور ایک روایت کے مطابق فوج کا سپہ سالار تھا۔

آغاز حکومت:

امیر معاویہؓ اس کی بیعت اپنی زندگی میں لے چکے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد وہ 60ھ میں تخت نشین ہوا۔ (تاریخ اسلام ندوی، حصہ دوم، ص 272)



حادثہ کربلا کے اسباب' واقعات اور نتائج

حضرت امیر معاویہؓ نے بیماری کے دوران یزید کو جو وصیت کی اس میں لکھا کہ "تمہارے چار حریف ہو سکتے ہیں: حسین بن علیؓ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ان میں سے ابن عمر کو حکومت لینے سے کوئی سروکار نہیں وہ تو عبادت گزار شخص ہیں۔ جب دوسرے بیعت کریں گے تو وہ بھی کر لیں گے۔ حسین بن علیؓ سادہ طبیعت ہیں لیکن عراق کے لوگ انہیں تمہارے مقابلے میں لائیں گے۔ جب تم فتح پا لینا تو ان سے نرمی کا سلوک کرنا وہ ہمارے قریبی عزیز اور رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں اور عبدالرحمٰنؓ تو وہ عیش کی طرف مائل ہیں البتہ عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے حقیقی خطرہ ہے۔ وہ شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا۔ اگر تم اس کے مقابلہ میں کامیاب ہو جاؤ تو اسے قتل کر دینا لیکن عام لوگوں کو خون ریزی سے بچانے کی کوشش کرنا۔

(طبری' ج 5' ص 196-197 - الفخری' ص 102)

اسباب

1- حضرت حسین کا یزید کی بیعت سے انکار:

قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسینؓ' ابن زبیرؓ عبداللہ بن عباسؓ' عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے سوا تمام عالم اسلام نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کر لیا تھا۔ جب ہم سانحہ کربلا کے وقوع پذیر ہونے کی وجوہ کو دیکھتے ہیں تو اس کی اولین وجہ خلافت کے لئے یزید کی نامزدگی اور پھر اس کی شخصی حکومت کا قیام ہے۔ امیر معاویہؓ سے قبل اسلامی نظام حکومت کی بنیاد شورائیت پر تھی۔ رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے ادوار اس کی زرّیں مثال تھے۔ امیر معاویہؓ نے اس سے پہلوتہی کرتے ہوئے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا جس سے اسلامی حکومت کی اساس منہدم ہو گئی کیونکہ اسلام میں نامزدگی اور شخصی حکومت کا تصور موجود نہیں۔ ابھی سرزمین حجاز میں صحابہ کرام و اکابرین ملت موجود تھے جنہوں نے بذات خود دامن نبوت میں تربیت حاصل کی تھی لہٰذا ان کے لئے امیر معاویہؓ کی اس غیر مناسب روایت کو قبول کر لینا ناممکن تھا چنانچہ حضرت حسینؓ نے اصول دین کے تحفظ کے لئے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔

2- یزید کا کردار:

یزید کا ذاتی کردار ان اوصاف و خصائل سے عاری تھا جو امارت و خلافت کے لئے شریعت اسلامی نے مقرر کیے ہیں۔ اس کے برعکس اس کی پرورش شاہانہ ماحول میں ہوئی۔ وہ اگرچہ علم و ادب کا دلدادہ تھا' شعر گوئی میں اسے مہارت تامہ حاصل تھی۔ دو دفعہ اسے حج کی امارت سونپی گئی مگر وہ سیر د

شکار کا بہت شوقین تھا اور اس نے کئی قسم کے شکاری کتے پال رکھے تھے چنانچہ اس کی ان عادات کی وجہ سے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے اسی بناء پر حضرت حسینؓ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔

3۔ بیعت پر اصرار:

یزید نے تخت نشین ہوتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا۔ وہ اس کی تعمیل کے خطرات سے آگاہ تھا چنانچہ اس نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا اس نے رائے دی کہ دونوں کو بلا کر فوراً بیعت لے لو اگر ذرا بھی تامل کریں تو سر قلم کر دو۔ اگر ان کو معاویہؓ کی موت کی خبر ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک ایک مقام پر خلافت کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس وقت بڑی دشواریاں پیش آئیں گی چنانچہ ولید نے حضرت حسینؓ اور ابن زبیر کو بلا بھیجا۔ ابھی تک امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر مدینہ نہیں پہنچی تھی لیکن دونوں بزرگوں کو قرائن سے اندازہ ہو گیا اور وہ اس طلبی کا مطلب سمجھ گئے۔ تاہم وہ ولید کے بلاوے پر اس کے پاس گئے۔ اس نے امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا حکم سنایا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا: میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ میرے لئے زیبا ہے۔ جب عام لوگوں کو بلاؤ گے تب میں بھی آ جاؤں گا۔ ولید نیک فطرت اور امن پسند شخص تھا' راضی ہو گیا۔ آپ لوٹ گئے۔ حضرت حسینؓ اور ابن زبیر دونوں مدینے سے راتوں رات نکل گئے اور وہ حرم میں پناہ گزیں ہو گئے۔ مروان نے حضرت حسینؓ سے بیعت لئے بغیر انہیں چھوڑ دینے پر ولید کو بہت ملامت کی اور کہا کہ تم نے بیعت لینے کا موقع کھو دیا' اب قیامت تک ان کو قابو نہیں کر سکتے۔ اس نے جواب دیا کہ میں حسینؓ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہیں کر سکتا تھا۔ (تاریخ اسلام' ندوی' حصہ دوم' ص 272)

4۔ اہل کوفہ کی دعوت:

جب حضرت حسینؓ مکہ پہنچے تو اہل کوفہ نے انہیں سینکڑوں خطوط لکھ کر کوفے میں آنے کی دعوت دی تاکہ وہ خلافت اسلامی کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کر سکیں لیکن اہل کوفہ نے غداری کا ارتکاب کیا اور ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کی۔

واقعات

جب عمائدین کوفہ نے خود آ کر آپؓ کو کوفہ چلنے کی دعوت دی تو اس درخواست پر آپؓ نے اپنے چچازاد مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا اور اہل کوفہ کے نام ایک خط لکھا۔

یہ خط لے کر مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے اور مختار بن ابوعبید کے گھر میں قیام کیا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر شیعان علی کی ان کے ہاں آمدورفت شروع ہو گئی۔ کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر کو اس کی خبر ہو گئی اس نے مسلم کو بلا کر سمجھایا کہ فتنے میں نہ پڑو۔

عبیداللہ بن زیاد کی کوفہ آمد:

یزید کے جاسوسوں نے دمشق میں یزید کو اطلاع دی کہ مسلم کوفہ آ کر لوگوں کو آپ کی حکومت کے خلاف بغاوت پر اُکسا رہے ہیں۔ اس کا فوراً تدارک کیا جائے۔ یزید نے والئی بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو حکم بھیجا کہ فوراً کوفہ جا کر مسلم کو نکال دو یا قتل کر دو چنانچہ عبیداللہ نے کوفہ آتے ہی سخت تقریر کی اور ہر محلّہ کے چوہدری کو اس کے محلہ کا ذمہ دار بنایا کہ وہ اپنے محلّہ کے فتنہ پرداز اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر دیں جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا اسے اس کے دروازے پر سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

(ابن اثیر' ج 4' ص 10)

مسلم بن عقیل کی خفیہ کوششیں:

ان خطرات کو دیکھتے ہوئے مسلم بن عقیل' مختار کے گھر سے نکل کر ایک دوسرے محب اہل بیت ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ وہ ازراہ مروت انکار نہ کر سکے۔ یہاں شیعان علی کی آمدورفت جاری رہی۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو لکھا کہ حالات موافق ہیں' فوراً آ جائیے۔

مسلم کی گرفتاری اور قتل:

عبیداللہ بن زیاد برابر مسلم کی جستجو میں لگا ہوا تھا لیکن پتہ نہ چلتا تھا' آخر اس کے غلام معقل نے شیعان علی کا بھیس بدل کر پتہ چلا لیا اور مسلم سے مل کر عبیداللہ کو خبر کر دی۔ ہانی عمائد کوفہ میں سے تھے' ابن زیاد نے ہانی کو بلایا اور مسلم کو ان کے حوالے کرنے کا کہا۔ انہوں نے کہا کہ میں ان کو گھر سے نکال دیتا ہوں لیکن آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ ان کے انکار پر عبیداللہ نے انہیں پٹوا کر قید کر دیا۔ کوفہ میں ہانی کے قتل کی خبر پھیل گئی۔ یہ خبر سن کر مسلم اپنے اٹھارہ ہزار عقیدت مندوں کو لے کر نکل پڑے اور عبیداللہ بن زیاد کے قصر امارت کو گھیر لیا۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا صرف پچاس آدمی تھے چنانچہ اس نے حکمت عملی سے کام لیا اور رؤسائے کوفہ کی ترغیب سے مسلم بن عقیل کے ساتھیوں کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس مرحلہ پر مسلم کے ساتھ صرف تیس آدمی رہ گئے' مجبوراً مسلم نے ایک بڑھیا کے گھر میں پناہ لی۔

بڑھیا کے بیٹے نے انعام کے لالچ میں خود جا کر ابن زیاد کو اطلاع دی۔ ابن زیاد نے اس وقت محمد بن اشعث کو مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا لہٰذا اس نے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ مسلم بن عقیل تن تنہا لڑنے پر مجبور ہو گئے اور لڑتے ہوئے زخموں سے چور ہو گئے' تب محمد بن اشعث انہیں جان بخشی کا وعدہ دے کر ابن زیاد کے پاس لے آیا۔ صورت حال کو دیکھ کر مسلم نے ابن اشعث سے کہا کہ میرا بچانا تمہارے بس میں نہیں ہے لیکن اتنا کرنا کہ حسینؓ کو میرے انجام کی خبر کر کے کہلا دینا کہ کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کریں اور جہاں تک پہنچ چکے ہوں وہیں سے واپس لوٹ جائیں۔ ابن اشعث نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ایک قاصد حضرت حسینؓ کی طرف روانہ کر دیا۔

حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ:

مسلم بن عقیل نے جب آپؓ کو کوفہ کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے آپؓ کو بلا بھیجا تھا اس اطلاع پر آپؓ نے روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔ اہل مکہ اور حضرت حسینؓ کے عزیز و اقارب کوفیوں کی غداری سے پوری طرح واقف تھے اس لئے جب انہیں آپؓ کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو تمام بہی خواہوں نے آپ کو روکا۔

عمرو بن عبدالرحمن نے کہا کہ میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ وہاں آپ کے دشمنوں کی حکومت ہے' ان کے حکام موجود ہیں۔ ان کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے۔ عوام زر کے غلام ہوتے ہیں جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے لڑیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سمجھایا کہ اللہ کے لئے اس ارادے سے باز آ جائیں' اگر عراقیوں نے شامی حکام کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو تو بے شک جاؤ اور اگر مخالفین کی حکومت ہے تو یقین مانو کہ عراقیوں نے تمہیں محض لڑنے کے لئے بلایا ہے۔ شامی حکام کے ہوتے ہوئے تمہارا کوئی ساتھ نہ دے گا۔ سب تمہیں بے یارومددگار چھوڑ دیں گے۔ تمہیں بلانے والے ہی تمہیں جھٹلائیں گے اور تمہارے خلاف لڑیں گے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ میں استخارہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ آپ مکہ ہی میں قیام کر کے اپنی خلافت کی کوشش کیجئے' ہم سب آپ کی مدد کریں گے۔

دوسرے دن پھر حضرت ابن عباسؓ نے سمجھایا کہ میرا دل کسی طرح نہیں مانتا' اس راہ میں تمہاری جان کا خوف ہے۔ عراقی غدار ہیں' ان کے پاس ہرگز نہ جاؤ۔ اگر تمہیں ضرور ہی جانا ہے تو تم عراق کی بجائے یمن چلے جاؤ وہاں تمہارے والد کے حامی موجود ہیں' ہر طرح کی حفاظت کا سامان ہے۔ وہاں بیٹھ کر اپنی خلافت کی کوشش کرو' اس طرح آسانی سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ آپ سب میرے سچے خیرخواہ ہیں لیکن اب میں پختہ عزم کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تم کسی طرح نہیں مانتے تو کم از کم اہل و عیال کو تو ساتھ نہ لے کر جاؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں حضرت عثمانؓ کی طرح تم بھی بال بچوں کے ساتھ ذبح نہ کر دیئے جاؤ لیکن بہی خواہوں کی ساری کوششیں بے کار گئیں اور حضرت حسینؓ ذوالحج 60ھ کو مع اہل و عیال مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔

مکہ سے نکلنے کے بعد فرزدق شاعر ملا جو کوفہ سے آ رہا تھا اس نے بتایا کہ کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنوامیہ کے ساتھ۔

آپ کی روانگی کے بعد آپ کے چچازاد عبداللہ بن جعفرؓ نے عمرو بن سعید اموی حاکم مکہ سے خط لکھوا کر بھیجا کہ آپ لوٹ آیئے اس راہ میں ہلاکت ہے' میں ہر طرح سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ اطمینان و سکون سے مکہ میں رہیئے۔ یہ خط آپ کو راستے میں ملا' آپ نے اس کے جواب میں عمرو کو شکریہ کا خط لکھا لیکن واپس نہ ہوئے۔

عبیداللہ بن زیاد کے انتظامات:

شامی حکومت کو آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی چنانچہ ابن زیاد نے تاسیہ سے جبل لعل تک سواروں کو مقرر کر کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ کوفہ کے حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجے گئے قاصد قیس بن مسہر گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر آپ کو کوفہ کے ایک مسافر سے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ یہ خبر سننے کے بعد آپ کے ارادہ میں کچھ تغیر ہوا' ہمدرد ساتھیوں نے بھی واپسی کے لئے اصرار کیا لیکن اب مسلم کے بھائیوں نے انکار کیا اور کہا ہم یا تو مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر جان دے دیں گے۔ ان کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ ''جب تم لوگ ہی نہ رہو گے تو میری زندگی کس کام کی۔'' پھر آپ نے تمام ہمراہیوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ جو لوگ واپس جانا چاہتے ہیں' انہیں اجازت ہے چنانچہ ان جانثاروں کے علاوہ جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے' سب ساتھ چھوڑ گئے۔

حر بن یزید تمیمی کی آمد:

ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کی پیش قدمی کو روکنے اور انہیں گھیر کر لانے کے لئے ایک ہزار سپاہ کے ساتھ حر بن یزید تمیمی کو بھیجا۔ مقام ذی جشم پر آپ کی اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ میں خود سے نہیں آیا ہوں بلکہ تم لوگوں کے سینکڑوں خطوط اور آدمی آئے تھے۔ اگر تمہاری رائے بدل گئی ہے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔ حر اور اس کے ساتھیوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آپ نے کوفیوں کے تمام خطوط ڈھیر کر دیئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں' ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں کہیں مل جائیں آپ کو لے جا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ یہ سن کر حضرت حسینؓ نے قافلہ کو لوٹانا چاہا۔ حر نے روکا' دونوں میں گفتگو تیز ہو گئی لیکن حر نے آپ کے مرتبہ کا پورا خیال رکھا اور عرض کیا کہ اگر میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستے سے جدا ہو' میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے شاید مفاہمت کی کوئی راہ نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ تو حضرت حسینؓ اس پر راضی ہو گئے۔

آپ اس سے آگے عذیب الہجانات پہنچے تو کوفہ سے آنے والے طرماح بن عدی نے قیس بن مسہر کے قتل کی خبر سنائی اور کوفہ کے جنگی انتظامات کا حال بیان کر کے اپنے ہاں یمن چلنے کی دعوت دی لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ دعوت مسترد کر دی اور سفر جاری رکھا۔

کربلا میں ورود:

قافلہ حسینؓ اور حر بن یزید کا لشکر ساتھ ساتھ آگے کی طرف چلتے رہے جہاں بھی آپ کا رُخ صحرائے عرب کی طرف ہو جاتا حر آپ کا رُخ کوفہ کی طرف پھیر دیتا۔ جب نینوا پہنچے تو حر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسینؓ کو ایسے چٹیل میدان میں اُتارو جہاں کوئی اوٹ اور پانی وغیرہ نہ ہو۔ حر نے حضرت حسینؓ کو یہ حکم سنا دیا لیکن اس کی تعمیل پر کوئی اصرار نہیں کیا اور 2 محرم 61ھ کو حضرت حسینؓ نے کربلا میں قافلہ

اُتارا۔ 3 محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔ یہ حضرت حسینؓ کا قریبی عزیز تھا۔ بڑی کشمکش کے بعد حکومت کی طمع میں اس نے یہ مہم اپنے سر لی تھی لیکن اس کا ضمیر برابر ملامت کر رہا تھا۔ اس نے کربلا آنے کے بعد مفاہمت کی بڑی کوشش کی۔ حضرت حسینؓ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا کہ کوفیوں کے بلاوے پر آیا تھا' اب واپس جانے کے لئے تیار ہوں لیکن وہاں سے حکم آیا کہ پہلے ان سے بیعت لے لو۔ اس کے بعد غور کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہی دوسرا حکم پانی بند کر دینے کا پہنچا۔

پانی کے لئے کشمکش:

جہاں آپ کو اُتارا گیا' یہ دریائے فرات کے مغربی کنارے کا وسیع میدان تھا جسے کربلا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ پانی کی بندش کے حکم آنے کے بعد 7 محرم سے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی عباس بن علی بڑے بہادر تھے' یہ چند آدمیوں کو لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

شمر ذی الجوشن کی آمد:

عمر بن سعد حکومت کی طمع میں حضرت حسینؓ سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا تھا لیکن تلوار اُٹھانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور مصالحت کی کسی اُمید پر جنگ کو ٹال رہا تھا۔ ابن زیاد کو اس کا اندازہ ہو گیا اس نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ میں نے تمہیں حسینؓ کی خیر خواہی اور ان کو بچانے کے لئے نہیں بھیجا تھا' میرا حکم پہنچتے ہی ان سے بیعت لے کر ان کو میرے پاس بھیج دو۔ اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج ذی الجوشن کے حوالے کر دو۔

ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گزرا لیکن حکومت کا چھوڑنا اس سے زیادہ دشوار تھا اس لئے بادل ناخواستہ اس کی تعمیل کے لئے تیار ہو گیا اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت حسینؓ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی لیکن مصالحت کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ حضرت حسینؓ بیعت نہیں کر سکتے تھے اور شام کی حکومت بغیر بیعت لئے ہوئے ان کو چھوڑ نہیں سکتی تھی اس لئے آخری گفتگو بھی ناکام رہی اور حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"لوگو! موعود وقت آ پہنچا' اس لئے میں تمہیں بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میرے اہل بیت کو ساتھ لے کر لوٹ جاؤ۔"

عوام کی بھیڑ پہلے ہی چھٹ چکی تھی صرف خواص اور رشتہ دار ہی باقی رہ گئے تھے۔ ان کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہ تھا اس کے جواب میں سب نے جانثاری کا اظہار کیا۔ حضرت حسینؓ نے اہل بیت کے خیموں کی حفاظت کے انتظامات کئے صبح کو بہتر جانثاروں کی مختصر فوج مرتب کی میمنہ پر زہیر بن قیس کو' میسرہ پر حبیب بن مطہر کو متعین کیا اور عباس کو علم عطا کیا اور آغاز جنگ سے قبل بارگاہ خداوندی میں کامیابی کے لئے دعا کی۔

دعا کے بعد اتمام حجت کے لئے دشمنوں کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی اس میں آپؓ نے اپنی

شخصیت سے آگاہ کیا اور اپنے آنے کے اسباب بیان کر کے واپسی کی اجازت چاہی لیکن اب اس کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ جواب ملا کہ اپنے چچازاد کی بیعت کر لو' وہ تمہاری ہر خواہش کو پوری کر دیں گے اور تمہارے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں کریں گے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں ذلیل کی طرح یزید کی بیعت کر کے غلام کی طرح اس کی خلافت تسلیم نہیں کروں گا۔'' آپؓ کے بعد آپ کے جانثاروں نے تقریریں کیں لیکن عراقی فوج پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا البتہ حر بن یزید تمیمی عراقیوں کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جنگ اور شہادت:

پھر باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی' پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا اور حسینی فوج کے چند آدمی مارے گئے اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں کی قوت میں قطعی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف چار ہزار مسلح فوج تھی تو دوسری طرف صرف بہتر (72) آدمی تھے۔ تاہم یہ مٹھی بھر افراد بڑی دلیری اور شجاعت سے لڑے۔ دوپہر تک حضرت حسینؓ کے بہت سے آدمی کام آ گئے۔ ان کے بعد باری باری سے حضرت علی اکبر' عبداللہ بن مسلم' جعفر طیار کے پوتے عدی' عقیل کے فرزند عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی' حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ میدان میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت حسینؓ نکلے عراقیوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ آپ کے بھائی عباس' عبداللہ' جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی۔ اب حضرت حسینؓ بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کا غلبہ تھا' فرات کی طرف بڑھے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمیر نے تیر چلایا' چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے۔ اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ ذرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کیے۔ سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپؓ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے مقدس سر کو تن سے جدا کیا۔

یہ حادثہ عظمیٰ 10 محرم 61ھ بمطابق ستمبر 681ء کو پیش آیا۔ اس معرکہ میں بہتر آدمی شریک ہوئے جن میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ شہادت کے دوسرے دن غاغریہ والوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت حسینؓ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا۔ سر کو ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا۔

(تاریخ طبری' ج 7' ص 375- اخبار الطوال' ص 372- تاریخ اسلام' نجیب آبادی' ج دوم' ص 76)

اہل بیت کا سفر شام اور یزید کے تاثرات:

شاہ معین الدین ندوی تاریخ طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا۔ اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوا دیا۔ یہ عظیم حادثہ یزید کی لاعلمی میں اور اس کے حکم کے بغیر پیش آیا تھا کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا'

لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے جب اسے اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا کہ "اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر اللہ کی لعنت ہو' اگر میں موجود ہوتا تو اللہ کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا۔ اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے۔"

اس کے بعد جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور ان سے کہا: "اللہ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا برا کرے اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور تمہیں اس طرح نہ بھیجتا۔"

(تاریخ طبری' ج 7' ص 377- تاریخ ابن اثیر' ج 4' ص 73)

یزید کے گھر میں ماتم:

یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبوی کا عزیز تھا اس لئے انہیں حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا گیا جونہی مقدسات اہل بیت یزید کے گھر میں داخل ہوئیں تو یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم بپا رہا۔ یزید امام زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتا تھا۔ (تاریخ طبری' ج 7' ص 378)

نقصان کی تلافی:

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اُموی فوج کے سپاہیوں نے اہل بیت کا تمام سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ پوچھ کر چھینے گئے مال سے دوگنا دلوایا۔ سکینہ بنت حسینؓ کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا' وہ کہتی ہیں:

"اللہ کے منکرین میں' میں نے یزید سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔" (طبری' ج 7' ص 435)

یزید کا شریفانہ برتاؤ:

طبری کے مطابق چند دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام سے رخصت کیا۔ امام زین العابدین کو بلا کر ان سے کہا کہ ابن مرجانہ پر اللہ کی لعنت ہو' اگر میں ہوتا تو خواہ میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی میں حسینؓ کی جان بچا لیتا لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی' آئندہ تمہیں جس چیز کی ضرورت پیش آئے مجھے لکھنا۔ (طبری' ج 7' ص 378)

اس کے بعد بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ قافلہ کو روانہ کیا۔ چند نیک اور دیانتدار آدمیوں کو حفاظت کے لئے ساتھ کیا' ان لوگوں نے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔ ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ فاطمہ اور زینب نے اپنے زیور اُتار کر ان کے پاس بھیجے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتاً رضائے الٰہی اور قرابت نبوی کے خیال سے یہ خدمت انجام دی اس لئے اس کی ضرورت نہیں۔

(ابن اثیر' ج 3' ص 40)

حادثہ کربلا کے نتائج

حادثہ کربلا کے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے:

بنو ہاشم کی قوت کا خاتمہ:

سانحہ کربلا کے بعد بنو ہاشم کی قوت پارہ پارہ ہو گئی' وہ دعوائے خلافت سے دستبردار ہو کر میدان سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ دشمنان اہل بیت نے انہیں اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ ہاشمی خلافت کے قیام کی جدوجہد کر سکیں۔

واقعہ حرہ:

جب شہادت حسینؓ کی خبر سرزمین حجاز میں پہنچی تو کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ حجاز میں زبردست ردعمل ظاہر ہوا اور انقلاب برپا ہوا۔ سارے عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں نے شرم' رنج اور ندامت سے سر جھکا دیئے چنانچہ اہل مدینہ نے اموی حکام کی اطاعت سے انکار کر دیا نتیجتاً ولید بن عقبہ نے مدینتہ النبی پر حرہ کی جانب سے حملہ کر دیا اور مدینتہ النبی تین دن تک امویوں کے ہاتھوں لٹتا رہا۔ ان لوگوں نے دل کھول کر ہر وہ نازیبا فعل کیا جس پر عقل انسانی آج بھی شرمسار ہے۔ یہ یزید کا دوسرا بڑا سیاہ کارنامہ ہے۔

عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا قیام:

شہادت حسینؓ نے لوگوں کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کر دیا۔ لوگ اُموی اقتدار کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر جیسی متحرک اور مؤثر شخصیت کو اپنا قائد و رہنما بنا کر انہیں خلیفہ نامزد کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اہل مدینہ نے بھی جلد ہی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

فرقہ توابین کا ظہور:

عراق ہمیشہ کے لئے انتقامی کارروائیوں کا مرکز بن گیا۔ کوفہ کے لوگ اپنے مذموم اور شرمناک فعل پر پریشان و ندامت کا اظہار کر رہے تھے اس سے توابین کے فرقے کا ظہور ہوا۔ مختار ثقفی نے توابین کو ساتھ ملا کر اُموی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی۔

اہل اسلام گروہی تعصّبات میں تقسیم ہو گئے:

سیاسی اور مذہبی لحاظ سے مسلمان کئی گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے۔ یہ لوگ اپنے جماعتی اقتدار کے لئے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو گئے اور پھر یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

اُموی حکمرانی کے زوال کا آغاز:

مؤرخین نے حادثہ کربلا کو اُموی خلافت کے زوال کا نقطۂ آغاز قرار دیا ہے کیونکہ مسلمان ان

کے افعال و کردار کا موازنہ خلفائے راشدین سے کرتے تو انہیں سخت مایوسی ہوتی۔ شہادت اہل بیت نے ملت اسلامیہ کو سخت اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ خود یزید کا بیٹا معاویہ ان حالات کو دیکھ کر دل برداشتہ ہو کر بادشاہت سے دست بردار ہو گیا تھا۔ اموی حکمرانوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان کے خلاف تحریکوں نے جنم لیا۔

عباسی تحریک:

عباسیوں نے امویوں کے خلاف ردعمل اور مخالف تحریکوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ عباسی تحریک داعی ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی اور اموی مظالم کی داستانیں سنا کر لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا کیا اور عوام الناس کی ہمدردیاں حاصل کیں چنانچہ لوگوں نے بالآخر اموی اقتدار کا تختہ اُلٹ دیا۔

مشعل ایمان:

سانحہ کربلا نے تاریخ اسلامی پر دوررس اثرات مرتب کئے۔ حضرت حسینؓ کا کردار، حریت و آزادی، صداقت اعلائے کلمتہ اللہ کی علامت بن گیا بعدازاں تاریخ کے تمام ادوار میں مسلمانوں نے جب بھی جبر وتشدد اور سلطان جابر کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا تو انہوں نے اسوۂ حسینی کو مینارۂ نور اور مشعل ایمان کی ضو قرار دے کر عزم و ثبات اور صبر و استقامت کی لازوال روایات قائم کیں۔

واقعہ کربلا کی اہمیت

واقعہ کربلا نے دنیائے اسلام میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔ جگر گوشہ رسول کے اس سفاکانہ قتل کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ گھر گھر صف ماتم بچھ گئی اور تمام عالم اسلام میں بنو اُمیہ کے خلاف نفرت و حقارت اور غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لوگ پہلے ہی یزید کو ناپسند کرتے تھے اس جان گداز حادثہ کے بعد اور زیادہ خلاف ہو گئے اگرچہ حکومت کی طاقت اور جبر کے خوف سے فوری طور پر عوام نے کوئی اقدام نہ کیا مگر اندر ہی اندر کئی تحریکیں جاری ہو گئیں جنہوں نے بالآخر سلطنت بنو اُمیہ کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا اور اُمویوں کو اس بے دردی اور سفاکی کے ساتھ ذبح کیا گیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ (تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین، ص 226)

حجاز میں انقلاب:

اہل حجاز نے شروع ہی سے یزید کی خلافت کو خوش دلی سے قبول نہیں کیا تھا، شہادتِ حسینؓ کا ان پر اور بُرا اثر پڑا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جو پہلے ہی خلافت کے سخت مخالف تھے، انہوں نے اس واقعہ کی تشہیر کر کے اہل مکہ کو یزید کی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔ (اخبار الطوال، ص 273)

یزید کو ابتداء ہی سے عبداللہ بن زبیر کی طرف سے خطرہ تھا۔ یزید نے شہادت حسینؓ کے بعد ابن زبیر سے بیعت لینے کے لئے بھیجا، انکار کی صورت میں گرفتاری کا حکم دیا۔ انہوں نے پیغام دیا لیکن

ابن زبیر نے ماننے سے انکار کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 3' ص 41)

یزید کی خواہش یہ تھی کہ واقعہ کربلا کے بعد اس قسم کا کوئی اور ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے اسے صرف اہل حجاز کی طرف سے خطرہ تھا۔ چنانچہ اس نے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لے انعام و اکرام کی بارش کر دی مگر اس داد و دہش کے باوجود بھی وہ ان کے دلوں پر قبضہ نہ کر سکا اور جگہ جگہ اس کے خلاف بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے خود خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ اہل حجاز نے ان کے دعویٰ خلافت پر خوش آمدید کہی اور دھڑا دھڑ بیعت کرنی شروع کر دی۔ مدینہ کے لوگ اس بیعت میں پیش پیش تھے چنانچہ اجتماع کر کے مدینہ کے اُموی حکام کو شہر بدر کر دیا۔

(اخبار الطوال' ص 374۔ ابن اثیر' ج 3' ص 42-44)

واقعہ حرہ:

اس انقلاب کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت دی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا' جب وہ انکار کریں تو تلوار اُٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا لیکن علی بن حسینؓ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

(ابن اثیر' ج 3' ص 45)

اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے مقابلہ کے انتظامات کئے اور محصور اُمویوں کو قتل کر دینا چاہا لیکن پھر اس شرط کے ساتھ ان کو رہا کر دیا کہ وہ مسلم کو یہاں کے انتظامات کی خبر نہ کریں گے۔ یہاں سے چھوٹ کر یہ لوگ آگے بڑھ کر مسلم کی فوج سے مل گئے اور انہیں مدینہ کا نقشہ جنگ بتا دیا۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ پہنچ کر یزید کی ہدایت کے مطابق چند آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ امیر المومنین تمہیں اپنی اصل اور بنیاد سمجھتے ہیں اس لئے میں تمہاری خونریزی پسند نہیں کرتا۔ تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں اس میں خوب غور کر لو' اگر تم نے اپنی روش کو چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا تو میں مکہ چلا جاؤں گا ورنہ اس کے بعد ذمہ داری پوری کروں گا۔

تین دن کے بعد مسلم نے پھر آخری مرتبہ پوچھا کہ تم لوگ صلح چاہتے ہو یا جنگ؟ تو اہل مدینہ نے جواب دیا جنگ چاہتے ہیں۔ اب اس جواب کے بعد مسلم نے جنگ شروع کر دی' تین دن تک نہایت خون ریز جنگ ہوئی۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن حکومتی فوج کا مقابلہ مشکل تھا اس لئے آخر میں بڑی شکست فاش کھائی۔ اس جنگ میں بہت سے اکابر و اشراف قریش و انصار کام آئے۔

شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہیں۔ چوتھے دن امن قائم ہوا لیکن اس وقت بھی یہ اعلان تھا کہ جو شخص بھی بیعت نہیں کرے گا' وہ قتل کر دیا جائے گا لیکن مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا' کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی اس لئے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ (ابن اثیر' ج 3' ص 46)

سانحہ کربلا کے بعد مدینۃ الرسول کی تباہی یزید کا دوسرا سیاہ کارنامہ ہے۔

محاصرۂ مکہ/ یزید کی موت:

مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد شامی فوج عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ کی طرف بڑھی۔ مسلم بن عقبہ راستے میں مر گیا کیونکہ وہ عرصہ سے بیمار تھا اور اس نے مرنے سے قبل حصین بن نمیر کو اپنا قائمقام بنا دیا تھا۔ حصین 64ھ میں مکہ پہنچا' ابن زبیر مقابلہ کو آئے مگر شکست کھائی اور حرم میں پناہ گزیں ہوئے اور شامیوں نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور حرمت کعبہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شہر پر سنگ باری کی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا۔ ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ 12 ربیع الاوّل 64ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا اور لڑائی رک گئی۔ (تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین' ص 227)



حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکومت + مروان کی حکومت

یزید کی زندگی ہی میں اہل حجاز نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ واقعہ حرہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے بزور شمشیر اہل مدینہ سے دوبارہ یزید کی بیعت لے لی تھی۔ مسلم کی وفات کے بعد حصین بن نمیر قائمقام ہوا۔ یزید کی موت کے بعد حصین بھی عبداللہ بن زبیر کے ساتھ ہو گئے۔ ابن زبیر کی شخصیت ہر لحاظ سے محترم تھی اور معاویہ بن یزید کے بعد بنواُمیہ میں کوئی حوصلہ مند کھڑا بھی نہیں ہوا اس لئے حجاز اور عراق اور مصر و شام تمام بڑے بڑے ملک ابن زبیر کے ساتھ ہو گئے اور یہاں ان کے حکام اور داعی پہنچ گئے۔ خود بنواُمیہ کے پایہ تخت شام میں اُردن کے والی حسان بن بحدل کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے حکام اور عمائدین ابن زبیر کے حامی و مددگار بن گئے تھے اور یہاں کے باشندوں نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ (یعقوبی ج 2' ص 33-34)

حضرت عبداللہ بن زبیر نے حصین بن نمیر کا سیاسی مشورہ تسلیم نہ کیا:

ان حالات میں حصین بن نمیر نے دمشق چل کر بیعت لینے اور حکومت سنبھالنے کا مشورہ دیا جو کہ ابن زبیر نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "خدا کی قسم! میں ایک ایک حجازی کے بدلے دس دس شامیوں کو قتل کروں گا۔" اس پر ابن نمیر نے بگڑ کر کہا کہ جو شخص آپ کو مدبر اور سیاستدان سمجھتا ہے' وہ غلطی پر ہے اس کے بعد وہ فوج لے کر واپس شام چلا گیا۔

ابن زبیر نے مروان کو مدینہ سے نکال دیا:

آپ نے مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کو دیگر اُمویوں کے ساتھ مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر کر دیا۔ یہی مروان شام پہنچ کر خلیفہ بن گیا اور بالآخر اس عبدالملک کے ہاتھوں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خاتمہ ہوا۔

ابن زبیر کی متفقہ حمایت میں کمی آ گئی:

مروان' ابن زیاد کے مشورہ سے شام میں آ گیا اور ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی بجائے خلافت کا دعوے دار بن گیا۔ ہوا یوں کہ شام میں اس وقت تین گروہ تھے ایک گروہ خالد بن یزید کے حامی تھے' ایک گروہ عمرو بن سعید کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا جبکہ ابن زبیر کے حامیوں کی تعداد بھی کافی تھی۔

آخر بنو اُمیہ کے تینوں گروہ نے مشترکہ کانفرنس کا انعقاد کر کے' کافی بحث و تمحیص کے بعد مروان کی بیعت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مرج راھط کا فیصلہ کن معرکہ اور شام پر مروان کا قبضہ:

مقام جابیہ میں حامیان اُمیہ کے اجلاس میں خالد بن یزید کی صغرسنی کی وجہ سے بلااختلاف مروان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا چنانچہ بیعت کے بعد ذی قعد 64ھ میں وہ خلیفہ نامزد

ہو گیا۔ مروان کی بیعت سے بنو اُمیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد جو انتشار پیدا ہو گیا تھا' وہ ختم ہو گیا اور بنو اُمیہ کے تمام حامی ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔

ادھر بنو اُمیہ کے پایہ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے حامی اور قبیلہ قیس کے ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا۔ یہ کانفرنس کے ایام میں مرج راھط چلے آئے تھے اور یہاں بنو اُمیہ سے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شام میں ابن زبیر کے حامی والئ حمص' نعمان بن بشیر' والئ قنسرین زفر بن حارث اور والئ فلسطین ناقل بن قیس نے ضحاک کی مدد کے لئے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں۔ ضحاک چونکہ خود دمشق سے نکل آئے تھے چنانچہ بنو اُمیہ نے آپ کے نائب کو وہاں سے نکال کر خزانہ اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا جسے انہوں نے بعد میں ضحاک کے خلاف جنگ میں استعمال کیا۔

محرم 65ھ میں دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ ضحاک نے شکست فاش کھائی' وہ خود اس معرکہ میں مارے گئے اور قبیلہ قیس کی بڑی تعداد کام آئی چونکہ شام میں یہی قبیلہ ابن زبیر کا سب سے بڑا حمایتی تھا اس کی شکست شام کے تمام زبیری داعیوں کی شکست تھی چنانچہ جہاں جہاں شکست کی خبر پہنچی' ابن زبیر کے حامی وہاں سے بھاگ نکلے۔ والئ حمص نعمان بن بشیر کو اہل حمص نے قتل کر دیا۔ زفر بن حارث نے بھاگ کر قرقیسیا میں پناہ لی اور والئ فلسطین ناقل بن قیس ابن زبیر کے پاس بھاگ گئے۔ اس طرح شام دوبارہ بنو اُمیہ کے قبضہ میں آ گیا۔

مصر پر قبضہ:

شام پر قابض ہونے کے بعد مروان نے مصر پر فوج کشی کی۔ ایک طرف سے خود بڑھا اور دوسری طرف سے عمرو بن سعید کو روانہ کیا۔ مصر کی حدود میں داخل ہونے کے بعد ابن زبیر کا مصری داعی عبدالرحمٰن بن جحدم مقابلہ کے لئے نکلا' پشت سے عمرو بن سعید پہنچ چکا تھا۔ ابن جحدم کے نکلتے ہی وہ مصر میں داخل ہو گیا۔ ابن جحدم کو خبر ملی تو اس نے لڑنا بیکار سمجھ کر مروان کی بیعت کر لی تو اس طرح کشت و خون کے بغیر مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہو گیا۔ (تاریخ اسلام' ج 2' ص 98 تا 102)

ولی عہدی میں تغیر:

جابیہ میں منعقد کانفرنس کے متفقہ فیصلے کے مطابق مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولی عہد نامزد ہوئے تھے لیکن چند مہینوں کے بعد مروان نے ان دونوں کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کر دیا۔
(تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج 2' ص 106)

مروان کی وفات:

رمضان 65ھ میں مروان نے اچانک انتقال کیا۔ کسی قسم کی بیماری کے آثار نہیں تھے۔ عام خیال ہے کہ اس کی بیوی اُم خالد نے اسے مار ڈالا کیونکہ مروان نے حالات کی نزاکت کی وجہ سے خالد کو ولی عہد مان لیا تھا۔ پھر خالد کی تذلیل کے لئے اس کی بیوہ ماں سے شادی کر لی اور ایک موقع پر

اعلانیہ خالد اور اس کی ماں دونوں کے لئے نازیبا کلمات استعمال کیے۔ خالد نے اپنی ماں سے شکایت کی تو اس نے موقع پا کر اسے زہر دے دیا یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر 63 سال تھی اور مدت حکومت کل نو مہینے تھی۔ اس عرصہ میں یہ کوئی اور کام تو نہ کر سکا البتہ اس نے از سر نو بنو اُمیہ کی حکومت کو قائم کر دیا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج دوم' ص 106)

مروان کے سوانح و کردار:

مروان بنو اُمیہ کی دوسری شاخ بنو العاص سے تھا۔ مروان کا باپ حکم بن العاص حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا۔ حکم فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا لیکن اس کے دل میں اسلام راسخ نہ ہوا تھا۔ یہ اندرونی طور پر مسلمانوں کا دشمن رہا اور ان کے راز فاش کیا کرتا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے طائف جلاوطن کر دیا تھا۔ مروان اس زمانہ میں ابھی بچہ تھا اس لئے وہ بھی باپ کے ساتھ طائف میں رہا۔ آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی اور اپنے زمانہ خلافت میں اسے واپس بلا لیا۔ حضرت عثمانؓ کو ان دونوں سے بڑی محبت تھی۔ حکم کی وفات کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسے اپنا سیکرٹری بنا لیا تھا۔ آپ کی مہر وغیرہ اس کی تحویل میں رہتی تھی۔ اس نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مصر کے والی کو خط لکھ دیا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ یہ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ اور جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسے مدینہ کا گورنر بنایا تھا۔ ابن زبیرؓ کے دعوائی خلافت تک وہ اسی عہدہ پر فائز تھا۔

(تاریخ اسلام ندوی' حصہ دوم' ص 284)



عبدالملک بن مروان اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

عبدالملک بن مروان کا مختصر تعارف:

عبدالملک 26ھ میں پیدا ہوا' تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 39 سال تھی۔ مروان طائف جلاوطنی سے واپسی کے بعد برابر مدینہ میں رہا اور یہاں کے ارباب علم وفضل سے بھرپور استفادہ کیا۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھا۔ اس عہد کے بڑے آئمہ اس کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ اگر وہ مسند خلافت پر نہ ہوتا تو مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔

علم کی دولت کے ساتھ ساتھ وہ بڑا مدبر' حوصلہ مند' مستقل مزاج اور بہادر تھا جس وقت اس نے تخت خلافت پر قدم رکھا' ملک کے تمام اہم حصوں میں انقلاب برپا تھا اور بیک وقت مختلف طاقتیں عبداللہ بن زبیر' شیعان علی' خوارج' مختار ثقفی' بنواُمیہ کے خلاف اور ان سے برسرپیکار تھیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اندرونی اور بیرونی شورشوں کے طوفان برپا ہوئے۔ عبدالملک کے پاس صرف مصر اور شام تھے' باقی دنیائے اسلام کے کل حصے ابن زبیر کے ساتھ تھے یا ان میں بھی طوائف الملوکی تھی۔

عبدالملک نے ان تمام مخالف حالات کا مقابلہ کر کے ان پر کنٹرول حاصل کیا۔ وہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک مواقع پر گھبراتا نہیں تھا بلکہ مشکلات ومصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت و استقلال کے جوہر اور زیادہ چمکتے تھے۔

عبدالملک کی تخت نشینی:

مروان کی وفات کے بعد رمضان 65ھ میں عبدالملک تخت نشین ہوا۔

توابین کا ظہور وخروج اور خاتمہ:

عبدالملک کی تخت نشینی کے بعد ہی توابین کا خاتمہ ہوا جو بڑے زور شور سے اُٹھے تھے۔ توابین کی تاریخ یہ ہے کہ کوفہ کے لوگ جنہوں نے کئی بار اہل بیت کا ساتھ دینے کے وعدے کئے لیکن ہر بار کسی دباؤ یا لالچ میں آ کر وعدہ خلافی کے مرتکب ہوتے رہے تھے اور بزدلی کا مظاہرہ کر جاتے تھے' یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہؓ کے قصاص عثمان کے مطالبہ کے خلاف حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا مگر جنگ صفین میں ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کوفہ کے ایک ممتاز بزرگ حضرت سلیمان بن صرد جنہیں شرف صحابیت بھی حاصل تھا' حضرت علیؓ کے بڑے فدائیوں میں سے تھے۔ یہیں سے حضرت حسینؓ کو بلاوے کے خطوط جاتے تھے۔ جب حضرت حسینؓ نے اپنے چچازاد مسلم بن عقیل کو حالات معلوم کرنے کے لئے کوفہ بھیجا تو تمام شہر کے لوگ ان کے ساتھ مل گئے تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دے دی لیکن جب عبیداللہ بن زیاد کو مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد کی اطلاع ملی تو اس نے کوفہ کے لوگوں کو بزور طاقت حضرت حسینؓ کے خلاف کر دیا تو وہ مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ گئے حتیٰ کہ انہیں پناہ دینے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔

اسی طرح جب حضرت حسینؓ کوفہ تشریف لائے تو سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی آپؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کربلا کا خونیں حادثہ پیش آ گیا۔ اس غلطی پر انہیں اور ان کی پوری جماعت کو بڑی شرمندگی اور ندامت تھی۔ انہوں نے اس کے کفارہ میں قاتلین حسینؓ سے انتقام لینا اپنا فرض قرار دیا اور اپنا لقب "توابین" رکھا۔

اس جماعت نے یزید ہی کے زمانہ سے خفیہ تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ بہت سے لوگ جو حضرت حسینؓ کا ساتھ نہ دے سکے تھے اس دعوت میں شریک ہو گئے تھے تو گویا یہ لوگ قصاص حسینؓ کا دعویٰ لے کر اُٹھے تھے۔ ان کی تحریک روز بروز تقویت پکڑتی چلی جا رہی تھی۔ کوفہ اور بصرہ میں ان کے زبردست مراکز قائم تھے۔ اُموی اقتدار کے لئے یہ تنظیم زبردست خطرہ تھی۔ مروان کے بعد ایک شاطر طالع آزما مختار ثقفی نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے توابین کو ساتھ ملا کر انتشار پیدا کر دیا۔

یہ گروہ خون حسینؓ کے قصاص کو اپنے گناہوں کا مداوا خیال کرتا تھا۔ ان لوگوں نے عوام الناس کی ہمدردیاں حاصل کر کے مؤثر و مضبوط جمعیت فراہم کر لی تھی۔ مروان کے زمانہ 65ھ میں جب ان کی قوت مضبوط ہو گئی اور انہوں نے اعلانیہ ہتھیار خریدنے شروع کر دیئے اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور یکم ربیع الثانی 65ھ کو سلیمان بن صرد نے کوفہ سے نکل کر مقام نخیلہ میں قیام کیا اور سترہ ہزار آدمی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ سلیمان سترہ ہزار کی جمعیت کو لے کر نخیلہ سے 5 ربیع الثانی کو حدود شام کی طرف روانہ ہوا۔ نخیلہ سے روانہ ہو کر یہ لوگ کربلا پہنچے وہاں مقتل حسینؓ اور مدفن حسینؓ پر (جہاں بے سر لاش دفن تھی) خوب روئے دھوئے اور ایک دن رات قیام کرنے کے بعد روانہ ہوئے۔ کوچ و قیام کرتے ہوئے عین الوردہ کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔

عین الوردہ کے مقام پر جنگ توابین:

جب یہ عین الوردہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے' ان لوگوں کے متعلق خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد نے جو موصل میں بحیثیت گورنر موصل مقیم تھا اس نے حصین بن نمیر کو بارہ ہزار فوج دے کر مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ سلیمان بن صرد 21 جمادی الاوّل 65ھ کو عین الوردہ کے مقام پر پہنچا تھا' پانچ روز کے انتظار کے بعد 26 جمادی الاوّل کو حصین بن نمیر بھی عین الوردہ پہنچ گیا۔ اسی روز لڑائی شروع ہوئی۔ شام تک لڑائی میں شامیوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا لیکن رات نے حائل ہو کر ان کا پردہ رکھ لیا۔ اگلے دن صبح کو آٹھ ہزار کا ایک کمکی لشکر شامیوں سے آملا جو ابن زیاد نے بھیجا تھا۔ دوسرے روز بھی نماز فجر کے وقت سے مغرب تک خوب زور و شور سے لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ رات دونوں لشکروں نے امید و بیم میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی ابن زیاد کا بھیجا ہوا دس ہزار کا ایک لشکر شامیوں کی مدد کے لئے آ گیا اور آج بھی صبح سے شام تک لڑائی جاری رہی لیکن سلیمان بن صرد اور تمام بڑے بڑے سردار کوفیوں کے کام آئے۔ بہت ہی تھوڑے سے آدمی باقی رہ گئے تھے باقی ماندہ سردار اپنے بچے ہوئے آدمیوں کو لے کر رات کی تاریکی میں وہاں سے چل دیئے۔ حصین بن نمیر نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ یہ اپنے آپ کو توابین اس لئے کہلاتے تھے کہ انہوں نے حضرت حسینؓ کے ساتھ بے وفائی کر کے ان کو قتل کرانے کا

جرم کیا۔ یہ لوگ کسی سلطنت کی باقاعدہ فوج نہیں تھے بلکہ بطور خود جمع ہو کر ابن زیاد کو قتل کرنے گئے تھے اور خود بہت سے قتل ہوئے اور تھوڑے سے بچ کر واپس آئے تھے۔ اس جماعت کا آغاز مروان اور عبدالملک کے زمانہ میں ہوا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی' ج دوم' ص 102-104)

مختار ثقفی کا خروج اور خاتمہ:

انہی دنوں قبیلہ بنوثقیف کے ایک معمولی اور بے دین مگر عالی دماغ اور حوصلہ مند شخص ابوعبید ثقفی نے بدنظمی اور طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ شخص خون حسین کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور توابین کی مدد سے عراق پر قابض ہو گیا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیر کا زور تھا اس لئے وہ حصول مقصد کے لئے ان کے ساتھ ہو گیا اور ان کے مزاج میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا۔ (اخبار الطوال' ص 313- طبقات ابن سعد' ج 5' ص 71)

جب اس نے اپنا مقصد پورا ہوتے ہوئے نہ دیکھا تو وہ اس زمانے میں اٹھنے والی توابین کی تحریک میں شامل ہو گیا۔ یہ تحریک اس مقصد کے لئے بہت مفید تھی اس لئے توابین کے خاتمہ کے بعد خود اس کا رہنما بن گیا لیکن عبداللہ بن زبیر سے بھی تعلق نہ توڑا مگر انہیں توابین کی تحریک کا علم نہ ہونے دیا اور اس تحریک کو موثر بنانے کے لئے حضرت زین العابدین سے سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی لیکن انہوں نے یہ درخواست رد کر دی بلکہ اس کی حیلہ سازیوں کے پیش نظر اس کی دعوت کو رد کرتے ہوئے مسجد نبوی میں اعلانیہ اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ اس شخص نے محض دھوکہ دینے کے لئے اہل بیت کی دعوت کو آڑ بنایا ہے ورنہ اس کو اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وہ یہاں سے مایوس ہو کر زین العابدین کے سوتیلے چچا محمد بن حنفیہ کو کسی نہ کسی طرح ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا مزید برآں اس نے محمد بن حنفیہ کا ایک جعلی خط دکھا کر ایک اہم اور بااثر شخصیت ابراہیم بن مالک اشتر کو اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا اس طرح اس نے اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر پورے عراق پر قبضہ کر لیا۔ (مروج الذہب مسعودی' ج 2' ص 80)

عراق محبان اہل بیت کا مرکز تھا' یہ تحریک وہاں زیادہ کامیاب ہو سکتی تھی اس کے علاوہ ویسے بھی انقلابی تحریکوں کے لئے عراقی زمین سازگار تھی۔ محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار نے ان سے عراق میں کام کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت تو دے دی لیکن اس پر اعتماد نہیں تھا اس لئے اس کی نگرانی کے لئے اپنے آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی کو ساتھ کر دیا اور اسے مختار سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ (ابن سعد' ج 5' ص 71)

ساتھ ہی اس نے عبداللہ بن زبیر کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا کہ عراق میں اس کا قیام ان کے لئے زیادہ مفید ہو گا کیونکہ وہ وہاں جا کر بنوہاشم کو بنوامیہ کے مقابلہ میں ان کی مدد پر آمادہ کر لے گا چنانچہ ابن زبیر نے بھی اجازت دے دی۔ (مروج الذہب' ص 475)

ان دونوں سے اجازت لے کر وہ عراق پہنچا اور اس نے چالاکی سے اہل بیت کی تحریک کا رخ آل فاطمہ سے محمد بن حنفیہ کی طرف پھیر دیا اور انہیں حضرت علیؓ کا جانشین' ان کا وصی اور مہدی وقت

ظاہر کر کے ان کی دعوت شروع کر دی۔ (فرق الشیعہ نوبختی' ص 23 تا 26)

مختار نے اپنے متعلق نزول وحی کا دعویٰ کیا۔ بداء یعنی اللہ تعالیٰ سے غلطی سرزد ہو جانے کا عقیدہ ایجاد کیا اور ایک کرسی کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر کے اسے بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کی طرح مقدس اور فتح و ظفر کا وسیلہ قرار دیا۔ (الملل والنحل للشہرستانی' ج 1' ص 199)

کوفہ شیعان علی کا مرکز تھا اس لئے توابین کی طرح مختار کی تحریک کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کا گھر شیعان علی کا مرکز بن گیا۔ عبداللہ بن زبیر کی طرف سے مقرر کردہ والئ کوفہ عبداللہ بن مطیع اور پولیس افسر ایاس بن نضر نے اسے ان سرگرمیوں سے روکا۔ مختار نے جب ایک فرضی خط کے ذریعے پرانے شیعان علی ابراہیم بن اشتر کو اپنا ساتھی بنا لیا تو بلاخوف و خطر تحریک کو آگے بڑھایا۔ (اخبار الطوال' ص 298)

ایاس نے جب ابراہیم کو مختار کا ساتھ نہ چھوڑنے پر قتل کی دھمکی دی تو اس نے ایاس کو قتل کرا دیا۔ جب والئ کوفہ کو معلوم تو اس نے عبداللہ بن مطیع کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے تو ابراہیم نے انہیں شکست دے کر ابن مطیع کا محاصرہ کر لیا۔ ابن مطیع مقابلہ نہ کر سکے بلکہ منت سماجت کر کے جان بخشی کرائی چنانچہ سارے عراق پر مختار ثقفی کا قبضہ ہو گیا۔ اب ابن زبیر کے پاس صرف بصرہ رہ گیا۔

حجاز میں چونکہ محمد بن حنفیہ نے ابن زبیر کی بیعت نہ کی تھی اس لئے جب ابن زبیر کو محمد بن حنفیہ کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو انہوں نے اسے زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے دھمکی دی کہ اگر اس نے بیعت نہ کی تو انہیں زندہ جلا دیا جائے گا۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اطلاع دی اس نے فوراً انہیں چھڑانے کے لئے تھوڑی سی فوج اور چار لاکھ نذر بھیجی اس فوج نے مکہ پہنچ کر انہیں قید سے چھڑایا۔
(ابن اثیر' ج 3' ص 306-307)

قاتلین حسین سے انتقام:

اس کے بعد کوفہ کے ان تمام لوگوں کا پتہ چلا کہ جنہوں نے حضرت حسینؓ کی شہادت میں کسی قسم کا حصہ لیا تھا' قتل کیا اور ان کا مال و متاع ضبط کیا۔

پھر واقعہ کربلا کی شامی فوج کے افسروں کے قتل کے لئے فوجیں روانہ کیں اور چند دنوں میں شمر ذی الجوشن' خولی اصحی' عمرو بن سعد اور عبیداللہ بن زیاد وغیرہ قاتلین حسینؓ کا چن چن کر خاتمہ کرایا اور ابن زیاد کا سر قلم کر کے حضرت زین العابدین کے ملاحظہ کے لئے مدینہ بھیجا اس کی اس کارگزاری سے امام موصوف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ابن زیاد کا سر دیکھ کر آپ کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔

عربوں کی تحقیر اور ان سے جنگ:

چونکہ مختار کی تحریک کے روح رواں عجمی تھے' عربوں کی تعداد بہت کم تھی لہٰذا اس نے عجمیوں کو خوب اعزاز و اکرام سے نوازا جبکہ عربوں سے حقارت آمیز سلوک کیا اس لئے اشراف عرب اس سے بگڑ گئے اور انہوں نے کہا یہ کذاب' بنی ہاشم کی حمایت کے پردہ میں دنیا طلبی کرتا ہے اور سب عرب اس

کے مقابلہ کے لئے متحد ہو گئے۔ مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے عجمیوں سے کہا کہ یہ سب تمہاری وجہ سے میرے خلاف ہوئے ہیں اس لئے تمہیں وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے اور عجمیوں کو لے کر عربوں کے مقابلے میں نکلا اور ہوشیاری سے عین موقع پر بعض عرب قبائل کو ساتھ ملا لیا اس لئے اہل عرب شکست کھا گئے اور ان کی بڑی تعداد قتل اور گرفتار ہوئی۔ مختار نے قیدیوں کے سر قلم کرا دیئے۔

مصعب بن زبیر اور مختار کے مابین جنگ:

مختار نے عربوں کو شکست دینے کے بعد عرب عمائدین اور اشراف کو چن چن کر قتل کرانا شروع کر دیا اس لئے یہ لوگ بھاگ کر بصرہ چلے گئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔

مختار مصعب کا پہلے ہی حریف تھا' عربوں کا سہارا پا کر مصعب اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے اور خارجیوں سے برسرپیکار اپنے نامور سردار مہلب بن ابی صفرہ کو واپس بلا کر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختار کو اطلاع ہوئی تو اس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار کی فوج دے کر روانہ کیا۔ دوسری طرف مصعب خود فوجیں لے کر نکلے۔ مدار کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ خون ریز معرکہ کے بعد احمد بن سلیط نے شکست کھائی اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا' باقی حصہ کوفہ لوٹ گیا۔ مصعب تعاقب کرتے ہوئے کوفہ تک پہنچ گئے۔

مختار کا خاتمہ:

احمد بن سلیط کی شکست کے بعد کوفہ میں موجود مختار خود مقابلہ میں آیا لیکن اس نے بھی شکست فاش کھائی اور اس کی فوج بری طرح مقتول ہوئی اور وہ پسپا ہو کر کوز میں قلعہ بند ہو گیا۔ مصعب نے محاصرہ کر لیا۔ پورے چار مہینوں تک محاصرہ رہا بالآخر مختار جان ہتھیلی پر رکھ کر باہر نکل آیا اور اپنے قابل اعتماد امیر سائب بن مالک کلبی سے کہا کہ ''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دین کے لئے نہیں' حسب کے لئے آخری مقابلہ کر لیں۔''

تب سائب نے کہا: ''دنیا تو یہ سمجھتی تھی کہ تم دین کے لئے ہی جانبازی دکھا رہے ہو'' تو مختار نے جواب دیا: ''نہیں میری عمر کی قسم! یہ سب محض حصول دنیا کے لئے تھا' میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے پاس ہے' حجاز عبداللہ بن زبیر کے زیر قبضہ ہے' بصرہ مصعب کے زیر حکومت ہے' عروض نجد حروری قابض ہے اور خراسان پر عبداللہ بن جازم کا تسلط ہے اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے میں نے بھی قسمت آزمائی کی لیکن خون حسینؓ کے انتقام کا ڈھونگ رچانے کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اس دعوت کو حصول مقصد کا آلہ بنایا'' (اخبار الطوال' ص 313)

اس کے بعد خاص دستہ کو لے کر باہر نکلا اور بڑی شجاعت اور پامردی کے ساتھ مصعب کا مقابلہ کیا لیکن اب اس کی قوت ختم ہو چکی تھی اس لئے اسے شکست ہوئی اور اس کا حفاظتی دستہ پسپا ہو کر قصر امارت میں داخل ہو گیا لیکن مصعب کے آدمیوں نے مختار کو داخل نہ ہونے دیا اور چند سو آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا بالآخر لڑتے لڑتے مارا گیا۔

مصعب نے اس کا سر قلم کر کے ابن زبیر کے پاس بھیجا۔ مختار کے قتل کے بعد اس کے دست و
زو اشتر بن مالک' ابن زبیر کے ساتھ ہو گئے چنانچہ عراق پھر ابن زبیر کے قبضہ میں آ گیا۔
(اخبار الطوال' ص 314)

مصعب کی شکست' قتل اور بصرہ پر عبدالملک کا قبضہ:

اگرچہ مصعب نے مختار کا خاتمہ کر کے عراق میں امن و امان بحال کر دیا تھا مگر بے وفائی اور
داری اہل عراق کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی اس لئے چپکے چپکے مصعب کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع
نے لگیں حتیٰ کہ ان لوگوں نے خط و کتابت کر کے عبدالملک کو حملہ آور ہونے کی دعوت دی' عبدالملک
ایسا موقعہ چاہتا تھا وہ ایک عظیم لشکر لے کر عراق پر چڑھ آیا۔ مصعب بھی پورے ساز و سامان کے
اتھ مقابلہ کو آئے مگر عین لڑائی کے وقت اہل کوفہ ان سے الگ ہو کر عبدالملک سے جا ملے۔ مصعب
نے اس پر بھی ہمت نہ ہاری اور بڑی پامردی سے مقابلہ کیا مگر اتنے بڑے لشکر کے سامنے کیا پیش جاتی
آخر شکست کھائی۔ (طبری' ج 8' ص 804- ابن اثیر ج 4' ص 119- اخبار الطوال' ص 317)

عبدالملک اور مصعب کے قدیم تعلقات تھے لیکن سیاست بازی نے ان کو ایک دوسرے کا
ریف بنا دیا تھا اس بناء پر عبدالملک' مصعب کے خون سے بچنا چاہتا تھا۔ اب اسے ان سے کسی قسم کا
طرہ باقی نہ رہا تھا اس لئے اُس نے اپنے مشیروں کی مخالفت کے باوجود ان کے پاس جان بخشی کا
روانہ بھیج دیا کہ وہ جہاں چاہیں نکل جائیں لیکن عین اس وقت ایک شامی عبیداللہ بن ظبیان نے ان کو
ل کر دیا۔ (طبری' ج 8' ص 806)

اور ان کا سر قلم کر کے عبدالملک کو پیش کیا گیا۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کہ
ب قریش میں ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا
ور عراقیوں نے اس کی بیعت کر لی۔ (مروج الذہب مسعودی' ج 2' ص 522-523)

مسعودی مزید لکھتے ہیں کہ جب یہ سر کوفہ کے قصر الامارت میں عبدالملک کے سامنے لایا گیا تو
کوفہ کے ایک معمر بزرگ نے سرد آہ کھینچتے ہوئے فرمایا: "دنیا عجب دار المکافات ہے۔ اسی قصر میں ابن
زیاد کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر کٹ کر آیا' پھر یہیں ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ پھر
سی جگہ مختار کا سر مصعب کے سامنے آیا اور آج یہیں پر مصعب کا سر آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔"
عبدالملک نے یہ سنا تو کچھ سوچ کر لرز گیا اور فوراً حکم دیا کہ اس عمارت کو گرا دیا جائے۔

مصعب کی شکست سے عراق پر بنو امیہ کا قبضہ ہو گیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس
صرف حجاز باقی رہ گیا۔ (تاریخ مسعودی' ج 2' ص 523)

حرم کا محاصرہ اور ابن زبیر کا خاتمہ:

عراق ہاتھ سے نکل جانے کے بعد عبداللہ بن زبیر کی طاقت بالکل کمزور ہو گئی چنانچہ 71ھ میں
عبدالملک نے اپنے قابل اعتماد کمانڈر حجاج بن یوسف کو مکہ فتح کرنے پر مامور کیا۔ حجاج اپنے لشکر جرار

کے ساتھ مکہ چڑھ آیا۔ عبداللہ بن زبیر حرم میں قلعہ بند تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ یہ محاصرہ کئی مہینے تک مسلسل قائم رہا اور شدید سنگ باری ہوتی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ (طبری' ج 8' ص 844)

ابن زبیر بڑی جرأت اور بہادری سے مدافعت کرتے رہے لیکن ان کی مدد کے تمام ذرائع بند ہو چکے تھے۔ باہر سے کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی اور کوئی مدد پہنچانے والا بھی باقی نہ رہ گیا تھا اس لئے کچھ دنوں میں ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا اور مکہ میں نہایت سخت قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی' محصورین کو گھوڑے ذبح کر کے کھانے تک نوبت آ گئی۔ ان حالات سے گھبرا کر ابن زبیر کے دس ہزار ساتھی حجاج کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے لیکن ابن زبیر کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ اس حالت میں بھی برابر لڑتے رہے تا آنکہ ان کے لڑکوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (الکامل لابن اثیر' ج 4' ص 286)

عبدالملک عبداللہ بن زبیر کے ساتھ رعایت کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا جب مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو اپنی بوڑھی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اماں! میرے تمام ساتھی مجھ سے جدا ہو گئے ہیں' میرے لڑکوں تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے باقی ماندہ چند جانثاروں میں بھی مقابلہ کی ہمت نہیں ہے۔ دشمن بھی رعایت کرنے پر آمادہ نہیں ہے' ان حالات میں آپ کا کیا مشورہ ہے؟

فرمایا: بیٹا! اگر تمہیں حق پر ہونے اور حق کے لئے لڑنے کا یقین ہے تو اب بھی ان کے ساتھ لڑو' اسی وجہ سے تمہارے بہت سے ساتھیوں نے جان دی ہے۔ اگر تم دنیا طلبی کے لئے لڑتے تھے تو تم سے برا کون ہو گا کہ خود کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور دیگر کئی لوگوں کو بھی ہلاک کیا۔ اگر تم مددگاروں کی وجہ سے معذور ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے' تمہیں کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ حق پر جان دینا' دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

یہ جواب سن کر ابن زبیر نے اپنے قتل کے بعد مثلہ ہونے کا ذکر کیا۔ بہادر ماں نے جواب دیا کہ بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ پھر بیٹے کو گلے سے لگایا' دعائیں دیں اور فرمایا:

''جاؤ بسم اللہ کر کے اپنا کام پورا کرو۔''

بالآخر حضرت عبداللہ بن زبیر مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ مقابلہ کو نکلے اور بہادری سے لڑتے ہوئے جان دے دی۔ یہ واقعہ جمادی الثانی 73ھ کو پیش آیا۔

(ان کے تفصیلی حالات کے لئے مستدرک حاکم ج 3' تذکرہ عبداللہ بن زبیر۔ ابن اثیر ج 4 ص 282 تا 289)

ابن زبیر کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ حجاج نے لاش سولی پر لٹکائی' کئی دن کے بعد حضرت اسماءؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو انہیں دیکھ کر فرمایا: ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 320)

عبدالملک کو پتہ چلا تو اس نے حجاج کو لکھ کر لاش واپس دلوائی اور قریش کا یہ نامور فرزند مقام حجون میں سپرد خاک کیا گیا۔ قتل ہونے کے وقت 72 سال عمر تھی اور خلافت کی کل مدت سات سال تھی۔

عبداللہ بن زبیر کا نظام حکومت:

ابن زبیر چند سال تک قریب قریب کل دنیائے اسلام اور سات برس تک حجاز اور عراق کے حکمران رہے لیکن اس مدت میں ان کو ایک دن کے لئے بھی سکون و اطمینان میسر نہ آیا اور پوری مدت جنگ و جدل میں بسر ہوئی اس لئے انتظامی اور تعمیری حیثیت سے اس دور پر تبصرہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایسے مخالف حالات میں سات برس تک قائم رہنا ہی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

(تاریخ اسلام ندوی' حصہ دوم' ص 296)

ابن زبیر کی شکست کے بعد عبدالملک سارے عالم اسلام کے واحد خلیفہ بن گئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی ناکامی کے اسباب

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عالم اسلام کی متحرک و مؤثر شخصیت تھے۔ آپ کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا لیکن ابن زبیرؓ بہادر اور عزیم وصمیم ہونے کے باوجود حکومت کے استحکام کی حامل سیاسی بصیرت کے حامل نہیں تھے۔ جب حصین بن نمیر نے خلافت کی پیشکش کی تو عبداللہ بن زبیر نے جذبات میں آ کر کہا: ''جب تک ایک ایک حجازی کے بدلہ میں دس دس شامیوں کو قتل نہ کرلوں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' تو ابن نمیر نے کہا: ''جو شخص آپ کو عرب کا مدبر کہتا ہے' وہ غلطی پر ہے۔ میں آپ کو خلافت دینا چاہتا ہوں آپ خونریزی پر آمادہ ہیں۔'' چنانچہ ابن نمیر واپس شام لوٹ گیا۔ یہ آپ کی سیاسی غلطی تھی' اگر ابن زبیر اس وقت جذبات کی بجائے تدبر سے کام لیتے تو اُموی خلافت حرف غلط کی طرح مٹ جاتی۔

اب ہم ذیل میں مزید ان اسباب کا تذکرہ کرتے ہیں جو ابن زبیر کی ناکامی کی وجہ ثابت ہوئے:

1- اُمویوں کا مدینہ سے اخراج:

معاویہ ثانی کی خلافت سے دستبرداری کے بعد جب اہل حجاز حضرت عبداللہ بن زبیر خلافت کے انعقاد کے لئے تیار ہو چکے تھے اس وقت مروان بن الحکم' حصین بن نمیر اور عبدالملک جیسے نامور ابن زبیر کی بیعت کے لئے تیار تھے مگر آپ اُمویوں سے اس قدر بیزار تھے کہ انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ یہ آپ کی ناقابل تلافی سیاسی غلطی ثابت ہوئی کیونکہ مروان شام پہنچ کر حکومت پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوگیا چنانچہ اس نے اُموی حکومت کی متزلزل بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ اگر ابن زبیر مدینہ میں حراست میں لے لیتے یا اس سے بیعت لے لیتے تو مروان کی خلافت کے امکانات معدوم ہو جاتے۔

2۔ مروان اور خوارج کی شورشیں:

خلافت سنبھالنے کے بعد عبداللہ بن زبیر کی قوتیں توابین، مختار ثقفی اور خوارج کی شورشوں اور بدامنیوں کو فرو کرنے میں صرف ہوئیں جبکہ عبدالملک بڑی خاموشی سے اپنے وسائل اور طاقت کو مجتمع کرتا رہا۔ ان ہنگاموں کو فرو کرنے کے بعد ابن زبیر کی طاقت زائل ہو چکی تھی لہٰذا اُموی بڑی آسانی سے ان پر غالب آ گئے۔ اگر ابن زبیر اپنے وسائل کو بنواُمیہ کے خلاف استعمال کرتے تو ان کی کامیابی کے امکانات واضح تھے اس سے اُمویوں کی کمر ٹوٹ جاتی۔

3۔ اہل عراق کی متلون مزاجی اور ابن الوقتی:

عراقیوں کی سرشت اور خمیر میں جفاکوشی، متلون مزاجی اور ابن الوقتی سرایت کر چکی تھی۔ یہی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام حق کے علمبرداروں کی ناکامی کا باعث تھے۔ حجاج نے جب عراق پر لشکرکشی کی تو مصعب کی فوج کے سرداروں کو انعام و اکرام اور عہدوں کے لالچ دے کر توڑ لیا جس سے مصعب کو شکست ہوئی اور وہ خود بھی میدان جنگ میں مارے گئے۔ عراق میں اُموی اقتدار بحال ہو گیا جس کے نتیجے میں ابن زبیر کو عراق، ایران اور شام کے علاقے سے محروم ہونا پڑا۔

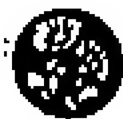
4۔ مصعب بن زبیر کی شہادت:

اہل عراق کی غداری کے باعث مصعب بن زبیر، حجاج بن یوسف کے خلاف میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ وہ ایک بہادر اور دلیر انسان تھے۔ عراق اور اس کے آس پاس کے علاقے انہی کی حکمت عملی کی وجہ سے ابن زبیرؓ کے قبضے میں تھے۔ مصعب کی موت ان کے لئے ایسا ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوئی کہ ابن زبیر کے اکھڑے قدم پھر جم نہ سکے اور بنواُمیہ کی حکمرانی کی بنیاد استوار ہو گی۔

5۔ حجاج بن یوسف کی سفاکی:

حجاج بن یوسف انتہائی سفاک اور بے رحم انسان تھا۔ اس کے ظلم و ستم اور خوفناک سزاؤں کی وجہ سے لوگوں کے حوصلے دم توڑ گئے اس نے کعبۃ اللہ پر اس بے رحمی سے پتھروں کی بارش کی کہ مسلمانوں کی یہ مقدس ترین عمارت بھی منہدم ہو گئی۔ اس نے مکہ کا محاصرہ کر کے لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی۔ لوگ قحط و افلاس کی تاب نہ لاتے ہوئے ابن زبیر کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس لئے ان کو حجاج کی افواج کے مقابلہ میں تنہا نکلنا پڑا چنانچہ وہ شہید ہو گئے اور اُموی حکومت کو استحکام مل گیا۔

(تاریخ اسلام، ص 183-184)



حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سیرت و کردار

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رشتے میں ان کی حقیقی خالہ تھیں۔ ابن زبیر 2ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی بڑے بہادر' شجاع اور حوصلہ مند تھے۔ سن شعور کے بعد وہ اکثر مہمات میں شریک رہے۔ طرابلس انہی کی کوششوں سے فتح ہوا تھا۔ (ابن اثیر' ج 3' ص 79-80)

حضرت عبداللہ بن زبیر نے چونکہ دامن عائشہؓ میں پرورش پائی تھی اس لئے فضل و کمال کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں نہایت ممتاز تھے۔ قرآن کے بہت اچھے قاری تھے۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ آپ کی قرأت کے معترف تھے۔

(صحیح بخاری' کتاب التفسیر' باب ثانی اثنین اذ هما فی الغار)

احادیث میں حضرت زبیرؓ حضرت عائشہؓ' خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کے شاگرد تھے۔ ان کی 33 روایات احادیث کی کتب میں موجود ہیں۔

(تہذیب التہذیب و تہذیب الکمال' ترجمہ عبداللہ بن زبیر)

آپ کو فقہ اتنا درک تھا کہ مدینہ کے صاحب علم و افتاء صحابہ میں سے تھے۔

(اعلام الموقعین' ج 1' ص 13)

عربی کے علاوہ مختلف زبانوں سے واقفیت تھی۔ ان کے غلام مختلف قوم اور نسل کے تھے۔ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم' ج 3' ص 549)

بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ عثمان بن طلحہ کا بیان ہے کہ فصاحت و بلاغت میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 213)

فضائل اخلاق اور مذہبی زندگی:

فضائل اخلاق کے لحاظ سے ان کی زندگی نمونہ تھی۔ وہ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ ان کی نماز ہو بہو آنحضرت ﷺ کی نماز کی تصویر تھی۔ (مسند احمد' ج 1' ص 289)

اس سکون اور استغراق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے۔ (الاصابہ' ج 4' ص 70)

خانہ کعبہ کے محاصرہ کے زمانہ میں جب ہر طرف سے سنگ باری ہوتی تھی' وہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ حطیم میں نماز پڑھتے تھے۔ (مستدرک' ج 3' ص 552)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کی مذہبی زندگی کے معترف تھے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 216)

پابندی سنت:

کسی کام میں سنت نبوی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی

عمرو بن زبیرؓ کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو گیا۔ حاکم مدینہ سعید بن عاص کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے دونوں کے مرتبہ کے خیال سے پہلو میں جگہ دی۔ عمرو تو بیٹھ گئے لیکن ابن زبیرؓ نے انکار کر دیا کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس طریقہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ مدعی اور مدعاعلیہ کو حاکم کے سامنے بیٹھنا چاہئے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب' باب الھجرۃ)

شجاعت و بسالت:

ابن زبیر قریش کے شجاع ترین لوگوں میں سے تھے ہر معرکہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی پوری زندگی بہادرانہ کارناموں سے پُر ہے۔ یہ ان کی شجاعت ہی تھی کہ بنو اُمیہ جیسی جابر حکومت کا سات سال تک مقابلہ کیا۔

جرأت اور حق گوئی:

ابن زبیر بڑے جری اور حق گو تھے۔ کسی موقع پر ان کی زبان اظہار حق میں خاموش نہ رہتی تھی۔ امیر معاویہ کے دبدبہ و شکوہ' سیاسی تدبیروں اور زر پاشیوں نے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دی تھیں لیکن ابن زبیر پر ان کا بس نہ چل سکا۔ ان کے سامنے ان کی تمام تدبیریں ناکام رہیں اور انہوں نے کسی طرح یزید کی ولی عہدی کی بدعت کو تسلیم نہ کیا۔ آپ خود نہایت مالدار تھے اس لئے کسی کی دولت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ (تاریخ اسلام' شاہ معین الدین ندوی' حصہ دوم' ص 298)



خوارج کی سرکشی اور انسداد

ڈاکٹر حمید الدین لکھتے ہیں: خارجی بنو اُمیہ کے سخت دشمن تھے۔ عہد یزید میں ابن زبیر کے دعوائے خلافت کے وقت خارجیوں کے چند سردار اِن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عقائد ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ہمارے ہم خیال ہوں تو ہم بنو اُمیہ کے خلاف آپ کی ہر طرح مدد کریں گے۔ خوارج حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سب کو بُرا سمجھتے تھے چنانچہ جب ان حضرات کے متعلق انہوں نے ابن زبیر کی رائے پوچھی تو ان کی رائے ان کے برعکس تھی بلکہ انہوں نے ان کی حمایت میں ایک طویل تقریر کی اور خارجیوں کے الزامات کا مدلل جواب دیا۔

خوارج کو ابن زبیر کے اس طرزِ عمل سے سخت مایوسی ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے علاقے میں جا کر شورشیں بپا کر دیں۔ فارس اور عراق ان لوگوں کے دو بڑے مراکز تھے۔ فارس کے ایک خارجی سردار نافع بن ازرق نے اہواز سے خلیفہ کے عامل کو نکال کر خود قبضہ کر لیا اور آس پاس کے شہروں کو فتح کرتا ہوا بصرہ تک آ پہنچا۔ اہل بصرہ نے دس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ اس شکست سے اہل بصرہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ یہ حال دیکھ کر ابن زبیر نے مہلب کو خارجیوں کے استیصال پر مامور کیا۔

مہلب کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کر خارجی پیچھے ہٹتے گئے مگر اہواز پہنچ کر پھر ڈٹ گئے اور ایسی بے جگری سے حملہ آور ہوئے کہ اہل بصرہ کے قدم اکھڑنے لگے۔ اس حالت میں بھی مہلب کمال استقلال کے ساتھ جما رہا، بصریوں نے اس کی یہ ثابت قدمی دیکھی تو پھر پلٹے اور ایسے زور کا حملہ کیا کہ خارجی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور کرمان پہنچ کر دم لیا۔

اسی اثناء میں ابن زبیرؓ کے بھائی عراق کے گورنر ہو کر آئے تو انہوں نے مہلب کو موصل کا حاکم بنا کر بھیج دیا اور ان کی بجائے عمر بن عبداللہ کو خارجیوں کی بیخ کنی پر مامور کیا مگر یہ تبدیلی بالکل مفید ثابت نہیں ہوئی، خارجی پھر شیر ہو گئے اور فارس اور عراق کے اکثر علاقوں میں پھر افراتفری مچا دی بالآخر مصعب نے مہلب کو موصل سے بلا کر دوبارہ اس مہم پر مقرر کیا۔ مہلب کی آمد کا حال سن کر خارجی پھر دب گئے۔

انہی ایام میں مصعب مارے گئے اور عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا۔ خارجی بنو اُمیہ کے جانی دشمن تھے چنانچہ اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ پھر میدان جنگ میں آ گئے۔ عبدالملک نے بھی ان کے انسداد پر پورا زور صرف کر دیا مگر وہ بار بار حکومت سے ٹکراتے رہے آخر کئی خونریز معرکوں کے بعد ان کا خاتمہ ہو گیا۔ (تاریخ اسلام ص 243 تا 247 ملخص)

عبدالملک کو بعد از خلافت پیش آمدہ مشکلات اور ان کا ازالہ:

اب ہم اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ عبدالملک کو تخت نشینی کے بعد کن مشکلات کا سامنا کرنا

پڑا اور وہ ان پر قابو پانے میں کہاں تک کامیاب ہوا؟

عبدالملک نے جب تخت حکومت پر قدم رکھا تو خود کو ہر طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا پایا مگر اپنے تدبر، دوراندیشی اور قابلیت کی وجہ سے وہ ہر قسم کی مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب رہا تو اس طرح اس نے مستحکم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ذیل میں ہم چند مشکلات کا تذکرہ کرتے ہیں:

1- عوام کا ردعمل:

اموی حکمران خلفاء راشدین کے طرزعمل اور اسلوب سیاست سے ہٹ کر دنیاوی حکمرانوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ عوام جب ان کا موازنہ خلفاء راشدین سے کرتے تو انہیں سخت مایوسی ہوتی۔ عوام ان کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ان کی حکومت کا قلادہ اُتار پھینکنا چاہتے تھے اور سانحہ کربلا کے بعد تو یہ مزید تندوتیز ہو گئے۔

2- عبداللہ بن زبیر کی خلافت:

سانحہ کربلا نے اہل اسلام کے دلوں میں اضطرابی کیفیت پیدا کر دی تھی اور دیگر کئی واقعات کی وجہ سے ان کے خلاف شدید غصہ تھا اور لوگ انہیں ایک پل گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اسی بناء وہ عبداللہ بن زبیر کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ مصعب بن زبیر نے عراق، کوفہ اور بصرہ پر قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ ان حالات میں عبداللہ بن زبیر کی خلافت عبدالملک کے لئے بہت بڑا خطرہ اور چیلنج تھی۔

3- ترکوں اور بربروں کی بغاوتیں:

ترکستان اور شمالی افریقہ کے ترک اور بربر قبائل بڑے جنگجو، جاں فروش اور خودسر تھے۔ بغاوت اور شورش کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ان کی بغاوت اور سرکشی کے خطرات بھی ہر وقت منڈلاتے رہتے کیونکہ ترک اور بربر قبائل اپنی خودمختاری اور آزادی کے لئے ہمہ وقت کوششوں میں مصروف رہتے۔

4- خوارج کی سرگرمیاں:

اگرچہ آغاز میں خوارج نے اُمویوں کے مقابلہ میں عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دیا لیکن وہ زیادہ دیر تک ان کے حواری نہ رہے، پھر ابن زبیر نے ان کے استیصال کی مؤثر کوششیں کیں۔ ابن زبیر کی شہادت کے بعد پہلے سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ اُمویوں کے سرگرم عمل ہو گئے اور بکھرے ہوئے خوارج بھی ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو گئے۔

5- توابین کی تحریک:

خوارج کے علاوہ اُمویوں کے دوسرے بڑے زبردست مخالف توابین تھے۔ یہ لوگ قصاص حسینؓ کا دعویٰ لے کر اُٹھے تھے اور ان کی تحریک دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھی۔ کوفہ اور بصرہ میں ان کے زبردست مرکز تھے۔ یہ تنظیم اُموی اقتدار کے لئے زبردست خطرہ تھی۔ مروان کے بعد ایک شاطر

طالع آزما مختار ثقفی نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے توابین کو ساتھ ملا کر انتشار پیدا کر دیا۔

6- بیرونی حملے:

رومی اپنے سابقہ علاقے واپس لینے کے لئے آئے روز اسلامی سرحدوں پر یورش کر رہے تھے' اب چونکہ اندرونی عدم استحکام' شورشوں اور فتنوں کا زور تھا لہذا متوقع بیرونی حملہ بھی عبدالملک کے لئے انتہائی تشویش کا باعث تھا۔

استحکام سلطنت کے اقدامات

اب ہم ذیل میں ان اقدامات کا ذکر کرتے ہیں کہ جنہیں بروئے کار لا کر عبدالملک نے اپنی مملکت کو استحکام بخشا۔

1- توابین سے جنگ:

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ اہل عراق نے ابن زیاد کو بھگا دیا اور باہمی صلاح و مشورے سے اپنے حکام چن لئے تھے اور مکہ میں وفد بھیج کر عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی تھی۔

مروان نے اپنے عہد حکومت میں ابن زیاد کو پھر سے عراق سر کرنے کی مہم پر مامور کیا کہ جس قدر علاقہ تم فتح کر لو گے' وہ تمہارے ہی قبضہ میں رہے گا چنانچہ فتوحات کے سلسلے میں ابن زیاد عراق کے ایک سرحدی شہر عین الوردہ میں پہنچا تو اسے چھ ہزار کوفیوں پر مشتمل ایک ایسی جمعیت سے سابقہ پڑا جنہیں کسی عامل یا امیر نے نہیں بھیجا تھا بلکہ یہ لوگ اپنے آپ کو توابین کے نام سے پکارتے تھے۔ ان کے رئیس ایک ممتاز صحابی سلیمان بن صرد تھے' انہیں جب یہ پتہ چلا کہ سانحہ کربلا کا سب سے بڑا مجرم ابن زیاد دوبارہ عراق آن پہنچا ہے تو توابین تیزی سے اس جانب بڑھے عین الوردہ کے مقام پر توابین عبیداللہ بن زیاد کی فوجیں معرکہ آراء ہوئیں' تین روز تک شدید جنگ ہوتی رہی جس میں عبیداللہ بن زیاد کو دو دفعہ شکست ہوئی لیکن تیسری جنگ میں عبیداللہ کو کامیابی ہوئی۔ سلیمان اور اس کے بے شمار ساتھی اس جنگ میں مارے گئے اور باقی لوگ کوفہ واپس چلے گئے۔

2- مختار ثقفی کی بغاوت کا خاتمہ:

اس دوران مختار ثقفی منظر عام پر آیا اس نے ابن زیاد کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ یہ پہلے توابین کے ساتھ شامل ہو گیا' ان کی تباہی کے بعد اس نے سیاسی مقصد کے لئے ایک نئی تحریک کی بنیاد رکھی جس کا نصب العین بھی شہدائے کربلا کا انتقام لینا تھا۔

کوفہ میں یہ تحریک بہت کامیاب ہوئی۔ ایک فرضی خط کے ذریعے اس نے کوفہ کے ایک شیعہ رئیس' دلیر اور شجاع ابراہیم بن اشتر کو اپنی معاونت کے لئے شامل کر لیا۔ اس طرح اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر عراق پر قبضہ کر لیا۔ کوفہ پر قبضے کے بعد اس نے شمر' عمرو اور سنان وغیرہ قاتلین حسین کو قتل کر دیا اور ابن زیاد کی طرف چل پڑا۔ دریائے زاب کے کنارے ابن زیاد اور مختار کی فوجیں صف آراء ہوئیں۔

شامیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ ابن زیاد اور حصین بن نمیر میدان جنگ میں مارے گئے اور ابن زیاد کا سر کاٹ کر زین العابدین کے پاس مدینہ بھیج دیا تاکہ ان کی حمایت حاصل کی جائے۔

اب مختار ثقفی نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف جارحانہ اقدام کی ابتداء کر دی۔ مصعب بن زبیر نے مختار کی سرکوبی کا قصد کیا۔ مختار نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار (60,000) کا لشکر دے کر مصعب کے مقابلے پر بھیجا' احمد نے شکست کھائی اور مختار کوفہ میں محصور ہو گیا۔ یہ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا۔ مختار ثقفی قصر امارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے مارا گیا۔ مصعب نے اس کا سر کاٹ کر ابن زبیر کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح عراق پر ابن زبیر کا قبضہ ہو گیا۔

3- عراق پر عبدالملک کی حکومت:

توابین اور مختار ثقفی کے خاتمے کے بعد عبدالملک کوفہ و عراق کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے 681ء میں عراق پر باقاعدہ حملہ کیا۔ مصعب بن زبیر نے عبدالملک کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ مہلب بن ابی صفرہ فارس کی مہمات میں مشغول تھے لہٰذا مصعب کی مدد کو نہ پہنچ سکے علاوہ ازیں عراقیوں نے انعام و عہدوں کے لالچ میں آ کر مصعب سے غداری کی اور عبدالملک سے مل گئے۔ مصعب اور ابراہیم بن مالک اشتر جرأت و پامردی سے مقابلہ کرتے ہوئے شہادت پائی۔

4- مکہ کا محاصرہ:

چونکہ عبداللہ بن زبیر کی طاقت اب کمزور ہو چکی تھی' عبدالملک نے ابن زبیر کو آخری ضرب لگانے کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ کا محاصرہ کرنے کے لئے بھیجا چنانچہ حجاج نے شہر مکہ پر خوفناک سنگ باری کی کہ رسد کے تمام راستے بند کر دیئے۔ تنگ آ کر بہت زیادہ تعداد حجاج کی امان میں چلی گئی حتیٰ کہ ابن زبیر کے بیٹوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ ابن زبیر نے استقلال و عزیمت کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے تنہا افواج حجاج کا مقابلہ کیا اور شہادت پائی۔ ابن زبیر کی شہادت کے بعد حجاز پر بھی عبدالملک کا قبضہ ہو گیا۔

5- خوارج کا استیصال:

عبدالملک نے اب خوارج کی طرف توجہ کی اور ان کی بیخ کنی کے لئے مہمات کا آغاز کیا۔ خارجی اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بنوامیہ کے مقابلے میں آ گئے' پہلے تو بنوامیہ کو شکستیں ہوئیں بالآخر عبدالملک خود میدان میں اترا ادھر سے مہلب اور خالد بن عبداللہ کمک کے لئے تازہ دم افواج لے کر شامل جنگ ہوئے تو شامیوں نے اہواز کے خارجیوں کو شکست دی اس کے بعد بحرین کے خارجی ابوفدیک کے خلاف جنگ میں فتح پائی اور پھر ہرمز کے خوارج کو پے در پے شکستیں دے کر ان کی قوت کا زور توڑ دیا مگر خوارج بار بار حکومت سے ٹکراتے رہے لیکن عبدالملک نے بھی ان کی طاقت کو کچلنے کے لئے پورا زور صرف کر دیا بالآخر کئی خونریز معرکوں کے بعد ان کا خاتمہ ہو گیا۔

6- ابن اشعث کی بغاوت:

حاکم سیستان رتبیل نے ملکی انتشار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بغاوت کر دی۔ حجاج نے محمد بن اشعث کو بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ اُس نے نصف سے زیادہ علاقہ فتح کر لیا پھر فوج کو آرام دینے کے لئے وقفہ دیا۔ حجاج نے اسے دوبارہ جنگ کرنے کا حکم بھیجا۔ حکم عدولی کی صورت میں معزولی کی دھمکی دی۔

ابن اشعث نے اِس کو توہین آمیز رویہ خیال کرتے ہوئے بغاوت کر دی' سپاہیوں نے اس کا ساتھ دیا لہٰذا ابن اشعث نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ حجاج کے جوابی حملہ پر اس نے بصرہ سے نکل کر کوفہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ عبدالملک نے صورتحال کو خطرناک سمجھتے ہوئے خود مداخلت کر کے ابن اشعث کے سامنے تین تجاویز رکھیں:

1- حجاج کے بجائے محمد بن مروان کو عراق کا گورنر بنایا جائے گا۔

2- عراقی فوج کو شامی فوج کے مساوی تنخواہ دی جائے گی۔

3- ابن اشعث کو پسندیدہ علاقے کا تاحیات گورنر بنایا جائے گا۔

ابن اشعث کی فوج نے ان شرائط اور تجاویز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مسئلہ پر جنگ چھڑ گئی اور ابن اشعث شکست کھا کر بصرہ پہنچا اور وہاں سے نکل کر حاکم سیستان رتبیل کے ہاں پناہ گزیں ہوا لیکن اس نے بے وفائی کرتے ہوئے اس کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح ملک میں تمام شورشوں' فتنوں اور بغاوتوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا اور ملک میں امن و امان ہو گیا۔

خاندان بنو اُمیہ کا حقیقی بانی' عبدالملک بن مروان

عبدالملک ایک زبردست منتظم اور شجاع حکمران تھا۔ اندرون ملک بغاوتوں کو فرو کرنے کے علاوہ اس نے غیر ملکی فتوحات کر کے سلطنت کو بہت وسیع کر لیا' اس نے نظام حکومت بہتر بنانے اور ملکی استحکام کے لئے بے شمار دوررس اصلاحات کیں جن کے نتیجے میں نہ صرف نظم و نسق کی اصلاح ہوئی بلکہ بنو اُمیہ کی سیاسی مرکزیت مضبوط ہو گئی۔ معاشی استحکام کی وجہ سے فارغ البالی اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ تعمیر و ترقی کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ رومیوں کی عظمت کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے۔ داخلی و خارجی استحکام' معاشرتی ترقی' اصلاحات' نظم و نسق کی اصلاحات اور شاندار فتوحات کی وجہ سے اسے مؤرخین نے بنو اُمیہ کا حقیقی بانی قرار دیا ہے۔

عبدالملک کی سیرت و کردار:

عبدالملک عقل و دانش' تدبیر و سیاست' شجاعت و بسالت اور علم و فضل جملہ صفات میں کامل تھا۔ علم و فضل کے اعتبار سے یہ اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھا۔ اگر وہ حکومت کی آزمائشوں میں نہ پڑ گیا ہوتا تو مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔ اس کا شمار مدینہ کے ممتاز فقہاء میں ہوتا تھا۔ حضرت زید

بن ثابت انصاری کے بعد مدینۃ الرسول کے منصب قضاء و افتاء پر فائز تھا۔ (ابن اثیر‘ ج 4‘ ص 199)

اس عہد کے اکابر علماء و فقہاء اس کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آخری زمانہ میں لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ عمر کی آخری گھڑیوں میں ہیں‘ آپ کے بعد ہم کس کی طرف رجوع کریں تو فرمایا مروان کا لڑکا فقیہ ہے اس سے پوچھنا۔

(کتاب البدر والتاریخ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی‘ حصہ دوم‘ ص 315)

امام شعبی کہتے تھے کہ میں جن جن علماء سے ملا عبدالملک کے سوا اپنے کو سب سے فائق پایا۔ اس سے جب حدیث یا شاعری پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ معلومات میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا تھا۔

(تاریخ الخلفاء‘ ص 216)

خلافت سے پہلے وہ بڑا متقی اور پرہیزگار تھا‘ دن رات عبادت و ریاضت اور تلاوت کلام پاک سے کام رکھتا تھا لیکن خلافت کی ذمہ داریوں کے بعد یہ زندگی قائم نہ رہ سکی۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ جب اسے خلافت ملنے کی خبر ہوئی تو وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھا۔ یہ خبر سن کر اس نے قرآن پاک بند کر دیا اور کہا کہ یہ آخری صحبت ہے‘ ان الفاظ سے اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اب میرا مذہب اور دین سے تعلق ختم ہو گیا بلکہ یہ تھا کہ خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بعد اب تلاوت قرآن کا زیادہ موقع نہیں مل سکے گا اس نے یہ کلمات حسرت اور یاس کے طور پر کہے تھے۔

یہ درست ہے کہ خلافت کے بعد اس کا وہ مذہبی رنگ قائم نہ رہ سکا تھا اور وہ سیاسی امور میں مذہبی حدود سے بھی تجاوز کر جاتا تھا لیکن وہ غیر سیاسی اعمال میں مذہبی تھا اس کی انگوٹھی کا نقش "آمنت باللہ مخلصا" تھا یعنی میں خلوص دل سے اللہ پر ایمان لایا۔ (طبقات ابن سعد‘ ج 5‘ ص 175)

عبدالملک نے مشہور تابعی سعید بن میتب سے درخواست کر کے کلام اللہ کی تفسیر لکھوائی۔

(کتاب الخلفاء‘ ص 217)

خلافت ملنے کے کئی سال بعد 75ھ میں حج کے لئے گیا اور خود امیر الحج کے فرائض سرانجام دیئے اور 81ھ میں اپنے لڑکے سلیمان کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔

(کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی‘ ص 336)

اس کے مذہبی جذبات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اہم اور خصوصی مراسلات اور فرامین کے سرنامے پر "قل هو الله احد" اور آنحضرتﷺ کا اسم مبارک لکھا کرتا تھا۔ سلاطین اور فرمانرواؤں کے مراسلات میں بھی یہ تحریر ہوتی تھی۔ قیصر روم نے اس پر اعتراض کیا کہ شاہی مراسلات میں آپ نے جو یہ نیا طریقہ جاری کیا ہے اسے بند کر دیجئے ورنہ ہم اپنے سکوں پر ایسی تحریر نقش کریں گے جو آپ کو ناگوار ہو گی۔ اس کے جواب میں عبدالملک نے رومی سکہ ہی منسوخ کر دیا اور اسلامی سکہ جاری کیا جس پر قل هو الله احد اور لا اله الا الله نقش تھا۔ (میزان الاعتدال ذہبی‘ ج 2‘ ص 197)

امام شعبی جیسے امام ان کے ہم جلیس و ہم نشیں تھے۔ امام زہری اس کے عمل کے مطابق فتویٰ

یتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے سونے کے تار سے دانت مضبوط کرنے کے متعلق استفسار کیا تو ہوں نے جواب دیا: کوئی مضائقہ نہیں' عبدالملک ایسے کرتا تھا۔ (تاریخ یعقوبی' ج 1' ص 336)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کی زندگی مذہبی نہ ہوتی تو امام زہری جیسے اس کے عمل کو ہرگز سند جواز نہ بناتے۔

ولی عہد کا تقرر:

مروان' عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنا گیا تھا۔ عبدالملک کی اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے 85ھ میں عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں لڑکوں ولید اور سلمان کو بالترتیب ولی عہد بنا کر ان کی بیعت لے لی۔ (ابن اثیر' ج 4' ص 198)

علالت اور وفات:

شوال 86ھ میں عبدالملک مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ دوران علالت اپنے لڑکوں کو خوف خدا رکھنے' اعلیٰ اخلاق اپنانے اور رعایا کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی چند وصیتیں کیں اور 15 شوال 86ھ کو انتقال کر گیا اور اسے دمشق کی سرزمین میں دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اس کی بیعت کے وقت سے مدت خلافت اکیس سال تھی اور ابن زبیر کی شہادت کے بعد سے تیرہ سال چار مہینے بنتی ہے۔

عبدالملک کے کارنامے:

عبدالملک اموی حکومت کا دوسرا بانی ہے۔ اس کے ہاتھ میں جس وقت زمام حکومت آئی تو اس وقت ساری دنیائے اسلام پُرآشوب ہو رہی تھی۔ اس کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلاب و حوادث ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر پہلے سے مقابلہ میں تھے۔ ان کے علاوہ مختار ثقفی کا خروج' خوارج کی شورش اور ابن اشعث کی انقلاب انگیز بغاوت وغیرہ واقعات رونما ہوئے۔

وہ بڑا قوی دل اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ نازک سے نازک حالات میں بھی نہ گھبراتا تھا۔ ایک مرتبہ 62ھ میں جب وہ مختار ثقفی کے مقابلہ کے سلسلہ میں پایۂ تخت سے باہر تھا اس کو ایک ہی شب پے درپے حوصلہ شکن خبریں ملیں کہ اُموی حکومت کا قوت و بازو عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلہ میں مارا گیا' ایک اور ممتاز افسر ابن زبیر کے مقابلہ میں کام آیا' ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں' شام کی سرحد مصیصہ پر رومیوں نے حملہ کر دیا' دمشق کے اوباشوں نے شہر میں غدر مچا رکھا ہے' قیدی جیل توڑ کر نکل گئے اور اعراب نے حمص اور بعلبک میں انقلاب برپا کر دیا۔

ایک وقت میں اتنی مخالف خبریں مستقل مزاج آدمی کو بھی گھبرا دینے کے لئے کافی تھیں لیکن عبدالملک مطلق نہ گھبرایا بلکہ وہ خوش اور ہشاش بشاش اور مستقل مزاج نظر آیا۔

(مروج الذہب مسعودی' ج 2' ص 375)

اس کے اس استقلال اور ہمت و شجاعت نے نہ صرف تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا

بلکہ نئی فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور سندھ سے لے کر جبرالٹر تک ایک متحدہ حکومت قائم ہو گئی اور ا
کے جانشینوں کو اطمینان کے ساتھ تعمیری کاموں کا موقعہ ملا۔

عبدالملک طرز حکومت میں امیر معاویہ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ گو وہ ان کے درجہ کو نہ پہنچ
تاہم اتنا مسلم ہے کہ وہ نہایت بیدار مغز اور اپنے عمال کی سخت نگرانی کرتا تھا۔
(کتاب البیان والتبیین' ج 2' ص 86

ایک مرتبہ ایک عامل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رعایا سے تحفہ لیتا ہے تو فوراً اسے طلب کر
بازپرس کی اور عہدہ سے معزول کر دیا۔ (مروج الذہب' ج 2' ص 375)

گو عبدالملک کا دور نہایت پُر آشوب تھا' اس کا پورا زمانہ شورشوں اور انقلابوں کے دبانے
گزرا اور اسے تعمیری کاموں کا کم موقع ملا تاہم پھر بھی اس کے بعض کارنامے یہ ہیں۔

فتوحات و اصلاحات

فتوحات:

پے در پے اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے باعث عبدالملک بیرونی ممالک کی فتوحات
جانب کماحقہ توجہ مبذول نہ کر سکا تاہم کئی ایک علاقے فتح ہوئے جن کا مختصر سا حال یہاں درج کیا
ہے۔

شمالی افریقہ کی مہمات:

عہد یزید میں شمالی افریقہ کے ایک بربری سردار کسیلہ نے عقبہ کے ساتھ بدعہدی کر کے
قتل کر کے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ عبدالملک کو جونہی اندرونی شورشوں سے فرصت ملی تو اپنے تجربہ کار
بن قیس کو ایک زبردست فوج کے ساتھ قیروان کی دوبارہ تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ زہیر نے ایک خ
جنگ کے بعد بربریوں اور رومیوں کی متحدہ افواج کو شکست دی۔ کسیلہ قتل ہوا اور اس کے حامی
برباد ہو گئے۔

قیروان کی فتح کے بعد زہیر نے فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے مختلف
میں روانہ کر دیا اور خود اپنے صدر مقام برقہ میں لوٹ آئے۔ دشمن نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہ
زبردست فوج کے ساتھ اچانک حملہ کر کے زہیر کو ساتھیوں سمیت قتل کر دیا اور تمام افریقی مقبوضات
سے نکل گئے۔

مگر ان شکستوں کے باوجود عبدالملک نے ہمت نہ ہاری بلکہ چالیس ہزار کی آزمودہ
افریقہ روانہ کی جس کی کمانڈ حسان بن نعمان کر رہے تھے۔ افریقہ کے بربریوں کو یورپ کی تمام عی
سلطنتوں کی حمایت حاصل تھی' یہی وجہ تھی کہ وہ بار بار مسلمانوں کے منہ آتے تھے۔ حسان کی خبر
بربری اور عیسائی فوجیں پھر سے قرطاجنہ کے مقام پر اکٹھی ہو گئیں۔ حسان بھی قیروان کو فتح کر

قرطاجنہ پہنچ گیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی' مسلمان غالب آئے۔ اس فتح سے سارے افریقہ میں مسلمانوں کی قوت کی دھاک بیٹھ گئی اور برقہ سے لے کر بحر اوقیانوس تک کے ساحل کا سارا علاقہ ان کے زیر نگیں آ گیا۔

لیکن اس دوران ایک بار پھر مسلمان افریقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ ان دنوں جبل کے علاقہ پر ایک باحوصلہ اور بہادر خاتون ملکہ واصیہ حکمران تھی اس کا جنگلی قبائل پر بڑا اثر تھا اور قیروان اور قرطاجنہ کے شکست خوردہ سپاہی بھی اس کی حمایت کے لئے پہنچ گئے۔ حسان نے اس کے علاقے جبل پر دھاوا بول دیا۔ ملکہ نے آگے بڑھ کر حسان کو شکست دی جس کے نتیجہ میں اسلامی فوج کا بیشتر حصہ مقتول اور اسیر ہوا جو باقی بچے انہوں نے بھاگ کر برقہ میں پناہ لی۔ مسلسل پانچ سال تک ملکہ واصیہ پورے شمالی افریقہ پر قابض رہی جبکہ حسان دارالسلطنت سے کمک کا انتظار کرتے رہے۔ ادھر عبدالملک خارجی مہمات کی وجہ سے ادھر توجہ نہ کر سکا' آخر 78ھ میں خارجیوں کا خاتمہ کر کے حسان کو کمک روانہ کی اور افریقہ پر چڑھائی کا حکم صادر کیا۔ ادھر ملکہ کے حامیوں میں پھوٹ پڑ گئی' وہ منتشر ہو گئے چنانچہ حسان نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر حملہ کر دیا۔ ملکہ نے شکست کھائی' وہ مقتول ہوئی اور تمام شمالی افریقہ مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ بے شمار بربری مسلمان ہو گئے۔ پھر حسان نے قرطاجنہ کے قریب شہر طونس (تیونس) کی بنیاد رکھی۔

رومیوں کے ساتھ جنگیں:

اندرونی خلفشار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قیصر روم ایک عظیم لشکر لے کر چڑھ آیا۔ اس وقت عبدالملک مصعب بن زبیر سے مقابلہ کے لئے جا رہا تھا لہٰذا اس نے مقابلہ کرنے کی بجائے ایک ہزار دینار روزانہ خراج ادا کرنے کے وعدے پر صلح کر لی۔ جونہی حالات سنبھلے اور فوجیں اِدھر اُدھر کی مہموں سے واپس آ گئیں تو عبدالملک نے بدلہ لینے کا پروگرام بنایا چنانچہ قیساریہ کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی۔ اہل روم کو زبردست شکست ہوئی اور دو مزید جنگوں کے نتیجہ میں قالیقلد اور مصیصہ کے مقامات پر قبضہ کر لیا۔

ترکستان کی فتح:

خارجیوں کی مہموں سے فارغ ہو کر مہلب نے ترکستان کے امیر سبل کو شکست دے کر اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ 84ھ میں یزید بن مہلب والئی خراسان مقرر ہوا اور اس کے بھائی مفضل نے بادغیس پر قبضہ کر لیا۔

سیستان کی بغاوت اور اس کا انسداد:

74ھ میں ایک ترک سردار جرنیل زنبیل باغی ہو گیا۔ والئی خراسان اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ سیستان کا علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا۔ زنبیل نے اسلامی فوج کو نہ روکا' جب وہ علاقے میں پھیل گئے تو اس نے ان کی ناکہ بندی کر لی' وہ مجبور ہو کر صلح کر کے واپس آ گئے۔

78ھ میں حجاج نے عبیداللہ بن بکرہ کو دوبارہ سیستان پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ اب بھی زنبیل نے ایسے ہی کیا اور اسلامی فوج کی ناکہ بندی کر کے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ عبیداللہ نے مجبور ہو کر سات لاکھ درہم دے کر جان چھڑائی اور بہت سا جانی و مالی نقصان اُٹھا کر واپس آ گئے۔

80ھ میں حجاج نے مشہور جرنیل عبدالرحمان بن اشعث کو زنبیل کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر زنبیل اطاعت پر آمادہ ہو گیا مگر ابن اشعث نے تسلیم نہ کیا اور چڑھائی کر کے سیستان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا اور ابن اشعث نے یہ حکمت عملی طے کی کہ جتنا علاقہ فتح کرتے اس کا مناسب انتظام بھی کر دیتے تاکہ زنبیل ناکہ بندی نہ کر سکے۔ اس طرح اس مہم کو کافی عرصہ لگ گیا۔ حجاج نے اس تاخیر کو ابن اشعث کی آرام طلبی اور راحت پسندی پر محمول کیا اور حکم دیا کہ اس مہم کو جلد از جلد ختم کرو ورنہ فوج کی کمان اپنے بھائی اسحاق کے حوالے کر کے فوج سے الگ ہو جاؤ۔ اس حکم پر ابن اشعث کو بہت غصہ آیا اور اس نے حجاج کے خلاف بغاوت کر دی جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

عبدالملک کی اصلاحات

عبدالملک کی اصلاحات میں نمایاں ترین اور اہم اصلاح عربی زبان کی ترویج و ترقی اور اسے دفتری زبان بنانا تھا۔ عبدالملک کے عہد میں جب ملکی استحکام حاصل ہوا اور حالات سازگار ہوئے تو اس نے نظام حکومت میں انقلابی اصلاحات متعارف کرانے کا فیصلہ کیا چنانچہ اس اولین اقدام کے طور پر عربی کو سرکاری زبان قرار دیا۔ مورخین کے مطابق اس کا سہرا حجاج کے سر ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اب تک حکومت کے دفاتر رومی اور فارسی زبان میں تھے۔ اس سے مختلف قسم کی خرابیاں رونما ہوتی تھیں۔ ان خرابیوں کو محسوس کر کے عبدالملک نے عربی زبان رائج کی۔ (آداب السلطانیہ ص 110)

عربی رسم الخط کی اصلاح:

زبان کے سلسلہ میں عبدالملک کا دوسرا کارنامہ عربی زبان کی اصلاح ہے۔ باوجود سرکاری زبان ہونے کے اس کے خط میں چند نقائص تھے مثلاً عربی تحریر میں نقطے نہیں ہوتے تھے اور اعراب بھی نہیں لگائے جاتے تھے جس سے مشابہ الفاظ مثلاً ب' ت' ث' ج' ح' خ وغیرہ الفاظ پڑھنے میں بڑی دقت پیش آتی تھی۔ عبدالملک نے حجاج کے ذریعے الفاظ پر نقطے اور اعراب لگوائے جس سے عجمیوں کے لئے عربی زبان کی تحصیل آسان ہو گئی۔

اسلامی سکے کا اجراء:

عبدالملک کا ایک ممتاز کارنامہ اسلامی سکے کا اجراء ہے اس وقت تک مسلمانوں کا اپنا سکہ نہ تھا بلکہ ایرانی' رومی اور قبطی سکوں میں لین دین ہوتا تھا جس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ڈور ان قوموں کے ہاتھ میں تھی۔ عبدالملک نے 75ھ میں اسلامی سکہ رائج کر کے دوسری قوموں کے سکوں سے رہائی حاصل کی۔ (تاریخ طبری' ص 939- طبقات ابن سعد' ص 473-474)

محکمہ ڈاک کی توسیع:

حضرت امیر معاویہؓ نے محکمہ ڈاک کو منظم بنیادوں پر قائم کیا۔ عبدالملک نے اس میں مزید توسیع اور اصلاح کی۔ دارالحکومت دمشق سے شاہی گھوڑے ڈاک لے کر سلطنت کے اطراف و جوانب میں جاتے۔ اس تنظیم نو سے ملک کے دور افتادہ مقامات بھی ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے۔ یہ محکمہ جاسوسی کا کام بھی دیتا اور بادشاہ وقت کو مکمل معاملات میں وقوع پذیر تغیر و تبدیلی کی اطلاعات بھی فراہم کرتا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو:

یزید کے عہد میں سنگ باری کے باعث خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اسے گرا کر آنحضرت ﷺ کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق از سر نو تعمیر کرائی۔ حطیم کے حصہ کو بھی عمارت کعبہ میں شامل کر لیا گیا جس سے اس کی طوالت میں دس ہاتھ کا اضافہ ہو گیا نیز ابن زبیر نے مشرق اور مغرب میں دو دروازے نئے لگا دیئے تاکہ زائرین کو اندر جانے میں دقت نہ ہو۔

حجاز پر قبضہ ہو جانے کے بعد حجاج نے عبدالملک کے حکم سے اس عمارت کو گرا دیا اور پرانے نقشہ کے مطابق دوبارہ تعمیر کرایا علاوہ بریں ہر سال خانہ کعبہ کے لئے ریشم کا غلاف دمشق سے تیار ہو کر آنے لگا۔ (دول الاسلامی ذہبی' ج 1' ص 38)

شہروں کی آبادی:

بعض نئے شہر بھی بسائے گئے اور پرانے ویران شہر دوبارہ آباد ہوئے۔ حجاج نے عراق میں بڑے اہتمام سے واسط شہر بنایا صرف شہر پناہ' قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر میں کئی کروڑ صرف ہوئے تھے۔ (معجم البلدان ذکر واسط)

رفاہ عامہ کے کام:

اس عہد میں رفاہ عامہ کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ 80ھ میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا جو "سیل جارف" کے نام سے مشہور ہے اس سے مکہ کی ساری آبادی سیلاب کی نذر ہو گئی اور اہل مکہ کو بڑا جانی و مالی نقصان پہنچا۔ عبدالملک نے آئندہ اس سے حفاظت کے لئے ان تمام مکانوں میں جو وادی کے کنارے تھے اور مسجدوں اور گلیوں میں مستحکم حصار اور بند بنوائے۔

(تاریخ الخلفاء' ص 214)

مذہبی خدمات

عبدالملک کا دور مذہبی خدمات سے بھی خالی نہیں ہے۔ وہ ہر سال خانہ کعبہ کے لئے دیبا کا غلاف اور حرم اور مسجد نبوی میں خوشبو کے لئے بخورات اور عود دان بھیجتا تھا۔

(دول الاسلام ذہبی' ج 1' ص 38)

متعدد نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔ 65ھ میں عبدالملک نے

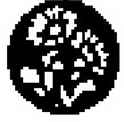
جامع مسجد دمشق بنوائی اور صخرہ پر عظیم الشان خوبصورت گنبد بنوایا۔ واسط، بردعہ اور دیبل میں وسیع مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ عبدالعزیز بن مروان نے جامع مسجد مصر کو گرا کر اس کی توسیع کرائی۔
(تاریخ مکہ ازرقی' ج 1' ص 137)

تفسیر قرآن مجید:

عبدالملک نے قرآن مجید کی ایک جامع تفسیر کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب سے درخواست کر کے کلام پاک کی تفسیر لکھوائی۔ نیز تلاوت کو سہل بنانے کے لئے قرآن مجید کی عبارتوں پر اعراب اور دیگر علامتیں لگوائیں۔

ادبی خدمات:

عبدالملک خود ایک بلند پایہ عالم تھا اس نے اپنے زمانے میں علم و ادب کو بہت ترقی دی۔ وظائف اور انعام و اکرام سے شعراء کی حوصلہ افزائی کی جس سے عربی لٹریچر میں بیش بہا اضافے ہوئے۔ (تاریخ اسلام' ڈاکٹر حمید الدین' ص 255)



ولید بن عبدالملک

ولید کا تعارف:

ولید عبدالملک کا بڑا لڑکا تھا وہ اپنے والد کے برعکس علم و فن سے بیگانہ تھا۔ عبدالملک نے اس کی تعلیم کی بڑی کوشش کی لیکن ولید کی طبیعت تحصیل علم کی طرف راغب نہ ہوئی لیکن جہاں بانی کے تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے اور وہ بنوامیہ کا کامیاب ترین خلیفہ تھا۔ عبدالملک نے اپنی زندگی میں ہی اس کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی چنانچہ اس کی وفات کے بعد شوال 86ھ میں ولید تخت نشین ہوا۔

عبدالملک اپنے زمانے میں تمام مخالف قوتوں اور اندرونی شورشوں کا قلع قمع کر کے میدان بالکل صاف کر گیا تھا اس لئے ولید کو پورے سکون و اطمینان کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کاموں کا موقع ملا چنانچہ ان دونوں حیثیتوں سے اس کا زمانہ بنوامیہ کا زریں دور شمار کیا جاتا ہے۔

ولید کی خوش قسمتی سے اسے قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور مسلمہ بن عبدالملک جیسے نامور سپہ سالار اور فاتح میسر آ گئے جنہوں نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے چین سے یورپ تک ملا دیئے۔ ذیل میں ہم ان چاروں کی الگ الگ فتوحات کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

(تاریخ اسلام، ندوی، حصہ دوم، ص 317)

قتیبہ بن مسلم اور وسط ایشیا کی فتوحات:

86ھ میں حجاج نے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا والی مقرر کیا کیونکہ وسط ایشیا کو فتح کر کے بیشتر حکمرانوں کو باجگوار بنانے والے جرنیل مہلب بن ابی صفرہ کی وفات کے بعد جب ان کا بیٹا یزید بن مہلب والی بنا تو وہ اپنے باپ کے برعکس ظالم اور نااہل تھا چنانچہ اس کی سخت گیری اور نااہلی کی وجہ سے مفتوحہ قبائل بگڑ گئے اور انہوں نے بغاوت کر دی۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے قتیبہ کو والی خراسان بنا کر بھیجا۔ قتیبہ بڑا شجاع اور تجربہ کار جرنیل تھا اس نے پہلے تو آس پاس کے باغی سرداروں کی سرکوبی کی پھر 86ھ میں ترکستان پر لشکر کشی کی چونکہ یہاں کے امراء کی باہمی چپقلش جاری رہتی تھی اس لئے قتیبہ نے ان کے باہمی اختلاف سے خوب فائدہ اٹھایا۔

ترکستان کی فتح:

قتیبہ نے دریائے جیحوں کے پار قدم رکھا تو صغانیاں کے فرمانروا نے خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی اور تحفے تحائف پیش کئے۔ اس کے دیکھا دیکھی شومان اور کفیان نے بھی ایسا ہی کیا۔ قتیبہ اپنے بھائی صالح کو منتظم بنا کر مرو واپس آ گئے۔ آپ کے بعد صالح اور نصر بن یسار نے کاشانہ اور فرغانہ وغیرہ کئی شہر فتح کر لئے۔ (فتوح البلدان بلاذری، ص 426)

قتیبہ کی واپسی کا سن کر حجاج نے اسے تعدید کرتے ہوئے محاذ جنگ پر جانے کا حکم دیا۔ اس پر قتیبہ پھر لشکر سے جا ملا۔ اسی اثناء میں بادغیس کے ترک حکمران کے ساتھ صلح ہو گئی جس نے ترکستان

(جسے اس زمانے میں ماوراء النہر کہا جاتا تھا) کی مہم میں قتیبہ کی عملی مدد کی بلکہ بہت سے معرکوں میں خود شریک ہوا نیز اس کے پاس کچھ مسلمان قیدی تھے جنہیں اس نے رہا کر دیا۔

87ھ میں قتیبہ نے بخارا کے شہر بیکند پر فوج کشی کی۔ وہاں کے رئیس نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ دو ماہ تک مسلمانوں کا مقابلہ کیا بالآخر مسلمان فاتح اور وہ شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ قتیبہ نے محاصرہ کر کے شہر پناہ کو گرانا شروع کر دیا چنانچہ اہل شہر نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ قتیبہ وہاں اپنا نائب مقرر کر کے آگے چل دیے تو اہل شہر نے بغاوت کر کے تمام مسلمان عملہ کو قتل کر دیا۔ قتیبہ واپس پلٹے' اب انہوں نے شہر پناہ کو مسمار کیا اور قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اور مجرموں کو سزائیں دیں۔ اس فتح میں بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا اور اسلحہ اور سونے چاندی کے برتن ہاتھ لگے۔

(ابن اثیر' ج 4' ص 203)

بخارا کی فتح:

88ھ میں نوشکث اور امثنہ کو فتح کرتے ہوئے اسلامی لشکر واپس لوٹا تو راستے میں شہنشاہ چین کا بھتیجا دو لاکھ فوج کے ساتھ مدمقابل ہو گیا۔ قتیبہ نے تعداد کی کمی کے باوجود اس لشکر جرار کو شکست دی۔ اس جنگ میں بادغیس کے حکمران تیزک نے مسلمانوں کی حمایت میں کمال جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ (ابن اثیر' ج 4' ص 204)

88ھ میں ہی قتیبہ نے چند ماہ بعد بخارا پر فوج کشی کی مگر قتیبہ کو کامیابی نہ ہوئی اور حجاج کو اطلاع دی۔ اس نے نقشہ منگوایا اور تفصیلی ہدایات دیں۔ قتیبہ نے 90ھ میں ان ہدایات کے مطابق لشکرکشی کی اور بڑھ کر پھر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد ترکوں اور سغدیوں کی ایک متحدہ فوج بھی بخارا والوں کی مدد کو آ پہنچی۔ اب انہوں نے میدان میں آ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا' زبردست جنگ ہوئی۔ مسلمانوں نے زوردار حملہ کیا تو دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بخارا فتح ہو گیا۔

فتح سے مرعوب ہو کر گردونواح کے حکمرانوں نے بھی جزیہ دے کر صلح کر لی۔ اس دوران بادغیس کے حکمران تیزک نے بغاوت کر دی بالآخر قتل ہوا۔ پھر 93ھ میں شاہ خوارزم نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ اب قتیبہ نے سمرقند کی طرف توجہ کی کیونکہ اہل سمرقند نے مسلمانوں سے معاہدوں کے باوجود ترکستان (ماوراء النہر) کی مہمات میں ان کے مخالفین کا ساتھ دیا تھا چنانچہ قتیبہ نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ اطراف کے حاکموں کا ایک لشکر جرار اہل سمرقند کی مدد کو آیا۔ قتیبہ نے انہیں شکست دی۔ بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اہل سمرقند نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

(ابن اثیر' ج 4' ص 208 تا 210' 217 اور 218)

اہل سمرقند بت پرست تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے بعض دیوتا ایسے ہیں کہ ان کو ہاتھ لگانے والا ہلاک ہو جائے گا۔ ان کے اس وہم کو دور کرنے کے لئے قتیبہ نے ان بتوں کو نذر آتش کر دیا۔ جب اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا تو بہت سے سغد مشرف بہ اسلام ہو گئے اور قتیبہ نے سمرقند میں مسلمانوں کی بستی آباد کی۔ (فتوح البلدان' ص 427)

94ھ میں قتیبہ نے سمرقند کی مدد کرنے والوں کی طرف فوج بھیجی خود فرغانہ کی طرف بڑھے راستہ میں خجندیوں نے مقابلہ کیا۔ قتیبہ انہیں فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے اور فرغانہ کے دارالسلطنت کاشان کو فتح کر کے ترکستان اور چین کی سرحد اسبیجاب تک بڑھتے چلے گئے۔ اس کے بعد چین کی حدود شروع ہو جاتی تھیں اس لئے اس سال یہیں پہنچ کر واپس لوٹ گئے۔

چین پر فوج کشی اور خاقان چین کی اطاعت:

سمرقند کے بعد 96ھ میں قتیبہ نے خجستان پر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ اس کے بعد قتیبہ نے چین پر لشکر کشی کی کیونکہ خاقان چین نے اہل سمرقند کی مدد کی تھی۔ قتیبہ نے اسے سزا دینا ضروری سمجھا۔ وہ کاشغر کو فتح کرتا ہوا چین کی حدود تک چلا گیا۔ خاقان کے مطالبہ پر اس نے ہبیرہ بن مشرح کو دس آدمیوں کی معیت میں سفیر بنا کر اس کی خدمت میں بھیجا۔ خاقان چین نے مسلمانوں کی عظمت و شہرت سے مرعوب ہو کر مصالحت کا ارادہ کیا اور بیش قیمت تحائف دے کر صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد قتیبہ مرو چلا گیا۔ مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کو درست کیا۔ کئی مقامات پر عربوں کی نو آبادیاں قائم کیں۔ کچھ عرصہ بعد وسط ایشیا کے سارے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور وہاں اسلامی تہذیب کے عظیم الشان مراکز قائم ہوئے۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 2-3)

محمد بن قاسم اور سندھ کی فتوحات:

سندھ پر فوج کشی کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا تقریباً ہر خلیفہ نے یہاں کچھ نہ کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن ولید سے قبل اسے مستقل طور پر فتح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ ان کے حملے سرحدی علاقوں سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ ولید کے زمانہ میں ایک ناگوار واقعہ نے حجاج کو اسے مستقل فتح کرنے پر آمادہ کیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ

کچھ مسلمان عرب تاجر اس زمانے میں لنکا میں آباد ہو گئے تھے' ان میں سے ایک تاجر کا انتقال ہو گیا۔ لنکا کا راجہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا خواہشمند تھا اس لئے متوفی تاجر کے اہل و عیال کو جن میں کئی عورتیں تھیں' جہاز کے ذریعے بھجوا دیا اور ولید کے لئے قیمتی ہدایا و تحائف بھیجے۔ اس جہاز میں کچھ حاجی تھے۔ دیبل (دیول) کے قریب سندھی لٹیروں نے جہاز پر حملہ کر کے لوٹ لیا اور عربی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا: ''فریاد اے حجاج!''

حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو آنکھوں میں خون اتر آیا اور سندھ کے راجہ داہر کو لکھا کہ ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دو اور نقصان کی تلافی کر کے مسلمان عورتوں اور بچوں کو واپس کر دو۔

راجہ داہر نے جواب دیا کہ سمندری ڈاکو میرے قابو سے باہر ہیں اس لئے آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہوں' آپ خود آ کر ان سے نمٹ لیں۔ (فتوح البلدان' ص 441)

یہ جواب سن کر حجاج نے عبیداللہ بن نبہان کو فوج کے ساتھ دیبل روانہ کیا۔ یہ جنگ میں کام آئے ان کے بعد بدیل بن طہفہ بجلی کو دیبل پہنچنے کا حکم دیا۔ وہ تین ہزار فوج کے ساتھ مکران ہوتے

ہوئے دیبل پہنچے۔ راجہ داہر نے مقابلہ میں کئی ہزار سپاہ بھیجی۔ بدیل بن طہفہ نے شکست کھائی اور قتل ہو گئے۔ (حوالہ مذکور)

حجاج کو اطلاع ہوئی تو اسے بڑا صدمہ ہوا اور اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ راجہ داہر کو شکست دینا آسان کام نہیں چنانچہ اس نے اپنے داماد محمد بن قاسم کو حکم دیا کہ وہ سندھ پر لشکر کشی کرے۔ اس کی امداد کے لئے چھ ہزار شامیوں کی ایک فوج بھیج دی۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف سترہ برس کی تھی' کو چھ ہزار سپاہ کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ محمد بن قاسم نے اپنی فوج کے دو حصے کیے ایک حصہ جس میں توپخانہ اور پیدل فوج تھی سمندر کی راہ روانہ کیا اور دوسرا حصہ جو سوار دستوں پر مشتمل تھا' خود ساتھ لے کر چل پڑا۔

دیبل کی فتح:

سب سے پہلے حملہ 711ء میں دیبل کی بندرگاہ (جو کہ موجودہ کراچی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھی) پر ہوا۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے محمد بن قاسم نے توپوں سے پتھر برسانے شروع کر دیئے مگر اہل شہر نہایت پامردی سے مدافعت کرتے رہے۔ مسلسل ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہنے کے باوجود کوئی نتیجہ نہ نکلا بالآخر جاسوسوں نے خبر دی کہ جب تک شہر کے مندر کا جھنڈا اپنی جگہ پر قائم ہے' اس وقت تک ہندو ہار نہیں مانیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جھنڈے کے نیچے بیٹھا ہوا دیوتا برابر ان کی مدد کر رہا ہے۔

چنانچہ محمد بن قاسم کے حکم سے سنگ باری کر کے جھنڈے کو گرایا گیا ساتھ ہی اہل شہر کے حوصلے ہار گئے اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ محمد بن قاسم نے وہاں ایک مسجد بنائی اور چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا۔ (بلاذری' ص 442 تا 444)

دیبل کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نیرون (حیدرآباد) کی طرف بڑھا مگر وہاں کے باشندوں نے لڑے بغیر صلح کر لی۔ ان کی دیکھا دیکھی گردونواح کے دوسرے رئیسوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کے وعدے پر اطاعت قبول کر لی اس کے بعد سہوان کی جانب پیش قدمی ہوئی اور اسے بزور شمشیر فتح کر لیا گیا۔

راجہ داہر کا خاتمہ:

اسی اثناء میں خبر ملی کہ راجہ داہر پچاس ہزار کا لشکر لے کر دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا ہے چنانچہ محمد بن قاسم نے بھی ادھر کا رُخ کیا اور دریا کے دوسرے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ مسلمانوں نے بڑی کوشش کی کہ کشتیوں کا پل بنا کر دریا کو پار کر جائیں مگر راجہ کے تیر انداز مزاحم ہوئے بالآخر رات کی تاریکی میں اسلامی فوج نے دریا عبور کر لیا اور صبح ہوتے ہی ہندوؤں پر پل پڑے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا' دونوں طرف کے بہادروں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ راجہ داہر بھی بڑی بہادری سے لڑا مگر ایک عرب نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

برہمن آباد کی فتح:

راجہ کی موت پر اس کی فوج کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ میدان چھوڑ کر برہمن آباد کی طرف بھاگ گئی۔ محمد بن قاسم نے تعاقب کیا' وہاں خون ریز جنگ ہوئی بالآخر برہمن آباد پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس جنگ میں راجہ داہر کی ایک رانی جس کا نام لاڈلی تھا' گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے خلیفہ سے اجازت لے کر اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

ارور یا راوڑ کی فتح:

اس کے بعد مسلمان ارور کی طرف بڑھے' یہاں راجہ داہر کا بیٹا گوپی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست تیاریاں کر رہا تھا۔ گوپی نے مشہور کر رکھا تھا کہ راجہ داہر مرا نہیں بلکہ فوج فراہم کرنے کے لئے ہندوستان گیا ہوا ہے۔ اس افواہ پر یقین کر کے آس پاس کے تمام رئیسوں نے گوپی کی امداد کی اور ارور میں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر کو راجہ داہر کے لوٹ آنے کی توقع تھی اس لئے ثابت قدمی سے مدافعت کرتے رہے۔ محمد بن قاسم کو اس کا علم ہوا تو رانی کی وساطت سے انہیں پیغام دیا کہ راجہ داہر قتل ہو چکا ہے اس کی امداد کے خیال سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس پر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی اور گوپی کیرج کی طرف بھاگ گیا۔ (بلاذری' ص 444)

ملتان کی فتح:

ارور پر تسلط ہو جانے کے بعد اسلامی لشکر دریائے چناب کو عبور کرتا ہوا 713ء میں ملتان پہنچا یہاں کا راجہ گورکھ سنگھ پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھا اس لئے ملتان کی حدود میں پہنچتے ہی نہایت سخت جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کے سامنے راجہ کی کوئی پیش نہ گئی لہٰذا وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ کئی دنوں کے محاصرے کے بعد ایک ملتانی نے قلعے کے کمزور حصے کا پتہ بتا دیا۔ مسلمانوں نے سنگ باری کر کے اسے توڑ دیا چنانچہ اہل شہر کو باہر آ کر مقابلہ کرنا پڑا مگر مقابلہ کی تاب نہ لا کر شکست کھا گئے اور شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (بلاذری' ص 445)

ملتان بدھوں کا بہت بڑا تیرتھ گاتھ تھا اور یہاں کے صنم کدہ میں بے حساب دولت تھی۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ بلاذری کے بیان کے مطابق اٹھارہ گز لمبا اور دس گز چوڑا کمرہ سونے سے بھرا ہوا تھا جس کی مقدار کئی سو من تک پہنچ جاتی ہے۔ (بلاذری' ص 445)

اس کے بعد محمد بن قاسم پنجاب کے دیگر شہروں کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں تسخیر کرتا ہوا کشمیر کی سرحد تک پہنچ گیا اسی اثناء میں خلیفہ ولید کی وفات اور سلیمان کی تخت نشینی کی خبر ملی لہٰذا ملتان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود ارور واپس چلا گیا۔

موسیٰ بن نصیر اور اُندلس کی فتوحات:

پیچھے ہم پڑھ آئے ہیں کہ حسان نے ملکہ وامیہ کو شکست دے کر سارے شمالی افریقہ پر قبضہ

کر کے امن و امان بحال کر دیا تھا۔ ولید نے اپنے عہد میں حسان کو برطرف کر کے موسیٰ بن نصیر کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا موسیٰ کا شمار اسلامی دنیا کے ان ممتاز ترین جرنیلوں میں ہوتا ہے جن کا نام آتے ہی ہر مسلمان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔

حسان کی قوت و جبروت کے سامنے افریقہ کے بربری دبے تھے مگر جب موسیٰ وہاں کا حاکم مقرر ہو کر گیا تو انہوں نے اسے کمزور سمجھتے ہوئے بغاوت کر دی۔ موسیٰ نے پے در پے شکستیں دے کر تمام بغاوتوں کو کچل دیا اور شمالی افریقہ میں جس قدر رومی تھے' سب کو باہر نکال دیا کیونکہ ہر بغاوت اور ہر سازش میں ان لوگوں کا ہاتھ ہوتا تھا۔ ان سختیوں اور پیش بندیوں کے باعث ملک میں ہر طرح سے امن و امان بحال ہو گیا۔

اب موسیٰ ملکی انتظام کی طرف متوجہ ہوا اور ایسی خوش اسلوبی سے حکومت کی کہ رعایا خوشحال ہو گئی۔ اس کی رواداری' عدل اور حسن سلوک کو دیکھ کر تمام بربری قبائل اس کے گرویدہ ہو گئے اور ہر روز بے شمار افریقی اسلام لانے لگے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام بربری قبائل مسلمان ہو گئے چنانچہ جب طارق بن زیاد نے یورپی جزائر پر حملے شروع کیے تو اسلامی فوج زیادہ تر انہی بربری مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

اسی زمانہ میں اندلس کا جزیرہ اپنی سرسبزی و شادابی' پیداوار اور ثروت کے لحاظ سے یورپ کا ممتاز ترین ملک تھا۔ یہاں صدیوں سے گاتھ خاندان حکمران تھا۔ ساتویں صدی میں ان کی حکومت انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی لیکن آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی آمد سے کچھ پہلے سپین کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ تہذیب و تمدن کا وہاں نام تک نظر نہیں آتا تھا' ہر طرف وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا۔ ملک بڑے بڑے جاگیرداروں میں منقسم تھا جو شاندار محلات میں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ زراعت کا کام غلاموں اور کاشتکاروں کے سپرد تھا جنہیں دن رات محنت کے نتیجے میں پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا تھا۔ حکومت کے سارے مصارف کا بوجھ بھی اسی طبقے کو اٹھانا پڑتا تھا۔ امراء ہر قسم کے ٹیکسوں سے بری تھے جبکہ غریب لوگ اپنے آقاؤں کی مرضی کے بغیر شادی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ زمینوں کی طرح کاشتکار بھی ان کی ذاتی جاگیر سمجھے جاتے تھے' کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔

یہودیوں کی حالت تو اور بھی قابل رحم تھی۔ عیسائی حکومت انہیں حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ عیسائی پادریوں نے ان پر وہ مظالم توڑے کہ تنگ آ کر انہوں نے بغاوت کر دی جسے سختی کے ساتھ کچل دیا گیا اس کے بعد تو سپین کی سرزمین یہودیوں کے لئے جہنم سے بھی بدتر ہو گئی۔ بہت سے یہودیوں کو بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا گیا جو بچ گئے انہیں جائیداد اور مال و اسباب سے محروم کر کے غلام بنا لیا گیا۔

اس جبر و تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپانوی (سپین' اندلس کی) رعایا بھاگ بھاگ کر شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے زیر سایہ پناہ لینے لگی۔ ان مظلوموں سے سپین کے حالات سن کر موسیٰ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس ملک پر حملہ آور ہو کر مخلوق خدا کو ان درندہ صفت انسانوں سے نجات

دلائے۔ اس ارادہ کو مزید تقویت امیر جولین نے دی جو علاقہ قیوطہ کا حکمران تھا' یہ افریقی ساحل پر ہسپانیہ کے نزدیک ترین علاقہ تھا۔ جولین کی جاگیریں ہسپانیہ میں بھی تھیں اور وہ خود ہسپانیہ کے آخری گاتھ بادشاہ وٹیزا کا داماد تھا۔ وٹیزا نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا لیکن وٹیزا کی وفات پر فوج کے سپہ سالار راڈرک نے چند امراء کی مدد سے تخت پر قبضہ کر لیا جس کی بناء پر وٹیزا کے بیٹوں نے جولین سے مل کر اسے شکست دینے کا عزم صمیم کر لیا لیکن جولین کو راڈرک سے ذاتی عناد بھی تھا۔

عناد کی اکثر وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس نے جولین کی بیٹی فلورنڈا کو جو حصول علم کے لئے طلیطلہ (موجودہ تولیڈو) آئی تھی' زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا چنانچہ جولین نے موسیٰ بن نصیر کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد کی درخواست کی۔ موسیٰ نے دربار خلافت سے ہسپانیہ پر فوج کشی کی اجازت مانگی تو ولید نے لکھا کہ پہلے امتحان کے طور پر کوئی دستہ بھیج کر وہاں کی حالت کا اندازہ کرو اور اگر حالات موافق ہوں تو چڑھائی کر دو۔

اس پر موسیٰ نے اپنے ایک غلام طریف بن مالک کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ طریف جولائی 710ء میں ساحل ہسپانیہ کے انتہائی جنوب میں ایک کونہ پر وارد ہوا جسے اس کی یاد میں ابھی تک طریفہ کہتے ہیں' وہاں اس نے اردگرد کے علاقوں پر یلغار کی اور انہیں تاخت و تاراج کر کے بہت سا مال غنیمت لوٹ لیا۔ واپس آ کر اطلاع دی کہ فضاء بہت سازگار ہے اگر حملہ کیا جائے تو یقیناً کامیابی و کامرانی ہے۔

(افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی' ص 8- نفح الطیب' ج 1' ص 106- تاریخ اسپین' ج 1' ص 210)

طارق بن زیاد کی اندلس (سپین) آمد:

طریف کی واپسی کے بعد دوبارہ 92ھ میں موسیٰ نے اپنے غلام مشہور جرنیل طارق بن زیاد کو سات ہزار بربری فوج کے ساتھ کاؤنٹ جولین کی رہنمائی میں بھیجا۔ یہ فوج چار جہازوں پر روانہ ہوئی اور طارق آبنائے کو عبور کر کے سپین کے ساحل پر اس پہاڑی کے نزدیک اترا جو آج کل اسی کے نام پر جبل الطارق یا جبرالٹر کہلاتی ہے۔ اتفاق سے اس وقت ایک گاتھ جاگیردار تھیوڈومیر (تدمیر) مرسیہ کا گورنر وہاں موجود تھا' وہ ایک اجنبی اور نامعلوم جماعت کو دیکھ کر فوراً بڑھا جبرالٹر کے قرب ہی دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تھیوڈومیر نے شکست فاش کھائی۔ وہ اس شکست سے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے اپنے بادشاہ راڈرک کو ان الفاظ میں اطلاع دی کہ

"ہمارے ملک پر ایک ایسی اجنبی قوم نے حملہ کر دیا ہے جو بلا کے بہادر اور جنگجو ہیں مگر یہ پتہ نہیں کہ وہ کہاں سے آئے ہیں' وہ زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اترے ہیں۔"

راڈرک ان دنوں شمالی علاقے بلبونہ میں ایک بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں مصروف تھا اس نے اس اچانک حملے کی اطلاع پائی تو فوراً ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور جنوب کا رخ کیا۔

طارق کو شاہ سپین کی تیاریوں کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ بادشاہ سپین کے تمام بڑے بڑے امراء'

جاگیردار شاہی خاندان کے ساتھ حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے تو طارق نے موسیٰ بن نصیر سے مزید امدادی فوج مانگ لی اس نے مزید پانچ ہزار فوج بھیج دی۔ اب مسلمان فوج کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔
راڈرک سیدھا قادس آیا وادی لکر یا بکر میں دریا کے کنارے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس' ص 7- نفح الطیب' ج 1' ص 107)

طارق نے مجاہدین کے سامنے ولولہ انگیز تقریر کی۔ (الامامۃ والسیاسۃ' ج 2' ص 60)

معرکہ جھیل خندہ:

جولائی 711ء میں جھیل خندہ کے کنارے شرونہ کے شمال میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی پشت پر الجزائر کی پہاڑیاں تھیں اور سامنے جھیل خندہ کی دلدلیں تھیں۔

راڈرک بڑی شان سے مقابلہ میں آیا' ساتھ مسلح گارڈ اور موجیں مارتا ہوا انسانوں کا سمندر تھا۔ میدان میں آتے ہی اس نے حملہ شروع کر دیا' جنگ کا آغاز ہو گیا۔

طارق نے ساحل اندلس پر فروکش ہونے کے بعد اپنے تمام جہازوں کو نذر آتش کر دیا تھا تاکہ مسلمان بھاگنے کا خیال تک بھی دل میں نہ لا سکیں چنانچہ تعداد کی کمی کے باوجود اسلامی فوج نے ایسا جم کر مقابلہ کیا کہ عیسائیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ان کا ٹڈی دل لشکر منتشر ہو گیا۔ وٹیزا کے بیٹے اور اس کا بھائی پادری رویس جو اس معرکہ میں شریک تھے' اسلامی فوج کے پہلے ہی حملہ کے بعد لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ راڈرک کی شکست کے بعد مسلمان حملہ آور لوٹ مار کر کے واپس چلے جائیں گے اور سپین کی حکومت پھر سے (اجنبی خاندان سے نکل کر اصل حکمران خاندان کے فرد) وٹیزا کے جانشینوں کو مل جائے گی اس طرح ستم رسیدہ وسیقان جو راڈرک کے جھنڈے تلے لڑ رہے تھے' وہ بھی دلبرداشتہ ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ راڈرک بھی جان بچا کر بھاگا اور ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک تاریخ اس کا انجام بتانے سے قاصر ہے۔ اس کا حلہ اور موزہ دریا کے کنارے ملا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس' ج 1' ص 110- نفح الطیب' ج 1' ص 122)

اس فتح عظیم نے مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند کر دیئے اور اہل سپین کو اس قدر پست ہمت بنا دیا کہ اس کے بعد وہ کہیں بھی اسلامی لشکر کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ معرکہ جھیل خندہ سارے اندلس کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

شکست خوردہ اندلسی بھاگ کر استجہ میں جمع ہو گئے۔ طارق بھی وہاں پہنچا یہاں کے باشندوں نے فوج کے ساتھ مل کر نہایت جوانمردی سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اب اسپینی اتنے خوفزدہ ہو چکے تھے کہ وہ بستیوں اور شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ کاؤنٹ جولین جو برابر طارق کے ساتھ تھا اور ہر قسم کی مدد کر رہا تھا' اس معرکے کے بعد اس نے مشورہ دیا کہ اس وقت اندلسیوں کے دل پر رعب چھایا ہوا ہے لہٰذا انہیں زیر کرنے کا یہی موقع ہے قبل اس کے کہ وہ آئندہ کے متعلق آپس میں مشورہ کر سکیں' تمام صوبوں میں فوجیں پھیلا دیجئے اور پایہ تخت پر آپ خود فوج کشی کیجئے۔ اس مشورہ کے ساتھ ہی اس نے اندلس کے جغرافیہ اور حالات سے باخبر اور قابل اعتماد رہنما بھی

دیئے۔ یہ مشورہ تو مفید تھا مگر طارق یہ سوچ رہا تھا کہ موسیٰ نے راڈرک سے مقابلہ کے لئے پانچ ہزار فوج روانہ کرتے وقت یہ پیغام دیا تھا کہ میں عنقریب پہنچ رہا ہوں' میرے آئے بغیر آگے بڑھنے کا قصد نہ کرنا لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ طارق اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔

(الامامہ والسیاسہ' ج 2' ص 60)

چنانچہ طارق نے جولین کے مشورہ کے بعد اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد مختلف سمتوں میں روانہ کر دیا۔

ایک حصہ غرناطہ کی طرف بڑھا' دوسرا قرطبہ پر حملہ آور ہوا' تیسرے نے مالقہ کا رُخ کیا اور چوتھے حصے کو لے کر طارق خود سپین کے دارالحکومت طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا۔ ہر طرف سے فتح ونصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے اور عیسائی اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔

(فتح اندلس' ج 1' ص 12-13- نفح الطیب' ج 1' ص 124)

موسیٰ بن نصیر کا اندلس میں ورود:

اسی اثناء میں موسیٰ بن نصیر خود اٹھارہ ہزار فوج کے ہمراہ ساحل اندلس پر اُتر پڑا اور معمولی جھڑپوں کے بعد اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا اور ماردہ اپنی قدامت اور عظمت و شان کے اعتبار سے اندلس کا سب سے ممتاز شہر تھا۔ یہ بھی ایک زمانہ میں اندلس کا پایہ تخت رہ چکا تھا اس لئے یہاں بھی بکثرت قدیم آثار' محلات اور بڑے کنیسے اور پل تھے اور شہر کے گرد نہایت سنگین شہر پناہ تھی لہذا اس کے فتح کرنے میں کچھ عرصہ لگا اور مسلمانوں کا کافی جانی نقصان بھی ہوا بالآخر اہل شہر نے صلح میں عافیت سمجھی۔ شوال 94ھ میں موسیٰ مصالحانہ ماردہ میں داخل ہوا۔ تمام فوجیوں کا مال اور کنیسوں کی کل دولت اور زیورات مسلمانوں کو ملے۔ اس شہر میں ایک میز کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ خالص سونے کا تھا اور اتنا بڑا تھا کہ اس کے 365 پائے تھے اور یہ زبرجد' یاقوت اور بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

(الامامۃ والسیاسۃ' ج 2' ص 61- جغرافیہ اندلس از مولوی عنایت اللہ' ص 465- نفح الطیب' ص 127-128- مجموعہ اخبار فتح الاندلس' ص 16 تا 18)

طارق اور موسیٰ کی ملاقات:

ماردہ فتح کرنے کے بعد موسیٰ طلیطلہ روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے طارق آ رہا تھا اس نے کورہ طلبیرہ میں آگے بڑھ کر موسیٰ کا استقبال کیا۔ موسیٰ طارق کی حکم عدولی پر اس سے ناراض تھا لیکن معمولی تنبیہ پر راضی ہو گیا۔ (نفح الطیب' ج 1' ص 138- کتاب الامامہ والسیاسۃ' ج 2' ص 61)

اندلس پر قبضہ:

اس کے بعد طارق اور موسیٰ کے متحدہ افواج نے اندلس کے باقی ماندہ علاقے کو بھی فتح کر لیا صرف جلیقیہ کا صوبہ ایسا رہ گیا تھا جس نے اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ موسیٰ نے اس مہم کو سر کرنے پر

طارق کو مامور کیا اور خود فرانس کی حدود میں گھس گیا۔ اس نے سارے یورپ کو فتح کرنے کی سکیم بنائی تھی مگر خلیفہ ولید نے اسے اجازت نہ دی اور موسیٰ کو واپس بلا لیا۔

ہسپانیہ چھوڑنے سے پہلے موسیٰ نے حکومت کا پورا پورا انتظام کیا اور قرطبہ کو اندلس کا دارالسلطنت مقرر کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا حاکم بنایا۔

مسلمانوں کے داخلہ نے ہسپانیہ کی کایہ پلٹ دی۔ ظالم حکومت کا خاتمہ کر کے مظلوم رعایا کو جبر و تعدی سے نجات دلائی۔ امراء اور جاگیرداروں کی مخصوص مراعات چھین کر عدل اور مساوات کی بنیاد رکھ' ٹیکس کم کر دیئے' مذہبی معاملات میں رواداری کے اصول کو پیش نظر رکھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ ان کی پوری پوری حفاظت کی۔ بڑی بڑی درسگاہیں قائم کر کے علم و ادب کو عام کیا۔ وہ سپین جس پر ضلالت اور گمراہی کا تسلط تھا' اب تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن گیا۔ تمام اہل یورپ اس سے مستفید ہونے لگے۔ بعد میں یورپ میں جو علم کے احیاء کی تحریک چلی اس کی بنیاد بھی دراصل سپین میں ہی رکھی گئی تھی۔

مسلمہ بن عبدالملک کی روم سے جنگیں:

مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی حکومت تھی خصوصاً شام کی سرحد جہاں جزیرہ کردستان' ارمنستان اور ایشیائے کوچک کی سرحدیں ملتی ہیں' دونوں کا نہایت اہم محاذ تھا۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں اس کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ ان کے بعد اندرونی انقلابات کی وجہ سے یہ انتظام قائم نہ رہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک کے زمانہ میں قیصر نے مصیصہ پر حملہ کر دیا اور عبدالملک کو ایک ہزار دینار یومیہ پر اس سے مصالحت کرنا پڑی اس لئے ولید نے پھر یہاں مستقل مورچہ قائم کر کے اپنے بھائی مسلمہ اور اپنے بیٹے عباس کو اس کی حفاظت پر مامور کیا کیونکہ قیصر روم کبھی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

مسلمہ اور عباس ہمیشہ رومیوں سے برسرپیکار رہے۔ کبھی مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی رومی غالب آ جاتے بالآخر کئی معرکوں کے بعد رومیوں کا زور ٹوٹ گیا اور ان سے طوانہ' عموانہ' مرقلہ' قمونیہ' مسطیہ اور سرسوس وغیرہ کے سرحدی علاقے چھین لئے گئے۔

(دول الاسلام' ذہبی' ج 1' ص 45- ابن اثیر' ج 4' ص 216- المونس' ص 33)

حجاج بن یوسف کی وفات:

96ھ میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا۔ اموی حکومت کے دوبارہ قیام و استحکام میں حجاج کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ سندھ کی فتح بھی اسی کی یادگار ہے۔ گو اس کا فاتح محمد بن قاسم ہے لیکن حجاج نے ہی اسے اس مہم پر مامور کیا تھا اور آخر وقت تک برابر اس کی مدد کرتا رہا اس لئے سندھ کی فتح درحقیقت اس کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

ولید کی وفات:

جمادی الاخریٰ 96ھ میں ولید کا انتقال ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں باب صغیر کے باہر دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت باختلاف روایت 42 یا 46 سال عمر تھی۔ مدت خلافت نو سال اور چند مہینے بنتی ہے۔

ولید بن عبدالملک کی سیرت اور کردار

مشہور تاریخ دان اور مؤرخ پروفیسر فلپ ہٹی نے ولید کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''ولید اپنے لائق باپ کا ہونہار اور قابل فخر بیٹا تھا۔''

عبدالملک نے ولید کی تعلیم و تربیت کے انتظامات نہایت اعلیٰ پیمانے پر کئے اور ملک کے مایہ ناز علماء اور ماہرین کو اس کی تعلیم پر مامور کیا۔ عبدالملک چونکہ خود زبردست عالم تھا اور چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا بھی علم و ادب کے میدان میں ترقی کرے مگر عبدالملک کی تمام مساعی رائیگاں گئیں۔ ولید کو لکھنے پڑھنے کا قطعاً شوق نہیں تھا۔ وہ علم سے دور بھاگتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ حکمرانی اور کشورکشائی کے فن میں بے مثال ماہر ثابت ہوا۔ اس نے کاروبار سلطنت اور حکومتی امور کو بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی سے چلایا۔ وہ حکومتی نظم و نسق قائم کرنے میں اپنے کسی پیشرو سے کم نہیں تھا۔ بے علم ہونے کے باوجود وہ اہل علم کا مربی اور قدردان تھا۔ اس کے عہد میں علوم و فنون نے قابل ستائش ترقی کی۔ علم و فنون سے بے بہرہ ہونے کے باوجود اس نے بڑے بڑے ملوک و سلاطین کے دلوں پر اپنے کمال جہاں بانی اور عظمت فرماں روائی کا سکہ بٹھا دیا۔ (تاریخ اسلام' ص 203)

خلفائے بنی اُمیہ کے متعلق عام طور پر یہ غلط شہرت ہے کہ مذہب کی جانب ان کا رجحان کم تھا۔ ولید کی مذہبی زندگی کا ہم آگے چل کر تذکرہ کریں گے۔ اس کی پرائیویٹ زندگی بھی مذہبی تھی۔ ایک دن میں ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ (دول الاسلام' ذہبی' ج 1' ص 48)

پیر اور جمعرات کو باقاعدگی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا اور رمضان میں روزہ داروں کے لئے کھانا بھجواتا تھا۔ صلحاء اور اخیار میں روپیہ تقسیم کرتا تھا۔ (یعقوبی' ج 1' ص 348)

اس نے اپنے دورِ حکومت میں دو مرتبہ حج کیا۔ (دول الاسلام' ج 1' ص 348)

دوسرے فرمانرواؤں کے برعکس ولید کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اس کا طرزِ عمل نہایت مشفقانہ تھا' ان سے محبت کرتا تھا اور ان کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔

(یعقوبی' ج 2' ص 349)

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ بڑا سخت گیر تھا۔ اس سخت گیری کی وجہ سے ہزاروں آدمی قید و بند میں مبتلا ہوئے۔ (تاریخ اسلام' ندوی حصہ دوم' ص 344)

ولید کے کارہائے نمایاں اور بنواُمیہ کا سنہری دور

ولید بن عبدالملک کا عہد بیرونی فتوحات اور کامیاب خارجہ پالیسی کے علاوہ اندرونی نظم ونسق اور عدیم المثال ترقی کے باعث بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

مشہور مؤرخ سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ ''ولید اوّل کا زمانہ تاریخ اسلام کا شاندار ترین دور ہے۔ فتوحات' وسعت' ملکی استحکام' امن وامان' خوشحالی اور تہذیبی وثقافتی لحاظ سے یہ دور انتہائی بلند اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اس دور میں ہونے والی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ دور فاروقی کی یاد تازہ ہو گئی۔ اگر ان فتوحات کو ہی عظمت وترقی کا معیار قرار دیا جائے تو یہ بنوامیہ کا بہترین دور تھا۔ اس ہمہ جہت ترقی کی وجہ سے مؤرخین نے ولید اوّل کے عہد سلطنت بنی امیہ کا سنہری دور قرار دیا ہے۔ اس دور کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

اصلاحات:

شاندار فتوحات کا ذکر تو ہم سابقہ اوراق میں بڑی تفصیل سے کر آئے ہیں۔ انہی مفید اصلاحات کی بناء پر ولید کے زمانہ کو بنوامیہ کا زرّیں عہد کہا جاتا ہے۔

بحری بیڑے کی توسیع:

ولید کے عہد حکومت میں فوجی نظام میں بڑی وسعت اور ترقی ہوئی خاص کر بحری بیڑہ بہت طاقتور بن گیا۔ سمندری فوج پانچ حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ شام کے ساحلی علاقوں کی حفاظت پر متعین تھا' دوسرا ساحل افریقہ کی بندرگاہ ٹیونس میں مقیم تھا' تیسرا مصر کی بندرگاہ اسکندریہ میں موجود تھا' چوتھا دریائے نیل کی حفاظت کے لئے وقف تھا اور پانچواں نیل کے دہانے سے ساحل روم تک گشت کرتا رہتا۔ (المونس' ص 33)

جہاز سازی کے کارخانے:

جہاز سازی کے کارخانے امیر معاویہ کے زمانے سے قائم ہو گئے تھے۔ ولید کے زمانہ میں جب بحری قوت میں اضافہ ہوا تو نئے کارخانے کھولے گئے چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک کارخانہ قائم کیا جس میں صرف اس زمانے میں سو جہاز تیار ہوتے تھے۔ (کتاب المونس' ص 33)

رفاہ عامہ کے کام

ولید کو رعایا کی فلاح وبہبود کا بڑا خیال رہتا تھا چنانچہ عوام کی سہولت کے لئے کئی نئی سڑکیں تعمیر کرائیں' کنویں کھدوائے' مسافروں کے لئے جگہ جگہ مہمان خانے بنوائے اور زراعت کی ترقی کے لئے نہریں کھدوائیں۔ گویا رعایا کی آسائش اور راحت کے اتنے سامان مہیا کئے گئے کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے علاوہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ (العیون والحدائق' ص 3)

سڑکوں کی تعمیر:

تخت نشینی کے تیسرے سال یعنی 88ھ میں تمام محروسہ ممالک میں سڑکیں درست کرائیں اور ان پر سنگ میل نصب کرائے۔ (تاریخ طبری' ج 5' ص 195- کتاب العیون والحدائق' ص 3)

شفاخانے:

ولید سے پہلے اسلامی حکومت میں اور مختلف قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں لیکن اب تک حفظان صحت اور شفاخانوں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ولید نے سارے ممالک محروسہ میں شفاخانے قائم کئے۔

(یعقوبی' ج 2' ص 348)

معذوروں کی کفالت کا انتظام:

یہ ولید کا قابل فخر کارنامہ ہے کہ اس نے تمام ممالک محروسہ کے معذور اور اپاہج لوگوں کے روزینے مقرر کر کے انہیں بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی۔ اندھوں کی رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لئے آدمی مقرر کئے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 324- طبری' ج 8' ص 127)

تعمیرات

ولید کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا۔ اس نے بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔

(آداب السلطانیہ' ص 114)

ولید کے ذوق تعمیر اور اس کے عہد کی تعمیرات کی وجہ سے یہ مذاق اتنا عام ہو گیا تھا کہ جب بھی لوگ آپس میں ملتے تھے تو عمارت ہی کے موضوع پر گفتگو ہوتی تھی۔ (طبری' ج 8' ص 273)

اس کی مندرجہ ذیل عمارتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

مدینہ منورہ میں فوارہ:

مدینہ میں پانی کی قلت تھی' نزدیک کے ایک چشمہ سے نہر لا کر فوارہ بنا دیا جس سے اہل مدینہ کی یہ شکایت رفع ہو گئی۔

دمشق کی عالیشان مسجد:

دمشق میں ایک عالیشان مسجد بنوائی جس پر چھپن لاکھ دینار صرف ہوا۔ اس کی تعمیر کے لئے ہندوستان' فارس' چین اور روم سے کاریگر منگوائے گئے جنہوں نے نو سال کی مدت میں اسے مکمل کیا۔ اس مسجد میں جابجا جواہرات اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد خلافت میں انہیں اکھڑوا کر بیت المال میں داخل کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اتفاقاً اس زمانہ میں قیصر روم کے قاصد دمشق آئے' مسجد کو دیکھا تو اس کی زیبائش کو دیکھ کر ششدر رہ گئے اور کہا:

"ہم سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ عروج چند روزہ ہے مگر اس مسجد کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان ایک زندہ اور پائندہ قوم ہے۔"

عمر بن عبدالعزیز نے یہ سنا تو اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (احسن التقاسیم بشاری' ص 158- مسالک الابصار' ج 1' ص 188- کتاب البلدان' ص 108- کتاب العیون والحدائق' ص 7)

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع:

حضرت عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ نے ولید کے حکم سے مسجد نبوی کی بوسیدہ عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کرایا اور امہات المومنین کے حجرے بھی اس رقبہ میں شامل کر لئے صرف حجرۂ عائشہ رہنے دیا کیونکہ اس میں قبریں تھیں اس مسجد کی تعمیر میں قیصر روم نے بھی مسلمانوں کی دل کھول کر امداد کی اور زینت و آرائش کے سامان کے علاوہ ایک سو کاریگر بھی بھیجے۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں پورے تین سال صرف ہوئے۔ جب مکمل ہو چکی تو 91ھ میں ولید خود دمشق سے اس کو دیکھنے کے لئے مدینہ آیا اور اس کی خوبصورتی دیکھ کر بہت محظوظ ہوا۔

(تاریخ طبری' ج 8' ص 1313- خلاصۃ الوفاء' ص 139-140- ابن اثیر' ج 1' ص 204- کتاب العیون والحدائق' ص 11)

دوسری مساجد کی تعمیر و توسیع:

ان دونوں مسجدوں کے علاوہ ولید نے مکہ' مدینہ اور بیت المقدس وغیرہ مقدس مقامات کی پرانی مساجد کی توسیع کروائی اور نئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ (کتاب العیون والحدائق' ص 9)

اسی زمانہ میں قرہ بن شریک نائب السلطنت مصر نے جامع مسجد تعمیر کرائی اور اسے آراستہ و پیراستہ کیا۔ (طبقات ابن سعد' ج 6' ص 184- ابن خلکان' ج 1' ص 205)

روضہ نبوی کی مرمت:

اس وقت روضہ مبارک کی کوئی بڑی عمارت نہ تھی۔ مزار صرف چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ ولید کے زمانے میں دیواریں شکستہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چاروں طرف دوہری دیوار تعمیر کرا دی کہ اگر ایک کو صدمہ پہنچے تو دوسری سے پردہ قائم رہے۔ (تاریخ ابن اثیر' ج 5' ص 2)



سلیمان بن عبدالملک

سلیمان بن عبدالملک' ولید کا حقیقی بھائی تھا۔ خود عبدالملک اسے ولید کے بعد ولی عہد بنا گیا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد جمادی الثانی 96ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

سلیمان فطرتاً صالح اور سعید تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے مشیر اور ہم جلیس تھے ان کی صحبت نے اس کو اور زیادہ سنوار دیا تھا اس لئے یہ بعض حیثیتوں سے اپنے پیشرووں سے زیادہ بہتر حکمران ثابت ہوا اور اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اموی حکومت کی سیاست بدل گئی جس کا اندازہ اس کے خطبات سے ہوتا ہے۔ (مسعودی' ج 2' ص 660- کتاب البیان والتبیین' جاحظ' ج 1' ص 166)

حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے مشیر تھے اس لئے عملی طور پر بھی اس کے محاسن کا ظہور ہوا چنانچہ تخت نشینی کے ساتھ ہی ولید کے دور کے تمام قیدیوں کو جو ناحق قید کئے گئے تھے' رہا کر دیا اور جیل خانے بالکل خالی ہو گئے۔

(احسن السیرۃ و ورد المظالم' از ابوالفداء' ج 1' ص 23- ابن اثیر' ج 5' ص 14)

لیکن اس خوبی کے ساتھ سلیمان میں انتقام کا بھی مادہ تھا چنانچہ جن جن لوگوں سے ولی عہد کے زمانے میں اس کو کسی قسم کی شکایت تھی' ان کا انجام اچھا نہ ہوا جن میں بعض بڑے بڑے فاتحین اور اُموی حکومت کے عظیم ستون تھے اس سے حکومت کی عسکری قوت کو نقصان پہنچا۔ اس کے دور میں اس کے محاسن اور انتقام دونوں کے مظاہر ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

سلیمان کی وجہ انتقام:

عبدالملک نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ولید نے سلیمان کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو جانشین بنانا چاہا' حجاج اور قتیبہ بھی اس بارے میں ولید کے ہم خیال تھے مگر دیگر امراء نے اس کی حامی نہ بھری۔ ولید اسی شش و پنج میں تھا کہ 96ھ میں اس کی وفات ہو گئی اور سلیمان تخت و تاج کا وارث بنا۔

سلیمان کی داخلہ پالیسی:

سلیمان نظام حکومت سنبھالتے ہی اعلیٰ عہدہ داروں' درباریوں اور امراء حکومت کی بڑی تعداد سے ناراض ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کو جانشینی سے محروم کرنے کے پروگرام میں ولید سے اتفاق کیا تھا لہٰذا اس نے سوچا کہ کئی اہم عہدہ داروں کو معزول کر دے اور ان لوگوں کو انتقام کا نشانہ بنائے جنہوں نے کھلے بندوں ولید کی حمایت اور اس کی مخالفت کی تھی۔

قدرت کی مرضی کہ جس سے یہ گن گن کر بدلے لینے چاہتا تھا اس (حجاج بن یوسف) کا انتقال ہو چکا تھا لہٰذا اس نے اس کے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم سے وہ بدلہ لیا۔

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور قتل:

محمد بن قاسم اس وقت سندھ کی مہمات میں مشغول تھا' ملتان کی فتح کے بعد اس نے سورٹھ کے علاقوں کو فتح کر کے کیرج (بے پور) کے راجہ کو شکست دی۔ (فتوح البلدان' بلاذری' ص 445)

محمد بن قاسم نیک اور عادل حکمران تھا لیکن اس کا جرم یہ تھا کہ یہ حجاج کا بھتیجا اور داماد تھا چنانچہ سلیمان نے اسے معزول کر دیا اور یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق بھیج دیا۔ والئی عراق صالح کے بھائی آدم کو حجاج نے قتل کیا تھا چنانچہ صالح نے اس کا انتقام محمد بن قاسم سے لیا اسے قید میں ڈال کر طرح طرح کی اذیتیں دے کر قتل کرا دیا۔ اہل سندھ کو اس کا بڑا دکھ ہوا اور اظہار عقیدت کے لئے اس کی تصویر بنا کر اپنے پاس رکھی۔

(فتوح البلدان' بلاذری' ص 446- ابن اثیر' ج 4' ص 223)

قتیبہ بن مسلم کا قتل:

قتیبہ بن مسلم' حجاج کا وفادار ساتھی تھا اور اس نے سابق خلیفہ ولید' کے پروگرام کی حمایت کی تھی۔ سلیمان کے تخت نشین ہونے پر اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ گروہی یا ذاتی عناد کی وجہ سے سلیمان اسے تشدد اور انتقام کا نشانہ بنائے گا چنانچہ اس نے سلیمان کو ایک خط لکھا کہ اگر اسے معزول کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغاوت کر دے گا۔ سلیمان نے ابھی اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا کہ قتیبہ نے بغاوت کر دی مگر خلاف توقع فوج نے اس کا ساتھ نہ دیا بلکہ قبیلہ بنو تمیم کے ایک آدمی نے اسے قتل کر کے اس کا سر سلیمان کے پاس روانہ کر دیا۔ سلیمان نے اس کی جگہ یزید بن مہلب کو خراسان کا گورنر مقرر کر دیا۔ (العیون والحدائق' ص 22- تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 354)

موسیٰ بن نصیر کی تذلیل اور انجام:

فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر جس وقت اندلس سے واپس ہوا اس وقت ولید مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا اور اس کی حالت مایوس کن تھی اس لئے سلیمان نے چاہا کہ اندلس کی بیکراں دولت میری تخت نشینی کے بعد دمشق پہنچے چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو جو ابھی راستہ میں تھا' لکھ بھیجا کہ امیر المومنین کا آخری وقت ہے تم ایسی رفتار سے سفر کرو کہ ان کے بعد دمشق پہنچو جبکہ موسیٰ اپنے محسن کی زندگی میں اسے اپنی کارگزاری دکھانا چاہتا تھا چنانچہ موسیٰ کوشش کر کے ولید کی زندگی میں پہنچ گیا اس نے موسیٰ کی بڑی قدر افزائی کی۔

اس حکم عدولی پر سلیمان موسیٰ کا دشمن ہو گیا اور ولید کے بعد اس کا بدلہ لیا۔ بر سر عام اس کی تحقیر کی' دھوپ میں کھڑا کیا۔ پھر یزید بن مہلب کی سفارش پر کئی لاکھ تاوان عائد کر کے چھوڑ دیا جسے وہ پورا نہ کر سکا اور چند دنوں کے بعد تباہ حالی کی حالت میں فوت ہو گیا۔

(کتاب الامامۃ والسیاسۃ' ج 1' ص 73- نفح الطیب' ج 1' ص 132)

سلیمان کی غلط حکمت عملی:

سلیمان نے تخت نشین ہوتے ہی غلط حکمت عملی کا آغاز کیا کہ فاتح ترکستان قتیبہ' فاتح سندھ محمد بن قاسم اور فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر جیسے نامور جرنیلوں کو ذلیل و خوار کر کے قتل کرا دیا اور حجاج کے مقرر کردہ تمام عمال اور حکام کو معزول کر کے حجاج کے ستم رسیدہ لوگوں کو حاکم بنا دیا۔ سلیمان کی اس بے جا کینہ پروری اور مشاہیر اسلام کے سفاکانہ قتل سے اسلام کی عظمت و شان کو بہت ضعف پہنچا۔

(تاریخ اسلام' ڈاکٹر حمید الدین' ص 287)

سلیمان کی خارجہ پالیسی اور فتوحات

سلیمان نے خارجہ پالیسی اور فتوحات کے ضمن میں ولید اوّل کے نقش قدم پر چلنا چاہا اور ناموری حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن تاریخ میں اس کی فتوحات کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

سلیمان کی فتوحات:

قتیبہ کے قتل ہو جانے پر اس کا پرانا حریف یزید بن مہلب دوبارہ خراسان کا حاکم مقرر ہوا اس نے دھستان پر چڑھائی کی اور اسے مطیع کر کے جرجان کی طرف پیش قدمی کی وہاں کے باشندوں نے جزیہ ادا کر کے صلح کر لی۔ اس کے بعد طبرستان پر یلغار کی وہاں کا حاکم مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا۔ یزید نے شہر کا محاصرہ کر لیا' تنگ آ کر اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کر لی۔ جرجان کے باشندوں نے مسلمانوں کو طبرستان کے محاصرے میں مصروف دیکھا تو نقض عہد کر کے باغی ہو گئے اور وہاں کے تمام مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ یزید پھر واپس ہوا اور جرجان کو بزور شمشیر فتح کر کے قاتلوں کو سزائیں دیں اور آئندہ کی بغاوت کا سدباب کرنے کے لئے یہاں پر مسلمانوں کی ایک مستقل نوآبادی قائم کر دی۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 11 تا 13)

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ موسیٰ بن نصیر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود دمشق واپس آ گیا تھا۔

عبدالعزیز نے شاہ سپین کی بیوہ سے شادی کر لی' وہ اس بیوی سے بہت متاثر تھا چنانچہ اسے خوش کرنے کے لئے ایک ایسی لغزش کا ارتکاب کیا جس پر فوج نے بگڑ کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کے چچازاد بھائی ایوب کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ چند ماہ بعد شمالی افریقہ کے گورنر نے اسے معزول کر کے الحر کو ہسپانیہ کا والی مقرر کیا جو تین سال تک اس منصب پر فائز رہا۔ اس کے عہد امارت میں سپین کی شمالی سرحد کے چند ایک مقامات فتح کیے گئے۔

قسطنطنیہ پر حملہ اور ناکامی:

رومیوں اور مسلمانوں کی شروع ہی سے باہمی عداوت چلی آتی تھی اور سرحد پر بسا اوقات جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد میں کوشش کی تھی کہ قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے رومیوں کی

قوت کا خاتمہ کر دیا جائے مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔

سلیمان کے زمانہ میں قیصر روم کا ایک سپہ سالار جس کا نام لیون تھا در پردہ مسلمانوں کے ساتھ مل گیا اور انہیں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دلائی چنانچہ سلیمان نے بڑے اہتمام سے فوج کی تیاریاں شروع کیں۔ تمام ممالک محروسہ سے فوجیں جمع کیں اور ہر طرح کے آلات حرب' قلعہ شکن اسلحہ' آتش گیر مادے اور سامان رسد کے ذخیرے فراہم کر کے اپنے بھائی مسلمہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا جس نے درہ دانیال کو عبور کر کے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے طول کھینچا تو رومیوں نے تاوان جنگ ادا کرنے کے وعدے پر صلح کی درخواست کی مگر مسلمہ نے اسے منظور نہ کیا اور لڑائی جاری رکھی۔ اسی دوران قیصر روم چل بسا جس سے عیسائی اور بھی خوفزدہ ہو گئے اور لیون سے امداد کے طالب ہوئے۔ لیون نے اس راز کو مسلمانوں پر منکشف نہ ہونے دیا چپکے سے قسطنطنیہ پہنچ گیا اور اہل روم نے اسے اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 10- کتاب العیون والحدائق' ص 33)

لیون کی خوش قسمتی کہ اس کی تخت نشینی کے بعد ہی قدرت کی جانب سے مسلمانوں کی شکست کے سامان پیدا ہو گئے۔ عرب یورپ کی سردی کے یوں بھی عادی نہ تھے' اتفاق سے اس سال غیر معمولی برفباری اور سردی ہوئی جسے مسلمان برداشت نہ کر سکے اور ہزاروں آدمی بیمار پڑ کر مر گئے۔ محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے سامان رسد بھی ختم ہو چلا تھا' کھیتی کچھ برفباری کی کثرت نے برباد کر دی اور کچھ جنگی مشغولیت کی وجہ سے مسلمان دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس لئے سامان رسد کا سخت قحط پڑ گیا اور مسلمان بھوکے مرنے لگے۔

سلیمان ایشیائے کوچک کی سرحد پر موجود تھا لیکن برفباری کی کثرت کی وجہ سے وہ بھی مدد نہ کر سکا اور ہزاروں مسلمان لقمہ اجل بن گئے۔ یہ تو مصیبت تھی ہی اس پر مستزاد یہ کہ بلقانیوں نے اڈریانوپل کی اسلامی فوج کو برباد کر دیا۔ (یہ واقعات ابن اثیر' کتاب العیون والحدائق اور دی اسٹوری آف دی نیشنز کے بیان کا خلاصہ ہیں)

ان مخالف حالات کی وجہ سے اسلامی فوج کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا جو لوگ باقی بچے وہ بھی طرح طرح کے مصائب کا شکار ہوئے اسی دوران میں سلیمان کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امداد بھیج کر باقی ماندہ فوجوں کو واپس بلا لیا۔ اگر یہ مہم ناکام نہ ہوئی ہوتی تو مشرقی یورپ میں اسی زمانہ میں مسلمان پہنچ گئے ہوتے۔

بستر مرگ پر سلیمان نے اپنے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز اور اپنے بھتیجے یزید بن عبدالملک کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین بنایا۔ (طبقات ابن سعد' ج 5' ص 227 تا 229)

وفات:

عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیعت سلیمان کے سامنے لی گئی اس سے فراغت کے بعد صفر 99ھ میں سلیمان کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت عمر پینتالیس سال تھی اور مدت خلافت دو سال آٹھ مہینے تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تعارف:

سلیمان کی وفات کے بعد صفر 99ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت نشین ہوئے۔ آپ مشہور اموی حکمران مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ باپ کا نام عبدالعزیز اور والدہ ام عاصم حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں اس لئے آپ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا۔ عبدالعزیزؒ شاہی خاندان کے ممتاز رکن تھے۔ اکیس سال تک مصر کے گورنر رہے لہٰذا عمر بن عبدالعزیز کی پرورش عیش و تنعم اور دولت و ثروت کے حالات میں ہوئی جس کے اثرات خلافت ملنے تک باقی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ مشہور محدث صالح بن کنیان کی نگرانی میں ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز فطرتی طور پر نیک اور صالح طبیعت کے تھے۔ تعلیم و تربیت نے ان کے جوہروں کو اور زیادہ چمکا دیا تھا چنانچہ وہ ہر اعتبار سے اپنے خاندان سے بالکل الگ تھے۔ علمی لحاظ سے وہ اپنے زمانے کے امام تھے۔ علمی اعتبار سے ان کے سرانجام دیئے ہوئے کارنامے رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ خود شاہی خاندان کے رکن تھے۔ پھر عبدالملک کے بھتیجے اور داماد تھے اس لئے وہ مختلف کلیدی عہدوں پر فائز رہے لیکن اس دور میں بھی ان کی فطری سعادت نے ساتھ نہ چھوڑا اور وہ جہاں جہاں رہے اپنے حسن عمل کی بہترین یادگاریں چھوڑیں۔

ولید نے جب انہیں مدینہ کی گورنری کے لئے بھیجنا چاہا تو انہوں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ وہ دوسرے عمال کی طرح ظلم نہ کریں گے تو ولید نے اسے منظور کر لیا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ' ابن جوزی' ص 32)

مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے اکابر فقہاء کو بلا کر انہیں کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایسے کام کے لئے زحمت دی ہے کہ اس میں میرا ہاتھ بٹانے میں آپ لوگوں کو ثواب ملے گا اور آپ حامیان حق قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام سرانجام نہ دوں گا' جب آپ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو کسی ظلم یا زیادتی کی خبر ملے تو آپ کو اللہ کی قسم مجھے ضرور اس کی خبر کیجئے۔ (طبقات ابن سعد' ج 5' ص 245)

اس مبارک اصلاح کے ساتھ انہوں نے حکومت کا آغاز کیا اور اپنے دور حکومت میں انہوں نے بہت سے مفید کام کئے۔ ان میں سب سے بڑا کارنامہ مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر ہے۔ ان تمام اخلاقی محاسن کے باوجود بہرحال وہ شاہی خاندان کے رکن اور عیش و تنعم میں پلے ہوئے تھے اس لئے ان کی زندگی بڑی شاہانہ تھی چنانچہ جب وہ مدینہ کی گورنری پر گئے ہیں تو تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان لدا ہوا تھا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 339)

خوش لباسی اور نفاست کا یہ حال تھا کہ جس لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی تھی وہ پھر اسے نہ پہنتے تھے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ' ص 151)

اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خوش لباس اور جامہ زیب مانے جاتے تھے۔

رجاد بن حیوہ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خوش لباس' معطر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 51)

آغاز خلافت:

تخت پر جانشینی کے وقت دو بار بیعت لی گئی۔ خلافت کا بار سر پر آتے ہی عمر بن عبدالعزیز کی زندگی یکسر بدل گئی اور ابو ذر غفاریؓ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قالب اختیار کر لیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا میرے لئے میرا خچر کافی ہے۔ (ابن سعد' ج 5' ص 247)

گھر آئے تو اس عظیم ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے پوچھا خیر ہے؟ آپ اتنے متفکر کیوں ہیں؟ فرمایا اس سے بڑھ کر تشویش کی بات اور کیا ہو گی کہ مشرق و مغرب میں اُمت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر اطلاع اور مطالبہ کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 52)

آپ نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا اپنا شعار بنا لیا اور عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ خلافت راشدہ کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی۔

چونکہ آپ کا انتخاب مجلس شوریٰ یا عامتہ الناس کے ایماء سے عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ آپ سے پیشرو خلیفہ سلیمان نے آپ کو جانشین نامزد کیا تھا اس لئے آپ اپنی خلافت کو اسلامی اعتبار سے حق بجانب نہیں سمجھتے تھے چنانچہ دست بردار ہونے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کو جمع کر کے کہا:

''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے میں اسے خود اُتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو''

یہ تقریر سن کر مجمع نے شور بلند کیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے تو آپ نے پھر اس عظیم ذمہ داری کو اپنایا اور دست برداری کا ارادہ ترک کر دیا۔

حیران کن امر:

بڑے تعجب کی بات ہے کہ خارجی فرقہ جو بنو امیہ کا جانی دشمن تھا اس نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کو تسلیم کر لیا اور شورشوں سے کنارہ کش ہو کر امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ انہیں صرف یزید بن عبدالملک کی جانشینی پر اعتراض تھا چونکہ اس کی ذمہ داری سلیمان پر عائد ہوتی تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنی بریت ظاہر کی اس جواب پر خارجی مطمئن ہو گئے اور خلیفہ کے اصلاحی پروگراموں میں ہاتھ بٹانے لگے۔

حضرت عمر کی جانشینی کے وقت ملکی انتظامی صورتحال:

آپ نے حکومت کے پورے نظام میں انقلاب لانے کا پروگرام بنایا۔ جب سے اسلامی خلافت نے شخصی سلطنت کا قالب اختیار کیا تھا اس وقت سے اس میں ظالمانہ حکومت کی تمام برائیاں آ گئی تھیں' مذہبی روح کمزور پڑ گئی تھی' رعایا کی آزادی ختم ہو گئی تھی' جمہور کی آواز کو دبا دیا گیا تھا' بیت المال ذاتی خزانہ بن گیا تھا جو ہر طرح کی جائز و ناجائز آمدنیوں سے بھرا جاتا تھا اور اسی بدعنوانی سے صرف کیا جاتا تھا۔ شاہی خاندان کے ارکان اور امراء کے قبضہ میں کروڑوں روپیہ کی جاگیریں تھیں۔ عمال و حکام کے افعال و اعمال پر کوئی احتساب اور مواخذہ نہ تھا اور اس قبیل کی وہ تمام برائیاں جو عموماً شخصی حکومتوں میں ہوتی ہیں' اموی حکومت میں موجود تھیں اور اسلامی خلافت کی حقیقی روح بالکل مردہ ہو گئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں نہ تو کوئی بڑا معرکہ ہوا اور نہ ہی کسی ملک کو فتح کیا گیا مگر اس کے باوجود آپ کا عہد تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ آپ کی وہ گوناگوں اصلاحات ہیں جنہوں نے اسلامی جمہوریت اور خلافت راشدہ کی روح کو پھر سے زندہ کر دیا۔ ذیل میں ہم آپ کی اصلاحات کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

یہ انقلاب جتنا اہم تھا' اتنا ہی خطرناک اور نازک بھی تھا لیکن آپ نے تمام مشکلات کو نظر انداز کر کے اللہ پر توکل کر کے اپنے پروگرام پر کام شروع کر دیا۔

غصب شدہ مال اور جائیداد کی واپسی:

اس سلسلہ میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیردستوں کے اس مال و جائیداد کی واپسی تھی جسے شاہی خاندان کے ارکان اموی عمال اور دوسرے عمائد نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ یہ ایسا نازک کام تھا جس کو ہاتھ لگانا سارے خاندان کی مخالفت مول لینا تھا۔ سب سے پہلے آپ نے اسی کار خیر کو شروع کیا۔ خود آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جاگیر تھی۔ بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر جاگیر واپس کر دیں گے تو اولاد کے لئے کیا انتظام کریں گے تو فرمایا ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 115)

اس کے بعد اہل خاندان کو جمع کر کے فرمایا:

''بنی مروان تمہیں دولت اور شرف کا بڑا حصہ ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُمت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے۔''

ان لوگوں نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہو جائیں گے اس وقت تک یہ جائیدادیں واپس نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کی قسم! نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ

اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تمہیں ذلیل و رسوا کر کے چھوڑوں گا۔" (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ابن جوزی' ص 208)

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی۔

"ان لوگوں (یعنی اموی خلفاء) نے ہم ارکان خاندان کو ایسی جاگیریں اور عطایا دیئے اللہ کی قسم جن کے دیئے کا نہ ان کو حق تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا' اب میں ان کو ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں۔"

اس تقریر کے بعد جاگیروں کی اسناد کا نقشہ منگوایا' مزاحم ان اسناد کو نکال کر پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ صبح سے لے کر ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (ابن سعد' ج 5' ص 252)

اور اپنی اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی حتیٰ کہ اپنے پاس نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 223)

آپ کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو یا پھر مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اطاعت شعار بیوی نے وہ پتھر بیت المال میں جمع کروا دیا۔ جب اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیریں واپس کرا چکے تو تمام ماتحت گورنروں کو احکام بھیجے کہ جہاں کہیں کوئی غصب شدہ مال یا جائیداد یا زمین ہو اسے فی الفور اس کے اصلی مالکوں کے حوالے کر دیا جائے۔

فدک کا فیصلہ:

فدک کا علاقہ خلفاء راشدین کے زمانے سے ان میں اور اہل بیت میں متنازعہ فیہ چلا آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی آمدنی اپنی اور بنو ہاشم کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے' بعد میں خلفاء راشدین بھی اسی طرح صرف کرتے رہے۔ مروان نے اپنے زمانے میں اسے اپنی جاگیر بنا لیا تھا اس لئے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضہ میں آیا اس پر ان کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا دارومدار تھا۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا یہ جاگیر میرے قبضہ میں آئی ہے لیکن جو چیز رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو بھی نہیں دی اس پر میرا کوئی حق نہیں ہو سکتا اس لئے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں۔ میں فدک کو عہد رسول کے مطابق لوٹاتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد کتاب الخراج والامارہ)

اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کرانے کے بعد عام مغصوبہ اموال کی واپسی کی طرف متوجہ ہوئے اور عمال کے پاس تاکیدی احکام بھیج کر تمام ممالک محروسہ کے غصب شدہ مال و املاک واپس کر دیں۔ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو عراق کی حکومت کے اخراجات کے لئے دارالخلافہ روپیہ بھیجنا پڑا۔

(ابن سعد' ج 5' ص 251)

اس کا سلسلہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات تک برابر قائم رہا۔ (حوالہ مذکور، ص 252)

غرض مال و جائیداد اور نقد و جنس کی قسم سے جو بھی ناجائز طور پر کسی کے قبضہ میں تھا' ایک ایک کر کے ان کے اصلی وارثوں کو واپس کر دیا گیا۔ (حوالہ مذکور، ص 252)

عمر بن عبدالعزیز کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

خاندان بنوامیہ کی برہمی اور عمر کی استقامت:

عمر بن عبدالعزیز کے اس عدل نے بنوامیہ کو بالکل تہی دست کر دیا تھا اس لئے قدرتاً ان میں بڑی برہمی پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کی کہ آپ اپنے زمانے سے متعلقہ امور میں جو چاہیں کریں لیکن گزشتہ خلفاء کے معاملات کو اسی حالت میں رہنے دیجئے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا اور فرمایا کہ مجھ سے پہلے کے خلفاء نے رعایا کو اپنی قوت سے دبایا' ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے تو ایسی صورت میں میرے لئے اس کے علاوہ چارۂ کار کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنیٰ کا حق دلاؤں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص 118-119)

ان کے خاندان والوں کو بیت المال جو وظائف اور گزارے ملتے تھے' بند کر دیئے۔ عینیہ بن سعد نے شکایت کی کہ امیر المومنین آپ پر ہم لوگوں کا بھی حق ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ذاتی مال میں تمہارا حق ہو سکتا تھا مگر اس میں اتنی گنجائش نہیں اور بیت المال میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا برک غماد کی آخری حدود میں رہنے والے کا۔ واللہ اگر ساری دنیا تمہاری ہم خیال ہو جائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے۔

غرضیکہ آپ کے اعزہ و اقارب اور اہل خاندان نے آپ کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی لیکن کوئی چیز آپ کو اپنے ارادے سے نہ روک سکی اور آپ نے تمام مغصوبہ اموال واپس لے کر چھوڑے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص 114-115)

عمال کا محاسبہ:

"اموی عمال من مانیاں کرنے کے عادی تھے کیونکہ خلفاء ان سے بہت کم باز پرس کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں سدھارنے پر خاص توجہ مرکوز کی سب سے پہلے یزید بن مہلب کو معزول کیا۔ یزید کو آپ شروع ہی سے ناپسند کرتے تھے۔ خلیفہ بنے تو حکم بھیجا کہ کسی کو اپنا قائمقام بنا کر یہاں چلے آؤ۔ یزید نے اپنے بیٹے مخلد کو جانشین مقرر کیا اور کل سازوسامان کے ساتھ دمشق کے بجائے بصرہ پہنچا اور وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر کہیں بھاگ جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ وہاں کے حاکم نے گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا۔ جب اسے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا:

"مجھے سلیمان کے نام تمہارا ایک خط ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ تم نے اہل خراسان سے دو

کروڑ کی رقم جمع کی ہے لاؤ وہ کہاں ہے؟ یزید نے جواب دیا کہ میں نے محض اپنی شہرت کے لئے ایسا لکھ دیا تھا مجھے پتہ تھا کہ سلیمان مجھ سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کرے گا۔"

آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے تمہیں ضرور ادا کرنا پڑے گا۔ یزید نے کہا کہ مجھے دوبارہ خراسان جانے کی اجازت دیں تا کہ میں لوگوں سے یہ رقم لے کر واپس کر دوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: "ایک دفعہ تو تم ان سے لے چکے اب دوبارہ انہی سے وصول کرنا چاہتے ہو۔"

یزید سے نپٹنے کے بعد آپ نے حجاج کے پورے خاندان کو جن کی سرشت میں ظلم و جور داخل ہو چکا تھا' جلاوطن کر دیا نیز حجاج کے مقرر کردہ تمام عمال کو معزول کر دیا۔

تمام حاکموں کو ہدایت کی کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر یا محض شک وشبہ کی بنیاد پر لوگوں کو سزائیں دینا ترک کر دیں صرف وہی اعمال قابل گرفت ہیں جن پر شرعی حد لازم آتی ہے۔ حاکم خراسان نے لکھا کہ یہاں کے باشندے اتنے شریر النفس ہیں کہ سوائے تلوار اور کوڑے کے کوئی چیز انہیں درست نہیں کر سکتی۔ آپ نے جواب دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔ عدل و انصاف تلوار اور کوڑے سے زیادہ کارگر ہوتے ہیں' انہیں استعمال کرو گے تو سب سیدھے ہو جائیں گے۔

(یعقوبی' ج 2' ص 292- طبقات ابن سعد' ج 5' ص 280)

ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ذمیوں کے ساتھ ایسی نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا کہ اس کی نظیر عہد فاروقی کے علاوہ اور کسی زمانے میں نہیں ملتی۔

آپ نے ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے برابر کر دی اور جو مسلمان ذمی کے مال پر دست درازی کرتا اسے پوری پوری سزا دی جاتی۔ عمال کو ہدایت کی کہ جزیہ وصول کرتے وقت وہ کسی قسم کی سختی یا تشدد روا نہ رکھیں نیز حکم دیا کہ ناکارہ اور محتاج ذمیوں کے بیت المال سے روزینے مقرر کئے جائیں۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح ذمیوں کی غصب شدہ جائیدادیں بھی واپس کر دی گئیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی چند ایک عبادت گاہیں جنہیں پہلے خلفاء کے زمانے میں مسلمان زبردستی اپنے تصرف میں لے آئے تھے' بحال کر دیں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 104- فتوح البلدان' ص 130- کتاب الخراج' قاضی ابو یوسف' ص 76)

آپؒ مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ دونوں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا عمر بن عبدالعزیز نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام کو یہ ناگوار گزرا۔ اس نے تمکنت میں آ کر عیسائی کے ساتھ سخت کلامی کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسے ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔ (کتاب العیون والحدائق' ص 526)

محاصل میں اضافہ:

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ جزیہ کی وصولی میں ان سہولتوں اور ناجائز آمدنیوں کے سدباب کے

باوجود بیت المال کی آمدن پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ بعض ملکوں کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا چنانچہ عراق کی آمدنی دور حجاج سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ اللہ حجاج پر لعنت کرے نہ اسے دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا' وہ اپنے مظالم کے باوجود عراق سے دو کروڑ اسی لاکھ سے زیادہ وصول نہ کر سکا اور زمین کی آبادی کے لئے کاشت کاروں کو بیس لاکھ قرض دینے کے بعد کل ایک کروڑ سات لاکھ کا اضافہ ہوا اور میرے زمانہ میں کسی ظلم اور زیادتی کے بغیر بارہ کروڑ چالیس لاکھ آمدنی ہو گئی' اگر میں زندہ رہا تو اس میں اور اضافہ ہو گا۔ (فتوح البلدان' ص 130)

بیت المال کی اصلاح:

بنو امیہ کی شخصی حکومت میں بیت المال ایک قسم کا سرکاری خزانہ بن چکا تھا جس کی آمدنی کا بیشتر حصہ خلیفہ کے ذاتی اخراجات پر صرف ہوتا تھا جو باقی بچ جاتا اس سے شاہی خاندان کے لوگوں کو وظیفے دیئے جاتے تھے اس طرح سارے کا سارا بیت المال امویوں کے لئے وقف ہو چکا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایسی بدعتوں کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ شاہی افراد کے وظیفے بند کر دیئے جس پر وہ بہت تلملائے مگر آپ نے چنداں پرواہ نہ کی۔ اپنے ذاتی اخراجات کو حیرت انگیز طور پر کم کر کے دو درہم روزانہ جمع کرا دیا۔ شاہی اصطبل کے سارے گھوڑے بیچ کر موصولہ رقم کو بیت المال میں داخل کرا دیا اور اپنی سواری کے لئے صرف ایک خچر رہنے دیا۔

اس طرح بیت المال کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا جسے فقراء اور مساکین کی فلاح و بہبود اور رفاہ عامہ کے لئے مخصوص کر دیا۔

بیت المال کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے بہت سے جائز اور ناجائز ذرائع اختیار کئے جاتے تھے مثلاً جو ذمی مسلمان ہو جاتے تھے ان سے بھی باقاعدہ جزیہ وصول کیا جاتا تھا حالانکہ شرعی اعتبار سے جزیہ صرف غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس غیر شرعی رسم کو فوراً بند کر دیا اور تمام عمال کو احکام بھیجے کہ جو ذمی مسلمان ہو جائے اس کا جزیہ فوراً موقوف کر دیا جائے۔ اس حکم کا اثر یہ ہوا کہ لاکھوں ذمی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ان مراعات کے باوجود بیت المال کی آمدنی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ ہر سال بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ (تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین' ص 297)

رفاہ عامہ کے کام:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جس قدر اصلاحیں کیں ان میں سے کوئی بھی رفاہ عامہ سے خالی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں محروسہ ممالک میں بکثرت سرائیں بنوائیں۔ خراسان کے گورنر کو لکھا کہ تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں۔ (طبقات ابن سعد' ج 5' ص 254)

سمرقند کے گورنر سلیمان بن ابی السری کو لکھا کہ اس علاقہ کے تمام شہروں میں سرائیں تعمیر کی

جائیں اور جو مسلمان ادھر سے گزرے ایک دن رات اس کی میزبانی کی جائے۔ اس کی سواری کی حفاظت کی جائے۔ بیمار مسافروں کی دو دن میزبانی کی جائے جس کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو اس کا سامان کیا جائے۔ (طبری' ص 1364)

احیائے شریعت اور مذہبی خدمات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جس طرح حکومت کا سیاسی ڈھانچہ بدلا اور اس کے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں اسی طرح شریعت کا احیاء اور اس کی تجدید کی اور امویوں کے مذہبی تساہل سے جو امور راہ شریعت سے ہٹ گئے تھے انہیں دوبارہ اس راستہ پر لگایا۔ عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی۔ (طبقات ابن سعد' ج 5' ص 252)

عقائد و عبادات اور اخلاق میں جو تغیر پیدا ہو چلا تھا اسے پوری شدت کے ساتھ روکا۔ عقائد میں معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے قضاء و قدر کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے توبہ کرائی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 224)

اور محدثین و فقہاء کو لکھا کہ وہ ان خیالات کو قبول نہ کریں۔ (طبقات ابن سعد' ج 5' ص 284)

حجاج کے زمانہ میں زکوٰۃ کا نظام خراب ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز عمال خصوصاً عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں تمہیں زکوٰۃ کے معاملہ میں حجاج کی روش سے روکتا ہوں۔ وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا اور بے محل صرف کرتا تھا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 88)

خطوط میں لوگوں کو صدقات اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ (طبقات' ج 5' ص 268)

شراب نوشی کا انسداد:

دیگر عیش و عشرت کے سامان کے ساتھ شراب نوشی کا رواج بھی ہو چکا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کے انسداد کا پورا انتظام کیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے اور شراب کی دوکانوں کو حکماً بند کر دیا۔

(طبقات ابن سعد' ج 5' ص 269)

اموی حکام کی عیش پسندیوں کے باعث بعض حیلہ جو نبیذ کے بہانے شراب پیتے تھے۔ آپ نے اس کی سخت ممانعت کرا دی اور بہت سی رسومات بد جن کا تعلق لہو ولعب اور عیش و عشرت سے تھا' بند کر دی گئیں۔ اشاعت اسلام کے لئے تمام مقبوضہ ممالک میں مبلغ بھیجے جس سے بکثرت لوگ مسلمان ہو گئے۔ (کتاب الولاۃ' ص 68)

اخلاقیات کی اصلاح:

عجمیوں کے اثر سے مسلمانوں میں خلاف اسلام بہت سی عادات و رسوم اور سامان تعیش کے قسم قسم کے سامان پیدا ہو چکے تھے اور زمانہ جاہلیت کی کچھ عادات پھر لوٹ آئی تھیں مثلاً خواتین جنازہ کے ساتھ بال بکھرے نوحہ کرتے ہوئے نکلتی تھیں۔ آپ نے تمام عمال کو لکھا کہ خلاف شرع امور کے متعلق

سختی سے کام لو اور شیطانی اعمال و افعال کا محاسبہ کرو جو نہ رکے اسے اعتدال کے ساتھ سزا دو۔
(ابن سعد' ج 5' ص 290)

اہل عجم کے اثر سے حماموں کا عام رواج ہو گیا تھا جن میں مرد اور عورتیں بے باکانہ اور بے حجابانہ غسل کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عورتوں کو حماموں میں جانے سے بالکل روک دیا اور مردوں کو تہبند باندھے بغیر حمام میں نہانے سے منع کر دیا۔ اس حکم پر سختی سے عمل کرایا جاتا تھا اور خلاف ورزی پر سزا دی جاتی تھی۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز' ص 80)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس غیر معمولی توجہ کی وجہ سے ولیدی دور میں تعمیرات سے دلچسپی اور سلیمان دور میں عورتوں اور کنیزوں سے دلچسپی کا انہماک ختم ہوا بلکہ مذہب' عبادت اور شرعی معاملات موضوع بحث بن گئے۔ گویا عمر بن عبدالعزیز نے احیائے شریعت کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی نگہداشت بھی فرمائی۔ (طبری' ص 1272-1273)

تبرّٰی کی بدعت کا خاتمہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کی رسم بد کو رواج دیا تھا وہ خود اور ان کے عمال خطبہ میں حضرت علیؓ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کیا کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے بعد اموی خلفاء نے بھی اپنے اپنے عہد میں اس بدعت کو قائم رکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے بالکل بند کر دیا اور تمام عمال کو ہدایت کر دی کہ تبرّٰی سے باز رہیں اور ان بدزیب کلمات کی بجائے خطبہ میں قرآن مجید کی آیت ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

''اللہ تعالیٰ عدل' احسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش' برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم سمجھو۔''

اس میں شامل کر دی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔
(تاریخ الخلفاء' ص 244- ابن طبقات' ج 5' ص 291)

اشاعت اسلام:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسلامی مملکت کی حدود میں توسیع کی بجائے اسلام کی اشاعت و توسیع کو اپنا مقصد قرار دیا اور اپنی ساری توجہ اس کی تبلیغ میں صرف کر دی اور اس کے لئے ہر قسم کے مادی و اخلاقی ذرائع اختیار کئے اور تمام عمال کو حکم تھا کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں اور مسلمان ہونے والے ذمی کا جزیہ معاف کر دیا جائے اس سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والئی خراسان کے ہاتھوں پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے۔ اسماعیل بن عبداللہ والئی مغرب کی تبلیغ سے سارے شمالی افریقہ میں اسلام پھیل گیا۔

(طبقات ابن سعد' ج 5' ص 285- فتوح البلدان' ص 357)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تبلیغ سے مختلف ملکوں میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ بعض عمال نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی و رہبر بنا کر بھیجے گئے تھے، تحصیل دار بنا کر نہیں مبعوث کیے گئے۔

(خطط مقریزی، ج اوّل، ص 145)

بعض گورنروں نے رائے دی کہ ''اکثر ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں، ختنہ کر کے ان کا امتحان لیا جائے۔ آپ نے جواباً لکھا کہ رسول اکرم ﷺ ہادی و رہنما تھے خاتن نہ تھے۔''

(سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ص 99 - طبقات ابن سعد، ج 5، ص 288)

فتوحات

آپ کی زیادہ تر توجہ چونکہ اُمت کی اصلاح کی طرف لگی ہوئی تھی اس لئے فتوحات کی طرف دھیان بہت کم تھا چنانچہ سندھ اور سپین میں بعض معمولی فتوحات کے علاوہ جہاں پہلے سے مہم جاری تھی۔ آپ کے دور میں کوئی قابل ذکر فتوحات نہیں ہوئیں بلکہ مہمات سے فوجیں واپس بلا لی گئیں۔

مسلمانوں کا فرانس میں داخلہ:

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ سپین کی سرحد کے اس پار فرانس کا زرخیز اور سرسبز و شاداب ملک آباد ہے تو انہوں نے اپنے گورنر حر بن عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں فرانس پر چڑھائی کر دی۔ ان ایام میں ملک فرانس مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور وہاں کے حکمران ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے۔ مسلمانوں نے ان کی باہمی نااتفاقی سے فائدہ اُٹھا کر جنوبی فرانس کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔

(تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص 299)

آذربائیجان کی شورش کا خاتمہ:

آپ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں آذربائیجان کے باشندوں نے بغاوت کر کے وہاں کے تمام مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آپ نے ابن حاتم باہلی کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جس نے باغیوں کو شکست دے کر آذربائیجان پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور قاتلوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

(تاریخ اسلام، ص 299)

خانہ جنگی اور خون ریزی کا خاتمہ:

حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک تاریخ کے اوراق مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے جبکہ آپ نے اس میں اس قدر احتیاط برتی کہ اسلام کے مخالف فرقوں کے خلاف بھی تلوار نہ اُٹھائی حتیٰ کہ خوارج کہ جن کی شر سے کوئی زمانہ خالی نہ رہا، مقابلہ میں بھی تلوار روک لی اور خوارج کے مقابلہ پر پہلے سے مامور والئی کوفہ عبدالحمید کو لکھا کہ جب تک یہ لوگ خون ریزی نہ کریں اور فتنہ و فساد برپا نہ کریں، ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کی شورش کے تدارک کے لئے کسی دوراندیش

آدمی کو مقرر کیا جائے۔

اس کے ساتھ آپ نے خود بھی کوشش کی اور خوارج کے سردار بسطام کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے پاس آ کر بحث و مناظرہ کرو' اگر ہم لوگ حق پر ہوں تو تم لوگ عام مسلمانوں کی طرح مطیع ہو جاؤ اور تم حق پر ہو تو ہم اپنے متعلق غور کریں۔ (طبری' ص 48-1349 - ابن اثیر' ج 4' ص 18-19)

اس دعوت پر بسطام نے دو اشخاص کو بھیجا' فریقین میں مناظرہ ہوا۔ طبری اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق ان میں سے ایک شخص نے حق کا اعتراف کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کا وظیفہ مقرر کیا اور دوسرا لوٹ گیا چنانچہ خوارج کے ساتھ کوئی معرکہ پیش نہ آیا۔

علالت:

ابھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ رجب 101ھ میں آپ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ اس بارے میں ایک بیان یہ ہے کہ آپ کی علالت طبعی تھی جبکہ دوسرے بیان کے مطابق آپ کی علالت زہر کا نتیجہ تھی۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنو امیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر مزید کچھ دنوں تک آپ کی حکومت قائم رہی تو آپ بنوامیہ کا زور توڑ کر خلافت کی اصلاحات کو اس قدر مستحکم کر دیں گے کہ پھر ان کا گزشتہ اقتدار واپس نہ آ سکے گا اس لئے انہوں نے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفی دے کر زہر دلوا دیا۔ آپ کو دوران علالت اس کا علم ہو گیا لیکن آپ نے اس کا کوئی انتقام نہ لیا بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں جمع کرا دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔

(ابن سعد' تذکرہ عمر بن عبدالعزیز)

چنانچہ آپ رجب 101ھ میں اولاد کو وصیت اور مابعد نامزد خلیفہ سلیمان کو تقویٰ و خشیت الٰہی کی وصیت کر کے مراحل سے فراغت کے بعد انتقال فرمایا۔ اس وقت عمر 40/39 سال کی تھی۔ دیر سمعان میں دفن کئے گئے۔ مدت خلافت دو سال پانچ مہینے تھی۔

عمر بن عبدالعزیز کی سیرت و کردار

اوراق بالا میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے حوالے سے کچھ خصوصیات ذکر کی گئی ہیں' ذیل میں بعض خصوصی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔

خلافت کو اسلامی بنانے کی خواہش:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حقیقی خواہش یہ تھی کہ موروثی حکومت پھر اسلامی خلافت سے بدل جائے لیکن یہ بنیادی چیز آپ کے اختیار میں نہیں تھی کیونکہ بنوامیہ میں موروثی حکومت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی خواہ خلیفہ بنوامیہ کی کسی بھی شاخ سے ہو چنانچہ سلیمان خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر گیا تھا چنانچہ آپ نے کئی مواقع پر اس معذوری کا اظہار کیا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ اگر خلافت کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا۔

(طبقات ابن سعد' ج 5' ص 254)

ملوکیت کے امتیازات کا خاتمہ:

یہ کام مکمل طور پر آپ کے بس میں نہیں تھا اس لئے جہاں تک ہو سکا ملوکیت کے امتیازات اور شہنشاہیت کے بُرے مظاہر کو ختم کیا اور تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے خلیفہ کی حیثیت واضح کی اور فرمایا:

''میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض پیروکار ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے۔ میں تم میں بہتر آدمی بھی نہیں ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے مقابلے میں زیادہ گرانبار کیا ہے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 108)

بادشاہت کے امتیازات کچھ اس قسم کے تھے کہ خلفاء کے ساتھ نقیب وعلمبردار چلتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرح ان پر بھی درود وسلام بھیجا جاتا تھا' سلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام مراسم کو بند کرا دیا چنانچہ حسب دستور جب کوتوال نے نیزہ اور نشان لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 53)

عام حکم جاری کر دیا کہ سلام میں امتیاز نہ برتا جائے بلکہ صرف منہ سے عام سلام کہا جائے۔

(طبقات ابن سعد' ج 5' ص 383)

عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ پیشہ ور واعظ خلفاء پر درود وسلام بھیجتے ہیں انہیں روک دو اور حکم دو کہ عام مسلمانوں کے لئے دعا کریں اور خلیفہ کے ساتھ خصوصیت چھوڑ دیں۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 236)

فضل وکمال:

حضرت عمر بن عبدالعزیز علمی اعتبار سے اپنے دور کے جلیل القدر عالم تھے۔ اگر سیاسی حالات نے انہیں تخت شاہی پر نہ بٹھا دیا ہوتا تو وہ مسند علم کی زینت ہوتے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

كان فقيها' مجتهدا' عارفا بالسنن' كبير الشان' ثبتا' حجة حافظا' قانتا لله اواها منيبا." (تذكرة الحفاظ للذهبي' ج 1' ص 105)

امام نووی کا بیان ہے کہ: ''ان کی جلالت شان' فضیلت علمی' وفور علم' صلاح' آثار نبوی کے اتباع اور خلفاء راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے۔'' (تہذیب الاسماء' ج 1' ص 17)

مشہور صاحب علم تابعی حضرت مجاہد کا بیان ہے:

''ہم لوگ انہیں تعلیم دینے گئے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔'' (طبقات ابن سعد' ج 5' ص 271)

علماء کی قدر افزائی:

اسی فضل و کمال کا نتیجہ تھا کہ آپ کے دربار میں شعراء اور ظریف لوگوں کی جگہ علماء اور ارباب کمال کا مجمع رہتا تھا۔ آپ ان کے بڑے قدر دان تھے۔ وہ دور دور سے علماء اور فقہاء کو بلا کر ان کی قدر افزائی کرتے' امور خلافت میں وہی آپ کے مشیر اور ہم جلیس تھے۔ ان میں میمون بن لہران' رجاء بن حیوۃ' ریاح بن عبیدہ' سالم بن عبداللہ' محمد بن کعب قرظی اور سعید بن مسیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں البتہ مذہبی امور میں زیادہ تر سعید بن مسیب سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

(تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی' حصہ دوم' ص 369)

تعلیمی خدمات:

مذہبی تعلیم کی اشاعت کی طرف آپ کی خصوصی توجہ تھی۔ قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو عموماً علم کی اشاعت کرنی چاہئے۔ وہ تعلیم کے لئے حلقہ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ بھی جان جائیں کیونکہ علم خزانہ بن جائے تو برباد نہیں ہوتا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز' ص 94)

ایک اور عالم کو لکھا کہ حدیثیں مردہ ہو رہی ہیں مسجدوں میں علم کی اشاعت کا اہتمام کرو اور اہل علم کو حکماً یہ پیغام دو۔ (حوالہ مذکور)

جو علماء اس کام میں مصروف ہو گئے انہیں معاشی فکر سے آزاد کر دیا۔ (سیرت' ص 95)

تعلیم کی اشاعت کے لئے طلباء کے وظائف مقرر کئے۔ (جامع بیان العلم' ص 88)

مختلف ممالک میں تعلیم کے لئے علماء کو بھیجا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشہور صاحب علم غلام نافع کو جو مدینہ کے بڑے فقیہ تھے' حدیث کی تعلیم دینے کے لئے مصر روانہ کیا۔

(حسن المحاضرۃ' ج 1' ص 119)

تعلیم کے ساتھ ساتھ ارشاد و ہدایت کے لئے تمام ممالک محروسہ میں واعظ اور مفتی مقرر کئے چنانچہ حجاج ابو کثیر اموی اسکندریہ کے واعظ تھے۔ (بخاری' کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

ایک اہم اور لازوال دینی خدمت:

آپ کا سب سے بڑا تعلیمی و مذہبی کارنامہ احادیث نبوی کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہے۔ اگر انہوں نے ادھر توجہ نہ کی ہوتی تو ممکن ہے احادیث نبویہ کا معتد بہ حصہ ضائع ہو جاتا۔ آپ نے جب دیکھا کہ بڑے بڑے حفاظ حدیث اُٹھتے چلے جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ حدیثیں بھی دفن ہوتی جا رہی ہیں تو قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے انہیں لکھ لو۔ مجھے علماء کے ساتھ علم کے بھی مٹ جانے کا خدشہ ہے لیکن یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں قبول کی جائیں۔ (فتح الباری' ج 1' ص 174)

اس قسم کا فرمان تمام صوبائی گورنروں کو لکھا۔ (جامع بیان العلم و فضلہ' ص 38)

اس حکم پر تمام محدثین سے حدیثیں تلاش کر کے ان کے مجموعے مرتب کئے گئے اور تمام ممالک

محروسہ میں بھیجے گئے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں اور انہوں نے اس کا ایک ایک مجموعہ تیار کر کے تمام محروسہ ممالک میں بھیجا۔

(تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن قتادہ)

مغازی اور مناقب صحابہ کی طرف خصوصی توجہ:

مغازی اور مناقب صحابہؓ کی جانب اس وقت تک علمی حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی تھی۔ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عاصم بن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت کے بڑے عالم تھے، حکم دیا کہ وہ جامع دمشق میں ان دونوں چیزوں کا درس دیا کریں۔ (اخبار الحکماء ترجمہ ماسر جویہ)

یونانی تصانیف کی طرف التفات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دینی اور مذہبی علوم کے ساتھ غیر قوموں کے علوم سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ مروان کے زمانہ میں ایک یونانی حکیم کی طبی کتاب کا ترجمہ ماسر جویہ نے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی نقلیں کروا کر اسے ملک میں پھیلایا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص 188)

خشیت الٰہی:

خشیت الٰہی تمام فضائل اخلاق کا سرچشمہ تھا۔ حکومت کا جاہ و جلال، اللہ تعالیٰ سے غافل اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتا ہے لیکن عمر بن عبدالعزیز کے دل کو اس شئے نے خوف وخشیت سے لبریز کر دیا تھا۔ معمول تھا کہ عشاء کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے، اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی۔

جب لوگ آپ کے گریہ و بکا کے متعلق کچھ کہتے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ رونے پر مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلہ میں عمر پکڑا جائے گا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص 291)

تقویٰ و ورع:

آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں تقویٰ و ورع تھا یوں تو آپ کا تقویٰ ہر شعبہ زندگی میں نمایاں تھا لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ نے جو نمونہ پیش کیا اس کی مثال سلاطین اور فرمانرواؤں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ بیت المال سے معمولی سا فائدہ اُٹھانا بھی گوارا نہ کیا۔ رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء، ص 237- ابن سعد، ج 5، ص 295)

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد تحفے اور ہدیے قبول کرنے بند کر دیئے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس سیب وغیرہ پھل بھیجے، آپ نے اسے واپس کر دیا، اور بھیجنے والے نے کہا کہ ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ بھی قبول فرماتے تھے تو آپ نے جواب دیا لیکن ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لئے۔

وہ رشوت ہے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص 106)

تواضع اور مساوات:

بنوامیہ نے حاکم ومحکوم اور آقا وغلام کی جو تفریق پیدا کر دی تھی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل مٹا دیا تھا اور خود مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ ملازمین تک کو تعظیم کے لئے اُٹھنے کی ممانعت کر دی اور خود ان کے برابر بیٹھتے تھے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص 57)

ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے پنکھا لے کر خود اس کو جھلنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو دیکھ کر گھبرائی تو آپ نے فرمایا۔ آخر تم بھی میری طرح ہو' تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھی تو میں نے بھی تمہیں پنکھا جھل دیا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص 173)

اگر ملازم سو جاتے تو خود اپنے ہاتھ سے کام کر لیتے ملازم کے آرام میں خلل نہ ڈالتے۔

(حوالہ مذکور)

زہد و ورع:

قبل از خلافت آپ کی جو شاہانہ زندگی تھی بعد از خلافت آپ ان سارے تکلفات سے دستکش ہو گئے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا قالب ڈھال لیا۔ لونڈی' غلام' فروش' لباس وغیرہ جملہ عیش وتکلف کے سامانوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی اور گزارے کے لئے بقدر ضرورت لیتے تھے۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص 172 - طبقات ابن سعد' ج 5' ص 296)

لباس:

ایک زمانہ میں چار سو کی قیمت کا کپڑا جسم پر بار معلوم ہوتا تھا اور دن بھر میں کئی کئی جوڑے بدلے جاتے تھے۔ اب صرف ایک جوڑا رہ گیا تھا اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔

(ابن سعد' ج 5' ص 154)

پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا بلکہ پیوند پر پیوند لگے ہوتے تھے۔ (حوالہ مذکور)



یزید ثانی بن عبدالملک

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد رجب 101ھ میں یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے بعد یزید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور ان کی اصلاحات کو جاری رکھا مگر چالیس دن سے زیادہ نہ چلا سکا اس کے بعد تمام اصلاحات کو منسوخ کر کے پھر وہی پرانا استبدادی نظام جاری کر دیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کر دیئے۔ (تاریخ الخلفاء، ص 247)

تو اس طرح نظام حکومت میں پھر سے وہ عیوب داخل کر دیئے گئے جنہیں دور کرتے کرتے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جان دے دی تھی۔ یزید نے تعیش اور شراب نوشی کی کثرت کے باعث کاروبار سلطنت کی طرف مطلق دھیان نہ دیا جس کی وجہ سے خلافت کی بنیادیں کمزور ہو گئیں۔ فتح و کامرانی کا دور ختم ہو گیا اور زوال و انحطاط کا زمانہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے یزید بن مہلب نے خاندانی عناد کی بناء پر بغاوت کا علم بلند کیا۔ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے خراسان کے خراج کی کثیر رقم ادا نہ کر سکنے کی بناء پر قید کر دیا تھا۔ آپؒ کے مرض الموت کی خبر سنتے ہی وہ جیل سے بھاگ نکلا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ حضرت عمرؒ کا جانشین یزید ثانی ہو گا اور وہ سلیمان کے پروردہ لوگوں سے تخت ناروا سلوک کرے گا۔ یمنی قبائل سب اس کے ساتھ تھے چنانچہ اس نے پہلے اقدام کے طور پر بصرہ کے اموی گورنر کو گرفتار کر کے قید کر لیا بعد ازاں فارس، اہواز اور کرمان پر بھی قبضہ کر کے وہاں اپنے گورنر نامزد کر دیئے اور ایک بہت بڑی فوج یزید ثانی کے مقابلے کے لئے تیار کی اور اپنی تقریروں میں اس کے خلاف جہاد کو جائز قرار دیا۔

یزید ثانی نے اپنے بھائی مسلمہ کو اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ بہت خونریز جنگ ہوئی جس میں نہ صرف یزید بن مہلب بلکہ خاندان مہلب کے تمام برگزیدہ اشخاص کام آئے۔ اس جنگ کا نتیجہ نہایت بھیانک نکلا کیونکہ قبائلی حسد کا شعلہ از سر نو بھڑک اٹھا اور جگہ جگہ شورشیں شروع ہو گئیں۔ ہسپانیہ، افریقہ اور مشرقی ممالک میں مسلمانوں کی خانہ جنگی کی خبر پا کر ماوراء النہر کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کی لہر دوڑ گئی اس کے ساتھ ہی ملک میں عدل و انصاف کی بجائے ظلم و جور کا دور دورہ شروع ہوا تو عوام بھی اموی حکومت سے بیزار ہو گئے اور انہیں تاج و تخت سے محروم کرنے کی سازشیں فروغ پانے لگیں چنانچہ ان کے تختہ حکومت کو الٹنے کی سب سے بڑی تحریک جو بعد میں کامیاب ہوئی وہ اسی دور کی پیداوار ہے اگرچہ اسے زیادہ ترقی ہشام اور اس کے بعد آنے والے اموی خلفاء کے دور میں ہوئی۔

(تاریخ اسلام ڈاکٹر حمید الدین، ص 302)۔

<u>ولی عہدی:</u> تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یزید نے اپنے بھائی ہشام اور اس کے بعد اپنے بیٹے ولید کو نامزد کر دیا تھا۔

<u>وفات:</u> شعبان 105ھ میں سل کی بیماری میں یزید کا انتقال ہوا۔ عمر اس وقت 40 سال کے قریب تھی۔

ہشام بن عبدالملک

یزید کے انتقال کے وقت اس کا بھائی اور ولی عہد ہشام بن عبدالملک پایہ تخت سے باہر اصافہ میں تھا' یہیں اس کے سامنے خاتم اور عصائے خلافت پیش کیا گیا اور رمضان 105ھ میں وہ دمشق آ کر تخت نشین ہوا۔

ہشام تدبر اور حوصلہ مندی میں عبدالملک کا ثانی تھا اس لئے اس کی تخت نشینی کے بعد اموی حکومت میں پھر ایک حرکت اور گرمی پیدا ہو گئی۔ اس کا دور بیرونی مہمات' فتوحات اور اندرونی گوناگوں انقلابات اور حوادث کے اعتبار سے بڑا ہنگامہ خیز تھا۔

ہشام کی سیرت و کردار:

ہشام بن عبدالملک کا شمار بنوامیہ کے لائق ترین اور کامیاب ترین حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔ مؤرخین کے بقول اس میں امیر معاویہ کی سیاست اور چالاکی اور عبدالملک کا علم و تدبر جمع ہو گیا تھا۔ وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا اور اسے لہو و لعب اور عیش و عشرت سے نفرت تھی۔ اس نے مسئلہ خلق قرآن کے بانی کو قتل کروا دیا۔ فہم و فراست' ہوش و عقل' تدبر و لیاقت' انتظامی قابلیت اور عزم و استقلال اس کی سیرت کے نمایاں پہلو ہیں۔ (تاریخ اسلام' ص 232)

مسعودی کا بیان ہے کہ وہ بڑا دقیق النظر' منتظم' کفایت شعار' امور مملکت میں بیدار مغز اور رعایا کی سیاست میں بڑا مدبر تھا۔ سلطنت کے جملہ امور خود سرانجام دیتا تھا اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی۔ (کتاب التنبیہ والاشراف' ص 322-323)

ابن الطقطقی کے مطابق وہ بڑا عاقل' حلیم الطبع اور پاکباز تھا۔ (آداب السلطانیہ' ص 117)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنوامیہ میں امیر معاویہ' عبدالملک اور ہشام پر سیاست و تدبر کا خاتمہ ہو گیا۔ (مروج الذہب' ج 3' ص 28)

ہشامی سیرت کے نمایاں اوصاف:

ہشام کے اوصاف میں دو وصف نمایاں تھے حلم اور کفایت شعاری۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کے روبرو سخت الفاظ کہے۔ اس نے صرف اس قدر کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں۔
(کتاب التنبیہ والاشراف' ص 106)

ایک مرتبہ خود اس نے ایک معزز شخص کو نامناسب الفاظ کہے۔ اس نے کہا خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا مجھ سے اس کا بدلہ لے لو۔ اس شخص نے کہا: کیا تمہارے جیسا کمینہ میں بھی ہو جاؤں؟ ہشام نے کہا تو مالی معاوضہ لے لو۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہشام نے کہا تو اس کو اللہ کی راہ میں دے دو۔ اس نے کہا پہلے اللہ کی راہ میں' پھر تمہارے لئے۔ اس واقعہ سے ہشام نہایت شرمندہ ہوا اور قسم کھائی کہ

آئندہ بھی ایسا نہ کرے گا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 96)

وہ اپنے پیشروؤں کے برعکس نہایت کفایت شعار تھا۔ اس کی کفایت شعاری بلکہ بخل کے بہت سے واقعات ملتے ہیں لیکن ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ وہ بڑا کفایت شعار تھا۔ ایک لباس برسوں پہنتا تھا۔ اپنے لڑکوں کو بھی سادگی کا عادی بنایا ہوا تھا اس کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے بعد بے اندازہ دولت چھوڑ گیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 248)

ہشام کے کارنامے

ہشام کے زمانے میں مشرق و مغرب دونوں میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث پیش آئے لیکن حکومت کے کسی نظام اور سلطنت کے کسی حصہ کو جنبش نہ ہونے پائی۔ مشرق میں ترک اور تاتاری اور مغرب میں بربر کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کو اسلامی حدود کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی جہاں جہاں خوارج نے سر اٹھایا فوراً ان کو کچل دیا گیا اور پھر انہیں شورش برپا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اسلامی سلطنت کے ہر حصہ میں اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔ عباسی دعوت البتہ پھیلی لیکن ایک عرصہ تک اس کا سلسلہ اتنا مخفی رہا کہ پتہ نہ چل سکا اور جب اس نے قوت پکڑی اور اس کے نشانات علانیہ نظر آنے لگے تو اس وقت ہشام کے آخری ایام تھے۔

ان سیاسی کارناموں کے ساتھ اس کا زمانہ تعمیری اور انتظامی حیثیت سے بھی کامیاب رہے۔ اب ذیل میں ہم اس کے چند کارناموں کا ذکر کرتے ہیں۔

بیت المال کی اصلاح:

اموی حکومت کے آغاز سے بیت المال میں بدعنوانیاں چلی آ رہی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے اصلاح کی تھی لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ہشام نے اس کا پورا انسداد کیا اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب تک شہادتوں سے اس کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ محاصل میں ناجائز آمدنی کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے اس وقت تک اس کو بیت المال میں داخل نہ کیا جائے۔

(تاریخ الخلفاء' ص 248)

بنجر زمینوں کی آبادی:

بنجر زمینوں کی آبادی کی طرف اس کی خاص توجہ تھی اور اس کے زمانہ میں ان کا کافی حصہ آباد ہوا۔ (مروج الذہب' ج 3' ص 21)

دفاتر کی تنظیم:

دفاتر کی ازسرنو تنظیم ہوئی چنانچہ کاغذات کی صحت و ترتیب کے اعتبار سے اس کا زمانہ سارے خلفاء میں ممتاز تھا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 96)

عدالت:

ہشام کے ایوان عدالت میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے۔ حکومتی اہلکار تک کسی پر دست اندازی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نصرانی نے ہشام کے لڑکے محمد کے غلام کو کسی بات پر مارا وہ زخمی ہو گیا۔ محمد کے خواجہ سرا نے بدلہ میں نصرانی کو مارا۔ ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً خواجہ سرا کو بلایا۔ اس نے محمد کے دامن میں پناہ لی لیکن ہشام کی سزا سے نہ بچ سکا اور اپنے بیٹے کو بھی تنبیہ کی۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 96)

فوجی نظم ونسق:

انتظامی شعبوں کے ساتھ فوجی شعبہ میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ضرورت کی جگہوں پر مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ انطاکیہ میں جو اسلامی اور رومی حکومت کی نازک سرحد تھی' حصن قطرغاش اور حصن بورہ اور حصن یوفا بنوائے۔ علاوہ ازیں تمام سرحدی علاقوں کو مضبوط و مستحکم کیا اور وہاں ہر طرح کا جنگی سامان بکثرت جمع کیا۔ (مسعودی' ج 3' ص 21)

بحری بیڑے کی ترقی کے لئے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے مزید نئے کارخانے قائم کئے اور بحر روم میں کامیاب بحری مہمات کا سلسلہ جاری رہا۔ (کتاب المونس' ص 38)

شہروں کی آبادی:

اس زمانے میں متعدد نئے شہر بھی آباد ہوئے۔ شام میں قنسرین کے علاقہ میں رصافہ آباد کیا گیا۔ گرمیوں کے موسم میں ہشام یہیں رہتا تھا چنانچہ اسے پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔

(معجم البلدان' ج 4' ذکر رصافۃ الشام)

سندھ میں دو شہر منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔ منصورہ سندھ کا اسلامی دارالحکومت تھا۔

(فتوح البلدان' بلاذری' ص 448)

حوض اور تالاب کی تعمیر:

حاجیوں کے آرام اور آسائش کے لئے مکہ کے راستہ میں حوض اور تالاب بنوائے۔

(مروج الذہب' ج 2' ص 21)

مذہبی خدمات:

ان کارناموں کے ساتھ ساتھ ہشام نے مذہبی خدمات بھی انجام دیں۔ وہ خود راسخ العقیدہ شخص تھا اور مذہب میں کسی ایسی بدعت کو پسند نہیں کرتا تھا جس سے عقائد میں رخنہ پیدا ہو اور اس قسم کے خیالات کا نہایت سختی سے تدارک کرتا تھا۔ مشہور قدری غیلان بن یونس نے سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قدر کا عقیدہ ظاہر کیا تھا لیکن پھر ان کے سمجھانے سے توبہ کر لی تھی۔ ہشام کے زمانے میں پھر اس کا اعادہ کیا تو اس نے قتل کرا دیا۔

اپنے لڑکوں پر نماز کی بڑی تاکید کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا جمعہ کی نماز میں نہ پہنچ سکا تو ہشام نے باز پرس کی۔ اس نے عدم سواری کا عذر کیا تو ہشام نے کہا کہ پیدل نہیں جا سکتے تھے اور سزا کے طور پر ایک سال کے لئے سواری بند کر دی۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 96)

رعایا کی اخلاقی نگہداشت:

ہشام طبعی طور پر متین اور سنجیدہ تھا۔ اسے لہو ولعب سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ رعایا کو بھی اس قسم کے مشاغل سے روکتا تھا اور اس پر احتساب کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص اس جرم میں پیش کیا گیا کہ وہ گانے والی عورتوں' شراب و کباب اور مزامیر سے دلچسپی رکھتا ہے۔ ہشام نے اسے دیکھ کر کہا: "طنبورہ اس کے سر پر توڑ دو۔" اس حکم کی تعمیل ہوئی تو وہ رونے لگا۔ ہشام نے کہا: صبر سے کام لو۔ بوڑھے نے جواب دیا: چوٹ کی وجہ سے نہیں روتا ہوں بلکہ اس ناقدر شناسی پر روتا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔

گھوڑوں کی پرورش و پرداخت اور ترقی:

ہشام کو گھوڑوں اور گھڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا۔ اس شوق کی وجہ سے گھوڑوں کی پرورش اور ان کی نسل میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے پاس گھڑ دوڑ کے چار ہزار منتخب گھوڑے تھے۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 96)

علمی خدمات:

ہشام کو علم و فن سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ اس نے امام زہری سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کروایا تھا۔ (مروج الذہب' ج 2' ص 29)

غیر قوموں کے علوم میں فارسی کی ایک اہم کتاب کا ترجمہ کرایا تھا جو کہ ایرانیوں کے بہت سے علوم و فنون اور ان کے فرمانرواؤں کے حالات اور سیاسی واقعات پر مشتمل تھی۔ یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ' ج 1' ص 97)

ہشام کی بیس سالہ حکومت بیرونی مہمات اور اندرونی انقلابات کی وجہ سے بہت اہم گنی جاتی ہے۔ ہشام نرم مزاج اور سمجھدار تھا اور بنو امیہ کے اس دور انحطاط میں جبکہ سلطنت کو متعدد خطرات کا سامنا تھا۔ اس نے حتی الوسع مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کی اور قصر خلافت کو منہدم ہونے سے بچا لیا۔

ہشام بن عبدالملک کے کارہائے نمایاں

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے جانشین یزید ثانی کا دور بنوامیہ کا بدترین دور شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی نااہلی' عیش پرستی' قبائلی عصبیت اور اندرون ملک بے چینی سے بے شمار پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے تھے۔

ہشام نے جونہی تخت خلافت پر قدم رکھا تو اپنے آپ کو بے شمار مشکلات اور گونا گوں مسائل میں گھرا ہوا پایا۔ وہ تقریباً بیس برس تک مسلسل اس جدوجہد میں مصروف رہا کہ بنوامیہ کی روبہ زوال سلطنت کو مکمل تباہی سے بچالے۔ اگرچہ وہ بنوامیہ کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو گرنے سے تو نہ بچا سکا البتہ اسے عارضی سہارا دے کر قائم رکھا۔ اس نے مختلف قسم کی کامیابیوں کے ذریعے بنوامیہ کے وقار کو بحال کرنے کی حتیٰ المقدور کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہا۔ ذیل میں ہم اس کے نمایاں کارناموں کا مختصر انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

مہمات/ترکستان کی مہمیں:

ترکستان میں بغاوتوں کا سلسلہ ازسرنو شروع ہو گیا جو عرصے تک جاری رہا۔ یہاں بہت سی باجگوار ریاستیں تھیں جو ہمیشہ اس تاک میں رہتی تھیں کہ کب عرب حکومت کمزور ہو اور کب ہم اس کی اطاعت سے دستبردار ہوں۔

قبائلی رقابت کی بناء پر ہشام نے خراسان کے عامل کو تبدیل کر کے اشرس بن عبداللہ کو مقرر کیا۔ اس نے اسلام کی نشرواشاعت میں نہایت محنت کی لیکن نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے اس قدر جزیہ میں کمی ہو گئی اس احساس کے زیراثر سمرقند کے نومسلموں پر سختی برتی گئی جس وجہ سے فساد اُٹھ کھڑا ہوا چنانچہ اہل سغد اسلام سے مرتد ہو کر ترکوں سے مل گئے۔ ان کے فرمانروا "خاقان" سے سمرقند' بخارا اور سغد کے محاذوں پر متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمان اگرچہ غالب رہے لیکن بہت سا مالی و جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 54)

حارث ابن شریح کی بغاوت:

خراسان کے والی عاصم بن عبداللہ ہلالی کے دور میں امیر حارث بن شریح نے اسلامی حکومت کے قیام کا دعویٰ کرتے ہوئے سات ہزار آدمیوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ ان میں عرب نومسلم اور ترک بھی شامل تھے۔ امیر حارث بن شریح جوزجان کو فتح کرتا ہوا خراسان کے پایۂ تخت مرو کی طرف بڑھا تو عاصم بن عبداللہ کی جگہ اسد القسری کو خراسان کا گورنر نامزد کیا گیا جس نے پے در پے جنگوں کے بعد حارث کو خراسان کے علاقے سے باہر نکال دیا اور وہ خاقان کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہوا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 87)

خاقان کا قتل:

موسم سرما کے بعد خاقان نے دوبارہ بخارا پر فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔ واپسی پر ایک ترک سردار کے ساتھ چوگان کھیلتے ہوئے خاقان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ خاقان نے سردار کو وصول سے بدلہ لینے کی قسم کھائی مگر اس نے موقع پا کر خود ہی خاقان کو قتل کر دیا چنانچہ خاقان کے قتل کے بعد خاقان کی طاقت ختم ہو گئی۔ (حوالہ مذکور)

نصر بن سیار کا تقرر:

120ھ میں ہشام نے مشہور مدبر اور تجربہ کار منتظم نصر بن سیار کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے نرم روی اور حکمت عملی سے رعایا کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ مظالم کا استیصال کر کے عدل و انصاف قائم کیا۔ نومسلموں سے جزیہ لینا ترک کر دیا۔ تعمیری کاموں کی طرف زیادہ توجہ دی اور لگان کے معاملے میں عرب اور غیر عرب کے امتیاز کو مٹا دیا۔ اس دانشمندانہ روش سے ملک میں ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا۔ (حوالہ مذکور)

آذربائیجان اور آرمینیہ کا محاذ:

آرمینیہ اور آذربائیجان کا علاقہ ہشامی عہد میں دوسرا محاذ جنگ تھا جہاں آٹھ سال تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ترکی فوجیں متحد ہو کر خاقان کے لڑکے کی سرکردگی میں لڑتی رہیں بالآخر وہ مارا گیا لیکن جنگ کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں کا عزم و حوصلہ دشمن کے مقابلے میں بلند ثابت ہوا اور داد شجاعت دیتے ہوئے ترکی فوجوں کو مکمل شکست دی اور مسلمان سپہ سالار مروان جو ایک لاکھ بیس ہزار کیل کانٹے سے لیس فوج کے ہمراہ ترکوں کے سارے علاقے تاخت و تاراج کرتا ہوا آگے بڑھا اس نے ترکوں کے متعدد شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا اور ان کی طاقت کو کچل کے رکھ دیا۔

خزر کا علاقہ اور تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو ارمنستان سے طبرستان تک پھیلی ہوئی تھیں، فتح ہو گئیں۔ ایشیائے کوچک میں بھی بہت سے معرکے ہوئے اور قونیہ، کمخ، قیساریہ، خرشنہ، مطمورہ اور دیگر کئی شہر اسلامی عملداری میں شامل کر لئے گئے۔ (ابن اثیر، ج 5، ص 80- یعقوبی، ج 2، ص 381)

صقلیہ (سسلی) پر حملہ:

ایک طویل عرصہ تک سسلی کا محاصرہ جاری رہا۔ جب سسلی والوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینا آسان نہیں تو انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح سسلی مملکت اسلامیہ کا حصہ بن گیا۔ (فتوح البلدان، ص 448)

سندھ کی مہمات:

سندھ میں جنید بن عبدالرحمان نے عرب سلطنت کو وسیع اور استوار کیا۔ راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں مسلمان ہو چکا تھا، کچھ دوسرے مرتد قبائل کے ساتھ مل کر پھر سے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

سب سے بڑا معرکہ دریائے سندھ کے کنارے پیش آیا جس میں جے سنگھ گرفتار ہو کر قتل ہوا اس سے فارغ ہو کر کیرج کے علاقہ پر جو باغی ہو چکا تھا دوبارہ قبضہ کر لیا گیا۔ کئی اور چھوٹی مہمیں کامیابی کے ساتھ سر ہوئیں۔ جنید چار سال تک سندھ کا گورنر رہا، اس عرصہ میں اس نے فتوحات کے علاوہ سندھ کے نظم و نسق کو بھی درست کیا۔ اس کے بعد اس کا جانشین تمیم نہایت نااہل ثابت ہوا۔ اس کے عہد میں بغاوتیں ازسرنو شروع ہو گئیں اور مسلمانوں کی تعمیری سرگرمیوں کو بھی بہت صدمہ پہنچا۔ ان

کی روانگی کے بعد حکم بن عوانہ گورنر مقرر ہوا جس نے باغیوں کی سرکوبی کی اور محفوظہ اور منصورہ کے دو شہر بسا کر دوبارہ پُر امن حکومت قائم کی۔ منصورہ آئندہ سے سندھ کا نیا دارالحکومت قرار پایا۔
(یعقوبی' ج 2' ص 380)

مسلمانوں کی فرانس میں پیش قدمی:

ہشامی عہد میں مسلمانوں نے فرانس میں مزید پیش قدمی کی۔ گورنر اندلس امیر عنبہ نے 107ھ میں قرقشونہ اور سپٹی مانیا کے علاقوں کو فتح کیا اور دریائے رون کی وادی سے گزر کر لیانس' برگنڈی اور ارٹن کو تہ و بالا کیا۔ بدقسمتی سے ایک دہقانی دستے سے جھڑپ ہو گئی جس میں امیر عنبہ کو متعدد مہلک زخم آئے اور وہ فوت ہو گئے۔

اس نے عروہ بن عبداللہ کو مستقل طور پر اندلس کا گورنر مقرر کیا۔ والئی اندلس کی حیثیت میں امیر عبدالرحمٰن کا تقرر تاریخ اسلام کا اہم واقعہ ہے۔ امیر عبدالرحمٰن حد درجہ اولوالعزم' عالی ہمت' مدبر' دوربین اور منتظم حکمران تھا۔ وہ عوام کے تمام طبقوں میں یکساں مقبول اور ہر دلعزیز تھا۔ اس نے حکومتی نظم و نسق میں خرابیوں کو دور کر کے اس کی اصلاح کی پھر اس نے فرانس پر حملے کا باقاعدہ پروگرام بنایا۔ اس نے ستر ہزار رضا کاروں' مجاہدوں اور باقاعدہ فوج پر مشتمل زبردست لشکر تیار کیا۔ مسلمان 114ھ میں فرانس کی حدود میں داخل ہوئے اثنائے سفر میں اسے اطلاع ملی کہ امیر عثمان بن ابی نعسہ نے بغاوت کر دی ہے۔ عثمان اندلس اور فرانس کے درمیانی علاقے کا صوبیدار تھا۔ کبھی اندلس کا گورنر بھی رہ چکا تھا لیکن معزول ہو جانے کی وجہ سے دلبرداشتہ تھا۔ یوں بھی بربری ہونے کے باعث عربوں کے خلاف کینہ رکھتا تھا چنانچہ فرانس کی ایک ریاست اکیوٹین کے ڈیوک (حاکم) سے جا ملا اور اس کی لڑکی سے شادی کر کے علانیہ بغاوت کر دی۔ ڈیوک آف اکیوٹین نے اب تنہا مسلمانوں سے جنگ کی لیکن شکست کھائی اور عبدالرحمان بڑھتا ہوا وادی گاران سے گزر کر بورڈو کی بندرگاہ پر جا قابض ہوا۔ لیانس' بساتکن' سینس اور یوئٹرز کے شہر بھی فتح کر لئے۔ (اخبار الاندلس' ج 1' ص 285)

اسلامی طاقت کا امڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر عیسائیوں کو اب ہوش آیا۔ جرمن شاہی دیوان کے ناظم چارلس مارٹل نے تمام ریاستوں سے فوجی اکٹھی کر کے ایک لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار کیا۔ چارلس ویسے تو ڈیوک آف اکیوٹین کا حریف تھا مگر اب ڈیوک نے عاجز آ کر اس سے مدد مانگی اور خود چارلس بھی سمجھ رہا تھا کہ اگر مسلمان فرانس کے شمال کی طرف اسی طرح بڑھتے گئے تو سارے یورپ پر قابض ہونے میں کوئی چیز ان کی مزاحم نہ ہو گی۔ رمضان 116ھ میں ٹورس کے قریب بہت لڑائی ہوئی۔ مسلمان جیت کے قریب تھے کہ کسی نے افواہ اڑا دی کہ عورتوں کا کیمپ خطرے میں ہے۔

عبدالرحمٰن نے بہت سمجھایا کہ یہ کیمپ سنبھالنے کا وقت نہیں ہے بلکہ اسلامی وقار برقرار رکھنے کا ہے اور اگر فتح نصیب ہوئی تو مال و دولت کی کیا کمی ہے لیکن فوج نے ایک نہ سنی اور کیمپ بچانے کو دوڑ پڑے۔ یہ حالت دیکھ کر دشمن کے ایک تازہ دم دستے نے شدت سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کو شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔ عبدالرحمٰن لڑتے لڑتے شہید ہوئے اور فوج رات کی تاریکی میں پیچھے ہٹ کر سپٹی مانیا تک

آ گئی۔ چارلس نے اسے بھی کوئی چال سمجھ کر تعاقب نہ کیا اور اس کی متحدہ فوج واپس جا کر بکھر گئی۔

(تاریخ عرب موسیو دسیو ترجمہ اُردو ص 171)

ایک مشہور مؤرخ لکھتے ہیں کہ ٹورس کے مقام پر مسلمانوں نے دنیا بھر کی حکومت ہاتھ آتے آتے کھو دی۔

شمالی افریقہ کے حالات:

122ھ تک ہشام کا ستارہ اقبال عروج پر تھا۔ افریقہ کے گورنر امیر عبداللہ بن حجاب کے عہد حکومت میں نہ صرف اندلس کے مسلمانوں نے دوبارہ فرانس کی جانب پیش قدمی کی بلکہ سوس، اقصیٰ، سوڈان اور صقلیہ بھی اسلامی حکومت میں شامل ہوئے لیکن یہ خوش آئند دور جلد ہی ختم ہو گیا کیونکہ اگلے سال بربری بغاوت اس شدت سے شروع ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصے میں سارے اسلامی افریقہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کا بہت بڑا سبب بربریوں اور عربوں کی قدیمی مناقشت تھی جو ان کے تمدنی تفاوت کا نتیجہ تھی۔ عرب اپنی تہذیب پر نازاں تھے لیکن طاقت میں حریفوں کے ہم پلہ نہ تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ افریقہ کے خارجی جو امویوں کے ہمیشہ سے دشمن چلے آتے تھے بربریوں سے مل گئے اور جوشیلہ نام سے ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا جو اپنے آپ کو سفیری کہتے تھے اور شدت تعصب کے باعث کسی قسم کے تشدد سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

بدقسمتی سے والئ طنجہ کا بربریوں سے سلوک اچھا نہ تھا اور اس نے نومسلم بربریوں سے خمس وصول کرنا چاہا اس پر وہ سیخ پا ہو گئے اور بربریوں سے مل کر بغاوت کر دی۔ میسرہ نامی ایک خارجی ان کا سردار بنا اور طنجہ پر دھاوا بول دیا اس وقت افریقہ کی بیشتر افواج صقلیہ گئی ہوئی تھیں اس لئے موقع اچھا تھا۔ پہلے ہی حملے میں عرب ہار گئے اور باغیوں نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثناء میں صقلیہ سے فوجیں واپس بلوا لی گئیں لیکن سخت معرکہ آرائی کے بعد عربوں کو پھر شکست ہوئی اور ان کے مشاہیر اس کثرت سے کام آئے کہ اس لڑائی کو غزوۃ الاشراف کہتے ہیں۔

(ابن قوطیہ، ص 16-17- ابن اثیر، ج 5، ص 78)

اس شکست کا اثر سپین کے سیاسی حالات پر بہت بُرا پڑا اور وہاں بھی بربریوں نے شورش بپا کر دی۔

ہشام کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے فوراً ابن الحجاب کی جگہ کلثوم بن عیاض کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا اور تیس ہزار فوج مدد کے لئے بھیجی۔ کلثوم راستے سے مزید کمک اکٹھی کرتا ہوا سیدھا قیروان پہنچا اور وہاں سے طنجہ کی طرف بڑھا۔ بربریوں نے بھی بہت بڑی فوج اکٹھی کر لی تھی۔ بقدورہ کے مقام پر دونوں فوجیں ٹکرائیں لیکن عربوں کو اس دفعہ پھر شکست ہوئی۔ کلثوم اور اس کے کئی نامور ساتھی مارے گئے۔

ہشام اب غضب ناک ہو گیا اس نے حنظلہ بن صفوان کلبی کو جو مصری قبطیوں کی بغاوت فرو کر چکا تھا، گورنر بنا کر افریقہ بھیجا۔ بربریوں نے آگے بڑھ کر قیروان کا محاصرہ کر لیا۔ اب محصور عربوں کی

جان پر بن گئی لیکن حنظلہ ایک تجربہ کار جرنیل اور بہادر حاکم تھا۔ اس نے اپنی جوشیلی تقریروں سے لوگوں کے جذبات کو ابھارا۔ دشمن کی بربریت کا نقشہ کھینچ کر انہیں جتایا کہ شکست کی صورت میں نہ صرف مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی رسوا اور قتل ہوں گے۔ اسلامی لشکر پر اس کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ سب جانفشانی پر آمادہ ہو گئے۔ بہادر عورتوں نے اندرون شہر کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور مردوں نے اس دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا کہ دو خطرناک جنگوں میں' جن میں دشمن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی' نہایت جانبازی سے لڑ کر انہیں شکست دی۔ دو لاکھ کے قریب بربری مارے گئے۔ مسلمانوں نے مسجدوں میں جمع ہو کر اس عظیم فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

بربریوں کی طاقت کا اب خاتمہ ہو گیا اور حنظلہ نے از سر نو تمام مفتوحہ علاقوں میں نظم و نسق کو درست کیا۔ (ابن قوطیہ' ص 16 تا 17- مجموعہ اخبار فتح اندلس' ص 38 تا 45 ملخصا)

خوارج کی بغاوت خاتمہ:

خارجی لوگ ابتداء ہی سے اموی بادشاہت کے خلاف تھے اور امویوں کو غاصب خیال کرتے ہوئے ان کے خلاف برسرپیکار رہتے۔ ظلم و تشدد کی وجہ سے عارضی طور پر ان کی تحریک عارضی اور وقتی طور پر دب جاتی مگر موقع ملنے پر وہ لوگ پھر اموی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے۔

عہد ہشام میں بھی خوارج نے موقع پا کر ملک کے مختلف علاقوں میں بغاوتیں کیں جن کے باعث حالات نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ عراق کے کئی حصوں میں خوارج نے سرکشی کی لیکن ان کی سرگرمیوں کو سختی سے کچل دیا گیا۔ 111ھ میں سیستان کے گورنر یزید بن طریف ہمدانی کو برسرعام اس کے گھر میں قتل کر دیا گیا۔ خالد بن عبداللہ القسری گورنر عراق نے اصبغ کلبی کو خوارج کی سرکوبی کے لئے مامور کیا لیکن اصبغ کی فوج پہاڑی علاقے میں گھر گئی اور خوارج نے اس کا قتل عام کرتے ہوئے صفایا کر دیا۔ حیرۃ' موصل اور دوسرے علاقوں میں بھی خارجیوں نے شورشیں برپا کر دیں لیکن خالد القسری نے بڑے تدبر اور بہادری سے ان بغاوتوں کو کچل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے ملکی نظم و نسق درست کیا اور ان علاقوں میں امن و امان بحال کر دیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 383- ابن اثیر' ج 5' ص 78)

زید بن علی کا خروج' شہادت اور اثرات:

اہل بیت سانحہ کربلا کے بعد قریباً خاموش تھے اور بنوامیہ کو ان کی طرف سے کوئی خاص خدشہ پیدا نہیں ہوا تھا لیکن ہشام کے عہد میں اس خاندان کے بزرگ امام زید بن علی بن حسین نے علم مخالفت بلند کیا لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ اپنے بزرگوں کی طرح انہوں نے بھی کوفیوں کی امداد پر بھروسہ کیا اور دھوکہ کھا گئے۔

ہشام نے والئی عراق یوسف بن عمر ثقفی کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا پہلے ہی معرکے کے بعد ان کے کوئی ہمراہی ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور پندرہ ہزار جانثاری کا دم بھرنے والے کوئی کم ہوتے ہوئے صرف دو سو رہ گئے لیکن اس تھوڑی سی جماعت کے ساتھ بھی ڈٹے رہے۔ آخر ایک تیر لگنے سے شہید ہو

گئے۔ ان کے ساتھیوں نے نعش کو دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا لیکن یوسف کو پتہ چل گیا۔ اس نے لاش نکلوا کر سولی پر لٹکا دی اور سر قطع کر کے ہشام کے پاس بھیج دیا۔

(مروج الذہب مسعودی' ج 3' ص 22۔ الفخری' ص 18 تا 19۔ یعقوبی' ج 2' ص 390)

زید بن علی کی شہادت کے نتائج:

حضرت زید بن علی کی شہادت کے اہم نتائج پیدا ہوئے جن کی وجہ سے آئندہ کے حالات پر خاصا اثر پڑا:

1- حادثہ کربلا کی وجہ سے خاندان اہل بیت کو جو سخت دھچکا لگا تھا اسے زید بن علی کی شہادت سے مزید عظیم نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

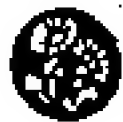
2- سنجیدہ اور اہل متانت لوگ پہلے ہی اموی حکومت کو ناپسند کرتے تھے۔ زید بن علی کی شہادت کے بعد عوام بھی حکومت سے نفرت کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت عوام کے اعتماد سے محروم ہو گئی۔

3- امام زید بن علی کی شہادت کے بعد ان کا احترام کرنے اور ماننے والے افراد نے فرقہ زیدیہ کی بنیاد رکھی۔ فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھنے والے لوگ پہلے تین خلفاء (حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کو جائز اور برحق مانتے ہیں۔ یہ لوگ یمن کے علاقے میں بڑی تعداد میں مقیم ہیں۔

4- ان دنوں اموی حکومت کے خلاف عباسی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ زید بن علی کی شہادت کے بعد لوگ اموی حکومت سے رنجیدہ ہو کر عباسی تحریک کے پُرزور مؤیدین میں شامل ہو گئے تاکہ اموی حکومت کا خاتمہ کر دیں۔

ہشام کی وفات:

ربیع الثانی 125ھ میں ہشام نے مرض خناق میں انتقال کیا اور اپنے نئے دارالحکومت رضافۃ الشام میں دفن ہوا۔ انتقال کے وقت عمر پچپن سال تھی اور مدت خلافت 19 سال 9 مہینے ہے۔



ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک

یزید بن عبدالملک اپنی زندگی میں ہشام کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر گیا تھا اس لئے ہشام کی وفات کے بعد وہ تخت نشین ہوا۔ ولید ہر اعتبار سے خلافت کے لئے نااہل تھا۔ امور مملکت سے غافل اور ہر وقت فسق و فجور میں غرق رہتا تھا۔ ہشام نے اپنی زندگی میں اسے سدھارنے کی بہت کوشش کی۔ زبانی سمجھایا' اس کے بُرے ساتھیوں کو اس سے الگ کر دیا۔ امیرالحج بنا کر مکہ بھیجا بالآخر وظیفہ بند کر دیا لیکن ولید کے مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ اس کی ضد اور بڑھتی گئی اور دونوں کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے کہ ولید ہشام کی قربت چھوڑ کر اپنی جاگیر پر اُردن چلا گیا۔ اس کی اصلاح سے مایوس ہو کر اکابرین کے مشورہ سے ولید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے مسلمہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی تھی لیکن ابھی اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ اس کا وقت آخر آ گیا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 597)

ہشام کی وفات کے وقت ولید اُردن میں تھا' یہیں اسے اطلاع ملی تو اس نے فوراً عباس بن عبدالملک کو فرمان لکھا کہ رصافہ جا کر ہشام کی تمام دولت اور متروکات کو اپنے قبضہ میں لے لو۔ ولید ہشام کے تمام وابستگان مملکت خصوصاً ان امراء سے بہت برہم تھا جو ولی عہدی سے اس کے اخراج کی تجویز میں شریک تھے چنانچہ تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے انتقام لیا انہیں بیک قلم ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 397)

اور ہشام کے تمام آدمیوں پر اتنی سختیاں کیں کہ اس کے خدام اس کی قبر پر جا کر روتے تھے۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 98)

ہشام کے ماموں' ہشام بن اسماعیل کو مکہ کی حکومت سے معزول کر دیا' ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کو کوڑوں سے پٹوا کر انہیں یوسف بن عمرو' گورنر عراق کے حوالے کر دیا۔ اس نے ان کو اتنی ایذائیں دیں کہ وہ اس کے صدمہ سے مر گئے۔ ان مظالم کے ساتھ اس کی حکومت کا آغاز ہوا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 100-101)

یحییٰ بن زید کا خروج اور قتل:

ولید کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد یحییٰ بن زید خراسان میں اُٹھے' ولید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حاکم خراسان کو لکھا کہ یحییٰ کو صوبہ بدر کر دو۔ وہ وہاں سے نکلے تو اپنی مختصر جماعت کے پاس نیشاپور چلے گئے۔ یہاں کے حاکم عمرو بن زرارہ کو ان کے ارادہ کا علم ہوا تو اس نے سلمہ بن احوز ہلالی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا اور خود بھی نکلا۔ جوزجان میں دونوں کا مقابلہ ہوا اس میں یحییٰ بن زید بن علی قتل ہوئے اور ان کی پوری جماعت کام آئی۔ (یعقوبی' ج 2' ص 398)

عباسی دعوت:

126ھ کے آخر میں امام محمد بن علی عباسی کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے اور عباسی دعوت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

ولید کی ناعاقبت اندیشی اور اس کے نتائج:

ولید کی فاسقانہ زندگی اور اس کے مظالم کی وجہ سے شروع سے ہی عوام الناس اس سے دلی طور پر نفرت کرتے تھے۔ اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس نے اپنے خاندان کے ارکان اور ان امراء اور قبائل کو بھی اپنا مخالف بنا لیا جن پر بنوامیہ کی حکومت اور قوت و سطوت کا دارومدار تھا۔ ہشام کے متعلقین سے انتقام کے سلسلہ میں اس نے ایک سنگین غلطی یہ کی کہ اس کے لڑکے سلیمان کو کوڑے لگوائے اور اس کا سر اور داڑھی منڈوا کر قید کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 103)

اس کے اس فعل سے ہشام کی اولاد اس سے برہم ہو گئی۔ مضری یا نزاری اور یمنی قبائل پرانے حریف تھے جبکہ بنوامیہ کی طاقت کا دارومدار زیادہ تر یمنی قبائل پر تھا اس بناء پر اموی خلفاء ان کی بڑی خاطر مدارات کرتے تھے۔ ولید نے ان کے امراء اور عمائدین کی بھی تحقیر و تذلیل کی اور ان کے مقابلہ میں بنو نزار کو بڑھانا شروع کر دیا جس سے ان کی قدیمی رقابت پھر اُبھر آئی۔

(کتاب التنبیہ والاشراف' ص 323)

خالد بن عبداللہ القسری یمنی قبائل کا بڑا ممتاز اور مقتدر سردار تھا۔ ہشامی عہد میں وہ عراق کا گورنر تھا۔ فیاضی طبع کی وجہ سے خطیر رقم کے خرچ کا حساب نہ دے سکا جس بناء پر ہشام نے اس کے رتبہ کو لحوظ رکھتے ہوئے اسے معزول کر دینے پر اکتفا کیا۔ (اخبار الطوال' ص 324-325)

ولید نے اپنے عہد حکومت میں سختی سے اس کا مطالبہ کیا جب خالد وہ رقم ادا نہ کر سکا تو ولید نے اسے والئی عراق یوسف کے حوالے کر دیا جو کہ اس سے تعصب رکھتا تھا۔ اس نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ ولید یہیں بس نہ کی بلکہ یمن کی اس تحقیر کو فخریہ نظم کیا تو اس سے یمنی قبائل کے جذبات بھڑک اُٹھے اور وہ اس کی مخالفت میں ہشام سے مل گئے جو اپنے بھائی سلیمان کی تحقیر و تذلیل کی وجہ سے ولید کے خلاف ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔

(کتاب التنبیہ والاشراف' ص 324)

یزید کی بیعت اور ولید کا قتل:

ولید اس وقت حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجرا میں تھا۔ یزید کے ہاتھوں پر بیعت کے بعد یمنی قبائل اسے لے کر نجرا پہنچے تو اس وقت ولید کو ہوش آیا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی لیکن مقابلہ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ناچار اسی مختصر جماعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانی 126ھ میں پیش آیا۔ اس وقت اس کی کل عمر بیالیس سال تھی اور اس کی مدت خلافت ایک سال دو مہینے ہے۔ (کتاب التنبیہ والاشراف' ص 324)

یزید ثالث بن ولید المعروف بہ یزید الناقص

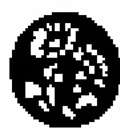
ولید کے قتل کے بعد رجب 126ھ میں یزید تخت نشین ہوا اس نے ولید کے دور کی فوج کی تنخواہ میں اضافہ کی بجائے ولید کے اضافہ کو گھٹا دیا تھا اس لئے یہ یزید الناقص کہلاتا تھا۔ یہ فطرتاً شریف النفس تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے جو خطبہ دیا اس میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے' حدود اللہ کی حفاظت کرنے' ملک سے فتنہ و فساد دور کرنے' عوامی ضروریات کی فراہمی اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ (الفخری' ص 121)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عوامی فلاح و بہبود چاہتا تھا مگر موت نے اسے یہ تمام وعدے پورے کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ وہ اپنے مختصر ترین عہد میں عراق' خراسان' حمص' فلسطین اور آرمینیہ کے علاقوں سے بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 114)

اپنے عہد حکومت میں اس نے ایک بڑی غلطی یہ کی تھی کہ اس کے باپ ولید نے جو فوجیوں کی تنخواہیں بڑھائی تھیں' ان میں کمی کر دی اس طرح فوج کی ہمدردیاں اس کے ساتھ وابستہ نہ رہیں۔
(تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 401- ابن اثیر' ج 5' ص 115)

وفات:

کل چھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ذوالحج 126ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت عمر 64 سال تھی۔ اسے بہت کم خلافت کا موقع ملا اور یہ مختصر مدت بھی بغاوتوں اور شورشوں میں گزری اس لئے اس کے عہد کا کوئی کارنامہ قابل ذکر نہیں ہے۔



ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

یزید نے اپنے بھائی ابراہیم کو ولی عہد بنایا تھا اس کی وفات کے بعد یہ خلافت پر متمکن ہوا لیکن وہ برائے نام خلیفہ تھا۔ عام طور پر اس کی خلافت تسلیم نہیں کی گئی اور چند ہی مہینوں میں مروان نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 119- یعقوبی' ج 2' ص 403)



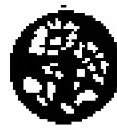
مروان ثانی بن محمد بن مروان الملقب بہ حمار

مروان ثانی نہایت پُر آشوب حالات میں برسراقتدار آیا۔ اس وقت اموی حکومت شدید بدنظمی اور انتشار کا شکار تھی۔ مضری اور یمنی قبائل کی کشمکش جاری تھی۔ مروان نے چونکہ مضری قبائل کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی اس لئے یمنی قبائل اس کے مخالف ہو گئے۔ ان کے اثرات سے شام میں بغاوتیں شروع ہو گئیں۔

ان بغاوتوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مروان نے دمشق کو چھوڑ کر حران کو دارالحکومت بنا لیا تھا اس کے اس اقدام سے شامی اس کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے شورش بپا کر دی۔ مروان نے فوجی کارروائی کر کے ان بغاوتوں کو کچل دیا۔ حضرت جعفر طیار کے پوتے عبداللہ بن معاویہ نے یمنی اور ربیعہ قبائل کی مدد سے بغاوت کی تھی مگر شکست کھائی۔

خوارج نے اس عہد میں بہت شورش بپا کی تھی اور انہوں نے ضحاک بن قیس شیبانی کو سردار بنا کر عراق میں شورش برپا کی تھی۔ مروان کے بیٹے عبداللہ نے فوجی کارروائی کر کے انہیں شکست دی اور ضحاک مارا گیا۔ اس کے بعد خوارج نے یکے بعد دیگرے خیبری اور شیبان بن عبدالعزیز کو سردار بنا کر بغاوت کی مگر مروان نے ان بغاوتوں کو کچل دیا اور کوفہ اور بصرہ پر مروان کا قبضہ ہو گیا۔

(یعقوبی' ج 2' ص 405- ابن اثیر' ج 5' ص 130)



تحریک عباسیہ

یوں تو رعایا کے کئی طبقے امویوں کے مظالم سے تنگ آ کر ان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن جس تحریک نے واقعتاً اموی حکومت کا خاتمہ کر دیا' وہ عباسی تحریک کہلاتی ہے۔ شیعان علی نے اموی حکومت کو کبھی بھی دل سے تسلیم نہیں کیا تھا چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر علوی خاندان میں امامت کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔

سانحہ کربلا کے بعد اہل بیت میں سے صرف حضرت زین العابدین ہی زندہ بچے جنہوں نے سیاست میں حصہ لینا پسند نہ کیا اس پر شیعہ حضرت علیؓ کے غیر فاطمی بیٹے محمد ابن الحنفیہ کی طرف مائل ہوئے اور ان کی قیادت میں سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ بعد میں ان کے صاحبزادے ابوہاشم عبداللہ اس تحریک کے قائد بنے۔ انہوں نے انتقال سے قبل اپنے حقوق حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی کو سونپ دیئے اس طرح یہ منصب بنو ہاشم کی بجائے بنوعباس میں منتقل ہو گیا۔

محمد بن علی پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسطین کے ایک چھوٹے سے گاؤں صمیمہ میں بیٹھ کر باقاعدہ اپنی خلافت کا دعویٰ کیا اور بڑی مستعدی سے عباسی پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اطراف و جوانب عباسی خلافت کے داعی یا مبلغ پھیلا دیئے جنہوں نے خفیہ طور پر اموی حکومت کی خامیاں بیان کر کے امام محمد بن علی کے حق میں بیعت لینی شروع کر دی۔ لوگ اموی حکمرانوں کے جور وستم سے پہلے ہی بیزار تھے اس لئے انہوں نے دعوت عباسیہ کو خوش آمدید کہا اور دھڑا دھڑ اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔

عوام کے دلوں میں اب یہ خیال راسخ ہونے لگا تھا کہ آل نبی کو خلافت و امامت کے حقوق واپس ملنے چاہئیں۔ یہی مطالبہ لے کر عباسیوں نے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ عوامی جذبات کے پیش نظر انہوں نے لفظ "عباس" کی بجائے لفظ "ہاشم" پر زور دینا شروع کر دیا تا کہ اپنے آپ کو صحیح طور پر آل رسول ثابت کر کے تمام مسلمانوں کو ساتھ ملا سکیں اور عوام پر واضح ہو جائے کہ عباسی تحریک کا مقصد وحید امویوں سے اہل بیت کا انتقام لینا ہے۔ جن کا حق خلافت وہ غصب کئے بیٹھے تھے۔ یزید ثانی کے زمانے میں چند داعی خراسان میں پکڑے گئے لیکن وہاں کے گورنر سعید نے معمولی بازپرس کے بعد انہیں چھوڑ دیا۔ ہشام کے زمانہ میں عباسی پراپیگنڈہ خراسان اور عراق کے کافی حصوں میں پھیل گیا تھا۔ 126ھ میں امام محمد بن علی انتقال کر گئے اور اپنے تینوں بیٹوں ابراہیم' ابوالعباس اور ابوجعفر کو سلسلہ وار جانشین بنا گئے۔ ابراہیم کے زمانے میں یہ تحریک بڑے زور سے چلی اس کی بڑی وجہ ابو مسلم خراسانی کا ظہور تھا۔

ابو مسلم خراسانی کی دریافت اور کردار

دعوت عباسیہ کی کامیابی اور بنوامیہ کی حکومت کو ختم کرنے میں اس شخص کا بڑا حصہ ہے۔ بنوعباس کو خوش قسمتی سے اپنی تحریک خلافت کو پروان چڑھانے کے لئے نہایت موزوں وقت پر ابو مسلم جیسے شخص کی خدمات حاصل ہو گئیں جس نے اپنی شجاعت اور سیاست سے ایک خواب کو حقیقت میں تبدیل کر دکھایا۔ اس کے حسب و نسب اور وطن کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ عرب لیکن اکثر کے نزدیک عجمی تھا اور فارسی نژاد نومسلم تھا اور پھر بعض اسے آزاد اور بعض غلام بتاتے ہیں۔ یہ اصفہان میں پیدا ہوا اور کوفہ میں عباسی داعیوں میں اس کی نشوونما ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق عباسی داعی عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے اس کی تربیت کی اور اسی کے ذریعے وہ عباسی تحریک میں شامل ہوا جبکہ بعض روایات کے یہ عیسیٰ بن ادریس اور معقل بن ادریس کا غلام تھا۔ یہ دونوں عباسی تحریک کی تبلیغ کے جرم میں قید کر دیئے گئے۔ ابو مسلم جیل میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ عیسیٰ اور معقل کے کچھ تحریکی ساتھی خفیہ طور پر اسے جیل میں ملنے آئے اور واپسی پر ابو مسلم کے چہرے پر ذہانت اور زیرکی کے آثار دیکھ کر امام محمد بن علی سے اس کے اوصاف بیان کئے۔ انہیں اپنی تحریک کے لئے ایسے ہونہار اور دانشمند لوگوں کی ضرورت تھی چنانچہ انہوں نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ ابو مسلم نے بہت جلد امام محمد بن علی کے مزاج میں رسوخ حاصل کر لیا اور ان کا قابل اعتماد رازدان بن گیا اور دوسرے داعیوں کے پاس ان کے خفیہ پیغام لے جانے لگا۔

(یہ تمام روایات ابن اثیر' ج 5' ص 93-94 اور اخبار الطوال' ص 339-340 میں ہیں)

امام محمد بن علی کے بعد امام ابراہیم نے بھی اسے خاص معتمد بنائے رکھا اور خراسان میں اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر بھیجا اور وہاں کے سب داعیوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا۔ ابو مسلم کے خراسان پہنچنے سے تحریک عباسیہ کا انقلابی دور شروع ہوتا ہے۔ درحقیقت بنوعباس کی حکومت کی بنیاد خراسان میں ہی رکھی گئی۔ ایرانی لوگ بنوامیہ کی خالص عربی حکومت سے پہلے ہی سخت بیزار تھے' ابو مسلم نے اپنے منظم پراپیگنڈے سے سب خراسانیوں کو' جن کی اکثریت ایرانی تھی عباسیوں کا حامی بنا لیا۔ دعوت عباسیہ کے کارکنوں یا نقیبوں کی ایک مجلس بنائی جس کا صدر سلیمان بن کثیر کو مقرر کیا۔ داعیوں اور نقیبوں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک عباسیہ کی دعوت خراسان کے شہروں کے علاوہ دیہات تک پہنچ گئی اور اس طرح لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس تحریک میں شامل ہو گئی جس کے بل بوتے پر ابو مسلم 25 رمضان المبارک 129ھ کو پرگنہ خاقان کے ایک گاؤں سفیدنج میں عباسیوں کا سیاہ جھنڈا "ظل" بلند کر کے منظر عام پر آیا اور اپنی تحریک کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

ابو مسلم کا اموی حریف گورنر خراسان نصر بن سیار تھا جو اگرچہ ایک دانشمند اور مدبر حکمران تھا لیکن ابو مسلم کے مقابلے میں ناکام رہا اس کی بڑی وجہ خلیفہ مروان کی غفلت تھی۔ اس میں شک نہیں کہ نصر کا تقرر ہشام نے کیا تھا جو بغاوتیں فرو کرنے کے معاملے میں اپنے گورنروں کی پوری تندہی سے مدد

کرتا تھا لیکن اس کا عہد خلافت ختم ہو رہا تھا اور اس کے جانشین سخت نااہل ثابت ہوئے اور آخری خلیفہ مروان ثانی نے تو غفلت اور تساہل کی انتہا کر دی۔ نصر اسے ایک طویل عرصے تک عباسی تحریک کے متعلق متواتر لکھتا رہا۔ ابومسلم اور اس کے ہمراہیوں کی حرکات کی مفصل اطلاع دی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ میری تحقیق کے مطابق یہ شخص ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی خلافت قائم کرنے کے لئے سازش کر رہا ہے۔ جب خلیفہ پر کچھ اثر نہ ہوا تو اس نے خط کے آخر میں چند اشعار لکھے جن کا مفہوم یہ ہے:

''مجھے راکھ میں چنگاری نظر آ رہی ہے جو عنقریب تیزی سے بھڑکنے والی ہے۔ آگ دو لکڑیوں سے روشن ہو جاتی ہے۔ اس طرح لڑائی کی ابتداء باتوں سے ہوا کرتی ہے اگر اس کا خاتمہ نہ کرو گے تو ایسی جنگ شروع ہو گی جس کے مصائب سے نوجوان بوڑھے ہو جائیں گے۔ میں تعجب سے پوچھتا ہوں کہ مجھے معلوم ہو کہ بنوامیہ جاگتے ہیں کہ سو گئے ہیں۔ اگر میری قوم سو گئی ہے' اگر میری قوم سو رہی ہے تو اس سے کہہ دو کہ بیدار ہو جائے کیونکہ اب کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔''

مروان اس وقت بدقسمتی سے خارجیوں سے نبرد آزما تھا۔ ابھی ان سے پوری طرح فارغ نہ ہوا تھا کہ شام میں نعیم بن ثابت الجذامی نے بغاوت کر دی۔ ان حالات میں مروان کے لئے نصر کو مناسب مدد بھیجنا ممکن نہ تھا ناچار جواب دیا کہ میں دور ہوں تم موقع پر موجود ہو' جو کچھ سمجھ میں آئے کر لو۔ نصر اس جواب سے مایوس ہوا اور ابن ہبیرہ گورنر عراق سے امداد کی درخواست کی لیکن عراق بھی دعوت عباسیہ کی زد سے بچا ہوا نہ تھا' وہاں محمد بن علی کے غلام میسرہ اور اس کے مرنے کے بعد بکر بن ماہان کی لگاتار کوششوں سے یہ تحریک کافی زور پکڑ چکی تھی۔ ابن ہبیرہ ان فتنوں میں کافی الجھا ہوا تھا اس لئے اس نے نصر کے خط کا کوئی جواب نہ دیا۔

نصر کے اس طرح کمزور ہونے سے ابومسلم کی طاقت بہت بڑھ گئی' اس نے خراسان میں محض عربی اور عجمی کا سوال پیدا کر کے فائدہ نہیں اٹھایا تھا بلکہ خود عربوں سے یمنی اور مصری قبائل کو اکسا کر باہمی خانہ جنگی کرا دی۔ یہ لوگ اس قدر عاقبت نااندیش واقع ہوئے تھے کہ عباسی خطرے کے پیش نظر بھی اپنے اندرونی اختلافات کو نہ مٹا سکے۔

نتیجہ ظاہر تھا' ابومسلم کے اقتدار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ اس نے نصر کی فوجوں کو شکست دے کر خراسان کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا۔ نصر کو جب کہیں سے بھی مدد نہ ملی تو خراسان سے بھاگ کر 'رے' آیا اور وہاں سے ہمدان کی جانب چلا گیا لیکن راہ میں ساوہ کے مقام پر بیمار ہو کر 12 ربیع الاول 131ھ میں پچاس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اثنائے سفر میں مرنے سے پہلے مروان کو آخری خط لکھا جس میں یہ درج تھا کہ ''چونکہ اس فتنہ کو فرو کرنے سے عاجز رہا ہوں اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اتنی ترقی کرے گا کہ تمام ممالک اس سے متاثر ہو جائیں گے۔''

مروان ابھی یہ خط پڑھ ہی رہا تھا کہ اس کے جاسوس ایک قاصد کو پکڑ کر سامنے لائے جو ابومسلم کا ایک خط لئے امام ابراہیم کے پاس لے جا رہا تھا۔ مروان نے اس کو ایک کثیر رقم بطور رشوت دے کر

یہ ہدایت کی کہ امام ابراہیم کے پاس بدستور جائے اور جو جواب وہ دیں' وہ لا کر پھر اسے دکھائے۔ اس نے اسی طرح کیا اور ابراہیم کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب مروان کے آگے لا رکھا جس میں ابومسلم کو سخت جدوجہد کرنے اور اپنے دشمن کے خلاف حیلہ سے کام لینے کی تاکید کی تھی اور حکم دیا تھا کہ خراسان کے تمام عربوں کو قتل کر دیا جائے۔

مروان نے قاصد کو روک لیا اور دمشق کے گورنر کو حکم دیا کہ بلقاء کے عامل کو بھیج کر صمیمہ سے امام ابراہیم کو گرفتار کر لیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ امام ابراہیم گرفتار کر کے مروان کے سامنے پیش کیے گئے۔ پہلے تو انہوں نے ابومسلم کی سازش کی شرکت سے قطعی انکار کیا لیکن جب مروان نے ابومسلم کے نام ان کا لکھا ہوا دستی خط آگے رکھ دیا اور قاصد کو گواہی کے لئے بلایا تو امام ابراہیم خاموش ہو گئے۔ مروان نے انہیں قید کر کے مروا ڈالا۔

امام ابراہیم کے گرفتار ہو جانے کے بعد ان کے دونوں بھائی ابوالعباس اور ابوجعفر صمیمہ میں خطرہ محسوس کرنے لگے اور بھاگ کر کوفہ آ گئے۔ ابومسلم کو خبر ملی تو وہ بھی کوفہ آیا اور ابوالعباس کی بیعت کر کے انہیں ابراہیم کا جانشین قرار دیا۔ ابوالعباس نے حکم دیا کہ خراسانی عرب جو عباسی دعوت قبول کرنے سے انکار کریں' قتل کر دیے جائیں۔

حکومت عباسیہ کا قیام اور بنوامیہ کا خاتمہ:

نصر کے فرار کے بعد خراسان میں عباسی حکومت کے قیام میں کوئی مزاحمت باقی نہ تھی البتہ چند ایک عرب قبائل سے ابومسلم ضرور خائف تھا۔ اس خدشہ کو دور کرنے کے لئے اس نے قبیلہ ربیعہ کے پیشرو کرمانی کے دونوں بیٹوں علی اور عثمان کو قتل کرا دیا اس کے بعد قحطبہ کو عراق کی فتح پر مامور کیا۔ وہ رے' اصفہان' نہاوند فتح کرتا ہوا حلوان تک پہنچ گیا اور والئی عراق ابن ہبیرہ کو شکست دی۔ قحطبہ خود بھی جنگ میں مارا گیا لیکن اس کا بیٹا حسن فوج کی کمان سنبھال کر کوفہ میں داخل ہوا یہاں ابوالعباس اور ابوجعفر ابھی تک ایک داعی کے ہاں قیام پذیر تھے۔ کوفہ فتح ہو جانے کے بعد وہ برسر عام رونما ہوئے۔

ربیع الاول 132ھ میں ابوالعباس نے داعیوں سے کھلم کھلا بیعت لے کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھا۔

پانی سر سے گزر گیا تو مروان بھی بیدار ہوا۔ ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر دریائے زاب کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ ابوالعباس نے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مقرر کیا۔ جمادی الآخر 132ھ میں ساحل زاب پر تاریخ اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں مروان کو شکست فاش ہوئی اور اموی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ مروان بھاگ کر پہلے موصل گیا لیکن وہاں کے لوگوں نے کوئی ہمدردی ظاہر نہ کی۔ موصل سے حران آیا لیکن یہاں بھی کسی نے پرواہ نہ کی۔ ادھر عباسیوں کی متعاقب فوجیں پیچھے لگی ہوئی تھیں ناچار مصر کی طرف بھاگ گیا لیکن عباسیوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور ایک دستہ ابوعون اور صالح کی سرکردگی میں وہاں بھی جا پہنچا۔ بوجیر کے مقام پر ذی الحجہ 132ھ میں آخری مقابلہ ہوا جس میں مروان قتل ہوا۔

عباسیوں نے اس غیر معمولی فتح کے بعد امویوں کو چن چن کر قتل کیا مگر اس پر بھی ان کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہوئی تو ان کے بزرگوں کی قبریں اکھڑوا کر لاشوں سے بدلہ لیا۔ خلیفہ ہشام کی لاش سالم نکل آئی۔ اسے سولی پر لٹکا دیا۔ سوائے کم سن بچوں اور عورتوں کے شاید ہی کوئی ان کے ہاتھوں سے بچا ہو۔ ایک خوش قسمت اموی شہزادہ عبدالرحمن بچ بچا کر اندلس جا پہنچا اور وہاں اس نے بنوامیہ کی ہسپانوی خلافت کی بنیاد رکھی۔

اس انقلاب کا نہایت المناک پہلو یہ ہے کہ حکومت قائم ہو جانے کے بعد بنوعباس کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور نے ابومسلم سے نہایت سفاکانہ سلوک کیا حالانکہ تحریک عباسی کی شاندار فتح کا سہرا صرف ابومسلم کے سر ہے۔ اس نے اپنی سیاست اور شجاعت سے جو کچھ خراسان میں کر دکھایا وہ اسی کا حصہ تھا اور یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ خراسان میں انقلاب بپا کیے بغیر کوفہ میں ابوالعباس کی خلافت کا اعلان کبھی ممکن نہ تھا۔ ان حالات میں ابوالعباس اور ابوجعفر اپنے محسن اعظم کی خدمات کو جس قدر بھی سراہتے کم تھا لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد خیالات و عقائد اکثر بدل جاتے ہیں۔

ابوالعباس کے زمانہ میں تو ابومسلم بدستور خراسان کا گورنر اور خلیفہ کا مشیر خاص رہا لیکن ابوجعفر دنیاوی سیاست کی طرف زیادہ راغب تھا اس کے دل میں ابومسلم کی طرف سے کچھ ذاتی حسد وعناد اور کچھ سیاسی بدظنی پیدا ہو گئی چنانچہ دربار میں بلا کر نہایت سفاکی سے اپنے سامنے قتل کروا ڈالا۔ اپنے وقت کے ایک عظیم ترین مدبر کا یہ انجام واقعی حسرت ناک اور عبرت آموز ہے۔ (تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین، از ص 311 تا 318)



عہد بنو اُمیہ پر تبصرہ

بنو اُمیہ کے زوال کے اسباب

دور بنو امیہ جو 14ھ میں امیر معاویہؓ کی حکمرانی سے شروع ہوا تھا۔ صرف نوے (90) سال کے بعد 132ھ میں مروان ثانی کے (عبداللہ بن علی کا مقابلہ کرتے ہوئے) جنگ زاب میں ہلاک ہونے پر اختتام پذیر ہوا۔ اس کے زوال کے کئی اسباب ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

1- مطلق العنان شخصی بادشاہت:

عہد بنوامیہ کے خاتمے کی سب سے بڑی اور اہم وجہ شخصی بادشاہت اور مطلق العنانی شمار کی جاتی ہے۔ اس کی کامیابی کی ضمانت حکمرانوں کی ذاتی قابلیت اور اہلیت ہوتی ہے۔ بنوامیہ جس کا آغاز حضرت امیر معاویہ نے کیا تھا جب تک اس کی باگ ڈور عبدالملک' ولید اوّل اور ہشام جیسے بیدار مغز اور مدبر حکمرانوں کے ہاتھ میں رہی' مشرق و مغرب دور دور تک ان کی حکمرانی کا ڈنکا بجتا تھا۔ کسی قوم اور کسی حکمران میں ان کے آگے بند باندھنے کی ہمت نہ تھی اسی لئے سپین' افریقہ' ترکستان' سندھ' عراق' شام اور بحیرہ روم کے جزائر پر ان کا پورا پورا قبضہ تھا اور انہوں نے سماجی' معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں نہایت اہم اصلاحات جاری کیں۔

جبکہ ہشام کے بعد ان کے تینوں جانشین ولید ثانی' یزید ثالث اور ابراہیم نہایت نااہل ثابت ہوئے۔ تلوار کی جگہ طاؤس و رباب میں خوش رہنے لگے۔ آخری حکمرانوں میں سے اکثر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کنیزوں کی کوکھ سے جنم لے کر تخت حکومت تک پہنچے تھے' خون کی اس ملاوٹ نے بنوامیہ کی تمام انفرادی خاصیتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ آخری دور کے حکمران یہ دعویٰ نہ کر سکتے تھے کہ وہ خالص عربی خون کی پیداوار ہیں۔ پروفیسر فلپ ہٹی ان حکمرانوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''صحرائے عرب کے بچوں کو تمدن کی مخصوص آفتوں نے جو شراب و شباب' رقص و سرود پر مشتمل ہیں' آ گھیرا اور نوخیز عرب قوم کے اعضاء میں گھن لگانا شروع کر دیا۔''

2- خلفاء کی نااہلی:

جب تک امیر معاویہؓ' عبدالملک' ولید' ہشام اور عمر بن عبدالعزیز جیسے صاحب لیاقت اور مدبر حکمران تخت پر براجمان رہے' امیہ دور میں ترقی کے ساتھ ساتھ خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ جونہی آخری حکمران عمر بن عبدالعزیز کا دور ختم ہوا تو اموی اقتدار پھر عیاشی اور راگ رنگ کی طرف جھکنے لگ گیا۔ انہوں نے ذاتی خواہشات کو زیادہ ترجیح دینا شروع کر دی اور عوام کے مفاد کو پس پشت ڈال دیا اور یہی ان کے زوال کا باعث بن گیا۔

3- جانشینی کے اصولوں کا فقدان:

دور بنوامیہ میں گو عنان حکومت ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں رہی تھی مگر جانشین کے تقرر کے لئے کوئی ضابطہ یا اصول مقرر نہ کیا گیا تھا۔ یزید کے مرنے کے بعد جب مروان نے عنان حکومت سنبھالی تو ایک کی بجائے دو دو جانشین مقرر کرنا شروع کر دیئے جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ پہلا جانشین جونہی اقتدار حاصل کرتا وہ دوسرے جانشین کے خلاف ہو جاتا اس کی کوشش ہوتی کہ اسے ختم کر دے تاکہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو تخت کا وارث مقرر کر سکے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مروان نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو جانشین مقرر کیا۔ عبدالملک نے عبدالعزیز کو راستے سے ہٹا کر اپنے بیٹوں ولید اور سلیمان کو عبدالعزیز کی جگہ نامزد کیا بعدازاں سلیمان اور ہشام نے بھی یہی روش اپنائی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس باہم رسہ کشی کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ خاندان بنوامیہ دن بدن کمزور ہوتا گیا۔ آخر مخالفین کو اُبھرنے کا موقع ہاتھ آ گیا اور وہ حکومت کا تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

4- سپہ سالاروں کے ساتھ ناروا سلوک:

جن وفادار اور قابل سپہ سالاروں' امراء اور رؤساء کی کوششوں اور محنتوں سے خاندان بنوامیہ ترقی حاصل کی اور مزید حاصل کرتا جا رہا تھا' ان جرنیلوں ~~کے ساتھ~~ حکمرانوں کا رویہ بدل گیا تھا اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا جیسے موسیٰ بن نصیر پر سلیمان نے ظلم ڈھائے۔ یزید بن عبدالملک نے آل مہلب پر ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ حکمرانوں کے اس سلوک نے ان رؤساء' امراء اور جرنیلوں کے اندر نفرت پیدا کر دی چنانچہ ان کی ہمدردیاں حکمرانوں کے خلاف ہو گئیں۔

5- اخلاقی انحطاط:

اقوام عالم کے عروج و زوال میں اخلاق کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ جب تک کسی قوم کا اخلاق بلند رہتا ہے' قوم ترقی کرتی رہتی ہے جونہی وہ اخلاق کا دامن چھوڑتی ہے ذلت اور پستی کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہی کچھ حکمرانان بنوامیہ کے ساتھ ہوا۔ جب تک وہ شعائر اسلام کے پابند رہے' ترقی کرتے رہے۔ جونہی انہوں نے اپنے آپ کو لہو ولعب اور عیش وعشرت کا دلدادہ بنانا شروع کیا اور اپنے آپ کو اخلاقی ذمہ داریوں سے بالاتر مخلوق سمجھنا شروع کر دیا تو لوگ ان کے خلاف ہو گئے۔

پانچویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد آنے والے اکثر حکمرانوں نے شراب نوشی' حسن پرستی' موسیقی' راگ رنگ' ناچ گانا اور کنیزوں کو اپنے حرم میں داخل کرنے کو اپنی زندگی کا لازم حصہ بنا لیا تھا' ان کے اس رویہ نے حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ جب ایسے لوگ مسند اقتدار پر آئے تو خاندان بنوامیہ کے مخالفین کو انہیں اقتدار سے محروم کرنے میں بہت آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

6- عمال اور گورنروں کا ظلم:

حجاج بن یوسف جو بنوامیہ کا کرتا دھرتا حکمران تھا' اس کے متعلق یہ بات وثوق سے کہی جا رہی تھی کہ اس نے اپنے دور اقتدار میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد بے گناہ لوگوں کے سر قلم کروا دیئے

تھے جسے وہ اپنی سلطنت کی مضبوطی خیال کرتا تھا لیکن اس کے ظلم و ستم نے عوام کو اس حد تک مجبور کر دیا کہ وہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگے اور حق کا مطالبہ شروع کر دیا جو آخرکار اموی حکومت کے خاتمے پر منتج ہوا۔

7- غیر اسلامی روایات کا رواج:

دین اسلام بڑا سادہ سا مذہب ہے اور ہر اس رسم کی مخالفت کرتا ہے جو اس کے اصولوں کے خلاف ہو جیسے امراء بنوامیہ نے خلافت کو ملوکیت میں بدلا' بیت المال کو غیر شرعی کاموں میں بلکہ اپنے ذاتی مصارف میں استعمال کرنے کو جائز سمجھا جاتا تھا' مسلمانوں کو بیت المال سے جو وظائف ملتے تھے وہ صرف شاہی رشتہ داروں اور خوشامدیوں کو دیئے جانے لگے۔ بنوامیہ نے مسلمان کو کافر کا وارث بنا دیا مگر غیر مسلمان کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ گو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ غیر شرعی قانون منسوخ کر دیا تھا مگر ان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد منسوخ شدہ قانون پھر رواج پا گیا جبکہ ہشام بن عبدالملک نے مال غنیمت میں حاصل ہونے والے تمام سونے چاندی کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا اور باقی مال حسب قاعدہ دوسروں میں تقسیم کرنے کا فرمان جاری کیا۔ اموی خلفاء میں قیصر و کسریٰ کی زندگیوں کے نمونے نظر آنے لگ گئے تھے جبکہ مسلمان انہیں خلفاء راشدین کے انداز میں دیکھنا چاہتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا جس بناء پر صالح مسلمان خاندان بنوامیہ کے خلاف ہو گئے جو اس خاندان کے زوال کا باعث ثابت ہوا۔

8- نسلی تفاخر:

اموی دور میں تقویٰ و پرہیزگاری کی بجائے ذات برادری' رنگ و نسل اور عربی و عجمی کا فرق پیدا ہو گیا تھا جس کے نتائج اچھے نہ تھے۔ شامی اور عربی ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نومسلم عجمیوں نے بنوامیہ کے مخالف ابومسلم خراسانی کی بھرپور امداد کرنا شروع کر دی اور بنوعباس امویوں سے اقتدار چھیننے میں کامیاب ہو گئے۔

9- قبائلی تعصب:

اموی دور میں مسلمانوں کا اتحاد ختم ہو گیا' قبائل اُبھر کر سامنے آنے لگے تھے اور ملک میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اُٹھی جس سے حکومت کی سیاسی قوت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی گو بنوامیہ کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کافی فہم و فراست کے مالک تھے' انہوں نے تمام قبائل کو قابو میں کر رکھا تھا۔ جب مروان اوّل کا دور شروع ہوا تو قبائل کی دشمنیاں کھل کر سامنے آ گئیں' کے اثرات اموی فوج پر بھی ثبت ہوئے۔ اس خانہ جنگی سے عربوں کو خواہ وہ مملکت میں کہیں بھی موجود تھے یعنی سپین' سندھ' شام' عراق' خراسان اور ترکستان شکار بنا گیا۔ اس خانہ جنگی کا فائدہ بھی ابومسلم خراسانی اور عباسی دعویداروں کو پہنچا جنہوں نے اس کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور اموی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہوئے۔

10- خوارج کا ظہور:

شیعان علیؓ کے برعکس ایک اور مخالف گروہ جو جنگ صفین کے بعد میدان میں ظاہر ہوا وہ جمہوریت اور مساوات کے بڑے حامی تھے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خلافت کا عمل انتخابی اور جمہوری طریقہ سے قائم کیا جائے جبکہ بنوامیہ نے اسے موروثی بنا لیا تھا۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ کی اطاعت صرف اس صورت میں لازم سمجھتے تھے جب تک وہ عدل و انصاف اور راہ اصلاح پر قائم رہے' اگر خلیفہ ایسا نہیں کرتا تو خوارج کے نزدیک خلیفہ کا قتل جائز تھا۔ ان کا رویہ بہت متشدد ہوتا تھا گو ان کی تعداد کم تھی مگر جرأت' حوصلہ اور عزم و استقلال میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ یہ فرقہ بنوامیہ کے خلاف مملکت کے گوشے گوشے میں فتنہ و فساد برپا کر رہا تھا' ان کی بغاوتوں کا سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا جس سے بنوامیہ کی بنیادیں کمزور پڑ گئیں۔ گنتی کے چند خوارج ہزاروں امویوں پر بھاری ثابت ہوتے تھے اور امویوں کو پے در پے شکستیں دیتے تھے۔ ان کی یہی ولولہ انگیز اور جسارت مندانہ سرگرمیاں اموی خاندان کے زوال اور خاتمے کا سبب بن گئیں۔

11- بزرگان دین کی مخالفت:

عہد بنوامیہ میں ایسے بزرگ موجود تھے جنہوں نے عہد نبوی اور خلفاء راشدین کے زمانہ کو بنظر غائر دیکھا تھا یا ان بزرگوں کی اولاد تھی جن کی پرورش خالص اسلامی انداز سے کی گئی تھی اور ان کی ہر وقت یہی کوشش ہوتی تھی کہ خلفاء راشدین کی طرح کا نظام قائم کیا جائے اسی بناء پر وہ ہر اس گروہ یا جماعت کا ساتھ دیتے تھے جو بنوامیہ کی مخالفت ہوتا تھا۔ ان تحریکوں کو عبداللہ بن زبیر نے بھی بہت تقویت پہنچائی' نیز بنوامیہ کے مخالفوں کو ہمیشہ اس قسم کے بزرگوں کی تائید و حمایت حاصل رہی جو امیوں کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

12- بیت المال کی بدنظمی:

اسلام میں بیت المال قوم کی امانت ہوتا ہے اور اس میں خیانت کرنے والا مجرم ہوتا ہے جبکہ اموی خلفاء نے بیت المال کو ذاتی ضرورتوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا جو اسلامی لحاظ سے بہت بڑی بددیانتی تھی جن لوگوں کو بیت المال سے وظیفے دیئے جاتے تھے' وہ بند کر دیئے گئے۔ انصار کی امداد بیت المال سے اس لئے بند کر دی گئی تھی کہ انہوں نے اہل بیت کی حمایت کرنا شروع کر دی تھی جو بنوامیہ کے زوال کی ایک وجہ بن گئی تھی۔

13- شیعان علی:

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے دو حصے بن گئے ایک حضرت علیؓ کی حمایت کرتے تھے جو شیعان علی کہلاتے تھے جبکہ دوسرے خون عثمانؓ کے قصاص کے طالب تھے اور یہ امیر معاویہ کے ساتھ مل گئے تھے۔ شیعان علیؓ خلافت اہل بیت کا حق سمجھتے تھے اور بنوامیہ کو غاصب گردانتے تھے۔ ان

میں زیادہ اشتعال سانحہ کربلا کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے شہادت حضرت حسینؓ کے بعد عباسیوں کا مکمل ساتھ دیا جو امویوں سے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

14- موالی کے ساتھ امتیازی سلوک:

جن عجمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا انہیں ''موالی'' کہا جاتا تھا۔ اسلام کسی قسم کی تفریق یا امتیازی سلوک کی اجازت نہیں دیتا مگر خلفاء بنوامیہ عرب اور غیر عرب میں ایک خاص فرق روا رکھتے تھے۔ موالی جزیہ بھی ادا کرتے تھے مگر ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا جبکہ عربوں کو بہت زیادہ مراعات حاصل تھیں اس طرح ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی چلی گئی تو انہوں نے ابومسلم خراسانی کا ساتھ دینے کے لئے ہاشمی تحریک چلائی اور اپنے اوپر روا رکھے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بھی بلند کی جو امویوں کے زوال کا سبب بن گئی۔

15- ایرانیوں کی مخالفت:

عربوں نے ایران فتح کر کے ان کو زیر کر لیا تھا مگر ایرانی پھر بھی اپنی عظمت اور سطوت کو اپنے دلوں میں قائم رکھے ہوئے تھے۔ اموی حکومت بھی خالص عرب حکومت تھی اس لئے ایرانیوں نے ہر اس تحریک کی پشت پناہی کی جو اموی خلافت کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ تحریک ابومسلم خراسانی اور تحریک عباسی کی کامیابی کا بڑا سبب بھی ایرانیوں کی عرب دشمنی تھی نیز خود اموی حکومت کی طرف سے بھی ایرانیوں پر بہت زیادہ زیادتیاں کی گئی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مخالفت نے عوامی تحریک کی صورت اختیار کر لی جو کہ زوال کا سبب بن گئی۔

16- اقتصادی بحران:

کسی ملک کی اقتصادیات کا اس ملک کے عوام اور حکومت کے عروج و زوال پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ اموی خلفاء جنگ و جدل اور عیش پرستی میں پڑ گئے تھے۔ ملکی دولت صرف چند ہاتھوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ عوام کی حالت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی اور عوام اموی حکومت کے خلاف ہوتے جا رہے تھے جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ شعوبی تحریک نے جنم لیا جو عجمی قوم پرستوں کی تحریک تھی اس کا سب سے زیادہ فائدہ ابومسلم کو حاصل ہوا جس نے اموی حکومت کو گرانے اور عباسی حکومت قائم کرنے میں بہت زیادہ تعاون کیا۔

17- سانحہ کربلا:

اموی دور کا سیاہ کارنامہ سانحہ کربلا ہے جس میں حضرت علیؓ کے پورے خاندان کو شہید کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ نے پورے عالم اسلام کے دلوں میں امویوں کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا گو امیر معاویہؓ کے دور سے ہی بہت سے مسلمان اس حکومت سے خوش نہیں تھے مگر جب ان کے بیٹے نے تخت پر قدم رکھتے ہی حضرت حسینؓ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو بیعت کے لئے مجبور کیا اور بیعت نہ کرنے کے جرم میں انہیں جنگ کرنے پر مجبور کر دیا' جنگ بے شک یزید نے جیت لی مگر وہ مسلمانوں کے دل

جیتنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ سانحہ کربلا کے بعد ہر طرف سے تحریکیں اُٹھنے لگیں اور کئی فرقے وجود میں آگئے جو سب کے سب امویوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ بنوہاشم کے نام سے اُبھرنے والی ہر تحریک میں لوگ جوق در جوق شامل ہو جاتے اور مکمل تعاون بھی کرتے اس کا فائدہ عباسیوں کو حاصل ہوا جو بالآخر امویوں کا تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہوئے۔

18- عباسی تحریک:

اس تحریک کا آغاز حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور اقتدار میں ہوا اور عہد ہشام میں یہ تحریک عروج پر پہنچ گئی۔ اس کے داعی لوگ تاجروں اور پیشہ وروں کے روپ میں پورے ملک میں پھیل گئے اور اپنی دردمندانہ تقریروں سے عوام کے دلوں کو اہل بیت کی بے گناہ شہادت اور ان پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم سے بھر دیا اور ان کے اندر جوش و جذبہ اُبھارا۔ عوام ایک انقلاب برپا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ عباسیوں کی یہ بھی خوش قسمتی کہیے کہ انہیں ابومسلم خراسانی جیسا مدبر، عالی دماغ اور بلند حوصلہ شخص میسر آ گیا جس نے امویوں کو نیست و نابود کرنے میں بنوعباس کا بھرپور ساتھ دیا اور عباسی خاندان کی حکومت قائم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوا۔

عہد بنواُمیہ میں جنم لینے والی تحریکیں، مقاصد اور نتائج

معتزلہ

بنواُمیہ کے دور حکومت میں معتزلہ اور اشاعرہ نامی تحریکیں سامنے آئیں۔ معتزلہ میں متکلمین اور فلاسفہ کا ایسا گروہ شامل تھا جس نے عام مروجہ روش سے ہٹ کر دین اسلام کے عقائد کو عقل کی میزان میں ڈھالنا شروع کر دیا اور چند ایسے عقائد وضع کر لئے جو علماء اسلام کے صحیح عقائد کے برعکس تھے جس بناء پر عام مسلمانوں اور متکلمین کے مابین اختلاف نے جنم لیا اسی بناء پر اس گروہ کا نام ہی معتزلہ مشہور ہو گیا تھا۔ فرقہ معتزلہ دراصل علماء اہل سنت کے مذہبی عقائد میں اندھی تقلید کے خلاف احتجاج اور ردعمل کی بناء پر وجود میں آیا۔ یہ لوگ خود کو ''اہل التوحید والعدل'' کہتے تھے۔

اس فرقہ کا بانی واصل بن عطاء حضرت حسن بصریؒ کا شاگرد تھا۔ ہوا یوں کہ 110ھ میں حضرت حسن بصریؒ گناہ کبیرہ وصغیرہ اور ایمان کے تعین کے موضوع پر درس دے رہے تھے تو واصل نے اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے اور نہ کافر بلکہ بین بین ہے اور احتجاجاً یہ اپنے استاذ کی مجلس سے الگ ہو گیا اور اپنے ہم خیال چند ایک طلبہ کو لے کر مسجد کے ایک کونے میں جا بیٹھا جس پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: اعتزل عنا. وہ ہم سے الگ ہو گیا۔ اس دن سے اس گروہ کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

واصل بن عطاء چونکہ عقلیت پسند تھا اس لئے اس نے اسلامی نظریات وعقائد کو یونانی فلسفہ اور افکار کی روشنی میں پرکھنا شروع کر دیا اور اس نے اسلامی عقائد پر کھلم کھلا تنقید کی بظاہر وہ اسلامی نظریات اور عقائد کی مدافعت کا دعویٰ کرتا تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ بہت کم عرصہ میں کثیر تعداد میں لوگ واصل بن عطاء کے گرد جمع ہو گئے چنانچہ انہوں نے ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی اور کھلے عام اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔

معتزلہ کے عقائد و افکار

ان کے عقائد ونظریات کا خلاصہ یہ ہے:

1- تقرر امام کا وجوب:

ان کے نزدیک تقرر امام شرعاً واجب ہے اگرچہ کچھ معتزلہ اس نقطۂ نظر سے اختلاف رکھتے تھے۔ یعنی وہ سرے سے امام کی ضرورت لازمی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر امت اپنے آپ کو خود عدل پر قائم رکھے تو امام کا تقرر فضول ہے۔

2- امام کا انتخاب:

امام کا انتخاب یا تقرر اُمت پر چھوڑا گیا ہے اور اُمت ہی کے انتخاب سے امامت قائم ہو جاتی ہے۔ کچھ نے یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ امامت کے انعقاد کے لئے تمام اُمت کا اتفاق ہونا لازمی ہے اور اگر فتنہ وفساد کے حالات ہوں تو امام کا تقرر نہیں کیا جا سکتا۔

3- امامت کی شرائط:

امت جسے چاہے امام مقرر کر سکتی ہے البتہ اس کا مسلمان اور صالح ہونا شرط ہے۔ کچھ معتزلہ کے خیال میں امام کا عجمی ہونا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اگر کوئی موالی یعنی آزاد کردہ غلام مقرر کر لیا جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہوتا ہے اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ امام کے حامی جتنے کم ہوں گے اسے ہٹانا اتنا ہی آسان ہوگا۔ وہ حکومت کے استحکام کی نسبت حکومت کی معزولیت کو اولیت دیتے تھے۔

4- فاجر کی امامت جائز نہیں:

امام اگر فاجر ہو تو اس کے تحت نماز جمعہ اور جمعہ جائز نہیں ہوتا اس لئے وہ فاجر کی امامت کو جائز نہیں سمجھتے۔

5- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک بنیادی اصول تھا جو حکومت عدل اور راستی کے اصولوں سے پھر جائے اس کے خلاف بغاوت کرنا واجب ہے۔ اگر قدرت حاصل ہو تو کامیاب انقلاب بھی برپا کیا جا سکتا ہے۔

6- کبیرہ گناہ کا مرتکب:

ان کا فیصلہ تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ مسلمان ہے نہ کافر بلکہ بین بین ہے۔

7- اللہ کا دیدار ناممکن ہے:

اللہ تعالیٰ کا وجود اس کی صفات سے الگ نہیں اور نہ ہی اسے کبھی مادی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان "ایک دن تم اپنے اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم نے غزوۂ بدر میں ماہ کامل کو دیکھا" کی تاویل یہ بیان کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان روحانی آنکھ یعنی عقل و شعور سے اللہ تعالیٰ کو محسوس کرے گا۔

8- قرآن مخلوق ہے:

قرآن مخلوق ہے اس کا مطلب و مفہوم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور انہوں نے الفاظ کا جامہ پہنایا۔ قرآن رسول اللہ ﷺ نے بنایا اللہ تعالیٰ نے نہیں نیز وہ اس بات پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان حادث یعنی فانی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہر مخلوق فانی ہے اسی طرح قرآن بھی مخلوق ہے لہٰذا فانی ہے جن لوگوں کے نزدیک قرآن غیر مخلوق اور صفات الٰہی قائم بالذات ہے انہیں وہ مشرک اور گمراہ تصور کرتے ہیں۔

9- انسانی افعال کی تبدیلی:

ان کا نظریہ ہے کہ انسانی افعال سے متعلق قوانین ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

10- تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں:

معتزلہ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ انسان کو اپنے افعال میں خودمختار مانتے ہیں جیسے نیک اعمال پر انعام اور بُرے اعمال پر سزا ضرور ملے گی اور وہ کہتے ہیں کہ تقدیر کا تصور اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے خلاف ہے تبھی تو وہ اپنے فرقے کو "اہل التوحید والعدل" کہتے ہیں۔

11- قیامت روحانی احساس کا نام ہے:

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن مردے جی کر نہ اُٹھیں گے وہ جزا و سزا کو روحانی احساسات سے وابستہ کرتے ہیں اس لئے قیامت کا سارا مفہوم بھی روحانی احساسات سے منسلک ہے۔

معتزلہ کا عروج و زوال

معتزلہ کے عقائد سے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ ان کے قلوب و اذہان عجیب کشمکش کا شکار ہوگئے۔ معتزلہ کو اس وقت مقبولیت حاصل ہوئی جب ان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ اس کی سرپرستی سب سے پہلے یزید بن ولید بن عبدالملک نے کی اور خود بھی اس مذہب کو اپنایا تھا مگر اسے ترقی

اور عروج عباسی دور کے خلیفہ منصور کے زمانے میں حاصل ہوا۔ منصور نے اس کے عقیدے کو قبول کر لیا تو واصل بن عطاء کو موقع مل گیا اس نے اس مذہب کی اشاعت کے لئے تمام ممالک اسلامیہ میں اپنے پیروکار بھیجے۔ منصور نے واصل بن عطاء اور اس کے ساتھی عمرو بن عبید کو عباسی دربار میں اعلیٰ عہدے پیش کئے۔

البتہ منصور اس کے عقائد کے کھلم کھلا اقرار پر تیار نہ ہوا اور نہ ہی اس نے کسی اور کو اسے ماننے پر مجبور کیا جبکہ مامون الرشید نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس نے مناظروں کا اہتمام کیا جب علماء حق نے معتزلہ کے خلاف احتجاج کرنا شروع کیا تو اس نے انہیں سخت سزائیں دیں۔ امام احمد بن حنبل نے معتزلہ کی سخت مخالفت کی جس پر انہیں گرفتار کر لیا گیا اور عوام کو مجبور کیا گیا کہ وہ قرآن کو مخلوق مانیں جو ایسا نہ کرتے تھے انہیں سزا دی جاتی تھی۔ جب مامون فوت ہوا تو اس نے وصیت کی کہ امام احمد بن حنبل پر تشدد جاری رکھا جائے۔

معتصم جب تخت نشین ہوا تو امام احمد بن حنبل کو زنجیروں میں جکڑ کر رقہ سے بغداد لایا گیا۔ ان کے ساتھی محدث حضرت محمد تو راستے میں ہی فوت ہو گئے۔ معتصم نے امام صاحب کو مناظروں کی مدد سے قائل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا تو اس نے امام صاحب پر کوڑے برسانے کا حکم صادر کیا۔ ان سب سزاؤں کا امام صاحب پر ذرا اثر نہ ہوا' وہ اپنے عقیدے پر جمے رہے۔ واثق باللہ نے بھی معتزلہ کی بھرپور حمایت جاری رکھی۔ اس نے امام احمد بن حنبل کو زندان میں ڈال دیا جبکہ ایک اہل حدیث بزرگ احمد بن نصر کا سر خود اپنے ہاتھ سے قلم کیا اور جب روم سے جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو واثق نے یہ اعلان کر دیا کہ جو مسلمان قیدی قرآن کو مخلوق تسلیم کرے اسے قبول کر لیا جائے اور جو انکار کرے اسے لینے سے انکار کر دیا جائے۔

واثق کی وفات کے بعد اس کے بھائی متوکل علی اللہ نے اپنا نظریہ تبدیل کر لیا اور شافعی عقیدے کو قبول کرتے ہوئے معتزلہ کی مخالفت شروع کر دی اور پھر اس فرقہ پر سختی کے ساتھ پابندی لگا دی۔ اس نے جیلوں میں قید تمام محدثین کو رہا کر دیا اور ان کی خوب قدر و منزلت کی اور دربار میں جتنے بھی ملازم معتزلہ کے حامی تھے سب کو چھٹی کرا دی اس طرح معتزلہ رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہو گئے۔ اس بناء پر تاریخ میں متوکل کو محی السنہ لکھا جاتا ہے۔

اشاعرہ

اس فرقہ کی بنیاد تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی تھی۔ اس فرقے کا بانی ابوالحسن اشعری نام کا شخص تھا جس کا نسبی تعلق ابوموسیٰ اشعریؓ سے تھا اسی نسبت کی وجہ سے اس فرقے کو اشعری یا اشاعرہ کہا جاتا ہے۔

اشاعرہ کا آغاز:

اس فرقے کی ایجاد کا سبب ایک مکالمہ ہے جو ابوالحسن اور ان کے استاذ ابوعلی الجبائی کے مابین ہوا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ابوالحسن نے اپنے استاذ الجبائی سے پوچھا کہ تین بھائی ہیں جن میں ایک خالص مومن' دوسرا کافر جبکہ تیسرا بچہ ہے۔ ان کی اس حالت میں موت واقع ہو جاتی ہے تو آخرت میں ان کا معاملہ کس طرح ہوگا۔ استاذ نے کہا کہ مومن کو جنت اور کافر کو دوزخ ملے گی۔ بچہ ان کے درمیان اعراف میں ہوگا۔

ابوالحسن نے پوچھا کہ بچہ اگر مومن کا مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے تو کیا اسے حاصل ہو گا؟ استاذ نے کہا کہ نہیں اور یہ بھی کہا کہ بچے سے کہا جائے گا کہ تمہارا بھائی تو اطاعت کر کے اس مقام تک جا پہنچا ہے۔ تمہارے پاس کوئی ایسا عمل نہیں۔ بچہ اگر کہتا ہے کہ اس میں میری کوئی خطاء نہیں میں تو زندہ رہنا چاہتا تھا لیکن یہ موقع فراہم ہی نہیں کیا گیا۔ استاذ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تیرا بھلا اسی میں چاہا اور تجھے پہلے ہی موت دے دی۔

ابوالحسن نے کہا کہ فرض کریں کہ اگر یہ کافر کہے کہ مولیٰ کریم جب تجھے علم تھا کہ میں کفر و عصیان اختیار کرنے والا ہوں تو نے میرا بھلا کیوں نہ چاہا؟

اس سوال کا استاذ کے پاس کوئی جواب نہ تھا تو ابوالحسن نے بحث کے اس نقطہ پر اکتفا کرتے ہوئے نتیجہ یہ نکالا کہ انسان کے لئے صرف رائے اور عقل کا استعمال ہی کافی نہیں کچھ چیزوں پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے کیونکہ ذات خدا اس بات کی پابند نہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے لئے وہی کچھ کرے جو اس کے حق میں مفید اور بہتر ہو۔

ایک اور بات جو اس فرقے کی ابتداء کا باعث بنی وہ یہ تھی کہ ابوالحسن اشعری کے بقول جناب رسول اللہ ﷺ نے خواب میں اسے تلقین فرمائی ہے کہ وہ اسلامی عقائد کا دفاع کرے ان دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر ابوالحسن اشعری نے جامع مسجد بصرہ میں یہ مختصر خطبہ دیا:

''وہ لوگ جو مجھے جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے انہیں میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں علی بن اسماعیل الاشعری ہوں' میرے عقائد یہ ہیں:

1- قرآن خلق نہیں بلکہ مخلوق ہے۔

2- انسان صرف روحانی آنکھوں سے خدا کو دیکھ سکتا ہے۔

3- اپنے عمل میں انسان خودمختار ہے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ آج میں آپ سب کے سامنے اپنے عقائد سے توبہ کرتا ہوں۔ میں کافی عرصہ معتزلہ عقیدے پر قائم رہا ہوں۔ میرے استاذ ابوعلی الجبائی بھی مدت دراز تک اس معتزلہ فرقے سے وابستہ رہے ہیں۔''

اشعریہ کے عقائد و نظریات:

اشعریہ کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے:

1- ایمان کا اصل رکن قلبی عقیدہ ہے اور گفتار و کردار اس کے فروع ہیں جو دل سے دین کا معتقد ہے وہ مومن ہے خواہ از روئے گفتار و کردار اور عمل اس عقیدے پر حامل نہ ہو۔

2- عقل و وحی کو فوقیت حاصل ہے۔ وحی مافوق العقل ذریعہ علم ہے جسے ہر اعتبار سے برتری حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''پس ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر بنا دے۔''

3- اگر اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات ہیں تو اسے مختلف صفات کے حوالے سے بیان کرنا جیسے کہ قرآن میں موجود ہے اس کی ذات کو ذات ہی کے حوالے سے بیان کرنے کے مترادف ہوگا۔ اسے آپ یوں بھی بیان کر سکتے ہیں: ''ذات واجب الوجود کے ساتھ صفات ازلیہ بھی وابستہ ہیں۔''

4- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

5- قرآن معجزہ بالذات ہے اس کے مثل کلام پیش کرنا انسان کے بس سے باہر ہے اور قطعی ناممکن ہے۔ قرآن کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

6- امام کا انتخاب اُمت کے اختیار میں ہے۔

7- کائنات عالم میں کون و فساد کی حالت برپا رہتی ہے۔

8- انسان کی عقل احکام شرعی میں تصرف کی اہلیت نہیں رکھتی حسن و قبح عقلی کا کوئی وجود نہیں ہے۔

فرقہ اشعریہ کا عروج:

اشعری مسلک کی اشاعت کا کام ابوالحسن اشعری کے علاوہ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی اور ابواسحاق ابراہیم الاسفرائینی نے قابل قدر کتابیں تصنیف کر کے کیا۔ ان حضرات کے بعد اسحاق بن ابراہیم بن علی شیرازی اور امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی نے اس مسلک کے فروغ کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ امام غزالی نے بھی پوری شدومد کے ساتھ اس کی تبلیغ میں حصہ لیا اور اس کے علم الکلام میں تبدیلی کر کے اشعری مکتب فکر کو واضح صورت عطا کی اور اسے اہلسنت کا مسلک بنا دیا۔ پھر امام فخر الدین رازی نے اس کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی کوششوں نے اشعری مسلک مصر، شام اور عراق کا عام مسلک بن گیا۔

مفکر پاکستان، شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اشعری فرقہ کے فکری ڈھانچے پر بطور خاص تحقیق کرنے پر زور دیا ہے اس کا پتہ ہمیں ان کے خطبات سے چلتا ہے۔

اسماعیلیہ

اسماعیلیہ کا آغاز:

اس فرقہ کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخیر عہد میں ہوئی جس نے مسلمانوں پر مختلف جہتوں سے اثرانداز ہوکر اپنے وجود کو برقرار رکھا۔ سب سے پہلے گروہ کا یہ نظریہ اور خیال تھا کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے اس کے لئے انتخابی یا جمہوری ادارے کی ضرورت نہیں بلکہ خلافت خودبخود آل رسول میں منتقل ہونی چاہئے۔ اُس دور میں اس گروہ کو شیعان علی کہا جاتا تھا۔ شیعان علی نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو کبھی خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا جب اسلامی اقتدار حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں میں چلا گیا تو شیعان علی نے حکومت کے ساتھ اپنا رویہ سخت کر دیا اور قدم قدم پر مخالفت کرنا شروع کر دی۔

امیر معاویہ ؓ حتی المقدور خاندان اہل بیت کا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے ان پر سختی سے حتی الوسع گریز کیا البتہ جب ان کا بیٹا یزید اقتدار میں آیا تو اس نے اہل بیت سے بزور بازو بیعت لینے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں سانحہ فاجعہ واقعہ کربلا پیش آیا جس میں آل رسول اور حضرت علیؓ کے خاندان کو شہید کر دیا گیا۔

شیعان علی تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے یعنی امامیہ زیدیہ اور کیسانیہ۔

امامیہ فرقہ کا مؤقف یہ تھا کہ خلافت صرف حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کا حق ہے اور یہی خلافت کے اصلی اور واحد حق دار ہیں جبکہ زیدہ اور کیسانیہ کا مؤقف یہ تھا کہ خلافت میں حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد بھی برابر کی حصہ دار ہے۔ اس بناء پر وہ محمد بن حنفیہ کو منصب خلافت کا جائز حقدار سمجھتے تھے۔

امامیہ فرقہ کے رہنماؤں نے اپنا سلسلہ بارہ اماموں تک جاری رکھا اس فرقہ کو اثنا عشریہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ لوگ حضرت جعفر صادق کو چھٹا امام تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے بعد امامیہ فرقہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے اپنے بیٹے اسماعیل کو امام بنایا لیکن کسی وجہ سے بعد میں انہوں نے اپنا فیصلہ بدل کر دوسرے بیٹے موسیٰ کو امام بنا دیا۔ اسماعیل نے اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پائی لیکن ایک گروہ انہیں بدستور پہلے فیصلے کے مطابق امام مانتا رہا اور ان کے بعد ان کے بیٹے کو امامت کا حق دار ٹھہرایا اس گروہ کا نام اسی زمانہ سے اسماعیلیہ مشہور ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد اس گروہ کے بھی دو حصے ہو گئے ایک اسماعیلی اور دوسرا داؤدی کہلایا۔

اسماعیلی فرقہ کا وجود ابھی تک ہے اور وہ آغاخان کی سرپرستی میں برابر ترقی کی منازل طے کر رہا ہے جبکہ دوسرا گروہ داؤدی' جس کے پیروکار اپنے آپ کو بوہرے کہلاتے ہیں' وہ اپنے امام سیف الدین کے پیروکار رہے۔ سیف الدین کا بھارت میں انتقال ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔

اسماعیلیہ کے عقائد و نظریات:

اسماعیلیہ کا بانی محمد بن اسماعیل ہے۔ اس فرقہ کے عقائد و نظریات کچھ اس طرح ہیں:

1- امام کا تقرر کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ امامت کا منصب ایک امام کے بعد اس کے بیٹے کو منتقل کر دیتا ہے یعنی یہ وراثتی منصب ہوتا ہے۔

2- ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت جعفر صادق نے اپنے جس بیٹے اسماعیل کو امام منتخب کیا تھا اس کی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنی امامت کے منسوخ ہونے کی وجہ سے پردہ پوش ہو گئے ہیں اور کچھ عرصہ بعد ان کا دنیا میں دوبارہ ظہور لازمی ہے۔

3- امام محمد بن اسماعیل پر امامت کا منصب مکمل ہو گیا ہے' اب کوئی اور امام نہیں آئے گا۔

4- جب امامت کا سلسلہ اختتام پذیر ہوتا ہے تو پھر امام کی روح ان کے نائب میں حلول کر جاتی ہے۔ اس عقیدہ کے حامل زیادہ تر عجمی شیعہ تھے اور وہ مسئلہ تناسخ کے بھی قائل تھے۔

5- مذہبی احکام کا صرف ظاہری مطلب ہی نہیں لینا چاہئے بلکہ ان کا ایک باطنی مطلب بھی ہوتا ہے اور یہ باطنی مطلب صرف امام کے علم میں ہوتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے امام کی پہچان بہت ضروری ہوتی ہے۔ اس عقیدہ کی بناء پر ان کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے۔

اسماعیلیہ کی نشیب و فراز کی داستان:

اس فرقے کے پیروکار ابتداء میں شیعان علی کہلاتے تھے۔ ان کی کوئی سیاسی یا مذہبی حیثیت نہ تھی لیکن عبداللہ بن میمون نامی ایک شخص نے اس کو امتیازی حیثیت دی یہ خوزستان کا باشندہ تھا اس نے بصرہ سے شام پہنچنے کے بعد اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ امام میں خدا کی روح موجود ہوتی ہے' اس نے اپنی سحر بیانی سے اپنے گرد ایک انبوہ کثیر جمع کر لیا۔ یہ مسئلہ تناسخ کو بھی تقویت پہنچاتے تھے۔ یہ لوگ بارہ اور سات کے عدد کو بہت اہم اور متبرک خیال کرتے تھے اور دنوں میں ہفتے کے دن کو بہت برکت والا سمجھتے تھے اس لئے ہفتے کے دن تمام مرد اور عورتیں ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنی تکالیف اور مسائل پر غور و خوض کرتے تھے۔

اس دور میں حمدان نامی شخص نے عبداللہ بن میمون کی مخالفت شروع کر دی اور اس نے ایک نئے فرقہ ''قرامطہ'' کی بنیاد رکھی۔ ادھر عبداللہ بن میمون نے اپنے عقائد کی تشہیر کرنے کے لئے اپنے پیروکاروں اور نمائندوں کو اردگرد کے ممالک میں روانہ کیا اور اسماعیلیہ کے عقائد میں چند خفیہ نظریات بھی داخل کر دیئے۔ ان خفیہ نظریات و عقائد کو تسلیم کرنے والے کو ''رفیق'' کہا جاتا تھا۔ عبداللہ بن میمون 261ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اپنے باپ دادا کی تحریک کو افریقہ میں بہت زیادہ پھیلایا جب تحریک کافی شہرت حاصل کر چکی تو عبداللہ بن میمون کا پوتا جو ان دنوں ملک شام کے شہر سلیمیہ میں تھا' افریقہ پہنچا اور خود کو محمد بن اسماعیل کی اولاد مشہور کر کے اپنا نام ابو عبید اللہ رکھ لیا۔ 300ھ میں اس نے ایک نیا شہر ''مہدیہ'' کے نام سے بسایا اس لئے اس کو فاطمیہ خاندان کے نام سے

شہرت ملی۔

مصر میں فاطمی خاندان دو سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ اسماعیلی عقائد کی تبلیغ و ترویج کے لئے حکومت نے باقاعدہ ایک الگ محکمہ قائم کیا۔ فاطمیہ خاندان کے حکمران نے ''حسن بن صباح'' کو اپنا ''داعی اعظم'' منتخب کیا جس نے قلعہ ''التموت'' پر قبضہ کر کے اپنی الگ ریاست کی بنیاد رکھی حسن بن صباح نے اسماعیلیہ کی تنظیم نو کا کام کیا اور ہر صوبے میں ''داعی'' مقرر کئے۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی ایک چھوٹی سی جنت بنا رکھی تھی جس میں دنیا جہاں سے خوبصورت عورتوں کو اغوا کر کے لایا جاتا۔ اس نے اپنے پیروکاروں میں ایک درجہ ''فدائی'' قائم کیا۔ وہ فدائی نوجوان کو نشے دار اشیاء کھلا پلا کر اس جنت میں داخل کر دیتا جو اس جنت کی حوروں سے دل بہلاتا رہتا۔ اس طرح کے بہت سے فدائی ہوتے تھے اور کچھ دنوں کے بعد ان فدائیوں کو جنت سے باہر نکال دیا جاتا اور دوبارہ داخلے کے لئے یہ شرط عائد کر دی جاتی کہ وہ حسن بن صباح کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ وہ فدائی اپنے داعی اعظم کے حکم سے اس کے دشمنوں کو تہ تیغ کرتے رہتے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں نے عالم اسلام کے ہزاروں علماء حق اور صالح بزرگوں کو ان فدائیوں کے ہاتھوں قتل کروا دیا تھا۔ نظام الملک طوسی بھی انہی کے ہاتھوں قتل ہوا تھا جس کے بعد عالم اسلام میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ فدائی چونکہ بھنگ پی کر یہ ظالمانہ فعل انجام دیتے تھے اس لئے ''جماعت حشیشین'' بھی کہتے ہیں کیونکہ بھنگ کو عربی زبان میں ''حشیش'' کہتے ہیں۔ حسن بن صباح نے 1124ء میں وفات پائی مگر اس کے جانشین مزید پونے دو سال تک ''التموت'' اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔ عباسی خلفاء اور سلجوقی حکمرانوں نے انہیں ختم کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بالآخر 1256ء میں ہلاکو خان نے قلعہ التموت پر حملہ کر کے اسے نیست و نابود کر دیا اس طرح حسن بن صباح کی قائم کردہ حکمرانی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی مگر اسماعیلیہ فرقہ کا وجود آج تک باقی ہے اور آج کل اس فرقہ کے روحانی پیشوا اور امام پرنس کریم آغا خان ہیں۔

قرامطہ

قرامطہ کا آغاز:

اس فرقہ کی بنیاد کوفہ میں رہنے والے حمدان نامی ایک شخص نے 278ھ میں رکھی۔

وجہ تسمیہ:

قرامطہ کے ملتے جلتے کئی نام ہیں اور ان کی مختلف توجیہات ہیں اور پھر ان کی چند ایک شاخیں ہیں۔ بعض شاخیں اپنے ذیلی پیشواؤں کے ناموں سے مشہور ہو گئیں۔ اب ہم دیکھیں ان کی وجہ تسمیہ

ذکر کرتے ہیں:

1- حمدان چونکہ بیلوں کے ذریعہ بار برداری کا کام کرتا تھا اس لئے اسے قرمطیہ کہتے تھے یعنی بیلوں پر سوار ہونے والا یا بیلوں پر وزن لادنے والا۔

2- قرموتا: فریب دینے والا' دغاباز۔ حمدان کے مخالف اسے اسی نام سے پکارتے تھے۔

3- کریتہ یا قرموط: جنوبی عراق میں کھیتی باڑی کرنے والے کو کاشتکار کہتے ہیں۔ حمدان کا خاندان چونکہ کاشتکار تھا اس بناء پر لوگ انہیں قرامطہ کہتے تھے چنانچہ اسی نسبت سے اس کے پیروکاروں کو قرامطہ کہا جاتا تھا اس فرقہ کی بھی دو شاخیں بن گئی تھیں:

1- قرامطہ شمالی:

اس کے سربراہ زکرویہ بن مہرویہ اور اس کے بیٹے تھے اور یہ شام اور عراقی علاقوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔

2- جنابیہ:

اس شاخ کا سربراہ ابوسعید جنابی اور اس کی اولاد تھی۔ یہ بحرین' احسار اور ہجر کے علاقوں میں اپنے مسلک کی تشہیر کرتی تھیں۔

قرامطہ کے عقائد ونظریات:

اس فرقہ کے عقائد کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے:

1- ان کا سب سے بڑا عقیدہ یہ تھا کہ امام بارہ نہیں بلکہ سات ہیں۔

2- اس فرقہ کے لوگ محمد بن علی بن ابی طالب المعروف بابن الحنفیہ کو نبی تسلیم کرتے تھے۔

3- ان کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

4- یہ لوگ اسماعیلیہ کے برعکس ''سوموار'' کو متبرک و مقدس مانتے تھے۔

5- ان کے نزدیک نیند حرام اور شراب حلال تھی۔

6- یہ لوگ قرامطہ فرقہ کے مخالفین کا قتل واجب سمجھتے تھے۔

7- قرامطہ کا بانی حمدان اپنے آپ کو ''قائم بالحق'' کہلواتا تھا۔

8- یہ لوگ پچاس نمازوں اور تمیں روزوں کو فرض گردانتے تھے۔

9- یہی پچاس نمازیں کم ہوتے ہوتے صرف چار رکعتیں بن گئی تھیں' دو رکعت طلوع آفتاب کے وقت سے پہلے اور دو رکعت غروب آفتاب کے بعد۔

قرامطہ کا عروج:

قرامطہ فرقہ کے لوگوں نے اپنے مذہب کی تشہیر کوفہ سے شروع کی لیکن کوفہ کے حاکم نے اس کے بانی کو گرفتار کر کے جیل بند کر دیا۔ یہ کسی نہ کسی طرح جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور باہر آ کر یہ مشہور کر دیا کہ کوئی دنیاوی شخص مجھے تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے عقیدت مندوں میں اہل

علم' ڈاکٹر' طبیب' تاجر قسم کے لوگ شامل تھے اور ہر وقت اس کے گرد گھیرا ڈالے رہتے تھے۔ قرامطہ شام کے سربراہ زکرویہ کا بیٹا یحییٰ بن زکرویہ کا دعویٰ تھا کہ اس کو اونٹنی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اس لئے وہ خود کو "صاحب الناقہ" اور "الشیخ" بھی کہلواتا تھا اس کی وفات 290ھ میں ہوئی تھی۔

جنابیہ کے سربراہ ابوسعید الجنابی کو فارس سے نکال دیا گیا۔ اس نے بحرین میں پناہ لے کر اس فرقہ کے داعیوں سے مل کر الجساد پر قبضہ کر کے حکومت قائم کر لی۔ جب 900ء میں خلیفہ معتضد نے اس پر چڑھائی کی تو اس کی پوری کی پوری فوج کو تہ تیغ کر ڈالا۔

اس کے بعد ابوطاہر سلیمان نے اس فرقہ میں ازسر نو روح ڈالی اور ایک دارالہجرت قائم کیا۔ یہ خود اور اس کے ساتھی اکثر اوقات حجاج کرام کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ 311ھ میں اس نے بصرہ میں اچانک داخل ہو کر جامع مسجد بصرہ کو آگ لگا دی۔ 317ھ میں اپنے ساتھ نو سو آدمیوں کو لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا' بہت زیادہ حجاج کو قتل کیا' کعبۃ اللہ کا دروازہ اکھاڑ پھینکا' غلاف کعبہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' حجر اسود کو نکال کر اپنے ساتھ لے گیا اسی وجہ سے اکیس بائیس سال تک حجر اسود خانہ کعبہ سے غائب رہا۔ حرم پاک کی اس کھلم کھلا بے حرمتی کو مسلمانوں نے برداشت نہ کیا۔ 323ھ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مسلمان حرم پاک اور خانہ کعبہ میں بھی نہ گئے۔ آخر قرامطہ کے ایک پیشوا عبداللہ المہدی نے طاہر کے اس فعل کی مذمت کی اور اسے تمام لوٹی ہوئی متبرک اشیاء واپس کرنے کا حکم دیا لیکن یہ لوٹ مار کا سلسلہ کئی سال چلتا رہا۔ عباسی خلفاء میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ ان کا مقابلہ کرتے جب 333ھ میں ابوطاہر بن سلیمان فوت ہوا تو قرامطہ کو بہت دھچکا لگا اور ان کا زور خود بخود ٹوٹ گیا۔

قرامطہ کا زوال:

قرامطہ چونکہ بہت سفاک اور ظالم تھے' انہوں نے لوگوں پر بہت زیادہ ظلم ڈھائے تھے لوگ ان کے خلاف ہو گئے۔ ان کے ظلم بیان کرنے سے دل لرز جاتا ہے نیز ان کے عقیدے میں عورت کا مقام انتہائی پست ہو گیا تھا یعنی ماں' بہن اور بیٹی سے کھلم کھلا بے حیائی کی جا سکتی تھی جسے یہ "الفت" کہتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ کبھی گوارہ نہ تھا۔ انہوں نے شام اور عراق کو برباد و ویران کر ڈالا تھا اور اپنے اصل موقف کو بھی چھوڑتے جا رہے تھے۔ اس کے رہنماؤں میں زبردست پھوٹ پڑ گئی تھی اور وہ اکثر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ایسا کرنے سے ان کی طاقت دن بدن کم ہوتی گئی۔ عام لوگ انہیں مصلح سمجھنے کے بجائے ڈاکو' غاصب' ملحد' بے دین اور ظالم خیال کرتے تھے۔ ان کو دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ تو صرف مال و دولت اکٹھی کرتے اور دنگا فساد پھیلاتے تھے اور وہ اپنے اس مقصد میں وہ کامیاب بھی رہتے تھے۔ جب ان کے ظلم و ستم حد سے بڑھے تو "ہر کمالے را زوالے" کے مصداق ان کے عروج کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔



دور بنوامیہ کی علمی‘ ادبی‘ فنی‘ تہذیبی اور تمدنی سرگرمیاں

اموی دور کی علمی حالت:

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تہذیب و تمدن کی ابتداء عہد بنوامیہ میں ہوئی اور اس نے عہد بنوعباس میں پرورش پائی۔ مشہور مؤرخ لیبان نے کہا تھا کہ:

”عہد بنوامیہ میں عربی تمدن بہت ترقی کر گیا تھا۔“

اس دور میں مسلمانوں نے بہت سے علاقے فتح کیے اور ان سب کو ہر لحاظ سے ترقی دے کر تہذیب و تمدن کا مرکز بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ذیل میں ہم دور بنوامیہ کی تہذیبی و تمدنی‘ علمی حالت اور فنونِ لطیفہ کی ترقی کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

ظہور اسلام سے قبل عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے لئے تعلیم و تعلّم کو نہایت ضروری خیال فرمایا اور مسلمانوں پر تحصیل علم کی اہمیت واضح فرمائی‘ ابتداء تعلیم کے فروغ کے ساتھ کتابت و انشاء کو ترقی ملی اس دور میں چونکہ اشاعت اسلام کی ضرورت تھی لہٰذا علوم قرآنی اور مذہبی تعلیمات کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔ عہد رسالت و دور خلفاء راشدین میں قرآن و حدیث‘ تفسیر‘ فقہ‘ اخلاقی و حکیمانہ شعر و ادب کے علاوہ تقریر و خطابت کو حد درجہ فروغ حاصل ہوا خصوصاً نثر توجہ کا مرکز بنی۔

اموی دور میں علمی ترقی:

اموی دور میں ان علوم میں زیادہ وسعت و ترقی ہوئی۔ دین اسلام کو پھیلانے والے تابعین اسی دور میں تھے۔ ان کے مستقل حلقہ ہائے درس تھے جن سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے۔ اسی دور میں دینی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا۔ بعض نئے علوم پیدا ہوئے اور غیر قوموں کے بعض علوم سے بھی مسلمان روشناس ہوئے۔

علم و ادب:

حکومت کی باگ ڈور جب علمائے بنوامیہ کے ہاتھ آئی تو ان علوم میں ترقیاں اوج کمال کو پہنچ گئیں۔ پہلے پہل تو مسلمانوں نے عجمی اقوام کے ساتھ میل جول نہ رکھا وہ صرف قرآن و حدیث کے علوم کی ترویج و اشاعت کی طرف مائل رہے اور دیگر علوم فطری طور پر نظرانداز ہوتے رہے۔ بنوامیہ کے حکمران نامساعد حالات‘ جنگ و جدل‘ فتوحات اور حکومتی انتظام و انصرام میں زیادہ مشغول رہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مختلف علوم کی تخم ریزی کی۔ بنوامیہ کی علمی‘ ادبی اور تہذیبی و تمدنی سرگرمیاں اگرچہ اساسی اور ابتدائی حیثیت کی حامل ہیں لیکن اوج کمال اور ترقی و تکمیل جو صورت عہد عباسی میں جلوہ گر ہوئی اس کی جڑیں بلاشبہ عہد بنوامیہ میں پیوست ہیں لہٰذا عہد بنوامیہ علوم کی تخم ریزی اور پرورش کا عہد

زریں کہلاتا ہے۔ اس دور میں دینی علوم کے علاوہ بعض نئے علوم بھی پیدا ہوئے۔

دینی علوم

خلفاء راشدین کے دور میں قرآن علوم کی ترویج و اشاعت سربراہ حکومت یعنی خلیفہ کی اوّلین ذمہ داری تھی لیکن عہد بنوامیہ میں یہ سب کچھ ضمنی اور ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ بہرحال بنوامیہ نے دینی علوم کی ترقی و سربلندی کو نہ صرف بنظر استحسان دیکھا بلکہ پوری طرح ان کی سرپرستی کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ کوئی فن ایسا نہیں تھا جس کی ترتیب و تدوین میں بنوامیہ کے حکمرانوں کی سعی اور جدوجہد شامل نہ رہی ہو۔

قرآن مجید:

قرآن مجید عربوں کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا اور وہ اسے آسانی سے سمجھ بھی لیتے تھے لیکن قرآن کو صحیح طریقے سے سمجھنا عجمیوں کے لئے مشکل کام تھا اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے قرآن مجید پر اعراب لگوانے کی ذمہ داری حجاج بن یوسف کو سونپی جس نے بڑی محنت اور ذمہ داری سے اپنا فرض نبھایا اور یہ کام مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نعمت تھا۔ ان اعراب میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔

تفسیر قرآن مجید:

اموی دور میں تفسیر کے کبار ائمہ پیدا ہوئے جن کے ذریعے تفسیر کا کثیر سرمایہ جمع ہو گیا اس دور کے مفسرین میں حضرت عکرمہ، قتادہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور حضرت بصری نمایاں شخصیات ہیں۔
(فہرست ابن الندیم، ص 80)

قرآن پاک کی سب سے پہلی تفسیر اموی خلیفہ عبدالملک کے دور خلافت میں لکھی گئی اور یہ اہم کام حضرت سعید بن جبیر نے سرانجام دیا۔ ایک تفسیر تنویر المقیاس کے نام سے حضرت عبداللہ بن عباس کا علمی شاہکار ہے۔

قرأت:

قرآن مجید کی قرأت ایک باقاعدہ علم شمار کی جاتی ہے۔ قرآنی آیات، حروف و الفاظ کی درست ادائیگی کا باقاعدہ اہتمام خلفاء راشدین کے دور میں کیا گیا۔ عہد بنوامیہ میں اس فن پر خصوصی توجہ دی گئی چنانچہ قرآن مجید کے مشہور سات قاری (قراء سبعہ) بنوامیہ کے دور سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

تدوین حدیث:

حدیث کی تخریج و تدوین میں سب سے زیادہ ترقی عہد بنوامیہ میں ہوئی۔ اس عہد میں تحصیل حدیث کا ایک عام ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ مملکت کے گوشے گوشے میں درس حدیث کے حلقے قائم تھے۔ اس کا سب سے بڑا مرکز مدینہ تھا۔ شائقین ایک ایک حدیث کے سماع کے لئے دور دراز کا سفر کرتے

تھے۔ اس سلسلہ میں اسماء رجال کی کتب میں دلچسپ واقعات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ابن شہاب زہری کے متعلق منقول ہے کہ وہ احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے اور یہاں کے مردوں' عورتوں' بوڑھوں حتیٰ کہ بچوں سے بھی استفادہ کرتے تھے۔ (تہذیب الاسماء نووی' ج 1' ص 91)

ابو قلابہ جرمی بعض اوقات ایک ایک حدیث سننے کے لئے کئی کئی دن مدینہ میں قیام کرتے۔

(مسند دارمی' ص 74)

مزید برآں احتیاط یہ تھی کہ محدثین پوری تحقیق اور چھان بین کے بغیر حدیث قبول نہ کرتے تھے۔ عامر بن شرجیل کا یہ قول تھا کہ حدیث اسی سے حاصل کرنی چاہئے جو عقل و دانش اور دین و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ' ذہبی' ج 1' ص 73)

یوں تو ہر تابعی اپنے علم و استعداد کے بقدر علم حدیث میں دخل رکھتا تھا لیکن اس میں سعید بن جبیر' سعید بن میتب' سالم بن عبداللہ بن عمر' طاؤس بن کیسان' امام شعبی' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' عطاء بن ابی رباح' عکرمہ' نافع مولیٰ ابن عمر' علقمہ بن قیس' قتادہ بن دعامہ سدوسی' مجاہد بن جبیر' محمد بن سیرین' محمد بن مسلم' ابن شہاب زہری' محمد بن منکدر اور مکحول شامی بڑے محدث تھے۔ انہی کی روایات پر کتب حدیث کا دارومدار ہے۔ (تہذیب التہذیب' ج 3' ص 329 اور ج 4' ص 215 اور ج 6' ص 213)

حدیث کی تدوین و اشاعت میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہے۔ آپ نے علماء سے احادیث کے مجموعے مرتب کروائے اور ان کی نقلیں ممالک محروسہ میں بھجوائیں۔

(جامع بیان العلم وفضلہ' ص 38)

تدوین فقہ:

عموماً جو لوگ محدث تھے' وہ فقیہ بھی تھے تاہم ان میں سے جو لوگ فقہ کا زیادہ ذوق رکھتے تھے' وہ فقیہ کہلاتے تھے مثلاً عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود' عروہ بن زبیر بن عوام' قاسم بن محمد بن ابی بکر' سعید بن میتب' گو یہ محدثین میں سے تھے مگر فقہ میں بھی ان کی ذات مرجع تھی۔ اسی بناء پر وہ فقہاء سبعہ مشہور تھے۔ زیادہ تر فقہ کی اشاعت انہی بزرگوں کے ذریعے سے ہوئی۔

(ابوالفداء' ج 1' ص 202)

ان کے علاوہ ربیعہ بن فروخ رائے' ابراہیم نخعی' امام شعبی' امام جعفر صادق' عبدالرحمٰن بن ابی سلمیٰ اور قاضی شریح وغیرہ بھی اس دور کے نامور فقیہ تھے۔ ان میں سے بعض نے فقہ پر کتابیں بھی لکھیں۔ (ابن سعد' ج 5' ص 133- تہذیب التہذیب' ج 7' ص 183)

مکحول نے دو کتابیں "کتاب السنن" اور "کتاب المسائل" لکھی تھی۔

(فہرست ابن الندیم' ص 318)

امام زہری کے فتاویٰ تین ضخیم جلدوں میں جمع کئے گئے تھے۔ (اعلام الموقعین' ج 1' ص 26)

اور فقہاء میں نامور اور سرفہرست حضرت امام مالکؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ عہد بنوامیہ میں ہوئے۔

مغازی وسیرت:

اس دور میں تاریخ کا آغاز ہوا اور اس کی ابتداء مغازی اور سیرت سے ہوئی۔ اس فن کو سب سے زیادہ جس نے ترقی دی وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ ان کی نشوونما اموی دور میں ہوئی۔ سیرت میں ابن ہشام کی سیرت پر مشتمل کتاب اب تک موجود ہے۔ اسی دور کے ایک اور عالم معمر بن راشد نے ''المغازی'' لکھی۔ (فہرست ابن الندیم' ص 138)

وہب بن منبہ نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ' عرب کی تاریخ کے بھی عالم تھے۔ (شذرات الذہب' ج 1' ص 156)

تاریخ:

فن تاریخ میں بھی خلفاء بنوامیہ نے بہت کام سا کیا کیونکہ تاریخ کا فن تہذیب وتمدن اسلامی کا ایسا سرمایہ ہے جس پر مسلمان بجاطور پر ناز کر سکتے ہیں۔ فن تاریخ کی ابتداء امیر معاویہؓ سے ہی ہوگئی تھی جن کے عہد خلافت میں مشہور زمانہ وہب بن منبہ' محمد بن مسلم زہری اور موسیٰ بن عتبہ تاریخ مرتب کرنے کا کام کرتے رہے تھے۔

انساب:

انساب عربوں کا پرانا علم تھا جو ہر زمانہ میں قائم رہا اور چونکہ بنوامیہ کو عربیت کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا اور ان کی حکومت کے استحکام میں قبائلی عصبیت کو بڑا دخل تھا اس لئے انہوں نے انساب کی جانب خصوصی توجہ دی۔ ان کے دور میں تین بڑے نساب تھے ابن سیرین' سعید بن میتب اور محمد بن صائب کلبی خصوصاً کلبی کا علم نہایت وسیع تھا اور آئندہ علم الانساب نے جو ترقی کی اس کا بڑا ماخذ انہی کی روایات تھیں۔

لغت:

اگرچہ فن لغت کی بنیاد خلفاء راشدین ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی لیکن اس کی علمی تدوین اموی دور میں شروع ہوئی اور اس کا آغاز کلام مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں ہوا۔ خلفاء بنوامیہ کو عربی زبان کی تحقیق سے خاص ذوق تھا اور ان کے دربار میں لغوی مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اشعار و انساب اور لغت عرب تینوں میں قتادہ کا علم نہایت وسیع تھا۔ اموی خلفاء ان فنون کی تحقیق میں انہی کی جانب رجوع کرتے تھے۔ (معجم الادباء' ج 6' ص 202)

شعر و ادب

بنوامیہ کے اکثر حکمران شعر و شاعری کے بڑے دلدادہ تھے اور شعراء کی حد سے زیادہ قدر کرتے تھے اور اس دور میں شعر وسخن نے خوب ترقی کی تھی۔ اس دور کے مشہور شعراء میں جریر' عمر بن ابی ربیعہ' فرزدق اور اخطل کے نام قابل ذکر ہیں۔

خطابت:

فن خطابت اموی دور میں اپنے عروج پر تھا۔ حجاج بن یوسف‘ زیاد بن ابی سفیان اور طارق بن زیاد جیسے نامور خطیب اسی دور میں تھے۔ ان سب کے عربی زبان کے خطبات عربی ادب کے شہ پارے شمار کئے جاتے تھے۔

فن انشاء اور خطاطی:

اموی حکومت کا دفتری کاروبار بہت وسیع ہو گیا تھا اور عبدالملک نے عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا اس لئے غیر قوموں کے لئے بھی اس کا سیکھنا ضروری ہو گیا تھا لہٰذا عربی انشاء میں بڑی ترقی ہوئی اور انشاء نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی اور متعدد نامور کاتب پیدا ہوئے۔ ان میں عبدالملک کے کاتب سالم اور عبدالحمید کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے متعلق یہ مقولہ مشہور ہے کہ کتابت عبدالحمید سے شروع ہوئی۔

فلسفہ:

بنو امیہ کے دور میں نئی نئی بحثوں اور فلسفیانہ مجادلوں کی وجہ سے فلسفہ کے مختلف مکاتب فکر معرض وجود میں آئے اور فلسفہ جبر و قدر کے مسئلہ پر بہت بحث ہوتی رہی اور دونوں طبقہ ہائے فکر کے جہاں عوام پر اثرات مرتب ہوئے وہاں کچھ اموی خلفاء بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

طب و حکمت:

بنو امیہ کے دور میں حارث بن کلاہ نامی ایک مسلمان نے علم طب میں عروج حاصل کیا۔ ولید اوّل نے ملک بھر میں شفاخانوں کی تعمیر کروائی جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دو شہروں انطاکیہ اور حران میں طب کی تعلیم سے متعلق دو مدارس قائم کئے تھے۔

نحو:

ابوالاسود دولی نے علم نحو کے چند اصولی قواعد مرتب کئے پھر ان کے بعد ان کے تلامذہ یحییٰ بن یعمر‘ عنبسہ بن مدان اور میمون بن اقران نے جو اموی عہد میں تھے‘ اس فن کو ترقی دی اور عیسیٰ بن عمرو نے اس فن پر ”کتاب الجامع“ اور ”کتاب المکمل“ لکھی۔ (فہرست ابن الندیم‘ ص 62)

سائنس و کیمیا:

جس پہلے اموی خلیفہ جس پہلے اموی خلیفہ نے علوم و فنون میں گہری دلچسپی لی تھی اس کا نام خالد بن یزید بن معاویہ تھا۔ اس نے خود بھی کیمیا سے متعلق کئی کتب تحریر کی تھیں اور سب سے پہلے غیر ملکی کتب منگوا کر ان کے ترجمے کروانے کا اہتمام بھی کیا۔ خالد بن یزید کے دور میں لکھی جانے والی کتب میں سے چار کتابیں چار سو سال تک موجود رہیں اور ان سے استفادہ کیا جاتا رہا۔

نظام تعلیم:

آج کل کے معروف اصطلاحی مفہوم میں مدارس اور درسگاہوں کا کوئی نظام بنوامیہ کے دور میں موجود نہ تھا باقاعدہ مدارس' درسگاہیں' کالج اور یونیورسٹیز بہت بعد سلجوقی عہد میں قائم کی گئیں۔ ان زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلیم کی نشرواشاعت کے لئے مختلف قسم کے حلقہ ہائے درس وتدریس اور ابتدائی مکاتیب شروع ہی سے قائم کر دیئے گئے تھے۔

اتالیق یا معلم کا وجود ہمیں عبدالملک کے عہد میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ لوگ عوام اور دربار میں یکساں طور پر واجب الاحترام تھے۔ (اس کے متعلق تفصیلی مباحث دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیں مستدرک حاکم' ج 3' ص 583- تاریخ خطیب' ج 8- تہذیب التہذیب' ج 3' ص 356- تہذیب الاسماء ج 1' ص 233- تذکرۃ الحفاظ' ج 1' ص 4, 149)

دیگر فنون:

ظہور اسلام سے قبل گیت' نغمے' راگ راگنیاں اور موسیقی کے مختلف ساز اہل عرب میں مروج تھے۔ عہد خلفاء راشدین میں موسیقی کی ہر نوع کی سرگرمیاں ممنوع تھیں اور مذکورہ تمام قسم کے فنون کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ بنوامیہ چونکہ شاہی روایات اور انداز ملوکیت اپنا چکے تھے لہٰذا ایک بار پھر راگ رنگ اور نغمہ وموسیقی کو رواج ملا اور ان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی۔

موسیقی:

گو موسیقی کو اسلامی تہذیب میں اسباب عیش ونشاط اور لہو ولعب کا حصہ قرار دیا جاتا ہے اور اسے سرپرستی حاصل نہ تھی بلکہ اس سے اجتناب کی ہدایت وتلقین کی جاتی تھی۔ یزید اول وہ پہلا اموی حکمران تھا جس نے فن موسیقی میں رقص وسرود کی خوب حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس دور کے مشہور ومعروف ساز دف' مزار اور عود تھے۔

علم نجوم:

ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق عرب کواکب اور ان کے طلوع وغروب سے سب قوموں سے زیادہ واقف تھے۔ (البیرونی' ص 238)

قزوینی کا بیان ہے کہ وہ سیاروں' برجوں کا علم اور نجوم سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔
(قزوینی بر حاشیہ دمیری' ج 1' ص 150)

علاوہ ازیں ہواؤں کی خصوصیات' موسموں کے تغیر سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور ان کو کواکب کی تاثیر کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ (الآثار الباقیہ' بیرونی' ص 339)

قیافہ شناسی:

عربوں کو اس میں خاص ملکہ حاصل تھا اور وہ نشان قدم سے عورت' مرد اور جوان وبوڑھے کی

تمیز کر لیتے تھے اور بشرہ و اعضاء کی مشابہت سے باپ اور بیٹے کا بتا دیتے تھے۔ اسی طریقہ سے کھر کے نشان سے حیوانات کا پتہ چلاتے تھے۔ قیافہ شناسی اُن میں بہت رائج تھی اور قیافہ شناس کی بات کا بڑا اعتبار کیا جاتا تھا۔

فن تعمیر:

بنوامیہ سے پہلے اسلامی فن تعمیر کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس زمانے میں اہم ترین عمارت مسجد نبوی اور خانہ کعبہ تھی۔ مسجد نبوی کا صحن اور دیواریں کچی تھیں اور چھت کھجور کے پتوں پر مشتمل تھی۔ اموی عہد خلافت میں رومی و ایرانی تہذیبوں سے اختلاط اور امتزاج کے بعد حکمرانان بنوامیہ نے تعمیرات کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس طرح اسلامی فن تعمیر وجود میں آیا۔ محلات کی تعمیرات کا آغاز ہو گیا تھا' انہوں نے اپنے لئے سبز رنگ کا خوبصورت محل تعمیر کروایا جو ''خضرا محل'' کے نام سے مشہور ہے۔

عبدالملک کے زمانے میں فن تعمیر کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ''قبۃ الصخراء'' فن تعمیر اور حسن و زیبائی کے اعتبار سے اس دور کی اہم ترین عمارت ہے۔ صخراء پہاڑ کی وہ چوٹی ہے جہاں سے شب معراج آنحضرت ﷺ آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ عبدالملک نے اس مقام پر گنبد تعمیر کروایا۔ کمال فن' حسن و زیبائی' نقش و نگار' دل آویزی اور پائیداری کے اعتبار سے یہ اسلامی طرز تعمیر کا عظیم الشان شاہکار ہے۔

مصوری:

اسلام نے شبیہ' تصویر کشی اور مجسمہ سازی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے مسجدوں اور دوسری تعمیرات میں کہیں بھی انسانی تصاویر یا حیوانی شبیہ نہیں بنائی گئیں لیکن حسن و جمال اور اس کا استحسان انسان کے فطری داعیات سے ہے لہٰذا مسلمانوں نے اپنے فطری ذوق کی تسکین کے لئے تزئین و آرائش اور نقش و نگار کے ہندسی اشکال' پھل پھول یا مناظر فطرت اور قرآنی آیات کو مصوری کا موضوع بنایا۔ بعض خلفاء نے اپنے محلات اور حماموں کی دیواروں پر جنگی مناظر اور فحش تصاویر کی نقاشی کو اختیار کیا۔

کتب خانے:

بنوامیہ کے زمانے میں اگرچہ باضابطہ کتب خانے نہیں تھے لیکن کتابوں کے کافی ذخیرے مہیا ہو گئے تھے۔ امام ابن شہاب کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا اور ان کا علمی شغف و انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا' وہ مطالعہ کے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی کہا کرتی تھی کہ ان کتابوں کا جلاپا تین سوکنوں سے بڑھ کر ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ' ج 1' ص 81)

بنوامیہ کے شاہی خزانۃ الکتب کا ذکر بھی جابجا ملتا ہے۔ (ابن خلکان' ج 1' ص 451)

معاشرت:

عرب طرز معاشرت جو دور جاہلیت سے قائم تھا اس میں متعدبہ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سب

سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ معاشرہ کئی طبقوں میں تقسیم ہو گیا جیسے حکمران' عام عرب' موالی' ذمی اور غلام۔

حکمران:

اس طبقہ کے افراد شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ امراء' اعلیٰ فوجی جرنیل اور صوبوں کے حکمران یا والی شامل تھے۔

عام عرب:

یہ طبقہ ان افراد پر مشتمل ہوتا تھا جن کو سرکار کی وفاداری اور فوجی خدمات کے صلے میں وظیفے اور باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں۔

موالی:

یہ وہ طبقہ ہوتا تھا جن کا تعلق مفتوحہ علاقوں سے ہوتا تھا اور وہ نومسلم ہوتے تھے' ان کو موالی کہا جاتا تھا۔

ذمی:

اس طبقہ میں تمام غیر مسلم جن میں یہودی' عیسائی' ہندو و دیگر مذاہب کے لوگ ہوتے تھے اور وہ سب کے سب ذمی کہلاتے تھے۔

غلام:

اسلام نے غلامی کو لعنت قرار دیا ہے اور اس کو ختم کرنے کی جدوجہد کی ہے مگر اموی دور میں یہ لعنت پھر پیدا ہو گئی تھی اور وہ تمام حقوق جو اسلام نے غلاموں کو عطا کئے تھے' وہ انہیں حاصل نہ تھے۔

اخلاق و کردار:

دور بنوامیہ کے چار حکمرانوں کے علاوہ باقی سب حکمران مے نوشی اور ناچ گانے کے بہت زیادہ شائق تھے جبکہ حضرت امیر معاویہؓ' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ' ہشام بن عبدالملک اور یزید ثالث ان خرافات کے سخت مخالف تھے اور ان کے عہد میں شراب نوشی اور ناچ گانا ناقابل تعزیر جرم سمجھے جاتے تھے۔

عورت کا مقام:

دور بنوامیہ میں عورت کو مکمل طور پر آزادی حاصل تھی۔ اسلام کی نامور زاہدہ و عابدہ خاتون حضرت رابعہ بصریؒ نے اموی عہد میں معاشرتی اور تہذیبی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی بہت زیادہ جدوجہد کی تھی۔

عوامی مشغلے:

گھڑدوڑ اموی عہد میں عوام کا سب سے بڑا مشغلہ تھی اس کے علاوہ یزید اوّل کو شکار کا بہت

شوق تھا جبکہ دیگر حکمران طبقہ کے لوگ بھی شکار میں کافی دلچسپی لیتے تھے اور اسی وجہ سے وہ دن بدن اخلاقی لحاظ سے پست ہوتے گئے اور امور مملکت میں ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی۔ عیش کوشی نے ان کو اپنے پنجے میں جکڑنا شروع کر دیا۔ خواجہ سراؤں کی تجارت بھی اس عہد میں شروع ہوئی جس نے حکمرانوں کے علاوہ عوام کا اخلاق بھی تباہ کرنا شروع کر دیا جو بنوامیہ کے زوال کا سبب بن گیا۔

دور بنوامیہ' ان کے محاسن اور نقائص

پہلے ذیل میں دور بنوامیہ کی اچھائیاں بیان کی جاتی ہیں:

عہد بنوامیہ کے محاسن:

1- عہد بنوامیہ میں دینی علوم کی اشاعت پر بہت زیادہ زور دیا گیا۔

2- اسی دور میں قرآن مجید پر اعراب لگوائے گئے۔

3- حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کتب احادیث کی تدوین کروائی۔

4- غیر اسلامی ٹیکس ختم کیے۔

5- شراب پر پابندی لگائی گئی۔

6- فیشن پرستی کو ممنوع قرار دیا گیا۔

7- باغ فدک جو فتح خیبر میں حضور ﷺ نے بنو ہاشم کے مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے اپنے حصے میں لیا تھا لیکن مروان نے اسے اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ کہہ کر واپس کر کے اسے سابقہ ضروریات کے لئے وقف کر دیا تھا کہ جو باغ حضرت فاطمہ بنت رسولؐ کو نہیں دیا گیا تھا وہ امویوں کی جائیداد نہیں بن سکتا۔

8- جمعہ کے خطبہ میں حضرت معاویہؓ کے دور میں اور اس کے بعد بھی حضرت علیؓ کی شان میں نازیبا الفاظ بیان کیے جاتے تھے' ان کو ختم کر کے نئے الفاظ شامل کیے۔

9- اموی دور میں ملک بھر میں کئی شفاخانے تعمیر کروائے گئے۔

10- تاریخ نویسی شروع کی گئی' سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریح سے قدیم تاریخ کے واقعات اور قصے لکھوائے' عجم کے بادشاہوں کے حالات بھی ضبط تحریر لائے گئے۔

11- فن کتابت اور انشاء کو بہت ترقی دی گئی۔ علم طب اور کیمیا میں بھی بہت کام کیا گیا۔ فن تعمیر کی طرف دھیان دیتے ہوئے کئی عمارات تعمیر کی گئیں۔ مسجد نبوی' مسجد دمشق کی تزئین اور آرائش کی گئی۔ دمشق ہی میں 'قصر خضراء' نام کا سبز محل تعمیر کرایا۔

12- بنوامیہ کے اکثر حکمران شعر و شاعری کے دلدادہ تھے اس لئے اس دور میں اسے خاص ترقی ہوئی۔

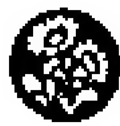
13- بنوامیہ نے تعلیم کی طرف خاص طور پر دھیان دیا۔ علم و ادب کی اشاعت کے لئے جگہ جگہ درس کھولے گئے۔ مسجدوں میں درس و تدریس کا اہتمام کیا گیا جہاں دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس کے علاوہ بھی کئی اچھے کام کیے جنہیں محاسن بنوامیہ کہا جاتا ہے۔

عہد بنوامیہ کے نقائص:

جہاں تک اموی خاندان کی کمزوریوں اور نقائص کا تعلق ہے تو خصوصی اہمیت کی حامل خامیاں درج ذیل ہیں:

-1 خلافت کی بجائے ملوکیت کو رواج دیا گیا۔
-2 بیت المال کو ذاتی ضروریات کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔
-3 تلوار کے زور سے بیعت لینے کی کوششیں کی گئیں۔
-4 تین یا چار کے سوا تمام خلفاء خلافت کے صحیح معیار پر پورے نہیں اُترے۔
-5 ظالم گورنروں کا تقرر کر کے عوام پر ظلم کیا گیا۔
-6 ذمیوں سے اچھا سلوک روا نہیں رکھا جاتا تھا۔
-7 قابل اور لائق جرنیلوں سے ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔
-8 بزرگان دین پر ظلم کیے جاتے تھے۔
-9 شراب نوشی کھلے عام کی جاتی تھی۔
-10 عورت کا درجہ گھٹا کر اس کی توہین کی گئی تھی۔
-11 غیر اسلامی روایات کو ہوا دی جاتی تھی۔
-12 عوام سے مساویانہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔



بنوامیہ کا انتظام سلطنت

تمہید:

بنوامیہ کا عہد حکومت شاندار اسلامی فتوحات اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور ہے بلاشبہ اموی حکومت ایک دنیاوی بادشاہت تھی جس میں مجلس شوریٰ یا عوامی رائے کو بہت کم دخل تھا۔ دور خلفاء راشدین میں خلافت کسی خاص قبیلے کی میراث نہیں تھی بلکہ اُمت کے بہترین انسان کو خلیفہ منتخب کر لیا جاتا تھا۔ اس میں حسب و نسب اور قرابت داری کا کوئی سوال نہیں ہوتا تھا مگر امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کر کے اور عوام سے جبراً اس کی بیعت لے کر ایک ایسی بدعت کی ابتداء کی جس نے اسلام کی جمہوری روح کو کچل کر رکھ دیا اور اسلامی خلافت بھی قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیت کی طرح استبدادیت کے قالب میں ڈھل گئی۔

امیر معاویہؓ کے بعد تخت خلافت بنوامیہ کے ہاتھوں میں آ جانے کے باعث شخصی حکومت کی بیشتر خصوصیات اسلامی سلطنت میں بھی داخل ہو گئیں۔ خلفاء نے اپنی حفاظت کے لئے مسلح سپاہی ساتھ رکھنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ اگر جمعہ کے روز نماز ادا کرنے یا کسی دوسری تقریب پر مسجد میں جاتے تو بھی دائیں بائیں سپاہی کھڑے رہتے حتیٰ کہ جب خلیفہ ولید مسجد نبوی کا ملاحظہ کرنے کے لئے مدینہ گیا تو مسجد سے تمام آدمیوں کو باہر نکال دیا گیا۔

اموی عہد میں بیت المال کو خلفاء کا شاہی خزانہ سمجھا جاتا تھا اور وہ اس آمدنی کو ذاتی راحت و آرام اور عیش و عشرت کے لئے استعمال کرنے لگے۔

مزید یہ کہ ان کے لئے محلات بننے شروع ہو گئے جو اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے قیصر و کسریٰ کے محلوں سے کسی طرح بھی کم نہ تھے۔ شاہانہ لباس بھی بڑا قیمتی اور مرصع ہوتا تھا مگر ان ذاتی خامیوں کے باوجود چند ایک کے سوا تمام سلاطین امیہ نہایت اعلیٰ پایہ کے سیاستدان اور منتظم تھے۔ انہوں نے اسلامی حدود کو ہندو پاک اور چین سے لے کر سپین اور فرانس تک وسیع کر دیا۔

مفتوحہ علاقوں کا انتظام اس خوش اسلوبی سے کیا کہ ہمسایہ اقوام رشک کرتی تھیں اور اپنے ہم مذہب حاکموں کی بجائے مسلمانوں کی ماتحتی کو نعمت خیال کرتیں۔ شاہان بنوامیہ کے تدبر کا کمال یہ تھا کہ اتنی وسیع سلطنت کو اپنے زیر اقتدار متحد و منظم رکھا اور کسی علاقے کو خود مختار نہ ہونے دیا۔

بنوامیہ کا وفاقی نظام

مرکزی انتظام چھ شعبوں پر مشتمل تھا:

1- دیوان الجند:

دیوان الجند کی حیثیت ایک ملٹری کور کی تھی ان کے ذمہ فوج کا انتظام تھا۔ اس کی ابتداء اگرچہ

حضرت عمر فاروقؓ نے کی تھی لیکن بنوامیہ نے اس میں تبدیلی کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو اس سے فائدہ پہنچانا شروع کر دیا۔ اموی حکمرانوں نے اپنے مخالفین کے وظائف منسوخ کر دیئے اور غیر عرب سپاہیوں کے نام رجسٹروں سے غائب کر دیئے گئے۔

2- دیوان الخراج:

یہ حکومت کا شعبہ مالیات تھا۔ یہ زرخیز صوبوں سے خراج وصول کرتا' تمام مملکت کی مالیات اور حکومت کی آمدنی اور خرچ کا حساب کتاب رکھنا اس محکمہ کے فرائض میں شامل تھا۔

3- دیوان الرسائل:

اس محکمہ کی نوعیت ایک سیکرٹریٹ کی سی تھی۔ ہر قسم کی مراسلت شاہی فرمان جاری کرنا اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اس محکمہ کے ذمہ تھا علاوہ ازیں ملک کے تمام محکموں میں ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنا بھی اسی محکمہ کا کام تھا۔

4- دیوان البرید:

محکمہ ڈاک کا آغاز بھی امیر معاویہ نے کیا۔ ابتداء میں اس حکومتی شعبہ کا کام سرکاری ڈاک کو مملکت کے اطراف میں پہنچانا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس محکمے نے عوامی حیثیت اختیار کر لی۔ ملک کے طول و عرض میں ڈاک چوکیاں قائم ہوگئیں جہاں تازہ دم برق رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے۔ عبدالملک نے اپنے عہد حکومت میں اس شعبے کو مزید ترقی دی اور اس محکمہ سے سراغ رسانی کا کام بھی لیا جانے لگا۔ ملک کے اطراف و اکناف میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور خبریں خلیفہ تک پہنچائی جاتی تھیں۔

5- دیوان الخاتم:

یہ محکمہ بادشاہ کے نافذ کردہ احکامات کا ریکارڈ رکھتا اور صوبائی گورنروں کو ان کے مطابق ہدایات روانہ کرتا۔ یہ محکمہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں قائم ہوا کیونکہ ان دنوں بعض ہوشیار لوگوں نے بادشاہ کی جانب سے جعلی دستاویزات اور منشورات بنا کر رعایا کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس شعبہ کے قیام سے اس قسم کی جعلسازیاں بند ہوگئیں کیونکہ ہر ایک شاہی فرمان کی نقول دیوان خاتم میں محفوظ ہوتیں۔

6- دیوان الاحداث:

محکمہ پولیس کی ابتداء اگرچہ خلافت راشدہ کے زمانے میں ہوئی لیکن اموی عہد میں اس کو جدید انداز سے استوار کیا گیا۔ عموی امن و امان کے قیام کی ذمہ داری اس محکمہ کے سپرد ہوئی۔ امن و امان کے علاوہ لوگوں کے مال و جان کی حفاظت بھی اس محکمہ کے ذمہ تھی۔

7- دیوان مستغلات یا شعبہ متفرقات:

مذکورہ بالا محکموں کے علاوہ باقی تمام مرکزی انتظامات اس شعبہ کے زیر اہتمام تھے۔

صوبائی نظام حکومت

تمام اسلامی سلطنت چھ بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔ ایک ایک صوبے میں متعدد علاقے شامل ہوتے۔ صوبائی گورنروں کا تقرر خود خلیفہ کرتا اور گورنر اپنے ماتحت علاقوں میں اپنی مرضی سے نائب متعین کر لیتا۔ علاوہ بریں دیگر تمام عمال کی تقرری بھی گورنر ہی کے منشاء کے مطابق عمل میں آتی۔ صوبہ جاتی تقسیم یوں تھی:

1- حجاز:

اس میں مکہ مدینہ اور یمن کے علاقے شامل تھے۔

2- عراق:

یہ بہت بڑا صوبہ تھا اور اس کے ماتحت عراق، عمان، بحرین، کرمان، سیستان، کابل، خراسان اور سندھ کے صوبے تھے یہاں کا گورنر باقی تمام گورنروں سے برتر خیال کیا جاتا تھا اور اسے نائب السلطنت کا مرتبہ حاصل تھا۔

3- جزیرہ آرمینیہ:

یہ صوبہ موصل، آذربائیجان، آرمینیہ اور جزیرہ کے علاقوں پر مشتمل تھا۔

4- شام:

یہ مرکزی صوبہ تھا کیونکہ اس کا صدر مقام دمشق اموی حکمرانوں کا پایۂ تخت تھا یہ ولایت اُردن، حمص اور قنسرین کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس صوبہ میں کوئی والی مقرر نہیں کیا جاتا تھا یہاں کا انتظام براہ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتا تھا۔

5- مصر:

اس میں مصر کے زیریں اور بالائی دونوں حصے شامل تھے۔

6- شمالی افریقہ:

یہ بڑا اہم صوبہ شمار ہوتا تھا اس کا دارالخلافہ قیروان تھا۔ ہسپانیہ، جنوبی فرانس، سسلی، سارڈینیا اور بحیرۂ روم کے جزائر بھی اسی صوبہ کا حصہ شمار ہوتے تھے۔ ان علاقوں میں قیروان کا گورنر اپنے نائب امیر مقرر کرتا تھا بعد میں اندلس کا صوبہ الگ بنا دیا گیا اور وہاں کے گورنر کی تقرری براہ راست دربار خلافت سے ہونے لگی۔

ہر ایک صوبہ کا گورنر اندرونی معاملات میں خودمختار ہوتا تھا اور اس کا نظام اپنی مرضی کے مطابق چلاتا صرف بیرونی اور اہم سیاسی امور میں خلیفہ کی طرف رجوع کرتا تھا۔

صوبائی حکام

صوبائی حکومت کا ڈھانچہ کچھ اس طرح تھا:

والی یا امیر:

صوبائی حکام میں سب سے اہم ترین عہدہ گورنر کا تھا جسے والی یا امیر کہا جاتا تھا۔ اسے خود خلیفہ مقرر کرتا تھا۔ صوبے میں اس کی وہی حیثیت تھی جو مرکز میں خلیفہ کو حاصل تھی۔ اسے اپنے ماتحت افسروں کے انتخاب کی مکمل آزادی تھی اسے بیک صوبے کا انتظامی اور فوجی سربراہ تصور کیا جاتا تھا۔ امیروں کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ حجاج بن یوسف اور یزید بن مہلب کی شخصیتیں لامحدود اختیارات کی حامل تھیں۔ بغاوتوں اور شورشوں کا خاتمہ' امن و امان کا قیام' محاصل کی جمع آوری' سڑکوں' نہروں اور پلوں کی تعمیرات کا فریضہ انہی کے ذمے تھا۔

عامل:

دوسری اہم شخصیت عامل کی تھی۔ یہ صوبائی مالی امور اور صوبائی بیت المال کا انچارج ہوتا تھا۔ اس شعبہ میں اسے مکمل اور کلی اختیارات حاصل تھے لہٰذا بعض حالات میں والی یا امیر بھی اس کا محتاج ہوتا تھا۔ یہ براہ راست خلیفہ کے سامنے جوابدہ ہوتا اور تمام حساب و کتاب خلیفہ کے سامنے پیش کرنے کا ذمہ دار تھا۔

صاحب الخراج:

ابتداء میں صرف زمین کے مالیہ کی وصولی اور نگرانی صاحب الخراج کے ذمہ تھی بعدازاں عامل اور صاحب الخراج دونوں عہدوں کو ضم کر کے ایک کر دیا گیا تو صاحب الخراج کی حیثیت شعبہ مالیات میں بہت زیادہ ہو گئی اور وہ تمام صوبائی امور مالیات کا انچارج قرار دیا گیا۔

کاتب:

ہر صوبائی محکمہ کا افسر اعلیٰ کاتب کہلاتا تھا۔ اسے آج کل کے چیف سیکرٹری کا ہم پلہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ کاتب کا تقرر صوبائی گورنر کرتا تھا۔

صاحب البرید:

صوبائی محکمہ ڈاک کا افسر اعلیٰ صاحب البرید کہلاتا تھا۔ خط و کتابت کی ترسیل کے انتظامات کے علاوہ خفیہ طور پر تمام صوبائی امور اور اہم واقعات سے خلیفہ کو آگاہ رکھنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔

صاحب الشرطہ:

ملک کے اہم حصوں میں جہاں پولیس فورس قائم تھی اس کے سربراہ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ ان کا فرض ملک میں امن و امان کا قیام تھا صرف کوفہ میں زیاد بن ابی سفیان کے ماتحت چالیس

ہزار ملٹری پولیس امن کی بحالی کے لئے موجود رہتی۔ یہ فورس مشکوک لوگوں کی کڑی نگرانی کرتی اور بدامنی کو سختی سے کچل دیتی۔

قاضی:

لوگوں کی دادرسی اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے تمام صوبائی اضلاع میں قاضی اور جج مقرر کئے گئے تھے۔

صوبائی محکمہ جات:

مرکز کی طرح صوبوں میں بھی دیوان الجند' دیوان الرسائل' دیوان البرید' دیوان الاحداث اور دیوان المستغلات قائم تھے۔ ان کے اختیارات اور فرائض تقریباً وہی تھے جو ان محکموں کے مرکز میں تھے۔

بنوامیہ کا معاشی نظام

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں باقاعدہ بیت المال کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں تمام ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی جمع ہوتی تھی۔

دور بنوامیہ میں حکومت کے ذرائع آمدن قریب قریب وہی تھے جو عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے زمانے میں تھے۔ پہلے ذرائع آمدن تو بدستور قائم رکھے گئے بعدازاں کچھ ایسے ذرائع بھی اپنائے گئے جو اسلامی نقطہ نظر سے درست نہیں ہیں۔

آمدن کے بڑے بڑے وسائل حسب ذیل ہیں:

1- زمین کا لگان
2- زکوٰۃ
3- مطیع ممالک کا خراج (مالیہ)
4- تجارتی محصول
5- جزیہ
6- مال غنیمت کا خمس
7- عشر

زکوٰۃ و عشر:

زکوٰۃ ادا کرنا ہر صاحب نصاب مسلمان کی مالی عبادت ہے۔ صاحب ثروت اہل ایمان پر مال اور املاک پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہے۔ یہ اسلام کا اہم ترین معاشی ادارہ ہے۔ زکوٰۃ کو اسلامی مالیات میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اگر فصل نصاب تک پہنچ جائے تو بارانی زمین کی فصل سے دسواں حصہ اور آبپاشی زمین سے بیسواں حصہ زکوٰۃ ہو گی۔ فصل کی زکوٰۃ کو عشر کے لفظ سے

تعبیر کیا جاتا ہے۔

خراج:

مفتوحہ علاقوں کی زمین پر جو مالیہ وصول کیا جاتا ہے اسے خراج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خراج کی شرح میں یکسانیت نہیں بلکہ یہ زمین کی پیداواری صلاحیت' موسمی تغیرات کے مطابق وصول کیا جاتا تھا۔ مفتوحہ علاقے میں فتح کے وقت معاہدہ میں عموماً اس کی شرح طے کر لی جاتی تھی۔

مالیہ:

اس کی شرح مختلف ادوار میں مختلف تھی۔ ہر خلیفہ ہنگامی ضروریات اور وقتی تقاضوں کے مطابق اس کی شرح میں کمی بیشی کر سکتا تھا۔

جزیہ:

غیر مسلمانوں کی جان و مال اور جائیداد اور عزت و آبرو کے تحفظ کے عوض میں غیر مسلموں سے ادنیٰ شرح پر ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا جسے اسلامی اصطلاح میں جزیہ کہتے ہیں۔ عورتیں' بچے' بوڑھے' نادار' مسکین' یتیم' عسیر' اپاہج' معذور اور بعض مذہبی حلقے جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔

بعض خلفاء کے زمانے میں موالیوں (نومسلموں) سے بھی جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ خزانے کی کمی کو دور کیا جا سکے مگر یہ ایک غیر اسلامی اقدام تھا۔

کسٹم ڈیوٹی یا تجارتی ٹیکس:

غیر ممالک سے جو مال و اسباب درآمد کیا جاتا اس پر مختلف شرح کے مطابق ٹیکس لگایا جاتا تھا۔

خمس:

مفتوحہ علاقوں کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال (سرکاری خزانے) میں جمع کیا جاتا تھا۔

خلیفہ کی ذاتی جاگیریں:

جو جائیدادیں یا جاگیریں براہ راست خلیفہ کی ملکیت ہوتیں۔ ان کی آمدنی بھی بیت المال میں جمع کی جاتی تھی۔

بنوامیہ کا عدالتی نظام

محکمہ انصاف کو شعبہ قضاء کہا جاتا تھا۔ ابتداء میں خلفاء راشدین اور ان کے تعینات کیے ہوئے صوبائی امیر' دیگر انتظامی امور کے علاوہ قاضیوں اور منصفوں کے فرائض بھی خود سر انجام دیتے تھے مگر رفتہ رفتہ ہر صوبے اور ہر شہر میں عامل کے علاوہ قاضی کا تقرر بھی ہونے لگا۔

بنوامیہ کے دور حکومت میں بھی کم و بیش یہی نظام قائم رہا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ قاضیوں کی

تعیناتی خلیفہ کے بجائے گورنروں کے حکم سے ہونے لگی۔ صرف دارالخلافہ کا قاضی خود خلیفہ مقرر کرتا تھا مگر اسے دیگر قاضیوں پر کوئی خاص فضیلت حاصل نہ تھی۔ یہ قاضی ہر شہر اور قصبہ میں موجود تھے مگر انہیں صرف مسلمانوں کے مقدمات سننے کا حق حاصل تھا۔ غیر مسلموں کے لئے علیحدہ جج اور پیشوا مقرر ہوتے تھے جو ان کے لئے اپنے مذہب اور رواج کے مطابق فیصلے کرتے قاضیوں کے فیصلے اسلامی شریعت کے مطابق ہوتے۔ اگر کوئی تنازعہ اس نوعیت کا ہوتا جس کے بارے میں قرآن اور حدیث کوئی قطعی رائے نہ دیتے ہوں تو ایسے معاملات میں قاضی اپنے اجتہاد اور علماء کے مشوروں سے کام لے کر فیصلے کرتے۔

قاضیوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں تاکہ وہ رشوت اور خیانت کی طرف مائل نہ ہوں۔ انصاف کے علاوہ اوقاف کے مال کی نگرانی بھی ان کے فرائض میں شامل تھی۔

بنوامیہ کا فوجی نظام

بنوامیہ کی عظمت و سطوت کا اصل سرچشمہ ان کی فوج تھی۔ ان کی بے مثال فتوحات کا سبب ان کی بے پناہ فوجی قوت تھی۔ زمانہ قبل از اسلام بھی قریش کی عسکری قیادت بنوامیہ کے پاس تھی اس وجہ سے یہ لوگ جنگی امور میں مہارت تامہ رکھتے تھے جب تک بنوامیہ کے عسکری نظام میں کوئی خلل پیدا نہ ہوا حکومت پر ان کا قبضہ رہا۔ بنوامیہ نے اپنے عہد حکومت میں زریں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور زبردست فتوحات حاصل کیں۔

عسکری تنظیم:

بنوامیہ نے حصول اقتدار کے بعد فوجی نظم و ضبط میں اہم تبدیلیاں اور دوررس اصلاحات نافذ کیں۔ رومی سلطنت کے خلاف معرکہ آرائیوں میں وہ جنگی اصول اور نظم و ضبط اور عسکری نظام کو قریب سے دیکھ چکے تھے چنانچہ انہوں نے ان تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ازسرنو فوجی تنظیم قائم کی۔ اثنائے جنگ میں جب فوجیں پیش قدمی کرتیں یا خیمہ زن ہوتیں تو افواج کے کیمپ، مارچ اور حملے بازنطینی اصولوں کے مطابق ترتیب پاتے۔ ان کی حفاظت کے لئے اردگرد خندقیں کھودی جاتیں۔ گرمائی اور سرمائی افواج علیحدہ علیحدہ ہوتیں۔ لڑائی کے دوران فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا:

1- قلب یعنی مرکز
2- میمنہ یعنی دایاں بازو
3- میسرہ یعنی بایاں بازو
4- مقدمہ یعنی ہراول دستہ...... اور
5- عقب پر حفاظتی دستہ ہوتا تھا

میدان جنگ میں فوج کی صف بندی کی جاتی۔ آخری خلیفہ مروان کے عہد میں صف بندی کے قدیم طریقہ کو چھوڑ کر فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کرنے کی روایت کا آغاز ہوا۔

عسکری تنظیم میں اعشاری نظام کو مدنظر رکھا گیا۔ اس نظام کے تحت ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر مقرر ہوتا جسے عارف یا امیر العشرہ کہا جاتا۔ دس عارف ایک نائب کے ماتحت ہوتے تھے اور دس نائبوں پر ایک قائد مقرر ہوتا تھا۔ ایک امیر کے تحت دس قائد یعنی دس ہزار سپاہی ہوتے تھے۔ اس کے بعد سب

سے بڑا افسر یعنی سپہ سالار ہوتا تھا جس کے تحت بہت سے امیر ہوتے تھے ان فوجی عہدہ داروں کے علاوہ بھی دوسرے افسر تھے مثلاً قاضی' ترجمان' خزانچی' پرچہ نویس وغیرہ۔ صوبائی گورنر کے ماتحت اپنی صوبائی فوج تھی جس کی تنظیم مرکزی فوج سے علیحدہ تھی اور ہر صوبے میں فوج کو کنٹرول کرنے کے لئے دیوان الجند کے نام سے الگ محکمہ قائم تھا۔

فوجی بھرتی اور تنخواہ:

فوجی بھرتی میں عربی و عجمی سب شامل ہوتے تھے۔ شامیوں' عراقیوں اور بربریوں کی کثیر تعداد فوج کا حصہ تھی۔ عہد معاویہؓ میں ایک لاکھ اسی ہزار مستقل اور غیر مستقل فوج تشکیل پا چکی تھی۔ دارالحکومت دمشق میں مرکزی فوج کی ایک بڑی تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اموی فوج میں عربوں کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور تمام کلیدی فوجی عہدے ان کے پاس تھے۔ فوجیوں کو بیت المال سے وظائف اور خصوصی تنخواہیں ملتی تھیں۔ عہد معاویہؓ میں ایک سپاہی کی تنخواہ ایک ہزار درہم سالانہ تھی۔

علاوہ ازیں رضا کار فوج میں بھی بھرتی کی جاتی تھی۔ رضا کار فوجیوں کی باقاعدہ تنخواہ نہیں ہوتی تھی بلکہ انہیں مال غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات خواتین بھی فوج کے ساتھ شامل ہوتیں جو کہ دوران جنگ پانی پلانے اور مرہم پٹی کے فرائض انجام دیتیں۔

فوجی چھاؤنیاں:

بنوامیہ کے عہد میں دمشق' کوفہ' بصرہ' واسط اور قیروان اہم چھاؤنیاں اور فوجی بھرتی کے مراکز تھے۔ ان چھاؤنیوں میں ہر وقت تازہ دم فوج رہتی تھی۔ ان کی حفاظت کے لئے محفوظ اور مضبوط فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں۔ سرحدوں پر جابجا قلعے بنائے گئے تھے جن میں حفاظتی فوجی دستے مقیم ہوتے تھے تاکہ بیرونی یلغار کے وقت فوری اور مؤثر کارروائی کی جا سکے۔

اسلحہ:

اموی فوج کے پاس اپنے وقت کا جدید ترین اسلحہ موجود ہوتا تھا۔ نیزے' بھالے' تیر کمان' تلوار' خنجر' زرہیں' ڈھالیں اور کلہاڑے بکثرت استعمال کئے جاتے تھے۔ آلات میں منجنیق کا استعمال عام تھا۔ اس کے علاوہ دبابہ اور کبش بھی قلعہ شکن آلات کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ منجنیق سے قلعوں پر بھاری پتھر پھینکے جاتے لیکن کبش کا آلہ ٹکریں مار مار کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف کر دیتا تھا۔ آگ بھڑکانے والے آتش گیر مادے کا رواج بھی عام تھا۔

بحری فوج:

امیر معاویہؓ نے عہد عثمانی میں بحری بیڑے کے قیام کی اجازت حاصل کر لی کیونکہ یہ عہد فاروقی میں شام کے گورنر تھے اور رومیوں کے ساتھ ان کی آئے روز جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ خشکی پر تو مسلمانوں کا پلہ بھاری رہتا مگر ساحلی علاقوں میں رومی بحری بیڑا مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا جاتا تھا۔ چنانچہ حصول اجازت کے بعد ساحل شام پر جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے۔ تھوڑے ہی

عرصہ میں مسلمانوں کے پاس دو سو جہازوں کا ایک چھوٹا سا بیڑا تیار ہو گیا جس کی مدد سے رومیوں کو پہلی بار سمندری جنگ میں شکست دی گئی۔ اموی عہد میں ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا۔ امیر معاویہؓ کی وفات کے وقت بحیرۂ روم اور ساحل مصر پر مسلمانوں کے سولہ سو جہاز موجود تھے۔ ولید کے دور میں سمندری طاقت کمال کو پہنچ گئی۔

حاکم افریقہ موسیٰ بن نصیر نے جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کئے اور انہی جہازوں کی بدولت سندھ اور اندلس کی شاندار فتوحات عمل میں آئیں۔ اس زمانہ میں اسلامی بحری بیڑا پانچ حصوں میں منقسم تھا' تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

بحیرۂ روم کے علاوہ بحر ہند اور خلیج فارس میں بھی بحری بیڑے موجود تھے مگر زیادہ تر تجارتی نوعیت کے تھے اور پھر ان جہازوں کی ساخت بھی مختلف تھی۔ خلیج فارس میں سارا سال جہاز رانی ہوتی رہتی تھی جبکہ بحر ہند میں صرف موسم سرما میں جہاز چلتے تھے اس حصہ میں عدن' سیراف' بصرہ' دیبل اور ہرمز مشہور تجارتی بندرگاہیں تھیں۔ دنیا کے اطراف و جوانب سے تجارتی سامان کے جہاز لدے ہوئے سفر کرتے۔ بیرونی تجارت سے لاکھوں دینار سالانہ محصول وصول ہوتا تھا۔ الختصر عہد بنوامیہ میں اسلامی بحریہ ٹھوس اور منظم خطوط پر قائم کی گئی تھی۔

رفاہ عامہ کے کام

اموی عہد خصوصاً حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں رفاہ عامہ کے بہت سے کام کئے گئے۔ مسجد نبوی' جامع دمشق اور مسجد اقصیٰ کو از سر نو تعمیر کرایا گیا۔ مدینہ میں پانی کی قلت دور کرنے کے لئے چشمہ سے نہر لا کر شہر کے درمیان میں فوارہ بنا دیا گیا۔ مسافروں کے آرام کے لئے سڑکیں بنائی گئیں جن پر سرائیں تعمیر ہوئیں اور کنوئیں کھدوائے گئے۔ شہروں میں مہمان خانے' شفاخانے اور محتاج خانے کھول دیئے گئے۔ اپاہجوں اور اندھوں کے لئے وظیفے مقرر کئے گئے' متعدد نئے شہر بسائے گئے جن میں قیروان' واسط' بلخ اور رملہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

چوری اور ڈاکے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ بعض عمال نے یہاں تک اعلان کر رکھا تھا کہ جس کسی کی کوئی چیز کھو جائے وہ آ کر ہم سے لے لے۔ لوگوں کی فارغ البالی اور خوشحالی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگ خیرات دینے کے لئے محتاجوں اور ناداروں کو تلاش کرتے پھرتے مگر خیرات لینے والا کوئی نہ ملتا۔

سکہ:

اموی دور سے پہلے مسلمانوں کا اپنا کوئی مستقل سکہ نہیں تھا۔ لین دین میں رومی سکے استعمال ہوتے تھے۔ عبدالملک نے غیر ملکی سکوں کو بند کر کے اسلامی سکے ڈھالنے کے لئے متعدد ٹکسالیں قائم کیں جن کی تفصیل خلیفہ عبدالملک کے حالات میں گزر چکی ہے۔

سلطنت عباسیہ کا آغاز

مسئلہ خلافت کی تاریخ:

قریش میں دو خاندان نمایاں اور ممتاز تھے بنو امیہ اور بنو ہاشم۔ غزوہ بدر میں جب قریش کے اکثر رئیس مارے گئے تو مکہ کی ریاست تنہا ابوسفیان اموی کے حصہ میں آئی۔ بنو ہاشم میں خود آنحضرت ﷺ آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے۔ اس طرح گویا بدر سے فتح مکہ تک بنو امیہ اور بنو ہاشم برسر مقابلہ رہے اور فتح مکہ پر بنو امیہ کی سیادت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ بھی اسلامی حکومت کا جزو بن گئے جن میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کا کوئی سوال نہ تھا چنانچہ آپ ﷺ کے بعد دو خلیفہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ ہاشمی تھے اور نہ اموی۔

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ اموی تھے اس لئے ان کی خلافت کے اخیر عہد میں اموی و ہاشمی کا پرانا سوال پھر پیدا کر دیا گیا۔ عہد فاروقیؓ سے شام میں حضرت معاویہؓ گورنر چلے آ رہے تھے اس لئے وہاں ان کا بڑا اثر و رسوخ قائم ہو گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ نے خلافت کی مسند پر قدم رکھا چونکہ وہ ہاشمی تھے اس لئے بنو امیہ نے ان سے اختلاف کیا اور شام نے ان کا ساتھ دیا مخالف جماعت کے سربراہ امیر معاویہؓ تھے۔ حضرت علیؓ کا پورا عہد جنگ و جدال میں ہی گزر گیا اور لوگ امن و امان کو ترسنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کی جگہ خلیفہ بننے والے حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی مگر بنو ہاشم نے اس کو پسند نہ کیا اور جاہلیت کی اصطلاح ''بنو ہاشم'' اسلام کے بعد ''اہل بیت نبوی'' کی مذہبی اصطلاح میں بدل گئی تھی اور اب رقابت بنو امیہ اور اہل بیت نبوی میں چل پڑی۔

امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے بعد اہل بیت کی پوری مدارات اور دلجوئی کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کا لڑکا یزید تخت نشین ہوا اس جانشینی نے وراثت کی بدترین نظیر پیش کی اور عام طور پر مسلمانوں نے اس کو اس منصب کے قابل نہیں سمجھا مگر دنیاوی طاقت و حکومت اس کے ہاتھ میں تھی اس لئے لوگوں نے چار و ناچار اس کی خلافت مان لی لیکن قریش اور اہل بیت نبوی میں سے اخلاقی طاقت رکھنے والے لوگوں نے اس جبری و موروثی جانشینی سے اختلاف کیا۔ ان میں سے اہم شخصیت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تھی اور اہم ترین ہستی حضرت حسین بن علیؓ کی تھی علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ عبداللہ بن عباسؓ نے مسند علم سنبھال لی۔ حضرت حسینؓ کو عراق کے طرفداروں نے کوفہ آنے کی دعوت دے دی بالآخر انہوں نے کوفہ جا کر میدان کربلا میں اہل بیت کے افراد کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے بعد اہل بیت کی یادگار میں صرف حضرت حسینؓ کے بیمار صاحبزادہ حضرت علی زین العابدین رہ گئے۔ ان کے علاوہ حضرت علیؓ

کے ایک اور صاحبزادہ جو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے بعد کی ایک اور بیوی حنفیہ سے تھے' ان کا نام محمد بن حنفیہ تھا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد آپ کے خلف الصدق حضرت علی زین العابدین سیاسی جھگڑوں سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے اور اہل بیت کے طرفدار جن کا نام شیعہ (گروہ) تھا' ان کی امامت و رہنمائی محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہو گئی جو حضرت علیؓ کے غیر فاطمی صاحبزادے تھے۔ اس وقت سے حضرت علیؓ کی اولاد کے لئے دو نئی اصطلاحیں قائم ہو گئیں ایک فاطمی جو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے بطن سے تھے اور دوسرے علوی جو حضرت علی کی دوسری بیویوں سے تھے۔

بہرحال اس طرح یہ سلسلہ فاطمی اہل بیت سے علویوں میں منتقل ہو گیا۔ محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے لڑکے ابوہاشم عبداللہ ان کے قائمقام ہوئے۔ اتفاق سے انہیں ایک ایسے مقام (حمیمہ' ملک شام) میں مرض الموت پیش آئی جہاں حضرت عباسؓ کی اولاد کے سوا اہل بیت کا کوئی دوسرا رکن موجود نہ تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی تھے اس لئے ابوہاشم عبداللہ نے یہ امانت محمد بن علیؒ کے سپرد کر کے انہیں اپنا جانشین بنایا اور اپنے خراسانی اتباع و انصار کو وصیت کی کہ میرے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس میرے جانشین ہوں گے تم لوگ ان کی طرف رجوع کرنا۔ اس وصیت کے مطابق ابوہاشم کی وفات کے بعد خراسانیوں نے محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی اس طرح خلافت و امامت کا استحقاق حضرت علی کی اولاد سے حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔ یہ گویا عباسی حکومت کا بنیادی پتھر تھا۔

126ھ میں محمد بن علی نے وفات پائی اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے۔ ان دونوں کے زمانے میں برابر عباسی دعوت کا خفیہ سلسلہ قائم رہا۔ ابراہیم کے زمانہ میں یہ راز فاش ہو گیا اور بنوامیہ نے انہیں گرفتار کر کے قید کر دیا اور قید میں ہی انہوں نے وفات پائی۔ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد 129ھ میں ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی نے ان کی جگہ لے لی۔ ان کے زمانے میں عباسیوں میں کافی طاقت آ گئی تھی اس لئے وہ علانیہ بنوامیہ کے مقابلے میں آ گئے اور بنوعباس کے داعی اعظم ابومسلم خراسانی نے بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا۔

حکومت عباسیہ کے قیام کا پس منظر:

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان کو دعوت بنی عباس کی توسیع کا علم اس وقت ہوا جب قاصد ابومسلم کا خط لے کر امام ابراہیم کی طرف جا رہا تھا' راہ میں قاصد پکڑا گیا اسے مروان کے سامنے پیش کیا گیا تو مروان نے اسے پیسے کا لالچ دے کر واپسی جواب لانے کی تاکید کی چنانچہ مروان نے جوابی خط کھول کر پڑھا تو اس کی آنکھیں کھلی اس کے نتیجے میں امام ابراہیم عباسی کو گرفتار کر لیا گیا۔

امام ابراہیم کو بلقاء سے شام کی طرف لے جایا گیا۔ ان کے ساتھ آل عباس میں سے جس قدر حمیمہ میں اقامت پذیر تھے' آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا اب تم لوگ کوفہ چلے جاؤ اور میں نے

اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا خلیفہ اور جانشین امامت قرار دیا ہے تم سب کو ان کی اطاعت میری طرح کرنا واجب ہے۔ (تاریخ طبری' ج 9' ص 33)

ابوالعباس کو گلے سے لگایا اور کچھ ہدایات دیں اور عامل بلقاء سے فرمایا: اب جہاں چاہو لے چلو۔

چنانچہ ابوالعباس ان سے رخصت ہو کر عبداللہ بن محمد' المنصور' داؤد بن علی' عیسیٰ بن علی' صالح بن علی' اسماعیل بن علی' عبداللہ بن علی' عبدالصمد بن علی' یحییٰ بن محمد' عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی' عبدالوہاب بن ابراہیم' محمد بن ابراہیم' موسیٰ بن داؤد بن علی' یحییٰ بن جعفر بن تمام بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی اور دیگر اہل خاندان کو ہمراہ لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

امام ابراہیم کو مروان الحمار کے سامنے پیش کیا گیا اس نے آپ کو حران کے قید خانہ میں بھجوا دیا۔ (کامل ابن اثیر ج 5' ص 158)

قید خانہ میں آپ کو دودھ میں زہر ملا کر دھوکہ سے پلا دیا گیا جس سے آپ فوت ہو گئے۔ حکومت بنی عباس کی بنیاد ان ہی کے ہاتھوں پڑی۔ ان کی بساط سیاست کے مہرے ابوسلمہ' ابومسلم خراسانی' خالد بن برمک اور سلیمان بن کثیر جیسے لوگ تھے۔ ان سب نے امام کی ہدایت پر عمل کر کے حکومت بنوامیہ کا تختہ الٹ دیا۔ نقیبوں میں زیادہ ہوشیار بکیر بن ماھان تھا اور بنوعباس کا وفادار ابومسلم خراسانی اور ابوسلمہ موقع شناس تھا۔



خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاحؒ

ابوالعباس عبداللہ السفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ 104ھ میں صمیمہ میں پیدا ہوئے۔ سفاح نے حدیث کی تعلیم اپنے بھائی امام ابراہیم سے پڑھی۔ ابوالعباس عالم' محدث' فقیہ' قاری' سخی' دلیر اور حسین و جمیل شخص تھے۔

(المعارف لابن قتیبہ الدینوری' ص 163- تاریخ الخلفاء' ص 100)

سفاح' دعوت بنی عباس میں امام ابراہیم کے مشیر تھے۔ امام ابراہیم نے گرفتاری کے بعد ان کو ہی اپنا جانشین بنایا تھا۔

سفاح کا کوفہ میں ورود:

ابوالعباس صمیمہ سے اپنے خاندان سمیت کوفہ روانہ ہوئے۔ یہ جملہ حضرات آل عباس جب کوفہ پہنچے تو وزیر آل محمد ابومسلم نے انہیں موالی بنی ہاشم ولید بن سعد کے مکان پر ٹھہرایا جو کوفہ سے کچھ دور تھا۔ ابومسلم نے اہل کوفہ کو چالیس دن تک ابوالعباس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور نہ ہی امام ابراہیم کی شہادت کی خبر کی۔ ابوالجہم' ابوسلمہ سے کبھی ابوالعباس کے متعلق پوچھتا کہ امام کا کیا حال ہے تو وہ کہہ دیتا کہ ابھی امام کے ظہور کا وقت نہیں آیا ہے۔

بالآخر ابوسلمہ ابوالعباس کے پہنچا اور انہیں بطریق خلافت سلام کیا۔ ابوالعباس نے ابوسلمہ کو حکم دیا کہ تم اپنے لشکر میں جا کر میری آمد کی اطلاع کر دو۔ چنانچہ صبح ہی سے تمام فوج نے ہتھیار لگانے شروع کر دیے اور ابوالعباس کی آمد و استقبال کے لئے تیاری کی۔ ابوالعباس دیگر اہل بیت حضرات کے ساتھ جلوس کی شکل میں نہایت حرمت و شان سے دارالامارت کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

تخت پر جلوس:

بارہ ربیع الثانی 132ھ کو ابوالعباس نے دارالامارت میں قدم رکھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا ابوالعباس نے تخت پر جلوس فرمایا' تمام فوج کی سلامی قبول کی۔ تھوڑے عرصہ بعد جامع مسجد میں خدم و حشم کے ساتھ نماز کے لئے گئے۔ نماز جمعہ خود پڑھائی۔ پہلے نہایت خضوع و خشوع سے خطبہ پڑھا پھر نماز کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں اس نے اپنی برتری اور بنوامیہ کے نقائص بتائے اور خطبہ کے آخر میں فرمایا:

"اے اہل کوفہ! تم لوگ ہماری محبت کے مقام اور ہماری مودت کے مکان ہو تم ہی ایک ایسے ہو کہ اس سے اس وقت نہ پھرے اور نہ ظالموں کا ظلم تمہیں اس سے پھیر سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا زمانہ پا لیا اور ہمارے ظل عاطفت اور سایۂ دولت میں آ گئے۔ پس تم لوگ ہماری بدولت کل آدمیوں سے خوش نصیب اور ہمارے نزدیک سب سے اکرم اور افضل ہو۔ میں اس سلسلہ میں تمہارے وظائف میں سو سو درہم اضافہ کرتا ہوں۔

آگاہ ہو جاؤ میں "سفاح" خونریز اور بڑے زور شور سے بدلہ لینے والا ہوں۔"

سفاح اس قدر خطبہ دینے کے بعد شدت تکلیف سے بیٹھ گیا کیونکہ وہ تپ اور درد میں مبتلا تھا۔ اب اس کے بجائے اس کا چچا داؤد بن علی منبر پر بیٹھا اور اس نے مزید خطبہ دیا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 100)

خطبہ دینے کے بعد ابوالعباس منبر سے اُتر آئے۔ آگے آگے داؤد بن علی عباسی اور ابوالعباس پیچھے اس انداز میں دارالامارت کوفہ میں آئے۔

(المعارف لابن قتیبہ' ص 162- تاریخ یعقوبی' ج 1' ص 413)

بیعت خلافت:

مسجد میں ابوجعفر عبداللہ منصور لوگوں سے سفاح کی خلافت کی بیعت لیتے رہے اور اس قدر لوگوں نے بیعت کی کہ عبداللہ منصور بیعت لیتے لیتے تھک گئے اور رات ہو گئی۔

خلیفہ ابوالعباس مقام اعین میں جہاں ابوسلمہ کی ماتحتی میں لشکر پڑا تھا' ملاحظہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ابوسلمہ کے پاس ٹھہرے درمیان میں پردہ حائل کر دیا تھا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 155)

کوفہ کا انتظام:

ابوالعباس نے دارالامارہ کوفہ پر داؤد بن علی کو امیر مقرر کیا اور عبداللہ بن علی کو شہروز بھیجا جہاں ابوعون بن یزید' بنوامیہ کا سپہ سالار تھا اور اپنے برادرزادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو حسن بن قحطبہ کی مدد کے لئے مدائن میں بھیجا اور ابوالقیظان عثمان بن عروہ بن محمد بن عمار بن یاسر کو اہواز میں بسام بن ابراہیم بن بسام کے پاس بھیجا اور سلمہ بن عمر بن عثمان کو مالک بن عوف کے پاس بھیجا۔

مدینہ ہاشمیہ میں قیام:

خلیفہ ابوالعباس لشکر میں ایک مہینہ تک مقیم رہے اس کے بعد ایک دیہہ (ہاشمیہ) میں اقامت پذیر ہوئے۔

اموی خلیفہ مروان ثانی سے مقابلہ:

خلیفہ اوّل بنوعباس السفاح نے ایک لشکر مروان کے مقابلہ میں عبداللہ بن علی کی سرکردگی میں بھیجا۔ مروان الحمار کے پاس ایک لاکھ پر مشتمل لشکر تھا اور بنوامیہ کا تمام شاہی خاندان مروان کا شریک تھا۔ ابوعون مقابلہ تھا۔ محمد بن علی اس کی مدد کو پہنچ گئے' مقابلہ ہوا نتیجہ میں مروان کو شکست ہوئی وہ تنہا مصر بھاگ گیا چند روز بھاگتا پھرا آخر 28 ذوالحج 132ھ بمطابق 750ء کو بوصیر (مصر) کے ایک گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا اور مروان کے قتل کے ساتھ ہی حکومت بنوامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ یاد رہے کہ ابوعون کا نام خالد بن برمک تھا۔ (تاج العروس شرح قاموس' ج 7' ص 109)

دمشق کی فتح:

مروان بھاگتا پھر رہا تھا کہ امیر العسکر عبداللہ بن علی عباسی' صالح بن علی' ابوعون' عبدالصمد' یحییٰ بن صفوان' عباس بن یزید اور حمید بن قحطبہ نے فوج گراں کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ 5 رمضان 132ھ کو دمشق پر قبضہ ہو گیا۔ ولید بن معاویہ لڑائی میں کام آیا۔

آل مروان سے سلوک:

مروان کے اہل و عیال کنیسہ میں مقیم تھے۔ عمر بن اسماعیل نے ان سب کو صالح بن علی بن عباس کے پاس بھیج دیا۔ اس نے ان کی درخواست پر انہیں بحرمت تمام حراں پہنچا دیا گیا۔ بے رحمی کے ساتھ یہ رحم و کرم بھی بنی عباس کی صف میں داخل تھا۔ (ابن اثیر ج 5' ص 162)

ابو مسلم کی فتوحات:

ابومسلم خراسانی کی سعی سے سمرقند' طوس' رے' جرجان' ہمدان' نہاوند وغیرہ فتح ہو چکے تھے۔ اب تمام علاقہ پر جو دولت بنوامیہ کے قبضہ میں تھا ابوالعباس سفاح کی حکمرانی تھی۔

وزارت:

ابتدائی طور پر سفاح نے حفص بن سلیمان' ابوسلمہ الخلال وزیر آل محمد کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ ابو سلمہ صاحب فضل و کمال تھا۔ دعوت بنی عباس میں اس کی مساعی پیش پیش ہیں۔ ابوسلمہ نے ابوعون خالد بن برمک کو سفارش کر کے فوجی حلقہ سے ملکی عہدہ پر منتقل کرایا۔ کچھ عرصہ بعد سفاح نے پہلی سازش اور دیگر بعض واقعات کی بناء پر ابوسلمہ کو قتل کرا دیا اور خالد کو وزیر مقرر کیا۔ خالد خاندان برامکہ سے تھا۔ یہ خلافت عباسیہ کا دوسرا وزیر تھا۔ (الفخری' ص 137)

قتل ابوسلمہ کا واقعہ:

سفاح کو ابوسلمہ سے دلی نفرت ہو چکی تھی چنانچہ اس نے ابومسلم سے مشورہ طلب کیا تو اس نے قتل کی رائے دی۔ سفاح نے یہ ڈیوٹی بھی ابومسلم کی لگا دی۔ ابومسلم نے مراد بن انس جنی کو بھیج دیا۔ ابوسلمہ رات کو قصر امارت سے اپنے گھر جا رہا تھا کہ مراد نے اسے قتل کر دیا اور یہ مشہور کر دیا کہ کسی خارجی نے قتل کر دیا ہے۔ (کامل ابن اثیر ج 5' ص 49 - ابن خلکان' ج 2' ص 341)

سفاح کے عمال:

سفاح نے کوفہ و سواد پر اپنے چچا داؤد بن علی کو مامور کیا۔ پھر اسے حجاز' یمن اور یمامہ کا گورنر بنا دیا اور کوفہ پر اپنے چچازاد بھائی عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد کو مامور کیا۔ محمد بن یزید بن عبداللہ بن عبدالمدان کو یمن کا عامل بنا دیا۔ سفیان بن عیینہ مہلبی بصرہ کا عامل تھا مگر ایک سال بعد اس کی جگہ سفاح نے اپنے چچا سلیمان بن علی کو مقرر کر دیا اور بحرین اور عمان کے صوبے بصرہ کے ساتھ ملحق کر دیے اور اپنے دوسرے چچا اسمٰعیل بن علی کو اہواز اور تیسرے چچا عبداللہ بن علی کو شام کا گورنر مقرر کیا۔ ابوعون عبدالملک

بن یزید کو مصر اور ابو مسلم کو خراسان کا گورنر نامزد کیا۔ عراق جزیرہ پر ابوجعفر کو مقرر کیا۔ فارس کے گورنر عیسیٰ بن علی عباسی اور محمد بن صولی کو موصل پر متعین کیا۔ اہل موصل نے ان سے انحراف کیا تو سفاح نے اپنے بھائی یحییٰ بن علی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ موصل بھیجا۔ اس نے وہاں جا کر گیارہ ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ان کے ورثاء آہ و بکا کرنے لگے تو یحییٰ نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ تین دن تک قتل کا بازار گرم رہا اس کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے' چوتھے روز گورنر کا جلوس نکلا تو ایک عورت نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا: کیا تم بنو ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ کیا تمہیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ زنگیوں نے مومنات و مسلمات سے جبراً نکاح کر لیا ہے؟

یحییٰ سن کر خاموش ہو گیا۔ دوسرے دن زنگیوں کو بلا کر قتل کرا دیا۔ اس خون ریزی کی خبر سفاح کو ہوئی تو اس نے اسے معزول کر کے اسماعیل بن علی کو موصل کا عامل بنایا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 166)

بنو امیہ کا قتل عام:

بنو عباس نے حکومت حاصل کرنے کے بعد بنو امیہ کے قتل پر کمر باندھی۔ بچے اور بوڑھے تک ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیے جانے لگے۔ سفاح کے پاس سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اموی بیٹھا ہوا تھا کہ سدیف بن میمون شاعر آیا اور سفاح سے مخاطب ہو کر شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''تمہارے پاس بنو عبد شمس (بنو امیہ) کے مہمان سواریوں پر آئے ہیں۔ اے خلیفہ! وہ دھوکے سے آئے ہیں اطاعت کے خیال سے نہیں بلکہ تلوار کے خوف سے۔''

سفاح نے یہ شعر سنتے ہی سلیمان کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد عبداللہ بن علی اور اس کے ساتھ بنو امیہ کے اسی نوے افراد ''نہر ابی فطرس'' کے کنارے دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے کہ بنو ہاشم کا غلام شبل بن عبداللہ آ گیا وہ بنو امیہ کے اس عزت و احترام کو دیکھ کر کہنے لگا:

''تم ہرگز بنو عبد شمس (بنو امیہ) کے انتقام لینے سے درگزر نہ کرنا بلکہ ان کے ہر درخت اور پودے کو کاٹ دینا۔''

یہ سن کر عبداللہ بن علی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ خدام کو حکم دیا کہ ان مہمانوں کی خبر لو۔ یہ اس قدر پیٹے گئے کہ بیچارے لیٹ گئے۔ ان پر چٹائی بچھا کر دوبارہ دستر خوان پر کھانا چنا گیا۔ عبداللہ بن علی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور نیچے سے زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں اسی طرح وہ مر گئے اور سب کا خاتمہ ہو گیا۔ بصرہ میں سلیمان بن علی عباس نے بنو امیہ کے گروہ کو قتل کر کے ان کی لاشوں کو گزرگاہوں پر ڈلوا دیا جنہیں مدتوں کتے کھاتے رہے۔

عبداللہ بن علی نے یہیں بس نہیں کی بلکہ خلفاء بنو امیہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا۔ امیر معاویہؓ کی قبر میں ایک موہوم سا خط تھا۔ عبدالملک بن مروان کی کھوپڑی نکلی۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش جوں کی توں نکلی۔ اس کی نعش پر کوڑے لگوائے گئے' پھر اسے صلیب پر چڑھایا گیا' پھر جلا کر راکھ ہوا میں اڑا دی گئی۔ (تاریخ ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 90- کامل ابن اثیر' ج 5' ص 161)

داؤد بن علی عباس نے مکہ اور مدینہ میں جس قدر بنو امیہ تھے سب کو خاک و خون میں ملا دیا

غرضیکہ اس عام خون ریزی سے بنوامیہ کا کوئی فرد جانبر نہ ہوا سوائے شیر خوار بچوں یا جو بھاگ کر اندلس چلے گئے۔ (ابن خلدون' ج 6' ص 223)

نقباء آل محمد کا قتل:

ابوسلمہ کے قتل کے بعد ابومسلم نے سلیمان بن کثیر کی بیخ کنی کی فکر شروع کر دی۔ اسے قتل کا حکم دیا اور دوسرے کئی حضرات کی خبر لی گئی۔

سفید جھنڈا تحریک:

بنوامیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد بنوعباس نے جو مظالم ڈھائے اس سے بنوامیہ سے ہمدردی رکھنے والوں میں نفرت و مخالفت کی لہر دوڑ گئی۔ مروان کی طرف بلقاء میں مامور سپہ سالار حبیب بن مرہ مری نے بنوعباس کی خلافت کے لباس کے برعکس سفید کپڑے پہنے' سفید ہی جھنڈے اپنے قلعے پر نصب کئے جو عباسی شعار کے خلاف تھے۔ ایک جماعت بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ انہوں نے سفاح کے خلاف علم مخالفت بلند کر دیا اسی طرح اہل قنسرین نے بھی مخالفت کی۔ سفاح کو حیرہ میں مقیم ان بغاوتوں کی خبر ملی تو عبداللہ بن علی نے ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دیا جبکہ اہل قنسرین نے دولت عباسیہ کی اطاعت قبول کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اہل جزیرہ بھی باغی بن گئے۔ انہوں نے بھی اپنے مکانات پر سفید جھنڈے لہرا دیئے مگر یہ بغاوت جلد ہی ختم ہو گئی زیادہ نہ بڑھ سکی۔ (تاریخ ابن خلدون' ج 6' ص 223)

الغرض سفاح کا عہد بنوامیہ کی ہستی کو مٹانے اور ہر طرف سے نظر آنے والے رخنوں کو بند کرنے میں گزرا۔ خون ریزی' سفاکی' بدعہدی اور پیمان شکنی کا مظاہرہ سفاح کے ہاں عام تھا۔ اکثر نقیب ختم کر دیئے گئے تھے۔ ابومسلم بھی سفاح کے عہد میں مصلحت کی بناء پر بچا رہا۔

سندھ کی فتح:

سندھ پر بنوامیہ کے آخری دور میں منصور بن جمہور نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ عبدالرحمن بن مسلم نے مغلس عبدی کو سرحد کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے سندھ پر فوج کشی کی۔ اسے منصور نے قتل کر دیا۔ پھر موسیٰ بن کعب کو بھیجا گیا وہ فاتح ٹھہرا۔ منصور ریگستانی علاقے میں بھاگ گیا' وہیں مر گیا۔ سندھ پر قبضے کے بعد موسیٰ نے اسے آباد کیا اور آس پاس کے علاقے بھی فتح کر لئے۔

(فتوح البلدان' بلاذری' ص 449)

محبان اہل بیت کی شورش:

جب محبان اہل بیت کی توقع کے خلاف یہ عمل ظہور پذیر ہوا کہ بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد بنوعباس کامیاب ہو کر خود خلافت پر متمکن ہو گئے حالانکہ بنوعباس نے عباسی دعوت کی بنیاد اہل بیت کے نام پر رکھی تھی تو ان میں سے شریک نے بخارا میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ تیس ہزار آدمی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے لیکن ابومسلم نے اس کا خاتمہ کر دیا لہٰذا یہ شورش دب گئی۔

خوارج کی بغاوت:

اس کے بعد ایک خراسانی امیر بسیام بن ابراہیم نے حکومت سے بغاوت کر دی۔ سفاح نے خازم بن خزیمہ کو بھیج کر اس کا خاتمہ کرا دیا۔ پھر خازم کو خارجیوں سے مقابلہ کے لئے عمان اور جزیرہ کاوان بھیجا۔ وہاں خارجیوں نے شورش برپا کر رکھی تھی ان کے مراکز عمان اور بحرین تھے۔ صحرائے عمان میں دونوں فریق نبرد آزما ہوئے۔ خون ریز معرکے کے بعد خارجیوں کا سردار جلندی مارا گیا اور خوارج کی تعداد اس معرکہ میں کام آئی چنانچہ وہ لوگ پسپا ہو گئے۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 168)

قیصر روم کی یلغار:

انقلاب حکومت سے قیصر روم بھی فائدہ اُٹھانے کے درپے ہوا۔ اس نے 133ھ میں ایشیائے کوچک کے سرحدی شہر ملطیہ پر حملہ کیا' یہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گئے' رومی آگے بڑھے اور ملطیہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان کچھ عرصہ مقابلہ کر کے جزیرہ چلے گئے۔ رومیوں نے شہر کو خالی پا کر ملطیہ کو برباد کر دیا جو مسلمان وہاں رہ گئے' ان کو قتل کر دیا اور عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ سفاح نے عبداللہ بن علی کو بھیج کر سرحد کا انتظام کرایا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 168- تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 135)

ابومسلم اور المنصور:

136ھ میں ابومسلم نے ابوالعباس سے خود دربار خلافت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی اور حج کی اجازت چاہی۔ سفاح نے ابوجعفر منصور کو خط لکھا کہ تم بھی مجھ سے حج کی اجازت طلب کرو چنانچہ ابوجعفر نے اجازت چاہی تو ان کو اجازت مل گئی اور حکومت کی طرف سے امیر الحج مقرر کیے گئے۔ ابومسلم کو جواب دیا کہ تم حج کے لئے آؤ لیکن امیر الحج منصور کو مقرر کر دیا ہے اس کے ساتھ حج کر سکتے ہو۔ ابومسلم نے اسے منظور کر لیا اور اپنے دوستوں سے کہا کہ منصور کو اس سال حج کرنا ضروری تھا۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 167)

ابومسلم ایک ہزار فوج کے ساتھ کروفر اور شان وشکوہ کے ساتھ سفاح کی خدمت میں آیا۔ اس کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دربار میں لایا گیا۔ پھر ہر دو کے قافلے حج کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ابومسلم نے اپنی شان وشوکت اور فیاضی کا اس قدر مظاہرہ کیا کہ منصور کو اس سے رشک اور حسد پیدا ہو گیا۔ (روضۃ الصفا' ج 3' ص 135)

دارالخلافہ کی تبدیلی:

سفاح نے کوفہ کے بجائے ''الانبار'' کو دارالخلافہ بنایا تھا مگر وہ ایک اور شہر بنانا چاہتا تھا تاکہ اسے دارالخلافہ بنایا جا سکے لہٰذا اس نے کوفہ کے نواح میں ایک مختصر آبادی کی بنیاد ڈالی اس کا نام ہاشمیہ رکھا گیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 429)

امن و امان کا اعلان:

بنوامیہ کے کچھ افراد بچ رہے تھے وہ جان کے خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔ عمر بن معاویہ بن سفیان اموی اپنی جان سے تنگ آ کر سلیمان بن علی عباس کے پاس بصرہ آیا اور کہا مجھے قتل کر دو تاکہ روز روز مرنے کے خدشے سے نجات پا جاؤں گا۔ سلیمان اس کی مظلومیت پر روئے اور سفاح کو لکھا کہ:

"ہم نے بنوامیہ کو ان کی قطع رحمی کی بناء پر قتل کیا تھا' اب صلہ رحمی کا وقت آ گیا ہے کیونکہ ہم اور وہ عبدمناف کی اولاد ہیں اور ایک جدی ہیں۔ امیرالمومنین اگر پسند کریں تو عام حکم صادر کر دیں کہ کوئی شخص اب اس خاندان کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ ہم پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے کہ اس نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا۔"

سفاح نے اس خط کا بڑا اثر لیا اور فوراً حکم دے دیا اور پوری سلطنت میں عام اطلاع کر دی گئی کہ اب بنوامیہ کو امان دے دی گئی ہے۔ یہ پہلی امان تھی جو آل عباس نے آل امیہ کو دی۔

فتوحات:

نئی حکومت کو درپیش مشکلات کے ساتھ ساتھ سرحدی علاقوں پر فوج کشی کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ 133ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کی' یہاں کا فرمانروا جیش بن شبل معمولی مدافعت کے بعد چین کی طرف نکل گیا اسی سال فرغانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں مخالفت ہو گئی۔ فرغانہ کے حاکم نے خاقان چین کی مدد سے چاچ کا محاصرہ کر لیا۔ چاچ کے حاکم میں خاقان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے اس نے اطاعت قبول کر لی۔ ابومسلم خراسانی کو اس اختلاف کی خبر ہو گئی۔ اس نے فوراً زیاد بن صالح کو روانہ کیا۔ دریائے طراز پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ زیاد نے بڑی فاش شکست دی۔ 134ھ میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کی اور یہاں کے فرمانروا آفرید کو قتل کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور آفرید کے بھائی طاران کو کش کا حاکم بنایا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 167)

ولی عہدی:

136ھ میں سفاح نے اپنے بعد اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا۔ (تاریخ ابن کثیر' ج 1' ص 61)

سفاح کی وفات:

ابوجعفر منصور ابھی حج سے واپس نہ آیا تھا کہ سفاح کا آخری وقت آ گیا اور 13 ذوالحج 136ھ میں اس نے سفر آخرت اختیار کیا اور اپنے پایۂ تخت ہاشمیہ میں دفن ہوا۔ انتقال کے وقت عمر 33 یا 36 سال تھی۔ مدت خلافت 4 سال 8 مہینے ہے۔ (طبری' ج 9' ص 154)

اس کی زبان سے آخری الفاظ یہ نکلے تھے:

"حقیقی بادشاہت اللہ حی و قیوم کے لئے ہے۔ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور جباروں کا جبار ہے۔"

(تاریخ طبری' ج 10' ص 87- البدایہ والنہایہ' ج 10' ص 61)

سفاح کی سیرت

سفاح باوقار' عقلمند' مدبر اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا۔ اس میں خوبیاں زیادہ اور برائیاں کم تھیں۔ یہ جہاں ظلم وستم میں شہرۂ آفاق ہے' سخاوت اور داد و دہش میں بھی نمایاں مقام رکھتا ہے۔

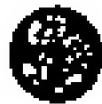
صولی کہتے ہیں کہ سفاح نہایت سخت آدمی تھا۔ عبداللہ بن حسن نے ایک مرتبہ سفاح سے کہا کہ میں نے لاکھ درہم کا نام سنا ہے مگر دیکھے نہیں۔ سفاح نے اسی وقت ایک لاکھ درہم منگوا کر اس کے سامنے رکھ دیئے اور کہا دیکھ لیجئے۔ جب وہ اپنے گھر گئے تو ان کے پاس بھجوا دیئے۔ ایسے ہی سفاح نے علویوں کو رقم دے کر اپنا بنا لیا تھا۔ (الفخری' ص 132- تاریخ الخلفاء' ص 171)

لیکن بنوامیہ کے استیصال میں اس نے بڑی سختی کی تھی اس لئے اس کا لقب سفاح ہو گیا اور اس لقب سے وہ تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔

علمی ذوق:

سفاح علمی ذوق کا حامل تھا گو اس کو حکومت کرنے کا زمانہ بہت تھوڑا ملا مگر فرصت کے وقت اس کی صحبت میں اکابر علماء و شرفاء شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کے عہد کے اعیان و اکابر علماء میں سے اشعث بن سوار' جعفر بن ابی ربیعہ' حصین بن عبدالرحمٰن' ربیعہ الرائے' زید بن اسلم' عبدالملک بن عمیر' عبداللہ بن ابی جعفر اور عطاء بن السائب وغیرہ تھے۔

(تاریخ ملت' ج اوّل' ص 551' مطبوعہ المیزان' لاہور)



خلیفہ ابوجعفر عبداللہ منصور

خلیفہ منصور خلفاء عباسیہ میں علم وفضل کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں بھی بلند درجہ رکھتا تھا۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حکومت عباسیہ کے بانی منصور اور سفاح تھے۔

منصور ولید بن عبدالملک اموی کے زمانہ خلافت میں 95ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت:

منصور نے آنکھ کھولی تو خاندان میں دینی علوم کے لئے بڑے بڑے اکابر موجود تھے۔ باپ تابعین میں شمار کئے جاتے تھے جنہیں علم حدیث و تفسیر ورثہ میں ملے تھے۔ منصور نے ان سے علمی استفادہ کیا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

منصور نے اپنے باپ اور عطاء بن یسار سے حدیث روایت کی اور ان کے بیٹے مہدی نے ان سے روایت کی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 180)

منصور بن عباس میں ہیبت و شجاعت' حزم و رائے اور جبروت کے اعتبار سے سب سے بہتر تھا۔ یہ کامل العقل' ادب وفقہ کا عالم اور نہایت فصیح و بلیغ اور پرگو شخص تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 180)

بیعت خلافت:

منصور مکہ معظمہ سے روانہ ہونے والا تھا کہ سفاح نے الانبار میں انتقال کیا۔ سفاح نے انتقال سے پہلے ابوجعفر منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کا عہدنامہ لکھ دیا تھا۔

اس وقت ابوجہیم بن عطیہ وزیر سلطنت تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے ارکان سلطنت سے منصور کی بیعت لی اور اس حادثہ سے منصور کو آگاہ کیا۔ اسے بہت صدمہ ہوا۔ ابومسلم خراسانی بھی مکہ میں مقیم تھا اسے بلا کر عیسیٰ کا خط دیا۔ ابومسلم خط کو دیکھتے ہی رو پڑا۔ جب قدرے سکون ہوا تو منصور نے ابومسلم سے کہا کہ خاندان میں مجھے اور تو کسی کا اندیشہ نہیں ہے البتہ عبداللہ بن علی عباس کے شر سے خطرہ ہے۔ ابومسلم نے کہا کہ اس کے لئے میں کافی ہوں۔ چنانچہ ابومسلم اور حاضرین مکہ نے ابومنصور کی بیعت کی اور دونوں 136ھ میں واپس کوفہ پہنچے۔ راستے میں اسحاق نے منصور سے کہا کہ مجھے ابومسلم کی طرف سے خطرہ ہے تو منصور نے کہا کہ آپ کا خیال غلط ہے۔ (ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 6' ص 229)

ورود انبار:

منصور کوفہ سے پھر انبار آیا تو عیسیٰ بن موسیٰ نے شاہی خزانہ کی چابیاں ان کی خدمت میں پیش کیں اور دیوان کا دفتر ان کے سپرد کیا۔ اب ذی الحج 136ھ میں منصور تخت خلافت پر متمکن ہو گیا۔ اس وقت اس کا اکتالیسواں سال تھا۔

سفاح اپنے زمانے میں بنوامیہ کا استیصال کر کے منصور کے لئے میدان صاف کر گیا تھا اس

لئے ان کی طرف سے وہ مطمئن رہا لیکن ابھی اموی حکومت کے خاتمہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اس لئے مختلف صوبوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکے، علویوں نے علیحدہ زور پکڑا، خود عباسی خاندان کے بعض افراد تخت خلافت کے مدعی بن کر کھڑے ہو گئے لیکن منصور کی بیدار مغزی، تدبر اور مستعدی ان تمام مشکلات پر غالب آئی اور اس نے ہر طرح کی شورشوں کے باوجود سلطنت میں کوئی انقلاب نہ آنے دیا۔

عبداللہ بن علی عباس کا دعویٰ خلافت:

عبداللہ بن علی عساکر بنی عباس کا کمانڈر تھا۔ سفاح نے اسے لشکر شام اور خراسان کے ساتھ صائفہ بھیجا تھا، یہاں سے وہ ''دلوک'' پہنچا تھا کہ اسے سفاح کے انتقال کی خبر ہوئی تو اسے تاج و تخت کی طمع دامن گیر ہوئی چنانچہ اس نے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ سفاح نے مروان کے مقابلہ میں بنوعباس کو بھیجنا چاہا تھا لیکن میرے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا۔ میری مستعدی دیکھ کر سفاح نے کہا تھا کہ اگر تم مروان پر غالب آ گئے تو میرے بعد تم ہی میرے ولی عہد ہو گے اس کے دعویٰ پر بہت سے لوگوں نے شہادت دی چنانچہ ایک جماعت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (الفخری، ص 150)

اور یہ نامور سرداروں کا لشکر لے کر حران پہنچا اور مقاتل بن حکم کا محاصرہ کر لیا اور کچھ دن کے بعد قبضہ کر کے نصیبین آیا۔ منصور کو جب یہ خبر ملی تو اس نے ابومسلم کو عبداللہ بن علی کے مقابلہ میں بھیجا ادھر سے حسن بن قحطبہ بھی فوج لے آیا۔ دونوں نے عبداللہ کو گھیر لیا۔ عبداللہ کا لشکر شام کی طرف بھاگ گیا۔ عبداللہ بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس بصرہ میں پناہ گزیں ہوا۔ سلیمان نے منصور سے سفارش کر کے اس کی خطا معاف کرا دی لیکن جب امان ملنے کے بعد عبداللہ، منصور کے پاس گیا تو اس نے اسے قید کرا دیا اور وہ قید ہی میں مرا۔

(مروج الذہب مسعودی، ج 6، ص 177- یعقوبی، ج 2، ص 440)

ابومسلم کی باغیانہ روش:

اب منصور کے لئے دو خدشے تھے ایک آلِ ابوطالب کی خفیہ سرگرمیاں، دوسرے ابومسلم کا غرور۔

عبداللہ کو شکست دینے کے بعد اس کا بہت سا مال و متاع ابومسلم کے ہاتھ لگا تھا۔ منصور نے اس کو لینے کے لئے آدمی بھیجے تو ابومسلم سخت برہم ہوا اور بولا کہ خونریزی کے لئے تو مجھ پر اعتبار کیا جاتا ہے اور مال کے بارے میں یہ اعتبار اُٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے دلی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور منصور کی ماں کی نسبت بھی گستاخانہ کلمات کہے۔ (مروج الذہب، ج 6، ص 178)

اس واقعہ کے بعد دونوں کی کشیدگی میں اور اضافہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ کشیدگی نے مخالفت کی شکل اختیار کر لی اور ابومسلم نے خلافت عباسیہ کو مٹانے کا تہیہ کر لیا۔

ذہبی کے بیان کے مطابق وہ نصیبین سے فوجیں لئے ہوئے سیدھا خراسان کی طرف بڑھا

تا کہ منصور کی بیعت توڑ کر یہاں علوی سلطنت قائم کرے۔
(دول الاسلام ذہبی' ج 1' ص 70' حیدر آباد دکن)
راستہ میں ادفیہ میں منصور ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے ابومسلم کو بلا بھیجا مگر وہ نہ آیا۔ منصور نے دوبارہ عیسیٰ بن موسیٰ اور جریر بن عبداللہ بجلی کو بھیجا یہ دونوں کسی طریقے سے اسے لے آئے۔ منصور اس وقت وقتی مصلحت کے خیال سے خاموش رہا اور اپنے کسی طرز عمل سے برہمی کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اس ملاقات کے بعد ابومسلم پھر آنے جانے لگا۔

ابومسلم کہا کرتا تھا کہ "میں ہی آل عباس کے عروج کا سبب ہوں" اور اپنے اعیان کے سامنے منصور کو بُرا بھلا کہہ دیا کرتا تھا۔ یہ خبریں منصور کو خفیہ طور پر پہنچ جاتیں۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس نے امینہ بنت عبداللہ بن علی کو اپنے عقد کا پیام دیا اور اس سے بڑھ کر یہ شہرت دی کہ میں سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد میں سے ہوں۔ یہ اپنی غلامی کو بھول گیا۔ منصور کا کوئی فرمان آتا تو مالک بن ہشیم اور ابومسلم اس کا مذاق اُڑاتے۔ (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ' ج 2' ص 132)

اگرچہ ادفیہ میں منصور نے ابومسلم کو کوئی تاثر نہ دیا لیکن چونکہ دونوں کے مابین کشمکش شروع ہو چکی تھی اس لئے ابومسلم منصور کی مخالفت کے خیال سے خراسان روانہ ہو گیا۔ خراسان عباسی دعوت اور ابومسلم کے اثر و اقتدار دونوں کا مرکز تھا اس لئے یہاں ابومسلم کی مخالفت سے عباسی حکومت کے لئے بڑا خطرہ تھا اس سے منصور بہت گھبرایا اور اسے ایک ہوشیار آدمی ابواسحاق کے ذریعے بلا بھیجا۔ وہ آنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح سمجھانے بجھانے پر چلا آیا۔ (الفخری' ص 154)

ابومسلم کا قتل:

ابومسلم اپنے آپ کو عباسی سلطنت کا بانی سمجھتا تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ یہ حکومت اس کے بل بوتے پر قائم ہے اس لئے وہ آزاد اور خودسرانہ حکومت چاہتا تھا لیکن منصور جیسے بیدار مغز حکمران کے زمانے میں یہ ناممکن تھا خصوصاً جب سے اس نے منصور سے بغاوت کر کے علوی حکومت قائم کرنے کا قصد کیا تھا اس وقت سے منصور اسے مستقل خطرہ سمجھنے لگا تھا اور اس سے بچنے کی اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہ تھی کہ ابومسلم کا قصہ تمام کر دیا جائے لیکن اعلانیہ اس کا قتل کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لئے منصور نے اس کے قتل کی تدبیر اس طرح کی۔

جب ابومسلم کی دارالخلافہ کے قریب پہنچنے کی خبر مشہور ہوئی تو منصور کے حسب الحکم سرداران بنوہاشم اور اراکین سلطنت استقبال کو آئے۔ ابومسلم دربار خلافت میں حاضر ہوا اور امیر المومنین کی دست بوسی کی اور آرام کی غرض سے اجازت چاہی۔ منصور نے مسکرا کر اجازت دی۔ وہ قیام گاہ پر چلا گیا۔ صبح ہوئی تو منصور نے اپنے حاجب عثمان بن نہیک کو چار سرداروں سمیت بلوایا جن میں شبیب بن رواح' ابوحنیفہ اور حرب بن قیس بھی تھے اور انہیں پس پردہ بلا کر ہدایت کی کہ جس وقت میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ ماروں تو پردہ سے نکل کر ابومسلم کو فوراً قتل کر دینا۔ (تاریخ ابن خلدون' ج کتاب ثانی' ص 137)
ابومسلم دربار میں حاضر ہوا اس کے پاس عبداللہ بن علی کی تلوار تھی۔ منصور نے وہ دیکھنے کے

بہانے سے لے لی۔ پہلے منصور اور اس میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر منصور نے تیور بدل کر کہا تم اپنی حدود سے کتنا آگے بڑھتے جاتے ہو۔ خطوط میں اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتے ہو میری اپنی پھوپھی زاد امینہ کو تم نے شادی کا پیغام دیا، تم اپنے آپ کو سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد بتاتے ہو۔ ابومسلم ہر جرم کی معذرت میں دست بوسی کرتا جاتا تھا۔ اس کے جرائم گنانے کے بعد منصور نے تالی بجائی تو عثمان بن نہیک نے نکل کر ابومسلم پر تلوار کا وار کیا۔ اس کے جسم پر کچھ خفیف اثر ہوا تو شبیب بن رواح نے حملہ کیا۔ ابومسلم نے منصور سے کہا مجھے آپ اپنے دشمن کے لئے باقی رکھئے۔ منصور نے جواب دیا، تجھ سے بڑھ کر میرا اور کوئی دشمن نہیں ہوسکتا۔ تو اس طرح عباسی حکومت کا یہ بانی اعظم جس نے اس کی تاسیس میں چھ لاکھ آدمیوں کا خون کیا تھا، خود خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ یہ واقعہ 25 شعبان 137ھ کا ہے۔ (مروج الذہب، ج 6، ص 182- تاریخ کامل لابن اثیر، ج 5، ص 179)

ابومسلم کے قتل کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ عباسی دربار میں داخل ہوا اور پوچھا: ابومسلم کہاں ہے؟ منصور نے جواب دیا: فرش پر لیٹا ہوا ہے۔ عیسیٰ نے کہا: کیا قتل کر دیا گیا ہے؟ منصور نے اثبات میں جواب دیا۔ عیسیٰ نے انا للہ پڑھا اور کہا اس کے کارناموں اور جان بخشی کے بعد یہ سلوک؟ منصور نے جواب دیا: اللہ کی قسم روئے زمین پر اس سے زیادہ تمہارا کوئی دشمن نہ تھا۔ اس کی زندگی میں تم لوگوں کے لئے حکومت کرنا ناممکن تھا اس سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔

سنباذ کی بغاوت:

ابومسلم کے قتل سے عربی اور عجمی کا سوال پیدا ہوگیا اور 137ھ میں ایک مجوسی فیروز عرف سنباد اس کے انتقام کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ خراسان کے کوہستانی علاقہ کے تمام عجمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ سنباد نے خراسان کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا اور مسلمان عورتوں کو قید کر کے خانہ کعبہ گرانے کا عزم ظاہر کیا۔ منصور کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے جمہور بن مرار عجلی کو سیاہ گراں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ جنگ میں سنباد کو شکست ہوئی اور ساٹھ ہزار مجوسی مارے گئے۔ سنباد نے شکست کھا کر طبرستان نکل جانا چاہا لیکن راستہ میں ہی اس کا کام ختم کر دیا گیا۔

(الفخری، ص 153- ابن اثیر، ج 5، ص 180)

یہ عجمیوں کی عباسیوں سے پہلی جنگ تھی۔ اس کے بعد سے عجمیوں کے دل میں عباسیوں کی جانب سے غبار پیدا ہوگیا۔

جمہور بن مرار عجلی کی بغاوت:

سنباد کا بے شمار مال و متاع دیکھ کر جمہور بن مرار عجلی کا ایمان متزلزل ہوگیا۔ اس نے سارے سامان پر قبضہ کرلیا اور مواخذے کے ڈر سے علم بغاوت بلند کر دیا۔ منصور نے محمد بن اشعث کو اس کی سرکوبی کے لئے رئے بھیجا۔ فیروزان کے مقام پر زبردست جنگ ہوئی۔ جمہور شکست کھا کر آذربائیجان بھاگ گیا۔ یہاں خود اس کے ساتھیوں نے اس کا سر قلم کر کے منصور کے پاس بھجوا دیا۔

(ابن اثیر، ج 5، ص 181)

ملبد بن حرملہ کی بغاوت:

137ھ میں جزیرہ کے قریب ایک شخص ملبد بن حرملہ نے بغاوت کر دی۔ اس کی بغاوت اس قدر شدید تھی کہ مسلسل فوجیں جاتی تھیں اور شکست کھا کر ناکام لوٹ آتی تھیں بالآخر 138ھ میں خازم بن خزیمہ نے بڑی دشواریوں کے بعد اس کا کام تمام کیا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 181)

فرقہ راوندیہ کی شورش:

141ھ میں فرقہ راوندیہ نے شورش برپا کی۔ یہ ایک چھوٹا عجمی فرقہ تھا جو تناسخ کا قائل تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح عثمان بن نہیک میں حلول کر گئی ہے اور اللہ جل شانہ نے منصور میں اور جبریل نے ہیثم بن معاویہ میں حلول کیا ہے۔ ان کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا اور انہوں نے ۱۴۱ھ میں منصور کے محل کے پاس شور مچانا شروع کیا کہ یہ ہمارے رب کا محل ہے۔ منصور نے ان کے دو سردار گرفتار کر کے قید کر دیئے۔ راوندیہ اپنے سرداروں کی گرفتاری پر اور برہم ہو گئے اور قید خانہ توڑ کر ان کو نکال کر لے گئے اور چھ سو بلوائی منصور کے محل کی طرف چلے۔ شہر میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ منصور محل سے نکل آیا۔ اس نے ان کے دو سو آدمی گرفتار کرائے اور تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ معن بن زائدہ شیبانی کے ہاتھوں اس گروہ کے سرداروں کا خاتمہ ہوا۔

خراسان کی بغاوت:

141ھ میں خراسان کا والی عبدالجبار بن عبدالرحمن باغی ہو گیا اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اس نے خراسان کے چند افسروں کو قتل اور چند کو گرفتار کر لیا۔ منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو وزیر سلطنت ابوایوب سے کہا کہ عبدالجبار کا ہمارے حامیوں پر اس طرح بے باکی سے ہاتھ صاف کرنا بغاوت کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔ ابوایوب نے مشورہ دیا کہ اس کو لکھ بھیجئے کہ میں روم کی طرف بڑھنا چاہتا ہوں تم خراسان کے منتخب بہادروں اور وہاں کے اعیان کو مع فوج روانہ کر دو۔ اس حیلہ سے فوجی قوت ہٹا لینے کے بعد پھر جس کو چاہیں' وہاں کا حاکم بنا کر بھیج دیجئے۔ عبدالجبار میں مخالفت کی ہمت باقی نہ رہے گی چنانچہ منصور نے اس کے پاس حکم بھیج دیا لیکن عبدالجبار نے یہ عذر کیا کہ اس وقت ترک آمادۂ پیکار ہیں۔ اگر یہاں سے فوجیں ہٹیں تو خراسان ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 188)

اس جواب کے بعد ابو ایوب نے مشورہ دیا کہ اب اسے لکھئے کہ خراسان مجھے تمام ممالک محروسہ میں سب سے زیادہ عزیز ہے اس لئے ترکوں کے خطرہ سے بچنے کے لئے میں دارالخلافہ سے مزید فوجیں بھیجتا ہوں۔ اس بہانہ سے دارالخلافہ کی فوجیں خراسان بھیج دیجئے تا کہ اگر عبدالجبار بغاوت کرنا چاہے تو فوجیں اسے زیر کر سکیں لیکن عبدالجبار کی نیت خراب تھی۔ منصور نے اتمام حجت کے طور پر اسے ایک اور موقع دیا۔ اب اس کی بدنیتی کھل کر سامنے آ گئی۔ منصور نے مہدی اور خزیمہ بن خازم کو لشکر جرار کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ عبدالجبار میدان چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ محشر بن مزاحم نے گرفتار کر کے دارالخلافہ روانہ کر دیا۔

منصور نے اس کے قبضہ سے مال برآمد کر کے اسے قتل کرا دیا۔

(طبری' ج 10' ص 141 - ابن اثیر' ج 5' ص 188)

عینیہ بن موسیٰ کی بغاوت:

142ھ میں سندھ کا عامل عینیہ بن موسیٰ باغی ہو گیا لیکن ان کی بغاوت زیادہ نہ بڑھنے پائی۔ منصور نے عمرو بن حفص کو سندھ اور اضلاع ہندوستان کا حاکم بنا کر بھیجا اس نے بہت جلد عینیہ پر قابو حاصل کر لیا۔

اصبہند کا طبرستانیوں پر ظلم:

طبرستان میں 142ھ میں اصبہند نے مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کئے' لوٹ کھسوٹ جاری رکھی۔ منصور نے ابوالخصیب کو لشکر دے کر بھیجا اس نے طبرستان کو گھیر لیا۔ اصبہند نے عاجز ہو کر زہر کھا کر خودکشی کر لی جس سے یہ فتنہ ختم ہوا۔

خارجی شورشیں:

موصل اور بحرین خارجیوں کے دو بڑے مراکز تھے۔ 148ھ میں ایک خارجی سردار حسان بن مجالد نے موصل میں علم بغاوت بلند کیا۔ شاہی افواج اس کے مقابلے پر آئیں مگر پے در پے شکستیں کھائیں اور حسان نے بڑھ کر موصل پر قبضہ کر لیا۔ آخر امام ابوحنیفہؒ نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہو گئی۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 219)

افریقہ کی بغاوت:

افریقہ کے اکثر بربری قبائل خارجی عقائد رکھتے تھے۔ انہوں نے بغاوت کر کے وہاں کے عباسی حاکم ابن اشعث کو بھگا دیا اور موسیٰ خراسانی کو اپنا والی بنا لیا۔ منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے ایک نامور جرنیل اغلب کو افریقہ کا امیر بنا کر بھیجا مگر خارجیوں کے مقابلہ میں اس کی کوئی بھی پیش نہ گئی اور وہ قیروان کے ایک معرکہ میں مارا گیا۔

اغلب کے بعد ابن حفص کو افریقہ کا گورنر مامور کیا گیا۔ ابتداء میں اسے تھوڑی بہت کامیابی ہوئی لیکن باغی بربریوں نے بالآخر اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور قیروان پر پھر خارجی تسلط بحال ہو گیا۔

تنگ آ کر منصور نے یزید بن حاتم کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ افریقہ بھیجا۔ متعدد خونریز معرکوں کے بعد بربریوں کو شکست ہوئی اور افریقہ میں امن و امان بحال ہو گیا۔

(البیان المغرب' ص 93 تا 103 ملخص)

اندلس میں اموی خلافت کا قیام:

قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن جو ہشام کا پوتا تھا' سفاح کے ہاتھ سے بچ کر افریقہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں سے اس نے سپین پہنچ کر دارالخلافہ قرطبہ پر قبضہ کر لیا

اور اندلس (ہسپانیہ یا سپین) میں مستقل اموی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہو گی۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس' ص 45- ابن خلدون' ج 4' ص 119)

محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کا خروج:

شیعان علی کے دو فرقے امامیہ اور زیدیہ بنوعباس کے بھی اتنے ہی دشمن تھے جتنے بنوامیہ کے' ان کے نزدیک خلافت اور امامت کی مستحق صرف حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد تھی۔ ان کے علاوہ جو شخص بھی خلافت کا دعویٰ کرے' وہ ظالم اور غاصب ہے۔

منصور کے عہد میں فرقہ امامیہ کے پیش رو امام جعفر صادق تھے جو اس سلسلے کے چھٹے امام تھے اور فرقہ زیدیہ کی قیادت امام محمد بن عبداللہ کے ہاتھ میں تھی جنہیں ان کی پاک بازی اور زہد و تقویٰ کے باعث ''نفس زکیہ'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اکثر لوگ انہیں ''مہدی'' بھی مانتے تھے۔

امام جعفر صادق درویش منش آدمی تھے' انہوں نے کبھی خلافت کی تمنا نہیں کی اور اپنے پیروکاروں کو بھی ہمیشہ یہی تلقین کرتے رہے کہ عباسیوں کے خلاف کسی قسم کی شورش بپا نہ کریں مگر نفس زکیہ نے خفیہ خفیہ اہل حجاز سے اپنی خلافت کی بیعت لینا شروع کر دی۔

بنوامیہ کے آخری حکمران مروان ثانی کے عہد میں بنی ہاشم کے بیشتر رئیسوں نے مدینہ میں ایک اجلاس منعقد کیا تھا اور نفس زکیہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ ان روساء میں سفاح اور منصور بھی شامل تھے چنانچہ امویوں کے خاتمہ کے بعد جب سفاح نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو انہوں نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور خود اپنی خلافت کے قیام کی کوشش کرنے لگے۔ سفاح نے انہیں خط لکھا کہ جس میں اپنے سابقہ احسانات جتا کر درخواست کی کہ وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔ یہ خط پڑھ کر نفس زکیہ نے سفاح کی مخالفت ترک کر دی۔

نفس زکیہ کے ایک اور بھائی ابراہیم بن عبداللہ بھی عوام میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور خراسان کی ایک جماعت انہیں بھی امام تسلیم کرتی تھی۔

سفاح کے بعد منصور تخت نشین ہوا تو نفس زکیہ نے پھر اپنی خلافت کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ منصور بھی ان کی طرف سے غافل نہیں تھا اس لئے اس نے حاکم مدینہ زیاد بن عبداللہ کو حکم بھیجا کہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کے ارادوں سے آگاہ کیا جائے۔ اس نے ہر طرح کی تسلی دی اور کہا کہ چند دنوں تک خود ان کو دربار میں حاضر کر دے گا۔

منصور کو اس سے اطمینان نہ ہوا چنانچہ بنوہاشم کے معززین کو دربار میں طلب کر کے ان دونوں بھائیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ حسن بن یزید کے سوا سب نے یہی جواب دیا کہ ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اب انہوں نے خلافت حاصل کرنے کا خیال دل سے نکال دیا ہے البتہ حسن بن یزید نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ پوشیدہ طور پر جنگ کی زبردست تیاریاں کر رہے ہیں اور عنقریب ہی اپنی خلافت کا کھلم کھلا اعلان کر دیں گے۔

اس انکشاف پر منصور نے نفس زکیہ کو قابو میں لانے کی کوششیں تیز تر کر دیں اور زیاد بن

عبداللہ کو مدینہ کی امارت سے معزول کر کے محمد بن خالد کو اس کا جانشین مقرر کیا اور اُسے سخت تاکید کی کہ جس طرح بھی ہو سکے نفس زکیہ اور ابراہیم کا پتہ لگائے لیکن چونکہ یہ دونوں بھائی کسی خاص مقام پر نہیں ٹھہرتے تھے بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے اس لئے ابن خالد بے انتہا روپیہ خرچ کرنے کے باوجود بھی ان کی ٹوہ لگانے میں ناکام رہا۔ منصور نے اسے بھی برطرف کر دیا اور اس کی بجائے رباح بن عثمان کو مدینہ کا حاکم بنایا۔

رباح نے نفس زکیہ کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور جابجا جاسوس بٹھا دیئے مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ تنگ آ کر ان کے تیرہ رشتہ داروں کو گرفتار کر کے منصور کے پاس بھیج دیا۔ سنگ دل منصور نے ان لوگوں پر بے انتہا مظالم توڑے یہاں تک کہ سختیاں برداشت کرتے کرتے ان میں سے چند ہلاک بھی ہو گئے۔

نفس زکیہ نے جب دیکھا کہ ان کی روپوشی کے باعث بنو حسن طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کئے جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا اور رجب 145ھ کو اپنے ڈھائی سو جانثاروں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہو گئے۔ اہل مدینہ نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور وہاں کے عباسی حاکم رباح بن عثمان کو قید کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔

نفس زکیہ کی تجویز یہ تھی کہ جس دن وہ مدینہ میں داخل ہوں اسی دن ابراہیم بصرہ میں علم بغاوت بلند کریں تاکہ منصور کی افواج بٹ جائیں مگر ابراہیم کے اچانک بیمار ہو جانے کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔

فوجی نقطۂ نظر سے مدینہ کو مرکز بنانا بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ غذائی اعتبار سے یہ شہر تو خود اپنا کفیل نہیں تھا بلکہ اس کی تمام ضروریات باہر سے پوری ہوتی تھیں حتیٰ کہ پانی بھی باہر سے آتا تھا جس کے باعث محاصرہ کی صورت میں ایک طویل عرصہ تک مدافعت جاری رکھنا ناممکن تھا۔ ان حالات کے پیش نظر بعض جانثاروں نے مشورہ دیا کہ آپ حجاز کی بجائے یمن کو مرکز قرار دیں مگر نفس زکیہ اس پر رضامند نہ ہوئے۔

منصور کو اس بغاوت کی خبر ہوئی تو نفس زکیہ کو اپنی قوت و جبروت کا خوف دلا کر کہا کہ اگر اب بھی وہ اپنے ارادوں سے باز آ جائیں تو ان کی اور ان کے تمام ساتھیوں کی جان بخشی کر دی جائے گی نیز ان کا زندگی بھر کے لئے معقول وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا اور انہیں اختیار ہو گا کہ وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں۔

اس پیشکش کے جواب میں نفس زکیہ نے ایک طویل خط لکھا۔ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب بیان کر کے خلافت کو بنی فاطمہ کی میراث قرار دیا اور بنو عباس کو ظالم و غاصب کا لقب دیا اور آخر میں منصور کی ''امان'' کو بھی مشکوک اور مشتبہ قرار دیا اور طنزاً کہا کہ یہ وہی امان تو نہیں ہے جو تم نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو اور اپنے سب سے بڑے محسن ابو مسلم کو دی تھی۔

منصور نے مراسلہ کا ایک مدلل اور مفصل جواب لکھا جس میں دونوں خاندانوں کا مقابلہ کر کے بنو عباس کو افضل اور اولیٰ گردانا اور بہت سی مثالیں دے کر ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصلی وارث بنو عباس ہی ہو سکتے ہیں اور اس امر پر خصوصیت سے زور دیا کہ میراث کا تعین عورتوں کی قرابتداری کی بناء پر نہیں بلکہ مروجہ قوانین وراثت کے مطابق یہ حق مردوں کے لئے مخصوص ہے اور چونکہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے چچاؤں میں سے حضرت عباس زندہ تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کے جائز وارث کہلانے کے وہی مستحق ہو سکتے ہیں۔ نیز زمانہ قبل از اسلام چاہ زمزم کے متولی بھی حضرت عباسؓ تھے نہ کہ ابوطالب' ان حقائق کی روشنی میں میراث رسول پر علویوں کے مقابلہ میں عباسیوں کا حق زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔

اس خط و کتابت کے بعد فریقین جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ منصور کو خدشہ تھا کہ اگر اہل کوفہ و اہل خراسان کو ان واقعات کی اطلاع ہو گئی تو وہ بھی نفس زکیہ کی امداد کو اُٹھ کھڑے ہوں گے اس لئے کوفہ کے تمام دروازے بند کر دیئے اور خراسان کے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تاکہ یہ خبریں وہاں تک پہنچنے نہ پائیں۔

جب ان مقامات کی ناکہ بندی ہو گئی تو ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کو ایک لشکر جرار دے کر مدینہ بھیجا عیسیٰ نے اہل شہر کو لکھا کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں اور نفس زکیہ کی امداد سے باز رہیں چنانچہ بیشتر لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر عیسیٰ کی پناہ میں آ گئے۔ ان میں کچھ لوگ اہل بیت کے افراد بھی تھے۔

نفس زکیہ کی شہادت:

نفس زکیہ نے یہ صورتحال دیکھی تو اطاعت نامہ لکھ کر بھیج دیا مگر عیسیٰ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ محاصرہ جاری رکھا آخر 14 رمضان 145ھ کو نفس زکیہ اپنے تقریباً چار سو ہمراہیوں کے ساتھ مقابلہ کو نکلے۔ یہ مختصر سی جمعیت بڑی بہادری اور پامردی سے لڑی لیکن اتنی بڑی فوج کے سامنے ان کی کیا پیش جاتی' پل بھر میں سب کا صفایا کر دیا گیا۔ نفس زکیہ بھی میدان جنگ میں کام آئے۔ ان کا سر تن سے جدا کر کے منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ عیسیٰ نے درگزر سے کام لے کر اہل مدینہ کو عام امان دے دی مگر بنی حسن کی جائیدادیں اور املاک ضبط کر لی گئیں۔ (طبری' ج 10' ص 208 تا 215 ملخص- ابن اثیر' ج 5' ص 199 تا 204 ملخص- مسعودی' ج 6' ص 191-192)

ابراہیم بن علی کا قتل:

نفس زکیہ نے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے بھائی ابراہیم کو بصرہ روانہ کر دیا تھا اور تجویز یہ ہوئی تھی کہ دونوں مقامات پر بیک وقت علم بغاوت بلند کیا جائے مگر ابراہیم کی اچانک بیماری کے باعث یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔

وہ نفس زکیہ کے عیسیٰ سے نبرد آزما ہونے سے پہلے تندرست ہو گئے چنانچہ انہوں نے (نفس

زکیہ کی شہادت سے قبل) نفس زکیہ کی بیعت لے کر بغاوت کا آغاز کر دیا اور بصرہ سے اہواز تک کے علاقے پر تسلط جما لیا اس اثناء میں نفس زکیہ کے قتل کی اطلاع آ گئی جس سے ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ بصرہ چھوڑ کر کوفہ روانہ ہو گئے اس وقت ان کے ہمراہ ایک لاکھ سے زیادہ فوج تھی۔

عیسیٰ بن موسیٰ نفس زکیہ کی مہم سے فارغ ہوا تو منصور نے اسے ابراہیم کی سرکوبی کے لئے حکم صادر کر دیا۔ دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے' قریب تھا کہ عیسیٰ کی فوج کو شکست ہو جائے مگر عین اس وقت ابراہیم کے حلق میں تیر آ لگا۔ جانثار انہیں اٹھا کر میدان جنگ سے باہر لے گئے۔ ان کا میدان جنگ سے ہٹنا تھا کہ فوج نے ہمت ہار دی اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ ابراہیم مقتول ہوئے اور ان کا سر کاٹ کر دارالحکومت بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ 145ھ کا ہے اس وقت ان کی عمر 48 سال تھی۔

(ناسخ التواریخ' ج 5' ص 238- ابوالفداء' ج 2' ص 4- ابن خلدون' ج 3' ص 194)

منصور نے ابراہیم کا سر دیکھا تو اشکبار ہو گیا اور کہنے لگا واللہ میں اس قضیہ کو ہرگز پسند نہ کرتا تھا لیکن بدنصیبی سے ہم اور تم اس میں مبتلا ہو گئے۔ (ابن خلدون' ج 3' ص 196)

برداران نفس زکیہ کا قتل و قید ہونا:

نفس زکیہ اور ابراہیم کے دوسرے بھائی نفس زکیہ کی خلافت کی تحریک کے سلسلہ میں مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ علی بن محمد مصر میں' عبداللہ بن محمد خراسان اور سندھ میں' حسن بن محمد یمن میں' موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ میں' یحییٰ بن عبداللہ طبرستان اور رے میں اور ادریس بن عبداللہ مختلف مقامات پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ منصور نے ان میں سے بعضوں کو گرفتار کر کے قید اور بعضوں کو قتل کرا دیا۔ (مروج الذہب' ج 6' ص 193)

امام مالک بن انس پر ظلم و جور:

منصور نے اپنے چچا زاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی کو تجدید بیعت کے لئے مدینہ بھیجا۔ جعفر نے اہل مدینہ پر ظلم و ستم سے دل کی بھڑاس نکالی۔ ایک شخص نے اس سے امام مالک کے فتویٰ کا ذکر کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ مالک کو سخت ذلت کے ساتھ دارالامارت میں حاضر کیا جائے چنانچہ آپ کو حسب الحکم پیش کیا تو جعفر نے حکم دیا کہ آپ کو ستر کوڑے مارے جائیں۔ کوڑوں کی ضرب سے جسم اطہر مجروح ہو گیا۔ آپ زخمی حالت میں گھر پہنچے اور کوڑوں کی ضرب سے مہینوں کے لئے صاحب فراش ہو گئے۔

منصور کو اس ظالمانہ واقعہ کی خبر لگی تو اسے بڑا قلق ہوا اور جعفر کو معزول کر دیا۔ امام صاحب کو لکھا کہ آپ ازراہ کرم دارالخلافہ تک قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ نے عذر لکھ بھیجا تو خلیفہ نے امام کو اطلاع دی کہ میں چند ماہ بعد حج پہ آتے وقت خود آپ سے ملوں گا چنانچہ حج کے موقع پر منیٰ میں ملاقات ہوئی۔ عقیدت و احترام سے پیش آنے کے بعد منصور نے کہا:

"میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ جعفر نے جو

حرکت کی وہ میرے حکم سے نہیں کی اور نہ ہی مجھے اس کا علم تھا بلکہ اس حادثہ نے میرے دل کو بُری طرح سے ٹھیس پہنچائی ہے۔"

امام مالک نے فرمایا: "امیر المومنین میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے قرابت رکھنے کی وجہ سے اور آپ کا عزیز ہونے کی بناء پر معاف کیا۔"

منصور نے آپ کو راضی کرنے کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور کہا کہ میں ولی عہد مہدی کو تحصیل حدیث کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا اور اس نے امام کی خدمت میں زر نقد پیش کیا اور کمال احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ' ج 3' ص 147)

امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ منصور کا بُرا سلوک:

146ھ میں منصور نے امام ابوحنیفہ کے علم و اجتہاد کی شہرت کی بناء پر انہیں قاضی القضاۃ بنانا تجویز کیا چنانچہ طلبی پر آپ دارالخلافہ آئے۔ منصور نے آپ کو منصب قضاء قبول کرنے کو کہا۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

منصور نے قسم کھا کر کہا:

"آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا۔"

امام صاحب نے بھی قسم اُٹھائی کہ میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔

امام صاحب کی اس جرأت پر سارا دربار محو حیرت رہ گیا۔

خلیفہ نے آپ کے قید کئے جانے کا حکم دیا۔

ابن خلدون کا بیان ہے:

امام صاحب کے لئے منصور نے یہ سزا تجویز کی کہ وہ بغداد کی تعمیر کے سلسلہ میں اینٹوں اور چونے وغیرہ کا اہتمام کریں۔

قیام مجلس ہی میں تھا کہ کچھ دن بعد قید خانہ سے طلب کر کے قبول منصب کے لئے دوبارہ بلا کر سختی کی۔ آپ نے حسب سابق انکار کیا تو آپ کو دوبارہ جیل بھیج دیا گیا۔ پھر طلب کئے گئے اور تیس ہزار درہم دینا چاہے۔ آپ نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔ آپ کو پھر جیل بھیج دیا گیا۔ یہاں تک کہ علم و عرفان کا یہ آفتاب قید ہی میں غروب ہو گیا۔

(مروج الذہب' مسعودی' ج 6' ص 193- تاریخ الخمیس' ج 2' ص 365- تاریخ ابن خلدون' ج 3' ص 196- وفیات الاعیان' ج 2' ص 164)

بغداد کی بنیاد و تاسیس

منصور کا سابقہ دارالحکومت ہاشمیہ کو چھوڑنے کی وجوہ:

اگرچہ منصور نے سفاح کے بعد دوبارہ ہاشمیہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور یہاں کئی ایک نئی عمارتیں تعمیر کیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے محسوس کیا کہ ہاشمیہ اپنی آب و ہوا اور سابقہ روایات

آبادی کے رجحانات اور خاص طور پر سیاسی اور فوجی اعتبار سے ایک غیر موزوں جگہ ہے' منصور کو اپنے خیالات ونظریات کے مطابق ایک نئے موزوں اور عظیم الشان مرکز کی ضرورت تھی۔

ہاشمیہ کی سیاسی اور جغرافیائی حیثیت:

جغرافیائی لحاظ سے ہاشمیہ' کوفہ اور بصرہ کے قریب تھا۔ یہ دونوں شہر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فوجی چھاؤنیوں کے طور پر معرض وجود میں آئے تھے۔ ان شہروں میں کئی قسم کے تندمزاج' شورش پسند اور انتشار پرور لوگ رہتے تھے۔

ہاشمیہ کی سابقہ تاریخ:

سابقہ تاریخ میں کئی قسم کے ہنگامے' انقلابات' غداریاں اور بے وفائیاں ان بستیوں کے ساتھ وابستہ تھیں۔ یہاں اکثر و بیشتر لوگ ایسے بھی تھے جو محبان اہل بیت کہلاتے تھے۔ مذہبی بحثیں اور مناظرے عام تھے۔ خلافت کے مسئلہ پر ایک نہ ختم ہونے والی بحث وتکرار کا سلسلہ یہاں ہمہ وقت جاری رہتا تھا۔

ہاشمیہ کی آب و ہوا:

ہاشمیہ کی آب و ہوا بھی سخت ناگوار تھی جس طرح یہاں سیاسی اور انقلابی طوفان برپا رہتے تھے اسی طرح بادسموم کی آندھیاں بھی آئے روز حشر بپا کرتی رہتی تھیں۔

ترکِ ہاشمیہ سیاسی مجبوری:

ایک مرتبہ ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد ایک مذہبی فرقہ راوندیہ نے ہاشمیہ کے گلی کوچوں میں ہنگامہ برپا کر دیا اور حالات یہاں تک بگڑ گئے کہ منصور کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ اس غیر معمولی واقعہ نے بھی منصور کو ہاشمیہ کے ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔

بغداد کے محل وقوع کے انتخاب کی وجوہ:

اس کی کئی ایک وجوہ تھیں:

1- منصور جس نہج پر اپنی خلافت کی عظمت کے تصورات رکھتا تھا' ان کے پیش نظر ایک موزوں اور عظیم الشان مرکز کی ضرورت تھی لہٰذا بڑی جستجو کے بعد اس نے دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان ایک جگہ کا انتخاب کیا جو اس کے نزدیک نئے دارالحکومت کے لئے انتہائی مناسب تھی۔

2- ایک مرتبہ منصور کا گزر اس سرزمین سے ہوا اس نے یہاں کے موسم کو خوشگوار پایا بالآخر منصور نے اس جگہ مدینۃ الاسلام کے نام سے ایک نیا دارالخلافہ قائم کرنے کا تہیہ کر لیا۔

3- اس جگہ ایک طرف دریائے دجلہ بہتا تھا۔ منصور کے خیال کے مطابق اس کی وجہ سے چین کی سرحدوں تک رسائی ہو سکتی تھی اور ساتھ ہی ہر قسم کی زرعی اجناس اس جگہ سمندروں اور دریائی

آبی راستوں سے آ سکتی تھیں۔ اس کے دوسری طرف دریائے فرات بہہ رہا تھا جو سلطنت کے مرکز کو شام کی آخری سرحدوں تک مربوط کر سکتا تھا۔

4- یہ جگہ سلطنت کے وسط میں واقع تھی اور وہ شاہراہیں جو عباسی سلطنت کے خطرناک ترین حصوں مثلاً شام اور خراسان کو جاتی تھیں' انہیں درمیان میں سے قطع کرتی تھیں۔ فوجی اور عسکری اعتبار سے یہ نہایت اہم سوچ تھی۔

5- یہ جگہ چونکہ دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھی اس لئے مشرق یا مغرب سے حملہ کرنے والا کوئی بھی شخص ان دو دریاؤں میں سے کسی ایک کو عبور کئے بغیر شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

6- یہ ایک نئی شاداب اور پُر فضاء جگہ تھی جس کی آب و ہوا خوشگوار تھی اور یہاں عجم کی شاہانہ روایات پھر سے زندہ کی جا سکتی تھیں نیز یہ علاقہ عراق زیریں میں اور ایران کے قریب ہونے کی وجہ سے زرخیزی کے علاوہ مرکزی حیثیت کا حامل بھی تھا۔

بغداد کی وجہ تسمیہ:

بغداد کی وجہ تسمیہ میں کئی اقوال ہیں:

بعض مؤرخین کے نزدیک اس جگہ نوشیرواں عادل کا قدیم باغ تھا جن کا نام باغ داد تھا جو مسلسل استعمال سے بغداد بن گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک قدیم دیوتا بغ کا مندر تھا جو بغداد کہلاتا تھا۔

بغداد کی تعمیر کا مفصل حال:

بغداد کی جگہ کا انتخاب منصور کی فطری ذہانت کا نتیجہ تھا۔ دجلہ اور فرات اس کے قریب تھے جس کی وجہ سے بصرہ' واسط' شام' مصر' آذربائیجان' دیار بکر اور ہندوستان سے بآسانی تجارت ہو سکتی تھی۔ منصور نے یہاں کی کل اراضی خرید لی اس کے بعد تعمیر بغداد کے لئے شام' موصل' کوفہ' واسط اور بصرہ وغیرہ سے مشہور صناع اور کاریگر بلائے گئے۔

علماء میں سے امام ابوحنیفہؒ (وفات سے قبل کی بات ہے) حجاج بن ارطاۃ اور دیگر فقہاء اور مہندس وغیرہ کو دعوت دی گئی۔ خالد برمکی' ابراہیم فرازی اور علی بن عیسیٰ منجمین نے زائچہ دیکھا۔ 145ھ میں منصور نے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ کہتے ہوئے سنگ بنیاد رکھا:

بسم اللہ والحمد للہ والارض اللہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

شہر بغداد کی بنیاد گول شکل میں رکھی گئی۔ شہر پناہ کے عین وسط میں ایک اور دیوار کا گول دائرہ قائم کیا گیا اس کے وسط میں ایوان شاہی تعمیر کئے گئے۔ شہر پناہ کے چار دروازے رکھے گئے۔ ہر دروازے کے درمیان میں ایک میل کا فاصلہ تھا اسی طرح اندر کے حلقہ کے چار دروازے تھے۔ ہر دروازے پر لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک نصب کئے گئے۔ جامع مسجد محل کے قریب بنائی گئی۔ منصور

نے شہر کو چوبیس ہزار محلوں پر تقسیم کیا۔ ہر محلہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس ایک حمام تھا۔ دجلہ سے کاٹ کر بہت سی نہریں مسجدوں تک پہنچائی تھیں اور نہروں پر ایک سو پچیس پل تھے۔ نہروں کے کنارے خاص شہر میں چار ہزار سبیلیں رکھ جاتیں۔ کل عمارت پر اس وقت کے چار کروڑ آٹھ لاکھ تین درہم صرف ہوئے۔ (معجم البلدان از یاقوت حموی' ج 2' ص 233)

ابن اثیر میں ہے کہ سڑکیں چالیس چالیس ہاتھ چوڑی تھیں۔ پچاس ہزار کاریگر اور مزدور کام میں لگے ہوئے تھے۔ (آج کل کے حساب کے مطابق سوا دو کروڑ سے اڑھائی کروڑ یومیہ بنتے ہیں اور پورے دس سال تک کام جاری رہا۔) (مروج الذہب' مسعودی' ج 6' ص 195)

بغداد' دجلہ کے مغربی جانب تھا۔ ولی عہد کے لئے 151ھ میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک شہر "رصافہ" کے نام سے آباد کیا۔ (ابن اثیر' ج 5' ص 222)

ایوان شاہی کے علاوہ قصر الخلد' قصر الذہب' قبۃ الخضراء' جامع مسجد اور بے نظیر عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ 161ھ میں تعمیر کا کام ختم ہوا تو بجائے بغداد کے اس کا نام مدینۃ الاسلام رکھا گیا۔

خوارج کی شوریدہ سری:

بنوامیہ کے زوال کے ساتھ خوارج کی ایسی ہوا بگڑی کہ دولت عباسیہ کے زمانہ ظہور تک کسی کو سر اٹھانے کی جراَت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ 137ھ میں ملبد شیبانی خارجی نے علم بغاوت بلند کیا۔ حمید بن قحطبہ عامل جزیرہ سرکوبی کو پہنچا وہ شکست خوردہ ہوا تو حازم بن خزیمہ نے مقابل ہو کر اس کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ 148ھ میں حسام ہمدانی نے موصل میں سر اٹھایا۔ عساکر عباسی نے اس کی بھی ایسی سرکوبی کی کہ بقیۃ السیف نے خلیفہ کی بارگاہ میں آ کر عفو و بخشش چاہی۔

قیصر روم کی یورش:

آخری خلفاء بنومروان کے دور حکومت سے لے کر عباسیوں کے ابتدائی سنین خلافت تک قلمرو اسلامی خانہ جنگیوں کا آماجگاہ تھا۔ اغیار نے موقع دیکھ کر ہاتھ پیر نکالے۔ 132ھ میں سفاح کی تخت نشینی کے دوسرے سال قیصر قسطنطین (شاہ روم) نے قلعہ رخ اور ملطیہ پر چڑھائی کر دی اور اس پر قبضہ کر لیا پھر اس کو مسمار کر دیا۔ اس کے بعد قیصر روم نے 137ھ میں قدم آگے بڑھائے۔ خلیفہ نے عباس بن محمد گورنر جزیرہ انطاکیہ کو رومیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ صالح اور عیسیٰ بھی گئے۔ عباس نہایت بہادری سے لڑا اور قیصر روم کو مار بھگایا۔ 136ھ میں عباس نے ملطیہ کو دوبارہ تعمیر و آباد کیا اور ایک چھاؤنی قائم کر دی۔ قیصر کی حربی قوت توڑنے کے لئے عباس نے رومیوں پر حملے کئے اور اکثر بلاد رومہ کو تہ و بالا کر کے واپس آیا۔ اسی سال جعفر بن حنظلہ مہرانی نے بھی رومیوں کی سرکوبی کی۔ 149ھ میں زفر بن عاصم نے بلاد روم پر فوج کشی کی۔ آخر 155ھ میں قیصر نے خلیفہ منصور سے مصالحت کی درخواست کی بالآخر ایک معاہدہ ہوا جس کی رُو سے قیصر خلیفہ کو ہر سال ایک خطیر رقم ادا کرنے کا اقرار کر کے نجات پائی۔

(ابن اثیر' ج 5' ص 182- ابن خلدون' ج 3' ص 203)

استاذ سیس کی فتنہ انگیزی:

150ھ میں اطراف خراسان سے استاذ سیس نمودار ہوا۔ اس نے دعوائے نبوت کر کے بادغیس اور سجستانیوں کو اپنا متبع کر لیا۔ تین ہزار جنگجو اس کے آس پاس آ کر جمع ہو گئے۔ گورنر ''مرورود'' نے سرکوبی کرنی چاہی مگر وہ استاذ کی قوت کی تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ منصور نے حازم بن خزیمہ کو استاذ کی گوشمالی کو بھیجا۔ اس نے آتے ہی اپنی عسکری طاقت سے ان کی فوجی سرگرمی کا خاتمہ ہی کر دیا۔ وہ ''سیس'' کی جانب فرار ہو گیا۔ اس کے پس ماندہ گرفتار ہوئے اور اس کے ہزاروں ساتھی مارے گئے۔ اس طرح یہ فتنہ اس طور سے بالکل ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے خلیفہ نے تمام خرخشوں سے نجات پا کر پورے اطمینان خاطر کے ساتھ اپنی عنان توجہ دینی خدمات اور علمی مہمات کی طرف لگا دی۔

ولی عہدی:

شہزادہ مہدی کو ولی عہد قرار دیا اور عیسیٰ کو مہدی کا ولی عہد مقرر کیا۔

(ابن اثیر ج 5' ص 182 - ابن خلدون' ج 3' ص 203)

منصور کی وفات:

منصور نے بائیس سال پُرشکوہ سلطنت و فرمانروائی کی۔ 158ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ ولی عہد کو چلتے ہوئے کچھ وصیتیں کیں' کوفہ پہنچے۔ حج وعمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کے جانوروں پر نشان لگا کر ان کو آگے روانہ کیا۔ کوفہ سے دو منزل پر درد اُٹھا' بیئر معونہ پہنچے۔ 6 ذوالحج 158ھ کو 62 سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابو جعفر کی شخصیت و کردار

ذیل میں ہم ابو جعفر کی شخصیت کے چند نمایاں پہلوؤں کا اظہار کرتے ہیں:

1- عادات و خصائل:

ابو جعفر منصور ایک خوبرو' دراز قد' کم گو اور سنجیدہ انسان تھا۔ چہرے پر وقار اور ہیبت طاری رہتی تھی۔ وہ دربار خلافت میں حد درجہ پُر رعب اور ڈرامائی انداز میں داخل ہوتا اور قہر آلود نگاہوں سے اپنے درباریوں کی طرف دیکھتا تھا۔ وہ بلا کا مردم شناس اور دور اندیش تھا۔ کوئی شخص اسے دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ شاہی محل کے لاتعداد نوکروں میں سے وہ ہر ایک پر نظر رکھتا تھا۔ خلوت میں خوش مزاج تھا لیکن مجلس میں اس کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اپنی بہترین عادات و خصائل کی بناء پر مؤرخین نے اسے عباسیوں میں ایک منفرد حکمران قرار دیا ہے۔

2- ذہانت و حکمت عملی:

منصور کی بیماری کے آثار سے جب یقین ہو گیا کہ اب وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا تو اس

نے اپنے ولی عہد کو طلب کر کے ایک طویل وصیت کی جو اس لئے اہم ہے کہ اس کے الفاظ سے منصور کے ذہن' اس کی شخصیت اور حکمت عملی پر روشنی پڑتی ہے۔ وصیت کے چند جملے یہ تھے:

1- جس کام کو آج کرنا چاہتے ہو اسے کسی حالت میں بھی کل پر نہ چھوڑو۔
2- سزا دیتے وقت حد اعتدال سے کبھی تجاوز نہ کرو۔
3- عوام اور فوج کو ہمیشہ مطمئن رکھو۔
4- اپنا خزانہ کبھی خالی نہ ہونے دو۔
5- اپنا سارا دھیان اپنے کام پر صرف کرو اور صرف ان لوگوں سے مجلس رکھو جن کے مشوروں سے تمہیں فائدہ پہنچے۔
6- اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔
7- سرحدوں کی حفاظت بطور مذہب تمہارے ذمہ ہے۔
8- خلیفہ کی نیک نامی کا انحصار اس کے تقویٰ پر ہے۔
9- لوگوں کی اصلاح کا سب سے اعلیٰ طریقہ عدل ہے۔
10- تم طاقتور ہو تو نرمی سے کام لو۔
11- جو لوگ تمہاری اطاعت کریں تم ان سے محبت کرو۔

مندرجہ بالا نکات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منصور بڑا عالی ہمت' بیدار مغز اور مدبر و مفکر حکمران تھا۔

3- ہمت و شجاعت:

واسط کے محاصرہ کے دوران اس کے حریف یزید بن ہبیرہ نے منصور کی شجاعت کو ان الفاظ میں داد دی:

"اس نے جب شہر واسط میں میرا محاصرہ کیا تو میرے سر میں کوئی بال سفید نہیں تھا اور جب میں نے اس کا مقابلہ کیا تو میرے سر میں کوئی بال سیاہ نہ رہا۔" (طبری' ج 10' ص 41)

سفاح کے عہد حکومت میں الجزیرہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اپنے باغی جرنیل اسحاق بن مسلم عقیلی سے پالا پڑا تو اس نے ہتھیار ڈالنے کے بعد یہ کہا:

"میں نے منصور کو اچھی طرح آزمایا وہ نہایت طاقتور دکھائی دیا اور جب میں نے اس سے مقابلہ کیا تو وہ ناقابل شکست نکلا۔"

اس نے ابو مسلم خراسانی کا سر اس وقت کاٹ دیا جب اس کے پاس صرف تین شہسوار جانثار موجود تھے۔

4- محنت و فرض شناسی:

منصور سخت محنتی اور جفاکش تھا۔ اس کے کام کرنے کا عام طریق یہ تھا کہ دن کے ابتدائی حصے میں زیادہ وقت احکام جاری کرنے میں صرف کرتا۔ سہ پہر کا وقت اپنے بال بچوں میں گزارتا۔ شام کی

نماز کے بعد وہ مراسلات سنتا اور وزراء سے بات چیت کرتا۔ ایک تہائی رات تک کام کرنے کے بعد وہ سو جاتا۔ وہ بہت کم سوتا تھا۔ نماز فجر کے لئے صبح سویرے ہی اُٹھ جاتا۔ پھر اپنی فوجوں کا معائنہ کرتا اور اکثر اپنی فوج کو جدید ہتھیاروں سے مسلح کرنے کی فکر میں رہتا۔ پھر حساب کتاب کی پڑتال کرتا اور ایک ایک پائی کا حساب طلب کرتا تھا۔ اُس وقت ملک کے اندر جاسوسی کا زبردست جال پھیلا ہوا تھا۔

5- حسن تدبیر و باکمال سیاست:

منصور رائے اور تدبیر میں دوراندیش اور تجربہ کار حکمران تھا۔ اگرچہ اسے بڑے بڑے حوادث سے سابقہ پڑا مگر اپنی اصابت رائے' سیاسی سوجھ بوجھ اور حسن تدبیر کی بدولت اس نے خلافت عباسی کو کمزور نہ ہونے دیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ سلطنت کے چار ارکان (ستون) ہیں جن کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی:

1- قاضی جو اپنے فیصلے کے نتیجے میں کسی طعن و تشنیع اور ملامت کا خوف نہ رکھے۔
2- کمانڈر جو قوی سے ضعیف● کا بدلہ لے۔
3- صاحب خراج' جو رعیت پر ظلم نہ کرے لیکن خراج پورا پورا وصول کرے۔
4- رپورٹر' جو خبریں صحیح صحیح اور معیاری لکھے۔

6- حیلہ سازی و بیدار مغزی:

یزید بن ہبیرہ کی رائے ہے کہ

''میں نے جنگ و امن دونوں حالتوں میں منصور سے زیادہ کسی کو ہوشیار و چالاک اور بیدار مغز اور چوکنا نہ پایا۔''

یہ حقیقت ہے کہ منصور کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی حوصلہ نہ ہارتا تھا بلکہ سیاسی داؤ و گھاٹ' مکروفریب اور حیلہ سازی سے کام لے کر دشمن پر کامیابی حاصل کر لیتا۔ ابومسلم کا فریب کے ذریعے قتل' نفس زکیہ اور ابراہیم کو زیردام لانے کے لئے جعلی خطوط' جاسوس اور قاصد تک کا استعمال اور دیگر مخالفین کے خلاف تمام ہتھکنڈے اور چالیں اس کے عیار ذہن کی عکاس اور آئینہ دار ہیں۔ اپنی ذہانت و فطانت اور پیشگی تدبیر کی بناء پر وہ ہر طرح کے پُرخطر حالات سے کامیاب و کامران نکلا۔

7- اعلیٰ درجے کا منتظم حکمران:

منصور نے ملکی نظم و نسق اور انتظام و انصرام کے لئے ایک مستحکم اور ترقی یافتہ انتظامیہ کی داغ بیل ڈالی اس نے جاسوسی اور احتساب کا بڑا کڑا انتظام قائم کیا۔ عمال حکومت کی کوتاہی پر شدید سزا بلکہ کوڑے تک لگوائے جاتے تھے۔ گورنروں اور آفیسروں کے ایک جگہ مستقل قیام کے بجائے مختلف مقامات پر تبادلے کئے جاتے تھے۔ قانون مساوات میں خلیفہ بھی قانون سے بالاتر نہ تھا۔

8- کفایت شعاری:

منصور نے بغداد کی تعمیر کے وقت اپنے ایک محاسب سے ایک ایک اینٹ اور لکڑی کا حساب

لیا۔ اتنے بڑے منصوبے میں صرف پندرہ درہم کی رقم فضول خرچ ہوئی تو محاسب کی جیب سے لے کر بیت المال میں جمع کروائے۔

اس کا مشہور مقولہ تھا کہ

"حکومت کا قیام ودوام روپے پیسے سے ہے۔"

اسی لئے وہ بیت المال سے رقم صرف کرتے وقت نہایت احتیاط اور کفایت شعاری سے کام لیتا حتیٰ کہ وہ چراغ میں بے کار تیل جلنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔

اس احتیاط اور کفایت شعارانہ طرز عمل ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کی وفات کے وقت خزانہ لبریز اور ملک ہر لحاظ سے روبہ ترقی تھا۔ یہ نہیں کہ وہ بخیل تھا اس نے جائز اور ضروری کاموں پر ہمیشہ دل کھول کر روپیہ صرف کیا۔ بغداد کی تعمیر اور دیگر رفاہی وتعمیراتی کام اس کی فراخدلی کا نمونہ ہیں۔

9- فیاضی وسخاوت:

طبری نے منصور کی فیاضی کے مختلف واقعات لکھے ہیں۔ طبری ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"اس نے عیسیٰ بن نہیک کی وفات کے بعد اس کی چھ بیٹیوں کے لئے ایک لاکھ اسی ہزار دینار عطا کئے اور تیس تیس ہزار حق مہر کے ساتھ سب کی شادیاں کرادیں۔"

اسی طرح ایک بوڑھے کی ایک بات پر خوش ہو کر اسے بڑے انعام واکرام سے نوازا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ ایک شاعر کے قصیدے پر اس کی تھیلی بھر دی جس میں دو ہزار درہم آئے۔ الغرض وہ اسراف اور غلط بخششوں سے پہلوتہی کرتے ہوئے عموماً سخی وفیاض تھا۔

10- مستقل مزاجی:

منصور کو ابتدائے خلافت سے آخر زندگی تک ناموافق ونامساعد حالات کا سامنا رہا۔ انقلابات وحوادث زمانہ، اپنوں اور بیگانوں کی بغاوتوں، خراسانیوں کی مسلسل محاذ آرائی، علویوں کی پنجہ آزمائی اور عبداللہ بن علی کے دعوائے خلافت نے اس کے لئے بڑی مشکلات پیدا کیں مگر اس کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اس نے ہر مشکل معاملے کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور اپنے ناقابل شکست ارادہ کی بدولت سب پر حاوی ہو گیا۔

11- سخت گیری اور شدت:

منصور کے مزاج میں سخت گیری اور شدت غالب تھی۔ اپنے محسن ابومسلم کا قتل، علویوں کے خلاف سنگدلی کا مظاہرہ، امان دے کر توڑ دینا، امام مالک کو کوڑے لگوانا، امام ابوحنیفہ کو قید میں ڈالنا یہ ایسے ظالمانہ جرائم ہیں جنہیں خود بنوامیہ نے بھی علویوں یا عباسیوں کے لئے روا نہ رکھا تھا۔

منصور کا کہنا تھا کہ جب تک لوگوں کے ذہنوں میں آل ابی طالب اور خلفاء بنوامیہ کے رعب کو نکال کر اپنا رعب نہیں ڈالا جاتا اس وقت تک میں اپنی خلافت کو کامیاب نہیں سمجھتا۔

12- عدل و انصاف:

چند خصوصی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے منصور بڑا عادل اور منصف مزاج خلیفہ تھا۔ اس نے والیوں کو عدل و انصاف کے لئے ہدایات دے رکھی تھیں اور عدل سے سر مو انحراف کرنے والوں کو کڑی سزائیں دی جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ قاضی مدینہ نے چند شتربانوں کی درخواست پر منصور کو عدالت میں پیشی کا فرمان جاری کر دیا۔ منصور کی آمد پر خلیفہ کی تعظیم کے لئے کوئی بھی نہ اُٹھا بلکہ منصور کو اپنی گر جانے والی چادر بھی خود ہی اُٹھانی پڑی۔

مقدمہ کی سماعت کے بعد قاضی نے فیصلہ منصور کے خلاف دے دیا۔

مقدمہ کی فراغت کے بعد منصور نے قاضی کو دعائے خیر کے ساتھ ساتھ دس ہزار دینار بطور عطیہ دیئے کیونکہ اس نے انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔

13- سادگی سے محبت اور لہو ولعب سے نفرت:

علامہ ابن خلدون نے منصور کی سادگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''وہ اکثر موٹے اور پیوند لگے کپڑے پہنتا۔''

طبری کے بقول اس کے کمرے پر پردہ لٹکا ہوتا تھا۔ کمرے میں ایک ٹاٹ بچھا ہوتا تھا جہاں سوائے منصور کے بستر' لحاف اور توشک کے اور کچھ نہیں تھا اور وہیں رات کو سوتا تھا اسے گانے بجانے' ناچ کود اور رقص سرود اور شراب سے شدید نفرت تھی اس کی رعایا یا مصاحبین میں سے کوئی شراب پیتا تو وہ اسے سخت سزا دیتا۔

14- علوم وفنون سے دلچسپی:

علامہ سیوطی کے مطابق منصور علم حدیث اور علم انساب میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ یہ پہلا حکمران تھا جس نے دینی علوم کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی آبیاری اور اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ اس نے قیصر روم سے اقلیدس اور طبیعات کی چند کتابیں منگوائیں۔

طبری ایک مقام پر منصور کے شغف حدیث کے بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب ایک شخص نے منصور سے آخری خواہش پوچھی تو اس نے کہا:

''صرف یہ آرزو باقی ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور چاروں طرف اصحاب حدیث بیٹھے ہوں اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہوں۔''

15- تعمیر رصافہ:

فوج میں عربی عنصر ابھی تک غالب تھا۔ منصور نے قثم بن عباس کے کہنے پر عربی عناصر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک نئی چھاؤنی تعمیر کی اور مضری قبائل کو وہاں منتقل کر دیا اور مہدی کو ان کی کمان دے دی جبکہ ربیعہ قبائل پر مشتمل فوج بغداد میں منصور کے ماتحت رہی اس حکمت عملی سے عربوں اور

ایرانیوں میں توازن قائم ہو گیا۔

دور عباسیہ کے استحکام میں منصور کا کردار

1- منصور کے کارہائے نمایاں:

منصور نے نظام حکومت براہ راست اپنے ہاتھوں میں لے کر حوادث و ہنگاموں کے باوجود ملکی سیاست میں استحکام پیدا کیا۔ مختلف صوبوں اور دور دراز کے علاقوں میں فتنوں اور بغاوتوں کا سدباب کر کے امن و امان قائم کیا۔ مخالفین کی شکست و ہزیمت سے عوام و خواص پر یہ ثابت کیا کہ عباسی خلافت کا قیام دیرپا عمل ہے اور ملک میں عباسی خلیفہ ہی اختیار و اقتدار کا سرچشمہ ہے۔ منصور نے اپنے بعد خلیفہ و خزانہ پُر' دل امن سے معمور' رعایا خوشحال' تجارت روبہ ترقی اور بے حد مستحکم حکومت دی۔

2- علوی اور خراسانی عناصر کا خاتمہ:

ابومسلم کا اثر و رسوخ منصور کے لئے خطرے کی علامت تھا چنانچہ منصور نے جلد ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر کے خلافت کے وجود کو محفوظ کر دیا۔ علویوں کو اگرچہ سفاح نے وقتی طور پر انعام و اکرام کے ذریعے خاموش کر لیا تھا مگر وہ ہمہ وقت خلافت عباسیہ کے لئے خطرہ تھے۔ نفس زکیہ اور امام ابراہیم خفیہ طور پر میدان عمل میں موجود تھے۔ منصور نے انہیں تلاش کر کے حیلے سے کھلے میدان میں لا کر شکست دی۔

علوی و خراسانی گٹھ جوڑ عباسی خلافت کے لئے بڑے سنگین نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ منصور نے مختلف حربوں سے ان دونوں خطرات کا سدباب کر کے عباسی خلافت کا وجود یقینی بنا دیا۔

3- بغاوتوں کا استیصال:

ابومسلم کے قتل کے نتیجہ میں اندرون و بیرون دشمنوں نے ملک کا امن و امان تباہ کر دیا۔ حجاز' عراق اور خراسان کی سرزمین فتنوں کا مرکز بن گئی۔ بربروں نے ناک میں دم کر دیا لیکن منصور نے اپنے آہنی عزم و استقلال کی بدولت تمام فتنوں اور فتنہ انگیز اشخاص کا قلع قمع کر کے امن و سکون بحال کر دیا۔

4- مستحکم مالیات:

مستحکم مالیات ملکی سلامتی اور استحکام کی ضامن سمجھی جاتی ہیں۔ منصور کا مشہور مقولہ ہے:

"دولت حکومت کے لئے قلعہ اور دین و دنیا کے لئے رکن کے قائم مقام ہے۔"

اس نے کفایت شعاری کو معمول بنایا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ تعمیری کاموں میں بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے باوجود وفات کے وقت خزانہ میں بے شمار دولت تھی چنانچہ اپنی وصیت کے وقت مہدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس قدر روپیہ جمع کر دیا ہے کہ اگر دس سال تک بھی خراج وصول نہ ہوا تو یہ خزانہ باقاعدہ فوج کی تنخواہ' انتظام مملکت کے اخراجات' اہل و عیال اور اہل خاندان کی معاشی اور سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت و صیانت کے لئے کافی ہوگا۔

5- نظم مملکت:

جنگ و جدل پر توجہ دینے کی وجہ سے نظم مملکت میں کوئی بنیادی تبدیلی تو ممکن نہ ہو سکی لیکن خلافت کی نوعیت' اس کی مرکزیت' خلیفہ کی ہمہ قدر مقتدر حیثیت' صوبوں کی حد بندی' گورنروں کے اختیارات و فرائض کی تخصیص' حکومتی کاموں میں فرض شناسی' ذاتی توجہ کا عنصر' وزارت و حجابت اور دیگر حکومتی محکموں اور اداروں کی تنظیم تو چند ایک ایسے اقدامات ہیں جن کی بدولت مملکت کو حقیقی استحکام حاصل ہوا۔

6- وزارت:

منصور کے زمانہ میں وزارت کا عہدہ بڑا اہم تھا۔ پہلے وزیر خالد برکی تھا بعدازاں ابوایوب کو وزیر بنایا گیا۔ یہ شخص ذہانت' معاملہ فہمی اور فضل و کمال میں مشہور تھا۔ اس کا منصور کے مزاج میں بہت زیادہ دخل تھا لیکن جلد ہی اسے زوال آ گیا۔ پھر ربیع بن یونس کو وزیر بنایا گیا۔ منصور کی وفات تک وہی اس عہدہ پر فائز رہا۔

7- حاجب کا تقرر:

منصور نے حاجب کا نیا منصب قائم کیا۔ حاجب عموماً خلیفہ کے معتمد ترین اشخاص میں سے مقرر کیا جاتا تھا۔ خلیفہ کے قریب ہونے اور ملکی معاملات میں عمل دخل کی بناء پر وزارت کی طرح یہ عہدہ بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر خلیفہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

8- کاتب یا سیکرٹری:

کاتب کی حیثیت موجودہ چیف سیکرٹری کی تھی۔ تمام معاملات اور ریکارڈ اس کے پاس ہوتا تھا اور خلیفہ کے تمام احکامات کو یہی ارسال کرتا تھا۔

9- صوبائی حد بندی:

منصور نے صوبائی گورنروں کی حیثیت اور نوعیت میں ضروری تبدیلیاں کیں اور صوبوں کی مستقل حد بندی کی۔ منصور گورنروں اور صوبائی حکمرانوں کے اکثر تبادلے کرتا رہتا تھا تاکہ کوئی سازش جڑ نہ پکڑ سکے اور نہ ہی یہ اس عہدہ کو موروثی بنا لیں۔

10- فوج کی تنظیم:

منصور کو جس قدر فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں وہ ایک منظم' مربوط' مستعد اور وفادار فوج کی بدولت تھیں۔ فوج میں مختلف عناصر کی شمولیت کی وجہ سے اسے دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ اس تقسیم کا مقصد عربوں اور عجمیوں میں توازن قائم رکھنا تھا نیز سرحدی علاقوں میں نئے قلعے تعمیر کئے گئے جہاں ہمہ وقت سپاہی رومیوں کے ممکنہ حملوں کے سدباب کے لئے موجود رہتے تھے۔

11- عدلیہ:

عدلیہ سرکاری نگرانی سے بالکل آزاد تھی۔ قاضیوں کے تقرر میں خالص اہل منصب لوگوں کو آگے لایا جاتا تھا۔ قاضیوں کے فیصلے بے لاگ اور ترغیب وتحریص سے بالاتر ہوتے۔ ایک مرتبہ جب قاضی محمد بن عمران نے خلیفہ کو عدالت میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے کھڑا کیا اور کوئی خصوصی جگہ نہ دی تو خلیفہ نے قاضی کو عدلیہ کی عظمت برقرار رکھنے پر خوش ہو کر دس ہزار عطا کیے۔

12- جاسوسی کا نظام:

ملکی حالات و واقعات سے باخبر رہنے کے لئے اس نے جاسوسی کے محکمے کی ازسرنو تنظیم کی مختلف صوبوں میں گورنروں کی تقرری وتبادلوں کے بعد ایک وقائع نویس اور محکمہ ڈاک کے اعلیٰ افسران اور خفیہ کارندے مقرر کیے جو خلیفہ کو تمام ملکی حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ منصور کا چونکہ جاسوسوں کے ساتھ ہمہ قوت گہرا رابطہ تھا اس لئے منصور رعایا کے تمام طبقات کے معمولات سے واقف رہتا۔ انہی کی باخبری کی بدولت منصور اپنے تمام مخالفین کو کچلنے میں کامیاب ہو سکا۔

13- علمی ترقی:

منصور خود بہت بلند پایہ عالم تھا۔ دینی علوم کے علاوہ دیگر علوم سے دلچسپی اس زمانہ میں پیدا ہوئی۔ اس دور میں حدیث، تفسیر، فقہ، مغازی اور سیرت کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ امام مالکؒ، ابن جریجؒ، اوزاعیؒ، حماد بن سلمہ اور ابن عمرو نے کتب احادیث تحریر کیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اسلامی اور ابن اسحاق نے مغازی پر کام کیا۔ ابویوسف اور محمد بن حسن شیبانی نے کتب فقہ تحریر کیں علاوہ ازیں ادب، منطق، علم الاخلاق، سیاسیات حتیٰ کہ علم نجوم پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔

14- تعمیر وترقی:

مسجد حرام کی توسیع میں دو سال صرف کیے اور مسجد حنیف کو وسیع کیا۔ ہنگاموں کی وجہ سے مکہ معظمہ کے آس پاس کے علاقوں کو ازسرنو سرسبز و شاداب کیا۔ رفاہ عامہ کے نقطہ نظر سے اس نے بہت سے پل، نہریں اور قلعے تعمیر کرائے۔ نئی نئی بستیاں بسائیں۔ ان تمام کارناموں کی بدولت اس نے عباسی خلافت کی عظمت میں خاصا اضافہ کیا۔

15- بغداد کی تعمیر:

بغداد کی بنیاد 146ھ میں منصور نے خود اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ ملک کے مختلف حصوں سے معمار، کاریگر اور انجینئر بلائے گئے۔ بغداد کی بنیاد رکھتے وقت منصور کی یہ خواہش تھی کہ یہ شہر ایک فوجی چھاؤنی سے بڑھنے نہ پائے لیکن منصور کی وفات کے چند ہی سال بعد یہ شہر مشرق کے عظیم ترین شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔ صدیوں تک بغداد علم و ادب۔ اور تہذیب وتمدن کا مرکز رہا۔ اپنی انہی خوبیوں کی بناء پر بغداد کو ”عروس البلاد“ کا لقب دیا گیا۔

منصور خلافت عباسیہ کا حقیقی بانی ہے

منصور کی سیرت و کردار اور کارہائے نمایاں کی روشنی میں جب ہم اس دور کے حالات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو بطور حکمران اس کی عظمت اور بطور سیاستدان اس کی فراست مزید واضح ہو جاتی ہے۔

اندرون اور بیرون ملک ایسے مسائل اور مشکلات سر اٹھا رہی تھیں جن کی وجہ سے عباسی خلافت کی بنیادیں تک متزلزل ہو رہی تھیں۔ منصور نے کمال دانشمندی اور استقلال سے کام لے کر ان تمام مشکلات کو دبا دیا۔ ہر قسم کے فتنوں اور بغاوتوں کا سدباب کر کے بیرونی دشمنوں پر یہ بات واضح کر دی کہ وہ ان کی ہر شرارت کا جواب دینے کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس نے بغاوتوں کو کچل کر ملک میں امن و امان قائم کیا اور انتظام سلطنت کو مستحکم بنیادیں فراہم کیں۔

امن و امان کے قیام وسعت اور استحکام سلطنت کے علاوہ بغداد کی تعمیر کا سہرا بھی منصور کے سر ہے اور اس نے اپنی کفایت شعارانہ پالیسی کے بدولت شاہی خزانہ کو بھر دیا' محاصل کے نظام کو درست کیا اور اس طرح اپنے مالی اور معاشی وسائل کو مضبوط بنایا۔ منصور نے خود اپنی وصیت میں تحریر کیا کہ

"میں نے تمہارے (مہدی) لئے اتنی دولت جمع کر دی ہے کہ اگر تمہیں دس سال تک بھی خراج نہ ملے تو تمہیں اخراجات کی تنگی کی شکایت نہ ہو گی۔"

منصور نے مستحکم انتظامیہ' آزاد عدلیہ اور دیانت دار محاصل کی بدولت نہ صرف خلافت کے وقار میں اضافہ کیا بلکہ عباسی حکومت کو مستقل' مضبوط اور مستحکم بنیادیں فراہم کیں بلکہ مجموعی اعتبار سے ملت اسلامیہ کو بڑی عظمت نصیب ہوئی نیز علوم و فنون نے فروغ پایا۔

خوشحالی دولت عام ہوئی اور تمدنی و معاشرتی معیار کے لحاظ سے مسلمان ایسے مقام پر فائز ہوئے جہاں دوسری قومیں نہ پہنچ سکی تھیں۔

علاوہ ازیں منصور کی شخصیت و کردار اور اس کے کارہائے نمایاں کی بدولت بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بنو عباس کا حقیقی بانی ابو جعفر منصور ہی ہے۔

منصور کا نظام مملکت

مروانیوں میں عبدالملک جس پایہ کا فرمانروا تھا اسی کے مانند منصور عباسی تھا۔ عبدالملک نے جس طرح دولت امویہ کی بنیادیں مضبوط کیں اسی طرح عہد بنی عباس کو مضبوط کرنے والا منصور عباسی تھا۔

منصور کا عہد ملکی فتوحات میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی عمر کا بڑا حصہ خانہ جنگی میں گزرا اور سفاح اور منصور کے ادوار میں اندلس اور افریقہ کا کچھ حصہ دولت عباسیہ سے جدا ہو گیا جس طرح امویوں نے خلافت راشدہ کے سیاسی نظام کو ختم کر کے موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی اسی طرح عباسیوں نے بھی کیا۔

منصور کے چچا داؤد بن علی نے سفاح کی پہلی تقریر کے بعد جو تقریر کی تھی اس میں واشگاف الفاظ میں کہا تھا:

''ہم خدا تعالیٰ' رسول اللہ اور حضرت عباس کا ذمہ دیتے ہیں کہ سنت رسول اللہ پر عمل کریں گے۔'' (طبری' ج 9' ص 125)

مگر نہ تو سفاح نے اس پر عمل کیا اور نہ ہی منصور نے بلکہ منصور نے نظام حکومت آل ساسان کے دستور حکومت کے مطابق کیا۔ عباسی حکومت کے قیام میں ابو مسلم خراسانی کی کارفرمائی کو مرکزی دخل حاصل ہے۔ اس کے بعد خالد برمکی کا کردار نہایت ہی اہم ہے کیونکہ سفاح اور منصور نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر واقتدار خاصا بڑھا دیا تھا۔ اس سے قدرتی طور پر حکومت کے نظم و نسق پر ایرانی نظریات کارفرما تھے۔

منصور خودمختار حکمران تھا مگر بنوامیہ کی تقلید میں حاجب کے تقرر کے علاوہ ایک نئے عہدہ کا اضافہ کیا جو اہل ساسان کی حکومت کے مطابق تھا۔ عباسیوں کا پہلا وزیر ابوسلمہ خلال تھا جو وزیر آل محمد کے لقب سے معروف تھا۔ اس کے بعد ابوجہم' پھر خالد بن برمک پھر ابوایوب موریانی اور پھر ربیع بن یونس کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا گیا۔ منصور کی خوداعتمادی نے اگرچہ وزارت عظمیٰ کی اہمیت کو ختم کر دیا تھا اس کے باوجود منصور مملکت کے اہم امور میں وزراء سے مشورہ ضرور کرتا تھا گو اس کی شاہانہ ہیبت اور استبداد کے سامنے وزراء کی کوئی حقیقت نہ تھی اور وہ ہمیشہ اس سے تھرتھراتے رہتے تھے چنانچہ یہ مشہور ہے کہ منصور کے وزراء کے چہروں پر کبھی کسی نے اطمینان اور خوشی کے احساسات نہیں دیکھے۔ (تاریخ ملت' ج اوّل' ص 575)

دارالخلافہ:

منصور نے حکومت کا محور و مرکز بغداد کو قرار دیا تھا یہیں سے وہ تمام مملکت پر فرمانروائی کرتا تھا۔ تمام گورنر منصور کی مرضی کے تابع تھے۔ گورنروں کے اختیارات و فرائض فوج کی قیادت' عدالت امامت تک محدود تھے۔ گورنر کا تقرر خلیفہ خود کرتا تھا۔ گورنر اپنے صوبہ میں مالیات' عدالت' فوج اور پولیس کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا۔ پہلے پہل قاضی القضاۃ کا عہدہ منصور نے قائم کیا۔

(تاریخ عرب' موسیو سیدیو' ص 183)

ملکی نظام:

منصور نے جس وقت عنان حکومت سنبھالی تو اس وقت تک صوبوں کے حکام کی وہی قدیم روش جاری تھی کہ اپنے صوبوں پر ان کا پورا پورا حاکمانہ تصرف تھا۔ وہ فوج اور خزانہ کو جس طرح چاہتے اپنے تصرف میں لاتے تھے اور جو خراج وصول ہو کر خزانے میں آتا گورنر اسے اپنی صوابدید کے مطابق صوبے کی ضروریات اور مصالح ملکی کے کاموں میں صرف کرتے تھے۔ اگر اس میں سے کچھ بچتا تو خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔ منصور نے اس طریقہ کو بالکل بدل دیا اس نے اپنا اصول یہ بنایا کہ وہ

تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد حکام کا تبادلہ کیا کرتا تھا اور جو لوگ وسیع اور بااثر خاندان والے تھے انہیں امور سلطنت سے ہی خارج کر دیتا تھا۔ اس انتظام کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بیت المال میں اس وقت اڑتالیس کروڑ درہم محاصل کا آنے لگا۔ (تاریخ عرب' موسیو سیدیو' ص 183)

قاضی کا انتخاب:

قاضی کا تقرر خلیفہ کی مرضی پر تھا اور ایسا قاضی مقرر کیا جاتا تھا جو اس کے اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس بناء پر قاضی بننے سے انکار کر دیا تھا۔ منصور نے محمد بن عبدالرحمٰن کو قاضی مقرر کیا۔ امام صاحب نے اس کے فیصلوں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اس نے منصور سے شکایت کر دی چنانچہ منصور نے امام صاحب کی زبان بندی کر دی حتیٰ کہ فتویٰ لکھنے سے بھی منع کر دیا۔ (التمدن الاسلامی' ج 2' ص 155)

یہی وجہ تھی کہ محتاط علماء منصب قضاء سے بہت بچتے تھے مگر آخر میں منصور کی پالیسی بدل گئی تھی۔ اب وہ ایسے قاضی کا انتخاب کرتا تھا جو کسی کی رعایت نہ کرے چنانچہ قاضی محمد بن عمران طلحی کا واقعہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اس نے منصور کے خلاف فیصلہ دیا جس پر منصور نے اسے دس ہزار دینار دیئے اور کہا:

جزاک اللہ عن دینک احسن الجزاء. (تاریخ الخلفاء' ص 160)

فوجی تنظیم:

منصور جنگی مسائل میں خاص دلچسپی لیتا تھا ''عرض جیش'' فوج کی ٹریننگ کا ایک جزو خیال کیا جاتا تھا۔ منصور کو فوج سے بڑی دلچسپی تھی' خود جنگی لباس میں تخت پر بیٹھتا' فوجوں کا معائنہ کرتا۔ اس کے زمانے میں فوج کے تین حصے تھے:

1- شمالی عربوں کی فوج (مضر)
2- جنوبی عربوں کی فوج (یمنی)
3- خراسانیوں کی فوج (مسلمانوں کا نظام مملکت' ص 234)

دفاتر:

منصور نے سرکاری دفاتر کا پہلا انتظام قائم رکھا البتہ حسب ضرورت اس میں کچھ اضافہ کر دیا۔ دیوان خراج' دیوان دیت' دیوان زمام' دیوان فوج' دیوان موال و غلام' محکمہ برید (ڈاک)' محکمہ زمام نفقات' دیوان رسائل' محکمہ تحقیقات مظالم' محکمہ جاسوسی' محکمہ پولیس' محکمہ عطاء وظائف' ان کے علاوہ ایک مستقل غیر مسلم قوموں کے حقوق کا شعبہ تھا اس کا افسر ''کاتب جہاز'' کہلاتا تھا۔

(مسلمانوں کا نظام مملکت' ص 220)

محکمہ جاسوسی:

منصور نے اس محکمہ کو بڑی وسعت دی تھی۔ یہ خدمت مرد و عورت ہر دونوں انجام دیتے تھے۔

جاسوس تاجروں اور طبیبوں وغیرہ کے بھیس میں ہمسایہ ملکوں میں جاتے رہتے اور اپنی حکومت کو وہاں کے سیاسی حالات اور دیگر واقعات کی اطلاع بھیجتے۔ اس سے بڑھ کر منصور کا ایک ایک جاسوس ہر گورنر کے پاس رہتا جو اس کی نقل و حرکت کی اطلاع دیتا رہتا جیسا کہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ ابو مسلم خراسانی کی جو گفتگو اپنے ہم مجلس یا مشیروں سے ہوتی وہ خلیفہ تک پہنچ جاتی تھی۔

محکمہ برید:

اس محکمہ پر منصور کی زیادہ توجہ تھی ڈاک کے انتظام میں پہلے کے مقابلے میں بہت کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ منصور کا قول تھا:

''حکومت کے عناصر ترکیبی میں چار عناصر نہایت اہم ہیں۔ ان کا انتخاب نہایت غور سے کرنا چاہیے:

1- قاضی...... جو نہایت بے باک اور نڈر ہو جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے۔

2- پولیس آفیسر...... جس میں کمزور کی حمایت اور طاقتور کے بل نکال دینے کی جرأت ہو۔

3- خراج آفیسر...... جو نہایت دیانت دار ہو اور اسے ظلم و جور سے نفرت ہو۔

4- ڈاک آفیسر...... جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے اور اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ (طبری' ج 9' ص 297)

بیدار مغزی:

منصور نہایت بیدار مغز حاکم تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے گورنروں اور وزراء کے حالات سے باخبر رہتا۔ محکمہ ڈاک کے ایک افسر نے اسے ایک دفعہ اطلاع دی کہ حضر موت کا گورنر اکثر شکار کو جاتا ہے اور یہ اس کا شب و روز کا مشغلہ ہے لہٰذا منصور نے حضر موت کے گورنر کو سخت سرزنش کی اور اسے گورنری سے معزول کر دیا۔ (حوالہ مذکور)

منصور ڈاک کے افسروں سے جاسوسی کا کام بھی لیتا تھا۔ یہ افسر حکومت کے نظم و نسق میں حکومت کے دست و بازو ثابت ہوتے تھے۔ اس طرح وہ پوری سلطنت کے گورنروں' قاضیوں' خراج آفیسروں اور دیگر محکموں کے ذمہ داران کی سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا۔

نرخوں کی نگرانی:

ڈاک افسروں کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ وہ گندم' غلہ' چڑے اور خورد و نوش کی اشیاء کے بھاؤ کے بارے میں اطلاع دیتے رہیں اور اس کی نگرانی بھی رکھیں کہ حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ قیمت میں خرید و فروخت نہیں ہو رہی ہے۔

خبروں کا انتظام:

دن میں دو مرتبہ تمام سلطنت کی خبریں منصور کو پہنچائی جاتیں۔ مغرب کی نماز کے بعد دن بھر کے واقعات کی اطلاع اور صبح کی نماز کے بعد رات بھر کی تمام اہم خبروں سے مطلع ہوتا۔ تمام مخبر افسر

ڈاک کے ذریعے خبریں بھیجتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ منصور تمام سلطنت کے حالات سے واقف رہتا تھا اور قاضیوں کے ظلم و جور اور حکومت کی حدود میں نرخوں کے اُتار چڑھاؤ کسی بات سے بے خبر نہ رہتا تھا۔ (مسلمانوں کا نظام مملکت' ص 258)

نظام جاگیرداری:

منصور نے اپنے چند خاص ارکان حکومت کو جاگیردار بنایا تھا۔ یہ ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف اور صلہ تھا۔ یہ جاگیریں نہایت سرعت کے ساتھ آبادی سے معمور ہو گئی تھیں اور ریاست کی فلاح و بہبود پر اس کا نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔ (مسلمانوں کا نظام مملکت' ص 271)

نظام مالیات:

بنوامیہ نے جو نظام مالیات قائم کیا تھا اسے برقرار رکھا گیا اور اس میں کچھ مزید اضافہ کیا۔

زرعی ترقی:

منصور کی زراعت کی ترقی پر خاص توجہ تھی۔ 136ھ تک لگان پیمائشی طریقہ سے وصول کیا جاتا رہا۔ منصور نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ گندم اور بیجوں کی پیداوار کے لئے بٹوارہ کا طریقہ نافذ کر دیا اور پھلوں کے باغات کے لئے پیمائش کا قدیم دستور جاری رکھا۔ (مسلمانوں کا نظام مملکت' ص 277)

اصول حکمرانی کے لئے ہدایات:

منصور نے مرنے سے پہلے اپنے ولی عہد مہدی کو جو وصیت کی تھی اس میں چند فقرے اصول حکمرانی کا نچوڑ ہیں' کہا:

"ابوعبداللہ (مہدی) بادشاہ کی اصلاح نہیں ہوتی مگر تقویٰ سے۔
رعایا اچھی نہیں ہوتی مگر تابعداری سے۔
شہر آباد نہیں ہوتا مگر انصاف سے۔
بادشاہ کے اقتدار اور اس کی اطاعت کو تب ہی دوام ہوتا ہے جب خزانہ بھرپور ہو۔
احتیاط تب ہوتی ہے جب ہر قسم کی خبریں بادشاہ کو پہنچتی رہیں۔
وہی شخص معاف کرنے پر قدرت رکھے گا جو عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔
تمام لوگوں میں عاجز ترین وہ شخص ہے جو اپنے سے کم تر لوگوں پر ظلم کرے۔
اپنے دوستوں کے کاموں سے عبرت حاصل کرتے رہا کرو۔
کسی کام کی استواری کا اس وقت تک خیال نہ کرو جب تک اس میں خوب غور نہ کر لو کیونکہ سمجھدار کا غور و فکر کرنا اس کا آئینہ ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے تمہیں اس کام کے اچھا یا بُرا ہونے کا علم ہو جائے گا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 9)



خلیفہ ابو عبداللہ محمد المہدی

منصور کی وفات کے بعد اس کا لڑکا محمد الملقب بہ مہدی ذوالحج 158ھ میں تخت نشین ہوا۔ منصور کی زندگی میں وہ کئی محاذوں پر سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دے چکا تھا۔ چار برس تک صوبہ رے کی امارت کے عہدہ پر بھی متمکن رہا۔ سفاح کی وصیت کے مطابق منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو تاج و تخت کا وارث بننا چاہئے تھا مگر 147ھ میں منصور نے زبردستی اس کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے مہدی کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ مہدی 126ھ میں ایدج مقام پر پیدا ہوا۔ والدہ کا نام ام موسیٰ بنت منصور حمیریا تھا۔

تعلیم و تربیت:

مہدی نے باپ کے سایہ میں نشوونما پائی۔ دربار کے اکابر علماء کی نگرانی میں مروجہ علوم حاصل کیے۔ حدیث کی سماعت اپنے باپ اور مبارک بن فضلہ جیسے متبحر عالم سے کی۔

(کامل ابن اثیر ج 6 ص 133)

منصور نے خالد بن برمک کو مہدی کا استاذ مقرر کیا اور ہدایت کی رزم ہو یا بزم خالد ہر جگہ مہدی کے ساتھ رہے۔ مہدی کو علم حدیث کے لئے امام مالک کی خدمت میں بھیجا گیا جہاں سے اس نے سند حدیث حاصل کی۔ واپسی کے بعد منصور نے رے اور طبرستان کی حکومت مہدی کے سپرد کر دی اور خالد کو ساتھ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص 185)

دارالحکومت پہنچ کر مہدی عیش و طرب میں پڑ گیا مگر خالد نے اس کی طبیعت کو حکمرانی کی طرف پھیر دیا۔

سوانح حیات:

141ھ میں پندرہ سال کی عمر میں منصور نے مہدی کو خراسان کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت فرو کرنے کے لئے امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ اس نے اس مہم کو سر کیا۔ پھر طبرستان میں جہاد کیا۔ 144ھ میں وہاں سے واپس آیا۔

شادی:

منصور نے مہدی کی شادی اپنی بھتیجی ریطہ بنت سفاح سے کر دی۔ مہدی کی طبیعت میں اوائل عمر سے ہی سخاوت کا میلان تھا۔ ایک شاعر نے اس کی شان میں قصیدہ کہا تو اسے تین ہزار درہم دے دیئے۔ منصور کو پتہ چلا تو اس نے صرف چار ہزار شاعر کو دے کر باقی واپس لے لئے اور مہدی کو فضول داد دینے سے باز کیا۔ (طبری ج 9 ص 300)

بیعت خلافت:

منصور کی وفات مکہ کے قریب ہوئی جو عمائد سلطنت ساتھ تھے ان سے ربیع کاتب نے اور اہل

مکہ سے عباس بن محمد اور محمد بن سلیمان نے بیعت لی۔ مہدی منصور کی وفات کے بعد سترہ ذوالحج 158ھ کو تخت خلافت پر بغداد میں متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 33 سال تھی۔

مہدی کا نظام سلطنت:

مہدی نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی جملہ سیاسی قیدیوں کو آزاد کر دیا اور جائیدادیں واپس کر دیں بلکہ انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 475)

آل علی کی رہائی:

منصور نے اپنے عہد حکومت میں تمام سیاسی حریفوں کا مکمل استیصال کر دیا تھا۔ بنوامیہ اور ان کے بہی خواہ نیست و نابود ہو چکے تھے۔ حامیان اہل بیت کی کمر ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ان کے تمام بڑے بڑے پیشرو مارے جا چکے تھے یا گرفتار کر لئے گئے تھے۔ جو قید سے بچ گئے تھے ان پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔ مدینہ میں مقیم علویوں کی ہر روز باقاعدہ حاضری لی جاتی تھی اور ان کی نقل و حرکت پر سخت پابندیاں عائد تھیں۔

مہدی کی عفو پسند طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ محض بدگمانی کی بناء پر ان لوگوں کو قید اور نظر بند رکھا جائے۔ چنانچہ اس نے آل علیؓ کے تمام اسیروں کو رہا کر دیا اور ہر قسم کی پابندیاں ہٹا دیں اور ان کی ضبط شدہ جائیدادیں بھی واپس کر دیں۔ خلیفہ کے اس رحمدلانہ طرز عمل پر رعایا بہت خوش ہوئی۔

(تاریخ اسلام' ڈاکٹر حمید الدین' ص 394)

منصور دولت عباسیہ کو تمام مشکلات سے پاک کر گیا تھا۔ ملک دن بدن فارغ البالی اور خوشحالی کی طرف گامزن تھا چنانچہ مہدی نے اپنی زیادہ تر توجہ اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ اس کا عہد ولید اموی کے مشابہ تھا۔

اصلاحات اور رفاہ عامہ کے کام:

مہدی نے مکہ معظمہ کے راستے درست کروائے۔ قافلوں کے لئے جگہ جگہ سرائیں بنوائیں۔ جو سرائیں شکستہ تھیں انہیں درست کروایا۔ ہر ہر منزل پر کنویں کھدوائے۔ قافلوں کے جانوروں کے لئے کنوؤں کے حوض بنوائے۔ خانہ کعبہ کی عمارت کی توسیع کرائی۔ چاروں طرف رواق تعمیر کرائے اور ان میں سنگ رخام کے ستون لگوائے۔ اس زمانے میں مسجد نبوی کی عمارت میں ترمیم و توسیع کی۔

(تاریخ مکہ ازرقی' ص 175- تاریخ دول الاسلام' ذہبی' ج 1' ص 83- خلاصۃ الاوفاء' ص 143)

جذامیوں کی اعانت:

مہدی نے کوڑھیوں اور جذامیوں کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر کئے تاکہ انہیں روزی کی تلاش میں جابجا شاہروں اور گلی کوچوں میں مارا مارا نہ پھرنا پڑے اور انہیں حکم دیا کہ وہ گزرگاہوں پر نہ پھریں۔

محکمہ برید:

بنوامیہ کے عہد میں اکثر انتظامی محکمے ایک ہی افسر کے ماتحت ہوتے تھے۔ مہدی نے ان کی ازسرنو تنظیم کی اور ہر ایک محکمہ کے لئے علیحدہ نگران اور منتظم مقرر کیے۔ مکہ مدینہ یمن اور بغداد کے درمیان ڈاک کا سلسلہ جاری کیا جو تیز رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے پہنچائی جاتی تھی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 274)

قیدیوں کے اہل وعیال کے وظائف:

مہدی نے ان قیدیوں کے اہل وعیال کے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کر دیئے جن کے گزر اوقات کی کوئی اور صورت نہ تھی تاکہ وہ اطمینان سے گزر بسر کر سکیں۔

بیدار مغزی:

مہدی کی طبیعت اگرچہ عیش وعشرت کی طرف راغب تھی مگر اس نے حکومت کے فرائض میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ وہ اپنے والد منصور کی طرح حکومت کی تمام جزئیات پر نگاہ رکھتا تھا۔ جنگوں میں شرکت کرتا تھا اور اس کی عیش پرستی نظام حکومت میں کبھی خلل انداز نہ ہوئی۔

(الفخری' ص 162- تاریخ الخلفاء' ص 162)

محکمہ احتساب:

مہدی نے ''محتسب'' کا ایک نیا عہدہ قائم کیا جس کے ذمہ شہر کا انتظام' ہر قسم کی نگرانی اور امن وامان کا قیام تھا۔ وہ سپاہیوں کو ہمراہ لے کر وقتاً فوقتاً بازاروں میں گشت کرتا۔ جو اوامر ونواہی دیوان ضبطیہ سے جاری ہوتے' ان کی تعمیل کراتا۔ تاجروں کے پیمانوں کو جانچتا۔ اگر کہیں دھوکہ پاتا تو مجرم کو فوراً اس کی دوکان کے سامنے ہی سزا دیتا۔ (تاریخ عرب' موسیو سیدیو فرانسیسی' ص 19)

محکمہ اوقاف:

مہدی نے مساجد اور مدارس کیلئے محکمہ اوقاف قائم کیا۔ بادشاہ کی نظر التفات دیکھ کر علماء اور امراء بھی امور نافعہ کی طرف لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کی قوم تہذیب وتمدن میں اس عالی درجہ تک پہنچ گئی کہ تجارت' صنعت اور ادبی علوم وفنون میں ہمسایہ قوموں سے کہیں آگے نکل گئی۔

مسجد حرام کی توسیع:

مسجد حرام کے اردگرد مکانات خرید کر اس کا رقبہ بڑھایا اور اپنے نام کا کتبہ لگایا۔ ولید اموی کے نصب کتبے کو مٹا دیا اور پرانے غلافوں کو اُتار کر اس کی دیواروں پر مشک وعنبر خوشبو کے لئے ملایا اور قباطی' خز اور دیبا کے تین غلاف چڑھائے۔ (تاریخ مکہ ازرقی' ص 176)

اہل مکہ کے ساتھ سلوک:

مہدی نے مکہ اور مدینہ کے جملہ حقوق بحال کر دیئے۔ منصور کے عہد میں ضبط کردہ آل رسول کی جائیدادیں بحال کر دی گئیں اور انصار مدینہ سے پانچ سو جوان منتخب کر کے لشکر مقربین میں رکھے۔ حرمین کے باشندوں میں کئی کروڑ نقد اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے تقسیم کئے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ حرمین کے بسنے والوں کی اتنی خدمت کسی خلیفہ نے نہیں کی تھی۔ مدرسہ محتاج خانے' پاگل خانہ اور شفاخانے بنوائے اور نہروں کو ترقی دی۔ (دول الاسلام' ذہبی' ج 1' ص 83)

مہدی کا سفر حج:

مہدی نے جس شان و شوکت سے سفر حج کیا۔ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس نے اس سفر میں ساٹھ لاکھ دینار خیرات میں صرف کئے۔ (تاریخ عرب' موسیو' ص 194)

مہدی کا شوق تعمیرات:

مہدی کو نئی عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے دجلہ کے کنارے ایک نیا محل تعمیر کرایا۔ بصرہ کی جامع مسجد کو وسیع کیا۔ عیسیٰ آباد میں ایک نئی ٹکسال قائم کی۔ رومی سرحد پر کئی نئے قلعے تعمیر کرائے۔

ولی عہدی:

مہدی نے بھی منصور کی طرح عیسیٰ بن موسیٰ پر سختیاں کیں۔ بعد میں اسے خلافت سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا۔ پھر اپنے بیٹوں موسیٰ' ہادی اور ہارون الرشید کو ولی عہد بنایا۔

وفات:

169ھ میں مہدی جرجان کی طرف شکار کھیلنے گیا وہاں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا۔ بیمار پڑا "ماسندان" میں پہنچ کر 12 محرم کو انتقال کر گیا۔ مدت خلافت دس سال ڈیڑھ ماہ ہے۔

خارجہ پالیسی اور بغاوتیں

مہدی کا عہد امن و سکون کا دور تھا۔ یورپ کے اکثر حکمران مسلمانوں کی طاقت کا سکہ مان چکے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنی عداوت اور سازشوں سے باز نہ آئے۔ اس لئے حالات کے مطابق مہدی نے بہترین پالیسی اختیار کی۔ اکثر و بیشتر بغاوتوں کا خاتمہ تو منصور نے اپنی زندگی میں کر دیا تھا۔ مہدی کے زمانہ میں مندرجہ ذیل بغاوتیں ہوئیں:

خراسان کی بغاوت:

164ھ میں ایک بار پھر خراسان کا فتنہ انگیز خطہ بغاوتوں کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ خراسان کا ایک شخص یوسف بن ابراہیم حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ شورش پسند اور فتنہ پرداز لوگ ہر

جگہ موجود ہوتے ہیں چنانچہ اس ٹائپ کے لوگ یوسف کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ حکومت بھی اس کے تخریبی پروگرام سے غافل نہ تھی چنانچہ فوراً یزید بن مزید کی سرکردگی میں فوج روانہ کی گئی۔ یوسف شاہی افواج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر گرفتار ہوا۔ اسے ساتھیوں سمیت بغداد لایا گیا جہاں سب کو سزائے موت دی گئی۔ اس طرح خراسان میں امن قائم ہو گیا۔ (یعقوبی ج 2 ص 482)

جزیرہ اور مصر کی بغاوتیں:

164ھ میں جزیرہ میں عبدالسلام بن ہاشم لشکری نے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ حکومت نے متعدد باران بغاوتوں کو فرد کرنے کے لئے فوجیں روانہ کیں مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مہدی نے یہ کام شیب بن قنسرین کے سپرد کیا۔ اسے شروع میں بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن شیب کے عزم و حوصلہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ اپنی مسلسل مساعی کے بعد 167ھ میں یہ اپنے عزائم میں کامیاب ہو گیا۔ ابھی بمشکل تمام امن قائم ہوا ہی تھا کہ الحوف میں مصر کے لوگوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مصر کے گورنر موسیٰ بن مصیب نے مقابلہ میں شکست کھائی اور لڑتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا۔ مہدی نے فوراً فضل بن صالح کو اس مہم پر روانہ کیا۔ ان نے مدت مدید تک دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ مہدی کی وفات کے بعد امن و امان بحال کرنے میں کامیاب ہوا۔ (تاریخ یعقوبی ج 2 ص 483)

رومیوں کے ساتھ جھڑپیں:

مہدی کے زمانے میں اسلامی حکومت اندرونی اور بیرونی خطرات سے سالم اور محفوظ تھی۔ مسلمانوں کی عظمت و سطوت کا ڈنکا بج رہا تھا لہٰذا فرانس کے بادشاہ نے حکومت بغداد سے دوستانہ مراسم استوار کر رکھے تھے لیکن رومیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم نہ ہو سکے۔

اب رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ چل نکلا۔ مہدی نے ایک مضبوط اور زبردست فوج 163ھ میں روم کے علاقوں کی جانب روانہ کی' راستے میں تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کرتی ہوئی یہ فوج آگے بڑھی اور سمالا کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ 38 روز کے محاصرے کے بعد مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا اور اندرون شہر داخل ہو گئے۔ ملکی استحکام اور امن و امان کی وجہ سے مہدی نے غیر ملکی فتوحات کی طرف زیادہ توجہ دی۔ مہدی باقاعدگی سے ہر سال رومی علاقوں پر ایک مہم روانہ کرتا۔ ایک سال مہدی نے اپنے چچا کو مہم کا سربراہ بنا کر بھیجا۔ اس نے ادھرہ کا علاقہ فتح کر لیا۔

(ابن خلدون' ج 3' ص 213- تاریخ ابن اثیر ج 6' ص 19)

میخائل رومی دس ہزار فوج لے کر نکلا جس کو حسن بن قحطبہ نے آ لیا اور اسے ناکام جانا پڑا۔ 165ھ میں مہدی نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھیجا یہاں ملکہ ایرینی حکمران تھی اس نے ہارون سے نوے ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ واپسی میں ہارون کے حکم کے مطابق ہر ہر منزل میں اس نے اسلامی فوج کے لئے بازار لگوائے اور رہنما ساتھ کئے تاکہ وہ آرام سے گزر جائے۔

رومیوں نے ایک سال رقم ادا نہ کی تو سلیمان بن علی والئی جزیرہ نے خلیفہ مہدی کے حکم سے روم پر حملہ بول دیا اور ان کو شکست دی اور تمام مال غنیمت قبضہ میں کر لیا۔

ہند پر حملہ:

ہندوستان میں دریائے سندھ تک اسلامی قبضہ تھا۔ مہدی نے 159ھ میں عبدالملک بن شہاب کو دس ہزار فوج کے ساتھ بحری راستے سے بھیجا۔ اس نے شہر بازبد کا محاصرہ کر لیا اور تین دن میں اس کو فتح کر لیا مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی ان لئے لوٹ آئے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 16)

حکمران سے معاہدے:

سرحدی علاقوں کے غیر مسلم حکمران اکثر حکومت کے باغیوں سے سازباز کر لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات حکومت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس وجہ سے مہدی نے 164ھ میں اپنے ماتحت باجگزاروں اور سرحدی حکمرانوں کے پاس سفیر بھیجے اور ان سے صلح اور مفاہمت کر لی جس سے خطرے کا سدباب ہو گیا۔ اس سلسلے میں کابل' طبرستان' صغد' طخارستان' بامیان' فرغانہ' اشروسنہ' بحستان' ترک' تبت' سندھ' فغفور چین اور بعض راجگان ہند نے مہدی سے اطاعت کے معاہدے کر لئے۔
(تاریخ یعقوبی' ج 2' ص 479)

وزارت میں انقلاب:

مہدی کا پہلا وزیر ابوعبیداللہ معاویہ مقرر ہوا۔ یہ شخص علم و فضل میں مہارت کے علاوہ اعلیٰ پایہ کا انشاء پرداز بھی تھا۔ ابتداء میں یہ مہدی کا میر منشی (کاتب) تھا اور اس نے یہ خدمت اتنی خوش اسلوبی سے انجام دی کہ خلیفہ ہونے پر مہدی نے اسے وزیراعظم کے عہدے پر فائز کر دیا۔

ابوعبیداللہ نے نظام حکومت میں بہت سی اصلاحات جاری کیں اور تمام شعبوں میں ازسرنو تنظیم کی۔ زمین کے نقد لگان کی بجائے بٹائی کا طریقہ رائج کیا۔ کھجور اور دوسرے پھل دار درختوں پر بھی ٹیکس لگایا اور قانون خراج پر ایک کتاب لکھی جو اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔

لیکن ان خوبیوں اور انتظامی قابلیتوں کے ساتھ ساتھ ابوعبیداللہ پرلے درجے کا مغرور اور متکبر شخص تھا۔ اس کے غرور نے دوستوں کو بھی دشمن بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے قدیمی دوستوں کے ساتھ بھی بے نیازی اور بے پرواہی سے پیش آتا۔ آخر یہی عادت بد اس کے زوال کا باعث بنی۔

منصور کے عہد خلافت میں سابق وزیر ربیع بن حاجب نے ابوعبیداللہ پر بڑے احسانات کئے تھے مگر جب یہ خود وزیر ہوا اور ربیع اس سے ملنے کے لئے آیا تو اس نے اس کے ساتھ بڑا متکبرانہ سلوک روا رکھا۔ ربیع اس توہین پر بڑا پیچ و تاب کھایا اور دل میں عہد کر لیا کہ اس کا بدلہ لے کر رہے گا۔

ربیع نے بڑی کوشش کی کہ ابوعبیداللہ میں کوئی خامی نظر آئے جس کی آڑ لے کر مہدی کو اس سے برگشتہ کیا جا سکے مگر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں اس قدر مخلص اور بے لوث تھا کہ کوئی بات قابل گرفت نہ مل سکی۔

اب ربیع نے ایک اور چال چلی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مہدی ملحدوں اور لامذہب لوگوں کا جانی دشمن ہے۔ بدقسمتی سے ابوعبیداللہ کا لڑکا محمد ملحد تھا۔ ربیع نے خلیفہ کے پاس اس کی شکایت کی۔ مہدی نے محمد کو دربار میں بلایا اور حکم دیا کہ قرآن سناؤ۔

اس نے جب غلط پڑھا تو مہدی کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور ابوعبیداللہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم تو کہتے تھے کہ میرا بیٹا حافظ قرآن ہے اور اس کی جو حالت ہے وہ تم نے دیکھ لی ہے۔ اب اٹھو اور اس زندیق کو اپنے ہاتھ سے قتل کرو۔"

ابوعبیداللہ تعمیل حکم کے لئے کھڑا ہوا مگر چکرا کر گر پڑا۔ ایک مشیر نے سفارش کی کہ بوڑھے وزیر کی حالت زار پر رحم کیا جائے اور اسے بیٹے کے قتل پر مجبور نہ کیا جائے۔ مہدی نے اسے منظور کر لیا اور جلاد سے کہہ کر اس کا سر قلم کرا دیا۔

لیکن اس واقعہ کا ابوعبیداللہ کے عہدہ پر کوئی اثر نہ پڑا تو ربیع نے بالواسطہ طور پر مہدی کے کانوں میں یہ بات ڈال دی کہ جس کے لڑکے کو کل آپ نے قتل کیا ہو اس کا تنہائی میں مسلح آپ کے پاس آنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے چنانچہ خلیفہ کے دل میں ابوعبیداللہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ ربیع نے نفرت و حقارت کی اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا یہاں تک کہ مہدی نے 161ھ میں ابوعبیداللہ کو منصب وزارت سے معزول کر دیا اور یعقوب بن داؤد کو وزیر مقرر کر لیا اور وہ غم و الم کے دن کاٹتا ہوا 170ھ میں فوت ہو گیا۔ (کتاب الوزراء' ص 176 تا 180 - الفخری' ص 165)

ابوعبداللہ یعقوب کا تقرر' معزولی اور قید:

یعقوب اور اس کا بھائی علی' بنوامیہ کے دور میں امیر خراسان نصر بن سیار کے دربار میں کاتب (سیکرٹری) تھے۔ ابتداء میں یعقوب میں شیعیت تھی اور وہ عبداللہ بن حسن کی طرف مائل تھا۔

(الفخری' ص 166)

منصور کے زمانہ میں اس کا سارا گھر امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ ہو گیا تھا۔ ابراہیم کے قتل کے بعد ان کے حامیوں کے ساتھ یعقوب اور علی بھی گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے تھے۔

جب مہدی نے سیاسی قیدی رہا کیے تو انہیں بھی آزادی نصیب ہوئی۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 23)

مہدی کو حامیان اہل بیت کی جانب سے بہت خطرہ تھا اس لئے وہ ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جو اس فرقہ میں بڑا اثر و رسوخ کا حامل ہوتا کہ انہیں شورشوں اور سازشوں سے باز رکھ سکے۔ ربیع نے اس بارے میں یعقوب کا نام پیش کیا۔ مہدی نے اسے بلا کر علویوں کے حالات دریافت کئے اور اسے اپنے ڈھب کا آدمی پا کر مشیروں میں داخل کر لیا اور ابوعبیداللہ کی معزولی پر وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز کر دیا۔

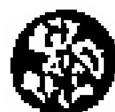
تھوڑے ہی عرصے میں اس نے مہدی کے مزاج میں اتنا رسوخ حاصل کر لیا کہ کل سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اہل دربار اس کے غیر معمولی اقتدار سے حسد کرنے لگے چنانچہ انہوں نے خلیفہ کو اس

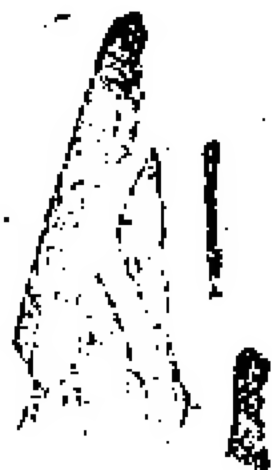
سے بدگمان کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ یعقوب علویوں کا بدستور حامی تھا۔ اس نے سلطنت کے تمام اہم عہدوں پر ان لوگوں کو فائز کیا جس سے حکومت کی باگ ڈور ایک طرح سے اس جماعت کے ہاتھ آ گئی مگر اس کے باوجود علوی یعقوب پر اعتماد نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسے فقط ہمیں قابو میں رکھنے کے لئے وزارت ملی ہے۔

دوسری طرف حاسدوں نے مہدی کو بہکایا کہ اس طرز عمل سے یعقوب خلافت کو اہل بیت میں منتقل کرنا چاہتا ہے اور زیدیہ فرقہ کے رئیس اسحاق بن فضل کو بغاوت پر ابھار رہا ہے۔ مہدی ان لوگوں کی باتوں میں آ گیا اور یعقوب کی نیت پر شبہ کرنے لگا۔ شومئی قسمت سے انہی دنوں یعقوب نے اسحاق بن فضل کو مصر کا گورنر مقرر کرنے کی سفارش کی' اس پر مہدی کے شبہات اور بھی قوی ہو گئے۔ آزمائش کے طور پر اس نے یعقوب سے ایک علوی کو قتل کرنے کا وعدہ لے کر اس کے حوالے کر دیا۔ علوی نے یعقوب سے کہا کہ میں سید سادات ہوں لہٰذا مجھے قتل کر کے اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ یعقوب نے کہا: خدا کی قسم! یہ بار میں اپنی گردن پر نہ لوں گا' تم یہ مال لو اور اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔ ایک لونڈی جو یہ گفتگو سن رہی تھی فوراً مہدی کو اطلاع کر دی۔ مہدی نے اس وقت اس علوی کو گرفتار کرا لیا اور یعقوب سے بلا کر پوچھا تم نے علوی کو کیا کیا؟ یعقوب نے کہا کہ میں نے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ مہدی نے قسم لی اور قسم لینے کے بعد علوی کو بلا کر سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر یعقوب ہکابکا رہ گیا اور خلیفہ کے قدموں پر سر رکھ کر جان کی امان چاہی۔ مہدی نے اسے قتل تو نہ کیا البتہ اس کا سارا مال و اسباب ضبط کر کے قید کر دیا اور اس کے مامور کردہ تمام عمال کی معزولی کا حکم دے دیا۔ وہ کئی سال تک قید میں رہا تا آنکہ ہارون رشید کے زمانے میں اس سے نجات ملی اور اس نے 186ھ میں مکہ میں وفات پائی۔ (الفخری' ص 166)

فیض بن ابی صالح نیشاپوری تقرر:

یعقوب کے بعد ابو صالح وزیراعظم مقرر ہوا۔ اس کا وطن نیشاپور کے ایک عیسائی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا مگر اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا اور خداداد قابلیت اور ذہانت کی بدولت وزارت کے منصب تک پہنچ گیا۔ علم و فضل اور جود و سخا میں بے نظیر تھا۔ مہدی کی وفات تک یہ اس منصب پر فائز رہا۔ مہدی کی وفات کے بعد ہادی نے اسے علیحدہ کر دیا اور یہ رشید کے زمانے تک زندہ رہا اور 173ھ میں فوت ہوا۔ (الفخری' ص 169-170)





مہدی کی سیرت و کردار

مہدی اپنے ذاتی محاسن اور طریقہ حکمرانی دونوں حیثیتوں سے بہترین فرمانروا ثابت ہوا۔ اس کی خوبیوں نے اس کو رعایا میں بہت مقبول و محبوب بنا دیا تھا۔ اس کا عہد عدل و انصاف' امن و سکون اور آسودہ حالی کے اعتبار سے ملک کے لئے عیش و رفاہیت کا دور تھا۔

مسعودی کا بیان ہے کہ:

''مظالم کے انسداد' قتل و خونریزی سے احتراز' خوف زدوں کی پشت پناہی اور داد و دہش نے مہدی کو خاص و عام میں محبوب بنا دیا تھا۔'' (مروج الذہب' ج 6' ص 233)

محدث ذہبی لکھتے ہیں:

''مہدی کا دور حکومت بڑا مبارک و مقبول تھا اس کی صورت و سیرت دونوں پسندیدہ تھیں۔ وہ رعایا میں بہت محبوب و ممدوح تھا۔'' (دول الاسلام' ذہبی' ج 1' ص 83, 87)

یعقوبی لکھتے ہیں:

''اس کی حکومت کا آغاز نیک کام سے ہوا تھا کہ تخت نشینی کے ساتھ ہی تمام سیاسی قیدیوں کو رہا اور جائیدادوں کو واپس کر دیا تھا۔'' (یعقوبی' ج 2' ص 475)

مہدی ذاتی اوصاف کے اعتبار سے بھی محاسن اخلاق کا مجموعہ تھا اور اپنے باپ سے بالکل مختلف تھا۔ منصور جتنا سخت گیر اور درشت مزاج تھا' مہدی اتنا ہی نرم خو اور حلیم الطبع تھا۔ عفو و درگزر اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اس نے منصور کے گرفتار کردہ تمام اہل بیت اور ان کے حامیوں کو رہا کر دیا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بڑے بڑے خطرناک سیاسی مجرم اس کے سامنے لائے جاتے مگر وہ معمولی تنبیہ کے بعد انہیں چھوڑ دیتا۔ ایک ممتاز فوجی افسر بار بار غلطی کرتا تھا' بار بار سمجھانے کے باوجود اس کی روش نہ بدلی تو مہدی نے کہا آخر میں کب تک درگزر کرتا رہوں گا تو اس نے کہا: اللہ امیر المومنین کی عمر دراز کرے' میں ہمیشہ بھولتا رہوں گا اور وہ ہمیشہ معاف کرتے رہیں گے۔ یہ جواب سن کر مہدی شرمندہ ہو گیا اور اسے معاف کر دیا۔ (طبری' ج 10' ص 527)

ربیع حاجب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مہدی نے نماز عشاء میں یہ آیت تلاوت کی:

"فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم"

تو نماز ختم کرنے کے بعد مجھ سے فرمایا: ربیع! موسیٰ۔ یعنی موسیٰ کو پیش کرو۔ جب میں نے قیدی موسیٰ بن جعفر کو پیش کر دیا تو مہدی نے اس سے کہا کہ جب میں نے "و تقطعوا ارحامکم" پڑھا تو مجھے خیال آیا کہ کہیں میں تمہارے معاملہ میں قطع رحمی کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہوں؟ اس لئے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے مقابلہ میں خروج نہیں کرو گے۔ موسیٰ نے وعدہ کیا اور مہدی نے اسی وقت رہا کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 28)

مہدی کی شرافت اور رحم دلی کا ایک عبرت آموز واقعہ مسعودی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مہدی

کی بیوی خیزران اور دوسری خواتین شاہی محل میں بیٹھی تھیں کہ خادم نے آ کر اطلاع دی کہ ایک شریف مگر بدحال عورت اندر آنے کی اجازت چاہتی ہے لیکن نام نہیں بتاتی۔

خیزران کے بلانے پر وہ عورت اندر آئی جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھی لیکن چہرے پر شرافت کا جمال نمایاں تھا۔ خیزران کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں بنوامیہ کے آخری حکمران مروان کی بیوہ مزنہ ہوں اور اپنے غمزدہ حالات کی عکاسی کی تو خیزران کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں لیکن اس کی مغلان زینب نے اسے چند کھری کھری سنائیں تو اس نے کہا: یہ ہمارے اپنے کردہ گناہوں کی ہمیں سزا مل رہی ہے۔

خیزران دل میں بہت متاثر ہوئی لیکن زینب کی مخالفت نہ کر سکتی تھی اس لئے ظاہری اخلاق نہ برت سکی البتہ لونڈی کو اشارہ کیا کہ دوسرے کمرے میں سے جا کر ان کے کپڑے بدلوا دے۔ رات کو مہدی گھر آیا تو خیزران نے سارا قصہ بتا دیا۔ ان نے اسی وقت لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ کمرہ میں جانے کے بعد مزنہ کیا کہہ رہی تھی؟ اس نے کہا: امیر المومنین وہ رو رو کر یہ آیت پڑھ رہی تھی:

وضرب الله مثلا قرية كانت آمنة مطمئنة ياتيها رزقها رغدا من كل مكان فكفرت با نعم الله فاذاقها الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يصنعون (النحل: 15)

''اور اللہ نے ایسی بستی کی مثال بیان کی جو امن وچین سے رہ رہی تھی اس کے پاس ہر جگہ سے وافر رزق آتا تھا پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور خوف کا مزا چکھایا۔''

یہ سن کر مہدی زار وقطار رونے لگا اور اللہ کے حضور دعا کی: ''الٰہی زوال نعمت سے پناہ مانگتا ہوں'' اور خیزران سے کہا: اگر تم مزنہ کے ساتھ شرافت سے پیش نہ آئی ہوتی تو میں تجھ سے کبھی نہ بولتا اور زینب کو سخت سرزنش کی اور لونڈی کے ذریعے مزنہ کو بلایا اور اپنے پاس بٹھایا اور دیر تک ان کے خاندان کی تباہی پر ہمدردانہ گفتگو کرتا رہا۔ پھر کہا کہ تم مجھ سے پردہ کرو اور اپنی بہنوں (عباسی خواتین) کے ساتھ محل میں رہو۔ جو سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ ہو گا اور مزنہ کے راحت و آرام کا تمام سامان مہیا کر دیا۔ وہ اس میں اور شاہی خاندان کی عورتوں میں کوئی فرق نہ کرتا تھا حتیٰ کہ ان کے برابر جاگیر بھی اسے دے دی اور مزنہ نے عزت و آبرو اور راحت و آرام کے ساتھ ساری عمر اس محل میں پوری کی اور ہارون رشید کے دور میں انتقال کیا۔ (مسعودی ج 2' ص 229 تا 234 ملخص)

خوش اخلاقی:

مہدی نہایت خوش اخلاق تھا۔ مزاج میں درشتی اور سختی کا نام تک نہ تھا۔ معمولی سے معمولی انسان سے بھی بڑی نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ بصرہ گیا' وہ نماز ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا۔ ایک دن کسی وقت میں جب اقامت ہو چکی تھی' مہدی محراب میں امامت کے لئے کھڑا ہو چکا تھا کہ ایک بدو نے کہا: امیر المومنین میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے غسل کی ضرورت ہے اس لئے آپ لوگوں کو

میرا انتظار کرنے کا حکم دیجئے۔ مہدی اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک بدو نہ آ گیا۔ اس خوش اخلاقی پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ (خطیب' ج 5' ص 400)

الغرض مہدی خوش خلقی اور حسن اخلاق کا بہترین نمونہ اور قابل تقلید مثال تھا۔

علمی حیثیت:

علمی اعتبار سے مہدی کوئی امتیازی درجہ نہ رکھتا تھا لیکن اس کی تعلیم و تربیت اچھی ہوئی تھی اور اسے اہل علم کی صحبت پسندیدہ تھی۔ وہ حدیث میں بھی درک رکھتا تھا اور اس نے اپنے والد اور مبارک بن فضالہ سے حدیث روایت کی ہے۔ ارباب علم کا بڑا قدر دان تھا اور ان کی خدمت سعادت سمجھتا تھا۔
(تاریخ الخلفاء' ص 275)

اصلاح عقائد:

مہدی عقائد میں بڑا پختہ اور مذہب کے معاملہ میں بڑا متشدد تھا۔ وہ اسلامی عقائد میں کسی قسم کی آزادی اور رخنہ اندازی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں عجمیوں کے اثر سے ملحدوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جو اپنے عقائد کی اصلاح بھی کرتی تھی اور اس کا اچھا خاصا لٹریچر سامنے آ چکا تھا۔ جب مہدی کو پتہ چلا تو اس نے ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرایا اور ان کی کتابیں جہاں مل سکیں' جلا ڈالیں۔ (دول الاسلام و تاریخ الخلفاء)

علمی خدمات:

مذہبی اصلاح کے سلسلہ میں مہدی نے بعض مفید علمی خدمات انجام دیں اور الحاد و زندقہ کے تدارک کے لئے حکماء کو مناظرانہ کتابیں تالیف کرنے کا حکم دیا جس سے علم کلام کی بنیاد پڑی۔
(تاریخ الخلفاء' ص 274)

علم کلام کے علاوہ بعض ادبی کتابیں بھی لکھوائیں چنانچہ مفضل ضبی نے اس کے حکم سے امثال اور ایام عرب پر ایک کتاب لکھی۔ (طبری' ج 10' ص 533)

مساوات:

مہدی اسلامی مساوات کے خلاف کوئی امتیاز بھی پسند نہ کرتا تھا۔ جب سے نماز کی حالت میں امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا' انہوں نے مسجد میں ایک مقصورہ (خیمہ نما کمرہ) بنوا لیا تھا وہ اسی میں نماز پڑھتے تھے لیکن بعد میں خلفاء نے اظہار تفاخر کے لئے اسے استعمال کیا اور شان و شوکت کے لئے مسجدوں میں بڑے بڑے منبر رکھوائے۔ یہ دونوں باتیں دین کی سادگی اور مساوات کے خلاف تھیں اس لئے مہدی نے مقصورہ کو تو اٹھوا دیا اور جو خطبہ جمعہ کے لئے اونچے اونچے منبر رکھے ہوئے تھے' ان کو اٹھوا دیا یا گھٹا کر منبر نبوی کے برابر کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 276)

خشیت الٰہی:

اس کا دل خشیت الٰہی سے لبریز تھا۔ حسن الوصیف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہوا کا اتنا سخت طوفان آیا کہ معلوم ہوتا تھا حشر بپا ہو جائے گا۔ میں امیر المومنین کی تلاش میں نکلا دیکھا تو وہ رخساروں کو فرش خاک پر رکھے دعا میں مصروف ہیں کہ "الٰہی! اُمت کی حفاظت فرما' ہمارے دشمنوں کو ہماری تباہی پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔ اگر میرے گناہوں کی پاداش میں تو نے عالم کو پکڑا ہے تو یہ پیشانی تیرے حضور میں حاضر ہے۔" (طبری' ج 10' ص 530)

محبت رسول ﷺ:

مہدی کو ذات نبویؐ سے اتنی عقیدت تھی کہ آپ کی جانب کسی چیز کی جھوٹی نسبت کا بھی بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص رومال میں ایک جوتا لپیٹ کر اس کے پاس لایا اور کہنے لگا یہ حضرت محمد ﷺ کا جوتا مبارک ہے' آپ کی خدمت میں ہدیہ کے لئے لایا ہوں۔ مہدی نے اسے لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور لانے والے کو دس ہزار درہم عطا کئے۔ اس کے واپس جانے کے بعد حاضرین سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اس جوتے پر رسول اللہ ﷺ کی نظر بھی نہیں پڑی' پہننا تو دور کی بات ہے لیکن میں نے اسے صرف اس لئے لے لیا کہ وہ شخص کہتا پھرتا کہ میں امیر المومنین کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جوتا لے گیا اور انہوں نے واپس کر دیا۔ (تاریخ خطیب' ج 5' ص 394)

فیاضی و سخاوت:

عباسی خلفاء کی تاریخ میں اس سے زیادہ فیاض' دریادل بلکہ اسراف پسند کوئی دوسرا نہ تھا۔ منصور اپنے زمانہ میں انتہائی کفایت شعاری سے کام لے کر بڑی دولت چھوڑ گیا تھا۔ مسعودی کے بیان کے مطابق جواہرات کے علاوہ خزانہ میں ایک کروڑ چالیس لاکھ اشرفیاں اور ساٹھ کروڑ درہم تھے۔ مہدی نے چند دنوں میں یہ ساری دولت اُڑا دی' آخر میں خزانہ بالکل خالی ہو گیا اور ابو حارثہ خزانچی نے چابیاں لا کر اس کے سامنے پٹک دیں کہ خالی خزانہ کے لئے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے۔

(مسعودی' ج 6' ص 233)

مہدی کی نگاہ میں دولت کی کوئی وقعت ہی نہ تھی۔ بات بات پر روپیہ کی بارش کرتا تھا۔ اس کی فیاضی کے واقعات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں۔

خطیب کا بیان ہے کہ جب منصور کا خزانہ اور اس کی دولت کے ذخیرے مہدی کے قبضے میں آئے تو جس قدر مال ظلم و زیادتی سے حاصل کیا گیا تھا' سب واپس کر دیا گیا۔ اپنے اعزہ و اقارب اور دوسرے معززین میں دولت تقسیم کی۔ اپنے خاندان والوں کا فی کس پانچ سو ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور دس دس ہزار یکمشت دیئے۔ (تاریخ خطیب' ج 5' ص 393)

ایک ایک شاعر کو پچاس پچاس ہزار دینار دیئے۔ (دول الاسلام ذہبی' ج 1' ص 87)

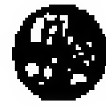
اسی سے دوسرے مصارف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عیش پرستی:

ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ بڑا عیش پرست اور رنگین مزاج تھا۔ اس کا محل حسین عورتوں کا جمالستان تھا لیکن اس کے باوجود وہ امور مملکت سے کبھی غافل نہ رہا۔ وہ عیش بھی کرتا تھا' امور مملکت پر بھی نگاہ رکھتا تھا اور میدان جنگ میں بھی نکلتا تھا۔

ملکہ دوراں خیزران:

خیزران بربریہ خاتون تھی۔ بچپن میں بردہ فروشوں کے ہاتھ لگ گئی۔ جب یہ خاتون مہدی کے سامنے لائی گئی تو اس نے اسے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا۔ یہ حسن و جمال کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ نہایت عقلمند اور صاحب علم خاتون تھی۔ ابتدائی عمر میں کنیزی کا ٹیکہ قسمت میں لکھا تھا مگر اللہ نے اس پر کرم کیا وہ مہدی کی منظور نظر ہو گئی۔ اس کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اس نے امام اوزاعی سے علم حاصل کیا۔ اسلامیات' شعر اور ادب پر درک تھا۔ ملکی امور میں مہدی کو مشورہ دیتی تھی۔ ہادی اور ہارون کے ابتدائی عہد خلافت میں کل سلطنت پر حکمرانی کرتی تھی۔ یہ فیاضی میں ضرب المثل تھی۔ دروازے پر ہر وقت عام سائلوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ یہ 171ھ میں حج کو گئی تو عربوں کو اپنی فیاضی سے مالا مال کر دیا۔ اس نے 21 جمادی الثانی بمطابق 26 اکتوبر 789ء کو انتقال کیا اور اسے مقابر قریش میں دفن کیا گیا۔ یہ موسیٰ اور ہارون کی والدہ تھی۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 600)



خلیفہ ابو محمد موسیٰ الہادی

ہادی، مہدی بن ابو جعفر منصور عباسی کا بیٹا تھا۔ ہادی کی والدہ خیزران تھی۔ یہ خاتون خلیفہ مہدی کی مملوکہ کنیز تھی اس کے ہی شکم سے ہارون اور ہادی پیدا ہوئے۔ ہادی رے میں 147ھ میں پیدا ہوا تھا۔

مہدی نے خیزران کے ساتھ 159ھ میں نکاح کیا تھا اور مہدی کے دل میں خیزران کی حسن و لیاقت کی بڑی قدر و منزلت تھی آخرکار یہ مہدی کی ملکہ بنی۔ مہدی اکثر ملکی معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

تعلیم و تربیت:

مہدی نے ہادی کو قاضی شریک کی نگرانی میں تعلیم دلوائی۔ استعداد معقول تھی مگر اپنے بھائی ہارون کے مقابلہ میں بہت کم تر تھا۔

ولی عہد:

ہادی کو سولہ سال کی عمر میں ولی عہد بنایا گیا۔

بیعت خلافت:

ہادی، مہدی کی زندگی میں فوج لے کر جرجان گیا ہوا تھا، وہیں مہدی کی وفات کی خبر پہنچی۔ یحیٰ بن خالد برمکی اور ہارون الرشید ماسبذان میں مہدی کے ساتھ تھے، وہیں ان دونوں نے ہادی کے لئے ارکان سلطنت سے بیعت لی اور مہر، عصا اور ردائے خلافت اور تعزیت نامہ اور تہنیت کے ساتھ ہادی کے پاس جرجان بھیج دیئے۔ ہادی وہاں سے بغداد واپس آ کر صفر 169ھ میں مسند خلافت پر بیٹھا اور عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ ربیع کو منصب وزارت پر سرفراز کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچیس سال تھی۔

ہادی بھی اپنے باپ کی طرح لامذہبوں اور زندیقوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے اپنے دربان کو ہٹا دیا اور فریادی بلا روک ٹوک ان کے پاس آنے جانے لگے۔

(تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص 401)

زندیقوں کا استیصال:

ہادی نے پہلا کام یہ کیا کہ جو زندیق سامنے آیا اس کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

(البدایہ والنہایہ ج 10، ص 157)

۔یعقوب بن فضیل جیل تھا باپ کی وصیت پر اس کو گھاٹ کنارے لگایا اس کے عہد میں پیروان مانی کا فتنہ اُٹھا۔ یہ نور اور ظلمت دو خداؤں کی پرستش کے قائل تھے۔ ان میں سے جو شخص بھی ملا ختم کر دیا۔

حسین بن علی کی بغاوت:

ہادی کے زمانہ میں اہل بیت کے فرد حسین بن علی بن حسنؓ نے مدینہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا اور والئی مدینہ عمر کو شکست دے کر خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ عراق کے کچھ لوگ بھی اس کی حمایت کے لئے پہنچ گئے۔ حسین نے اعلان کر دیا کہ جو غلام ہماری جماعت میں داخل ہو جائے گا' اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ اس پر غلاموں کی خاصی تعداد اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔

(طبری' ج 10' ص 552- الفخری' ص 173- ابن اثیر' ج 6' ص 30)

مدینہ میں عام ہنگامہ بپا ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے اپنے گھر بند کر لئے۔ یہ ہنگامہ مدینہ تک ہی محدود تھا۔ پھر حسین نے مکہ پہنچنے کا اعلان کر دیا۔ آخر میں بڑی مشکلوں سے محمد بن سلیمان اور سلیمان بن منصور نے فخ جگہ پر حسین کو شکست دی۔ حسین اور ان کے تمام ساتھی مارے گئے اس طرح یہ بغاوت ختم ہو گئی لیکن حسین کے ایک چچازاد بھائی ادریس بن عبداللہ بن حسن بچ کر نکل گئے اور مصر جا پہنچے وہاں سے بھاگ کر المغرب (مراکش) چلے گئے جہاں انہوں نے ایک آزاد ریاست قائم کر کے ادریسی حکومت کی بنیاد رکھی۔ (یعقوبی' ج 2' ص 288- ابن اثیر' ج 6' ص 31)

حمزہ بن مالک خارجی کی بغاوت:

ابھی علویوں کا ہنگامہ فرد ہوا تھا کہ حمزہ بن مالک خزاعی خارجی نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہاں کے حاکم منصور بن زیاد نے اس کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں۔ موصل کے علاقہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حمزہ نے شکست دے کر منصور کی فوج کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا پھر کچھ ہی دنوں کے بعد دو آدمی اس کے ساتھ جا کر رہنے لگے اور اسے دھوکے سے قتل کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 31)

رومیوں سے معرکہ آرائی:

ہادی کا زمانہ بہت مختصر تھا اس لئے اس کے زمانہ میں بیرونی مہمات کا زیادہ موقع ہی نہ ملا تھا البتہ رومیوں نے حدیثہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد معیوف بن یحییٰ نے انہیں نکال کر حدیثہ کو واپس لے لیا اور رومی علاقہ میں آشنہ تک بڑھتا چلا گیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 31)

ولایت عہد:

مہدی کی وصیت کے مطابق ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا لیکن ہادی نے اس کے بجائے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا۔ اکثر امراء نے بھی اس کی تائید کی اور سب نے مل کر ہارون پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے۔ ہارون بھی اس پر آمادہ ہو گیا مگر یحییٰ بن خالد برمکی نے جو اس کا استاذ اور مشیر کار تھا' اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔

ہادی کو اس کی اطلاع ہوئی تو یحییٰ کو قید کر دیا مگر بعد میں پھر رہا کر دیا۔ ابھی اس کشمکش کا کوئی فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ ہادی کا آخیر وقت آ گیا اور ہارون تخت خلافت پر متمکن ہو گیا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 30-31)

ہادی کی سیرت و کردار

ہادی آزاد مزاج' عشرت پسند اور لہو و لعب میں زیادہ مشغول رہتا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 190)
لیکن نہایت قوی اور بہادر تھا۔ خوش رو' طویل القامت دو زرہیں پہنے ہوئے کود کر گھوڑے پر سوار ہو جاتا۔ نہایت فیاض اور خوش طبع تھا۔ مزاج میں غیرت بہت تھی۔ نبیذ پینے اور گانے سے دلچسپی تھی۔

نظام مملکت:

وہ امور سلطنت میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتا تھا۔ ربیع حاجب کو حکم دیا کہ جب بھی میرے پاس ضرورت مند شخص آئے تو اس کو روکا نہ جائے کیونکہ امیر کا پس پردہ بیٹھنا حکومت اور رعایا دونوں کے لئے مضر ہے۔

رعایا نوازی:

ہادی رعایا کی خبر گیری میں مہدی کے نقش قدم پر تھا۔ اس نے حاجب ربیع کو حکم دے رکھا تھا کہ میرے سامنے کوئی معاملہ غلط پیش نہ ہو ورنہ رعایا اور حکمران دونوں کے لئے ضرر رساں ہے۔
(طبری' ج 10' ص 585)

ملکہ خیزران کا اقتدار:

ہادی کے آغاز حکمرانی میں حکومت کی نگران ملکہ خیزران تھی۔ ہادی کو یہ بات کھٹکتی تھی۔ ایک دن ماں کو سختی سے منع کیا کہ امراء آپ سے مشورہ کرنے نہ آئیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔

بیدار مغزی:

ہادی جہانبانی کے تمام اوصاف سے متصف تھا۔ خانگی صحبتوں میں بے تکلف مگر دربار میں آتے ہی اس میں تغیر پیدا ہو جاتا اور ایک جری' سخت گیر اور عزم و ہمت کا حکمران نظر آنے لگتا۔
ابن طقطقی لکھتا ہے:

"ہادی بیدار مغز' غیور' فیاض' بہادر اور مجتمع الحواس حکمران تھا۔" (الفخری' ص 171)

فیاضی:

ہادی فیاضی میں اپنے باپ کی مثل تھا۔ طبری اور خطیب نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات اپنی تاریخوں میں درج کیے ہیں۔

الحاد و زندقہ سے عداوت:

ہادی بھی باپ کی طرح مذہب میں متشدد اور ملحدوں اور زندیقوں کا سخت دشمن تھا چنانچہ اس نے بھی ان کی بڑی تعداد قتل کی۔ (تاریخ الخلفاء' سیوطی' ص 282)

یہ مانی مذہب کا خاص طور سے بڑا دشمن تھا چنانچہ اس نے ان کو مٹانے کی بڑی کوشش کی۔ ہادی اگر کچھ دنوں اور زندہ رہ گیا ہوتا تو اس مذہب کا نام ونشان باقی نہ رہ گیا ہوتا۔
(طبری' ج 10' ص 588)

ذات نبوی ﷺ سے عقیدت ومحبت:

ہادی کو رسول اکرم ﷺ سے خاص عقیدت اور محبت تھی۔ ایک مرتبہ ابوالخطاب سعدی شاعر مدحیہ قصیدہ کہہ کر لایا' جب یہ شعر سنا:

یا خیر من عقدت کناہ عجزتہ
خیر من تلاتھا امرھا مضر

''اے تمام دنیا کے لوگوں میں بہتر آدمی اور تمام ان لوگوں میں بہتر جو مالک حکم ہوئے ہیں اور قبیلہ مضر نے عنان حکومت ان کو سونپی ہے۔''

تو ہادی نے فوراً ٹوکا کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا بھی استثناء نہ تھا۔

ابوالخطاب سمجھ گیا اور برجستہ یہ شعر پڑھا:

الا النبی رسول اللہ ان لہ فضلا
وانت بذاک الفضل تفتخر

''مگر سوائے نبی کریم ﷺ کے کیونکہ تمام بہتری ان پر ختم ہو گئی ہے اور مجھے آپ کی اُمت میں ہونے پر فخر ہے۔''

تو ہادی نے کہا: ہاں' تو نے صحیح کہا اور بہت اچھا کہا۔ پھر اس کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 195)

ہادی کی موت:

ہادی بلاد موصل کی طرف گیا تو اتفاق سے بیمار ہو گیا اور واپس آ گیا اور اسی خالت میں ہارون کو ہرثمہ کے ہاتھوں ختم کرانا چاہا۔ خیزران کو پتہ چل گیا۔ وہ بددعا کرنے لگی۔ ہادی پچھلی رات کو جاگا تو شدت سے کھانسی آئی' گلے میں پھندا پڑ گیا اور اسی وقت فوت ہو گیا۔ (ابن خلدون' ج 6' ص 355)

خیزران نے ہرثمہ کو بلا کر کہا کہ ہادی چل بسا تم یحییٰ کو قید سے رہا کر دو' وہ فوراً ہارون کو مطلع کر دے چنانچہ یحییٰ جیل سے سیدھا ہارون کی خوابگاہ میں گیا۔ اس کو جگا کر مژدہ خلافت سنایا۔ ہارون ہادی کے پاس پہنچا تو اس کو مردہ پایا۔ تجہیز وتکفین کر کے نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کر دیا۔

ہادی کی وفات کا دن 14 ربیع الاول 170ھ تھا۔ اس کی عمر 22 سال کی تھی۔ یہ واقعہ عیسیٰ آباد میں پیش آیا۔ اس کی خلافت ایک سال دو مہینے اور بائیس دن رہی۔



ابو جعفر ہارون الرشید

نام ونسب:

ہارون رشید بن خلیفہ مہدی بن خلیفہ منصور عباسی۔

ولادت:

ذوالحج 145ھ کے آخری ایام میں 762ء میں بمقامے رے یہ نامور خلیفہ پیدا ہوا۔ ان دنوں مہدی یہاں کا والی تھا۔ والدہ کا نام "خیزران" جو اُم ولد تھی اور اپنے وقت کی ملکہ دوران تھی۔

تعلیم وتربیت:

ہارون الرشید کا دادا خلیفہ منصور زندہ تھا۔ اس وجہ سے تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر فن کے مجتہدین الگ الگ ہارون کو پڑھاتے تھے۔ اتالیق خصوصی مربی یحیٰی بن خالد برمکی تھا۔ ہارون کو علمی ذوق تو بچپن ہی سے تھا۔ ہارون نے اپنے باپ دادا اور شیخ الحدیث مبارک بن فضالہ سے حدیث کی روایت کی اور اس سے مامون وغیرہ نے کی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 198)

علامہ سیوطی نے قاضی فاضل کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ہارون کے سوا کسی خلیفہ نے حصول علم کے لئے سفر نہیں کیا جبکہ خلیفہ ہارون امام مالک سے مؤطا پڑھنے کے لئے حاضر ہوا۔ ہارون کو علم الحدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ صرف ونحو' لغت' ادب اور عربیت کے عناصر سے متعلقہ تمام فنون میں درک حاصل کیا۔ اس کی طبیعت نہایت موزوں واقع ہوئی تھی۔ الآغانی' عقد الفرید وغیرہ علم وادب کی کتابیں اسکے فصیح وبلیغ خطبات' حکیمانہ اقوال اور دلکش اشعار سے مالامال ہیں۔

شاعری:

ہارون کو فن شاعری میں کامل عبور تھا۔ فصاحت و بلاغت کے متعلق وہ شعراء کی غلطیاں بتا دیا کرتا تھا مگر خود شعر بہت کم کہتا تھا۔

ولی عہدی:

مہدی عباسی نے 166ھ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہادی کے بعد رشید تخت کا وارث ہوگا۔

ہارون کی خلافت:

ہادی کے انتقال کے بعد 16 ربیع الاول 170ھ بمطابق 30 ستمبر 786ء میں بڑی دھوم دھام سے ہارون رشید 22 سال کی عمر میں عیسیٰ آباد کے مقام پر تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔

(البدایہ والنہایہ' ج 10' ص 160)

اس رات کا یہ واقعہ بھی عجیب ہے کہ ایک خلیفہ نے وفات پائی' دوسرا مسند خلافت پر بیٹھا اور تیسرا تاج کا وارث مامون الرشید پیدا ہوا اور اسی شب میں عزیمہ بن خازم نے جعفر بن ہادی کو گرفتار

کیا۔

جعفر کی زبردستی خلافت سے دستبرداری:

جعفر حواس باختہ ہو کر خواب غفلت سے چونک پڑا۔ تب عزیمہ نے کہا کہ اگر تم تمام لوگوں کی موجودگی میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر کے ہارون کی بیعت نہ کرو گے تو صبح صبح قتل کر دیئے جاؤ گے چنانچہ تلوار کے زور سے دستبرداری کا اعلان کروایا گیا اور اس نے مجمع عام میں ہارون سے بیعت کی۔ جن لوگوں نے اس سے قبل ہادی کے دباؤ سے جعفر کی بیعت کی تھی' انہوں نے بھی سبکدوشی حاصل کی لہٰذا ہارون بلاشرکت غیرے دنیائے اسلام کا مستقل خلیفہ قرار پایا اور خلیفہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر یحییٰ بن خالد برمکی کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ درحقیقت یہ اس کی ان کارگزاریوں کا صلہ تھا جو اس نے حصول خلافت کے لئے ہادی کے مقابلہ میں کی تھیں۔

ہارون کی خلافت میں یحییٰ برمکی کا کردار:

164ھ میں مہدی نے ہارون کو مشرقی مملکت کا گورنر مقرر کیا اور 165ھ میں ایک جرار لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی مہم پر بھیجا جس میں وہ فتح یاب ہوا اور کامران واپس آیا۔ مہدی کے بعد ہادی خلیفہ بنا تو اس نے ہارون کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے جعفر کو جانشین نامزد کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس کے قابل اور ہوشیار اتالیق یحییٰ برمکی نے ہادی کو اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

ہادی اور ہارون دونوں پر ان کی ماں خیزران کا بڑا اثر تھا اور جب تک وہ زندہ رہی سلطنت کے اہم کام اس کے مشورے سے انجام پاتے تھے۔

بغاوتیں اور ان کا انسداد

خلیفہ ہارون کو خلافت کا قلمدان سنبھالنے کے بعد چند ایک بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا جنہیں فرو کر دیا گیا۔ ذیل میں چند بغاوتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

علویوں کی بغاوتیں:

ہارون نے آل علی سے نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان پر سے قید و بند کی پابندیاں اٹھا دیں اور ان کے جو لوگ بغداد میں نظر بند یا زیر حراست تھے' ان کو آزاد کر کے واپس مدینہ جانے کی اجازت دے دی نیز ان کی ضبط شدہ املاک بھی واپس کر دیں مگر اس حسن سلوک کے باوجود علویوں نے چند ایک مقامات پر شورشیں برپا کر کے خلافت کو اپنے خاندان میں منتقل کرنے کی ناکام کوشش کی۔

176ھ میں نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم میں اپنی امامت کی بیعت لے کر علم بغاوت بلند کیا۔ مشرقی ممالک کے اکثر باشندے ان کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور چند ہی دنوں میں ان کی قوت و جمعیت اتنی بڑھ گئی کہ شاہی افواج کے منہ آنے لگے۔

ہارون نے ان کی سرکوبی کے لئے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ روانہ

لیکن فضل چونکہ اہل بیت کا ہمدرد تھا اس لئے جنگ کرنے کے بجائے یحییٰ کو سمجھا بجھا کر صلح پر آمادہ کر لیا۔ شرط یہ ٹھہری کہ خلیفہ خود اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر دے اور اس پر معززین کے دستخط ہوں۔

فضل نے اس کی اطلاع ہارون کو دی تو اس نے ان شرائط کو تسلیم کر لیا اور اپنے قلم سے صلح نامہ تحریر کر کے اس پر علماء اور فضلاء کے دستخط ثبت کروائے اور تحائف و ہدایا کے ساتھ یحییٰ کو بھیج دیا۔ فضل انہیں ساتھ لے کر بغداد میں آیا۔ ہارون نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور انعام و اکرام سے مالامال کیا لیکن آخر میں قید کر دیا اور اسی قید میں وہ وفات پا گیا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 45- الفخری' ص 176)

ادریس کی بغاوت:

یحییٰ کے ایک اور بھائی ادریس ہادی کے زمانہ میں بھاگ کر افریقہ کی طرف چلے گئے۔ علاقہ فاس کے باشندوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور بیعت کر کے اپنا لیڈر تسلیم کر لیا چنانچہ 172ھ میں انہوں نے المغرب (مراکش) میں ادریسی حکومت کی بنیاد رکھی۔

منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے لشکر کشی کے بجائے اپنے ایک غلام کو بھیجا کہ دھوکے سے ادریس کو قتل کر دے چنانچہ اس نے پہلے تو اس کا مکمل اعتماد حاصل کیا۔ پھر ایک دن اس کے منجن میں زہر ملا دیا جس سے ادریس نے 177ھ میں وفات پائی مگر ان کے خاتمہ کے باوجود ادریسی سلطنت بدستور قائم رہی اور افریقہ کا یہ حصہ عباسی حکومت سے جدا ہو گیا۔

اس پر ہارون نے دوبارہ اہل بیت پر کڑی نگرانی شروع کر دی اور ان کے حامیوں پر سختیاں ہونے لگیں۔ اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں نظر بند کر دیا۔

اہل افریقہ کی بغاوتیں:

177ھ میں ہارون نے فضل بن ربیع کو افریقہ کا والی اور اس کے بھتیجے مغیرہ کو تیونس کا امیر بنا کر بھیجا۔ مغیرہ تندخو اور اکھڑ مزاج نوجوان تھا۔ اس نے فوج اور رعایا کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا جس سے وہ اس کے خلاف ہو گئے اور فضل کو لکھا کہ اسے معزول کر کے کسی اور کو امیر مقرر کرے لیکن فضل نے ان کے مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ اس پر ان لوگوں نے ایک رئیس عبداللہ بن جارود کی سرکردگی میں بغاوت کر کے مغیرہ کو تیونس سے نکال دیا اور فضل سے کہا کہ ہم نے مغیرہ کو اس کی بدسلوکی سے ناراض ہو کر نکالا ہے لہٰذا ہمارا مقصد بغاوت نہیں' اگر آپ کوئی بہتر امیر بھیج دیں تو ہم اس کی اطاعت کرنے کو تیار ہیں۔ اس پر فضل نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ کو تیونس کا امیر بنا کر بھیجا لیکن ابن جارود نے کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر دیا اور آس پاس کے امیروں کو ساتھ ملا کر ایک زبردست فوج فراہم کر لی۔ اس لشکر جرار کے ساتھ وہ قیروان پر حملہ آور ہوا اور فضل کو بھگا کر خود قابض ہو گیا۔

ہارون نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ہرثمہ بن اعین اور یحییٰ بن موسیٰ کو مامور کیا۔ انہوں نے متعدد معرکوں کے بعد باغیوں کو مطیع کیا اور ابن جارود کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا جہاں

وہ قید کر دیا گیا لیکن چھوٹے چھوٹے سرداروں کی بغاوتیں بدستور جاری تھیں۔ سا صورت حال سے گھبرا کر ہرثمہ نے افریقہ کی امارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ہارون نے اس کے بجائے ابن مقاتل کو قیروان کا گورنر مقرر کیا۔ ابن مقاتل سخت اکھڑ مزاج انسان تھا جس کے باعث تمام افریقہ میں دوبارہ بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ ابن مقاتل ان کے مقابلہ سے عاجز آ گیا اور بھاگ کر طرابلس (لیبیا) میں پناہ لی۔ اسی اثناء میں والی زاب ابراہیم بن اغلب منظر عام پر آیا اور باغیوں کو شکست دے کر تمام ملک میں امن وامان بحال کر دیا۔

ہارون اس کی بہادری اور تدبیر سے اتنا متاثر ہوا کہ افریقہ کی امارت مستقل طور پر اس کی تحویل میں دے دی۔ ابراہیم کی حیثیت دوسرے صوبائی گورنروں کی سی تھی۔ وہ تمام امور میں خود مختار تھا اور خلیفہ کو صرف چالیس ہزار درہم سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ 184ھ کے قریب وہ الجیریا اور تیونس کے علاقے کا خودمختار حکمران بن گیا اور اغلبی خاندان کا بانی ٹھہرا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 245-247- ابن خلدون' ج 3' ص 225)

خوارج کی بغاوتیں:

178ھ میں ایک مشہور خارجی رئیس ولید بن طریف نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کیا اور اتنی طاقت پکڑ لی کہ بار بار شاہی افواج کو شکست دی بالآخر ہارون نے معن بن زائدہ کے بھتیجے یزید شیبان کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ یزید اور ولید ہم قبیلہ تھے اس لئے یزید جنگ سے کتراتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح صلح ہو جائے۔ مشیروں نے خلیفہ سے شکایت کی کہ یزید جان بوجھ کر لڑائی ٹال رہا ہے اس پر ہارون نے ایک دھمکی آمیز خط لکھا اور حکم دیا کہ جلد از جلد ولید کا خاتمہ کرو۔

یزید نے ولید کو کہلا بھیجا کہ خواہ مخواہ خلق خدا کو مروانے سے کیا فائدہ ہے؟ آؤ ہم تم باہم لڑ کر تصفیہ کر لیں اس پر وہ میدان میں آ گیا۔ دونوں سردار کئی گھنٹوں تک لڑتے رہے اور فوجیں کھڑی تماشا دیکھتی رہیں بالآخر ولید مارا گیا اور یزید فتح مند ہو کر واپس آیا۔

(ابن خلدون' ج 3' ص 225- ابن اثیر' ج 6' ص 247)

شام کی بغاوت:

176ھ میں شام کے یمنی اور مضری قبائل میں جنگ چھڑ گئی اور بڑا کشت وخون شروع ہو گیا۔ دمشق کے حاکم عبدالصمد نے ان میں صلح کرانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ ہارون نے اسے معزول کر کے موسیٰ بن عیسیٰ کو وہاں کا امیر مقرر کیا جس نے کئی خون ریز معرکوں کے بعد اس شورش کو ختم کیا۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ' ج 2' ص 212)

سندھ کی بغاوت:

چند مضری اور یمنی قبائل سندھ میں بھی آباد تھے۔ شامی فتنے کی خبر سن کر انہوں نے بھی آپس میں جنگ شروع کر دی۔ خلیفہ نے اس شورش کو دبانے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی حاکم بھیجے مگر جبھی

ناکام ہوئے۔ تعداد اور قوت کے اعتبار سے مضریوں کو فوقیت حاصل تھی اس لئے انہوں نے یمنیوں کو مار بھگایا اور سندھ کے اکثر علاقوں پر قابض ہو کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ تنگ آ کر ہارون نے داؤد بن حاتم مہلبی کو ایک کثیر تعداد پر مشتمل فوج دے کر ان کی سرکوبی کے لئے ان کو روانہ کیا۔ داؤد نے متعدد معرکوں کے بعد مضری قبائل کا زور توڑا اور مقبوضہ علاقوں کو ان سے آزاد کرایا۔

(یعقوبی' ج 2' ص 494)

موصل کی بغاوت:

177ھ میں ہی موصل کے عطاف نامی ایک سردار نے بغاوت کر کے سارے صوبہ پر قبضہ کر لیا اور متواتر دو سال تک قابض رہا۔ اس کے خلاف ہارون الرشید نے خود لشکر کشی کی اور اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ آئندہ بغاوتوں کا سدباب کرنے کے لئے موصل کی شہر پناہ مسمار کرا دی گئی۔ (حوالہ مذکور)

خراسان میں بغاوتیں:

خراسان کا عباسی حاکم علی بن عیسیٰ نہایت بدطینت اور ظالم انسان تھا۔ خراسانی رؤساء نے کئی بار دربار خلافت میں اس کے ہتک آمیز رویہ کی شکایت کی اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا مگر ہارون نے ہر بار ان کے مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ اس پر علی اور بھی بپھر گیا اور شکایت کرنے والوں پر سختیاں شروع کر دیں۔

خراسانی سردار اس ناروا سلوک کو برداشت نہ کر سکے اور نصر بن سیار کے پوتے رافع بن لیث کی سرکردگی میں بغاوت کر دی۔ علی نے ان کے مقابلہ میں اپنے نوجوان بیٹے عیسیٰ کو بھیجا مگر رافع نے اسے شکست دے کر قتل کر ڈالا۔

ہارون کو اطلاع ملی تو علی کو معزول کر کے اس کی بجائے ہرثمہ کو خراسان کا گورنر بنایا۔ ہرثمہ نے علی اور ان کے ساتھیوں کو قرار واقعی سزائیں دے کر رعایا کی دلجوئی کر دی جس سے امن و امان بحال ہو گیا مگر رافع کے مقابلے میں اس کی بھی کوئی پیش نہ گئی۔ آخر کار ہارون نے اس کے خلاف بنفس نفیس پیش قدمی کی لیکن راستے میں ہی پیغام اجل آ پہنچا اور طوس کے مقام پر پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 247)

عہد ہارون کی فتوحات

خلیفہ ہارون رشید اولوالعزم خلفاء میں سے ہے جس کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے میں تلوار تھی لیکن قلم کا پلہ بھاری تھا۔ اس لئے اگر ہم مفتوحہ ممالک کی طویل فہرست نہ لکھ سکیں تو کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے تاہم 23 برس کی حکومت میں سادات اور عمال کی فتنہ پردازیوں کے باوجود فتوحات میں ہارون مہدی سے کم نہیں ہے۔ اس خلیفہ میں جنگ و جہاد کا شوق پیدائشی تھا چنانچہ شہزادگی کے زمانہ میں اس نے جمادی الثانی 165ھ میں دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ روم پر فوج کشی کی اور پے در پے فتوحات

حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ وہاں اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک گھوڑا درہم کا بک گیا اور ملکہ ارینی نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج تسلیم کر کے صلح کر لی۔ اس لڑائی میں چون ہزار (54,000) رومی قتل ہوئے۔

جب یہ تخت نشین ہوا تو قلعہ صفحات' صقلیہ (سسلی)' قلعہ قلقونیہ اور شہر دلسہ فتح کیا۔ یونان پر کئی مرتبہ حملہ آور ہوا آخر کار اسے باجگوار بنا لیا۔ قبرص فتح کیا' پھر اس کو منہدم کیا اور آگ لگا دی اور سولہ ہزار (16,000) آدمی گرفتار کر لایا۔ غرضیکہ ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیں کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئی تھیں۔

ہارون کے کل کارنامے تو ہم نہیں لکھ سکتے کیونکہ ہمارا مقرر کردہ کتاب کا حجم اس کی سکت نہیں رکھتا بہرحال ہم اہل روما کے ساتھ اس کے پیش آمدہ کچھ اُن واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن میں ہارون خود سپہ سالار بن کر گیا تھا چنانچہ 187ھ بمطابق 812ء کا واقعہ ہے کہ جب ارینی فرمانروائے روم نے سرکشی کی تو قاسم کی ماتحتی میں روم پر فوج کشی ہوئی اور شہزادے نے قلعہ مستان کا محاصرہ کر لیا اس وقت ملکہ نے مقابلہ کی تاب نہ دیکھ کر خراج ادا کرنے پر صلح کر لی۔

اس کی معزولی کے چند مہینے بعد نقفور (نیکفورس یا ناکسفورس) تخت نشین ہوا تو اس نے خراج ادا کرنے سے انکار کیا اور ارکان سلطنت کے مشورے سے ہارون الرشید کو یہ خط لکھا کہ

''ملکہ سابق نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی اب میں تخت نشین ہوا ہوں اس لئے لکھتا ہوں کہ سلطنت روم سے اب تک جو خراج وصول کیا ہے وہ فوراً واپس کر دو ورنہ بذریعہ تلوار فیصلہ کیا جائے گا۔''

نقفور کی گستاخانہ تحریر پڑھتے ہی ہارون آپے سے باہر ہو گیا اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ امراء اور وزراء کے حواس جاتے رہے' کسی میں آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی چہ جائیکہ کوئی گفتگو کر سکتا۔ اس لئے خط کی پشت پر خود ہی اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے:

''یہ خط امیرالمومنین ہارون الرشید کی طرف سے رومی کتے نقفور کے نام ہے۔ اے کافر کی اولاد میں نے تیرا خط پڑھا اس کا جواب تو کانوں سے سنے گا نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔''

ہارون نے اسی وقت فوج کی تیاری کا حکم دے دیا اور اس تیزی سے اس پر جا پڑا کہ ''نقفور'' حیرت زدہ رہ گیا۔ جب پائے تخت ''ہریکلی'' تباہ ہو گیا اور بہت سی رومی فوج تلوار کے گھاٹ اُتر چکی تب نقفور نے معافی مانگی اور سابق شرائط پر صلح کر لی۔ ہارون کے بغداد پہنچنے پر نقفور نے معاہدہ توڑ ڈالا۔ یہ خبر بغداد پہنچی تو عبداللہ بن یوسف اور ابوالعتاہیہ نے چند اشعار میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور ہارون کے سامنے پیش کیے تو ہارون نے اس مرتبہ رضاکاروں کے علاوہ ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج سے دارالسلطنت پر حملہ کر دیا۔ ایشیائے کوچک فوج کی یلغار سے پامال ہو گیا۔ ابراہیم بن جبریل نے لکھا ہے کہ یہ حملہ 188ھ میں ہوا' نیسی فور مقابلہ پر آیا اور شکست کھائی۔ اس کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے' رومی سرحد کے مشہور قلعے فتح ہو گئے۔

داؤد بن عیسیٰ' شرجیل بن معن' یزید بن مخلد اور حمید بن معیوف نے حصن صقالیہ' دلسہ' صفاف' ملغونیہ اور سواحل شام وغیرہ پر داد شجاعت دی۔ رومیوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا اور ستر ہزار رومی قید کئے گئے' خود ہارون رشید طوانہ کی طرف روانہ ہوا۔ ''نیسی فور'' گھبرا گیا اور جزیہ دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ قونیہ' اناطولیہ بھی قبضہ اور تصرف میں آ گئے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 64)

ہارون نے شام کے ساحلوں پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ قلعے بنوائے اور طرطوس عین زربر اور ہارونیہ بسایا اور مصیصہ کو ازسرنو مستحکم کیا' وہاں مسلمان آباد کئے اور دبسہ کے خطرناک لوگوں کو جلاوطن کیا۔ (فتوح البلدان' ص 177)

واقعات:

ہارون 170ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔

171ھ میں عزل و نصب عمال۔

173ھ میں شہر دبسہ امیر عبدالرحمٰن بن صالح کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

180ھ میں سخت زلزلہ آیا جس سے اسکندریہ کے منارے گر گئے۔

181ھ میں قلعہ صفصاف خود امیر المومنین کے ہاتھوں فتح ہوا۔

183ھ میں ملک آرمینیہ میں غدر ہو گیا جہاں ایک لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔

189ھ میں اہل روم نے اپنے علاقے سے مسلمانوں کو نکال دیا۔

190ھ میں قلعہ مذکورہ فتح ہوا۔ یزید بن محمد نے قونیہ فتح کیا اور حمید بن معیوف قبرص میں پہنچا' اس کو تباہ کیا اور سولہ ہزار آدمیوں کو گرفتار کر لایا۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 611)

عہد ہارون' عباسی حکومت کا سنہری دور

عہد زرّیں:

ہارون رشید دولت عباسیہ کا گل سرسبد اور اس کا عہد عباسی حکومت کا زرّیں عہد تھا اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی' تمدنی اور سیاسی ہر لحاظ سے اوج کمال پر پہنچ گیا۔ اس کے عہد کو خوبیوں' زرخیزیوں' ضیاپاشیوں' تہذیب و تمدن' اسلامی سلطنت کی وسعت' خوشحالی اور زرنگاری کی کثرت کے اعتبار سے ''عہد عروس'' کہا جاتا ہے اس کے کارنامے غیرفانی بن چکے ہیں۔

یہ وہ دور ہے جس میں خلافت بنوعباس سیاسی اور فوجی میدان میں دنیا کی واحد ترقی یافتہ اور طاقتور حکومت تھی۔ یورپ کی دو بڑی سلطنتیں بازنطینی (رومی) اور شارلیمان شاہ فرانس عباسی خلافت کے سامنے عاجز و بے بس خراج و دوستی کا دم بھر کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی تھیں گویا عباسی خلافت اس دور کی واحد سپرپاور تھی۔

ہارونی عہد حکومت کی خوبیاں اور خصائص' ترقی و کمال' خوشحالی اور دولت کی بہتات' عدل و

انصاف اور تہذیبی و ثقافتی اور اقتصادی و تجارتی کرشمہ سازیوں اور بغداد کی علمی و عمرانی سرگرمیوں کی داستان اس قدر طویل اور دل پذیر ہے کہ جدید دور کا انسان اس کے مطالعہ سے حیرت و استعجاب کے عالم میں دم بخود ہو جاتا ہے اور حقیقت اور افسانے کے درمیان تمیز روا رکھنا محال اور دشوار امر بن کر رہ جاتا ہے۔

ہارون کے ذاتی خصائل:

ہارون رشید کی خود اپنی ذات' حسن و خوبی' بلند خیالی' رفعت فکر' جود و سخا' خوش ذوقی' ساز و غناء' زہد و اتقاء اور نفاست و شائستگی کا ایک ایسا مجسمہ تھی کہ بعض اوقات قاری کو یہ سب کچھ الف لیلائی اور طلسماتی سا نظر آتا ہے۔

شخصی عظمت:

ہارون کو ذاتی اوصاف کے نقطۂ نظر سے اپنی پوری سطوت اور شان و شوکت کے باوجود انفرادی سیرت کے لحاظ سے دنیا کے بہترین حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی وجاہت' عادات و اطوار' فصاحت و بلاغت' علم و ادب میں کمال' تہذیب و نفاست اور علم و علماء کی قدردانی نیز رعایا کی خفیہ خبرگیری' عدل پروری' مذہبی رواداری اور شعائر اسلام کی پابندی اس کی شخصیت کے دلنواز پہلو اور زندگی کے زریں اصول تھے۔

ہارون کی سرپرستی اور ذاتی دلچسپی کی بدولت طرز معاشرت' معیشت و تجارت' خارجہ تعلقات' علم و ادب' فنون لطیفہ اور سائنسی علوم میں جس قدر ترقیاں ہوئیں۔ وہ عباسی خلافت کا نقطۂ معراج ہیں لہٰذا امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی ذات وہ کسوٹی ہے جس پر اس دور کی خوبیوں اور ترقیوں کو قیاس کیا جاتا ہے۔

رومیوں کے خلاف کامیابیاں:

بازنطینی (رومی) سلطنت دولت اسلامیہ کے لئے مستقل خطرہ تھی۔ ہارون کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے پہلے رومیوں کے خلاف جذبہ جہاد سے سرشار کامیاب مہمات روانہ کیں اور انہیں پے در پے شکستیں دے کر ان کی قوت کا طلسم توڑ دیا اور اب ان کی حیثیت اسلامی خلافت کی باجگوار ریاستوں کی سی تھی۔ ہارون نے بہت سی مہمات میں بذات خود حصہ لیا اور اس کے بہت سے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ ہارون رشید کی مسلسل مہمات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد رومی برسوں تک سر نہ اٹھا سکے۔

ہارون رشید کا دربار:

ہارون رشید کا دربار عباسی شان و شوکت اور سطوت و عظمت کا آئینہ دار تھا۔ دنیا بھر کے اہل علم' فلسفی اور ماہرین فنون کھنچ کھنچ کر ہارون کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ اس کے دربار میں اس دور کے چوٹی کے اہل علم' ارباب عقل و دانش' شعراء گھرانے اور اصحاب طنز و مزاح موجود تھے۔ اس کے وزراء آل برمک تھے۔ اس کے قاضی القضاۃ ابو یوسف تھے۔ مروان بن ابی حفصہ جیسے قادر الکلام درباری

شاعر کے علاوہ بیسیوں دیگر شعراء کرام دربار کی زینت تھے اس کا حاجب فضل بن ربیع مرجع خلائق تھا اور اس کا مغنی ابراہیم موصلی تھا۔ اس کے مصاحبوں میں اصمعی اور عبدالمالک جو طنزومزاح کا بادشاہ ہونے کے علاوہ ماہر آثار اور لطائف ربیع اور شیریں گفتار تھے اس کے دربار کے بہت سے طبیبوں میں جبریل بن بختیشوع جیسے یگانہ روزگار طبیب تھے۔ خوش مزاجی کے لئے درباری مسخروں میں ابن ابی مریم خوش طبعی اور ظرافت کا بادشاہ تھا۔

دربار کے ان نورتنوں نے عہد ہارون کو وہ تابندگی اور اس دور کی تہذیب و ثقافت کو وہ تازگی اور جدت عطا کی جو اس دور میں یا اس سے قبل موجود نہ تھی۔ ہارون رشید پہلا فرمانروا ہے جس کے عہد میں سفیروں کا تبادلہ ہوا۔

علوم عقلیہ کی بنیاد:

علوم عقلیہ میں سے فلسفہ، حکمت، فن تعمیر، نجوم، طب اور دیگر سائنسی علوم میں بھی اس دور میں خاصی پیشرفت ہوئی۔ یونانی زبان میں فلسفہ وحکمت کی بے شمار کتب موجود تھیں مسلمانوں نے ان علوم کی اشاعت کے لئے دور دراز کے سفر کئے اور کتب کو تلاش کر کے ان کے تراجم کئے۔ مامون رشید کے دور میں جس قدر سائنسی ترقیاں ہوئیں، ان کی بنیادیں عہد ہارون کے دور میں رکھ جا چکی تھیں۔

علمی، تمدنی اور سیاسی عروج کا دور:

ہارون رشید کا عہد علمی ترقیوں اور تمدنی و سیاسی کارناموں کی وجہ سے خلافت عباسیہ کا عظیم دور کہلاتا ہے۔ "بیت الحکمت" جس کی بدولت علوم وفنون کے چشمے جاری ہوئے اس کے عہد کی یادگار ہے۔ اس کے دربار میں مختلف ممالک کے مندوبین اور سفراء موجود رہتے۔ عربی اور ایرانی تہذیب کی آمیزش دامتزاج سے ایسا نادر تمدن وجود میں آیا جسے اسلامی تمدن وثقافت کا معیار قرار دیا گیا۔

نظم ونسق کی خوبی، وسعت سلطنت اور استحکام حکومت کے علاوہ علمی ترویج و ترقی اور معاشی خوشحالی کے اعتبار سے اس کا عہد منفرد عہد ہے جب اہل یورپ پس ماندگی اور پستی کی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے تو اس وقت مسلمان اپنے علم وفضل اور تہذیب و حضارت اور تمدن و سیاست میں دنیا کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ہارون کے عہد میں عوام کی حالت قابل رشک تھی، تجارت عروج پر تھی اور بازار پر رونق تھے۔ مختلف علاقوں کے خراج کی رقوم سے خزانے معمور تھے۔ اطراف عالم کے ہنرمند اور فن کار "عروس البلاد" بغداد کا رخ کر رہے تھے۔

اس دور میں علمی، سیاسی، تمدنی، اقتصادی اور تحقیقی میدان میں مسلمانوں نے اس قدر شاندار ترقی کی کہ وہ مہذب دنیا کے رہنما اور قائد تسلیم کیے گئے۔

سیّد امیر علی نے ہارون رشید کے عہد پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

"ہارون کا عہد ہر اعتبار سے شاندار تھا لیکن قصوں اور شان وشوکت سے قطع نظر اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ ہارون دنیا کے عظیم المرتبت حکمرانوں میں سے تھا۔"

بغداد کی شان و شوکت:

بغداد جو بنو عباس کا دارالخلافہ تھا' ہر حکمران کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ جب ہارون کا زمانہ آیا تو یہ شہر ہر اعتبار سے اوج کمال تک پہنچا اور اہل دنیا اسے ''عروس البلاد'' کے نام سے پکارنے لگی۔ پروفیسر فلپ ہٹی نے بغداد کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''یہ شہر ہر لحاظ سے دنیا کا مرکز بن گیا اور اس کی شان و شوکت دیکھ کر مسلمانوں کی خوشحالی اور فارغ البالی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔''

پڑھے لکھے لوگ اس وقت تک کسی کو عالم تسلیم نہیں کرتے تھے جب تک اس نے بغداد میں تعلیم کی سند حاصل نہ کی ہوتی۔ بغداد سے فارغ التحصیل ہونا علم کی بہت بڑی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ بغداد میں ہزاروں سرکاری ملازم رہائش پذیر تھے۔ سرکاری عہدے استحقاق اور قابلیت کی بناء پر دیئے جاتے تھے اس لئے کلیدی عہدوں پر عیسائی اور یہودی بھی فائز تھے۔

ہارون نے شہر کو خوبصورتی کا دلآویز نمونہ بنانے کے لئے متعدد منصوبے مرتب کئے اور ان پر بے دریغ دولت خرچ کی۔ شہر کی آبادی بیس لاکھ کے قریب تھی۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے کناروں پر دس میل تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے اندرونی علاقے میں شہرۂ آفاق اور نادر روزگار رفیع الشان عمارات تھیں۔ شاہی محلات اور عام عمارتیں عقل انسانی کو ورطۂ حیرت میں گم کئے دیتی تھیں۔

قصر خلافت میں دنیا کی نادر و نایاب چیزیں مہیا کی گئی تھیں۔ دروازوں کے پردے دبیز اور حد درجہ قیمتی تھے بلکہ زبیدہ نے کھانے پینے کے لئے سونے چاندی کے برتن بنوائے تھے۔ برامکی امراء کے محلات بھی عظیم الشان تھے' شہر میں جگہ جگہ سبزہ زار اور چمنستان تھے۔

اس زمانے میں یہ ضرب المثل زبان زد عوام تھی کہ اگر کسی نے بغداد نہیں دیکھا تو اس نے دنیا میں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس دنیاوی شان و شوکت اور امارت و سطوت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ محلات میں عباسی خلفاء اور امراء راگ و رنگ' ناؤنوش اور رقص و سرود کی محفلیں برپا کرتے تھے۔

ملکی ترقی:

ہارون کے عہد میں ملک کے ہر شعبے میں شاندار ترقی ہوئی اگرچہ وزارت کا عہدہ ہارون رشید سے پہلے قائم ہو چکا تھا مگر اس کے پیشروؤں کو غیر معمولی استعداد کے وزیر میسر نہ آئے۔ دوسرے انہوں نے وزراء کے اختیارات محدود رکھے تھے۔ ہارون رشید کی خوش قسمتی تھی کہ نہایت اعلیٰ قابلیت کے فرض شناس وزراء نصیب ہوئے اور ہارون نے انہیں لامحدود اختیارات عطا کئے جس کے نتیجے میں ملکی نظم ونسق کا معیار بلند ہوا اور اس میں باقاعدگی پیدا ہوئی۔

ملک میں چوری چکاری' ڈاکہ اور لوٹ مار کا نام ونشان نہ تھا۔ شاہراہوں اور راستوں پر قافلوں اور مسافروں کے لئے سرائیں' پانی کے کنویں' حوض اور تالاب بنائے گئے تھے اور گزرگاہوں کے دونوں جانب سایہ دار درخت تھے۔ فرات کے کھاری پانی کو ادویہ کے ذریعے پینے کے قابل بنایا گیا تھا اس

سے نہریں نکال کر آب پاشی کا کام بھی لیا جاتا۔

ملک کی معاشی اور اقتصادی حالت نہایت مضبوط و مستحکم تھی۔ زراعت کی ترقی عروج پر تھی' لگان میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ حکومت کے تمام اخراجات منہا کرنے کے بعد بیت المال میں ہر سال چالیس کروڑ درہم کی خطیر رقم جمع ہوتی تھی۔ ان تمام رفاہی امور کے پس پردہ اس کے قابل اور باتدبیر وزراء کا ذہن کارفرما تھا۔

متفرق خدمات:

ہارون رشید عوام کے معاملات اور ان کی فلاح و بہبود کو اولین اہمیت دیتا تھا۔ وہ عام لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیس بدل کر راتوں کو بغداد کے گلی کوچوں میں چکر لگاتا۔ اس طرح جن خرابیوں کا مشاہدہ کرتا انہیں دور کرنے کی فی الفور اور حتی المقدور کوشش کرتا۔ اس نے تمام عہدہ داروں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ وہ اختیارات میں حدود سے تجاوز نہ کریں۔ اگر وہ عوام پر ظلم و تعدی کریں گے تو حکومت ان کے خلاف مناسب کارروائی سے ہرگز گریز نہیں کرے گی۔

کتاب الخراج کی تالیف:

ہارون رشید نے عوام کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے تمام غیر شرعی ٹیکس منسوخ کر دیئے تاکہ غیر شرعی رقوم خزانے میں داخل نہ ہوسکیں اس مقصد کے لئے اس نے امام ابو یوسف سے درخواست کی کہ وہ خراج کے اسلامی قوانین پر ایک کتاب لکھیں چنانچہ انہوں نے ''کتاب الخراج'' تحریر کی۔ جب یہ کتاب مکمل ہو گئی تو مقبوضہ ممالک سے اسلامی قوانین کے مطابق خراج' لگان اور ٹیکس وغیرہ وصول کئے جانے لگے۔

صوبائی حکام پر کڑی گرفت:

اموی عہد خلافت میں سرکاری عہدے اسلامی دستور اور قوانین کے باب میں لاپرواہی کا شکار تھے اور صوبائی حکام تو اکثر و بیشتر بغاوتیں کرتے رہتے لیکن جب ہارون رشید کا زمانہ آیا تو اس نے تمام خرابیوں اور بدعنوانیوں کو دور کر دیا اور اسلامی طرز حکومت نافذ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً احکام جاری کئے۔ وہ ظالم بدکار اور غیر شرعی زندگی گزارنے والے عہدہ داروں کو معزول کر دیتا تھا۔

اہل علم اور عہد ہارون:

عہد ہارون کے علماء' صلحا اور دین دار لوگ اس کی حکومت کو خالص اسلامی حکومت تو خیال نہیں کرتے تھے مگر بدلتے ہوئے حالات میں اسے گوارا اور غنیمت خیال کرتے ہوئے اس کی اطاعت کے قائل ضرور تھے۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ اخذ کرنا بالکل درست ہے کہ ہارون رشید کا عہد خلافت عباسیہ کا زریں اور سنہری عہد تھا۔

عہد ہارون کے زرّیں ہونے کا سہرا برامکہ کے سر ہے:

خاندان برامکہ اپنے علم و فضل، علم دوستی اور مذہبی تقدس کی بناء پر بہت ممتاز تھا۔ دولت عباسیہ کی زیادہ تر خوشحالی اور ترقی کا سہرا بڑی حد تک اسی نامور خاندان کے سر ہے۔ پہلا عباسی خلیفہ سفاح، خالد برمکی کی فہم و فراست، علم و تدبر اور قوت گویائی سے بہت متاثر ہوا اور اسے دیوان خراج کا قلم دان سونپ دیا۔ منصور کے دور میں بھی خالد مملکت کے مالیاتی امور کا انچارج رہا اس وقت مہدی اور خالد کے تعلقات بہت گہرے ہو گئے۔ خالد نے مہدی سے مشورہ کے بعد اپنے بیٹے یحییٰ کو رے کا حکمران بنا دیا۔

یحییٰ اور ہارون کے تعلقات:

اب خالد کے ساتھ ساتھ یحییٰ کے تعلقات بھی خلیفہ کے ساتھ خاصے گہرے ہو گئے اور دونوں خاندانوں کی خواتین بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد مہدی نے یحییٰ کو اپنے بیٹے ہارون کا استاذ مقرر کر دیا اس وقت یحییٰ کی عمر چالیس برس تھی۔ یحییٰ ایک زبردست عالم، مدبر اور فہم و فراست میں حد درجہ کمال رکھتا تھا۔ معاملہ فہمی اور تدبیر امور میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔

منصور کا مقولہ:

منصور نے ایک مرتبہ خود اس کے علم و تدبر سے متاثر ہو کر کہا تھا:

''لوگ بیٹا پیدا کرتے ہیں، خالد نے باپ پیدا کیا ہے۔''

پھر 161ھ میں ہارون خلیفہ بنا تو یحییٰ نے عباسی خلافت کی علمی تاریخ میں جو کردار ادا کرنا تھا، وہ سب پر عیاں تھا۔ ہارون رشید کے عہد حکومت کی تمام ترقیاں اگرچہ کافی حد تک ہارون کی ذاتی خصوصیات کی بدولت ہیں لیکن درحقیقت ان کامرانیوں اور ترقیوں کا سہرا آل برامکہ کے سر ہے۔ ان کی علم پروری، فیاضی اور ضوپاشیوں کی بدولت ہارون رشید کا عہد دور بنو عباس کا زرّیں عہد بن گیا۔

بیت الحکمت کا قیام:

یحییٰ برمکی نے اپنے شاگرد اور خلیفہ ہارون رشید کو مشورہ دیا کہ کتب کی تالیف و تصنیف اور ترجمہ کے لئے ''بیت الحکمت'' کے نام سے ایک خصوصی اکیڈمی بنائی جائے۔ ہارون نے یحییٰ کے مشورہ سے اس کی بنیاد رکھی جس میں قریب و بعید کے ممالک سے ہر مذہب و ملت کے مشاہیر علماء شریک ہوئے۔ اس کی نوعیت دارالترجمہ کی سی تھی جس کے اراکین دیگر زبانوں سے مختلف قسم کے علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کرتے تھے۔

یحییٰ کا تعلیمی انقلاب:

بیت الحکمت میں کتابوں کے کام پر بے دریغ رقم صرف کی جاتی۔ رومیوں کے ساتھ جنگوں میں جس قدر کتابیں ہاتھ لگتیں، لائی جاتیں۔ خلیفہ نے قیصر روم کو خط لکھ کر بہت سی کتابیں منگوائیں بلکہ کتب

کی تلاش میں باقاعدہ ایک وفد قسطنطنیہ روانہ کیا گیا جو وہاں سے نادر اور قیمتی کتابیں منتخب کر کے واپس لوٹا۔ اس علمی انقلاب میں یحییٰ برمکی کا بڑا ہاتھ تھا کیونکہ یحییٰ اپنے آباؤاجداد کی طرح علم دوست انسان تھا۔ اس نے لاکھوں درہم علوم وفنون کی سرپرستی پر خرچ کیے۔

فضل بن یحییٰ کے اوصاف:

بعدازاں فضل بن یحییٰ برمکی اپنے والد یحییٰ سے علم وفضل، فہم وفراست اور دانش و تدبیر میں یحییٰ کے بہت مشابہ تھا۔ وہ ایک بلند پایہ علمی اور ادبی ذوق رکھتا تھا۔ ادب سے غیر معمولی لگاؤ اور انہاک اسے ورثے میں ملا تھا۔ اس کی علمی قابلیت اور فہم و تدبر کی وجہ سے یحییٰ اکثر اس سے امور ملکی میں رائے اور مشورہ لیتا۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ فضل ایک ماہر منتظم اور فوجی جرنیل بھی تھا۔ اس کی علمی ذہانت سے متاثر ہو کر ہارون رشید نے اسے اپنے خصوصی مشیروں میں شامل کیا بلکہ اسے شہزادہ امین کا استاذ مقرر کر دیا۔ علم و فضل، سیاسی اور ملکی انتظام میں برامکہ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ ان کی عظمت کا منہ بولتی تصویریں ہیں۔

جعفر بن یحییٰ کی قابلیت:

جعفر بن یحییٰ برمکی ایک زبردست خطیب اور تیز فہم آدمی تھا اس نے امام ابو یوسف اور اصمعی جیسے عظیم علماء سے تعلیم حاصل کی۔ مجموعی اعتبار سے وہ اپنے دیگر بھائیوں سے لائق و فائق تھا۔ وہ کتابت، انشاء، فصاحت و بلاغت اور ذہانت و فطانت میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا اور یہ ریاضی اور علم نجوم میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہارون نے قلمدان وزارت اس کے سپرد کر دیا تھا۔

جعفر برمکی انشاء پرداز کی حیثیت سے:

جعفر کو ادب و انشاء میں اس قدر ید طولیٰ حاصل تھا کہ ایک دفعہ اس کے سامنے ایک ہزار درخواستیں پیش ہوئیں۔ اس نے سب پر اپنے قلم سے احکامات لکھے لیکن کسی حکم میں مکرر لفظ نہیں آیا۔

اس کی کتابت و انشاء اور فصاحت و بلاغت میں بلا کا کمال تھا اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:

''اگر اس روز روئے زمین پر کوئی ایسا بولنے والا ہوتا جو صرف اپنے اشارے سے نطق کی ضرورت پوری کر دیتا تو بے شک یہ صرف جعفر برمکی ہی تھا۔'' شہزادہ مامون کا بھی وہی استاذ مقرر ہوا۔

برامکہ کی عوامی خدمات:

برامکہ نے اپنے عروج کے زمانہ میں سارے ملک میں جہاں نہریں، مساجد اور رفاہی ادارے قائم کیے وہاں علماء اور شعراء کی خاصی حوصلہ افزائی فرمائی۔ وہ طلباء کو خصوصی وظائف دیتے، کتابوں کی نشر و اشاعت کی سرپرستی کی اور خلیفہ کے شہزادوں کی تعلیم و تربیت کی۔

لہٰذا عباسی دور میں برامکہ نے جہاں انتظامی معاملات میں شہرت حاصل کی وہاں علمی اور تہذیبی ترقی بھی برامکہ کی مرہون منت ہے۔

برامکہ کے عروج و زوال کی داستان

برامکہ کی وجہ تسمیہ:

برامکہ اور برامک لفظ برمک کی جمع ہے جو فارسی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہوا۔ ایرانیوں کے آتش کدہ نوبہار کی تولیت کی بناء پر متولیوں کو برمک کیوں کہا گیا' یہ معمہ آج تک پوری طرح حل نہیں ہو سکا لیکن مؤرخین نے اس کی بہت سی توجیہات کی ہیں:

1- مشہور عرب جغرافیہ دان ابن الفقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں لکھا ہے کہ نوبہار کے آتش کدہ کے متولی اعظم کا لقب ''برمکا'' تھا یعنی مکہ کا حاکم' اس اعتبار سے جو بھی متولی ہوتا اس کا لقب ''برمکا'' ہوتا۔

2- مسعودی نے اپنی تالیف مروج الذہب میں ہیکل نوبہار بلخ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ نوبہار کے متولی کو ''برموک'' کہا جاتا تھا اور یہی برامکہ کی وجہ تسمیہ ہے۔

3- معجم البلدان کے مصنف یاقوت حموی کی بھی یہی رائے ہے کہ نوبہار بلخ کے متولی کو برمک کہتے تھے۔

4- مسالک الابرار کے مصنف فضل اللہ عمری نے بھی لکھا ہے کہ نوبہار کے متولی برمک کہلاتے تھے اور شاہان فارس نوبہار کے ان متولیوں کی بے حد تکریم کرتے تھے۔

خاندان برامکہ کی ابتدا:

خواجہ حسن نظام الملک طوسی نے اپنی کتاب ''سیاست نامہ'' میں لکھا ہے کہ برامکہ ''گودرز'' وزیر کی نسل سے تھے اسی گودرز کی ہی نسل سے حکیم جاماسپ بن یشتاسپ تھا جسے برامکہ کا جداعلیٰ قرار دیا جاتا ہے اور یہ کیانی خاندان کے حکمران گشتاسپ کے دور حکومت میں نوبہار کا پہلا متولی مقرر ہوا۔ اس مذہبی منصب کے علاوہ اسے وزارت بھی عطا کی گئی جو اس کے خاندان میں موروثی تھی۔

جب عہد خلافت عثمانی میں خراسان فتح ہوا اور اسلامی سلطنت تمام اطراف و اکناف میں پھیل گئی تو یہ آتش کدہ ویران ہو گیا اور خاندان برامکہ رنج و مصیبت کے محاصرہ میں آ گیا۔

ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جب حجاج بن یوسف کی طرف سے قتیبہ بن مسلم خراسانی کا گورنر مقرر ہوا اور اس نے ایک لشکر جرار مرتب کر کے مرو پر حملہ کیا تو اس لڑائی میں مال غنیمت کے علاوہ لونڈیاں بھی گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ انہی میں ایک عورت خاندان برامکہ کی تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ عورت قتیبہ کے بھائی عبداللہ بن مسلم کے حصہ میں آئی اور اس سے حاملہ ہو گئی۔

چند روز کے بعد اہل بلخ سے صلح ہوئی تو قتیبہ کے حکم سے لونڈیاں واپس ہوئیں تو مجبوراً عبداللہ نے بھی اس برمکی عورت کو واپس کر دیا مگر یہ شرط لگائی کہ اگر بیٹا پیدا ہوا تو ہمارا ہے تو اس حمل سے خالد پیدا ہوا مگر یہ روایت فرضی قصہ معلوم ہوتی ہے۔

مصنف ابرامکہ کی رائے کے مطابق سلطنت ساسانیہ کے زوال کے بعد خلافت عثمانی میں جس آخری مجوسی برمک نے اسلام قبول کیا اس کا نام فیروز تھا اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ جعفر بلخی اسی فیروز بلخی کا بیٹا تھا جس کے نام سے برامکہ کی جدید تاریخ شروع ہوتی ہے اس کے تین بیٹے' خالد' عمر اور سلیمان تھے۔ ایرانیوں نے بالعموم جعفر سے اور عربوں نے اس کے بیٹے خالد سے اسلامی عہد کے برامکہ کی تاریخ شروع کی ہے اور یہی وہ خالد برمکی ہے جو ابوالعباس سفاح کا وزیر مقرر ہوا تھا۔

برامکہ کا سیاسی عروج

خالد برمکی:

جب ابومسلم خراسانی نے عباسی دعوت کا آغاز کیا تو برمک (عبداللہ بن مسلم) کا لڑکا خالد جو مسلمان ہو گیا تھا' اس تحریک کا سرگرم حامی و مددگار بن گیا۔ خالد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے بارہ میں تاریخ خاموش ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ خالد نہایت زیرک' صاحب علم' عالی ہمت' بہادر اور صائب الرائے انسان تھا۔

خالد کی خدمات:

خالد نے عباسی حکومت کے قیام میں شاندار خدمات انجام دیں اس لئے ابوالعباس السفاح نے اپنے وزیر ابومسلم کے قتل کے بعد قلمدان وزارت خالد برمکی کے سپرد کیا جو کئی نسلوں تک برمکی خاندان کے پاس رہا۔ سفاح کے بعد منصور نے خالد کو عراق کا حاکم بنایا اور کچھ دنوں کے بعد موصل کی امارت بھی اس کے سپرد کر دی گئی۔ خالد 163ھ میں فوت ہوا۔

یحییٰ برمکی:

خالد کے انتقال کے بعد اس کا ہونہار بیٹا یحییٰ اس کا جانشین ہوا۔ یحییٰ اپنے نامور باپ کے تمام اوصاف و کمالات کا حامل تھا اور دولت عباسیہ کے متوسلین سے تھا۔ منصور سے لے کر ہادی کے زمانے تک مختلف سرکاری خدمات اس کے سپرد رہیں اس نے سب کو خوش اسلوبی' دانشمندی اور مستعدی سے انجام دیا۔ اس کی علمیت و قابلیت سے متاثر ہو کر مہدی نے اس کو اپنے بیٹے ہارون کا استاذ مقرر کیا۔ ہارون کے کمالات اسی کے فیضان تربیت کا نتیجہ تھے۔

یحییٰ ہارون کی نظر میں:

ہارون رشید نے یحییٰ کی بیوی کا دودھ پیا تھا اور ہارون کی والدہ ملکہ خیزران نے یحییٰ کے بیٹے فضل کو دودھ پلایا تھا اس نسبت سے یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ بھی تھا۔ ہارون یحییٰ کو باپ کے خطاب ہی سے مخاطب کرتا۔ یحییٰ بھی ہارون کو بیٹا کہتا تھا اور اس کا حد درجہ خیر خواہ تھا۔ منصور نے یحییٰ کو اپنے عہد میں آذربائیجان کا گورنر مقرر کیا تھا اور جب ہارون تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اپنے استاذ اور محسن کو قلمدان وزارت سونپا' مہر خلافت سپرد کی اور تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ یہاں تک تھا کہ تمام امور

مملکت یحییٰ کے حکم سے انجام پاتے تھے اور ہارون ان میں قطعاً مداخلت نہیں کرتا تھا۔

یحییٰ کی انتظامی، ملکی اور سیاسی خدمات:

یحییٰ کی روشن دماغی، تدبر اور فہم و فراست کا نتیجہ تھا کہ مملکت اسلامیہ معاشرتی، علمی، سیاسی اور اقتصادی ترقی کے لحاظ سے اوج کمال تک پہنچ گئی۔ یحییٰ کے مشوروں سے انتظام سلطنت اور انصرام حکومت میں بہت سی اصطلاحات کی گئیں۔ تمام شعبوں کی ازسرنو تنظیم کی گئی۔ کئی قسم کے نئے محکمے اور شعبے قائم کئے گئے۔ مالی و اقتصادی اصلاحات کی وجہ سے دولت و ثروت میں بے حساب اضافہ ہوا۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال تھی۔ علم و فن کی ترویج و اشاعت پر خطیر رقوم صرف کی گئیں اور بغداد کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔

یحییٰ کا دور ابتلاء:

ہادی تخت نشین ہوا تو اس نے ہارون کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا لیکن یحییٰ نے اس کی مخالفت کی اس پر ہادی نے اس کو بیس ہزار دینار اور جاگیر دے کر اپنا ہم خیال بنانا چاہا مگر یحییٰ پھر بھی راضی نہ ہوا تو ہادی نے اسے قید کر دیا لیکن وہ پھر بھی ہارون کا طرفدار رہا۔ ہادی کے اچانک انتقال کے بعد ہارون جب حکمران ہوا تو اس نے یحییٰ کو قید سے نکال کر وزارت کا منصب جلیلہ عطا کیا۔

یحییٰ کی اولاد سعید:

یحییٰ کے چار بیٹے تھے: فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد۔ ان چاروں میں کچھ نہ کچھ منفرد خصوصیات تھیں۔ اس خاندان کے متعلق ابن خلدون ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

"یحییٰ عقل و رائے میں، فضل فیاضی میں، جعفر کتابت وفصاحت میں، محمد عیش پسندی اور ہمت میں اور موسیٰ شجاعت و ہیبت میں مشہور تھا اور خالد جامع صفات تھا۔"

ان میں سے فضل اور جعفر نے اپنے اوصاف کی وجہ سے بے پناہ عزت و شہرت حاصل کی۔ فضل، یحییٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ہارون اور فضل نے ایک دوسرے کی والدہ کا دودھ پیا تھا اس لئے ہارون کو فضل سے زیادہ لگاؤ تھا بلکہ ہارون اسے بھائی کہہ کر پکارتا تھا' اپنے عہد خلافت میں اس نے فضل کو شہزادہ امین کا استاذ مقرر کیا اور بڑے بڑے مناصب پر فائز رکھا بلکہ وہ خراسان اور قیروان کا حاکم بھی رہا۔

فضل کی سیاسی خدمات:

ابتداء میں اگرچہ فضل کو سیر و سیاحت اور شکار کا بہت شوق تھا لیکن یحییٰ کی نصیحت پر سب تفریحی مشاغل کو چھوڑ کر دفتری کاموں میں تندہی اور جانفشانی سے مصروف ہو گیا اور خراسان کا نظم و نسق نہایت خوبی اور عمدگی سے چلایا۔

امین کی ولی عہدی میں فضل کا کردار:

خراسان جاتے وقت ملکہ زبیدہ نے اس سے امین کی ولی عہدی کی سفارش کی تو وہ رضامند ہو گیا چنانچہ اس نے نہ صرف امرائے خراسان کو امین کی ولی عہدی کے لئے آمادہ کر لیا بلکہ اس کا اعلان بھی کر دیا۔ برامکہ کے اثر و رسوخ اور اقتدار و حکومت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ولی عہدی جیسے اہم ترین مسئلہ میں خلیفہ کی رائے لی گئی اور نہ ہی اسے اعلان سے پہلے مطلع کیا گیا جب امین کی ولی عہدی کا اعلان ہوا تو ہارون حیران رہ گیا۔

فضل نے اپنے زمانہ عروج میں لاکھوں انسانوں کو مالامال کر دیا۔ کوئی سائل کبھی اس کے دروازے سے محروم نہیں گیا۔

اس نے خراسانیوں کی ایک نئی فوج تشکیل دی جس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ یہ فوج عباسیہ کہلاتی تھی جو بعد میں مامون کی طرف سے امین کے خلاف معرکہ آراء ہوئی۔

جعفر برمکی کی لیاقت:

یحییٰ کا یہ بیٹا مجموعی اعتبار سے اپنے دوسرے بھائیوں سے لائق و فائق تھا۔ خاندان برامکہ میں اس سے بڑھ کر عالی ہمت اور بلند مرتبہ کوئی شخص نہ تھا۔ وہ کتابت و انشاء فصاحت و بلاغت اور ذہانت و فطانت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے مذکورہ اوصاف کی بدولت ہارون کے مزاج میں بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہارون نے وزارت کا قلمدان اس کے سپرد کر دیا تھا۔

جعفر کی علمی، انتظامی اور سیاسی خدمات:

جعفر اعلیٰ درجہ کا طبیب اور علم ریاضی اور علم نجوم میں کامل دسترس رکھتا تھا۔ اس نے اپنی لیاقت، فہم و فراست اور تدبر سے مضری اور یمنی قبائل کی دیرینہ عداوت کو ختم کرا کے خانہ جنگی کا مستقل خاتمہ کر دیا۔ وہ ایک خوش طبع اور زندہ دل انسان تھا۔ وہ اپنی خوش طبعی، زندہ دلی اور لطیف چٹکلوں سے ہارون کو بہت محظوظ کرتا تھا۔ ادب و انشاء میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اپنی تحریر میں مکرر الفاظ لانے سے گریز کرتا تھا یہی اس کا کمال فن کا ثبوت تھا۔

خاندان برامکہ کا سیاسی عروج اور عوامی مقبولیت:

خاندان برامکہ کے مذکورہ صدر افراد علم و ادب، دانش و بینش، اصابت رائے، جود و سخا، جودت فکر اور عزم و حوصلہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔

تاریخ اقوام عالم میں خاندان برامکہ کی خدمات کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کیا جاتا رہا ہے۔ یہ خاندان تقریباً چالیس برس تک برسر اقتدار رہا۔ سلطنت کے تمام امور ان کے اشارۂ ابرو کے مطابق انجام پاتے تھے۔

یہ لوگوں میں بے حد مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔ اہل علم اور شعراء کی سرپرستی ان کی گھٹی میں پڑی

ہوئی تھی۔ اہل ارباب کمال خلیفہ ہارون کی بجائے برامکہ کے دامن سے وابستہ ہوتے۔ حاجت مندوں کا جم غفیر ان کے محلات کے گرد جمع رہتا۔ وہ کسی کو مایوس و نامراد واپس نہ لوٹاتے۔ شعراء ان کی تعریف و توصیف میں قصائد کہتے اور خاص و عام کے لبوں پر ان کے اوصاف و خصائل کا تذکرہ رہتا۔

خاندان برامکہ کی معاشرتی شان وشوکت:

دریائے دجلہ کے کنارے شاہی قصر و ایوان کے بالکل بالمقابل برمکی محلات نظر آتے تھے جو شان وشوکت اور عظمت وسطوت کے لحاظ سے شاہی محلات سے کسی طرح کم نہ تھے۔ برامکہ کے محلات میں ہزاروں سوار' پیادے' حاجب اور سرکاری عہدے دار کھڑے رہتے تھے۔ جعفر کی والدہ کی خدمت میں کئی سو لونڈیاں اور کنیزیں ہر وقت حاضر رہتی تھیں۔

ایک دفعہ ہارون رشید نے اپنے محل پر کھڑے ہو کر برمکی محلات کے دروازوں پر حاجت مندوں کا ہجوم دیکھا تو کہا:

''خدا تعالیٰ یحیٰی برمکی کو جزائے خیر دے اس نے مجھے کتنی زحمتوں سے نجات دلائی ہے۔''

خاندان برامکہ کا سیاسی کردار:

ہارون رشید کے عہد حکومت کی شان وشوکت' عظمت اور انتظامی خوبیاں ان اشخاص کی قابلیت اور حسن انتظام کی بدولت تھیں جنہیں ملکی انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھیں۔ ہارون کی تربیت یحیٰی ہی نے کی خلیفہ بننے کے بعد ہارون نے اسے اپنا وزیر بنایا اور اس پر یہ برسہا برس اس کے انتہائی قابل اعتماد مشیر کی حیثیت سے عملاً اقتدار کا مالک رہا۔ کوئی بھی مسئلہ ایسا نہ تھا جس میں یحیٰی اور اس کے خاندان کے دیگر افراد کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی قدم اُٹھایا جا سکے۔

برامکہ کی انتظامی قابلیت:

یہ لوگ اعلیٰ درجہ کے منتظم' انتہائی ذہین اور مستقل مزاج انسان اور بہترین فوجی جرنیل بھی تھے۔ اپنے کام میں پوری دلچسپی اور انہماک سے مشغول رہتے اور ہمیشہ عوامی بہبود اور خوشحالی کو سامنے رکھ کر ملک میں طرح طرح کی اصلاحات رائج کرنے کی کوششیں کرتے رہتے۔

ہارون کا بہترین دور خلافت:

اگر ہارون رشید کی خلافت کے پہلے دس سال کو برامکہ کا دور قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا بالخصوص جعفر برمکی کے دور وزارت میں برامکہ کا اقتدار عروج کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا تھا ان سالوں میں انہوں نے انتظام حکومت کو سنوارا' ملکی اقتصادیات کو مستحکم کیا' ملکی دولت اور خوشحالی میں اضافہ کیا اور علوم وفنون کی پرورش اور نشر و اشاعت میں بڑی فیاضی دکھائی۔

عہد ہارون کی شان وشوکت میں برامکہ کا کردار:

یحیٰی کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر برامکہ کے ممتاز ترین افراد میں سے تھے۔ وزارت کے علاوہ

کئی ملکوں کی گورنری اور دیگر فوجی مہمات ان کے سپرد کی گئیں۔ ہارون' مامون اور امین کی تربیت بھی خاندان برامکہ کے افراد کے سپرد تھی۔ دربار کی عجمی روایات اور شان و شوکت ان کے ہی اندازِ فکر اور عمل کا نتیجہ تھی۔ تہذیب و تمدن کے میدان میں جس قدر پیش رفت عہد ہارون میں ہوئی اس میں آل برامکہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ برامکہ کے عالی شان محلات اور رہائش گاہیں بغداد کے مشرقی حصے میں تعمیر کی گئی تھیں۔

جعفر کی جلالت شان:

''الجعفر'' جعفر برمکی کا قصر عالی شان ایک قابل دید عمارت تھی۔ فصاحت و بلاغت میں جعفر کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ عرب مورخین کے نزدیک وہ صرف ایک خطیب اور صاحب قلم ہی نہ تھا بلکہ عباسی عہد میں کئی قسم کی مشینوں کا موجد بھی بنا۔ فیاضی اور سخاوت میں بھی برامکہ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ عربی ادب میں آج بھی لفظ برمک فیاضی کا ہم معنی اور مترادف سمجھا جاتا ہے۔

خاندان برامکہ کے رفاہی کارنامے:

برامکہ نے اپنے دور عروج میں تمام ملک میں کئی ایک نہریں' مساجد اور رفاہی ادارے قائم کیے۔ علماء و شعراء پر انعام و اکرام کی بارش کی جاتی' طلباء کو وظائف دیئے جاتے' مریضوں کے لئے جگہ جگہ ہسپتال بنائے گئے' اشیاء ضروریہ کی ترسیل کے لئے خاطر خواہ انتظامات کیے گئے۔ ان کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں کی بدولت عوام خوشحال تھے' حکومت مستحکم تھی اور ملک کی آمدنی میں بھی انتہائی اضافہ ہوا اور بغداد تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن گیا اور ہارون رشید کا عہد تاریخ اسلام کا درخشندہ دور قرار پایا۔

برامکہ کے زوال کے اسباب

1- یحییٰ برمکی کے مخالفین کا طرز عمل:

شروع ہی سے یحییٰ برمکی سے چند فاش غلطیاں ہوئیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی اپنے دشمنوں کو پامال کرنا شروع کر دیا اور انہیں سرکاری عہدوں سے دور رکھا حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے سابقہ خلفاء کی زبردست خدمات سرانجام دی تھیں مثلاً فضل بن ربیع اور علی بن موسیٰ پایہ کے آدمی تھے۔ یحییٰ کی مخالفت کی وجہ سے یہ دربار میں کوئی خاص مقام نہ حاصل کر سکے بلکہ فضل بن ربیع کی کسی جگہ تقرری میں باپ بیٹے زبردست رکاوٹ بن جاتے تھے۔

تلک الایام نداولھا بین الناس کے تحت ہر کمالے را زوالے کے مصداق ایک زبردست انقلاب آیا۔ تاریخ نے پلٹا کھایا اور ہارون رشید نے فضل بن ربیع کو محمد بن یحییٰ بن خالد برمکی کی جگہ اپنا حاجب مقرر کر لیا۔

برامکہ کے اقتدار پر یہ پہلی ضرب تھی جو فضل بن ربیع نے لگائی۔ اب تو فضل کا یہ کام ہو گیا کہ

آل برمک کی غلطیوں' لغزشوں اور کوتاہیوں کی ٹوہ میں لگا رہتا اور اس طرح کی ہر بات فوراً عوام میں پھیلا دیتا تاکہ برامکہ کے خلاف ایسی فضاء پیدا ہو جائے کہ جس سے ان کے دشمن جنم لیں۔

2- شخصی حکومت کے تقاضے:

حقیقت یہ ہے کہ شخصی حکومتوں میں اشخاص کا عروج و زوال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کوئی شخص صرف اس وقت تک مسند اقتدار پر قابض رہ سکتا ہے جب تک بادشاہ یا حاکم اعلیٰ کی مرضی ہو اور جب تک حکمران کی ذات کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ برامکہ سیاہ و سفید کے مالک رہے' ہر کس و ناکس ان کے اشارۂ ابرو پر رقص کناں رہے' ہارون کا اعتماد بھی ان پر قائم رہا' ان کی ذات ہر قسم کے محاسبہ سے بالاتر رہی اور ان کی خطائیں ادائیں سمجھی جاتی رہیں لیکن جب برامکہ کے ہر کس و ناکس کے دل میں مملکت در مملکت کا تصور اُبھرنے لگا تو جرم و سزا کا قانون بھیانک شکل میں ان پر لاگو ہوا۔ ہر طرح کے تحفظات اور معاہدات برامکہ کو تباہی و بربادی سے نہ بچا سکے۔

3- جعفر و عباسہ کا افسانہ:

کہا جاتا ہے کہ جعفر اور ہارون کی بہن عباسہ کے درمیان راہ و رسم تھی۔ ہارون کو عباسہ سے بھی بہت پیار تھا اور جعفر جو کہ ہارون کا ندیم خاص تھا' ہارون کی محفل ناؤ نوش میں عباسہ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شاہی خاندان میں پردہ کا سخت رواج تھا اور ہارون جعفر کے بغیر کوئی مجلس بھی منعقد نہ کر سکتا تھا اس لئے اس درمیانی رکاوٹ کو دور کرنے کی خاطر ہارون نے جعفر اور عباسہ کا نکاح کر دیا لیکن شرط یہ لگائی کہ دونوں کے درمیان عروسی تعلقات قائم نہ ہوں گے مگر اس شرط کا نباہنا آسان نہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ دونوں اس شرط کو برقرار نہ رکھ سکے جس کے نتیجے میں ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ ہارون کے عتاب کے خوف سے دونوں نے اس بچہ کو مکہ بھجوا دیا لیکن کسی طرح خلیفہ کو علم ہو گیا لہٰذا اس نے بچے کو ختم کروا دیا اور ساتھ ہی برامکہ کو بھی نیست و نابود کر دیا۔

افسانہ پر تبصرہ:

بادی النظر میں یہ مفروضہ سرے سے قرین قیاس ہی نہیں بلکہ یہ ایک من گھڑت افسانہ ہے کیونکہ اس میں چند ایک ایسے شواہد موجود ہیں جو اس کے جھوٹ کی قلعی کھولتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

1- یہ محال ہے کہ خود ہارون یا اس کے افراد خانہ مجوسی النسل شاہی ملازم سے اس رشتہ مناکحت کے بارہ میں سوچنا بھی گوارہ کرتے۔

2- ہارون رشید کی ذاتی شرافت و غیرت اور خاندانی پردہ کی سختی اور نجابت سے بعید ہے کہ وہ ہمشیرہ کی موجودگی میں فسق و فجور اور فواحش پر مبنی ایسی محفلوں کا انعقاد کرتا۔

3- بات دراصل یہ تھی کہ عباسہ نے قبل ازیں تین شادیاں کی تھیں' بدقسمتی سے تینوں شوہر شادی کے بعد کسی نہ کسی حادثہ کا شکار ہو کر ہلاک ہوتے رہے۔ جب لوگوں نے یہ سنا کہ جعفر ہلاک ہو گیا ہے تو لطیفہ کے طور پر یہ بات چل نکلی کہ اس نے بھی عباسہ سے شادی کر لی ہو گی ورنہ

جو اقبال و مرتبہ اور اقتدار جعفر کو حاصل تھا' کسی کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ہارون رشید اسے بھی قتل کرا سکتا ہے۔

4- غیر معمولی اقتدار اور حب جاہ:

برامکہ کے سیاسی اقتدار کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ ان کا اقتدار اور جاہ و جلال حکومت و سلطنت اس حد تک بڑھ گئے کہ خلیفہ کا صرف نام ہی رہ گیا اور سلطنت کے سیاہ و سفید کے بس یہی مالک تھے۔ یہ خلیفہ کے تمام اختیارات پر پوری طرح قابض ہونے کے بعد تمام احکامات یہی جاری کرتے حتیٰ کہ سلطنت کے اہم ترین معاملات میں بھی مشورہ ضروری نہ سمجھتے۔

یحییٰ کی یہ خوبی تھی کہ اس نے اپنی ذات کو ہمیشہ خلیفہ کی شخصیت کے تابع رکھنے کی کوشش کی اور وہ اپنی اس حکمت عملی میں کامیاب رہا لیکن جعفر اپنے باپ جیسی فہم و فراست اور دوراندیشی کا مالک نہ تھا چنانچہ خود یحییٰ اس کی غیر محتاط روش دیکھ کر پریشان اور کبیدہ خاطر رہتا اور اسے ہر وقت خدشہ لاحق رہتا کہ اقتدار کے بے محابا اور بے محل استعمال کی بناء پر آل برامکہ کہیں تباہ کن صورت حال سے دوچار نہ ہو جائیں۔

بعض اوقات یحییٰ جعفر کی بے اعتدالیوں سے تنگ آ کر یوں کہتا کہ

''خدا کی قسم! یہ خاندان (برامکہ) اگر برباد ہوگا تو صرف تمہاری غلط کاریوں اور برائیوں کے باعث ہوگا''

اس غیر معمولی اقتدار اور حب جاہ کی بدولت امرائے سلطنت کو اس سے حسد پیدا ہو گیا اور وہ موقع پا کر خلیفہ سے شکائتیں کرنے لگے چنانچہ جب ہارون کے اعتماد نے پلٹا کھایا تو وہ دن برامکہ کے اقتدار کے آخری دن ثابت ہوئے۔

5- برامکہ اور عرب قومیت:

یہ خاندان عربی قومیت کے مقابلہ میں فارسی قومیت کو پروان چڑھا رہا تھا۔ یہ برامکہ کے خلاف عربوں کی نفرت کا سبب بنا۔ برامکہ علی الاعلان سرکاری ملازمتوں میں ہمیشہ غیر عرب کو ترجیح دیتے تھے خاص طور پر اپنے خاندان کے افراد کو بہترین اور قابل عربوں پر فوقیت دیتے تھے یہاں تک کہ ہارون کے محل میں بھی ان لوگوں کا عمل دخل تھا۔ برمکیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ایسے علماء اور ادباء کی پشت پناہی اور قدردانی کرتے تھے جو عربوں کی برائیاں اچھالنے اور اہل فارس کی خوبیاں اُجاگر کرنے کے لئے کتابیں لکھا کرتے تھے اور اشعار میں عرب قومیت کی تلخ الفاظ میں ہجو کرتے رہتے تھے۔ عربوں کے لئے برامکہ کی یہ روش سخت اشتعال انگیز تھی۔ فارسی تعصب میں برمکیوں نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی ہارون کو عرب قومیت بڑی محبوب تھی۔

6- ملکی مالی وسائل پر قبضہ:

تمام ملکی خزانوں پر برامکہ کا مکمل قبضہ تھا' وہ ملکی خزانہ کو جس طرح چاہتے اور جہاں چاہتے

صرف کرتے وہ خود تو اپنے خرچ و اخراجات کے معاملے میں پوری طرح آزاد تھے لیکن جب ہارون کو معمولی سی رقم کی بھی ضرورت پڑتی تو وہ بھی ان کی اجازت کے بغیر اسے ادا نہ کی جاتی۔ ہارون جیسے مطلق العنان حکمران کے لئے ایسی صورتحال ناقابل برداشت تھی۔

7- برامکہ کا استبداد:

علامہ ابن خلدون کے بقول برامکہ کی تباہی و بربادی کا اصل سبب ان کا وہ استبداد ہے جو انہوں نے حکومت کے ساتھ روا رکھا۔ برامکہ پورے طور پر حکومتی معاملات پر غالب اور عملی طور پر شریک سلطنت اور حکومت ہوگئے اور حالت یہ ہوگئی تھی کہ ہارون خود بھی زیرو ہوگیا تھا۔ مکمل طور پر معاملات ملکی میں نہ اس کا عمل دخل تھا اور نہ اختیار و اقتدار جبکہ برامکہ کسی کو جواب دہ نہیں تھے۔ ہارون کو ایسی صورتحال دیکھ کر سخت صدمہ پہنچتا آخر اس نے اختیارات استعمال کر ہی لئے۔

8- برامکہ کی کنبہ پروری اور دوست نوازی:

برامکہ کی شروع دن سے ہی یہ حکمت عملی تھی کہ تمام اعلیٰ سرکاری مناصب پر اپنے ہم نواؤں اور رشتہ داروں کو فائز کرنے کے لئے ہمہ وقت یہ کوشش رہی اس پالیسی کا آغاز خود یحییٰ برمکی سے ہوا۔ اس نے غیر محسوس طریقہ پر اپنے خاندان والوں' اپنے بھائیوں' بھتیجوں اور اپنے ہم خیال ایرانیوں کو کلیدی عہدوں' اہم صوبوں کی حکومتوں اور فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مامور کرنا شروع کیا۔

جعفر کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے خودغرضی' کنبہ پروری اور دوست نوازی اپنے نکتہ کمال تک پہنچ چکی تھی۔ وہ اپنے مخالفین کو حکومت اور اراکین دولت سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف کسی عہدہ پر فائز ہو جاتا تو درپردہ اس کی بیخ کنی کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے۔ نتیجتاً حکومت کے ہر شعبے میں ایسے لوگ چھا گئے جو برامکہ کے ہم نواز اور بہی خواہ تھے۔

اس حکمت عملی نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ قصر خلافت کی بہاریں ایوان برامکہ کے مقابلے میں ماند پڑ گئیں۔ مخالفین برا... صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلیفہ کو برامکہ کے خلاف بدظن کرنے میں کامیابی حاصل ... ۔

9- خلیفہ کی حکم عدولی:

برامکہ اقتدار کے نشے میں اس حد تک مدہوش تھے کہ اکثر اوقات وہ خلیفہ کے احکام کی تعمیل سے گریز کرتے۔

ایک دفعہ بازغہ نامی کنیز ہارون رشید کو پسند آئی اس نے جعفر کو کہا کہ اس کے مالک کو ایک لاکھ درہم دے کر اسے حاصل کیا جائے لیکن یحییٰ اور خالد نے اس رقم کو خزانہ پر بوجھ سمجھتے ہوئے ہارون کی اس خواہش کی تکمیل میں پس و پیش کیا۔ ہارون سمجھ گیا کہ وہ برامکہ کے سامنے بے بس ہے۔

اس واقعہ کے بعد ہارون نے خزانہ کی جانچ پڑتال شروع کر دی تو معلوم ہوا کہ برامکہ کی دادودہش نے خزانہ خالی کر رکھا ہے۔ اس سے بھی ہارون اور برامکہ کے درمیان بدگمانیوں نے جنم لیا۔

10- برامکہ کی بے جا سخاوت اور دریادلی:

برامکہ حد درجہ دریادل اور سخی تھے۔ ان کی ایسی سخاوت سے خواص و عوام سب بہرہ مند ہوئے۔ بڑے بڑے امراء عباسیہ تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان کے در دولت پر حاضر ہوتے اور مال و دولت کے انبار لے کر واپس لوٹتے تھے۔ مملکت کے سارے شاعران کے قصیدے کہنے کے لئے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے۔

برامکہ نے ایک منصوبے کے تحت شعراء میں اپنی مدح و توصیف کا جوش پیدا کرنے کے لئے ان پر دیوانہ وار مال و زر نچھاور کرنا شروع کر دیا۔ شعراء نے بھی ان کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ انہیں فخر اسلام' زمین پر خدا کی تلوار' اسلامی سرحدوں کے محافظ و پاسبان اور ایسے سلاطین قرار دیا جن کے سامنے دیگر ملوک ان کے عالم ہیبت و جلال سے لرزاں تھے جبکہ برامکہ کی تعریف کے ہنگم میں ہارون رشید کا کوئی نام ہی نہیں لیتا تھا۔ جعفر تو اس کی سرپرستی مین حد سے آگے نکل گیا تھا اس نے تو دیناروں پر اپنی تصویر کندہ کروالی تھی۔

برامکہ کے ان بے جا اور غیر معقول تصرفات سے ایک نہ ایک دن ہارون کا پیمانہ صبر لبریز ہونا ہی تھا۔

11- برامکہ کی آزاد خیالی:

برامکہ بہت آزاد خیال تھے۔ انہوں نے فلسفہ اور دیگر دنیاوی علوم کی خوب سرپرستی کی۔ لوگ انہیں ان کی آزاد خیالی کی وجہ سے بے دین قرار دیتے تھے کیونکہ برامکہ کو اسلامی اقدار و نظریات سے کوئی خصوصی لگاؤ نہ تھا چنانچہ اس دور کے ایک باوقار عالم محمد بن لیث نے ہارون رشید کو ایک طویل خط میں لکھا کہ

''امیر المومنین قیامت کے دن تم خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے کہ تم نے یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کو رعایا پر حاکم بنا رکھا ہے اور جو کام مسلمانوں کا تھا وہ زندیقوں کے سپرد کر رکھا ہے۔''

اس بناء پر مذہب و عقائد کی طرف سے علماء اور ہارون برامکہ سے بدگمان ہو گئے تھے۔

12- برامکہ کی دولت و ثروت:

یحییٰ اور خالد باقاعدہ اپنا دربار لگاتے۔ ان کی شان و شوکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بغداد کے مشرقی حصہ میں انہوں نے اپنی رہائش گاہ کے لئے شاندار محل تعمیر کیا جس کا نام شماسیہ تھا اور فن تعمیر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا اس کے ساتھ جعفر نے اپنی سکونت کے لئے شاہان عجم کے طرز پر جو شاندار عمارت تعمیر کرائی اس پر اس وقت تقریباً بیس لاکھ درہم صرف ہوئے۔ ان عمارات کا مقابلہ قصر الخلد اور قصر الذہب سے کیا جاتا ہے اور سیاح انہیں دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔

چنانچہ برامکہ کے مخالفین نے ہارون رشید کے ذہن میں یہ تاثر پختہ کر دیا کہ برامکہ نے تمام ملک کو اپنی ذاتی جاگیروں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ برامکہ کی یہ غیر معمولی مقبولیت اور دولت و ثروت خلیفہ

کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتی تھی اس لئے ہارون نے انہیں معزول کر دینا ہی مناسب سمجھا۔

13- ملکہ زبیدہ اور آل برمک کی دشمنی:

زبیدہ ہارون رشید کی محبوب ترین ملکہ تھی۔ ہارون رشید کی جانشینی کے مسئلہ پر برامکہ نے زبیدہ کی دشمنی مول لے لی۔ زبیدہ اپنے بیٹے امین کو ولی عہد بنانے پر اصرار کر رہی تھی جبکہ جعفر ہارون کے دوسرے بیٹے مامون کو نامزد کروانا چاہتا تھا۔ اب دونوں نے اپنی اپنی خواہش کی تکمیل میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ زبیدہ نہ صرف جعفر بلکہ یحییٰ سے بھی نفرت کرتی تھی لیکن یحییٰ کا طرزعمل زبیدہ کے لئے پریشان کن تھا۔

جب امین اور مامون کے درمیان ولی عہدی نے بڑی نازک صورتحال اختیار کر لی تو جعفر ایک چٹان بن کر زبیدہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور وہ ہر قیمت پر مامون کو ولی عہد بنانے پر تلا ہوا تھا۔ آخر اس جنگ میں زبیدہ ہی کامیاب ہوئی تاہم ان باتوں کا ردعمل یہ ہوا کہ وہ کھل کر برامکہ کے خلاف میدان میں آ گئی اور اعلانیہ ان کی مخالفت کرنے لگی چنانچہ ملکہ زبیدہ کی ناراضگی بھی زوال برامکہ کا ایک سبب ثابت ہوئی۔

14- یحییٰ بن عبداللہ علوی کا واقعہ:

مورخین نے برامکہ کی تباہی و بربادی کا ایک سبب یہ بھی بتایا ہے کہ جعفر برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ علوی جیسے باغی کو رہا کر دیا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ جب یحییٰ بن عبداللہ بغاوت کے وقت گرفتار ہو کر آیا تو ہارون الرشید نے اسے جعفر کے پاس اس کے گھر مین نظر بند کر دیا۔ ہارون نے جعفر کو ہدایت کی کہ یحییٰ بن عبداللہ کی کڑی نگرانی رکھی جائے۔

جعفر نے کسی وجہ سے نہ صرف یحییٰ بن عبداللہ کو رہا کر دیا بلکہ اپنے آدمیوں کے ذریعے ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ کسی طرح سے برامکہ کے ازلی دشمن فضل بن ربیع کو اس بات کا پتہ لگ گیا۔ اس نے ہارون رشید کو آگاہ کر دیا۔ جب جعفر برمکی ہارون کے دربار میں آیا تو رشید کے اصرار پر جعفر نے اس کو رہا کرنے کا اعتراف کر لیا۔ جب جعفر دربار سے واپس گیا تو ہارون نے یہ الفاظ کہے:

”گمراہی کے عمل پر ہدایت کی تلوار! اگر میں تجھے قتل نہ کروں تو تو مجھے قتل کرے گا۔“

15- فضل بن ربیع کا مخالفانہ طرزعمل:

برامکہ کے بے پناہ اختیارات اور ان کے غلط استعمال نے خلیفہ کے دل میں شکوک و شبہات کو جنم دیا۔ مخالفین نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ میدان سیاست میں برامکہ کا زبردست حریف فضل بن ربیع تھا جسے برامکہ نے ہر ممکن طریقے سے ایوان سے دور رکھنے کی کوشش کی چنانچہ فضل بن ربیع بھی انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔

حاجب کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس نے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں اور برامکہ کے خلاف ہارون کے کان بھرنے شروع کر دیئے اور اسے تاثر دیا کہ برامکہ اسے تخت سے ہٹانا چاہتے ہیں

چنانچہ یحییٰ بن عبداللہ علوی کے واقعہ کو بطور تائید پیش کیا لہٰذا جعفر کے قتل کا سبب فوری طور پر یہ واقعہ بنا۔

16- خراسان میں برامکہ کا اثر و رسوخ اور جیش عباسیہ:

خراسان اور اس سے ملحقہ تمام علاقوں کو برامکہ اپنی جاگیر اور قومی مسکن تصور کرتے تھے۔ یہاں انہیں غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ قومی تعلق کی بناء پر اہل خراسان نے برامکہ کی قیادت اور سربراہی تسلیم کی ہوئی تھی کیونکہ فارسی قومیت کا پرچار اور فروغ جس انداز میں برامکہ کے دور عروج میں ہوا تھا' پہلے اس کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکا تھا۔ خراسان میں بڑے بڑے صاحب اقتدار لوگ برامکہ کے ایک اشارے پر سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھے۔

178ھ میں ہارون رشید نے فضل برمکی کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے وہاں مطلق العنان حاکم کی حیثیت اختیار کر لینے کے بعد سب سے زیادہ خطرناک کام یہ کیا کہ خالصتاً عجمیوں پر مشتمل ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی اور اس کا نام جیش عباسیہ رکھا۔ یہ پورا لشکر واضح اور غیر مشروط طور پر آل برمک کے سوا کسی کا تابع فرمان نہ تھا۔ ہارون رشید اس لشکر کی ترتیب پر خاصا پریشان ہوا کہ اتنا بڑا اقدام اس کی مرضی کے بغیر کیا گیا کیونکہ اس کے جملہ اخراجات اور تنخواہیں خزانے سے دی جاتی تھیں۔

ہارون کوئی غلط قدم نہیں اُٹھانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے مشورہ لینے کے بہانے فضل برمکی کو فوری طور پر بغداد بلایا۔ فضل خراسان سے اس شان کے ساتھ روانہ ہوا کہ جیش عباسیہ کا دس ہزار عجمی سپاہیوں پر مشتمل دستہ اس کے آگے آگے تھا۔ ہارون نے مشکل وقت ٹالنے کے لئے بغداد سے باہر ان کا استقبال کیا۔ شعراء نے ان کی مدح میں قصیدے پڑھے۔

ہارون چاہتا تھا کہ یہ لشکر کسی نہ کسی طرح جلد از جلد بغداد سے واپس چلا جائے جبکہ فضل اس لشکر کو بغداد پر قبضہ کی نیت سے لے کر آیا تھا اور اپنے اقتدار کا محافظ بنا کر لایا تھا۔ کچھ عرصہ بعد برامکہ نے اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے لشکر کے بڑے حصے کو قصر الخلد یعنی خلیفہ کی قیام گاہ پر پہرے کے طور پر بٹھایا اور مشہور یہ کیا کہ خلیفہ کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک حد درجہ خطرناک اور معنی خیز قدم تھا۔ ہارون نے کسی نہ کسی طرح اس مصیبت کو ٹال دیا مگر اسے یقین ہو گیا کہ برامکہ عملی طور پر اس کے اقتدار پر قابض ہونے کی سازش کر رہے ہیں۔ یہ بھی برامکہ کی معزولی کا ایک سبب بنا۔

17- جعفر کی شخصیت و کردار:

جعفر کو اس قدر اختیار حاصل ہو گیا تھا کہ سکوں پر بھی اس کا نام کندہ ہونے لگا اور خلافت کے تمام اختیارات عملاً اس کو حاصل ہو گئے تھے لیکن یہ اپنے باپ یحییٰ برمکی کی حکمت' فراست' دور اندیشی اور حسن تدبر سے عاری تھا۔ اس کی شخصیت و کردار میں وہ توازن اور اعتدال نہ تھا جو بے پایا اقتدار کو استعمال کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ نازک مواقع پر مناسب اقدام کرنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس نے صرف ایک کام کیا کہ اپنی طبیعت کو ہارون رشید کی طبیعت کے سانچے میں ڈھال لیا اور ہر معاملے میں ہارون کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ وہ بھی شریک حکومت ہے۔

ہارون کو اگرچہ جعفر پر بے پناہ اعتماد تھا۔ مگر جعفر میں اس عظیم الشان اعتماد کو برقرار رکھنے کی صلاحیت نہ تھی۔ خود یحییٰ برمکی کو بھی اس کا اندازہ تھا اور اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں پانسہ نہ پلٹ جائے اور یحییٰ اپنے بیٹے جعفر کو بہت سمجھاتا لیکن جعفر اپنے والد کی باتوں پر کان نہ دھرتا تو یحییٰ غصے میں آ کر کہتا:

''خدا کی قسم! یہ خاندان اگر برباد ہوگا تو تیری غلط کاریں اور نالائقیوں کی وجہ سے ہوگا۔''

بلکہ دوست بھی اسے ہر وقت خلیفہ کے ساتھ رہنے' بے جا تصرفات اور اقتدار کے غلط استعمال پر روکتے تھے لیکن اقتدار نے جعفر کا دماغ اس قدر خراب کر دیا تھا کہ ایک دوست کی بات کا جواب ان الفاظ میں دیتا ہے کہ

''رشید کی مجال نہیں کہ کوئی ایسا کام کرنے کی جرأت کر سکے جو ہماری مرضی اور رائے کے خلاف ہو۔ خدا کی قسم! اسے جو بھی خبر ملتی ہے وہ ہم ہی دیتے ہیں اور اس کی یہ حکومت ہمارے ہی کندھوں پر ٹکی ہوئی ہے۔''

ایک دفعہ جعفر نے اپنی بزم بے تکلف میں کہا کہ

''خدا کی قسم! اگر ہمیں ایسے امور پر مجبور کیا گیا جو ہماری مرضی اور خواہش کے خلاف ہوں تو ہم اس کے لئے وبال جان بن جائیں گے اور اس کا سارا وقار اور رعب ختم ہو کر رہ جائے گا۔''

جعفر کی یہ فکری بے اعتدالیاں اور اس کا غرور اور عدم توازن برامکہ کی تباہی کا باعث بنا اور اس خاندان میں سے ہارون نے جعفر کو ہی سب سے پہلے قتل کیا۔

نتیجہ:

چشم فلک نے دیکھا کہ جو خاندان ترقی و عروج کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا ہوا تھا' وہ یکا یک پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گیا اور یوں ہارون رشید کے دور میں برامکہ کا دور حذف ہو گیا اور سارا اقتدار خلیفہ کو منتقل ہو گیا۔

برامکہ کا عبرت ناک انجام

قدرت الٰہیہ کے مظاہر قدرت:

آل برامکہ جس سرعت اور تیزی سے اقتدار کی منازل تک پہنچے اس سے کئی گنا زیادہ شدت کے ساتھ گمنامی اور زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیئے گئے۔

خاندان برامکہ کے عروج و زوال کی داستان ایک مرقع عبرت ہے۔ برامکہ کا ایک دن وہ بھی تھا کہ بڑے بڑے امراء ان کی آستانہ بوسی کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ ان کے محلات سے زر و جواہر کی بارش ہوتی تھی' ان کے مسکن فقیروں اور محتاجوں کی آماجگاہ تھے۔ بڑے بڑے ارباب کمال ان کی نظر کرم کے خواہش مند رہا کرتے تھے اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ خاندان برامکہ کے افراد دانے دانے کو ترس گئے۔

خاندانِ برامکہ سے جیلیں بھر گئیں اور خون برامکہ سے بغداد کی سرزمین رنگین ہو گئی۔ ان کے طرفداروں اور مداحوں کو خوفناک سزائیں دی گئیں اور انہیں غیر انسانی جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

برامکہ کی حالت زار:

جعفر کی ماں جس کی خدمت میں سینکڑوں باندیاں ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھیں' کوفہ کی مسجد کے سامنے کھڑی دست سوال پھیلا رہی تھی۔ یحییٰ اور جعفر کا خاندان اُجڑ گیا اور ان سے خوشیاں غائب ہو گئیں۔

قتل و زنداں کی داستان:

ہارون جب 802ھ میں حج کرنے گیا تو جعفر بھی اس کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر انبار کے مقام پر قیام ہوا اس وقت تک ہارون جعفر برمکی اور برامکہ کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر چکا تھا۔ انبار سے ذرا ہٹ کر میرمر کے ویران گاؤں میں شاہی خیمے نصب تھے۔ شاہی خیموں سے متصل جعفر برمکی نے بھی اپنی بارگاہ آراستہ کر رکھی تھی اگرچہ ہارون کا مزاج جعفر کی طرف سے برہم ہو چکا تھا مگر اس نے انتہائی ظاہرداری برتی اور اپنے رویہ سے کسی قسم کے رنج و عناد کا اظہار نہ ہونے دیا۔ جعفر بھی حالات کے تبدیل ہونے سے بے خبر نہ تھا اور ہر دم اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ حسرت و یاس اور اضطراب کا یہ عالم تھا کہ بات بات پر اضطراب سے ستاروں کو دیکھتا' زائچہ کشی کرتا اور فال وشگون سے دل کو بہلاوا دیتا تھا لیکن بے قرار دل کو کسی طرح سکون نہ ملتا تھا اسے ہر طرف موت کے سائے رینگتے ہوئے دکھائی دیتے۔

اسی طرح وقت گزرتا چلا گیا خلیفہ اس سے بہت لطف و عنایت اور مہربانی سے پیش آتا تھا لیکن جعفر جیسا جہاندیدہ شخص خوب سمجھتا تھا کہ یہ نوازشات کسی علت سے خالی نہیں ہیں یوں محرم کا آخری دن آن پہنچا اس روز جعفر خلیفہ کے ساتھ شکار کو گیا' شام کو تھکا ماندہ واپس آیا تو دوست احباب منتظر تھے۔ جعفر نے عیش ونشاط کی محفل جمانے کا حکم دیا اور راگ رنگ میں مصروف ہو گیا۔

ادھر ہارون اپنے خیمے میں بے چین تھا کبھی اُٹھتا' کبھی بیٹھتا' کبھی کھڑا ہو جاتا' کبھی خیمہ کی چھت پر نگاہ ڈالتا اور پھر کبھی فرش پر نظریں گاڑ دیتا۔ آخر اس نے دل کو سکون پہنچانے کے لئے نماز ادا کی' صبح تک وہ عزم صمیم کر چکا تھا اس نے اپنے جلاد اور دربان سرور کو آواز دی۔ وہ آ کر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ ہارون نے اسے کہا:

''مسرور! کیا تم خود میں اتنی طاقت پاتے ہو کہ امیر المومنین تجھے جو حکم دیں وہ بلاچوں چرا بجا لاؤ؟''

مسرور نے جواب دیا کہ:

''امیرالمومنین مجھے حکم دیں کہ میں اپنا سر کاٹ کر ان کے قدموں میں پھینک دوں تو میں ایسا کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔''

تو ہارون الرشید نے کہا:

''ہاں مجھے تجھ سے یہی اُمید ہے' اب خلیفہ کو اطمینان ہو گیا اور حکم دیا کہ جاؤ جعفر کا سر کاٹ کر لاؤ اور میرے سامنے حاضر کرو۔''

مسرور خلیفہ کا یہ حکم سن کر مبہوت و حیرت زدہ رہ گیا اور بالکل اسی طرح ساکت کھڑا رہا جب ہارون نے یہ دیکھا تو برہم ہو کر کہا:

''جو شخص میرے حکم کی بجا آوری میں دیر کرے گا وہ اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔''

مسرور اسی لمحہ تعمیل حکم کے لئے چل پڑا۔ خلیفہ نے معاملہ کو اہم سمجھتے ہوئے چالیس سوڈانی حبشیوں کا دستہ اور حماد بن سالم' ابن عصمہ اور ہرثمہ بن العین کو بھی مسرور کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ یہ جماعت جب جعفر کے خیمہ کے قریب پہنچی تو مسرور نے اپنے ساتھیوں کو باہر کھڑا کیا اور تنہا خیمہ کے اندر داخل ہوا تو وہاں مختصر محفل جمی ہوئی تھی۔ جب جعفر نے مسرور کو دیکھا تو کہا:

''مسرور! تمہارے آنے کی خوشی ہوئی لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے۔''

مسرور بولا:

''میں جس کام کے لئے آیا ہوں وہ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس ہے۔
امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے' آپ تیار ہو جائیں۔''

یہ سن کر جعفر مسرور کے قدموں میں گر پڑا اور روتے ہوئے کہنے لگا:

''امیر المومنین اس وقت حالت نبیذ میں ہوں گے اور انہوں نے مذاقاً یہ حکم دے دیا ہو گا لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔''

مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا تو پھر جعفر نے اس سے التجا کی کہ مجھے کچھ وقت کے لئے مہلت دے دو' میں صرف وصیت کے لئے اندر جانا چاہتا ہوں مگر جلاد مسرور نے یہ درخواست ٹھکرا دی اور کہا آپ نے جو وصیت کرنی ہے اسی جگہ اور اسی وقت کر دو۔ یہاں سے کہیں جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ پھر جعفر نے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے حاضرین سے کہا:

''تم گواہ رہو میرے جس قدر لونڈی اور غلام ہیں وہ آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہیں اور میرا جس قدر مال ہے وہ مساکین پر وقف ہے' جس قدر امانتیں اور قرض لوگوں پر ہے میں سب معاف کرتا ہوں۔''

عیش و نشاط کی محفل کا اب اور ہی رنگ تھا۔ ہر کوئی زار و قطار رو رہا تھا کہ ہرثمہ بن العین نے جعفر کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا اور نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ اتنے میں خلیفہ کا ایک خادم حاضر ہوا اور حکم سنایا کہ ''جلد چلو امیر المومنین طلب کرتے ہیں۔'' چنانچہ وہ جعفر کو ایک خیمے سے دوسرے خیمے تک گھسیٹتے ہوئے لے گئے کہ دوران راہ مسرور کی تلوار جعفر کی گردن پر چل چکی تھی اور مسرور جب خون آلود تلوار لئے ہارون کے سامنے حاضر ہوا اور جعفر کا سر جس سے خون کے فوارے جاری تھے' ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو ہارون اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

جعفر کی سر بریدہ لاش کے تین ٹکڑے کیے گئے اور بغداد کے تین پلوں پر ان کو عبرت کے لئے لٹکا دیا گیا تھا اور سر کو درمیانی پل پر لٹکا دیا۔ ایک عرصے تک یہ ٹکڑے منظر عام پر آویزاں رہے۔

35 برس کی عمر میں سترہ برس سات مہینے اور گیارہ دن وزارت کے بعد محرم کی آخری ہفتے کی رات 187ھ بمطابق 29 جنوری 803ء میں نہایت بے کسی اور حسرت کی حالت میں یہ بلند اقبال وزیر عالم فانی سے عالم دائمی کی طرف روانہ ہوا۔

جعفر کے قتل کے فوراً بعد ہارون نے بغداد اور ملک کے تمام علاقوں میں قاصد روانہ کر دیئے۔ ہر قاصد کے پاس حاکم کے نام ایک پروانہ تھا جس میں برامکہ ان کے ساتھیوں اور مددگاروں کو گرفتار کرنے اور ان کی تمام املاک ضبط کرنے کا حکم تھا چنانچہ اس حکم پر پوری سختی سے عمل کیا گیا۔ برامکہ کا کل مال و اسباب' نقدی اور جاگیروں کی ضبطی سے تین کروڑ چھ لاکھ چھہتر ہزار درہم وصول ہوئے۔ من جملہ اس کے ایک کروڑ بیس لاکھ درہم کی رقم صرف خراج کی آمدنی تھی جو برامکہ کی جاگیروں سے وصول ہو کر خزانہ میں داخل ہوئی۔ یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹوں فضل' موسیٰ کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا اور ان پر اتنے زیادہ مظالم ڈھائے گئے کہ سب لوگ جیل خانہ میں ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔

نتائج وعواقب:

اس خاندان نے دعوت عباسی کو اتنا متاثر کیا کہ مؤرخین دعویٰ کرتے ہیں کہ ہارون رشید کے عہد کی ساری شان و شوکت اور ترقی برامکہ کی رہین منت تھی چنانچہ اس خاندان کے زوال سے کئی نتائج سامنے آئے:

1- وہ تمام حاسد اور مخالف جو برامکہ کا زوال چاہتے تھے' انہوں نے اپنی کامیابی پر خوشیاں منائیں کیونکہ انہوں نے ان کا عبرتناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

2- ہارون کے عہد میں جتنی ترقی ہوئی اس کے پس پردہ برامکہ کا ذہن' منصوبہ بندی' کوشش' تدبر اور محنت کارفرما تھی' ان کے زوال کے بعد ترقی کی رفتار بالکل سست پڑ گئی جس کا ملکی سطح پر عظیم الشان نقصان ہوا۔

3- برامکہ کے بعد ہارون کی زندگی بے کیف ہو گئی۔ وہ اپنے کئے پر نادم و پشیمان تھا۔ اسے اپنی محفلوں میں جعفر اور فضل دکھائی نہیں دیتے تھے۔ برامکہ کی موت کا دکھ اسے بھی قبر میں لے گیا کیونکہ خاندان برامکہ کے چیدہ چیدہ اشخاص 193ھ تک ختم ہو گئے اور اسی سال ہارون خود بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔

تاثرات:

برامکہ چونکہ عوام میں ہر دلعزیز تھے جعفر کے قتل اور دیگر افراد کی قید و بند سے ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے غم میں اشکبار نہ تھی۔ جب ہارون کو اس کی خبر ہوئی تو انسداد فتنہ

کی غرض سے اس نے پورے ملک میں منادی کرا دی کہ کوئی شخص برامکہ کا تذکرہ نہ کرے اور کوئی شاعر جعفر کا مرثیہ نہ پڑھے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو عبرتناک سزا دی جائے گی مگر اس کے باوجود عورتوں کے بین اور ماتم کے علاوہ لوگ گلیوں اور بازاروں میں پرچے لکھ لکھ کر لگاتے تھے جس میں برامکہ کی بدح ہوتی۔ اس پر بغداد کی پولیس کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا گیا کہ غم انگیز اور اشتعال انگیز پرچے ضبط کر کے تلف کر دیئے جائیں۔

عہد جدید کا مشہور مصری عالم اپنی تصنیف ''الہارون'' میں لکھتا ہے:

''بلاشبہ ہارون برامکہ کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے ساتھیوں اور دوستوں کو سخت سزائیں دینے میں کامیاب ہو گیا لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام اور ان کے عظیم الشان کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برامکہ قید خانوں میں سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ جعفر کا سر مدت دراز تک بغداد کے ایک پل پر آویزاں رہا لیکن برامکہ کے نام اب بھی تاریخ کے صفحات' شعراء کے دواوین اور ادب کی کتابوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔



عہد ہارون میں بغداد کی شان و شوکت

صاحب محاضرات نے ''اثر جلیل من عہد الرشید'' کے عنوان کے تحت خلیفہ ہارون رشید کے دور میں بغداد کی شان و شوکت کا تذکرہ کیا ہے۔ ذیل میں اسے مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

بغداد شہر کی تمدنی اور معاشرتی زندگی:

ہارون رشید کا بغداد اپنے وقت میں ''عروس عالم'' تھا اور سب سے بڑی سلطنت کا پایۂ تخت تھا جس کا خزانہ مال و زر سے معمور تھا جہاں کی زندگی ثروت اور عیش و عشرت کی زندگی تھی۔ بغداد کی یہی کشش تھی جس سے خود بخود وقت کے بہترین دماغ رکھنے والے لوگ' ماہرین علوم وفنون' طبیب' کاریگر اور فنکار رواں دواں چلے آ رہے تھے۔ بغداد نئی تہذیبوں' تمدنوں کا مرکز تھا۔ اس کی تہذیب و معاشرت میں ایران' ہندوستان' چین' قدیم مصر حتیٰ کہ یونانی اور بازنطینی تمدن سمویا ہوا تھا۔ یہاں بہت سی قومیں تھیں جن کی اپنی انفرادیت تھی لیکن ان سب پر عرب اکثریت کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ یہ مختلف گروہ اب وہی زبان بولنے لگے تھے جو ان کے عرب حاکموں کی تھی اور ان کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

بغداد ایک متمدن مگر ارزاں شہر:

بغداد نہایت دولت مند اور اس کے ساتھ ساتھ بڑا ارزاں شہر تھا۔ ایک غریب آدمی اس دور کے ایک پیسہ دن میں آسانی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا اس لئے فارغ البالی اور خوش حالی صرف طبقہ امراء کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق ہر طبقہ مطمئن تھا اور پُرلطف زندگی بسر کر رہا تھا اور پورا بغداد گہوارۂ عیش تھا۔

ابن ہلال کا تذکرۂ بغداد:

ابن ہلال کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر محلہ باب المراتب سے سوار ہو کر نکلتا اور محلہ عباسیہ میں معزالدولہ کے محل تک چلتا جاتا۔ اس طویل مسافت میں مسلسل بازار' آباد محلے اور گھنے درختوں کی چھاؤں تھی اور یہی حال مغربی سمت کا تھا۔ دجلہ کے ساحل پہ دو رویہ عمارتوں' مرتب باغات اور چھوٹی چھوٹی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا اور کوئی گھر موسیقی کے ترانوں اور لطف و مسرت کے شادمانوں سے خالی نہ تھا۔

ابوالوفاء بن عقیل کا ذکر بغداد:

الوفاء بیان کرتے ہیں کہ ساحلی حصہ کی آبادی کے مکانوں کے سامنے دریائے دجلہ لہریں مارتا تھا۔ گھروں کے سامنے چھوٹی چھوٹی نہروں میں بطخیں خوش فعلیاں کرتی نظر آتی تھیں اور موسیقی کے ترانے' دجلہ سے چلنے والی آبی چکیوں' چرخیوں اور گھروں کے لونڈی غلاموں کی آوازیں مل کر عجب لطف پیدا کرتی تھیں۔

مجھے اکثر ان مکانوں کے سامنے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ باب الطارق سے لے کر باب

المراتب تک ہر مکان میں موسیقی کے نغمے گونجا کرتے تھے۔ ساحلی مکانات میں ہر مکان کے سامنے صاحب خانہ کے خوبصورت بجرے تیرا کرتے تھے اور خشکی کے رُخ کے دروازوں پر سامان سے آراستہ سواریاں تیار رہتی تھیں۔ ان کی پُرلطف زندگی سے ہر دن کسی نئی تقریب کے اہتمام کا گمان ہوتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہر گھر میں قرأت کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں اور خوش الحان قاری کرسیوں پر بیٹھ کر تلاوت کرتے تھے۔ عوام کی تفریحات اور دلچسپیاں الگ الگ تھیں اور وہ خواص کے مذاق کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں۔ ان میں کشتی رانی اور تیراکی کا عام ذوق تھا اور وہ اس میں طرح طرح کے کمالات دکھاتے تھے مثلاً تیراک ایک جلتی ہوئی انگیٹھی ہاتھ میں لے کر تیرتا تھا اور اس پر ہنڈیا میں گوشت پکتا رہتا تھا اور اس وقت تک تیرتا رہتا جب تک گوشت تیار نہ ہو جاتا۔

بغداد کا طرز زندگی:

بغداد کا طرز زندگی یہ تھا کہ عموماً آسودہ حال طبقے کے گھروں کے تین حصے ہوتے تھے ایک عورتوں کا کمرہ' دوسرا عام گھر والوں کا' تیسرا مہمانوں' نوکروں' غلاموں اور شاگردوں کے لئے مخصوص تھا۔ ہر مکان کے ساتھ ایک باغیچہ ہوتا تھا جس میں میوہ جات اور پھل پھول کے درخت ہوتے تھے اور ان سب کے گرد چار دیواری ہوتی تھی۔

نقش و نگار سے خصوصی لگاؤ:

مکانوں کی چھتیں اور دیواریں عموماً سنہرے اور رنگین نقش و نگار سے آراستہ ہوتی تھیں۔ سادہ دیوان کو منقش کپڑوں سے مزین کرتے تھے اور دروازوں پر دیبا کے کپڑے آویزاں کرتے تھے۔ گرمیوں میں ٹھنڈک اور پانی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ آرام گاہوں میں مصنوعی طریقوں سے پانی لایا جاتا تھا جو سنگ مرمر کے تراشے ہوئے درندوں اور پرندوں کے منہ سے فوارے کی شکل میں پھوٹتا تھا اور اوپر سے پنکھا چلتا تھا اس سے گرم ہوا کے جھونکے' نسیم سحر بن جاتے تھے۔

بغداد میں مکانوں کو ٹھنڈے کرنے کے طریقے:

مکانوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے بہت سے طریقے رائج تھے۔ عام اور سادہ طریقہ یہ تھا کہ کچی چھت کے گھر بنائے جاتے تھے اور ان پر گل ہوتی تھی اور دیواروں کی پشت بانسوں اور بید کے ٹھاٹھ سے باندھ دی جاتی تھی اور اس کے اور دیوار کے درمیان کے خلاء میں برف کے تودے بھر دیئے جاتے تھے۔

بعدازاں ایک خاص قسم کا کپڑا ایجاد کیا گیا جو خشین کے نام سے مشہور تھا۔ اسے تر کر کے دیواروں پر چڑھا دیا جاتا تھا اس سے مکان کے اندر ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی۔

بغداد میں کھانوں کی انواع و اقسام:

اس دور میں کھانوں میں بڑے تکلفات آزمائے گئے۔ تاریخ میں بغداد کے کھانوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر طبقات الاطباء میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"گوشت تیار کرنے کے سینکڑوں طریقے ایجاد کر لئے گئے یہاں تک کہ مچھلی کی زبان کا سالن تیار کیا جاتا تھا جس پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی۔ امراء کے ہاں پُرتکلف کھانوں کے لئے جو مرغ پکائے جاتے تھے انہیں کچھ دنوں تک دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلائے جاتے اور عرق گلاب پلایا جاتا تھا تاکہ گوشت لذیذ ہو۔

اونچے طبقے میں دعوت اور تقریبات کے موقع پر تمام برتن سونے اور چاندی کے استعمال ہوتے تھے۔ ایک ہلکی قسم کی شراب جسے نبیذ کہتے ہیں اور جس سے نشہ کی بجائے سرور کی کیفیت پیدا ہوتی تھی اور جسے بعض علماء عراق نے جائز قرار دے رکھا تھا۔ پینے کا عام رواج تھا۔ نبیذ نوشی کی محفلوں اور رنگینیوں کے قصے بہت مشہور ہیں۔

اہل بغداد کے لباس کی وضع قطع:

اعلیٰ تمدن اور بلند معاشرت کا ایک مظہر لباس کا حسن اور اس کی نفاست بھی ہے۔ اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش لباس تھے اور ان کی وضع قطع اور تراش خراش دوسروں کے لئے معیار سمجھی جاتی تھی۔

بغداد ریشمی اور سوتی کپڑے کی صنعت کا بہت بڑا مرکز تھا اس کے ایک محلہ عتابیہ میں مختلف رنگ کے ریشمی اور سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے جو محلہ کی نسبت سے عتابی کہلاتے تھے۔ علاوہ ازیں اسلامی ممالک کے بہترین کپڑے بغداد آتے تھے۔

درآمدی کپڑوں کی اقسام:

غیر ممالک سے آنے والے کپڑوں میں فسطانی درجرز اسکندری زیرپوش، دمشق اور جنابہ کی کہستانی قمیص، نیشاپوری ملحم، تونس کی للیانی چادریں، عدن کی دلائیاں، کوفہ کے خز، سوس کی حاشیہ دار چادریں، نیشاپور کے دھاری دار اور تگے، بنوسعد کی چھینٹ اور کئی قسم کے ایرانی کپڑے شامل تھے۔

لباس کا استعمال اور تناسب:

کپڑوں کے زیادہ شوخ اور بھڑکیلے رنگ عورتوں، کنیزوں اور گلوکاراؤں کے ساتھ مخصوص تھے مردوں میں ان کا استعمال معیوب تھا۔ کپڑوں میں تناسب کا لحاظ ضروری تھا۔ بے جوڑ کپڑے مثلاً ایک میلے کے ساتھ دوسرا دھلا ہوا یا دھلے ہوئے کے ساتھ نیا یا پھر ایک اعلیٰ کپڑے کے ساتھ دوسرا معمولی کپڑا ہرگز نہیں پہنتے تھے اور ایسا کرنا جہالت اور شائستگی کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

مختلف طبقات کے لباس:

مردوں کا عام لباس چھوٹا کرتہ، لمبی قمیض، جبہ، موزہ اور عمامہ تھا۔ خواص زیادہ تر ایرانی لباس زیب تن کرتے تھے جسے ابوجعفر منصور نے سرکاری لباس قرار دیا تھا۔ ایرانیوں کی تقلید میں اونچی ٹوپیوں کا عام رواج تھا۔ قاضیوں کی ٹوپیاں بہت لمبی ہوتی تھیں۔ عباسی خلفاء ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے تھے۔ ہر طبقے کا لباس جدا جدا تھا۔ سرکاری لباس سیاہ تھا اور دربار خلافت میں حاضری کیلئے سیاہ لباس ضروری تھا۔

عطریات اور شعر و شاعری کا امتزاج:

عطر اور خوشبوئیں کثرت اور نفاست سے استعمال کی جاتی تھیں۔ اہل بغداد کا ذوق شعری بڑا بلند تھا۔ دربار سے لے کر عام آدمی کی سطح تک ادبی لگاؤ اور شعری ذوق بدرجہ اتم پایا جاتا تھا چنانچہ کپڑوں، چادروں کے کناروں، آستینوں، عورتوں کی پیشانیوں، کمر کی پٹیوں حتیٰ کہ بعض لونڈیوں کے رخساروں پر زعفران اور سنہری رنگ سے نہایت دلکش اور موزوں شعر لکھے جاتے تھے۔

اہل بغداد کی تحریریں اور خطوط:

صاحب کتاب الموشی لکھتے ہیں کہ اہل بغداد کے خطوط اور تحریریں نہایت دلچسپ اور ان کے الفاظ بہت دلفریب ہوتے ہیں۔ تحریر کے عنوان کو پُرلطف مثالوں سے دلکش بناتے ہیں۔ تحریر نہایت دل آویز، پُرلطف اور سنجیدہ اور مہذب مذاق پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ذریعے دور کے لوگ قریب ہو جاتے ہیں اور مشکلات آسان معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوط کو وہ بیش قیمت اور نفیس ریشمی رومالوں پر لکھتے ہیں اور اس کو مشک و عنبر اور زعفران سے معطر کرتے ہیں اور اس پر سنہری افشاں چھڑکتے ہیں۔

عورتوں کے لباس کی خصوصی بناوٹ:

ہارون رشید کے بغداد میں خواتین کے لباس میں یہ پہلو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ ایک لمبی چادر لپیٹ لی جاتی تھی تاکہ جسم سے زیب و زینت کی چیزیں چھپی رہیں اور گرد و غبار سے قیمتی لباس گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں محفوظ رہے۔ حد درجہ خوش رنگ اور نہایت باریک ریشمی رومال سر پر باندھ لئے جاتے تھے جو چوٹی کو سنبھالے رہتے تھے۔

خواتین کا خصوصی پسندیدہ طرز لباس:

خواتین عام طور پر اس لباس کو پسند کرتی تھیں جسے خلیفہ مہدی کی بیٹی اور ہارون کی بہن عالیہ نے ایجاد کیا تھا۔ یہ ایک قسم کا ریشمی نقاب تھا جس پر جواہر اور سونے کی ٹکیاں جڑی ہوتی تھیں۔ جسم پر ایک ریشمی قمیض ہوتی تھی اس کے نیچے رنگین زیر جامہ ہوتا تھا جو گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا۔

اہل بغداد کے جوتوں کی کیفیت:

خواتین کے جوتے چمڑے کے ہوتے تھے یا ایسے مضبوط کپڑے کے جو نہایت سنہرے یا کسی اور قسم کی تاروں سے بنے ہوتے تھے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ سینے اور سر پر جواہرات کا استعمال پسند نہیں کرتی تھی البتہ اس کی جوتیوں پر نہایت نادر قسم کے ہیرے جواہرات جڑے ہوتے تھے۔

خواتین بغداد کا میک اپ اور بالوں کے سٹائل:

بغداد کی خواتین چہرے پر ایک خاص قسم کا پاؤڈر لگایا کرتی تھیں۔ پلکوں اور بھنوؤں کو اس طرح سنوارتی تھیں جیسے ایران کی شہزادیاں سنوارتی تھیں۔ بالوں کو گوندھ کر سر پر تاج بنالیتی تھیں یا ایسے کرتی

تھیں کہ کندھوں پر زلفوں کو لہراتا ہوا چھوڑ دیتیں اور بالوں کا تھوڑا سا حصہ ماتھے پر چاند کی سی شکل بنا کر چھوڑ دیا کرتی تھیں۔

ایسی خواتین بھی تھیں جو مردوں کی طرح بال کٹواتی تھیں ان کا نام "غلامیات" پڑ گیا تھا۔

بغداد تجارتی اور اقتصادی زندگی کا مرکز

بغداد اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ایک ایسا شہر تھا جو بری اور آبی تجارت کے لئے بے حد موزوں تھا۔ اس کے میلوں طویل ساحلوں کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے تجارتی جہاز سینکڑوں کی تعداد میں کھڑے نظر آتے تھے۔ یہاں بازنطینی' چینی اور ہندو تک آباد تھے جو وسیع تجارت کرتے تھے۔

بغداد کی درآمدات:

بغداد کے بازاروں میں چینی کے برتن' ریشم اور مشک چین سے آتے تھے۔ تیل اور کئی ایک دھاتیں ہندوستان سے درآمد ہوتی تھیں۔ وسطی ایشیا اور ترک علاقوں سے غلام اور کئی قسم کے ہیرے جواہرات لائے جاتے تھے۔ روس اور شمالی یورپ کے ممالک سے شہد' لاکھ' پشمینہ اور کمبل درآمد ہوتے تھے۔ مشرقی افریقی علاقوں سے فانوس' خاک زر اور سیاہ غلام درآمد ہوتے تھے۔

بغداد کی برآمدات:

بیرونی تجارت کے بدلے میں بغداد اور کئی دوسرے شہروں سے تاجر پیشہ لوگ بہت سی اشیاء مثلاً زیورات' آہنی شیشے' آبی موتی اور گرم مصالحے مشرق بعید' یورپ اور افریقہ تک برآمد کرتے تھے۔ موجودہ دور میں فن لینڈ' روس' سویڈن اور جرمنی میں ہارون کے عہد کے سکے کثیر تعداد میں ملے ہیں جن سے اس عہد کی تجارتی سرگرمیوں کے پھیلاؤ کا پتہ چلتا ہے۔

عہد ہارون میں بیت المال کے ذرائع آمدن:

خلیفہ ہارون رشید کے دور میں بیت المال کی آمدن کے مندرجہ ذیل ذرائع تھے:

1- خراج...... سب سے اہم آمدن خراج کی تھی جو آمدن اور محصولات کی شکل میں وصول کی جاتی تھی۔

2- مالیہ...... جو نقد رقم یا پیداوار کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔

3- جزیہ...... جو غیر مسلموں سے ان کی پناہ اور کفالت کے عوض لیا جاتا تھا۔

4- زکوٰۃ...... جو مسلمانوں سے سال میں ایک مرتبہ لی جاتی تھی۔

5- عشر (پیداوار کا دسواں حصہ)...... بغداد میں باہر سے آ کر مال فروخت کرنے والے غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔

6- مال غنیمت...... جو دشمنوں سے جنگ کے نتیجے میں حاصل ہوتا تھا۔

7- محاصل...... یہ پھل' اناج اور پیداوار کی صورت میں حاصل ہوتے تھے۔

ہارون رشید کی حکومت کی سالانہ آمدنی موجودہ دور کے اربوں دینار تک پہنچ جاتی تھی۔

بغداد حکومت کے مصارف:

1- سب سے پہلے تو آمدن کو ان خاص محکموں کے خزانوں میں منتقل کیا جاتا تھا جو مستقل نوعیت کے تھے مثلاً محکمہ فوج' پولیس' قضاۃ' ڈاک' مظالم وغیرہ۔

2- بیت المال خاص...... خلیفہ کے صوابدیدی فنڈز کے لئے بیت المال تھے۔

3- خزانہ نشاط و مسرور...... جہاں سے فنی و ادبی خدمات انجام دینے والوں کو عطیات دیئے جاتے تھے۔

4- خزانہ مملکت...... جس کی رقوم امراء' وزراء' دیگر اہل منصب اور درباریوں پر خرچ ہوتی تھیں۔

5- خزانہ رفاہ عامہ...... اس سے سڑکوں' شاہراہوں کی تعمیر' پل' بند باندھنے اور نہروں کی کھدائی کا خرچ پورا کیا جاتا تھا۔

عہد ہارون رشید کے سکے:

عہد ہارون میں کئی قسم کے سکے رائج تھے جو بنوامیہ سے چلے آ رہے تھے مثلاً:

1- خالدیہ' یوسفیہ اور ہبیریہ۔

2- سکہ عباسیہ جو پہلے عباسی خلیفہ سفاح نے رائج کیا تھا۔

3- ہر عباسی خلیفہ نے اپنے نام کا سکہ رائج کیا تھا۔

4- جعفر برمکی نے ہارون کے حکم پر نئے سکے بغداد اور رے کی ٹکسالوں سے ڈھلوائے۔

5- نئے سکے مندرجہ ذیل حصوں میں منقسم تھے:

دینار' درہم' قیراط' حبہ' دانق

عہد ہارون بحیثیت عہد زراعت:

عباسی سلطنت میں عراق سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب علاقہ تھا۔ پانی کی فراوانی' زمین کی زرخیزی اور عباسی خلفاء کی دلچسپی سے یہ زمین سونا اُگلنے لگی تھی۔ عباسی خلیفہ نے زرعی زمین کا نام "ارض سواد" رکھا ہوا تھا اور یہ ارض سواد طول میں جنوبی موصل سے لے کر خلیج فارس تک اور مشرق میں قادسیہ سے لے کر مغرب میں حلوان تک پھیلی ہوئی تھی اس سارے وسیع علاقہ میں نہریں' نالے اور حوض جال کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد بڑے کھیت اور باغات تھے۔

بغداد کی گھریلو صنعتیں:

عہد ہارون میں دستی صنعتی کاریگری عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ملمع سازی' نقاشی اور رنگ و آرائش کے خوب ماہر تھے۔ یہاں خواتین کے لئے بہترین قسم کے زیورات کی مانگ تھی چنانچہ زیور سازی' چاندی اور شیشے کی ظروف سازی میں انہوں نے عجیب وغریب کمال دکھائے تھے۔

عہد ہارون میں علمی و ادبی ترقی:

ہارون رشید کی ادب نوازی اور علم دوستی نے اس دور میں ایک ایسی فضاء پیدا کر دی تھی جس میں علمی اور ادبی سرگرمیاں بغدادی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن گئی تھیں۔ عہد ہارون میں فن قرأت' نحو اور لغت نے بہت ترقی کی۔

اسلامی حکومت کی وسعت اور شہروں کی بے پناہ آبادی کی وجہ سے ایسے مسائل پیش آئے جن کو حل کرنے کے لئے فقہاء شریعت نے علم فقہ کو ایجاد کیا۔ عہد ہارون میں امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' ابو یوسف' محمد بن حسن شیبانی اور عبداللہ بن قاسم مشہور اور قابل ذکر ہیں۔

عہد ہارون میں علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ بھی پروان چڑھے۔ ان میں فلسفہ' حکمت' حساب' فن تعمیر' طب اور نجوم خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

عربوں نے اس دور میں یونان' روم اور ایران سے بے تحاشا کتابیں منگوا کر اپنی زبان میں ترجمہ کر کے بہت سے تجربات کئے۔ ہارون کو ترجموں سے بے حد دلچسپی تھی اس نے کتابوں کے تراجم پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔

ادب کے فروغ کے لئے اس دور میں اسلوب بیان اور اسلوب طرز میں بہت سی انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ انشاء پردازی میں عمرو بن الجاحظ نے خصوصی شہرت حاصل کی۔ خطابت میں عرب لاثانی تھے۔ شعر کی دنیا میں تو انقلاب برپا ہو گیا۔ ہارون رشید کے عہد کے شعراء کی صرف فہرست کے لئے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

عہد ہارون میں وسعت سلطنت:

ہارون رشید کی وسعت سلطنت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جس ملک کا فرمانروا تھا اس کی حدود ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سوائے اندلس کے کل اسلامی دنیا ہارون کی تابع فرمان تھی۔ یورپ جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف یونان و روم کا ملک تھا اور یہ دونوں حکومتیں سلطنت عباسیہ کی باجگزار تھیں۔

خراج کی آمدنی:

کل ملک کا اس دور میں سالانہ خراج سات ہزار پانچ سو قنطار تھا۔ ایک قنطار 8400 دینار کا' بادی النظر میں یہ خراج روپے میں ایک پائی کے برابر معلوم نہیں ہوتا اور نہ اس خراج سے وسعت سلطنت کا اندازہ ہو سکتا ہے لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ اس وقت خراج کے اصول بالکل اسلامی تھے اور جن مدات کی آمدنی سے آج شاہوں کے خزانے پر ہیں اس وقت ان کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

عسکری نظام:

فوج کی تعداد پیادہ کے علاوہ تقریباً دو لاکھ سوار تھے گو یہ تعداد کم معلوم ہوتی ہے مگر انتظام سلطنت کے لئے کافی تھی کیونکہ اس عہد کا ہر مسلمان پیدائشی سپاہی تھا اور ضرورت کے وقت تمام ملک امڈ

آتا تھا جن کو صرف سواری اور ہتھیار حکومت کی طرف سے دیئے جاتے تھے۔ ان کی تنخواہیں بھی کچھ زیادہ نہیں تھیں اور سپہ سالاری کا کام جنگ کے وقت صوبے کے افسر و وزیراعظم' قاضی القضاۃ اور خلیفہ کے بیٹے کر لیا کرتے تھے۔

فوجیوں سے سلوک:

امیر العسکر فوجیوں کے ساتھ نہایت رواداری اور محبت کا سلوک کرتا تھا لیکن ساتھ اس بات کا لحاظ رکھا جاتا کہ کوئی فوجی مفتوحہ ممالک کے کسی فرد سے بدسلوکی سے پیش نہ آئے۔ اگر کسی فوجی سے ایسی حرکت سرزد ہو جاتی تو امیر العسکر اسے سخت سزا دیتا۔ فوجیوں کو شراب پینے کی سخت ممانعت تھی اور جنرل ان کی زندگی سنوارنے کی حتی الامکان کوشش کرتا تھا۔

''سپاہی کے لئے یہ طے تھا کہ وہ چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل و عیال سے علیحدہ نہیں رہ سکتا اس کو رخصت مل جاتی تا کہ وہ اپنے بال بچوں میں جا کر رہے۔'' (سراسین از جسٹس امیر علی' ص 415)

جزیہ کا قانون:

بنوامیہ اور بنوعباس کے فرمانروا جزیہ وصول کرنے میں عام طور پر عدل و انصاف اور نرمی کا برتاؤ رکھتے تھے۔ ہارون کے زمانہ میں اور بھی نرمی برتی جانے لگی چنانچہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابویوسف نے ہارون رشید کو خط میں لکھا کہ:

''آپ کا فرض ہے کہ ذمیوں سے رواداری برتیں' یہ آنحضرت ﷺ کے چچازاد کا معمول تھا' وہ ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہتے لہٰذا ان پر جبر و زیادتی نہ ہونے پائے۔ جزیہ کے علاوہ ان کا مال نہ لیا جائے چنانچہ ہارون نے ذمیوں کیلئے ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا۔'' (کتاب الخراج' ص 137)

ولی عہدی:

ہارون اپنی اولاد میں سے امین اور مامون کو بہت چاہتا تھا۔ علم و فضل کے لحاظ سے مامون کو امین پر برتری حاصل تھی اور ہارون چاہتا تھا کہ پہلے مامون کو پھر امین کو ولی عہد مقرر کرے مگر اپنی چہیتی بیوی زبیدہ کے زیر اثر امین کو ولی عہد اوّل اور مامون کو دوم اور مؤتمن کو سوم نامزد کر دیا۔ مامون کو مزید اختیار تھا کہ بعد میں اگر چاہے تو مؤتمن کو ولی عہدی سے علیحدہ کر دے۔

مامون کے معاملہ میں امین کو فوقیت دینا ایک زبردست بے انصافی تھی لیکن ہارون نے اس کا ازالہ اس طرح کیا کہ خراسان کا صوبہ مستقل طور پر مامون کی تحویل میں دے دیا اور فوجیں' اسلحہ' خزانہ اور دیگر شاہی امتیازات دے کر اسے بھی کم و بیش خلیفہ کا درجہ دے دیا۔ مؤتمن کے قبضے میں عراق اور شمال کے سرحدی علاقے تھے۔ بظاہر یہ اقدام ایک بہت بڑی سیاسی غلطی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح مملکت تین حصوں میں بٹ گئی اور امین کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خانہ جنگی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا مگر یہی غلطی بالآخر مامون کی خلافت کا باعث بنی ورنہ ہم مامونی عہد کے شاندار کارناموں سے محروم رہ جاتے۔

ہارون کی وفات:

برامکہ کی تباہی کے بعد رافع بن لیث کی طرف سے خراسان میں شورش بپا ہوئی۔ ہارون نے امین کو بغداد میں قائمقام بنایا اور مامون کو ساتھ لیا اور خود وہاں کے فتنے کو دبانے کے لئے روانہ ہوا۔ طبیعت پہلے سے کچھ ناساز تھی' جرجان پہنچ کر زیادہ خراب ہوگئی۔ وہاں سے طوس واپس آیا علاج معالجہ کیا گیا کچھ افاقہ نہ ہوا۔ جب زندگی سے مایوس ہوگیا تو اپنی قبر کھدوائی اور اس میں قرآن مجید پڑھوایا آخرکار بروز ہفتہ جمادی الثانی 193ھ میں طوس کے غربت کدہ میں انتقال کیا۔ عمر صرف سینتالیس (47) سال تھی۔ تیئس (23) سال تک خلافت کے فرائض سرانجام دیئے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 160)

اثاثہ:

ہارون رشید نے دو کروڑ دینار' اسباب و جواہر ونقرہ' گھوڑے کروڑوں دینار کی مالیت کے بیت المال میں چھوڑے۔



ہارون رشید کی سیرت و کردار

ہارون رشید میں وہ تمام خصائل جمع تھے جو ایک پاکباز اور دین دار بادشاہ میں ہونے چاہئیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

''ہارون رشید میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں۔''

ہارون علم و ہنر' تدبر' دانائی' فہم و فراست' عزم و ثبات' فیاضی' شجاعت اور بلند حوصلگی میں خلفائے بنوعباس میں ممتاز تھا۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون رشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا اس کی قدردانی نے دور دور سے اہل کمال اس کے دربار میں جمع کر دیئے تھے۔ عظیم القدر بادشاہ ہونے کے باوجود تکلف اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا۔ جبریل اور بختیشوع عیسائی اطباء کا جو اعزاز دربار میں تھا اس کی نظیر نہیں ملتی اسی طرح منسکہ ہندی کی قدردانی کا جواب نہیں تھا۔ اس دربار علمی میں یہودی' پارسی' عیسائی اور ہندو علماء و حکماء سب ہی شریک ہوتے اور ہارون انہیں انعام و اکرام سے نوازتا۔

ہارون کا مذہب:

ہارون مذہبی عقائد اور خیالات میں مستحکم اور فرائض شرعیہ کا بڑا پابند تھا۔ خطیب ''تاریخ بغداد'' میں لکھتے ہیں:

''ایک صاحب نقل کرتے ہیں کہ ہارون ہر روز فرائض کے علاوہ سو رکعتیں نفل ادا کرتا تھا اور اس کا یہ معمول پوری زندگی رہا۔'' (تاریخ خطیب' ج 14' ص 6- تاریخ الخلفاء' ص 156)

ہارون نے بیماری کے سوا کبھی نماز قضاء نہیں کی۔ اگر ایک سال جہاد کرتا تو دوسرے سال خانہ کعبہ کی زیارت کو جاتا۔ تیئس برس کی خلافت میں آٹھ یا نو بار حج کیا۔ 179ھ میں مکہ معظمہ سے عرفات تک پاپیادہ گیا۔ حج کے موقع پر علماء اور فقہاء کی کثیر تعداد ہمراہ ہوتی۔

(تاریخ الخلفاء' ص 156- تاریخ الفخری' ص 175- تاریخ خطیب بغداد' ج 14' ص 12)

اور جس سال حج پر جانے کا اتفاق نہ ہوتا تو اپنی طرف سے تین سو حجاج کا قافلہ روانہ کرتا اور نقد و جنس ساتھ کر دیتا۔ خود حج کے موقع پر بڑی آہ و زاری سے دعائیں مانگتا۔ جہاد کا شوق اور شہادت کا ولولہ بہت تھا۔ خطیب اور طبری کے بقول ہارون محرمات شریعت کی بہت تعظیم کرتا تھا۔

خیرات و مبرات:

ہارون رشید کی سخاوت کی دھوم تھی۔ خیرات اعلانیہ اور خفیہ دونوں طریقوں سے کی جاتی تھی۔ ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتا۔ منصور سے زیادہ سخی تھا چنانچہ اس نے سفیان بن عیینہ کو ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ اسحاق موصلی کو دو لاکھ دینے کا حکم دیا۔ مروان بن حفصہ کو ایک قصیدے کے صلہ میں پانچ ہزار دینار دیئے۔

بزرگان دین سے عقیدت:

ہارون بزرگان دین سے بھی خاص تعلق رکھتا تھا۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر خود جاتا اور ان کی نصیحتوں کو برغبت کانوں سے سنتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ لوگ ہارون کو ناپسند کرتے ہیں لیکن مجھے یہ محبوب ہے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 155)

اسی طرح سفیان ثوری اور ابن سماک کی نصیحتوں اور ہارون کے اثرات قبول کرنے کے بہت دلچسپ واقعات ملتے ہیں۔

رقت قلب:

ایک مرتبہ حضرت فضیل نے ہارون سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے حسین چہرے والے تو اس امت کا ذمہ دار ہے تجھ ہی سے اس کی بازپرس ہوگی۔'' یہ نصیحت سن کر ہارون زار و قطار رونے لگا۔

منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانے میں تین آدمی رقیق القلب تھے جن کی پلکوں پر خشیت الٰہی کے آنسو رکھے رہتے تھے فضیل بن عیاض' ابوعبدالرحمٰن زاہد اور ہارون الرشید۔

(خطیب' ج 14' ص 14)

عبداللہ قواریری لکھتے ہیں:

''ایک دن ہارون نے فضیل بن عیاض سے ''وتقطعت بھم الاسباب'' کے معنی پوچھے۔ فضیل نے کہا: ''قیامت کے دن تمام دنیاوی وسائل منقطع ہو جائیں گے۔'' خلیفہ یہ سن کر دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 100)

رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت:

ہارون کو رسول اکرم ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ جب کبھی آپ ﷺ کا نام لیا جاتا تو بے قرار ہو کر ﷺ علی سیدی کہتا۔ ایک مرتبہ ابومعاویہ نے ہارون کے سامنے ایک حدیث بیان کی' اہل دربار میں سے ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا۔ ہارون جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے اور اسی وقت تلوار طلب کی لیکن ابومعاویہ نے سمجھا بجھا کر ہارون کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ (تاریخ خطیب' ج 14' ص 8)

مسئلہ خلق قرآن:

ہارون رشید کو بھی اسلا[م] [illegible] حرمتی گوارا نہ تھی۔ وہ دین میں رخنہ ڈالنے والے کاموں کا سخت دشمن تھا چنانچہ جب اسے اطلاع ملی [illegible] المریسی خلق قرآن کا قائل ہے تو کہنے لگا کہ اگر وہ قابو میں آ جائے تو اس کی گردن اُتار دوں۔ (تاریخ الخلفاء' ص 154)

علماء کی قدر دانی:

ابومعاویہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے خلیفہ کے ساتھ کھانا کھایا (ابومعاویہ نابینا تھے) کسی

شخص نے معمول کے مطابق میرے ہاتھ دھلائے۔ ابو معاویہ کے پوچھنے پر خلیفہ نے کہا محض علم کے اکرام کے لئے میں نے آپ کے ہاتھ دھلائے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص 155)

شجاعت و بسالت:

ہارون شجاع اور بہادر تھا اور اسے جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ فوجوں کے ساتھ خود جاتا تھا بلکہ اکثر فوج کے آگے رہتا۔ اس کے اخلاق میں شجاعت کا وصف ممتاز تھا۔

اخلاقی حالت:

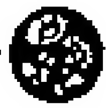
ہارون نہایت بلند اخلاق کا مالک تھا۔ حیاء اور مروت میں فائق تھا مگر دشمن اور زندیق کے لئے اس کا جوش بڑھ جاتا تھا۔ اپنے دادا منصور کے قدم بقدم تھا لیکن جود و بخشش میں اس کا پیرو نہ تھا ذرا ذرا سی بات پر بڑے بڑے انعام دیتا۔

اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ ایک شب ہارون نے قاضی ابو یوسف کو بلایا اور ایک ضروری مسئلہ پوچھا۔ قاضی صاحب نے بتا دیا۔ ہارون خوش ہو گیا اور ایک لاکھ درہم عطا کر دینے کا حکم دیا۔

قاضی صاحب نے کہا کہ درہم مجھے صبح سے پہلے پہلے مل جانے چاہئیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ فوراً ادا کئے جائیں۔

ایک مصاحب بولا کہ حضور خزانچی اپنے گھر میں ہے اور خزانہ کا دروازہ بند ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ دروازے تو اس وقت بھی بند تھے جب مجھے بلایا گیا تھا۔ یہ سن کر خزانچی کو گھر سے بلوا کر خزانہ کھلوایا گیا اور قاضی صاحب کی خدمت میں ایک لاکھ درہم پیش کئے گئے۔

(تاریخ الخلفاء ص 158)



خلیفہ ابو عبداللہ محمد امین بن ہارون

نام:

محمد امین بن ہارون الرشید' امین کی والدہ ماجدہ ملکہ سیّدہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی۔ امین کی ولادت 170ھ میں ہوئی۔ اس کی رگوں میں ماں باپ کی طرف سے خالص ہاشمی خون تھا۔

تعلیم و تربیت:

امین کی تعلیم پر کسائی' نحوی اور یزیدی مقرر ہوئے۔ یزیدی نے برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی تعلیم دی۔ فقہاء کرام سے فقہ حاصل کیا اور ہارون رشید کے ساتھ امام مالک کے درس حدیث میں بھی حاضری دی۔ ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو اس کا استاذ مقرر کیا تھا۔

امین نہایت ذکی الطبع' فصیح' خوش تقریر' پاکیزہ رو' حور شمائل تھا۔ اس نے نحو' ادب' فقہ میں بھی نہایت مہارت حاصل کی مگر ملکہ زبیدہ کے لاڈ پیار' عیش طلب اور راحت و آرام کی وجہ سے سہل پسند ہو گیا تھا اور عالم شہزادگی میں بہت فضول خرچی کیا کرتا تھا۔

وقائع:

ہارون نے 175ھ میں ولی عہدی کا فرمان لکھا۔ جب ہارون خراسان روانہ ہوا تو 192ھ میں امین کو بغداد میں اپنا قائمقام مقرر کیا اور طوس پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

ہمراہی امرائے سلطنت اور عسکر شاہی نے امین کی خلافت کی بیعت کی۔ بغداد میں خبر پہنچی تو یہاں بھی بیعت عام لی گئی۔ شہزادہ صالح بن ہارون رشید نے تہنیت خلافت کے ساتھ خاتم خلافت' عصاء' چادر نبوی رجاء کے ساتھ بھائی کو بھیجا۔ (تاریخ ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 47)

فضل بن ربیع کا دربار پر اثر تھا' وہ ہارون کی وفات کے وقت اس کے ہمراہ تھا۔ ہارون نے اس کو ہدایت کی تھی۔ مال' خزانہ' اسلحہ' مامون کو دیئے جائیں مگر فضل لے کر چلتا ہوا اور تمام چیزیں امین کے سپرد کر دیں۔ امین' فضل سے بے حد خوش ہوا۔ فضل بن ربیع نے امین کو یہ پٹی پڑھائی کہ مامون اور مؤتمن دونوں کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد کر دیا جائے۔

امین پہلے تو رضامند نہ ہوا مگر ملکہ زبیدہ کا بھی دباؤ پڑا' آخر راضی ہو گیا اور مؤتمن کو ولایت سے معزول کر کے بغداد طلب کیا۔ پھر عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کو مامون کے پاس بھیجا' وہاں ناکامی ہوئی۔ عباس' مامون سے گٹھ گیا اور واپس آ کر یہاں کے حالات سے مامون کو خبر کرتا رہا۔ سلیمان بن منصور امین کے باپ اور ماں کا چچا تھا اور شاہی فوج پر اقتدار رکھتا تھا۔

موسیٰ کی ولی عہدی:

امین نے مامون کے انکار کے باوجود موسیٰ کو ولی عہد بنا دیا۔ تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیئے گئے کہ خطبہ میں مامون و مؤتمن کے نام کے بجائے موسیٰ کا نام لیا جائے۔ سیّدہ زبیدہ خزانہ لے کر

بغداد تشریف لائیں' انبار تک امین پیشوائی کو گیا۔

امین و مامون میں اختلاف:

ہارون نے ایک سلطنت کے دو فرمانروا بنا کر غلطی کی تھی۔ اس کے نتائج اس کی آنکھ بند ہوتے ہی نکلنے لگے۔ مامون خراسان کا مستقل فرمانروا تھا صرف خطبہ کی حد تک اسے بغداد کی مرکزی حکومت سے تعلق تھا۔ خراسان کی مہم میں ہارون کے ساتھ جو خزانہ' فوج اور خدم و حشم تھا' وہ سب مرنے سے پہلے مامون کو دے دیا گیا تھا۔ اس سے امین کے دل میں مامون کے ساتھ مخاصمت بڑھ گئی لیکن باپ کی زندگی میں کچھ کہہ نہ سکا اس کے مرض الموت کی خبر سن کر فضل بن ربیع اور ارکان سلطنت کے پاس جو ہارون کے ہم رکاب تھے خفیہ کہلا بھیجا کہ امیر المومنین کے انتقال کے بعد کل خزانہ' فوج اور خدم و حشم اس کے پاس بغداد بھجوا دیا جائے لیکن فضل بن ربیع جسے برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون نے اپنا قابل اعتماد اور وزیر اعظم مقرر کیا تھا' بڑا فتنہ پرداز اور بدطینت تھا۔ وہ مامون کی ذہانت' تدبر اور قابلیت کے باعث اسے پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان صلاحیتوں کے ساتھ اس پر حاوی ہونا مشکل ہے اس کے مقابلہ میں امین اوباش اور سیاسی بصیرت سے بے بہرہ تھا۔ اس کی امداد کرنے میں ابن ربیع کو بہت سے ذاتی فائدے نظر آئے چنانچہ ہارون کی وفات پر جس قدر فوجی امراء اور اراکین سلطنت طوس میں موجود تھے ان سب کو جمع کیا اور مامون کی بجائے امین کے پاس چلنے کی ترغیب دی۔ اہل لشکر اس کی باتوں میں آ گئے اور خلیفہ ہارون کی وصیت کو پس پشت ڈال کر واپس بغداد کی جانب روانہ ہو گئے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 73)

مامون کو فضل بن ربیع کی شرانگیزی اور فوج کی بدعہدی کا حال معلوم ہوا تو اس بارہ میں اراکین سلطنت سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ وہ لوگ ابھی دور نہیں گئے' آپ خود جائیں اور انہیں ہارون کا عہد یاد دلا کر واپس لے آئیں لیکن تجربہ کار ذوالریاستین فضل بن سہل نے مخالفت کی اور کہا کہ آپ گئے تو وہ لوگ آپ کو پکڑ کر امین کے پاس سوغات میں پیش کریں گے' بہتر یہی ہے کہ آپ کسی امیر کو بھیجیں جو انہیں سمجھا بجھا کر واپس لائے اور آپ امراء کو خط لکھ کر انہیں عہد شکنی سے روکیے۔ اگر وہ نہ رکیں گے تو پھر کوئی دوسری تدبیر کی جائے گی۔ چنانچہ مامون نے ایک معزز سردار سہیل بن سعد کو قاصد بنا کر ان کے پاس بھیجا جو انہیں نیشاپور کے مقام پر جا ملا اور انہیں مامون کا خط دکھا کر عہد شکنی سے باز رکھنے کی بڑی کوشش کی مگر فضل بن ربیع نے اس کی ایک نہ سنی اور سب کو ساتھ لے کر امین کے پاس جا پہنچا۔ امین نے اسے اپنا وزیر مقرر کیا اور فوج کے سپاہیوں کو دو سال کی پیشگی تنخواہ دے دی۔

یہ صورت حال دیکھ کر مامون بڑا مایوس اور دل برداشتہ ہو گیا لیکن فضل بن سہل جسے ذوالریاستین بھی کہا جاتا ہے اسے تسلی دی اور کہا کہ آپ خاطر جمع رکھیں' دشمن آپ کا بال بیکا نہیں کر سکیں گے اور انشاء اللہ خلافت بھی آپ کے قبضے میں آ کر رہے گی۔ اس کی حوصلہ افزائی پر مامون نے اسے مختار کل بنا دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 175)

فضل بن سہل بڑا عالی حوصلہ اور مدبر انسان تھا اس نے بیشتر خراسانی امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مامون کو مشورہ دیا کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف اور مہربانی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس تدبیر سے سارا خراسان ہی چند دنوں میں اس کا گرویدہ ہو گیا اس کے علاوہ مامون نے چوتھائی خراج معاف کر دیا اس کا اتنا اچھا اثر پڑا کہ سارا خراسان مامون کے ساتھ ہو گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ مامون ہمارا بھانجا (مامون کی ماں عجمی تھی) اور ہمارے نبی ﷺ کا ابن عم ہے۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 174)

امین کا نقض عہد:

فضل بن ربیع نے خراسان سے واپس آنے کے بعد امین اور مامون کے مابین اختلاف کو مزید پختہ کرنے کے لئے امین کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مامون کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر دے اگرچہ امین کے حقیقی خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ نقض عہد کی مثال قائم ہو جانے کے بعد لوگوں کو آپ کے عہد توڑنے آسان ہو جائیں گے' اس مشورے کے بعد امین نے مامون کو ولی عہدی سے خارج تو نہ کیا البتہ عیسیٰ کا نام بھی خطبہ میں داخل کر دیا۔

ادھر مامون کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے شاہی نشان سے امین کا نام خارج کر دیا اور بغداد سے اپنا تعلق منقطع کر دیا۔

اس کے چند دن بعد امین نے مامون کو لکھا کہ وہ عیسیٰ کی ولی عہدی منظور کرے اور فوراً بغداد حاضر ہو۔ مامون نے دونوں باتوں کو مسترد کر دیا۔ یہ گویا ایک طرح سے اعلان جنگ تھا اس بناء پر ذوالریاستین نے حفاظتی تدبیریں شروع کر دیں اور امین کے ایک درباری عباس بن موسیٰ کو خفیہ بلا کر بھاری روپیہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور اسے امین کے دربار میں اپنا جاسوس مقرر کر دیا جو برابر وہاں کی خبریں خراسان بھیجتا رہا۔

مامون کا جواب ملنے کے بعد امین نے اس سے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ وہ خراسان کے بعض حصے بغداد کی حکومت سے منسلک کر دے اور اس کے نامہ نگار کو خراسان میں رہنے کی اجازت دے لیکن مامون نے ان دونوں مطالبوں کو ماننے سے بھی انکار کر دیا اور سرحدوں کی ناکہ بندی کر کے خبر رسانی اور جاسوسی کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ (تاریخ ابن خلدون' ج 4' ص 33-234)

مامون کی مختلف حکمرانوں سے مصالحت:

امین سے اختلاف کے ساتھ مامون کے لئے ایک اور مصیبت کھڑی ہو گئی کہ خراسان کے سرحدی علاقوں کے کئی حکمران اس کے خلاف ہو گئے اور تبت کا بادشاہ خلاف ہو گیا۔ جغبویہ کے حاکم نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ ترک حکمرانوں نے خراج دینا بند کر دیا مگر ذوالریاستین کی خوش تدبیری سے یہ مشکلات آسان ہو گئیں کہ جغبویہ اور تبت کو آزاد حکمران تسلیم کر لیا گیا اور ترکی سلاطین کا خراج معاف کر دیا اور کابل سے صلح کر لی۔ ان امور سے مطمئن ہونے کے بعد مامون نے امین کو لکھا کہ میں خراسانی

سرحد کا محافظ ہوں۔ والد نے مجھے یہاں سے ہٹنے کی ممانعت کی تھی اس لئے حاضری سے معذور ہوں۔
(ابن خلدون' ج 4' ص 231)

معاہدوں کا چاک کرنا:

اس جواب کے بعد امین نے اس کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے صغیرالسن بچے موسیٰ کو ولی عہد بنا دیا اور تمام ممالک محروسہ میں اعلان جاری کرا دیا کہ آئندہ سے خطبہ میں مامون کے بجائے موسیٰ کا نام لیا جائے اور ولایت عہد کا جو عہدنامہ ہارون نے لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھا ہوا تھا اسے منگوا کر چاک کر ڈالا۔ اس حرکت پر مامون کو بہت غصہ آیا اور مرکز سے تعلقات منقطع کر کے خود اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

امین اور مامون میں باہمی خانہ جنگی:

فضل بن ربیع نے مامون کے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار کی فوج تیار کی۔ علی بن عیسیٰ بن ماہان کو جبل نہاوند' ہمدان' قم اور اصفہان کی ولایت کا فرمان دے کر اس لشکر کا سپہ سالار بنایا' ادھر مامون کو یہاں بغداد کے حالات معلوم ہوئے تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر بھائی کے لئے تحفے تحائف روانہ کیے نیز اس نے اپنے ہمرکاب اپنے باپ کے سپہ سالاروں عبداللہ بن مالک' یحییٰ بن معاذ' شبیب بن حمید بن قحطبہ اور علاء مولیٰ ہارون کی ایک میٹنگ بلائی۔ علاء اس کا حاجب' عباس بن میسب بن زہیر اعلیٰ پولیس افسر جبکہ ایوب بن ابی سمیر سیکرٹری تھا جبکہ عبدالرحمن بن عبدالملک بن صالح اور فضل بن سہل المعروف ذوالریاستین مجوسی نومسلم مخصوص اور معزز معتمدین میں سے تھے۔ ان سے مشورہ کیا گیا اور یہ بات طے ہوئی کہ امن و امان کے لئے ایک وفد فضل بن ربیع کے پاس بھیجا جائے' حسب مشورہ وفد بھیجا گیا جو راستے سے ناکام واپس آیا۔ پھر فضل بن سہل نے مامون سے کہا کہ آپ اپنے ننھیال میں ہیں' آپ کی بیعت کا طوق ان کی گردنوں میں ہے' صبر و استقلال سے کام لیجئے خلافت کا ذمہ میرا ہے۔ مامون نے کہا ان شاء اللہ تمہارے کہنے پر عمل کروں گا اور اس کا انتظام و انصرام اب تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد مامون نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ (ابن خلدون' ج 7' ص 49)

امین کے انقلابی اقدام:

امین نے قاسم المؤتمن (سابق ولی عہد) کو حکومت جزیرہ سے معزول کیا مگر قنسرین اور عواصم کی گورنری پر بدستور قائم رکھا اور جزیرہ پر خزیمہ بن خازم کو مامور کیا۔ مکہ معظمہ پر عامل داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد تھا اور حمص کی گورنری پر اسحق بن سلیمان تھا اس کی بجائے عبداللہ بن سعید قریشی کو مامور کیا اس نے ظلم ڈھائے تو ابراہیم بن عباس کو نامزد کیا۔

مامون کی جنگی حکمت عملی:

اب دونوں طرف سے جنگی تیاریاں عروج پر تھیں اور ذوالریاستین نے پیش بندی کے طور پر خراسان سے مغرب کو جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تا کہ وہاں کی کوئی خبر دارالخلافہ نہ

پہنچنے پائے۔ اور نہ ہی وہاں کی کوئی چٹھی رؤساء خراسان تک پہنچ چکے چنانچہ فضل بن ربیع نے جس قدر مراسلات خراسان بھیجے ان میں سے ایک بھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا بلکہ امین کے ایک درباری عباس بن موسیٰ کو بہت سا روپیہ دے کر اپنے ساتھ ملا کر اسے اپنا جاسوس بنا کر دربار خلافت میں چھوڑ دیا اس طرح دربار خلافت کی تمام خاص خاص خبریں خراسان پہنچتی رہیں۔

(تاریخ اسلام' ڈاکٹر حمید الدین' ص 429)

بغدادی لشکر کی آمد اور علی بن عیسیٰ کا قتل:

195ھ میں امین نے مشہور جرنیل علی بن عیسیٰ بن ماہان کو پچاس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مامون کی سرکوبی کے لئے خراسان بھیجا۔ امین کی ماں زبیدہ نے خود اس لشکر کو روانہ کیا اور علی بن عیسیٰ کو چاندی کی ایک زنجیر دی کہ اس میں مامون کو مقید کر کے لائے نیز ہدایت کر دی کہ گرفتاری کے بعد اس کے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کیا جائے چنانچہ علی بن عیسیٰ بڑے کروفر اور شان وشوکت کے ساتھ بغداد سے روانہ ہوا۔

علی بن عیسیٰ اس سے پہلے خراسان کا امیر رہ چکا تھا' وہاں کے باشندے اس کے مظالم اور بدعنوانیوں کے باعث اسے سخت ناپسند کرتے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہی علی دوبارہ ان پر مسلط کیا جا رہا ہے تو وہ اور بھی بھڑک اُٹھے اور پورے جوش وخروش کے ساتھ اس کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔

ادھر مامون کو امین کے لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے اپنے ایک غلام طاہر بن حسین کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ طاہر نے مرو سے ہوتے ہوئے رے کے مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ خراسان کی ناکہ بندی کروا کر اطراف و جوانب میں مخبر چھوڑ دیئے تاکہ شاہی لشکر کی نقل وحرکت اور پیش قدمی کا حال معلوم ہوتا رہے۔

بغدادی فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی جبکہ اس کے مقابلے میں خراسانی صرف چار ہزار کے قریب تھے مگر انہوں نے ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ علی بن عیسیٰ کو ایک ایسا تیر لگا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا ان کے گرتے ہی بغدادی فوج نے حوصلے ہار دیئے اور بھاگنے لگی۔ خراسانیوں نے پیچھا کر کے اکثر کو ہلاک کر دیا جو باقی بچ گئے انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور طاہر کی اطاعت قبول کر لی۔ طاہر نے رے سے مامون کے پاس مژدہ فتح یابی کی اطلاع بھیجی اور کہا کہ علی کا سر میرے سامنے ہے' اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کی فوج میرے قبضہ واختیار میں ہے۔ ذوالریاستین نے یہ خوشخبری مامون کو سنائی اور رعایا نے آ کر سلام خلافت پیش کیا۔ اس کے دو دن بعد علی بن عیسیٰ کا سر پہنچا تو اس کی تشہیر کرائی گئی۔ (ابن خلدون' ج 4' ص 233-234)

اس فتح پر مامون بہت خوش ہوا اور طاہر کی امداد کے لئے مزید فوجیں روانہ کیں۔

دوسری بغدادی فوج کی روانگی اور شکست:

بغدادی فوج کی شکست فاش اور علی کے قتل کا حال سن کر فضل بن ربیع بڑا خوفزدہ ہوا مگر امین کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور برابر لہو ولعب میں مصروف رہا مگر ابن ربیع کے پیہم اصرار سے مجبور ہو کر عبدالرحمن بن جبلہ کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج طاہر کے مقابلہ میں بھیجی۔ ہمدان کے مقام پر دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ عبدالرحمن مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ طاہر نے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا' تنگ آ کر عبدالرحمن پھر مقابلہ کو نکلا مگر دوبارہ شکست کھائی۔ اب طاہر کی پناہ میں آئے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے اپنے آپ کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ طاہر نے اس کی خطا معاف کر کے اسے امان دے دی۔ اس موقع پر ہمدان اور عراق عجم کے پورے علاقے مامون کے تسلط میں آ گئے۔

عبدالرحمن بن جبلہ طاہر کی نگرانی میں کچھ دن رہا جب اس نے دیکھا کہ طاہر اس کی نگرانی سے غافل اور مطمئن ہو گیا ہے تو دفعتاً اپنے آدمیوں کو لے کر نکلا اور حملہ کر دیا اور لڑائی میں مارا گیا۔
(ابن اثیر' ج 6' ص 170-171)

تیسری بغدادی فوج کی روانگی اور واپسی:

یہ خبر جب ابن ربیع کو پہنچی تو وہ انتہائی خوفزدہ ہو گیا مگر ہمت کر کے 196ھ میں احمد بن فرید کو بیس ہزار فوج کے ساتھ طاہر کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اس کے بعد عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کی سرکردگی میں بیس ہزار مزید فوج احمد کی کمک کے لئے روانہ کی۔ بغدادی فوج خانقین میں خیمہ زن ہوئیں اس مرتبہ طاہر نے مقابلہ کرنے کے بجائے دونوں فوجوں میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے جنہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ تم لوگ یہاں ہو ادھر بغداد میں تنخواہیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی اور سپاہیوں نے حملہ آور ہونے کے بجائے واپس جانے پر اصرار کیا' سرداروں نے انہیں بہتیرا سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔ اسی اثناء میں جاسوسوں نے کچھ ایسی تدبیریں کیں کہ دونوں افواج آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ ناچار احمد اور عبداللہ کو ناکام و نامرد واپس لوٹنا پڑا۔ ان کی واپسی کے بعد طاہر آگے بڑھ کر حلوان میں مقیم ہوا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 85)

عراق میں مامون کی بیعت:

اب مامون نے طاہر کو حکم دیا کہ اہواز کی طرف بڑھے کیونکہ عراق میں اہواز سب سے اہم مورچہ تھا' طاہر نے حسین بن عمرو واثمی کو آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا۔ اس جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد بن یزید اہواز کی حفاظت کے لئے آ رہا ہے اس لئے طاہر نے محمد بن طالوت' محمد بن العلاء' عباس بن نجار اور قریش بن شبل کو حکم دیا کہ محمد بن یزید کے اہواز پہنچنے سے پہلے کسی طرح پہنچ جائے اور خود مزید امدادی فوجوں کی فراہمی کے لئے لوٹ گیا۔ قریش طاہر کی ہدایت کے مطابق محمد بن یزید سے پہلے اہواز پہنچ گیا اس کے بعد بغدادی فوجیں پہنچیں۔ دونوں میں بڑی خونریز

جنگ ہوئی، محمد کی فوجیں پسپا ہو گئیں۔ محمد نے لڑتے ہوئے جان دے دی اور اہواز اور اسی کے ساتھ یمامہ، بحرین اور عمان پر طاہر کا قبضہ ہو گیا۔ اہواز کے بعد واسط کا رُخ کیا یہاں کے حاکم سندھی بن یحییٰ اور ہیثم بن شعبہ اس کا رُخ دیکھ کر بھاگ گئے۔

ان پے درپے فتوحات کے باعث طاہر کا رعب و دبدبہ اتنا بڑھ گیا کہ جس طرف رُخ کرتا امراء اور حکام اس کا نام سنتے ہی بھاگ جاتے چنانچہ واسط بھی بغیر لڑائی کے ہاتھ آ گیا۔

196ھ میں طاہر نے واسط سے ایک فوجی افسر کو معمولی فوج دے کر کوفہ روانہ کیا۔ یہاں کے امیر عباس بن موسیٰ ہادی تھے، وہ یہ رنگ دیکھ کر امین کی بیعت فسخ کر کے مامون کی خلافت کے مؤید ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی امیر بصرہ منصور بن مہدی بھی طاہر کا ہمنوا ہو گیا۔ مطلب بن عبداللہ بن مالک گورنر موصل نے بھی مامون کی اطاعت قبول کر لی۔ (تاریخ کامل، ابن اثیر، ج 6، ص 106 مطبوعہ مصر)

طاہر نے سب کو بحال رکھا اور حارث بن ہشام اور داؤد بن موسیٰ کو قصر ابن ہبیرہ کی طرف روانگی کا حکم دیا اور خود جرجرایا میں خیمہ زن ہو گیا۔

امین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے محمد بن سلیمان اور محمد بن حماد بربری کو قصر کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ حارث اور داؤد نے انہیں شکست دے کر قصر ابن ہبیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ کوفہ ان کا مرکز تھا اس لئے امین نے اسے واپس لینے کی کوشش کی اور فضل بن موسیٰ کو بھیجا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ قصر ابن ہبیرہ کے بعد مدائن کا نمبر تھا یہ گویا بغداد کا دروازہ تھا اس لئے یہاں امین کی جانب سے حفاظت کے بڑے اور مکمل انتظامات تھے اور بغداد سے فوجوں کا تار بندھا ہوا تھا اس لئے طاہر نے مدائن کا رُخ کیا اور قریش بھی راستہ میں مل گیا۔ مدائن کے حاکم برمکی نے مقابلہ کی تیاریاں کیں لیکن اس کی فوجوں میں ایسی ابتری پھیلی ہوئی تھی کہ وہ انہیں جنگ کے لئے آمادہ نہ کر سکا اس لئے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا اور اس کی فوجیں بغداد واپس لوٹ گئیں۔ اس طرح مدائن پر بھی قبضہ ہو گیا۔

(ابن خلدون، ج 4، ص 237)

اب بغداد بالکل سامنے تھا، طاہر نے بڑھ کر نہر صرصر پر مورچہ قائم کیا جو بغداد سے صرف چار فرسخ کے فاصلے پر تھی۔

اہل حجاز کی بیعت:

مامون کی فتوحات کی شہرت عام ہو رہی تھی چنانچہ حرمین پر بھی اس کا اثر پڑا۔ مکہ کا عامل داؤد تھا اس نے اہل مکہ کو جمع کیا اور اعیان عرب کے سامنے پُر اثر تقریر کی اور کہا:

''امین وہ ہے جس نے حرمت حرم کا خیال نہ کیا جن معاہدوں کو ہارون نے مامون اور امین سے لکھوا کر صحن کعبہ میں تصدیق کرائی اور انہیں خانہ کعبہ میں رکھا، امین نے انہیں منگوا کر چاک کیا اور آگ میں جلا دیا۔''

ساری مجلس کانپ گئی اور داؤد نے منبر سے اپنی ٹوپی اُتار کر پھینک دی کہ اس طرح میں امین کو خاک پر پھینکتا ہوں غرضیکہ تمام اعیان مکہ نے مامون کی غائبانہ بیعت کی۔ مامون کو جب یہ خبر پہنچی تو

اس نے داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر بھیجے۔ یہاں کے واقعہ کا اثر یمن پر بھی پڑا۔ مکہ کے بعد داؤد نے اپنے بیٹے سلیمان حاکم مدینہ کو لکھا کہ اس نے مکہ میں مامون کی بیعت لی ہے لہٰذا 196ھ میں مدینہ میں بھی مامون کی بیعت لی گئی۔ مامون نے اہل حجاز کی بیعت کو اپنے لئے نیک فال سمجھا اور داؤد کے مقام و مرتبہ میں بہت اضافہ کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 89)

امین کی ناکامی اور بغداد میں شورش:

امین کا اقتدار صرف بغداد تک ہی محدود تھا۔ 196ھ میں امین نے طاہر کے مقابلہ میں متعدد افواج بھیجیں مگر سب شکست کھا کر بغداد لوٹ آئیں۔ امین نے فوجی مقابلہ میں ناکامی کے بعد خزانہ کا منہ کھول دیا اور افسروں میں روپیہ تقسیم کر دیا جبکہ عام سپاہیوں کو نظرانداز کر دیا۔ طاہر کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ان کو توڑ کر خود ان کے افسروں سے لڑا دیا۔ امین کو اس کا علم ہوا تو اس نے اس کا تدارک کرنے کے بجائے ان کو سزا دینے کے لئے فوجیں بھیجیں۔ اس وقت طاہر نے ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ذوالحج 196ھ میں باب الدینار سے آگے بڑھ کر بستان کی جانب خیمہ زن ہوا اور اپنی فوج کے افسروں' ان کے لڑکوں اور خواص کے وظائف دوچند کر دیے۔ باب الدینار بغداد کا ایک دروازہ تھا اس لئے خراسانی فوجوں کی قربت سے شہر میں شورش برپا ہو گئی اور اوباشوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ قیدی قید خانہ توڑ کر نکل گئے اور بغداد میں عام بدامنی پھیل گئی۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 89)

انہی دنوں دارالخلافہ کے شامی اور عجمی باشندے آپس میں اُلجھ پڑے چونکہ اصل عجم کی تعداد زیادہ تھی اس لئے شامی بغداد چھوڑ کر اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اہل شام کے اس طرح چلے جانے سے امین کی فوجی طاقت کو بڑا ضعف پہنچا۔

ادھر طاہر بھی خاموش نہیں بیٹھا تھا بلکہ امین سرداروں کے ساتھ برابر ساز باز کر رہا تھا بالآخر عجمی افواج کے سردار حسین بن علی کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا حسین نے رجب 196ھ میں امین کو معزول کر کے گرفتار کر لیا اور مامون کی خلافت کا اعلان کر دیا لیکن اصل شہر نے اکٹھے ہو کر حسین کو قتل کر دیا اور امین کو قید سے چھڑا کر پھر تخت پر بٹھا دیا۔

اہل شہر کے باہمی تنازعات سے فائدہ اُٹھا کر طاہر نے ایک طرف سے اور دوسرے مامونی سردار ہرثمہ نے دوسری طرف سے بغداد کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کر دیے جس کے باعث عمارتوں کو بہت نقصان پہنچا۔ محاصرہ نے طول کھینچا تو اہل شہر تنگ آ گئے اور بھاگ بھاگ کر طاہر کی پناہ میں آنے لگے۔

امین کا خزانہ خالی ہو چکا تھا' روپیہ کی کمی کے باعث بغدادی افواج میں بغاوت کے آثار نظر آنے لگے۔ مجبور ہو کر اس نے اپنا تمام آرائشی سامان' سونے چاندی کے برتن اور جواہرات فروخت کر ڈالے اور اہل لشکر کو تنخواہ دی۔

اپنی فوجی طاقت کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لئے اس نے شہر کے اوباشوں اور غنڈوں پر مشتمل علیحدہ فوج تیار کی جس نے بعض مقامات پر طاہر کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور سینکڑوں خراسانی قتل کر

ڈالے مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعلانیہ لوٹ مار کر کے اہل شہر کی زندگی اجیرن کر دی۔

طاہر نے اعلان کیا کہ جو امراء امین کا ساتھ چھوڑ کر اس کی پناہ میں نہیں آئیں گے' بغداد پر قبضہ ہو جانے کے بعد ان کی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی۔ بغدادی فوج کی حالت چونکہ روز بروز نازک ہوتی جا رہی تھی اور امین کی شکست کے آثار نمایاں تھے اس لئے بہت سے امراء اور فوجی سردار طاہر کے ساتھ مل گئے یہاں تک کہ کوتوال شہر بھی ان کے ساتھ آ کر مل گیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر امین نے ملک شام کی طرف بھاگ جانا چاہا مگر طاہر نے اس کی یہ اسکیم پوری نہ ہونے دی' مجبور ہو کر اس نے پناہ لینے کا ارادہ کیا۔ طاہر چونکہ عجمی تھا اس لئے امین نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنا پسند نہ کیا اس کے مقابلے میں عربی نسل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ہرثمہ کو ترجیح دی۔ ہرثمہ نے پناہ کی درخواست کو بخوشی قبول کیا اور یقین دلایا کہ وہ ہر قیمت پر اس کی جان کی حفاظت کرے گا۔

طاہر کو اس کی خبر ہوئی تو بہت گھبرایا اسے معلوم تھا کہ اگر امین ہرثمہ کی پناہ میں چلا گیا تو بغداد کی فتح اس کے نام منسوب کی جائے گی لہٰذا اس نے امین کے محل کے گرد خفیہ طور پر سپاہی تعینات کر دیئے کہ جونہی وہ ہرثمہ کے پاس جانے لگے' اسے قتل کر ڈالیں۔ امین کو اس کی خبر ہو گئی اس نے جب دیکھا کہ پناہ مانگنے کے بعد بھی اس کی جان بخشی ہوتی نظر نہیں آ رہی تو اس نے نکل جانا چاہا اور ہرثمہ کو اس کی خبر کر دی۔ ہرثمہ نے سمجھایا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ میں آپ کی حفاظت کا سامان کر لوں تو چلے جایئے گا مگر امین پر کچھ ایسا خوف و ہراس طاری تھا کہ وہ ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ ہرثمہ نے مجبور ہو کر کشتیاں تیار کرا دیں' امین نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور آخری مرتبہ ان سے رو رو کر جدا ہوا۔

امین کی گرفتاری اور قتل:

طاہر نے دریائے دجلہ پر اپنے آدمی بھیج دیئے۔ امین اپنے درباریوں کے مشورہ سے محل سے رخصت ہوا' بچوں کو گلے لگایا اور انہیں خدا کے سپرد کیا اور ہرثمہ کے پاس روانہ ہوا۔ ہرثمہ قصر خلافت کے قریب کشتی میں بیٹھ کر گیا۔ امین جس وقت قصر خلافت سے نکل کر کشتی میں سوار ہوا' طاہر کے آدمیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ کشتی الٹ گئی۔

(ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 79)

ہرثمہ کو اس کے ساتھیوں نے نکالا اور امین کو طاہر کے آدمی پکڑ کر لے گئے اور قید کر دیا اور رات کو قید خانے پر ہلہ بول کر اس کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ 25 محرم 198ھ کا ہے۔

طاہر نے مامون کو فتح کا خط لکھا اور امین کا سر روانہ کیا اور بغداد کی پوری تفصیل سے مطلع کیا نیز وہ وجوہ بھی لکھے جن کی بناء پر امین کا قتل ناگزیر تھا۔ طاہر جمعہ کو بغداد میں داخل ہوا۔ نماز جمعہ خود پڑھائی' خطبہ میں اہل بغداد کو عام معافی دی جبکہ فضل بن ربیع روپوش ہو گیا۔ آخر طاہر کی سفارش پر مامون نے اس کی سابقہ خطاؤں سے درگزر کر کے امان دے دی۔ 208ھ میں اس نے وفات پائی۔

(ابن خلدون' ج 4' ص 238 تا 241 ملخصا)

خلیفہ عبداللہ المامون عباسی

نام ونسب:

عبداللہ المامون بن ہارون رشید بن مہدی، کنیت ابوجعفر اور والدہ "مراجل" نامی خاتون تھی۔

تعلیم وتربیت:

خلیفہ عبداللہ مامون الرشید کی ولادت ماہ ربیع الاوّل 170ھ کو ہوئی۔ ہارون رشید نے مامون کو پانچ برس کی عمر میں کسائی نحوی، یزیدی اصمعی اور عباس بن احنف کے سپرد کر دیا۔ ان سے قرآن مجید پڑھا۔ مذکورہ ادباء کی تعلیم سے تھوڑے ہی عرصے میں ادب سے گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ حدیث اپنے والد، ہشیم، عباد بن عوام، یوسف بن قحطبہ، ہاشم بن بشیر، ابومعاویہ العزیز، اسماعیل بن علیہ اور حجاج بن محمد المور سے سنی اور اپنے والد کے ساتھ امام مالک کے دروس میں بھی حاضری دی۔

(البدایہ والنہایہ، جزء 10، ص 274- تاریخ الخلفاء، ص 165)

فقہ معاصر فقہاء سے حاصل کی۔ آگے چل کر فلسفہ اور علم الکلام کا شوق پیدا ہوا۔ ہارون نے "محکمہ کتب علمیہ" قائم کیا تھا جس میں ہندو، پارسی، عیسائی اور یہودی ہر ملت و مذہب کے لوگ تھے۔ ان کی نشست و برخاست مامون کے ساتھ بھی ہوا کرتی تھی۔ ان سے علوم عقلیہ کی تحصیل میں بڑی مدد ملی۔ مامون کا استاذ جعفر برمکی تھا۔ اس کی صحبت سے شیعیت کا رنگ چڑھا۔ مامون تفضیلی خیالات رکھتا تھا یعنی تفضیل علی کا قائل تھا۔

ولی عہدی:

ہارون کی دلی منشاء تھی کہ مامون کو اپنا جانشین مقرر کرے مگر اپنی ملکہ زبیدہ کے خوف سے امین کو ولی عہد مقرر کیا اور ملک کو امین و مامون میں تقسیم کر دیا اور امین و مامون سے معاہدہ لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھوا دیا۔ جب ہارون فوت ہوا تو امین تخت خلافت پر بیٹھا۔ تفصیلی حالات پیچھے گزر چکے ہیں۔ امین کے قتل کے بعد مامون کو کامل حکمرانی کا موقع ملا۔

اہل بغداد نے امین کے قتل کے بعد 26 محرم 198ھ میں مامون کی بیعت کی اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔

عہد مامون میں غلبہ فارسیت اور اس کی وجوہ:

بنوامیہ کا دور عربیت کا دور تھا۔ بنوعباس کے برسراقتدار آنے پر فارسیت کے غلبہ کا آغاز ہوا۔ مامون کے عہد حکومت میں یہ غلبہ اوج کمال کو پہنچ گیا اور ہر شعبہ حکومت میں فارسی تہذیب اور عجمی لوگ پیش پیش نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ فوج بھی سراسر عجمی تھی۔

ایک دفعہ کسی عربی سردار نے مامون سے کہا کہ آپ خواہ مخواہ خراسانیوں کو آگے بڑھا رہے ہیں حالانکہ اصل قوت وشوکت کا مرکز عرب ہے۔ عربوں کو آپ نے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے؟

تو اس نے جواب دیا کہ اہل یمن نے مجھے کبھی پسند نہیں کیا' شام والوں نے میرا خزانہ خالی کر کے رکھ دیا تھا' قبیلہ قضاعہ ہر وقت میرے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا موقع تلاش کرتا رہتا ہے جبکہ قبائل ربیعہ تو نسلی تعصب میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ سے ناراض ہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو مضریوں میں کیوں مبعوث فرمایا؟

ان حالات میں' میں اہل عرب کو کس طرح قابل اعتماد سمجھوں؟

خلافت مامونی کے ادوار:

مامون کے عہد خلافت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا دور 198ء تا 203ھ:

پہلا دور 198ھ تا 203ھ جس میں دارالخلافہ مرو تھا اور حکومت کی باگ ڈور فضل بن سہل کے ہاتھ میں تھی' وہی تمام سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ خلیفہ کی حیثیت محض عضو معطل کی تھی جو سارا دن اپنے محل میں بیٹھا علماء و فضلاء کے ساتھ علمی مباحثوں میں مشغول رہتا۔ انتظام سلطنت اور ملکی حالات کے متعلق اسے کچھ علم نہیں تھا۔ مملکت کے ہر کونے میں بغاوتوں اور شورشوں کا زور تھا مگر خلیفہ ان سے کلی طور پر بے خبر تھا۔ فضل بن سہل اس تک کوئی اطلاع نہ پہنچنے دیتا تھا اور ہر وقت یہی کہتا رہتا کہ سلطنت میں ہر طرح کا امن و امان ہے۔ کوئی شخص فضل کی اجازت کے بغیر مامون سے نہیں مل سکتا تھا۔

دوسرا دور 203ھ تا 218ھ:

دوسرا دور 203ھ سے لے کر 218ھ تک ہے۔ اس میں مامون کو امام علی رضا کی وساطت سے صحیح حالات معلوم ہوئے چنانچہ وہ مرو کو چھوڑ کر بغداد آ گیا اور فضل بن سہل کا خاتمہ کر کے تمام امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ علم و فن کی ترقی کے لحاظ سے یہ دور تاریخ اسلام کا اہم ترین دور ہے۔

آغاز خلافت میں حکومتی نظم و نسق:

مامون نے گو عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہوا کہ خلافت بھی درحقیقت فضل کے پنجہ اختیار میں تھی۔

فضل مامون پر چھا رہا تھا "طاہر" جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ اس کے تمام ممالک مفتوحہ الجبال' فارس' اہواز' بصرہ' کوفہ' یمن وغیرہ کی حکومت فضل نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو دے دی اور طاہر کو امین کے حامی نصر بن سیار کے مقابلے پر مامور کیا جس نے شام میں بغاوت کی۔ حسن بغداد میں داخل ہوا اور شہر اور صوبوں پر اپنی طرف سے عمال اور نائب مقرر کیے چنانچہ ملک میں وہی رنگ نظر آنے لگا جو برامکہ کے عہد میں تھا۔ وہ بھی مجوسی النسل تھے اور فضل اور حسن بھی مجوسی زادے تھے۔

استیصال برامکہ کے بعد عرب برسر اقتدار آئے تھے مگر عجمیوں کے دوبارہ برسر اقتدار ہونے پر ان میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔ بنو ہاشم اور افسران فوج' عباسی حکومت سے بددل ہونے لگے۔ مامون

کو فضل نے پردے میں بٹھا دیا حتیٰ کہ خاندان شاہی کے لوگ بھی باریاب نہ ہونے پاتے تھے۔ ملکی انتظام پر فضل قابض تھا اور تمام عہدوں پر عجمی ممتاز کئے جا رہے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کے اطراف و جوانب میں بغاوتوں نے سر نکالنا شروع کر دیا۔

فضل کی ہوشیاری اور اس کے ملکی سطح پر اثرات:

چونکہ مامون کی خلافت کا قیام بہت حد تک فضل بن سہل کی مساعی کا مرہون منت تھا اس لئے مامون نے اسے ذوالریاستین کا خطاب دے کر اپنا وزیراعظم اور مدار المہام بنا دیا اور تمام امور سلطنت اس کے ہاتھوں میں دے دیئے۔ فضل چاہتا تھا کہ مامون مرو ہی کو دارالخلافہ قرار دے تاکہ اس کا اقتدار بدستور قائم رہے اور کوئی دوسرا کاروبار حکومت میں اس کا شریک نہ ہو سکے جبکہ بغداد میں طاہر اور ہرثمہ جیسے نامور جرنیل موجود تھے اس بناء پر اگر بغداد کو پایہ تخت بنایا جاتا تو یہ لوگ فضل کو من مانی کارروائیاں نہ کرنے دیتے چنانچہ اس نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ وہ بغداد کو پایہ تخت بنانے کی بجائے مرو میں ہی قیام کرے۔ مامون اس کے ہاتھوں میں کچھ اس طرح سے کٹھ پتلی بنا ہوا تھا کہ اس نے اس رائے کو منظور کر لیا۔ یہ درحقیقت فضل بن سہل کی چالاکی اور ہوشیاری تھی جس میں وہ کامیاب رہا۔

لیکن سیاسی لحاظ سے یہ فیصلہ سراسر خلاف مصلحت تھا۔ بغداد کو گو عالم اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی مگر خلیفہ اس سے دور مرو میں قیام پذیر تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جگہ جگہ شورشیں برپا ہو گئیں۔ اہل بیت کے حامیوں نے ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ بنوامیہ کے ہوا خواہوں نے بھی اکثر مقامات پر سر اٹھایا یہاں تک کہ خود بنوعباس بھی مامون کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

طاہر کے خلاف فوج کی بغاوت:

فتح بغداد کے بعد مامونی افواج نے طاہر سے تنخواہ کا مطالبہ کیا مگر اس کے پاس کوئی دولت یا خزانہ نہیں تھا اس لئے انہیں وعدے وعید کر کے ٹالتا رہا لیکن کب تک؟ آخر فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور چند سرداروں کے سوا اس کے ساتھ کوئی نہ رہا۔ طاہر بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا مگر چند روز بعد باغیوں کو خود ہی ہوش آ گیا اور ان کے سرداروں نے طاہر کے پاس حاضر ہو کر معافی مانگ لی۔

نصر بن شبث عقیلی کی بغاوت:

مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا اس لئے اسے تخت دلانے کے لئے عجمی لوگوں نے بہت امداد کی تھی جبکہ اس کے مقابلے میں امین نجیب الطرفین ہاشمی تھا لہٰذا اس کے قتل پر عجمی اور عربی کا سوال پیدا ہو گیا اور جب حلب کے ایک سردار نصر بن شبث نے عربوں کو ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کر دیا اور آس پاس کے بہت سے علاقے پر قابض ہو گیا' فضل بن سہل پہلے ہی اس تاک میں تھا کہ کوئی موقع ملے تو طاہر اور ہرثمہ کو بغداد سے دور بھیج دے لہٰذا فوراً مامون سے طاہر کے نام فرمان بھجوا دیا کہ تمہیں شام موصل اور جزیرہ کا والی مقرر کیا جاتا ہے اس لئے بغداد چھوڑ کر فوراً اس طرف روانہ ہو جاؤ اور نصر کا

استیصال کرو۔ اب بغداد کی امارت فضل کے بھائی حسن بن سہل کے سپرد ہوئی۔

طاہر اس ناروا سلوک سے بڑا شکستہ خاطر ہوا بادل نخواستہ نصر کے مقابلہ پر آیا مگر شکست کھائی اور پھر اس کے منہ آنے کی جرأت نہ کی۔

طاہر جیسے جلیل القدر سپہ سالار کو شکست دینے کے بعد نصر کی قوت و ہمت کئی گنا بڑھ گئی اور اس نے یورش کر کے جزیرہ کے بیشتر مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثناء میں حامیان اہل بیت کی ایک جماعت بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی اور اس امر پر زور دیا کہ اگر ہم کسی کو باقاعدہ خلیفہ بنا لیں تو ہماری طاقت زیادہ منظم اور مستحکم ہو جائے گی۔ نصر کسی علوی کی بیعت پر رضامند نہ تھا اس لئے جواب دیا کہ میں بنوعباس کی خلافت کا دشمن نہیں ہوں' ان کا اور میرا اختلاف صرف اتنا ہے کہ انہوں نے عجم کو عرب پر ترجیح دے رکھی ہے جو مجھے کسی صورت گوارا نہیں ہے۔ اگر وہ آج بھی اس سے باز آ جائیں تو میں اطاعت کرنے کو تیار ہوں۔

نصر پورے گیارہ سال باغی رہا بالآخر طاہر کا بیٹا عبداللہ اس کی سرکوبی پر مامور ہوا جس نے پانچ سال کی متواتر لڑائیوں کے بعد اسے صلح پر مجبور کیا۔ پہلے تو وہ دربار خلافت میں حاضر ہونے کی شرط تسلیم نہیں کرتا تھا مگر بعد میں مان گیا اور 210ھ میں مامون کے سامنے پیش ہو گیا جس نے اسے نظر بند کر دیا اور کیسوم کا قلعہ مسمار کرا دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 100)

محمد بن ابراہیم علوی کی بغاوت اور خروج:

199ھ میں خاندان اہل بیت کے ایک بزرگ محمد بن ابراہیم المعروف ابن طباطبا علوی نے ملک کی موجودہ برہمی کی صورت سے فائدہ اُٹھا کر خلافت کے حصول کے لئے ''لوائے آل محمد'' بلند کیا۔ ان کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لئے کافی تھا۔ ملکی نظم و نسق کے لئے ابن طباطبا جیسے مدبر کی ضرورت تھی۔ ایک شخص سری بن منصور شیبانی المعروف ابوالسرایا جو پہلے گدھے چراتا اور ان پر مال لاد کر مزدوری کیا کرتا تھا مگر بہت بہادر تھا' بہت جلد اس نے اپنی حالت سنبھالی اور ہرثمہ کی فوج کا ایک رکن بن گیا یہاں سے نکالا گیا تو ''عین التمر'' دقوقا میں جا کر غارت گری کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ابن طباطبا زرقہ میں تشریف لے گئے تو ابوالسرایا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور معاون بن گیا۔ ابوالسرایا کی شرکت سے ابن طباطبا کی سیاسی طاقت بڑھ گئی جتنے ڈاکو اور جرائم پیشہ ابوالسرایا کے ہمراہ تھے وہ لوائے آل محمد کے زیر سایہ آ گئے۔

ابوالسرایا نے ابن طباطبا سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ چلئے اور میں خشکی کے راستے پہنچتا ہوں۔ کوفہ پہنچ کر اس نے قصر لوٹا۔ یہ شاہی محل اور گورزان کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال و خزانہ اس کے ہاتھ آ گیا اس کے بعد اس نے شہر پر قبضہ کیا اور ابن طباطبا کی امامت کا اعلان عام کیا اور عامل کوفہ سلیمان بن ابی جعفر کو نکال باہر کیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 103 - یعقوبی' ج 2' ص 540)

محمد بن ابراہیم کی موت اور محمد بن محمد کی بیعت:

کوفہ ہمیشہ سے شیعان علی کا مرکز تھا اس لئے ابن طباطبا کی دعوت بہت جلد مقبول ہوگئی۔ کوفہ اور اس کے اطراف و جوانب کے ہزاروں لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی مدد سے ہی ابوالسرایا نے کوفہ پر قبضہ کیا۔ کوفہ کے عامل سلیمان بن منصور نے زہیر بن مصیب ضبی کو دس ہزار فوج کے ساتھ ابن طباطبا کے مقابلہ کے لئے بھیجا لیکن زہیر کو شکست فاش ہوئی اور ابوالسرایا نے مخالف فوج کا سازوسامان بطور مال غنیمت اپنے قبضہ میں کرنا چاہا مگر ابن طباطبا نے اسے روک دیا۔

عوام کی عقیدت چونکہ ابن طباطبا کے ساتھ تھی' ان کے مقابلہ میں ابوالسرایا کی حیثیت محض ایک خادم کی سی تھی۔ ابوالسرایا نے جب دیکھا کہ ان کی موجودگی میں میرا ذاتی اثر و رسوخ قائم نہیں ہو سکتا تو اس نے ابن طباطبا کو زہر دے کر ہلاک کر دیا لیکن کسی سہارے کے بغیر وہ کچھ نہیں تھا اس لئے نام کے لئے اس نے اس خاندان کے نوعمر لڑکے محمد بن محمد زید بن علی بن حسین کو محمد بن ابراہیم ابن طباطبا کا جانشین بنایا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 103)

ابوالسرایا کا قبضہ اور عباسی عمال کا اخراج:

زہیر کی ناکامی کے بعد حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد کو ابوالسرایا کے مقابلہ پر مامور کیا۔ ابوالسرایا نے شکست فاش دی۔ عبدوس کی چار ہزار فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ علوی جابجا پھیل گئے۔ بصرہ پر زید بن موسیٰ کاظم عامل مقرر کیے گئے۔ حسین بن الحسین مکہ معظمہ کے حاکم بنائے گئے اور ابراہیم بن موسیٰ کو یمن کا عامل مقرر کیا گیا۔ اب ابوالسرایا کا اقتدار کوفہ سے باہر دور دور تک قائم ہو گیا اور اس نے اپنا سکہ رائج کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 103)

یعقوبی کا بیان ہے کہ اس نے علاقہ جبل' کیسوم' دیار مضر' قنسرین' حلب' حماۃ' بصرہ' واسط' یمن حجاز' نصیبین' موصل' آرمینیہ اور آذربائیجان وغیرہ تمام مقامات پر اپنے عمال مقرر کرکے بھیجے جنہوں نے چند دنوں میں اکثر مقامات سے عباسی عمال کو نکال کر ان پر قبضہ کر لیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 540-541)

عمال ابوالسرایا نے بصرہ میں عباسیوں کے مکان جلا دیئے' مکہ میں قیامت برپا کر دی' حسین بن حسن نے مکہ معظمہ کا خزانہ لوٹ لیا' یمن میں سفاکانہ قتل عام ہوا۔ علامہ شبلی کے بقول علویوں اور آل فاطمہ کے چند روزہ دور میں لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا اور ابراہیم قصاب کہلائے گئے۔ (ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 94-99 ملخصاً)

ان واقعات کی وجہ سے حسن بن سہل نے بدرجہ مجبوری ہرثمہ کو مطلع کیا۔ وہ خراسان جاتے ہوئے رکا اور فوج لے کر مدائن آیا۔ وہاں سے ابوالسرایا کے عامل نکال باہر کیے۔ پھر ہرثمہ کوفہ کی جانب بڑھا۔ قصر ابن ہبیرہ کے متصل ابوالسرایا سے دو دو ہاتھ کیے' وہ شکست کھا کر علویوں کو لے کر قادسیہ چلا گیا۔ ابوالسرایا کو حسن بن موہانی نے گھیر لیا۔ وہ حسن کے مقابلہ میں زخمی ہوا۔ جلولا کے مقام پر گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ (المامون' ص 46)

ابوالسرایا کے بعد تمام بنی فاطمہ کے تمام عمال پکڑے گئے اور مامون الرشید کے سامنے لائے مگر اس نے ان حضرات کی عظمت نسب کا پاس کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 104)

مکہ پر حسین الافطس کا قبضہ:

ابوالسرایا کے قتل سے قبل ابوالسرایا اور ہرثمہ کی دوڑائی کے ایام میں حج کا موسم آ گیا۔ ابوالسرایا نے اپنی جانب سے حسین الافطس کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ عباسی حکومت کی جانب سے داؤد بن عیسیٰ امیر الحج تھا امیر مسرور نے اس سے کہا کہ تم تیار ہو جاؤ میں حسین الافطس کو یہاں سے نکال دوں گا لیکن انہوں نے حرم میں کشت و خون کو پسند نہ کیا اور مکہ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے ہٹنے کے بعد حسین الافطس مکہ میں داخل ہو گیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 105)

ابوالسرایا کے قتل کے بعد اس کی جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔

بصرہ پر زید النار کا قبضہ:

ابوالسرایا نے اپنے زمانہ اقتدار میں زید بن موسیٰ کاظم کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔ اس نے اہل بصرہ پر بے انتہا مظالم توڑے ہزار ہا بے گناہوں کو نذر آتش کر دیا جس کے باعث اس کا لقب "زید النار" مشہور ہو گیا۔ کوفہ کی فتح کے بعد حسن بن سہل نے ایک فوجی سردار کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا جس نے اسے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا حسن نے اس کی خطائیں معاف کر کے امان دے دی۔

محمد بن جعفر صادق کی بیعت:

مکہ پر حسین الافطس کے قبضہ کے بعد حسین اور اس کے ساتھیوں نے حرم کی بڑی توہین کی۔ مکہ کے تمام عباسیوں کا مال و متاع لوٹ لیا اس سلسلہ میں اور بہت سے بے گناہوں کا مال بھی ضبط ہوا۔ حرم کے ستونوں سے سونے کے پترے اکھاڑ لئے۔ خانہ کعبہ کا کل قیمتی سامان آپس میں بانٹ لیا یہاں تک کہ چاہ زمزم کے اردگرد لوہے کے جنگلے بھی اکھڑوا کر فروخت کر ڈالے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے مکہ معظمہ کے مقدس شہر میں ہر طرح کی مذموم حرکتیں کرنی شروع کر دیں اور جان و مال کے علاوہ لوگوں کی عزت و آبرو پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے۔ حرم کی اس توہین پر لوگوں میں بڑی برہمی پھیل گئی لیکن وہ ابوالسرایا کی موجودگی میں بے بسی کی وجہ سے خاموش تھے۔

ابوالسرایا کے قتل کے بعد حسین کو انتقام کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے اہل بیت کے ایک مقدس بزرگ حضرت محمد بن جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس وقت آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا اہل نہیں ہے اس لئے آپ اس منصب کو قبول فرمائیے' کسی کو آپ سے اختلاف نہیں ہو گا۔ ان کے انکار کے باوجود کسی نہ کسی طرح انہیں راضی کر کے ان کی بیعت لے کر انہیں امیر المومنین کا لقب دیا اور ان کے نام کو آڑ بنا کر ان کے لڑکے علی اور حسین الافطس نے اس تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا لہذا ان کی خلافت محض برائے نام تھی۔

اہل مکہ کی برہمی اور حسین الافطس کی شکست:

حرم کی اس بے حرمتی پر اہل مکہ بہت برہم ہوئے اور حاکم یمن اسحاق بن موسیٰ سے درخواست کی' وہ انہیں اس مصیبت سے نجات دلائے۔ اسحاق فوجیں لے کر مکہ پر چڑھ آیا اور علویوں نے اس کا زبردست مقابلہ کیا' قریب تھا کہ اسحاق کو شکست ہو جاتی مگر عین اس وقت ہرثمہ کا بھیجا ہوا ایک فوجی سردار امداد کو آن پہنچا۔

اب دونوں سردار مل کر علویوں پر حملہ آور ہوئے اور حسین الافطس کو شکست فاش دی اور مکہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا چنانچہ 200ھ میں محمد بن جعفر نے اپنی خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر کے جان کی امان طلب کی جو منظور ہوئی اور حکم دیا گیا کہ تین دن کے اندر اندر حجاز سے نکل جائیں چنانچہ ان کے جانے سے حجاز میں امن قائم ہو گیا۔ (طبری' ج 11' ص 988 تا 994)

یمن کی علوی بغاوت:

اہل حرم کو علوی مظالم سے نجات دلانے کے لئے یمن کا عباسی عامل اسحاق بن موسیٰ مکہ روانہ ہوا تو امام موسیٰ کاظم کے بیٹے ابراہیم نے وہاں یمن میں اپنا تسلط جما لیا اور اس قدر لوگوں کو تہ تیغ کیا کہ اس کا لقب قصاب پڑ گیا۔ اس نے 200ھ میں اپنے ایک سردار عقیلی نامی کو امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا جبکہ دارالخلافہ کی طرف سے اس سال معتصم امیر الحج مقرر ہوا تھا اس کو وہاں موجود پا کر عقیلی کو مکہ کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی مگر انہوں نے حاجیوں اور تاجروں کے ایک قافلے پر حملہ کر کے ان کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا۔

معتصم نے ان کے مقابلہ پر ایک فوجی امیر کو تعینات کیا جو عقیلی اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے مکہ لے آیا۔ معتصم نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا لہٰذا یہ فتنہ ختم ہو گیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 107)

ہرثمہ بن اعین کا قتل:

اسی 200ھ میں ہرثمہ بن اعین جس کے کارنامے اوپر گزر چکے ہیں' عربی اور عجمی رقابت کا شکار ہوا۔ فضل بن سہل بھی برامکہ کی طرح ملک کے کل سیاہ و سفید کا مالک بن گیا تھا۔ حیرت اس بات کی ہے کہ فضل نے ملک میں ہر طرف پھیلی ہوئی شورشوں اور بغاوتوں کی مامون کے کان میں بھنک تک نہ پڑنے دی۔ وہ مرو میں بیٹھا ہوا اس بناء پر ادبی بحثوں میں مشغول تھا کہ ملک میں ہر طرف امن و امان ہے۔

ہرثمہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مامون کو جان بوجھ کر ملکی حالات کی ابتری سے بے خبر رکھا جا رہا ہے تو اس نے دل میں ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ خلیفہ کو ملکی حالات سے ضرور با خبر کرے گا کیونکہ ہرثمہ عرب تھا' وہ کسی صورت مجوسی النسل فضل کا اقتدار پسند نہ کرتا تھا چنانچہ یمن اور حجاز کے علوی فتنوں کو دبا چکنے کے بعد اس نے دربار خلافت میں حاضری کا پروگرام بنایا۔ راستہ میں اسے مامون کا یہ حکم ملا کہ "اس کی خدمت کے صلہ میں حجاز و شام میں سے جس کو وہ پسند کرے اسے وہاں کا حاکم بنا دیا جائے

اور وہ حکم ملتے ہی فوراً روانہ ہو جائے۔"

لیکن ہرثمہ مامون کو فضل کے استبداد کی جانب متوجہ کرنا ضروری سمجھتا تھا اس لئے اس نے اس حکم کی فوری تعمیل نہ کی۔ فضل بن سہل کو ہرثمہ کے خیالات اور اس کے اندرونی ارادے کا پورا اندازہ تھا اس لئے اس نے مامون کو بھڑکا دیا کہ ہرثمہ ابوالسرایا کا خاص آدمی ہے اور اس کی بغاوت میں اس کا بھی ہاتھ شامل تھا اس کی سرکشی کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ وہ امیر المومنین کے حکم کے باوجود واپس نہیں گیا۔ اگر اس وقت درگزر سے کام لیا گیا تو دوسروں پر اس کا برا اثر پڑے گا۔

مامون پر فضل کا بڑا اثر تھا اس لئے بھڑکانے میں آ گیا اور ہرثمہ جب مرو شہر کے قریب پہنچا تو اس خیال سے کہ ذوالریاستین فضل اس کی آمد کو مامون سے چھپا نہ سکے طبل اور نقارے بجوانے شروع کر دیئے۔ مامون نے آواز سنی تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فضل کے آدمیوں نے کہا کہ ہرثمہ کڑکتا اور چمکتا ہوا آ رہا ہے۔ مامون پہلے ہی اس سے برگشتہ ہو چکا تھا اس واقعہ نے اس کو اور برہم کر دیا چنانچہ جب ہرثمہ مامون کے پاس حاضر ہوا اور فضل کی کارروائیوں کے متعلق گفتگو شروع کی تو مامون نے اس کی عرضداشت پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ الٹا اس پر برس پڑا اور دربار سے نکلوا دیا اور قید کرنے کا حکم دے دیا اور فضل نے قیدخانہ کے ملازموں کے ذریعے اسے قتل کرا دیا اور مشہور یہ کیا کہ وہ مر گیا ہے۔ چنانچہ مامون ایک بڑے اور خیر خواہ عرب سے محروم ہو گیا۔

(ابن اثیر ج 6 ص 107 - ابن خلدون کتاب ثانی ج 7 ص 94 تا 99 ملخص)

اہل بغداد کی بغاوت:

دولت عباسیہ کے اس مخلص کارکن اور جلیل القدر جرنیل کے حسرتناک انجام کی خبر جب پورے ملک میں پہنچی تو تمام ممالک میں ایک تلاطم مچ گیا۔ اہل بغداد نے مامون کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ مامون کے عمال اور حکام برطرف کر دیئے گئے۔ محمد بن ابوخالد کو ہرثمہ کا جانشین بنایا گیا' تمام اہل بغداد نے اس کی اطاعت قبول کی۔ حسن بن سہل مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا' ان دنوں وہ واسط میں مقیم تھا محمد بن ابوخالد اس کے مقابلہ کے لئے 201ھ میں گیا اور حسن کی افواج کو بری طرح شکست دی اور آگے بڑھ کر "دیرالعاقول" میں حسن کے عامل زبیر بن المسیب کو جا لیا اور گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا۔ اس کے بھتیجے ہارون نے نیل کے مضافات پر فتح پائی' حسن عظیم الشان فوجیں جمع کر کے باپ بیٹے کے مقابلے پر آیا' فتح یاب ہوا۔ محمد اب زخمی ہو چکا تھا' تازہ دم فوجوں کا مقابلہ دشوار تھا اس لئے بغداد لوٹ گیا یہاں پہنچ کر زخموں کی وجہ سے مر گیا۔

محمد بن ابوخالد کے لڑکے عیسیٰ نے باپ کی فوج کی کمان سنبھالی۔ تمام اہل بغداد نے اس کی سرداری کو قبول کر لیا حسن کی فوج سے عیسیٰ اور اس کے بھائی زنبیل کا مقابلہ ہوا مگر عیسیٰ ناکام ہوا' ہارون شکست کھا کر مدائن چلا گیا۔ (ابن اثیر ج 6 ص 106)

اس بغاوت میں وہ تمام بنوہاشم اور عرب افسران فوج جو حسن بن سہل کے خلاف تھے' محمد بن ابوخالد کے ساتھ تھے اس کی موت کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم مجوسی بن مجوسی حسن بن سہل کی حکومت

برداشت نہیں کریں گے اور سب نے جمع ہو کر مامون کی بیعت فسخ کر کے منصور بن مہدی کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کیا تو اس پر انہوں نے کہا کہ ہم مجوسی حسن بن سہل سے ہر حالت میں نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر خلافت نہیں تو آپ کم از کم امارت تو ضرور قبول کر لیں۔ منصور نے اس شرط پر امارت قبول کر لی کہ اگر مامون خود آ جائے یا کسی کو اپنی طرف سے امیر بنا کر بھیج دے تو وہ دستبردار ہو جائے گا۔

بغداد میں افراتفری اور اس کا تدارک:

اس بغاوت کی وجہ سے بغداد میں سخت بدامنی پھیل گئی' یہاں تک کہ اوباشوں اور لٹیروں نے دن دیہاڑے ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ رہ گئی' اوباش لوگ عورتوں کو اعلانیہ چھین لے جاتے تھے اور دیہاتوں کو لوٹتے پھرتے تھے اور کوئی روکنے والا نہ تھا۔ لوٹا ہوا مال اعلانیہ بازاروں میں بیچتے تھے اور کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بالآخر خالد بن درویش نے اہل بغداد کو ساتھ لے کر لٹیروں کا مقابلہ کیا اور ایک خراسانی مبلغ سہل بن سلامہ انصاری نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ کے ذریعے اس بدامنی کو روکنے کی کوشش کی اور بڑی مشکلوں سے یہ شورش رفع ہوئی۔ (ابوالفداء' ج 2' ص 22)

ادھر عیسیٰ بن محمد نے حسن بن سہل سے چند شرائط کے تحت صلح کر لی اور حسن نے عفو عام کا اعلان کر دیا اور شوال 201ھ میں باغی فوجیں منتشر ہو گئیں اور اہل بغداد کو سکون نصیب ہوا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 110)

علی بن موسیٰ رضا المعروف امام علی رضا کی ولی عہدی:

ابھی یہ شورش جاری تھی کہ مامون سے ایک ایسا فعل سرزد ہو گیا جس کے باعث اہل بغداد اور بھی بھڑک اٹھے۔ اس نے شیعوں کے آٹھویں امام علی رضا کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے انہیں اپنا ولی عہد نامزد کر دیا اور تمام مملکت میں احکام بھیج دیئے کہ فوج سے امام علی رضا کی بیعت لی جائے اور آئندہ سیاہ عباسی رنگ کی بجائے سبز فاطمی شعار اختیار کیا جائے۔

اس اعلان پر خاندان عباسیہ کے لوگ بڑے سیخ پا ہوئے اور کہا کہ یہ سب فضل بن سہل مجوسی کی شرارت ہے جو اس طریقے سے خلافت کو بنو عباس سے آل علی میں منتقل کرنا چاہتا ہے چنانچہ انہوں نے محرم 202ھ میں مامون کی بیعت فسخ کر کے مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کو المبارک کا لقب دے کر اپنا خلیفہ بنا لیا۔ تمام اہل بغداد اور فوج نے بھی اس کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ حسن بن سہل حاکم بغداد مدائن کی طرف بھاگ گیا۔ ابراہیم نے کوفہ اور سواد پر قابض ہونے کے بعد اپنی افواج کو مدائن کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ (طبری' ج 11' ص 1012 تا 1016 ملخصاً)

مامون کی بے خبری اور انکشاف حقیقت:

بغداد میں اتنا عظیم الشان انقلاب برپا ہو گیا لیکن فضل ذوالریاستین نے اپنی مصلحتوں کی بناء پر

مامون کو اس کی خبر تک نہ ہونے دی۔ امام علی رضا کو اس کی اطلاع مل چکی تھی چنانچہ انہوں نے صحیح واقعات اس کے گوش گزار کیے اور اسے بتایا کہ اہل بغداد نے آپ کی بیعت کو توڑ کر ابراہیم کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے۔ مامون نے کہا کہ فضل کی اطلاع تو یہ ہے کہ خلیفہ نہیں بلکہ امیر بنایا ہے۔ امام موصوف نے اس کی تردید کی اور متعدد فوجی افسروں نے شہادت دی کہ فضل آپ سے اصل واقعات چھپاتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ اہل بغداد نے آپ کے عمال کو نکال دیا ہے اور ابراہیم کی بیعت کر لی ہے اور اسے "سنی" خلیفہ کا لقب دیا ہے اور آپ پر رفض کا الزام لگاتے ہیں نیز اس راز کا انکشاف بھی کیا کہ گزشتہ انقلاب میں صرف ہرثمہ نے آپ کی خلافت بچائی تھی' وہ آپ کے پاس خیر خواہانہ مشورہ دینے کے لئے آیا تھا اور آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتا تھا لیکن فضل نے جھوٹے الزامات تراش کر آپ کو اس سے برگشتہ خاطر کر دیا اور قید کروا کے اس کو مروا ڈالا اور طاہر جس کے دست و بازو نے آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا اس کو فضل نے بغداد سے نکال کر رقہ کے دور دراز مقام میں بھیج دیا ہے اور اس کی بے مثال شجاعت سے حکومت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ اگر یہ دونوں جرنیل اس وقت عراق میں موجود ہوتے تو کسی قسم کی شورش کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مامون نے چند فوجی افسروں کو بلا کر ان واقعات کی صحت کے بارے میں سوال کیا' سب نے حرف بحرف تائید کی اور اصرار کیا کہ آپ فوراً بغداد روانہ ہو جائیں' بغدادی آپ کو دیکھ کر اب بھی سر تسلیم خم کر دیں گے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 108)

مامون کی بغداد روانگی اور فضل بن سہل کا قتل:

اب مامون کی آنکھیں کھلیں اور اس نے فی الفور بغداد کی راہ لی۔ فضل بن سہل کا اثر و رسوخ اتنا ہمہ گیر تھا کہ اس کی سازشیں بے نقاب ہونے کے باوجود بھی خلیفہ نے اسے منصب وزارت سے علیحدہ کرنے کی جرأت نہ کی مگر مرو سے چند میل کے فاصلے پر مقام سرخس میں شعبان 202ھ میں جبکہ فضل بن سہل حمام میں نہا رہا تھا' خلیفہ کے چند غلاموں نے اسے ٹھکانے لگا دیا اور قاتل روپوش ہو گئے۔ اگرچہ یہ قتل بظاہر مامون کے ایماء سے ہی ہوا تھا مگر اس نے اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے قاتلوں کا پتہ چلانے والے کے لئے بیس ہزار انعام مقرر کیا۔ عباس بن جشم دینوری نے انہیں گرفتار کر لیا۔ مامون نے انہیں سولی پر لٹکا دیا اور مجمیوں کی دلجوئی کے لئے قاتلوں کے سر کاٹ کر فضل کے بھائی حسن کے پاس بھجوا دیئے اور تعزیت میں لکھا کہ فضل کے قتل سے تم لوگوں پر جو مصیبت پڑی ہے مجھے اس کا اندازہ ہے اور اس کی تلافی کے لئے فضل کی جگہ اس کے بھائی حسن کو وزارت عظمٰی کے منصب پر فائز کر دیا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کی۔ اس تلافی سے حسن کی تسلی ہو گئی۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 144- تاریخ ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 107)

اگرچہ مامون نے بظاہر فضل کے قتل کی تلافی کی کوشش کی مگر حسن کو بھائی کے قتل کا ایسا صدمہ پہنچا کہ پاگل ہو گیا اس لئے اس کے بجائے محمد بن ابو خالد کے بھائی احمد کو وزیر اعظم نامزد کیا۔

جب مامون کی مرو سے روانگی اور پھر فضل بن سہل کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو بغداد کے امراء

اور فوجی سرداروں نے ابراہیم کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ طوس پہنچ کر مامون نے اپنے باپ ہارون رشید کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور چند دن تک وہاں توقف کیا اسی مقام پر یکایک صفر کے اواخر 203ھ کو امام علی رضا کا انتقال ہو گیا۔ مامون کو ان کی وفات کا بہت زیادہ دکھ ہوا۔ تین دن ان کی قبر پر مجاور بنا رہا۔

امام موصوف کی وفات کی خبر سن کر رہے سہے لوگوں نے بھی ابراہیم کا ساتھ چھوڑ دیا کیونکہ جن اعتراضات کی بناء پر انہوں نے مامون کی بیعت کو فسخ کر کے اسے خلیفہ بنایا تھا' وہ سب رفع ہو چکے تھے۔ میدان صاف پا کر حسن بن سہل بغداد کی طرف بڑھا اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر شہر پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ ابراہیم نے اپنے آپ کو تنہا پایا تو کہیں روپوش ہو گیا۔ ذوالحج 203ھ میں اہل بغداد نے دوبارہ مامون کی بیعت کی۔

مامون کا بغداد میں داخلہ:

مامون ''طوس'' سے روانہ ہو کر جرجان پہنچا' وہاں ایک ماہ مقیم رہا۔ اس دوران رجاء بن ابوالضحاک کو جرجان اور ماوراء النہر کی سپہ سالاری عطا کی۔ پھر جرجان سے نہروان وارد ہوا۔ یہاں مامون کے اعزہ و اقارب اور دولت عباسیہ کے ہم نواؤں' سپہ سالاران لشکر اور رؤساء سلطنت استقبال کو آئے۔ ''طاہر'' بھی رقہ سے آیا' مامون نے آٹھ روز قیام کرنے کے بعد بغداد کی طرف کوچ کیا اور 15 صفر 204ھ میں بغداد پہنچا۔ ''رصافہ'' میں قیام پذیر ہوا۔ تمام شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رصافہ سے نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے شاہی محل میں اقامت پذیر ہوا۔ فتنہ و فساد کی آگ فرو ہو چکی تھی۔ ایک روز طاہر مامون کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مامون نے کہا طاہر جو تمنا ہو ظاہر کرو' میں اسے پورا کروں گا۔ طاہر نے عرض کیا:

''امیر المومنین مجھے دربار میں سیاہ لباس پہن کر آنے کا حکم دیجئے۔''

جب مامون فاتحانہ انداز میں بغداد میں داخل ہوا لوگوں نے اس کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ زرق برق کپڑے پہنے اور جن سڑکوں اور گلیوں سے خلیفہ کی سواری گزرنی تھی' انہیں خوب سجایا گیا۔ مامون اہل شہر کے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور انہیں مال و دولت سے نہال کر دیا اور گزشتہ شورشوں میں لوگوں کا جس قدر نقصان ہوا تھا اس کی تلافی کر دی۔ جب سے اس نے امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور اپنا آبائی سیاہ رنگ ترک کر کے سبز علوی رنگ اختیار کیا تھا' اہل بغداد اس تبدیلی پر خوش نہیں تھے اس لئے ان کی تالیف قلبی کے لئے دوبارہ عباسی شعار اختیار کر لیا۔

خراسان کی ولایت پر طاہر کا تقرر اور دولت طاہریہ کا قیام:

مامون کا ممتاز ترین جرنیل طاہر بن حسین ایک غلام زادہ تھا مگر خداداد ذہانت اور بے مثال شجاعت کے باعث ترقی کرتے کرتے سپہ سالاری کے عہدے پر پہنچ گیا۔ مامون نے اسے امین کے مقابلہ پر تعینات کیا۔ طاہر نے امین کے جرنیلوں کو متعدد مقامات پر شکستیں دیں اور بالآخر امین کو قتل کر کے اہل بغداد سے مامون کی بیعت لی۔

مامون طاہر کی بے بہا خدمات اور خیر خواہیوں کا بڑا مداح تھا اور ممکن تھا کہ وزارت عظمٰی بھی اس کو دے دیتا مگر اپنے بھائی امین کا قتل اس کے دل میں ہمیشہ کھٹکتا رہتا اور جب بھی طاہر اس کے سامنے جاتا اسے اپنا مقتول بھائی امین یاد آ جاتا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔

طاہر نے مامون کے ندیم خاص حسین کے ذریعے اس راز کا پتہ چلا لیا کہ مامون جب طاہر کو دیکھتا ہے تو بھائی کے قتل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور ممکن ہے کسی دن طاہر کو مامون کے ہاتھوں نقصان پہنچ جائے اس لئے طاہر نے مناسب سمجھا کہ دارالخلافہ سے کہیں دور چلا جائے چنانچہ وزیراعظم احمد بن ابوخالد سے درخواست کی کہ اسے بغداد سے باہر کسی صوبہ کی امارت پر بھیج دیا جائے۔

حسن اتفاق سے انہی دنوں خراسان سے خبر آئی کہ عبدالرحمٰن نامی ایک سردار خارجیوں سے لڑنے کے لئے فوج جمع کر رہا ہے۔ مامون کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ اجتماع کوئی فتنہ نہ برپا کر دے اس لئے چاہا کہ کسی طاقتور آدمی کو وہاں بھیجا جائے۔ مامون نے احمد سے مشورہ کیا تو انہوں نے طاہر کا نام لیا۔ مامون نے کہا مجھے اس کی طرف سے بغاوت کا خطرہ ہے۔ احمد نے طاہر کی ذمہ داری لی۔ احمد کی سفارش پر ذیقعد 206ھ میں مامون نے طاہر کو تمام مشرقی ممالک یعنی خراسان سے لے کر سندھ تک کا گورنر جنرل مقرر کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 122-123)

محمد ابراہیم زیادی کی طرح طاہر بھی خراسان کا مستقل حکمران ہو گیا اور صرف سالانہ خراج دارالخلافہ بھیجتا اور خطبے میں خلیفہ کا نام لیتا تھا' باقی تمام امور میں خودمختار تھا تو اس طرح خراسان میں "دولت طاہریہ" کا قیام عمل میں آیا۔

طاہر کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن طاہر گورنر مقرر ہوا چنانچہ یہ نیم خودمختار حکومت 205ھ سے 259ھ تک قائم رہی تا آنکہ یعقوب بن لیث صفار نے ان کا خاتمہ کر کے صفاریہ خاندان کی بنیاد ڈالی۔

مامون کا خطرہ بالکل درست نکلا' طاہر تقرر کے دو سال بعد ہی باغی ہو گیا اور اس نے خطبہ میں خلیفہ کا نام حذف کر دیا۔ مامون کو خبر ہوئی تو اس نے احمد بن ابوخالد کو بلا کر کہا کہ تمہاری ذمہ داری پر اس کا تقرر ہوا تھا اس لئے اس کو فوراً حاضر کرو لیکن بغاوت کی خبر کے بعد اس کی موت کی خبر آ گئی لہٰذا احمد مؤاخذہ سے بچ گیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 123)

دولت زیادیہ کا قیام:

یمن میں شیعی بغاوتوں کا ہر وقت خطرہ موجود رہتا تھا' مامون چاہتا تھا کہ وہاں کی امارت کسی ایسے مدبر اور سخت گیر حاکم کے حوالے کرے جو ان لوگوں کو دبائے رکھے چنانچہ اپنے وزیر حسن بن سہل کے مشورے سے زیاد بن ابوسفیان کے پڑپوتے محمد بن ابراہیم زیادی کو یمن کا والی مقرر کیا۔ اس نے اپنی قابلیت اور شجاعت کی بدولت چند ہی دنوں میں مخالف عناصر کا قلع قمع کر دیا اور سارے صوبے کا مستقل حاکم بن بیٹھا۔ محمد بن ابراہیم تمام امور مملکت میں خودمختار تھا اور خلیفہ کا وہاں اقتدار برائے نام تھا تو اس طرح یمن میں زیادیہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی اور وہ پشت ہا پشت تک وہاں حکومت کرتے رہے۔

علویوں کی مزید بغاوتیں:

مامون نے چونکہ شیعہ عقائد کے حامل جعفر برمکی کے زیر تربیت پرورش پائی تھی اس بناء پر مامون کا طبعی رجحان شیعیت کی طرف زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف کے مقابلہ میں اس نے علویوں کے ساتھ اپنا طرز عمل بدل دیا اور حسن سلوک سے پیش آنے لگا۔ یہاں تک شیعی امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بھی مقرر کر دیا۔ اس کے باوجود علوی آپ سے خوش نہ ہوئے اور جب بھی موقع ملا' شورش بپا کر دی۔

207ھ میں عبدالرحمٰن بن احمد علوی نے یمن میں علم بغاوت بلند کیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ دینار نے انہیں امان دے کر اطاعت پر راضی کر لیا اور اپنے ساتھ دربار خلافت لے آیا۔

اس بغاوت کے بعد مامون علویوں سے بہت متنفر ہو گیا اور حکم دیا کہ آئندہ کے لئے کوئی علوی دربار تک نہ پہنچنے پائے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 139)

حامیان ابراہیم کی سازش:

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ مامون کے بغداد میں داخلہ کے وقت ابراہیم روپوش ہو گیا تھا اور بغداد ہی میں اپنے حامیوں کے پاس چھپتا پھرا۔ 210ھ میں انکشاف ہوا کہ چند فوجی امراء اس کی خلافت کو بحال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مامون نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اس نے چند دوسرے بے گناہ سرداروں کو بھی پھنسانا چاہا مگر مامون اس کی چال کو سمجھ گیا اور ان سرداروں سے کوئی باز پرس نہ کی' صرف انہی لوگوں کو قتل کیا جن کی شمولیت کے متعلق مکمل شہادتیں مہیا ہوئیں۔

ابراہیم کی جب یہ آخری کوشش بھی ناکام ہوئی تو اس نے بھیس بدل کر بغداد سے نکلنا چاہا مگر پہچانا گیا تو مامون نے اسے جان کی امان دے دی۔

بابک خرمی کی بغاوت:

زمانہ قبل از اسلام میں مزدک نامی ایک شخص نے ایران میں ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جو بہت حد تک اشتراکیت سے ملتا جلتا تھا۔ اس مذہب کی رو سے ہر شخص ہر چیز میں برابر کا شریک تھا۔

نوشیروان عادل اس فرقہ کا سخت دشمن تھا۔ اس نے ان لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر نیست و نابود کر دیا۔ مزدک کے بعد اس کے ایک پیرو جاویدان نے اس مذہب کے احیاء کی کوشش کی اور تناسخ وغیرہ کے نئے مسائل اس میں شامل کر دیئے۔ جاویدان کی وفات پر اس کا ہونہار شاگرد بابک خرمی اس فرقے کا پیشوا بنا اور مشہور کیا کہ جاویدان کی روح مجھ میں حلول کر آئی ہے۔ جاویدان کی بیوی نے بھی اس سے نکاح کر لیا۔

بابک نے مذہبی لبادے میں اپنی سیاسی برتری کے لئے کوشش شروع کر دی۔ تبلیغ و ترغیب سے ہزار ہا لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا اور جب خاصی تعداد جمع ہو گئی تو اسلامی آبادیوں پر تاخت و تاراج

کرنے لگا۔ بہت سے مسلمان مار ڈالے اور ان کے مال و متاع کو لوٹ لیا۔ اس غارت گری اور خونریزی کے باعث تمام تجارتی راستے اور شاہراہیں بند ہو گئیں۔

مامون کو اس شورش کی خبر ہوئی تو پے در پے کئی سردار اس کی سرکوبی کے لئے بھیجے مگر بابک کی قوت کا یہ عالم کہ ہر بار شاہی افواج نے شکست کھائی آخر تنگ آ کر 212ھ میں محمد بن حمید کو ایک لشکر جرار کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ بابک حمید کے آنے کی خبر سن کر پہاڑوں میں چھپ گیا اور جونہی اسلامی لشکر کوہستان کے بیچ ایک دشوار گزار درے میں پہنچا تو یہ لوگ کمین گاہوں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے' مسلمان منتشر ہو گئے اور حمید لڑتے ہوئے کام آیا۔

اس فتح کے بعد گردونواح میں بابک کی دھاک بیٹھ گئی اور ایرانیوں نے دھڑا دھڑ اس کا مذہب اختیار کرنا شروع کر دیا۔

مامون کے بعد اس کے جانشین معتصم نے اپنے ترک سپہ سالار افشین کو اس فرقہ کی سرکوبی پر متعین کیا۔ افشین ایک عظیم لشکر کے ساتھ روانہ ہوا اور کئی سال کے مسلسل معرکوں کے بعد اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ معتصم نے اسے اور اس کے چند ساتھیوں کو سولی پر لٹکا دیا۔ (الفرق بین الفرق' ص 251- ابن اثیر' ج 6' ص 111)

زط کی بغاوت:

زط دراصل سندھ کے ہندوؤں کا ایک فرقہ تھا جو مسلمان ہو کر خلیج فارس کے ساحل پر آباد ہو گیا تھا۔ امین اور مامون کی جنگ کے دوران انہوں نے جتھہ بندی کر کے تجارتی قافلوں اور دیگر راہ گیروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ مامون نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے عیسٰی بن یزید کو بھیجا مگر وہ ناکام واپس لوٹا۔ آخر معتصم کے عہد میں ایک فوجی جرنیل عجیف نے ان کو اطاعت پر مجبور کیا اور ان سب کو کشتیوں میں بٹھا کر بغداد لے آیا۔ معتصم نے انہیں زمین دے کر رومی سرحد پر آباد کر دیا۔ ان کی کل تعداد تقریباً ستائیس ہزار تھی۔

افریقہ کی بغاوت:

مامون کے زمانہ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی لیکن اب یہاں اغلبیوں کی نیم خودمختار حکومت قائم ہو گئی تھی جن کا بنوعباس سے بس برائے نام تعلق تھا۔

عبداللہ بن سری کی بغاوت اور اسکندریہ سے اندلسیوں کا اخراج:

بغداد کے انقلاب نے بعض عمال میں خودسری کا حوصلہ پیدا کر دیا چنانچہ 205ھ میں سری بن محدم والئی مصر کے لڑکے عبداللہ نے علم بغاوت بلند کر دیا جو اپنے باپ کے بعد وہاں کا والی بنا تھا اور ادھر اہل اندلس کے ایک جرگے نے جنہیں حکم بن ہشام نے وہاں سے نکال دیا تھا' اسکندریہ پر قبضہ کر کے ابوحفص بلوطی کو اپنا سردار بنا لیا اور مصر و اسکندریہ دونوں خطرے میں پڑ گئے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ مامون نے طاہر کے بیٹے عبداللہ کو مصر کا والی بنا کر نصر بن شبث کے مقابلہ

پر مامور کیا تھا اس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے 210ھ میں عبداللہ بن سری ابن محمد کی طرف توجہ کی اور اسے شکست دے کر مطیع بنا لیا۔ اس کے بعد اندلسیوں کو اسکندریہ سے نکالنے کے لئے فوجیں بھیجیں۔ ان میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے انہوں نے اس شرط پر خود چھوڑ دیا کہ انہیں کسی قریبی جزیرہ میں نکل جانے دیا جائے چنانچہ یہاں سے نکل کر وہ کریٹ میں آباد ہو گئے۔ ان کی اولاد مدتوں اس جزیرہ کی حکمران رہی تا آنکہ فرنگیوں نے انہیں یہاں سے نکالا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 136-138)

قم کی بغاوت:

اسی سن میں قم میں بغاوت رونما ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مامون نے عراق کے دورے کے سلسلہ میں رے کا خراج گھٹا دیا تھا۔ قم کے باشندے بھی اس رعایت کے طالب ہوئے لیکن مامون نے ان کی درخواست نہ سنی۔ انہوں نے خراج دینا بند کر دیا' مامون نے علی بن ہشام کو بھیجا۔ اس نے انہیں زیر کر کے سرکشی کی سزا میں مقررہ رقم سے کئی گنا زیادہ وصول کیا۔

زریق بن علی کی بغاوت:

اسی زمانہ میں موصل کے ایک عرب زریق بن علی ازدی نے کردستان اور آذربائیجان کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ والئی موصل سید بن انس نے اس کو ہٹانے کی کوشش کی۔ ان دونوں میں کئی معرکے ہوئے 212ھ میں زریق چالیس ہزار فوج لے کر چڑھ آیا۔ ابن انس نے مقابلہ کیا لیکن اس میں کام آ گیا۔ مامون کو اس کی موت کا بڑا صدمہ پہنچا۔ اس نے محمد بن حمید کو اس سے انتقام لینے اور بابک خرمی کی شورش دبانے کے لئے بھیجا۔ زاب میں دونوں کا سامنا ہوا' محمد بن حمید نے اس کو اطاعت کی دعوت دی اس نے مسترد کر دی اس کے انکار پر محمد بن حمید اور محمد بن سید نے مل کر زریق کو شکست دی اور اس نے امان کے وعدہ پر اپنے آپ کو محمد بن حمید کے حوالے کر دیا۔ محمد بن حمید نے اسے مامون کے پاس بھجوا دیا۔ مامون نے اس کی تمام جائیداد وغیرہ ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 138)

عہد مامون کی فتوحات:

اگرچہ مامون کا قریب قریب پورا عہد اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے اور حکومت کے بگڑتے ہوئے نظام کو درست کرنے میں گزرا لیکن اس کے باوجود فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد نہایت کامیاب رہا اور پرشور عہد میں بھی بعض اہم فتوحات ہوئیں۔ یہ فتوحات مختلف سنین میں ہوتی رہیں جن کی ترتیب قائم نہیں رہ سکی۔

شاہ کابل کی اطاعت:

ٹھیک بغداد کی شورش کے زمانہ میں جبکہ ایک طرف اس کی فوجیں بغداد کے محاصرہ میں

مصروف تھیں تو دوسری طرف اس کا ایک حصہ کوہستان کابل میں برسرپیکار تھا چنانچہ اس زمانہ میں کابل کے بادشاہ نے اطاعت قبول کرکے اسلام قبول کیا اور تاج شاہی مامون کی پیشکش کے لئے بھیجا۔

(فتوح البلدان' بلاذری' ص 409, 436)

اشروسنہ کی اطاعت اور قبول اسلام:

اس دوران ترکستان کے حکام سے بھی معرکہ آرائیاں جاری رہیں اور مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اشروسنہ کے بادشاہ کاؤس نے فضل بن سہل سے اس شرط پر صلح کی کہ اس کی سلطنت میں مداخلت نہ کی جائے اور وہ اس کے عوض ایک مقررہ رقم بطور خراج ادا کرتا رہے گا۔ فضل نے اس کی درخواست منظور کر لی لیکن جب مامون بغداد گیا تو کاؤس نے نقض عہد کرتے ہوئے خراج دینا بند کر دیا۔ مامون نے اس کی سرکوبی کے لئے پھر فوج کشی کی تو کاؤس نے اسلام قبول کر لیا اس پر مامون نے بخوشی اس کا علاقہ واپس کر دیا اور اس کے لڑکے حیدر کو اس کا والی بنا دیا۔ (فتوح البلدان' ص 137)

طبرستان کے پہاڑی امراء کی طاعت:

201ھ میں والئی طبرستان عبداللہ بن خروازنہ نے دیلم پر چڑھائی کی اور بلاذر' شیراز اور طبرستان کے بعض کوہستانی علاقوں کو فتح کرکے ابولیلیٰ بادشاہ دیلم اور کوہستانی علاقے کے بعض فرمانرواؤں کو مامون کی خدمت میں بھیجا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 111)

رومیوں کے ساتھ معرکے اور فتوحات:

ہارون رشید نے رومیوں کو مسلسل شکستیں دے کر بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور ان پر ایسا خوف و ہراس طاری کیا تھا کہ انہیں بعد میں سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی لیکن مامون کے عہد میں مسلمانوں کی خانہ جنگیوں سے فائدہ اُٹھا کر پھر اسلامی سرحدوں پر شورش شروع کر دیں۔

محرم 215ھ میں اسحاق بن ابراہیم کو قائمقام کرکے مامون خود رومیوں پر حملہ آور ہوا اور ان کے مشہور قلعہ قرہ کو فتح کرکے مسمار کر دیا۔ اس جنگ میں جتنے رومی گرفتار ہوئے' ان سب کا فدیہ اپنی گرہ سے اہل فوج کو ادا کرکے رہا کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ زادراہ کے لئے ہر ایک رومی کو ایک ایک اشرفی بھی دی۔

قلعہ قرہ کی فتح کے بعد مامون نے اپنے ایک اشناس نامی غلام کو قلعہ سندس کی طرف روانہ کیا اس نے وہاں کے رئیس کو قتل کرکے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک اور سردار نے بڑھ کر قلعہ سنان کا محاصرہ کر لیا' وہاں کے باشندوں نے جزیہ ادا کرکے اطاعت قبول کر لی۔

ان فتوحات سے فارغ ہو کر مامون شام واپس آیا تو معلوم ہوا کہ قیصر روم نے طرطوس اور مصیصہ کے بے شمار مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے مامون پھر پلٹا اور الطلیفہ پر قبضہ کرکے معتصم کو آگے روانہ کر دیا۔ اس نے اہل روم کے بیسیوں قلعے فتح کیے۔ مشہور قاضی یحییٰ بن اکثم نے طوانہ کو تاخت و تاراج کیا۔

217ھ میں مامون نے پھر بنفس نفیس روم پر لشکر کشی کی اور لولوہ کے مضبوط اور مستحکم قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر روم اہل قلعہ کی امداد کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ خود روانہ ہوا مگر اسلامی افواج کا رنگ دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور راستے ہی سے پلٹ گیا۔ اہل قلعہ نے تنگ آ کر مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور امان کا وعدہ لے کر قلعہ ان کے حوالے کر دیا۔

چوتھی بار پھر مامون نے روم پر چڑھائی کی لیکن سرطوس پہنچ کر انتقال کر گیا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 141)

کریٹ کی فتح:

جزیرہ کریٹ کا کچھ حصہ ولید اموی اور اس کے بعد ہارون کے زمانہ میں فتح ہوا تھا' مامون کے زمانہ میں ابو حفص عمر بن عیسیٰ اندلسی نے یہاں ایک اور قلعہ فتح کیا اور رفتہ رفتہ پورا جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (فتوح البلدان' ص 245)

صقلیہ کی فتح:

جزیرہ صقلیہ اور کریٹ کی فتوحات بھی مامونی عہد کی یادگاریں ہیں۔ جزیرہ صقلیہ کو افریقہ کے اغلبی فرمانرواؤں نے سالہا سال کی مسلسل کوششوں کے بعد فتح کیا تھا۔ اغلبی حکومت کا قیام ہارون کے عہد سلطنت میں عمل میں آیا تھا۔ یہ حکمران اپنے امور میں اگرچہ خودمختار تھے مگر خلفائے عباسیہ کے باجگزار تھے اور انہیں ہر سال چالیس ہزار درہم بطور خراج ادا کرتے تھے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 142)

مامون کی وفات:

مامون ارض روم کی فتوحات سے واپس آ رہا تھا دریائے بذندون پر قیام کیا۔ تفریحی طور پر دریا کی سیر کو گیا' پانی میں پاؤں لٹکا دیئے۔ اس حالت میں سرکاری ہرکارہ پہنچا اور عراق کی تازہ کھجوریں پیش کیں۔ مامون نے ساتھیوں سمیت وہ کھجوریں کھائیں اور ان پر پانی پیا یہاں سے اٹھتے اٹھتے تمام مصاحب بخار میں مبتلا ہو گئے۔ شاہی طبیب ابن بختیشوع اور ابن ماسویہ ہمرکاب تھے' وہ مامون کا علاج کرنے لگے مگر معمولی بخار نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتصم ساتھ تھے۔ (تاریخ ابن خلدون' ج 7' ص 125)

ولی عہدی اور وفات:

مامون رشید نے زندگی سے مایوسی کے بعد فقہاء اور قضاۃ کے سامنے معتصم کو ولی عہد نامزد کیا اور کچھ ضروری وصیتیں کیں۔ اس کے بعد اس کی حالت بگڑ گئی۔ کچھ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔ بمشکل اتنا کہا:

یا من لا یموت ارحم من یموت.

"اے وہ جسے کبھی موت نہ آئے گی اس پر رحم فرما جو مر رہا ہے۔"

یہ کہہ کر جمادی الثانی 217ھ میں جان اللہ کے سپرد کر دی۔ لاش طرطوس لے جا کر دفن کی

گئی۔ وفات کے وقت مامون کی عمر 48 سال تھی۔ بیس سال پانچ ماہ خلافت کے فرائض سرانجام دیئے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 146- ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 126- تاریخ الخلفاء' ص 208- فوات الوفیات' ج 1' ص 139)

مامون کا نظام مملکت

وسعت سلطنت:

مامون رشید جن ممالک کا فرمانروا تھا' وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدود ہند اور تاتار سے بحراوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہسپانیہ کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی خطہ اس کی حکومت سے علیحدہ نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔

نظام خراج:

مامون کے عہد میں پورے ملک کا خراج آج کل کے حساب کے مطابق اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپے سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت نے اس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ (المامون' ص 91)

علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں مامون کے سرکاری کاغذات سے خراج کا جو نقشہ تیار کیا تھا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

ممالک:

سواد' کسکر' اضلاع دجلہ' حلوان' اہواز' فارس' کرمان' مکران' سندھ' سیستان' خراسان' جرجان' قومس' رے' طبرستان' دردمان' نہاوند' ہمدان' بصرہ' کوفہ' درمیانی اضلاع امیدان' شہرزور' موصل' آذربائیجان' جزیرہ' اضلاع فرات' آرمینیہ' قنسرین' دمشق' اردن' فلسطین' مصر' رقہ' افریقہ' یمن' حجاز۔

(مقدمہ ابن خلدون' فصل دوم' ص 18)

ان سب ممالک سے خراج 390,855,000 درہم مامون کے خزانہ میں داخل ہوتا تھا۔ مامون نے خراج' زکوٰۃ اور جزیہ کا جس کو آج کل لگان یا ٹیکس کہہ سکتے ہیں' کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا۔

مامون کے عہد میں ٹیکس کی وصولی کے لئے بے جا سختی نہ تھی بلکہ اکثر مقامات پر اس نے ٹیکس معاف ہی کر دیئے۔ زکوٰۃ' جزیہ اور عشر وصول کرنے والوں کی بھی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ منصور اور ہارون کے ادوار سے بڑھ کر مالیات کا نظام عہد مامون میں تھا۔

صیغۂ مالیات وزیراعظم کے سپرد تھا۔ مامون رشید نے کڑی شرط لگا دی تھی کہ وزارت عظمیٰ کے منصب کے لئے ضروری تھا کہ وزیر نیک اطوار ہو' پاکیزہ عادت رکھتا ہو' انتہائی مہذب ہو' نہایت تجربہ کار ہو' اسرار چھپانے کا ظرف رکھتا ہو۔

فوجی نظام:

عہد مامون میں فوج کا معیار نہایت بلند تھا۔ مامون نے اس مایہ ناز اور ناقابل تسخیر فوج کی مدد سے ملک سے بغاوتوں کو فرو کرنے کے علاوہ مختلف غیر ملکی مہمات کو بھی سر کیا۔ اسے بجا طور پر فوج پر ناز تھا۔ وہ فوج کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کرنے اور جنگی چالوں سے آگاہ کرنے کے لئے ہر وقت اصلاحات جاری کرتا رہتا تھا جن کی وجہ سے اس کی فوج دنیا کی مضبوط ترین اور ناقابل تسخیر فوج شمار ہونے لگی تھی۔ مامون کی فوج دو حصوں میں تقسیم تھی یعنی باقاعدہ فوج اور رضا کار فوج۔

1- باقاعدہ فوج:

باقاعدہ فوج کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی اور ان کے لئے حسب ذیل قواعد و قوانین پر عمل کیا جاتا تھا:

1- سپاہیوں کی تمام تفصیلات محکمہ فوج کے دفتر میں رکھی جاتی تھیں۔
2- سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی جس کی شرح ان کے کام کی نوعیت کے مطابق تھی۔ سوار کی 500 درہم ماہوار اور پیادہ کو 200 درہم ماہوار ملتے تھے۔ فوج کے اعلیٰ افسروں کو ان کے عہدوں کے مطابق تنخواہ ملتی تھی۔
3- فتوحات حاصل کرنے کی صورت میں فوج کو انعامات دیئے جاتے تھے۔
4- فوج کو عام شہری آبادی سے الگ چھاؤنیوں میں رکھا جاتا تھا اور وہ ہر وقت دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رہتی تھی۔ انہیں کم سے کم نوٹس پر میدان جنگ میں اُتارا جا سکتا تھا۔

اس فوج کا نام دفتر العسکر میں ''حلیہ'' قلمبند تھا۔ امیر العسکر کی تنخواہ زیادہ نہ تھی مگر حکومت اسے فتوحات کے موقع پر انعامات دیا کرتی تھی چنانچہ عبداللہ بن طاہر کمانڈر انچیف کو پانچ لاکھ درہم ملے تھے۔ وزیر اعظم ذوالریاستین کی تنخواہ تیس لاکھ درہم ماہوار تھی مگر کبھی یہ بھی امیر العسکر کا عہدہ اختیار کر لیتا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم جو چیف جسٹس اور قاضی القضاۃ تھے متعدد بار فوج کے اعلیٰ افسر بنائے گئے۔

2- رضا کار فوج (فوج متطوعہ):

رضا کار (والنٹیئر) یہ اس قسم کی فوج تھی جو وقت پر جس قدر ضرورتی ہوتی، فراہم کر لی جاتی خصوصاً جہاد کی پُر زور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔ فوج کو سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتے تھے اور شاہی خزانہ میں ہر قسم کا جنگی اسلحہ نہایت افراط سے موجود رہتا تھا۔ (المامون، ص 99)

وزارت عظمیٰ:

مامون رشید کا پہلا وزیر اعظم فضل بن سہل تھا۔ ذی علم اور ذی لیاقت، تلوار اور قلم دونوں اس کے تابع فرمان تھے۔ فضل علوم کا بڑا ماہر تھا اور امور مملکت میں اس فن سے بڑی معاونت لیا کرتا تھا۔

بڑا فصیح و بلیغ' مدبر سیاستدان اور آداب سلاطین سے واقف' حلم' فیاض اور سیاسی چالوں میں اپنا ہمسر نہ رکھتا تھا۔ مامون کی خلافت اس کی حسن تدبیر کا نتیجہ تھی۔

مگر اس نے خودسری پر کمر باندھی اور مامون الرشید کو شاہ شطرنج بنا دیا لیکن مامون نے کچھ عرصہ توجہ نہ کی اس کا احترام کیا اور اسے "ذوالریاستین" کا خطاب دیا بالآخر مامون کی خلافت خطرے میں پڑ گئی تو 201ھ میں اسے قتل کرا دیا۔

فضل سلاطین فارس کی نسل سے تھا۔ سہل اسلام لایا' جعفر برمکی نے فضل کو مامون کی خدمت پر مامور کیا۔ (ابن خلکان' ج 1' ص 413)

فضل جعفر کے بعد بنوعباس کا دوسرا وزیراعظم تھا جس کی شان و شوکت کی کم ہی مثال ملتی ہے۔ بقول طبری قتل کے وقت عمر چھیاسٹھ سال تھی دراصل فضل میں خود پرستی کا عیب تھا۔ الغوانی' ابراہیم موصلی اور ابومحمد جیسے بڑے بڑے اور مشہور شعراء فضل کے دربار سے منسلک تھے۔ (الفخری' ص 202)

حسن بن سہل:

فضل کا بھائی حسن بہت سے اوصاف اور خصوصیات کا مالک تھا بلکہ فیاضی میں فضل سے بھی آگے تھا۔ فضل کے قتل کے بعد مامون نے دلجوئی کے لئے اس کو وزیراعظم بنا لیا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کر لی۔ حسن وزارت سے پہلے طاہر کے مفتوحہ ممالک کا والی تھا۔ گو اسے وزارت ملی مگر اسے بھائی کا صدمہ کھا گیا اور اس کے حواس جاتے رہے۔ اسی حالت میں سرخس مقام پر 236ھ میں وفات پائی۔

احمد بن ابی خالد:

احمد بن ابو خالد الاحول جسے حسن کے جنون کے زمانہ میں وزارت پر سرفراز کیا گیا تھا' نہایت عقلمند اور امور مملکت کا ماہر' فصیح و بلیغ اور بہترین انشاء پرداز تھا جس کا ایک عرصہ تک کاتب رہا تھا۔ یہ 216ھ میں فوت ہوا۔ (الفخری' ص 205-206)

احمد بن یوسف:

ابوخالد کے بعد قلمدان وزارت احمد بن یوسف بن قسم کے سپرد ہوا۔ یہ فضل و کمال میں یگانہ اور ادب و شعر میں ممتاز تھا۔ جہان بانی اور آداب سلطانی میں پوری بصیرت رکھتا تھا مگر مامون سے گستاخی سے پیش آیا۔ اس نے اسے سزا دی' یہ اس صدمہ سے مر گیا۔ (الفخری' ص 208)

ثابت بن یحییٰ:

یہ ریاضی دان تھا مگر سخت تند مزاج تھا۔ کچھ عرصہ تک وزیر رہا۔

ابوعبداللہ محمد بن یزداد ابن سوید:

یہ مامون کا آخری وزیر تھا' خراسانی تھا۔ اس کے آباؤاجداد مجوسی تھے۔ سوید اسلام لایا' ثابت

کے بعد مامون نے اس کو وزیر بنا دیا اور جملہ امور مملکت اس کے سپرد کر دیئے۔ مامون کا انتقال اسی کے زمانہ وزارت میں ہوا۔ ابن سوید بے نظیر کاتب تھا۔

کاتب:

مامون رشید نے کاتب کا مرتبہ وزیر کے برابر کر دیا تھا۔ اس عہدے پر عمرو بن سعد المتوفی 216ھ تھا۔ کاتب تمام فرامین' احکام' توقیعات' دیگر سلطنتوں کے ساتھ معاہدے اپنی خاص طرز میں لکھتا تھا۔ درخواستیں بادشاہ کے حضور گزراتا۔ بادشاہ کی ہدایت پر مختصر مگر بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا۔ مامون رشید کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف تھا جو فن بلاغت میں مسلم الثبوت استاذ تھا۔

قاضی:

مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائیداد کا انتظام' مفلسوں کی خبر گیری' وصیتوں کی تعمیل اور بیواؤں کی ترویج اس قسم کے کام قاضی کے سپرد تھے۔

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس):

ممالک محروسہ میں قضاء کا جو بہت بڑا محکمہ تھا اس کا صدر مقام بغداد تھا۔ افسر صدر قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب کیا جاتا۔ اس بلند منصب پر قاضی یحیٰی بن اکثم اور ان کے بعد قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی فائز کئے گئے۔ قاضی یحیٰی بن اکثم حکومت کی عظمت کے ساتھ ساتھ پیشوائے مذہب بھی تھے۔ ان کی جلالت شان کے لئے یہ کافی ہے کہ امام بخاری و ترمذی جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد ہیں۔ (ابن خلکان' ج 1' ص 414)

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

"قاضی یحیٰی کے ذاتی کمال اور سیاسی لیاقت نے ان کو وزیراعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ دفتر وزارت کے تمام کاغذات پہلے ان کی وزارت سے گزرتے تب سند قبولیت پاتے۔

(المامون' ص 174)

قاضی احمد بن ابوداؤد اس کا نام الفرح اور وہ الایادی المعتزلی تھا۔ اس کا باپ تاجر تھا اس وجہ سے یہ تجارت کی غرض سے کوفہ و شام جاتا لہٰذا احمد کو بھی ساتھ جانا پڑا۔ عراق میں یہ ہیاج بن العلاء السلمی کی صحبت میں رہا جو واصل بن عطاء کا خصوص شاگرد تھا۔ اس سے اس نے مسلک اعتزال کی تعلیم پائی۔ (البدایہ والنہایہ' ج 10' ص 319)

خلق قرآن کا عقیدہ اس نے بشر المریسی سے لیا۔ بشر نے جہم بن صفوان سے اور جہم نے جعد بن درہم سے یہ عقیدہ لیا۔ ایک عرصہ تک یہ یحیٰی بن اکثم کی خدمت میں رہا۔ انہی کی وجہ سے اسے مامون کے دربار تک رسائی حاصل ہوئی۔ فتنہ خلق قرآن اسی احمد بن ابوداؤد کا پیدا کیا ہوا تھا۔ مامون کو اس نے گمراہ کیا تھا مگر یہ فاضل تھا برامکہ کے بعد فیاضی میں کوئی اس کا مثیل نہ تھا۔

(ابن اثیر' ج 7' ص 26)

اس نے محدثین پر بڑے بڑے ظلم کروائے۔ معتصم نے اسے قاضی القضاۃ بنا دیا۔ یہ واثق کے عہد تک رہا اس کے اعمال کی سزا اسے دنیا میں مل گئی۔ فالج میں مبتلا رہ کر 241ھ میں مرا۔

محکمہ عدل و انصاف:

مامون نے اپنی حکومت کی بنیاد سچائی اور عدل پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ وہ عدل و انصاف کے باب میں کسی رُو رعایت کا قائل نہیں تھا۔ اس نے محکمہ عدل و انصاف کو مؤثر اور معیاری بنانے کے لئے کئی اصلاحات جاری کیں۔ جب عدالت میں مقدمہ سماعت کے لئے آتا اسے ایک رجسٹر میں درج کیا جاتا۔ ایک رجسٹر تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا انحصار بہت زیادہ اس رجسٹر میں مندرج ناموں پر ہوتا تھا۔ سماعت سے قبل دونوں فریقوں کے نام رجسٹر میں درج کیے جاتے تھے۔ دستاویزات کی رجسٹریشن بھی اسی محکمہ میں ہوتی تھی۔ یہ بڑا ذمہ دار محکمہ تھا اس لئے اس محکمہ میں نہایت مشہور، راست باز اور ثقہ لوگوں کو منتخب کیا جاتا تھا۔

محکمہ احتساب و خبر رسانی:

خلیفہ نے محکمہ احتساب اور خبر رسانی کی طرف خصوصی توجہ کی۔ اس کے مقرر کردہ محتسب ہر وقت بغداد کے گلی کوچوں میں چکر لگا کر لوگوں کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ عہدے دار اموی دور حکومت سے اس کام پر مامور تھے۔ مامون نے اس محکمہ میں نافذ کردہ اصلاحات میں درج ذیل امور پر خاص توجہ دی:

1- محتسب یہ دیکھیں کہ کہیں کسی پر بلاوجہ ظلم و تشدد تو نہیں کیا جاتا' کوئی شکایت وصول ہونے پر فوری کارروائی ہوتی تھی۔

2- محتسب بازاروں یا مجمع عام میں کوئی کام خلاف شرع دیکھتا تو جبراً روک دیتا۔

3- جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے پر باز پُرس کی جاتی۔

4- وہ اس امر کی بھی جانچ پڑتال کرتے کہ سواریوں اور کشتیوں پر مقررہ تعداد سے زیادہ تو آدمی سوار نہیں کیے جاتے۔

5- محتسب یہ بھی دیکھتے کہ کوئی شخص شاہراہوں یا سڑکوں کے کنارے عمارت یا مکان تعمیر تو نہیں کرتا' اگر کوئی ایسا کرتا اور ان کے نوٹس میں آ جاتا تو اس مکان یا عمارت کو گرا دیا جاتا تھا۔

6- محکمہ احتساب کے اہلکار طلباء پر سختی کرنے والے معلمین کو سزا دیتے۔

7- یہ بھی ان کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ بازاروں اور منڈیوں میں ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ پڑتال کریں اور ناپ تول میں کمی کرنے یا ملاوٹ کرنے والوں کے خلاف سخت ایکشن لیں۔

محتسب بڑی مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کی حیثیت سرکاری پیادوں کی تھی۔ وہ ہر وقت گلیوں' بازاروں میں راؤنڈ پر رہتے تھے۔

مامون نے محکمہ سراغ رسانی کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس محکمہ میں الگ الگ خفیہ نویس مقرر کیے جن کے ذریعے سے ملک کے ہر حصہ کی خبریں نہایت سرعت سے اسے مل جاتی تھیں۔ ملک کے کسی گوشے میں کوئی سرگرمی، تحریک یا فتنہ ایسا نہیں تھا جو مامون سے مخفی رہتا لیکن یہ سب مامون کے بغداد میں آنے کے بعد کی بات ہے۔

رعایا کی خبر گیری:

فضل بن سہل سے چھٹکارا حاصل کر کے مامون خود رعایا کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔ خراسان سے بغداد آیا، راستہ میں جن شہروں اور قریوں سے گزرا وہاں کے حالات معلوم کیے اور وہاں کے باشندوں کی فلاح اور بہتری کے لئے پروگرام ترتیب دیئے۔
(یعقوبی، ج 2، ص 557)

بغداد آنے کے بعد مصر اور دمشق وغیرہ کا بھی دورہ کیا۔ دمشق کے دورے میں خلفاء سلف کے غیر اقوام سے کیے گئے معاہدوں کی جانچ پڑتال کی چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ایک معاہدہ اس کے سامنے لایا گیا۔ اس نے اسے آنکھوں سے لگایا اور اسے برقرار رکھا۔ (ابن اثیر، ج 6، ص 135)
بعض علاقوں کے محاصل پر نظر ثانی کر کے انہیں کم کیا چنانچہ رے کے خراج میں تخفیف کی۔

محکمہ خراج:

محکمہ خراج کا سربراہ وزیر مملکت ہوتا تھا اس کے انتخاب میں خلیفہ دیانت، اہلیت اور فرض شناسی کی خوبیوں کو مدنظر رکھتا تھا کیونکہ خراج کی ساری رقوم اس کی تحویل میں ہوتی تھیں۔ حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ خراج تھا۔ سلطنت کی حدود بہت وسیع ہو چکی تھیں۔ دور دراز کے علاقوں سے رقم بغداد میں آتی تھی۔ مامون کے عہد کی خوش حالی اور فارغ البالی کے مدنظر یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ مرکزی حکومت مالی اعتبار سے بہت مستحکم تھی۔ اسی بناء پر مامون نے کئی ٹیکس معاف کر دیئے تھے اور کئی علاقوں میں ٹیکس کی شرح میں کمی کر دی تھی۔

عہد مامون کی معاشی، معاشرتی اور علمی ترقی

معاشی خوشحالی:

مامون کی حکومت آزادانہ تجارتی پالیسی پر عمل پیرا تھی۔ بغداد علمی، ادبی اور تہذیبی مرکز کے علاوہ زبردست تجارتی منڈی کی حیثیت بھی اختیار کر چکا تھا جہاں دنیا بھر کی مصنوعات ہر وقت موجود رہتیں۔ بغداد کی رونق اور آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔ اس کی آبادی اب تقریباً دس لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ خلفاء اور امراء کے محلات اس کی عظمت کو دوبارہ کر رہے تھے۔ ملک ملک کے سفیر دربار میں موجود تھے۔ بغداد حقیقی معنوں میں ”عروس البلاد“ کہلانے کا مستحق تھا۔

خوشحالی کا سنہری دور:

مامون کا دور معاشی خوشحالی کے اعتبار سے تاریخ کا ایک سنہری دور ہے۔ ملک میں ہر طرف معاشی ترقی وخوشحالی کا دور دورہ تھا۔ ملکی خوشحالی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مامون مصر کے دورہ کے دوران جب ایک بڑھیا کے ہاں مہمان ہوا تو اس نے اپنی حیثیت کے مطابق دعوت کا سامان کرنے کے بعد اس کے رخصت ہونے کے وقت ایک ہی سن کے دس تھیلی دینار مامون کو پیش کیے تو مامون حیران زدہ ہوا اور کہا کہ آپ نے یہ تکلیف کیوں کی کیونکہ اس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے۔

بڑھیا نے کہا: ''سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں ہے۔ میں نے جس قدر حضور کی خدمت کی ہے اس سے کئی گنا زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔''

فلاحی مملکت:

ملک کے ہر حصے میں معذوروں' یتیموں' بیواؤں' اپاہجوں اور محتاجوں کے لئے وظیفے مقرر تھے۔ یہ بات ملکی قانون کا حصہ تھی کہ ملک کے کسی بھی حصہ میں جہاں کہیں کوئی بے سہارا یا فقر و فاقہ کا شکار پایا جائے تو مقامی حاکم اسے روزگار فراہم کرے یا بیت المال سے وظیفہ دے۔ گویا یہ ایک حقیقی فلاحی ریاست تھی۔

اقتصادی خوشحالی کے مظاہر:

مامونی دور کی ترقی وکمال کی داستانیں تمدن بغداد کا ایک الف لیلائی منظر پیش کرتی نظر آتی ہیں۔ قصر خلافت کے پس منظر میں قصر الذہب' قصر الخلد' قبۃ الخضراء اور جامع مسجد کے بلند و بالا مینار اور خوبصورت گنبد اس دور کی عظمت و سطوت' خوش ذوقی اور حسن تعمیر کی آئینہ دار تھیں۔ دریا کے جنوبی کنارے پر امراء کے محلات کی سنگی محرابیں اور مرمری دیواریں طبقہ اولیٰ کی پُرذوق اور آسودہ زندگی کا عکس تھیں۔ بغداد کے چھت دار بازار' ان میں موجود مال و اسباب تجارت کے ڈھیر اور لمبی لمبی عبائیں پہنے ہوئے تجار اس دور کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی کے مظہر تھے۔

مامون کے دور حکومت میں معاشرتی ترقی:

معاشرتی حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کے لئے مامون نے سترہ سو عمر رسیدہ عورتیں مقرر کر رکھی تھیں جو سارا دن بغداد میں گشت کرتی رہتیں۔ معاشرے سے متعلقہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی معلومات اسے پہنچاتیں لیکن ان عورتوں کے متعلق کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔

علاوہ ازیں حکومت کے ہر محکمہ میں الگ الگ خفیہ پولیس اور واقعہ نگار مقرر تھے جو مامون کو رعایا کے حالات سے باخبر رکھتے۔

مامون کا معاشرہ سے رابطہ:

حالات سے باخبری کی حد یہ تھی کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے بیت المال سے وظیفہ کی درخواست دی۔ مامون نے اسے بلا کر پوچھا کہ کتنے بال بچے ہیں اس نے تعداد بڑھا کر بیان کی مگر مامون کے سامنے اس کا جھوٹ نہ چل سکا۔ دوسری بار اس نے درخواست میں صحیح تعداد بتائی تو اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مامون کے اس احسن انتظام اور رعایا کے احوال سے باخبری نے ملک میں عدل اور امن و امان کا بول بالا کر دیا۔

معاشرتی انصاف:

معاشرتی نظام کے تحت مامون نے داد رسی اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے انتھک محنت سے کام لیا۔ ہر کس و ناکس کو ہر کسی کے متعلق شکایت کی عام اجازت تھی۔

ایک دن کسی پریشان حال بڑھیا نے ایک ظالم کے جائیداد چھیننے کے متعلق شکایت کی تو مامون نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو بڑھیا نے اشارے سے بتایا کہ آپ کے پہلو میں ہے۔ مامون نے دیکھا تو شہزادہ عباس کو پہلو میں موجود پایا تو فوراً بڑھیا کے برابر مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ جب مامون کے سامنے عورت کی تیز بیانی پر وزیراعظم نے ٹوکا تو مامون نے کہا کہ اسے مت ٹوکو کیونکہ حق نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔ خلیفہ نے بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیا اور اس کی جائیداد واپس کر دی۔ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

مامون کے عہد حکومت میں علمی ترقی:

اگرچہ مامون کا کافی وقت ملک میں رونما ہونے والے فتنوں کی سرکوبی اور فتوحات کے ضمن میں صرف ہوا لیکن یہ ساری مصروفیات اسے علم و ادب کی سرپرستی اور فروغ سے باز نہ رکھ سکیں۔

علم و ادب کا ارتقاء:

مامون کا عہد علمی ترقی کے لحاظ سے نہایت درخشاں ہے۔ اس کے کارنامے مسلمانوں کی علمی و تہذیبی ترقی کے آئینہ دار ہیں۔ یہی علمی ارتقاء بعد میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنا۔

مامون نے اپنی بصیرت اور فضل و کمال کی بدولت علوم قدیمہ کو ان کے معادن سے نکالنے کے لئے بے دریغ دولت خرچ کی اور روم و یونان کے بادشاہوں سے خوشگوار تعلقات قائم کئے اور انہیں تحفے تحائف بھیج کر منطق و فلسفہ' ریاضی و طب اور ہیئت و نجوم کی گراں بہا کتابیں منگوائیں بلکہ ان نے یونان کے قدیم شہروں سے کتابیں منگوانے کے لئے وفد بھیجے۔ قیصر روم میخائل نے مامون کی درخواست پر ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ اونٹوں پر لاد کر اس کی خدمت میں روانہ کیا۔ مشہور محدثین و فقہاء میں امام بخاری' ابن سعد' قاضی یحییٰ' واقدی اور حافظ ابن ہشام اسی عہد کی عظیم یادگاریں ہیں۔ ادب و لغت کے درخشندہ ستارے' اصمعی' یزید' ابوعبیدہ اور اخفش اسی دربار کی زینت تھے۔ مامون کے عہد میں بیت الحکمت کی توسیع کی گئی۔ مامون نے بطلیموس اور دیگر علماء سے ہیئت کے قوانین مرتب کروائے۔ ان کے

ذوق وشوق اور شرف علمی کا یہ اثر ہوا کہ تمام ارکان سلطنت اور صاحبان ثروت میں علمی ذوق اور فضل و کمال کے حصول کا جذبہ پیدا ہو گیا اور وہ علمی سبقت میں کوشش کرنے لگے چنانچہ اس کی سلطنت سراپا حکمت' اس کا دربار اہل کمال کا مرکز اور دارالخلافہ علوم وفنون کا گہوارہ بن گیا۔

فارسی ادب اور ایرانی تہذیب:

مامون نے فارسی زبان و ادب پر ناقابل فراموش احسان کیا۔ اس کے عہد میں فارسی ادبیات کو خصوصی فروغ حاصل ہوا۔ مامون باپ کی طرف سے عربی اور ماں کی طرف سے عجمی تھا' یہی چیز اس کی عجم نوازی اور ایرانی تہذیب سے محبت کا نتیجہ تھی۔

مشہور مترجمین:

لاطینی' یونانی' ہندی اور فارسی ادب کی بے شمار کتب بغداد میں پہنچ چکی تھیں لہٰذا مترجمین کی ضروریات بڑھتی گئیں۔ مامون مترجمین کو پُرشکوہ تنخواہیں دیتا تھا پھر مترجم کو اس کی ترجمہ کی ہوئی کتاب کے وزن کے برابر سونا تول کے دیا جاتا تھا اس لئے شہرہ آفاق مترجم بیت الحکمت میں جمع ہو گئے تھے۔ چند مشہور مترجمین یہ ہیں:

1- یعقوب بن اسحاق:

یہ ایک بے مثال اور نامور مترجم تھا۔ اس نے کم از کم ساٹھ مستند کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے تراجم بہت زیادہ مقبول ہوئے۔ اس نے اپنے علمی تجربہ اور نادر تصنیفات کے باعث ''فیلسوف عرب'' کا خطاب پایا۔

2- حنین بن اسحاق:

یہ ایک عیسائی طبیب تھا جسے بیک وقت عربی' یونانی اور سریانی زبانوں پر زبردست عبور حاصل تھا۔ یہ تینوں زبانیں بڑی روانی سے بول سکتا تھا۔ مامون نے اس سے متاثر ہو کر اسے بیت الحکمت میں جگہ دی جہاں اس نے بے شمار علمی کتب کو عربی میں منتقل کیا۔

3- قسطا بن لوقا:

یہ بھی ایک عیسائی عالم تھا جسے ریاضی' علم ہندسہ' نجوم' منطق اور فلسفہ و طب میں کامل دسترس حاصل تھی۔ اس نے انہی علوم سے متعلق کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔

4- عمر بن فرحان طبری:

یہ شخص علم ہیئت اور علم نجوم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اسے فلسفیانہ مسائل کی باریکیوں کی تشریح کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ یہ مامون کے وزیر فضل بن سہل کی دریافت تھا اس نے بے شمار فلسفیانہ کتابوں کے ترجمے کئے اور طبع زاد کتابیں بھی تصنیف کیں۔

5- جبریل:

جبریل مامون کا ذاتی معالج تھا اور علم طب میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اس نے مامون کے حکم سے طب کی یونانی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔

6- ابن المقفع:

نصیحت آموز کہانیوں کی مشہور زمانہ کتاب "کلیلہ و دمنہ" کا ابن المقفع نے ترجمہ فارسی سے عربی میں منتقل کیا۔ سنسکرت کی چند کتابوں اور اقلیدس کے مقالات کو عربی زبان میں ڈھالا۔ مامون نے اپنے علمی ذوق کی وجہ سے مسلمانوں میں علمی سرگرمیوں کی ایک نئی تحریک کو جنم دیا۔

رصدگاہ کا قیام:

مامون نے علم نجوم و ہیئت کو بہت ترقی دی۔ مامون نے ایک عظیم رصدگاہ قائم کی جس میں نہایت گراں قیمت آلات نصب کئے جن کی مدد سے آفتاب و ماہتاب اور دوسرے ستاروں اور سیاروں کے بارے میں تحقیقات کی گئیں۔ اس رصدگاہ میں ذیل کے منتخب روزگار ماہر فلکیات کام کرتے تھے: اسد بن علیؒ خالد بن عبدالملک اور یحییٰ بن منصور۔ یہ رصدگاہ بطلیوس کے اصولوں کے مطابق کام کرتی تھی۔

کرۂ ارض کی پیمائش:

رصدگاہ اور آلات رصدیہ کے قیام کے بعد مشہور ریاضی دان محمد بن موسیٰ خوارزمی کی قیادت میں کرۂ ارض کی پیمائش کے کام کا آغاز کیا گیا اور زمین کا مکمل حساب لگایا تو کرۂ ارض زمین کا محیط چوبیس ہزار میل نکلا۔ مامون نے اس نتیجہ کی تصدیق کے لئے ایک اور تجربہ صحرائے کوفہ میں کروایا جس سے پہلے تجربہ کی تصدیق ہوئی۔

دوربین کی ایجاد:

مامون کے دور میں ابوالحسن نامی سائنس دان نے دوربین کو ایجاد کیا۔

زیج مامونی:

اگرچہ مامونی دور سے پہلے بھی کئی زیج موجود تھیں مگر مامونی عہد کے ایک بڑے منجم ابوجعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جو زیج ترتیب دی اس نے دوسری کا وجود ہی ختم کر دیا۔

علم جبر و مقابلہ:

مامون کے ہی عہد میں جبر و مقابلہ پر پہلی زبردست تصنیف معرض وجود میں آگئی۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ تصنیف اس قدر جامع ہے کہ دنیائے اسلام کے علماء محققین نے اس موضوع پر جس قدر کتابیں لکھیں وہ اس پر کچھ اضافہ نہ کر سکیں۔

فلسفہ و حکمت:

مامونی عہد حکومت نے تاریخ اسلام میں ذہنی بیداری کے پُرشکوہ دور کا آغاز کیا۔ یہ عہد فکر و ثقافت کی ساری تاریخ کے اہم ترین ادوار میں شامل ہے۔

تعمیر بغداد کے صرف 75 سال کے عرصہ میں اہل عرب ارسطو کی بڑی بڑی فلسفیانہ تصانیف' عظیم افلاطونی مصرین کی تخلیقات' جالینوس کی زیادہ تر طبی تصانیف اور ایرانی اور ہندی سائنسی تصانیف کے مالک بن گئے۔ عربوں نے چند سالوں میں وہ کچھ سیکھ لیا جسے ترقی دینے میں یونانیوں نے صدیاں لگا دیں۔

مامون کی علمی مجالس

مامون نے جب بغداد کو دارالخلافہ بنایا تو قاضی یحیٰی بن اکثم کو ہدایت کی کہ چوٹی کے بیس امراء' فضلاء اور علماء منتخب کرو جنہیں میں ذاتی علمی مجلس میں مدعو کر سکوں لہٰذا ملک کے اطراف و اکناف سے وحید العصر علماء بغداد حاضر ہو گئے۔ حکومت نے ان کے قیام و طعام اور معاش کا اہتمام کیا۔

مامون کی علمی مجالس منگل کے روز منعقد ہوتیں اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اس میں شامل ہوتے۔ سب کو ایک ضیافت پر بلایا جاتا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد علماء ایک عالی شان ہال میں چلے جاتے وہاں آزادانہ علمی مجادلے اور مباحثے کا آغاز ہوتا۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہتا' بعدازاں سب احباب مل کر کھانا کھاتے پھر گھروں کو چل دیتے۔

مامون اہل علم سے تعلقات استوار کرنا باعث فخر سمجھتا تھا اور ان کا تہہ دل سے احترام کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی موجودگی میں مکمل حریت رائے سے کام لیتے تھے لیکن ان مجالس کا مامون پر غلط اثر ہو گیا کیونکہ وہ معتزلہ کا زبردست حامی بن گیا جس کے نتیجے میں متدین صالح افراد کو ناروا ظلم و تعدی کا نشانہ بننا پڑا۔

فارسی شعر و ادب:

مامون کے دور میں فارسی زبان و ادب کو خوب فروغ حاصل ہوا کیونکہ مامون کی ماں ایرانی النسل تھی اس لئے اس کی مادری زبان فارسی تھی۔ فارسی شعراء منہ مانگے انعام حاصل کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مامون کے عہد میں فارسی ادب اور شاعری نے دوبارہ جنم لیا تو بے جا نہ ہو گا۔ فارسی کو ایک مرتبہ پھر اپنی عظمت رفتہ حاصل ہوئی۔ بعدازاں عباس بن مامون فارسی شعر و ادب کی ترقی کے لئے نہایت کوشاں تھا۔

دینی علوم:

مامون نے اگرچہ ذاتی حیثیت سے علوم دینیہ کے فروغ کے لئے بہت کم کوششیں کیں لیکن حسن اتفاق سے اس کا دور تدوین حدیث' ترتیب فقہ اور تالیف تاریخ اسلام کے لحاظ سے سنہری زمانہ

ہے۔ اس دور میں علماء اسلام نے اپنی ذاتی کوششوں کی بدولت اسلامی علوم کی بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔

امام بخاری' ابن سعد' سفیان بن عینیہ' قاضی یحیٰ' امام احمد بن حنبل جیسے مشاہیر اسلام اس دور میں موجود تھے۔ انہوں نے اسلامی علوم کی اشاعت' توضیح اور تشریح میں کوئی کمی باقی نہ رہنے دی اگرچہ کئی مواقع پر انہیں بے پناہ مصائب کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

مسئلہ خلق قرآن' نفوس زکیہ کیلئے عظیم آزمائش

مسئلہ خلق قرآن کا پس منظر:

اموی دور کے آخری مراحل میں مذہبی مفکرین کا ایک ایسا گروہ منظر عام پر آیا جو سابقہ روش سے ہٹ کر دینی عقائد کو عقلی یا فلسفیانہ اصول کے مطابق پرکھ کر ان کی حقانیت کو جاننا چاہتا تھا۔ اپنی اس کوشش میں لازمی طور پر اس گروہ نے چند ایسے عقائد وضع کر لئے تھے جو علماء دین کے مسائل عقائد سے متصادم تھے۔ تاریخ میں اس گروہ کو فرقہ معتزلہ کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن کے متعلق معتزلہ کا عقیدہ:

عام مسلمانوں کے برعکس معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے جو لوگ قرآن کو غیر مخلوق اور صفات الٰہی کو قائم بالذات تصور کرتے ہیں فرقہ معتزلہ کے نزدیک وہ گمراہ اور مشرک ہیں لہٰذا واجب القتل ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ قرآن کے خیالات رسول اکرم ﷺ پر القاء ہوئے اور پھر ان خیالات کو رسول اکرم ﷺ نے خود الفاظ میں ڈھالا یعنی قرآن کو خدا نے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنایا (نعوذ باللہ) گویا یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کی تصنیف تھی۔

معتزلہ کا عروج:

فرقہ معتزلہ عوام الناس میں اس وقت تک مقبول نہ ہو سکا جب تک اسے سرکاری سرپرستی حاصل نہ ہوئی۔ اموی خلیفہ یزید بن ولید بن عبدالملک نے بھی اس مذہب کو اعلانیہ قبول کیا تھا لیکن اس فرقہ کی اصل اشاعت عباسی دور میں ہوئی۔ منصور معتزلی عقائد کا مداح ہونے کے باوجود کھل کر اس کا اقرار کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ منصور کے عہد میں پہلوی' سریانی' یونانی اور ہندی زبانوں میں فلسفہ و حکمت کی آمد سے فلسفیانہ مباحث کی گرم بازاری نے معتزلی عقائد کو فروغ حاصل ہوا تاآنکہ فقہاء نے ان فلسفیانہ موشگافیوں کو دینی ذوق کے خلاف قرار دیا اور ہارون رشید نے ایسے مناظروں پر پابندی لگا دی تھی۔

معتزلہ اور مامون:

معتزلہ کی بھرپور سرپرستی کا دور عہد مامون سے شروع ہوتا ہے۔ مامون نے خود مناظروں کا اہتمام کروایا۔ ابوالہذیل علاف اس کا مشہور مناظر تھا۔ تمام اضلاع میں مناظرہ کی مجالس منعقد کروا

گئیں اور سرکاری سرپرستی میں معتزلہ نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی شروع کی۔

مسلک اعتزال اور مامون:

مامون یونانی فلسفہ کے زیر اثر مذہبی طور پر معتزلی ہو گیا جس بناء پر وہ خلق قرآن کا قائل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا گویا اصلی توحید سے انکار کرنا تھا۔

مامون اور مسلک اعتزال کا جبری نفاذ:

مامون مسلک اعتزال کے زیر اثر ایسا آیا کہ توازن اور انصاف کے تمام تقاضے فراموش کر گیا۔ اس نے یہاں تک اعلان کیا کہ جو مسلک اعتزال کا قائل نہیں' میں اس کی حفاظت کا ذمہ دار نہیں۔ گویا ایسا ہر شخص قانون اور حکومت کے تحفظ کے حق سے محروم ہو گیا اور اگر کوئی اس کی جان و مال اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالتا ہے تو حکومت کوئی اقدام نہیں کرے گی۔

مامون اور مسئلہ خلق قرآن:

212ھ میں مامون نے خلق قرآن کے مسئلہ کا سرکاری طور پر اعلان کیا لیکن اس کی بنیاد پر جبر وتشدد کی ابتداء 218ھ سے ہوئی۔ اس کے بعد سے مامون نے خلق قرآن کے عقیدے کو تلوار کے زور سے پھیلانے کا عزم کیا۔

گورنر بغداد کے نام مامون کا مراسلہ:

اس سال اس نے بغداد کے گورنر اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ تمام علماء شہر کو طلب کر کے خلق قرآن کے مسئلہ پر ان کے عقائد دریافت کیے جائیں جو اقرار کریں' انہیں چھوڑ دیا جائے اور جو انکار کریں ان کے نام مجھے ارسال کریں۔

گورنر بغداد کے نام دوسرا مراسلہ:

پھر اس نے دوسرا فرمان بھیجا کہ بشیر بن ولید کندی اور قاضی القضاۃ ابراہیم بن مہدی اگر انکار کریں تو قتل کر دیئے جائیں لیکن ان کے علاوہ دیگر منکرین خلق قرآن کو صرف قید کر دیا جائے۔ افسوس کہ دونوں حضرات موت کے ڈر سے خلق قرآن کا اقرار کر گئے اور جان بچالی۔ ان کے بعد بہت سے اور لوگوں نے بھی ساتھ دیا۔

نفوس زکیہ کا امتحان اور ثابت قدمی:

علماء حق کی ایک مقدس جماعت ایسی تھی جس کے لئے مامون کی تلوار سے بڑھ کر خدا کا فرمان زیادہ ہیبت وسطوت کا باعث تھا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اس راہ میں جو آزمائشیں آئی تھیں وہ خندہ پیشانی اور صبر سے برداشت کیں۔

قافلہ سخت جان:

ان نفوس زکیہ کے سالار اعظم امام احمد بن حنبل تھے جنہیں امام اہل سنت کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ حاکم بغداد اسحاق بن ابراہیم نے آپ کو پابند سلاسل کر کے طرسوس روانہ کیا کیونکہ ان دنوں مامون طرسوس میں تھا۔ آپ کے ساتھ ایک دوسرے بزرگ محمد بن نوح تھے اور کچھ دیگر ساتھی بھی تھے جو آپ کی طرح اس آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ جب یہ قافلہ "رقہ" پہنچا تو خبر آئی کہ مامون فوت ہو گیا لہٰذا اس قافلہ سخت جان کو واپس بغداد بھیج دیا گیا۔

معتصم اور مسلک اعتزال:

مامون کی طرح معتصم بھی معتزلی خیالات کا مالک اور خلق قرآن کا قائل تھا بلکہ وہ اس معاملے میں مامون سے دو قدم آگے ہی تھا جو درشتی اور اکھڑپن ایک سپاہی کے کردار میں ہوتا ہے وہ اس کے مذہبی جنون اور کٹرپن کی صورت میں موجود تھا۔

عہد معتصم اور نفوس زکیہ کے لئے کٹھن امتحان:

جو لوگ خلق قرآن کے قائل نہ تھے معتصم نے انہیں بے دردی سے اپنے مذہبی جنون کا نشانہ بنایا۔ ان مظلومین میں امام احمد بن حنبل سرفہرست تھے جن پر معتصم کے عتاب کی بجلیاں اپنی زور آزمائی کرتی رہیں لیکن اس کے باوجود آپ ثابت قدم رہے۔ معتصم نے ایک جنونی مقلد کے ذہن اور ایک آمر کی قوت سے کام لے کر خلق قرآن کے منکرین کو عبرتناک سزائیں دیں۔

امام احمد بن حنبلؒ صبر کا عظیم پہاڑ:

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے جب قرآن کو مخلوق ماننے سے انکار کر دیا تو ان پر بڑے دردناک مظالم کئے۔ انہیں بار بار کوڑے لگائے گئے یہاں تک کہ وہ مارے درد کے بے ہوش ہو جاتے مگر ان اذیتوں کے باوجود ان کے عزم صمیم میں کوئی لغزش نہ آئی اور برابر اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ مامون اور معتصم دونوں خلفاء کی حکمرانی اور ان کی تمام تر قوت امام احمد بن حنبلؒ کی ایمانی قوت کو متزلزل نہ کر سکی۔ امام صاحب کی قوت مدافعت اور آپ کا ایمان افروز صبر تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہے۔

خلیفہ واثق اور مسئلہ خلق قرآن:

واثق اس معاملے میں معتصم سے بھی کئی ہاتھ آگے تھا اس نے امام احمد بن حنبلؒ کو قید ڈالے رکھا۔ ایک محدث بزرگ احمد بن نصر کا سر خود اپنے ہاتھ سے قلم کیا۔ اس کے تعصب کا یہ عالم کہ اس نے رومیوں کی قید سے صرف ان مسلمان قیدیوں کو رہا کروایا جنہوں نے مسئلہ خلق قرآن کا اقرار کیا۔ واثق نے بعض دوسرے بزرگوں کو بھی قتل کروایا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا اصرار:

امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل کے جواب میں جب سرکاری اہلکاروں کو ناکامی ہوئی تو تسلیم کر

کے بجائے انہیں اُلٹا کوڑوں کی سزا دی گئی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے یہ سب کچھ نہایت صبر سے برداشت کیا۔ آپؒ ہر کوڑے کے جواب میں یہ فرماتے تھے کہ اللہ کی کتاب یا سنت رسول اللہ ﷺ سے دلیل پیش کرو تو میں ابھی آپ کی بات مان لیتا ہوں۔

خلیفہ متوکل اور اعتزال کا زوال:

بالآخر امام احمد بن حنبلؒ اور ساتھیوں کی قربانیاں رنگ لائیں' ان کی استقامت کی وجہ سے برسر اقتدار لوگ بھی اپنے عقائد پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔

واثق کے جانشین متوکل نے معتزلہ کے بارے میں حکومت کا طرز عمل بدلا' اس نے شافعی عقائد قبول کر لئے۔ عملی طور پر حدیث رسول کی قدر افزائی کی۔ امام احمد بن حنبل کی قدر و منزلت کی گئی اور معتزلی ارکان حکومت کو معزول کر کے اس فتنہ کا سدباب کیا گیا۔

متوکل کے اس اقدام سے جمہور اسلام نے اطمینان کا سانس لیا' لوگ اس کی عیش پرستیوں کو بھول کر اسے ''محافظ سنت'' کے لقب سے پکارنے لگے۔

(تاریخ الخلفاء' ص 215 تا 218- تاریخ اسلام از ڈاکٹر وحید الدین' ص 460 تا 464- تاریخ اسلام' شاہ معین الدین ندوی' حصہ سوم' ص 535)

مامون اور علویوں کا احترام:

اموی اور عباسی دونوں زمانوں میں علویوں پر حکومت کے عہدوں کے دروازے بند تھے جبکہ مامون نے انہیں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا۔ اس کے خاندان کی ایک خاتون نے اس پر اعتراض کیا تو مامون نے جواب دیا کہ میں سابقہ خلفاء کی غلطیوں کی تلافی کر رہا ہوں۔

(تاریخ الخلفاء' ص 312)

اس کی اس عقیدت کو دیکھ کر اہل بیت کے چند افراد نے مامون سے فدک کی واپسی کی درخواست کی اس کے بارہ میں تحقیقات اور علماء سے استصواب رائے کے بعد فدک یحییٰ بن حسین کے لڑکے محمد کے حوالے کر دیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 573)

اپنے متعلق مامون کا تبصرہ:

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے مشرقی سلاطین کے پردے میں دوسرے دماغوں کی کارفرمائی رہتی تھی لیکن مامون کی عظمت ذاتی تھی' وہ کسی سہارے کا محتاج نہ تھا۔ وہ خود کہتا تھا کہ معاویہ کی قوت عمرو بن العاص کے بل پر تھی۔ عبدالملک کا سہارا حجاج تھا لیکن میری قوت و عظمت خود میری ذات سے ہے۔ اسی لئے مؤرخین اس کو عباسی سلسلہ کا درمیانی گوہر کہتے ہیں۔ افتتاحی سفاح' اختتامی معتضد اور درمیانی مامون ہے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 311)

مامون کی سیرت و کردار

اپنے پیشرووٴں کے برعکس مامون بڑا نرم دل اور منکسر المزاج تھا۔ عفو و درگزر میں اس قدر غلو کرتا کہ اپنے بدترین دشمن بھی سامنے آ جاتے تو ان کی خطائیں نظرانداز کر کے معافی دے دیتا حتیٰ کہ فضل بن ربیع جیسے بدطینت اور فتنہ پرداز کی بھی جان بخشی کر دی حالانکہ دونوں بھائیوں کے درمیان مخالفت و جنگ کی ساری ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔ مامون کہا کرتا تھا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عفو میں مجھے کتنا مزہ آتا ہے تو میرے پاس گناہوں کے تحفے لائیں۔

علم و ادب کے اعتبار سے مامون یکتائے روزگار تھا۔ علماء اور ادباء کی بے حد قدر دانی کرتا اور معمولی معمولی باتوں میں انہیں گرانقدر عطیے دیتا۔ ان فیاضیوں اور بخششوں کا اثر یہ ہوا کہ اس کا دربار اہل فن کا مرکز بن گیا۔

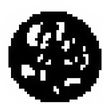
اپنے عقائد کے لحاظ سے وہ مجموعہ اضداد تھا۔ فلسفہ کے مطالعہ اور غیر مذاہب کے علماء کی صحبت کے اثر سے وہ خلق قرآن کا قائل ہو گیا اور علمائے اسلام سے جبراً خلق قرآن کا اقرار کرا کے اسے تمام مسلمانوں کا عقیدہ بنانے کی کوشش کی جن لوگوں نے تسلیم نہ کیا انہیں سخت سزائیں دیں۔ یہاں تک کہ بعض علماء کو قید میں ڈال دیا۔ یہ واقعات اس کے حلم اور رواداری پر بدنما داغ ہیں۔

مامون کی طبیعت میں سادگی اور سعادت مندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بحث و مناظرہ کے درمیان لوگ اکثر اس کے ساتھ درشت کلامی بھی کر جاتے مگر وہ ایسی گستاخیاں کمال تحمل سے برداشت کرتا اور کبھی چہرے پر شکنیں نہ ڈالیں۔ جب کبھی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تو بلاجھجک اس کا اعتراف کر لیتا۔

اس کا دسترخوان بڑا وسیع تھا جس کے روزانہ مصارف دس ہزار درہم تھے۔ اس کے عہد میں عدل و انصاف کا خاص اہتمام تھا۔ دیوان عدالت میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب یکساں تھے۔ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ خود خلیفہ بھی معمولی انسانوں کی طرح قاضیوں کے سامنے پیش ہوتا اور ان کے فیصلوں کا پورا پورا احترام کرتا۔ جب تک فضل بن سہل مامون پر حاوی رہا اس وقت تک اسے کاروبار خلافت کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ملا لیکن اس کے قتل کے بعد جملہ امور میں ذاتی طور پر دلچسپی لینے لگا اور وزراء پر بہت کم اعتبار کرتا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ معاویہؓ کی قوت عمرو بن العاصؓ کے بل پر تھی۔ عبدالملک کا سہارا حجاج تھا لیکن میری عظمت و قوت خود میری ذات سے ہے۔

ایک مخلص مومن ہونے کے باوجود مامون رنگین مزاج بھی تھا۔ شعر و شاعری کا دلدادہ تھا۔ موسیقی سے خاص رغبت تھی اور فارغ اوقات میں رقص و سرود کی محفلوں سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔

(تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص 455-456)



ابواسحاق محمد بن ہارون الملقب بہ معتصم باللہ

خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید بروایت ذہبی معتصم 180ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں اُم ولد مولدات کوفہ سے تھی۔ اس کا نام ''ماردہ'' تھا۔

تعلیم و تربیت:

ہارون رشید معتصم کو بہت چاہتا تھا۔ ایک تعلیم یافتہ غلام ہر وقت معتصم کے ساتھ رہتا جو اسے پڑھاتا رہتا۔ جب وہ غلام مر گیا تو ہارون نے کہا کہ محمد اب تو تمہارا غلام بھی مر گیا' اب بتلاؤ۔ معتصم نے کہا ہاں قبلہ وہ مر گیا اور میں کتاب کی بلا سے چھوٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ تھوڑا بہت لکھ سکتا تھا اور کچھ کچھ پڑھ بھی سکتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 232)

معتصم بڑا قوی' شجاع اور صاحب معلومات تھا۔ اس کو فنون حرب سے دلی لگاؤ تھا۔ شجاعت اور تہور اس کی جبلت میں داخل تھے۔

مامون کے زمانے میں معتصم شام اور مصر کا والی رہا۔ شجاعت کی وجہ سے مامون اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ مامون نے اپنے بیٹے عباس کو خلافت سے محروم کر کے اپنے بھائی معتصم کو ولی عہد مقرر کیا۔

خلافت:

مامون کی وفات کے دوسرے دن 9 رجب 218ھ بمطابق 833ء کو طرطوس میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ بیعت کے وقت لشکریوں نے شوروغل مچایا کہ عباس بن مامون کو تخت خلافت پر متمکن کیا جائے۔ معتصم نے عباس کو دربار خلافت میں بلایا۔ عباس نے حاضر ہو کر بطیب خاطر معتصم سے بیعت کر لی اس طرح یہ شوروغوغا فرو ہو گیا۔

طوانہ کا انہدام:

معتصم نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی یہ کیا کہ طوانہ کو جسے مامون نے آزاد کر دیا تھا' منہدم کرا کے ان لوگوں کو جو بسائے گئے تھے ان کے گھروں کو واپس کر دیا اور جس قدر اسلحہ کے ذخائر وہاں جمع کئے گئے تھے ان سب کو اپنے ساتھ لایا اور جو نہ لایا جا سکا وہ جلا دیا گیا اور یہ 218ھ ماہ شعبان میں بغداد میں رونق افروز ہوا۔ (تاریخ ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 126)

مامون کی عجم نوازی کی وجہ سے ایرانیوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور ان میں اور عربوں میں چشمک پیدا ہو گئی تھی۔ معتصم نے اپنے زمانہ میں ایرانیوں کا زور توڑنے کے لئے ترکوں کو آگے بڑھایا اور ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ آگے چل کر وہ حکومت کے لئے وبال جان بن گئے اور عربی و عجمی چشمک ترکوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

محمرہ کی فتنہ انگیزی:

معتصم کے تخت نشین ہوتے ہی یہ خبر آئی کہ خراسان کے پہاڑی علاقہ میں محمرہ نے ڈاکہ زنی

شروع کر دی ہے۔ (محمرہ سے مراد خرمی فرقہ ہے یہ لوگ چونکہ سرخ پوش تھے اس لئے بعض عربی مورخین انہیں محمرہ کہتے ہیں) اور بہت سے خراسانی حاجیوں کو قتل کر ڈالا۔ معتصم نے ایک ترکی سردار ہاشم بن باتیجور کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا مگر وہ ناکام رہا۔ دوبارہ اسحاق بن ابراہیم کو بھیجا۔ اس نے محمرہ کو تنبیہ کر کے امن و امان قائم کیا۔

محمد بن قاسم علوی کی بغاوت:

مامون کے عہد میں اہل بیت نے خلافت کا دعویٰ کیا مگر ناکام رہے۔ معتصم کے عہد میں محمد بن قاسم بن علی بن حسین بن علی ایک خاموش، عابد و زاہد اور نیک سیرت بزرگ تھے اور مسجد نبوی میں گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے۔ ایک فتنہ پرور خراسانی مدینہ آیا اور وہ محمد بن قاسم کے پاس رہنے لگا۔ اس نے آپ کے ذہن میں یہ خیال مستحکم کر دیا کہ "آپ ہی امامت کے مستحق ہیں" اور خرسانی حجاج کو لا کر ان سے بیعت کرانے لگا۔ جب ان کے ارادت مندوں کا حلقہ بڑھا۔ تو ان کو خروج کے ارادے سے مدینہ سے جوزجان لے گیا۔ یہاں کے والی عبداللہ بن طاہر کو اس کی خبر ہو گئی، اس نے ان کے ارادتمندوں کو منتشر کر دیا اور محمد بن قاسم جان بچا کر نساء چلے گئے۔ ایک شخص نے یہاں کے حاکم کو مخبری کر کے گرفتار کروا دیا اور محمد بن قاسم کو ربیع الاول 219ھ معتصم کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اس نے اپنے خادم مسرور کے پاس سامرا میں قید کر دیا۔ سات آٹھ مہینے گزرنے کے بعد وہ ایک شب موقع پا کر فرار ہو گئے اور ایسے غائب ہوئے کہ ان کا سراغ ہی نہ مل سکا۔

زیدیہ کی جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ وہی امام مہدی ہیں جو کہ زندہ غائب ہو گئے۔ جب ظلم وستم سے دنیا بھر جائے گی اس وقت ظاہر ہوں گے۔ ان کے غائب ہوتے ہی ہمراہی منتشر ہو گے۔

(ابن خلدون، ج 3، ص 257- اخبار العیون والحدائق، ص 6-7)

زط کی بغاوت:

219ھ میں بصرہ کے راستہ میں زط (عراق میں مخلوط اقوام کا جرگہ) نے شورش برپا کی اور ایک شخص محمد بن عثمان کو سرغنہ بنا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ معتصم نے عجیف بن عنبہ کو ان کی سرزنش پر مامور کیا۔ اس نے راستہ میں ان کا مقابلہ کر کے ان کے تین سو آدمی قتل اور تین سو زخمی کر دیئے اور ان کے سر ملاحظہ کے لئے معتصم کے پاس بھیجے اور سات مہینے تک کامل ان کا استیصال کرتا رہا اور 220ھ میں ان کے ستائیس ہزار (27000) مردوں، عورتوں اور بچوں کو قید کر کے بغداد لایا۔ معتصم کے ملاحظہ کے بعد ان کو عین زاربہ جانے کی اجازت دی گئی لیکن راستہ میں رومیوں نے ان سب کو ختم کر دیا۔

(ابن خلدون، ج 3، ص 358)

بابک خرمی کی مہم اور انجام:

عہد مامون میں بابک خرمی کے خلاف کئی مہمیں ناکام ہو چکی تھیں اور اس کی شورش بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے زنجان اور دبیل کے درمیان کئی ایک سرکاری قلعے تباہ کر دیئے تھے۔ معتصم نے ابو

سعید محمد بن یوسف کو ان قلعوں کی مرمت کرنے اور یہاں حفاظتی چوکیاں قائم کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے مرمت شروع کرائی تھی کہ خرمیوں نے پھر اس طرف تباہی مچا دی۔ ابوسعید کو معلوم ہوا تو یہ ان کی تلاش میں نکلا' راستہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ابوسعید نے بابک کے بہت سے آدمی قتل کر دیئے اور کئی گرفتار کر لئے اور ان کے قبضے میں مقید مسلمانوں کو چھڑایا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 151)

آذربائیجان کے دو ممتاز آدمی محمد بن بعیث اور حاکم مرند عصمہ کرد بھی بابک کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ معتصم نے طاہر بن ابراہیم کو ان کے مقابلے میں بھیجا۔ ابن بعیث نے معتصم کو لکھ بھیجا کہ میں بدستور بارگاہ خلافت کا اطاعت گزار ہوں اور بابک اور اس کی جماعت کو زیر کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں چنانچہ اس نے عصمہ کرد کو اپنے ہاں مدعو کیا اور شراب پلا کر بدمستی میں گرفتار کر کے معتصم کے پاس بھجوا دیا۔ معتصم اس کارگزاری پر بہت خوش ہوا۔ عصمہ کی گرفتاری کے بعد معتصم نے ترکی افسر افشین بن حیدر اشروسنی کو بابک کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ وہ راستہ میں پہاڑی علاقوں کو لیتا ہوا برزند پہنچا اور کامل ایک سال تک بابک کا مقابلہ کرتا رہا۔ پھر برف باری کی وجہ سے جنگ روک دینا پڑی۔ سردی ختم ہونے کے بعد پھر بڑھا اور مختلف سمتوں میں فوجیں پھیلا دیں اور یدالروز میں جنگی استحکامات درست کر کے کمین گاہوں میں فوجیں چھپا کر رمضان 222ھ میں بابک کے مستقر "بذ" کی طرف بڑھا۔ بابک مسلسل جنگ سے پریشان ہو چکا تھا اس لئے اس نے افشین سے گفتگو کی خواہش کی۔ افشین نے منظور کر لیا اور دونوں ایک نہر پر ملے۔ ایک جانب افشین تھا اور دوسری جانب بابک۔ افشین نے اس کے سامنے امان پیش کی۔ اس نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ افشین نے کہا کہ ایک دن کی مہلت میں تم اپنے جنگی استحکامات درست کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہیں امان منظور ہے تو فوراً وادی کو عبور کر کے چلے آؤ۔ بابک یہ فیصلہ سن کر واپس چلا گیا اور مسلمان ایک شدید معرکے کے بعد "بذ" میں داخل ہو گئے۔ بابک شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں سات ہزار چھ سو (7600) مسلمان قید تھے' افشین نے ان کو چھڑایا۔ بابک خچر پر سوار ہو کر نکل گیا۔ افشین نے آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقہ کے بطارقہ کو اطلاع دے دی اور بابک کی گرفتاری پر دس لاکھ درہم کے انعام کا اعلان کیا۔ بابک بذ سے نکل کر ایک بطریق سہل بن سنباط کے پاس پہنچا' اس نے اسے گرفتار کر کے افشین کو اطلاع دے دی۔ افشین نے آدمی بھیج کر اس کو بلوا لیا۔ خرمی تحریک نہ صرف حکومت بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھی اور اس سے ساری دنیائے اسلام میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا اس لئے تمام ممالک محروسہ میں گرفتاری کا اعلان کرایا گیا اور افشین بابک کو لے کر معتصم کے پاس "سر من رای" روانہ ہوا۔ بابک پر فتح یابی افشین کا نہایت اہم کارنامہ تھا اس لئے افسران فوج نے کئی میل باہر نکل کر افشین کا استقبال کیا اور وہ 223ھ میں "سر من رای" میں داخل ہوا۔ معتصم نے بابک کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرا دیا اور اس کی لاش سولی پر لٹکائی۔ اس کا بھائی عبداللہ بغداد میں سولی پر چڑھایا گیا۔

(یعقوبی' ج 3' ص 578- تاریخ ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 130 تا 142 ملخصاً)

سہل بن سنباط کی بغاوت اور اطاعت:

آرمینیہ اور آذربائیجان میں بابکیوں کی شورش کی وجہ سے بدنظمی پھیل گئی تھی۔ سہل بن سنباط نے سر اُٹھایا اور ران پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن سلیمان ازدی نے شب خون مار کر اس کو یہاں سے نکال دیا۔ ابن سنباط راہ راست پر آ گیا اور معذرت خواہ ہو کر مطیع ہو گیا۔

محمد بن عبیداللہ کی بغاوت:

ورثان میں محمد بن عبیداللہ نے بغاوت برپا کی۔ افشین نے منکجور کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا لیکن علی بن یحییٰ ارمنی نے خلیفہ سے کہہ سن کر ورثان کا قصور معاف کرا دیا اور آرمینیہ کی حکومت محمد بن خالد کو عطا ہوئی مگر اس میں ملکی انتظام سنبھالنے کی طاقت نہ تھی اور یکے بعد دیگرے کئی حکام بدلے آخر میں حمدویہ بن علی کا تقرر ہوا جس نے عنان حکومت ہاتھ میں آتے ہی آرمینیہ میں امن و امان قائم کر دیا۔

''مازیار'' والئی طبرستان کی بغاوت:

والئی طبرستان ''مازیار'' عباسی حکومت کا باجگزار تھا اور حاکم خراسان کو خراج ادا کیا کرتا تھا لیکن موجودہ والی عبداللہ بن طاہر اور مازیار کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے اس لئے معتصم خود خراج وصول کر کے عبداللہ بن طاہر کے پاس بھجوا دیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کی کشیدگی اس حد تک بڑھی کہ دونوں معتصم کے پاس ایک دوسرے کی شکایتیں پہنچانے لگے۔ عبداللہ بن طاہر کا جادو چل گیا اور معتصم مازیار سے بدگمان ہو گیا۔ عبداللہ بن طاہر اور افشین دونوں باکمال جرنیل تھے لیکن دونوں میں چشمک رہا کرتی تھی بالآخر یہ چشمک مخالفت بن گئی اور افشین نے عبداللہ بن طاہر کی ولایت خراسان پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اس کے لئے مازیار کو عبداللہ کے خلاف بھڑکایا۔ اسے یقین تھا کہ اگر مازیار باغی ہو گیا تو اس کی سرکوبی اس کے سپرد کی جائے گی تو اس طرح اسے خراسان کی حکومت مل جائے گی۔ مازیار اور افشین ہم مذہب تھے اس لئے اس نے ہمدردی میں اس کو عباسی حکومت سے آزادی پر آمادہ کیا تھا۔ (مروج الذہب' ج 6' ص 138)

افشین اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور مازیار نے علم بغاوت بلند کر دیا اور دو مہینے کے اندر ایک سال کا خراج وصول کر لیا۔ اہل' ساریہ اور طمیس کے باشندوں کو ہر مز منتقل کر کے یہاں مقابلہ کے لئے تین میل لمبی ایک شہر پناہ تعمیر کرائی گئی اور ایک بڑی خندق کھدوائی۔ یہ تیاریاں دیکھ کر جرجان کی آبادی نے (جو عباسی حکومت کے زیر قبضہ رقبہ میں تھا) شہر خالی کر دیا' معتصم اور عبداللہ بن طاہر کو ان حالات کا علم ہو چکا تھا چنانچہ بروقت ان کی فوجیں پہنچ گئیں اور مازیار کو ہر طرف سے گھیر لیا اور ایک سپاہی کی رہنمائی میں نو تعمیر شدہ شہر پناہ کے اندر گھس کر دشمن کی فوجوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اس کا افسر سرخستان' حمام کر رہا تھا اسے خبر ہوئی تو وہ حمام سے ایکا بھاگ نکلا اور اس کا بھائی شہریار گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ سرخستان کو بھی اس کے ایک آدمی نے پکڑ کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور اس کا بھی سر قلم

کر دیا گیا۔

مازیار کی گرفتاری اور قتل:

مازیار کی تندخوئی اور سخت گیری کی وجہ سے خود اس کے آدمی اس کے خلاف تھے۔ اس کا بھائی قوہیار بھی اس کا دشمن تھا۔ مازیار کی شکست سے اسے بدلہ لینے کا موقع مل گیا چنانچہ اس نے امان دلانے کے بہانے سے اسے لے جا کر گرفتار کرا دیا اور وہ معتصم کے پاس بھجوا دیا گیا۔ معتصم نے اسے کوڑوں سے پٹوایا جس کے صدمہ سے وہ مر گیا۔ اس کے انتقام میں اس کے آدمیوں نے قوہیار کا خاتمہ کر دیا اور طبرستان کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا۔ (مروج الذہب' ج 6' ص 347-348)

منکجور باغی کا انجام:

منکجور افشین کا ایک عزیز تھا' افشین نے اسے آذربائیجان کا حاکم بنا دیا تھا۔ اسے یہاں بابک خرمی کا دفن کیا ہوا خزانہ ہاتھ لگا۔ نامہ نگار نے معتصم کو اس کی اطلاع کر دی۔ معتصم نے منکجور سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور مخبر کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اردبیل کے باشندوں نے روکا تو ان سے بگڑ بیٹھا۔ معتصم کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے افشین کو اس کی معزولی کا حکم بھیج دیا۔ یہ آسانی سے ہٹنے والا نہ تھا اس لئے افشین نے مقابلہ کے لئے فوج روانہ کی۔ منکجور کو خبر ہوئی تو اس نے علم بغاوت بلند کر دیا لیکن افشین کی فوجوں نے اسے شکست دی۔ وہ آذربائیجان کے ایک قلعہ میں محصور ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد اس کے ساتھیوں نے اسے پکڑ کر افسر فوج کے حوالے کر دیا۔ اس نے اسے معتصم کے پاس سامرہ بھیج دیا۔ یہاں وہ قید کر دیا گیا۔

منکجور کی بغاوت کی وجہ سے معتصم افشین سے بدظن ہو گیا۔

جعفر بن فہر بن حسن کی بغاوت:

اسی سن 225ھ میں موصل کا ایک کرد جعفر باغی ہو گیا۔ بہت سے کرد اور فتنہ پسند عوام اس کے ساتھ ہو گئے۔ معتصم نے عبداللہ بن سید بن انس کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا اور انہیں موصل کا گورنر بھی نامزد کیا۔ جعفر اس وقت "ماتعیش" میں تھا۔ عبداللہ نے اسے یہاں سے نکالا۔ یہ فرار ہو کر ایک دشوار گزار درہ میں چلا گیا۔ عبداللہ بھی تعاقب میں پہنچا۔ جعفر اور اس کے ساتھی پہاڑی علاقے کے واقف کار اور ایسے مقامات پر جنگ کے عادی تھے جبکہ عبداللہ کی فوج اس سے ناواقف تھی اس لئے عبداللہ کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کا بڑا حصہ کام آیا۔ عبداللہ کی شکست کے بعد معتصم نے یہ مہم ترکی سپہ سالار ایتاخ کے سپرد کی۔ اس نے آتے ہی ایک سخت مقابلے کے بعد جعفر کو قتل اور اس کے جرگے کو منتشر کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 172 - ابن خلدون' حصہ ثانی' ج 7' ص 140)

افشین سے بدظنی:

اس بدظنی کی وجہ یہ تھی کہ بابک کے مقابلہ کے زمانہ میں افشین کے پاس آرمینیہ سے جو تحائف وغیرہ آتے تھے وہ انہیں دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے اپنے وطن اشروسنہ بھیج دیا کرتا تھا۔ عبداللہ

بن طاہر نے معتصم کو اس کی اطلاع دی۔ معتصم نے جاسوس مقرر کر دیئے چنانچہ ایک مرتبہ افشین کا بھیجا ہوا روپیہ پکڑ لیا گیا اور عبداللہ بن طاہر نے اسے لے کر فوج میں تقسیم کر دیا اور لے جانے والوں کو قید کر دیا اور افشین کو لکھ بھیجا کہ میں نے ایک رقم پکڑی ہے' لے جاتے والوں کا بیان ہے کہ وہ تمہاری بھیجی ہوئی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم مجھے بتائے بغیر رقم اشروسنہ نہیں بھیجتے ہو اس لئے میں نے وہ رقم لے کر فوج میں تقسیم کر دی ہے۔ اگر یہ رقم واقعی تمہاری تھی تو جب بغداد سے روپیہ آئے گا تو ادا کر دیا جائے گا۔ اگر تمہاری نہیں تھی تو اس قسم کی رقمیں بحق امیر المومنین ضبط کی جا سکتی ہیں۔ افشین نے جواب دیا میرا اور امیر المومنین کا مال ایک ہی ہے اور جن لوگوں کو تم نے گرفتار کیا ہے' انہیں چھوڑ دو۔ اس واقعہ کی وجہ سے پہلے سے موجود کشیدگی میں اور اضافہ ہو گیا۔ افشین نے عبداللہ بن طاہر سے اس کا انتقام لینے کے لئے مازیار کو بھڑکایا جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

معتصم کو افشین کی اس سازش کا علم ہو گیا اس کے بعد منکجور کی بغاوت میں اس کے اشارہ کا شبہ تھا۔ ان واقعات نے معتصم کو اس سے بدظن کر دیا لہٰذا اس کے ساتھ اس کا طرز عمل بدل گیا۔

(طبری' ج 11' ص 1302 تا 1304)

افشین کی گرفتاری اور قتل:

افشین کو جب یہ صورتحال محسوس ہوئی تو اس نے آرمینیہ بھاگ جانے اور خزر کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنے کا پروگرام بنایا لیکن اتنے بڑے لاؤ لشکر کا چھپ کر نکل جانا آسان نہ تھا اس لئے جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے معتصم اور اس کے افسروں کو دعوت میں بلا کر زہر کھلا دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس سازش میں معتصم کے بعض قابل اعتماد آدمی بھی شریک تھے اس لئے افشین کا منصوبہ پورا ہونے سے پہلے ہی یہ راز فاش ہو گیا اور معتصم نے اس وقت افشین کو بلا کر قید کر دیا اور 226ھ میں قید میں ہی مروا ڈالا۔ (طبری' ج 11' ص 1306)

مبرقع کی بغاوت:

227ھ میں فلسطین میں ابوحرب الملقب بہ مبرقع (برقع پوش) نے بغاوت کی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک عباسی فوجی افسر نے مبرقع کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں قیام کرنا چاہا۔ اس کی بیوی نے منع کیا' فوجی نے اسے کوڑا مارا۔ مبرقع جب گھر آیا تو اس کی بیوی نے اسے گزرا ہوا واقعہ بتا دیا۔ مبرقع غصے میں پلٹا اور عباسی افسر کو ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔ پھر حکومت کے خوف سے اردن کے پہاڑ میں روپوش ہو گیا اور گرفتاری کے خوف سے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھا۔

مبرقع کی نقاب پوشی اور عزلت نشینی سے عوام اس کی طرف رجوع کرنے لگے اور کثرت سے عقیدت مند جمع ہو گئے یہاں تک کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور معتصم کے خلاف زہر اگلتا رہتا۔ ادھر یہ مشہور کر دیا کہ میں اموی خاندان سے ہوں اور اس لئے دنیا میں آیا ہوں کہ ان غاصبوں سے خلافت چھین لوں۔

معتصم کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے رجاء بن حیوہ کو ایک مختصر فوج کے ساتھ بھیجا۔ اس وقت مبرقع کے پیروکاروں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو چکی تھی اس لئے رجاء نے فوراً مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور مبرقع کے قریب ہی ٹھہر گیا۔ مبرقع کے پیروکار زیادہ تر کاشتکار تھے جب کاشتکاری کا زمانہ آیا تو ان کی بڑی تعداد اپنے کام میں لگ گئی اور اس کے ساتھ کل بارہ سو آدمی رہ گئے۔ (باقی آئندہ آئے گا۔) (ابن اثیر' ج 6' ص 177)

عہد معتصم کی فتوحات

معتصم خود بڑا بہادر تھا اس لئے اس کے زمانہ میں بیرونی مہمات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

فتح عموریہ:

عموریہ (اموریم) ایشیائے کوچک میں رومیوں کا بڑا مرکز تھا۔ (معجم البلدان' ج 6' ص 227)

اس بناء پر مؤرخین عموریہ کی فتح کو اسلام کی نہایت اہم فتح شمار کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ 223ھ میں شہنشاہ روم تھوفلن (توفیل) بن میخائل تھا اسی سن میں جب بابک خرمی عساکر اسلامی کی زد میں آ گیا تو اس نے اپنے بچنے کی صورت یہ پیدا کی کہ توفیل کو لکھا "معتصم نے اپنی پوری قوت حتیٰ کہ اپنا درزی جعفر بن دینار اور باورچی ایتاخ ارد افشین کو میرے مقابلہ پر بھیج دیا ہے اور دارالخلافہ بالکل خالی ہے' تمہیں حملہ کے لئے اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ بغداد اور روم پرانے حریف تھے۔ اُدھر سے تم آؤ' اِدھر میں ان کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔

(تاریخ ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 143)

توفیل' بابک کے چکمہ میں آ گیا۔ خرمیوں کے علاوہ مزید ایک یا پونے دو لاکھ رومی لشکر کو لے کر زبطرہ (کیپنے ڈوشیا) پر حملہ آور ہوا۔ اس نے یہاں کے مسلمان مردوں کو قتل کیا' بچے اور عورتیں گرفتار کر لئے۔ ملطیہ وغیرہ کے قلعوں کو خوب لوٹا' جلایا اور تباہ کیا جو مسلمان بچے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ان کے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ گرفتار شدہ عورتوں میں ایک ہاشمی عورت بھی تھی' اس نے "وا معتصماہ" (اے معتصم میری مدد کر) کہہ کر فریاد کی۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 162)

معتصم کو جس وقت توفیل کے ان وحشیانہ مظالم' مسلمانوں کی دردناک حالت اور اس عورت کی فریاد کی خبر پہنچی اس وقت وہ دربار میں تخت پر بیٹھا تھا' وہیں سے بیٹھے بیٹھے بولا: "لبیک لبیک" (میں پہنچا' میں پہنچا) اور فوراً تخت سے اُتر کر منادی کرا دی اور فوجوں کو جمع کر کے خود ایک مسافر کی ضرورت کے بقدر سامان لے کر دربار عام میں آیا اور بغداد کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق' شعبہ بن سہل اور ان کے ساتھ 328 دوسرے ارکان سلطنت کو طلب کر کے ان کے روبرو وصیت کی:

"میری جاگیر کا ایک ثلث میری اولاد کو' ایک ثلث میرے موالی کو دیا جائے اور تیسرا حصہ اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔"

وصیت کرنے کے بعد جمادی الثانی 223ھ کو دجلہ کی مغربی سمت افواج کا پڑاؤ کیا اور عجیف

بن عتبہ' عمرو الفرغانی اور دوسرے فوجی افسران کو "زبطرہ" کے مظلوموں کی امداد کے لئے روانہ کیا لیکن یہ اس وقت زبطرہ پہنچے کہ رومی لوٹ مار کر کے جا چکے تھے۔ عجیف کے لشکر کے پہنچنے کے بعد جو مسلمان گھر بار چھوڑ کر جا چکے تھے' پھر واپس آ کر آباد ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد زبطرہ میں امن و سکون قائم ہو گیا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 162)

اس اثناء میں اسلامی فوجوں کو بابک خرمی کے مقابلہ میں فتح حاصل ہو گئی۔ معتصم نے اپنے مصاحبین اور ندیموں سے دریافت کیا:

"رومیوں کے نزدیک کون سا شہر عمدہ اور مہتم بالشان ہے؟"

عرض کیا گیا: "عموریہ"

معتصم نے یہ سنتے ہی تیاری کا حکم صادر فرما دیا اور کمال تیزی اور عجلت سے اس قدر سازوسامان جنگ اور آلات حرب مہیا کئے کہ اس سے پیشتر کسی جہاد میں مہیا نہیں کئے گئے تھے۔ مقدمتہ الجیش پر سپہ سالار "اشناس" کو اور عقب پر محمد بن ابراہیم بن مصعب کو' میمنہ پر سپہ سالار "ایتاخ" کو' میسرہ پر جعفر بن دینار خیاط کو اور قلب میں عجیف بن عتبہ کو مامور کر کے کوچ کیا۔

جب بلاد روم میں اسلامی لشکر کی آمد کی خبر پھیلی تو تہلکہ مچ گیا اور سلوقیہ کے مقام پر پہنچ کر "نہرسن" پر ڈیرے ڈال دیے۔ یہ مقام طرطوس سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔

معتصم نے "نہرسن" پر پہنچنے کے دوسرے دن امیر لشکر افشین کو سرحد حرث سے سروج کی طرف روانہ کیا اور اشناس کو یہ ہدایت کر کے کہ "صفصات" میں پہنچ کر لشکر ہمایوں کے آنے کا انتظار کرے۔ اپنی فوج کو طرطوس کی حدود کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

(تاریخ ابن خلدون' حصہ ثانی' ج 7' ص 145)

اور ایک دن مقرر کر کے سب کو ایک مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا۔

(طبری' ج 11' ص 227 تا 236)

توفیل کو جس وقت معتصم کی آمد کی خبر ملی تھی تو وہ اسی وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کے لئے روانہ ہو چکا تھا اور ایک مناسب مقام پر اپنی افواج کو ٹھہرائے ہوئے تھا چنانچہ جیسے ہی توفیل کو افشین کی پیش قدمی کی خبر ملی اپنے عزیز کو لشکر گاہ میں چھوڑ کر خود اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گیا۔

آرمینیہ کے اطراف میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ مسلمانوں کا پورا پیدل دستہ کام آ گیا۔ افشین چند گھنٹوں کے بعد پھر سنبھل کر بڑھا اور اس زور و شور سے رومیوں پر حملہ آور ہوا کہ ان کی فوجیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس ابتری میں خود توفیل اپنی فوج کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس لئے اس کے لشکر کی فوجیں منتشر ہو گئیں۔ جب یہ طوفان تھما تو توفیل جو بچ گیا تھا' اپنی فوج میں واپس آیا اور اسے منتشر دیکھا تو محافظ فوجی افسران پر سخت برہم ہوا اور ان کے سر قلم کرا دیئے اور اپنے تمام فوجی مرکزوں میں لکھ بھیجا کہ جو لوگ لوٹ گئے ہیں انہیں کوڑوں سے پیٹ کر ایک مقام پر جہاں وہ دوبارہ بڑھنے والا تھا' جمع کیا جائے اور اس نے ایک شخص کو انگورہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔

یہاں کے باشندے اسلامی لشکر کے حملہ کے خوف سے انگورہ سے نکل بھاگے تھے توفیل کو اس کی اطلاع دی گئی۔ توفیل نے یہ رنگ دیکھ کر انگورہ کی بجائے عموریہ کی حفاظت کا سامان کیا اور معتصم کے مقدمتہ الجیش پر چھاپہ مارنے کے لئے آگے بڑھا۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 193)

معتصم کے جاسوس توفیل کی فوج کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے امیرالمومنین کو اس کی اطلاع دے دی۔ معتصم نے فوراً مقدمتہ الجیش کے افسر اشناس کو ہدایت کی کہ تم وہیں توقف کرو جہاں ہو میں تم سے وہیں جلد ملتا ہوں اور اس درمیان میں رومیوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا لو چنانچہ اشناس نے یہ خدمت عمرو فرغانی کے سپرد کی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ توفیل مسلمانوں کے مقدمتہ الجیش کی تاک میں نکلا ہوا تھا لیکن جب اسے مسلمانوں کے لشکر کی آرمینیہ کی طرف پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ ادھر چلا گیا۔ اس اطلاع کے بعد معتصم نے افشین کو خط کے ذریعے راستے میں ٹھہر جانے کا حکم دیا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا اس لئے اس تک خط نہ پہنچ سکا۔ ادھر اشناس اور اس کے عقب سے معتصم دونوں آگے بڑھے۔ انقرہ کے قریب اشناس نے رومیوں کی ایک جماعت کو دیکھا اور ان پر حملہ کر دیا۔ انہیں گرفتار کر کے قتل کرا دیا' ان میں ایک بوڑھا بھی تھا اس نے کہا اگر تم میری جان بخشی کر دو تو انگورہ کی مفرور جماعت کا پتہ دے سکتا ہوں جس کے پاس خوردونوش کا سامان بھی ہے۔

اشناس نے منظور کر لیا اور مالک بن کرد کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس بوڑھے نے پہاڑی راستے سے لے جا کر مالک کو اس جماعت کے سر پر کھڑا کر دیا۔ مالک نے انہیں گھیر لیا اور کل سازوسامان پر قبضہ کر لیا اور بوڑھے کو انعام دے کر رخصت کیا۔ ان میں توفیل کی جنگ کے کچھ زخمی بھی تھے' ان سے توفیل کی شکست کا حال معلوم ہوا۔ اس کے بعد افشین کے قاصد نے پہنچ کر مفصل حالات اور فتح کی خوشخبری سنائی۔ پھر افشین خود انگورہ پہنچ گیا۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 166 - ابن خلدون' کتاب ثانی' ج 7' ص 143)

افشین کے آنے کے بعد انگورہ میں مسلمانوں نے فوجیں مرتب کیں۔ میمنہ پر افشین' میسرہ پر اشناس کا تقرر ہوا اور قلب کی قیادت خود معتصم نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور تینوں ایک دوسرے سے دو دو فرسخ کا فاصلہ دے کر تاخت و تاراج کرتے ہوئے عموریہ پہنچے۔ یہاں ایک مسلمان جو رومیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور اسے عیسائی بنا لیا گیا تھا' وہ رومیوں کے قبضے سے نکل کر اپنے بھائیوں میں آ ملا اور اس نے بتایا کہ شہر پناہ میں ایک مقام پر سوراخ ہے جو باہر سے چھپا دیا گیا ہے لیکن اندر سے خول ہے۔ معتصم نے اس مقام کے سامنے اپنا خیمہ نصب کر کے منجنیق سے سنگباری کے ذریعے سوراخ توڑ دیا۔

عموریہ کے بطریق باطیس نے توفیل کو اطلاع دی کہ شہر پناہ میں سوراخ ہو چکا ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ کسی شب کو نکل کر مسلمانوں پر چھاپہ مارتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ یہ خط مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ معتصم نے اسی رات شہر پناہ پر سنگ باری کر کے اسے ایک مقام سے توڑ دیا۔ عموریہ اور اسلامی لشکر کے درمیان صرف خندق حائل تھی' معتصم نے کھالوں کے بورے بنا کر اور اس میں مٹی بھر کر اس کو پٹوا دیا اور مسلمان جنگی آلات سمیت شہر پناہ تک پہنچ گئے اور پھاٹک کے پاس دیوار

توڑنا شروع کر دی۔ دوسری طرف اشناس اور افشین باری باری سے دو دن تک پوری قوت کے ساتھ حملے کرتے رہے۔ تیسرے دن معتصم خود میدان میں آیا اور صبح سے شام تک نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ شام ہوتے ہوتے بارہ ہزار رومی قتل ہوئے اور ہزاروں زخمی ہوئے۔

شہر پناہ کے اس حصہ کے محافظ بطریق (ذیداو) نے رؤسائے روم سے اپنی حالت زار بیان کر کے امداد طلب کی لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی اور اسے مجبور ہو کر معتصم سے جان بخشی کا طالب ہونا پڑا۔ معتصم نے امان دے دی مذکورہ بطریق معتصم کے پاس چلا آیا۔ ابھی ان دونوں کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ مسلمانوں کا ریلا شہر میں داخل ہو گیا۔ بطریق نے یہ رنگ دیکھا تو خوفزدہ ہوا۔ معتصم نے اسے اطمینان دلایا کہ تمہاری جان و مال محفوظ ہے اور تمہارے مطالبات پورے کیے جائیں گے۔

مسلمانوں کے عموریہ میں داخل ہونے کے بعد رومی کلیسائے اعظم کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگے اس لئے مسلمانوں نے مجبوراً اس میں آگ لگا دی۔ اس آڑ کے خاتمہ پر مسلمانوں کا عموریہ پر مکمل قبضہ ہو گیا' صرف باطیس بطریق ایک برج میں جما رہا۔ معتصم نے اسے بھی امان دے دی۔ امن پسند عمائد اور معززین کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا البتہ فوجیوں کو جو گرفتار ہوئے تھے' قتل کر دیا گیا۔ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 333)

فتح عموریہ میں اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا کہ پانچ دن تک برابر نیلام ہوتا رہا۔ اس کے بعد جو بچ گیا وہ پھینک دیا گیا۔ فوجیوں نے لوٹ مار کرنا چاہی مگر معتصم نے روک دیا اس کے بعد عموریہ کے جنگی استحکامات گرا دیئے گئے۔ (ابن خلدون' حصہ ثانی' ج 7' ص 143)

عباس بن مامون کی بغاوت اور موت:

عموریہ کی فتح کے بعد معتصم نے قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن اسی دوران میں اس کے بھتیجے عباس بن مامون کی بغاوت کی خبر آ گئی اس لئے یہ مہم ملتوی کرنا پڑی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عرب سردار معتصم کی ترک نوازی سے بہت برہم تھے۔ عموریہ کی مہم میں اس کی مشغولیت کے زمانہ میں ایک سردار عجیف بن عتبہ نے عباس کو بھڑکا کر معتصم کے خلاف کھڑا کر دیا اور بہت سے عرب سردار بھی ساتھ ہو گئے اور انہوں نے طے کیا کہ وہ معتصم' اشناس اور افشین وغیرہ کو قتل کر دیں گے۔

(ابن اثیر' ج 6' ص 166- یعقوبی' ج 6' ص 581)

عجیف جس نے عباس بن مامون کو بغاوت پر اُکسایا تھا اس کے کہنے پر عباس نے اپنے رازداروں میں سے عبداللہ بن وضاح کے قرابتداروں میں سے سمرقندی نامی شخص کو اس امر پر مقرر کیا کہ لشکر کے امراء و رؤسا کو درپردہ معتصم سے بدظن اور عباس کی طرف مائل کرے۔ تھوڑے دنوں میں سپہ سالاران لشکر اور مقربین بارگاہ خلافت کا ایک گروہ عمر فرغانی' احمد بن خلیل اور حرث وغیرہ عباس کی جانب مائل ہو گئے اور اس کی خلافت کی بیعت کر لی۔ اس کے علاوہ عباس نے قیصر روم سے خط و کتابت کر کے اپنے چچا کے خلاف سازباز کرنا چاہی۔ (مسعودی' ج 1' ص 136)

معتصم کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو وہ قسطنطنیہ پر حملہ کا خیال چھوڑ کر بغداد واپس آ گیا اور

عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کا مال و متاع جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار دینار تھی' ضبط کر کے فوج میں تقسیم کر دیا۔ عباس قید میں بھوکوں مر گیا۔ یعقوبی کی روایت کے مطابق افشین نے عباس کو ہلاک کروا دیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 581)

صیس پہنچ کر معتصم نے عمر فرغانی کو زندہ دفن کرا دیا اور موصل پہنچا تو عجیف کو اسی طرح مارا غرضیکہ جن جن سپہ سالاروں نے عباس بن مامون کی بیعت کی تھی' رفتہ رفتہ قتل کر ڈالا۔

مامون کی اولاد سے معتصم کا سلوک:

معتصم جب سامرا میں داخل ہوا تو مامون کی بقیہ اولاد کو گرفتار کرا کے ایک مکان میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ سب وہیں مر کھپ گئے۔ (ابن خلدون' حصہ ثانی' ج 7' ص 154)

عہد معتصم میں ترکوں کا عروج:

ہارون اور مامون کے دور میں عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں کو بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ معتصم نے ترکی غلاموں کو سر پر چڑھایا۔ حکومت کے شکوہ و تجمل کے لئے ہزار ہا سمرقندی و فرغانوی ترک خرید لئے گئے۔ انہوں نے ملکی فتوحات میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ ان کے لئے ہی از سر نو سامرا کی تعمیر ہوئی۔

ترکوں کے اسلامی افواج میں داخلے کی وجوہات اور نتائج

معتصم نے اپنے عہد میں ترکوں کو اپنی افواج میں بطور خاص داخل کیا۔ ترکوں کے اسلامی لشکر میں داخلے کی چند وجوہات ہیں جنہیں ہم ذیل میں مختصراً بیان کرتے ہیں:

1- شجاعت و بسالت:

معتصم ترکوں کی شجاعت اور جرأت و بسالت سے بہت متاثر تھا۔ اسی بناء پر معتصم نے افشین کو فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔

2- ایرانیوں سے بدظنی:

معتصم باللہ ایرانیوں سے بدظن تھا چونکہ عباسیوں کو خلافت دلانے میں ایرانیوں نے شاندار خدمات سرانجام دی تھیں لہٰذا ایرانیوں کو عباسی حکومت میں بہت عروج حاصل ہوا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں عجمی اپنے اقتدار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عباسیوں کا خاتمہ نہ کر دیں۔

3- عربوں پر عدم اعتماد:

معتصم باللہ عربوں پر بھی اعتماد نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ عجمیوں کی طرف سے مکمل طور پر نظر انداز کر دیئے گئے تھے اور وہ کسی وقت بھی موقع پا کر عباسیوں کی حکومت کا تختہ اُلٹ سکتے تھے لہٰذا اس نے دونوں مخالف قوتوں کی کمر توڑنے کے لئے ترکوں کو آگے بڑھایا اور انہیں کثیر تعداد میں بھرتی کرنا شروع

کر دیا اور سمرقند' فرغانہ اور اشروسنہ سے ہزاروں غلام خرید کر منگوائے گئے اور انہیں دیبا کی وردیاں اور سونے کی پیٹیاں اور زیورات پہناتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 342)

ترک فوج کا ابتدائی تعارف:

یہ لوگ خرید کردہ غلام تھے جنہیں وسط ایشیا اور افریقہ سے لایا جاتا تھا۔ جن غلاموں کو وسط ایشیا یعنی سمرقند' اشروسنہ اور فرغانہ سے خرید کر لایا گیا انہیں "فراغنہ" کہا جاتا اور جو افریقہ سے لائے جاتے انہیں "مغاربہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ترک غلبہ:

یہ نومسلم ترک بڑے بہادر اور جفاکش لوگ تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ گئی۔ ابتدائی طور پر نئے خون کی بدولت ایک تو عباسی فوج میں نئی لہر دوڑ گئی اور دوسرے عجمی اقتدار میں کمی ہوئی۔ خلیفہ معتصم نے ان لوگوں کے لئے الگ ریشمی وردی ترتیب دی جو دوسرے فوجیوں کے مقابلہ میں نہایت قیمتی تھی اور ان کے لئے زرّیں پیٹیاں پہلی بار بنوائی گئیں۔

اس نئی تربیت شدہ فوج نے ملکی فتوحات کے ضمن میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ معتصم نے ان کی سرکش فطرت کو قابو میں رکھا اور یہ لوگ اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بنے۔

(تاریخ الخلفاء' ص 342)

ترک فوج تہذیب سے ناواقف' اکھڑ مزاج اور کج فطرت:

ترک سپاہی جوشیلے' جذباتی' جلد مشتعل ہو جانے والے' اکھڑ مزاج اور لٹھ مار قسم کے تھے۔ بے تحاشا بغداد کے گلی کوچوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور لوگ ان کی چیرہ دستیوں اور قہر سامانیوں سے بلبلا اٹھے تھے۔

سامرا چھاؤنی کا قیام:

836ء میں معتصم نے بغداد سے تقریباً سو (100) کلومیٹر دور دریائے دجلہ کے کنارے سامرا کے نام سے ایک نئی فوجی چھاؤنی تعمیر کی جہاں ان ترک افواج کو منتقل کر دیا۔ خلیفہ خود بھی سامرا میں منتقل ہو گیا جس بناء پر یہ چھاؤنی ایک اچھے خاصے شہر کی صورت اختیار کر گئی۔

سامرا کی آبادی:

ترک تہذیب و تمدن سے ناآشنا محض وحشی انسان تھے۔ اس لئے بغداد میں ان کے ہجوم سے اہل شہر کو بڑی تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ عورتیں' بوڑھے' بچے کچل جاتے تھے' ذرا پرواہ نہ کرتے تھے۔ اہل بغداد نے معتصم سے فریاد کی' اس نے ترکوں کی آبادی کے لئے بغداد کے قریب ایک مستقل شہر سامرا تعمیر کرایا اور خود یہیں رہنے لگا۔

(تاریخ الخلفاء' ص 141- مروج الذہب' ج 7' ص 142)

عباسی فوج میں ترک عناصر کی شمولیت کے نتائج:

وقتی طور پر ترک عناصر کا فوج میں داخلہ مفید نتائج پیدا کرنے کا سبب بنا لیکن اس کے دوررس نتائج نہایت ہی سنگین اور تباہ کن ثابت ہوئے دراصل ترک غلبہ اور فوج میں ان کا داخلہ معتصم کی زبردست سیاسی اور فوجی غلطی ثابت ہوئی۔ یہ اَن پڑھ' جاہل اور اکھڑ لوگ جنہیں تہذیب وتمدن کی ہوا تک نہ لگی تھی' یہ سرکش لوگوں کا انبوہ کثیر تھا جو نظم وضبط اور وفا شعاری کے عادی نہ تھے۔ یہ لوگ اہل بغداد کے لئے ناگہانی بلا کی صورت اختیار کر گئے۔ یہ بغداد کی گلیوں اور بازاروں میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے اور لوگوں کو ٹھوکریں مارتے اور روندتے ہوئے نکل جاتے تھے اور کسی کو ان سے بازپرس کی ہمت نہ تھی۔

اگرچہ معتصم جیسا طاقتور اور فوجی خلیفہ اس نئی ترک قوت سے ہر قسم کے روایتی دشمن کو فی الفور درست کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو گیا لیکن مختلف علاقوں سے بھرتی کئے ہوئے یہ ترک فوجی صرف خلیفہ کی ذات سے وابستہ تھے اور اس کے وفادار تھے لیکن یہ وفاداری ایک طاقتور اور بیدار مغز خلیفہ ہی حاصل کر سکتا تھا۔

ترک فوج کی بھرتی کا انجام:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ترک فوج خود عباسی خلفاء کے لئے وبال جان بن گئی۔ اس فوج نے خراسانی اور عرب فوجیوں کو تباہ کر دیا تھا اس سے اسے جو طاقت' اقتدار اور سیاسی غلبہ حاصل ہوا وہ بعدازاں بے لگام اور غیر ذمہ دار ہو گیا۔ نااہل اور کٹھ پتلی عباسی خلفاء اس فوج کے ہاتھوں کھلونا بن گئے۔ فوج اور اس کے جرنیل بادشاہ گر ہو گئے۔ تمام اختیارات ترک فوجی افسروں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ یہ صورت حال عباسیوں کے لئے حد درجہ تباہی و بربادی کا باعث سبب بنی۔

(تاریخ طبری' ج 11' حالات معتصم)

زمینوں کی آبادی:

معتصم کو زمینوں کی آبادی اور رعایا کی آسودگی کا بڑا خیال تھا اس لئے اس کے زمانہ میں بکثرت بنجر زمینیں آباد ہوئیں۔ اس کا کہنا تھا کہ زمین کی آبادی کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً:

اس سے مخلوق کی زندگی قائم ہے' خراج بڑھتا ہے' کسب معاش کے ذرائع بڑھتے ہیں' معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

اس نے اپنے وزیر کو عام حکم دیا تھا کہ جس زمین پر دس درہم خرچ کرنے سے ایک سال بعد گیارہ درہم ملنے کی اُمید ہو اس کے آباد کرنے میں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

(مروج الذہب' ج 7' ص 104)

عہد معتصم کی تعلیمی حالت:

اپنے اسلاف کے برعکس اسے علم وفن سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بچپن ہی سے وہ پڑھنے لکھنے سے

بھاگتا تھا۔ ہارون نے اپنی دوسری اولادوں کی طرح اس کی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کیا تھا لیکن اس کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوتی تھی۔ تعلیم سے اس کی نفرت کا ایک دلچسپ واقعہ تاریخ میں مذکور ہے۔ بچپن میں اس کا ایک ہم مکتب مر گیا' ہارون نے اس کی موت پر معتصم سے افسوس کا اظہار کیا اس نے کہا ہاں کتاب کی زحمت سے نجات مل گئی۔ تعلیم سے اس قدر نفرت دیکھ کر ہارون نے اس کی جانب سے توجہ ہٹالی اور وہ معمولی لکھنے پڑھنے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ (تاریخ خطیب' ج 3' ص 343)

باورچی خانہ کا خرچ:

اس کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ باورچی خانہ کے مصارف ایک ہزار دینار روزانہ تھے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 343)

سادگی اور بے تکلفی:

مامون کے عہد میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا تھا۔ اس کو اس مسئلہ سے اتنا شغف تھا کہ جو علماء اس کے منکر تھے' انہیں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مامون جس قدر خلق قرآن کے عقیدہ میں سخت تھا' حضرت امام احمد بن حنبل اسی قدر اس کے انکار میں متشدد تھے چنانچہ آپ بھی اس کڑی آزمائش سے بچ نہ سکے لیکن مامون مرتے دم تک آپؒ سے اس کا اقرار نہ کرا سکا اور مرتے وقت معتصم کو ان پر سختی کرنے کی وصیت کر گیا۔ یہ چونکہ جاہل اور ادب ناشناس تھا لہٰذا اس نے امام صاحب پر بہت زیادہ سختیاں کیں اور یہ فتنہ مامون کے عہد سے بھی بڑھ گیا بلکہ معتصم کا غلو یہاں تک بڑھا کہ اس نے سارے ممالک محروسہ کے علماء سے خلق قرآن کا اقرار کرنے کے فرامین جاری کر دیئے اور معلموں کو حکم دیا کہ بچوں کو اس عقیدہ کی تلقین کریں۔ اس سے بڑا فتنہ پیدا ہوا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 341)

معتصم کے وزرائے عظام/فضل بن مروان:

معتصم کا پہلا وزیر فضل بن مروان تھا۔ یہ نااہل اور پست اخلاق کا حامل تھا اور مذہباً عیسائی تھا البتہ حساب کتاب کا ماہر اور خوشنویس تھا اس لئے معتصم نے کاتب یحییٰ جرمقانی کے بعد اسی کو دفتر سونپ دیا۔ جب طرطوس میں معتصم کی خلافت کی بیعت لی گئی تو اس نے بغداد میں آپ کی بیعت کا انتظام کیا۔ معتصم نے اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر اس کو وزارت کے عہدے پر فائز کیا اور تمام ملکی معاملات اس کے سپرد کر دیئے مگر فضل نے معتصم پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اب اس کی روش ظالمانہ ہو گئی بلکہ اسے معتصم کے احکام کی بھی پرواہ نہ رہی۔ معتصم تک فضل کی سخت گیری کی شکایتیں پہنچنے لگیں تو اس نے فضل کے استبداد کو روکنے کے لئے دو وزیر اور مقرر کر دیئے۔

1- احمد بن عمار کو اخراجات کا دفتر سپرد کیا۔
2- نصر بن منصور کو خراج کا محکمہ سپرد کیا۔

فضل کو یہ ناگوار گزرا' اس نے ان دونوں کی مخالفت پر کمر کس لی۔ جھگڑے نے طول کھینچا معتصم نے حساب کی جانچ پڑتال کرائی تو فضل کے ذمہ بے شمار رقم برآمد ہوئی۔ اس غبن کی وجہ سے اس

سے دس لاکھ دینار نقد وصول کیے اور اس کا کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا اور اسے موصل کے ایک گاؤں ''سن'' میں قید کر دیا گیا۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 680)

احمد بن عمار:

فضل کے بعد وزارت کا منصب عمار کو سپرد ہوا۔ اس نے نہایت معمولی پیشہ سے ترقی کی تھی۔ شروع میں اس کی آٹا پیسنے کی چکی تھی۔ اس پیشہ کے ذریعے اس نے بغداد میں بڑی جائیداد خریدی۔ فضل نے اپنے زمانہ وزارت میں معتصم کے سامنے اس کی امانت کی تعریف کی تھی۔ معتصم نے اسے اپنا وزیر بنا لیا مگر یہ شخص علم و تدبر' سیاست ہر چیز میں کورا تھا۔ ایک مرتبہ معتصم کے پاس کسی عامل کا خط آیا جس میں لفظ ''کلا'' لکھا تھا۔ معتصم نے اس سے کلا کی تشریح پوچھی' یہ نہ بتا سکا۔ معتصم نے کہا: خلیفہ جاہل اور وزیر عامی۔

''وزیر چنیں شہر یارے چناں۔''

پھر معتصم نے اپنے مصاحب محمد بن عبدالملک الزیات سے استفسار کیا' اس نے کلا کے تمام مدارج بتا دیئے کہ شروع میں اُگنے والے سبزہ کو بقل' جب بڑا ہو جائے تو کلا اور جب خشک ہو جائے تو اسے حشیش کہتے ہیں۔ معتصم ابن الملک کی قابلیت سے بڑا خوش ہوا اور اسے منشی کے عہدہ پر فائز کر دیا۔ پھر کچھ عرصے بعد اسے وزارت کا قلمدان سونپ دیا۔

محمد بن عبدالملک الزیات:

احمد بن عمار کی عدم لیاقت کی وجہ سے اس کی جگہ ابن زیات مامور ہوا۔ محمد بن عبدالملک کا دادا آبان ایک پہاڑی قریہ وسکریہ کا باشندہ تھا جو کہ زیتون کا تیل بغداد لے جا کر بیچتا تھا اسی لئے اسے الزیات (تیل فروش) کہا جاتا تھا لیکن محمد کی تعلیم و تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔ ادب و شاعری' تاریخ' آداب جہانبانی' قوانین ملوک' فہم و فراست اور عقل و تدبیر غرضیکہ جملہ اوصاف میں یگانہ تھا۔

شاعری میں بھی وہ بلند پایہ تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ بڑا مغرور' متکبر اور ظالم تھا۔ اس نے سزا دینے کے لئے تنور بنوایا تھا جس کے اندر ہر طرف کیلیں لگی ہوئی تھیں جس کو سزا دینا مقصود ہوتا اس تنور کے اندر بٹھا دیا جاتا' کہ ذرا حرکت کی اور کیلیں اس کے جسم میں چبھنے لگیں۔ آخر میں اس تنور کی نذر خود ہوا۔

معتصم کے جنگی کمانڈر / سپہ سالار افشین:

افشین کا نام حیدر بن کاؤس تھا۔ کاؤس اشروسنہ کا بادشاہ تھا۔ افشین یہیں پیدا ہوا اور بغداد میں معتصم کے زیرسایہ پرورش پائی۔ خلیفہ کی نظروں میں اس کی بڑی قدر تھی جن دنوں یہ بابک کا محاصرہ کیے ہوئے تھا' تو جو مال و اسباب اس کے ہاتھ آیا اس نے اشروسنہ بھیج دیا۔ آرمینیہ سے آنے والے تحائف بھی دارالخلافہ بھیجنے کی بجائے اپنے وطن بھیج دیئے۔ عبداللہ بن طاہر والئی خراسان کے افشین کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے اس نے معتصم کو اطلاع کر دی۔ افشین نے اس انتقام میں والئی

طبرستان مازیار کو عبداللہ کے خلاف بھڑکایا۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ معتصم کو افشین کی سازش کا پتہ چل گیا' وہ اس سے بدظن ہو گیا۔ (تاریخ طبری' ج 11' ص 304)

اس سے بڑھ کر افشین کی بے دینی تھی۔ وہ باطن میں اپنے آبائی مذہب مجوسیت پر قائم تھا اس کے قتل کے بعد اس کے ہاں سے وہ بت برآمد ہوئے جن کی وہ پرستش کرتا تھا علاوہ ازیں اس نے مازیار کو عباسی حکومت کے خلاف بھی اُکسایا۔ ان تمام اسباب کی بناء پر معتصم کا رویہ اس کے ساتھ بالکل بدل گیا۔ (مروج الذہب' ج 6' ص 138)

ایک سبب یہ بھی تھا کہ افشین نے معتصم سمیت اعیان سلطنت کو کھانے میں زہر ملا کر ان کی دعوت کا پروگرام بنایا۔ یہ راز فاش ہو گیا چنانچہ معتصم نے افشین کو بلا کر قید کر دیا اور پھر ایتاخ کے مکان میں لے جانے کا حکم دیا۔ پھر معتصم کے حکم سے افشین کو شعبان 226ھ میں قتل کر کے باب عامہ پر سولی پر لٹکا دیا۔ جب تمام آنے جانے والے دیکھ چکے تو لاش کو صلیب سے اُتار کر جلا دیا گیا۔
(طبری' ج 11' ص 306- ابن خلدون' حصہ ثانی' ج 7' ص 169)

ایتاخ:

ایتاخ بلاد خزر کا باشندہ تھا اور سلام ابرش کا غلام تھا' یہ باورچی تھا۔ 199ھ میں معتصم نے اسے خرید لیا اور اسحاق بن ابراہیم کا معاون مقرر کر دیا۔ ایتاخ پر معتصم کو بہت اعتماد تھا' جب کسی کو قتل یا قید کرنا چاہتا تو اسے ایتاخ کے حوالے کیا جاتا۔ روم کے حملہ میں فوج کا کمانڈر اسی کو بنایا۔ معتصم کے عہد تک یہ اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ یہ واثق کے عہد میں مختار کل ہو گیا۔ یہ متوکل کے ابتدائی زمانے میں 235ھ میں قتل کیا گیا۔

اشناس:

یہ بھی معتصم کا زرخرید غلام تھا۔ معتصم اس کا بڑا قدردان تھا۔ 235ھ میں معتصم نے اسے دربار میں سامنے بٹھا کر سونے کا تاج پہنایا۔ اس کی بیٹی اترنجہ کی شادی اپنے بیٹے حسن کے ساتھ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ کی۔ واثق بھی اس کی قدر کرتا تھا۔ یہ 230ھ میں انتقال کر گیا۔

عجیف بن عنبہ' وصیف' بغا کبیر المولیٰ مشہور فوجی کمانڈر تھے۔ یہ سب ترک تھے مگر ان میں سے بیشتر نمک حرام نکلے۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 682)

حکومت بنو عباس پر جو زوال آیا' وہ ان ترکوں کی وجہ سے آیا۔ اس کی ساری ذمہ داری معتصم پر ہے جس نے بلا سوچے سمجھے خلافت کے مستقبل کو امرائے عرب کے ہاتھوں سے نکال کر غلاموں کے سپرد کر دیا جو صرف عارضی اور دنیاوی فوائد کے خواہاں تھے۔ نہ ان کو قومی ناموس کا خیال تھا' نہ بقائے خلافت کی فکر تھی اور نہ ہی یہ اصول اسلام سے واقف تھے۔

ولی عہدی:

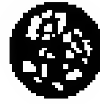
معتصم نے اپنے بیٹے ہارون کو ولی عہد نامزد کیا۔

وفات:

یکم محرم 227ھ کو معتصم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرض الموت میں یہ آیت پڑھا کرتا:

حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم بغتۃ

آخر 8 ربیع الاول 227ھ میں انتقال کر گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص 233)



خلیفہ ہارون الواثق باللہ

نام ونسب:

الواثق باللہ ہارون ابوجعفر بن اسحاق محمد معتصم بن ہارون الرشید۔

ولادت:

قراطیس کے شکم سے 186ھ میں مکہ کے راستے میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

معتصم نے بغداد کے مشہور معلم ہارون بن زیاد سے واثق کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ طبعی رجحان علم کی طرف تھا' تھوڑے عرصہ میں واثق نے عربی علم وادب میں یدطولیٰ حاصل کر لیا اور شعرائے عرب کے ہزاروں اشعار یاد کر لئے۔ کم عمری میں ہی شاعر بن گیا چنانچہ واثق ادیب کامل اور شیریں مقال شاعر تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 237)

خلافت:

معتصم کی وفات کے دن جمعرات 8 ربیع الاوّل 227ھ کو سامرا میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی اور لقب واثق باللہ رکھا گیا۔ دوسرے دن صبح کو اسحاق بن ابراہیم نے بغداد میں فوجی افسران اور عمائدین بغداد سے بیعت لی اور 9 ربیع الاول کو تخت خلافت پر متمکن ہو گیا۔

ترکوں پر نظر عنایت:

واثق نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے خادم ترکوں پر نوازشات کی بارش شروع کر دی حتیٰ کہ دو ترک غلام اس کے منظور نظر ہو گئے۔

نائب سلطنت کا عہدہ:

ترک اشناس معتصم کے بڑا منہ لگا ہوا تھا' خود واثق بھی اس پر بے حد مہربان ہو گیا اور اس کو جواہرات کے ہار پہنائے اور سر پر ہیروں کا تاج رکھ کر نائب السلطنت بنایا۔ واثق پہلا خلیفہ ہے جس نے نیابت سلطانی کا نیا عہدہ قائم کیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 238)

قیسیوں کی بغاوت:

واثق کی تخت نشینی کے ساتھ ہی قیسیہ نے دمشق میں فتنہ وفساد کی آگ لگا دی۔ واثق کو معلوم ہوا تو اس نے رجاء بن ایوب فزاری کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ رجاء نے پہلے زبانی پیام کے ذریعے مطیع بنانے کی کوشش کی جب فسادی باز نہ آئے تو تلوار سے کام لیا۔ اس ہنگامہ میں پندرہ سو شورش پسند کام آئے چنانچہ فتنہ کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

اشناس کے اختیارات:

دمشق کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد اشناس کا کلی راج تھا۔ وہ تمام ممالک محروسہ کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔

ایک قابل ذکر واقعہ:

ایک رات واثق کے ہاں مصاحبین اور ندیموں کا دربار لگا ہوا تھا' بعض مصاحب اگلے حکمرانوں کے قصے بیان کرتے ہوئے وزراء برامکہ کا تفصیلی ذکر کر بیٹھے اس کی فیاضی' اولوالعزمی' دولت مندی اور ہارون پر ان کے متولی ہو جانے اور کل سلطنت پر قابض و متصرف ہونے کے حالات بیان کرنے لگے۔ واثق نے توجہ سے یہ باتیں سنیں' اگلے دن چاروں طرف یہ گشتی فرمان جاری کر دیئے اور اشناس کے مقرر کردہ لوگوں کو گرفتار کر کے بجبر و تعدی مال و اسباب وصول کرنے لگا۔ احمد بن اسرائیل سے مار پیٹ کے ذریعے اسی ہزار دینار وصول کیے۔ ایتاخ کے سیکرٹری سلمان بن ذہب سے چار لاکھ' حسن بن وہب سے چودہ ہزار' ابراہیم بن رباح اور اس کے سیکرٹری سے ایک لاکھ اور ابوالورد سے ایک لاکھ چالیس ہزار وصول کیے۔ (تاریخ ابن خلدون' ج 7' ص 172)

اس واقعہ سے تمام امراء میں ہلچل مچ گئی اور اپنے فرائض منصبی دیانت سے ادا کرنے لگے اور رشوت ستانی کا بازار سرد پڑ گیا۔

گورنروں کا تقرر:

معتصم کے عہد میں ایتاخ ترکی یمن پر گورنر رہ چکا تھا۔ واثق نے اسے اسی حالت پر برقرار رکھا۔ 231ھ میں مدینہ منورہ میں محمد بن صالح عباسی کو متعین کیا اور مکہ معظمہ کی خدمت محمد بن داؤد کے سپرد کی اور 230ھ میں والئی خراسان وطبرستان وغیرہ عبداللہ بن طاہر کے انتقال کے بعد یہاں کی گورنری ان کے بیٹے طاہر بن عبداللہ بن طاہر کو ہی سونپ دی۔ (ابن خلدون' حصہ ثانی' ج 7' ص 173)

واثق کے عہد میں انتشار و خلفشار

آرمینیہ میں خلفشار:

آرمینیہ کے قرب و جوار میں عرب اور بطارقہ نے بغاوت کر دی۔ واثق نے خالد بن یزید کو فوج دے کر بھیجا' باغی گھبرا گئے اور تحائف لے کر خالد کے پاس پہنچے اور اطاعت کا اظہار کیا مگر اسحاق بن اسماعیل نے بغاوت برقرار رکھی۔ خالد اسی دوران فوت ہو گیا اس کے بعد اس کے لڑکے احمد نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اسحاق کو شکست دے کر ان کے مکانوں کو جلا دیا۔ (ابن خلکان' ج 2' ص 56)

خوارج کا فتنہ:

231ھ میں دیار ربیعہ کے خوارج نے سر اٹھایا۔ عالم بن ابی مسلم نے ان کے سرغنہ محمد بن

عبداللہ کو گرفتار کر کے سامرا بھیجا جہاں وہ اپنے کیے کی سزا کو پہنچا۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 693)

اصفہان کے کردوں کی بغاوت:

اصفہان اور فارس کے کردوں نے شورش مچا رکھی تھی۔ سپہ سالار وصیف ترکی نے اس شورش کو بقوت دبا دیا اور پانچ سو کرد گرفتار کیے جن میں سے زیادہ تر نوعمر کرد غلام تھے۔ (حوالہ مذکور)

فتوحات:

واثق کے عہد میں سسلی میں اہم فتوحات ہوئیں۔ 228ھ میں فضل بن جعفر ہمدانی نے سسلی پر حملہ کیا اور سینی کی بندرگاہ پر فوجیں اُتار کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیں اور خود ''ناھل'' کی طرف بڑھا۔ یہاں کے باشندوں نے امان طلب کی پھر شہر ''مکان'' کو ایک سال میں فتح کر لیا۔ 229ھ میں ابوالعباس اغلب بن فضل ''شرہ'' تک بڑھتا چلا گیا۔ اہل شرہ نے روکنا چاہا لیکن انہوں نے بڑی شکست فاش کھائی۔ ان کے دس ہزار رومی کام آئے۔ مقابلہ میں ادھر صرف بہت تھوڑے مسلمان شہید ہوئے۔ 232ھ میں فضل بن جعفر نے سینی کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ اسی سن میں انکردہ کے شہر طارنت میں مسلمان آباد کیے گئے۔

وزارت:

محمد بن عبدالملک الزیات ہی واثق کا وزیر رہا۔ پہلے واثق زیات سے خفاء تھا مگر اس کی تحریر واثق کو پسند آئی اس لئے راضی ہو گیا اور دوسرے کاتبوں کو اس کے اسلوب تحریر کی تقلید کی ہدایت کی۔

رفاہ عامہ:

واثق باللہ نے اپنے عہد میں بہت سے ایسے کام کئے جس سے رعایا کو بہت فائدہ پہنچا۔ سابقہ خلفاء کے زمانے میں بحری جہازوں سے بحری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اس سے حکومت کو خطیر آمدنی حاصل ہوتی تھی لیکن واثق نے اس ٹیکس کو بند کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 11)

خیرات و مبرات:

واثق کی طبیعت میں سخاوت کا مادہ تھا' اس کی فیاضی نے اہل مکہ و مدینہ کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ جب اس کی موت کی خبر مدینہ پہنچی تو مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ مدینہ کی عورتیں ہر شب اس کی یاد میں بقیع میں جا کر روتی تھیں۔ (ابوالفداء' ج 2' ص 36)

علویوں سے سلوک:

واثق نے علویوں کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی۔ وہ ان کے رتبہ کے مطابق ان کے اعزاز و اکرام کا خیال رکھتا تھا اور حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔

اخلاق وتواضع:

خلق وتواضع واثق کی ممتاز خصوصیت تھی۔ بڑوں کا غیر معمولی احترام کرتا تھا۔ احمد بن حمدون کہتے ہیں کہ

ایک مرتبہ واثق کا استاذ ہارون بن زیاد ملنے آیا' واثق نے ان کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی۔ کسی کے سوال کرنے پر واثق نے بتایا کہ سب سے پہلے انہوں نے میری زبان ذکر خدا کے ساتھ کھولی تھی اور مجھے رحمت الٰہی کے قریب کیا تھا اور خلفاء میں کوئی شخص واثق سے بڑھ کر حلیم اور صابر نہ تھا۔

شرعی احکام کا احترام:

ایک دن کا واقعہ ہے کہ قاضی ابن ابی داؤد واثق کے کھانے کے وقت آ گئے۔ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر قاضی نے واثق سے کہا کہ چاندی کے برتنوں میں کھانا منع ہے۔ واثق نے سنتے ہی خادموں کو حکم دیا کہ سب چیزیں توڑ کر چاندی کو بیت المال میں جمع کروا دیا جائے۔

(تاریخ الخلفاء ص 238)

آزاد خیالی:

مامون کے معتزلی مسلک نے اس کے اہل خاندان کو مسائل تقلید کے بجائے آزادانہ رائے کا حامی بنا دیا تھا۔ اس کے دربار میں مختلف علوم وفنون کے علماء کی دلچسپ مجلسیں ہوتی تھیں۔

وفات:

ذوالحجہ 232ھ کو واثق استسقاء کے مرض میں مبتلا ہوا۔ طبیبوں نے گرم تنور زیادہ گرم کرا دیا اس کے اثر سے بخار چڑھا' یہی موت کا پیغام ثابت ہوا۔

وفات کے وقت عمر 46 سال تھی۔ مدت خلافت پانچ سال نو ماہ ہے۔

مسئلہ خلق قرآن:

معتصم کی طرح واثق بھی خلق قرآن اور رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں تشدد رکھتا تھا چنانچہ اس نے محدث احمد بن نصر کو خود قتل کیا۔ یوسف بن یحییٰ فقیہ شافعی کو جیل بھیجا۔ نعیم بن حماد کو سزا دی۔ خلق قرآن کے مسئلہ کو منوانے کے لئے اپنی پوری قوت وجبروت صرف کرتا مگر اہل حق صاف گوئی سے باز نہیں آتے تھے اور اس کے مظالم سہتے تھے۔

قاضی ابن ابی داؤد کا زوال:

امام ابوداؤد اور نسائی کے استاذ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد الازدی بھی دیگر علماء کے ساتھ گرفتار کر کے سامرا لائے گئے اور قاضی ابن ابی داؤد کے سامنے پیش ہوئے۔ ابوعبدالرحمٰن نے قاضی سے پوچھا کہ جو رائے تمہاری ہے اور جس کی طرف تم لوگوں کو دعوت دیتے ہو اس کا علم رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا یا کہ نہیں؟ اور اگر تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس مسئلہ کی طرف کیوں نہ بلایا۔

قاضی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم تھا۔ ابوعبدالرحمٰن نے کہا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ تم کیوں کرتے ہو؟ اور جو کام آپ ﷺ نے ناجائز سمجھا اسے تم نے کیسے جائز قرار دے دیا؟

کہتے ہیں کہ لوگ یہ جواب سن کر حیران رہ گئے اور واثق ہنس پڑا اور اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے محل سرا میں چلا گیا اور لیٹ گیا اور بار بار یہ کہتا تھا کہ جس بات کو رسول اللہ ﷺ نے ناجائز قرار دیا اسے ہم جائز سمجھ رہے ہیں' جس معاملہ میں آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں سختی کر رہے ہیں۔ چنانچہ واثق نے ابوعبدالرحمٰن کو تین سو دینار نذر کیے اور انہیں عزت و احترام کے ساتھ وطن واپس کیا۔ اس دن سے واثق ابن ابی داؤد سے ناخوش ہو گیا۔

خطیب بغدادی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واثق نے اپنی موت سے پہلے اس عقیدے سے رجوع کر لیا تھا اور امام احمد بن حنبل کو قید سے اسی نے رہا کیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 237)



جعفر بن معتصم الملقب بہ متوکل علی اللہ

نام ونسب:

متوکل علی اللہ جعفر بن معتصم بن ہارون الرشید' ان کی والدہ کا نام شجاع خوارزمی تھا جو کہ اُم ولد تھی۔ متوکل شوال 206ھ میں مقام فم الصلح میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت:

متوکل واثق کا ہم سبق رہا مگر واثق کی سی لیاقت نہ تھی' مذہب میں تقلید کا حامی تھا۔

خلافت:

واثق نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا اس کی وفات کے بعد قاضی ابن ابی داؤد معتزلی' امیر ایتاخ' امیر عمر بن فرج اور ابوالزیات وغیرہ قصر خلافت میں جمع ہوئے اور محمد بن واثق باللہ کو جو ایک نوعمر لڑکا تھا' خلافت پر بٹھانے کی غرض سے سیاہ لباس وزرہ پہنائی۔ اتفاق سے کم عمری کی بناء پر وہ چھوٹا اور لباس بڑا نکلا' امیر وصیف نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

''کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے جو ایسے کم عمر صاحب زادے کو سریر خلافت پر متمکن کرنا چاہتے ہو؟''

حاضرین یہ سن کر چوکنے ہو گئے اور غور وخوض کے بعد جعفر بن معتصم پر متفق الرائے ہوئے چنانچہ جعفر کو خلعت فاخرہ پہنا دی گئی۔ یہ واقعہ 24 ذوالحج 232ھ کا ہے۔ اس وقت متوکل کی عمر ستائیس سال تھی۔ خلیفہ متوکل نے بیعت لینے کے بعد خلیفہ واثق باللہ کی نماز جنازہ پڑھائی بعدازاں شاہی لشکر کو آٹھ ماہ کی تنخواہ ادا کی۔

نظم اعمال:

غانم بن محمد طوسی کو موصل کی حکومت پر باقی رکھا اور ابن عباس محمد بن صولی کو دیوان نفقات سے معزول کیا اور اپنے بیٹے منتصر کو حرمین' یمن اور طائف کی حکومت عنایت کی۔

(ابن خلدون' ج 7' حصہ ثانی' ص 181)

احیاء سنت:

متوکل نے عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنا میلان طبع احیاء سنت کی طرف ظاہر کیا۔ مسئلہ خلق قرآن کی پابندی اُٹھا دی گئی بلکہ محدثین کی دلجوئی اور ان کی ہر قسم کی معاونت کی اور 234ھ کو تمام محدثین کو سامرا مدعو کیا اور ان کے شایان شان ان کی تواضع اور مدارات کی' انعام واکرام سے نوازا اور حکم دیا کہ ''صفات الٰہی'' اور ''رؤیت الٰہی'' کے متعلق محدثین اپنے وعظوں اور مجلسوں میں بیان کیا کریں چنانچہ ابوبکر بن ابی شیبہ کو اصافہ میں اور ان کے بھائی عثمان بن ابی شیبہ کو جامع منصور میں اشاعت

حدیث پر مامور کیا۔ (ضحیٰ الاسلام' جزء ثالث' ص 198)

ان بزرگوں کے وعظ میں روزانہ تیس تیس ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔ رعایا پر اس عمل کا بڑا اچھا اثر ہوا اور متوکل کے حق میں دعائیں ہونے لگیں۔

ابن الزیات کی ہلاکت:

واثق اپنی زندگی میں متوکل سے بے حد ناخوش تھا۔ اس بناء پر وزیر محمد بن عبدالملک زیات بھی متوکل سے برگشتہ رہتا تھا' دیگر امراء بھی منحرف تھے۔ البتہ قاضی ابن ابی داؤد معتزلی متوکل کا خیر خواہ تھا۔ وہ واثق کے سامنے کلمہ خیر کہہ دیا کرتا تھا چنانچہ 7 صفر 233ھ میں خلیفہ نے ابن زیات اور اس کے تمام خاندان کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا اور اس کی کل جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔ ابن زیات کو قید میں ڈال کر اکتالیس دن تک عذاب میں مبتلا رکھا گیا اور تنور میں بند کر دیا جہاں یہ گھٹ کر ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد عمر بن فرج کاتب اور اس کے بھائی کو جس نے تنخواہ کے کاغذ ایک موقع پر متوکل کی مسجد کے صحن میں پھینک دیئے تھے اس کو بھی پکڑوا کر بلوایا اور ان سے دو لاکھ چوہتر ہزار دینار اور پانچ ہزار درہم وصول کیے اور اس کی املاک ضبط کر لی گئی۔ آخر میں متوکل نے ایک کروڑ درہم لے کر اہواز کی جاگیر اسے واگزشت کر دی اور قید سے رہا کر دیا۔ (تاریخ ملت' ج دوم' ص 43)

متوکل کا عہد:

متوکل کا عہد خوشحالی' فارغ البالی اور امن و رفاہیت کا دور ہے۔ سامان خوردونوش اور دیگر ضروریات زندگی کی ارزانی اور فراوانی کے باعث خواص و عوام سبھی خوش و خرم تھے لیکن یہ خوشحالی متوکل کی ذاتی کوشش کا نتیجہ نہ تھی بلکہ پچھلی ایک صدی کے سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کا نتیجہ تھی۔

متوکل کی ذاتی زندگی:

- متوکل عیش و عشرت اور طاؤس و رباب کا اتنا شوقین تھا کہ اس کا دور ''عہد سرور'' کہلاتا ہے۔ اس نے دربار میں تفریح طبع کے لئے مسخروں اور بھانڈوں کو بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھا ہوا تھا۔ اس نے بیس لاکھ کی رقم سے سامرا سے چند میل کے فاصلے پر ایک محل تعمیر کرایا جس کا نام ''قصر لولو'' رکھا۔ یہ محل اپنی ساخت' خوبصورتی اور اونچائی کے لحاظ سے نادرۂ روزگار تھا۔

متوکل نے سب سے اہم کام یہ کیا کہ خلق قرآن اور صفات باری کے متعلق ہونے والے بحث اور مناظروں کو حکماً بند کر دیا اور مصائب میں مبتلا لوگوں کو فی الفور رہا کر کے ان کے نقصان کی تلافی کی جس بناء پر لوگ اسے محافظ سنت کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

اہل بیت پر مظالم:

خلفائے بنی عباس میں متوکل علویوں کا سب سے بڑا دشمن تھا اور اس عداوت میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے مال و جان کو بھی اپنے لئے مباح سمجھتا یہاں تک کہ اس نے اپنے لڑکوں کے استاد کو محض اس لئے ہلاک کروا دیا کہ اس نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے ساتھ عقیدت

مندی کا اظہار کیا تھا۔

مزید برآں جس کسی علوی کی طرف سے مخالفت کا ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا اسے نظر بند کرا دیا جاتا چنانچہ امام علی ہادی کو تمام عمر اپنی نگرانی میں سامرا میں قید رکھا۔

ایتاخ کا قتل:

ترکی سرداروں کے ساتھ متوکل کا برتاؤ اپنے باپ دادا سے مختلف تھا۔ وہ ان کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے تنگ آ گیا تھا اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ ان کی قوت کو ختم کر کے رہے گا۔

اس زمانہ میں ترکی امیر "ایتاخ" سپہ سالاری کے علاوہ دارالخلافہ کی امارت اور حجابت کے مناصب پر بھی قابض تھا۔ خلیفہ نے چاہا کہ سب سے پہلے اسے ٹھکانے لگائے لیکن اسے سامرا میں قتل کرانا سخت مشکل تھا کیونکہ یہ شہر ترکوں کا مرکز تھا اس لئے اسے چند خاص آدمیوں کے ذریعے حج پر جانے کے لئے آمادہ کیا اور جب اس نے اس امر کی اجازت مانگی تو بڑے تزک و احتشام سے رخصت کیا۔

واپسی پر جب وہ بغداد پہنچا تو کوتوال شہر اسحاق بن ابراہیم کو خفیہ احکام بھیج کر اسے اس کے دو بیٹوں سمیت گرفتار کرا دیا۔ قید خانے میں ایتاخ کو اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ درد و کرب کی شدت سے چل بسا۔

ترکوں سے اس کی بیزاری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ دارالخلافہ سامرا کو چھوڑ کر دمشق میں منتقل کر لیا لیکن اس خیال سے کہ کہیں ترک بغاوت ہی نہ کر دیں' واپس سامرا میں آ گیا اور بہانہ یہ کیا کہ دمشق کی مرطوب آب و ہوا اسے موافق نہیں آئی۔

بغاوتیں:

ابن البعیث نامی ایک سردار نے مرند میں علم بغاوت بلند کر کے والئی آذربائیجان کو شکست دی۔ متوکل نے اس کی سرکوبی کے لئے کئی سرداروں کو بھیجا مگر سبھی ناکام رہے بالآخر مشہور ترکی سپہ سالار بغا نے اسے گرفتار کر کے یہ فتنہ دبا دیا۔

اس کے علاوہ آرمینیہ میں بھی بغاوت کے شعلے بھڑکے مگر بغا نے اس پر بھی قابو پا لیا۔

فتوحات:

رومیوں کے ساتھ بری اور بحری جنگوں کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ 238ھ میں رومی بحری بیڑے نے مصر پر اچانک حملہ کر کے بہت سا مال و اسباب لوٹ لیا اور ہزارہا مسلمان مردوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔

اس کے جواب میں مسلمانوں نے روم کے سرحدی شہروں پر یلغار کر کے وہاں کے عیسائیوں سے انتقام لیا۔ 244ھ میں بغا نے ان کے مشہور شہر صلہ کو فتح کر لیا۔

ولی عہدی اور متوکل کا قتل:

متوکل نے اپنے دادا ہارون الرشید کی طرح تینوں بیٹوں منتصر' معتز اور معتمد کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر کے تمام سلطنت کو ان میں تقسیم کر دیا۔

معتز کی ماں کا متوکل پر اثر تھا اس لئے اس نے ولی عہدی میں منتصر کی بجائے معتز کو مقدم کرنا چاہا۔ خلیفہ نے منتصر کو مجبور کیا کہ وہ معتز کے حق کو فائق کر کے اپنے نمبر کو بعد میں کر لے مگر وہ اس پر رضامند نہ ہوا اور ترکوں کے ساتھ سازباز کرنے لگا۔

ترکی امراء پہلے ہی خلیفہ کی طرف سے دل میں کدورت رکھتے تھے کیونکہ ایتاخ کے قتل کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا کہ متوکل ترکی اقتدار کو ختم کرنے کے درپے ہے اس لئے انہوں نے منتصر کی حمایت کا فیصلہ کر لیا۔

متوکل نے اپنے معتمد خاص فتح بن خاقان کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ منتصر اور ممتاز ترکی سردار بغا اور وصیف کا خاتمہ کرا دے لیکن اس سازش کا قبل از وقت انکشاف ہو گیا چنانچہ بغا اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ ایک رات قصر خلافت میں گھس گیا اور متوکل کا کام تمام کر ڈالا۔ یہ واقعہ 4 شوال 247ھ کو ظہور پذیر ہوا۔

(تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین' ص 476- ابن خلدون' ج 7' حصہ ثانی' ص 201)

عہد متوکل میں تنزلی کا آغاز:

متوکل کے زمانہ میں گو فتوحات کا دائرہ بہت وسیع رہا' حکومت کی شان و شوکت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رعایا خوشحال' ظاہری دبدبہ قائم تھا لیکن اندرونی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ترکوں کے غلبہ سے حکومت کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔ ترکوں کے اقتدار سے عربوں کی عصبیت ختم ہو چکی تھی' ان کی امارت جاتی رہی' فوجی خدمات سے عربوں کو الگ کر دیا گیا تھا جس سے ان کی مجاہدانہ اور فاتحانہ سپرٹ ختم ہو گئی۔ اس کے علاوہ خود خلیفہ ان کے مقابلہ میں کمزور پڑ گیا تھا۔ خلیفہ معتصم کی غلطی کا خمیازہ خاندان عباسی بھگت رہا تھا۔

خودمختار خاندانوں کی ابتداء

متوکل کے قتل سے عباسی حکومت کے زوال کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔ ان کے جانشین ترک سپاہیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھے کیونکہ اب تاج و تخت دلانے والے وہی تھے۔ باپ کی نامزدگی یا امراء کا انتخاب بیکار تھا۔ دوران حکومت میں بھی اگر ترک خوش نہ رہتے تو متوکل کی طرح ہر وقت قتل کا خطرہ تھا اس لئے خلافت برائے نام رہ گئی۔ متوکل کے چار جانشینوں منتصر' مستعین' معتز اور مہتدی نے ترکوں کے رحم و کرم سے تھوڑا تھوڑا عرصہ حکومت کی۔ اس کمزوری کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی حاکموں نے خودمختار ریاستیں قائم کر لیں۔

دولت طاہریہ:

طاہر بن حسین قاتل خلیفہ امین خراسان پر دولت طاہریہ کا بانی ہے۔ طاہر کے بعد خلفاء کے حکم سے پے درپے پانچ والی مقرر ہوئے۔ یہ حکمران برابر خلفاء کے مطیع تھے۔ آخری فرمانروا محمد بن طاہر کو حسن بن زید علوی سے بہت تکلیف پہنچی۔ آخر میں یعقوب بن لیث بانی دولت صفاریہ سے مقابلہ ہوا اور ملوک طاہریہ کا اس پر خاتمہ ہو گیا۔ (ابن خلکان' ج 1' ص 237)

دولت صفاریہ:

یعقوب بن لیث صفاری ابتداء میں ایک مزدور تھا۔ پھر لٹیروں کی جماعت کا سردار بن گیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا خراسان' کابل' بلخ' طبرستان کے علاقوں پر چھا گیا۔ اس نے محمد بن طاہر کو قید اور اس کے مدمقابل حسن بن زید علوی کو شکست دی۔ یہ معتمد کا عہد تھا' پھر اس نے فارس پر قبضہ کر لیا۔ معتمد نے خراسان اور فارس کی گورنری خوشی سے یعقوب کو دینا چاہی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کی نظر خلافت پر تھی۔ اسی اثناء میں اسے قولنج کے درد نے مزید فرصت نہ دی۔

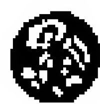
یعقوب کے مرنے کے بعد اس کے بھائی عمر بن لیث نے خود خلیفہ کی خدمت میں اظہار اطاعت کا خط بھیجا' وہاں سے اسے عراق' عجم' فارس اور خراسان کی حکومت عطا ہوئی۔ اس کے خاندان کے افراد یکے بعد دیگرے سیستان کے حاکم ہوئے اور ان کا سامانیوں سے مقابلہ رہا۔ آخر یہ دونوں خاندان تباہ ہوئے اور دولت سامانیہ اور صفاریہ کا ایک ساتھ خاتمہ ہوا۔

(ابن اثیر' ج 7' ص 60- مروج الذہب' ج 7' ص 45- ابن خلکان' ج 2' ص 319)

دولت ہباریہ:

08ھ میں مسلمان ہونے والے صحابی ہبار بن اسود قریشی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے منذر بن زبیر 121ھ میں سندھ کے والی حکم بن رعونہ کے ساتھ سندھ پہنچے' وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ عمر بن عبدالعزیز ان کے سبط (نواسے) تھے۔ عبدالعزیز کے بعد "منصورہ" کے حاکم عبداللہ بنے۔

انہوں نے بڑے رعب و دبدبے کے ساتھ امن و امان قائم کیا۔ ان کا وزیر ریاح تھا۔ ان کے دولڑکے محمد اور علی تھے۔ ایک کو قاضی مقرر کیا۔ پھر عبدالرحمن بن علی حاکم ہو گیا۔ ان پر اسماعیلیوں کا غلبہ ہو گیا۔ 401ھ میں جب محمود غزنوی نے ملتان پر قبضہ کیا تو منصورہ پر اس کا تسلط ہو گیا تو ہباری خاندان اور اس کی حکومت ختم ہو گئی۔ (مروج الذہب' ص 377)



خلیفہ محمد بن جعفر الملقب بہ منتصر باللہ

235ھ میں متوکل نے اس کے لئے ولی عہد کا فرمان لکھا تھا۔ متوکل کے قتل کے بعد 25 سال کی عمر میں اس کو ترکوں نے تخت پر بٹھایا۔ وصیف اور دوسرے ترکی امراء نے 4 شوال 247ھ میں بیعت کی۔ (مروج الذہب' ص 377)

دوسرے دن منتصر کے سوتیلے بھائیوں معتز اور ابراہیم مؤید نے بیعت کی' بعد میں تمام عمائدین سلطنت سے بیعت لی گئی۔

ترکوں کا اقتدار:

متوکل کے قتل کے بعد سے ترکی امراء اور فوج خودسر ہو گئی تھی۔ خلیفہ خود ان کی ہیبت سے لرزہ براندام تھا۔ وصیف اور بغا نے اس سے کہا کہ مؤید اور معتز کو ولی عہدی سے دستبردار کر دو چنانچہ ان دونوں نے خود ہی معزولی کا اعلان کر دیا ورنہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔

منتصر کا کردار:

منتصر حلیم الطبع' عفیف' بامروت' خلیق تھا۔ متوکل نے شیعوں پر جو قیود لگائی تھیں' اس نے بیک قلم انہیں ختم کر دیا بلکہ تمام علویوں کے وظائف جاری کر دیئے' اوقاف واپس کر دیئے' باغ فدک عطا کر دیا اور کربلا کی زیارت کی اجازت دے دی۔ (التنبیہ والاشراف' ص 258)

باپ کے قتل کا غم:

منتصر ترکوں کا ہمنوا ہو کر باپ کو قتل کرا چکا مگر اسے اس واقعہ کا بہت غم تھا۔ شب و روز باپ کے لئے رویا کرتا۔ اس غم مین چھ ماہ تک گھل گھل کر سوکھ گیا۔ ادھر باپ کے قاتلوں سے انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ ترک اس کے انداز کو سمجھ گئے چنانچہ سب ترکی سردار اس کی جان کے درپے ہو گئے۔

(مروج الذہب' ج 7' ص 301)

وفات:

منتصر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا' ترک امراء نے اس کے طبیب ابن طیفور کو تیس ہزار اشرفی دے کر زہر آلود آلہ سے فصد دلوا دی جس کی زہر کے اثر سے منتصر جانبر نہ ہو سکا۔

(تاریخ الخلفاء' ص 365)

چنانچہ سامرا میں پانچ ربیع الثانی 248ھ کو انتقال ہوا۔ احمد بن محمد بن معتصم نے نماز جنازہ پڑھا کر یہیں دفن کر دیا۔ (تاریخ کامل' ج 7' ص 38)

وفات کے وقت عمر 25 سال چھ ماہ تھی۔ مدت خلافت چھ مہینے دو دن تھی۔



خلیفہ ابوالعباس احمد عباسی الملقب بہ مستعین باللہ

منتصر کے مرنے کے بعد موالی کا اجتماع ہوا۔ ان میں ممتاز ہستیاں بغا کبیر' بغا صغیر اور اتامش' ان تینوں نے اتراک مغاربیہ اور امراء اشروشنیہ سے انتخاب خلیفہ کا حق لے کر موسیٰ بن شاکر منجم کی رائے سے احمد بن محمد بن معتصم کو خلیفہ تجویز کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور مستعین باللہ لقب رکھا۔

مستعین 5 ربیع الثانی 248ھ کو تخت خلافت پر رونق افروز ہوا۔ وزیر احمد بن خصیب برقرار رہا۔

علویین:

بغداد میں مقید یحییٰ بن عمر علوی آزاد ہو گئے اور انہوں نے خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ شاہی افواج سے مقابلہ ہوا بالآخر مارے گئے۔ اس وجہ سے لوگ بنو عباس سے متنفر ہو گئے۔

طبرستان میں علوی حکومت:

حسن بن یزید علوی نے طبرستان کو زیرنگیں کر لیا اور 37 سال فرمانروا رہا۔ حسن 287ھ میں قتل ہوا اور حسن بن علی قائمقام ہوا۔ حسن نے حکومت قائم کی اور 316ھ تک حکومت اس کے خاندان میں رہی۔

رومی سرحد:

ملک کی اندرونی حالت کمزور دیکھ کر سرحد پر رومیوں نے فتنہ کھڑا کر رکھا تھا وہاں عمر بن عبداللہ اور علی بن یحییٰ دو بارعب قسم کے امیر تھے۔ عمر نے ملطیہ پر چڑھائی کی' وہاں شہید ہو گئے۔ رومیوں نے میدان صاف دیکھ کر جزیرہ کی حدود تک قدم بڑھائے۔ علی بن یحییٰ مقابلہ پر آئے ساتھ جماعت کم ہونے کی وجہ سے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔

رومیوں نے اب بلاخوف و خطر اسلامی علاقے کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ مستعین میں اب دم نہ رہا تھا کہ وہ کسی سردار سے کہتا کہ سرحدی فتنہ کا سدباب کرے۔

اتامش کا قتل:

248ھ میں والئی خراسان طاہر بن عبداللہ فوت ہوا۔ وصیف اور بغا جو کسی زمانے میں سیاہ و سپید کے مالک تھے لیکن اس وقت خزانے میں آنے والی رقم پر اتامش کا اختیار تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر وصیف اور بغا اتامش سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے ترکی امراء کو بھڑکا دیا چنانچہ 12 ربیع الثانی 249ھ میں انہوں نے اپنے ترکی سپاہیوں سے اتامش کو جو قصر خلافت میں پناہ گیر ہوا' قتل کرا دیا۔

مستعین کی معزولی:

اتامش وزیر کے قتل کے بعد متوکل کے قاتل بغا ترکی نے بغا کبیر اور وصیف کو امور مملکت پر حاوی اور خود کو بے اختیار دیکھا تو اس نے ترکوں کی ایک جماعت کو لے کر مستعین' بغا اور وصیف کو قتل

کرنے کی تدبیر کی۔ مستعین کو اس سازش کی خبر مل گئی۔ اس نے وصیف کو مطلع کیا' وصیف نے بغا کو قتل کرا دیا۔ اس کے ساتھی خلیفہ اور وصیف کے باغی ہو گئے اور کچھ عرصہ سامرا میں شورش بپا رہی۔ بغا اور وصیف مستعین کو خطرہ کے پیش نظر بغداد لے گئے اور خلیفہ کو امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر کے محل میں لے جا کر رکھا۔

خلیفہ کے جاتے ہی شورش پسندوں نے معتز کو قید خانہ سے نکال کر خلیفہ اور مؤید کو ولی عہد بنا دیا۔ معتز نے بغداد کو تسخیر کرنے کے لئے اپنے بھائی ابو احمد کو فوجیں دے کر روانہ کیا۔ مستعین یہ رنگ دیکھ کر خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہو گیا لہٰذا 4 محرم 251ھ کو معتز کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ مستعین نے رداء اور مہر خلافت حوالے کر دی۔ مستعین کو واسط روانہ کر دیا اور حکومت کی طرف سے اس کے آرام و آرائش کا بندوبست کر دیا گیا۔ احمد بن طولون اس کا نگران تھا۔ اسے سیر و شکار کی اجازت تھی۔ (ابن خلدون' ج 7' حصہ ثانی' ص 232)

مستعین کا قتل:

کچھ عرصہ کے بعد شہر "سر من رائی" کے مقام قادسیہ میں مستعین کو 3 شوال 251ھ کو حاجب سعید کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر 35 سال تھی۔ اس نے تین سال' آٹھ مہینے اور آٹھ دن حکومت کی۔ (التنبیہ والاشراف' ص 259)

مستعین اگرچہ نیک' فاضل' ادیب اور فصیح و بلیغ شخص تھا مگر وہ عقلی اعتبار سے معمور خلیفہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 249- الفخری' ص 22)



خلیفہ معتز ابوعبداللہ

معتز نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی پہلے وزارت کو سنبھالا اور ترکوں کے دباؤ سے ابوالفضل جعفر بن محمود اسکافی کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا مگر یہ علم و ادب سے ناآشنا تھا۔ صرف زرپاشی سے امراء کو خوش رکھتا تھا' معتز کو یہ پسند نہ تھا۔ جن ترکی امراء کو فائدہ نہ پہنچا وہ ناراض ہو گئے۔ ابوالفضل کو علیحدہ ہونا پڑا۔ عیسیٰ بن فرحان شاہ کو وزارت پر سرفراز کیا مگر ترکوں کی کشمکش کی وجہ سے وہ زیادہ عرصہ وزیر نہ رہ سکا اور احمد بن اسرائیل کو وزارت پر سرفراز کیا گیا۔

بغا اور وصیف سے ناراضگی اور صفائی:

چونکہ بغا اور وصیف نے پہلے منتصر اور پھر مستعین کو خلیفہ بنایا اور معتز کو ولی عہدی سے نکالا۔ معتز کا دل ان کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اسے علم تھا کہ انہوں نے اپنی اغراض کے لئے خلیفہ بنایا ہے' اگر اس نے ان سے مخالفت مول لی تو اس کا حشر بھی ان کے پیشروؤں جیسا ہو گا۔ معتز نے تخت نشینی کے بعد بغا اور وصیف کا نام دفتر سے خارج کر کے ایک فوجی افسر محمد بن ابوعون کو ان کا قصہ پاک کرنے کا ٹاسک دیا اور اس کے صلہ میں اسے یمامہ' بحرین اور بصرہ کی حکومت عطا کی۔ بغا اور وصیف کو اس کا علم ہو گیا' انہوں نے معتز کے قتل کا پروگرام بنا لیا لیکن پھر اپنی مصلحتوں کی بناء پر معتز سے صلح کر لی چنانچہ معتز نے دونوں کو خلعت دے کر ان کے عہدوں پر بحال کر دیا اور بغا کے لڑکے کو شعبہ خبر رسانی پر مامور کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 55)

مؤید کی قید اور موت:

معتز کو معلوم ہوا کہ مؤید نے موالی سے ساز باز کر کے معتز کے خلاف پروگرام بنایا چنانچہ معتز نے مؤید اور اس کے بھائی ابواحمد کو قید کر کے ان سے ولی عہدی سے دستبرداری کا اقرار کروایا اور مؤید کسی سبب سے قید میں ہی مر گیا۔

مستعین کا قتل:

مستعین کی دستبرداری کے وقت امیر محمد بن عبداللہ نے معتز سے اس کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ لے لیا تھا لیکن خلیفہ ہونے کے بعد اس نے وعدہ کو بھلا دیا اور شوال 252ھ کو مستعین کو مروا ڈالا۔ (طبری' ج 12' ص 1670)

وصیف کا قتل:

دولت عباسیہ کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے اس کی مالی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی' خزانہ بالکل خالی تھا۔ ملازمین کو کئی کئی مہینوں کی تنخواہیں نہ مل سکی تھیں چنانچہ 252ھ میں فوج کی چار مہینے کی تنخواہ چڑھ گئی تھی۔ ترکوں' فرغانیوں اور اشروسنیوں نے روپیہ کا مطالبہ کیا لیکن خزانہ خالی تھا۔ فوج نے بغا' وصیف اور سیما ترکی سے اس کے متعلق گفتگو کی۔ وصیف نے کہا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے لہٰذا فوج بگڑ

گئی جبکہ بغا نے کہا کہ میں معتز سے بات کرتا ہوں چنانچہ بغا کے سامرا جانے کے بعد فوج نے وصیف کو قتل کر دیا اور وصیف کا عہدہ بغا کی طرف منتقل ہو گیا۔ (یعقوبی' ج 2' ص 214)

معتز اور بغا میں کشیدگی اور بغا کا قتل:

معتز اور بغا میں پہلے سے کشیدگی موجود تھی کہ وصیف کے قتل سے اس میں اور اضافہ ہو گیا معتز کو بغا کی طرف سے قتل کا خطرہ پیدا ہو گیا لہٰذا اس نے بغا کی قوت کو توڑنے کے لئے اس کے حریف ترکی امیر باکباک کو بڑھانا شروع کر دیا۔ یہ چیز بغا کو کھٹکی لیکن اس وقت وہ خلیفہ کے شہر میں تھ وہاں مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے معتز کو بغداد لے جانے کے لئے زور ڈالا لیکن وہ آما نہ ہوا۔

اتفاق سے بغا اپنی لڑکی کی شادی میں مصروف ہو گیا اور معتز موقع پا کر وہاں سے کرخ سا اور پھر جوسق میں منتقل ہو گیا اور بغا کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ بغا کو پتہ چلا تو بہت پچھتایا۔ پھر ا نے منصوبہ بنایا لیکن ناکام ہوا چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے رات کو بغداد پہنچا جہاں پل پر پہرے دارو نے اسے پکڑ لیا۔ بغا نے انہیں بہت لالچ دیا مگر وہ نہ مانے اور معتز کو اطلاع کر دی اس نے اسے قتل دیا۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 60)

ترکوں کی بغاوت اور معتز کی معزولی:

255ھ میں تنخواہ کے لئے پھر شورش پیدا ہوئی۔ صالح بن وصیف نے معتز سے کہا کہ خز بالکل خالی ہے۔ ترکوں نے جب دیکھا کہ تنخواہ پوری نہیں مل سکتی تو انہوں نے کہا پچاس ہزار دینار جانے پر قناعت کر لیں گے لیکن معتز کے پاس ایک دانہ نہ تھا' فوج بغا کے قتل کی وجہ سے پہلے ہی بر تھی چنانچہ انہوں نے قصر سلطانی پر حملہ کر دیا اور معتز کو محل سے باہر بلا بھیجا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ نے اس وقت دوا پی ہے' محل سے باہر نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی ضروری کام ہو تو ایک آدمی اندر آ جا یہ سن کر سب کے سب محل میں گھس آئے اور معتز کو پکڑ کر پیٹتے ہوئے باہر گھسیٹ لائے اور اتنا مارا اس کی قمیض کے پرزے اڑ گئے اور اسے تپتی ہوئی زمین پر ننگے پاؤں کھڑا کر دیا۔ وہ تپش سے ا پاؤں رکھتا تھا اور وحشی ترک برابر طمانچے مارے جاتے تھے۔

خلیفہ وقت کو اس طرح ذلیل و رسوا کرنے کے بعد قاضی ابوالشوارب اور گواہوں کے رو اسے معزول کر کے ایک سنگ دل ترک کے حوالے کر دیا۔ اس نے سزا کا سلسلہ جاری رکھا اور کھانا بند کر دیا۔ (ابوالفداء' ج 2' ص 42)

[illegible]ت:

معتز کو معزول کرنے کے بعد باغی ترک محمد بن واثق کو جسے معتز نے بغداد میں نظر بند کر تھا' نکال کر سامرا لائے۔ اس کے آنے کے بعد معتز جان و مال کی امان لے کر رجب 255ھ باقاعدہ دستبردار ہو گیا۔ بیعت کے پانچویں دن ترک' معتز کو پکڑ کر حمام میں لے گئے یہاں اسے

کرایا۔ اسے پیاس لگی تو پانی نہ دیا اور وہاں سے نکال کر اسے برف کا پانی پلا دیا جس کے پیتے ہی اس کا دم نکل گیا۔

یہ واقعہ 8 شعبان 255ھ کا ہے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 249- ابن اثیر' ج 7' ص 68)

معتز کی ماں کا کردار:

معتز کی ماں قبیحہ بڑی دولت مند خاتون تھی۔ وہ اگر چاہتی تو روپیہ دے کر معتز کی جان بچا سکتی تھی لیکن وہ دولت کی بڑی حریص تھی۔ معتز کی گرفتاری کا سن کر روپوش ہو گئی۔

معتز کی ماں بیٹے کے مرنے کے بعد صالح بن وصیف سے ملی اور ایک کروڑ تیس لاکھ دینار اور ایک چاہدانی جس میں بیش قیمت زمرد لگے ہوئے تھے' اس کی نذر کیے۔ ابن وصیف نے کہا کہ پچاس ہزار دینار کی بدولت اپنے بیٹے کو مروا ڈالا لہٰذا اب تم مکہ میں رہ کر عبادت کرو چنانچہ اسے مکہ بھیج دیا جہاں وہ 264ھ میں مر گئی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 250)

طبرستان میں دولت علویہ کا آغاز:

250ھ میں طبرستان میں حسن بن زید بانی دولت علویہ طبرستان کا ظہور ہوا۔ ان کا آغاز اس طرح ہوا کہ مستعین نے یحییٰ بن عمرو علوی کے قتل کے صلہ میں محمد بن عبداللہ بن طاہر کو طبرستان میں چند جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے دو جاگیریں دیلم کی سرحد پر تھیں۔ محمد نے اپنے بیٹوں کو طبرستان کے مختلف علاقوں کا انتظام سونپ دیا چونکہ وہ ناتجربہ کار تھے اس لئے ان سے رعایا کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔ اسی زمانہ میں انہوں نے محمد بن اوس دیلم کے آدمیوں کو گرفتار اور قتل کر دیا۔ دیالمہ اور اہل طبرستان میں دوستانہ تعلقات تھے اس لئے اہل طبرستان پر اس کا برُا اثر پڑا۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ کے نمائندے نے ان زمینوں پر قبضہ کر لیا جن سے عوام الناس فائدہ اُٹھاتے تھے۔ چنانچہ یہاں کے باشندے ظاہری حکومت کے خلاف ہو گئے اور یہاں کے دو باشندوں محمد اور جعفر جو عوام میں صاحب اثر و رسوخ تھے' وہ مزاحم ہوئے۔ وہ بھاگ گیا تو محمد اور جعفر کو والئی طبرستان کی برہمی کا خوف ہوا تو انہوں نے اپنے ہمسائے دیلمیوں سے مدد مانگی۔ دیلمی خود طاہر سے ناخوش تھے' وہ ان کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت علوی ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے حسن بن زید علوی کو طبرستان سے بلا کر ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور یہاں کے عمال کو نکال دیا۔ علویوں اور حکومتی فوجوں میں مدتوں معرکے ہوتے رہے بالآخر طبرستان اور جریان پر حسن کا قبضہ ہو گیا اور وہ اپنی زندگی بھر 270ھ تک اس پر قابض رہے۔ پھر ان کے بھائی محمد بن زید ان کے جانشین ہوئے۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 303)

آخری زمانہ:

معتز کا آخری زمانہ ترکوں کی وجہ سے بے حد کلفت میں گزر رہا تھا اس کے جو قلمرو زیر نگیں تھے اس میں کٹ کر نئی حکومتیں بن رہی تھیں۔ 254ھ میں طولونیہ ایک اور جدید حکومت کی بنیاد پڑی۔

دولت طولونیہ:

خلیفہ معتز کے عہد میں ہی مصر میں حکومت طولونیہ قائم ہوئی۔ معتز نے بابکیال کو مصر کا گورنر بنایا۔ اس نے احمد بن طولون کو اپنا نائب بنا کر مع فوج مصر بھیجا۔ اس وقت 254ھ میں یہاں کے حاکم خراج بن مدبر کا مصر میں سکہ جما ہوا تھا۔ ابن طولون نے چند ہی دنوں میں اس کو ناکام کر دیا اور خلیفہ مہتدی کے زمانے میں اسکندریہ کی حکومت بھی اسے سونپ دی گئی لہٰذا اس کی شان وشوکت میں اور اضافہ ہو گیا۔ ماجور سابق عامل مصر کی لڑکی اس کو منسوب تھی' مصر میں اس نے اس قدر شان وشوکت حاصل کر لی کہ مساجد میں خلیفہ اور ماجور کے بعد احمد بن طولون کا نام خطبوں میں شامل کر لیا گیا۔
(تاریخ ملت' ج 2' ص 72)



خلیفہ مہتدی باللہ

255ھ میں لوگوں نے اس کی بیعت کی مگر بغداد میں جب پولیس افسر سلیمان بن عبداللہ نے رکن شاہی امیر الدین احمد کو بیعت کے لئے بلایا تو اہل بغداد بھڑک اُٹھے۔ اتنے میں امیر یاجوج تین ہزار دینار لے کر گیا مگر شورش کو بڑھتا دیکھ کر بردان آ کر ٹھہرا اور روپیہ سامرا سے منگوا کر بغدادیوں میں تقسیم کیا۔ جب لوگوں نے بیعت کی۔

حکومتی نظم و ضبط:

تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے لہوولعب کے انسداد پر توجہ دی۔ گانے بجانے حرام کر دیئے اور سلطانی حاکموں کو حکم بھیجا کہ کوئی ظلم نہ کرنے پائے اور عدل و انصاف پر کاربند رہا جائے۔ حکومتی دفاتر کے کام کو سختی سے جانچا جاتا۔ خود اجلاس کیا کرتا اور منشیوں کو سامنے بٹھا کر حساب کتاب کراتا۔ شیعہ عقیدہ رکھنے والے جعفر بن محمود کو ''سرمن رائی'' سے بغداد بھیج دیا' اس کی حرکتوں سے سخت نفرت تھی۔ اس کی دین داری کا اثر عوام اور فوج دونوں پر پڑا۔

بغاوتیں اور ان کا استیصال:

مہتدی کے عہد میں سب سے بڑی اور انقلاب انگیز شورش علی بن عبدالرحیم کی تھی جو صاحب الزنج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ منتصر کے درباریوں میں سے تھا۔ جب اس نے عباسی خلفاء کی کمزوری دیکھی تو بغاوت کر دی اور اس کے ساتھ حبشی غلاموں کی ایک بڑی تعداد بھی تھی۔ انہوں نے بحرین' بصرہ' ایلہ اور کربلا میں تباہی مچا دی۔ صاحب الزنج کے فتنے پر مہتدی کے عہد میں قابو نہ پایا جا سکا بلکہ یہ فتنہ چودہ پندرہ سال تک رہا۔ معتمد کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔

اس کے علاوہ مساور خارجی جس نے معتز کے عہد میں بغاوت شروع کی اس کا فتنہ بھی موجود رہا۔ اس نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عراق کی آمدنی کو دارالخلافہ سے روک دیا۔ ترک سردار موسیٰ بن بغا' بایکیال اور دوسرے فوجی اس کے مقابلے کو نکلے مگر واپس لوٹ گئے لہٰذا مساور خارجی کا فتنہ بھی موجود رہا۔

مہتدی کی اصلاحی کوششوں کا نتیجہ:

مہتدی بڑا مدبر اور عاقبت اندیش خلیفہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ عباسی خلافت کی اخلاقی اور دینی حالت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ اس نے کوشش کی کہ ان تمام برائیوں کو ختم کر کے عظمت و شان کے لحاظ سے ہارونی عہد اور عدل و انصاف کے لحاظ سے عمر بن عبدالعزیز کا عہد بنا دیا جائے۔ اس کے لئے اس نے ''قبتہ المظالم'' کے نام سے ایک عمارت بنوائی۔ اس میں لوگوں کی دادرسی کے لئے وہ خود بیٹھتا۔ شراب نوشی حکماً بند کر دی گئی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اشاعت کی گئی اور اس نے ترکوں کا اثر کم کرنے کی کوشش کی۔

مگر ان تمام اصلاحات کو نومسلم ترکوں نے پسند نہ کیا۔ مہتدی کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان ترکوں کی موجودگی میں اس کی اصلاحات کا کامیاب ہونا ممکن نہیں اس لئے اس نے ان کا اقتدار کم کرنے کی طرف توجہ کی۔

مہتدی کی گرفتاری اور وفات:

مہتدی نے ترکوں کے اثر کو کم کرنے کے لئے محمد بن بغا' امیر مفلح اور بابکیال کو گرفتار کر لیا۔ اس پر ترک بگڑ گئے اور انہوں نے مہتدی کے محل پر حملہ کر دیا۔ مہتدی کی حفاظت پر مامور لوگ عین موقع پر ساتھ چھوڑ گئے' صرف تھوڑے سے آدمی اس کے ساتھ رہ گئے۔ آخر اسے گرفتار کر لیا گیا اور خلافت سے دستبرداری پر مجبور کیا گیا مگر اس نے انکار کیا۔ اس طرح مہتدی کو رجب 256ھ میں قید میں ہی قتل کر دیا گیا۔ اس کی مدت خلافت ساڑھے گیارہ مہینے تھی۔ (طبری' ج 12' ص 1788)



خلیفہ معتمد علی اللہ

معتمد' متوکل کا بیٹا تھا۔ مہتدی کی گرفتاری کے بعد ترکوں نے اس کو رجب 256ھ میں خلیفہ بنا لیا۔ اس وقت اس کی عمر 25 سال تھی۔ معتمد کا زمانہ اگرچہ تیئس سالوں پر محیط ہے مگر اس طویل دور میں اس کو ایک دن بھی حقیقی سکون اور حکومت نصیب نہ ہوئی۔ اس کے عہد میں اندرونی شورشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ معتمد کا بھائی موفق تمام معاملات حکومت پر حاوی تھا بلکہ معتمد کے پردے میں موفق حکومت کر رہا تھا۔

بغاوتیں:

معتمد کے عہد میں شام کے والی عیسیٰ بن شیخ نے خراج دینا بند کر دیا اور بغاوت کر دی۔ اس پر قابو پا لیا گیا اور اسے قتل کر دیا۔ صاحب الزنج کے ساتھ بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ بالآخر موفق نے 270ھ میں اس کا خاتمہ کر دیا۔

288ھ میں فرقہ قرامطہ کا ظہور ہوا۔ معتمد کے عہد میں ملک کی حالت اور بھی ابتر ہو گئی گوشے گوشے میں بغاوت اور شورشیں برپا ہو گئیں۔ بحستان' کرمان اور فارس پر صفاریہ غالب آ گئے تھے۔ طبرستان و جرجان میں علویوں کی حکومت تھی۔ افریقہ پر اغالبہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ بصرہ' ایلہ اور دجلہ میں صاحب الزنج نے تباہی مچا دی تھی حتیٰ کہ وہ مقامات جہاں خالص عباسیوں کی حکومت تھی' وہاں پر بھی امن و امان نہ تھا۔

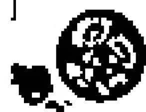
غرض معتمد کے عہد میں دولت عباسیہ نہایت کمزور ہو گئی۔ موفق نے ان شورشوں کو دبانے کی بہت کوشش کی اسے تھوڑی بہت کامیابی بھی ہوئی مگر اس کا کوئی دیرپا اثر قائم نہ ہوا۔ خلافت عباسیہ کے اندرونی انقلابات کی وجہ سے اس عہد میں بیرونی فتوحات کا سلسلہ بھی رک گیا۔

معتمد کی وفات:

معتمد نے اپنے بھائی موفق کو ولی عہد مقرر کر رکھا تھا۔ 278ھ میں موفق کا انتقال ہو گیا تو معتمد نے موفق کے بیٹے معتضد باللہ کو ولی عہد مقرر کر دیا۔

ایک رات محفل رقص و سرود جاری تھی' اس میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ معتمد نے زیادہ پی لی اور اس پر کھانا زیادہ کھا لیا جس پر اسے تخمہ ہو گیا۔ 19 رجب 279ھ کو انتقال کر گیا۔ معتمد نے ساڑھے تیئس سال حکومت کی۔ بعض کے نزدیک اسے زہر دیا گیا اور بقول بعض اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

(تاریخ الخلفاء' ص 196)



ملوک سامان

(395ھ تا 420ھ)

بہرام چوبیں کی نسل سے اسد بن سامان نامی شخص کو اس کے اعزاز کی بناء پر ہارون الرشید بہت احترام دیتا تھا۔ عہد مامون میں ان چاروں لڑکوں کو اعلیٰ تربیت اور قابلیت کی بناء پر ذمہ دار عہدے دیئے گئے۔ ان کے نام نوح' یحییٰ' الیاس اور احمد تھے۔ خراسانی نائب عسان بن ثابت نے احمد کو فرغانہ' یحییٰ کو اشروسنہ اور شاشی' الیاس کو ہراۃ اور نوح کو سمرقند کا حاکم بنایا۔ ان کی اولاد میں عرصہ تک حکومت رہی۔ کبھی تو ملوک طاہریہ کی طرف سے ان کو حکومت ملتی تھی اور کبھی بغداد کی جانب سے ان کی تقرری ہوتی تھی۔ اس خاندان میں بادشاہی لقب اسماعیل بن احمد بن اسد سامانی کے وقت سے استعمال کیا گیا۔ جو کہ ماوراء النہر میں ایک خودمختار بادشاہ گزرا ہے۔

اسماعیل سامانی نے ترکستان میں بہت بڑی فتح حاصل کی۔ شاہ ترکستان کو اس کی خاتون سمیت گرفتار کر کے سمرقند لایا اور پھر دریائے جیحون سے عبور کر کے عمر بن لیث کو گرفتار کیا۔ ان دو فتوحات نے اسے مستقل بادشاہ بنا دیا۔ عمر کو اس نے قید کر کے بغداد بھیجا' وہاں سے اسے بجستان' خراسان' مازندران رے اور اصفہان کی حکومت عطا ہوئی۔ طبرستان میں خروج کرنے والے محمد بن زید علوی کو اس نے شکست دی۔

یہ بادشاہ بڑا نیک اور عادل تھا۔ اسماعیل کے بعد سامانی خاندان کے آٹھ بادشاہ گزرے ہیں' ہم ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں:

1- احمد بن اسماعیل (297ھ تا 303ھ):

خلیفہ بغداد نے اسے عہد نامہ اور لواء بھیجا۔ اس کا پایہ تخت بخارا تھا۔ یہ بہادر لیکن بداخلاق تھا۔ ارا کین دولت کے ایماء سے اسے قتل کیا گیا۔ یہ چھ سال تک بادشاہ رہا۔

2- ابوالحسن نصر بن احمد (303ھ تا 331ھ):

یہ نہایت چھوٹی عمر میں تخت پر بیٹھا اس کے خاندان والے اس سے منحرف رہے اور مغلوب ہوئے۔ ہوش سنبھالنے پر یہ بڑا نامور بادشاہ ہوا۔ 331ھ میں 28 سال حکومت کر کے 38 سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی کریم النفسی کی بناء پر اس کا لقب امیر سعید ہوا۔

3- نوح بن نصیر احمد (331ھ تا 343ھ):

اس کو سلاطین دیالمہ سے برابر مقابلہ رہا۔ اکثر یہ غالب رہا۔ یہ 343ھ میں فوت ہوا۔

4- عبدالملک بن نوح (343ھ تا 350ھ):

ملک رے اور خراسان کی بابت یہ بھی اپنے باپ کی طرح دیالمہ سے برسرپیکار رہا۔ آخر میں کچھ مصالحت ہو گئی تھی اور اسی اثناء میں چوگان کھیلتے ہوئے گر کر یہ 350ھ میں مر گیا۔ اس کو مؤید اور موفق بھی کہتے تھے۔

5- منصور بن نوح بن نصر (350ھ تا 365ھ):

یہ اپنے بھائی عبدالملک بن کے مرنے پر خراسان اور ماوراء النہر کا بادشاہ ہوا۔ سپہ سالار خراسان الپتگین اس کی تخت نشینی کے خلاف تھا اس لئے وہ اس کی تخت نشینی کی خبر سن کر غزنی بھاگ گیا اور یہاں اس کے غلام سبکتگین کی ذات سے سلطنت کی بنیاد پڑی۔ یہ بادشاہ رکن الدولہ دیلمی پر غالب آیا اور اس سے کچھ سالانہ خراج مقرر کرا لیا۔ پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا' لوگ اسے امیر مؤید اور امیر سدید بھی کہتے تھے۔

6- نوح بن منصور بن نوح (365ھ تا 387ھ):

یہ الپتگین کے غلام سبکتگین کا ہمعصر تھا۔ اس کے وقت میں عضدالدولہ بن رکن الدولہ دیلمی تمام عراق پر قابض ہو گیا تھا اور شمس المعال قابوس بن دشمگیر جرجان اور طبرستان پر قابض تھا۔ اس کے دور میں بڑے بڑے معرکے ہوئے اور زبردست لڑائیاں ہوئیں۔ کئی مرتبہ یہ فخر الدولہ کی حمایت میں عضدالدولہ دیلمی سے لڑا۔ پھر بغراخان گورنر خراسان ابوعلی کی سازش سے ترکستان سے بخارا آیا اور ماوراء النہر پر قابض ہو گیا۔ امیر نوح مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا۔ ابوعلی خراسان کا خودمختار بادشاہ بن بیٹھا۔ بغراخان بیمار ہوا تو اپنے وطن واپس جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔ اس طرح نوح پھر ماوراء النہر کا بادشاہ ہوا لیکن ابوعلی امیر فائق نے لڑائی کی دھمکی دی تو وہ گھبرایا۔

سبکتگین کا شمار اب تک سلاطین میں نہ تھا' سپہ سالاروں کی طرح اس نے ہندوستان میں کچھ غزوات کئے تھے جس سے اس کا نام روشن ہو چلا تھا۔ نوح نے اس سے مدد مانگی جسے اس نے فخر سمجھا اور فوج لے کر نوح کے پاس آ موجود ہوا غرضیکہ سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود نے ابوعلی کو شکست دی جس کے صلہ میں امیر نوح نے سبکتگین کو ناصرالدین اور محمود کو سیف الدولہ کا خطاب عطا کیا پھر اس کے بعد کئی مرتبہ سبکتگین اور محمود نے نوح کی طرف سے لڑائیاں کیں۔ نوح کے ملازم اور گورنر اکثر نمک حرام تھے اس لئے اسے بڑی دقتیں پیدا ہوئیں۔ یہ 387ھ میں طبعی موت مرا۔

7- منصور بن نوح بن منصور:

درباریوں کا حال تو بگڑا ہی تھا' انہوں نے سیف الدولہ جیسے مملکت کے خیرخواہ کو منصور سے لڑوانا چاہا لیکن محمود (سیف الدولہ) بچا لے گیا۔ اس کے بعد خود ارکین سلطنت نے منصور کی آنکھ میں سلائی پھیر کر تخت سے اُتار دیا اور اس کے بھائی عبدالملک کو تخت پر بٹھا دیا۔

8۔ عبدالملک بن نوح:

عبدالملک بن نوح کو بھی لوگوں نے محمود سے لڑوانا چاہا۔ محمود کب تک صبر کرتا؟ یہ لڑ پڑا۔ عبدالملک بھاگ کر اپنے دارالسلطنت کی طرف گیا۔ وہاں ایلک خان کاشغر سے آ کر قابض ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک گرفتار ہو گیا اور دولت سامانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ منتصر بن نوح سامانی نے کچھ سر اُٹھایا بلکہ ایلک خان سے خوب خوب لڑا لیکن آخر شکست کھائی اور 395ھ میں آل سامان کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ بہادر حکمران تھے اور ملک گیری کا شوق رکھتے تھے۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 165- ابن خلدون' ج 2' ص 250 تا 390- تاریخ ملت' ج 2' ص 87 تا 90)



خلیفہ معتضد باللہ

معتمد نے موفق کے بیٹے معتضد باللہ کو ولی عہد بنایا تھا۔ یہ 279ھ میں 36 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ معتضد عقل و دانش، تدبیر و سیاست اور جاہ و جلال میں اپنے بزرگوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس نے عباسی حکومت کے استحکام کی انتہائی کوشش کی۔ ترکوں کے ہاتھوں میں کھلونا بننے کے بجائے اس نے سرکش امراء کو سزا دی، مخالف قوتوں کا قلع قمع کیا۔ یہ بڑا نڈر اور بے باک تھا۔ لڑائی میں خود فوج کے ساتھ شامل ہو کر لڑتا تھا۔ اس نے کسی حد تک سرکش ترک سرداروں کی سرکشی کو کم کیا۔

بغاوتیں اور ان کا استیصال:

معتضد کے عہد میں متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ ان میں رافع بن ہرثمہ کی بغاوت تھی مگر اس کی سرکوبی کر دی گئی۔ خوارج کی شورشیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ یہ کردستان کے علاقے پر اتنے چھا گئے تھے کہ انہیں کنٹرول کرنے سے حکومت بے بس ہو گئی تھی۔ آخر معتضد نے خود کمان سنبھالی اور ان کا خاتمہ کیا۔ قرامطہ نے بھی بصرہ اور دیگر علاقوں میں بہت شورشیں برپا کیں۔ معتضد نے ان کو فرو کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجیں اور کسی حد تک ان کا فتنہ دب گیا۔

معتضد ایک زیرک اور بیدار مغز حکمران تھا۔ اس کو اپنے عہد میں جن امراء سے خطرہ تھا، اس نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے ان کا زور توڑ دیا جس کے نتیجے میں وہ اس کے لئے خطرہ نہ رہے۔ معتضد اندرونی اصلاح و تنظیم میں مصروف رہا اس لئے اس کے عہد میں بیرونی مہمات بہت کم پیش آئیں البتہ عباسی حکومت کے ماتحت ریاستوں نے بعض فتوحات کیں۔

معتضد کی اصلاحات:

معتضد بڑے جاہ و جلال کا خلیفہ تھا۔ تدبیر و سیاست اور اخلاق سے بہرہ ور تھا۔ بڑی مدت کے بعد عباسی خلفاء میں ایسا خلیفہ تخت نشین ہوا جس کی ہمت اور حوصلے نے عباسی حکومت کو سنبھالا دیا اور ہر طرح دور عروج کی یاد تازہ کر دی۔ اس کے عہد میں ملکی حالات بہت بہتر ہو گئے۔ لڑائیوں کا سلسلہ ختم ہوا، شورشوں میں کمی ہوئی۔

عہد معتضد کی چیدہ چیدہ باتیں:

معتضد کے عہد کی چیدہ چیدہ باتیں یہ ہیں:

1- دور انحطاط کے سیاسی انقلابات کی وجہ سے حکومت کی آمدنی بہت گھٹ گئی تھی۔ معتضد کے اعلیٰ انتظام کی وجہ سے آمدنی میں معقول اضافہ ہوا۔ حکومتی اخراجات کے بعد بھی خزانہ میں معقول رقم بچ جاتی تھی۔

2- اس نے مالی اصلاح کے لئے کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا بلکہ بعض پرانے ٹیکس بھی ختم کر دیئے۔

3- اس نے ترکوں کا زور کم کیا، ان کی قوت توڑنے کے لئے سخت پالیسی اختیار کی۔ فوجی افسروں

کو نافرمانی یا حکم عدولی پر زندہ دفن کرا دیتا تھا اس طرح اس کی سختی سے ترک سرکش سرداروں
کی خودسری میں کمی واقع ہوئی۔

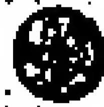
4- مجوسیوں کے اثر سے جو رسمیں مثلاً نوروز (ایک تہوار) وغیرہ رواج پا گئی تھیں ان کو بند کرا دیا
نجومیوں اور قصہ خوانوں کو شاہراہوں پر بیٹھنے سے منع کر دیا۔

5- خراج کی آمدنی میں اضافہ ہوا خصوصاً عراق کے خراج میں اس قدر اضافہ ہوا کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے عہد کے علاوہ کسی اور زمانے میں اتنا خراج وصول نہیں ہوتا تھا۔

غرض کہ اس کا عہد رعایا کی خوشحالی کا دور تھا۔ ضروریات زندگی کی اشیاء بہت سستی تھیں
خلافت کا نظام بہتر ہو گیا۔ اس کا جاہ و جلال اس قدر تھا کہ کئی فتنے اس کے رعب سے دب گئے
معتضد اپنے کارناموں کی وجہ سے ''سفاح ثانی'' کہلاتا تھا۔

وفات:

معتضد نے اپنے بیٹے مکتفی کو ولی عہد مقرر کیا اور سات سال نو ماہ حکومت کرنے کے بعد
289ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔



خلیفہ مکتفی باللہ

معتضد کی وفات ہوتے ہی اس کی بیعت لی گئی۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے باپ کی طرح امور سلطنت کو بکھرا ہوا پایا اور ہر طرف شورشیں برپا تھیں مگر اس کے پاس مال و زر وافر تھا اور فوج بہت تھی اس لئے وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہو گیا۔ باپ کے نقش قدم پر چلا۔

مکتفی طبعی طور پر خوش خلق تھا۔ عدل و انصاف میں کسی خلیفہ سے پیچھے نہیں تھا۔ والد کے دور میں ضبط شدہ مکانات کو گرا دیا اور ورثاء کو قیمتیں ادا کیں اور قصر میں جو مکانات آتے تھے وہ مالکوں کو واپس کر دیئے۔ اس عمل سے اہل بغداد مکتفی کے گرویدہ ہو گئے اور اسے دعائیں دیتے۔

(تاریخ الخلفاء ص 262)

اس نے معتضد کے دور کی سخت گیری کے آثار کو مٹایا اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اگرچہ اس میں معتضد جیسے اوصاف نہ تھے مگر معتضد نے اتنا مضبوط نظام حکومت قائم کر دیا تھا کہ مکتفی کے عہد میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

بغاوتوں کا خاتمہ:

مکتفی کے عہد میں قرامطہ کی شورشیں بہت حد تک بڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ سلیمہ اور بعلبک کی پوری آبادی کو قتل کر دیا۔ ان کے استیصال کے لئے کئی لشکر روانہ کئے گئے مگر کسی کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اسی عہد میں 296ھ میں محمد بن سلیمان نے مصر اور شام سے طولونیوں کا خاتمہ کیا۔

موصل میں کرد اور خارجی آئے دن شورشیں برپا کرتے رہتے تھے۔ یہاں آل حمدان کا بڑا اثر تھا، مکتفی نے حکمت سے کام لیتے ہوئے موصل میں قیام امن کے لئے 293ھ میں عبداللہ بن حمدان کو موصل کا حاکم بنا دیا۔ کچھ عرصے بعد کرد قبائل مطیع ہو گئے۔ اس طرح یہاں آل حمدان کی حکومت کا آغاز ہوا۔

فتوحات:

مکتفی کے عہد میں اندرونی شورشوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ بیرونی فتوحات و مہمات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ 292ھ میں مکتفی کے غلام زرافہ نے انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ اس مہم میں بڑی کثرت سے مال غنیمت ہاتھ آیا۔ 294ھ میں ابن کیغلغ نے شکند فتح کیا۔

مکتفی کے عہد آغاز میں رومیوں سے اچھے تعلقات تھے اور دونوں طرف سے ہدیے اور تحفے تحائف آتے جاتے تھے لیکن 291ھ میں رومیوں نے پھر بنو عباس کی حکومت کے سرحدی علاقے کو لوٹا اس بناء پر اسلامی لشکر نے ان کا مقابلہ کیا جس میں پانچ ہزار رومی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت ہاتھ آیا۔ (تاریخ الخلفاء ص 263)

رومیوں کے ہاتھوں جو مسلمان پکڑے گئے تھے ان کے زر فدیہ اور تبادلہ سے مکتفی نے 293ھ میں تین ہزار مسلمان آزاد کرائے۔

مکتفی کی وفات:

مکتفی نے 13 ذیقعد 295ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ ساڑھے اکتیس سال کی عمر میں چھ سال اُنیس دن حکومت کی۔



خلیفہ مقتدر باللہ

مقتدر باللہ 282ھ میں پیدا ہوا۔ شاہانہ انداز سے پرورش ہوئی۔ 13 ذیقعد 295ھ میں اس کی بیعت لی گئی۔ ابوالفضل مقتدر باللہ کی خلافت کو ابھی چار مہینے گزرے تھے کہ ارکان سلطنت اور سپہ سالاروں کی ایک جماعت نے مقتدر کو معزول کر کے عبداللہ بن المعتز کی بیعت کر لی۔

مکتفی باللہ نے اپنے بھائی مقتدر کو ولی عہد بنایا تھا۔ مقتدر بہت کم عمر تھا اس کی عمر تیرہ سال تھی اس لئے اکثر ارا کین سلطنت اس کے خلاف تھے۔ 295ھ میں مقتدر تخت نشین ہوا' جو لوگ اس کی کم سنی کی وجہ سے اس کے تقرر کے خلاف تھے' انہوں نے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنا دیا۔ اس پر مقتدر اور اس کے حامیوں اور عبداللہ بن معتز کے ساتھیوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں مقتدر کو فتح ہوئی۔

مقتدر کی کم سنی کی وجہ سے نااہل امراء اور حرم کی خواتین کو من مانی کرنے کا موقع مل گیا۔ مقتدر ویسے بھی اوصاف جہانبانی سے سرفراز نہ تھا۔ اسے امور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کی غفلت کی وجہ سے امراء اور ارکان سلطنت میں جاہ و اقتدار کی ہوس پیدا ہو گئی۔

بغاوتیں اور ان کا استیصال:

مقتدر کے عہد میں متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ 304ھ میں آرمینیہ اور آذربائیجان کے حاکم نے بغاوت کر دی۔ 307ھ میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اسی طرح سبک نامی ایک غلام نے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا۔ مزید یہ کہ قرامطہ کا زور مکتفی نے کافی حد تک کم کر دیا تھا مگر اس کے باوجود عراق و شام میں انہوں نے دوبارہ شورش کر دی۔ ان کا اثر بڑھتے بڑھتے بغداد تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ اہل بغداد علاقہ چھوڑ کر جانے لگے۔ مقتدر نے کئی لشکر روانہ کئے آخر ہارون بن غریب اور صافی بصری نے سواد میں ان کا زور کم کیا۔

عباسی خلافت میں اب تک ظاہری' سامانی' صفاری' طولونی وغیرہ حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ یہ سب اگرچہ خودمختار تھیں مگر خلافت بغداد کے ماتحت تھیں۔ مقتدر کے عہد میں مصر میں فاطمی حکومت کی بنیاد پڑی۔ یہ بغداد کی سیادت سے آزاد تھی اور آگے چل کر یہ عباسی حکومت کے مدمقابل آ گئی۔

عہد مقتدر کی فتوحات:

مقتدر کے زمانے میں اندرونی بغاوتوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ بیرونی مہمات اور رومیوں سے معرکہ آرائی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ 296ھ میں اناطولیہ پر لشکر کشی کی گئی۔ تلخ ارضی کا ایک قلعہ فتح کیا گیا۔ ملطیہ پر فوج کشی کر کے بہت سے قلعے فتح کئے گئے۔ مقتدر کے عہد میں رومیوں نے کئی مسلمان علاقوں پر یورش کی۔ مسلمانوں نے مقتدر سے مدد مانگی مگر یہ اندرونی پریشانیوں میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کوئی مدد نہ کر سکا اور اس طرح پہلی مرتبہ تاریخ اسلام میں پہلی بار مسلمانوں نے مداخلت سے مجبور ہو کر 317ھ میں اسلامی علاقے ملطیہ' میافارقین' آمد اور ارزن رومیوں کے حوالے کر دیئے

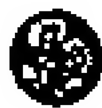
خلیفہ قاہر باللہ

مقتدر کے قتل کے بعد مسئلہ خلافت پیش ہوا۔ امیر مونس نے ابوالعباس بن مقتدر کو خلیفہ بنانا چاہا مگر وہ کم سن تھا چنانچہ ابواسحاق نوبختی کی رائے کے مطابق 320ھ میں ابوالمنصور محمد بن معتضد کو قاہر باللہ کے لقب کے ساتھ تخت پر بٹھایا گیا۔ اراکین سلطنت نے بیعت کی۔

قاہر بہادر اور سطوت و جبروت کا خلیفہ تھا۔ اس نے امراء کی سرکشی دور کرنے اور خلافت کے وقار کو بحال کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئی۔ اگرچہ قاہر باللہ کا عہد بہت مختصر ہے مگر اس میں بھی کئی بغاوتیں رونما ہوئیں۔ مقتدر کا بیٹا عبدالواحد مدائن بھاگ گیا مگر بعد میں اس نے قاہر کی اطاعت قبول کر لی۔ مونس نے مقتدر کو قتل کیا تھا اسے گرفتار کیا گیا' قاہر کے عہد میں ہی دیلم کے بنو بویہ کی حکومت قائم ہوئی۔

قاہر بہت جری' پُرشکوہ اور سخت گیر خلیفہ تھا اس نے اپنے ڈیڑھ سالہ دور حکومت میں سرکش حکام کا زور توڑنے کی ازحد کوشش کی چنانچہ اس نے مونس' بلیق اور علی بن یاقوت کو ختم کرا دیا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ ترک سردار اس کے خلاف ہو گئے۔ انہوں نے 322ھ میں اس کے محل پر حملہ کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ پھر قید خانے میں اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اسے اندھا کر دیا۔ یہ ترکوں کی انتہائی خودسری تھی کہ ایک اہل اور بارُعب خلیفہ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہ چھ سال تک زندہ رہا بالآخر انتقال کر گیا۔ یہ صرف ایک سال سات ماہ حکمران رہا۔

(التنبیہ والاشراف' ص 283- مروج الذہب' ج 6' ص 287)



اور ان کی اطاعت قبول کی۔ بعد میں 319ھ میں حاکم موصل سعید بن ہمدان نے ملطیہ کے علاقے پر دوبارہ قبضہ کرلیا مگر باقی علاقے رومیوں کے تسلط میں ہی رہے۔

مقتدر کی معزولی:

چونکہ مقتدر کی کم عمری کی وجہ سے اس کی خلافت کے بارہ میں امراء میں اختلاف تھا لیکن جب اس کی خلافت کی بیعت ہوگئی تو ترکوں کا اختیار حرم کی عورتوں کی مداخلت' حرم شاہی کے غیر معمولی اخراجات' وزراء کی بددیانتی اور امراء کے رشک اور حسد نے انقلاب برپا کردیا چنانچہ امراء نے 317ھ میں مقتدر کو معزول کرکے اس کے سوتیلے بھائی قاہر کو خلیفہ بنالیا۔

مقتدر کی بحالی اور قتل:

قاہر کو خلیفہ بنانے کے بعد شاہ یقوج مصافیہ نے تنخواہ کا مطالبہ کردیا اور مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں حملہ کردیا۔ یہ فوج بالآخر مقتدر کو واپس لے آئی' اس کو دوبارہ خلیفہ بنایا۔ مقتدر کا غلام مونس نے جو امیر الامراء کے عہدے پر فائز تھا' بغاوت کرکے موصل پر قبضہ کرلیا۔ اس کے مقابلے میں مقتدر 320ھ میں نکلا مگر شکست کھائی اور قتل ہوا۔

قتل کے وقت اس کی عمر 38 سال جبکہ مدت خلافت 25 سال تھی۔ مقتدر سے قبل متوکل کو قتل کیا گیا تھا مگر جس طریقے سے مقتدر کا قتل ہوا اور اس کی لاش کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ عبرتناک ہے۔

مقتدر کا عہد:

مقتدر کا زمانہ 25 سال کی طویل مدت کا ہے مگر حکومت میں شورشیں رہیں' انقلابات گزرے' دو مرتبہ تخت سے اُتارا گیا۔ تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ (تاریخ ملت' ج دوم' ص 115- ابن اثیر' ج 8' ص 76- مناجۃ الطرب فی تقدمات العرب' ص 611)

سلاطین دیالمہ یا بویہ

سلاطین دیالمہ کو مؤرخین بہرام گور کی نسل سے بتاتے ہیں اور بقول بعض یہ لوگ یزدجر بن شہریار عجمیوں کے آخری بادشاہ کی نسل سے تھے۔ دیالمہ' دیلم کی جمع ہے۔ دیلم جگہ کا نام ہے اس کو جیلان بھی کہتے ہیں جس کا شہ نشین اود بار تھا جو بحرخزر کے جنوبی غربی ساحل پر واقع تھا۔ ایک زمانہ میں ریوان ان کا صوبہ بنا۔ پہلے یہاں بت پرست تھے' اطروش کی تبلیغ کی وجہ سے بلاد دیلم میں اسلام پھیلا۔

اطروش علوی:

301ھ میں بنوحسین سے اطروش نے دولت وحکومت کا پتھر رکھا پھر بنوعلی سے عمر داعی طالقان کی حکومت مقتدر کے زمانہ میں قائم ہوئی۔ یمن میں 299ھ میں یحییٰ بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم طباطبا کا ظہور ہوا جنہوں نے زیدیہ حکومت کا آغاز کیا اور دولت علویہ زیدیہ قائم کی۔ طباطبائی نے 308ھ میں انتقال کیا۔ (دائرہ معارف بستانی' ج 11' ص 191)

دولت زیدیہ:

حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ اپنے زمانے کے بہت بڑے متقی تھے۔ ''رے'' میں قیام تھا' کلا اور سالوس کے رئیس محمد اور جعفر جو کہ رستم کے بیٹے تھے' انہوں نے حسن بن محمد کو مدعو کیا اور ان سے بیعت کی۔ ان دنوں سلیمان بن عبداللہ بن طاہر طبرستان کا حاکم تھا۔ کلا وسالوس کے زیراثر تھے۔ رستم کے بیٹوں نے سلیمان کے تمام کارندوں کو طبرستان سے باہر نکال کر پورے صوبہ پر قبضہ کرلیا۔ محمد بن اوس مقابلہ پر آیا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ پھر سلیمان بن عبداللہ کے مسکن شہر ساریہ پر چڑھائی کی' وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ پھر ''رے'' بھی قبضہ وتصرف میں آ گیا۔ مستعین نے یہ رنگ دیکھ کر وصیف ترکی کو بھیجا کہ وہ ہمدان پہنچ کر اس سیلاب کو روکے۔ حسن بن زید نے ایک قطعہ دولت طاہریہ کا اور ایک قطعہ خلافت عباسیہ کا فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی جس میں دیلم اور طبرستان کے کوہستانی علاقے شامل تھے۔

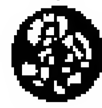
دولت زیدیہ کے حکمران:

1- حسن بن زید بانی حکومت (از 250ھ تا 270ھ)
2- محمد بن زید قائم بالحق (270ھ تا 279ھ)
3- کچھ عرصہ سامانی قابض رہے (از 280ھ تا 303ھ)
4- حسن اطروش بن علی بن حسین بن علی بن عمر (304ھ)
5- حسن بن قاسم (355ھ)

خلیفہ عبداللہ بن معتز

مقتدر کی صغرسنی کی وجہ سے اسے معزول کرنا چاہا تو عبداللہ بن معتز سے اس منصب کو قبول کرنے کی استدعا کی۔ اس نے کہا: اگر آپ کسی فتنہ کے بغیر مجھے خلیفہ بنانا چاہیں تو میں مان لوں گا۔ جب یقین دلایا گیا تو وہ مان گیا۔ 296ھ میں عبداللہ کی بیعت ہوگئی' متصف باللہ لقب دیا گیا۔

عبداللہ کی خلافت کو ابھی چند دن نہ گزرے تھے' بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایسا واقعہ رونما ہوا کہ لاچار تخت خلافت سے دستبردار ہو کر روپوش ہونا پڑا۔ مقتدر کے آدمیوں نے ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔ یہ 296ھ کا واقعہ ہے۔ (ابن خلکان' ج 1' ص 258)



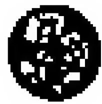
خلیفہ قاہر باللہ

مقتدر کے قتل کے بعد مسئلہ خلافت پیش ہوا۔ امیر مونس نے ابوالعباس بن مقتدر کو خلیفہ بنانا چا
مگر وہ کم سن تھا چنانچہ ابواسحاق نوبختی کی رائے کے مطابق 320ھ میں ابوالمنصور محمد بن معتضد کو قا
باللہ کے لقب کے ساتھ تخت پر بٹھایا گیا۔ اراکین سلطنت نے بیعت کی۔

قاہر بہادر اور سطوت و جبروت کا خلیفہ تھا۔ اس نے امراء کی سرکشی دور کرنے اور خلافت کے
وقار کو بحال کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئی۔ اگرچہ قاہر باللہ کا عہد بہت مختصر ہے مگر اس
میں بھی کئی بغاوتیں رونما ہوئیں۔ مقتدر کا بیٹا عبدالواحد مدائن بھاگ گیا مگر بعد میں اس نے قاہر کی
اطاعت قبول کر لی۔ مونس نے مقتدر کو قتل کیا تھا اسے گرفتار کیا گیا' قاہر کے عہد میں ہی دیلم کے بن
بویہ کی حکومت قائم ہوئی۔

قاہر بہت جری' پُرشکوہ اور سخت گیر خلیفہ تھا اس نے اپنے ڈیڑھ سالہ دور حکومت میں سرکش
حکام کا زور توڑنے کی ازحد کوشش کی چنانچہ اس نے مونس' بلیق اور علی بن یاقوت کو ختم کرا دیا۔ اس سے
ایک نقصان یہ ہوا کہ ترک سردار اس کے خلاف ہو گئے۔ انہوں نے 322ھ میں اس کے محل پر حملہ
کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ پھر قید خانے میں اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اسے اندھا کر دیا۔
یہ ترکوں کی انتہائی خودسری تھی کہ ایک اہل اور بارعب خلیفہ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہ چھ سال تک زندہ
رہا بالآخر انتقال کر گیا۔ یہ صرف ایک سال سات ماہ حکمران رہا۔

(التنبیہ والاشراف' ص 283- مروج الذہب' ج 6' ص 287)



سلاطین دیالمہ یا بویہ

سلاطین دیالمہ کو مؤرخین بہرام گور کی نسل سے بتاتے ہیں اور بقول بعض یہ لوگ یزدجر بن شہریار عجمیوں کے آخری بادشاہ کی نسل سے تھے۔ دیالمۂ دیلم کی جمع ہے۔ دیلم جگہ کا نام ہے اس کو جیلان بھی کہتے ہیں جس کا شہ نشین اودبار تھا جو بحر خزر کے جنوبی غربی ساحل پر واقع تھا۔ ایک زمانہ میں زیوان ان کا صوبہ بنا۔ پہلے یہاں بت پرست تھے اطروش کی تبلیغ کی وجہ سے بلاد دیلم میں اسلام پھیلا۔

اطروش علوی:

301ھ میں بنوحسین سے اطروش نے دولت وحکومت کا پتھر رکھا پھر بنوعلی سے عمر داعی طالقان کی حکومت مقتدر کے زمانہ میں قائم ہوئی۔ یمن میں 299ھ میں یحیٰ بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم طباطبا کا ظہور ہوا جنہوں نے زیدیہ حکومت کا آغاز کیا اور دولت علویہ زیدیہ قائم کی۔ طباطبائی نے 308ھ میں انتقال کیا۔ (دائرہ معارف بستانی' ج 11' ص 191)

دولت زیدیہ:

حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ اپنے زمانے کے بہت بڑے متقی تھے۔ ''رےئ'' میں قیام تھا' کلا اور سالوس کے رئیس محمد اور جعفر جو کہ رستم کے بیٹے تھے' انہوں نے حسن بن محمد کو مدعو کیا اور ان سے بیعت کی۔ ان دنوں سلیمان بن عبداللہ بن طاہر طبرستان کا حاکم تھا۔ کلا و سالوس کے زیراثر تھے۔ رستم کے بیٹوں نے سلیمان کے تمام کارندوں کو طبرستان سے باہر نکال کر پورے صوبہ پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن اوس مقابلہ پر آیا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ پھر سلیمان بن عبداللہ کے مسکن شہر ساریہ پر چڑھائی کی' وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ پھر ''رےئ'' بھی قبضہ وتصرف میں آ گیا۔ مستعین نے یہ رنگ دیکھ کر وصیف ترکی کو بھیجا کہ وہ ہمدان پہنچ کر اس سیلاب کو روکے۔ حسن بن زید نے ایک قطعہ دولت طاہریہ کا اور ایک قطعہ خلافت عباسیہ کا فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی جس میں دیلم اور طبرستان کے کوہستانی علاقے شامل تھے۔

دولت زیدیہ کے حکمران:

1- حسن بن زید بانی حکومت (از 250ھ تا 270ھ)
2- محمد بن زید قائم بالحق (270ھ تا 279ھ)
3- کچھ عرصہ سامانی قابض رہے (از 280ھ تا 303ھ)
4- حسن اطروش بن علی بن حسین بن علی بن عمر (304ھ)
5- حسن بن قاسم (355ھ)

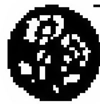
یہ دولت زیدیہ ایک صدی تک قائم رہی۔ بنو سامانی نے محمد بن زید کو قتل کر کے 22 سال تک قبضہ برقرار رکھا آخر حسن اطروش نے لڑ کر اپنا ملک واپس لے لیا۔ پھر ایک جنگ میں وہ شہید ہوئے تو حسن بن قاسم نے عنان حکومت سنبھالی مگر اطروش کی اولاد برسرپیکار رہی آخرکار زیدیوں کے ہاتھ سے یہ حکومت 355ھ میں نکل گئی۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 303)

خاندان بویہ اور ابوشجاع:

ابوشجاع بویہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی تھا جس کے تین بیٹے علی' احمد اور حسن تھے۔ یہ بڑھتے بڑھتے شاہی درجہ تک پہنچے تھے اور خلفائے بغداد کی طرف عماد الدولہ' رکن الدولہ اور معز الدولہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ فارس اور کرمان کی زبردست سلطنت ان کے اور ان کی نسل کے ہاتھ میں عرصہ تک رہی۔ خلفاء بغداد ان کے عروج سے پہلے کچھ دنوں سے اراکین ترک کے ہاتھ میں تھے' اب ان سے نکل کر ان کے ہاتھوں میں آ گئے۔ یہ لوگ خلفاء عباسیہ کا احترام کرتے تھے لیکن محض ملکی مصلحت پر نظر ڈال کر خلفاء بھی ان کی مدد سے کسی طرح بے نیاز نہ تھے۔ خلیفہ مقتدر کے زمانہ 300ھ میں اس خاندان کی ابتداء ہوئی۔ محمود غزنوی کے عہد میں زوال شروع ہوا اور پھر سلجوقیوں کے عہد میں ابوالمنصور پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خاندان میں چھ بادشاہ ہوئے' ان لوگوں کا کوئی مستقل پایہ تخت نہ تھا۔ یہ لوگ مختلف مقامات پر رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی وقت میں اس خاندان کے دو تین اشخاص کی جدا جدا خودمختار حکومتیں قائم رہیں۔

لیکن ایک مستقل سلسلہ انہی لوگوں کا ہے جو خلفاء بغداد پر حاوی تھے اور دوسرے وہ سلاطین ہیں جو بغداد سے الگ ہو کر اصفہان' کرمان اور فارس میں رہے۔ ان دونوں گروہوں کا بیان ہم یکجا کر رہے ہیں۔ ناظرین پڑھتے وقت یہ مدنظر رکھیں تا کہ غلط فہمی نہ ہو۔



سلاطین کا تعارف

1- عمادالدولہ (300ھ):

خلیفہ مقتدر کے گورنر یاقوت کو شکست دے کر اس نے چوتھی صدی کے آغاز میں فارس پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھائی رکن الدولہ کو بھیج کر عراق فتح کیا اور معزالدولہ کو کرمان بھیج کر اسے فتح کر کے بغداد پر بھی چڑھائی کی۔

2- رکن الدولہ:

رکن الدولہ متوفی 365ھ کا زمانہ حکومت بہت کم تھا۔ عماد الدولہ تو اس کے بیٹے عضدالدولہ کو ولی عہد مقرر کر گیا تھا' نامعلوم اسے کیوں تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ظاہراً بیٹے نے باپ سے لڑنا پسند نہ کیا' مرتے دم اس نے کرمان' اہواز' فارس عضدالدولہ کو دیا۔ ہمدان' رے اور طبرستان کی حکومت اس نے اپنے دوسرے بیٹے فخر الدولہ کو اور اصفہان کی حکومت اپنے تیسرے بیٹے مؤید الدولہ کو دے کر ان دونوں کو تاکید کی کہ وہ عضدالدولہ کے مطیع رہیں۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 221)

3- معزالدولہ:

معزالدولہ کے بھائی عمادالدولہ نے کرمان فتح کر کے بغداد کی حکومت سے اہواز چھین لیا۔ بغداد پر بھی تین مرتبہ حملہ کرنے کے بعد اس نے قبضہ کر لیا۔ خلیفہ کا امیر الامراء توزن جب تک زندہ رہا معزالدولہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا قائمقام شیرزاد مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ خلیفہ مکتفی کی مجلس میں آ کر اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے لئے معزالدولہ' رکن الدولہ اور عماد الدولہ کے خطاب حاصل کئے۔ (ابن اثیر' ج 6' ص 222)

لیکن خطاب اور بیعت کی عجیب نوعیت تھی کہ بظاہر اس کی کچھ ضرورت نہ تھی لیکن اس کے حاصل کرنے کو محمود جیسے سلطان نے بھی اپنا فخر سمجھا تو سلاطین دیالمہ اس کے مقابلہ میں کس شمار میں تھے؟ یہ بصرہ پر بھی قابض ہو گیا۔ بغداد میں اس کا قیام بطور سپہ سالار خلیفہ تھا۔

4- عضدالدولہ بن رکن الدولہ (335ھ' متوفی 372ھ):

یہ اپنے چچا کی جگہ کرمان اور فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس نے جوڑ بند سے قیصر روم سے اپنے لئے تحفے منگوائے اس طرح اس نے اپنے آپ کو عوام الناس میں معزز ثابت کیا۔ یہ بڑا زبردست بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے بغداد کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا ہے۔ بغداد اور مکہ کی راہ میں خراب ہونے والے تمام کنویں درست کروائے اور نہریں جاری کرائیں۔ مکہ' مدینہ' کربلا اور نجف میں غرباء کے لئے پیسے بھیجے۔ گرجوں اور خانقاہوں کی مرمت کرائی۔ یہ اس خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کے عہد میں بغداد کی حکومت ہارون الرشید کی حکومت کے برابر وسیع ہو گئی تھی۔ اس نے خلیفہ الطائع کی لڑکی سے شادی کی اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دی تاکہ اس سے ہونے والی اولاد خلیفہ بن سکے۔

5- مؤید الدولہ بن رکن الدولہ (372ھ):

اپنے بھائی عضدالدولہ کے وقت میں یہ اصفہان کا حاکم تھا اور عضدالدولہ کا مطیع تھا۔ عضدالدولہ کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد یہ بھی مر گیا۔ اس نے صرف اپنے بھائی فخرالدولہ سے جنگ کی تھی کیونکہ وہ عضدالدولہ سے سرتابی کر کے خراسان چلا گیا تھا اور وہاں سے سامانیوں کی مدد سے مؤید الدولہ کے مقابلہ کو آیا تھا اس کی حکومت کا زمانہ تو بہت پہلے سے شروع ہوا لیکن بادشاہت 372ھ میں ہوئی کہ یہی عضدالدولہ کی وفات کا زمانہ ہے۔

6- فخر الدولہ بن رکن الدولہ:

دونوں بھائیوں کے مرنے پر امرائے دولت نے اس کو خراسان سے (جہاں یہ بھائیوں کے خوف سے جا چھپا تھا) بلا کر تخت پر بٹھایا اس لئے صمصام الدولہ نے خلیفہ بغداد سے خلعت بھجوائی اور اسی طرح ایک مدت کے بعد یہ موروثی ملک پر قابض ہو گیا۔ یہ زیرک تھا اس کے عہد میں بہت علمی ترقی ہوئی۔ (ابن خلکان' ج 1' ص 76)۔

7- صمصام الدولہ:

علاء الدولہ کے مرنے کے بعد صمصام الدولہ بغداد کا امیر الامراء بنا اس کو اُتار کر شرف الدولہ نے اپنے آپ کو امیر الامراء بنایا اور چھ برس کے بعد اپنی طبعی موت مر گیا۔

8- بہاء الدولہ بن عضدالدولہ:

شرف الدولہ کے مرنے کے بعد یہ امیر بغداد ہوا۔ یہ 401ھ میں مرا۔ اس کا تابوت مشہد امام میں بھیجا گیا۔ (ذی تجارب الامم' ص 167)

9- مجد الدولہ بن فخر الدولہ (387ھ):

فخرالدولہ کے بعد اس کا نابالغ بیٹا مجد الدولہ تخت نشین ہوا لیکن سلطنت کا انتظام اس کی والدہ کرتی تھی۔ اپنی زندگی تک اس نے دیلمی سلطنت کی رونق قائم رکھی۔ سلطان محمود غزنوی نے اس پر چڑھائی کرنی چاہی لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ بیوہ پر فتح یابی سے محمود کا کیا نام ہو گا؟ اور اگر شکست ہو گئی تو ذلت بہت ہو گی' محمود نے پھر اس کی زندگی میں ادھر توجہ نہ کی لیکن اس کے مرتے ہی محمود نے اس پر چڑھائی کر کے اور مجد الدولہ کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا اور خلیفہ قادر باللہ کو لکھا کہ مجد الدولہ کا چال چلن شرع محمدی کے خلاف تھا' میں نے اس لئے ایسا کیا۔

10- سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ (401ھ):

اپنے باپ کے بعد یہ فارس اور بغداد میں حکمران ہوا' اس کے ملک کو زیادہ تر محمود غزنوی نے کمزور کیا اور کچھ خانہ جنگیوں نے خراب کیا۔

11- شرف الدولہ بن بہاء الدولہ (411ھ):

411ھ میں شرف الدولہ کا نام بغداد کے خطبہ میں داخل ہوا اور سلطان الدولہ کا نام متروک ہوا۔ شرف الدولہ علمی مذاق کا حکمران تھا۔ ابراہیم بن بلال اس کا ندیم تھا۔

(تجارب الامم' ج 6' ص 101)

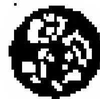
12- ابوکالنجار بن سلطان الدولہ:

محمود کا حملہ' بغداد پر ترکوں کے حملے' دیالمہ کی باہمی لڑائیاں مزید یہ کہ تین بادشاہ کالنجار' جلال الدین اور قوام الدولہ باہم جھگڑے یہ کئی اسباب شامل ہو گئے علاوہ ازیں ملک میں بدامنی تھی' سلطنت دیالمہ کی کمزوری کے ساتھ ساتھ سلطنت بغداد بھی کمزور تھی۔ پہلے سلطنت دیالمہ کی وجہ سے ملک کا فوجی شعبہ مضبوط تھا اور خلفاء سے دربار کی عزت تھی۔ اب پھر ترکوں نے زور پکڑا اور غزنی بادشاہوں کی بجائے سلجوقیوں کا زور شروع ہو گیا جس کا اثر بغداد تک پہنچا۔

13- خسرو بن فیروز بن کالنجار:

خسرو کا لقب ملک رحیم تھا۔ ان کے عہد میں دیالمہ نے چاہا کہ وہ اپنی منتفقہ طاقت کو سنبھال لیں لیکن وہ سنبھال نہ سکے۔ خلیفہ نے بھی ان کی عزت کم کر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ملک رحیم سے پہلے طغرل بیگ کا نام خطبہ میں پڑھا جائے۔

طغرل بیگ خلیفہ کی اجازت سے حج کو چلا' راستے میں وہ خلیفہ سے ملنے کے لئے ٹھہرا۔ دیالمہ اپنی غلط فہمی سے طغرل بیگ کے ساتھی ترکوں سے لڑ پڑے اور مغلوب ہوئے۔ تمام شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ طغرل خسرو (ملک رحیم) کو قید کر کے لے گیا' ادھر ابومنصور بن ابو کالنجار کو ایک موقع مل گیا۔ وہ کچھ دنوں کے لئے فارس کا بادشاہ بن گیا اور پھر اپنے سپہ سالار فضل بن حسن کے ہاتھ سے جس کی نسل کو مؤرخین فضلویہ کہتے ہیں' 448ھ میں مارا گیا۔ ان کے ساتھ ہی دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ فضلویہ کو بھی تھوڑے ہی دنوں میں ملک قادر سلجوقی نے بھگا کر اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ (کتاب التاج لابن بلال' تاریخ التواریخ' لآثار الباقیہ' ابن اثیر' ابن خلدون' تجارب الامم' تذکرۂ دیالمہ)



خلیفہ راضی باللہ

قاہر کے حسرتناک انجام کے بعد مقتدر کے بیٹے راضی باللہ کو 322ھ میں خلیفہ بنایا گیا۔ راضی میں بہت سے اوصاف تھے۔ اس نے خلافت کے ظاہری وقار کو قائم رکھا مگر چونکہ حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں لہٰذا وہ سنبھال نہ سکا۔

آزاد حکومتیں:

اس کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں عباسی حکومت منتشر ہو گئی۔ شمالی افریقہ کا علاقہ عباسیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ علویوں کی آزاد حکومت قائم تھی۔ مصر اور شام کے ایک حصے میں محمد بن طغج کی نیم آزاد حکومت قائم تھی۔ وہ عباسی حکومت کو صرف خراج ادا کرتی تھی۔ مشرقی صوبوں میں امراء نے آزاد و نیم آزاد حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ ماوراء النہر میں سامانی حکمران تھے۔ موصل، دیار ربیعہ اور دیار مضر میں آل ہمدان کی حکومت تھی۔ طبرستان اور جرجان میں دیلمی حکومت قائم تھی۔ فارس اور خوزستان کا بڑا حصہ عماد الدولہ کے قبضے میں تھا جبکہ کرمان ابو علی بن الیاس کے تصرف میں تھا۔ بحرین اور یمامہ پر قرامطہ قابض تھے اور واسطہ اور بصرہ ابن رائق کے پاس تھے۔

امیر الامراء کے عہدے کا قیام:

اس عہد میں امیر الامراء کے نام سے ایک نیا عہدہ قائم کیا گیا۔ عباسی حکومت میں یہ نیا عہدہ تھا۔ اس سے قبل برائے نام سہی مگر خلافت کے نظام میں خلیفہ کو کچھ نہ کچھ اختیارات حاصل تھے۔ امیر الامراء نے ان کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ابن الرائق اس عہدے پر فائز تھا۔ یہ سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ تمام محاصل اور خراج کی آمدنی اس کے پاس آتی۔ خود راضی باللہ اخراجات کے لئے اس کا محتاج تھا۔

امیر الامراء کے عہدہ کے لئے کشمکش:

امیر الامراء کا عہدہ لوگوں کے لئے بڑی کشش کا باعث تھا۔ اب اس عہدے کے لئے امراء میں کشمکش شروع ہو گئی۔ 326ھ میں اس عہدہ کے لئے بجکم، ابن الرائق کے مقابلہ میں آ گیا۔ بجکم کو فتح ہوئی اور وہ بغداد میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ نے بلا چوں چرا بجکم کو امیر الامراء بنا دیا۔ غرضیکہ راضی باللہ کا پورا دور حوادث و فتن کا دور ہے۔ اس میں نہ فتوحات ہوئیں اور نہ اصلاحات ہو سکیں۔

وفات:

راضی باللہ 329ھ میں استسقاء کے مرض میں مبتلا ہوا اور 32 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کی خلافت 6 سال 10 ماہ تھی۔

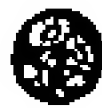
مصر میں دولت اخشیدیہ کا آغاز:

322ھ میں راضی باللہ نے محمد بن طغج الاخشید کو مصر کا گورنر بنایا لیکن ابن طغج صرف گورنری پر

قانع نہ ہوا بلکہ اس نے مصر کو مستقل طور پر اپنے قبضہ میں لانا چاہا اور اپنی حکومت بنا لینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ راضی میں اسے روکنے کی طاقت نہ تھی لہٰذا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا بلکہ اپنی کوشش سے مصر کے علاوہ شام کو بھی اپنے قبضہ وتصرف میں لے آیا۔ راضی نے مجبوراً قطع تعلق کی بجائے اسے اخشید کا لقب عطا فرمایا تو اس طرح سے مصر میں دولت اخشیدیہ کا آغاز ہوا۔

اخشیدی آل طولون کے موالی میں تھا۔ اس نے 323ھ میں اپنی حکومت قائم کی جو 358ھ تک رہی۔ اس کی اولاد میں سے ابوالقاسم انوجور بن اخشید' ابوالحسن علی بن اخشید' ابوالمسلک کافور مولیٰ اخشید' ابوالنوارس احمد بن علی بن اخشید یکے بعد دیگرے بادشاہ گزرے ہیں۔

(دائرہ معارف القرآن' ج 8' ص 103)



خلیفہ متقی باللہ

راضی کی وفات کے بعد خلیفہ کا انتخاب امیر الامراء کے حکم کے انتظار میں چند روز معرض التواء میں رہا۔ جب واسط سے امیر بجکم کا منشی ابوعبداللہ کوفی یہ حکم لے کر آیا کہ اراکین سلطنت' قاضی' فقہاء' روٴسائے سلطنت' آل عباس' علویین اور راضی کا وزیر سلیمان بن حسن وغیرہ جمع ہو کر خلیفہ منتخب کر لیں چنانچہ انہوں نے جمع ہو کر ابواسحاق بن مقتدر کے ہاتھ پر 329ھ میں کو بیعت کر لی۔ اس کی عمر اس وقت 24 سال تھی اور اسے متقی باللہ کے لقب سے نوازا گیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 209)

متقی باللہ میں حکومت کا نظم و نسق چلانے کی صلاحیت نہیں تھی لہٰذا وہ بگڑے ہوئے نظام کو نہ سنبھال سکا لہٰذا اس کے عہد میں نظام حکومت درہم برہم ہو گیا۔ اس کا پورا دور جنگ و جدل اور شورشوں کا دور ہے۔

امیر الامراء کے عہدے کے لئے جنگ و جدل:

چونکہ امیر الامراء کا عہدہ بڑا پرکشش تھا لہٰذا اب اس عہدے کے لئے لڑائیاں ہونے لگیں۔ پہلے ابن البریدی اور کورتکین نے اس منصب کو حاصل کرنے کے لئے بغداد پر حملہ کیا۔ اسی عہدے کے لئے کورتکین اور ابن الرائق کے درمیان جنگ ہوئی اور فتح حاصل ہونے کے بعد ابن الرائق نے دوبارہ یہ منصب حاصل کر لیا۔ اسی کے حصول کے لئے توزون بغداد میں داخل ہوا تو اسے امیر الامراء کا عہدہ دے دیا گیا۔ غرضیکہ اس عہدے کے لئے لڑائیاں ہوتی رہیں' مالی پریشانیوں میں اضافہ ہو گیا۔ فوجوں کو تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں' امیر الامراء توزون کی سرکشی کی وجہ سے متقی بنوحمدان کے پاس چلا گیا تو توزون نے اسے وفاداری کا یقین دلا کر واپس آنے پر مجبور کیا اور جب متقی واپس بغداد آیا تو توزون نے اسے قید کر کے اندھا کر دیا۔ اس کی مدت خلافت 3 سال 5 مہینے اور چند دن تھی۔

(الفخری' ص 256- تاریخ الخلفاء' ص 211- ابن اثیر' ج 8' ص 136)



خلیفہ مستکفی باللہ

توزون نے متقی کے بعد 333ھ میں ابوالقاسم عبداللہ کو مستکفی کا لقب دے کر خلیفہ بنایا۔ اس کی ر 41 سال تھی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 111)

اس مشورہ میں قہرمانہ نامی ایک عورت شریک تھی' مستکفی نے اسے اپنے خزانہ کا سیکرٹری بنایا اور ں کا نام علم رکھا۔

توزون کو خلیفہ نے امیر الامراء کی خلعت اور تاج پہنایا۔

یف الدولہ کا اقتدار:

333ھ میں سیف الدولہ نے اپنی حکمرانی کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے حلب پر حملہ کیا۔ اس قبضہ کے بعد حمص کو بھی اپنے زیر تسلط کر لیا۔ ان دونوں ملکوں کے انتظام سے فراغت پا کر دمشق کا اصرہ کیا لیکن والئ مصر اخشیدی نے قنسرین میں اس کا مقابلہ کیا۔ سیف الدولہ کو جزیرہ کا رُخ کرنا ا۔

عز الدولہ احمد بن بویہ:

334ھ میں امیر الامراء توزون مر گیا۔ اس کی جگہ زیرک بن شیرزاد نے فوج کے ساتھ بغداد پر ڑھائی کر دی۔ اس کا استقبال کیا گیا۔ خلیفہ نے بہ مجبوری اسے امیر الامراء نامزد کر دیا۔

ادھر معز الدولہ کی امیر الامراء بننے کی دیرینہ خواہش تھی مگر امیر توزون کی موجودگی میں مقابلہ پر نہ آیا۔ اس کے مرنے کے بعد فوج لے کر بغداد پر آ دھمکا' مستکفی اور شیرزاد کو معلوم ہوا تو شیرزاد روپوش ہو گیا۔ مستکفی نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے معز الدولہ کا استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا ور اسے دربار میں معز الدولہ کا لقب عطا کیا اور امیر الامراء کے عہدہ پر تقرر کیا اور مزید دلجوئی کے لئے ں کے بھائی علی کو عماد الدولہ اور حسن کو رکن الدولہ کے خطابات سے سرفراز کیا۔

(تجارب الامم' ج 6' ص 79)

اور 334ھ میں سکوں پر بھی ان کے نام کندہ کرائے۔ اس کے بعد بنی بویہ کا اقتدار بڑھتا گیا۔ اس نے کچھ عرصہ بعد نظام حکومت پر قبضہ کر لیا اور اس نے مستکفی کے حقوق و اختیارات سلب کر کے اس کے گزارے کے لئے ماہانہ پانچ ہزار درہم اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی۔ اب خلیفہ کا صرف خطبہ میں نام لیا جاتا تھا یا رسماً بعض احکام و فرامین اس کے نام سے جاری ہوتے تھے اور معز الدولہ خلیفہ کے پہلو میں تخت پر بیٹھتا تھا۔

سیاسی حالت:

بنو بویہ شیعہ تھے انہیں بنو عباس سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور نہ ہی ان کے دلوں میں خلفاء کا احترام تھا۔ ترک ظالم ضرور تھے مگر خلفاء کا احترام کرتے تھے جبکہ دیالمہ کی تولیت خلافت سے خلفاء بنو

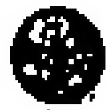
عباس کا رہا سہا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ خلیفہ کے ساتھ چونکہ کوئی طاقت نہ تھی جس کے بھروسہ پر وہ اقتدار بحال کرتا کیونکہ ترک دیالمہ کے ساتھ مل گئے تھے۔ مستکفی دن کاٹ رہا تھا۔ اسے خلافت سنبھالے ایک سال اور چند ماہ ہی گزرے تھے۔

مستکفی کی معزولی اور وفات:

معزالدولہ کو یہ وہم ہوا کہ مستکفی مجھے قتل کرا دے گا اور قہرمانہ علم اس کی ہمراز ہے چنانچہ اس نے اپنے دو نقیبوں کو بھیج کر قہرمانہ کی زبان کٹوائی اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اور مستکفی کو تخت سے اُتار کر معزالدولہ کے دربار میں لے جا کر اسے معزولی کا حکم سنایا۔ (ابن اثیر ج 8 ص 406)

اور 334ھ میں اسے قید کر دیا اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دیں۔ مستکفی نے بحالت قید 338ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ الخلفاء ص 276)

وہ 22 سال تک زندہ رہا لیکن کل مدت خلافت ایک سال چار ماہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص 406)



خلیفہ مطیع للہ

جمادی الاخریٰ 335ھ میں مستکفی کی معزولی کے بعد ابوالقاسم الفضل کو مطیع للہ کا لقب دے کر نام نہاد تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔ معزالدولہ کسی علوی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا لیکن اس کے شیعہ دوستوں نے مخالفت کی کہ بنوفاطمہ کو اقتدار دے کر اس کا اپنے ہاتھوں خاتمہ کرنا ہے۔

(تاریخ الخلفاء' ص 276- تجارب الامم' ج 6' ص 87)

اخشید کی وفات:

334ھ میں اخشید نے دمشق میں وفات پائی۔ اس کا چھوٹا بیٹا نوجور اس کی جگہ فائز ہوا مگر صغرسنی کی وجہ سے تمام کاروبار کو حبشی غلام کافور نے سنبھال لیا۔ سیف الدولہ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر دمشق پر قبضہ کر لیا مگر کافور نے قوت مردانگی سے سیف الدولہ سے دمشق واپس لے لیا۔

حجراسود کی واپسی:

مطیع کی خلافت کو پانچ سال ہوئے تھے کہ ذوالحج 339ھ میں قرامطہ نے حجراسود کو واپس کر دیا جسے بیت الحرام میں اس کی جگہ پر نصب کر دیا گیا۔

(ابن اثیر' ج 8' ص 149- التنبیہ والاشراف' ص 291)

خلیفہ کے اقتدار کا خاتمہ:

خلافت عباسیہ اگرچہ پہلے ہی اپنی ساکھ کھو چکی تھی مگر معزالدولہ نے رہی سہی آبرو کا بھی خاتمہ کر دیا۔ معزالدولہ غالی شیعہ اور مجوسی النسل تھا۔ اس نے خلیفہ کو اس قدر بیکار کر دیا کہ خلیفہ کے پاس اپنے مال و اسباب کی نگرانی کے لئے ایک منشی کے سوا کوئی خادم نہ تھا۔ معزالدولہ نے عراق کے علاقے اپنے فوجی امراء میں تقسیم کر دیے۔ ان لوگوں نے مالیانہ کی وصولی کے سلسلہ میں کاشتکاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ وہ گھربار چھوڑ گئے۔ بغداد میں لوٹ مار ہونے لگی' تجارتی قافلوں کا آنا جانا بند ہو گیا۔ بغداد میں غلہ اس قدر مہنگا ہو گیا کہ باشندے مردار کھانے لگے۔

مدت خلافت کے اعتبار سے تو مطیع للہ کا عہد بہت طویل ہے مگر اس سارے عرصے میں سیاسی انقلابات اور شور وفتن کے سوا کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا۔ خلیفہ کا انتظام سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کا وظیفہ پانچ ہزار سے کم کر کے ایک سو روزانہ مقرر کیا گیا۔ بغداد کے مسلسل انقلابات کی وجہ سے یہاں کی زراعت تباہ ہو گئی' پیداوار کم ہو گئی' دیہات اُجڑ گئے' محاصل کی آمدنی کم ہو گئی۔ اچھے اور زرخیز علاقوں پر بڑے افسروں کا قبضہ ہو گیا۔

خلافت بغداد پر بنوبویہ کے تسلط کے وقت عراق میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ موصل میں ہمدانی اور بصرہ میں بریدی حکومت' اب بطیحہ میں عمران بن شاہین نے خودمختار حکومت قائم کر لی۔ عمان میں وہاں کے والی یوسف بن وجیہ نے بڑی طاقت حاصل کر لی۔ بغداد میں آئے روز ہنگامے ہوتے

رہتے۔ اسی عہد میں شیعہ' سنی اختلافات شروع ہو گئے۔ ان ہنگاموں نے امن و امان اور ملک کی معاشی حالت ابتر کر دی۔ غلے کا قحط ہو گیا غرض یہ طویل ترین عہد بھی بغداد کی خلافت کو مستحکم نہ کر سکا۔

قرامطہ:

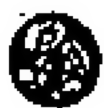
357ھ میں قرامطی دمشق پر قابض ہو گئے اور حج پر جانے والوں کے لئے مصر اور شام کے راستے روک دیئے۔ ان کا ارادہ مصر پر قبضہ کرنے کا تھا لیکن بنوعبید (بنوفاطمہ) مصر پہلے پہنچ گئے اور مصر پر قابض ہو گئے اور قاہرہ میں دارالامارت بنا دیا گیا۔ بنوعباس کا نام خطبوں سے نکال دیا گیا۔ ان شیعوں کی سلطنت اقلیم مغرب و مصر اور عراق میں قائم ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 278)

بختیار اور خلیفہ:

363ھ میں بختیار اور خلیفہ میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ عوام بختیار سے نفرت کرتے تھے اور کسی نے عزالدولہ کے غلام کو مار دیا۔ وزیر ابوالفضل شیرازی نے غلام کے بدلے شہر کو آگ لگوا دی مگر وہ خود بھی اس آگ میں جل کر مر گیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 279)

خلع خلافت:

363ھ میں مطیع پر فالج کا حملہ ہوا' اس کی زبان بند ہو گئی۔ عزالدولہ نے حاجب امیر سبکتگین کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آپ کو معزول سمجھ کر اپنے بیٹے عبدالکریم الطائع للہ کو کاروبار سلطنت سونپ دے چنانچہ مطیع نے ایسا ہی کیا لہٰذا 23 ذیقعد 363ھ الطائع للہ خلیفہ ہوا۔ مطیع نے انتیس سال دو ماہ خلافت کی۔ مطیع اپنے بیٹے کو لے کر واسط چلا گیا اور محرم 364ھ کو وہیں انتقال کیا۔
(تاریخ الخلفاء' ص 280)



خلیفہ طائع للہ

43 سال کی عمر میں 363ھ میں اس نے منصب خلافت سنبھالا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر سبکتگین کو نیابت کی خلعت پہنائی اور ناصر الدولہ کا خطاب دیا اور پرچم عطا کیا۔

(دائرۃ المعارف البستانی' ج 11' ص 189)

سبکتگین اور عزالدولہ:

سبکتگین کے اعزاز سے عزالدولہ بگڑ بیٹھا لیکن چونکہ سبکتگین کا عزالدولہ پر غلبہ تھا اس لئے وہ مقابل تو نہ آیا مگر اپنے چچازاد بھائی عضدالدولہ کو بغداد پر حملہ آور ہونے پر آمادہ کر لیا۔

عضدالدولہ کا بغداد پر حملہ:

عضدالدولہ نے 363ھ میں بغداد پر حملہ کیا' اتفاق سے اسی دوران امیر سبکتگین انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اگرچہ امیر افتگین نے خوب مقابلہ کیا مگر شکست ہوگئی اور عضدالدولہ بغداد پر قابض ہو گیا' اگرچہ بختیار کے لڑکے نے عمران بن شاہین سے مل کر عضدالدولہ کو شکست دے دی مگر کچھ عرصہ بعد وہ پھر بغداد پر قابض ہو گیا اور اس نے بختیار کو قتل کر دیا۔ خلیفہ نے عضدالدولہ کو سات خلعتیں پہنائیں اور جواہرات سے مرصع تاج عضدالدولہ کو پہنایا۔

خلیفہ کی زبوں حالی:

مطیع کی طرح طائع بھی بے اختیار اور بنو بویہ کا دست نگر تھا۔ بنی بویہ کے عضدالدولہ نے اگرچہ بغداد کی ابتری دور کر کے اس کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی مگر اس میں خلفاء بنوعباس کا کوئی ہاتھ نہ تھا کیونکہ طائع عملاً عضدالدولہ کے ماتحت تھا اور خلافت کا سارا نظام عضدالدولہ کے ہاتھ میں تھا مگر اس نے خلیفہ کا ظاہری احترام قائم رکھا۔

طائع اس قدر کمزور خلیفہ تھا کہ اسے جو تھوڑے بہت اختیارات حاصل تھے اس نے خود ہی وہ بھی عضدالدولہ کے حوالے کر دیئے حتیٰ کہ بغداد میں 367ھ میں خلیفہ کی بجائے اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور خاص طلائی علم جو ولی عہد کے لئے مخصوص تھا اسے دے دیا گیا۔

غزنوی حکومت کا قیام:

طائع کے عہد میں افغانستان کی غزنوی حکومت قائم ہوئی۔ یہ حکومت دراصل ماوراء النہر کی سامانی حکومت سے پیدا ہوئی۔ یہاں کا فرمانروا امیر نوح بن منصور سامانی تھا۔ اس کی حکومت کی بنیاد کمزور ہو چکی تھی چنانچہ اس کے پہلو میں شہاب الدین بغرا خان کی ایک جدید حکومت قائم ہو گئی۔ وہ سامانیوں کے مدمقابل طاقت تھی۔

ادھر سبکتگین کی حکومت رفتہ رفتہ وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیل گئی۔ اس حکومت کا بانی امیر سبکتگین جو کہ ماوراء النہر کی سامانی حکومت کے خراسانی صوبے دار امیر الپتگین کا غلام تھا مگر یہ

سامانیوں کی نسل سے تھا۔ اس کے بزرگ ایک عرصہ تک حکمرانی کر چکے تھے۔ زمانہ کے ہاتھوں سبکتگین کو غلامی کا منہ دیکھنا پڑا' یہ ترقی کرتے کرتے غزنی فوج کا سپہ سالار ہو گیا۔

امیر سبکتگین:

آل سامان کی طرف سے غزنی میں اسحاق بن الپتگین امیر تھا اور سبکتگین اس کا غلام تھا۔ اسحاق کی فوج نے مرنے کے بعد سبکتگین کو اپنا سردار بنا لیا چنانچہ سبکتگین نے ہندوستان کی سرحد پر مختلف جنگیں کیں' زیادہ تر راجہ جے پال سے اس کا مقابلہ رہا۔

344ھ میں خراسان میں بغاوت ہوئی' آل سامان کے امیر فوج نے سبکتگین کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس نے تمام بغاوتوں کو فرو کیا اور اس کے بیٹے محمود نے اس جنگ میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے تو امیر نوح بن منصور سبکتگین کو ناصر الدولہ کا خطاب دیا اور ان کے بیٹے محمود کو سیف الدولہ کا خطاب عطا کر کے خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے نیشاپور میں قیام کیا اور سبکتگین واپس غزنی چلا آیا۔

محمود غزنوی:

387ھ میں امیر سبکتگین کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمود (جو کہ سلطان محمود غزنوی کے نام سے مشہور ہے) والی بنا۔ پھر محمود سامانی سرداروں کو زیر کر کے مستقل سلطان بن گیا۔

عباسی خلیفہ قادر باللہ نے اسے یمین الدولہ کا خطاب عطا فرمایا اور ولایت کی خلعت بھیجی۔

اطراف ممالک کے بادشاہوں نے سلطان محمود غزنوی کی قوت کو دیکھ کر دربار میں اطاعت نامے ارسال کیے' اس نے ہندوستان میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور بڑے حصے پر قبضہ کیا۔ نیز رے اور جبال وغیرہ بھی اس کے زیر تسلط آ گئے اور طبرستان کے حکام نے بھی اطاعت قبول کر لی۔

سلطان نے سامانی حکومت کے خاتمہ کے بعد ان کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ماوراء النہر پر ایلک خان کا قبضہ تھا اس نے محمود سے صلح کر لی اور باہمی رضامندی سے دریائے جیحوں کو دونوں علاقوں کی سرحد بنا لیا گیا۔

396ھ میں محمود ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا کہ ماوراء النہر کے ترکمانوں نے حملہ کر کے نیشاپور اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔ محمود نے فوراً واپس آ کر ان کی خبر لی۔ ترکمانوں نے بھاگ کر نکلنا چاہا۔ غزنوی حاکم ارسلان جاذب نے ناکہ بندی کر کے سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا' بقیہ ایلک خان کے پاس پہنچ گئے۔ اسے بتایا تو وہ چالیس ہزار فوج لے کر محمود کے مقابلے میں آیا لیکن شکست کھائی۔ پھر محمود نے غور کے علاقے پر قبضہ کیا' 403ھ میں گرجستان فتح کیا۔ 400ھ میں اہل خوارزم نے محمود کے بہنوئی ابو العباس مامون کو قتل کر دیا' محمود انتقاماً خوارزم پر حملہ آور ہوا۔ سپہ سالار الپتگین بخاری کو گرفتار کر لیا اور خوارزم پر اپنے حاجب التونتاش کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ پھر رے پر قابض ہوا' مجد الدولہ گرفتار ہوا تو دیلمی خاندان کی بے پناہ دولت محمود کے ہاتھ لگی۔ قرب و جوار کے تمام حکمران یکے بعد دیگرے محمود کے مطیع ہو گئے۔ ترکستان کے حکمرانوں میں سے ختن کا فرمانروا یوسف قدر خان سب سے بلند مرتبہ

رکھتا تھا' کاشغر سے محمود کو ملنے سمرقند آیا چنانچہ دونوں میں دوستانہ مراسم قائم ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سولہ یا سترہ حملے کئے۔ والئی پنجاب راجہ انند پال' قنوج' کالنجر' متھرا' مالوہ' اجمیر' گوالیار اور گجرات کی متحدہ افواج کو شکست دی اور پنجاب پر اپنے غلام ایاز کو حاکم بنایا اور سندھ' نیشاپور سے لے کر پنجاب تک کا علاقہ اپنے زیرنگیں کر لیا۔ یہ نامور مجاہد ربیع الثانی 421ھ میں 64 سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کی مدت حکومت تیس (30) سال ہے۔

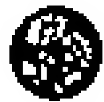
(تاریخ ملت' ج 2' ص 161)

طائع کی گرفتاری:

بہاء الدولہ دیلمی حکمرانوں میں منحوس شخص تھا۔ اس کے عہد میں خزانہ خالی تھا اور فوجیوں کو بروقت تنخواہ نہ ملتی تھی چنانچہ 381ھ میں فوج نے تنخواہ کے لئے ہلہ بول دیا۔ کسی نے کہا کہ طائع کے خزانے میں بڑی رقم ہے لہٰذا وہ حیلے سے چند دیلمی ساتھیوں کے ساتھ طائع کے پاس پہنچا اور اسے تخت سے کھینچ کر نیچے اُتار کر گرفتار کر لیا۔ بہاء الدولہ نے محلات کا سامان لوٹ لیا اور خلافت سے معزول کرکے قاہر باللہ کے محل میں نظر بند کر دیا۔

وفات:

یہیں قید میں ہی عید کی رات 393ھ میں طائع کا انتقال ہو گیا۔ یہ رصافہ میں دفن ہوا۔ اس کی مدت خلافت سترہ سال آٹھ مہینے ہے۔ اس کی عمر 64 سال تھی۔



خلیفہ قادر باللہ

طائع اللہ کی گرفتاری کے بعد 381ھ میں باتفاق آراء مقتدر کے پوتے ابوالعباس احمد بن اسحاق کے ہاتھ پر اراکین سلطنت نے بیعت کی۔ یہ چالیس سال کی عمر میں خلیفہ بنا اور قادر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ قادر باللہ بڑا مدبر اور جاہ وجلال والا خلیفہ تھا۔ اس نے اپنے عہد میں عباسی خلافت کا کھویا ہوا وقار اور اقتدار بحال کرنے کی کوشش کی۔ اس میں تدبیر و سیاست' فضل و کمال اور زہد و تقویٰ کے تمام اوصاف جمع تھے۔

قادر باللہ کی کارکردگی:

قادر باللہ نے بنوبویہ کی مطلق العنانی میں کمی کی۔ ان کی باتوں اور پالیسیوں سے اختلاف بھی کیا اور غلط بات کو مسترد بھی کیا۔

اس نے قیام عدل کے لئے خاص اہتمام کیا۔ بڑے بڑے ارکان سلطنت بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مختلف اقوام اور مذاہب کے اثر سے ہر قسم کے عقائد پھیل رہے تھے۔ قادر باللہ نے ان کی اصلاح کی عقائد کی تصحیح کے لئے خود ایک کتاب لکھی جس میں مسلک محدثین کے مطابق صحابہ کرام کے بالترتیب فضائل درج تھے۔

معتزلہ اور خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں کی مذمت کی۔

لیکن ان تمام اقدامات اور اوصاف کے باوجود عباسی خلافت کا مطلق اقتدار بحال نہ کر سکا۔ اس کے عہد میں بھی ماوراء النہر میں سامانی حکومت کا خاتمہ ہوا اور افغانستان کی غزنوی حکومت نے بڑا عروج حاصل کیا۔

وفات:

قادر باللہ نے اپنے بیٹے قائم بامراللہ کو 421ھ میں ولی عہد مقرر کیا اور 422ھ میں 87 سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کی مدت خلافت اکتالیس سال تین ماہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص 287)



خلیفہ قائم بامر اللہ

قادر باللہ کی وصیت کے مطابق ذوالحج 422ھ میں ارا کین سلطنت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 31 سال تھی۔

دولت سلجوقیہ کا قیام:

نظام حکومت جلال الدولہ کے ہاتھ میں تھا لیکن یہ غیر منتظم حکمران تھا۔ باوجود نااہل ہونے کے اس نے اصرار کر کے 432ھ میں اپنے لئے شہنشاہ کا خطاب حاصل کر لیا لیکن اس سے بغداد کا نظام سنبھل نہ سکا۔ یہ تین سال کے بعد مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بہاء الدولہ کا پوتا ابو کالیجار اس کا جانشین ہوا۔ یہ بھی انتظام نہ سنبھال سکا تو اس زمانے میں ترکوں کی ایک جماعت نے دولت سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی۔ ان میں پہلا بادشاہ طغرل بیگ تھا۔

دیالمہ کا خاتمہ اور سلاجقہ کا عروج:

طغرل بیگ نے 442ھ میں اصبہان پر قبضہ کیا' پھر آذربائیجان فتح کیا۔

طغرل بیگ کی بغداد آمد:

447ھ میں طغرل خلیفہ کی طلبی پر بغداد آیا۔ پہلے اس نے عبدالرحیم کو آ کر قید کیا۔ (عبدالرحیم نے عراق' بصرہ اور خورستان پر قبضہ کیا ہوا تھا) اور خود شہنشاہ بن بیٹھا۔ عبدالرحیم قید کی حالت میں ہی 450ھ میں مر گیا۔ بنو بویہ نے 13 سال بغداد میں فرمانروائی کی۔ طغرل کی آمد سے دولت بویہ اور دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ خلیفہ نے 449ھ میں طغرل بیگ کے سر پر تاج رکھا' عمامہ باندھا اور سات خلعت دیئے اور ملک المشرق والمغرب کا خطاب دیا۔

طغرل دوسری مرتبہ بغداد اس وقت آیا جب اس نے خلیفہ کے خلاف سازشیں کرنے والے بنو فاطمہ کے ایک عظیم مبلغ کو قتل کیا۔

455ھ میں طغرل تیسری مرتبہ بغداد آیا۔ بغداد پر ڈیڑھ لاکھ کا بھاری ٹیکس عائد کر کے جبل واپس ہوا تو راستے میں انتقال کر گیا۔

الپ ارسلان:

طغرل کے مرنے کے بعد اس کا وارث الپ ارسلان سلطان ہوا۔ سلطان الپ ارسلان نے نصاریٰ کے ملک فتح کئے۔ نظام الملک طوسی اس کا وزیر تھا۔ نظام الملک نے 459ھ میں بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ 463ھ میں اہل روم اور مسلمانوں کی عظیم جنگ ہوئی۔ اسلامی لشکر کا سپہ سالار الپ ارسلان تھا' شاہ روم رومانوس گرفتار ہوا۔ اس نے ملک شاہ کو صلح پر رہا کر دیا۔ 465ھ میں سلطان الپ ارسلان قتل ہوا لہٰذا اس کا بیٹا جلال الدولہ کے لقب سے سلطان بنا۔

قائم بامر اللہ کی وفات:

13 شعبان 460ھ میں قائم نے فصد کھلوائی اس میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اپنے پوتے عبداللہ بن محمد کو ولی عہد اور جانشین مقرر کیا اور 76 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے پینتالیس (45) سال حکومت کی۔ (تاریخ الخلفاءؒ ص 290)



سلاطین سلاجقہ

شاہ ترکستان بیغو کے دربار میں سلجوق نامی ایک شخص تھا جو بیغو سے خفا ہو کر مسلمانوں کی سرحد دیار سمرقند میں چلا آیا تھا اور جندر کے نواح میں آ کر ٹھہرا۔ یہاں کے مسلمانوں کے اخلاق اور تمدن و معاشرت سے متاثر ہو کر آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ اس زمانے میں جندر' شاہ ترکستان بیغو کا باجگزار تھا۔ جب ترک سالانہ خراج لینے آئے تو سلجوق نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ کافر مسلمانوں سے خراج لیں چنانچہ سلجوق کی مدد سے جندر کے مسلمان غالب آئے تو سلجوق کی شہرت کی ابتداء ہوئی۔ اس کے بعد جب سلجوق کی مدد سے ایلک خان نے ابراہیم سامانی پر فتح پائی تو سلجوق اور مشہور ہو گیا۔

سلجوق کا بیٹا میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا تو اس کے دو بیٹے طغرل بیگ اور چغر بیگ باپ دادا کی طرح بہادر تھے بلکہ ان سے بھی زبردست نکلے' چنانچہ سلجوقیوں سے حاکم ماوراء النہر علی تگین المعروف بہ ایلک خان اور ترکستان کے سلاطین دبنے لگے۔ سلطان محمود کے زمانہ میں چغر بیگ نے ایلک خان کا مقابلہ کیا' پھر رومیوں سے جنگ ہوئی چغر بیگ نے وہاں کئی قلعے فتح کئے۔ بہت سا مال غنیمت لے کر آیا۔ پھر دونوں بھائیوں نے اپنی طاقت کو یکجا کیا۔ سلطان محمود کے دور میں سلجوقیوں کا زور گھٹ گیا تھا لیکن محمود کے مرنے پر مسعود کے زمانے میں چغر بیگ مرو اور ہرات پر قابض ہو گیا اور خراسان میں نیشاپور کے مقام پر طغرل بیگ نے اپنا تخت حکومت رکھا۔ پھر مسعود نے چڑھائی کی' دونوں بھائیوں نے مل کر سخت مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں اتنی خونریزی ہوئی کہ ہزاروں برسوں میں اتنی نہ ہوئی ہو گی۔ مسعود کو شکست ہوئی اور خراسان میں سلجوقیوں کی سلطنت قائم ہو گئی۔ (ابن خلدون' ج نہم)

طغرل بیگ:

طغرل بیگ خوارزم شاہ کی مدد کے لئے پہنچا تو منصور واپس آیا۔ پھر روم کی طرف بڑھا' وہاں بھی فتح حاصل کی اور دو مرتبہ بغداد گیا۔ پہلی مرتبہ ملک رحیم دیلمی کا استیصال کیا اور دوسری مرتبہ قائم بامراللہ کو بساسیری کے پنجہ سے چھڑا کر تخت پر بٹھایا اور مستنصر علوی کا نام خطبہ سے نکال کر پھر دوبارہ قائم کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ طغرل بیگ تیسری مرتبہ پھر 454ھ میں بغداد گیا اور قائم باللہ کی لڑکی سے نکاح کیا لیکن قبل از زفاف ہی رحلت کر گیا جبکہ چغر بیگ اس سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔

چغر بیگ اور طغرل بیگ:

یہ دونوں بادشاہ ساتھ ساتھ حکمران تھے۔ ان کا باہم بہت گہرا تعلق تھا۔ سب کام ایک دل ہو کر کرتے تھے' صرف کہنے کو چغر بیگ کا آخر میں دارالحکومت مرو اور طغرل بیگ کا نیشاپور تھا ورنہ مرتے دم تک ایک دل رہے۔ (ابن خلدون' جلد نہم)

الپ ارسلان بن چغر بیگ:

یہ نیک دل بادشاہ تھا' عبادرن سے سواحل بحر تک اور جیحون سے دجلہ تک اس کے قبضہ میں تھا۔ کئی سلاطین اس کے باجگوار تھے۔ اس نے خان ترکستان کی لڑکی سے اپنے بیٹے ملک شاہ کی شادی کی اور سلطان ابن مسعود کی لڑکی سے اپنے بیٹے ارسلان کا نکاح کیا۔

قیصر روم سے سلوک:

اس کے دور میں قیصر روم نے تین لاکھ فوج سے کئی عیسائی سلاطین کو ساتھ لے کر بلاد اسلام پر چڑھائی کر دی اور یہ ارادہ لے کر آیا کہ بغداد کو ویران کر دے اور تمام مسجدیں کھدوا دے۔ الپ ارسلان نے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا' عیسائی پسپا ہوئے اور قیصر روم گرفتار ہوا لیکن پھر قیصر کو رہا کر دیا۔ اس کے صلہ میں قیصر نے اپنی بیٹی الپ ارسلان کے بیٹے ارسلان شاہ کے عقد میں دے دی اور خاقان چین بھی مطیع ہوا چنانچہ اس کی لڑکی بھی لی گئی۔ اس دور میں بغداد بھی نیشاپور پر رشک کرتا تھا۔ تمام سلاطین آ کر اس کے دربار میں آستانہ بوسی کرتے تھے۔

اس بادشاہ کے دربار میں علماء کا ہجوم رہتا تھا۔ خود اس کا وزیر نظام الملک طوسی ایک زبردست عالم اور بڑا مدبر شخص تھا۔ سلجوقیوں نے جو زور پکڑا تو اس میں شمشیر ترکی کے ساتھ ساتھ نظام الملک طوسی کی حکمت کو بھی بہت دخل ہے۔

اس کی موت کا واقعہ عجیب ہے کہ قلعہ دار اسیر ہو کر آیا اور گفتگو میں مشتعل ہو کر اس کی طرف لپکا' لوگوں نے روکنا چاہا تو الپ ارسلان نے اسے اپنی شان کے خلاف سمجھا کہ کوئی اسے روکے بلکہ خود کمان سیدھی کی' اس کا وار خالی گیا کہ قلعہ دار نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

جلال الدین ملک شاہ بن الپ ارسلان:

نظام الملک کی کوششوں سے ملک شاہ تخت نشین ہوا۔ نظام الملک کی ملک شاہ کے دور میں وہی شان و شوکت تھی جو ہارون کے ابتدائی دور میں برامکہ کی تھی۔ کچھ عرصے تک نظام الملک کے خاندان کا ستارہ عروج پر تھا۔ بغداد اور بصرہ میں مدرسہ نظامیہ اسی کا بنایا ہوا ہے۔ جامعہ نظامیہ کے نصاب کی طرز پر مروجہ نصاب کو درس نظامی کہا جاتا ہے۔

ملک شاہ کی گرفتاری:

ملک شاہ ایک مرتبہ شکار کو نکلا تو راستے میں رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا لیکن انہیں علم نہیں ہوا کہ یہ بادشاہ ہے' نظام الملک نے کسی طرح مصالحت کی بات چلائی اور یہ محسوس تک نہ ہونے دیا کہ یہ بادشاہ ہے بلکہ بظاہر اس کی رہائی کے متعلق بے اعتنائی برتی چنانچہ نظام الملک کے چلتے وقت قیصر روم نے اسے نظام الملک کے ساتھ کر دیا' جب ملک شاہ رومیوں کی حد سے باہر ہوا تو نظام الملک نے بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دیا۔

قیصر روم کی گرفتاری:

اس کے بعد ملک شاہ نے روم پر چڑھائی کی اور کسی حکمت سے قیصر روم کو گرفتار کر کے ملک شاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر روم نے ملک شاہ سے کہا کہ ''اگر تم بادشاہ ہو تو مجھے چھوڑ دو' تاجر ہو تو بیچ ڈالو اور قصاب ہو تو ذبح کر ڈالو۔''

ملک شاہ نے اسے نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا اور کہا میں تمہیں گرفتار کر کے صرف یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میری قوم کمزور نہیں ہے۔ میری گرفتاری محض اتفاقیہ تھی۔

ملک شاہ کی بغداد آمد:

جب ملک شاہ بغداد آیا تو خلیفہ مقتدی باللہ نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی اور اپنی بیٹی ملک شاہ کے عقد میں دی اور تمام بلاد اسلام کی امارت ملک شاہ کے سپرد کر دی لیکن آخر میں بادشاہ کسی وجہ سے ناخوش ہو گیا تھا اور ایک فدائی نے نظام الملک کو قتل کر دیا اور ملک شاہ نے بھی ایک مہینہ کے اندر ہی طبعی موت پائی۔

برکیارق بن ملک شاہ (484ھ):

نظام الملک کا نام حسن تھا۔ اس کے بیٹے مؤید الملک اور فخر الملک اس کے وزیر تھے اور اس کی مدت حکومت تیرہ سال تھی اور اس کے وقت میں تخت اور حکومت کے لئے سلجوقیوں میں باہمی نزاع رہا۔

ملک شاہ کے چار بیٹے تھے' محمود چھوٹا تھا۔ اس کی والدہ ترکان خاتون نے خلیفہ کے مشورہ سے ولی عہد نامزد کر دیا تھا جبکہ برکیارق کو نظام الملک ولی عہد کر گیا تھا چنانچہ برکیارق نے محمود کو معزول کر دیا۔ برکیارق نے 487ھ میں بغداد پر قبضہ کیا اور خطبہ میں اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا اور رکن الدولہ لقب اختیار کیا۔ 487ھ میں مقتدی نے برکیارق کے نام تخت نشینی پر دستخط کرنے کے بعد اچانک اٹھائیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ خلیفہ مستظہر باللہ کے دور میں ملک شاہ کے بھائی تاج الملک نے توسیع مملکت کی ہوس میں 487ھ میں فوج کشی کر دی اور مختلف علاقوں کو زیرنگیں کر لیا۔ رکن الدولہ برکیارق نے اس کا مقابلہ کیا لیکن ناکام ہو گیا اور ناکام اصفہان کی طرف چلا گیا جہاں اس کا بھائی محمود حکمران تھا۔ پہلے تو اس نے اسے روکا پھر قتل کرنے کی نیت سے اجازت دے دی لیکن اتفاق کہ برکیارق کے داخل ہونے سے قبل محمود انتقال کر گیا اور اہل اصفہان نے متفقہ طور پر برکیارق کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ تاج الملک نے اس سے نپٹنا چاہا مگر ناکام ہو کر قتل ہوا چنانچہ برکیارق کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

(ابن خلدون' ج 9' ص 68)

برکیارق نے نظام الملک کے بیٹے مؤید الملک کو وزارت سپرد کی۔ اس کے بھائی فخر الملک نے برکیارق کی والدہ زبیدہ خاتون کو تحفے تحائف دے کر اپنا اثر و رسوخ بنا لیا اور کسی طرح بادشاہ کو اپنے بھائی مؤید کا مخالف بنا دیا۔ اس نے مؤید کو قید کر دیا اور فخر الملک کو وزیر بنا لیا۔ مؤید قید سے نکل کر برکیارق کے بھائی محمد بن ملک شاہ والئ اران کے پاس پہنچا اس نے اسے وزیر بنا لیا۔ مؤید نے

برکیارق پر حملہ کرا دیا لہٰذا 491ھ سے 497ھ تک باہمی جنگ ہوتی رہی اور ملکی نظام کا شیرازہ بکھر گیا۔

رے، جبل، طبرستان، خوزستان، فارس، دیار بکر اور حرمین میں برکیارق کے نام کا خطبہ جاری تھا اور آذر بائیجان، اران، آرمینیہ اور اصفہان میں محمد کا، بطائح میں کسی جگہ کسی کا اور کہیں کسی کا اور بصرہ میں دونوں کا، سنجر بن ملک شاہ نے مشرق میں حدود جرجان سے ماوراء النہر تک اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔

یہ ابتر حالت دیکھ کر رومی ملک شام پر بیت المقدس کے لئے حملے کرنے لگے۔ اس وجہ سے بعض امراء نے محمد اور برکیارق دونوں بھائیوں میں صلح کرا دی اور دونوں کی حدود قائم کر دیں۔

برکیارق کی وفات:

برکیارق اس صلح کے چند دن بعد 498ھ میں مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ محمد نے اس پر چڑھائی کر دی اور کامیاب ہو گیا۔ اس کے عہد میں صلیبی جنگیں شروع ہو گئیں۔ (ابن خلدون، ج 9، ص 69)

محمد بن ملک شاہ (492ھ):

اس نے تیرہ سال حکومت کی اور یہ فوت ہو گیا۔

سلطان السلاطین سنجر شاہ (509ھ):

یہ بڑا بیدار مغز، خدا ترس اور نیک حکمران تھا۔ اس کے وقت میں بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں۔ بہرام شاہ والئی غزنی اس کا باجگزار ہوا۔ اس کی بادشاہت میں بہت نشیب و فراز آئے۔ یہ 552ھ میں 73 سال کی عمر میں فوت ہوا۔

محمود خاں جواہر زادہ (552ھ):

یہ بغر خاں کی نسل سے تھا۔ سلطان سنجر کے بعد نیشاپور پر تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں خوارزم شاہیوں اور غوریوں کا دور ہوا۔ انہوں نے محمود کو اندھا کر کے کچھ ملک خوارزم نے لے لیا اور کچھ غوریوں نے بانٹ لیا تو اس طرح سلجوقیوں کی سلطنت کا خراسان میں خاتمہ ہو گیا۔ اب ہم ان سلجوقیوں کا حال لکھتے ہیں جو عراق اور عرب میں حکمران تھے۔

محمد بن محمد بن ملک شاہ (509ھ):

اپنے باپ ملک شاہ کے مرنے کے بعد یہ عراق پر حکمران ہوا۔ سلطان سنجر نے اس کی کچھ زیادہ فکر نہ کی۔ یہ خلیفہ مسترشد باللہ خلیفہ بغداد سے رنجیدہ ہو گیا تھا اور اس نے بغداد کا محاصرہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر مصالحت ہو گئی۔

طغرل بن محمد بن ملک شاہ (525ھ):

بھائی کے مرنے پر سلطان سنجر کے اشارے سے یہ عراق کی ریاست پر قابض ہوا۔

مسعود بن سلطان ملک شاہ (529ھ):

اس کے عہد میں چند سلجوقیوں نے خلیفہ مسترشد کو ملک گیری کے لئے اُبھارا۔ مسعود سے لڑائی ہوئی' خلیفہ گرفتار ہوا اور ایک فدائی نے اس کا کام مکمل کر دیا۔ اس کے بعد راشد اپنے باپ کے خون بہا کے لئے نکلا اور اصفہان تک پہنچتے پہنچتے مارا گیا۔ پھر مسترشد کے دوسرے بیٹے مقتفی باللہ کو تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔

ملک شاہ بن محمود بن محمد بن سلطان ملک شاہ (544ھ):

یہ تین مہینے تک بادشاہ رہا اس کے مزاج میں عیاشی تھی۔ لوگوں نے اسے قید کر کے اس کے بھائی محمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

محمد بن محمود بن محمد بن سلطان ملک شاہ (544ھ):

سلیمان شاہ سے جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا' برابر لڑتا رہا۔ یہ آل سلجوق کے ضعف کا زمانہ تھا اس لئے خلفاء بغداد نے بھی کچھ قوت پکڑ لی تھی۔ سات برس حکومت کر کے فوت ہوا۔

ارسلان بن طغرل (551ھ):

یہ الموت کے فدائیوں سے لڑتا رہا اور غالب رہا۔ اس کے وقت میں خوارزم شاہیوں کا زور شروع ہوا۔

طغرل بن ارسلان (571ھ):

یہ خلیفہ مستضئی باللہ کے عہد میں تخت نشین ہوا۔ رکن الدین قسیم امیر المومنین کا لقب تھا۔ اس کے وزیر قزل ارسلان نے اس سے سرتابی کی اور عرصہ تک لڑتا رہا۔ درمیان میں طغرل کے قید ہو جانے سے یہی بادشاہ بن گیا تھا۔ خلیفہ ناصر الدین اللہ بھی طغرل سے خوش نہ تھا۔ طغرل شاہ خوارزم سلطان تکش کے مقابلہ میں مارا گیا اور اس کا سر بغداد گیا اور اس کے مرنے پر عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان سنجر کے ایک بھائی کی نسل میں سلطان شاہ' توران شاہ' ایران شاہ' ارسلان شاہ' محمد شاہ بن ارسلان شاہ' طغرل شاہ' ارسلان شاہ' طغرل شاہ' بہرام شاہ' توران شاہ اور محمد شاہ بن بہرام شاہ۔ یہ دس خود مختار بادشاہ کرمان میں یکے بعد دیگرے خوارزم شاہیوں کے عروج تک حکمران رہے اور اس کا پایۂ تخت حمدان تھا۔ اس کے بعد تمام سلجوقیوں کی طرح یہ بھی مٹ گئے۔



خلیفہ مقتدی بامر اللہ

مقتدی بامر اللہ 20 سال کی عمر میں 467ھ میں خلیفہ بنا۔ وہ ایک اچھا حکمران تھا اس میں دین اور سیاست دونوں جمع تھے۔ اس کے عہد میں سلجوقیوں کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ سلجوقی حکمرانوں نے مقتدی کو اپنا تابع بنانے کی بہت کوشش کی لیکن مقتدی نے حتی الامکان خلافت کے وقار کو قائم رکھا۔ عباسیوں کے دور زوال میں اس کا عہد اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے سلجوقیوں کے استبداد کو قبول نہ کیا۔

مقتدی کے عہد میں ہی باطنی تحریک نے بڑی قوت حاصل کر لی تھی کہ حکومت کے مقابلے میں آ گئی۔ اس کے عہد میں بغداد کی آبادی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا چنانچہ اس نے بغداد کے کئی نئے محلے آباد کئے۔ مقتدی نے اپنے عہد میں اصلاح کی بہت کوشش کی۔ گانے اور ناچنے والی عورتوں کو بغداد سے نکال دیا اور اس کام کی بالکل ممانعت کر دی۔

مقتدی نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولی عہد بنایا۔ مقتدی کا 39 سال کی عمر میں 19 سال کی خلافت کے بعد 15 محرم 487ھ میں انتقال ہوا۔



باطنیہ اور ان کی حکمرانی

علویوں کے احوال:

معتمد کے زمانہ میں اثنا عشریہ کے گیارہویں امام ابو محمد حسن عسکری نے 260ھ میں وصال فرمایا۔ ان کی وفات پر شیعوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کے نزدیک وہ آخری امام ہیں اور اب امامت کا سلسلہ ان پر منقطع ہو گیا ہے۔ کوئی ان کے بھائی جعفر کو آخری امام جبکہ زیادہ تر لوگ ان کے بیٹے محمد عسکری کو آخری امام تسلیم کرتے ہیں جو اپنی والدہ کے سامنے ایک سرداب "سرمن رای" (فرغانہ) میں داخل ہوئے اور باہر نہ نکلے۔ یہی امام مہدی (امام منتظر اور امام قائم) کے نام سے مشہور ہیں۔

گو شیعوں میں امام جعفر صادق کے بعد سے ہی اختلاف شروع ہو گیا تھا۔ ان کے سات بیٹے تھے عبداللہ افطح، محمد، موسیٰ اور اسماعیل وغیرہ۔ بعض شیعہ نے عبداللہ افطح کو امام مانا، کسی نے محمد کو امام قرار دیا اور شیعہ کی ایک جماعت اسماعیل کی امامت کی قائل ہوئی جو آگے چل کر اسماعیلیہ کہلائے۔

اسماعیلیہ:

شیعہ اسماعیلیہ اور امامیہ اس اعتبار سے متفق ہیں کہ دین میں رائے کو دخل نہیں بلکہ تحفظ شرع کے لئے ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت علیؓ سے لے کر امام جعفر صادق تک چھ اماموں کی امامت پر شیعوں کی کل جماعتیں متفق ہیں، ان جماعتوں میں دو گروہ ہیں امامیہ اور اسماعیلیہ۔

گروہ امامیہ نے موسیٰ کاظم سے سلسلہ حسن عسکری تک قائم کر رکھا ہے، اور امام قائم کے منتظر ہیں جبکہ اسماعیلیہ نے امامت اسماعیل کی اولاد میں مختص کر دی ہے۔

اسماعیلیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کا ظہور کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ وہ کبھی کبھی مستور ہوا کرتا ہے۔ لوگوں کو اس کے حال کی آگاہی نہیں ہوتی مگر جب یہ صورت پیش آئے تو اس کا کوئی نائب ظاہر ہو جو مخلوق خدا پر حجت ہو اور دعوت و تبلیغ کے منصب پر قائم ہو گا۔

باطنیہ:

اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے جو معتمد کے عہد کی پیداوار ہے۔ امام حسن عسکری کے بعد اسماعیلی داعیوں نے اپنی تعلیمات کو جن کا زیادہ حصہ مخفی رکھا جاتا تھا، اس کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور صبر و استقلال اور نرمی سے اپنے خیالات کی خاص خاص لوگوں میں تبلیغ کرتے اس وجہ سے اس جماعت کو باطنیہ کہنے لگے۔ ان کے پھندے میں زیادہ تر نو مسلم مجوسی پھنسے۔ یہ لوگ ظاہراً مسلمان تھے مگر باطن میں اپنے قدیمی عقائد کے قائل تھے، مجوسیوں میں دیصانیہ اور مانیہ خیالات کے لوگ زیادہ تھے۔

باطنیہ جماعت نے ان لوگوں نے شامل ہو۔ اپنے عقائد کی خوب خوب تبلیغ کی اور باطنیہ کے پردے میں اسلام میں گمراہی کا دروازہ کھول دیا۔ گو عہد خلافت اسلامیہ میں نو مسلم مجوسیوں نے فتنے

اٹھائے تھے۔ برامکہ فضل وزراء ان کے دام میں پھنس گئے تھے مگر ان زندیقوں کو مہدی اور ہادی نے کیفر کردار کو پہنچا دیا تھا جن کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

باطنیہ میں داعی نبوت:

باطنیہ میں سب سے بڑا شخص عبداللہ بن میمون بن قدح دیصانی تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد داعی نبوت ہوا' پھر عسکر مکرم میں مقیم ہوا۔ وہاں سے نکالا گیا' پھر بصرہ میں بنوعقیل کے پاس رہا۔ اس کے بعد حفص چلا گیا' وہاں ایک موضع سلمیہ کو اپنا مرکز بنایا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے فرقہ باطنیہ کا ظہور ہوا۔ (ابن اثیر' ج 7' ص 48)

باطنیہ کی ایک اور وجہ تسمیہ:

اسماعیلیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اسماعیل نے وفات نہیں پائی بلکہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کے نزدیک ائمہ ظاہر بھی ہوتے ہیں اور مستور بھی اور ان میں سے ہر ایک کا سات سات کا دور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اسماعیل ساتویں امام ہیں اس لئے ان پر ائمہ ظاہر کا دور ختم ہوا۔ ان کے لڑکے محمد سے ائمہ مستور کا دور شروع ہوتا ہے۔ گویا یہ ائمہ مخفی رہتے ہیں لیکن ان کے دعاۃ ان کی دعوت کی اعلانیہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ یہ عبیداللہ المہدی مغربی بانی دولت فاطمیہ نے پھر ائمہ ظاہر کا دور شروع کرتے ہیں۔ اس فرقہ کے نزدیک چونکہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اس لئے اس جماعت کو باطنی کہا گیا۔

(کتاب الملل والنحل شہرستانی' ج 2' ص 27)

تحریک آل محمد اور اسماعیلی:

تحریک آل محمد ہی نے بنوامیہ کی حکومت کا تختہ الٹا' اسی دعوت کی بنیاد پر عباسی حکومت قائم ہوئی مگر عباسیوں نے اہل بیت کو نظرانداز کر دیا تو یہ لوگ بنوعباس کے خلاف ہو گئے اور اپنی خلافت کے لئے کوشاں رہے' اہل بیت میں سے اکثر کو قربان ہونا پڑا مگر بعض حضرات کو یمن اور افریقہ وغیرہ میں کامیابی ہوئی لیکن وہ حکومتیں بنوعباس کے مقابلہ کی نہیں تھیں البتہ عبیداللہ فاطمی نے دولت بنوعباس کی کمزوری اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر مغرب میں عظیم الشان حکومت قائم کر لی۔

خلفاء فاطمین مصر کی نگاہیں خراسان اور ایران پر زیادہ تھیں کیونکہ یہ شیعیت کے گہوارے تھے چنانچہ انہوں نے مصر پر اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد اپنے داعی انہی ممالک میں بھیجے۔ ان ممالک کے حکمران بنوبویہ اگرچہ شیعی عقیدہ رکھتے تھے مگر وہ اہل بیت کے حامی نہ تھے اس لئے اگر کوئی داعی ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو اسے سخت سزا دیتے لہٰذا خراسان باطنی تحریک بنوبویہ کے عہد تک دبی رہی حتیٰ کہ سلجوقی دور آیا۔ سلجوقیوں کے عہد میں باطنیہ خوب پھلے پھولے اور ان کی تبلیغ کا جال دور دور تک پھیل گیا۔

حسن بن صباح:

اصفہان اور نیشاپور کے وسط میں قصبہ قائم کا رئیس باطنیوں کے دام میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے

ایک جماعت بنائی جو قافلوں کو لوٹا کرتی' ان کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان کی لوٹ مار کا سلسلہ اصفہان تک بڑھ گیا۔ پھر تو باغیوں نے ملک شاہ کے تعمیر کردہ قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس جماعت کا داعی اعظم احمد بن عبدالملک بن عطاش تھا۔ باطنیہ نے عطاش کے سر پر شاہی تاج رکھا اور اس کے پاس چاروں طرف سے لوٹ کا مال جمع ہوتا۔

حسن اتفاق سے ایک انتہائی لائق اور ذہین شخص حسن بن صباح جو امام موفق نیشاپوری کے حلقہ درس میں شریک ہو گیا' یہ ابن عطاش کے اثر سے فاطمی تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس کے ہاں فاطمی داعیوں کی آمدورفت شروع ہو گئی۔ اسے حکومت کی طرف سے گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ وہاں سے بھاگ کر مصر آ گیا۔ یہاں سے اسے مشرق میں فاطمی دعوت کی تبلیغ کا ٹاسک دیا گیا۔

حسن بن صباح نے مصر سے شام' جزیرہ' دیار بکر' خراسان' کاشغر اور ماوراء النہر کا دورہ کر کے اپنے ملحدانہ خیالات ان علاقوں میں پھیلائے اور ''قزوین'' کے قریب دیالمہ کا بنایا ہوا ایک سنگین قلعہ ''الموت'' اس مقصد کے لئے موزوں تھا۔ یہ ایک علوی کی ملکیت تھا' حسن بن صباح نے یہاں قیام کیا اور کچھ دن تک اپنے زہد و ورع کا ڈرامہ رچایا اور گردونواح میں کافی اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔ الموت قلعہ کا علوی بھی اس سے متاثر ہوا' پھر کچھ دنوں بعد ابن صباح نے اس کے ساتھ دغا کر کے الموت پر قبضہ کر لیا اور علوی کو نکال باہر کیا۔ (ابن اثیر' ج 10' ص 110)

قلعہ الموت پر قبضہ:

حسن بن صباح قلعہ الموت پر قبضہ کرنے کے بعد کھل کر میدان میں آ گیا اور دلیرانہ قتل و غارت کرنے لگا۔ اس کے داعیوں کے ہاتھوں صدہا اکابر علماء قتل ہوئے۔

ملک شاہ کو حسن بن صباح کے حالات معلوم ہوئے تو سلجوقیوں نے قلعہ کا نہایت سخت محاصرہ کیا۔ سلجوقیوں کا مقابلہ کرنا باطنیوں کے لئے انتہائی مشکل تھا تو ابن صباح ایک فدائی کو بھیج کر نظام الملک کو قتل کرا دیا۔ ان کی دست درازیاں حد سے بڑھ گئیں کہ سلطان برکیارق کے بہت سے امراء کو مار ڈالا۔ اس نے سینکڑوں باطنیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا مگر ان کی سرگرمیاں کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔ خراسان میں عظیم اضطراب پیدا ہو گیا چنانچہ 494ھ میں سلطان سنجر کے سپہ سالار نے ان پر شدید حملہ کیا اور کچھ عرصہ بعد اسے فتح کر لیا لیکن صلح کر کے لوٹ آیا۔

500ھ میں سلطان محمد سلجوقی نے اصفہان کے قلعہ پر جہاں ابن عطاش رئیس رہتا تھا' محاصرہ کر لیا۔ آخر ابن عطاش گرفتار ہو کر قتل ہوا پھر سلطان محمد نے قلعہ الموت جہاں حسن بن صباح 26 سال سے رہ رہا تھا اس پر لشکرکشی کی لیکن راستے میں بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ والی ساوہ امیر شکین شیرگر نے بھی باطنیوں کی سرکوبی کی آخرکار ظلم و جور کے بعد حسن بن صباح 518ھ میں مر گیا۔ پھر اس کا بیٹا کیا بزرگ تھا جو اس کا جانشین ہوا۔

امرائے حکومت باطنیہ

کیا بزرگ بن حسن (518ھ):

یہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت الموت پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں ریاست نے کچھ اور زور پکڑا مگر محمود سلجوقی کے وقت میں بہت سے باطنی مارے گئے لیکن اس کی خودمختاری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد جانشین ہوا۔

محمد بن کیا:

اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی راشد باللہ پر نگاہ رکھی چنانچہ کچھ عرصہ بعد چار فدائیوں نے خلیفہ راشد باللہ کو راستے میں موقع پا کر قتل کر دیا۔ محمد بن کیا 25 برس تک حکمران رہا اس کی ذات سے اسلام کو بہت نقصان پہنچا۔

حسن بن محمد بن کیا:

اسے علی بذکرہ السلام کہا جاتا ہے۔ علماء اسلام اسے ملحد اور زندیق لکھتے ہیں۔ اس کے عقائد اسلام کے مخالف تھے بلکہ اس کا مذہب دہریہ سے مشابہ تھا اور یہ بے دھڑک لوگوں کو گمراہ کرتا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ مذہب کوئی چیز نہیں۔

محمد بن حسن بن محمد بن کیا:

یہ الحاد و زندیقیت میں اپنے باپ سے بھی چار قدم آگے تھا۔ امام فخر الدین رازی اسی زمانہ میں تھے۔ فدائیوں نے الموت سے پہنچ کر امام رازی کو بہت زچ کیا جس سے وہ غیاث الدین بادشاہ کے پاس غور چلے گئے اور پھر وہاں سے سلطان خوارزم کے پاس خوارزم جا کر زندگی بسر کی۔

جلال الدین حسن بن محمد بن حسن:

اس نے باپ کے عقائد سے توبہ کی اور یہ خبر تمام سلاطین مصر کے پاس بھیجی۔ یہ جلال الدین حسن نومسلم مشہور ہوا۔ اس کے وقت میں مذہب اسلام کو رونق ہوئی۔ ناصر خلیفہ بغداد کے ہاں اسے قدر و منزلت حاصل ہوگئی۔

علاء الدین محمد بن جلال الدین بن حسن:

یہ نو برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ یہ جو کچھ الٹا سیدھا حکم دیتا تھا' لوگ اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اس کو واجب التعمیل سمجھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے۔ اس کے وقت میں مذہب کھیل بن گیا تھا۔

رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین (653ھ):

چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے اسے گرفتار کر کے ہزاروں اسماعیلیوں کو تہ تیغ کیا اور رکن الدین کو قتل کرا دیا۔ پھر اس کے بعد بغداد کی طرف توجہ کی چنانچہ باطنیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

صلیبی جنگیں

صلیبی جنگوں کا پس منظر:

بیت المقدس عیسائیوں کا اہم ترین مقدس اور متبرک مقام تھا۔ اسلامی فوجوں نے عہد فاروقیؓ میں فتح کر لیا تھا۔ اس وقت سے لے کر پانچویں صدی ہجری کے آخر تک یہ اسلامی سلطنت کے قبضہ میں رہا۔ اسلامی حکومت نے عیسائیوں کے ساتھ نہایت ہی رواداری کا سلوک کیا۔ انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کے شہری حقوق بھی سلامت تھے۔ وہ سلطنت کے طول و عرض میں آزادانہ گھوم پھر سکتے تھے۔ انہیں غیر ملکی ہم مذہب حکمرانوں سے خط و کتابت کرنے کی پوری پوری اجازت تھی۔ بڑے بڑے سرکاری عہدے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ دور دراز سے عیسائی بلا روک ٹوک فلسطین میں زیارت کے لئے داخل ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات نے عیسائیوں کے لئے زیارت کے بہتر مواقع پیدا کر دیئے تھے۔ اگر مسلمان عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان امن و امان قائم نہ رکھتے تو ان مختلف فرقوں کے لوگ بیت المقدس میں ہی ایک دوسرے کا خون بہا دیتے۔

جب 361ھ میں مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہوا تو فاطمی حکمرانوں نے عیسائیوں کی تجارتی سرگرمیوں کی سرپرستی کی۔ عیسائی زائرین مختلف ملکوں سے مسلمانوں کی حفاظت میں بیت المقدس آتے اور مسلمانوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے لیکن اہل اسلام کی یہ تمام رواداری اور فراخدلی ان کے تعصب کی آگ کو نہ بجھا سکی بلکہ ان کے لئے بیت المقدس میں مسلمانوں کا وجود کسی طرح بھی قابل برداشت نہ تھا چنانچہ یورپ کی متحدہ عیسائی طاقتوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لئے اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ یسوع مسیح اور صلیب مقدس کی حفاظت کے نام پر یورپ کے ان وحشی اور غیر مہذب دیوانوں نے جس سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ کیا' عیسائیت کی تاریخ میں اسے ''مقدس لڑائیوں'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی یہ المناک کشمکش جو تقریباً دو صدی تک جاری رہی' تاریخ میں ''صلیبی جنگوں'' کے نام سے مشہور ہے۔ اب ہم ان جنگوں کے اسباب' واقعات اور نتائج پر اختصار سے بحث کریں گے۔

صلیبی جنگوں کے اسباب

1- مذہبی تعصب:

مسلمانوں نے اپنی عیسائی رعایا سے گو رواداری کا سلوک کیا لیکن ان کے لئے اور دیگر ملکوں کے عیسائیوں کے لئے یہ بات برداشت سے باہر تھی کہ ان کے مرکزی مقدس مقام پر مسلمانوں کا قبضہ

ہو

2- سیاسی رقابت:

اسلام کی طاقت جزیرۂ عرب سے ایک بے پناہ سیلاب کی طرح بڑھی جس نے افریقہ، ایشیا اور یورپ کے جنوبی حصہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نہ رومی طاقت اس کا مقابلہ کر سکی اور نہ ہی کوئی اور عیسائی قوت کر سکی۔

عیسائی حکمرانوں کے پاس اپنی سیاسی شکست کا بدلہ لینے کا اب واحد ذریعہ یہی تھا کہ وہ مذہب کی حفاظت کے نام پر عیسائی عوام کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کی سیاسی قوت کو تباہ کرنے کی کوشش کریں۔

3- مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیاں:

یورپ کی عیسائی طاقتوں کو جس بات نے یہ جرأت دلائی کہ وہ عالم اسلام کی طرف یلغار کریں، وہ مسلمان حکمرانوں کا باہمی اختلاف و انتشار تھا۔ بغداد کی عباسی حکومت اب برائے نام تھی۔ مصر پر دولت عبیدیہ کا قبضہ تھا جو خود زوال پذیر تھی۔ سلجوقی خاندان کے فرمانروا خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ اس زمانہ میں فلسطین پر ترکمانوں کے ایک خاندان ارتوک نے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ الغرض مسلمانوں کی قوت بٹی ہوئی تھی اور ان کے آپس کے اختلافات اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

4- عیسائی زائرین کی بدعنوانیاں:

دور دراز ملکوں سے بیت المقدس کی زیارت کو آنے والے زائرین نہایت شان و شوکت سے آتے تھے جن پر زائرین ہونے کی بہ نسبت فوجی دستے ہونے کا گمان زیادہ ہوتا تھا۔ وہ باجے بجاتے اور مشعلیں روشن کئے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوتے تھے اور ساتھ ہی ان کے طور اطوار بھی قابل اعتراض ہونے لگے۔ اس پر فلسطین کے حکمران ترکمانوں نے (جو عربوں کی طرح متحمل نہ تھے) انہیں روکا اور اصرار کیا کہ اسلامی حکومت کی اجازت کے بغیر زیارت کے لئے نہ آئیں لیکن زائرین نے اس تنبیہ کی کوئی پرواہ نہ کی لہٰذا ترکمانوں نے بھی ان پر کبھی کبھی زیادتیاں کیں اور ان کے قافلے بھی لوٹے۔

5- پادریوں کا پراپیگنڈہ:

ان لوٹ مار کی داستانوں کو پادریوں نے خوب پھیلایا چنانچہ پیٹر نامی ایک متعصب راہب نے مبالغہ آمیزی سے کام لے کر یورپی عیسائیوں میں آگ لگا دی۔ پہلے وہ پوپ کے پاس جا کر رویا پیٹا پھر وہ اس کی اجازت لے کر اٹلی اور فرانس گیا اور جگہ جگہ مقامات مقدسہ کو کافروں (نعوذ باللہ مسلمانوں) سے آزاد کرانے کی دعوت اس انداز میں پیش کی کہ عوام میں جوش و خروش جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ ان حالات میں نومبر 1094ء میں روم کے پوپ اربن دوم نے اعلان کیا کہ

"ان کافروں (مسلمانوں) سے جہاد کرو جو حضرت مسیح کی خانقاہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ تم میں سے جو بھی اس جہاد میں شریک ہو گا اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دوں گا اور تم میں سے جو مارا

جائے گا اسے بہشت میں جگہ دوں گا۔" (تاریخ اسلام' امیر علی' ص 242)

پادریوں کے پراپیگنڈے اور پوپ کے اس اعلان نے یورپ کی عیسائی دنیا میں آگ لگا دی۔ مذہبی تعصب کے جنون کے ساتھ ملک گیری کی ہوس بھی بھڑک اٹھی۔ ان لڑائیوں میں شریک ہونے والوں کے سفلی جذبات کو یونان کی عورتوں کے سحرانگیز حسن اور مشرق کی خوشبودار شراب کے تذکروں سے اُبھارا گیا بہرحال جوش کو بھڑکانے کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لیا گیا جونہی ایک عیسائی اس جنگ میں شرکت کی خاطر اپنے گلے میں صلیب لٹکا لیتا تھا' وہ قرض اور ٹیکس سے آزاد ہو جاتا۔ وہ کلیسا کی حفاظت میں چلا جاتا۔ ان دنیاوی فوائد کے علاوہ اسے گناہوں کی معافی کا یقین دلایا جاتا۔

صلیبی جنگوں کے واقعات

پہلی صلیبی جنگ:

فلسطین پر فوج کشی کے خیال نے دلوں میں بے انتہاء جوش پیدا کر دیا تھا۔ جنت کے علاوہ ہر شخص کو اس میں مال و دولت کے حصول کا کوئی نہ کوئی ذریعہ نظر آتا تھا۔ کاشتکار جو غلاموں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے' خاندانوں کی چھوٹی اولاد جو وراثت سے محروم تھی' وہ امراء جنہیں آبائی جاگیر کا کم حصہ ملا تھا' وہ راہب جو خانقاہی زندگی کی سختیوں سے تنگ آ چکے تھے اس مہم کے متعلق خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے اس فوج میں شریک ہو گئے۔

الغرض اس طرح تیرہ لاکھ کی فوج جمع ہو گئی۔ ان میں سے سب سے بڑے گروہ کا سردار خود پیٹر راہب تھا۔ یہ فوج اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھی۔ راستے میں غارت و تباہی مچاتی ہوئی خود آپس میں لڑتی بھڑتی قحط اور بیماری کا شکار ہوتی ہوئی جب فلسطین پہنچی تو اس کی کل تعداد بیس ہزار رہ گئی تھی۔ بیت المقدس اس وقت فاطمی خلیفہ المستنصر کے قبضہ میں تھا جو اس نے ترکمانوں سے لے لیا تھا۔ مصری خلیفہ یا کسی اور مسلمان خلیفہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اس عظیم بلا کا مقابلہ کر سکتا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ان صلیبی فوجوں نے ساحلی علاقوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بالآخر 15 جون 1095ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس فتح کر لیا اور مسلمان بچوں' عورتوں' بوڑھوں اور کمزوروں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا۔ اس قتل عام میں بیت المقدس کے یہودی اور عیسائی بھی نہ بچے۔ اس شہر کی ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل آبادی تہ تیغ کر دی گئی۔ صلیبیوں نے یہ فتح اپنے تیرہ لاکھ افراد کی قربانی دے کر حاصل کی۔

اس فتح کے بعد بیت المقدس کا بادشاہ گاڈ فرائے کو بنایا گیا۔ گو یہ بڑا بہادر تھا لیکن انتظامی صلاحیتوں میں کورا تھا۔ وہ بہت جلد ہی مر گیا۔ اس کے بعد اس کا جانشین بود وائن بھی ایسا ہی نالائق نکلا۔ صلیبیوں نے شام اور فلسطین کے اکثر علاقے اپنے قبضے میں کر لئے۔ 1119ء میں جب بود وائن مرا تو اس وقت تک یہ علاقہ برباد اور بے چراغ ہو گیا تھا۔ یورپ کا جاگیردارانہ نظام یہاں بھی رائج کر دیا گیا تھا اور یہ جاگیردار آپس میں لڑتے اور ملک کو تباہ و برباد کرتے تھے۔

دوسری صلیبی جنگ:

پہلی صلیبی جنگ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں نے مسلمان حکمرانوں کے لئے یہ موقعہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم کر دیں۔ خلفاء بغداد نے اس سلسلہ میں کوششیں بھی کیں مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔

آخر کار قدرت نے عالم اسلام کو مزید تباہی سے بچانے کے لئے نور الدین زنگی کی صورت میں سامان پیدا کیا۔ نور الدین زنگی' عماد الدین زنگی کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد حلب کا علاقہ اس کے حصہ میں آیا۔ اس نے قوت مجتمع کر کے فرنگیوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا اور ان کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح مسلمانوں میں حوصلہ پیدا ہوا اور وہ اپنے چھینے ہوئے علاقے واپس لینے لگے۔ شام میں مسلمانوں کی ان کامیابیوں اور خصوصاً ایڈیسا کی فتح نے فلسطین کے عیسائیوں کو اس قدر ہیبت زدہ کر دیا کہ انہوں نے گھبرا کر یورپ سے مدد طلب کی۔ ان کی مدد کے لئے سینٹ برنارڈ نے مذہبی جوش دلایا اور 1147ء میں جرمنی کا بادشاہ کونراڈ سوم اور فرانس کا بادشاہ لوئی ہفتم فوج لے کر اپنے مذہبی بھائیوں کی مدد کے لئے بڑھے۔ ان کی فوج میں نو لاکھ سپاہی تھے لیکن یہ فوج بھی ہر قسم کی اخلاقی حدود سے آزاد تھی۔ جنسی آوارگی کا دور دورہ تھا' اس فوج کو بھی نور الدین زنگی اور سلجوقیوں کے ہاتھوں مختلف مقامات پر شکستیں کھانی پڑیں اور اس طرح اس فوج کا اکثر حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔

صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی فتح:

عیسائیوں کو بیت المقدس سے پوری طرح نکال باہر کرنے کا فخر سلطان صلاح الدین ایوبی کو ہے جو نور الدین زنگی کا نائب اور حاکم مصر تھا۔ 1174ء میں اس کی وفات پر اس کا جانشین بنا۔ اس نے پہلے مصر' عرب اور عراق عجم کو اپنے قبضہ میں کیا اس کے بعد یروشلم (فلسطین) کی طرف متوجہ ہوا۔ سلطان نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے صلیبیوں کے سامنے بہت اچھی شرطیں رکھیں لیکن انہوں نے ایک نہ مانی' آخر کار سلطان نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ چند ہی دنوں میں محصورین نے رحم کی درخواست کی' سلطان نے عیسائیوں کو شہری حقوق دے کر انہیں اپنی سلطنت میں رہنے کی اجازت دے دی اور صلیبی سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ چالیس دن کے اندر اپنے بال بچوں سمیت بیت المقدس سے نکل کر طرابلس (لیبیا) کو چلے جائیں۔ اس نے جنگی سپاہیوں پر معمولی سا زر فدیہ عائد کیا تھا لیکن دس ہزار صلیبی سپاہیوں اور ان کے بال بچوں کا فدیہ خود اپنے پاس سے ادا کر کے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور ہزاروں کا فدیہ معاف کر دیا۔ اس فتح میں نہ قتل عام ہوا اور نہ ہی لوٹ مار بلکہ دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا گیا۔

اس طرح 1287ء بمطابق 583ھ کو اٹھاسی برس کے بعد بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد سات صدیوں سے زیادہ باوجود متواتر حملوں اور لشکر کشیوں کے یہ مقدس شہر موجودہ اسرائیلی حکومت قائم ہونے تک پیروان اسلام کے ہاتھوں میں رہا۔

تیسری صلیبی جنگ:

بیت المقدس پر مسلمانوں کے قابض ہو جانے سے یورپ میں بے چینی پھیل گئی۔ پادریوں نے عوام اور خواص کو نئی صلیبی جنگ کے لئے تیار کرنا شروع کیا جس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ اس مہم میں یورپ کے تین بادشاہوں یعنی انگلستان کے شاہ رچرڈ' فرانس کے فلپ اگسٹس اور جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک باربروسا نے شرکت کی۔ یورپ کی یہ فوجیں عکہ کے قریب پہنچنے لگیں' سلطان صلاح الدین نے اس متحدہ قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان حکمرانوں سے مدد کی درخواست کی مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخرکار سلطان کو تنہا ہی میدان میں آنا پڑا۔ 1189ء سے 1192ء تک متواتر تین سال عکہ اور سلان کے قریب خونریز جنگیں ہوئیں۔

جرمنی کا فریڈرک باربروسا ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے ڈوب کر مر گیا اور اس کی فوج میں ابتری پھیل گئی' بہت سے سپاہی گھروں کو لوٹ گئے۔ اس لڑائی کے دوران میں شاہ فرانس اور شاہ انگلستان دونوں بیمار پڑ گئے۔ جب سلطان کو ان کی بیماری کا علم ہوا تو انہیں برف' تازہ پھل اور مفرح شربت بھیجے اور جب تک وہ بیمار رہے' انہیں ہر قسم کی چیزیں بھیجی جاتی رہیں۔

مسلسل تین سال کی غیر نفع بخش جنگوں نے صلیبیوں کو پریشان کر دیا تھا آخرکار شاہ انگلستان رچرڈ شیردل نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لی' صلح کے بعد ہر دو جانب سے مشترکہ اعلان کیا گیا:

''مسلمان اور عیسائیوں میں صلح ہو چکی ہے دونوں قوموں کے مقبوضہ ملکوں میں شہری آزادی جاری رہے گی' دونوں ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں آزادی کے ساتھ آ جا سکیں گے۔''

اس اعلان کو دونوں قوموں نے سنا اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس جنگ میں دونوں طرف کا بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا۔ جرمنی کا ایک بہت بڑا بادشاہ ہلاک ہو گیا۔ اس پوری مہم کا صلیبیوں کو صرف یہ فائدہ ہوا کہ عکہ پر ان کا قبضہ ہو گیا اور ساحل کے کچھ شہر ان کے پاس رہ گئے۔

اس صلح کے بعد باہر سے آئی ہوئی صلیبی کمک واپس چلی گئی' اس کے بعد پھر بھی تین چار مہمیں بیت المقدس کو مسلمانوں سے واپس لینے کے لئے آئیں لیکن ان کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

صلیبیوں کا کردار:

صلیبی جنگیں عیسائیت کی تاریخ میں ''مقدس جنگیں'' کہلاتی ہیں جو دین عیسوی اور صلیب مقدس کی حفاظت کے لئے لڑی گئیں لیکن اگر اس مہم میں شریک ہونے والوں کے طرز فکر' ان کے طور و اطوار' اپنوں اور غیروں کے ساتھ ان کے سلوک کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی انسانی شرافت سے محروم تھے اور بداخلاقی میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ قسطنطنیہ اور یروشلم کو بھول گئے بلکہ جس راہ سے گزرتے وہاں تباہی' ویرانی اور بربادی کے نشانات چھوڑ جاتے۔

ان صلیبیوں نے اپنی ہوس رانی اور وحشت و بربریت کا شکار اپنے ہم مذہبوں کو بھی بنایا چنانچہ

یورپ کے جس راستے سے گزرے وہاں کی بستیوں کو اُجاڑ دیا' کھیتوں کو برباد کر دیا' جو سامنے آیا اسے قتل کر دیا۔ اُن کی ان سفاکیوں سے معصوم بچے بھی محفوظ نہ رہے۔

ان کا یہی طرز عمل تھا جس کی بناء پر عیسائیوں کو خود اپنی جان اور عزت کی حفاظت کے لئے ان کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا پڑا چنانچہ والٹر کی رہنمائی میں جب پہلا انبوہ فلسطین روانہ ہوا اور تباہی و ہلاکت مچاتا ہوا بلغاریہ پہنچا تو وہاں کے عیسائی شہریوں نے تنگ آ کر ان تمام صلیبیوں کو قتل کر دیا۔ ان کی بربریت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ انسانی گوشت بھی بطور خوراک استعمال کرنے لگے تھے۔ ان کی یہی سفاکیاں اور تباہ کاریاں ان کی ہلاکت کا موجب بنیں۔

یورپ کے مختلف ملکوں سے تیرہ لاکھ صلیبیوں نے پہلی صلیبی جنگ میں شرکت کے لئے کوچ کیا لیکن جب وہ بیت المقدس پہنچے تو ان کی تعداد بیس ہزار رہ گئی تھی۔

یہی صلیبی جب بیت المقدس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور مفتوحین کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا اس کی روئیداد ریمانڈ داژیل پولئی کے قسیس (عالم) کی زبان سے سنئے:

''جس وقت ہمارے آدمی دیواروں پر برجوں پر قابض ہو گئے تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے یعنی کسی کا تو سر کٹا ہوا تھا اور یہ تو بہت معمولی سی مصیبت تھی' بعض کے چہرے مجروح تھے اور وہ مجبوراً اپنے آپ کو دیواروں سے گرا رہے تھے۔ بیت المقدس کے راستوں پر اور ہر جگہ پر سروں' ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا مگر یہ اس کے مقابلے میں بہت کم بیان کیا ہے جو وقوع میں آیا۔'' (سیّد علی بلگرامی' تمدن عرب' ص 299)

یہی قسیس ان دس ہزار مسلمانوں کے قتل کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے مسجد عمر میں پناہ لی تھی' وہ لکھتا ہے:

''حضرت سلیمان کے قدیم ہیکل میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس میں لاشیں صحن میں تیرتی پھرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ' کسی کا پاؤں' کسی کا دھڑ۔ سب بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا بہت مشکل تھا۔ وہ سپاہی جنہوں نے یہ قتل عام کیا تھا بمشکل خون اور اس سے پیدا ہونے والی بھاپ کی بو برداشت کر سکتے تھے۔'' (تمدن عرب' ص 299)

اس کے برعکس مسلمانوں نے جب بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کیا تو سلطان صلاح الدین نے قتل و غارت اور لوٹ مار کی سخت ممانعت کر دی۔ کسی فوجی قیدی کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک کو اجازت دے دی کہ وہ چالیس دن کے اندر اندر اپنے بال بچوں اور مال و اسباب سمیت معمولی سا زر فدیہ دے کر یروشلم سے چلا جائے۔ دس ہزار قیدیوں کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کر کے انہیں رہا کر دیا جو فدیہ ادا نہ کر سکے انہیں معاف کر دیا۔

صلیبی جنگوں کے اثرات

یورپ کی پوری عیسائی طاقت تقریباً دو صدی تک کوشش کرتی رہی کہ وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لے لیکن اس میں اسے زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ تک بے شک اس پر عیسائیوں کا قبضہ رہا لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں وہاں سے نکال کر ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا اور ان جنگوں نے یورپ کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کو تباہ و برباد کر دیا۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو بھی بہت بڑا مالی اور جانی نقصان اٹھانا پڑا لیکن بالآخر انہی کا پلہ بھاری رہا۔ انہوں نے آہستہ آہستہ شام و فلسطین کے تمام علاقے عیسائیوں سے چھین لئے۔ ان فوری نتائج کے علاوہ ان جنگوں نے کچھ ایسے دوررس مفید اور مضر نتائج بھی پیدا کئے جن کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔

مضر نتائج

1- مشرق کو مغرب سے نفرت:

صلیبیوں کی جہالت' ان کی رذالت' ان کی سفیہانہ زندگی اور ان کی خلاف عہدی نے مسلمانوں کو یورپ کے عیسائیوں اور ان کے مذہب سے متنفر کر دیا۔ انہی جنگوں نے مشرق و مغرب کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں وہ خلیج پیدا کر دی جو اب تک نہ مٹ سکی۔

2- یورپ میں پوپ کی بالادستی:

ان جنگوں نے پوپ اور پادری کی اہمیت کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ صلیبی سرداروں نے جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے اپنے ملک پادریوں کے ہاتھ بیچ دیئے تھے اس طرح پادریوں کا طبقہ یورپ کا متمول ترین طبقہ بن گیا۔ دولت کی اس فراوانی نے پادریوں میں حد درجہ اخلاقی انحطاط پیدا کر دیا جس کے خلاف یورپ میں مذہبی انقلاب کی تحریک اٹھی اور خونریزی کا بازار گرم ہوا جس سے بالآخر پوپ اور پادریوں کو بے حد نقصان پہنچا اور عوام نے صلیبی جنگوں کی تباہ کاریوں کا ذمہ دار پادریوں کو ٹھہرایا۔

3- پادریوں کے ظلم وستم:

ان صلیبی جنگوں کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں صدیوں تک مذہبی ناروداری اور عداوت کی گرماگرمی رہی اور یہ ناروداری تشدد اور خونریزی کا ہی باعث بنی رہی۔ ظلم و جور کے وہ حربے جو پہلے مسلمانوں پر استعمال کئے گئے تھے یورپ میں صدیوں تک پادریوں نے اپنے مخالف العقیدہ عیسائیوں پر بھی استعمال کئے۔

مفید نتائج

اس زمانے میں مشرق تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا' علوم و فنون کی ترقی اپنے پورے شباب پر تھی۔ مسلمان ذہنی اور علمی لحاظ سے دنیائے انسانیت کی امامت و قیادت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے اس کے برعکس یورپ پر جہالت کی تاریکیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وحشت' بربریت' سفاکی و خونریزی' جنون و عداوت ان کی تہذیب کے اہم عناصر تھے۔ سیاست و معاشرت' اخلاق و اقتصاد غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ علم و مدنیت کی روشنی و تابناکی سے محروم تھا۔ ان حالات میں جب مغرب' مشرق سے ملا تو لازمی طور پر مغرب نے شعوری اور لاشعوری طور پر اس سے کچھ لیا چنانچہ یورپ کی موجودہ ہیئت اجتماعیہ کے ارکان و عناصر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا اکثر حصہ مشرق کا ہی مرہون منت ہے بالخصوص علوم کیمیا' طب' ہیئت' ریاضی اور فلسفہ میں یورپ نے جو کچھ عربوں سے حاصل کیا اس کا احسان وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں دور تاریکی اور ازمنہ وسطیٰ کے قدیم نظریات کا خاتمہ اسلامی تمدن کے اثرات نے کیا۔ اب ہم ان ثمرات کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔

1- مرکزی حکومتوں کا استحکام:

ملکی فوائد کے لحاظ سے فرانس اور اٹلی پر سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ یہاں بڑے بڑے جاگیردار ختم ہو گئے کیونکہ صلیبی جنگوں میں یہاں کے سرداروں اور جاگیرداروں نے اپنی زمینیں فروخت کر دی تھیں' شہروں میں لوکل باڈیز قائم ہوئیں اور جاگیرداری کے ختم ہونے سے بادشاہ یا مرکزی حکومت کی قوت مستحکم ہو گئی اس طرح یہ ملک طوائف الملوکی سے ایک حد تک محفوظ رہ گئے۔

2- انگلستان میں بادشاہت کمزور اور امراء مضبوط:

فرانس اور اٹلی کے برعکس انگلستان (برطانیہ) میں مرکزی حکومت یا شاہی قوت کمزور ہو گئی کیونکہ یہاں سرداروں کے بجائے بادشاہوں نے خود صلیبی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ بادشاہت کے کمزور ہونے پر امراء کی قوت اور بڑھ گئی اور امراء نے آہستہ آہستہ بادشاہ کے اختیارات کو بالکل محدود کر دیا۔ انگلستان کی موجودہ حکومتیں انہی حالات کا نتیجہ ہیں جو انگلستان میں صلیبی جنگوں نے پیدا کر دیئے تھے۔

3- یورپی تجارت پر مثبت اثرات:

اس دو صدی کے باہمی ملاپ نے یورپ کی تجارت پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ جنگی رسد پہنچانے کے لئے بڑے بڑے بحری بیڑے تیار ہوئے۔ اس آمد و رفت نے ایک ہلچل پیدا کر دی۔ جنگوں کے خاتمہ کے بعد تجارت کا سلسلہ یورپ اور ایشیا میں جاری رہا جس نے یورپ کی مادی اور معاشی ترقی کے دروازے کھول دیئے۔

4- صنعت و حرفت کا فروغ:

صلیبی سردار خواہ کتنے ہی جاہل' رذیل اور پست خیال کیوں نہ ہوں لیکن مشرق کی شان و

شوکت اور پُرتکلف زندگی کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے اور تجارتی ذریعہ سے انہیں ان کی تقلید کا موقع ملا چنانچہ بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں مکان' لباس اور ہتھیاروں میں مشرقی نمونوں کی تقلید ہونے لگی۔

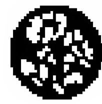
5- فن تعمیر پر اثرات:

صلیبی جنگوں نے یورپ کے فن تعمیر پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ یورپ کی طرز عمارت بھی بالکل بدلنے لگی۔ یورپ کی بارہویں صدی کے بعد کی عمارتوں میں عربی تمدن کا کافی اثر دیکھا جا سکتا ہے۔

6- ادب پر اثرات:

صلیبی جنگوں نے یورپ کے ادب کو بھی متاثر کیا۔ شعراء کے لئے نئے نئے عنوان نکل آئے۔ مصر کی جادوگری اور مشرق کے عجائبات پر نظمیں لکھی گئیں اور گھر گھر سنائی گئیں۔

(تاریخ اسلام از ص 528 تا 540 ملخصا)



خلیفہ مستظہر باللہ

یہ خلیفہ 16 سال کی عمر میں 487ھ میں تخت خلافت پر رونق افروز ہوا' لقب مستظہر باللہ قرار پایا۔ خلیفہ مقتدی کی موت کے بعد تیسرے دن بیعت ہوئی۔ مستظہر نرم خو تھا۔ علمی اعتبار سے ایک فاضل شخص تھا۔ ادب و انشاء کا ذوق رکھتا تھا۔ قوت فیصلہ کا مالک تھا اس کے عہد میں بغداد کا نام قدرے بہتر تھا۔ اس کے عہد خلافت میں خانہ جنگی' باطنیوں کی یورش اور صلیبی جنگوں کی وجہ سے بڑے انقلاب آئے۔ اس خلیفہ کے عہد میں صلیبی جوش کی آندھی چلی اور بڑی بے ڈھب چلی۔

مشرقی رومی ایمپائر کے شہنشاہ کا ایک قاصد پاپائے روم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ فرینک' جرمن اور انگریز وغیرہ مغربی اقوام کو دعوت دے کر صلیب کی امداد پر آمادہ کرے اور ارض مقدس کو دشمن (مسلمانوں) سے چھڑائے۔ پاپائے روم نے درخواست منظور کی۔ تمام یورپ کو صلیب کے نام پر کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ یہ فتویٰ نائب مسیح بگولہ بن کر سارے نصرانیوں میں پھیل گیا پھر تو ارض مقدس پر قبضہ کرنے کے لئے سارا یورپ تیار ہو گیا۔

پوپ اربن دوم نے 488ھ بمطابق 1095ء میں فرانس کے شہر کرموں میں عیسائی دنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا:

''مسلمانوں کا ظلم بہت بڑھ گیا ہے' ان پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جو شخص اپنی صلیب نہ اُٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا وہ میرا پیرو نہیں ہے۔''

(تاریخ یورپ' اے جے گرانٹ' ص 351)

پوپ کی تقریر نے حاضرین میں مجنونانہ کیفیت پیدا کر دی۔ وہ چلا اُٹھے خدا کی مرضی یہی ہے اور سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے۔ مردوں' عورتوں اور بچوں کا ایک انبوہ کثیر پطرس راہب کی قیادت میں روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔

(حوالہ مذکور' ص 355)

یہ عیسائی مجاہدین کا تیرہ لاکھ کا لشکر قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ راہ میں خوب آؤ بھگت ہوئی مگر بلغاریہ والوں نے کرنسی لے کر چیزیں دیں تو یہ مجاہدین بگڑ بیٹھے۔ دیہات لوٹ لئے' عیسائی باشندے قتل کئے اور سینکڑوں کو دریا میں پھینک دیا۔

پھر قسطنطنیہ پہنچے' قیصر الکوس نے ان کے مظالم سے تنگ آ کر انہیں باسفورس پار ایشیائے کوچک روانہ کر دیا۔ پھر تو بلا امتیاز مسلمان و عیسائی سب کو جو راہ میں ملتا قتل کر دیتے۔ بچوں کی تکا بوٹی کر دیتے۔ یہ مظالم دن بدن بڑھ رہے تھے۔ پھر یہ والئی قونیہ امیر قلیج ارسلان سلجوقی کے علاقے میں داخل ہوئے اس نے ان کی بربریت کا پورا پورا انتقام لیا اور جانوروں کی طرح ان کا قتل عام کیا اور قریب قریب پوری صلیبیوں کی فوج تباہ و برباد ہو گئی۔ (تمدن عرب' ص 296)

ادھر یورپ کی حکومتوں نے نئی فوجیں تیار کیں اور اپنے اعزہ و اقارب کی قیادت میں ان کو

روانہ کیا۔ شمالی فرانس کی فوجیں فلپ اوّل کے بھائی ہیگو آف وہنڈ وا سٹفن کی قیادت میں تھیں' جنوبی فرانس کی ریمنڈ کاؤنٹ ٹولوز کی' نارمنوں شاہ انگلینڈ کے بھائی رابرٹ کی' رائن کے جرمنوں اور فرانسیسیوں کی گارڈ فری ریکس بویلون کی اور جنوبی اٹلی وسسلی کی بوہنڈ اور ٹنکر کی سرکردگی میں روانہ ہوئیں۔

ان فوجیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔ 490ھ بمطابق 1097ء میں تمام افواج گاڈ فرے کی سرکردگی میں آگئیں اور انہوں نے باسفورس کو عبور کر کے قونیہ کا محاصرہ کر لیا۔

امیر قلیج سلجوقی نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ (ابن اثیر' ج 10' ص 95)

قونیہ کے بعد صلیبی افواج شام کی طرف بڑھیں اور انطاکیہ کو گھیر لیا اور قلعے پر قابض ہو کر پوری مسلمان آبادی کو تہ تیغ کیا۔ پھر یہ فوج شمالی شام کی طرف بڑھی اور معرالنعمان کو فتح کیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل کئے' اسی قدر گرفتار کئے۔ پھر غرقہ کا محاصرہ کیا۔ والئی شیراز امیر منقذ نے صلح کر لی۔ پھر یہ حمص پہنچے' یہاں کے والی نے بھی صلح کر لی۔ پھر اس جم غفیر کا رخ ''عطا'' کی طرف ہوا مگر وہاں سے منہ کی کھائی۔ (ابن اثیر' ج 10' ص 98)

پھر اس نے بیت المقدس کا رُخ کیا۔ صلیبی جنگ کے آغاز میں سلجوقی بیت المقدس کے نگران تھے' پھر فاطمیوں نے قبضہ کر لیا۔ صلیبیوں کے وقت فاطمی ہی نگران تھے۔

فتح بیت المقدس:

رجب 492ھ بمطابق 1099ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے سیلاب کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ بیالیس دن محاصرہ کے بعد شعبان 492ھ میں صلیبیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا۔ کئی ہفتوں تک قتل عام ہوتا رہا' صرف مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ مسجد کا تمام طلائی ونقرئی بیش قیمت سامان لوٹ لیا غرضیکہ بیت المقدس مسلمانوں کے آغوش سے نکل کر صلیب کے دامن میں چلا گیا۔

بیت المقدس کے قبضہ کے بعد آس پاس کے تمام شہروں صور' عکہ' رملہ اور یافہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ گاڈ فرے نے اپنے آپ کو ''محافظ قبر مسیح'' کا لقب دیا۔ انطاکیہ' بوہمنڈ کو ملا' بوڈوین کے حصہ میں آیا' شام ریمنڈ کو دیا گیا اس طرح شام کے چار حصے ہو کر چار عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں۔

خلافت عباسیہ کی کمزوری' امرائے سلاجقہ کی باہمی آویزشوں اور امرائے اسلام کی ذاتی اغراض کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

غرضیکہ ان عیسائی درندوں نے تمام مسلم آبادی کو تہ تیغ کیا اور مال ومتاع کو لوٹ لیا اور کتب خانوں کو جلا دیا۔ تھوڑے سے عرصے میں اس وحشت اور سفاکی سے سارا شام ویران ہو گیا۔

(خطط الشام کرد علی' ج 1' ص 253)

شام کے علاقے پر نصرانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان محمد سلجوقی نے ادھر کوئی توجہ نہ کی۔ وہ بغداد پر قبضہ وتصرف چاہتا تھا چنانچہ اس نے 498ھ میں بغداد کی طرف کوچ کیا۔ قطب الدولہ اور سیف

الدولہ وغیرہ ان کے ہمراہ تھے۔ امیر ایاز اور وزیر ابوالحسن سلطان محمد کی خدمت میں پیش ہوئے۔ مسجد میں سلطان محمد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ خلیفہ نے بے بسی کی حالت میں سلطان محمد کا استقبال کیا چنانچہ سلطان محمد نے عنان حکومت بغداد سنبھال لی۔ عدل و انصاف سے کام لینے لگا۔ ٹیکس موقوف کر دیئے لشکریوں کو ظلم و ستم سے روک دیا اور انہیں بازاروں میں جانے سے منع کر دیا۔

(تاریخ کامل لابن اثیر ج 10، ص 151)

مگر ملک کا صحیح انتظام نہ چلا سکا البتہ محمد نے 12 سال تک حکومت کی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا محمود ہوا۔

مستظہر کے عہد میں عبیدیوں نے بھی بغاوت کی۔ حلب، انطاکیہ، معرہ اور شیراز میں ایک ماہ تک عبیدیوں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ فرنگیوں نے اسلامی علاقے انیقیہ پر قبضہ کر لیا اور باطنیوں کو اصفہان کے علاقے میں فروغ حاصل ہوا۔ مقتدی نے ہر ممکن کوشش کی کہ اہل بغداد کو گزند نہ پہنچے اس سلسلے میں سلجوقی حکمرانوں اور ان کے نائبوں کے احکام کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ (حول الاسلام ذہبی، ج 2، ص 27)

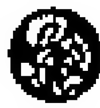
حادثات:

اس کے عہد میں تین بادشاہوں تاج الملک تتش، سلطان برکیارق اور سلطان محمد کے نام کے خطبے پڑھے گئے۔ (تاریخ الخلفاء، ص 226)

اور اس کے عہد میں تین بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے مشرق میں فرقہ باطنیہ نے بے حد مظالم ڈھائے، سلجوقیوں کی باہمی خانہ جنگی اور صلیبیوں کی وجہ سے ملک آتش جنگ بنا ہوا تھا۔

مستظہر کی وفات:

مستظہر نے 15 ربیع الاوّل 512ھ میں 41 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی مدت خلافت 25 سال تھی۔



خلیفہ مسترشد باللہ

مستظہر نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے مسترشد کو ولی عہد مقرر کیا تھا چنانچہ مستظہر کی وفات کے بعد ربیع الآخر 512ھ میں مسترشد باللہ تخت پر متمکن ہوا۔

مسترشد نے اپنے ہوش و حواس سے کام لے کر خلافت بنی عباس میں نئے سرے سے جان ڈالنے کی کوشش کی۔ اس میں حکمرانی کا مادہ تھا۔ یہ شجاع اور تدبیر و سیاست سے بہرہ ور تھا اس نے بھی اپنے والد کی طرح دور زوال میں اپنی خلافت کا وقار قائم رکھا۔ اس کے عہد میں بہت سے تغیرات رونما ہوئے۔

مسترشد جب خلیفہ ہوا تو عباسی خاندان کے تمام افراد نے اس کی بیعت کر لی مگر اس کے بھائی ابوالحسن نے بیعت نہ کی۔ بعد میں اس نے واسط پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ نے اس کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی۔ ابوالحسن کو شکست ہوئی چنانچہ اس نے واسط کا علاقہ چھوڑ دیا۔ مسترشد کے عہد حکومت میں ہی موصل میں اتابکیہ حکومت قائم ہوئی۔ مغرب میں دولت موحدیہ نے جنم لیا۔

جب سلطان محمود اور سنجر سلجوقیوں میں باہم نزاع پیدا ہوا تو خلیفہ نے بحکمت اپنی قوت بحالی اور مخالفین سے برسرپیکار ہوا اور سلطان محمود سلجوقی کے نائب کو بغداد سے نکال دیا۔ سلطان محمود بغداد آیا مگر اپنا پہلو کمزور دیکھ کر صلح پر آمادہ ہوا۔ سلطان محمود بغداد میں داخل ہوا تو خلیفہ نے اسے خلعت پہنائی اور عربی گھوڑے دیئے۔ 225ھ میں سلطان محمود نے وفات پائی۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کے بیٹے مسعود کو خلعت پہنائی اور سلطنت کی نیابت عطا کی۔ چند روز بعد خلیفہ کی مسعود سے بگڑ گئی' وہ لڑائی کے لئے نکلا۔ خلیفہ اور مسعود کی فوجوں میں خوب جدال و قتال ہوا لیکن خلیفہ کے لشکر نے نمک حرامی کی لہٰذا خلیفہ کو شکست ہوگئی۔

خلیفہ کی نظر بندی:

خلیفہ کو اپنے خواص کے ساتھ ہمدان کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ جب اہل بغداد کو خلیفہ کی نظر بندی کا علم ہوا تو لوگ اپنے سروں پر خاک ڈالتے اور شور و غوغا کرتے ہوئے بازاروں میں نکل آئے۔ عورتیں سر کے بال کھولے خلیفہ کے لئے بین کر رہی تھیں۔ بغداد میں نماز اور خطبہ بند ہو چکا تھا۔ اس روز بغداد میں زلزلہ آیا اور کئی روز تک رہا' سلطان سنجر کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے بھتیجے مسعود کو خط لکھا کہ تم خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین چوم کر معافی مانگو اور اپنے گناہ کا اظہار کرو کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ قہر الٰہی ہے اور مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔ جب مسجدوں میں نماز و خطبہ بند ہے تو عذاب الٰہی کا آنا یقینی ہے۔ اس کی جلد تلافی کرو۔ خلیفہ کو عزت و احترام کے ساتھ بغداد پہنچاؤ جیسا کہ ہمارے آباء کی عادت تھی۔

ملک مسعود نے سلطان سنجر کی حرف بحرف تعمیل کی' سلطان سنجر کی فوج آئی اس میں چند باطنی بھی تھے۔ خلیفہ خیمے میں رونق افروز تھے کہ باطنی موقع پا کر گھس گئے اور انہیں مع خواص قتل کر دیا۔

سلطان مسعود کو اس واقعہ کا بڑا دکھ ہوا۔ اس نے باقاعدہ سوگ منایا۔ اس خبر نے بغداد میں حشر بپا کر دیا۔ لوگ سر و پا برہنہ کپڑے پھاڑتے ہوئے گھروں سے نکل آئے۔ خلیفہ سے اہل بغداد کو دلی ہمدردی تھی کیونکہ خلیفہ کی شجاعت اور عدل و انصاف نے ہر شخص کو گرویدہ بنالیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص 299)

گرفتاری کے وقت صلح کی شرائط:

خلیفہ کی فوج کے میسرہ حصہ نے عین وقت پر بغاوت کر دی اور وہ حصہ سلطان مسعود سے مل گیا اس طرح مسترشد کو شکست ہوئی چنانچہ مسترشد کو گرفتار کیا گیا' بعد میں صلح کی شرائط طے کی گئیں کہ اوّل مسترشد' سلطان مسعود کو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا کرے گا' دوم فوجیں جمع نہ کرے گا' سوم قصر خلافت سے باہر نہ نکلے گا۔ مسترشد کو مجبوراً یہ شرائط ماننا پڑیں۔

مگر روانگی کے وقت باطنیوں کی ایک جماعت اس کے خیمے میں گھس آئی اور اسے قتل کر دیا۔

قتل کے وقت مسترشد کی عمر 43 سال اور مدت خلافت سترہ سال چھ ماہ تھی۔ 16 ذیقعدہ 529ھ کو مسترشد کو قتل کیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص 301)



خلیفہ راشد باللہ

مسترشد نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے راشد کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا اور اس کی بیعت بھی کر لی تھی چنانچہ مسترشد کے قتل کے بعد ذیقعدہ 529ھ میں بیس سال کی عمر میں راشد باللہ خلیفہ بنا۔

راشد باللہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اس کی اور سلطان مسعود کی چپقلش شروع ہو گئی۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ سلطان مسعود اور مسترشد کے درمیان جو شرائط صلح طے پائی تھیں' راشد باللہ کو بھی ان کا پابند بنایا گیا۔ اس صلح نامے کی رُو سے خلافت بغداد کے ذمے جو سالانہ رقم واجب الادا تھی 530ھ میں سلطان مسعود نے اس کی وصولی کے لئے برتقش زکوئی کو بھیجا اور یہ رقم چار لاکھ بنتی تھی۔

(ابن خلدون' ج 9' ص 123)

خلیفہ راشد نے جواب دیا کہ جو کچھ مال و اسباب تھا' والد محترم کی گرفتاری کے ساتھ وہ سب کچھ لٹ گیا ہے لہٰذا یہ رقم نہ دی جا سکی۔

برتقش یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ برتقش نے خزانے کی تلاشی لینا چاہی تو راشد نے مزاحمت کی اور خلیفہ نے اس کے ساتھ جنگ کا پروگرام بنا لیا۔ فوجیں فراہم کر لیں' شہر پناہ کی مرمت کی گئی۔ برتقش نے جب یہ رنگ دیکھا تو قصر خلافت پر حملہ کر دیا۔ عوام اور خلیفہ کے لشکر نے مقابلہ کیا' گھمسان کی جنگ کے بعد برتقش کا لشکر بھاگ نکلا۔ برتقش نے ناکامی کے بعد خراسان کا راستہ لیا۔ بغداد کا امیر بھی چلتا بنا' عوام اور لشکریوں نے سلطان مسعود کا محل لوٹ لیا۔

(ابن خلدون' ج 9' ص 123)

ملک داؤد بن سلطان محمود مع لشکر آذربائیجان سے 530ھ میں آیا اور محل سرائے سلطان میں مقیم ہوا۔ اس دوران موصل سے عمادالدین زنگی' والئی قزوین برتقش بازدار' والئی اصفہان نفس بکیر' والئی حلہ صدقہ بن دبیس' ابن برسق اور احمد یلی بھی خلیفہ کے حضور آ پہنچے۔

ملک داؤد نے برتقش بازدار کو بغداد کا امیر بنایا۔ خلیفہ راشد نے ناصح الدولہ ابوعبداللہ حسن' استادار اور جمال الدین اقبال کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ (ابن خلدون' ج 9' ص 124)

یہ صورت حال دیکھ کر سلطان مسعود نے پہلے خلیفہ کی خوشامد کی پھر بغداد پر حملے کے ارادے سے چل کھڑا ہوا۔ جن امراء نے خلیفہ کا ساتھ دیا تھا' وہ یہ رنگ دیکھ کر یکے بعد دیگرے کھسکنے لگے حتیٰ کہ امراء میں سے خلیفہ کا سب سے بڑا معاون والئی موصل عمادالدین زنگی بھی بغداد سے نکلنے لگا۔ راشد نے امراء کا یہ رنگ دیکھا تو وہ بھی عمادالدین زنگی کے ساتھ موصل چلے گئے۔

(ابن خلدون' ج 9' ص 125)

راشد کی معزولی:

سلطان مسعود کے لئے میدان بالکل صاف تھا۔ اس نے بغداد میں داخل ہو کر تمام فقہاء اور قضاۃ کو جمع کیا اور ان کے سامنے راشد کا وہ دستخطی عہدنامہ پیش کیا جس میں لکھا تھا:

"میں اگر فوج جمع کروں یا بغاوت کروں یا سلطان کے کسی ساتھی کا مقابلہ کروں تو میں خود بخود معزول ہو جاؤں گا۔"

اس عہد نامہ کو پڑھنے کے بعد قاضی شہر ابن الکرخی نے تمام فقہاء و قضاۃ کی تائید سے اس کی معزولی کا متفقہ فتویٰ صادر کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 303)

لہٰذا گیارہ ماہ اٹھارہ دن کے بعد راشد کے عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح مستظہر اور مسترشد نے اپنے ادوار میں خلافت کا جو وقار بحال کیا تھا وہ اس عہد میں ختم ہو گیا اور سلجوقیوں کو وہی اقتدار حاصل ہو گیا۔

راشد کا قتل:

راشد کو خلافت سے اپنی علیحدگی کی خبر لگی تو وہ موصل سے ایک بڑی فوج کے ساتھ آذربائیجان کی طرف گیا اس نے فوج کو بہت کچھ مال و دولت سے نوازا۔ وہ کٹ مرنے کو تیار ہو گئی اور آذربائیجان کے اطراف میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ پھر ہمدان کی طرف رُخ کیا۔ وہاں بھی یہی اودھم مچایا۔ ان کے ہاتھوں بہت سے باشندے قتل ہوئے' سولی چڑھائے گئے اور فوجیوں کے ہاتھوں علماء کی تذلیل ہوئی۔ راشد نے اصفہان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا لیکن اس اثناء میں راشد بیمار پڑ گیا۔ 19 رمضان المبارک 532ھ کو اس کے عجمی غلاموں نے آ گھیرا اور چھریوں سے چھید ڈالا۔ بغداد میں خبر پہنچی' صف ماتم بچھی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 331)

شہرستان میں اصفہان کے باہر دفن کیا گیا۔ (ابن خلدون' ج 9' ص 130)

زنگی خاندان کی سلطنت:

ملک شاہ سلجوقی کا غلام آق سنقر نامور سپہ سالار تھا۔ یہ برکیارق سلجوقی کے زمانے میں تتش ارسلان کے مقابلہ میں حلب کے قریب مارا گیا۔ اس کے بیٹے عماد الدین کو برکیارق نے اولاد کی طرح پالا' اپنے پاس رکھا اور شاہانہ انداز سے تعلیم و تربیت دلائی۔ عماد الدین اپنے باپ سے زیادہ صاحب عزت ہوا۔ سلطان محمود سلجوقی نے اسے 521ھ میں موصل کی ولایت پر بھیجا۔ اس نے یہاں حکمرانی قائم کر کے حمص کا قصد کیا پھر حمص پر قبضہ کر لیا۔ دمشق پر کئی بار لشکر کشی کی مگر ناکام رہا۔ 533ھ میں بعلبک پر قبضہ کیا' پھر 534ھ میں شہر زور پر قبضہ کیا۔ پھر اس نے قلعہ جعبر کا محاصرہ کیا' اثناء محاصرہ ہی میں ممالیک کی ایک جماعت نے اسے قتل کر دیا۔ اس نے 60 سال عمر پائی۔

(دائرۃ المعارف بستانی' ج 11' ص 440- اعلام النبلاء تاریخ حلب الشہباء از ہاشم طباخ حلبی ج 12' ص 484)

عماد الدین نے ہی نجم الدین ایوب (جس کا سلسلہ نسب راوادی کردوں سے ملتا ہے) کو بعلبک کا عامل مقرر کیا۔ نجم الدین کا بھائی شیرکوہ مصر کا وزیر تھا اور نجم الدین ایوب کا بیٹا سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔

عمادالدین نے 521ھ میں موصل میں حکومت قائم کی۔ اس کے بعد سیف الدین غازی بن عمادالدین پھر قطب الدین داؤد بن عمادالدین 616ھ' نصیرالدین بن محمود بن مسعود 631ھ' بدرالدین لولو غلام 657ھ' اسماعیل بن لولو 660ھ اس کے عہد میں تاتاری اس پر قابض ہوئے۔ حلب کے حکمران نورالدین محمود بن عمادالدین 541ھ' اسماعیل اس سے سلطان صلاح الدین نے حلب لے لیا۔

سنجار کے حکمران:

قطب الدین مودود کا بیٹا سیف الدین موصل کا حکمران تھا اس کے بھائی عمادالدین قطب الدین مودود نے سنجار پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین ثانی 616ھ میں ہوا جس سے سلطان صلاح الدین نے حکومت لے لی۔ جزیرہ میں عزیز الدین کے بھائی سنجر نے 576ھ میں حکمرانی قائم کی۔ معز الدین محمود بن سنجر شاہ 648ھ' مسعود بن محمود 648ھ میں' یہ حکومت بھی بنی ایوبی ممالک سے منسلک ہو گئی۔

عمادالدین کے تین بیٹے تھے نورالدین' سیف الدین اور قطب الدین۔ عمادالدین کے قتل کے وقت نورالدین محمود موجود نہ تھا اس نے اپنے باپ کی انگوٹھی لے لی اور جا کر حلب پر قابض ہوا۔ اس کے بھائی سیف الدین نے شہر زور پر پہلے سے ہی قبضہ کیا ہوا تھا' باپ کے بعد اس نے موصل پر بھی قبضہ کر لیا اور 541ھ میں وفات پائی۔ اس کا بھائی قطب الدین اس کا جانشین ہوا۔ نورالدین اور قطب الدین میں یہ طے ہو گیا کہ بلاد روم پر نورالدین کا اور بلاد جزیرہ پر قطب الدین کا اقتدار ہے۔

(تاریخ ملت' ج 2' ص 192)



خلیفہ مقتضی لامر اللہ

راشد کی معزولی کے بعد سلطان مسعود دربار خلافت میں حاضر ہوا اور وزیر سلطنت اور مخزن کی موجودگی میں محل سرائے شاہی سے راشد کے چچا ابوعبداللہ الملقب بہ مقتضی لامر اللہ کو بلایا اور سریر خلافت پر متمکن کیا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 304)

سلطان مسعود اور جدید خلیفہ نے مراسم اتحاد قائم رکھنے کی قسم کھائی۔ یہ 12 ذوالحج 530ھ کا واقعہ ہے۔ پھر سلطان نے بیعت کی اور تمام اراکین نے بیعت کی۔

مقتفی نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے حسن تدبیر اور عدل و انصاف سے کام لے کر پورے بغداد کو مکمل طور پر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ سلطان مسعود نے یہ خباثت کی کہ محل سرائے سے گھر کے مال سمیت جملہ سامان قبضہ میں لے کر اپنے مستقر کو چلتا بنا مگر سلطان سنجر اور سلطان مسعود کے مابین چپقلشیں ہونے لگیں۔ ان کے ساتھی امراء ان سے کٹ گئے۔ سلجوقی حکومت نرغے میں پھنس گئی۔ خلیفہ مقتفی نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے اثر کو کام میں لایا جس سے خلافت کی حرمت بڑھ گئی اور دولت عباسیہ نے پھر نئے سرے سے اقتدار حاصل کیا۔

سلطان مسعود 541ھ میں بغداد آیا اور ایک ٹکسال بنائی۔ خلیفہ نے سکے بنانے والے کو گرفتار کرا لیا۔ سلطان نے حاجب کو قید کر لیا' اس پر خلیفہ بگڑ گیا۔ تین دن تک مساجد بند رہیں۔ تمام رعایا سلطان مسعود سے بگڑ گئی اس پر سلطان گھبرا گیا اور حاجب کو رہا کر دیا۔

فرنگیوں کا حملہ:

543ھ میں فرنگیوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ والئی حلب نورالدین زنگی نے ان کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ 547ھ میں سلطان مسعود مر گیا تو باتفاق لشکر ملک شاہ سلطان بنا۔ خاص بیگ نے اس پر خروج کر کے اسے گرفتار کر لیا اور اس کے بھائی محمد کو خوزستان سے بلا کر سلطنت اس کے سپرد کر دی۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی سے خلیفہ کو آزادی کا موقع ہاتھ لگا چنانچہ اب خلیفہ مطلق العنان حکمران تھا۔

تو اس طرح مقتفی نے اپنی سیاست' بہادری' جرأت اور علم و فضل سے سلجوقیوں کا اقتدار قریبا ختم کر دیا۔ اس نے سلطان مسعود کو حد سے بڑھنے نہ دیا' یہ خود لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا۔ اس کی خبر رسانی کا شعبہ بہت تیز تھا۔ اس نے اپنے کئی مخالفین پر فوج کشی کر کے فتح حاصل کی مگر اس کا اقتدار بھی بغداد تک محدود رہا۔ اس عہد میں بھی کوئی خاص کام یا کوئی اصلاحات نہیں ہوئیں۔

مقتفی کی وفات:

مقتفی چالیس سال کی عمر میں خلافت پر بیٹھا تھا اور چوبیس سال تین ماہ خلافت سنبھالنے کے بعد چھیاسٹھ سال کی عمر میں 2 ربیع الاوّل 555ھ میں وفات پا گیا۔

دولت غوری خاندان:

ہرات اور غزنی کے درمیان والا علاقہ غوریہ کہلاتا ہے۔ 543ھ میں یہاں آل سام آئے ان کے سردار قطب الدین محمد بن حسین غور نے اس علاقہ پر مالکانہ قبضہ کیا۔ قطب الدین نے اس طرف اپنا اقتدار جما کر والئی غزنی بہرام شاہ مسعود بن ابراہیم سے رشتہ قائم کیا مگر بہرام شاہ اس کی عظمت سے گھبرا گیا اور اسے قتل کرا دیا۔ آل سام نے اس کے بھائی سیف الدین کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور قصاص میں بہرام شاہ پر چڑھائی کر دی۔ بہرام مقابلہ نہ کر سکا اور ہندوستان چلتا بنا۔ سیف الدین نے میدان خالی پا کر غزنی پر قبضہ کر لیا۔ بہرام ہندوستان سے ایک لشکر کثیر لے کر غزنی لوٹا اور سیف الدین کو معرکہ میں گرفتار کر کے سولی دے دی اور پھر غزنی پر حکمرانی کرنے لگا۔

قبیلہ غور نے اپنا سردار علاء الدین حسین کو بنا لیا اور اس کا لقب جہاں سوز رکھا۔ اس نے 550ھ میں غزنی پر چڑھائی کر دی اور بہرام شاہ کو بے دخل کر کے اپنے بھائی سیف الدین محمد کو غزنی کا والی مقرر کیا۔ 556ھ میں علاؤ الدین انتقال کر گیا تو اس کا بھائی غیاث الدین محمد بن بہاء الدین سام بن حسن غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ غیاث الدین کا بھائی شہاب الدین غوری تھا اس نے غزنی سے لے کر ہندوستان تک آل سبکتگین کے تمام مقبوضات پر تسلط حاصل کر لیا۔ شہاب الدین کے ہاتھوں 21 سال کے بعد 582ھ میں غزنوی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

شہاب الدین نے مہاراجہ پرتھی رائے کو شکست دے کر دہلی فتح کیا اور 587ھ میں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کے بعد اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا جانشین کر کے غور واپس ہوا لیکن راہ میں انتقال کر گیا۔

قطب الدین ایبک کے خاندان میں دہلی کی سلطنت 602ھ سے لے کر 689ھ تک رہی۔ شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود جلیل القدر شاہان دہلی تھے۔ معز الدین کیقباد پر اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔
(تاریخ ملت، ج 2، ص 199)

خلیفہ مستنجد باللہ

مقتفی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یوسف کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا چنانچہ یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ مقتفی کی وفات کے دن 2 ربیع الاوّل 555ھ کو 45 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔

مستنجد کو اپنے عہد میں سلجوقیوں کی طرف سے کوئی پریشانی نہ ہوئی کیونکہ اوّل تو مقتفی نے خلافت بغداد سے ان کی مداخلت ختم کر دی تھی' دوسرے یہ کہ سلجوقیوں کا یہ دور زوال تھا لہٰذا مستنجد کو اس دور میں ان کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت کا اندیشہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود یہ عہد بھی دوسرے خلفاء کی طرح فتوحات اور کارناموں سے خالی ہے۔ بعض بغاوتیں بھی رونما ہوئیں۔ عراق میں آباد قبیلہ خفاجہ نے شورش بپا کر دی مگر بعد میں مستنجد کی اطاعت قبول کر لی۔ قبیلہ بنی سعد بھی عراق میں آباد تھا' یہ بھی فتنہ وفساد کی آگ لگاتا رہتا تھا۔ 558ھ میں ان کا محاصرہ کر کے ان سے ہتھیار رکھوا لئے گئے اور اس کو عراق سے نکال دیا گیا۔

مستنجد کے وزیر ابوجعفر بلدی' امیر عضدالدین' ابوالفرج اور قطب الدین کے درمیان مخالفت تھی' مستنجد ابوجعفر کی حمایت کرتا تھا اس نے ابوجعفر کو حکم دیا کہ امیر عضدالدین اور امیر قطب الدین کو گرفتار کر لیا جائے۔ ان دونوں کو اس بات کی خبر ہو گئی۔ اتفاق سے ان دنوں مستنجد بیمار ہو گیا' ان دونوں امیروں نے شاہی طبیب سے سازباز کر لی۔ اس نے ان لوگوں کی سازش سے خلیفہ کی موت کی یہ تدبیر نکالی کہ خلیفہ کو حمام میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا۔ خلیفہ کا دم گھٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ مر گیا۔ یہ واقعہ 9 ربیع الآخر 566ھ کا ہے۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 135)

جس وقت خلیفہ کی ہولناک موت کی خبر مشہور ہوئی' وزیر سلطنت اور امراء لشکر کل فوجیں صلح کر کے محل سرائے خلافت کے دروازے پر جمع ہو گئیں تو عضدالدین نے یہ رنگ دیکھ کر بلند آواز سے کہا: امیر المومنین کو غش آ گیا تھا' اب افاقہ ہے اور خلیفہ کے بیٹے ابو محمد حسن کو بلا کر بیعت خلافت کر لی۔ (ابن خلدون' ج 9' ص 161)

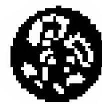
مستنجد نے دس سال خلافت کی اور چھپن برس کی عمر میں وفات پائی۔

واقعات سلطان نورالدین:

سلطان نورالدین کو مقتفی کے زمانہ میں مصر لینے کی تمنا تھی چنانچہ اس نے والئ مصر بنوفاطمی عاضد الدین کے وزیر شاور کی استدعا پر 562ھ میں امیر اسدالدین شیرکوہ کو دو ہزار سوار ہمراہ کر کے مصر کی طرف روانہ کیا۔ شیرکوہ جزیرہ میں اُترا' پھر مصر کا دو ماہ تک محاصرہ کیا۔ والئ مصر بنوفاطمی نے فرنگیوں سے امداد طلب کی' وہ تو پہلے ہی مصر لینے کے درپے تھے چنانچہ والئ مصر عاضدالدین کی معاونت کے لئے دمیاط سے فرنگی آئے مگر امیر اسدالدین شیرکوہ نے صعید کا رُخ کیا اور وہاں مصریوں سے مقابلہ کیا۔ دشمن پر فتح پائی۔ ہزاروں فرنگی مارے گئے۔ امیر اسدالدین نے صعید پر قبضہ کر کے اہل شہر کا خراج معاف کر دیا۔

فرنگیوں نے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اس پر امیر اسدالدین کا بھتیجا امیر صلاح الدین یوسف بن ایوب قابض ہو چکا تھا۔ فرنگیوں نے برابر چار ماہ اسکندریہ کو محصور رکھا' آخر امیر اسد الدین اس طرف بڑھا' فرنگیوں سے مقابلہ ہوا وہ شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ پھر امیر اسدالدین شام لوٹ آیا۔ 564ھ میں فرنگیوں نے ایک عظیم لشکر لے کر جس میں مغربی ممالک کے ہزاروں صلیبی جنگجو بھی تھے' دیار مصر پر حملہ کیا اور ابلبیس پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد قاہرہ کو محصور کیا۔

وزیر مصر شاور نے صلیبیوں کے خوف سے خود فسطاس میں آگ لگا دی' مجبوراً عاضد الدین اللہ نے سلطان نور الدین زنگی سے معاونت کے لئے استدعا کی چنانچہ اسدالدین اپنی فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ فرنگیوں کو اس کی آمد کی خبر لگی تو وہ بھاگ گئے۔ وزیر شاور نے عاضد الدین سے جو وعدے کیے تھے' ان سے منحرف ہو گیا تو عاضد نے اسے قتل کرا دیا۔ عاضد الدین نے اسد الدین کو وزارت پر سرفراز کیا اور خلعت عطا کی۔ اسدالدین شیر کوہ مرتے وقت 565ھ تک وزیر مصر رہا' اس کے بعد اس کے برادر زادہ صلاح الدین یوسف کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا اور ملک ناصر کا خطاب دیا۔ صلاح الدین اس کے وقت تک وزارت کے عہدے پر قائم رہا۔ صلاح الدین کے حسن اخلاق اور حسن انتظام نے مصریوں کو بالکل گرویدہ بنا لیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ص 235)



خلیفہ مستضی بامر اللہ

مستنجد کے انتقال کے بعد امیر عضد الدین نے اپنے لئے وزارت اور اپنے بیٹے کے لئے استاد دار[illegible] قطب الدین کے لئے سپہ سالاری کا عہدہ طے کر کے مستنجد کے بیٹے ابو محمد حسن کو مستضی بامر اللہ کا لقب دے کر ربیع الثانی 566ھ میں خلیفہ بنایا۔ اس وقت اس کی عمر 33 سال تھی اور اسے مجبور کیا کہ ابو[illegible] کو معزول کر دے چنانچہ اس نے معزول کر دیا۔

مصر میں امیر صلاح الدین یوسف نے جامع مسجد مصر عبادت گزاروں اور زاہدوں کے لئے کھول دی ورنہ یہ عہد فاطمی میں بند پڑی تھی اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور سلطان نورالدین زنگی کو اس کی اطلاع کی۔ سلطان نے شہاب الدین کو یہ خوشخبری دے کر خلیفہ کے پاس بھیجا اور کاتب کو تمام ممالک میں بھیجنے کے لئے ایک تہنیت نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ کاتب نے اسے اس طرح لکھا کہ ''خدائے واحد' حق کے بلند کرنے والے اور باطل کو نابود کرنے والے کا احسان ہے.....'' اور آگے لکھا کہ ''ان شہروں میں کوئی منبر ایسا نہیں رہا جس پر مولانا امام مستضی بامر اللہ امیر المومنین کا خطبہ نہ پڑھا گیا ہو۔''

جب یہ تہنیت نامہ خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا تو خلیفہ معظم نے سلطان نورالدین زنگی کو خلعت و تشریفات' امیر صلاح الدین یوسف کو علم عباسیہ اور حکومت کا فرمان اور خطیبوں کو انعام اور کاتب عماد کو ایک سو دینار اور خلعت عطا فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء' ص 326)

بغداد میں اس خبر سے خوشی کی عام لہر دوڑ گئی۔ بازار سجائے گئے اور چراغاں کیا گیا۔
(ابن خلدون' ج 9' ص 164)

سند حکومت:

نورالدین محمود زنگی نے قاضی کمال الدین شہر زوری کو دربار خلافت میں خلیفہ سے یہ استدعا کرنے کے لئے بھیجا کہ مصر' شام' جزیرہ اور موصل جو اس کے قبضہ و تصرف میں تھے اور دیار بکر' غلاط' بلاد روم' قیح اور ارسلان جو اس کے مطیع تھے' ان کی سند حکومت عطا ہو اور داب ہارون اور بلاد سواد عراق کو بطور جاگیر طلب کیا جیسا کہ اس کے باپ کو شاہی عطیہ تھا' خلیفہ نے نورالدین کے سفیر کو ہم کلامی سے عزت بخشی اور بطیب خاطر نورالدین کی درخواستیں منظور کر لیں۔

دولت فاطمیہ کا اختتام اور دولت ایوبیہ کا ظہور:

مستضی کے عہد کا بڑا واقعہ دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہے۔ آخری فاطمی خلیفہ عاضد باللہ کے سارے نظم و نسق کی باگ امیر صلاح الدین کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ عاضد بالکل بے دست و پا ہو چکا تھا۔ اس نے 567ھ میں انتقال کیا چنانچہ 272 سال کی باعظمت سلطنت کا اس کے دم کے ساتھ خاتمہ ہو گیا اور دولت ایوبیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ پھر صلاح الدین نے مصر کو چھوڑ کر یمن کا رخ کیا اور اسے

بقوت زیرنگین کرلیا کیونکہ اب صلاح الدین سے مصر واپس لئے جانے کا خدشہ تھا' یعنی مصر میں مادی اقتدار تو صلاح الدین کا قائم ہوگیا مگر خلیفہ مستضئی اور نورالدین کی حکمرانی کے اثرات غالب تھے۔

569ھ میں نورالدین محمود زنگی 55 سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا اسماعیل ملک الصالح گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ شام کے لوگوں نے صلاح الدین کو تخت نشین کیا۔ جب سیف الدین زنگی نے بھائی کے مرنے کی خبر سنی تو اس نے نصیبین' خابور' حران وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ اسی دوران میں صلاح الدین نے شام پر حملہ کر دیا اور 570ھ میں اسے زیرنگیں کرلیا۔ اس کے بعد حمص' حما' بعلبک کو فتح کیا اور حلب ملک صالح کو دے دیا۔

مستضئی کے زمانے میں عباسی خلافت کی کوئی خاص تاریخ نہیں بس سب سے بڑا انقلاب یہ آیا کہ تقریباً تین سو سال بعد مصر سے فاطمی حکومت ختم ہوگئی اور اس کی جگہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت قائم ہوگئی۔ سلطان کے حکم سے خطبے میں فاطمیوں کی بجائے عباسی خلیفہ کا نام لیا جانے لگا۔ مصر میں اس نام کے سکے بھی ڈھالے گئے۔

مستضئی بذات خود نیک خلیفہ تھا' اس نے رعایا کا خیال رکھا۔ بنوہاشم' علویوں' علماء' مدارس اور خانقاہوں پر بہت پیسے خرچ کئے۔

مستضئی نے 2 ذیقعد 575ھ میں وفات پائی۔ اس وقت اس کی عمر 39 سال تھی۔ اس کی مدت خلافت 9 سال 7 مہینے تھی۔

سلطان نورالدین زنگی کی سیرت:

مجاہد اعظم سلطان نورالدین زنگی صرف حلب کا حکمران تھا لیکن صلیبی جنگ میں اس کی شجاعت و بسالت نے فرنگیوں کو مرعوب کر دیا تھا۔ آخر میں اس کی سلطنت اس قدر وسیع ہوگئی تھی کہ شام' مصر' یمن اور حرمین شریفین میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین کا آقا تھا۔ خلفاء اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد مسلمانوں میں اس سے بہتر کوئی حکمران نہیں ہوا۔ نورالدین بڑا عادل' زاہد اور عابد و متقی تھا۔ شریعت مطہرہ کے قیام و نفاذ میں بڑا انہاک رکھتا تھا۔ اسی کے دور میں رسول اکرم ﷺ کے جسد اطہر کو سرنگ بنا کر نکالنے کا پروگرام بنایا گیا تھا تو اس کو مسلسل تین راتوں میں رسول اکرم ﷺ نے اشارہ کیا کہ مجھے ان دو شخصوں سے بچاؤ تو اس نے مدینہ کے تمام شہریوں کو کہا مجھ سے آکر ملو۔ جب وہ دو شخص بھی آئے جو بظاہر بہت عابد اور پرہیزگار دکھائی دے رہے تھے' فرمایا ان دو شخصوں کی شکل میں نے خواب میں دیکھی ہے چنانچہ ان کے کمرے کے فرش کو اچھی طرح دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ یہ رات کو روضہ رسول ﷺ کی طرف سرنگ کھودتے ہیں تاکہ رسول اکرم ﷺ کے جسد اطہر کو نکال کرلے جائیں اور پھر مسلمانوں کو چیلنج کریں کہ دکھاؤ تمہارا نبی کدھر ہے۔

نورالدین نے ان کو سخت سزا دی اور روضہ رسول ﷺ کے گرد مضبوط فصیل بنوائی۔ ملکی سیاست میں بھی نورالدین بہت بلند پایہ شخص تھا۔ اس نے شوال 559ھ میں انتقال فرمایا۔

(دولت اتابکیہ' ص 136)

خلیفہ ناصر لدین اللہ

مستضی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ناصر لدین اللہ بائیس سال کی عمر میں 6 ذیقعدہ 575ھ بمطابق 30 مارچ 1180ء تخت نشین ہوا۔

واقعات:

576ھ میں فرمانروائے موصل سیف الدین فوت ہوا تو اس کا چچازاد بھائی عزالدین مسعود زنگی جانشین ہوا۔ 577ھ میں ملک الصالح اسماعیل بن نورالدین زنگی فرمانروائے حلب اُنیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ عزالدین جانشین ہوا اس نے اپنے بھائی عمادالدین کو حلب کی حکمرانی دے دی۔

اسی سال 577ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بلاد جزیرہ کو فتح کر کے موصل پر لشکر کشی کی مگر کسی مصلحت سے اسے چھوڑ کر سنجار جا کر اسے فتح کر لیا۔ 579ھ میں حلب پہنچا تو عمادالدین زنگی نے بغیر جھڑپ کے بغیر حلب صلاح الدین کے سپرد کر دیا۔ سلطان صلاح الدین نے عمادالدین کو سنجار نصیبین، خابور، رقہ اور سروج کے علاقہ کا حکمران بنا دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا کردار اور کارنامے:

عزالدین مسعود اور عمادالدین سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف متحد ہو گئے حتیٰ کہ صلاح الدین کو زیر کرنے کے لئے عیسائیوں اور باطنیوں سے باضابطہ عہدنامہ طے کر لیا۔ باطنیوں سے یہ طے ہوا کہ حلب میں ان کا تبلیغی مرکز قائم کر دیا جائے گا اس کی اطلاع صلاح الدین کو ہو گئی مگر عمادالدین سے چونکہ صلح ہو چکی تھی اس لئے وہ خاموش رہا۔ (کتاب الروضتین' ج 5' ص 23)

صلاح الدین مصر سے شام آیا' فرنگیوں نے روکا۔ یہ دوسری طرف سے نکل کر طبریہ و بیان وغیرہ فرنگی علاقہ پر حملہ کرتا ہوا عکہ تک پہنچا اور فرنگیوں سے دو دو ہاتھ کر کے دمشق آ گیا۔

اس کے نائب عزالدین فرخ شاہ نے دیوریہ اور شقیف کے فرنگی قلعے (جو اسلامی سرحد پر واقع تھے) صلاح الدین کے آنے سے پہلے فتح کر لئے تھے اور چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ دمشق سے صلاح الدین بیروت کی تسخیر کے لئے نکلا' بری و بحری حملہ کیا۔ اس دوران میں خبر ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آ رہا ہے چنانچہ صلاح الدین نے بیروت کو چھوڑ کر ان جہازوں کو آ لیا اور حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لئے۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 182)

اس کے بعد زنگی خاندان کی چھوٹی چھوٹی سرداریاں جو باہم لڑتی رہتیں' یا دشمن سے سازباز کرتیں پہلے ان کے ختم کرنے کا ارادہ کر لیا چنانچہ والئی حران امیر مظفرالدین کوکبری جو عزالدین مسعود سے خائف تھا اس نے سلطان کو دعوت دی چنانچہ سلطان بیروت سے واپس ہو کر فرات کو عبور کر کے جزیرہ کی طرف بڑھا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کے لئے اعلان عام کر دیا کہ جو اطاعت کرے گا اس کا علاقہ اس کے لئے ہے ورنہ بزور شمشیر قبضہ کر لیا جائے گا۔

سلطان کی قوت وسطوت کے آگے سب نے سر جھکا دیا جس نے سرتابی کی بزور شمشیر مطیع کیا تو اس طرح جزیرہ کا بڑا حصہ سلطان کے زیر نگیں ہو گیا۔ بحستان لیا جا چکا تھا۔ آمد پر بہاء الدین قابض تھا۔ سلطان نے حملہ کر دیا۔ ابن نیساں نے وزیر قاضی فاضل کے ذریعے چند شرائط پر شہر سلطان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ محرم 579ھ میں سلطان کا قبضہ ہو گیا وہاں عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں' وہ سلطان نے قاضی فاضل کو دے دیں۔

سلطان نے محمد بن فراء کے لڑکے نور الدین کو آمد کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس زمانے میں حلب لیا جا چکا تھا۔ اب سلطان کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ مکہ معظمہ سے بغداد کی مسجدوں تک سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا تھا۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 183)

اس کے بعد عماد الدین سے حارم لیا' اس پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق لوٹا۔ تمام ممالک محروسہ کی فوجیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب افواج جمع ہو گئیں تو 575ھ میں فرنگی علاقے بیسان کا رُخ کیا تو وہ سازوسامان چھوڑ کر نکل بھاگے اور بلامزاحمت سلطان کا بیسان پر قبضہ ہو گیا۔ پھر جالوت میں جا کر منزل کی۔

فرنگیوں نے سلطان کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر الفوکہ میں ایک عظیم الشان فوج جمع کی اس میں ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار اچھا اسلحہ رکھنے والی پیدل فوج اور یورپ کے امراء زادے ہنری' لودین کا ڈیوک' یمن کا رالف اس کے علاوہ بڑے بڑے رئیس' بالڈون' علین کا بالیان' صیدا کا ریجی نالڈ جو مسلمانوں کا متعصب دشمن تھا اسی طرح قیساریہ کا والٹر اور کورنتی جوسلن وغیرہ تھے۔

سلطان عین جالوت سے الفوکہ پہنچا۔ دونوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ فرنگی الفوکہ سے ہٹ کر عین جالوت چلے گئے۔ سلطان بھی ان کے عقب میں پہنچا' چاروں طرف سے گھیر کر خوب قتل عام کیا۔ فرنگی پٹ کر بھاگے' ان کا پیچھا کیا۔ کفربلا' زرعین اور بیسان کو ویران کر ڈالا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر 579ھ میں اسلام کے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقے کرک پر فوج کشی کی مگر ناکام دمشق لوٹا وہاں جا کر مصر' جزیرہ اور شام کی فوجیں جمع کر کے 580ھ میں دوبارہ کرک پر حملہ کر کے فتح کر لیا مگر فرنگیوں کی تازہ فوج آ گئی۔ سلطان کو ہٹنا پڑا۔ نابلس اور سبطیہ کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دمشق لوٹ گیا۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 198)

یروشلم کا فرمانروا "امال رک" مر گیا اس نے اپنے کمسن بھانجے "بالڈون" کو جانشین کیا اور اس کا نگران لوسکنان کے گائی اور طرابلس کے فرمانروا ریمنڈ کو مقرر کیا گیا۔ انہوں نے سلطان سے چار سال کے لئے صلح کر لی مگر اس زمانہ میں بطریق ہیریکلیوس یورپ میں مسیحی مجاہدوں کی بھرتی کر رہا تھا۔ ادھر یروشلم پر حکمرانی کی وجہ سے ریمنڈ اور گائی میں ٹھن گئی۔ ریمنڈ سلطان کے پاس آیا تو سلطان نے اسے یروشلم کا حکمران بنانے کا وعدہ کر لیا۔ ریمنڈ کا صلیبیوں پر بہت اثر تھا چنانچہ بہت سے فرنگی سلطان کی طرف ہو گئے۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 198)

سلطان کا موصل پر قبضہ:

سلطان نے موصل کی طرف توجہ کی' معمولی جنگ کے بعد عزالدین سے صلح ہو گئی اور موصل پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ اب اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہو گئی۔ ریجی نالڈ نے بدعہدی کی' اس نے مسلمان حاجیوں کا ادھر سے گزرنے والا قافلہ لوٹ لیا اور اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا۔ سلطان نے اسے تنبیہ کی' ریجی نالڈ نے اہل قافلہ سے کہا:

''تم محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہو اسے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑائے؟''

ریجی نالڈ نے سلطان کی تنبیہ کی پرواہ نہ کی۔ سلطان کو اس کے نامناسب کلمہ کی بھی اطلاع ہو گئی تو اس نے قسم کھا کر عہد کیا:

''اگر خدا نے چاہا تو اس صلح شکن کافر کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔''

فرنگیوں سے فیصلہ کن جنگ:

سلطان نے ممالک محروسہ میں جہاد کی عام منادی کرا دی۔ تمام زیر اثر علماء اور فرمانروا دمشق آ گئے۔ 583ھ میں سلطان دمشق سے فلسطین روانہ ہوا۔ سلطان نے الملک الفاضل کو راس الماء چھوڑا' خود کرک روانہ ہو گیا۔ ریجی نالڈ کو مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ سلطان نے کرک اور شوبک کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ الملک الفاضل راس الماء سے عکہ کی طرف بڑھا۔ صفوریہ میں پچاس ہزار فرنگی جمع تھے جس میں بارہ سو نائٹ تھے۔ گائی اور ریمنڈ ہر دو مل گئے اور صلیبیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ الملک الفاضل نے اسد وایہ اور استباریہ صلیبی مجاہدین کو صوفیہ کے قریب آلیا اور اس کے ممتاز افسر قتل کئے اور صلیبیوں کو تہ تیغ کیا۔ سلطان کو اطلاع ملی تو وہ کرک سے الفاضل کے پاس آ گیا۔ اب اسلامی فوجیں طبریہ کی طرف بڑھیں۔

583ھ میں سلطان نے صفوریہ کا رُخ کیا اور فرنگیوں کے قریب طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اُتار دیں مگر طبریہ سے کوئی مقابلے میں نہ آیا۔ سلطان نے شہر پر قبضہ کیا' پھر نوبیا کے میدان میں صلیبیوں سے جنگ چھیڑ دی۔ ہزاروں نصرانی تہ تیغ کئے۔ ان کی قوت کمزور ہونے لگی تو انہوں نے حطین کی آڑ لے کر بھاگنا چاہا مگر وہاں بھی عرب کے شجاع سپاہیوں نے آ کر روک لیا۔ ان کی مقدس صلیب جو حضرت مسیح کی سولی کی بنی ہوئی تھی' چھین لی۔ اب عیسائی پیچھے ہٹتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطانی فوج نے سب بڑے بڑے امراء اور حکمرانوں کو گرفتار کر لیا۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 201)

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ یروشلم کے بادشاہ گائی کو پہلو میں جگہ دی' باقی امراء کو ان کے رتبے کے مطابق بٹھایا گیا۔ ریجی نالڈ بھی پیش ہوا۔ سلطان نے اس کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کیا۔ اس کے بعد سلطان ان قیدیوں کو لے کر شہر حطین کی طرف بڑھا' پھر طبریہ بھی قبضہ میں کیا۔ پھر عکہ پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے جامع مسجد جسے صلیبیوں نے کنیسہ

بنا لیا تھا' ایک صدی بعد سلطان نے پھر اسے مسجد بنا کر وہاں جمعہ کی نماز پڑھی۔

(ابن اثیر' ج 11' ص 503)

دوسری سمت سلطان کے بھائی ملک العادل نے مجدل' یافا' ناصرہ' قیساریہ' حیفا' صفوریہ' فولہ وغیرہ' عکہ کے ملحقہ علاقے زیر نگیں کر کے یافہ کی بندرگاہ فتح کر لی۔ اتنے میں سلطان نے صیدا لے لیا۔ اس کے بعد سلطان نے بیروت پر فوج کشی کی' اہل شہر نے مقابلہ میں نقصان اٹھا کر شہر دے دیا۔ اس کے بعد صور اور عسقلان بزور شمشیر فتح کر لئے۔

بیت المقدس کی فتح:

583ھ میں سلطان عسقلان سے بیت المقدس روانہ ہوا۔ سلطان کے عزم و جہاد کی خبر سن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علماء بیت المقدس کی فتح میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ سلطان نے صلیبیوں کو کہلا بھیجا کہ میں یہاں خونریزی نہیں چاہتا اس کو میرے حوالے کر دو اور معقول معاوضہ لے لو' مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ آخر سلطان کو مجبوراً تلوار نکالنا پڑی۔ ایک ہفتہ تک دونوں طرف سے خوب خوب تلواریں چلیں۔ آخر صلیبیوں نے فدیہ دے کر نکلنا چاہا' فدیہ دس دینار مرد پانچ دینار عورت' دو دینار بچہ اور 2 رجب 583ھ بروز جمعہ صلیبیوں نے ہمت ہار کر بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ (ابن اثیر' ج 11' ص 207)

صلیبیوں نے 492ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت ستر ہزار مسلمان مسجد اقصیٰ میں شہید کئے تھے جس میں ہزاروں علماء و زہاد عبادت گزار رہتے تھے مگر مسلمانوں نے پرامن طور پر عیسائیوں سے خالی کرایا۔ امیر مظفر الدین کوکبری نے سینکڑوں عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کیا۔ پھر سلطان نے عام معافی دے دی۔ سلطان نے قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ جسے عیسائیوں نے تصاویر کے ذریعے بت خانہ بنا رکھا تھا' اس کو مٹایا اور درست کرا کر امام اور قاری رکھے۔ شعبان 583ھ کو اکانوے سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز کے بعد نصب کیا گیا۔

بیت المقدس کی تطہیر کے بعد سلطان نے مدرسہ رباطین تعمیر کیا۔ فدیہ کی جو رقم وصول ہوئی تھی۔ وہ علماء اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دی گئی۔ اس کے بعد صور پر فوج کشی کی مگر ناکامی ہوئی مگر قلعہ کوکب لے لیا اس کے بعد سلطان 583ھ ہی میں دمشق واپس چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد انطرطوس لے لیا۔ پھر لاذقیہ پر قبضہ جما لیا۔ غرضیکہ فلسطین کی نصرانی حکومت کا خاتمہ سلطان کے ہاتھوں ہوا۔ اب شام میں مسیحی حکومت صرف انطاکیہ تھی۔ بوہمنڈ نے سلطان سے صلح کر کے جان بچائی۔ یروشلم کے زوال سے یورپ میں تہلکہ مچ گیا۔ شام کا اسقف اعظم ولیم صوری قسیوں اور راہبوں کو لے کر روم آ پہنچا۔ پاپائے روم نے مقدس جنگ کے لئے فتویٰ دے دیا۔

انگلینڈ میں کنٹربری کے بلڈون نے صلیبی جنگ کے متعلق خطاب کیا۔ اس کی کوششوں سے فرانس اور انگلستان کے بادشاہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ انگلستان ہنری دوم' بادشاہ فرانس فلپ آگسٹس' بادشاہ جرمنی فریڈرک باربروسہ' صقلیہ کا بادشاہ ولیم اور یورپ کے نائٹس سب یکجا ہو کر صلیبیوں

کو ساتھ لے کر فلسطین روانہ ہوئے۔ ہنری دوم مر گیا تو اس کا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا۔ وہ اس جماعت کا ہیرو بن گیا۔

غرضیکہ رچرڈ اور فلپ عکہ پہنچے' سلطان بھی فوج لے کر پہنچ گیا۔ خوب خوب مقابلہ ہوا' آخر میں عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا اور پھر صلح ہو گئی۔ عسقلان تباہ ہو گیا۔ رچرڈ وغیرہ سب اپنے اپنے ملک چلے گئے۔ سلطان کامیابی کے ساتھ بیت المقدس آیا' عیسائیوں کو زیارت کی اجازت مل گئی۔ سلطان بیت المقدس کو امیر عزیز الدین حرویک کے سپرد کر کے شوال 588ھ کو حج کے ارادے سے دمشق چلا گیا۔

وفات:

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر' شام' فلسطین' جزیرہ و موصل کو زیر نگیں کرنے کے بعد 27 صفر 589ھ کو 57 سال کی عمر میں وفات پائی۔

اس نے صلیبی جنگوں میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ وہ عالمگیر اقتدار کا مالک تھا مگر ہمیشہ خلافت عباسیہ کے دامن سے وابستہ رہا اور کبھی بھی بارگاہ خلافت کے حلقہ اطاعت سے الگ نہ ہوا۔ (تاریخ ملت' ج 2' ص 210-211)

خوارزم کا تذکرہ:

شاہان خوارزم کے اسلاف میں محمد بن انوشتگین تھا۔ امیر بلبک سلجوقی نے گرجستان سے انوشتگین کو خریدا تھا اور اپنی اولاد کی طرح اس کی تعلیم و تربیت کی۔ انوشتگین نے اپنے بیٹے محمد کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ یہ خوارزم کا والی ہوا۔ سلطان برکیارق سلجوقی نے اس کو خوارزم شاہ کا لقب بخشا۔ اس نے اپنی لیاقت اور انصاف پسندی سے ہر دلعزیزی حاصل کی۔ سلطان سنجر نے بھی اس کی حکومت کو بحال رکھا۔ یہ وہیں 521ھ کو فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا افسر مقرر ہوا جو نہایت مدبر اور شجاع تھا۔ سلطان مسعود کی جگہ یہی خوارزم کا مختار حکمران ہو گیا اس کے بعد ارسلان ہوا۔

خوارزم شاہ کا کردار:

خوارزم شاہ کے تسلط سے پہلے اغلمش نے بزور تلوار اور حکمت عملی کے تحت بلاد جبل پر قبضہ کر لیا تھا۔ علاء الدین محمد بن تکش خوارزم شاہ جانشین سلاطین سلجوقیہ کو جو کہ صوبہ خراسان اور ماوراء النہر پر حکمران تھا' بلاد جبل پر قبضہ کرنے کا شوق اُٹھا۔ اِدھر اس نے لشکر آراستہ کر کے فوج کشی کر دی اُدھر والئی فارس اتابک بن سعد بن ولاء بلاد جبل کی طرف بڑھا۔ پہلے اتابک نے اصفہان پر قبضہ کیا پھر رَے کی طرف بڑھا۔ یہاں اس کی خوارزم شاہ کے ساتھ مڈبھیڑ ہو گئی۔ سخت خونریزی کے بعد خوارزم کو فتح ہوئی اور اس نے اتابک کو گرفتار کر لیا اور آگے بڑھ کر قزوین' زنجان اور ابہر پر قابض ہوا۔ اہل ہمدان نے گردن اطاعت جھکا دی۔ اس کے بعد اصفہان پر متصرف ہو گیا۔ قم اور قاشان بھی خوارزم شاہ نے لے لیے۔ والئی آذربائیجان اور آرمینیہ نے بغیر تحریک کے اطاعت قبول کر لی۔ اب اس کے حوصلے بڑھ

گئے۔ اگرچہ اس نے بغداد پر حملہ کرنا چاہا مگر ناکام رہا۔ خوارزم شاہ نے 615ھ میں خراسان میں خلیفہ کے نام کا خطبہ ممنوع قرار دے دیا۔ (ابن خلدون' ج 9' ص 193)

تاتاریوں کا خروج

چینی تاتار کے ان بلند اور وسیع میدان میں جو کہ منگولیا کہلاتا ہے' بہت سی خانہ بدوش آباد تھیں۔ نہایت خونخوار' سخت دل اور جنگ جو یہ وہ لوگ تھے جن کی لوٹ کھسوٹ سے بچنے کے لئے قدیم چینیوں نے دیوار چین بنائی۔

زمانہ قدیم میں یہاں قبائل کا ایک سردار (بادشاہ) لنجر تھا اس کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ اس نے ایک کا نام مغول اور دوسرے کا نام تاتار رکھا۔ ان کی اولادیں انہی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ مغلوں میں ایل خان مشہور سردار تھا جبکہ تاتاریوں میں مشہور شخصیت سونج خان کی تھی ایل خاں کی اولاد میں بہادر خان تھا۔ جس کا لڑکا چنگیز خان تھا جس کی پیدائش 549ھ میں ہوئی۔ چنگیز خان نے تمام مغلوں اور تاتاریوں کو متحد کر کے اردگرد کے علاقے لے کر حکومت قائم کر لی اور بیس سال کی ترک وتاز میں بڑی سلطنت کا مالک بن بیٹھا۔

612ھ میں چنگیز نے اپنے ملک کے معزز مسلمانوں کا ایک وفد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا کہ دونوں ممالک میں تجارت کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ خوارزم شاہ نے اسے منظور کر لیا۔ ایک عرصہ تک دونوں طرف کاروان تجارت آتے جاتے رہے۔

615ھ میں چار سو تاتاری تاجروں کا ایک قافلہ دریائے جیحوں کے ساحل پر سرداریا جگہ پر اترا۔ وہاں کے والی نے خوارزم شاہ کو لکھا کہ چنگیز کے جاسوس یہاں تاجروں کے بھیس میں آئے ہیں۔ خوارزم شاہ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ والی نے اس حکم کی تعمیل کی اور کل سامان تجارت خوارزم شاہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے سمرقند و بخارا کے تاجروں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ (ابن اثیر' ج 12' ص 140)

چنگیز خان کو خبر ملی تو اس نے خوارزم شاہ کو لکھا کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے لہٰذا تمام سامان واپس کر دیا جائے اور سرداریا کے والی غایر خان کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اس سے قصاص لیں مگر خوارزم شاہ نے اس کے سفیر کو بھی قتل کر دیا۔ اس پر چنگیز خان نے غضبناک ہو کر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر خوارزم شاہ نے پہلے ترکستان کی حدود پر حملہ کر دیا مگر ناکام رہ کر لوٹ آیا' راہ میں جس قدر شہر آباد تھے وہاں کے باشندوں کو جلاوطنی کا حکم دے دیا جس سے ملک کا جنت گلزار حصہ ویران ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی اس حرکت نے چنگیز خان کو موقع فراہم کر دیا اور وہ بخارا تک بغیر مزاحمت کے بیس ہزار فوج کے ساتھ آ کودا۔ اہل شہر نے قاضی کو امان طلب کرنے کے لئے بھیجا مگر چنگیز نے منظور نہ کیا 616ھ میں چنگیز بخارا میں داخل ہوا اور باشندوں کو نکل جانے کا حکم دیا جو بچ گئے' قتل کیے گئے کچھ غلام بنائے گئے۔ بخارا سا عظیم الشان شہر جلا دیا گیا۔ جواب صرف کھنڈر دکھائی دے رہا تھا۔

(ابن اثیر' ج 12' ص 141)

چنگیز پھر سمرقند گیا' اس کا بھی یہی حال کیا۔ چنگیز نے بیس ہزار فوج کو حکم دیا کہ خوارزم شاہ کو اس بھی ہو پکڑ کر لایا جائے۔ یہ غزنیہ میں تھا وہاں سے نیشاپور گیا' تاتاری بلائے ناگہانی کی طرح اس علاقہ کو غارت کرتے چلے گئے۔ اس نے نیشاپور بھی چھوڑا مگر اس حالت میں کہ دشمن پیچھے لگے ہوئے تھے حالانکہ لاکھوں فوج خوارزم شاہ کے پاس تھی' ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا تھا مگر تاتاریوں کی ہیبت کے دل پر بیٹھ چکی تھی جس نے اسے ڈرپوک بنا دیا تھا۔

بحیرہ طبرستان کے اندر اس کا ایک قلعہ تھا' وہ بندرگاہ پہنچ کر جہاز میں سوار ہوا۔ تاتاری اس وقت ساحل پر پہنچے جب وہ روانہ ہو چکا تھا۔ اب تاتاری مجبوراً اس کا پیچھا چھوڑ کر مازندان آئے اور رے کو تاخت وتاراج کر ڈالا۔ پھر ہمدان کو لیا اور قزوین کو فتح کر کے چالیس ہزار باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ وہاں سے تاتاری آذربائیجان کی طرف بڑھے' تبریز کا محاصرہ کیا' وہاں کے وزراء نے کچھ رقم دے کر صلح کر لی۔

خوارزم شاہ جزیرہ البسکون میں تھا' یہاں بھی تاتاری آ گئے تو جزیرہ میں جانے کے چند روز بعد ...ھ میں انتقال کر گیا۔ اس غربت میں اسے کفن تک میسر نہ آیا۔ (ابوالفداء' ج 3' ص 149)

خوارزم شاہ تاتاری سیلاب لانے کا سبب بنا۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ اس نے چنگیز خان کو خود مقابلہ کی دعوت دی اور تاتاری سرحد پر فوج کشی کی۔ دونوں میں خونریز جنگ ہوئی' یہ لوٹ آیا۔
(جہانکشا' ج 2' ص 104)

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے چار بیٹے قطب الدین ازلاق' غیاث الدین شیر شاہ' رکن الدین غورشاہ اور جلال الدین منکبر تھے۔ علاؤالدین نے ان چاروں میں ملک تقسیم کر دیا تھا اور جلال الدین کو ولی عہد کیا چنانچہ علاؤالدین کے بعد اس نے عنان حکومت سنبھالی مگر بھائیوں کی آپس میں ٹھن گئی۔ جلال الدین خوارزم چھوڑ کر نساء چلا گیا' راستے میں تاتاریوں سے سامنا ہوا مگر لڑ بھڑ کر غزنی نکل گیا۔ تاتاریوں کو جو خبر لگی تو وہ خوارزم کی طرف متوجہ ہوئے۔ قطب الدین ازلاق مقابلہ نہ کر سکتا تھا لہٰذا خوارزم چھوڑ کر بھاگ گیا مگر راہ میں تاتاری مل گئے۔ انہوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ ان تاتاریوں کی کمان چغتائی اور اکتائی کے ہاتھ میں تھی' یہ لوگ خوارزم پہنچے۔ خوارزم پر خمارتر کی حاکم تھا اس نے ہمت مردانہ سے مقابلہ کیا۔ جب تاتاری مجبور ہوئے تو شہر کی فصیل توڑ کر اندر گھس گئے اور شہر کو لوٹ لیا اور ویران کر ڈالا۔ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعے شہر میں پانی آتا تھا' کھول دیا جس سے سارا شہر آبادی سمیت غرق آب ہو گیا۔ (ابن اثیر' ج 12' ص 521)

چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اور اس پر قبضہ کر کے باشندوں کو قتل کرا دیا۔ بدخشان کو فتح کر کے پھر بلخ پہنچا' یہاں سے تولی خان کو خراسان بھیجا اور خود طالقان گیا۔ چنگیز خان نے ترمذ اور بلخ کی طرح طالقان اور بامیان کی آبادی کو بھی ختم کرا دیا۔

بامیان کے بعد چنگیز جلال الدین کے مقابلہ کے لئے غزنی پہنچا۔ جلال الدین ہندوستان چلے جانے کے لئے سندھ پہنچا' چنگیز خان نے وہاں اس کو گھیر لیا۔ جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ

اس شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں لیکن تاتاریوں نے جلال الدین کو تین طرف سے گھیر لیا' آخر جلال الدین نے لڑتے لڑتے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور تیزی سے تیرتا ہوا نکل گیا۔ اس کے اہل و عیال کو چنگیز خان نے گرفتار کر لیا اور مذکر اولاد کو قتل کر ڈالا۔

چنگیز نے غزنہ اور غور پر قبضہ کر کے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور لوٹ مار کر کے ویران کر ڈالا۔ چنگیز نے جلال الدین کے تعاقب میں ہندوستان فوج بھیجی' اس نے پنجاب تک پیچھا کیا لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا۔ تاتاری ملتان اور پنجاب کو تباہ و برباد کرتے ہوئے واپس گئے۔

تاتاری خراسان' فارس' آذربائیجان' ارنستان' اران' کوج اور قفجان کے سارے علاقے زیر و زبر کرتے ہوئے روس کے علاقے تک پہنچ گئے۔ اب اقصائے چین سے عراق' بحر خزر اور حدود روس تک اور بحر شمال سے سرحد کا طویل و عریض رقبہ چنگیز کے قبضہ میں تھا۔

چنگیز نے اپنے چاروں بیٹوں جوجی خان' چغتائی' تولی خان اور اکتائی کو یہ تمام مقبوضہ علاقے تقسیم کر دیئے۔

جلال الدین 621ھ میں کرمان ہو کر واپس آیا' غیاث الدین سے عراق اور فارس لے کر' تابک سعد کا علاقہ اس کے حوالہ کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کر کے عراق کی حکومت پر بحال رکھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر خلیفہ کے شہر خوزستان پر فوج کشی کر دی۔ خلیفہ ناصر نے امیر قشتمر کو حکم دیا کہ اس سے نپٹ لے چنانچہ قشتمر نے تستر کو بچا لیا۔ باقی خوزستان جلال الدین کے ہاتھوں پائمال ہوا۔ اس نے مسلمانوں پر چنگیز سے بڑھ کر مظالم کئے۔ (ابن اثیر' ج 12' ص 163)

پھر جلال الدین نے بغداد کی طرف رخ کیا۔ خلیفہ ناصر نے والئی موصل مظفر الدین کوکبری کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا' وہ اس سے ساز باز کر گیا۔ پھر جلال الدین نے آذربائیجان لے کر تبریز پر قبضہ کیا پھر گرجستان پر متصرف ہوا۔ پھر گنجہ پر بھی قبضہ جمایا اس سے جلال الدین کی حکومت کا دائرہ وسیع ہو گیا۔

علاؤالدین خوارزم شاہ:

علاؤالدین بن تکش بن ارسلان بن سلطان شاہ محمد بن ارسلان بن اقسر بن محمد بن انوشتکین۔ علاؤالدین باعظمت فرمانروا تھا' اس کی سلطنت کا رقبہ عراق سے لے کر ایک طرف چین کی سرحد تک' دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے اکیس سال حکمرانی کی۔ اس کے آستانے پر بڑے بڑے سلاطین و امراء جمع رہتے تھے۔ (ابوالفداء' ج 3' ص 148)

مگر بنوعباس سے ٹکر لینے کے ارادے نے اس کی عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ خلیفہ ناصر کی سیاسی چال نے چنگیز کے ہاتھوں اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے اور اس کی وجہ سے لاکھوں مسلمان تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جو شہر سینکڑوں برسوں میں تہذیب و تمدن اور علم و فن کے مرکز بنے تھے تباہ و برباد ہو گئے۔

خلیفہ ناصر اور علاؤالدین کی کشمکش کا نتیجہ ایک بہت بڑے اسلامی علاقے کو بھگتنا پڑا۔

وفات ناصر لدین اللہ:

خلیفہ ناصر 619ھ میں فالج میں مبتلا ہوا۔ نقل و حرکت جاتی رہی' ایک آنکھ نہ رہی۔ آخر کار سال 622ھ میں 47 برس حکمرانی کر کے دنیا سے رخصت ہوا۔

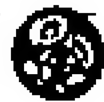
ناصر کے عہد کے اہم واقعات:

ناصر کے عہد کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ 27 رجب 583ھ بمطابق ستمبر 1187ء کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے 91 سال کے بعد بیت المقدس کو صلیبیوں سے چھڑا لیا۔ صلاح الدین اور صلیبی جنگوں کا اگرچہ عباسی خلفاء سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ اسی دور میں ہوا اس لئے اس کا ذکر ہوا۔

* اس سے قبل مقتفی کے عہد میں ناصر نے بغداد سے سلجوقیوں کا اثر و اقتدار ختم کر دیا تھا لیکن عراق اور خوزستان کے علاقے سلجوقیوں یا ان کے عمال ہی کے زیر سیادت تھے۔ ناصر کے عہد میں سلجوقیوں کے آپس کے اختلافات سے ان کے آخری حکمران طغرل کی قوت کم ہو گئی اور اسے قتل کر دیا گیا تو اس طرح 590ھ میں سلجوقیوں کا خاتمہ ہو گیا اور عراق و فارس پر ناصر کا قبضہ ہو گیا۔

* اس عہد کا ایک اور اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں وحشی تاتاریوں کو عروج حاصل ہوا۔ وہ ترکستان سے وسط ایشیاء اور روس تک چھا گئے اور چند ہی برسوں میں مشرق کے اسلامی ممالک کو زیر و زبر کر ڈالا۔

تاتاریوں کا وطن منگولیا تھا' یہ لوگ اس بے آب و گیارہ خطے میں قبائلی طرز پر وحشیانہ زندگی گزارتے تھے۔ صحرائے گوبی کے علاقے میں چنگیز خان کے آباؤ اجداد کو سرداری حاصل تھی۔ چنگیز باپ کے انتقال کے وقت کم عمر تھا لیکن اسے سردار بنا دیا گیا۔ اسے بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا بالآخر اس نے اپنی ریاست قائم کر لی اور چند ہی برسوں میں صحرائے گوبی سے نکل کر چین اور ترکستان تک کے علاقے فتح کر لئے۔



خلیفہ ظاہر بامر اللہ

ناصر کی وفات کے بعد یکم شوال 622ھ کو ابونصر محمد الملقب بہ ظاہر بامر اللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس وقت عمر 52 سال تھی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ فتوحات کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے آپ نے فرمایا: میرا کھیت سوکھ چکا ہے' بیکار طمع سے کیا فائدہ؟ لوگوں نے کہا: خدا آپ کی عمر میں برکت دے گا تو آپ نے فرمایا جس شخص نے شام کو دوکان کھولی وہ خاک کمائے گا؟

ظاہر کا عہد اگرچہ بہت مختصر ہے اور بے شک اس میں فتوحات نہیں ہوئیں لیکن اس کے عہد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح عباسی حکومت کی اصلاح کا کام شروع کیا۔

خلیفہ ظاہر کی اہم اصلاحات:

ظاہر کا عہد اصلاحات کی وجہ سے مشہور ہے:

1- جائیدادوں کی واپسی:

ظاہر نے ان تمام جائیدادوں کو جو ناصر اور اس سے قبل کے خلفاء نے جبراً ضبط کر لی تھیں' ان کے مالکوں کو واپس کر دیں۔

2- ناجائز ٹیکسوں کا خاتمہ:

ظاہر نے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس ختم کر دیئے۔ ناصر نے اپنے عہد میں عراق کا خراج بہت بڑھا دیا تھا' ناصر نے ایسے تمام ٹیکسوں کو گھٹا کر پرانی شرح کے مطابق ٹیکس عائد کئے۔

3- وزن کے پیمانوں کی درستگی:

شاہی خزانے میں سکہ تولنے اور وزن کرنے کے دو پیمانے تھے۔ ایک عام بازار کے رائج پیمانے کے برابر تھا' دوسرا اس سے بڑا تھا۔ شاہی محاصل بڑے پیمانے سے وصول کئے جاتے تھے لیکن خزانے سے لوگوں کو عام پیمانے کے مطابق دیئے جاتے۔ ظاہر نے خزانے کا پیمانہ گھٹا کر عام پیمانے کے مطابق کر دیا۔

4- ناجائز تجارتی پابندیوں کا خاتمہ:

ناصر کے عہد میں تجارتی پابندیوں کی وجہ سے موصل وغیرہ شہروں میں بڑی مہنگائی رہتی تھی۔ ظاہر نے غلے کی تجارت کو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد کر دیا اور عام اجازت دے دی کہ ہر تاجر کسی روک تھام کے بغیر موصل اور جزیرے میں اپنا غلہ لے جا سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشیاء نہایت ارزاں نرخوں پر فروخت ہونے لگیں۔

عمال کی اصلاح:

اکثر عمال انتہائی بددیانت اور ظالم تھے۔ اس نے تمام عمال اور عہدہ داروں کی تنبیہ و اصلاح کے فرمان جاری کئے۔

ایک دفتر کا افسر واسط سے آیا اس کے پاس ایک لاکھ دینار سے زیادہ تھے جو کہ اس نے ظلم سے اکٹھے کئے تھے۔ خلیفہ نے اسے حکم دیا کہ تمام مال مستحقین کو واپس کر دو غرضیکہ ظاہر بامراللہ نے اپنے طور پر پوری کوشش کی کہ جتنے غلط احکامات اور روایات رواج پا چکے تھے' ان کا خاتمہ ہو جائے۔

ظاہر نے اپنی نو ماہ کی مدت خلافت میں بہت سے کام کئے مگر افسوس کہ اس کا عہد نہایت مختصر ہے۔ اس نے کل نو ماہ حکومت کی اور 15 رجب 623ھ میں 53 سال کی عمر میں وفات پائی۔

(تاریخ ابن خلدون' ج 9' ص 185)



خلیفہ مستنصر باللہ

ظاہر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنصر باللہ 23 سال کی عمر میں 14 رجب 32ھ مطابق 1226ء کو تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ یہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلا لیکن آگے چل کر نظام بگڑ گیا کیونکہ خلافت سنبھل نہ سکی۔ امراء عباسیہ اس کے سامنے خودسری کرنے لگے۔ (تاریخ الخلفاء' ص 320)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''اس نے بھی اپنے مرحوم باپ کا رویہ اختیار کیا مگر یہ کہ اس کے عہد خلافت میں حکومت کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا' خراج کم ہو گیا' صوبے بٹ گئے' ان وجوہ کی بناء پر لشکریوں کی تنخواہ ادا نہیں سکتی تھی اور نہ ہی ان کے وظائف دیئے جا سکے مجبوراً لشکر کا کثیر حصہ موقوف اور تخفیف کر دیا جس سے بے حد تغیرات واقع ہوئے۔'' (ابن خلدون' ج 9' ص 187)

تاتاری سیلاب بڑھتا آ رہا تھا' انہوں نے بلاد روم کو بنو قلج ارسلان کے آخری بادشاہ غیاث الدین کیخسرو کے قبضہ سے نکال لیا۔ اس کے بعد تاتاریوں نے بلاد آرمینیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ غیاث الدین نے تاتاریوں سے امان طلب کی تو انہوں نے اسے اپنی طرف سے بلاد روم پر مقرر کر دیا۔

(ابن خلدون' ج 9' ص 187)

خلیفہ مستنصر باللہ دارالحکومت بغداد میں صرف انہی علاقوں پر حکمرانی کر رہا تھا جو گورنروں اور اطراف و جوانب کے والیان کی دست برد اور قبضہ و تصرف سے بچ رہے تھے مگر جلد ہی ان تمام علاقوں پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا اور وہ ملک کے والیوں کو زیر کر کے ان کی دولتوں اور حکومتوں کے نام صفحہ ہستی سے مٹا کر دارالخلافت بغداد کو ملیامیٹ کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔

(ابن خلدون' ج 9' ص 187)

خوارزمی حکومت کا خاتمہ:

جلال الدین خوارزمی کا اقتدار عراق' فارس' گرجستان' آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر قائم ہو گیا۔ اکتائی خان نے اس کے انسداد کی طرف توجہ کی۔ 624ھ میں چنگیز خان مر چکا تھا اس کے بیٹے اپنے اپنے علاقے کی توسیع میں لگ گئے چنانچہ اکتائی نے امیر جرماغون کو اسی ہزار فوج دے کر جلال الدین کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ (تجربۃ الاحصار و تجزیۃ الاعصار' تاریخ وصاف)

جلال الدین خلاط میں تھا' تاتاری خلاط پہنچے۔ یہ آمد آ گیا یہاں بھی فوج آ گئی۔ یہ کوہستانی علاقہ میں روپوش ہو گیا۔ ایک کرد نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے مرتے ہی خوارزمی حکومت ختم ہو گئی۔ تاتاری جلال الدین کے علاقے پر قابض ہو گئے تو انہوں نے عباسی سرحد پر یورش کی مگر مستنصر کی فوجوں نے پسپا کر دیا۔ (ابن خلدون' ج 3' ص 536)

عہد مستنصر کے اہم واقعات:

اس کے عہد میں دنیائے اسلام میں دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین کے جانشین اتنی اہلیت نہ رکھتے تھے اس لئے وہ بیت المقدس کی حفاظت نہ کر سکے لہٰذا اس پر صلیبیوں نے قبضہ کر لیا۔

دوسرا اہم واقعہ تاتاریوں کی یورش کا ہے جس نے سارے مشرق کو ویران کر دیا۔ انہوں نے آذربائیجان' دیار بکر' جزیرہ اور خلاط پر قبضہ کر لیا اور عباسی سرحد تک پہنچ گئے۔ مستنصر نے سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجیں جمع کیں تاکہ تاتاریوں کی یورش کا مقابلہ کیا جا سکے اور ان فوجوں نے تاتاریوں کو پسپا بھی کیا۔

اس نے اپنے عہد میں مشہور و معروف مدرسہ مستنصریہ بنایا۔ رفاہ عامہ کے لئے بہت سی سرائیں بنوائیں۔ ان میں سرائے حربی' سرائے ہنرمالیس اور سرائے خزینی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ مسجدیں' خانقاہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ اس نے چاندی کے سکے ڈھالنے کا حکم دیا۔ ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر کام نہ ہوا۔

مستنصر نے 15 جمادی الآخر بروز جمعہ 640ھ کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر 40 سال تھی اور مدت خلافت 17 سال تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بعد ایوبی خاندان کے حالات:

سلطان صلاح الدین کے بعد اس کے لڑکوں نے جہاں تھے وہیں حکومت قائم کر لی۔ عزیز نے مصر' افضل نے دمشق اور ظاہر غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کر لیں۔ 596ھ میں ملک العادل نے مصر اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔

ملک عادل فوت ہوا تو اس نے اپنے لڑکے الملک الکامل کو مصر پر حاکم مقرر کیا۔ دمشق قدس طبریہ' اردن اور کرک کا علاقہ معظم عیسیٰ کو دیا۔ خلاط و جزیرہ اشرف موسیٰ کو رہے۔ شہاب الدین غازی کو اور جوبر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا۔ معظم کے بعد اس کا لڑکا داؤد جانشین ہوا۔

مصر کے حاکم الملک الکامل کے بعد عادل بن کامل ہوا اس کے بعد اس کا بھائی الملک الصالح مصر کا حکمران بنا۔ 647ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا توران 648ھ میں قتل ہوا تو اس کی ماں ''شجرۃ الدر'' حکمران رہی جس نے امیر معز الدین ایبک جاشنگیر ترکمانی سپہ سالار سے عقد کر لیا اور اسے مصر کا حاکم بنا دیا مگر بحری امیر موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک الاشرف فرمانروائے یمن کو لا کر مصر کا تخت نشین کیا جبکہ امیر معز الدین کارپرداز سلطنت رہا۔ شجرۃ الدر نے اسے قتل کرا دیا' پھر اس کا لڑکا نورالدین علی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد سیف الدین قطز اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بند قداری تخت مصر پر بیٹھا۔

خلیفہ مستعصم باللہ

مستنصر کے بعد اہلیت کے اعتبار سے تو اس کا بھائی خفاجی عباسی خلافت کا زیادہ مستحق تھا مگر اراکین سلطنت نے مستنصر کے بیٹے ابو احمد کو جمادی الآخر 640ھ میں تخت نشین کیا۔ اس نے مستعصم باللہ لقب اختیار کیا۔ مستعصم ذاتی حیثیت سے تو ایک اچھا انسان تھا مگر حکمرانی کے اعتبار سے نااہل تھا۔ وہ کمزور طبیعت کا مالک تھا۔ امور مملکت سے ناواقف' بے رعب اور کمزور رائے کا مالک تھا۔ اس میں قوت فیصلہ کا فقدان تھا اس کا تمام وقت تفریحی مشاغل میں گزرتا۔ ان کی نااہلی کی وجہ سے اس کا وزیر مؤید الدین محمد بن علقمی اس پر حاوی ہو گیا تھا۔

وزارت:

خلیفہ نے ابن ابی حدید معتزلی بشارح نہج البلاغہ کے سرپرست مؤید الدین محمد بن علقمی شیعی کو وزارت پر سرفراز کیا۔ یہ بڑا عاقل و مدبر تھا لیکن اس کی طینت خراب تھی۔ بڑا بے فیض اور ناقابل اعتبار تھا۔ (تاریخ الخلفاء' ذکر مستعصم باللہ)

ابن علقمی تھوڑے ہی عرصہ میں خلیفہ مستعصم پر حاوی ہو گیا جس کا نتیجہ بنو عباس کی تباہی و بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ (الفخری' ص 297)

مستعصم کے زمانے میں چنگیز خان کے بیٹے تولی خان کی سلطنت وسیع ہوتی جا رہی تھی لیکن خلیفہ نہایت مطمئن تھا اور اسے تاتاریوں کی طرف سے کوئی تشویش نہ تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ تاتاری بغداد پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس غفلت سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنی قوت جمع کرتا رہا جس نے مستقبل میں کوہ آتش فشاں بن کر بغداد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔



تاتاری حکمرانوں کی تاریخ

چنگیز خان کا دوسرا لڑکا تولی خان جو سب بھائیوں میں چھوٹا تھا چنگیز کے بعد دو سال 624ھ سے 626ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اوکتائی خان تین سال حکمران رہا۔ اس کا لڑکا کھوک خان نابالغ تھا تو اس کی ماں ملکہ تورا کینا خاتون چودہ سال 629ھ تا 643ھ تک تخت چنگیزی پر بیٹھی۔ اس کے بعد تولی خان کے بیٹے منگوخان نے تخت حکومت سنبھالا۔ اس نے قوبلاخان کو ملک ختا پر قبضہ کرنے بھیجا۔ 655ھ میں منگوخان مر گیا تو سلطنت چنگیزی چند حصوں میں بٹ گئی:

1- اولغ بوکا بن تولی خان بن چنگیز خان نے دارالخلافہ قراقورم پر قبضہ کرلیا۔
2- آلغو بن بائیدا دخان بن چغاتا بن چنگیز خان نے ایمالیغ میں اپنی علیحدہ سلطنت قائم کی۔
3- قوبلا خان بن تولی خان بن چنگیز خان نے ابلیح (پیکن) کو دارالسلطنت قرار دے کر علیحدہ حکومت کرنا شروع کر دی۔
4- قیدو بن قاشی بن اوکتائی خان بن چنگیز نے یاسائے چنگیزی کے مطابق خود کو جائز وارث خیال کر کے علیحدہ حکومت کرنے لگا اس نے بخارا کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔
5- صائن خان بن جوجی خان بن چنگیز اس وقت روس، جرمنی، پولینڈ اور آسٹریا کی فتح میں مشغول تھا۔ اس نے اس طرف اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کا دارالحکومت سرقیق تھا۔

(تاریخ ملت، ج 2، ص 228-229)

ہلاکوخان:

ہلاکوخان بن تولی خان بن چنگیز خان کا بھائی منگوخان 1251ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے خاقان کا لقب اختیار کیا۔ تخت نشین ہونے کے چند سال بعد بدنظمیوں کی بناء پر باطنیوں نے ایران میں بغاوت کر دی تھی۔ منگوخان نے اپنے بھائی ہلاکوخان کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ ہلاکوخان نے سمرقند سے گزر کر دریائے اکیس کو عبور کیا اور بلخ کے راستے کوہستان پر حملہ کر دیا۔ باطنیوں کا حاکم رکن الدین شاہ ثانی، ہلاکو کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس نے اطاعت قبول کر لی اور ہلاکوخان کے حکم پر اپنے تمام کوہستانی علاقے کے پچاس قلعے منہدم کرا دیئے جس سے حسن بن صباح کی یادگار حکومت ختم ہوگئی۔

یہاں پر باطنیوں کے تمام مردوں اور عورتوں کو ہلاکوخان نے تہ تیغ کر دیا۔ آخر میں رکن الدین کو بھی قتل کرا دیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد منگوخان کے مرنے کے بعد خود حکومت سنبھالی۔ مراغہ کو دارالحکومت قرار دے کر ایران اور عراق پر اقتدار قائم کیا۔ اس کا وزیر مشہور فلسفی نصیرالدین طوسی تھا اس کے علاوہ اور بھی ارکان سلطنت تھے جن میں سے علاؤالدین اور شمس الدین محمد جوینی کو عراق خراسان اور مازندران پر حاکم بنایا تھا۔

مستعصم کے وزیر ابن علقمی کی تمنا:

ابن علقمی چونکہ شیعہ تھا اس لئے اس کی ہمدردیاں فاطمی حکومت کے ساتھ تھیں جسے ختم کر دیا گیا تھا اس لئے یہ اندر سے عباسی حکومت کا دشمن تھا۔ اس کو مصر کی فاطمی حکومت کے ختم ہونے کا بڑا صدمہ تھا' وہ چاہتا تھا کہ دولت عباسیہ کو مٹا کر پھر کسی فاطمی کو برسر اقتدار لایا جائے۔ اس نے تاتاریوں سے خط و کتابت کی۔ (دول الاسلام' ذہبی' ج 2' ص 112)

چنانچہ اپنے مقصد کی برآری کے لئے اس نے اپنے آقا مستعصم کو تباہی کی راہ پر لگانا شروع کر دیا۔

بغداد میں شیعہ سنی جھگڑا:

بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے مابین فساد ہو گیا۔ حالات خراب ہو گئے چنانچہ مستعصم کے حکم پر ابوبکر بن مستعصم نے شیعوں کے محلہ کرخ کو تباہ و برباد کر دیا۔ ابن علقمی کو اس واقعہ سے سخت غصہ آیا اور اس نے ہلاکو خان کے وزیر خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہاں کا سب حال لکھا' مزید یہ بھی لکھا کہ ہلاکو کو ہر صورت بغداد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کرے اور خود بھی اپنے بھائی کی معرفت ہلاکو کو بغداد آنے کی دعوت دی۔ (ابوالفداء' ج 3' ص 193)

مگر ہلاکو خان بغداد پر حملہ کرتے ہوئے ڈرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ خلیفہ ناصر کے زمانے میں اوکتائی خان نے جوحرماغون کو بغداد پر دو مرتبہ حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا تو وہ دونوں مرتبہ شکست کھا کر واپس گیا تھا۔

مگر اب خلیفہ کا وزیر ابن علقمی برابر والئی اربل' ابن صلایا کے ذریعے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لئے اکساتا رہا۔ (ابن خلدون' ج 3' ص 537)

محقق طوسی نے یہ چال چلی کہ علم نجوم کا حوالہ دے کر ہلاکو خان کو بغداد کی فتح کی بشارت دی۔ ہلاکو نے خلیفہ کو لکھا کہ دویدار کو چک سلیمان شاہ شرابی یا ابن علقمی کو میرے پاس بھیج دو لیکن خلیفہ نے ان کی بجائے ابن الجوزی کو بھیج دیا جو ہلاکو کو ناگوار گزرا۔

بغداد پر ہلاکو خان کا حملہ:

ہلاکو خان نے ہمدان سے خلیفہ کو خط لکھ کر بھیجا کہ تم اپنے آپ کو اور دارالسلطنت کو مغلوں کے حوالے کر دو ورنہ طاقت سے کام لیا جائے گا۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے شرف الدین بن عبداللہ کو قاصد کی حیثیت سے ہلاکو کے دربار میں بھیجا۔ اس نے جب ہلاکو سے تبادلہ خیالات کیا اور خلیفہ کا جواب سنایا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ دفع الوقتی کی چال ہے چنانچہ اس نے سوغونجاق اور باجوخان کی قیادت میں تاتاری لشکر اربل کے راستہ سے بغداد روانہ کیا' وہ تکریت پہنچا جہاں سے دریائے دجلہ کی مغربی سرحد عبور کر کے شہر انبار پر فرات کے مغربی جانب بڑھا اور فوج کے میسرہ نے باب کلواذی کے قریب ڈیرے ڈال لئے۔

ہلاکو خان ذوالحجہ 655ھ کو خود روانہ ہوا اور آ کر اس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی باب کلوازی بغداد کا مشرقی پھاٹک تھا۔

ہلاکو تاتاریوں کے قلب لشکر کی خود کمان کر رہا تھا اس نے وسط محرم 656ھ مطابق 1258ء میں بغداد کی مشرقی سمت اپنی فوجیں اُتار دیں اس وقت تاتاریوں کے لئے شیعوں کی سازش سے آسان صورت پیدا ہو گئی کیونکہ شیعوں کے مرکز کرخ اور حی الکاظمیہ کھلم کھلا ہلاکو خان کے ساتھ مل گئے تھے۔

ہلاکو کا تیس ہزار کا لشکر دجیل پہنچا اس وقت خلیفہ کی فوج کا ایک ہراول دستہ مجاہد بن آیبک دویدار کی قیادت میں نکلا جو قلیل تعداد میں تھا۔ ان دونوں کا بغداد کی مغربی سمت شہر سے قریب تصادم ہوا' خلیفہ کا لشکر غالب رہا اور ہلاکو کا لشکر سخت ہزیمت اُٹھا گیا۔ ان کے سپاہی کثیر تعداد میں ہلاک اور اسیر ہوئے۔ اس وقت لشکر کے لئے وہ رودبار ایک مصیبت بنی تھی جسے اس نے شب میں فتح کر لیا تھا' کیچڑ کی زیادتی نے بھاگنے والوں کے لئے راستے مسدود کر دیئے صرف وہی لوگ جانبر ہو سکے جنہوں نے اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا تھا' وہ لوگ بچ گئے جو خشکی کے راستے شام کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے لیکن دویدار صحیح سالم اپنے دستہ کے ساتھ بغداد پہنچا۔ اس کے بعد باجو خان ایک عظیم الشان فوج لے کر مغربی جانب سے بغداد میں داخل ہوا اور چند روز دارالخلافت کے سامنے فروکش رہا اور اپنے جاسوسوں کے ذریعے حالات کا جائزہ لیا اور اپنے موافق فضاء پیدا کی۔

(مسلمانوں کا نظم مملکت' ص 111)

امیر فتح الدین' مجاہد الدین اور دویدار کوچک نے قلعہ بغداد کا انتظام کیا' ہلاکو خان کا لشکر 4 محرم 656ھ کو سیلاب کی طرح بغداد کی مشرقی طرف یعقوبی درب نے اُمنڈ پڑا اور پورے شہر پر چھا گیا۔ اس وقت لوگ گھبرا کر چھتوں اور میناروں پر چڑھ گئے۔ ہلاکو کے لشکر نے بغداد کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا' سامان رسد بند کر دیا مگر اندرون بغداد جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخرکار مغلوں کی فوج نے اینٹوں کا پشتہ بنا کر منجنیق کے ذریعے پتھر اور تیر پھینکے جب حالت نازک ہونے لگی تو مجاہد الدین' سدید الدین وغیرہ کو چھوڑ کر ہلاکو خان سے ساز باز کر گئے اور اسے اطاعت کا پیغام بھیجا اور کہلا بھیجا کہ

''حضرت علیؓ سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ تم اس شہر کے مالک ہو گے۔''

ابن عمران شیعی جو حاکم یعقوبیہ کا خادم تھا' وہ ہلاکو سے جا ملا اور اس نے اس کی فوج کے لئے رسد کا انتظام کیا۔ (تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار)

ہلاکو خان نے نکلہ اور علاؤ الدین عجمی کو بغداد میں بھیجا اور اہل حلہ کو پناہ دی۔

(ابوالفداء' ج 3' ص 194)

ادھر ابن علقمی نے ہلاکو سے جان بخشی کرائی۔ اب خلیفہ گھبر چکا تھا اس کے ساتھی دغا کر چکے تھے' صرف اس کے لئے ایک سہارا ابن علقمی کا رہ گیا تھا اس نے موقع دیکھ کر خلیفہ سے کہا کہ تاتاریوں سے مقابلہ کرنا بے سود ہے' آپ میرے ساتھ خود ہلاکو کے پاس چلئے۔ مال و جواہر اس کی نذر کیجئے اور اس کی لڑکی سے اپنے بیٹے ابوبکر کا عقد کر دیجئے۔

خلیفہ مستعصم کا قتل:

خلیفہ ابن علقمی کے جھانسے میں آ گیا اور وہ اپنے دونوں بیٹوں ابوبکر اور عبدالرحمٰن اور چند اراکین سلطنت کو لے کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے تمام زر و جواہر لے کر اپنی فوج میں تقسیم کر دیا اور امیر دواتی' امیر شرابی' سلیمان شاہ اور خلیفہ کے دیگر ساتھیوں کو فوراً قتل کر دیا۔

لوگوں نے ہلاکو کو رائے دی کہ خلیفہ کے خون سے ہاتھ نہ رنگے جائیں بلکہ نمدے میں لپیٹ کر اس کی جان نکالی جائے۔ (تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار)

چنانچہ خلیفہ کو نمدے میں لپیٹ کر ڈنڈے سے کچلا گیا اور خلیفہ کا دم نکل گیا۔

(ابوالفداء' ج 3' ص 194)

پھر ہاتھی کے پیروں سے ٹھوکریں لگوائیں اس کے بعد ابن علقمی نے خلیفہ کی لاش کو پاؤں سے روندا' کچلا اور کہا:

''میں اہل بیت رسالت کا بدلہ لے رہا ہوں۔'' (تاریخ ابن خلدون' ج 9' ص 189)

غرضیکہ ان میں سے کسی کو گور و کفن تک میسر نہ آیا' پہلا شخص جو ہلاکو خان کی طرف سے فوج لے کر بغداد میں داخل ہوا وہ علی بہادر تھا۔ (تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار)۔

پھر تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دن تک قتل عام کرتے رہے۔ عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا لیکن انہوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ (ابن خلدون' ج 3' ص 537)

آبادی کو ختم کر کے چالیس دن تک بغداد کو نہایت بے دردی سے لوٹا گیا۔

علامہ ابن خلدون کے مطابق:

''مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا۔''

لیبان فرانسیسی کے مطابق:

''مغلوں نے 1258ء میں بغداد پر قبضہ کیا' شہر میں قتل عام ہوا۔ مستعصم باللہ آخری عباسی خلیفہ ہلاکو مغل بادشاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ساری دولت لٹ گئی۔ کتابیں کچھ جلا دی گئیں اور کچھ دجلہ میں پھینک دی گئیں۔''

قطب الدین الحنفی لکھتا ہے:

''اس سانحہ سے قبل شائقین علوم و فنون نے اس قدر علمی ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جس وقت مغلوں نے مدارس کی کتابوں کو دجلہ میں ڈال دیا تو اس سے ایک پل تیار ہو گیا جس پر سے سوار پیدل بخوبی گزر سکتے تھے اور دریا کا پانی بالکل سیاہ ہو گیا۔'' (تمدن عرب' ص 175)

عباسی خلافت کا خاتمہ:

مسلمانوں کا یہ عظیم الشان شہر جو صدہا سالوں سے خلافت کا صدر مقام تھا' علم و فن کا مرکز' علماء اور فقہاء کا مرجع اور دولت و ثروت کا مخزن تھا وہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ بیس لاکھ کی آبادی میں

سے صرف چار لاکھ بچے جن میں زیادہ تعداد شیعہ کی تھی' سوا پانچ سو سال کے بعد عباسی حکومت کا خاتمہ مستعصم کی ذات پر ہوا۔ 19 محرم 656ھ کو باب کلواذی کی جانب برج عظمیٰ پر مغلوں کا پرچم لہرایا گیا۔

عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر ہلاکو نے ٹھکرا دیا۔ (تمدن عرب' ص 178)

ابن علقمی کا حشر:

ابن عمران شیعی کو بغداد کا حاکم بنایا گیا اور ابن علقمی کو اس کا چپڑاسی بنایا اور علی بہادر کو شحنہ بغداد کیا۔ صنع الدین بن عبدالمومن شیعی نے بھنڈائی اور گانا سنا کر ہلاکو کے ہاتھوں جان بچائی بلکہ انعام و اکرام حاصل کیے۔ محقق طوسی کی فرمائش پر شیعوں کی جان بخشی ہوئی۔ ان کے محلے لوٹ مار سے بچ گئے۔ (تمدن عرب' ص 175)

ہلاکو خان مشرقی بغداد میں واقع قصر مامونیہ میں خود ٹھہرا' تمام شاہی خاندان کے افراد گرفتار کر لئے گئے اور سب کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر شہر میں آگ لگا دی گئی۔ اس آگ نے خلیفہ کی مسجد' امام موسیٰ کاظم کا مشہد' رصافہ کا شاہی قبرستان اور بڑی بڑی عمارتوں کو خاکستر کر دیا اور چند روز میں یہ جنت ارضی کھنڈرات میں بدل گئی۔



سقوط بغداد کے محرکات

1- قرامطہ کی شورشیں:

چنگیز خان کے پوتے منگو خان کے عہد میں عراق عجم کے علاقوں میں قرامطہ نے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا' وہاں کے لوگوں نے منگو خان سے فریاد کی جس پر اس نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایران کا حاکم مقرر کر دیا جس نے عراق پر لشکر کشی کے بعد اسماعیلیوں کی شورش کو ختم کیا لیکن قرامطیوں کا قلعہ التموت جس پر رکن الدین خوارزم شاہ کی حکومت تھی اور وہ اس فتنہ و فساد کا سرچشمہ تھا۔

2- خلیفہ بغداد کا عدم تعاون:

قلعہ التموت دشوار گزار پہاڑوں میں بحیرہ خزر کے جنوب میں واقع تھا اس لئے ہلاکو نے آس پاس کے تمام سرداروں اور خلیفہ بغداد سے تعاون کی اپیل کی لیکن خلیفہ بغداد نے کوئی امداد نہ کی پھر ہلاکو نے اپنے دست و بازو کی ہمت سے قلعہ التموت پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور رکن الدین خوارزم شاہ کو شکست دینے کے بعد قتل کر دیا۔

اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد ہلاکو نے خلیفہ بغداد کو شکوہ آمیز خط لکھا اور منگولوں کی اطاعت قبول کرنے اور ان کی بالادستی تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا لیکن مستعصم نے اس خط کا جواب بہت سخت دیا اور تاتاری سفیر کی بے عزتی کرتے ہوئے دربار سے نکال دیا۔

سقوط بغداد کے اسباب

سقوط بغداد کے چند اہم اسباب یہ ہیں:

1- عباسی خلفاء کی نااہلی:

عباسی خلافت کی حیثیت اب چراغ سحری سے زیادہ نہ تھی۔ مسلسل نااہل اور ناکارہ حکمرانوں کے تخت نشین ہونے کی بدولت عباسی خلافت اپنی عظمت اور قوت کھو چکی تھی۔ قومی تنظیم اور نظم و نسق مختلف قسم کی خرابیوں کا شکار تھا۔ خلفاء کا اقتدار صرف بغداد تک محدود تھا۔

2- ابن علقمی کی عدم بصیرت:

جب ہلاکو خان بغداد کی تباہی کے منصوبے بنا رہا تھا اس وقت مسند خلافت پر مستعصم جیسا نااہل خلیفہ براجمان تھا۔ اسے امور مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی لہٰذا تمام اختیارات اپنے وزیر محمد بن علقمی کے سپرد کر رکھے تھے۔ ابن علقمی اگرچہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو اس اعتماد کا اہل ثابت نہ کیا جو خلیفہ کو اس پر تھا۔ ابن علقمی پر اس اندھے اعتماد نے کئی قسم کی خرابیوں کو جنم دیا اور پھر یہ کہ ابن علقمی اندر سے عباسی حکومت کے متعلق خار کھاتا تھا کیونکہ وہ شیعہ تھا۔ اسے مصر سے

فاطمی حکومت کے خاتمے کا دلی صدمہ تھا اس لئے عباسی حکومت کا دل سے خاتمہ چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے زبردست پلاننگ کی۔

3- خلافت بغداد کی اندرونی کمزوری:

ان حالات میں خلیفہ کے پاس کوئی ایسی قوت یا زبردست منظم فوج موجود نہ تھی جو ہلاکو خان جیسے باہمت حکمران کا مقابلہ کر سکتی۔ فوجی قوت کی کمی کے علاوہ حکمران طبقہ میں جوش عمل بھی موجود نہ تھا۔ ہلاکو خان کو بغداد کی ان اندرونی کمزوریوں کا علم تھا لہٰذا ان سازگار حالات کی موجودگی میں ہلاکو خان نے بغداد کی فتح کا منصوبہ بنایا۔

4- اتحاد و اتفاق کا فقدان:

مسلمانوں میں اتحاد، عمل اور یگانگت مفقود تھی۔ وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور آپس میں دست و گریبان رہتے تھے۔ مذہبی جھگڑوں اور مناظروں نے شیعہ سنی، حنبلی اور حنفی فساد کی شکل اختیار کر لی تھی۔ دونوں فرقوں کے لوگ جزئی اور بے مقصد مسائل میں اُلجھ کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ انہیں آنے والے خطرات کا کوئی احساس نہ تھا اور نہ ہی وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔

5- شیعہ سنی فساد:

بغداد کی شیعہ سنی آبادی ایک دوسرے کے خلاف مورچہ بند تھی۔ خلیفہ کا شیعہ وزیر ابن علقمی سیاہ وسفید کا مالک تھا مگر سنیوں کے ساتھ دشمنی میں بدنامی کی حد تک مشہور تھا چنانچہ اس نے محض اپنے ذاتی اقتدار کو مضبوط رکھنے کی خاطر شیعہ گروہ کو بھڑکایا اور سنیوں پر زیادتیاں شروع کر دیں جبکہ خلیفہ کو حالات کی صحیح خبر نہ تھی۔

دوسری طرف خلیفہ کا بیٹا ابوبکر سنیوں کا ہمنوا بن کر ابن علقمی کی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لئے میدان میں اُتر آیا چنانچہ شیعہ سنی فساد نے خانہ جنگی کی سی صورت اختیار کر لی۔ شیعہ آبادی کرخ کا اس فساد کے دوران خاصا نقصان ہوا لہٰذا مسلمانوں کی آپس کی پھوٹ اور فرقہ بندی اس تباہی کا بہت بڑا سبب بنی۔

6- ابن علقمی کی غداری:

ابن علقمی نے ملی اور قومی غداری کا ثبوت دیا جب وہ خلیفہ کے بیٹے ابوبکر کو خلیفہ سے کوئی سزا نہ دلوا سکا تو اس نے عباسی خلافت ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا اور ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اگرچہ عباسی خلافت بے حد کمزور تھی لیکن وہ ابھی تک دنیائے اسلام کا مرکز تھی اور مسلمانوں کو روحانی طور پر اس کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔

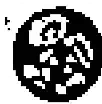
7- نصیر الدین طوسی کی انگیخت:

ہلاکوخان بغداد پر حملہ کرنے سے اس لئے ہچکچاتا تھا کہ کہیں وہ ایک تو پوری اسلامی دنیا کو اپنا مخالف بنا ڈالے اور دوسرے یہ کہ قہر خداوندی کا موجب بنے۔ ہلاکو خان کا وزیر مشہور فلسفی نصیر الدین طوسی جو کہ خود کٹر شیعہ تھا' ابن علقمی نے اس کی وساطت سے بغداد پر حملہ کرنے کی درخواست کی چنانچہ نصیر الدین طوسی نے یہ کہہ کر ہلاکو خان کی ہمت بندھائی کہ اگر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کے بعد بھی دنیا اسی طرح قائم رہی اور ظالموں پر کوئی قہر نازل نہیں ہوا تو مستعصم کی موت اور خلافت عباسیہ کے خاتمہ سے کون سی قیامت برپا ہو جائے گی بلکہ ان غاصبوں کو مسند اقتدار سے ہٹا دینا کار ثواب ہے۔

ابن علقمی کی احمقانہ رائے:

مستعصم نے اپنے عہد حکومت میں تاتاریوں کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست فوج تیار کی تھی جبکہ ابن علقمی نے خلیفہ سے کہا کہ اس قدر عظیم الشان فوج کے اخراجات ملکی آمدنی سے پورے نہیں ہو سکتے لہٰذا اس بے فائدہ فوج کو فارغ کر دیا جائے۔ خلیفہ نے بلاچوں چرا اس رائے کو مان لیا چنانچہ بغدادی فوج کا کثیر حصہ ختم کر دیا گیا اور جو بچ گئے انہیں شہریوں سے محاصل اکٹھے کر کے تنخواہ پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طریق سے ظاہر ہے شہریوں اور فوج کے درمیان نفرت پیدا کرنا مقصد تھا جس میں ابن علقمی کامیاب ہو گیا۔

ان محرکات اور اسباب کی وجہ سے سقوط بغداد کا عظیم اور جان گداز سانحہ پیش آیا۔



خلافت عباسیہ کے زوال کے اسباب

عباسی حکومت تقریباً سوا پانچ سو برس تک برسر اقتدار رہی' ان میں چند خلفاء زیرک' اسلام پسند' فہم و فراست کے مالک' صاحب عقل و خرد اور بہترین منتظم تھے جبکہ آخری دور کے اکثر حکمران نااہل' عیش پسند' کاہل اور اسلام سے بیگانہ تھے۔ پہلے دور کے حکمرانوں کو بہت اچھے عمال میسر تھے جو خود بھی اسلام کے شیدائی' لائق' مدبر اور اعلیٰ منتظم تھے جبکہ آخری حکمرانوں کو ایسے عمال ملے جو نااہل' عیاش' خوشامدی اور لالچی تھے۔ انہوں نے خلفاء کے گرد ایسا گھیرا ڈال رکھا تھا کہ اسے ملکی حالات کی ہوا تک نہ لگنے دیتے تھے۔ ان کی تساہل پسندی اور عیش کوشی کا نتیجہ تھا کہ صوبوں کے والی مرکز سے الگ ہوتے گئے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اس تفرقہ سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

اگر عباسی خلفاء دین اسلام کی اسی طرح حفاظت کرتے جس طرح خلفاء راشدین کرتے تھے تو شاید ان کا زوال اتنی جلدی نہ ہوتا۔ انہوں نے تو بنوامیہ جتنی بھی احکام دینیہ کی پابندی نہ کی۔ علماء اور صلحاء نے خود پر جبر کرتے ہوئے ان کی طرف سے کی جانے والی اسلام کی خدمت کو ہی غنیمت جانا اور صبر کر لیا تھا۔

قانون فطرت ہے کہ ہر عروج کو زوال کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ عباسی حکومت جو کبھی دنیا کے اکثر حصہ پر حکمران تھی' سمٹنا شروع ہو گئی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عباسی دور کا چوتھائی حصہ علم و ادب کی ترقی' تہذیب و ثقافت' معاشی خوشحالی اور معاشرتی عظمت کا آئینہ دار تھا اور منصور سے معتصم تک کا دور اسلام کی عظمت' شان و شوکت اور جاہ و جلال کا بہترین نمونہ تھا۔

لیکن اس خاندان نے جب حکومت و دین کی سرپرستی سے غفلت برتنا شروع کی تو دیکھتے ہی دیکھتے صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ خلافت عباسیہ کے زوال میں کئی عناصر کارفرما تھے جن کا پچھلے صفحات میں ضمناً تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب یہاں ہم انہیں امتیازی حیثیت سے بیان کرتے ہیں۔

1- علوی اور ہاشمی تحریکیں:

عباسی خلفاء یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ خاندان بنوامیہ کے افراد ہاشمی خاندان کے مخالف ہیں۔ عباسیوں نے بھی بنوامیہ کے خلاف تحریک چلائی' ہاشمیوں نے اس بناء پر اُن کا ساتھ دیا تھا کہ عباسی ان کی خلافت کے لئے کوشاں ہیں لیکن جب بنوامیہ کا آخری خلیفہ مروان ثانی فوت ہوا تو عباسی حکومت قائم ہو گئی۔ ہاشمیوں کو یہ دیکھ کر دلی رنج ہوا اور انہیں تب معلوم ہوا کہ ہمارے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے کہ خلافت پر تو عباسی خود قابض ہو گئے ہیں حالانکہ انہیں خلافت ہمارے حوالے کرنی چاہئے تھی لہٰذا نتیجتاً وہ عباسیوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے پورے دور اقتدار میں علوی' فاطمی اور ہاشمی ان سے برسر پیکار رہے۔

2- شخصی حکومت:

عباسی حکومت ہر لحاظ سے شخصی حکومت تھی۔ شخصی حکومت کا دارومدار مکمل طور پر فرد واحد پر ہوتا ہے' فرد واحد کی حکومت اس وقت کامیاب اور مستحکم ہوتی ہے جب حکمران ہمہ صفت موصوف ہو اور وہ حکومت پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو' نظم و نسق پر مکمل کنٹرول رکھ سکتا ہو اور تمام عمال پر بھی قابو پانے کی قوت رکھتا ہو اور صالح اور لائق لوگوں سے بھی غافل نہ رہتا ہو۔ جب تک ایسے حکمران برسراقتدار رہے' عباسی حکومت کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجتا رہا جونہی نااہل حکمران تاج و تخت کے وارث ہوئے تو ان کی حکومت زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی۔

دوسرے یہ کہ فرمانروا حکومتی معاملات میں مختار کل ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنے کلی اختیارات کا ناجائز استعمال شروع کر دیتا ہے جو فرمانروائی اور حکومتی اصولوں کے منافی ہوتا ہے۔ عباسی حکمرانوں نے بھی اپنے انہی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ابومسلم خراسانی' ابوجعفر برمکی اور امام احمد بن حنبل پر ظلم کرنا شروع کر دیئے جن کی بناء پر رعایا ان کے خلاف ہو گئی اور یہی مخالفت آگے چل کر زوال کا باعث بنی۔

3- نسلی تفاخر:

عباسی دور میں فرمان خداوندی "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کے حکم کے خلاف ذات پات' حسب و نسب اور رنگ و نسل کو اولیت و اہمیت دی گئی۔ عباسیوں نے عربوں کے مقابلے میں ایرانیوں کو اہمیت دینا شروع کر دی۔ پھر بسیار کوشش کے باوجود اس امتیازی سلوک کو ختم نہ کیا جا سکا جو ان کے زوال کی اہم وجہ بن گیا۔

4- فاطمیوں کی مخالفت:

جہاں عرب عباسی حکومت کی مخالفت کرتے تھے وہاں بنوفاطمہ بھی ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے کیونکہ خود بنوعباس نے بنوامیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے وقت اسی خاندان کی حکمرانی کا نعرہ بلند کیا تھا اور یہ اسی نعرے کی وجہ سے عجمیوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے لیکن جب بنوامیہ کا تختہ اُلٹ گیا تو عباسیوں نے بنوفاطمہ کی بجائے اپنی حکومت قائم کر لی بلکہ بنوفاطمہ پر ظلم و تشدد شروع کر دیا۔

ہارون نے برمکی وزیر کو قتل کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کی تھی کہ وہ اہل بیت کی زبردست حمایت کرتا ہے اور ہر وقت انہیں اکرام و انعامات سے نوازتا ہے چونکہ عباسیوں کے اکثر وزراء شیعہ ہوتے تھے جبکہ خود عباسیوں نے دین حنیف "اہل سنت" کی سرپرستی کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ آخری خلیفہ کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے ہلاکو خان کو خود بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی جس نے بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عباسی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

5۔ وسعت سلطنت:

حاکم خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کے لئے ایک وسیع وعریض سلطنت کو سنبھالنا بہت مشکل کام ہوتا ہے چونکہ آخری دور کے عباسی حکمران حد درجہ نااہل اور عیش پرست تھے' وہ اتنی وسیع سلطنت کا انتظام سنبھال نہ سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبے مرکز سے الگ ہو گئے۔ پورے ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی جو عباسی حکومت کے زوال کا باعث بنی۔

6۔ ترکوں کا بے جا اقتدار:

شروع شروع میں عباسیوں نے ترکوں کو خوب نوازا کیونکہ عباسی عربوں کی طاقت ختم کرنا چاہتے تھے۔ ترکوں کو اہم عہدوں پر تعینات کیا گیا' فوج میں ان کو زیادہ نمائندگی دی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترک بہت جلد عباسی حکومت پر حاوی ہو گئے۔ وہ جسے چاہتے جاگیریں عطا کرتے' جسے چاہتے اقتدار سے محروم کر دیتے' خلیفہ کی حیثیت برائے نام ہوتی گئی اور حکومت ترکوں کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی جس کا اثر یہ ہوا کہ ہر کوئی باغی ہو گیا۔ خودمختار ریاستیں وجود میں آنا شروع ہو گئیں اور آہستہ آہستہ عباسی سلطنت کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا۔

7۔ اخلاقیات کا خاتمہ:

عباسی خاندان کے اکثر خلفاء اخلاق کا دامن چھوڑ کر فسق و فجور کی طرف راغب ہو گئے۔ تمام کاروبار سلطنت وزراء کے ہاتھوں میں چلا گیا' خلفاء اپنی عیش پرستی میں مگن رہتے تھے۔ وہ شراب و شباب سے اپنا دل بہلاتے رہتے تھے۔ لالچی حکام نے ان کے اس طرز عمل سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور خودمختاری کا اعلان کرتے گئے۔ عباسی حکومت کا اقتدار بغداد اور اس کے گردونواح تک محدود ہوتا گیا۔ وہ بھی تھوڑے عرصے بعد ختم ہو گیا۔ خلفاء کی اخلاقی پستی ہی ان کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

8۔ عورتوں کا حکومت میں عمل دخل:

خلفاء کی نااہلی نے خواتین حرم کو امور سلطنت میں دخل دینے پر اکسایا چنانچہ انہوں نے امور حکومت میں ہر قسم کی مداخلت شروع کر دی۔ کچھ خواتین نے اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ اشد ضرورت کے وقت بھی خلفاء کے حوالے نہ کی اسی طرح قہرمانہ نامی کنیز نے بھی خلیفہ مقتدر باللہ کی حکومت کو اقتصادی اور مالی بحران کا شکار بنایا کیونکہ خلیفہ وقت عورتوں کے اشاروں پر ناچتے رہتے تھے اس طرح خواتین کی گرفت حکومت پر مضبوط تر ہوتی گئی جو ایک دن سلطنت عباسیہ کے زوال کا باعث بنی۔

9۔ اصول جانشینی:

جس اصول جانشینی نے بنوامیہ کی حکومت کو ختم کیا تھا' عباسی خلفاء نے اسی اصول کی پیروی کی یعنی ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے کئی کئی جانشین نامزد کر دیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر جانشین آپس میں لڑائی جھگڑے شروع کر دیتے تھے جس کا فائدہ دشمن اٹھاتے تھے لہٰذا ملک خانہ

جنگی کا شکار ہو جاتا تو اس طرح عباسی حکومت کی جڑیں روز بروز کمزور ہوتی چلی گئیں جو بالآخر زوال پر منتج ہوئیں۔

10- آفات سماوی:

جب کسی حاکم کو سزا دینا مقصود ہو تو قدرت اس ملک پر آفات سماوی نازل کرتی ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں اچھی طرح پتہ چلتا ہے کہ جب قوموں نے راہ حق چھوڑ دیا' اللہ تعالیٰ کے ناشکرے بن گئے' انسانوں کو اپنا مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے اپنی رحمت کا ہاتھ کھینچ لیا۔ چنانچہ کہیں زلزلے آئے' کہیں بیماریاں پھوٹ پڑیں' کسی کو قحط سالی نے تباہ کیا اور کسی کو رعد (بجلی کی کڑک) نے نیست و نابود کر دیا۔ عباسی سلطنت کا بھی یہی حال ہوا کہ بیماریوں نے اس کے کثیر حصہ یعنی ایشیا اور یورپ کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ شام و عراق کا یہی حال ہوا۔ شہروں کے شہر ویران ہو گئے۔ ملک میں قحط سالی نے ڈیرے جما لئے۔ یہ بھی عباسی حکومت کے زوال کا ایک سبب تھا۔

11- نئی تحریکیں اور فرقوں کا ظہور:

عباسی دور میں کئی نئے فرقے ظاہر ہوئے جنہوں نے ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ پورا ملک مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گیا' ان فرقوں میں اسماعیلیہ' قرامطہ' معتزلہ' اشاعرہ' زندیقیہ اور باکیہ نے اپنے اپنے عقائد کی خوب تبلیغ کرنا شروع کر دی۔ ان میں کچھ فرقے تو تشدد کے بھی قائل تھے۔ انہوں نے جبر و استبداد سے کام لیا اور حکومت سیاسی وجوہ کی بناء پر ان سے مقابلہ کرنے سے قاصر رہی جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ عوام کا خلیفہ پر سے اعتماد اُٹھ گیا جو کہ زوال کی ایک وجہ بنا۔

12- تاتاری حملہ:

جب عباسی حکومت کے آخری خلیفہ کے شیعی خیالات کے وزیر نے خلیفہ کو ازحد بے بس محسوس کیا تو اس نے تاتاری قوم کو خود دعوت دے کر بلا لیا اور ہلاکو خان نے عباسی حدود میں قدم رکھتے ہی وہ بربریت دکھائی کہ ''الامان والحفیظ'' اس طرح بنو عباس کی پانچ سو سالہ حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔



بنو عباس کا ملکی اور عسکری نظام

بنو عباس کے برسراقتدار آتے ہی عربی اقتدار کو ایک زبردست دھچکا لگا اور اس کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔ اسلامی اصول مساوات کے باوجود اہل عرب اپنے آپ کو دیگر اقوام سے بالاتر، افضل اور برتر تصور کرتے تھے لیکن خلفاء عباسیہ نے عجمی عناصر کو ان پر فوقیت دے کر اس نسبی تفاخر کا خاتمہ کر دیا۔ عباسیوں نے عربی اور عجمی کی تفریق کو ختم کر کے عالم اسلام پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے اور اسی اقدام کی بدولت جملہ مسلمانان عالم نے انہیں دنیاوی حکمران ہونے کے علاوہ اپنا روحانی پیشوا بھی تسلیم کیا۔ تقدس و روحانیت کا یہ لبادہ خاندان عباسیہ کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ثابت ہوا کیونکہ اس کی بدولت سیاسی اقتدار نہ ہونے کے باوجود بھی ان کا حق خلافت مسلوب نہیں ہوتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ کسی اندرونی قوت نے انہیں اس منصب سے ہٹانے کی جرأت نہ کی۔ اپنی قوت و شوکت اور فوجی طاقت کے لحاظ سے سلجوقی، دیلمی اور غزنوی حکومتیں بہت بلند مقام رکھتی تھیں اور اس زمانے کے سیاسی خلفاء ان کے پاسنگ بھی نہ تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے کبھی جرأت نہیں کی کہ عباسیہ کو گدی سے اُتار کر اپنی خلافت قائم کریں بلکہ ان بے دست و پا اور برائے نام خلفاء سے اپنی حکومت کے جواز کے فتوے طلب کرتے تھے۔ یہ سب روحانی احترام کے کرشمے تھے۔

دقیق نظر سے دیکھا جائے تو اس حقیقت کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا کہ قوت و اقتدار کے پیش نظر صرف پہلے آٹھ عباسی خلیفے ہی صحیح معنوں میں حکمران کہلانے کے حق دار ہیں اور جب ہم بنو عباس کے ملکی انتظام کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری مراد انہی آٹھ خلفاء سے ہوتی ہے۔ باقی کے عباسی تو فقط نام کے بادشاہ تھے کیونکہ سلطنت کی باگ ڈور ترک سرداروں اور امیروں کے ہاتھ میں ہوتی تھی جو اپنی من مانی کرتے جبکہ خلفاء ان کے پنجے میں بے بس ہو کر رہ گئے تھے اور حکومت کے نظم و نسق میں انہیں کوئی دخل نہیں تھا۔

انتظام سلطنت:

نظام حکومت تقریباً وہی تھا جو بنو امیہ کے وقت میں رائج تھا صرف چند شعبوں کی توسیع کی گئی تا کہ کام زیادہ مستعدی اور ہوشیاری سے کیا جا سکے۔

بنو امیہ کی طرح خلفاء عباسیہ بھی اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین نامزد کر دیتے تھے اس نامزدگی کے وقت تمام امراء، سردار، فوجی کمانڈر اور دیگر اراکین سلطنت ولی عہد کے سامنے پیش ہو کر اس کی اطاعت کا حلف اُٹھاتے اس کے بعد صوبائی حاکم یا قائمقام شہزادے کی طرف سے عوام سے بیعت لیتے۔ خلیفہ کی وفات کے بعد جب ولی عہد تخت خلافت پر متمکن ہوتا تو سب لوگوں سے دوبارہ اس کی خلافت کی بیعت لی جاتی تھی۔

بنو عباس کا مرکزی نظام حکومت

اپنے پیشرو بنوامیہ کی طرح بنوعباس کی حکومت بھی شخصی اور استبدادی تھی۔ مجلس شوریٰ کا وجود ناپید تھا اور خلیفہ کو کامل اختیار تھا کہ جس طرح چاہے امور سلطنت انجام دے لیکن ان لوگوں نے اپنی سہولت کے لئے وزارت کا نیا عہدہ قائم کیا اور اپنے سب سے زیادہ قابل اعتماد شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام اختیارات اس کے حوالے کر دیتے۔ وزیر ایک طرح سے خلیفہ کا نائب ہوتا تھا۔ عہدہ داروں کی تقرری اور معزولی' بیت المال کی نگرانی' جاگیروں کی تقسیم وغیرہ سب اسی کے ذمے ہوتی تھیں۔ مرکز کے عام شعبہ جات بھی اسی کے تحت تصور کئے جاتے تھے۔ شعبہ کتابت تو براہ راست اس کی نگرانی میں ہوتا تھا۔

ابتداء میں صرف ایک ہی وزیر ہوا کرتا تھا مگر بعد میں ہر محکمہ کے لئے ایک علیحدہ وزیر بنایا گیا۔ سب سے بڑے وزیر کو وزیر اعلیٰ یا مدار المہام اور امیر الامراء وغیرہ ناموں سے پکارا جانے لگا۔

وزارت کے بعد دوسرے نمبر پر حجابت کا عہدہ ہوتا تھا۔ حاجب کے لفظی معنی دربان کے ہیں مگر خلفاء عباسیہ کے نزدیک یہ منصب اتنا ممتاز تھا کہ وہ اپنے خاص اور قابل اعتماد آدمی کو ہی اس پر فائز کرتے' کوئی شخص حاجب کی اجازت کے بغیر خلیفہ سے نہیں مل سکتا تھا۔ علاوہ ازیں حاجب کو ایک مشیر کی حیثیت بھی حاصل ہوتی تھی اور خلیفہ تمام اہم ملکی معاملات میں اس سے مشورہ لیتا۔ بعض اوقات وزارت اور حجابت دونوں عہدے ایک ہی شخص کی تحویل میں ہوتے تھے۔

مرکزی شعبہ جات:

مرکزی شعبہ جات کی تقسیم اور طریق کار بعینہٖ وہی تھا جو بنوامیہ نے قائم کیا تھا البتہ عباسیوں نے چند ایک مزید شعبے قائم کر کے اس نظام کو مزید وسیع کیا۔ ان نئے محکموں میں دیوان کتابت اور دیوان حکمت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس عہد کے مشہور شعبہ جات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

1- دیوان خراج:

اس محکمہ کے تحت بیت المال کے محاصل و مصارف مثلاً خراج' زکوٰۃ' جزیہ' عشر اور دیگر ٹیکسوں کا حساب کتاب تھا۔

2- دیوان رسائل و دیوان کتابت:

عہد عباسیہ میں اس محکمہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ شاہی احکامات' سیاسی عہدنامے اور غیر ملکی بادشاہوں کے خطوط کا جواب تحریر کرنا اسی شعبہ کے سپرد تھا۔ اس محکمہ میں صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوش نویس لوگوں کو ہی ملازم رکھا جاتا تھا۔

3- دیوان توقیع:

اس محکمہ کے ذمہ خلیفہ کے نام آئی ہوئی چٹھیوں' درخواستوں اور ان کے جوابات کا انتظام تھا

مزید برآں یہ شعبہ شاہی احکام کی نقول بھی تیار کر کے محفوظ رکھتا تھا۔

4- دیوان برید:

شاہی ڈاک کی روانگی اور رسیدگی اس شعبہ کے سپرد تھی۔ اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کو صاحب البرید کہا جاتا تھا۔ ڈاک کے علاوہ صوبائی حالات و واقعات سے خلیفہ کو باخبر رکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ ڈاک تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعے منزل بمنزل پہنچائی جاتی تھی۔ خلیفہ معتصم کے عہد میں کبوتروں سے بھی ڈاک کی ترسیل کا کام لیا جانے لگا تھا۔

5- دیوان ضیاع:

یہ محکمہ شاہی املاک کی غور و پرداخت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

6- دیوان الموالی:

یہ محکمہ خلیفہ کے غلاموں کے لباس' خوراک اور رہائش کا انتظام کرتا تھا۔

7- دیوان الاحداث:

شاہی پولیس کا انتظام اس شعبہ کے سپرد تھا۔ افسر اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

8- دیوان العطا:

سرکاری عطیات کا حساب کتاب اس محکمہ کے سپرد تھا۔

9- دیوان الذمام:

غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کا کام اس محکمہ کی ذمہ داری تھی۔

10- دیوان العوض:

یہ محکمہ فوج سے متعلق تھا۔ اسلحہ سازی کے کارخانے بھی اسی محکمہ کے سپرد تھے۔

11- دیوان الاقرحہ:

اس شعبہ کے ذمے آبپاشی کا نظام تھا اور نہروں کا بندوبست کرتا تھا۔

بنو عباس کا صوبائی نظام حکومت

صوبائی حکومتیں گورنروں کے ماتحت ہوتی تھیں جنہیں خلیفہ خود مامور کرتا تھا۔ ماتحت عملے کا تقرر گورنر کی اپنی منشاء کے مطابق عمل میں آتا۔ صوبائی محکموں کی تقسیم و تفصیل بالکل وہی تھی جو بنو امیہ کے نظام حکومت کے باب میں درج کی جا چکی ہے۔

پہلے سات آٹھ خلفاء کی پالیسی یہ تھی کہ کسی گورنر کو زیادہ عرصہ تک ایک صوبے میں نہ رکھا

جائے تاکہ وہ کہیں اس کا مستقل حاکم نہ بن بیٹھے لیکن بعد میں خلفاء کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اکثر گورنر اپنے ماتحت صوبوں پر مستقل طور پر قابض ہو گئے اور خلیفہ کو ان کے کاروبار حکومت میں کوئی دخل نہ رہا صرف خلیفہ کا نام خطبوں میں لیا جاتا اور ہر سال خراج کی ایک حقیر سی رقم دارالخلافت بھیج دی جاتی تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ خلفاء ان خودمختار حکومتوں کی سرکشی کو دبانے کے بجائے ان کی خودمختاری کو تسلیم کر لیتے اور سلطان الملک' امین الملت اور یمین الدولہ وغیرہ کے القاب سے بھی سرفراز فرماتے۔ غزنوی' سلجوقی اور دیلمی حکومتیں اسی طرز کی ہی تھیں۔

بنوعباس نے صوبوں کی اس تقسیم میں بہت سا ردوبدل کر دیا جو اموی عہد میں رائج تھی' کہیں دو صوبوں کو یکجا کر کے ایک ہی امیر کے ماتحت کر دیا اور کہیں ایک صوبے کے حصے بخرے کر کے مختلف امیروں کو ان پر مامور کیا۔ بڑے بڑے صوبے حسب ذیل تھے:

صوبوں کی تفصیل:

1- مصر
2- شمالی افریقہ (جہاں بعد میں غالبہ خاندان کی مستقل حکومت قائم ہو گئی)
3- جزیرہ' آذربائیجان اور آرمینیہ
4- مدینہ' مکہ اور وسطی عرب (اس صوبے کو حجاز کے نام سے پکارا جاتا تھا)
5- یمن' کوفہ اور سواد
6- بصرہ' بحرین اور شمالی عراق
7- فارس' خراسان اور ماوراء النہر
8- اہواز
9- سندھ اور پنجاب
10- شام
11- جنوبی ایران اور موصل
12- ہسپانیہ

لیکن منصور کے عہد میں صوبہ ہسپانیہ ہمیشہ کے لئے عباسی اقتدار سے نکل گیا اور وہاں پر بنوامیہ کی مستقل خلافت قائم ہو گئی۔

ہر ایک گاؤں اور قصبہ اپنا انتظام خود کرتا' حکام صرف اسی حالت میں دخل دیتے جب کوئی فتنہ و فساد برپا ہو جاتا یا لوگ محاصل کی ادائیگی میں پس و پیش کرتے۔ عرب کے بدو اور خانہ بدوش قبائل کی حکومت ان کے سرداروں کے ماتحت تھی' انہیں خلفاء کی طرف سے امراء العرب کے خطابات حاصل تھے اور وہ اپنے اپنے قبیلہ میں امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔

عدل و انصاف کا معقول انتظام:

عباسی عہد میں عدل و انصاف کا معقول انتظام تھا۔ غیر مسلموں کے مقدمات ان کے اپنے مذہبی پیشوا سنتے اور فیصلہ کرتے لیکن یہ رعایت صرف دیوانی مقدمات میں تھی۔ فوجداری مقدموں کی صورت میں مذہب و ملت کی کوئی تخصیص روا نہ رکھی جاتی تھی اور سبھی کو حکومت کے مقرر کئے ہوئے منصفوں کے سامنے پیش ہونا پڑتا تھا۔

مسلمانوں کے جھگڑے قاضیوں کی عدالتوں میں طے پاتے جو شریعت اسلامیہ کے مطابق اپنے فیصلے دیتے اور امیر و غریب ہر ایک کے لئے لازم تھا کہ وہ بلاچوں چرا ان کے احکام کی تعمیل کریں۔

ہر ایک شہر میں ایک قاضی ہوتا تھا جو ملحقہ قصبوں اور دیہات میں اپنے نائب قاضی مقرر کر دیتا۔ ان نائبوں کو عادل کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

بغداد کا قاضی ''قاضی القضاۃ'' کہلاتا تھا اور اس کی حیثیت موجودہ زمانے کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی سی ہوتی تھی۔ اس کے رعب و داب اور عزت و مرتبہ کا یہ عالم تھا کہ امراء و وزراء بلکہ خلیفہ تک کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس کے فیصلوں سے سرتابی کرے۔

مملکت کی سب سے بڑی عدالت دارالعدل کہلاتی تھی جس کا صدر خود خلیفہ یا قاضی القضاۃ ہوتا تھا۔ وزیراعظم اور حاجب بھی اس کورٹ کے جج شمار ہوتے تھے۔ ملک کی دیگر تمام عدالتیں دارالعدل کے ماتحت ہوتی تھیں۔

دارالعدل میں صرف اس شخص کی شہادت کو معتبر اور قابل قبول سمجھا جاتا تھا جس کا چال چلن اور سابقہ زندگی آلائشوں سے پاک ہو بلکہ ایسے لوگوں کے اندراج کے لئے ایک الگ رجسٹر ہوتا تھا جس میں قابل شہادت لوگوں کے نام اور کوائف درج ہوتے تھے۔

فوجی نظام:

عہد عباسیہ میں اسلامی فوج تعداد اور سازوسامان کے لحاظ سے دنیا کی بہترین افواج میں شمار ہوتی تھی۔ اموی لشکر تو فقط عرب سپاہیوں پر ہی مشتمل ہوتا تھا دیگر عناصر کو اس میں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا مگر عباسیوں نے عربوں کے علاوہ خراسانیوں ترکوں اور دیگر اقوام کو بھی اپنی فوج میں شامل کر لیا جس کے باعث ایک تو لشکر کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا اور دوسرے ہر ملک کے اسلوب جنگ سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔

سارا اسلامی لشکر دو قسم کی افواج پر مشتمل تھا:

1- باقاعدہ فوج
2- رضاکار (والنٹیئر)

باقاعدہ فوج تنخواہ دار ہوتی تھی اور وہ سارا سال فوجی چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔ رضاکار تنخواہ نہیں لیتے تھے بلکہ جہاد کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے جنگوں میں حصہ لیتے تھے اور ان پر کسی قسم کی پابندی

نہیں ہوتی تھی۔ لڑائی کے دوران میں انہیں خوراک اور اسلحہ حکومت کی طرف سے ملتا تھا البتہ اتنے عرصہ کے لئے ان کے بیوی بچوں کے لئے روزینہ مقرر ہو جاتا تھا۔

فوجی عہدوں کی تقسیم:

باضابطہ فوج کے عہدوں کی تقسیم کم و بیش وہی تھی جو اموی سلاطین نے قائم کی تھی۔ دس سپاہیوں کے افسر کو عارف کہتے تھے۔ سو سپاہیوں یعنی دس عارفوں پر ایک نقیب ہوتا تھا۔ ایک ہزار سپاہیوں یا دس نقیبوں پر مشتمل افسر قائد کہلاتا تھا۔ دس قائد یعنی دس ہزار نفوس ایک جرنیل کے ماتحت ہوتے تھے۔ گویا ایک جرنیل دس ہزار فوج کی کمان کرتا تھا۔

یلغار کے وقت فوج کی ترتیب:

یلغار کے وقت فوج کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی تھی:

سب سے آگے رسالہ چلتا تھا جس کے دونوں طرف خراسانی اور شمالی ایران کے تیرانداز ہوتے تھے کیونکہ یہ لوگ تیراندازی میں کمال مہارت رکھتے تھے اور دوڑتے ہوئے گھوڑے پر بھی اتنی مستعدی سے تیر مارتے کہ عین نشانے پر جا بیٹھتا' رسالے کے پیچھے پیادے دستے صف در صف چلتے' ان کے عقب میں سامان خوردونوش سے لدے ہوئے بار برداری کے جانور ہوتے اور سب سے آخر میں توپ خانہ آتا جس میں بھاری بھرکم منجنیقیں اور قلعہ شکن توپیں ہوتی تھیں۔ یہ چھکڑوں پر لدی ہوتی تھیں جنہیں اونٹ کھینچتے تھے۔

لشکر کے ساتھ شفاخانہ بھی ہوتا تھا۔ دواؤں کے ذخیرے خچروں پر لدے ہوتے تھے۔ زخمیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے ایک خاص قسم کی آرام دہ پالکی استعمال کی جاتی تھی جسے اونٹ اُٹھاتے تھے۔ شفاخانہ کے علاوہ فوج کے ہر دستہ کے ساتھ ایک انجینئر بھی ہوتا تھا جسے منجنیقی کہا جاتا تھا۔ قلعہ شکن توپیں اور منجنیقیں اس انجینئر کی نگرانی میں ہوتی تھیں۔

باقاعدہ فوج کو سرکاری خزانہ یعنی بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی مگر جب عباسی حکومت کمزور ہوئی اور خزانہ خالی ہو گیا تو بجائے نقد تنخواہ کے زمینیں اور جاگیریں دی جانے لگیں اس پالیسی سے زرعی پیداوار میں بڑی کمی واقع ہو گئی اور ملک میں ہر سو بدنظمی پھیل گئی۔ یہی انتشار بعد میں خلافت عباسیہ کے زوال کا ایک سبب بنا۔

بحری بیڑہ:

بحری بیڑے کی ابتداء اور ترقی کا مفصل حال بنوامیہ کے حالات میں بتایا جا چکا ہے' عباسی دور میں بھی سمندری فوج نے رومیوں کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ قبرص اور سسلی کے جزائر کی فتح' بحری بیڑے کی وساطت سے ہی پایہ تکمیل کو پہنچی۔

مسلمان جہازرانوں کا دستور یہ تھا کہ جب وہ دشمن کی فوج کے مقابلہ میں اپنے لشکر کو کمزور پاتے تو دور سے گولہ باری یا تیراندازی کرنے کے بجائے اپنے جہازوں کو ان کے قریب لے جاتے اور

دست بدست جنگ شروع کر دیتے۔ اس ترکیب سے وہ بڑے بڑے مضبوط اور مستحکم بیڑوں کو بھی شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے۔

شروع شروع میں صرف شام اور مصر کے ساحلی علاقوں کے باشندے ہی بحری فوج میں شامل ہوتے تھے باقی اقوام سمندر کے ڈر سے اس طرف متوجہ نہیں ہوتی تھیں مگر رفتہ رفتہ یہ خوف کم ہوتا گیا اور تمام ممالک کے مسلمان سمندری فوج میں ملازمت اختیار کرنے لگے۔

جاسوسی کا نظام:

صوبائی گورنروں کو قابو میں رکھنے اور رعایا کے حالات و واقعات سے باخبر رہنے کے لئے خلفاء عباسیہ نے جاسوسی کا بڑا منظم اور وسیع شعبہ قائم کر رکھا تھا۔

خفیہ پولیس کے کارکن سوداگروں اور واعظوں کے لباس میں مملکت کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تھے جس کے باعث چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کی خبر بھی خلیفہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اگر کہیں ایلچی یا قاصد بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو انہی جاسوسوں میں سے بہترین کارکن کو منتخب کر کے بھیجا جاتا تھا۔

علوم وفنون کی نشرواشاعت:

عہد عباسیہ میں علوم وفنون کو بہت ترقی ہوئی۔ ہزاروں یونانی' ایرانی اور سنسکرت کی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کرے گئے۔ مزید برآں گرامر' ریاضی' اقلیدس' فلسفہ' موسیقی' طب' جغرافیہ اور احادیث کے بارے میں بہت سی قابل قدر اور مستند کتب تصنیف ہوئیں۔ عربوں اور عجمیوں کے آپس میں خلط ملط ہونے سے بیش بہا نیا لٹریچر سامنے آیا۔ اس دور میں فارسی شاعری نے بہت ترقی کی۔ فردوسی' انوری اور سعدی جیسے باکمال شاعر اسی دور میں ہوئے۔

تعلیم و تعلم کے لئے حکومت نے بہتر سے بہتر انتظامات کئے اور طالبان علم کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائیں۔ نظام الملک نے نظامیہ اور مستنصر نے مستنصریہ نامی دارالعلوم بلکہ یونیورسٹیاں قائم کیں۔ دارالحکومت کے علاوہ دیگر تمام بڑے بڑے شہروں میں بھی درس و تدریس کے لئے مدارس کا انتظام تھا۔

چند ایک سائنس کی ایجادات بھی ہوئیں جن میں بحری' کمپاس اور دوربین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صنعت وحرفت:

اس دور میں صنعت و حرفت اور تجارت کو بھی بہت فروغ حاصل ہوا' انجینئروں کی مدد سے پہاڑوں سے معدنیات نکلوائی گئیں اور ان سے برتن' سامان حرب اور اسی قبیل کی دیگر اشیاء بنانے کے لئے کارخانے قائم کئے گئے۔

عراق کے اکثر شہروں میں صابن سازی' بلور سازی اور کاغذ بنانے کے کارخانے بنائے گئے۔ ایران میں زردوزی کے کارخانے عمل میں لائے گئے جن میں ریشم و کمخواب تیار ہوتا اور قالین

جاتے۔ کئی جگہ اونی کپڑا بننے کا کام بھی ہوتا تھا۔

غرض مملکت کا ہر شہر کسی نہ کسی صنعت کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ ان مصنوعات کی دیگر ممالک کے ساتھ تجارت ہوتی تھی جس کے باعث ملک خوش حال اور رعایا مالا مال تھی اور ہر طرف پیسے کی ریل پیل تھی۔ (تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین' ص 501 تا 510)

عہد بنو عباس کی علمی و ادبی سرگرمیاں

رسول اکرم ﷺ کے ورود مسعود کے کچھ عرصہ بعد ہی جزیرہ نمائے عرب سے حق پرستی کا نور مشرق سے مغرب تک بجلی کی چمک کی طرح پھیلا اور حضور ﷺ کے وصال سے ایک سو برس تک کے اندر ہی اندر تہذیب و تمدن اور عدل و انصاف کے ساتھ علم و ہنر کی ترویج و اشاعت میں عرب دنیائے عالم سے گویا سبقت لے گئے۔ خلفاء راشدین کے بعد بنو امیہ کے تقریباً صد سالہ دور کے اختتام تک یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عرب چین سے لے کر بحر اٹلانٹک تک حکمران ہو گئے تھے حتیٰ کہ بحر و بر پر ان کا کوئی مدمقابل نہ رہا۔ اگر عرب خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہوتے تو اس صفحہ ہستی پر اہل اسلام کے علاوہ کسی اور کا تسلط نظر نہ آتا۔

پھر بنو عباس نے بزور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو خلیفہ سفاح کے بعد منصور نے بغداد کی بناء رکھی اور اسے دارالحکومت بنایا جو نصف صدی کے اندر عظیم الشان تہذیب و تمدن کا شہر بن گیا۔ اس کی شان و شوکت' وسعت تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کی ہلکی سی جھلک ہم عہد ہارون میں دکھا چکے ہیں۔ مزید جاننے کے لئے الاغانی' عقد الفرید اور الفہرست کا مطالعہ کافی ہے۔

بنو عباس کا دور تہذیبی' تمدنی' علمی اور ادبی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ عباسی عہد کی تمام تر عظمت و سربلندی ان ذہنی اور دماغی تخلیقات کی بدولت ہے جو اس دور میں وجود پذیر ہوئیں۔ بنو امیہ کے عہد کی خصوصیت اس عہد کی فتوحات تھیں جبکہ بنو عباس کا دور تہذیب و تمدن اور علم و ادب کی ترقی کا دور ہے جس چیز نے عباسی عہد کو تاریخ اسلام میں شہرہ آفاق بنایا وہ اس دور کی ذہنی و فکری بیداری ہے۔ اسی عہد میں تمام علوم و فنون کی ترتیب و تزئین ہوئی۔

اس علمی ترقی میں ابو جعفر منصور' مہدی' ہارون رشید اور مامون الرشید کا کردار نہایت اہم ہے جنہوں نے نہ صرف علوم و فنون کو فروغ دیا بلکہ علمائے وقت کی سرپرستی کی۔ یہ خود علم کے متلاشی تھے' مختلف علوم میں ان کی دلچسپی اور معلومات بہت زیادہ تھیں۔ ان خلفاء نے بڑے اہتمام سے جہاں سے کتب ملیں' منگوائیں اور نادر کتب کا ذخیرہ کیا۔ انہوں نے بے شمار یونانی' ہندی اور فارسی کتب کے ترجمے کرائے' اور بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جہاں کاتب' منشی اور مترجم کام کرتے تھے۔ اسی ترقی کی بدولت یہ عہد تاریخ کا سنہری دور کہلانے کا مستحق ہوا۔

ہم عہد بنو عباس کی علمی و ادبی ترقی کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(الف) مذہبی علوم میں خدمات

(ب) سائنسی علوم میں خدمات

(ج) ادبیات میں خدمات

(الف) مذہبی علوم اور ان میں ہونے والی خدمات

مذہبی علوم کے تحت علوم القرآن' تفسیر القرآن' علم حدیث' علم فقہ' علم کلام اور علم تاریخ آتے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہد عباسیہ میں ان علوم پر کس طرح اور کیا کام ہوا:

1- علوم القرآن:

علوم القرآن میں سب سے زیادہ توجہ "علم قرأت" پر دی گئی کیونکہ عربوں کے لئے تو بغیر اعراب قرآن پڑھنا مشکل نہ تھا البتہ نومسلموں خصوصاً غیر عرب کے لئے بہت دشواری تھی۔ اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے چند قراء نے اس طرف توجہ مبذول کی۔ یہ بزرگ قراء سبعہ کہلاتے ہیں' انہی کی قرائتوں میں ہماری قرآن کی ایک قرأت کا دارومدار ہے۔ ان قراء کے نام یہ ہیں:

1- نافع بن عبدالرحمٰن
2- ابو عمرو بن العلاء البصری
3- عبداللہ بن عامر
4- عبداللہ بن کثیر
5- ابوبکر عاصم بن ابی النجد
6- ابو جمارہ حمزہ بن حبیب الزیات
7- ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی

2- علم تفسیر:

عہد بنوامیہ میں علم تفسیر پر کوئی باقاعدہ قابل ذکر تصنیف نہیں ملتی۔

علم تفسیر پر باقاعدہ کام عہد عباسیہ میں شروع ہوا۔ اس دور میں تفسیر کے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔ ایک مکتب فکر کے حاملین کا نظریہ یہ تھا: کہ قرآن کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں صرف آیات قرآن' احادیث اور اقوال صحابہ پر ہی اکتفا کیا جائے۔ اس سلسلے میں مفسر اپنی رائے اور اجتہاد سے بالکل اجتناب کرے' یہ طبقہ اہل حدیث کہلایا اور اس قسم کی تفسیر "تفسیر بالماثور" کہلائی۔

دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے محسوس کیا کہ تبدیلی زمانہ کے ساتھ نئے نئے مسائل کا واسطہ پڑتا ہے لہٰذا ان نئے پیش آمادہ مسائل کو حل کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ جن لوگوں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں رائے اور اجتہاد سے کام لیا' وہ اصحاب الرائے کہلائے ان کی تفسیر کو اسی مناسبت سے "تفسیر بالرائے" کا نام دیا گیا۔

اہل حدیث کا تفسیری ذخیرہ:

اہل الحدیث یا اصحاب الحدیث نے جو شاندار تفسیری ذخیرہ اس عہد میں مرتب کیا' وہ ان کا ایک شاندار کارنامہ ہے چنانچہ تفسیر بالماثور کی طرز پر لکھی گئی چند تفاسیر یہ ہیں:

-1 جامع البیان فی تفسیر القرآن از ابن جریر الطبری
-2 بحر العلوم از ابواللیث سمرقندی
-3 معالم التنزیل از ابومحمد الحسین البغوی
-4 تفسیر القرآن العظیم از حافظ ابن کثیر
-5 الدر المنثور فی التفسیر الماثور از جلال الدین سیوطی

اصحاب الرائے کا تفسیری ذخیرہ:

عہد بنوعباس میں اصحاب الرائے کی طرف سے لکھی جانے والی تفاسیر یہ ہیں:

-1 مفاتیح الغیب از فخر الدین رازی
-2 انوار التنزیل و اسرار التاویل از امام بیضاوی
-3 البحر المحیط از ابوحیان
-4 روح المعانی از آلوسی
-5 السراج المنیر از خطیب شربینی
-6 جلالین از جلال الدین محلی اور سیوطی
-7 احکام القرآن از جصاص

-3 علم الحدیث:

اگرچہ باقاعدہ علم حدیث کا کام حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شروع کرایا لیکن کثرت سے جو حدیث کا کام ہوا اس کا تعلق عہد بنوعباس سے ہے۔ اب محسوس کیا گیا کہ احادیث کو موجودہ صورت سے بہتر انداز میں زیادہ علمی اور ترقی یافتہ صورت میں مدون کیا جائے اس خیال کے تحت محدثین نے تدوین حدیث کا کام شروع کیا۔

علماء و محدثین نے احادیث کی چھان پھٹک کا سلسلہ بھی شروع کر دیا چنانچہ ایک اور فن ''اسماء الرجال'' وجود میں آیا اس کی بدولت راویوں کی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات کی بھی تحقیق ہو گئی تو اس طرح مستند احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

اگرچہ دوسری صدی ہجری میں امام اوزاعی' سفیان ثوری' مالک بن انس' سفیان بن عیینہ اور حضرت عبدالملک بن جریج نے احادیث پر مشتمل کتب لکھیں لیکن تدوین حدیث کے سلسلے میں دوسری صدی کی بہ نسبت تیسری صدی ہجری میں زیادہ کام ہوا۔ اس زمانے میں صحاح ستہ لکھی گئیں۔ صحاح ستہ سے مراد یہ کتابیں ہیں:

1- صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل بخاری
2- صحیح مسلم از مسلم بن حجاج القشیری
3- سنن ابی داؤد از ابوداؤد سلیمان بن اشعث
4- جامع الترمذی از محمد بن عیسیٰ ترمذی
5- سنن نسائی از احمد بن شعیب نسائی
6- سنن ابن ماجہ از محمد بن یزید ابن ماجہ

ان چھ محدثین کے علاوہ تیسری صدی میں اور بھی محدثین تھے جنہوں نے احادیث کے مجموعے ترتیب دیئے۔ ان میں ابو داؤد طیالسی' اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن حسین کی کتب مشہور ہیں۔ چوتھی صدی میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ امام دارقطنی' ابن ابی حاتم' ابن خزیمہ اور ابن مندہ کے نام معروف ہوئے۔ پانچویں صدی ہجری میں ابوبکر مرزویہ' بیہقی' محمد البروقی اور خطیب بغدادی نمایاں رہے۔ چھٹی صدی ہجری میں سلطنت عباسیہ انتشار کا شکار تھی چنانچہ اس زمانہ میں آ کر تصنیف و تالیف میں کمی آ گئی بلکہ اس دور میں اندلسی محدثین نے زیادہ کام کیا البتہ عباسی محدثین میں حسین بن مسعود البغوی' ابن عساکر اور ابن الجوزی مشہور گزرے ہیں۔

ساتویں صدی ہجری عباسی دور کی آخری صدی ہے۔ اس میں عباسی حکومت روبہ زوال ہوئی۔ اس دور کے محدثین میں عبدالرحمان الحرانی' المقدسی' ابن المنذری اور ابو مثامہ عبدالرحمٰن قابل ذکر ہیں غرضیکہ عہد عباسی میں علم حدیث کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔ بغداد' مکہ' مدینہ' دمشق' حلب' خراسان' نیشاپور' مرو اور دوسرے بڑے شہروں میں ایک ایک وقت میں کئی کئی سو جید علماء حدیث' حدیث رسول ﷺ کا درس دیتے تھے چنانچہ حدیث کے بے شمار مجموعے مرتب ہوئے۔ (کشف الظنون' ج 1' ص 446)

4- علم فقہ:

جب سلطنت اسلامیہ کی حدود پھیل کر چین سے اندلس تک وسیع ہو گئیں' معاشرے میں عجمی اور رومی تمدن بھی آ گیا اور معاشی اور معاشرتی زندگیوں میں انقلاب آ گیا جس سے نت نئے مسائل نے جنم لیا۔ معاشرت' تجارت' معاملات اور ملکی انتظام بہت وسیع ہو گیا۔ مفتوحہ ممالک کے مختلف مسائل' جزیہ اور خراج کے معاملات وغیرہ میں اسلامی احکام کے مطابق فیصلوں کی ضرورت تھی لہٰذا اس دور کی حدیث کے بعد دوسری بڑی ضرورت فقہ کی تدوین تھی۔

چنانچہ اس طرف توجہ کی گئی اس کے اوّلین سرخیل امام ابوحنیفہ ہیں۔ فقہ کے چار معتبر ترین نام گزرے ہیں جنہوں نے فقہی اساس رکھی جن میں امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل شامل ہیں۔ انہوں نے ضرورت کے مطابق عہد عباسی میں فقہ کو مرتب و مدون کیا۔ اس عہد میں اہل سنت کے فقہاء کے دو بڑے گروہ بھی سامنے آئے ایک اہل حدیث جو سنت کی پیروی کرتے تھے اور رائے اور اجتہاد سے حتی الامکان اجتناب کرتے تھے' ان کا زیادہ تر تعلق حجاز خصوصاً مدینہ سے تھا۔ اس گروہ کی قیادت امام مالک بن انس کر رہے تھے۔

دوسرے اصحاب اہل الرائے تھے ان کا تعلق عراق سے تھا' ان کے قائد امام ابوحنیفہ تھے۔ عراق میں مسائل اور مشکلات زیادہ تھیں اس لئے یہاں فقہاء نے اکثر فقہی مسائل میں عقل' رائے اور اجتہاد سے کام لیا۔

ان ائمہ نے تدوین فقہ کے سلسلہ میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ امام ابوحنیفہ کے فقہی مسائل کو مرتب کرنے والے ان کے مشہور شاگرد قاضی ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ قاضی ابویوسف نے جزیہ وخراج کے متعلق ''کتاب الخراج'' کے نام سے مشہور کتاب لکھی۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ان دو کے علاوہ حسن بن زیاد اللؤلؤی' ہلال بن یحییٰ' قتیبہ بن زیاد اور امام طحاوی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں کی کتابیں فقہ حنفی کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنیں۔

امام شافعی فقہ کے دوسرے بڑے امام ہیں۔ ان کی فقہی مسائل پر کتاب ''الأم'' نے بہت مقبولیت حاصل کی' انہوں نے اصول احکام بھی مرتب کئے۔ ان کی کتاب مسند شافعی اور اختلاف الحدیث بہت نمایاں ہیں۔

امام شافعی کے شاگردوں میں احمد بن حنبل' داؤد ظاہری' ابوثور بغدادی' ابن جریر طبری' ابو یعقوب بویطی' مزنی اور ربیع بن سلیمان مرادی ہیں۔ ان کے علاوہ ابو اسحاق نے ''مہذب'' امام غزالی نے المصطفیٰ' الوجیز اور احیاء علوم الدین لکھیں۔ یہ سب عباسی عہد سے تعلق رکھتے تھے۔

امام مالک نے فقہ کی طرز پر ابواب قائم کرکے ''موطا'' نام سے ایک کتاب لکھی جو احادیث کا بہترین مجموعہ ہے۔ آپ کے شاگردوں میں ابن الفرات' امام سحنون' ابن قاسم' ابن وہب اور اشہب نے فقہ مالکی پر زیادہ کام کیا۔ ان سب کا تعلق بنوعباس سے تھا۔

امام احمد بن حنبل نے ''مسند احمد'' کے نام سے احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ آپ کے شاگردوں اور پیروکاروں نے بھی عہد عباسیہ میں بہت زیادہ تصنیفی کام کیا۔ مثلاً ابوبکر بن ہانی نے ''السنن فی الفقہ'' ابوالقاسم خرقی نے ''المختصر'' ابن قدامہ نے ''المغنی'' کے نام سے کتابیں لکھیں۔

غرضیکہ ان ائمہ اور ان کے شاگردوں کی کوششوں اور ذہانت کی وجہ سے عملی اور معاملاتی زندگی میں ایک نظر اور وحدت پیدا ہوگئی۔

5- علم الکلام:

علم الکلام کو خصوصی سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی بلکہ حکومت کی حمایت کی وجہ سے ہی یہ علم زیادہ پھیلا۔ یہ کلامی فرقہ بنوامیہ میں پیدا ہوا اور بنوعباس نے اسے پروان چڑھایا۔ دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کا تعارف جب یونانی فلسفے اور علوم سے ہوا تو اس کے نتیجے میں مختلف مباحث پیدا ہوئے مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات' کلام الٰہی' رویت باری تعالیٰ' مسئلہ عدل اور مسئلہ تقدیر وغیرہ۔ اگرچہ ان مسائل کا نہ دینی فائدہ تھا اور نہ دنیاوی طور پر ضرورت تھی۔ مسلمانوں میں معتزلہ نے اس کی قیادت کی ہارون کے زمانے تک اسے عروج حاصل نہ تھا جبکہ مامون فلسفیانہ اور عقلیت پسند ذہن کا مالک تھا۔ اس کی وجہ سے معتزلہ کو بہت عروج حاصل ہوا حتیٰ کہ اس نے ابن داؤد معتزلی کو قاضی القضاۃ یعنی پوری

سلطنت کا چیف جسٹس بنا دیا تو اس طرح علم کلام کو پھیلانے کے لئے حکومتی سرپرستی حاصل ہوگئی۔

علم الکلام کے پیشرو امام ابوالحسن اشعری تھے۔ یہ چالیس سال تک معتزلہ کے امام رہے۔ پھر یہ اس سے تائب ہوئے اور پھر اپنی ساری ذہانت' علمی تجربہ' استدلال' گویائی اور قوت تحریر کو معتزلی اور یونانی علم الکلام کا زور توڑنے کے لئے استعمال کیا اور انہوں نے باطل عقائد کی تردید میں کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب ''الفصول'' ہندوؤں' یہودیوں' عیسائیوں اور مجوسیوں کے اعتراضات کے جوابات اور رد پر مبنی ہے۔ ان کے علاوہ ان کی مشہور کتابیں اللمع' الموجز' ایضاح البرہان اور التبیین عن اصول الدین ہیں۔

علاوہ ازیں ابومنصور ماتریدی نے بھی علم الکلام پر بہت کام کیا۔ بعدازاں امام غزالی کی شخصیت نے اس میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ اس عہد تک فلسفے کو بہت عروج حاصل ہو چکا تھا۔ یونانی فلسفے نے اسلامی عقائد کو بہت نقصان پہنچایا۔ امام غزالی نے فلسفہ و کلام کی ازسرنو ترتیب و تدوین کی فلسفہ اور باطنیت کا رد کیا اور مقاصد الفلاسفہ کے نام سے ان فلسفیانہ ملحدانہ مسائل کا رد کیا۔ پھر ایک کتاب ''تہافتہ الفلاسفہ'' لکھی۔ اس کتاب سے علم الکلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہ سب بنوعباس کے عہد میں ہوا۔ ان کے علاوہ پانچویں صدی ہجری تک ابوالحسن باہلی' ابوبکر الجرجانی' قاضی ابوبکر الباقلانی' امام رازی' امام شہرستانی اور ابن عساکر نے علم الکلام میں گرانقدر کتابیں تصنیف کیں۔ اسی طرح ابواسحاق اسفرائینی اور عبدالملک جوینی بھی نامور متکلمین گزرے ہیں۔ تو اس طرح عہد عباسیہ میں علم الکلام کو بہت عروج حاصل ہوا لیکن اسلامی متکلمین نے معتزلہ اور فلسفے کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا اور عقائد اہل سنت اور طرز صحابہ کی پُرزور وکالت کی جس سے اہل سنت میں نیا اعتماد اور نئی زندگی پیدا ہوئی۔ (تاریخ عرب' ص 369)

6- علم تاریخ:

اگرچہ تاریخ نویسی کی ابتداء عہد بنوامیہ میں ہو چکی تھی مگر اسے باقاعدہ علم کی صورت اور اس کی تدوین و تبویب کا کام عہد بنوعباس میں شروع ہوا۔ عہد عباسیہ کے سب سے پہلے مؤرخ محمد بن اسحاق تھے۔ انہوں نے اس فن پر پہلی کتاب ''السیرۃ والمبتداء والمغازی'' لکھی۔ پھر واقدی آئے انہوں نے المغازی' فتح العجم' سیرت ابی بکر' مقتل الحسین اور فتح مصر و اسکندریہ جیسی مشہور کتابیں لکھیں۔ دوسری صدی میں ہی ابن سعد نے الطبقات الکبیر اور الطبقات الصغیر لکھیں۔ تیسری صدی کے مؤرخین میں ابوحنیفہ دینوری ہیں جن کی کتاب ''اخبار الطوال'' بہت مشہور ہے۔ پھر امام بلاذری نے ''فتوح البلدان'' لکھی۔ اسی صدی میں ابن قتیبہ کی ''المعارف'' اور ''الامامتہ والسیاستہ'' بہت مشہور کتابیں ہیں۔ یعقوبی نے ''کتاب التاریخ الکبیر'' طبری نے ''تاریخ الرسل والملوک'' لکھی۔

چوتھی صدی کے ممتاز مؤرخین میں المسعودی تھے جنہوں نے ''اخبار الزمان'' اور ''مروج الذہب'' لکھیں۔ اسی صدی میں ابن مسکویہ نے ''تجارت الامم'' لکھی جبکہ پانچویں صدی میں خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' کے نام سے شہرۂ آفاق کتاب لکھی۔ ابن عساکر نے ان مشہور شہروں کی

تاریخ لکھی جو اس زمانے کی ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے "التاریخ الکبیر" اور "کتاب المعجم" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ چھٹی صدی ہجری کے مؤرخین میں ابن الجوزی کا نام سرفہرست ہے جنہوں نے "المنتظم" اور دوسرے نمایاں نام ابن اثیر ہیں جنہوں نے "الکامل فی التاریخ" کے نام سے تاریخ مرتب کی اس سے معلوم ہوا کہ عہد عباسی میں تاریخ پر بھی بہت کام ہوا ہے۔ بے شمار کتابیں اس دور کے حالات کی آئینہ دار ہیں۔

(ب) عہد بنو عباس کی سائنسی سرگرمیاں

سائنسی علوم کے ضمن میں ہم علم طب' کیمیا' طبیعیات' فلکیات' جغرافیہ اور ریاضی کا تذکرہ کریں گے۔

(1) علم طب

بنوامیہ کے عہد میں یونانی طب سے کافی حد تک شناسائی شروع ہو چکی تھی جبکہ عہد عباسیہ میں یونانی طبی کتب کے ترجمے کا کام سرکاری سطح پر شروع ہوا۔ سب سے پہلے سقراط اور جالینوس کی کتابوں کے ترجمے کروائے گئے۔ مترجمین میں ابو یحییٰ بن البطریق' حنین بن اسحاق' یحییٰ ابن ماسویہ اور ابن الحسن کے نام نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ قسطا بن لوقا اور یوحنا بن ماسویہ بھی ان میں شامل ہیں۔ عباسی خلفاء کی سائنسی علوم میں دلچسپی دیکھ کر بغداد میں جندی ساپور اور حران کے نامور اطباء جمع ہو گئے۔

عہد عباسی کے چند مشہور طبیب:

عباسی عہد میں چند نام بہت نمایاں ہوئے مثلاً:

1- علی بن رین طبری:

اس نے عباسی خلیفہ متوکل کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور فن طب میں "فردوس الحکمت" کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ کتاب طبی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

2- ابوبکر زکریا رازی:

درحقیقت اسلامی طب کو رازی نے ایجاد کیا۔ اس فن میں رازی نے تقریباً دوسو (200) کتب لکھیں۔ طب میں اس کی مشہور کتاب "الحاوی" ہے اور الکتاب الطب' المنصوری' الجدری والحصبہ' برء الساعۃ' الحصی فی الکلی والمثانہ اور وجع المفاصل رازی کی مشہور کتب ہیں اور انہوں نے علم الادویہ سے بحث کرتے ہوئے متبادل دواؤں اور حفظان صحت کے اصول' جراحت' معالجات اور اغذیہ پر بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔

3- حنین بن اسحاق:

یہ عیسائی طبیب تھا۔ اسے عربی، سریانی اور یونانی زبانوں پر کامل دسترس حاصل تھی۔ مامون نے اسے دارالترجمہ کا افسر اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ اس نے جالینوس کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کی خودنوشت کتابوں میں کتاب المسائل، کتاب عشر المقالات اور کتاب النفس بہت مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے کتاب الاغذیہ، کتاب الاسنان اور کتاب علل العین بھی لکھیں۔

4- ابوعلی سینا:

طبی تاریخ میں کہا جاتا ہے کہ علم طب کو بقراط نے ایجاد کیا، جالینوس نے اسے جلا بخشی، ابوبکر زکریا رازی نے اسے جمع کیا اور ابن سینا نے اسے مکمل کیا۔ ابن سینا نے پانی، پانی کی وجہ سے پھیلنے والی بیماریوں، جلدی بیماریوں، جنسی امراض اور اعصابی اور نفسیاتی بیماریوں کا تجزیہ کیا اور عضلات، شریانوں اور دیگر اعضاء کے متعلق سیر حاصل مقالے لکھے۔ طب میں اس کی مشہور کتاب "القانون فی الطب" ہے جسے طبی انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک کتاب "ذخیرہ خوارزم شاہی" اور ایک رسالہ "جودیہ" کے نام سے ملتے ہیں۔

5- ثابت بن قرہ:

ثابت کا شمار مترجمین اور اطباء میں ہوتا ہے۔ اس کی طبی تصانیف میں کتاب تشریح رحم، کتاب الجدری والحصبہ، کتاب الذخیرہ فی الطب، کتاب الاغذیہ، سوء مزاج اور اصناف الامراض قابل ذکر ہیں۔ اس کی کتاب "الذخیرہ" کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

خلافت عباسیہ میں فن دواسازی پر بہت کام ہوا لہٰذا مختلف مقامات سے جڑی بوٹیاں او دوائیں منگوائی جاتی تھیں۔ یہ دوائیں جمادات، نباتات اور حیوانات تینوں ذرائع سے حاصل کی جاتی ان پر تجربات کیے جاتے پھر ان کے خواص کو کتابوں میں لکھ لیا جاتا۔

شفاخانوں کا قیام:

عہد عباسی میں اس طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ سلطنت کے تمام بڑے شہروں میں جنر ہسپتال بنائے گئے۔ بغداد، قاہرہ، دمشق، مکہ اور حران میں بہت بڑے ہسپتال بنائے گئے۔ خلفاء بڑے بڑے اطباء کو اپنے دربار میں جمع کر رکھا تھا۔ ہارون نے بغداد میں "بیمارستان" کے نام سے ہسپتا بنوایا۔ یحییٰ برمکی نے اپنے ذاتی خرچ پر بغداد میں ایک شفاخانہ بنوایا جس کے لئے ایک ہندو طبیب خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

فوجیوں کی صحت اور نگہداشت کے لئے حالت جنگ میں ایک متصل سفری شفاخانہ ساتھ جسے اونٹوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا اور ان شفاخانوں کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی۔

(2) علم کیمیا

اگرچہ اس فن کا آغاز بھی اموی عہد سے ہو چکا تھا مگر عہد عباسی میں اس نے انتہائی ترقی یافتہ صورت اختیار کر لی اور بڑے بڑے کیمیادان پیدا ہوئے اور انہوں نے بڑی بڑی ایجادات سے قوم کو نوازا۔ ذیل میں ہم مختصراً ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

1- جابر بن حیان:

جابر بن حیان تجرباتی کیمیا کا بانی ہے۔ جابر کیمیا کے تمام تجرباتی عملوں مثلاً تقطیر، تبخیر، کشید، تصعید اور قلماؤ وغیرہ سے واقف تھا۔ جابر کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ تین معدنی تیزابوں کو دریافت کرنے والا ہے۔ جابر نے علم کیمیا میں تقریباً ستر رسائل لکھے ان میں الخواص الکبیر، الخواص الصغیر، کتاب الاسرار، کتاب الجر دان اور کتاب البروج بہت مشہور ہیں البتہ کتاب الرأس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

2- ابوبکر زکریا رازی:

رازی، جابر کے بعد اپنے عہد کا بڑا کیمیادان ہے۔ اس نے اس فن پر چھبیس کتابیں لکھیں۔ رازی نے اپنی کتاب ''الاسرار'' میں کیمیاوی عملیات پر تجرباتی بنیادوں کی روشنی میں بحث کی ہے۔ مختلف معادن سے کیمیاوی مرکبات تیار کرنے کے لئے عمل تکلیس، تشمع، تحلیل، استنزال، شوئی، طبخ اور تملغم وغیرہ کے طریقے بتائے ہیں۔ فن کیمیا میں رازی کی صفتہ الکیمیا، کتاب الاسرار اور کتاب الاعجاز زیادہ مشہور ہیں۔

3- ابوعلی سینا:

ابوعلی سینا نے کیمیا میں بھی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اس کی کتاب ''الشفاء'' فلسفہ، طبیعیات، ریاضی اور کیمیا پر مبنی ہے۔ اس نے بہت سی کیمیاوی ایجادات کیں۔ ان میں اہم ترین آب نقرہ، آب زر، پوٹاش، روح نوشادر، نمک نوشادر اور پھٹکری کا جوہر ہیں۔ ابن سینا نے معدنی اشیاء کو چار گروہوں پتھر، پگھلنے والی اشیاء، آتش گیر مادے اور نمکیات میں تقسیم کیا ہے۔

4- یعقوب کندی:

اس نے عطر کشید کے طریقے بتائے اور رنگ سازی اور رنگ ریزی پر مختلف تجربے کئے۔ ایک رسالہ ایسے سفوف پر لکھا کہ اگر اسے تلوار پر چھڑک دیا جاتا تو اس میں دندانے نہیں پڑتے۔

ان کیمیادانوں کے علاوہ اصطفن، ابن محمد خراسانی، ابوالحسن احمد الخلیل اور ذوالنون مصری کے نام بھی ملتے ہیں۔ اسی عہد میں کیمیا سازی میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ کئی کیمیاوی ایجادات ہوئیں اور کیمیاوی آلات بنائے گئے جو آج بھی کیمیاوی تجربات میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ انہی بنیادوں پر آج علم کیمسٹری ترتیب دیا گیا ہے۔

(3) علم طبیعیات

مسلمانوں نے اس شعبہ میں عہد عباسی میں کمال حاصل کیا۔ بہت سی چیزیں دریافت کیں، کتابیں لکھیں، تجربات کیے۔ روشنی، کسوف وخسوف اور اشیاء کے خواص پر کتب تحریر کی گئیں۔ سمندروں ا
اور پہاڑوں کے ذخائر کو زیر بحث لایا گیا۔

عہد عباسی کے مشہور ماہر طبیعیات

1- ابن الہیثم:

اس فن میں سب سے بلند نام ابن الہیثم کا ہے۔ اس نے آنکھ کے جملہ موضوعات پر "کتاب المناظر" کے نام سے کتاب لکھی۔ اسی نے سوئی چھید کیمرے کا اصول دریافت کیا۔ روشنی کے انعکاس کے قانون مرتب کیے۔ ابن الہیثم نے کئی کتابیں لکھیں ان میں کتاب المناظر، میزان الحکمت، الہالہ قوس وقزح، ضوء القمر، ہیئت العالم اور اصول الکواکب بہت مشہور ہیں۔

ابن الہیثم نے آنکھ کی بناوٹ کی تشریح کے علاوہ چاند اور سورج گرہن پر بھی تحقیق کی۔

2- البیرونی:

البیرونی ایک ماہر فلکیات، ریاضی دان، عالم طبیعیات اور جغرافیہ دان تھا۔ بیرونی نے آٹھ قیم
پتھروں اور دھاتوں کا وزن مخصوص متعین کیا۔ دھاتوں کے متعلق "حجریات" کے نام سے ایک رسا
لکھا۔ بیس معدنیات کے تعارف پر مشتمل "الجواہر" کے نام سے کتاب لکھی۔ طبیعیات میں اس نے زی
کی مختلف تہوں، معدنیات اور چٹانوں کی اقسام کا مطالعہ کیا۔ مائعات کے خواص بیان کیے، روشنی ا
آواز کا فرق بتایا اور دھاتوں کی کثافت کے متعلق ایک کتاب لکھی۔

3- ابوبکر زکریا رازی:

طبیعیات میں رازی کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ثقل نوعی معلوم کرنے کے لئے میزان الطب
کے نام سے ایک آلہ ایجاد کیا جس سے اشیاء کا ثقل نوعی معلوم کیا۔

4- ابوعلی سینا:

ابن سینا نے معدنیات اور حجریات پر قلم اٹھایا۔ پہاڑوں، پتھروں، دھاتوں اور دیگر معدنی ا
کی خاصیتوں پر روشنی ڈالی۔ اس نے حرکت، اتصال، قوت اور نور کا مطالعہ کیا اور رسالہ فی الطبیعیا
رسالہ فی الاجرام السماویہ اور رسالہ فی القوۃ الانسانیہ لکھے۔

(4) علم فلکیات

مسلمانوں میں علم ہیئت و فلکیات کی باقاعدہ ابتداء خلیفہ منصور کے زمانہ میں ہوئی۔ اس نے جب بغداد کی بنیاد رکھی تو شہر کا خاکہ ماہرین علم ہیئت کی زیر ہدایت تیار ہوا اور مامون کے عہد میں اس فن کو عروج حاصل ہوا اور رصدگاہیں بنائی گئیں۔

رصدگاہ سے مراد "ستاروں کی گردش دیکھنے کی جگہ" ہے۔ عہد عباسی میں پہلی رصدگاہ جندی شاپور میں احمد بن محمد النہاوندی کی زیر نگرانی قائم ہوئی۔ اسی طرح شماسیہ اور دمشق میں بھی رصدگاہیں بنائی گئیں۔

ان رصدگاہوں میں جو آلات استعمال ہوتے تھے ان پر بھی خاص توجہ دی گئی۔ آلات شہر حران میں تیار ہوتے تھے۔ مامون کے عہد میں کاریگروں نے ان میں نئی نئی اختراعات کیں اور پھر ان کے نتائج پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی اور بار بار تجربے کئے جاتے تھے۔

عہد عباسیہ کے معروف ماہرین فلکیات

1۔ یعقوب الفزاری:

یہ ابوجعفر منصور کا درباری ہیئت دان تھا اسی نے اس فن کو فروغ دیا۔ اس نے ہی سب سے پہلے اصطرلاب تیار کیا اور اس فن پر ایک کتاب لکھی اور سنین عرب کے مطابق ایک زیج تیار کی۔

2۔ عمر خیام:

اس علم میں یہ ایک ممتاز نام ہے۔ علم فلکیات میں اس کے کارنامے قابل تحسین ہیں۔ خیام کو اصفہان کی رصدگاہ کا اعلیٰ افسر مقرر کیا گیا۔ خیام نے اس رصدگاہ میں جو مشاہدے کئے ان میں سب سے اہم شمسی سال کی پیدائش تھی یعنی وہ عرصہ جس میں زمین سورج کے گرد ایک چکر لگاتی ہے۔ خیام نے جو تحقیق کی آج کی جدید سائنس کے وہ بالکل قریب ہے۔ صرف 11.3 سیکنڈ کا فرق ہے۔ خیام نے کیلنڈر کی بھی اصلاح کی اور لیپ کی اصطلاح اسی نے نکالی۔ خیام نے رصدگاہ میں مشاہدات کے بعد ایک زائچہ بھی مرتب کیا۔

3۔ ابوریحان البیرونی:

بیرونی نے علم ہیئت میں بہت کام کیا۔ قانون المسعودی اس کی ایک جامع تصنیف ہے۔ اس میں علم ہیئت کے مبادیات، کرۂ ارضی کی صورت، مناظر قمر، پانچ بڑے ستاروں کی حرکت اور ان کے مقامات کی وضاحت کی گئی ہے اور اصطرلاب کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں زمین کے محیط کی مقدار نکالنے، دریا اور زمین کی گہرائی معلوم کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اس نے بہت سے آلات تیار کئے جو رصدگاہوں میں استعمال ہوتے تھے۔

4- احمد بن محمد فرغانی:

اس نے علم نجوم پر کئی کتابیں لکھیں مثلاً اصول علم النجوم' جوامع علم النجوم' المدخل الی علم ہیئت الافلاک وغیرہ یہ مامون کا نجومی تھا۔

5- محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

یہ اگرچہ بنیادی طور پر ریاضی دان تھا مگر اس نے اس موضوع پر تین کتابیں لکھی ہیں:

-1 کتاب الزیج الاول

-2 کتاب الزیج الثانی

-3 کتاب العمل بالاصطرلاب

غرضیکہ عباسی عہد میں علم فلکیات کو بہت عروج حاصل ہوا۔ اصطرلاب ایجاد ہوئے' آلات رصدیہ کی صنعت کا آغاز ہوا' قطب نما ایجاد کیا گیا اور قبلہ کی سمت کا تعین کیا گیا۔

(5) علم ریاضی

عہد عباسی میں تمام ہیئت دان ریاضی دان بھی ہوتے تھے۔

عہد عباسی میں مشہور ریاضی دان:

علم ریاضی میں بہت سے ماہرین کے نام آتے ہیں مثلاً:

1- محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

خوارزمی نے الجبرے کو الگ اور مستقل حیثیت دی۔ اسی نے صفر کا استعمال رائج کیا اور خوارزمی نے اکائی دھائی کا نظام رائج کر کے رقوم نویسی میں قابل قدر آسانی پیدا کر دی۔ ریاضی میں اس کی شہرۂ آفاق کتاب "حساب" اور الجبرے میں "المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ" ہے۔

2- البیرونی:

ریاضی اور ہیئت بیرونی کے خاص مضمون تھے۔ اس نے تعبیر المیزان لتقدیر الاذہان کے نام سے ایک ترازو بنائی جس کے ذریعے اوقات معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ اس کی دو کتابیں "تفہیم" اور "قانون مسعودی" بہت مشہور کتب ہیں۔

3- ابوالفرط البورجانی:

یہ علم المثلثات کے اولین موجدوں میں سے ہے۔ زاویے کی چھ نسبتیں اور ان کے مابین باہمی تعلق بارے کئی مساواتیں اسی کی ایجاد ہیں۔

4- محمد بن موسیٰ شاکر:

موسیٰ بن شاکر اور اس کے تینوں بیٹوں محمد، احمد اور حسن نے فن ریاضی میں بڑا کمال حاصل کیا۔ انہوں نے مرکز اثقال، ہندسہ، مساحت اور مخروطات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس نے ایک اعلیٰ قسم کی حساس اور جمع کرنے والی ترازو ایجاد کی اور اس کی ساخت پر ایک رسالہ لکھا۔

5- عمر خیام:

عمر خیام نے الجبرے پر اضافہ کر کے جدید الجبرے کی بنیاد رکھی۔ اس نے الجبرے کی مساواتوں کو جیومیٹری کی اشکال سے ثابت کیا اور اس نے مساوات مکعب کا حل بتایا اور اس نے فن ریاضی پر اپنی کتاب ''جبر و مقابلہ'' لکھی۔

(6) علم جغرافیہ

علم جغرافیہ کو بھی خصوصی سرپرستی حاصل ہوئی۔ مامون نے اپنے عہد میں 69 سائنس دانوں کو جغرافیائی تحقیقات اور دنیا کے نقشے کی ترتیب و تدوین پر مقرر کیا تھا۔ ان تحقیقات سے حاصل ہونے والے مواد کی روشنی میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے عربی میں جغرافیہ کی پہلی کتاب ''صورۃ الارض'' کے نام سے لکھی۔ اب ہم آپ کو جغرافیہ دانوں کا تعارف کرواتے ہیں:

1- محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

مامون کے کہنے پر خوارزمی اور اس کے ننانوے شرکاء نے دنیا اور اجرام فلکی کا ایک نقشہ تیار کیا۔ خط نصف النہار کے ایک درجے کی پیمائش کی۔ آج کی سائنس نے اسے قریب قریب صحیح تسلیم کیا صرف 959 گز کا فرق نظر آیا ہے۔

2- عبیداللہ بن عبداللہ بن خردازبہ:

ان کا شمار ابتدائی جغرافیہ دانوں میں ہوتا ہے۔ اس کی اعلیٰ خدمات کی بناء پر اسے ''بابائے جغرافیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے جغرافیہ پر ایک کتاب ''المسالک والممالک'' لکھی جس میں چین، کوریا اور جاپان وغیرہ کے بارے میں معلومات درج تھیں۔

3- احمد بن ابو یعقوب یعقوبی:

یعقوبی کو مسلمانوں میں علم جغرافیہ کا باقاعدہ موجد سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جغرافیائی معلومات کے لئے مختلف ممالک مصر، شام، آرمینیہ، مراکش اور سپین تک سیاحت کی۔ اس کی جغرافیائی تصنیفات میں ''اسماء البلدان'' نہایت اہم ہے۔

4- ابوزید احمد بن سہل البلخی:

بلخی کا شمار اولین نقشہ نویسوں میں ہوتا ہے۔ اس نے جغرافیائی نقشوں پر مشتمل کتاب ''صورۃ

الاقالیم' مرتب کی۔ بلخی پہلے جغرافیہ دان ہیں جنہوں نے دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں کے رنگ دار نقشے تیار کیے۔

5- محمد بن الحوقل:

یہ عباسی عہد کے چوتھی صدی کے نامور جغرافیہ دان ہیں۔ انہوں نے ''صورۃ الارض'' کے نام سے مشہور کتاب لکھی۔ حوقل کی نقشہ کشی میں بہت انفرادیت پائی جاتی ہے۔

6- علی بن حسین المسعودی:

المسعودی نے جغرافیائی معلومات کے لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں بالخصوص سندھ' پنجاب اور مالاوار کی سیاحت کی نیز وہ شام' فلسطین' یمن اور مصر بھی گیا اور ''کتاب القضایا والتجارب'' کے نام سے سفرنامہ لکھا۔ جغرافیہ میں اس کی کتابیں مروج الذہب' معادن الجواہر اور التنبیہ والاشراف بہت مشہور ہیں۔

7- یاقوت الحموی:

بنوعباسیہ کا آخری جغرافیہ دان یاقوت الحموی ہے۔ جغرافیہ پر اس کی کتاب ''معجم البلدان'' ایک معرکتہ لآراء تصنیف ہے۔ اس میں مختلف ملکوں' شہروں' دریاؤں اور پہاڑوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ پھر ان کی آبادی اور مختلف علاقوں کے فاصلوں کا ذکر ہے۔ یہ کتاب فن جغرافیہ میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

(ج) عہد بنو عباس کی ادبی سرگرمیاں

ادب کی تینوں اصناف نحو و بیان' نثر نگاری اور شاعری میں خاصا کام ہوا۔ ذیل میں ہم اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(1) نحو و بیان

اگرچہ اس کی ابتداء تو بہت پہلے ہو چکی تھی مگر بنوعباس کے عہد میں علم نحو باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کر گیا۔ اسی عہد میں بہت سے ماہرین نحو پیدا ہوئے جنہوں نے بہت شہرت حاصل کی۔ تصنیفات کے حوالے سے درج ذیل نام نمایاں ہیں:

1- یونس بن حبیب:

اس نے فن نحو پر کئی کتب تصنیف کیں۔ ان میں کتاب معانی القرآن' کتاب اللغات' کتاب النوادر الکبیر' کتاب الامثال بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

2- خلیل بن احمد:

خلیل نے کتاب العین، کتاب النغم، کتاب الشواہد، کتاب النقط والشکل اور کتاب الایقاع لکھیں۔

3- مروج السدوسی:

اس نے کتاب غریب القرآن اور کتاب المعانی تصنیف کیں۔

4- سیبویہ:

یہ مشہور امام نحو ہیں۔ انہوں نے کتاب المصادر لکھی جو نہایت بنیادی اور اہم کتاب ہے اور سیبویہ کی مشہور کتاب ''الکتاب'' ہے جو فن نحو کا بنیادی مآخذ ہے۔

ان کے علاوہ عہد عباسی میں ابو زید نحی، زجاج، ابن السراج، الکسائی، سرخسی، ابن قتیبہ اور ابن کیسان بہت مشہور گزرے ہیں۔

(2) نثر نگاری

عباسی دور کے نثر نگاروں اور انشاء پردازوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے، ہر طبقے نے عروج حاصل کیا۔

نثر کے پہلے طبقے کا رئیس ابن مقفع تھا۔ اس کا اسلوب بیان خوبصورت، الفاظ میں ہم آہنگی، سہل پسندی، معنی کا زیادہ اہتمام ہے اور سجع بندی سے گریز کیا گیا ہے۔ اس طبقے کے نثر نگاروں میں یعقوب بن داؤد، جابر بن یحییٰ اور حسن بن سہیل شامل ہیں۔

دوسرے طبقے کا رئیس جاحظ تھا اس کے اسلوب کی خصوصیات یہ ہیں ایک جملے کو بہت سے فقروں میں توڑنا، الفاظ اور جملوں کی طوالت، بات سے بات نکالتے جانا اور ٹھوس اور سنجیدہ مضامین میں مزاح کی آمیزش کرنا۔

تیسرے طبقے کا سردار ابن الحمید تھا۔ اس کا اسلوب نہایت دلنشیں تھا۔

چوتھے طبقے کا سردار قاضی فاضل تھا۔ اس کے اسلوب کی بنیاد سجع بندی اور بدیع پسندی تھی۔ اسی وجہ سے اس کے زمانے میں نثر نگار و انشاء پردازی، تصنع و تکلف کا نمونہ بن گئی۔

ان حضرات نے مختلف کتابیں تصنیف کیں اور کئی تراجم کیے۔

ابن المقفع نے کتاب التاج، الادب الکبیر اور الادب الصغیر لکھیں۔

جاحظ نے البیان والتبیین، کتاب الحیوان اور کتاب البخلاء لکھیں۔

بدیع الزمان ہمدانی اور حریری نے مقامات کے نام سے کتابیں تصنیف کیں۔

اس دور میں فارسی ادبیات کو بھی بہت فروغ حاصل ہوا۔ مختلف ادبی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ مشہور زمانہ کتاب ''کلیلہ و دمنہ'' کو عربی قالب میں ڈھالا گیا خصوصاً مامون الرشید کے دور میں

فارسی ادب کا بہت بڑا ذخیرہ عربی میں منتقل کیا گیا۔ کلیلہ و دمنہ کی طرز پر ایک کتاب ثعلبہ وعفراء لکھی گئی۔ بہرحال عہد عباسی میں فن نثر کو بہت وسعت دی گئی اور یہ علم بہت ترقی کر گیا۔

(3) شاعری

عباسی عہد میں مامون کے دور میں اس کی خصوصی سرپرستی ہوئی۔ اس عہد میں مدحیہ اور عشقیہ شاعری کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ عباسی دور کی شاعری میں ایک نئے اسلوب نے جنم لیا اور یہ عہد عباس کی معاشرت اور طرز زندگی کا نتیجہ تھی کیونکہ عربوں کی دیہاتی زندگی' اس کی سختی اور صحرائیت کی سنگلاخی کی جگہ اب تہذیب' خوشحالی اور عیش و عشرت لے چکی تھی۔ رہن سہن' طرز معاشرت' ماحول' تہذیب اور خوبصورت مناظر نے شعر وسخن میں جدت پیدا کر دی تھی۔

ان تبدیلیوں کی وجہ سے شاعری میں کھنڈروں کے ذکر سے قصیدے کی ابتداء چھوڑ کر محلات اور شراب کے اوصاف بیان ہونے لگے لہٰذا عباسی شاعری میں عیاشی' سرمستی اور ابولہوی بھی دکھائی دیتی ہے۔ خاص طور پر ابونواس' رابعہ بن حباب' حسین الضحاک اور مسلم بن ولید کی شاعری میں شراب' غلمان اور عیاشی کا ذکر نمایاں ہے۔

عہد عباسی کی شاعری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے عہد میں دو طرح کے طبقات تھے۔ ایک طبقہ دنیاوی عیش و عشرت اور تعیش کی زندگی کو پسند نہیں کرتا تھا جبکہ دوسرا طبقہ ان چیزوں پر جان دیتا تھا۔ ابوالعتاہیہ کا تعلق پہلے طبقے جبکہ ابوالعلاء' ابونواس اور ابو تمام دوسرے طبقے کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عباسی عہد میں شاعری کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ کچھ شعراء کی ہمدردیاں علویوں کے ساتھ تھیں۔ وہ ان کی مدح و توصیف میں اشعار کہتے تھے۔ ہارون کے عہد میں شاعروں کی ایک جماعت بغداد میں مقیم رہتی تھی۔ ان میں مسلم بن ولید' مروان بن ابی حفصہ' ابوالعتاہیہ اور ابونواس شامل تھے۔

ہارون کے علاوہ دیگر خلفاء نے بھی شعراء کی سرپرستی کی۔ برامکہ کے اپنے خاص شعراء تھے۔ عہد عباسیہ میں بالعموم شاعری کا رجحان غالب رہا۔ اکثر خلفاء نے بھی شاعری کی' خلفاء عباسیہ کی دلچسپی' قدردانی اور قوم کے نئے رجحانات نے اس عہد کی شاعری پر بہت اثر ڈالا۔ اس دور کے شعراء نے خوبصورت شاعری کی۔ متنبی کی شاعری کمال کی شاعری ہے۔ خصوصاً ابو العتاہیہ کی شاعری ایسی زندہ شاعری ہے کہ وہ اپنے وقت کا حالی اور اقبال تھا۔ ہارون نے اس کے ایک قصیدے پر خوش ہو کر اسے 5 لاکھ دینار دیئے تھے۔ یہ وہ علمی اور ادبی سرگرمیاں تھیں جن کی بناء پر عہد بنوعباس سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے۔



اندلس (سپین) میں مسلمانوں کی حکومت

اندلس میں اسلام

اندلس کی حدود:

جزیرہ نمائے آئی بیریا یورپ کے جنوب مغرب میں خشکی کا وسیع و عریض ابھار ہے جس کی شکل پانچ گوشہ ہے۔ یہ علاقہ سپین کے نام سے مشہور ہے۔ عربوں نے اسے اندلس کا نام دیا۔ اسلامی فتوحات کے زمانے میں جب سپین' پرتگال اور جنوبی فرانس کے کچھ علاقے مسلمانوں کے زیرنگیں تھے تو اس کے لئے عرب جغرافیہ نگار اندلس کا نام ہی استعمال کرتے تھے۔ جب اسلامی ریاست صرف غرناطہ تک محدود ہوگئی تو اس مختصر ریاست کو بھی اندلس ہی کہا جاتا تھا۔ عربوں کے عروج کا اندلس آج کل کے یورپ کے تین ملکوں سپین' پرتگال اور فرانس کے جنوبی صوبوں پر مشتمل تھا۔

اندلس کے قدیم باشندے:

اندلس کے قدیم باشندے سلٹ قوم سے تھے جو فرانس سے آئے تھے۔ ان کے علاوہ وہ اقوام تھیں جن کی اصلیت کے متعلق اچھی طرح علم نہیں ہے یعنی آئی بیری اور لگوری۔ ان کے بعد یہاں فنیقی آئے پھر یونانی اور پھر قرطاجنی۔ دوسری صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی عیسوی تک رومیوں نے سپین پر حکومت کی روم کے زمانۂ تنزل میں شمالی وحشی قبائل نے اسے رومیوں سے چھین لیا لیکن تھوڑے دنوں بعد دوسرے وحشی قبائل نے اسے مغلوب کرلیا اور چھٹی صدی میں سپین پر قبضہ کرلیا۔ فتوحات اسلام کے زمانے تک وہی قابض تھے جو گاتھ کہلاتے تھے۔

اسلامی فتوحات کا آغاز:

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے جب موسیٰ بن نصیر کو شمالی افریقہ کا گورنر بنایا تو اس زمانے میں سپین کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ عوام گاتھ حکمرانوں کے ہاتھوں ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے جبکہ امراء اور پادری عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور عوام کو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبایا ہوا تھا۔ یہودیوں کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ اس ظلم وتشدد کی وجہ سے ہسپانوی عوام بھاگ کر شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے زیرسایہ پناہ لینے لگی۔ ان مظلوموں کی داستان غم سن کر موسیٰ بن نصیر کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ وہ سپین کے مظلوموں کو ان ظالم حکمرانوں کے پنجہ استبداد سے نجات دلائے۔

ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت کے تذکرہ میں ہم تفصیلاً ان حالات کو بیان کر چکے ہیں لہٰذا انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

ہسپانیہ میں مسلمانوں کے اقتدار کا قیام:

عہد بنوامیہ میں موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس جب دمشق سے بلاوے پر واپس روانہ ہوا تو اس نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اندلس کی حکومت سپرد کر دی چنانچہ عبدالعزیز کو پہلا امیر اندلس کہا جاتا ہے۔ امیر عبدالعزیز کے بعد اندلس کے حاکم یا گورنر یکے بعد دیگرے کبھی دربار خلافت سے اور کبھی ممالک مغربیہ کے وائسرائے (جس کا صدر مقام قیروان تھا) کے دربار سے اور کبھی مسلمانان اندلس کے انتخاب سے مقرر ہوتے رہے۔ اندلس کے ان حاکموں کو امیران اندلس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بدقسمتی سے اندلس میں ابتداء ہی سے اندرونی خلفشار نے سر اُٹھا لیا۔ دراصل اس کی وجہ عربوں اور بربریوں کی باہمی مناقشت تھی کیونکہ طارق بن زیاد کے ہمراہ زیادہ تر شمالی افریقہ کے بربر قبائل آئے تھے لیکن ان کی فتوحات کا ثمرہ موسیٰ بن نصیر کے عرب قبائل نے اُچک لیا اور بربروں کو اندلس کا پہاڑی اور غیر زرخیز علاقہ حفاظت کے لئے تفویض کر دیا گیا۔ اس مادی وجہ نے اندلس میں عربوں اور بربروں کے درمیان نفاق اور جنگ کا وہ سدا بہار بیج بو دیا جو بالآخر مسلمانوں کے اندلس سے اخراج پر منتج ہوا۔

ادھر خلفاء بغداد نے بھی اندلس کے معاملات میں براہ راست زیادہ دلچسپی نہ لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس افریقہ کے صوبے کا ایک انتظامی یونٹ بنا رہا۔ افریقہ کا گورنر اپنی مرضی سے اندلس میں حکمران مقرر کرتا۔ اس دوعملی سے اندلس کا نظام بالکل تباہ ہو گیا۔ بعض اوقات خلیفہ بغداد کی اطلاع کے بغیر ہی اندلس کے گورنروں کو تبدیل کر دیا جاتا۔

عربوں کے قبائل بھی آپس میں متحد نہ رہ سکے۔ شامی اور مدنی قبائل کے آپس میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ پھر شیعہ اور سنی کا جھگڑا پیدا ہو گیا غرضیکہ اموی امارت کا دور اندرونی خلفشار کا شکار ہو گیا جس کے نتیجے میں مختلف طالع آزما جرنیلوں اور گورنروں نے مقامی طور پر اتنی طاقت حاصل کر لی کہ مرکزی نظام حکومت بالکل ختم ہو گیا۔ عربوں کی قبائلی مناقشت نے ایسی بھیانک صورت اختیار کر لی کہ جب عبدالرحمن جان بچا کر شمالی افریقہ پہنچا تو وہ مٹھی بھر بربروں کی مدد سے اندلس کی شامی حکومت کو شکست دے کر چند سالوں میں پورے اندلس پر قابض ہو گیا۔



سلطان عبدالرحمٰن (756ء تا 788ء)

اموی شہزادہ عبدالرحمٰن کی اندلس آمد:

749ء میں جب بنوعباس نے دمشق کے بنوامیہ کا تختہ اُلٹ دیا اور خلافت پر قابض ہوتے ہی مفتوحہ خاندان کے افراد کو چن چن کر قتل کر دیا' تو بنوعباس کے دست انتقام سے جو چند اموی اشراف بچ گئے ان میں ایک بیس سالہ عبدالرحمٰن نامی نوجوان بھی تھا۔ یہ نوجوان بہت ذہین و فطین اور خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ عباسی سپاہ سے بچتا ہوا اور پانچ سال تک قبیلہ در قبیلہ پھرتا ہوا شمالی افریقہ پہنچا۔ یہ نوجوان دسویں اموی خلیفہ ہشام کا پوتا تھا اور اس کی ماں قیوطہ کے بربری قبیلہ نفزہ کی ایک عورت تھی۔ اس رشتے کی وجہ سے بربر قبائل نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

اندلس کے جنوب میں دمشق کی شامی فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں' عبدالرحمٰن نے ان شامی فوجیوں میں بہت جلد اتنا اثر ورسوخ پیدا کر لیا کہ انہوں نے اسے اپنا امیر بنا لیا۔ اس کی قیادت میں یہ فوجیں جنوبی اندلس کے تمام شہروں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرتی چلی گئیں اور کئی سالوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد تقریباً پورے ملک پر عبدالرحمٰن کا قبضہ ہو گیا۔

استحکام سلطنت:

عبدالرحمٰن نے بربروں کی مدد سے اندلس کو فتح کیا تھا چنانچہ اس نے بربروں کی ایک منظم فوج تیار کی' انہیں اعلیٰ تربیت دی' ان کے ساتھ بڑا فیاضانہ سلوک کیا۔ اس طرح بربر اس کے جانثار بن گئے۔ اندلس میں اب تک جمعہ کے خطبہ میں عباسی خلیفہ کا نام پڑھا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے 773ء میں خطبہ سے عباسی خلیفہ کا نام نکال دیا اور اس طرح ایک آزاد اموی ریاست وجود میں آ گئی لیکن اس نے خود اپنے لئے خلیفہ کا لقب اختیار نہیں کیا بلکہ امیر کے لقب پر ہی اکتفا کیا۔

عبدالرحمٰن کو بار بار مختلف بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان بغاوتوں کے پس منظر میں عباسیوں کی سازشیں کام کر رہی تھیں۔ عباسی اپنے نمائندوں کے ذریعے بربروں اور عربوں کو عبدالرحمٰن کے خلاف اُکساتے تھے چونکہ عبدالرحمٰن اندلس میں اجنبی تھا اور کوئی خاص قبیلہ یا گروہ اس کا حمایتی نہیں تھا اس وجہ سے یہ سادہ لوح عرب اور بربر ان عباسی ایجنٹوں کے جھانسے میں آ جاتے تھے اور علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ ان باغیوں میں سرفہرست سابق امیر اندلس یوسف الفہری کا نام آتا ہے کیونکہ وہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنے یمنی قبائل کو ساتھ لے کر اشبیلیہ پر حملہ کر دیا لیکن 756ء تا 758ء اسے مصارہ اور لکنہ پر پے درپے شکستیں ہوئیں' اس کے بعد اس کے ساتھی اس سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے یوسف کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمٰن کو پیش کر دیا۔

(عبرت نامہ اندلس' ج 1' ص 396)

عباسی خلیفہ منصور کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن نے اس کا نام خارج کر کے خطبہ میں اپنا شامل کر دیا ہے تو اُسے اس کا بہت دکھ ہوا لہٰذا اس نے اپنے افریقی سپہ سالار علاء بن مغیث کو اندلس پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے طلیطلہ کے رئیس یوسف بن عبدالرحمٰن کے ایک عزیز ہاشم بن عبداللہ خیری نے بربریوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا کر علاء بن مغیث کے ساتھ مل کر اندلس پر حملہ کر دیا اس صورت حال میں امیر عبدالرحمٰن خاصی مشکل میں گھر گیا جس سے اس کی پوزیشن کافی مخدوش ہوگئی کیونکہ اسے اب دو محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔ آخر عبدالرحمٰن دل برداشتہ ہو کر قرمونہ کے مقام پر لڑا لیکن آن کی آن میں دشمن کو شکست فاش دی۔ بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالاروں کے سر کاٹ کر حاجیوں کے ایک قافلے کے ہمراہ منصور کے پاس بھیج دیئے جو کہ حج کی غرض سے مکہ آیا ہوا تھا۔

ایک روز صبح کو دربانوں نے خلیفہ کے خیمہ کے سامنے ایک صندوق رکھا ہوا پایا تو اسے خلیفہ کے سامنے پیش کیا' کھولا گیا تو اس میں خلیفہ کے سپہ سالار حاکم افریقہ اور چند دیگر سرداروں کے سر رکھے ہوئے تھے۔ منصور نے کہا کہ "شکر ہے کہ میرے اور عبدالرحمٰن کے درمیان سمندر حائل ہے" اور اس امر کے مشاہدہ سے خلیفہ کو بے حد رنج ہوا۔ (عبرت نامہ اندلس' ج 1' ص 397)

اس مہم سے فارغ ہو کر عبدالرحمٰن نے باغیان طلیطلہ کا قلع قمع کیا اور پھر یمنیوں کی بغاوت کو فرد کیا۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 451)

عبدالرحمٰن کا تیسرا قابل ذکر مخالف گروہ ان عیسائیوں کا تھا جنہوں نے جبل البرکات میں ایسٹریاس کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی چونکہ امیر عبدالرحمٰن ناعاقبت اندیش باغیوں اور سرکش سرداروں کی بغاوتوں کو ختم کرنے میں اُلجھا رہا تو اس فرصت کے موقع سے فائدہ اُٹھا کر ایسٹریاس کے عیسائیوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور دامن کوہ اور پہاڑ کے علاقے میں اپنی حکومت کی حدود کو وسیع کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس وقت اس ریاست پر فرڈینینڈ حکمران تھا۔ اس نے حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عیسائیوں کو اپنے گرد جمع کرنے اور آئندہ کے لیے ترقیوں کے منصوبے بنانے کا خوب موقع پایا۔ ادھر جنوبی فرانس میں مسلمانوں نے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہوا تھا اس دور میں چالیس سال بعد وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر دوبارہ فرانسیسیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

بالآخر 777ء میں خود فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے سپین پر حملہ کر دیا۔ یہ ایک نہایت ہی خوفناک سازش تھی جس میں ایسٹریاس کی عیسائی ریاست اور اس کے حامیوں کے علاوہ اندلس کے باغی عرب سردار بھی شامل تھے چنانچہ یوسف الفہری کا بیٹا ابوالاسود داماد عبدالرحمٰن بن حبیب' برشلونہ کے گورنر سلیمان بن یقضا الاعرابی سے مل گئے اور تینوں نے مشترکہ طور پر شارلیمان کو اندلس پر حملہ کی دعوت دی۔

عبدالرحمٰن بن حبیب نے عباسی خلیفہ مہدی کی حمایت کا اعلان کر کے سیاہ علم بلند کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جب شارلیمان جبل البرانس سے گزر کر سپین میں داخل ہوا تو باغی عرب سرداروں میں

دیرینہ تعصب کی بناء پر پھوٹ پڑ گئی۔ سلیمان اور ابن الحبیب کی مناقشت یہاں تک بڑھی کہ ابن حبیب مارا گیا۔ ادھر شارلیمان جب کچھ شمالی علاقوں کو فتح کرتا ہوا سرقسط پہنچا تو شہریوں نے اس کا زبردست مقابلہ کیا اور اپنے گورنر حسین بن یحییٰ انصاری کی قیادت میں اسے بری طرح شکست دی۔

اسی اثناء میں فرانس میں سیکسوں کی بغاوت کی خبر نے شارلیمان کو اور زیادہ پریشان کر دیا لہٰذا اس نے ناکام واپسی کا پروگرام بنایا لیکن جاتے وقت سلیمان الاعرابی کو غدار سمجھ کر پکڑ لیا۔ اس پر سلیمان کے بیٹوں نے اس کی فوج کے عقب پر حملہ کر کے اپنے باپ کو چھڑا لیا ساتھ ہی بسکنس کے لوگوں نے رونسیوو کی تنگ گھاٹی میں ایسا دھاوا بولا کہ فرانسیسی فوج بالکل تباہ ہو گئی بعد ازاں عبدالرحمٰن خود فرانسیسیوں کے تعاقب میں جنوبی فرانس تک گیا اور کئی قلعوں کو مسمار کر ڈالا۔ آخر کار شارلیمان نے عبدالرحمٰن سے صلح کر لی۔

عبدالرحمٰن نے باغی عرب سرداروں سے بھی آسانی سے نپٹ لیا۔ سلیمان اعرابی کو حسین نے مروا ڈالا' ابوالاسود کے خلاف لشکر آرائی ہوئی اور وہ لڑائی میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اس طرح امیر عبدالرحمٰن نے سب مخالفوں کو شکست دے کر سرقسط' برشلونہ اور دیگر مقامات پر قبضہ کر لیا اور اس کی حکومت پہلے سے بھی زیادہ مستحکم ہو گئی۔ اس نے رفتہ رفتہ اندرونی اور بیرونی تمام مخالفتوں کو کچل کر رکھ دیا اور اس کے انتقال کے وقت ایک آزاد اموی ریاست اندلس قائم ہو چکی تھی۔

انتقال:

سلطان عبدالرحمٰن کا 172ھ میں خلیفہ ہارون کے زمانے میں انتقال ہوا اور اسے قرطبہ میں دفن کیا گیا۔

عبدالرحمٰن کی سیرت و کردار

سلطان عبدالرحمٰن نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا۔ نماز جمعہ خود پڑھاتا اور خطبہ عربی میں دیتا۔ اس کا خطبہ شجاعانہ انداز کا ہوتا تھا۔ اگر کوئی فوت ہو جاتا تو عموماً نماز جنازہ میں شریک ہوتا۔ 150ھ میں قرطبہ کے قاضی القضاۃ معاویہ بن صلح کا انتقال ہوا تو خود جنازہ پڑھایا۔

(عرب ان سپین مصنفہ کونڈ' ج 1' ص 213)

معاملہ فہمی:

سلطان نہایت سنجیدہ اور معاملہ فہم اور منتظم تھا۔ کسی کام کے کرنے میں جلد بازی نہیں کرتا تھا۔ جب قصد کر لیتا تو پھر اسے کیے بغیر پیچھے نہ ہٹتا۔ (خلافت اندلس' ص 71)

لہو ولعب سے اجتناب:

سلطان تمام عمر کبھی لہو ولعب میں مبتلا نہ ہوا۔ ضرورت سے زیادہ آرام نہ کرتا۔ ہر وقت حکومتی معاملات میں مشغول رہتا۔

اپنی رائے پر بھروسہ:

سلطان حکومتی معاملات میں عموماً اپنی رائے پر بھروسہ کرتا تھا مگر مشکل معاملات میں قابل اعتماد لائق اور خیر خواہ مشیروں سے مشورہ کر لیتا۔

سخاوت:

سلطان کی سخاوت اور فیاضیاں عام طور پر ضرب المثل بن گئی تھیں۔ جب سلطان کو بغاوتوں سے آرام ملا اور اندلس کے ہر صوبہ اور شہر سے رئیس اور حاکم اطاعت قبول کرنے آئے تو ان کی خوب خاطر مدارات کی اور ہر رئیس سے خلوت میں حسن اخلاق سے پیش آیا اور انہیں خوب مال و دولت دے کر واپس کیا۔

ہر دلعزیزی:

سلطان نے اپنے طریقہ وعمل سے ہر ایک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ ایسے ہر دلعزیز بادشاہ بہت کم گزرے ہیں۔ اپنے خاندان کو بلا کر جاگیریں دیں اور حکومتی معاملات میں شامل کیا۔

خطبہ میں نام:

دس برس تک ابو جعفر منصور عباسی کا خطبہ میں خود نام لیتا رہا۔ جب عبدالملک بن عمر نے کہا کہ سلطان آپ کا نام خطبہ میں آنا چاہئے کیونکہ اس وقت صحیح معنی میں امیر المومنین آپ ہیں تو اس دن سے تمام اندلس میں عبدالرحمٰن کا نام خطبہ میں آنے لگا۔

عمارات:

عبدالرحمٰن نے اندلس میں عربی صنعت اور دست کاری کی بنیاد ڈالی۔ قرطبہ میں مشہور و معروف عمارات' مسجد اور قصر رصافہ کی تعمیر شروع کی جس کی تکمیل ہشام نے کی۔ عبدالرحمٰن نے عام رعایا کے لئے ممالک محروسہ میں بہت سی عمارتیں' مساجد' حمام' پل اور قلعے بنوائے۔

علاوہ ازیں اس نے عرب اور بربر میں خوشگوار تعلقات قائم کرا دیئے۔

امن و عافیت:

یہ زمانہ امن و عافیت کا زمانہ تھا۔ تعلیم عام کر دی گئی' مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے تعلیم کے دروازے کھول دیئے گئے۔ سلطان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔

مدارس:

سلطان نے مساجد کے ساتھ مدارس قائم کئے تھے۔ حکومت کی طرف سے ان پر گرانقدر رقم خرچ ہوتی تھی اور سلطان نے ان مدارس کے لئے جاگیر وقف کر دی تھی۔ (تاریخ اسپین' ص 260)

مہمان سرائے:

سلطان نے ہر مسجد کے ساتھ ایک مہمان سرائے تعمیر کرائی تھی۔ ان میں زائرین' مسافروں اور سیاحوں کی چند روز تک مہمانداری بھی ہوتی تھی اور ضرورتمندوں کو نقدی بھی دی جاتی تھی۔
(تاریخ اسپین' ص 259)

دیوان:

مسجد سے ہی ملحق ''دیوان'' تھا' یہاں امراء اور رؤساء آ کر ملکی امور کے متعلق مشورے کیا کرتے تھے۔

امام:

قاضی امامت بھی کراتا تھا جبکہ جمعہ خود سلطان پڑھاتا تھا۔ (تاریخ ملت' ج 1' ص 457)

حکومت کا نظم و نسق

عبدالرحمٰن نے اپنے ملک کو چھ صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر ایک صوبے میں ایک فوجی سپہ سالار رہتا تھا۔ اس سپہ سالار کے تحت دو عامل اور چھ وزیر ہوتے تھے۔ ان کے مددگار قاضی اور دیگر حکام ہوتے تھے۔ یہ افسران تمام ضروری اطلاعات صدر دفتر قرطبہ بھیجتے رہتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے ایسے قوانین جاری کئے جن سے رعایا خوشحال ہو اور اپنی املاک پر آزادی کے ساتھ بلا مداخلت غیرے قابض و متصرف رہے۔ اس کے علاوہ اس نے پورے ملک میں سڑکیں بنوائیں۔ ڈاک کا انتظام بہتر کیا۔ ہر منزل پر گھوڑے رکھے تاکہ دارالحکومت تک اطلاعات پہنچنے میں تاخیر نہ ہو۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا طاقت کے ساتھ کلی خاتمہ کیا۔ بربری لوگ جو بغاوتوں سے باز نہ آتے تھے' پہلی مرتبہ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں خاموش ہو کر بیٹھے۔

عبدالرحمٰن اپنے عمال کی جانچ پڑتال کی غرض سے ممالک محروسہ کا ہمیشہ دورہ کرتا رہتا تھا۔ اپنے دورے کے دوران ضرورتمندوں' محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرتا اور لوگوں کے اصلاح احوال کے احکام جاری کرتا۔

اس نے اپنے بیٹوں کو عمدہ تعلیم دے کر انتظام حکومت سے آشنا کرنے کے لئے حکم دے دیا کہ وہ دفتر شاہی اور قاضی کی کچہریوں میں حاضر ہو کر معاملات کو دیکھا کریں۔ بعض اہم مقدمات اور سرکاری معاملات کے فیصلے بھی ان شہزادوں کے امتحان کے لئے ان کے سپرد کئے جاتے تھے۔
(تاریخ اسلام' ص 346)

سلطان عبدالرحمٰن کے عہد کی علمی سرگرمیاں:

سلطان عبدالرحمٰن کو علم و ادب کی ترویج و اشاعت کا خاص طور پر شوق تھا۔ وہ عوام میں علم کا شوق پیدا کرنے کے لئے مشاعرے اور مناظرے کی مجالس قائم کرتا تھا۔ اچھی نظموں اور علمی مناظروں

کی کامیابی پر انعامات دیئے جاتے تھے۔ امیر عبدالرحمن ان مجالس میں بذات خود شریک ہوتا تھا۔ اس نے دنیا کے کونے کونے سے علماء اور فضلاء کو بلوایا اور ان کی خوب قدردانی کی۔ علمی تحقیقات اور فلسفیانہ موشگافیوں کے لئے مجلسیں منعقد کیں۔ اس ذہنی تحریک کی بدولت ہسپانیہ نویں، دسویں اور گیارہویں صدی میں عالمی ثقافت کے دو عظیم مراکز میں گنا جاتا تھا۔

عبدالرحمن کا شوق تعمیر:

دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت بڑھانے کے لئے اس نے خوبصورت عمارات بنانے میں زیادہ توجہ صرف کی۔ اس نے شہر میں صاف پانی لانے کے لئے ایک تالاب کھدوایا، شہر کے اطراف میں ایک فصیل تعمیر کرائی اور شمال مشرقی شام کے اپنے ایک آبائی محل کے نمونے پر اپنے لئے شہر قرطبہ کے باہر ایک قلعہ تعمیر کرایا اور باغ بھی لگوایا۔ اس میں آب رسانی کا انتظام کر کے دیگر پھل دار درختوں کے ساتھ ساتھ کھجور کا ایک درخت بھی تھا جو دیار شام سے لا کر لگایا گیا تھا۔ یہ اندلس کی سرزمین میں پہلا کھجور کا پودا تھا۔

عبدالرحمن نے اپنی وفات سے دو سال پہلے 768ء میں مکہ کی مسجد حرام اور بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کے نمونے پر قرطبہ کی جامع مسجد بنوانا شروع کی۔ ان مسجد کی تکمیل اور توسیع اس کے جانشینوں نے کی۔ جامع مسجد کے علاوہ عبدالرحمن نے دریائے وادی الکبیر پر ایک پل بھی تعمیر کرایا۔



سلطان ہشام بن عبدالرحمٰن

(788ء تا 796ء)

ہشام کا تقرر:

عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ہشام 33 سال کی عمر میں ہسپانیہ کا امیر مقرر ہوا۔ اس کے عہد میں جنوبی فرانس پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور تمام جنوبی فرانس اور ناربون شہر پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ علاوہ ازیں ہشام نے اپنے وزیر یوسف بن بخت کو عیسائیوں کی ریاست ایسٹریاس پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا کیونکہ اس کے عیسائی باشندوں نے فرانس سے واپس آتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی چنانچہ وہ مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور ان کا حاکم گرفتار کرلیا گیا مگر بعد میں خراج ادا کرنے کے وعدہ پر یہ علاقہ اسی کو واپس کر دیا گیا کیونکہ اس علاقے کو مسلمانوں نے اپنی سکونت کے ناقابل پایا تھا۔

ملکی ترقی میں کردار:

سلطان ہشام نے مسجد قرطبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا خاص اہتمام کیا چنانچہ جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا' اس کا پانچواں حصہ تقریباً 45 ہزار دینار مسجد قرطبہ کی تعمیر پر خرچ کیا۔ اس مسجد کے علاوہ دریائے وادی الکبیر کا پل ازسرنو تعمیر کرایا۔

ہشام کا عظیم کارنامہ:

ہشام کی پیروی کرتے ہوئے قرطبہ کے اندر وہاں کے امراء اور صاحب ثروت لوگوں نے بڑی بڑی خوبصورت عمارتیں بنائیں جس سے شہر کی رونق اور خوبصورتی میں اضافہ ہوگیا۔

ہشام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہسپانیہ میں عربی زبان کو لازمی قرار دیا۔ عربی کی لازمی تعلیم کی وجہ سے چند ہی سالوں میں ہسپانیہ کی مقامی عیسائی آبادی نے مسلمانوں کے افکار' طرز معاشرت اور تہذیب وتمدن کو اختیار کرلیا۔ اس سے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔ مسلمانوں کے عیسائی آبادی سے قریبی تعلقات قائم ہوگئے اور عیسائیوں نے خود ہی اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا۔

عہد ہشام میں مالکی فقہ کا نفاذ:

ہشام نے اپنے عہد میں مالکی فقہ کو ریاست کے قانون کی بنیاد قرار دیا کیونکہ وہ حضرت امام مالک سے بہت متاثر تھا اور امام مالک بھی ہشام کی بہت قدر کرتے تھے۔ حالانکہ آپ عباسیوں کے حدود سلطنت میں مقیم تھے لیکن وہ صرف ہشام کو خلیفۃ المسلمین ہونے کا مستحق گردانتے تھے کیونکہ ہشام عباسی خلفاء کے برعکس نہایت عابد و زاہد' عقلمند اور بہادر تھا چنانچہ ہشام نے سرکاری خزانے سے ایسے

افراد کے لئے وظائف مقرر کیے جو امام مالک کی خدمت میں فقہ اور حدیث کی تعلیم کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ (تاریخ اسپین' ص 243 تا 258 ملخصا- عرب ان اسپین از کونڈ' ج 1' ص 213)

مدت حکومت:

ہشام نے سات سال آٹھ ماہ حکومت کی۔

وفات:

ہشام نے 180ھ بمطابق 796ء میں انتقال کیا اور قرطبہ میں دفن ہوا۔ ہشام نے صرف چالیس سال عمر پائی۔ خلیفہ کے جنازے میں خلقت کا بہت ہجوم تھا۔ ان کے بیٹے الحکم نے خود باپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد میں حکم کو ہی خلیفہ نامزد کر دیا گیا اور اس کے نام کا خطبہ تمام مساجد میں پڑھا گیا۔ (عبرت نامہ اندلس' ج 1' ص 363)



سلطان الحکم (796ء تا 822ء)

جانشینی اور نظم حکومت:

ہشام کا بیٹا حکم اوّل اس کا جانشین ہُوا اور 822ء تک حکومت کی۔ یہ اگرچہ ذی علم تھا مگر متلون مزاج تھا۔ اس نے اپنی فوج کو ازسرِنو ترتیب دے کر باقاعدہ تنخواہیں دینے کا رواج شروع کیا۔ فوجی استحکام سے ملک میں امن وسکون کو بھی ترقی ہوئی۔ توسیع سلطنت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس نے فرانس کے بہت سے حصے فتح کر کے المظفر کا لقب پایا بالآخر شاہ فرانس شارلیمان کو اس سے صلح کا عہدنامہ کرنا پڑا۔ اپنی سلطنت کے دفاع کے لئے حکم نے مراکش کی ادریسی حکومت سے بھی دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ علم، شعر و شاعری، موسیقی اور شکار کا بیک وقت شوقین تھا۔ فقہاء سے اس کا بہت اختلاف رہا لیکن بعد میں اس نے نرمی سے بہت سے فقہاء کو ساتھ ملا لیا۔

رعایا کے ساتھ ہمدردی:

اس کے زمانے میں اندلس میں بہت عظیم قحط پڑا' سلطان نے آرام و طعام چھوڑ دیا اور رعایا کی خبرگیری میں دن رات ایک کر دیا اور خزانے کے منہ غرباء کے لئے کھول دیئے۔ یہ عادل اور نرم دل بادشاہ تھا لیکن سختی کے موقع پر سخت انداز میں پیش آتا تھا۔ بڑا دانا اور معاملہ فہم تھا۔

ولی عہد کا تقرر:

202ھ میں سلطان الحکم نے اپنے امراء اور اراکین سلطنت سے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ثانی کی ولی عہدی کا حلف لیا جو سب نے بخوشی قبول کر لیا اور بیعت کی چونکہ ملک میں امن و امان تھا لہٰذا سلطان نے بقیہ عمر آرام سے گزاری۔

وفات:

سلطان الحکم نے 25 ذوالحج 206ھ کو انتقال کیا۔



سلطان عبدالرحمٰن ثانی

تخت نشینی اور بغاوتوں کا استیصال:

حکم کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی تخت نشین ہوا جس نے 852ء تک اکتیس سال حکومت کی۔ اس نے کئی بغاوتوں کا استیصال کیا۔ اسلام کے خلاف مسیحی تحریک کا آغاز بھی اسی کے عہد میں ہوا۔ عبدالرحمٰن نے اسے نرمی سے دبانے کی کوشش کی مگر بہت سے سرغنوں کو سزائیں دینا پڑیں۔

علوم وفنون کی طرف خصوصی توجہ:

عبدالرحمٰن ثانی کا زمانہ علوم وفنون کی ترقی اور تعمیرات کی وسعت کے لئے مشہور ہے۔ قرطبہ میں تالاب، چشمے، باغات اور کئی نئی عمارتیں بنوائیں۔ جامع قرطبہ کو دو محرابوں کے اضافہ سے اور بھی وسیع کیا۔

وفات:

سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے اکتیس برس تک حکومت کر کے 238ھ مطابق 852ء میں انتقال کیا۔



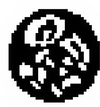
سلطان محمد اوّل

مخالفین اسلام کے ساتھ سخت رویہ:

سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے 886ء تک حکومت کی۔ یہ شخص مزاج کا سخت اور خود بین واقع ہوا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ عبدالرحمٰن ثانی کے عہد اخیر میں ایک فتنہ اُٹھا جسے یولوجیوس نے کھڑا کیا۔ ہوا یہ کہ عیسائیوں کو قاضی اور بادشاہ کے سامنے بھیجا جاتا' وہ آ کر اسلام اور داعی اسلام کے خلاف جو منہ میں آتا کہتے مگر سلطان نے ٹھنڈے دل سے اس حماقت کا مقابلہ کیا جبکہ سلطان محمد نے اپنے عہد میں پادریوں کی مجنونانہ حرکت اور اسلام اور داعی اسلام پر جو وہ رکیق حملے کرتے تھے اس نے باپ کی طرح چشم پوشی نہیں کی بلکہ اسے بقوت دبایا اور پُرجوش خبطی عیسائیوں کی خوب خبر لی۔ اس نے فتنوں اور راہبوں کی خوش فعلیوں کا مرکز بننے والے گرجے گرا دیے۔ عیسائیوں کو اچھی طرح سے کچلا' ایک مسلمان لڑکی فلورا کو اغواء کرنے والے عیسائی یولی جیس کو 11 مارچ 859ء میں قتل کیا گیا۔

اندلس میں خانہ جنگی کا آغاز:

اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی اپنی حماقت پر شرمندہ ہوئے۔ شہادت کے ڈھونگ سے انہیں ایسی نفرت ہوئی کہ عیسائی مذہب کو چھوڑ بیٹھے مگر اندلس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ سلطان سے ملک کا انتظام نہ سنبھل سکا' مسیحی تحریک نے بہت زور پکڑا اور بہت سی بغاوتیں رونما ہوئیں جن میں ابن حفصون کی بغاوت نے بہت طول کھینچا جسے بالآخر اس کے جانشینوں نے فرو کیا۔ آخر وہ صفر 274ھ مطابق 886ء میں فوت ہو گیا۔



سلطان المنذر

اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان المنذر 886ء میں تخت پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد میں اندلس کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی۔ عرب امراء اور بربری سردار خودسر ہو گئے۔ آپس کی خانہ جنگی دیکھ کر سرحدی عیسائیوں نے بھی سر اٹھایا' انہیں سلطان المنذر کی نااہلی کی وجہ سے سرحدی قلعے مل گئے۔ آخرکار دو سال کے بعد 888ء میں المنذر کو قتل کر دیا گیا۔



سلطان عبداللہ

المنذر کے بعد اس کا بھائی 888ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کا زمانہ بھی اہل اندلس کے لئے خیروخوبی کا زمانہ نہ تھا۔ وہ بذات خود ایسی تلخی طبیعت کا مالک اور بے رحم انسان تھا کہ اس کی مملکت میں بسنے والے تمام فرقے اس سے نفرت کرنے لگے اور اس کی حکومت کے خاتمے کے یک نکاتی ایجنڈے پر متفق ہو گئے۔ اسے حکومت کرتے ہوئے تین سال بھی نہ گزرے تھے کہ اندلس کا بہت بڑا حصہ خود ہی خودمختار بن گیا۔ اس کا بیٹا محمد اور اس کا بھائی قاسم باپ سے باغی ہو گئے مگر مقابلہ پر گرفتار ہوئے اور قید کیے گئے۔ عرب امراء نے یہ رنگ دیکھ کر اپنی خودمختار ریاستیں قائم کر لیں۔

اس کے عہد میں بغاوتوں کی کثرت اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے مرکزی حکومت بہت کمزور پڑ گئی۔ قرطبہ سرحدی خلفشار سے پریشان حالی کو پہنچ گیا تھا۔ سلطان کی کاہلی اور کمزوری حد کو پہنچ چکی تھی' خزانہ خالی تھا' محاصل کی بندش کی وجہ سے فوج کو تنخواہیں دیر سے ملتی تھیں۔ تجارت کو فروغ حاصل نہ تھا بالآخر سلطان 15 اکتوبر 912ء مطابق 300ھ کو اڑسٹھ برس کی عمر میں چوبیس برس کی ناخوش و بے مزہ سلطنت کو خیرباد کہہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔



سلطان عبدالرحمٰن ثالث

عبدالرحمٰن ثالث 912ء میں اکیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ عبدالرحمٰن نے جس وقت تخت خلافت سنبھالا اس وقت ہسپانیہ میں مسلمانوں کی سلطنت پاش پاش ہو کر بظاہر عیسائیوں کے قبضہ میں جا رہی تھی اس وقت اموی حکومت کی دو حریف طاقتیں ان کے خلاف نبرد آزما تھیں۔

اوّل عمرو بن حفصون جو مالقہ وغیرہ پر قابض تھا اور مصر کی فاطمین حکومت سے ساز باز کر کے قرطبہ کی مسلم سلطنت کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ عمرو بن حفصون کو شمالی عیسائی ریاستوں سے بھی مدد مل رہی تھی۔ فاطمین مصر تو قدرتی طور پر بنوامیہ کے دشمن تھے اسی دشمنی کی وجہ سے وہ ابن حفصون کی مدد کر رہے تھے۔

دوسری طاقت ریاست اشبیلیہ کی تھی کیونکہ اشبیلیہ میں عربوں نے آزاد حکومت قائم کر لی تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ کے بہت سے عرب سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تو ان کی طرف سے فوری خطرہ کا امکان کم ہو گیا لیکن جلد ہی یہ عارضی صلح ختم ہو گئی اور عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ پر حملہ کر دیا۔ ابن حفصون نے اہل اشبیلیہ کی مدد کی لیکن دونوں دشمنوں کو شکست فاش ہوئی۔ عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ میں اپنا ایک گورنر مقرر کر دیا۔

ادھر سے فارغ ہو کر عبدالرحمٰن، عمرو بن حفصون کی طرف متوجہ ہوا۔ فاطمین مصر نے ابن حفصون کی مدد کے لئے فوج بھیجی جسے عبدالرحمٰن کی فوج نے راستے میں ہی جہازوں سے اُترنے ہی نہ دیا بلکہ سب کو سمندر میں ہی گرفتار کر لیا۔ ابن حفصون نے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی جو منظور ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نے ابن حفصون کے تمام زرخیز علاقے اپنے قبضے میں کر لئے اور آئندہ مطیع و فرمانبردار رہنے کا وعدہ لیا۔

غرضیکہ 930ء میں عبدالرحمٰن کی حکومت اپنی پوری وسعت کو پہنچ گئی۔ سلطنت کے جتنے حصے باپ دادا نے کھوئے تھے ان کو پھر سے حاصل کرنے میں اٹھارہ سال تو صرف کئے لیکن یہ کام پورا ہو گیا اور شاہی اقتدار مضبوطی کے ساتھ عربوں، بربریوں، سپینیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں پر یکساں قائم ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کسی فریق کو خاص فوقیت حاصل نہ کرنے دی۔

عیسائی مقبوضات کی فتح:

عبدالرحمٰن ثالث کے پیشروؤں کے عہد کے دوران متعدد عیسائی ریاستوں نے آزاد حیثیت حاصل کر لی تھی۔ عمرو بن حفصون کے علاوہ طلیطلہ جو ہسپانیہ کے وسط میں واقع تھا، ایک آزاد ریاست قائم ہو چکی تھی۔ برشلونہ اور اربونیہ میں بھی عیسائیوں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ ایسٹریاس کی ریاست اب ایک زبردست قوت بن چکی تھی جس کے تحت جلیقیہ، لیون اور قسطلہ کی تین بڑی عیسائی ریاستیں تھیں۔ ان کے علاوہ پرتگال کے علاقہ میں بھی عیسائیوں نے کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ بعض مسلمان خودمختار ریاستوں نے بھی عیسائی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے اور د

اموی حکومت کی مرکزی حیثیت کو چیلنج کرنے لگے تھے۔

عبدالرحمٰن ثالث نے چند ہی سالوں میں ان تمام عیسائی ریاستوں کو فتح کر لیا اور اکثر عیسائی اور مسلمان ریاستیں براہ راست مرکز کے تابع فرمان ہو گئیں۔

عبدالرحمٰن کا خلیفہ کا خطاب اختیار کرنا:

بغداد کے سیاسی حکمرانوں کو پوری اُمت مسلمہ نے اپنا مذہبی اور سیاسی رہنما تسلیم کر لیا تھا اور چونکہ مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات کے محافظ بھی وہی تھے اس لئے خلیفہ کا لقب عباسی حکمرانوں کے لئے مختص تھا۔

خلیفہ کے تین ترجیحی حقوق تھے:

1- خلیفہ کا نام جمعہ کے خطبہ میں پڑھا جاتا تھا۔

2- خلیفہ کے نام کے سکے جاری ہوتے تھے۔

3- خلیفہ امیر المومنین کا خطاب استعمال کرتا تھا۔

اموی حکمران عبدالرحمٰن اوّل نے ہسپانیہ میں طاقت حاصل کرنے کے بعد پہلے دو ترجیحی حقوق تو حاصل کر لئے تھے لیکن خلیفہ یا امیر المومنین کے خطابات اختیار نہیں کئے تھے۔ ہسپانیہ میں اموی حکمران امیر کہلاتے تھے۔ عبدالرحمٰن ثالث نے بھی سترہ سال تک امیر کا لقب اختیار کیا لیکن خلیفہ عباسی مقتدر باللہ کے قتل کے بعد عباسی خلافت کمزور ہو گئی' مصر میں فاطمیوں نے عباسی حکومت کے مدمقابل ایک آزاد شیعہ خلافت قائم کر لی۔ مسلم عوام پر سے عباسی خاندان کی دھاک اور عظمت ختم ہو گئی' ادھر عبدالرحمٰن نے ہسپانیہ میں اپنے تمام حریفوں کو نیچا دکھا کر اپنے خاندان کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا۔

ان حالات میں امیر نے مناسب سمجھا کہ وہ خلیفہ کا لقب اختیار کرے اور امیر المومنین کہلائے چنانچہ 929ء میں عبدالرحمٰن نے خلیفہ کا خطاب اختیار کر کے الناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن کی عالمگیر شہرت و عظمت:

خلیفہ عبدالرحمٰن نے اپنی فتوحات' بہادری اور انتظام سلطنت میں استحکام کی بدولت جلد ہی عالمگیر شہرت اور عظمت حاصل کر لی اور قرطبہ عبدالرحمٰن کے عہد میں معراج کمال پر پہنچ گیا جہاں متعدد محلات رصافہ' مساجد' عدالت' شفاخانہ' دارالخیرات' پل' فصیل' نہر' رصدگاہ' خانقاہ' رباط اور قلعے وغیرہ تھے۔

(مورس ان اسپین' ص 99)

سرزمین اندلس سے ملحق خودمختار بادشاہوں نے سلطان عبدالرحمٰن کی خوشنودی مزاج اور رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے اپنے سفیر قرطبہ بھیجے چنانچہ 336ھ مطابق 947ء میں قسطنطین شاہ قسطنطنیہ نے بذریعہ سفیر نہایت قیمتی تحائف بھیجے۔

شاہ قسطنطنیہ خلیفہ عبدالرحمٰن سے دوستی کا خواہاں تھا چنانچہ اس نے 949ء میں اپنا سفیر شاندار تحائف کے ساتھ قرطبہ روانہ کیا۔ خلیفہ نے بھی اس سفارت کا اس تزک و احتشام سے استقبال کیا کہ

شاہ قسطنطنیہ کے سفیر حیران و ششدر رہ گئے کیونکہ شہر کثرت آئینہ بندی اور آرائش سے دلہن کی مثل معلوم ہوتا تھا۔ نئے سازوسامان اور اسلحہ سے آراستہ قصر اور دربار کی آراستگی کی تعریف نہیں ہو سکتی تھی۔ تخت پر خلیفہ رونق افروز' گردو پیش شہزادے' والیان مملکت اور ارکان سلطنت دست بستہ حاضر' جس وقت سفیر اور اس کے ساتھی پیش ہوئے تو شاہی رعب داب اور دربار کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور سر جھکائے تخت کے قریب آ کر اپنے بادشاہ کا نامہ پیش کیا۔

عبدالرحمٰن نے دربار میں حاضر علماء کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شان و شوکت' بزرگی اور خلفاء اندلس کی فتوحات بیان کریں لیکن حاضرین دربار کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ ان مشہور علماء میں سے یکے بعد دیگرے ہر شخص نے تقریر شروع کی لیکن دو چار لفظوں سے زیادہ نہ کہہ سکے۔

یہ حالت دیکھ کر منذر بن سعید کھڑا ہوا اس نے نہایت شستہ اور خوش اسلوبی سے تقریر کی اور پُرجوش اور برجستہ قصیدہ پڑھا کہ اہل دربار کی زبانوں پر تعریف جاری ہو گئی۔ خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ اسے اسی وقت چیف جسٹس کے عہدہ پر سرفراز فرما دیا۔

اس دربار کے بعد خلیفہ عبدالرحمٰن نے کئی روز تک سفیروں کی مہمانداری کی اور ہشام بن ہذیل کو اپنی جانب سے بصیغہ سفارت' یونانی سفیر کے ہمراہ قسطنطنیہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ لکھوائے۔ ہشام دو سال کے بعد کامیاب واپس آیا۔

اس کے بعد اٹلی' جرمنی' فرانس اور صقالیہ کے بادشاہوں کے سفیر یکے بعد دیگرے قرطبہ کے دربار میں وارد ہوئے۔ ان سفارتوں نے خلیفہ عبدالرحمٰن سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بعض اوقات ان ایلچیوں نے خلیفہ کی خوشامد اور منت سماجت بھی کی غرضیکہ یورپ کا ہر حکمران خلیفہ کو اپنا حامی اور مددگار بنانا چاہتا تھا تاکہ وہ دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔

ان سفارتوں کے علاوہ ہسپانیہ کی عیسائی ریاستوں کے وہ حکمران جو چند سال پہلے قرطبہ کی حکومت کو ختم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے' اب فریادی کی حیثیت سے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان فریادیوں میں جلیقیہ کا حکمران اردونی چہارم' ریاست قسطلہ کا حکمران فردند اور ملکہ طوطہ حکمران ریاست نوارا تھے۔ ان تینوں حکمرانوں نے اپنی ریاست کے جانشینی تنازعات میں خلیفہ عبدالرحمٰن سے فریاد کی تھی چنانچہ خلیفہ کے احکامات اور فوجی مداخلت سے ان کے یہ جھگڑے ختم ہوئے۔



ہسپانیہ بنوامیہ کے عہد میں

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے بعد اس کے بیٹے حکم ثانی نے 976ء تک تقریباً سولہ سال حکومت کی۔ وہ عالم اور علم پرور تھا اور اس کے دور میں بے شمار درسگاہیں اور لائبریریاں قائم ہوئیں۔ علوم وفنون کو اس قدر ترقی ہوئی کہ اس کا عہد تمدن و ثقافت کے اعتبار سے سپین کے زمانہ وسطیٰ کا زرّیں دور گنا جاتا ہے۔

اس کے کتب خانہ میں صرف کتابوں کے ناموں کی فہرست کی چوالیس جلدیں تھیں اور ہر جلد میں پچاس ورق تھے۔ بعض مصنفین کے مطابق کتابوں کی تعداد چار اور بعض کے نزدیک چھ لاکھ تھی۔

(عبرت نامہ اندلس، ص 88)

حکم ثانی نے عقلی علوم وفنون کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ مصر اور بغداد سے ان علوم کی کتابیں منگوا منگوا کر اس کثرت سے جمع کیں کہ لوگوں کے ذہن میں مامون عباسی کی یاد تازہ ہو گئی۔ خلیفہ مستنصر یعنی حکم ثانی اگرچہ وہ بڑا بہادر اور فن سپہ گری میں ماہر تھا مگر اس کی طبیعت کو جنگ سے لگاؤ نہیں تھا لیکن مجبوراً اسے عیسائیوں اور فاطمیوں سے جنگیں لڑنا پڑیں چنانچہ سلطنت کا استحکام برقرار رہا۔ اندلس میں امن وامان تھا علمی چہل پہل تھی۔ حکم پندرہ سال حکمرانی کر کے اکتوبر 369ھ کو انتقال کر گیا۔

(تاریخ ملت، ج 1، ص 482)

اس کی وفات پر اس کا بیٹا ہشام ثانی تخت نشین ہوا جسے حکم نے مرنے سے قبل ولی عہد مقرر کیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر گیارہ سال تھی۔ اس کی کم سنی کا اثر امور مملکت پر بہت برا پڑا اور عام طاقت بالآخر ابن ابی عامر المعروف المنصور کے ہاتھ میں آ گئی۔ منصور نے اپنی زندگی میں تو حالات پر قابو رکھا لیکن 1002ء میں اس کی وفات کے بعد مرکزی حکومت زوال پذیر ہو گئی اور تیس سال کے اندر اندر سپین کی اسلامی سلطنت مختلف حصوں اور خاندانوں میں بٹ گئی جو آئندہ صدیوں میں کمزور پڑتے پڑتے آہستہ آہستہ مٹ گئے اور اسپین میں عیسائی اقتدار دوبارہ قائم ہو گیا۔

جبرالٹر (جبل الطارق) 1479ء میں فتح ہوا اور 1492ء میں غرناطہ کی عظیم الشان ریاست کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ سپین میں جو بچے مسلمان باشندے رہ گئے تھے انہیں زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔

(مورس ان اسپین، ص 143)



اندلس کا اسلامی عہد' تاریخ عالم کا علمی و ثقافتی عہد

سپین میں مسلمانوں کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ:

مسلمانوں نے اپنے آٹھ سو سالہ دور اقتدار میں ملک کی ترقی کے لئے جو سامان پیدا کئے تھے وہ مناسب دیکھ بھال نہ کر سکنے کی وجہ سے بتدریج کم تر ہوتے چلے گئے۔ اگر کچھ باقی بچے تو اہل ہسپانیہ نے مسلمان دشمنی کو مدنظر رکھتے ہوئے خود تباہ و برباد کر دیا۔ نہ وہ درسگاہیں قائم رہیں' نہ وہ ہسپتال' نہ تجارت' نہ صنعت' نہ زراعت اور نہ ہی تہذیب و تمدن باقی رہا غرضیکہ ہر وہ چیز ختم کر دی گئی جس سے ذرہ برابر بھی مسلمانوں کی وابستگی کا پتہ چلتا تھا۔ اپنے ان اعمال کی سزا ہسپانیہ آج بھی بھگت رہا ہے اور شاید رہتی دنیا تک بھگتتا رہے گا۔

اندلس پر مسلمانوں کے لاتعداد احسانات ہیں۔ اسلامی دور میں اندلس کی تہذیب و ترقی اپنے عروج پر تھی۔ اندلس ہی وہ واحد چراغ تھا جو یورپ کی جہالت اور تاریکی میں آٹھ سو سال تک جگمگاتا رہا۔ یورپ کے طالبان علم یہیں سے فیض یاب ہوتے تھے۔ یہ بغداد اور اندلس ہی تھے کہ جنہوں نے یونان کے ان علوم کو حیات نو بخشی جو عرصہ دراز سے مردہ ہو کر زمین میں دفن ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے اندلس پر فتح پا لینے کے بعد یہاں کی علمی حیثیت کو چار چاند لگائے۔ تجارت' زراعت' اسلحہ سازی' صنعت و حرفت اور جہاز سازی کی داغ بیل ڈالی حالانکہ عام یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ان کو رواج دینے والے یورپین تھے حالانکہ اس میں ذرہ برابر بھی سچائی نہیں۔ یہ سب کام مسلمانوں کی ہمت و عظمت کے مرہون منت ہیں۔ یہی نہیں اگر اندلس کے اطباء' جراح' مفسر' محدث' فلاسفر' ادیب' شعراء اور کاریگروں کی فہرست تیار کی جائے تو ایک دفتر درکار ہو گا۔ مسلمانوں کے تیار کردہ ذخیرہ ہائے کتب کو اسلام دشمنی کے تحت سمندر میں غرق اور نذر آتش کر دیا گیا۔ اگر کچھ بچ گئیں تو ان کی افادیت کو دیکھ کر ہر اہل علم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کاش ان یگانہ روزگار مصنفین کی دیگر تصنیفات کسی طرح حاصل ہو جائیں مگر......

عربوں نے اندلس پر بے پناہ احسانات کیے ہیں کیونکہ جب مسلمانوں نے اندلس میں قدم رکھا تو وہاں کا معاشرہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک اونچا طبقہ تھا جسے دنیا کی ہر نعمت حاصل تھی اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان لوگوں کا ہر دن روز عید اور ہر رات شب برات ہوتی تھی۔ گویا دنیا کی ہر چیز صرف انہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس پر ان کا ہی حق ہے۔

دوسرا طبقہ عام آبادی کا تھا جو مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار تھا۔ وہ دو وقت کی روٹی کو ترستا تھا۔ مسلمانوں نے اس فرق کو ختم کر کے اسلام کا ازلی قانون مساوات قائم کیا جس سے ہر شخص مطمئن ہو گیا۔ ان کی معاشرت خصوصاً بول چال' زبان' تعمیر و ترقی غرضیکہ ہر شے عربوں کے اعلیٰ ذوق کی گواہی دینے لگی اور آج بھی ان کے اثرات باقی ہیں۔ گو ہسپانوی حکمران اور پادری عرصہ سو سال سے زائد سے ان اثرات کو مٹانے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے تھے۔

اسکوریال کا کتب خانہ:

اندلس میں علوم و فنون کے متعلق مسلمانوں کے کارناموں کا ذکر کرنے سے پہلے یہاں ایک کتب خانہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اسکوریال میں قائم تھا۔ سقوط غرناطہ کے بعد اہل ہسپانیہ نے نہایت بے دردی سے اسلامی کتب تباہ کی تھیں۔ عالم یہ تھا کہ جب وہ کتب نذر آتش کی جارہی تھیں تو کچھ لالچی لوگوں نے اس سنہری کام کو آگ سے نکال لیا تھا جو ان کتب کی جلدوں پر کیا ہوا تھا۔ کافی مدت بعد مراکش کے ایک صاحب علم و ذوق بادشاہ نے ملک شاہ سے ان کتابوں کو منگوایا جو تین جہازوں پر سمندر کے راستے لائی جارہی تھیں جنہیں سمندری قزاقوں نے لوٹ لیا اور بہت زیادہ کتب تباہ کر دیں جو باقی بچ گئی تھیں انہیں اسکوریال نامی ایک محل میں رکھوا دیا گیا جو میڈرڈ سے تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر واقع تھا لیکن وہاں بھی آگ بھڑک اٹھی اور تین چوتھائی ذخیرۂ کتب آگ کی نذر ہو گیا جو محفوظ رہیں' ان کو شمار کیا گیا تو وہ ایک ہزار آٹھ سو پچاس تھیں جو آج تک وہاں موجود ہیں اور نادر و نایاب شمار ہوتی ہیں۔ اہل علم حضرات اسکوریال کے ذخیرۂ کتب کو نہایت قیمتی گردانتے ہیں۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاتھ جو گاتھ قوم یا ہسپانیہ کی کتابیں اور آثار آئے' انہیں مسلمانوں نے اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جان کر محفوظ کر لیا اور اہل ہسپانیہ کے حوالے کر دیا۔ ہسپانوی علم کا جو بھی ذخیرہ وہاں آج موجود ہے' وہ مسلمانوں کی بدولت ہی موجود ہے۔ جبکہ ہسپانیہ والوں نے مسلمانوں کے ذخیرہ کو صرف تعصب کی بناء پر تباہ و برباد کر دیا تھا۔

مسلمانوں کے اندلس پہنچتے ہی کاغذ کی صنعت کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور اندلس کے ہر علم کے عالم نے اپنی استعداد کے مطابق کتابیں لکھیں۔ غیر ممالک سے بھی خصوصاً اسلامی ممالک سے کتابیں اندلس پہنچنا شروع ہو گئیں جہاں سے یہ مشرقی علوم پورے یورپ کو بھجوائے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین عالم فاضل لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اندلس کے جغرافیہ دان زمین کے گول ہونے پر زور دیتے رہے اور اندلس ہی کے لوگ کولمبس سے پہلے امریکہ جاتے رہتے تھے مگر وہ اپنے اس سفر کی تشہیر نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کولمبس نے بھی اندلسی ملاحوں کی رہنمائی میں امریکہ کا سفر کیا تھا۔

یورپ کے جس حصہ کو آج سپین کا نام دیا جاتا ہے' مسلمان اس کو اندلس کہتے تھے اور مسلمانوں نے پورے آٹھ سو سال تک یہاں حکومت کی۔ ان کی بدولت ہی تاریخ میں اندلس کا نام بلند ہوا اور اسے شہرت دوام ملی۔

مسلمانوں کے علمی کارنامے:

جو علوم مسلمان عرب سے اپنے ساتھ لائے تھے ان سے اندلس کے لوگوں نے بہت فائدہ حاصل کیا اور ان کے علمی ذوق پر ہمیشہ عرب کی چھاپ قائم رہی۔ اندلسی مسلمانوں کے علمی کارنامے تا ابد قائم و دائم رہیں گے۔

اندلس کے حکمران خاندان بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پیش نظر جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ رہتی تھی کہ "علم دو ہیں: (1) علم الادیان (2) علم الابدان" اسی وجہ سے وہ سب فروغ علم اور اشاعت تعلیم پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ ابتداء میں جو مدارس قائم کئے گئے تھے وہ صرف مسلمانوں کے لئے مختص ہوتے تھے لیکن ہشام کے دور میں ہر کاری خرچ پر یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے بھی مدرسے قائم کئے گئے اور سرکاری مدارس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی علم حاصل کرتے تھے۔ تمام مدارس کے اخراجات ان اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے جو اس مقصد کے لئے مخصوص تھے۔ علاوہ ازیں گاہے بگاہے حکومت کی طرف سے خصوصی امداد بھی دی جاتی تھی۔ تعلیم کا حصول لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ قصبات اور دیہات کے مدارس بھی کسی نہ کسی یونیورسٹی سے منسلک تھے۔

ابتدائی دور میں جب بنوامیہ کی حکومت تھی صرف قرطبہ یونیورسٹی سے مدارس کا الحاق کیا جاتا تھا جسے بعد میں وسعت دے کر غرناطہ' اشبیلیہ اور طلیطلہ جیسی مشہور یونیورسٹیوں تک بڑھا دیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن ثالث کے دور میں اتنی علمی ترقی ہو چکی تھی کہ صرف قرطبہ میں ستر لائبریریاں موجود تھیں۔ ہزاروں دوکانیں صرف کتب فروشی کے لئے قائم ہوگئی تھیں اور کتب فروش کے پیشہ سے منسلک افراد کی تعداد بیس ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔

علم کی توسیع و ترقی میں سب سے زیادہ کردار قرطبہ یونیورسٹی نے ادا کیا تھا۔ اس کی تعمیر عبدالرحمٰن الداخل نے شروع کی تھی اور اس کی تکمیل ہشام کے دور میں ہوئی جبکہ عبدالرحمٰن ثالث کے علاوہ عبدالرحمٰن ثانی نے بھی اس کی توسیع کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل علوم کی تعلیم دی جاتی تھی:

قرآن پاک' حدیث شریف' طب و جراحت' ادویہ سازی' ہیئت و نجوم' فلسفہ' ریاضی' تاریخ و جغرافیہ' ادب' زراعت اور صنعت و حرفت۔

ہر علم کے لئے الگ الگ شعبے قائم تھے جن میں بلند پایہ اور قابل ترین اساتذہ لیکچر دیتے تھے۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلباء کو اسناد دی جاتی تھیں۔ یورپ نے اس یونیورسٹی سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ اس میں کام کرنے والے عملے کی تعداد تقریباً گیارہ ہزار تھی۔ طب و جراحت کے شعبے پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ آخری دور میں طلیطلہ یونیورسٹی کا درجہ بہت بڑھ گیا تھا۔

اسلامی علوم کی نشر و اشاعت:

جس طرح عام مسلمانوں نے اشاعت علم میں بہت زیادہ کردار ادا کیا' اسی طرح اندلسی حکمرانوں نے بھی علم دین کی طرف بہت زیادہ توجہ دی اور اندلس کو دنیا میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ دور دراز کے شہروں سے علماء و فضلاء کثیر تعداد میں یہاں جمع ہو گئے تھے اور حکومت کی طرف سے ان علماء و فضلاء کو وظائف دیئے جاتے تھے تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد ہو کر علمی کام میں مشغول ہوں۔ اندلس میں چونکہ مسلمانوں کی اسلامی حکومت تھی لہٰذا وہاں اسلامی علوم پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اسی بناء

پر مذہبی کتب کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

دینی علوم میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا مقام و مرتبہ بلند تھا۔ علماء نے ان موضوعات پر قابل فخر کارنامے سرانجام دیئے۔

علم تفسیر:

مفسرین نے تفسیر کی طرف خاص توجہ دی اسی بناء پر علم تفسیر کے ماہرین محدثین اور فقہاء کو نقلی و عقلی علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ یہی علم تھا کہ جس کی بدولت غیر مسلم اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھتے تھے۔ مشہور مفسرین میں ابوعبدالرحمٰن محمد بن عطیہ الغرناطی کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی جبکہ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے کتاب الاحکام اور قاضی عبدالحکم منذر بن سعید نے کتاب احکام القرآن اور کتاب الادیان لکھ کر شہرت دوام حاصل کی۔

حدیث:

حدیث کے ضمن میں ابومحمد قاسم بن اصنغ اور محمد بن عبدالملک کا مقام بلند پایہ ہے۔ ابن اصنغ نے کتاب الاحکام لکھی۔ بخاری شریف کو ابواب کی شکل میں مدون کیا اور ایک کتاب المجتبیٰ نام سے تحریر کی۔

ابوایوب سلمان البطلیموس نے بخاری شریف کی شرح لکھی۔ کہا جاتا ہے کہ بخاری شریف کی مشہور شرح فتح الباری بھی اسی کی مدد سے لکھی گئی تھی۔ اسی طرح صحاح ستہ سے احادیث کو منتخب کر کے الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کیا گیا اور کئی اساتذہ نے حدیث سے متعلق بہت زیادہ کام کیا مگر گردش دوران نے یہ علمی ذخیرہ محفوظ نہ رہنے دیا۔

فقہ:

فقہ سے متعلق زیادہ تر کام فقہ مالکی کے مسلک پر کیا گیا کیونکہ اندلس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے مالکی مسلک کو متعارف کروایا تھا۔ اسی بناء پر عوام و خواص اسی مسلک کی زیادہ قدر کرتے تھے۔ برازعی سرقسطی نے مالکی فقہ کی مشہور کتاب ''التہذیب'' تصنیف کی۔ ابو الولید ابن رشد نے فقہ مالکی پر کتاب ''الستانیہ'' لکھی جو کافی مشہور ہوئی۔ ابن العربی نے العواصم والقواصم لکھ کر شہرت دوام حاصل کی۔ ابوعمر ابن عبدالبر نے بھی ایک جامع اور مکمل کتاب لکھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب پندرہ کتابوں کا نچوڑ ہے اور ''کتاب التمجید'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا خلاصہ کتاب الاشکار کے نام سے مشہور ہے۔ مالک بن علی جنہوں نے براہ راست امام مالک سے کسب فیض کیا تھا' انہوں نے فقہ مالکی پر کئی مفید کتابیں لکھیں۔

قرأت:

اندلس میں جہاں تفسیر، حدیث اور فقہ پر کام ہوا وہاں قرأت پر بھی بہت زور دیا گیا جس سے پورے ملک میں قرأت کے علم کا شوق پیدا ہوا۔ اندلس کے مشہور قراء میں ابوعمرو الدانی اور ابوالقاسم کے

نام بام عروج پر پہنچے۔ ابوالقاسم نے خطاطی میں بھی نام کمایا اور اس موضوع پر کتاب المصنع کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔

دنیاوی علوم میں اہل اندلس کا کردار

اندلسی مسلمان دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی پیچھے نہ رہے بلکہ دنیاوی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے بھی اندلس میں بہت کوشش کی گئی جن کا مختصر احوال کچھ اس طرح ہے:

فن تاریخ نویسی:

تاریخ نویسی میں سب سے بلند شہرہ ابن خلدون کا ہے جن کی تصانیف ایک عرصہ تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں اور ان کی تحریروں کو "سند" کا درجہ حاصل تھا۔ دیگر مشہور تاریخ دان یہ تھے۔

ابن طوطیہ ایک مشہور و معروف تاریخ نویس تھا۔ وہ پیدائشی طور پر قرطبی تھا اور پورا نام ابوبکر بن عمر تھا۔ اس نے پہلے مسلمان مجاہد طارق بن زیاد سے لے کر عبدالرحمٰن ثالث تک کے حالات لکھے تھے۔ اس کی تاریخ کا نام "افتتاح الاندلس" تھا جس کا انداز بیان نہایت معیاری اور کافی دلچسپ بھی تھا۔

ابو مردان جہاں ابن علف بھی قرطبہ کا باشندہ تھا اس نے بھی تاریخ کی کتاب "کتاب المتین" لکھی تھی جس کی ساٹھ جلدیں تھیں۔ اسکی کل تصانیف کی تعداد پچاسی (85) بیان کی جاتی ہے۔

عبدالواحد المراکشی نے "المعجب فی تلخیص اخبار العرب" کے نام سے موحدین کی تاریخ لکھی۔ اس کی کتاب 1224ء میں مکمل ہوئی۔

ابوالولید عبداللہ بن محمد الفردی نے "علماء اندلس" کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ بہت ہی مشہور افسانہ نگار تھا اور اپنے دور میں یکتا تھا۔ اسے سوانح عمری لکھنے کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ اس کی پیدائش قرطبہ میں ہوئی۔ وہ 962ء میں قاہرہ اور قیروان گیا پھر حج کی غرض سے مکہ پہنچا۔ واپسی پر اسے بلنسیہ میں قاضی مقرر کر دیا گیا۔ جب بربروں نے قرطبہ پر یلغار کی تو ابوالولید الفردی بھی مارا گیا جس تاریخی کام کو اس نے شروع کیا تھا اس کی موت کے بعد دیگر سوانح نگاروں نے اسے مکمل کیا۔

ابوالقاسم ابن خلف بن عبدالملک بھی مشہور سوانح نگار تھا۔ اس کی تصنیف کردہ کتاب "التکملة فی التاریخ لائمة الاندلس" کافی مشہور ہے۔

ابن الاحبار نے ابوالقاسم کے کام کو مزید آگے بڑھایا اور اپنی کتاب کا نام التکملة فی کتاب الصلة رکھا۔ اس نے سوانح عمری سے متعلق بہت سی کتب لکھیں۔ اس کی ایک اور کتاب کا نام "الحیلة السیرہ" ہے۔

ابوجعفر بن احمد بن یحییٰ نے "الملتمس فی تاریخ الاندلس" نام سے کتاب لکھی جس میں اندلسی عربوں کے کارہائے نمایاں کے بارے مفید معلومات درج کی گئی تھیں۔

ابوالقاسم سعید بن احمد بہت مشہور ریاضی دان تھا اور علم ہیئت و نجوم میں بھی سند کا درجہ رکھتا تھا۔

اس نے کتاب طبقات العجم لکھی۔ بعد میں یہ طلیطلہ کے قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ ان کی کتابوں کی مدد سے بعد میں آنے والوں نے خوب اکتساب علم کیا اور ان کی تحریر کردہ کتاب کو بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔

ابن الخطیب ایک مایہ ناز تاریخ نویس تھا۔ ان کی کتب سے یورپ کے تاریخ دان بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ان کی مشہور کتاب ''تاریخ غرناطہ'' ہے جس نے بہت زیادہ نام کمایا۔ جب 1371ء میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا تو کسی ظالم نے اس مایہ ناز ہستی کو صفحہ ہستی سے ختم کر دیا۔

مشہور تاریخ دان عبدالرحمن ابن خلدون کی پیدائش تیونس میں ہوئی۔ یہ جدید تاریخ نویسی کے بانی ہیں۔ ابتداء میں مراکش کے دربار سے منسلک رہے۔ 1361ء میں غرناطہ کے سلطان جن کا نام محمد سادس تھا' اس کی خدمت میں حاضر رہے۔ ان دنوں ابن الخطیب بھی وہیں تھے' بہت جلد یہ ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ ابن خلدون واپس مراکش چلے گئے۔ کچھ عرصہ سیر و تفریح میں گزارنے کے بعد اپنے آبائی گاؤں لوٹ گئے اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا۔ 1382ء میں فریضہ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر سلطان الظاہر نے ان کی خوب قدر و منزلت کی اور قاہرہ میں منصب قضاء پیش کیا۔ اسی دوران قاہرہ میں کئی تقریریں کیں جس بناء پر ان کی دور دور تک شہرت ہو گئی۔ جب سلطان الناصر قاہرہ کا حاکم بنا تو اس کی حمایت میں ابن خلدون نے تیمور لنگ سے جنگ کی۔ بدقسمتی سے ابن خلدون کو قیدی بنا لیا گیا۔ جب تیمور کو ان کی علمی قابلیت کا علم ہوا تو اس نے ان کی خوب عزت افزائی کی اور ان کو ان کے مقام و مرتبہ پر بحال رکھا۔

ان کی سب سے مشہور کتاب کا نام ''کتاب العبر دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر'' تھا جسے عرف عام میں تاریخ ابن خلدون کہا جاتا ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں پہلا حصہ مقدمہ ابن خلدون کہلاتا ہے جس میں فلسفہ تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس مقدمہ کی وجہ سے ابن خلدون کو تاریخ نویسی کا ''ابوالآباء'' کہا جاتا ہے۔ آج تک کسی بھی یورپی مؤرخ نے اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی۔ اس کتاب میں نہ صرف تاریخی ارتقاء' طبعی ماحول' آب و ہوا اور جغرافیائی حالات کو سامنے رکھا گیا بلکہ روحانی اور اخلاقی قوتوں کا بھی پورا پورا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی کتاب نے ابن خلدون کو آسمان شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔

اندلس میں سفرنامے بھی لکھے گئے تھے جیسے ابن عبدالحمید الغرناطی کا سفرنامہ صقلیہ و ایشیا' ابن بطوطہ نے بھی اپنے چوبیس سالہ سیر و سیاحت کے حالات کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا تھا۔

تاریخ سے متعلق کچھ کتب عام روش سے ہٹ کر بھی لکھی گئیں جن کا تذکرہ کچھ یوں ہو سکتا ہے: حسین بن عاصم نے ''عاثر العاضرۃ'' نام سے کتاب لکھی۔

احمد بن موسیٰ الرازی نے اندلس کے دیگر شہروں' قاضیوں اور فقہاء کے حالات پانچ جلدوں میں لکھے جس کا نام ''ملوک اندلس'' رکھا۔

خلیفہ الحکم نے جہاں شعراء کے حالات قلمبند کیے وہاں اس نے کئی دوسری کتب بھی تصنیف کی تھیں۔

قاسم بن اصبغ نے بنوامیہ کے فضائل کے متعلق ایک کتاب لکھی نیز انساب پر بھی ایک مشہور کتاب تحریر کی۔

اندلس کی فتح کے بعد عرب مسلمانوں نے نہ صرف شعر و سخن کو موضوع بنایا بلکہ فن تاریخ کی بھی بہت زیادہ خدمت کی۔ تاریخ نویسی کا جتنا کام مسلمانان اندلس نے کیا کسی اور قوم نے اس قدر کام نہیں کیا۔ مشرق و مغرب سے تعلق رکھنے والے تاریخ نویس خود کو اندلس کا احسان مند تسلیم کرتے ہیں۔

فلسفہ:

حکمرانان اندلس نے دیگر علوم کی طرح فلسفہ کی ترویج و ترقی میں بھی بہت زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اندلس میں منطق اور فلسفہ کے جید علماء پیدا ہوئے۔ چونکہ فلسفہ کی بنیاد ظن اور تخمین پر رکھی گئی تھی اس لئے مذہب اور فلسفہ کے درمیان جدلیات کا دروازہ پہلے دن سے ہی کھلا رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں نے جغرافیہ پر اپنی سوچ فیثاغورث' سقراط اور افلاطون کی کتابوں سے شروع کی تھی۔ انہوں نے جہاں ان کتب کی تشریح کی وہاں ان کے ترجمے بھی کیے۔

اموی سلاطین نے دینی علوم کے علاوہ فلسفیانہ خیالات کی بھی حوصلہ افزائی کی مگر ان کی کوششوں کا اثر بعد کے زمانے میں ظاہر ہوا چونکہ مسلمان مادہ کے ارتقاء پذیر ہونے کا تصور زمانہ قدیم سے ہی قبول کر چکے تھے لیکن عوام کے سخت ردعمل کے پیش نظر انہوں نے اس کا برملا اعلان نہیں کیا تھا۔

فلسفہ کا پہلا بانی ایک یہودی سلیمان بن جبریل تھا اسی نے فلسفہ کا باقاعدہ اعلان بھی کیا تھا۔ سلیمان 1021ء میں مالقہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس نے ارسطو کے فلسفہ کو زندہ کیا۔ اس کی تصنیف "ینبوع الحیات" بہت زیادہ مشہور ہوئی۔

ابن باجہ...... اسے موسیقی کے علوم پر خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ اس نے بطلیموس پر بھی تنقید کی تھی۔ ارسطو کی کتابوں کی شرح لکھنے کے علاوہ اسی نے ہیئت اور طب میں بھی خوب نام پیدا کیا۔ اس کے بعد آنے والوں ابن الطفیل اور العطر وصی نے اس کی تنقید پر بہت زیادہ سوچ بچار کی تھی۔

ابن طفیل...... موحد کے حاکم ابو ایوب یوسف کا وزیر تھا لیکن بعد میں اس نے خود ہی استعفیٰ دے دیا تھا۔ پھر یہ منصب ابن رشد کو پیش کیا گیا تھا۔

ابن رشد...... یہ اندلس کا سب سے عظیم فلسفی تھا۔ اس کے کارناموں سے اہل یورپ پر بہت زیادہ اثر مرتب ہوا۔ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ ابن رشد کو وہ قدر و منزلت نہیں مل سکی جتنی کہ ارسطو کی کتابوں کی شرح لکھنے کی وجہ سے اہل یورپ کرتے ہیں۔ اس کی عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ یورپ کے فلسفہ کا نصاب بارہویں صدی سے سولہویں صدی تک ابن رشد کے فلسفہ کو ہی بنائے رکھا تھا۔

اس کی تصانیف لاطینی اور عبرانی زبان میں آج بھی دستیاب ہیں۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابن رشد کے ابتدائی نظریات مسلمانوں کے افکار و نظریات سے متصادم تھے کیونکہ ابن رشد روح کی بقاء بعث و نشور آخرت کے تصور اور موت کے بعد جزاء و سزا کا منکر تھا مگر بعد میں قائل ہو گیا۔

ابو عمران موسیٰ فلسفہ کا دوسرا بڑا عالم تھا۔ ابن رشد کے بعد اسی کا نمبر آتا ہے۔
شیخ اکبر ابن عربی بھی عظیم فلسفی تھا۔ اس نے سہروردیہ سلسلہ کو بہت زیادہ وسعت دی۔ جب انہوں نے فلسفہء تصوف پیش کیا تو عوام نے اسے سراہا اور انہیں "شیخ اکبر" کے لقب سے نوازا۔ اس کی مشہور کتب کے نام "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" ہیں۔ ایک کتاب "فلسفہء معراج" پر لکھی جس کا نام کتاب الاسراء الی مقام الاسری تھا جس کی وجہ سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔
صوفی محمد عبدالحق بن بسعین' انہیں ان کی تدبیر اور فکر کی وجہ سے "قطب الدین" کہا جاتا تھا۔ ان کی فلسفہ پر لکھی جانے والی کتاب کا نام "اسرار الحکمت" ہے جسے فلسفہء تصوف کی بہترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔

جغرافیہ:

بنوامیہ کے دور میں علوم دینیہ کے علاوہ جغرافیہ پر بھی کام شروع ہو چکا تھا۔ ابوالفداء نے ایسے پچاس سے زیادہ جغرافیہ دانوں کے نام بیان کئے ہیں جو تیرہویں صدی عیسوی سے پہلے پہلے گزر چکے تھے یہ سب جغرافیہ دان صرف اپنے ملک میں ہی کام نہ کرتے تھے بلکہ دور دراز ممالک کا سفر بھی کرتے تھے۔ وہاں کے معاشی حالات کے ساتھ ساتھ علمی حالات کا بھی جائزہ لیتے تھے اور جب اپنے سفرنامے لکھتے تو ان تمام حالات کا ذکر کرتے جن کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہوتے تھے۔
مشہور جغرافیہ دانوں میں ابو عبیدہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا نام بہت نمایاں ہے۔ یہ گیارہویں صدی کا عظیم جغرافیہ دان تھا اس کا مسکن قرطبہ تھا۔ اس نے المسالک والممالک کے نام سے جغرافیہ میں ایک بے مثل کتاب لکھی۔ یہ اتنی عظیم کتاب تھی کہ فن جغرافیہ کے آغاز کے زمانوں میں بہترین کتاب سمجھی جاتی تھی۔ اسی دور میں کاغذ میسر نہ تھا اس لئے نقشے کپڑے پر بنائے جاتے تھے اور پہاڑ' دریا' چشمے' جھیلیں' ریگستان اور ندی' نالے رنگدار دھاگوں سے کشیدہ کر کے نمایاں کئے جاتے تھے۔
عبداللہ بن محمد المعروف الادریسی نے سیاحت ناموں میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ اس نے اپنا سیاحت نامہ پندرہ برس میں مکمل کیا تھا۔ یہ اس قدر مقبول و مشہور ہوا کہ مسلسل تین سو سال تک اس کی تحقیق کو سند کا درجہ حاصل رہا اور یورپ نے اسے من و عن تسلیم کر لیا تھا۔ ادریسی نے پہلے صقلیہ کے حاکم کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ حاکم راجرز ثانی نے اس کی جغرافیہ دانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے کرۂ فلکیات اور کرات ارض چاندی سے بنوا دیئے تھے۔ بعد میں آنے والے جدید جغرافیہ دانوں نے الادریسی کی کاوشوں کو بنیاد بنا کر اپنے کام کا آغاز کیا۔
عرب کے مشہور جغرافیہ دانوں نے تحقیقات میں وہ کمال حاصل کیا کہ یونان کے جغرافیہ دانوں کے مقرر کردہ طول بلد اور عرض بلد میں بے شمار غلطیوں کی نشاندہی کی اور پھر خود ہی انہیں درست طریقے سے مرتب کیا۔ ان کی پیمائش اتنی درست ہوتی تھی کہ آج کے جدید شہروں کے عرض بلد اور عربوں کے بیان کردہ عرض بلد میں نہایت ہی معمولی فرق کی نشاندہی ہوتی ہے۔
عربوں نے سورج کا انتہائی نقطۂ عروج بھی معلوم کر لیا تھا جسے بلا تعصب نقلی اور عقلی قبول کرنا

ہی پڑتا ہے۔ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے فن درایت و روایت کے پیش نظر ہر علم کو ابتداء ہی سے شروع کیا اور تحقیقات کرتے کرتے اسے انتہا تک پہنچا کر دم لیا۔

ابوعبیدہ جس کا زمانہ دسویں صدی عیسوی تھا' اس نے زمین کے گول ہونے کا مدلل ثبوت پیش کیا تھا۔

زبان و ادب:

اندلس کے عرب مسلمان قواعد زبان اور لسانیات کے علاوہ ادب میں عراق کے ماہرین سے اگرچہ کم درجہ کے حامل تھے مگر اندلس کا معیار بھی کسی طرح کم نہیں تھا۔ بنوامیہ کے خلفاء نے شعر و ادب میں وہی کردار ادا کیا جو ان کے آباؤاجداد نے دمشق میں ادا کیا تھا۔ اکثر حکمران جہاں شعر و ادب کے سرپرست تھے وہاں خود بھی یہ شوق رکھتے تھے۔ شاید ہی کوئی حکمران ایسا ہو جس کا اس میدان میں تھوڑا بہت کردار نہ ہو۔ ذیل میں ہم چند اہم ماہرین کا تعارف پیش کرتے ہیں:

1- ابوعلی تعالٰی...... یہ ادب کے میدان کا بادشاہ تھا۔ قرطبہ یونیورسٹی میں استاذ تھا۔ اس نے عربی زبان کے نحویوں کی تاریخ مرتب کی جس سے مشہور عالم "علامہ سیوطی" نے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ابوعلی تعالٰی کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ایک شاگرد محمد بن حسین الزبیدی ماہر لسانیات تسلیم کیا جاتا ہے۔

2- ابن زیدون...... یہ مشہور شاعر تھا' اس نے شعر گوئی کے علاوہ عربی ادب پر ایک مستند کتاب لکھی جس کا نام "عقدالفرید" ہے۔

3- علی بن ہیثم...... ابتداء میں یہ المعتمد اور عبدالرحمٰن کا وزیر تھا۔ اس نے کم و بیش چار سو کتب تصنیف کی تھیں۔ اسی نے انجیل پر جرح و تنقید بھی کی تھی۔ اس نے انجیل کے ان تمام ابہامات اور مضامین کے تناظر پیش کیے جن کو دیکھ کر اس دور کے ناقدین دم بخود ہو گئے۔ جب بنوامیہ کا زوال شروع ہوا تو ادبیات نے ترقی کرنا شروع کی۔

شعر گوئی:

عرب شعر و شاعری کے میدان میں زمانہ جاہلیت میں بھی مشہور تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں ان معرکتہ الآراء سات قصیدوں سے ملتا ہے جو عربوں نے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکائے تھے جنہیں "سبعہ معلقہ" کہا جاتا ہے۔ عربوں نے اندلس میں بھی اپنے اس ذوق کو برقرار رکھا اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام اموی حکمران اپنی اپنی ہمت کے مطابق شعر کہتے تھے۔ شعر گوئی کے ذوق کی ایک مثال اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ الحکم کے کتب خانے میں شعر و شاعری اور نظم کی کتابوں کی فہرست کئی جلدوں پر مشتمل تھی۔

ہسپانوی مسلمان چھوٹی چھوٹی باتوں پر شعر لکھ دیا کرتے تھے اور نثر کی کتابوں میں نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی لکھی جاتی تھی۔ چوٹی کے ادیب اپنی ادبی تخلیقات میں شعروں کا حوالہ ضرور دیتے تھے۔ ان

کا کہنا تھا کہ شعروں سے جوش بڑھتا ہے۔ شعر گوئی میں درج ذیل اہم نام ہیں:

ابن عباد...... المعتمد کے دور میں ابن عباد شعراء میں بلند مقام رکھتا تھا۔ بنوامیہ کے بادشاہ اور حکمران شعراء کو خاص طور پر سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔

ابن عبدربہ...... یہ بھی عبدالرحمٰن ثانی کا درباری شاعر تھا۔

ابوالولید...... اس کا نام احمد بن زیدونی تھا۔ یہ چوٹی کا شاعر تھا۔ المعتمد نے اسے "ذوالریاستین" کے لقب سے نوازا تھا۔ اسے اپنی حکومت میں وزیر اور سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔

ابن زیدونی...... اس کا شمار فطرت گو شعراء میں کیا جاتا ہے۔

المقری بیان کرتا ہے کہ شعر و شاعری کے میدان میں صرف مرد ہی طبع آزمائی نہیں کرتے تھے بلکہ خواتین بھی شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں۔ اس کے لئے وہ "لبانی" کا نام لے کر مثال دیتا ہے جو الحکم ثانی کی سیکرٹری تھی۔ یہ علم ہندسہ، ادب اور شاعری میں بے مثل تھی جبکہ ابن قزوینی کا کہنا ہے کہ عربوں کے شعری ذوق سے پرتگال کے کسان بھی متاثر ہوئے۔ وہ بھی عربوں کی دیکھا دیکھی شعر گوئی کرنے لگ گئے تھے۔ اندلسی شعراء جدت پسند بھی تھے۔ انہوں نے غزل، رجز، ہجو، مرثیہ اور ساقی نامے بھی لکھے۔

ابوالبقاء اور ابن الخطیب نے بڑے بڑے خاندانوں کی بربادی، جلاوطنی اور غلامی پر عربی میں پُرزور مرثیے لکھے تھے۔ نظم کے ذوق کا پتہ اس بات سے ملتا ہے کہ ایک شاعر ابوعمر احمد بن محمد نے اندلس کے واقعات اور تاریخی حادثات اشعار میں لکھے تھے۔ اندلس کے شعراء نے شاعری میں ایک نئی صنف "موشح" کا بھی اضافہ کیا، شعر گوئی کی اس نئی صنف میں مقدم بن ذفر اور نابینا شاعر ابوالعباس نے بڑا نام پیدا کیا۔

اس کے علاوہ شعر و شاعری میں مؤرخین نے بہت سے ناموں کا ذکر کیا ہے جن میں سے کئی نام آج تک یاد کئے جاتے ہیں مثلاً ابن عبادہ، ابن قرح اور ابومحمد کے نام زیادہ شہرت کے حامل ہیں۔

ابن حسن عباس بن احنف غزل کی شیرینی و لطافت میں بہت مشہور تھا۔ بلنسیہ کا باشندہ ابن خفاشہ رجزیہ کلام اور ابن ہانی اور سعید اشبیلونی کا رندانہ کلام بہت مقبول تھا۔ ابوعمر احمد بن محمد نے اندلس کے سنہ وار تاریخی حادثات کو نظم کا لبادہ پہنایا۔

ابوبکر بن قزمان نے شوقیانہ زجل کو ادب کے معیار تک بلند کیا۔ عربی زجل اور موشح کے زیر اثر اسپین اور فرانس میں شوقیانہ شعر گوئی اور گیتوں کی بڑی قدر ہونے لگی۔ رزمیہ فرانسیسی گیت مسلم اسپین اور عیسائی تصادم کا نتیجہ تھا۔ ابوسعید احمد زیدون اندلس کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ شعر گوئی کے علاوہ اسے خط نویسی میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ (تاریخ عرب، سیدیو، ص 772)

فنون لطیفہ:

عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ میں زریاب کا اسپین میں خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اس نے مشروبات کے لئے فلزی پیالے استعمال کرنے کی بجائے شیشے کا جام ایجاد کیا۔ موسیقی کو بھی اس وجہ سے عام مقبولیت

حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ابوالقاسم عباس بن فرناس نے مشرقی موسیقی کو مغربی یورپ میں رواج دیا جسے پسند کیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اُڑنے کی کوشش کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پَر کے پھوٹے لگا کر پَروں کا لباس پہن کر ہوا میں دور تک اُڑ سکا لیکن اُترتے وقت اسے چوٹ آئی کیونکہ سنبھالنے کے لئے دم نہیں لگائی گئی تھی۔

اس زمانہ میں جبکہ بیرونی میکانی طاقت کے بغیر ہوا کے بلائی نفوذ کی مدد سے پرواز کے مختلف طریقے رائج ہو چکے ہیں' ابن فرناس کو داد دی جائے کہ اس نے اپنی ذہانت طبع سے ایک پلانیٹیریم بھی بنایا جس میں ستاروں کی حرکت اور رعد اور برق کے کرشمے بھی بتائے جاتے تھے۔ موحدون کے دور میں ابن سبعین (متوفی 1296ء) نے فن موسیقی پر کتاب ''الادوار المنسوب'' تصنیف کی۔

قطب نما:

عربوں نے قطب نما ایجاد کیا جس سے بحری و بری سفروں میں کام لیتے تھے۔ نماز کے لئے قبلہ کی سمت کا اندازہ لگاتے تھے۔ (تاریخ عرب' ص 476)

کاغذ:

دباغت کئے ہوئے چمڑے سے عربوں نے کاغذ ایجاد کیا۔

توپ اور بارود:

توپ اور بارود کے موجد عرب ہیں۔ الفانسو یازدہم کی تاریخ میں ہے:

''شہر کے مسلمان بہت سی گرجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے بہت بڑے سیب کے برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دور جاتے تھے کہ بعض فوج میں گرتے تھے اور بعض فوج کے اس پار جاتے تھے۔'' (تمدن عرب' ص 441)

بری و بحری قوت:

بحری و بری فوج کا افسر اعلیٰ خود خلیفہ تھا۔ 1340ء میں غرناطہ کے تاجدار اسماعیل نے شہر باجہ کا محاصرہ کیا تو بارود کا استعمال کیا۔ توپوں سے گولے پھینکے' فوج میں ایک عہدہ امیر المجنیق کا ہوتا تھا۔ بحری افسر کو قائد الاساطیل کہا جاتا تھا۔ قلعہ شکن آلات ایجاد کئے جاتے تھے۔ دبابہ سے قلعہ کو تباہ کر دیا جاتا تھا۔

ڈاک خانہ:

یہ محکمۃ البرید' دمشق کی تقلید تھی مگر عبدالرحمٰن ناصر نے کبوتروں سے بھی پیغام رسانی کا کام لیا عموماً اس سے فوج میں کام لیا جاتا تھا۔

عہدہ قضاء:

اس عہدہ پر بڑا فاضل اور جلیل القدر عالم مقرر کیا جاتا۔ یہ قاضی اپنے آپ کو صرف حکومت کی طرف سے منصب دار قاضی نہ سمجھتے تھے بلکہ مخاصمین کے درمیان اپنے آپ کو ایک حکم تصور کرتے تھے اور مخلوق کے ہر ممکن ہمدرد ہوتے تھے۔ (تاریخ عرب' ص 273)

صناع اور کاریگر:

اندلس کے عرب صنائی میں دیگر لوگوں سے بہت فائق تھے۔ انہوں نے لوہا' چاندی اور دیگر معدنیات کی کانیں دریافت کیں۔ پارہ کی کان نکالی۔ مالقہ' بجادیکا اور مرسیہ کے پاس کانوں سے یاقوت نکالتے۔ سواحل اندلس کے سمندر سے مرجان اور طراغونہ سے موتی نکالتے۔ دباغت کا اعلیٰ درجہ کا کام جانتے تھے۔ روئی' کتان اور سن کے کپڑے خوب بنتے تھے۔ حریر اور پشمینہ بافی میں کمال درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ طلیطلہ کے نیزے' تلوار' غرناطہ کا حریر' قرطبہ کی زین اور چمڑا' تونسیہ کے سبز باغات' بلنسیہ کی شکر اور خوشبودار مصالحے۔ علاوہ ازیں روغن زیتون' سرخ رنگ' عنبر' خام معدنی پتھر' بلور' گندھک' زعفران اور زنجبیل کی تجارت کرتے تھے۔ (تاریخ عرب' ص275)

اصول سیاست:

عربوں نے حکومتی نظم ونسق کے جو اصول بنائے تھے وہ نہایت آسان اور صاف تھے۔ خلیفہ وقت تمام مذہبی امور' مال اور فوج کا مالک تھا۔ ریاست چار شعبوں میں تقسیم تھی: خزانہ' امور خارجہ' عدالت اور فوج۔ ہر محکمہ کا ایک وزیر تھا۔ وزیر کو حاجب کہتے تھے۔ وزراء کے ماتحت کو خطیب الدولہ کہتے تھے اور ایک عہدہ خطیب الرسائل کا تھا۔ (خلافت اندلس' ص 197)

خطیب الزمام جس کے ذمہ یہود اور نصاریٰ کی جائیداد کی حفاظت تھی۔ صاحب الاشغال جس کے سپرد اخراجات کا حساب کتاب تھا' یہ سب میں ممتاز تھا۔ کوتوال کا عہدہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ عدالت کا کام قاضی القضاۃ کے سپرد تھا۔ کوتوال کو صاحب الشرط اور شہر کے منتظم صاحب المدینہ اور صاحب اللیل کہلاتے تھے۔

درآمدات و برآمدات:

اسپین اور ایشیائی ممالک کے درمیان تجارتی سلسلہ قائم تھا۔ اسپین کا ملک اپنی ملکی اشیاء اور ارضی پیداوار نیشکر' چاول' روئی' زعفران' سونٹھ' عنبر ازرق' بادام' توت' حنا' ثعلب اور معدنی حاصلات یعنی گندھک' پارہ' تانبا اور لوہے وغیرہ سے دوسرے ملکوں کی پیداوار تبادلہ میں لیا کرتا تھا۔

ایشیا کے پاس اسپین کے بنے ہوئے اوزار ہیں۔ قرطبہ کے بنے ہوئے چمڑے کے فرش' طلیطلہ کی بنی ہوئی نیزوں کی انیاں' مرسیہ کی بانات' غرناطہ' الریہ اور اشبیلیہ کے بنے ہوئے ریشمی کپڑے اور شہر الصیلہ کا بنا ہوا کاغذ بڑے شوق سے خریدا جاتا تھا۔

اشبیلیہ کے تمام اطراف میں زیتون کے بکثرت درخت تھے۔ ان جگہوں میں ایک لاکھ کے

قریب بڑے بڑے زیتون کے مزرعے یا زیتون کا روغن تیار کرنے کے کارخانے تھے۔

صوبہ طلیطلہ کے میوہ جات جنوبی علاقوں سے یورپ بھیجے جاتے تھے۔ اسپین کے شہروں ملاقہ' قرطاجنہ' برسلونا اور قادس کے بنے ہوئے سامان غیر ممالک کو تجارتی اغراض سے بھیجے جاتے تھے۔ (تاریخ عرب سیدیو' ص 471)

شان وشوکت:

اسپین کے عرب حکمران تنعم اور شان نمائی میں اپنے معاصر خلفاء بنوعباس سے آگے بڑھ گئے۔ اس کا اثر افراد پر بھی تھا۔ غرناطہ کی خواتین کام دار کپڑوں کی پٹیاں اور سنہری روپہلی گنگا جمنی کام کے طوق وغیرہ پہنا کرتی تھیں۔ یہ لباس حد درجہ حسین اور خوشنما ہوتا تھا۔ (تاریخ عرب' ص 466)

جہاز رانی:

خلفاء اندلس نے بحری جنگوں کے لئے کافی قوت حاصل کر لی تھی۔ موسیو سیدیو لکھتا ہے:

''عیسائی ان کے سامنے کچھ نہ تھے۔ ان کے پاس قادس' جزیرہ' منقار المریہ' طرطوس' طراغونہ قرطاجنہ اور اشبیلیہ میں جہاز سازی ہوتی تھی۔ امراء نے علیحدہ جہاز بنا رکھے تھے جن میں تجارتی مال کی آمدورفت ہوتی تھی اور مشرق سے تجارتی اشیاء اندلس کو جاتی تھیں اور ان میں ایسے جہاز رعایا کے بھی تھے جو بحری رہزنی کے لئے بنائے جاتے تھے۔ ان میں بیٹھ کر لوگ فرانس اور اٹلی کے ساحلوں پر چھاپے مارا کرتے تھے۔''

جنگی فنون:

اندلس کے عرب زرہیں بھی پہنتے تھے اور ان کے سرداروں نے نوجوانوں کو برچھیاں مارنے اور تلواریں چلانے کی تعلیم خاص طور پر دی تھی جن سے وہ نصاریٰ کے مقابلے میں بہت کام لیتے تھے۔

مذہبیت:

اندلسی عربوں کی عقلوں پر دین کی سطوت بہت غالب تھی۔ قرآن پاک سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا صحیح شوق تھا جو اکتساب فضائل اور اعمال صالحہ کی اہمیت کی ہدایت کرتا تھا۔

خلفاء مخلوق کو کاروبار میں مشغول رہنے کا شوق دلاتے۔ ظلم و زیادتی سے باز رکھتے اور لوگوں کو ایک دوسرے کی جائیداد اور املاک کے تحفظ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

مردم شماری:

اندلس کے اسلامی دور میں طلیطلہ شہر کی آبادی دو لاکھ نفوس پر مشتمل تھی جبکہ اشبیلیہ میں تین لاکھ لوگ آباد تھے۔ شہر قرطبہ کا دور 40 میل کا تھا اور شہر اشبیلیہ میں کپڑے بنانے کے چھ ہزار کارخانے تھے۔ صوبہ لیون میں چھ سو سے زیادہ شہر اور بستیاں ایسی تھیں جہاں ریشمی کپڑوں اور ریشم کی تجارت ہوا کرتی تھی۔ یہ سیاح ادریسی کا بیان ہے۔ جس نے اسپین کا جغرافیہ لکھا ہے۔ (تاریخ عرب' ص 471)

اخلاق و عادات:

اندلس کے عرب علوم و فنون' صنعت و حرفت اور اخلاق و عادات میں اہل فرنگ سے بدرجہا لائق و فائق تھے۔ وہ ایسے کریم تھے کہ جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے مگر ان کا جان دینا وحشیانہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی جان کی قدر کو خوب پہچانتے تھے۔ ان کی بہادری اور جنگی سرگرمی نے اپنے آپ کو اپنی نگاہ میں نہایت وقیع و گراں بنا دیا تھا۔ اس سے ان میں عزت نفس کا جذبہ نہایت شدت کے ساتھ تھا۔ قشتالیہ اور نوارہ کے فرنگی بادشاہوں کو اندلس کے عربوں کی صداقت کا بڑا یقین تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ اپنے مہمانوں کی بڑی خاطر تواضع اور اکرام کیا کرتے ہیں۔

(تاریخ عرب' ص 472)

عدل و انصاف کی مراعات میں نہایت شدت برتتے تھے۔ ان میں امیر و غریب سب یکساں تھے۔ کوئی شخص کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو وہ بڑے سے بڑے منصب تک پہنچ سکتا تھا۔

رواداری:

خلفاء اندلس کے ساتھ سرحد کے نصرانیوں نے ہر زمانے میں بغاوت کی' مسلمانوں کو لوٹا' عورتوں اور بچوں کو شب خون مار کر قتل کیا مگر ان سلاطین نے جب ان ظالموں پر فتح پائی تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اندلس کے یہود و نصاریٰ کے لئے ترقی کے دروازے کھول رکھے اور ان کو اپنے دربار میں اعلیٰ عہدے دیئے۔ درسگاہوں میں عیسائیوں کو داخل کیا۔ جب وہ لائق ہوئے تو انہیں مدرس رکھا بلکہ بعض مواقع پر پرنسپل کے عہدے پر فائز کیا۔ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی اور انہیں جاگیریں عطا کیں۔ صرف وہ گرجے جو سیاسی طور پر خطرناک تھے' دہاں ننوں اور راہبوں کی غلط کاری اور سیاہ کاری کے اڈے بنائے گئے تھے' ان کو گرا دیا گیا۔ طلیطلہ میں اسقف اعظم رہا کرتا تھا۔ مذکورہ اوراق سے شاہان اندلس کی سرگرمی اور علم و فضل کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔

موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے:

''جب تمام یورپ جہالت کی تاریکی اور ظلمت میں ڈوبا ہوا تھا اس وقت عربوں کی آنکھیں انوار علم کی چمک سے کھل چکی تھیں اور اسپین' اشبیلیہ' قرطبہ' غرناطہ' مرسیہ اور طلیطلہ میں بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے قائم ہوئے۔ ان مدارس میں علوم ریاضیہ پڑھائے جاتے اور ان مدرسوں سے بڑے بڑے کامل اور ماہر مدرس پیدا ہوئے جن کی شاگردی کا فخر علماء یورپ کو ہے۔''

(تاریخ عرب' ص 471-472)

یورپ میں اسپین سے علوم و فنون کا ذخیرہ پہنچتے ہی وہاں علم و فضل کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ اگر عربی تمدن اور علم و حکمت کے ہر شعبہ کی یورپ میں اشاعت کا ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔



سپین میں دولت مرابطین

عہد خلافت بنوامیہ میں یمن کے بعض قبائل علاقہ بربر (یعنی تیونس' الجیریا اور مراکو) میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے بتدریج اپنے وعظ و نصیحت اور اسلامی زندگی کے نمونہ سے بربریوں کو اسلام میں داخل کر لیا۔ انہی کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بربری لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ انہی میں سے ایک قبیلہ مراکش میں مقیم تھا۔ 448ھ میں قبیلہ لتونہ کے فقیہ عبداللہ بن یاسین کے پند و نصائح سے وہ بربری لوگ بھی جو اب تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے' مسلمان ہو گئے اور انہوں نے عبداللہ بن یاسین کو اپنا سردار بنانا چاہا مگر عبداللہ نے انکار کر دیا۔ ایک شخص ابوبکر بن عمر کو امیر بنانے کا مشورہ دیا چنانچہ نومسلم بربروں نے ابوبکر بن عمر کو اپنا سردار بنا لیا اور امیر المسلمین کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ اس جمعیت کو دیکھ کر اردگرد کے بہت سے قبائل ''امیر المسلمین'' کے پاس آ کر جمع ہونے شروع ہوئے۔ مراکش میں ان دنوں کوئی مستقل حکومت نہ تھی بلکہ الگ الگ قبائل کی حکومتیں قائم تھیں اور کوئی کسی کا محکوم نہ تھا۔ اس طوائف الملوکی کے زمانے میں ابوبکر بن عمر کی طاقت روز بروز ترقی کرنے لگی۔ ابوبکر نے اپنے ساتھیوں کو مرابطین (باہم رابطہ کرنے والے یا سرحدوں کی حفاظت کرنے والے) کا نام دیا۔ انہی کو ملثمین بھی کہتے ہیں۔

ابوبکر نے بربری قبائل میں اسلام کا جوش پیدا کر کے انہیں خوب بہادر اور اولوالعزم بنا دیا اور مراکش سے مشرق کی جانب پیش قدمی کر کے سجلماسہ کو فتح کر لیا اور اپنے چچازاد بھائی یوسف بن تاشفین کو سجلماسہ کا حاکم مقرر کیا۔ یوسف بن تاشفین بڑا دیندار' بہادر اور عقلمند تھا۔ 453ھ میں جب ابوبکر بن عمر کا انتقال ہوا تو یوسف بن تاشفین اس ملک کا بادشاہ ہوا۔ 460ھ میں یوسف نے مراکش شہر آباد کیا اور اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ 472ھ میں جب عیسائیوں نے ہسپانیہ کے مسلمان رئیسوں کو اپنی حملہ آوریوں سے بہت تنگ کیا تو انہوں نے یوسف بن تاشفین سے مدد کی درخواست کی۔ یوسف نے اندلس یعنی ہسپانیہ میں جا کر عیسائیوں کو ایک بڑے معرکے میں شکست فاش دے کر ان کی کمر توڑ دی۔ اس کے بعد وہ تین ہزار بربری یعنی مرابطین کے لشکر کو اندلس میں حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود افریقہ یعنی مراکش واپس چلا آیا۔

چار برس کے بعد عیسائیوں نے پھر اندلس کے مسلمانوں کو تنگ کیا اور انہوں نے پھر یوسف سے مدد کی استدعا کی۔ اس مرتبہ اس نے عیسائیوں کو شکست فاش دے کر اندلس کے اسلامی علاقہ کو اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا غرضیکہ مرابطین کی حکومت میں بہت جلد اندلس' مراقش' تیونس' الجیریا اور طرابلس شامل ہو گئے۔

امیر یوسف کے بعد اس کا بیٹا ابوالحسن علی (1106ء تا 1143ء) تخت نشین ہوا جس نے اپنے چھوٹے بھائی تمیم کو اندلس کا گورنر مقرر کیا لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے باپ جیسی صلاحیتوں کا حامل نہیں تھا۔

ابوالحسن کے بعد اس کا بیٹا تاشفین (1143ء تا 1145ء) حکومت پر متمکن ہوا تو مغرب اقصیٰ سے اُٹھنے والی ایک انقلابی تحریک الموحدون کے قائدین نے ان سے سپین کی حکومت چھین لی اور 1145ء مطابق 524ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ 541ھ میں انہوں نے مرابطین کا دارالحکومت مراکو چھین لیا چنانچہ مرابطین کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں سے تقریباً ایک سو سال تک عیسائی طاقتوں کا ناطقہ بند کیے رکھا۔



موحدون اسپین میں

1120ء میں مغرب اقصیٰ سے ایک نئی انقلابی تحریک اُٹھی جس کا بانی ابوعبداللہ محمد بن تومرت (1078ء تا 1130ء) تھا۔ یہ جبل سوس کا باشندہ تھا۔ یہ علم حدیث اور اصول فقہ کا جید عالم اور عربی زبان و ادب کا خوب ماہر تھا۔ اس نے اپنی تحریک کا آغاز امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کیا۔ نصیحت گری اور حق گوئی میں اس کے سامنے امیر و غریب کا یکساں مرتبہ تھا۔ اس کے زہد نے اسے سادہ لباس اور سادہ غذا پر قانع کر دیا تھا۔ ایک جماعت اس کی متبع بن گئی تو اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کی تبلیغ سے بربر قبائل بہت متاثر ہوئے اور اس کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اس کے پیروکار ''موحدون'' کہلاتے تھے۔ 522ھ میں ابن تومرت نے اپنے انتقال کے وقت اپنے دوست عبدالمومن کو اس تحریک کا امیر بنا کر اپنا علمی جانشین نامزد کیا۔ عبدالمومن نے اپنی قوت میں اضافہ کر کے سلطنت مرابطین کے خلاف خروج کر کے فتوحات شروع کر دیں۔ آخر دو سال کے عرصہ میں اس نے مرابطین سے بہت سا علاقہ چھین کر 524ھ مطابق 1145ء میں مرابطین کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی اور مرابطین کا دارالحکومت مراکو چھین لیا۔

مرابطین اور موحدین کی کشمکش کے زمانے میں سپین کے عیسائی حکمران الفونسو ہفتم نے قرطبہ، اشبیلیہ اور قرمونہ تک کے علاقے تاراج کر دیئے آخر 1147ء میں عبدالمومن نے اپنی فوج اندلس میں اُتاری اور عیسائیوں کو پے در پے شکستیں دے کر اندلس کو دولت موحدین میں شامل کر لیا۔

عبدالمومن کی وفات (1163ء) پر اس کا بیٹا یوسف (1163ء تا 1184ء) تخت نشین ہوا اس نے سپین کی ترقی کی طرف توجہ دی اور متعدد مساجد، سڑکیں، پل اور محلات تعمیر کرائے۔

یوسف کے بعد اس کا بیٹا یعقوب المنصور (1184ء تا 1199ء) تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے الفونسو نہم کی بڑھتی ہوئی چیرہ دستی کو نہ صرف روکا بلکہ بطلیوس کے قریب ارکوس کے مقام پر اس نے عیسائیوں کے ایک بڑے لشکر کو فیصلہ کن شکست دی۔

علاوہ ازیں اس نے علم و ادب کو ترقی دی اور رفاہ عامہ کے کام کیے۔ المنصور کی وفات کے بعد موحدین کا دور عروج ختم ہو گیا۔ اس سے قبل اس نے الجیریا کو فتح کر کے حمادیہ خاندان کا خاتمہ کیا۔ طرابلس کو فتح کر لینے کے بعد اس کی سلطنت مصر کی سرحد سے بحر اٹلانٹک تک قائم ہو گئی جس میں اندلس کا ملک بھی شامل تھا۔ 532ھ میں موحدین کی فوج کو عیسائیوں کے مقابلہ میں ایسی شکست ہوئی کہ وہ اندلس میں اپنی حکومت قائم نہ رکھ سکے مگر اندلس کے سلاطین غرناطہ برابر عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اندلس کی حکومت ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد خاندان موحدین میں پستی اور تنزل کے آثار نمایاں ہو گئے۔ منصور کے جانشین محمد الناصر نے الفونسو نہم سے عقاب کے مقام پر شکست فاش کھائی۔ الناصر کی وفات کے بعد اندلس ایک بار پھر طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان سے طرابلس چھین لیا۔ پھر خاندان حفصیہ نے جو تیونس میں موحدین کی طرف سے بطور نائب

حکمران تھا' خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ پھر الجیریا میں خاندان زیانیہ بھی خود مختار ہو گیا۔ پھر مراکش میں سلطنت کے کئی دعویدار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر 667ھ میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ مراکش میں خاندان مرینیہ نے لے لی۔

ادھر اندلس میں اس دور میں متعدد مسلم ریاستوں نے عیسائی جارحیت کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن ایک ایک کر کے تمام صوبے عیسائیوں کے ہاتھوں مفتوح ہوتے گئے۔ صرف غرناطہ ایک صوبہ رہ گیا جس پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔



غرناطہ کا خاندان......بنو نصر

غرناطہ کی حکومت سپین کے جنوب مشرقی کونے میں صرف سات سو مربع میل کے رقبہ میں محدود تھی۔ اس میں غرناطہ کے علاوہ ملاغہ' جیان' المیریا' بیضاء اور قادس کے شہر تھے۔ غرناطہ میں بنو نصر کی حکومت تھی جس کا بانی ابن الاحمر تھا۔ اس حکومت نے اپنے محدود وسائل کے باوجود تقریباً اڑھائی سو سال (1232ء تا 1492ء) سارے یورپ کی جارحانہ کارروائیوں کا مقابلہ کیا۔ 1423ء کے بعد غرناطہ کا دور انحطاط شروع ہو گیا اور بنو احمر کے باہمی اختلافات نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی حتیٰ کہ ابن اسماعیل (1454ء تا 1465ء) نے ہنری چہارم شاہ قشتالیہ کی بالادستی قبول کر لی اور بارہ ہزار سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

ابن اسماعیل کے بعد اس کا بیٹا ابوالحسن علی (1465ء تا 1482ء) تخت غرناطہ کا وارث ہوا لیکن ابوعبداللہ کی غداری نے عیسائیوں کے لئے راستہ صاف کر دیا اور آخر مسلمانوں کے پاس صرف غرناطہ کا شہر رہ گیا جس پر ابوعبداللہ کا قبضہ تھا۔ فرڈیننڈ نے حکم دیا کہ شہر میرے حوالے کر دو۔ اب ابوعبداللہ کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ اس کے انکار پر فرڈیننڈ نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ آخر غرناطہ والوں نے عیسائی بادشاہ سے مذہبی آزادی' جان' مال اور آبرو کی حفاظت کا وعدہ لے کر 2 ربیع الاول 897ھ مطابق 2 جنوری 1492ء کو ہتھیار ڈال دیئے۔

لیکن عیسائیوں کے یہ وعدے سراب ثابت ہوئے اور چند ہی سالوں میں اندلس کی مسلم آبادی جور و استبداد کا شکار ہو گئی۔ ان کے لئے سپین کی زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی اور انہیں ملک چھوڑنے یا عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا نتیجتاً سپین سے مسلمانوں کا خاتمہ ہو گیا۔



سسلی (صقلیہ) میں اسلامی حکومت

صقلیہ کا محل وقوع:

بحیرۂ روم کے وسط میں صقلیہ (سسلی) ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جسے صرف دو میل چوڑی آبنائے اٹلی سے الگ کرتی ہے۔

صقلیہ کی تاریخ:

رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں کا سلسلہ رسول اکرم ﷺ کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ رومی صقلیہ اور دیگر جزیروں پر قابض تھے۔ وہ اپنی سمندری طاقت کے غرور میں آئے روز مسلمانوں سے ٹکراتے رہتے۔ مسلمانوں نے بھی بہت جلد بحری قوت پیدا کر لی اور قدم قدم پر رومیوں کو شکست دے کر جزائر پر اپنا جھنڈا بلند کرتے رہے۔ صقلیہ کے رومی گورنروں نے بار بار افریقی ساحل پر یورشیں کیں' ان کے جواب میں مسلمانوں نے مختلف اوقات میں کم و بیش تیرہ مرتبہ صقلیہ پر دھاوا بولا۔ ایک مرتبہ وہ صقلیہ کے مشہور شہر سیراکیوز (Syracuse) پر قابض بھی ہو گئے۔ پھر افریقہ میں بغاوت کے شعلے اُٹھے اور مسلمانوں کو یہ شہر چھوڑنا پڑا۔

صقلیہ میں رومیوں کے خلاف بغاوت:

درمیان میں ایک مرتبہ صقلیہ کے رومی گورنر نے صلح بھی کر لی تھی لیکن موقع پاتے ہی جنگ شروع کر دی۔ مسلمان ابھی اس عہد شکنی کی سزا دینے کا فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ صقلیہ میں رومیوں کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رومیوں کی طرف سے جو امیر البحر مسلمانوں کے خلاف حملوں میں ناموری اور شہرت حاصل کر چکا تھا اس نے ایک مسیحی خانقاہ کی بے حرمتی کی۔ یہ رپورٹ قیصر روم کے پاس پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ امیر البحر کو قتل کر دیا جائے یا اس کی زبان کاٹ لی جائے۔ جب اس حکم کی اطلاع امیر البحر تک پہنچی تو اس نے علم بغاوت بلند کر دیا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ قیصر میرے مقابلے پر بھاری فوج بھیج دے گا تو وہ صقلیہ سے نکل کر قیروان پہنچا اور وہاں کے اغلبی خاندان کے زیادۃ اللہ سے صقلیہ پر حملے کی درخواست کی۔

اسلامی فوج صقلیہ میں:

اغلبیوں کی حکومت افریقہ میں 800ء میں قائم ہوئی تھی۔ قیروان اس کا دارالحکومت تھا۔ زیادۃ اللہ اغلبی نے دس ہزار فوج تیار کی اسے ستر جہازوں میں سوار کرا کے صقلیہ بھیج دیا۔ قاضی اسد بن فرات کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اس فوج کے ساتھ سات سو گھوڑے تھے۔ سیراکیوز صقلیہ کے مشرق میں تھا' مسلمانوں کے حملوں کا مرکز یہی شہر رہا مسلمان اسی کو صقلیہ کی کنجی سمجھتے رہے لیکن قاضی ابن فرات نے صقلیہ کے جنوب مغربی گوشے میں اپنی فوج مازرہ کے مقام پر اُتاری اور یہاں سے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ قاضی اسد تو وہاں فوت ہو گئے مگر فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ نئی فوجیں آتی رہیں' رومی بار

بار کمک منگواتے لیکن مسلمانوں نے آہستہ آہستہ پیش قدمی جاری رکھی۔ 831ء میں پلرمو فتح ہوا' پھر مسینا پر قبضہ ہوا' 878ء میں سیراکیوز بھی لے لیا گیا جو صقلیہ کا نہایت مستحکم مقام تھا۔

مسلمان اٹلی میں:

اسلامی حکومت تو جلد ہی شروع ہوگئی تھی لیکن پورے جزیرے کو اسلامی جھنڈے تلے لانے میں خاصا وقت لگ گیا۔ مسینا فتح ہوگیا تو سامنے اٹلی تھا۔ اٹلی اور صقلیہ کے درمیان صرف دو میل چوڑا سمندر تھا۔ مسلمان ایک ہی جست میں اٹلی پہنچ گئے۔ بحیرہ ایڈریاٹک میں انہوں نے باری کی بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر وینس پہنچے' ایک مرتبہ تو روما بھی خطرے میں پڑ گیا تھا اور پوپ جان ہشتم (872ء تا 882ء) نے دو سال کا خراج دے کر امان نامہ حاصل کیا۔

حکمرانی کی تاریخ:

909ء تک صقلیہ پر اغلبی حکمران رہے' پھر فاطمیوں کا تسلط ہوگیا۔ 912ء میں وہاں ایک آزاد اسلامی مملکت قائم ہوگئی۔ اسے 915ء میں فاطمیوں نے بزور ختم کردیا اور 947ء تک حکمران رہے۔ پھر ان کے ایک گورنر نے مستقل حکومت بنالی جو 1047ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد طوائف الملوکی شروع ہوگئی۔ 1052ء میں وہاں نارمن پہنچ گئے۔ 1060ء میں نارمن امیر کونٹ راجر نے مسینا پر قبضہ کرلیا' پھر ان کا حلقہ اثر بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ صقلیہ کے مالک بن گئے۔ 1090ء میں مالٹا بھی ان کے قبضے میں چلا گیا اور مسلمانوں کی حکومت بالکل ختم ہوگئی۔

نارمنوں نے ابتداء میں اسلامی نظام حکومت کو قائم رکھا' مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہی۔ فوج میں زیادہ عنصر مسلمانوں کا ہی تھا' تجارت بھی انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب صقلیہ میں مسیحی اور اسلامی مشترکہ کلچر بنا۔ اس عہد میں اسلامی تمدن اس قدر ترقی کرچکا تھا کہ بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں مشہور سیاح ابن جبیر صقلیہ گیا تو اس نے لکھا کہ مسیحی عورتیں کی اسلامی لباس پہنتی ہیں۔

پھر آہستہ آہستہ پوپ اور پادریوں نے اسلام کے خلاف تعصب کا اظہار کرنا شروع کردیا ان کے زیراثر مسلمانوں پر ظلم ہونے شروع ہوگئے یہاں تک کہ 1300ء میں صقلیہ سے مسلمانوں کو بالکل نکال دیا گیا۔

اسلامی حکومت کے اثرات:

اسلامی حکومت کے زمانے میں صقلیہ اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ زراعت اور صنعت و حرفت نقطہ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ تفسیر' حدیث' فقہ' تاریخ' ادب اور شعر کے بڑے بڑے عالم ہوئے۔ اندلس اسلامی اور مشرقی علوم و فنون کو یورپ پہنچانے کا پہلا ذریعہ تھا جبکہ صقلیہ دوسرا ذریعہ انہی ذرائع سے یورپ کو تہذیب و تمدن کی روشنی ملی جس نے انہیں درجہ کمال تک پہنچایا۔

(مسلمانوں کا نظم مملکت' از حسن ابراہیم حسن)

خلافت عثمانیہ

اتراک اغز قوم کا ایک گروہ تھا جو خانہ بدوشی کی حالت میں مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا میں گھومتا رہتا تھا۔ یہ لوگ فطری طور پر قوی اور بہادر تھے اور مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کی آبادیوں پر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ اس لئے لوگ ان سے خائف تھے جس علاقہ پر ان کا گزر ہوتا' آبادی خوف زدہ ہو کر گھر چھوڑ جاتی۔ 600ء میں ان خانہ بدوش ترکوں نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس سلطنت کے دو حصے تھے شمالی ترکی حکومت اور مغربی ترکی حکومت۔ مغربی ترکوں میں ترگیش کا قبیلہ ممتاز تھا اس کے سرداروں نے پہلی صدی ہجری میں خاقان کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ 121ھ میں نصر بن سیار امیر عرب نے ترگیش ترکوں کی سرداری کا بقوت خاتمہ کر دیا۔

ترک اور عرب:

اس زمانے سے پہلے ترکوں اور عربوں میں باہمی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں قتیبہ بن مسلم نے ترکی کے کئی علاقے فرغانہ اور کاشغر وغیرہ فتح کر لئے تھے اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ترک اگرچہ اسلام سے متاثر ہوئے مگر آبائی مذہب پر قائم رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کی طرف میلان بڑھتا گیا۔

ترکوں کا خیال تھا کہ جو بتوں کی بے ادبی کرے گا' وہ ہلاک ہو جائے گا مگر قتیبہ نے بت خانوں میں آگ لگوا دی اور اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ اس واقعہ کا ترکوں پر اثر ہوا اور وہ خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ (دعوت اسلام' ص 238)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اسلامی دعوت کی اشاعت کے سلسلہ میں ماوراء النہر کے ترک بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی جن میں سے اکثر ترک حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (فتوح البلدان' بلاذری' ص 432)

105ھ میں خلیفہ ہشام کے عہد میں ابو صیدا مبلغ کی دعوتی کوششوں سے سمرقند و بخارا تک کے ترک اسلام میں داخل ہو گئے۔ خلافت عباسیہ میں ترکوں کی خاصی قدر افزائی ہوئی اور منصور نے انہیں فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ خلفاء عباسیہ میں عجمیوں کا اثر و رسوخ عربوں کے مقابلہ میں خاصا زیادہ تھا اور عملاً عرب ختم ہو گئے اور عجمی برسر اقتدار آ گئے۔ جب معتصم خلیفہ ہوا تو اس کی ماں ترک خاتون تھی اس لئے طبعاً اس کا میلان ترکوں کی طرف تھا چنانچہ معتصم نے ہزار ہا ترک غلام خرید کر انہیں اسلامی فوج کا حصہ بنایا لہٰذا تھوڑے ہی عرصہ میں فوج میں ترک ہی ترک نظر آنے لگے۔ یہ لوگ ماوراء النہر سے لائے جاتے تھے' ترکوں کی خاطر سامرا شہر تعمیر کیا گیا بلکہ اسے دارالخلافہ بنا لیا گیا۔ پھر تو ترک' حکومت پر کلیتاً چھا گئے۔ خلفاء کا عزل و نصب سب ان کے ہاتھوں اور اختیار میں آ گیا۔

خلفاء ترکوں کے آگے بے بس ہو گئے تھے چنانچہ جب احمد بن بویہ بغداد آیا تو خلیفہ وقت
مستکفی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ احمد کا تعلق ملوک ساسان سے تھا۔ یہ لوگ دیلم علاقہ سے آئے تھے
جہاں اطروش علوی نے اسلام کی اشاعت کی تھی۔ ابوشجاع بویہ کے لڑکے علی نے ترقی کر کے 334ھ
میں عراق پر حکمرانی شروع کی خلیفہ نے ان کو رکن الدولہ' عمادالدولہ اور معزالدولہ کے خطاب دیئے۔

حکومت سلجوقیہ کا سنگ بنیاد:

معزالدولہ نے اقتدار پر پورا قبضہ کر لیا۔ کچھ ہی عرصہ میں آل بویہ نے خلفاء پر ترکوں سے بھی
زیادہ ظلم توڑے۔ 320ھ سے 416ھ تک ان کا اقتدار رہا۔ ان کی قوت کو توڑنے والا طغرل بیگ سلجوقی
ترک تھا۔ اس نے آل بویہ کی سلطنت کا جنازہ نکال دیا اور وہاں حکومت سلجوقیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔
447ھ میں بغداد میں داخل ہوا اور تاتاریوں کی یورش 656ھ تک وہ خلفاء بغداد کے جانشین اور سیا
فرمانروا رہے۔

عہد سلاجقہ' عہد عروج و اقبال:

سلاجقہ کا عہد نہایت عروج و اقبال کا عہد تھا۔ سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران' جزیرہ شام
ایشیائے کوچک سے گزرے جس ملک نے مزاحمت کی اسے تباہ کر دیا۔ ان فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا
اسلامی ایشیا' افغانستان کی سرحد سے بحیرۂ روم تک پھر ایک عباسی خلیفہ کے مثل بادشاہ کے قبضہ میں
گیا۔ سلطنت عباسیہ کے جو اجزاء بکھر گئے تھے وہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہو گئے۔
اس پرشوکت اور عظمت اسلامی کی حامل سلطنت نے عیسائیوں کی بازنطینی سلطنت کی پیش
کا قرار واقعی راستہ روکا۔ اسی وجہ سے سلاجقہ کو تاریخ اسلام میں عظیم مقام حاصل ہے۔

طولونی سلطنت کی بنیاد:

مصر کا طولونی خاندان بھی ترکی خاندان سے تھا۔ احمد بن طولون نے 454ھ میں آزاد
کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان نے سینتیس سال تک پرعظمت طریقے سے حکومت کی۔ اس کے بعد ا
جانشین اخشیدی ہوئے۔ (خلافت عباسیہ' جلد دوم از انتظام شہابی)

حکومت آل عثمان کا آغاز:

مصر کے سلاطین مملوک برجی اور چرکسیہ یہ سب ترک تھے۔ 648ھ سے 792ھ تک
مملوک خاندان حکمران رہا۔ برجی مملوک 787ھ سے 906ھ تک مصر کے فرمانروا رہے' پھر ان
عثمان نے حکومت لے لی۔ اتابکان' آذربائیجان' سلغر خاندان اور شاہان خوارزم یہ سب ترکی
تھے۔ روم کی سلاجقہ سلطنت بتدریج دیسی ریاستوں میں تقسیم ہوتی گئی۔ انہی میں سے ایک عثمان
تھا جو ابتداء میں فریجیہ پر قابض تھا' پھر ان تمام ریاستوں کو ترقی پذیر عثمانیہ حکمرانوں نے رفتہ
اندر جذب کر لیا۔ غرضیکہ ترک جہاں شجاع اور بہادر تھے وہاں ان میں عربوں کے بعد حکمرانی کی
تھا چنانچہ ترکوں میں سب سے عظیم المرتبت حکومت آل عثمان کی ہے۔

ارطغرل...... مورث آل عثمان:

ارطغرل کا خاندان اتراک اغز سے تھا جس زمانے میں شاہان خوارزم پر چنگیز نے یلغار کی اور اس کی سلطنت پاش پاش ہو کر رہ گئی تو ترکی قبائل جنوب کی طرف بھاگے۔ بعض ایران و شام چلے گئے جو آگے چل کر ترکمان مشہور ہوئے۔

بعض مصر کے سلاطین مملوک اتراک سے معرکہ آراء ہوئے مگر شکست کھا کر ایشیائے کوچک میں سلاجقہ سے آ ملے۔ انہی ترکی قبائل میں ارطغرل کا قبیلہ بھی تھا۔ ارطغرل کا باپ سلیمان شاہ قبیلہ کا سردار تھا جو خراسان شام میں آیا۔ (نیو انسائیکلو پیڈیا' ص 1538 از ایچ سی رونل' مطبوعہ لندن)

لیکن سلیمان شاہ دریائے فرات اُترتے ہوئے ڈوب گیا۔ قبیلہ کا بیشتر حصہ منتشر ہو گیا۔ جو لوگ رہ گئے ان کی سرداری ارطغرل اور اس کے بھائی دوندار نے کی۔ دونوں بھائی اپنے قبیلے کو لے کر ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے اور سلطان علاؤالدین سلجوقی کی سلطنت میں داخل ہو گئے۔ یہاں دیکھا تو دو فوجیں برسرپیکار تھیں۔ ارطغرل نے اپنے قبیلے کو ساتھ لے کر کمزور جماعت کی حمایت کی۔ ان کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی۔ یہ ترک اس بے جگری سے لڑے کہ طاقتور جماعت نے راہ فرار اختیار کر لی۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ بھاگنے والے تاتاری تھے اور جن کی حمایت کی گئی وہ ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے علاؤالدین کیقباد کی سپاہ ہے۔

علاؤالدین نے اس کارنامہ کی بناء پر ارطغرل پر شاہانہ توجہ کی اور اسے قصبہ سکودار اور طومانج کا سرسبز اور زرخیز خطہ عطا کیا۔ یہ جگہ دریائے سکاریہ کے کنارے رومی سرحد کے متصل واقع ہے اس کو فریجیہ ایلکٹیلس بھی کہتے ہیں۔

''اوج بک'' کا خطاب:

ارطغرل کو قطعہ کے ساتھ ''اوج بک'' کا خطاب بھی دیا گیا اور ان حدود کا سپہ دار مقرر فرمایا۔ ارطغرل نے اپنے علاقے کا انتظام ہاتھ میں لے کر ایک چھوٹی سی سرداری تشکیل دے دی۔ سرگرت قصبہ کو اپنے قیام کا مرکز بنایا۔ اس کے قریب ہی بازنطائن کے حدود ملتے تھے۔

(روئے زمین کے مسلمان سلاطین' از مسٹر اسٹینلی لین پول' ص 134)

دولت سلجوقیہ کے زوال کا آغاز:

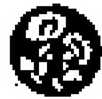
علاؤالدین کیقباد کے زمانہ (470ھ) میں دولت سلجوقیہ اندرونی اختلافات اور امراء کی بغاوتوں کی وجہ سے زوال کی راہ دیکھ چکی تھی۔ اگرچہ قونیہ میں ان کی کچھ شان و شوکت قائم تھی مگر ان کی حکومت کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ادھر ان میں اسلام کی جانبازی' کشورکشائی کا شوق نہ رہا تھا۔ بس جس قدر علاقہ تصرف میں تھا اسی پر اکتفا کیے ہوئے تھے مگر حدود سلطنت کے قریب ایک طرف بازنطینی فرمانروا تھا تو دوسری طرف تاتاری تھے۔ چنانچہ جب تاتاری گروہ پھر متحدہ بازنطینوں کی فوج لے کر

علاؤالدین پر حملہ آور ہوئے تو ارطغرل نے بروصہ کے مقام پر جا کر انہیں شکست دی۔ سلطان نے اس واقعہ کے صلہ میں انعام و اکرام سے نوازا اور ارطغرل کو اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

ارطغرل کی فتوحات:

اب ارطغرل نے کچھ خود سر قبیلوں کو زیر کر لیا تو اس کے مقبوضات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور امرائے دولت میں اس کا درجہ فائق ہو گیا۔ آخر سلطان علاؤالدین نے ارطغرل کو اپنا نائب قرار دیا اور ارطغرل نے ہلال جو علاؤالدین کے علم کا نشان تھا' وہی اختیار کیا۔

ارطغرل جہاں بہادر تھا وہاں وہ رحمدل اور متواضع تھا۔ اس نے دور دور سے اپنے قبیلے کے لوگوں کو بلا کر اپنے پاس آباد کیا اور ارطغرل نوے برس کی عمر پا کر 687ھ میں فوت ہوا اور ''سنوپ'' مین دفن ہوا۔



بانی دولت عثمانیہ...... امیر عثمان خاں غازی

عثمان بن ارطغرل 656ھ میں سرگرت میں پیدا ہوا۔ امیر ارطغرل' سلطان علاؤالدین کیقباد کی صحبت سے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مع قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے اپنے بیٹے عثمان اور دیگر لڑکوں کو اسلامی طریقے کے مطابق تعلیم و تربیت دلوائی۔ عثمان خود شجاع اور بہادر تھا جبکہ اسلامی تعلیم وفضاء نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔ وہ ''اسکی'' شہر ''اتیرونی دیہ'' میں ایک بزرگ کی صحبت میں رہا اور اسی کی بیٹی سے نکاح کیا۔

عثمان کی سرداری:

ارطغرل کے بعد عثمان اپنے قبیلے کا سردار بنا اور اس نے کچھ عرصہ میں دو ہزار ترک اپنے ہم خیال و ہم نوا بنا لئے۔

بازنطینی قلعہ دار آئے روز دولت سلجوقیہ کے سرحدی علاقوں پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ عثمان سلطان قونیہ کے ایک نائب کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کرتا اور انہیں پسپا کرتا رہا۔ قراجہ حصار کا معرکہ پیش آیا تو عثمان نے بڑی بہادری سے اس قلعہ کو فتح کر لیا اور اس کے اردگرد اراضی پر قبضہ کر لیا۔ سلطان قونیہ علاؤالدین نے وہ علاقہ بطور جاگیر عثمان کو بخش دیا اور ''بک'' کے خطاب سے سرفراز کیا نیز اس نے اپنے نام کے سکے جاری کرنے اور خطبہ میں اپنا نام شامل کرنے کی بھی اجازت دے دی تو اس طرح امارت کے تمام امتیازات امیر عثمان کو حاصل ہو گئے۔ ''قراجہ حصار'' کا حکمران نکلس تھا جو 688ھ میں عثمان سے زیر ہوا اس زمانے میں مال خاتون کے بطن سے اورخاں پیدا ہوا۔

بادشاہت کا خاتمہ:

678ھ میں چنگیز خاں کے پوتے باتو خاں نے یورپ کا رُخ کیا۔ ماسکو' نووگورو اور ہنگری تک پہنچ کر لوٹا۔ اس میں آخری سلجوقی تاجدار علاؤالدین ثانی شکست خوردہ ہو کر رہ گیا اور قونیہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔

باتو خاں کے واپس جانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی اور ہر حصہ کا امیر خود مختار بن گیا چنانچہ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر عثمان نے بھی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔

(تاج الدولۃ العلیا العثمانیہ از محمد فرید بک مصری)

اور ''اسکی'' شہر کو پایہ تخت بنایا اور آس پاس کے علاقوں کو زیر کر لیا۔ عثمان خاں دولت سلجوقیہ کے خاتمہ کے بعد آزاد حکمران تھا۔ سلجوقی امراء میں عثمان کا سب سے بڑا حریف کرمانیہ کا امیر قطب الدین شاہ جہاں تھا۔ عثمان اپنی تشکیل کردہ حکومت کے انتظام اور استحکام میں سات سال تک (690ھ تا 697ھ) لگا رہا' تھوڑے عرصے میں اس نے اپنی ریاست اعلیٰ درجہ تک پہنچا دی۔ یہ حکومت دولت عثمانیہ کی اولین شکل تھی جو علاؤالدین کے طرز حکومت کو سامنے رکھ کر تشکیل دی گئی تھی۔



فتوحات:

عثمان انتظام سلطنت میں لگا ہوا تھا کہ دوسرے ترک سرداروں نے بازنطینی قلعہ داروں سے مل کر اس پر حملہ کر دیا مگر شکست کھا کر اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ بس پھر تو عثمان نے بازنطینی قلعوں کو فتح کرنے کی طرف رُخ کر لیا اور یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرتے ہوئے آخر کار ''ینی'' شہر پر بھی قبضہ کر لیا۔ 701ھ میں امیر عثمان خاں نے ناگومیڈیا سے متصل فیون حصار کے مقام پر پہلی مرتبہ شہنشاہ قسطنطنیہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کیا جس میں اسے شاندار فتح حاصل ہوئی غرضیکہ چھ سال کے اندر عثمان کی فتوحات کا دائرہ بحر اسود کے ساحل تک جا پہنچا۔ بازنطینی قلعے پے در پے مسخر ہوتے گئے اور بروصہ، نائسیا اور ناگومیڈیا کے گرد فوجی چوکیوں کا ایک مضبوط حصار قائم ہو گیا۔ بازنطینیوں نے تاتاریوں سے مل کر عثمان سے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گئے، پھر ان کو پیش قدمی کی ہمت نہ ہوئی۔

بروصہ کی فتح:

بازنطینی سلطنت کا اہم شہر بروصہ تھا۔ امیر عثمان نے 717ھ میں اس کا محاصرہ کیا، دس سال تک اہل بروصہ محصور رہے آخر 726ھ میں اہل بروصہ نے عثمان کے بیٹے اورخاں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کو خالی کر دیا اور ترکی فوج اورخاں کی سرکردگی میں فاتحانہ طور پر بروصہ میں داخل ہوئی۔ ادھر امیر عثمان خاں سغوت (سرکرک) میں بستر مرگ پر تھا۔ اسے اورخاں نے بروصہ کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ عثمان نے بیٹے کو گلے لگایا اور اپنا جانشین نامزد کیا اور بروصہ کو پایۂ تخت بنانے کی وصیت کی۔ (تاریخ اتراک العثمانیہ از علامہ حسین لبیب مصری)

عثمان کی وفات:

امیر عثمان خاں نے 21 رمضان 727ھ کو وفات پائی اور حسب وصیت اسے بروصہ میں دفن کیا گیا۔ عثمان کے آثار خیر میں ''آکی'' شہر میں ایک مسجد تعمیر ہے جس کو عثمان نے اپنے ابتدائی عہد میں بنوایا تھا۔

اشاعت اسلام:

عثمان کے عہد مبارک میں سب سے بڑا کارنامہ اسلام کی اشاعت کا ہے۔ عثمان نے ایشیائی مقبوضات پر قبضہ کر کے وہاں کے نصرانی باشندوں کو اپنے اخلاق سے ایسا گرویدہ کر لیا کہ بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئے اور ترکوں سے قرابتیں قائم کر کے ترک نہیں بلکہ عثمانی کہلانے لگے۔ (دعوت اسلام از مسٹر آرنلڈ)

سلطان اورخاں:

اورخان بن عثمان خاں بن ارطغرل 684ھ میں پیدا ہوا اور اس سے بڑا بھائی علاؤالدین تھا۔ دونوں بھائیوں کے مزاج مختلف تھے اورخان کو سپہ سالاری کا اور علاؤالدین کو تعلیم و تعلم

شوق تھا۔ اورخاں اکثر معرکوں میں امیر عثمان کے ساتھ رہا۔ اسی نے 33 سال کی عمر میں بروصہ فتح کیا۔

تخت عثمانیہ:

عثمان مرتے وقت اورخاں کے لئے تخت نشینی کی وصیت کر گیا تھا مگر اورخاں نے اپنے بھائی علاؤالدین سے کہا' ہم سلطنت کو تقسیم کر لیں مگر اس نے خوش دلی سے اورخاں کو تخت نشین ہونے کی دعوت دی لہٰذا اورخاں کو سلطان کے نام سے مخاطب کیا جانے لگا۔

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا' ج 27' ص 443)

صدارت عظمیٰ:

اورخاں نے صدارت عظمیٰ پر اپنے بھائی کو ممتاز کیا۔ باصرار علاؤالدین نے انتظام مملکت کی ذمہ داری قبول کی۔ علاؤالدین نے مملکت کا آئین ترتیب دیا اور سب سے پہلے سکہ' لباس اور فوج کی طرف توجہ مبذول کی اور اورخاں کے نام کا طلائی ونقرئی سکہ جاری کیا اور دیگر سکے بند کر دیئے اور رعایا کے مختلف طبقوں کے لئے مختلف قسم کے لباس تجویز کر کے ان کے متعلق قوانین نافذ کئے۔ شہری' دیہاتی اور مسلم وغیر مسلم سب کا الگ الگ لباس مقرر کیا۔ (گبن' ج 4' ص 381)

فوجی تنظیم:

علاؤالدین کا عظیم کارنامہ فوجی اصلاحات کا ہے اس نے باقاعدہ تنخواہ دار فوج ترتیب دی۔ سوار اور پیادہ' باقاعدہ اور رضا کار فوج تیار کی جس کی نظیر ایک صدی تک یورپ میں پیدا نہ ہو سکی۔ ترکوں کو فن جنگ میں جو مہارت تھی وہ معاصر اقوام میں بہت کم ملتی ہے۔ نصرانی ترکوں کے نام سے گھبرا جاتے اور بدمقابل آتے ہوئے خوف زدہ ہو جاتے تھے۔

پاشا کا خطاب:

علاؤالدین کی کارگزاری سے خوش ہو کر اورخاں نے پاشا کا لقب عطا کیا۔ یہ پہلا عثمانی ترک تھا جسے پاشا کا خطاب ملا۔ اس کے بعد اورخاں کے بڑے لڑکے سلیمان کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

نظم مملکت:

اورخاں نے آس پاس میں ہونے والی تبدیلیوں سے خوب فائدہ اُٹھایا اور جہاں جہاں ترکوں کی آبادی تھی' ان کو بھی ترک مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔ اورخاں ان مہمات سے فارغ ہو کر مملکت عثمانیہ کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ حسن اتفاق سے بیس سال تک کوئی جنگ پیش نہ آئی جس کی وجہ سے اندرون ملک کا بہترین انتظام کیا گیا اور فوج کی تنظیم میں جدت سے کام لیا گیا۔

یورپ میں داخلہ:

اندرونی انتظامات سے فارغ ہو کر اورخاں نے یورپ کی طرف توجہ مبذول کی۔ بازنطینی سلطنت کے ایشیائی علاقے عثمانیوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ 739ھ میں بازنطینی بادشاہ اینڈرونیکس

سوم کا انتقال ہوا تو اس کا نابالغ لڑکا پلیولوگس بادشاہ بنا اور کنٹا کوزین والی بنا مگر کچھ عرصہ بعد والی نے 744ھ میں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا' مرنے والے بادشاہ کی ملکہ اپنا کو کنٹا کوزین کی یہ حرکت ناگوار گزری چنانچہ دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ان کے قریب میں سلطان اورخاں تھا' دونوں کی کمزوری کا فائدہ اُٹھا کر اورخاں نے پہلی مرتبہ مدد کے وعدے پر کنٹا کوزین کی بیٹی سے نکاح کیا۔ دوسری مرتبہ مدد کر کے قلعہ زین قبضے میں کر لیا اور اورخاں کے بیٹے سلیمان پاشا نے قلعہ پر عثمانی فوج متعین کر دی۔

یورپ میں پہلا قدم:

ان ہر دو قلعوں کے قبضہ میں آ جانے سے یورپ کی سرحدی حدود میں ترکوں کا قدم جم گیا۔ یہیں سے ترکوں کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا اور اورخاں نے بازنطینی سلطنت کی کمزوریوں سے خوب فائدہ اُٹھایا تا آنکہ بازنطینی سلطنت اورخاں کے رحم و کرم پر ہو کے رہ گئی۔

سلیمان پاشا:

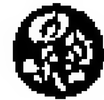
علاؤالدین کی وفات کے بعد سلیمان پاشا کو صدر اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ اس نے اپنے چچا کا صحیح جانشیں ہونے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ 759ھ مطابق 1358ء میں شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ (تاریخ الدولتہ العثمانیہ)

وفات:

اورخاں نے سلیمان پاشا کی جدائی کا بہت اثر لیا اور دوسرے ہی سال بیاسی سال کی عمر میں 760ھ میں انتقال کر گیا۔ اسے بروصہ میں دفن کیا گیا۔

وسعت سلطنت:

اورخاں کے عہد میں سلطنت عثمانیہ ایشیائے کوچک کے شمال مغربی حصہ اور یورپ میں زنپ' گیلی پولی اور تھریس کے بعض دیگر مقبوضات پر مشتمل تھی اور اس کی آبادی دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ (تاریخ ترکیہ)



سلطان مراد اوّل

مراد اوّل بن اورخاں بن امیر عثمان خاں غازی 720ھ میں پیدا ہوا۔

(انسائیکلوپیڈیا' ج 27' ص 443)

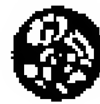
مراد نے تخت نشین ہوتے ہی یورپ پر نگاہ رکھ لی اور جلد ہی آس پاس کے علاقے فتح کر لئے۔ اس کی فاتحانہ سرگرمی سے دوسری مسیحی حکومتوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی جس کے نتیجہ میں یورپ کی مشترکہ فوج نے 764ھ میں عثمانی فوج کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی جس سے بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ پھر مراد نے بلقان کی دیگر ریاستوں پر حملے کئے۔ جنگ مارٹیزا کے بعد سلطان مراد اور شہنشاہ قسطنطنیہ کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رُو سے شہنشاہ نے سلطان مراد کا باجگزار ہونا منظور کیا۔

15 جون 1389ء کسووا کے میدان میں جنگ ہوئی جس میں مراد کو کافی زخم لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی چنانچہ وہ پینسٹھ سال کی عمر میں 791ھ مطابق 1389ء کو فوت ہوا۔ مراد نے اپنے والد کے مقابلہ میں یورپ کا پانچ گنا علاقہ فتح کیا۔ اس نے تیس سال حکمرانی کی۔

گبنس نے لکھا ہے:

"مراد عثمانی خاندان کا سب سے زیادہ ممتاز' کامیاب' ماہر سیاست اور محارب تھا۔"

(ہربرٹ گبنس' ص 178)



سلطان بایزید اوّل یلدرم

بایزید بن مراد بن اورخاں 761ھ میں پیدا ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا' ج 27' ص 444)

مراد کی شہادت کے بعد شہزادہ بایزید کسووا کی کامیابی کے بعد اپنے لشکر میں واپس آیا تو تمام سرداروں نے خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور تاج و تخت سپرد کیا۔ بایزید نے اور بھی بہت سے علاقوں کو فتح کیا۔ شاہ قسطنطنیہ سے نئے سرے سے صلح کی گئی اور پھر اناطولیہ کی بقیہ ریاستیں فتح کی گئیں۔ پھر ولاچیا پر حملہ کیا گیا۔ 795ھ میں بایزید نے اپنے لڑکے سلیمان پاشا کو بلغاریہ فتح کرنے بھیجا جس نے جلد ہی بلغاریہ کو فتح کر کے عثمانی خلافت میں شامل کر لیا۔

صلیبی جنگ:

بلغاریہ کے سلطنت عثمانیہ میں شامل ہونے سے شاہ ہنگری کو اپنے ملک کے لئے خطرہ نظر آنے لگا کیونکہ اس کی سرحد ترکی سے ملی ہوئی تھی اس نے یورپ کے بادشاہ کو انگیخت دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا تو یورپ نے صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا چنانچہ 23 ذیقعدہ 797ھ کو صلیبی فوجیں اسلامی فوج پر حملہ آور ہوئیں۔ ان کی کمان کاؤنٹ دی نیفر کے ہاتھ میں تھی لیکن ترکوں نے انہیں شکست فاش دی۔ اس کے چھ ہزار ساتھی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ اس عظیم الشان فتح کی بشارت تمام عالم اسلام میں بھیجی گئی اس پر ہر جگہ خوشی منائی گئی۔

متوکل علی اللہ خلیفہ عباسی نے بھی بایزید کے اس کارنامے سے خوش ہو کر تمام مفتوحہ علاقہ جات کا فرمان لانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور بہت سے تحفے تحائف بایزید کے حضور بھیجے۔ بایزید اچانک بیمار ہو گیا اور پھر تندرست ہونے کے بعد اس نے یونان فتح کیا۔ یونان کی فتح کے بعد اسے معلوم ہوا کہ شاہ قسطنطنیہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں مداخلت کر رہا ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اس نے قسطنطنیہ فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور محاصرہ بھی کر لیا اور قریب تھا کہ فتح کر لے۔

مغلوں کی یلغار:

سلطان بایزید کو اطلاع ملی کہ اس کے ایشیائی مقبوضات پر مغلوں کا قبضہ ہو رہا ہے اور چنگیز کا پوتا تیمور لنگ' چنگیز کی طرح آگے بڑھ رہا ہے۔

صاحب قران امیر تیمور لنگ:

تیمور کا مورث اعلیٰ قراچار نویان اور چنگیز ایک دادا کی اولاد تھے۔ قراچار کا بیٹا ایجل خاں تھا جسے ہلاکو نے تبریز کا حاکم مقرر کیا۔ اس کا بیٹا ایلنگر خاں تھا جو اسلام سے مشرف ہوا اور امیر الامراء کے خطاب سے نوازا گیا۔ اسی کا صاحبزادہ امیر برکل تھا جس کے لڑکے امیر طراغائی تھے جو شیخ شمس الدین کلال کے مریدوں میں سے تھے۔

(ظفر نامہ مولانا شرف الدین یلی' قلمی' ص 96- انساب الترک از ابوالغازی خاں)

یہاں 25 شعبان 736ھ / 1325ء کو امیر ترغائی کے ہاں تکینہ خاتون کے بطن سے شہر سبز (ماوراء النہر) میں تیمور پیدا ہوا۔ کم عمری ہی میں اس کی لیاقت اور بہادری کے چرچے گھر گھر ہونے لگے۔ تغلق تیمور نے کش کی گورنری پر تیمور کو مامور کیا پھر یہ چغتائیہ خاں کا وزیر ہو گیا جس کی حکومت اس نے 771ھ/ 1369ء میں غصب کر لی۔ گو تیمور نے اسے اور اس کے لڑکے محمود کو 800ھ/ 1399ء تک برائے نام بادشاہ رہنے دیا۔ (شجرات فرمانروایان اسلام از مسٹر اسٹینلی لین پول' ص 192)

782ھ تیمور نے ایران پر چڑھائی کر دی۔ سات برس کے اندر خراسان' جرجان' مازندران' سجستان' آذربائیجان اور کردستان فتح کر لئے۔ تیمور نے جس ملک کا ارادہ کیا' فتح کر کے چھوڑا۔

789ھ میں اصفہان میں جن لوگوں نے فتنہ وفساد برپا کیا' سب کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر دارالملک فارس آیا' آل مظفر اس کی خلافت میں حاضر ہوئے۔ 795ھ میں ایران میں دوبارہ جا کر شاہ منصور کو جو سرکش ہو گیا تھا' شیراز میں قتل کیا۔ آل مظفر کو پامال کیا۔ کئی مرتبہ گرجستان آیا۔ 801ھ میں دریائے سندھ میں پل بنا کر عبور کیا اور ہندوستان کو فتح کیا۔ پھر یہاں سے دمشق پر فوج کشی کی اور امرائے شام جو قید میں تھے' ان کو قتل کیا۔ (روضۃ الصفاء)

تیمور کی فتوحات کا دائرہ تھوڑے عرصہ میں حدود دولت عثمانیہ سے مل گیا تو بایزید نے جن علاقوں پر قبضہ کیا' وہاں کے امراء بھاگ کر تیمور کے پاس پہنچ گئے اور جن مقامات پر تیمور نے چڑھائی کی وہاں کے حکمران بایزید کے دامن میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہر دو ریاستوں کے فرمانروا تیمور اور بایزید کو ایک دوسرے کے خلاف اُبھارتے اور بھڑکاتے۔ ان ریاستوں کے سلسلہ میں دونوں شاہان کے درمیان خط و کتابت ہوئی بالآخر جنگ کی نوبت آ گئی اور دو عظیم الشان طاقتیں آپس میں ٹکرا گئیں اور فتوحات اسلامیہ کا بڑھتا ہوا سیلاب رُک گیا۔

معرکہ تیمور و بایزید:

803ھ میں تیمور نے دمشق فتح کرنے کے بعد آرمینیہ کی طرف سے عثمانی مقبوضہ علاقہ سیواس کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر کی دیواریں مضبوط تھیں اور ترکی دستہ نے سلطان بایزید کے بڑے لڑکے شہزادہ ارطغرل کی سرکردگی میں خوب محافظت کی اور تیمور کی سات آٹھ لاکھ تاتاری فوج شروع میں کامیاب نہ ہو سکی مگر تیمور نے آخرکار شہر میں سرنگیں لگا کر شہر کی فصیل کو گرا دیا جس سے شہر پر تیموری فوج کا قبضہ ہو گیا۔ چار ہزار فوجیوں کو قتل کر دیا گیا اور شہزادہ ارطغرل بھی مارا گیا۔

بایزید اس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا' اسے معلوم ہوا تو وہ اس کے مقابلے پر آیا۔

معرکہ انگورہ:

بایزید کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی جبکہ تاتاری تیمور کے پاس سات لاکھ کی تعداد تھی۔ اگرچہ بایزید کے عثمانی افسروں نے یہ رنگ دیکھ کر تیمور سے صلح کر لینے کا مشورہ دیا مگر اس نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں ادھر توجہ نہ دی بلکہ اپنی شان دکھانے کے لئے ایک روز پوری فوج کو ساتھ لے کر

باقیوں کا برا حال تھا۔

جب وہ شکار سے لوٹا تو دیکھا کہ لشکر گاہ اور پانی کی گھاٹ پر تیمور کا قبضہ ہو چکا ہے چنانچہ بایزید نے حالات کی مساعدت سے گھبرا کر 17 ذوالحج 804ھ/ 1402ء فیصلہ کن معرکہ کا آغاز کر دیا۔ لڑائی قبل از طلوع فجر شروع ہو گئی اور غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہی۔ اگرچہ تیمور نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے مگر ناکام ہوا۔

پھر افسروں نے بایزید کو میدان چھوڑ دینے کی رائے دی مگر اس نے اپنی شجاعت کے زعم میں اس مشورہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا لیکن جب بایزید نے آخرکار اسی صورت میں ہی عافیت سمجھی اور بھاگنا چاہا تو اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے شریک جنگ پانچ لڑکوں میں سے تین دشمن کی زد سے نکل گئے۔ شہزادہ سلمان نے یورپ کی راہ اختیار کی۔ شہزادہ محمد نے اماسیا پہنچ کر دم لیا اور شہزادہ عیسیٰ نے کرمانیہ کا رُخ کیا۔ شہزادہ موسیٰ گرفتار ہوا جبکہ شہزادہ مصطفیٰ لاپتہ ہو گیا۔

بایزید کا انجام:

بایزید قیدی کی حیثیت سے دست بستہ تیمور کے سامنے لایا گیا' تیمور نے بایزید کا یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہو گیا۔ ہتھکڑی کھلوا دی' احترام سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔

بایزید نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے اطاعت کا وعدہ کیا۔

بایزید کی موت:

اگرچہ تیمور نے بایزید کے حسب حال اس کی ضروریات کا خیال رکھا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی لیکن بایزید کو اپنی سابق عظمت و سطوت کی یاد ایک لحہ کے لئے بھی چین نہ لینے دیتی تھی اور اس کے قلب و دماغ پر اپنی قید و رسوائی کا اس قدر جانکاہ اثر پڑا کہ صرف آٹھ مہینے بعد ناہیہ میں 805 ھ میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

تیمور کو بایزید کے مرنے کی خبر ملی تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اس نے شہزادہ موسیٰ کے ساتھ بایزید کی نعش شاہانہ احترام کے ساتھ بروصہ روانہ کی جہاں اسے دوسرے عثمانی تاجداروں کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (ظفر نامہ' ج 2' ص 438)۔

اب ایشیائے کوچک کی تمام ریاستیں آزاد ہو گئیں اور سلطنت عثمانیہ محدود ہو کر رہ گئی کیونکہ تمام علاقے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔

سلطنت عثمانیہ کی حالت:

سلطان تیمور اور بایزید کی باہمی آویزش سے سلطنت عثمانیہ کو بڑا نقصان پہنچا اور ایشیائے کوچک کا علاقہ سلطنت عثمانیہ سے کٹ گیا اور یہ محدود ہو کر رہ گئی ورنہ بایزید یورپ پر چھایا جا رہا تھا کہ اس وقفہ سے فتوحات کا سیلاب رُک گیا۔

امیر تیمور کے جنگی حالات:

امیر تیمور دنیا کے ان چند اولوالعزم شہنشاہوں میں سے ہے جنہوں نے ساری دنیا کی فتح کا ارادہ کیا تھا بلکہ ایک حد تک اسے کر کے دکھایا تھا۔ اس کی سلطنت دیوار چین سے لے کر ایشیائے کوچک کی سرحد تک اور بحیرہ ارال سے دریائے گنگ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے پینتیس سال کی عمر میں تاتاری امراء کو زیر کر کے سمرقند کو اپنا پایہ تخت بنایا اور فتوحات کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کی وسعت کے سامنے سکندر اعظم' سیزر' چنگیز خاں' شارلمین اور نپولین کی سلطنتیں حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ اس نے چھتیس سال حکمرانی کی' ستائیس ملکتیں فتح کیں اور نو شاہی خاندان اس کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔ بالآخر وہ 17 شعبان 807ھ کو فوت ہو گیا۔



سلطان محمد اوّل چلپی

محمد بن بایزید 783ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے چھ بھائیوں میں شجاعت اور علمی لیاقت میں فائق تھا
(انسائیکلوپیڈیا' ج 27' ص 445

معرکہ انگورہ میں سب بیٹے شریک جنگ تھے' جان بچا کر بھاگ جانے والے تینوں شہزادو
میں سلمان سب سے بڑا تھا۔ یہ اپنے والد بایزید کی وفات کی خبر پا کر سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصے
حکمران بن گیا۔ شہزادہ عیسیٰ نے بروصہ پر قبضہ جمایا اور محمد اول چلپی ایشیائے کوچک کے شمال مشرق
اماسیہ کے چھوٹے سے علاقے پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا۔

بھائیوں کی باہمی آویزش:

بادی النظر میں حکومت عثمانیہ کے حصے بخرے ہو گئے۔ بایزید کی اولاد میں سے ہر ایک کی
تھی کہ وہ کل قلمرو عثمانیہ کا سلطان بنے چنانچہ تمام بھائیوں کی کسی نہ کسی طرح آپس میں لڑائی ہوئی بالآ
محمد چلپی تمام کے مقابلہ میں کامیاب ہوا اور اس نے 816ھ میں سلطان ہونے کا اعلان کیا اور تخت
قابض ہوا۔ ایشیا اور یورپ کی تمام رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

محمد چلپی کے کارنامے:

محمد چلپی نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر ایشیائے کوچک کی ہاتھ سے نکل جانے والی
ریاستوں کو تھوڑے ہی عرصہ میں زیر نگیں کر لیا۔

محمد چلپی کا دور سلطنت:

سلطان محمد چلپی نے صرف آٹھ سال حکومت کی لیکن اس قلیل مدت میں غیر معمولی اہلیت
ثبوت دیا۔ اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کے انتشار کا خاتمہ کیا بلکہ اپنی خداداد فوجی اور آئینی قابل
سے دولت عثمانیہ کو ویسا ہی طاقتور اور مستحکم بنا دیا جیسا کہ امیر تیمور کے حملہ سے قبل تھی۔

وفات:

سلطان چلپی نے اکتالیس برس کی عمر میں 824ھ/ 1421ء کو وفات پائی اور بروصہ میں
خضری سے متصل دفن ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا' ج 27' ص 445)



سلطان مراد ثانی

مراد ثانی بن سلطان محمد چلپی بن سلطان بایزید یلدرم 806ھ میں پیدا ہوا اور سلطان محمد کے انتقال کے بعد صدر اعظم نے اس کی موت کو مخفی رکھا۔ اکتالیس روز بعد جب مراد ایشیائے کوچک سے آ گیا تو محمد چلپی کی وفات کا اعلان کیا گیا تو مراد تخت پر متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

مراد کی نوعمری سے امرائے اناطولیہ اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے فائدہ اُٹھانا چاہا اور سلطان کے چچا مصطفیٰ نے شاہ قسطنطنیہ کے ساتھ مل کر مراد کے صدر اعظم کا مقابلہ کیا اور شکست دی تو مصطفیٰ کی ہمت بڑھ گئی چنانچہ مراد نے خود فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور مصطفیٰ کو شکست دی اور گرفتار کر کے سولی پر لٹکایا۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ:

سلطان مراد نے شہنشاہ قسطنطنیہ کو آ گھیرا اور اپنی فوجی لیاقت کا ایسا ثبوت دیا کہ قسطنطنیہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ مراد کے بھائی مصطفیٰ نے لوگوں کے بہلاوے میں آ کر ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ سلطان نے غصہ میں قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور بھائی کی گوشمالی کی اس سے آلِ عثمان کا وہی اقتدار پھر بحال ہو گیا جو جنگ انگورہ سے ختم ہو گیا تھا۔

لیکن ادھر جنرل فرید پاشا اور ہونیاڈ نے نہرمان میں ترکوں کو شکست فاش دی۔ بیس ہزار ترک قتل ہوئے' سلطان نے شہاب الدین کی سرکردگی میں ایک اور فوج بھیجی' وہ بھی شکست کھا گئی۔

ہونیاڈ کی شاندار کامیابی اور ترکوں کی پسپائی اور ناکامی سے یورپ کی تمام حکومتوں میں ایک امید کی لہر دوڑ گئی۔ پوپ نے یہ رنگ دیکھ کر صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا اس اعلان سے یورپ کے عیسائی جوق در جوق ہونیاڈ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس نے نیش پہنچ کر سلطانی فوج کو شکست فاش دی لہٰذا ترکوں کو کئی جگہ سے ہاتھ کھینچنے پڑے۔

شہزادہ علاؤالدین کا انتقال:

مراد کا بڑا بیٹا علاؤالدین بہت لائق فائق تھا۔ یکا یک اس کا انتقال ہو گیا تو مراد نے اس کا بہت اثر لیا اور اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو جس کی عمر چودہ سال کی تھی' خود اپنے سامنے تخت نشین کیا۔

وفات:

5 محرم 855ھ/ 1451ء کو مراد نے ادرنہ میں وفات پائی اور بروصہ میں دفن ہوا۔



سلطان محمد ثانی (فاتح قسطنطنیہ)

محمد ثانی بن سلطان مراد ثانی کی ولادت 26 رجب 831ھ میں ہوئی۔
(انسائیکلوپیڈیا' ج 27' ص 446)

شہزادہ محمد ثانی ایدین میں مقیم تھا' وہیں مراد کے انتقال کی خبر ملی۔ وہ دارالخلافہ میں آ کر 855ھ میں تیسری بار تخت عثمانیہ پر بیٹھا۔ ہمسایہ سلطنتوں نے اپنے اپنے سفیروں کے ذریعے مبارک بادی کے پیغام بھیجے۔

بازنطینی سلطنت کے آخری فرمانروا شاہ قسطنطین یازدہم نے بیٹھے بٹھائے خود محمد ثانی سے چھیڑ خانی کر دی اور خراج میں ادا کردہ رقم مع اضافہ کا مطالبہ کر دیا اور عدم منظوری کی صورت میں مقابلہ کی دھمکی دے دی۔

فتح قسطنطنیہ:

محمد ثانی چونکہ شورشیں فرو کرنے میں مصروف تھا اس لئے اس نے نرمی سے جواب دے کر موقع ٹال دیا لیکن اپنے باپ کی وصیت کے مطابق فتح قسطنطنیہ کے لئے تیاری شروع کر دی' جب انتظام مکمل ہو گیا تو سلطان خود نوے ہزار کی فوج لے کر ادرنہ سے روانہ ہوا۔ ادھر قسطنطین بھی مختلف یورپی ممالک کی فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے نوے ہزار فوج لے آیا۔

محاصرہ:

26 ربیع الاول 857ھ کو سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کیا اس کے ساتھ ہی آبنائے باسفورس میں بحری جنگ پیش آئی۔ 140 عثمانی جہاز تھے' قیصر کی امداد کے لئے جنیوا کے جہاز آ گئے اور دشمن کے رسد کے جہاز بھی قسطنطنیہ پہنچ گئے نتیجتاً ترکی بیڑہ نقصان اٹھا گیا۔ سلطان محمد نے یہ رنگ دیکھ کر خشکی میں باسفورس اور بندرگاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل میں پہاڑی زمین پر لکڑی کے تختوں کی سڑک بنوائی اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کرا دیا اور ایک رات کے اندر بیلوں سے کھنچوا کر اسی کشتیاں بندرگاہ کے ایک حصہ میں پہنچا دیں چنانچہ قسطنطنیہ کا یہ حصہ بھی حملہ کی زد میں آ گیا۔ بری فوج نے مناسب جگہوں پر توپیں نصب کر دیں۔ سلطان نے 29 مئی 1493ء کی صبح کو عام حملہ کا وقت مقرر کیا تھا اس رات تمام معسکر میں چراغاں رہا اور ساری فوج دعا اور عبادت میں مصروف رہی۔

صبح ہوتے ہی فوج فصیل کی طرف بڑھی۔ رومیوں نے نہایت ہمت اور پامردی سے مدافعت کی یہاں تک کہ خود قیصر اس جنگ میں مارا گیا۔ فصیل پر پہلا چڑھنے والا شخص آغا حسن شہید ہوا اور سلطان محمد کے ہاتھوں سرور عالم ﷺ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

الغرض ناقابل تسخیر شہر کے فتح ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ فصیل توپ کے گولوں سے ٹوٹی اور ترک فوجی کشتیوں سے نکل کر شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ سلطان انکشاری فوج کے ساتھ تھا جس وقت

مشہور کنیسہ ایاصوفیہ کے دروازے پر پہنچا اس میں آذان دلوائی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس وجہ سے یہ کنیسہ مسجد بنا دیا گیا۔ سلطان نے رومیوں اور یونانیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا۔ ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ ترکوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر اکثر لوگ مسلمان ہو گئے اور قسطنطنیہ سے چلے جانے والے نصرانی واپس آ کر اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔

مبارکبادی کے پیغامات:

قسطنطنیہ کی فتح کی خبر تمام عالم اسلام میں مشہور ہوئی اور جشن منائے گئے اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین' علماء و شعراء نے سلطان کو مبارکباد بھیجی اور سلطان نے فتح کے بعد سب سے پہلے قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مزار پر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور قسطنطنیہ کو دارالخلافہ قرار دیا اور جامع مسجد میں سلاطین عثمانیہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جانے لگی۔

(تاریخ الاتراک العثمانیین' ص 175)

فتوحات:

پھر سلطان نے سربیا اور بلغراد کو قبضے میں کیا۔ جنرل ہونیاڈ سے سخت مقابلہ درپیش آیا۔ چوبیس ہزار ترک شہید ہوئے۔ سلطان بھی زخمی ہوا مگر اللہ نے شفاء دے دی۔ ادھر ہونیاڈ بھی بہت زخمی ہوا بالآخر بیس روز بعد مر گیا۔ اس جنگ میں تو سلطان کو کامیابی نہ ہوئی مگر 863ھ کو سلطان نے دوبارہ چڑھائی کر کے مورہ' بوسنیا پر یلغار کر کے فتح کر لیا۔

بحری بیڑہ کی تیاری:

سلطان نے فتوحات سے فارغ ہو کر بحری بیڑہ تیار کرنے پر توجہ کی اور اس قدر بڑا اور مضبوط بیڑہ بنایا کہ اس زمانے کے تمام بیڑوں حتیٰ کہ جنیوا اور وینس سے بھی فائق تر تھا۔

وفات:

سلطان یکایک بیمار ہوا' حالت دن بدن بگڑتی رہی حتیٰ کہ 14 ربیع الاول 886ھ کو فوت ہوا اور ترکی میں شاہی مقبرہ کے لئے متعین کردہ جگہ میں دفن ہوا۔



سلطان بایزید ثانی

بایزید ثانی بن سلطان محمد ثانی بن مراد ثانی 866ھ میں پیدا ہوا۔ سلطان محمد کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے ولی عہد بایزید کو 886ھ میں کو تخت پر بٹھایا۔ سلطان محمد کے عہد میں ترکوں کا قبضہ پورے بلقان پر ہو چکا تھا۔

یورپین ممالک سے تعلقات:

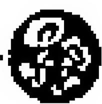
یورپین ممالک پر دولت عثمانیہ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ سلطان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے چنانچہ 897ھ میں پہلا روسی سفیر ماسکو سے تحفے تحائف لے کر آیا اور مملکت عثمانیہ میں تجارتی امتیازات حاصل کیے اور اہل بغلان (رومانیہ) نے بھی بخوشی دولت عثمانیہ کی سیادت قبول فرمالی۔ دیگر کئی ریاستوں نے بھی تعلقات قائم کیے تاکہ سلطان کی بحری و بری قوتوں سے اپنے مخالفین کے لئے مدد حاصل کر سکیں۔

جمہوریہ وینس ترکوں کی مخالف تھی چنانچہ بایزید نے اس پر فوج کشی کی۔ مقابلہ کے بعد انہوں نے صلح کی استدعا کی جو سلطان نے منظور کر لی۔

سلطان فتوحات میں منہمک تھا کہ سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کر دی جس کی وجہ سے اندرونی اضطراب پیدا ہو گیا۔ سلطان چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے شہزادہ احمد کو تخت نشین کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لے مگر انکشاریہ راضی نہ تھے۔ انہوں نے شہزادہ سلیم کو 918ھ مین سلطان بنا دیا۔ بایزید نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے سلیم کے حق میں دستبرداری اختیار کر لی اور گوشہ نشینی کے ارادے سے روانہ ہوا۔

وفات:

راستہ میں سلطان یکایک ناگہانی مرض میں مبتلا ہو کر 918ھ میں انتقال کر گیا۔



سلطان سلیم اوّل

سلطان سلیم' سلطان بایزید ثانی کے انتقال کے بعد اردنہ پہنچ کر تخت نشین ہوا۔ یورپین حکومتوں کے سفیروں نے مبارک باد دی۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا' ج 27' ص 234)

بھائیوں کی شورش:

سلیم کے بھائیوں احمد اور کرکود نے سلیم سے تخت عثمانیہ چھیننا چاہا مگر اس نے دونوں کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا تو اس طرح بھائیوں کی شورش ختم ہو گئی۔

تبریز کی فتح:

شاہ ایران شاہ اسماعیل صفوی نے عثمانی طاقت کو توڑ کر اپنی حدود مملکت کو وسیع کرنے کا پروگرام بنایا۔ سلطان سلیم کو اس کی حرکات کا علم ہوا تو اس نے اناطولیہ میں ترکی فوج بھیج کر چالیس ہزار کو ٹھکانے لگوایا اور شاہ اسماعیل کی گوشمالی کے لئے ایران پر لشکرکشی کر دی۔ شاہ ایران مقابلہ میں شکست کھا گیا چنانچہ 920ھ میں ترک تبریز میں داخل ہو گئے۔

مصر کی فتح:

سلطان پوری قوت سے مصر پر چڑھائی کی غرض سے روانہ ہوا۔ شام اور فلسطین کو فتح کرتا ہوا صحرائی راستے سے مصر پہنچا۔ مصر کے فرمانروا سلطان طومان نے مقابلہ کیا' شکست کھائی چنانچہ مملکت مصر عثمانی قلمرو میں شامل کر لی گئی اور سلیم نے غلاف کعبہ کے جلوس مین پاپیادہ شرکت کی اور اپنے لئے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا اور 7 رجب 923ھ کو قاہرہ میں ایک ماہ قیام کے بعد واپس آ گیا۔

خلافت پر فائز ہونا:

24 رجب 924ھ کو آستانہ پہنچا متوکل علی اللہ ثالث آخری عباسی خلیفہ مصر قاہرہ سے سلطان کو ساتھ لیتا گیا تھا۔ خلیفہ نے جامع ایاصوفیہ میں علماء' امراء اور عمائدین ملک کے سامنے سیف' عثمانی علم اور ردائے نبوی سلطان سلیم کے سپرد کی اور سلطان سلیم کو منصب خلافت پر سرفراز کیا۔ اس طرح خلافت اسلامی آل عثمان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ (دائرۃ المعارف' ج 11' ص 220)

وفات:

سلیم کا ارادہ روڈس اور ایران کو فتح کرنے کا تھا اور وہ اس مقصد کے لئے بحری فوج کی تنظیم کر رہا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 8 شوال 926ھ/ 1512ء کو چون سال کی عمر میں وفات پا گیا۔



سلطان سلیمان اعظم قانونی

سلیمان بن سلطان سلیم عثمانی جس کی پیدائش 900ھ میں ہوئی' سلیم کی وفات کے بعد 17 شوال 926ھ کو صاروخان سے قسطنطنیہ پہنچا اور تخت نشین ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا' ج 27' ص 234)

سلطان سلیمان نے بلقان کے علاقہ بلغراد کو قبضہ میں لیا کیونکہ ہنگری کے بادشاہ نے خراج وصول کرنے کے لئے جانے والے سفیر کو قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح آئے دن مسلمانوں کو تنگ کرنے والے جزیرہ روڈس کے اہالیان کو وارننگ دے دی گئی چنانچہ وہ 12 روز کی دی گئی مہلت سے فائدہ اٹھا کر جزیرہ مالٹہ چلے گئے۔

934ھ میں بغداد کو فتح کیا۔ 942ھ میں دہلی کے شاہ گجراتی کے سفیروں نے حاضر ہو کر سواحل ہند پر مسلمانوں کے خلاف غارت گری کرنے والے پرتگالیوں کے خلاف فوجی امداد کی درخواست کی۔

سلطان کے حکم سے والئ مصر سلیمان پاشا بیس ہزار فوجیوں اور بڑی بڑی توپوں سے بھرپور پچھتر جنگی کشتیوں کو لے کر روانہ ہوا۔ اس نے پہلے بحر احمر سے نکل کر عدن پر قبضہ کیا۔ پھر سواحل گجرات پر آ کر پرتگالیوں کے قلعے منہدم کیے آخر میں ان کے سب سے بڑے مرکز دیول کا محاصرہ کیا لیکن اسے فتح کیے بغیر اموال غنیمت لے کر عدن واپس چلا گیا اور واپسی پر مملکت یمن کو فتح کر کے عثمانی ولایت میں شامل کیا۔

سلطانی بیڑہ:

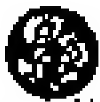
ان پے در پے فتوحات سے اسپینی بیڑہ جس کی بڑی دھاک تھی' اب اس کا اقتدار بالکل جاتا رہا۔ اب بحری سیادت یورپ میں ترکی بیڑے نے لے لی جس کی شہرت اطراف عالم میں پھیل گئی اور اس وقت دنیا میں اس بیڑے کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔

تجارتی عہدنامہ:

944ھ میں فرانس کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس میں فرانس کے حلیف ہونے کی وجہ سے فرنچ تاجروں کے لئے عثمانی خلافت میں خصوصی مراعات کی منظوری دی گئی۔

وفات:

سلطان 974ھ کو فوت ہو گیا۔



سلطان سلیم ثانی

سلیم ثانی بن سلیمان بن سلیم اوّل 930ھ میں پیدا ہوا۔

سلیم' سلطان سلیمان کی وفات کے پچاس روز بعد قسطنطنیہ میں آیا' امرائے سلطنت نے اس کے آنے تک سلیمان کی وفات کو چھپائے رکھا۔

سلیم کی جنگی صورتحال:

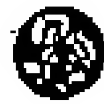
سلیم نے سب سے پہلے آسٹریا کے ساتھ معاہدہ کیا اور جزیرۂ قبرص کو فتح کیا۔ ادھر جمہوریہ وینس نے اسپین اور پاپائے روم کے ساتھ مدافعت کا معاہدہ کیا اور امیر دون جون کی قیادت میں (جس نے اندلس کے علاقے سے مسلمانوں کو طرح طرح کی سختیوں اور ظلم وستم کر کے نکالا تھا) ان کا سب سے بڑا بیڑہ مقابلے میں آیا جس میں پچھتر کشتیاں اسپین کی تھیں' ایک سو پینتالیس وینس کی بارہ یورپ کی اور نو مالٹہ کے راہبوں کی۔ تین گھنٹے کی لڑائی میں 255 ترکی کشتیوں میں سے 135 غرق ہو گئیں اور اس معرکہ میں بیس ہزار ترک شہید اور تین ہزار گرفتار ہوئے۔

ترکوں کی شکست پر یورپ میں جشن:

ترکوں کی اس شکست پر پورے یورپ میں فتح کے جشن منائے گئے لیکن صدر اعظم محمد پاشا نے اہل یورپ کے جشنوں میں مصروف ہونے سے فائدہ اُٹھا کر چھ مہینے کے اندر اندر نہایت کوشش اور ہمت کے ساتھ اڑھائی سو جدید جہاز تیار کرا لئے اور پھر وہی اقتدار حاصل کر لیا چنانچہ سردی گزرنے کے بعد یورپ نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ حیران رہ گئے اور انہیں مجبوراً وینس کو ترکوں کے ہاتھوں میں واپس کرنا پڑا علاوہ ازیں انہیں ترکوں کو تاوان بھی دینا پڑا۔

انتقال:

چند سال حکومت کرنے کے بعد 27 رمضان المبارک 982ھ میں سلیم نے انتقال کیا۔



خلافت عثمانیہ مختلف مؤرخین کے زاویہ نگاہ سے

مصری مؤرخ ابن ایاس نے جو عثمانی فتوحات کے عہد میں موجود تھا اور جس نے ان فتوحات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے' سلطان سلیم اور خلیفہ متوکل کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''خلیفہ متوکل نے سلطان سلیم کو آنحضرت ﷺ کے تبرکات سونپ دیئے تھے۔ ان تبرکات میں ایک ردائے اقدس جسے بغداد کے خلفاء عباسیہ خاص مواقع پر زیب تن کرتے تھے' ریش مبارک کے چند بال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک تلوار تھی۔'' (تاریخ مصر ج 3' ص 176)

سلطان سلیم اور اس کے اسلاف ایک مدت سے خلفاء کے سیاسی اور مذہبی اثر و اقتدار سے بہرہ مند تھے اور اپنے ساتھ خلافت کے لقب کا انتساب بھی فتح مصر سے قبل کرتے تھے مگر فتح مصر کے بعد جب قاہرہ کے خلیفہ عباسی کی حیثیت پر نظر پڑی جسے اپنے آباؤ اجداد کے اثر و نفوذ سے ایک شملہ نہ ملا تھا اور وہ صرف مملوک سلاطین کی خواہشات و جذبات کا آلہ کار تھا' اس وقت یہ منصب اس کی نظروں سے گر گیا۔

یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کہ متوکل نے باقاعدہ خلافت کا چارج سلطان سلیم کو دے دیا تھا۔ سب سے پہلے یہ دعویٰ موراجی دوسون نے 1787ء میں کیا تھا مگر اس دعویٰ کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور نہ ہی بعد کے مؤرخوں نے کوئی سند پیش کی۔

سلطان سلیم اگر اصطلاحی معنوں میں خلیفہ ہوتا تو اس کا ذکر ان خطوط میں ضرور ہوتا جو اس کے بیٹے سلطان سلیمان نے اسے بھیجے تھے۔ ان میں نہ خلافت کا لفظ' نہ ہی خلافت کے قریب المعنی کوئی لفظ نظر آتا ہے۔ ان خطوط میں وہ سلیم کے لئے سلطان' خاقان اور خادم الحرمین وغیرہ القاب ذکر کرتا ہے۔ قاہرہ کے ایک مدرسہ میں' جسے سلطان سلیم کے عہد میں' سلیمان پاشا صدر اعظم نے 1543ء میں تعمیر کرایا تھا' ایک کتبہ لگا ہے اس میں سلطان سلیم اوّل کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''الخاقان الاعظم ملک ملوک العرب والعجم''

اس سے انکار نہیں کہ بعض وابستگان سلطان اپنے مدحیہ قصائد میں اسے خلیفہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ ابن زنبل نے سلیم کو ''خلیفة اللہ فی الارض'' کہا۔ مفتی مکہ نے خاقان اور خیر الخلفاء کے الفاظ سے یاد کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فتح مصر سے قبل عثمانی حکمران کو ایک طاقتور اور خود مختار فرمانروا ہونے کی بناء پر خلیفہ کہہ دیا جاتا تھا لیکن وہ اس اصطلاحی مفہوم میں خلفاء نہ تھے جس میں ان الفاظ کا اطلاق خلفاء راشدین اور بنوامیہ کے عہد میں کیا جاتا تھا۔

سلطان سلیم کے جانشینوں میں بھی کسی نے خلیفہ' امام یا امیر المومنین کا لقب اختیار نہیں کیا۔

سلاطین عثمانیہ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے خلیفہ کا لفظ سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ ان کی غرض یہ تھی کہ انہیں عالم اسلام پر مذہبی اثر و نفوذ حاصل ہو جائے جس کا بڑا حصہ عیسائی ریاستوں کے ماتحت تھا چنانچہ معاہدہ کچوق کینارجی میں جو سلطان عبدالحمید اوّل اور ملکہ روس

کیتھرائن دوم کے درمیان 1774ء میں ہوا تو سلطان کا ذکر امام اور خلیفہ کے الفاظ میں کیا گیا اور ملکہ روس نے جزیرہ نمائے قرم کے مسلمانوں پر سلطان ترکی کی فرمانروائی تسلیم کر لی۔

(The Caliphat, P. 165)

انیسویں صدی عیسوی سے عثمانی فرمانرواؤں نے قدیم اصطلاحی مفہوم میں یعنی جمہور مسلمین پر غلبہ و اقتدار کے معنی میں خلافت کا لفظ اپنے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ یہ سلطان عبدالحمید ثانی کا زمانہ تھا چنانچہ یہ لقب مدحت پاشا وزیراعظم کے دستور حکومت میں جو دسمبر 1876ء میں نافذ ہوا تھا۔ سرکاری طور پر داخل کیا گیا۔ اس دستور کی تیسری دفعہ میں یہ صراحت کی گئی کہ سلطنت عثمانیہ عظمیٰ اب اسلامی خلافت عظمیٰ کی بھی حامل ہے۔ عنقریب شاہی خاندان کے ایک بڑے فرد کے ہاتھ میں آنے والی ہے۔

چوتھی دفعہ میں اس کی وضاحت تھی کہ صاحب عظمت و جلال، سلطان عبدالحمید خاں، خلیفۃ المسلمین، حامی دین قرار پائے ہیں۔ (The Caliphate, P. 173)

لیکن قدیم مؤرخین کے مطابق خلیفہ متوکل خلافت سے دستبردار ہو گیا تھا اور خلافت عباسیہ عثمانی خاندان میں منتقل ہو گئی۔



قسطنطنیہ سے خلافت عثمانیہ کا زوال

خلافت عثمانیہ 1924ء تک کسی نہ کسی حالت میں زندہ رہی۔ سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی ک
زمانہ سلطنت عثمانیہ کے ضعف و انحطاط کا دور تھا۔ مسیحی حکومتوں نے عثمانی مملکت کی بنیادیں ہلا دی تھیں
حکومت عثمانیہ کے ماتحت عیسائی ملکوں میں مسلسل بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ اس پُرآشوب زمانہ میں روک
نے 1877ء میں دولت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اس وقت رومانیہ، سرویا اور مونٹی نیگرو عثمانیو
کے ہاتھوں سے نکل گئے اور وہاں خودمختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اس وقت سلطنت بلغاریہ بھی برائے نا
دولت عثمانیہ کے ماتحت رہ گئی۔ درحقیقت اب اس کی حیثیت ایک آزاد مملکت کی تھی۔

موت و حیات کی اس کشمکش میں عثمانی فرمانروا نے عالم اسلام کی طرف اس اُمید میں نظر اُٹھ
کہ ممکن ہے مسلمانوں کی ہمدردیاں عثمانی مملکت کی ہلتی ہوئی بنیادیں تھام لیں ورنہ ان مسلمانوں
طرف سے تو کم از کم اطمینان ہو جائے جو ترکوں کے خلاف ریشہ دوانی کرنے والی مسیحی حکومتوں
ماتحت رہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے سلطان عبدالحمید خاں نے مسلمانوں کے درمیان ایک مستحکم ا
قائم کرنے کے لئے خلافت کا احیاء کیا اور اخبارات کے اجراء سے اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی کو
کی لیکن وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ وجہ یہ تھی کہ ایڈیٹر پراپیگنڈہ کے فن
ناتجربہ کار تھے اور بلاد اسلامیہ کی نفسیات، ذہنیت اور زبان سے ناواقف تھے اور ایک وجہ یہ تھی ک
سنت اس پر بضد تھے کہ خلافت صرف قریش میں ہو سکتی ہے۔ بعض مسلم سلطنتیں مغربی حکومتوں
ماتحت تھیں جنہوں نے مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی وحدت کو قریب قریب ناممکن بنا دیا تھا۔

1908ء میں "احرار ترکوں" نے سلطان عبدالحمید کے خلاف بغاوت کر دی اور انہیں مع
کر کے ان کا دستور حکومت ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور خود قوم کے ناخدا بن کر اصلاحات کے
اُٹھے۔ انہیں اس بات پر ناز تھا کہ ہم نے استبدادی حکومت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔

سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی کے بعد دولت عثمانیہ کی حالت اور بھی بدتر ہو گئی۔ اتحا
نے بحر مرمرہ اور استنبول کے ساحلوں پر قبضہ کر لیا لیکن 1922ء میں یہ "مریضِ سخت جان" پھر سنبھ
اور ترکوں نے اتحادیوں کو شکست دی اور 11 اکتوبر 1922ء میں معاہدہ مُودانیہ ہوا جس کی ر
اتحادیوں کو وہ مقامات خالی کرنا پڑے۔ 29 اکتوبر 1923ء میں "مجلس وطنی الکبیر" نے سلطنت عثما
کر دیا اور "جمہوریہ ترکیہ" کا اعلان کیا اور اس کے صدر مصطفیٰ کمال پاشا منتخب ہوئے۔ اس وقت
عثمانیوں کی تاریخ کا ایک جدید باب شروع ہوا ہے۔ اس کے بعد ترکوں نے اس خیال سے کہ خلا
بقاء رجعت پسندانہ حرکات کی موجب ہے، دوسرے یہ کہ اسلام میں مذہب اور سیاست ایک ج
خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ 3 مارچ 1924ء کا واقعہ ہے۔



عثمانی سلاطین کا نظم حکومت

ترک عثمان خاں کی اولاد سے ہونے کی بناء پر عثمانی کہلاتے ہیں۔ ترک بادشاہوں میں حکومتی نظم ونسق کی اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتیں موجود تھیں۔ انہوں نے اپنے دور اقتدار میں رعایا کی فلاح و بہبود کی ہر ممکن کوشش کی اور سلطنت کے داخلی نظام کی اصلاح کی اور ہر طرف امن و امان کی فضاء پیدا کرنے میں اپنی مکمل توجہ مبذول کی۔ ان کی وسیع سلطنت میں مختلف قومیں آباد تھیں جو اپنے اپنے مذہب اور دیگر معاشرتی رسم و راہ میں ایک دوسری سے مختلف تھیں لیکن ترک بادشاہوں نے انہیں ایسا ضابطہ اور آئین دیا کہ مسلم اور غیر مسلم کے باہمی تعلقات بہت اچھے تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ترک بادشاہ اپنی رعایا میں حد درجہ مقبول تھے۔ اب ہم ذیل میں ترکوں کے حکومتی نظم ونسق پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں۔

1- مرکزی نظام حکومت:

سلاطین عثمانیہ نے سلجوقیوں کے نظام کو اپنایا۔ فرمانروا کا انتخاب شروع میں اہل خاندان کرتے تھے بعد میں بادشاہ اپنا ولی عہد خود مقرر کرتا تھا۔ بعد میں اس کی اولاد میں سے ہر صاحب تغلب و تسلط فرمانروا بن جاتا تھا۔ بادشاہ کی حیثیت مطلق العنان فرمانروا کی ہوتی تھی۔ شرعی قانون کی بالادستی قائم تھی اس لئے بادشاہ کو پابند شریعت نمونہ ہونا پڑتا تھا۔ ابتداء میں عثمانی بادشاہوں کو امیر، بیگ یا سلطان کہتے تھے۔ آخرکار عثمانی بادشاہ یا امیر المومنین کہلانے لگے۔ مرکزی نظام میں چار اعلیٰ عہدے تھے:

1- صدر اعظم
2- قاضی عسکر
3- دفتر دار مالیات
4- نشانچی سلطنت

ان مناصب کو چار بنیادی ستون سمجھا جاتا تھا۔

1- دیوان کی صدارت سلطان خود کرتا تھا۔
2- فوج کی کمان فرمانروا خود کرتا تھا۔

سلطان کے بعد دوسری حیثیت صدر اعظم کی تھی۔ مقتدر اور طاقتور بادشاہوں کے زمانے میں صدر اعظم سلطان کے مشیر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔

احمد ثالث کے زمانے سے صدر اعظم، سلطان کی مرضی سے مقرر ہونے لگا لیکن جو شخص مقرر ہو جاتا وہ شہری اور فوجی امور میں بادشاہ کا مختار کل ہوتا تھا۔ اہل سیف اور اہل قلم کے عہدوں کے لئے نامزدگی ہوتی تھی۔ بصورت جنگ صدر اعظم سپہ سالار بن جاتا تھا۔ یہ دیوان کی صدارت کرتا تھا اور ماہانہ دربار لگاتا تھا۔

2- صوبائی نظام حکومت:

عثمانی سلاطین نے اپنی محروسہ حدود کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ہر ایک صوبے کو ایالت کہا جاتا تھا۔ ایالت کا حاکم بیگلر یا بیگی کہلاتا تھا۔ اسے اپنے صوبے کا نظام چلانے کے لئے مکمل اختیار تھا۔ اس میں بھی مرکز کی طرز پر حکومت ہوتی تھی۔

3- حکومت کا مالیاتی نظام:

زمین کو تین شقوں میں تقسیم کیا جاتا تھا:

1- وہ زمین جو تلوار کے زور سے فتح کی گئی تھی ان کے لئے 1/10 مقرر کیا گیا۔

2- وہ زمین جو رعایا اور مفتوحین کے قبضہ میں ہوتی تھی اس کے لئے بھی 1/10 مقرر کیا گیا۔

3- وہ زمین جو بادشاہ نے جنگی خدمات کے بدلے میں عطا کی تھی اس کے محصولات کی دو مدیں تھیں:

i- شرعی مد...... جس پر عمل درآمد اسلامی شریعت اور کتاب وسنت کے مطابق ہوتا تھا۔

ii- محصول قانونی...... اس کا نفاذ صاحب قانون کے استصواب پر ہوتا تھا۔ جملہ محاصل کا نام خراج تھا ان کی دو قسمیں تھیں:

(الف) محصول اشخاصی

(ب) محصول اشیاء

دیگر ذرائع کے علاوہ آمدنی کا ایک ذریعہ مال غنیمت تھا۔ محصولات کی دو قسمیں تھیں:

1- شرعیہ 2- عرضیہ

★ حقوق شرعیہ میں عشر (1/10) خراج

★ جزیہ، خمس شرعی (پانچواں حصہ) اور مال غنیمت

★ عرضیہ وہ محصول تھے جن کا تعین سلطان کرتا تھا۔ حقیقت میں یہ محصولات عثمانی ترکوں سے پہلے کے تھے۔ بعض محاصل ایسے تھے جو خاص خاص حالتوں میں عائد ہوتے تھے۔ یہ محصولات طہارات کہلاتے تھے۔

★ وہ جرمانے جو جرائم کی وجہ سے لگائے جاتے تھے ان کی بھی دو صورتیں تھیں:

1- عروسانہ...... یہ محصول دولہوں پر عائد ہوتا ہے۔

2- یوہ یا تاچقصان...... بھاگے ہوئے ملازم یا مویشی کے ہاتھ آنے پر لئے جاتے تھے۔

آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ٹکسال کی اجارہ داری تھی۔

4- عسکری نظام:

جب اناطولیہ میں عثمانی ریاست قائم ہوئی تو اس وقت کوئی باقاعدہ فوج موجود نہ تھی۔ قبائلی نظام رائج تھا اور خاں نے پہلی مرتبہ اپنے دور میں باقاعدہ فوج مقرر کی اور فوجی نظم وضبط قائم ہوا جسے ہر

روز ایک آنچہ دیا جاتا تھا۔ اس فوج کے تین درجے تھے:

(1) دس دس (2) سو سو (3) ہزار ہزار آدمیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

سپاہیوں کی سرکشی کے خطرہ کے پیش نظر ایک نئی فوج بنائی گئی جسے ینگ چری (ینی چری) کہتے ہیں۔ ینگ چری کے ہر سپاہی کو روزانہ کی بنیاد پر بہترین خوراک دی جاتی تھی اور ان کا ہر طرح خیال رکھا جاتا تھا۔

اس فوج نے ملکی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سلطان سلیم ثالث نے یورپ کے جدید فوجی نظام کو سامنے رکھتے ہوئے بحریہ یونیورسٹی قائم کی۔ سلطان محمد ثانی اور سلطان عبدالمجید نے فوج کے نئے نظام کی طرف خاص توجہ دی۔ فوج کی ملازمت کی مدت بیس برس تھی۔ فوج کی بھرتی کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ شروع میں غیر مسلموں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا' بعد میں طے ہوا کہ غیر مسلم یا تو فوج میں بھرتی ہوں یا اس کا معاوضہ دیں۔

سپہ سالار اعظم کو سر عسکر کہا جاتا تھا جسے پہلے سلطان نامزد کرتا تھا۔ بعد میں یہ کام وزیر حرب کے سپرد ہوا۔ فوج کی تقسیم رجمنٹوں میں کی گئی۔ ہر رجمنٹ ایک مارشل یا ڈویژنل جنرل کے ماتحت ہوتی تھی۔

5- عدالتی نظام:

ترک بادشاہوں نے اپنے دور اقتدار میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا۔ قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ غیر مسلموں کے فیصلے ان کے مذہبی رہنما کرتے تھے۔ جملہ قوانین کا تعلق شیخ الاسلام سے تھا۔ اسے قاضی القضاۃ کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام کے اختیارات بہت وسیع ہوتے تھے۔ سلطان کے فیصلہ کے بارے میں شیخ الاسلام کا فتویٰ لینا ضروری تھا۔ شیخ الاسلام کے بعد قاضی عسکر کا درجہ ہوتا تھا اس کے تین قائمقام ہوتے تھے۔ درجہ اوّل کے مجسٹریٹ کو مولا کہتے تھے۔ دوسرے درجے کے مجسٹریٹ کو مناسب بدوریہ اور تیسرے درجے کے مجسٹریٹ کو مفتش اور چوتھے درجے کے مجسٹریٹ کو قاضی اور پانچویں درجے کے مجسٹریٹ کو نائبین کہتے تھے۔

عثمانی بادشاہ غیر مسلم افراد کا خاص خیال رکھتے انہیں اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسوم کے ادا کرنے کی آزادی تھی۔ ان کے مقدمات انہی کی عدالتوں میں جاتے تھے۔ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ مفتی نے فتویٰ دیا کہ اگر ایک ہزار مسلمان کسی عیسائی کو قتل کر دیں تو قصاص میں ان سب کو قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ وہ غیر مسلم' حکومت کا وفادار ہو۔

6- بحری نظام:

شروع میں بحریہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ سب سے پہلے محمد فاتح نے بحریہ کی طرف خاص توجہ دی اور یہی وہ بادشاہ ہے جس نے عثمانی بیڑے کو شاخ زریں تک خشکی کے راستے منتقل کیا۔ ترکی

بیڑے نے ٹورنٹو کی جنگ میں خاصا کردار ادا کیا۔ سلطان اعظم کے عہد میں ترکی کی بحری طاقت نے بحیرۂ روم میں اپنا سکہ بٹھا دیا لیکن آہستہ آہستہ ترکی کی بحری طاقت روبہ زوال ہوگئی۔

7- دینی نظام:

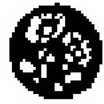
ترکوں نے مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلامی شعائر کو پیش نظر رکھا۔ عثمانی ترکوں کی یہ عادت تھی کہ مدارس، مکاتب اور مساجد کی تعمیر و ترقی میں پوری کوشش صرف کی جائے۔ محمد فاتح نے آئین سازی کے ضمن میں ایک مجلس قائم کی تھی جس کا نام سلسلۃ العلماء رکھا۔ سلسلۃ العلماء میں معلمین و متعلمین شامل ہوتے تھے جو اعلیٰ درجہ کے مدارس کے تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ طلباء درجہ بدرجہ کامیابی حاصل کرتے تھے۔ مختلف درجات یہ تھے:

پہلا درجہ طالب علم، دوسرا درجہ دانشمند، تیسرا درجہ ملازم۔

ملازم کی سند حاصل کرنے والے کو کسی کالج کا پروفیسر یا مجسٹریٹ کے درجہ پر فائز کیا جاتا تھا۔ مدرسین کی جماعت کے دس درجے ہوتے تھے جس پر یکے بعد دیگرے قدیم ہونے کے لحاظ سے فائز ہوتے تھے۔ ترقی درجہ بدرجہ ہوتی تھی۔ سب سے بڑا اور جلیل منصب شیخ الاسلام کا تھا۔ اس کا درجہ وزیراعظم کے برابر ہوتا تھا۔ عثمانی سلاطین کا عدالتی نظام، دینی نظام کی بنیاد پر قائم تھا۔ ترک بادشاہ شیخ الاسلام کا بہت احترام کرتے تھے۔

رواداری کے اعتبار سے سلیمان اعظم نے مکہ معظمہ میں چاروں مذاہب کے مدرسے قائم کیے۔ مدارس کے اخراجات کے لئے جاگیریں مختص تھیں۔

عثمانی بادشاہوں نے دین اسلام کی قابل قدر خدمات کی ہیں۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خاطر اپنا کل مال وقف کر دیتے تھے۔ اس اعتبار سے وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے لئے سب سے بڑا اور عظمت والا لقب خادم الحرمین الشریفین تھا اور اس منصب پر متعین ہونا ان کے ہاں بڑا فخر تھا۔



سلاطین عثمانیہ کی علمی و ثقافتی سرگرمیاں

سلاطین عثمانیہ کی علمی اور ادبی سرگرمیاں بلاشرکت غیرے اپنی مثال آپ تھیں۔ ترکی بادشاہ علماء اور فضلاء کے بڑے قدردان تھے اور ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ سلاطین عثمانیہ نے بہت بڑے کام کئے جن کی بناء پر لوگوں کے دلوں میں علماء کا وقار بحال رہتا تھا اور انہیں باعزت روزگار مہیا کیا جاتا تھا۔ عثمانی دور میں استنبول کا وہی مقام تھا جو سلطنت عباسیہ کے زمانے میں بغداد کا اور مصر میں قاہرہ اور سپین میں غرناطہ اور قرطبہ کا تھا۔

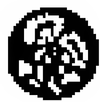
عثمانی ترکوں کی ابتدائی معاشرت بالکل سادہ تھی۔ آزادی مساوات اور سادگی ان کی اہم خصوصیات تھیں۔ انہیں ریاکارانہ نمود و نمائش سے فطری طور پر نفرت تھی۔ حمام اور قہوہ خانے ترکی معاشرے میں بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ ایک انگریز کا قول ہے:

"چائے چین میں پیدا ہوتی ہے لیکن ترکی کا قومی مشروب ہے۔"

لباس کی طرف بھی ترکی بادشاہوں نے خاص توجہ دی تھی۔ عمامے کے بجائے ترکی ٹوپی کا رواج عام تھا بلکہ ٹوپی کا پہننا لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔

سلاطین ترکی نے تعمیرات اور فن تعمیر پر پوری توجہ مبذول کی۔ انہوں نے مساجد' مدارس اور شاہی محلات تعمیر کرائے۔

ادب کے اعتبار سے ترکی اور فارسی ادب میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے جس طرح فارسی میں غزل مرغوب طبع ہے۔ اسی طرح ترکی میں بھی غزل کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ ترکی بادشاہوں کے زمانے کے پرانے شاعروں میں امیر غازی فاضل کا نام ملتا ہے۔ ترکی ادب میں قرہ مان کا منظوم قصہء شیریں' سیرت طیبہ کے ضمن میں حیات طیبہ کی منظوم تاریخ' شیخ احمد کی داستان چہل وزیر اور تاتاری شاعر امیر شیر علی نوائی کی غزلیات کو بہت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ انہیں ترکی ادب کی پہلی اینٹ شمار کیا جاتا ہے۔



ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

حدود اربعہ:

ہندوستان کی شکل درحقیقت ایک جزیرہ نما کی ہے جس کو تین طرف سے سمندر گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے شمال میں کوہ ہمالیہ اور قراقرم' شمال مغرب میں سندھ کے مغربی سمت کی پہاڑیاں' کوہ سلیمان وغیرہ' شمال مشرق میں آسام اور کچھار کی پہاڑیاں' مغرب میں بحر عرب' جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج بنگالہ (بحر ہند) واقع ہے۔

جنوبی ہندوستان کا محل وقوع:

ہندوستان کے جنوب کا علاقہ کچھ ایسا واقع ہے کہ اسے بحیرۂ عرب گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے سامنے عمان ہے' اس کے دائیں خلیج فارس اور اس کے بائیں خلیج عدن ہے۔ عدن یمن کی پرانی بندرگاہ ہے۔ حضرموت گجرات کے سامنے واقع ہے اور بحرین' خلیج فارس کا بحری مرکز ہے۔ 1

چنانچہ ان طبعی سہولتوں کے باعث ہندوستان اور عرب میں تعلقات کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ محل وقوع کی بناء پر ہندوستان ہمیشہ سے قوموں کی نگاہوں میں تجارت کا مرکز رہا ہے۔ عرب لوگ جہازرانی کے ذریعے تجارت کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ عہد اسلام میں یہ تعلقات اور زیادہ وسیع ہو گئے۔ مسلمان عربوں نے بہت سی کتابوں کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کرایا۔ بغداد میں اس کے لئے خصوصی محکمہ قائم تھا۔ بڑے بڑے پنڈتوں اور ویدوں کو ہندوستان سے بغداد بلایا گیا۔

مسلمان ہندوستان میں:

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی رائے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے جانشین ہوئے۔ اس وقت سے مسلمانوں نے عراق اور شام کے علاقوں کو فتح کرنا شروع کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مصر' شام اور ایران کا بہت بڑا حصہ فتح ہوا۔

15ھ/ 636ء میں حکم ثقفی نے عمان اور بحرین کے گورنر عثمان کے اشارے سے تھانہ (علاقہ ممبئی) پر حملہ کیا کچھ نوں بعد بھروج پر فوج کشی کی۔ اسی زمانہ میں مغیرہ نے دیبل (دیول سندھ کی بندرگاہ) پر حملہ کیا۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حکیم بن جبلہ سرکاری طور پر ہندوستان کے متعلق تحقیقات کر کے واپس گئے۔

39ھ/ 659ء میں چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کے حکم سے حارث عبدی آئے اور سرحد کا انتظام چلاتے رہے۔

44ھ/ 664ء میں امیر معاویہ نے مہلب کو بھیجا جنہوں نے بڑی خوبی سے سرحد کا انتظام چلایا۔ سرحدی انتظامات کے لئے باقاعدہ ایک مستقل عہدہ ہو گیا۔ سندھ اور سرحد کے مفتوحہ علاقے اس

کی نگرانی میں رہتے۔ مہلب کے بعد دیگر لوگ اس عہدہ پر مامور ہوتے رہے۔

86ھ/ 706ء میں جب ولید بن عبدالملک دمشق میں بادشاہ ہوا تو حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر تھا جس کے ماتحت بلوچستان، مکران اور سندھ کے سرحدی علاقے بھی تھے۔ اس وقت اسلام کی حکومت ایشیا، یورپ اور افریقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے ہر ملک کے بادشاہ اپنے ہدایا کے ساتھ اپنے سفیر بھیجتے رہتے۔ لنکا کا راجہ بھی انہی میں سے تھا جو دربار خلافت سے سیاسی یا اخلاقی روابط بڑھانا چاہتا تھا۔

چنانچہ اتفاقی طور پر اسے اس کا موقع مل گیا یعنی لنکا میں جو عرب تاجر رہتے تھے، ان کے مر جانے پر راجہ نے ان کی عورتوں کو اپنے تحفوں کے ساتھ حجاج بن یوسف کے واسطہ سے خلیفہ کے پاس روانہ کیا۔ ان جہازوں کو سندھیوں نے دیبل (ٹھٹھہ) کے پاس لوٹ لیا۔ جب اس کی خبر حجاج کو ملی تو اس نے سندھ کے راجہ داہر کی توجہ اس طرف مبذول کروائی اور عرب خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ یہ کام بحری ڈاکوؤں کا ہے اور وہ میری دسترس سے باہر ہیں۔

حجاج نے سرحد کے افسر عبداللہ کو لکھا کہ دیبل کا بحری راستہ چونکہ مسلمانوں کے لئے خطرناک ہے اس لئے کچھ فوج لے کر امن قائم کردو۔ عبداللہ جنگ میں مارے گئے، ان کی جگہ بدیل بجلی کو مقرر کیا مگر وہ بھی گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے گر کر مر گئے۔ تب حجاج نے محمد بن قاسم ثقفی کو پوری تیاری کے ساتھ شیراز کے راستہ سے روانہ کیا۔

محمد بن قاسم 93ھ/ 713ء جمعہ کے دن دیبل پہنچا۔ سمندر کے راستہ سے بھی لڑائی کا سامان آ گیا اس میں ''العروس'' نامی منجنیق بھی تھی۔ وہ پانچ سو آدمیوں کی طاقت سے چلائی جاتی تھی۔ سب سے پہلے محمد بن قاسم نے اسی منجنیق (توپ) کے ذریعے دیبل کا قلعہ فتح کیا۔ پھر آگے بڑھ کر نیرون کو فتح کیا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ آہستہ سندھ پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ تین برس کے اندر کشمیر کی سرحد سے لے کر ''کچھ'' تک اور سمندر (بحیرۂ عرب) سے سرحدِ مالوہ، راجپوتانہ، مارواڑ اور دریائے راوی کے کنارے تک فتح کرتے ہوئے قنوج کی ایک چھوٹی سی ریاست کی طرف بڑھا۔ اس وقت اس کے پاس پچاس ہزار فوج تھی جس میں زیادہ تعداد ہندوستانیوں کی تھی۔

96ھ/ 716ء میں خلیفہ ولید نے وفات پائی تو اس کے جانشین سلیمان نے محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلا لیا۔ پھر سندھ کے دیگر والی مقرر ہوتے رہے۔ ان میں جنید قابل ذکر ہے جس نے بہت سے مقبوضات کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ جنید کے بعد تمیم، پھر حکم بن عوانہ، پھر محمد بن قاسم کا لڑکا عمر بن محمد بن قاسم سندھ آیا۔ حکم نے یہاں ایک شہر ''محفوظہ'' بسایا۔ کچھ دنوں بعد عمر بن محمد بن قاسم نے دوسرا شہر ''منصورہ'' آباد کیا جو صدیوں سندھ کا پایۂ تخت رہا۔ پھر عرار والی بنا۔

132ھ/ 752ء میں بنوامیہ کی جگہ بنوعباس کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس عہد میں سب سے پہلے مغلس پھر موسیٰ بن کعب تمیمی آیا۔ پھر عیینہ اور پھر عمر بن حفص یہاں کا والی ہوا چنانچہ یہ سادات کا بڑا حامی تھا اس لئے سندھ میں بھی ان کا اثر قائم ہوگیا۔ اسی وقت سے سندھ میں شیعیت کی بنیاد پڑی۔

140ھ/ 760ء میں منصور عباسی کے حکم سے ہشام والی بن کر آیا جس نے عمر بن جمل کو جہازوں کے بیڑے کا افسر بنا کر گجرات کی بندرگاہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا' وہ لوٹ مار کر کے واپس آیا۔ ہشام کو اطمینان نہ ہوا وہ خود ایک بیڑہ لے کر گندھار بندگارہ پر حملہ آور ہوا اور اپنی فتح کی یادگار میں یہاں ایک مسجد بنوائی۔ یہ گجرات میں مسلمانوں کی پہلی مسجد ہے۔ اس نے واپسی پر کشمیر کا سرحدی علاقہ بھی فتح کر لیا۔ خلیفہ نے اس کی اعلیٰ لیاقت کو دیکھ کر کرمان کا صوبہ بھی اس کے سپرد کر دیا۔

775ء میں خلیفہ مہدی کے حکم سے عبدالملک نے گجرات پر حملہ کیا لیکن اتفاق سے یہاں وباء پھیل گئی جس سے ایک ہزار مسلمان فوت ہو گئے۔ کئی حکام کے بعد مصیح بن عمر تغلبی سندھ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس کے عہد سے یمنی اور حجازی کا جھگڑا شروع ہوا جس نے سندھ کی اسلامی حکومت کو بہت نقصان پہنچایا۔

781ء میں جب عرب سے تازہ دم فوج سندھ آئی تو یہ فساد ختم ہوا۔

786ء میں ہارون الرشید کے دور میں طیفور حمیری کے عہد میں حجازی و یمنی کا جھگڑا بہت زیادہ بڑھ گیا پھر کئی حاکم متواتر بھیجے گئے مگر کسی سے سندھ کا معقول بندوبست نہ ہو سکا لیکن پھر 800ء میں داؤد مہلبی نے آ کر اس کا نظام درست کیا۔ 820ء میں بیس برس حکومت کر کے بڑی نیک نامی کے ساتھ داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی دنیا سے رخصت ہوا۔ خلیفہ مامون نے اس کے لڑکے بشر کو باپ کی جگہ مقرر کیا۔ وہ آٹھ سال تک رہا مگر اس نے باغیانہ روش اختیار کی۔ آخر مامون نے غسان تغلبی کو سندھ روانہ کیا جس نے 828ء تک تمام معاملات درست کر کے موسیٰ برمکی کو خلیفہ کے حکم کے مطابق سندھ سپرد کر دیا اور عراق چلا گیا۔

835ء میں موسیٰ کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ اس کے لڑکے عمران نے سندھ کا نظام بڑے اچھے طریقے سے چلایا۔ باغی جاٹوں کو تابع فرمان کیا اور ان کی سرکشی کو روکنے کے لئے ''بیضاء'' نامی چھاؤنی قائم کی اور کئی علاقے زیر کئے کہ پھر یمنیوں اور حجازیوں کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ حجازیوں کے ایک سردار عمر بن عبدالعزیز ہباری نے اچانک عمران پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر 850ء میں عتبہ بن اسحاق ضبی آیا اس نے ایک بڑا قید خانہ تیار کیا اور دیبل کی فصیل' سڑک اور مکانات کی درستی میں بڑی دلچسپی سے کام کرایا۔ 849ء میں ہارون سندھ کا حاکم ہوا مگر اس نے حجازیوں اور یمنیوں کا توازن قائم نہ رکھا اس کا خطرناک نتیجہ یہ نکلا کہ 854ء میں حجازیوں کے سردار عمر بن عبدالعزیز ہباری نے اسے قتل کر دیا اور شہر پر قبضہ کر کے خلیفہ متوکل سے درخواست کی اگر صوبے کو اس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اس کا بہترین انتظام کرے گا۔ خلیفہ نے اس کی درخواست قبول کر کے اسے سندھ کا والی بنا دیا۔

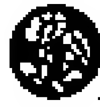


سندھ میں ہباری خاندان کی حکومت

اس خاندان کا بانی عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ہبار بن اسود ہے۔ عرصہ سے یہ خاندان سندھ میں آباد تھا اور سندھی عربوں میں ممتاز تھا۔ منصورہ سے کچھ فاصلہ پر "البانیہ" نامی علاقہ اس کا وطن تھا اور اپنی طاقت اور کوشش کے ذریعے وہ 854ء میں سندھ کا حاکم بن گیا۔ اس نے منصورہ کو ہی اپنا پایۂ تخت بنایا۔

883ء میں اس کا لڑکا عبداللہ بن عمر تخت پر بیٹھا لیکن 892ء میں ایک عام بلوہ کے نتیجے میں بنوکندہ کا غلام صمہ سندھ پر قابض ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد عبداللہ دوبارہ سنبھلا اور غاصب سے سندھ کو چھین لیا۔ بنوسامہ کا خاندان عمان میں آباد تھا اس کی شاخ بنومنبہ ملتان میں بس گئی تھی غالبًا اس قسم کی بدامنی سے فائدہ اُٹھا کر ملتان کے بنوسامہ نے 902ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ اس وقت سے سندھ کے دو حصے ہو گئے۔ شمالی حصہ کا پایۂ تخت ملتان ہوا اور جنوبی حصہ کا منصورہ جبکہ 912ء میں ابواللباب منبہ بن اسد قریشی ملتان کا حاکم تھا۔

915ء میں عبداللہ کے بعد اس کا لڑکا عمر بن عبداللہ ہباری منصورہ میں تخت پر بیٹھا۔ اسی طرح 985ء تک ایک کے بعد دوسرے بادشاہ ہوتے رہے لیکن اس وقت سے اسماعیلیوں کا اثر بھی بڑھنے لگ گیا تھا۔ 1010ء تک یہ خاندان حکومت کرتا رہا۔



سندھ میں اسماعیلی خاندان کی حکومت

883ء میں عبداللہ المہدی کے زمانہ میں ان کا پہلا داعی ہیثم سندھ میں آیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا اس کے بعد یکے بعد دیگرے داعی آتے رہے اور ملک کو انقلاب کے لئے تیار کرتے رہے۔ یہ لوگ اپنا کام بہت ہی مخفی طور پر انجام دیتے تھے۔ ان کو تمام احکام قاہرہ کی فاطمی حکومت سے ملتے یہاں تک کہ اسماعیلی امام عبدالعزیز باللہ فاطمی کے عہد میں جلم بن شیبان کو فوجی مدد کے ساتھ سندھ بھیجا گیا جس نے اچانک سندھ میں بنوسامہ قریشی سے 987ء میں حکومت چھین لی اور اقتدار پر قابض ہو گیا۔

جلم بن شیبان کا قبضہ:

اس نے ملتان پر قبضہ کر کے فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا۔ سندھ میں پہلا اسماعیلی حاکم یہی جلم بن شیبان ہے۔ اس نے ملتان کے اس پرانے مندر کو جسے محمد بن قاسم کے زمانے سے اس وقت تک کسی مسلمان حاکم نے نہیں چھوا تھا' گرا کر جامع مسجد بنا ڈالا اور محمد بن قاسم کے زمانے سے موجود جامع مسجد کو بند کرا دیا۔

اس نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ سلطنت کو بہت مضبوط بنایا۔ آس پاس کے ہمسا ہندو راجاؤں کے ساتھ ربط و تعلق بڑھا کر ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا۔

995ء میں شیخ حمید تخت پر بیٹھا۔ 999ء میں شیخ نصر اس کے بعد اس کا لڑکا ابوالفتوح داؤد تخ پر بیٹھا۔ اسی نے لاہور کے راجہ جے پال کو محمود غزنوی کے مقابلہ میں فوجی امداد دی تھی۔ اس جرم سلطان محمود غزنوی 1010ء میں ملتان فتح کر کے داؤد کو غزنہ لے گیا جہاں وہ کچھ دنوں بعد مر گ اسماعیلی یہاں سے بھاگ کر منصورہ پہنچے اور اچانک منصورہ پر قابض ہو گئے مگر 1025ء میں سلطان غزنوی نے منصورہ پر بھی قبضہ کر لیا اس وقت سے سندھ کا کل علاقہ غزنوی بادشاہوں کے ماتحت ہو گ



غزنوی خاندان کی حکومت

بغداد کے عباسی خلفاء کی کمزوری کی وجہ سے صوبوں نے خودمختار حکومتیں بنالیں۔ ان میں بخارا کا حاکم اسماعیل سامانی بھی تھا' اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا ایک ترک امیر الپتگین ناراض ہو کر غزنہ پہنچا جہاں اس نے ایک خودمختار حکومت بنالی۔ اس کا داماد سبکتگین ایک ترک تھا جو اس کے مرنے کے بعد غزنہ کا حاکم ہوا۔ وہ کابل اور پشاور پر قبضہ کرکے حکومت کرنے لگا۔ لاہور کے راجہ جے پال سے اکثر سرحد کے متعلق جھگڑا رہتا حتیٰ کہ ایک مرتبہ نوبت لڑائی تک پہنچی جس میں جے پال نے شکست کھائی چنانچہ خراج ادا کرنے کے معاہدہ پر صلح ہوئی۔

سلطان محمود غزنوی:

راجہ جے پال کے مرنے کے بعد اس کے جانشین انند پال نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر غزنہ کے تخت پر باپ کی جگہ محمود بیٹھا' جب اسے معلوم ہوا کہ انندپال لڑائی کی تیاریوں میں مصروف ہے تو وہ لاہور کی طرف فوج لے کر بڑھا۔ انند پال نے بھی قنوج' میرٹھ' متھرا' کالنجر' مالوہ' اجمیر' گجرات اور گوالیار کے راجاؤں کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ محمود نے پشاور کے پاس ان سب کی فوجوں کو شکست دی اور مال غنیمت لے کر واپس گیا۔

پھر اسے یہ سوچ آئی کہ ان راجاؤں نے انندپال کے ساتھ شریک ہوکر بلاضرورت اس کو لڑائی کی دعوت دی لہٰذا محمود نے ایک ایک کرکے سب سے بدلہ لیا۔ سب سے پہلے لاہور کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور ایاز کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ پھر سندھ پر قبضہ کرکے ایک حاکم کے ماتحت کر دیا۔ باقی ریاستیں جیسے کشمیر' قنوج' کالنجر' کوہ بالا ناتھ' گوالیار اور گجرات بھی سال بسال آہستہ آہستہ اس کی باجگوار ہوتی گئیں۔ محمود بڑا سخی' بہادر اور مدبر بادشاہ تھا۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان کے شمال میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی اور ہندی زبان میں اپنا سکہ جاری کیا اس کے اچانک حملوں سے ہندوستان کانپ جاتا تھا۔

1025ء میں اس کا مشہور حملہ سومنات (گجرات) پر ہوا۔ ملتان سے بیکانیر ہوتے ہوئے تین سو پچاس میل کا لق ودق ریگستانی میدان طے کرکے اجمیر سے ہوکر گجرات پہنچا اور پھر سومنات اور پٹن فتح کرکے چھوٹے رن کے راستے سے ریگستان کو طے کرتا ہوا ملتان پہنچ گیا۔

الغرض سکندر کی طرح محمود بھی اپنے وقت کا بڑا فاتح تھا۔ اس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ اس کی فوج میں ہندو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ 1030ء میں محمود نے غزنہ میں وفات پائی۔

سلطان محمد غزنوی:

محمود کے بعد اس کا بڑا لڑکا محمد تخت پر بیٹھا لیکن دوسرے بھائیوں سے چپقلش شروع ہوگئی۔

چند امیر بھی خلاف ہو گئے اور پھر بھائی مسعود سے مقابلہ ہوا جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو امیروں نے محمد کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور سب کے سب سلطان مسعود سے مل گئے۔

سلطان مسعود غزنوی:

اس نے سلطان کے باجگوار راجہ کالنجر کے قلعہ میں قید احمد بن حسن میمندی کو بلا کر وزیر بنایا۔ 1030ء میں مکران اور قیچ کو فتح کر کے اپنا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ 1032ء میں قلعہ سرتی کو فتح کیا۔ 1034ء میں والئی ہندوستان احمد نے بغاوت کی لیکن وہ سپہ سالار تلک کے ذریعے فرو ہو گئی۔ 1035ء میں قلعہ ہانسی اور سون پت فتح کیا۔ واپسی پر اپنے لڑکے کو لاہور کا حاکم اور ایاز کو اس کا استاد مقرر کر دیا۔ ملتان میں بغاوت ہوئی تو تلک کو وہاں بھیجا گیا۔ اس نے امن قائم کر دیا۔ 1038ء میں جب سلجوقی ترکوں سے شکست کھائی تو گھبرا کر ہندوستان کو پایۂ تخت بنانے کا ارادہ کیا لیکن اس کے امیر اس رائے سے متفق نہ تھے۔ انہوں نے راستے میں ہی قید کر دیا اور محمد کو قید سے نکال کر بادشاہ بنا لیا۔ محمد نے اپنے ایک لڑکے کو لاہور اور ملتان کا حاکم بنایا اور سلطان مسعود کچھ دن ایک قلعہ میں قید رہا پھر 1041ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔

سلطان مودود بن مسعود غزنوی:

شہزادہ مودود کو جب باپ کے قتل کی خبر پہنچی تو پہلے غزنہ پہنچا' جب دربار کے امیر اس سے متفق ہو گئے تو فوج لے کر محمد کا مقابلہ کیا' کامیاب ہوا۔ غزنہ کا تخت حاصل کر کے ابو نصر محمد بن احمد کو لاہور کا حاکم بنایا۔ سلطان ملتان سے لاہور آیا اور سندھ سے لے کر ہانسی اور تھانیسر تک کا بہترین انتظام کر کے غزنہ واپس گیا۔ 1043ء میں دہلی کے راجہ نے سلطان کو سلجوقیوں کے ساتھ جنگ میں مشغول دیکھ کر ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا لیکن جلد ہی اسے واگزار کرا لیا گیا اور پھر چار ماہ کے محاصرہ کے بعد نگرکوٹ کا قلعہ فتح کر لیا گیا۔

1048ء میں سلطان نے اپنے لڑکے ابوالقاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر روانہ کیا اور غزنہ کے کوتوال ابوعلی کو ہند کا سپہ سالار اعظم بنا کر ان کے ساتھ کر دیا جو پشاور' ملتان اور کشمیر کی بغاوت دور کر کے غزنہ واپس گیا۔ سلطان مودود 1049ء میں قولنج کی بیماری سے انتقال کر گیا۔

علی بن مسعود غزنوی:

سلطان مودود کے مرنے کے بعد علی بن ربیع نے اس کے تین سال کے بچے کو تخت پر بٹھایا مگر غزنہ کے ارکان سلطنت اس پر راضی نہ ہوئے۔ انہوں نے اسے تخت سے اُتار کر علی بن مسعود کو بادشاہ بنایا۔ علی بن ربیع ڈر کر ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان آ گیا اور پشاور سے سندھ تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ ادھر سیستان کا حاکم سلطان کی موت کی خبر پا کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور عبدالرشید بن محمود غزنوی کو جو بست کے قلعہ میں قید تھا' سردار بنا کر غزنہ جا پہنچا۔ علی بن مسعود مقابلے میں ناکام رہا۔

عبدالرشید بن محمود غزنوی:

1051ء میں سلطان عبدالرشید تخت کا مالک بنا۔ اس نے سندھ اور ہندوستان پر قابض ہونے والے علی بن ربیع کو کسی طرح مختلف تدبیروں سے غزنہ واپس بلایا اور اس کی جگہ نوشتگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا حاکم بنا کر بھاری فوج دے کر روانہ کیا۔ اس نے ہندوستان پہنچ کر نگر کوٹ کے قلعہ کو چند دن میں فتح کر لیا۔ ادھر سیستان کے حاکم طغرل نے بغاوت کر کے غزنہ پر قبضہ کر لیا اور خاندان محمود کے اکثر وارثوں کو قتل کر دیا اور خود سلطان بن کر بیٹھ گیا۔ جب لاہور کے حاکم نوشتگین کو یہ پتہ چلا تو اس نے غزنہ کے امیروں کو سخت غیرت دلائی چنانچہ لوگوں نے طغرل کو قتل کر دیا۔

فرخ زاد بن مسعود غزنوی:

یہ غزنہ کے امیروں کی متفقہ رائے سے تخت نشین ہوا اور نوشتگین اس کا وزیر بنا لیکن اس بادشاہ کا سارا وقت سلجوقیوں سے مقابلہ میں صرف ہو گیا چونکہ اس نے دو دفعہ سلجوقیوں کو شکست دی اس لئے عام رعایا پر اس کا اچھا اثر پڑا۔ یہ 1058ء میں قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

ابراہیم بن مسعود غزنوی:

یہ جب تخت نشین ہوا تو اسے سلجوقیوں کی طرف سے بڑا خطرہ تھا لیکن اس نے ان سے مصالحت کر لی اور اس نے اطمینان سے ہندوستان کے صوبے فتح کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے 1079ء میں قلعہ اجودھن' پھر قلعہ روپال اور پھر نیتی کال کو بڑی مشکل سے فتح کر لیا جس سے بے شمار مال غنیمت حاصل کیا اور غزنہ واپس ہوا۔ یہ بادشاہ نہایت بہادر اور کمال کا خوشنویس تھا۔ ہر سال اپنے ہاتھ سے ایک قرآن پاک لکھ کر مکہ اور دوسرا مدینہ بھیجا کرتا تھا۔ تقریباً اس نے چالیس برس حکومت کی اور 1098ء میں انتقال کر گیا۔

مسعود بن ابراہیم:

باپ کے بعد یہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں طغاتگین کو لاہور کا حاکم بنایا گیا جس نے گنگا پار کئی صوبوں کو فتح کیا۔ یہ 16 برس کی حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ارسلان شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں سلطان سنجر سلجوقی نے غزنہ پر قبضہ کر لیا تو یہ ہندوستان چلا آیا۔ سنجر کے جانے کے بعد ہندی فوج لے کر پھر غزنہ پر چڑھائی کر دی۔ سنجر پھر واپس آیا تو یہ پہاڑوں میں جا نکلا لیکن اسے پکڑ لیا گیا اور غزنہ لا کر قتل کر دیا۔ اس نے صرف تین سال حکومت کی۔

بہرام شاہ بن مسعود:

بہرام شاہ جو سلطان ابراہیم کا پوتا تھا 1117ء میں اپنے ماموں سلطان سنجر سلجوقی کی مدد سے غزنہ کے تخت پر بیٹھا۔ ہندوستان کا حاکم محمد باہلم باغی ہو گیا' بہرام شاہ نے ہندوستان آ کر 1120ء میں اسے قید کیا پھر رہا کر کے دوبارہ حاکم بنایا۔ محمد باہلم نے ایک زبردست لشکر تیار کیا اور بہت سے ہندو

راجاؤں پر غالب آیا۔ اس نے مغرور ہو کر پھر بغاوت کر دی۔ پھر بہرام شاہ ہندوستان آیا اور ملتان کے مقام پر دونوں کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ بہرام شاہ غالب آیا اور باغی مارے گئے۔

بہرام شاہ حسین بن ابراہیم علوی کو ہندوستان کا حاکم بنا کر غزنہ واپس چلا گیا۔ جب سیف الدین غوری نے غزنہ پر حملہ کیا تو بہرام شاہ اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ہندوستان چلا آیا۔ اس نے سردی کے موسم میں پھر غزنہ پر قبضہ کر لیا لیکن علاؤالدین غوری نے ایسی شکست دی کہ ہندوستان واپس آ کر اس غم و غصہ کے سبب 1152ء میں دنیا سے چل بسا۔

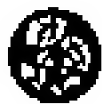
خسرو شاہ بن بہرام شاہ:

یہ باپ کے بعد تخت پر بیٹھا لیکن جب علاؤالدین غوری نے خاص غزنہ کا رُخ کیا تو یہ ڈر کر لاہور آ گیا اور اسی کو مستقل دارالحکومت قرار دیا۔ علاؤالدین غوری جب غزنہ تباہ کر کے غور واپس آیا تو خسرو شاہ نے پھر غزنہ پر قبضہ کرنا چاہا لیکن بدقسمتی سے ترکمان غزنہ پر آ پڑے اس لئے خسرو شاہ ناکام ہندوستان واپس آیا' آٹھ سال حکومت کر کے 1160ء میں فوت ہو گیا۔

خسرو ملک بن خسرو شاہ:

خسرو ملک لاہور میں اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا۔ خسرو ملک ہندوستان کے غزنوی مقبوضات پر مستقل طور پر حکومت کرنے لگا۔ 1180ء میں شہاب الدین غوری نے لاہور پر حملہ کیا خسرو ملک قلعہ بند ہو گیا اس لئے شہاب الدین اس وقت غزنہ واپس چلا گیا۔ پھر 1186ء میں جب لاہور آیا تو خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنہ لے گیا جہاں وہ مر گیا۔

اس وقت سے ہندوستان غزنوی خاندان سے نکل کر غوری خاندان کے قبضہ میں آ گیا۔



غوری خاندان اور ان کے غلاموں کی سلطنت

سلطان شہاب الدین غوری:

کابل کے حدود میں غزنہ سے پرے ایک پہاڑ کا نام غور ہے' شہاب الدین کا خاندان مدت سے یہاں مقیم تھا۔ جب غزنہ کا خاندان کمزور ہو گیا تو یہ خاندان طاقتور ہو کر غزنہ اور ہندوستان پر قابض ہو گیا۔

شہاب الدین اپنے بھائی غیاث الدین کے ساتھ سلطنت میں شریک رہا۔ اس نے 1175ء میں سب سے پہلے ملتان پر حملہ کیا اور اسماعیلیوں کی قوت ختم کی۔ پھر اوچ کو فتح کیا۔ 1177ء میں یہ اوچ کے راستے ریگستان کو عبور کر کے گجرات پہنچا۔ راجہ سے شکست کھائی اور واپس چلا گیا اور سندھ پر علی کرماخ کو حاکم بنا گیا۔

1186ء میں جب لاہور فتح ہوا تو یہ علاقہ بھی اس کے سپرد ہوا۔ 1192ء میں غوری نے بٹھنڈا فتح کیا' یہ دہلی کے راجہ رائے پتھورا کے قبضہ میں تھا۔ اسے جب پتہ چلا تو وہ لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ غوری واپس جا رہا تھا اس کی تیاری دیکھ کر واپس مڑا لیکن لڑائی میں شکست کھا کر غزنہ چلا گیا۔ 1193ء میں پھر واپس آیا اور اسی میدان میں ایک سخت جنگ ہوئی۔ پتھورا مارا گیا اور دہلی پر غوری کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح سے قلعہ برتی' ہانسی' سمانہ اور کہرام وغیرہ سب اس سلطنت میں شامل ہو گئے۔ غوری اجمیر میں کسی کو حاکم بنا کر غزنہ واپس چلا گیا اور مفتوحہ ممالک اپنے غلام قطب الدین ایبک کے سپرد کر گیا جس نے پہلے کہرام اور پھر دہلی کو پایہ تخت بنایا۔

اسی سال میرٹھ اور 1194ء میں علی گڑھ پر قطب الدین نے قبضہ کیا۔ 1195ء میں غوری کو راجہ قنوج سے سرحدی فیصلہ کرنے کے لئے پھر ہندوستان آنا پڑا۔ دونوں کا اٹاوہ کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ راجہ قنوج مارا گیا تو قنوج سے بنارس تک کا علاقہ غوری کے قبضہ میں آ گیا۔ 1206ء میں کھوکھروں کے فساد کے سبب غوری کو پھر ہندوستان آنا پڑا اور واپسی کے وقت رات کو ایک کھوکھر نے جو غالباً اسماعیلی تھا' خیمہ میں گھس کر سلطان شہاب الدین غوری کو شہید کر ڈالا۔ اس کی سلطنت اس کے مختلف غلام افسروں میں تقسیم ہو گئی جن میں سے یلدوز' ناصر الدین قباچہ اور قطب الدین ایبک تین مشہور ترک سپہ سالار تھے۔

قطب الدین ایبک:

غزنی پر یلدوز نے' سندھ پر ناصر الدین قباچہ نے اور ہندوستان پر قطب الدین ایبک نے قبضہ کیا۔ ہندوستان کے لوگوں نے قطب الدین ایبک کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس نے اپنا پایہ تخت پہلے لاہور کو بنایا۔ اس نے دہلی میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کی جس کا نام "قوۃ الاسلام" رکھا۔ اس کے ایک مینار کی بنیاد اس نے رکھی تھی۔ اسی بناء پر لوگ اسے قطب مینار کہتے ہیں۔ قطب الدین نے کئی اور

علاقے فتح کیے۔ قطب الدین، قباچہ اور بلاوز سے لڑائی میں مشغول تھا کہ گجرات کے راجہ نے اس سے اپنا علاقہ چھین لیا۔ اس کے ایک بہادر جرنیل محمد بختیار خلجی نے 1199ء میں بہار اور بنگال فتح کر کے اس کی مملکت میں شامل کیے۔

قطب الدین بڑا بہادر اور سخی تھا اس وجہ سے لوگ اسے سخی داتا یا لکھ بخش کہتے تھے۔ وہ لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے 1210ء میں فوت ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کے لڑکے ''آرام شاہ'' کو بادشاہ بنایا مگر وہ انتظام سلطنت نہ سنبھال سکا اس لئے اسے ایک ہی سال میں معزول کر دیا گیا۔

سلطان شمس الدین التمش:

التمش ایک ترکی غلام تھا جس نے قطب الدین کے ماتحت اچھے کام کئے تھے۔ اس بناء پر قطب الدین نے اپنی لڑکی کو اس کے عقد میں دے دیا تھا۔ وہ 1210ء میں اتفاق رائے سے دہلی کے تخت پر براجمان ہوا۔ 1218ء میں غزنہ کے امیر تاج الدین بلاوز نے پنجاب پر قبضہ کرنا چاہا۔ التمش ایک خونخوار لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آیا۔ بلاوز شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ 1219ء میں ناصر الدین قباچہ نے پنجاب پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا مگر ناکام رہا۔ چنگیز خان، تاتاری خوارزم شاہ کے پیچھے پیچھے سندھ تک آیا لیکن دریا کے اس طرف سے جلد واپس چلا گیا۔ 1225ء میں التمش نے بنگالہ کے باغیوں کی سرکوبی کی۔ 1228ء میں اس نے سندھ کی طرف توجہ کی۔ سندھ کے امیر ناصر الدین قباچہ نے اس سے شکست کھا کر پانی میں ڈوب کر جان دے دی۔ التمش نے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ پھر رنتھبور کا قلعہ فتح کیا۔ پھر 1231ء میں گوالیار بھی فتح ہو گیا۔ 1232ء میں مالوہ کا پورا علاقہ اس کے زیر نگیں ہو گیا۔ آخر 1236ء میں دہلی کا یہ مشہور سلطان وفات پا گیا۔ پشاور سے بندھیاچل تک اور ساحل سندھ سے برہم پتر تک سارا شمالی ہندوستان اس کی حکومت میں تھا اور صحیح معنوں میں وہ ہندوستان کا پہلا خودمختار حکمران تھا۔

سلطانہ رضیہ بیگم:

التمش کے بعد اس کا چھوٹا لڑکا رکن الدین تخت پر بیٹھا مگر نااہلیت کی وجہ سے محل والے اس سے ناراض ہو کر فساد پر آمادہ ہوئے اور اسے قید کر دیا۔ اس کے بعد ان کی بہن رضیہ تخت پر بیٹھی ہندوستان میں یہی ایک مسلمان عورت ہے جو کہ دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئی اور اس نے ہمت اور بلند حوصلہ سے حکومت کی۔ وہ مردانہ لباس پہن کر تخت پر بیٹھتی اور سلطنت کے سارے کام سرانجام دیتی لیکن ترک امیروں کو ایک عورت کی حکومت پسند نہ آئی۔ تین ہی سال کے بعد شورش کر کے اسے قید کر دیا لیکن جس امیر کے پاس اسے قید کیا تھا، رضیہ نے اس سے شادی کر لی۔ ادھر دہلی کے تخت پر رضیہ کا بھائی بہرام قابض ہو گیا تھا۔ سلطانہ رضیہ ایک فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلی مگر 1239ء میں شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ چند دیہاتیوں نے مال کے لالچ میں اسے قتل کر ڈالا۔

1241ء میں جب مغل (تاتاری) لاہور تک پہنچ گئے اور سلطان بہرام سے اس کا کوئی معقول

بندوبست نہ ہو سکا تو فوجی باغیوں نے اس کے محل میں گھس کر اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد رکن الدین کے لڑکے علاؤالدین کو تخت پر بٹھایا۔ اس نے اپنے پرانے ترکی افسروں کی مدد سے مغلوں پر فتح پائی لیکن اپنی بدسلوکی سے لوگوں کو متنفر کر دیا اس لئے لوگوں نے سازش کر کے اسے بھی قتل کر ڈالا۔

سلطان ناصر الدین محمود:

یہ سلطان التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ یہ نہایت سادہ مزاج اور نیک آدمی تھا۔ اس کی بادشاہت کا اصل بانی بلبن نامی ایک ترک افسر ہے۔ بلبن جس کو اب الغ بیگ خاں کا خطاب مل گیا تھا' بڑا بہادر اور مدبر تھا۔ اس کی وزارت سے شمسی خاندان کی سلطنت مضبوط ہو گئی اور مفسد ترکوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کے زمانہ حکومت میں چونکہ دو بار تاتاری مغلوں کو شکست ہوئی تھی اس بناء پر مغلوں نے بھی ہندوستان کا لوہا مان لیا تھا اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے ایک سفیر بھیجا جسے مرعوب کرنے کے لئے ایک شاندار دربار میں باریاب کیا گیا۔ 1266ء میں سلطان لاولد فوت ہوا' اس کی صرف ایک ہی بیگم تھی وہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی اور بادشاہ اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھ کر بیچتا اور اس کی آمدنی سے گزارا کرتا کیونکہ وہ صوفیانہ طبیعت کا آدمی تھا۔

ترکی غلاموں کے زمانہ میں صرف یہی ایک موروثی بادشاہ گزرا ہے جس نے امن کے ساتھ بیس برس حکومت کی۔

سلطان غیاث الدین بلبن:

یہ سلطان التمش کا زرخرید شاہی آداب سدھایا ہوا غلام تھا۔ التمش نے اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دی تھی۔ سلطان ناصر الدین کے بعد یہ تخت نشین ہوا اور غیاث الدین بلبن لقب اختیار کیا۔ اس نے بہترین نظام قائم کیا۔ ساری عمر مغلوں کے حملوں کو بار بار روکتا رہا۔ یہ فوجوں کو کبھی بیکار نہیں رہنے دیتا تھا۔

1289ء میں بنگال کے حاکم طغرل نے جب بغاوت کی تو اسے خود جا کر فرو کیا اور اپنے لڑکے بغرا خاں کو وہاں کا حاکم بنایا۔ ملتان اور تمام صوبہ پنجاب کا انتظام اس کے لڑکے محمد کے سپرد تھا۔ 1294ء میں تاتاری مغلوں کا ایک لشکر اچانک آن پڑا' اس نے ان کا منہ موڑ دیا مگر خود لڑائی میں نماز پڑھتے ہوئے شہید ہو گیا اور اس کا مصاحب مشہور شاعر امیر خسرو مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس حادثہ سے متاثر ہو کر سلطان روز بروز بیمار اور کمزور ہوتا گیا۔ آخر بیس سال حکومت کرنے کے بعد اسی سال کی عمر میں 1286ء میں فوت ہو گیا۔

سلطان معزالدین کیقباد:

امراء کے مشورہ کے بعد سلطان کے فوت ہونے کے بعد بغرا خاں کا لڑکا کیقباد معزالدین کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا لیکن کم ہمت اور عیاش تھا' اس کا وزیر نظام الدین بھی گھٹیا آدمی تھا۔ اس نے اسے اس کے باپ بغرا خاں کے خلاف اُکسایا چنانچہ اس نے اپنے باپ حاکم بنگالہ کے خلاف فوج

کشی کی۔ گو آخر میں صلح ہو گئی اور اس نے بیٹے کو بہت نصیحتیں کیں مگر یہ دہلی آ کر پھر بھول گیا۔ آخر درباری امراء نے سازش کر کے نظام الدین کو زہر دے کر مار دیا اور طاقتور امیر فیروز خلجی کو وزیر بنایا۔ کیقباد نے تین برس حکومت کی' اس عرصہ میں وہ اس قدر بیمار ہوا کہ وجود و عدم برابر تھا۔ ترک امیروں کو خلجیوں کی وزارت پسند نہ آئی۔ خلجی' کیقباد کے چھوٹے لڑکے کو اپنے قبضے میں لے کر فساد کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن فیروز خلجی ایک تجربہ کار اور سن رسیدہ افسر تھا' اس نے خلجیوں کو جمع کر کے شہزادہ کو ترکوں سے چھین لیا اور ترکوں کی باغی فوج کو تلوار کے گھاٹ اتار کر منتشر کر دیا اور کیقباد کو قتل کرا کر خود تخت کا مالک بن بیٹھا۔

کیقباد غلاموں کے خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں گویا اس پر ہندوستان میں ترکوں کی حکومت کا 1288ء میں خاتمہ ہو گیا۔



خاندان خلجی کی حکمرانی

خلج، ترکستان میں ایک قبیلہ کا نام تھا۔ جلال الدین اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ عرصہ دراز سے افغانستان میں رہ رہا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں یہ لوگ شروع شروع میں سپاہی بن کر فوج میں داخل ہوئے، پھر انہوں نے غوریوں کے زمانہ میں بہت ترقی کی اور بڑے بڑے عہدے پائے۔ معزالدین کیقباد کے زمانہ میں انہی لوگوں میں سے فیروز خلجی سپہ سالار اور وزیر ہو گیا جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں لکھ چکے ہیں۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی:

فیروز خلجی کیقباد کے مرنے کے بعد ستر برس کی عمر میں تخت شاہی پر بیٹھا اور اپنا لقب جلال الدین رکھا۔ نہایت نیک اور رحم دل بادشاہ تھا۔ شروع شروع میں چند بغاوتوں کو فرو کرنے میں وقت صرف کیا۔ مالوہ کو دوبارہ قبضہ میں لایا اور ملتان میں اپنے بیٹے ارکلی خان کو سرحدی حاکم بنایا۔ 1291ء میں پنجاب بھر میں پھر مغلوں کے حملے شروع ہو گئے۔ خود لاہور آیا اور متعدد بار شکست دے کر انہیں ملک سے نکال دیا۔ کئی ہزار مغل قیدی جب اس کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے سب کو معاف کر کے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ خونخوار مغلوں پر اس رحم کا یہ اثر ہوا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔

جلال الدین نے اپنے داماد علاؤالدین کی شراکت سے بہت سے علاقے اور قلعے فتح کیے اور ملک میں ہر طرف امن نظر آنے لگا۔ علاؤالدین، جلال الدین سے اجازت لے کر چار ہزار کی فوج کے ساتھ دکن پر حملہ آور ہوا۔ اس قدر تھوڑی فوج کے ساتھ دلیرانہ مقابلہ کر کے کامیاب ہونا تاریخ کا یادگار واقعہ ہے۔ اسی فوج کے ساتھ جب وہ ندی، نالے، جنگل اور پہاڑ اور دشمنوں کے ملک کو طے کرتا ہوا دیوگڑھ پہنچا تو راجہ دیو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ علاؤالدین نے اس تھوڑی سی فوج کے ساتھ راجہ کو کئی بار شکست دی، آخر شرائط صلح طے ہوئیں اور علاؤالدین بے شمار دولت کے ساتھ ''کڑے'' کے علاقے میں آیا۔ 1294ء کا واقعہ ہے، ان چند مہینوں کے واقعات کی جلال الدین کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ علاؤالدین کی واپسی پر جب اسے فتوحات کی اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوا اور اپنے پاس بلایا۔ علاؤالدین نے عذر کیا کہ دشمنوں کے کہنے سننے سے آپ کہیں آزردہ نہ ہوں، آخر تسلی و تشفی کے خیال سے جلال الدین خود علاؤالدین کے مسکن ''کڑے'' میں آیا جب وہ اپنے پیارے بھتیجے علاؤالدین سے گلے مل رہا تھا کہ علاؤالدین کے آدمیوں نے اس نیک دل انسان کو قتل کر ڈالا۔

سلطان علاؤالدین خلجی:

اس واقعہ کے بعد علاؤالدین نے 1296ء میں دہلی کے تخت پر قدم رکھا اور دولت کی چمک سے اکثر امیروں کو اپنا بنا لیا اور سلطان جلال الدین کی بیگم یعنی اپنی ساس اور اس کے لڑکوں کو ایک قلعہ

میں نظر بند کر دیا۔ اسے اپنی ساس سے بڑی شکایتیں تھیں۔ جب اسے ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو
ملک کے انتظام میں مشغول ہو گیا۔

1297ء میں ملک نصرت اور الغ خان کو بیس ہزار فوج دے کر گجرات بھیجا۔ راجہ کرن بھاگیا
بھاگ کر دکن پہنچا۔ الغ خان کامیاب ہو کر واپس پلٹا۔ راجہ کی رانی کملا دیوی اور اس کی لڑکی دیول دیوی
دہلی پہنچ گئیں۔ دیول دیوی کی شادی ولی عہد شاہزادہ خضر حیات کے ساتھ کر دی گئی۔

اسی سال مغلوں نے دو لاکھ فوج کے ساتھ دہلی پر حملہ کیا مگر علاؤالدین بڑی بہادری سے لڑ
اور مغلوں کو ایسی شکست دی کہ عرصہ تک ان کو ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی
اسی سال رتھنبور فتح ہو گیا۔ 1303ء میں چتوڑ فتح کر کے راجہ مالدیو کو اس کا حاکم بنایا۔

کھمبائت کے ایک بغدادی تاجر سے چھین کر دہلی لایا جانے والا ملک کافور آہستہ آہستہ بلند
درجہ پر پہنچ گیا تھا۔ 1306ء میں علاؤالدین نے اسے دکن فتح کرنے کے لئے ایک زبردست فوج دے
کر روانہ کیا۔ یہ فوج مالوہ سے دکن کی طرف سیلاب کی طرح بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام دکن پر چھا
گئی۔ 1312ء میں کافور نے ریاست میسور سے متصل دھور سمندر پر اپنی فتح کا جھنڈا گاڑا اور یادگار کے
طور پر ایک مسجد بنائی جو جہانگیر بادشاہ کے عہد تک موجود تھی۔ کافور سارے دکن کو فتح کر کے بڑی شان
و شوکت کے ساتھ دہلی پہنچا۔

اب علاؤالدین بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کی صحت روز بروز خراب ہونے لگی۔ بیماری کی وجہ سے
مزاج سخت اور شکی ہو گیا' ادھر کافور نے تمام لوگوں حتیٰ کہ بیوی بچوں کے متعلق بھی سخت بدگمان کر
اور انہیں محل میں نظر بند کرا دیا۔ پھر اپنے حریف گجرات کے حاکم الپ خاں کو بھی قتل کرا دیا غرضیکہ اس
حالت میں 1316ء میں علاؤ الدین کا انتقال ہو گیا۔ اس کی سلطنت بنگال سے گجرات اور پنجاب سے
دکن تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ گویا پورے ہندوستان کا پہلا مسلمان شہنشاہ تھا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ:

ملک کافور نے علاؤ الدین خلجی کے بعد برائے نام اس کے سب سے چھوٹے لڑکے کو تخت
بٹھایا اور گوالیار کے قلعہ میں قید خضر خاں اور اس کے بھائی کو اندھا کر دیا اور مبارک شاہ کو قتل کرنے کے
لئے دو سپاہی بھیجے مگر اس کی والدہ کی تدبیر سے مبارک شاہ بچ گیا بلکہ خود کافور مارا گیا۔ مبارک
قطب الدین کے لقب سے دہلی کا بادشاہ ہوا اس نے بڑے بڑے امیروں کے بجائے معمولی لوگوں
بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ان میں سے ایک نومسلم خسرو خاں حسن گجراتی کو سپہ سالار بنایا۔ دکن کے
چند راجے باغی ہو گئے تو خود فوج لے کر ان کی سرکوبی کے لئے گیا۔ پھر ایک مرتبہ دکن میں شورش پھیلی
یہ وہاں پہنچ کر ہر باغی کو تہ تیغ کرتا ہوا دہلی واپس آیا اور خسرو خاں کو مدراس (کومبر) کو فتح کرنے کے
لئے چھوڑ آیا۔ خسرو خاں جب دہلی آیا تو اس نے قطب الدین خاں کو عیش و عشرت میں مدہوش پایا
خسرو خاں کی فتوحات سے اس قدر خوش ہوا کہ قطب الدین نے تمام کاروبار سلطنت خسرو خاں کے
حوالے کیا اور خود عیاشی میں مبتلا ہو گیا۔

خسرو خاں نے وقت کو غنیمت سمجھا اور اپنے رشتہ داروں کو تمام بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کر دیا اور اپنی قوموں سے چالیس ہزار فوج بھرتی کی اور 1320ء میں قطب الدین کو قتل کر ڈالا۔ خسرو خاں نے تخت پر قدم رکھتے ہی خلجی خاندان کے تمام شہزادوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس سے اطمینان کر کے خلجی امیروں کو بڑے بڑے خطاب اور جاگیریں اور عہدے دے کر اپنا طرفدار بنایا۔ ان میں سے ہی ایک ہونہار افسر محمد جونا تغلق بھی تھا جو اگرچہ اس وقت چپ رہا مگر موقع کی تاڑ میں رہا اور وقت ملتے ہی اپنے باپ تغلق کے پاس پہنچ گیا جو سرحدی صوبہ کا حاکم تھا۔ وہ بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سندھ اور پنجاب کی مختصر مگر چیدہ چیدہ فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھا۔

خسرو خاں گجراتی جو پٹن کا رہنے والا اور قوم کا بھڑواڑ (گڈریا) تھا' اپنی قومی فوج کو لے کر دہلی سے باہر نکلا۔ ایک ہی لڑائی میں خسرو خاں نے شکست کھائی۔ ملک تغلق کامیابی کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ خسرو خاں گرفتار ہو کر قتل ہوا اور خلجی خاندان کا کوئی وارث نہ ہونے کی وجہ سے ملک تغلق کو دہلی کا بادشاہ بنایا گیا۔



خاندان تغلق کی حکومت

سلطان غیاث الدین تغلق:

ملک تغلق علاؤالدین خلجی کے ابتدائی زمانہ میں ملتان میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے علاؤ الدین خلجی کے بھائی الغ خاں کی فوج میں بھرتی ہوا اور پھر اپنی ذاتی قابلیت کی بناء پر سرحدی صوبہ کا گورنر بن گیا اور پھر 1320ء میں حادثاتی طور پر بادشاہ بن گیا۔ اس نے اپنا شاہی لقب ''غیاث الدین'' رکھا۔ غیاث الدین تغلق دہلی کے انتظام سے فارغ ہو کر صوبوں کے انتظام میں مشغول ہوا۔ شمالی ہندوستان کے صوبوں میں معتبر افسروں کو مقرر کیا۔ رعایا کے ذمہ مالگزاری میں کمی کر دی۔ ایک سال کے اندر اندر رعایا خوشحال ہو گئی اور بدسکونی کی جگہ امن وسکون بحال ہو گیا۔ خسرو خاں کی بدنظمی کے سبب دکن کے راجاؤں نے خراج بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے محمد جونا تغلق کو ایک بڑی فوج دے کر بھیجا۔ اس نے بہت سے راجاؤں کو زیر فرمان کر لیا مگر وہاں ایک زبردست وباء پھیلی جس کی بناء پر بہت سے انسان اور جانور تلف ہو گئے اور دہلی سے ایک مہینہ تک کوئی خبر نہ آئی۔ افواہ پھیل گئی کہ سلطان تغلق کو قتل کر دیا گیا ہے جس کی بناء پر بہت سے سپاہی ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ پھر ایک دن سلطان غیاث الدین کا ایک فرمان پہنچا جس سے محمد جونا کو اطمینان ہوا۔ وہ بچی ہوئی فوج کو لے کر دہلی پہنچا اور افواہ پھیلانے والوں کو سخت سزائیں دیں اور چند مہینوں کے بعد پھر زبردست فوج لے کر دکن آیا اور اس دفعہ ابتداء ہی سے تمام قلعے اور شہر فتح کرتے ہوئے چلا آخرکار 1323ء میں دکن کے تمام قلعے فتح کر کے اور راجاؤں کو باجگوار بنا کر واپس آیا۔

1323ء میں بغرا خاندان سے تعلق رکھنے والے حاکم نے بغاوت کر دی تو سلطان غیاث الدین محمد جونا کو دہلی اپنے تخت پر بٹھا کر خود لشکر لے کر روانہ ہوا اور اس کی گوشمالی کر کے 1324ء میں واپس لوٹا۔ محمد جونا اور دیگر اراکین سلطنت استقبال کے لئے دہلی سے چند میل باہر آئے۔ بادشاہ کے حکم سے بادشاہ کے آرام کے لئے لکڑی کا ایک عارضی مکان بنایا گیا۔ جب غیاث الدین تغلق وہاں پہنچا تو تھوڑی دیر آرام کے بعد کھانا کھانے میں مشغول ہوا اور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ بادشاہ ابھی کھانے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ اچانک مکان کی چھت گر گئی چنانچہ سلطان غیاث الدین اور اس کا چھوٹا بیٹا محمود دونوں مکان کے نیچے دب کر فوت ہو گئے۔

سلطان محمد تغلق:

سلطان غیاث الدین کا بیٹا محمد جونا سلطان محمد تغلق کے نام سے 1324ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ دو تین سال تک تو اطمینان سے حکومت کرتا رہا اور صوبہ دہلی اور اودھ کی طرح گجرات اور دکن سے بھی خراج دہلی پہنچتا رہا لیکن 1326ء میں مغلوں نے حملہ کیا جسے محمد تغلق نے بڑی بہادر سے ناکام واپس کیا چونکہ اس نے دکن اور گجرات کے صوبے بڑی محنت سے زیردست کیے تھے اس لئے مغلوں کے حملوں

سے بچنے اور ان علاقوں پر کنٹرول برقرار رکھنے کے لئے پایہ تخت کو دہلی سے دولت آباد منتقل کیا لیکن پھر اپنی غلطی محسوس کر کے دوبارہ دہلی آ گیا۔ اس اکھاڑ پچھاڑ اور مالی و جانی نقصان کی وجہ سے اکثر امیر ناراض ہو گئے اور مزید یہ کہ اسے نئے نئے ملکوں کو فتح کرنے کا شوق تھا چنانچہ اس نے خسرو ملک کی سرکردگی میں ایک لاکھ کی فوج تیار کر کے تبت اور چین کی فتح کے لئے بھیجا لیکن چین کی سرحد پر پہنچ کر موسم برسات کی وجہ سے فوج کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا' ادھر خراسان اور ماوراء النہر فتح کرنے کے لئے تین لاکھ فوج تیار کی' نتیجہ یہ نکلا کہ خزانہ خالی ہو گیا تو اس نے سونے کے بجائے تانبہ کا سکہ چلا دیا۔ موقع سے فائدہ اُٹھا کر بنیوں اور سناروں نے تانبے کے مصنوعی سکے بنا کر چلا دیئے جس سے شاہی سکے کی قیمت گر گئی۔ لوگوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا' مجبوراً سلطان کو تمام سکے واپس لینا پڑے۔ پھر تین سال تک برابر قحط رہا جس کی بناء پر خزانہ خالی' لشکر بددل' امیر ناراض اور سلطان پریشان ہو گیا۔ آخر افسروں نے بغاوت کی' نتیجہ یہ نکلا کہ ملتان' دکن' ملوہ اور گجرات میں بغاوتیں اور شورشیں برپا ہوئیں۔ سلطان محمد تغلق نے بہت کوشش کی' اگر ایک طرف سے بغاوت ختم کرتا تو دوسرے علاقے شورش برپا کر دیتے۔ گجرات کے باغیوں کا سرغنہ افسر تغی تھا جو بھاگ کر سندھ پہنچ گیا اور ٹھٹھہ کے حکمران اسماعیل سردی کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ سلطان بھی وہاں پہنچ گیا اور ٹھٹھہ کے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ محمد تغلق جو پہلے ہی تپ دق میں مبتلا تھا' اسے یہاں کی آب و ہوا (جو کہ دلدل کے سبب سے بہت مرطوب تھی) موافق نہ آئی اور یہ چند دنوں کے بعد 1350ء میں یہیں فوت ہو گیا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق:

سلطان محمد تغلق کا چچازاد بھائی فیروز شاہ بن رجب سالار' پچاس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ بہت رحم دل تھا۔ چالیس برس تک حکمران رہا۔ اس نے بنگالہ' نگرکوٹ اور ٹھٹھہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ اس نے محمد جونا تغلق کی یادگار کے طور پر ''سیّد حسن پور'' کا شہر آباد کیا۔ جمنا سے ایک نہر نکالی۔ دہلی کے قریب فیروز آباد کے نام سے ایک شہر بسایا جس میں آٹھ جامع مسجدیں تھیں۔ دیبال پور میں بھی ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ فیروز آباد میں حماموں کے علاوہ متعدد مدرسے تعمیر کئے اور ایک بڑا گھنٹہ گھر بنایا۔ یہ ہندوستان میں سب سے پہلا گھنٹہ گھر تھا اور بہت سے ہسپتال تعمیر کرائے۔ اس نیک دل بادشاہ نے 1388ء میں وفات پائی۔

سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ:

فیروز شاہ کے انتقال کے بعد تخت کے وارثوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی کیونکہ ولی عہد فیروز شاہ کی زندگی میں ہی 1372ء میں فوت ہو گیا تھا۔ آخرکار فیروز شاہ کا ایک بیٹا محمد شاہ ''ناصر الدین'' کے لقب سے 1388ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے سب سے پہلے باغیوں کو شکست دی' ملک میں امن قائم کیا پھر صوبوں کی طرف متوجہ ہوا۔ 1391ء میں اپنے بھائی ظفر خاں کو گجرات کا حاکم بنا کر بھیجا۔ ابھی مملکت کے دوسرے انتظام کر ہی رہا تھا کہ بیمار ہو کر 1393ء میں فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا ہمایون خاں "سکندر شاہ" کے لقب سے جانشین ہوا مگر یہ بھی صرف ایک مہینہ بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔

سلطان محمود شاہ تغلق:

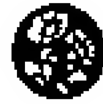
یہ اس خاندان کا آخری بادشاہ ہے۔ اس نے کافی تگ و دو کے بعد سلطنت پر قبضہ کیا مگر اس میں ذاتی قابلیت اور اہلیت نہ تھی اس لئے درباریوں میں باہم سازشیں ہونے لگیں اس لئے اس کے دور میں اکثر صوبے خودمختار بن گئے۔ اس کا صرف دہلی پر اختیار تھا' وہ بھی بہت محدود' اصل اختیارات اقبال خان کے پاس تھے۔ وہ وکیل مطلق تھا' دربار کے امیر جو اقتدار کے لئے باہم لڑ رہے تھے کہ مغلوں کا سردار تیمور لنگ موقع سے فائدہ اٹھا کر اچانک آ دھمکا۔ اقبال خان چھپ گیا' محمود تغلق بھاگ کر گجرات پھر مالوہ پہنچا۔ تیمور جب ہندوستان کو لوٹ کھسوٹ کر واپس گیا تو محمود نے پھر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بدقسمتی سے اقبال خان پھر آ گیا۔ 1405ء میں اقبال خان' خضر خان کے ساتھ مقابلہ میں مارا گیا تو دولت خان لودھی نے جو اس کے امیروں میں سے تھا' سلطنت کا کاروبار سنبھالا۔ اسی کسمپرسی کی حالت میں سلطان محمود تغلق 1412ء میں دنیا سے رحلت کر گیا۔



سیّدوں کی حکومت

پنجاب کا حاکم خضر خان 1414ء میں دولت خان لودھی سے انتظام سلطنت لے کر دہلی کے تخت کا بادشاہ بن بیٹھا اور جب تک زندہ رہا باغیوں سے لڑتا رہا۔ 1421ء میں اس کا لڑکا مبارک شاہ تخت نشین ہوا اور مردانہ بہادری سے پنجاب اور ملتان پر قابض رہا اور دوبارہ لاہور تک آ جانے والے شاہ کابل کو شکست دی لیکن وزیروں نے بعض امیروں سے سازش کر کے اسے قتل کر دیا اور خضر خان کے پوتے کو محمد شاہ کے نام سے بادشاہ بنایا لیکن جب جونپور کے بادشاہ نے اس سے دہلی چھیننا چاہا تو پنجاب کے حاکم بہلول خان لودھی نے اسے بچایا۔

1445ء میں اس نے وفات پائی تو اس کے لڑکے علاؤالدین نے تخت حکومت سنبھالا لیکن اس نے دہلی کے سوا سب علاقے گنوا دیئے بالآخر دہلی بھی اس سے نہ سنبھل سکا اور یہ چھوڑ کر بدایوں جا کر گوشہ نشین ہو گیا اور 1478ء میں مر گیا چنانچہ دہلی کی حکومت پر بہلول خان لودھی نے قبضہ کر لیا۔

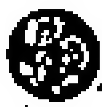


لودھی خاندان کی حکومت

لودھی خالص پٹھان تھے۔ فوج کی افسری اور صوبے کی گورنری سے بادشاہت تک پہنچے۔ بہلول لودھی ایک فوجی افسر تھا۔ اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر محمد شاہ نے اسے پنجاب کا حاکم بنا دیا۔ یہ علاؤالدین کے بدایوں چلے جانے کے بعد دہلی کا بادشاہ ہوا۔ پنجاب سے بہار تک کا حکمران تھا۔ بہادروں کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس نے جونپور فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ چالیس برس حکومت کرنے کے بعد 1488ء میں وفات پا گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ اس نے ساری عمر دوسرے صوبوں کو قبضہ میں لانے اور بغاوتیں فرو کرنے میں صرف کر دی۔ اس نے اپنی سلطنت کی ایک حد مالوہ تک پہنچا دی اور دوسری بنگال تک جا ملائی۔ اس کے وقت میں عموماً امن و امان رہا۔ یہ بڑا مردم شناس اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ اس نے بہت سے مدرسے اور مسجدیں بنوائیں۔ اس نے 29 برس حکومت کرنے کے بعد 1517ء میں وفات پائی۔

سکندر کے بعد اس کا لڑکا ''ابراہیم لودھی'' تخت دہلی کا وارث بنا۔ اس نے پہلے تو لڑائی کر کے اپنے بھائی سے جونپور کو لے لیا' پھر اس نے گوالیار کے راجہ سے بزور بازو گوالیار کا قلعہ چھینا۔ کچھ دنوں کے بعد اسے امیروں کی سازشوں کا علم ہوا تو انہیں سخت سزائیں دینے لگا۔ یہاں تک کے تمام امیر اس کے ڈر سے اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ ادھر لاہور کے حاکم دولت خان لودھی نے کابل پر قابض مغلوں کے سردار بابر بادشاہ کو دہلی فتح کرنے کی دعوت دی جو اس نے بخوشی قبول کر لی۔ پہلے اس نے اپنے ہاں ملازم علاؤالدین لودھی کو ہراول دستہ کے طور پر بھیجا۔ علاؤالدین اور ابراہیم لودھی کی فوجوں میں جنگ ہوئی۔ ابراہیم کی فوج ہار گئی علاؤالدین کی فوج جب لوٹ میں مشغول تھی تو ابراہیم کی فوج نے اچانک حملہ کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ادھر بابر بھی کابل سے لاہور پہنچ گیا تھا اور دولت خان جو بابر کو حملہ کی دعوت دے چکا تھا' پھر اس کے خلاف ہو گیا تھا' شکست دے کر لاہور پر قبضہ کیا۔ پھر دہلی کی طرف چلا۔ ابراہیم لودھی ایک بھاری فوج لے کر پانی پت کے میدان میں پہنچ گیا۔ بابر کی فوج بھی آ گئی' زبردست جنگ ہوئی۔ بابر کے پاس جدید ہتھیار اور توپ خانہ کے علاوہ تجربہ کار فوج تھی چنانچہ اس نے تعداد میں زیادہ ابراہیم لودھی کی فوج کو شکست دی۔ ابراہیم خود بھی مارا گیا' بابر فتح یاب ہو کر دہلی میں داخل ہوا چنانچہ لودھیوں کی حکومت کا 1526ء میں خاتمہ ہو گیا۔



ہندوستان میں مغلوں کی حکومت

مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر شاہ:

بابر دہلی سے آگرہ پہنچ کر سلطنت کا انتظام کرنے میں مشغول ہو گیا' ابھی کچھ زیادہ دن نہ گزر پائے تھے کہ سب سے طاقتور ہندو راجہ سانکا راجپوتانہ سے بہت بڑی فوج لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ بابر بھی توپ خانہ اور چیدہ چیدہ سواروں کے ساتھ اجمیر کی طرف بڑھا۔ بیانہ کے پاس زبردست جنگ ہوئی' بابر فتح یاب ہوا۔ راجہ سانکا زخمی ہوا' بھاگتے ہوئے گھر جا کر مر گیا۔ پھر بابر نے مالوہ کے پاس چندیری کا بڑا مضبوط قلعہ بھی فتح کر لیا۔ اب جونپور سے بنگالہ تک کے صوبے اس کے کنٹرول میں آ گئے مگر افسوس کہ عمر نہ پائی اور پچاس سال کی عمر پا کر 1530ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ بابر نے ظہیر الدین لقب اختیار کیا تھا۔

سلطان نصیر الدین ہمایوں:

ظہیر الدین بابر بادشاہ کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے بڑے لڑکے ہمایوں نے ''نصیر الدین'' لقب اختیار کیا اور تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو مختلف صوبوں کی حکومتیں دے کر کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر پٹھانوں کی بغاوت کے سبب جونپور اور چنار گڑھ چھوڑنا پڑا۔ جہاں وہ سہسرام (بہار) کے زمیندار فرید خان (شیر شاہ) کو مطیع کر کے واپس آیا اور 1532ء میں گجرات کے مشہور حاکم بہادر شاہ سے ناراض ہو گیا کیونکہ اس نے بعض باغی مغلوں کو پناہ دی تھی' نوبت لڑائی تک آ گئی۔ بہادر شاہ اپنے توپ خانہ کے ایک ترکی افسر رومی خاں کی غداری کی وجہ سے شکست کھا کر دیو بند چلا گیا اور ہمایوں نے کھمبائت تک اس کا پیچھا کیا کہ اسے بہار کے حاکم فرید خان کی بغاوت کی خبر ملی۔ ہمایوں آگرہ واپس آیا اور کچھ فوج لے کر بہار روانہ ہوا۔ فرید خان کو پتہ چلا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو قلعہ روہتاس میں چھوڑ کر خود پہاڑوں میں چھپ گیا۔

ہمایوں کو بآسانی بنگالہ تک پہنچ گیا تھا مگر برسات کے سبب سے واپس ہونا مشکل ہو گیا' ادھر فرید خان بہار سے نکل کر جونپور جا پہنچا۔ ہمایوں کو جب یہ خبر ملی تو فوراً کوچ کر گیا لیکن گنگا کے گھاٹ پر آ کر معلوم ہوا کہ فرید خان جونپور سے واپس آ کر راستہ روکے ہوئے ہے۔ موقع دیکھ کر فرید خان نے جو صلح کی پیشکش کی تو ہمایوں نے قبول کر لی مگر جب مغل فوج غافل ہو گئی تو اچانک ایسا شب خون مارا کہ ہزاروں کٹ گئے اور بڑی مشکل سے ہمایوں چند ساتھیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پہنچا۔ ہمایوں پریشان ہو کر آگرہ سے دہلی ہوتے ہوئے پنجاب پہنچا مگر کسی بھائی نے مدد نہ کی اور فرید خان اس کے پیچھے پیچھے پنجاب تک پہنچ گیا۔ ہمایوں ناامید ہو کر راجپوتانہ کے راستے سندھ پہنچا۔ امرکوٹ (عمرکوٹ) میں مقیم تھا کہ اکبر پیدا ہوا اور اس کی کمر میں بندھا ہوا مشک نافہ لوگوں میں تقسیم کیا جس کی خوشبو ہوا میں اڑتے ہی لوگوں نے نیک شگون لیا۔ ہمایوں سندھ سے قندھار پہنچا جہاں اس کا بھائی حاکم تھا۔ وہ اپنے بھائی سے لڑتے لڑاتے ایران جا پہنچا' شاہ ایران نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ وہ عرصہ تک وہاں مہمان رہ کر موقع کی تاک میں بیٹھا رہا۔

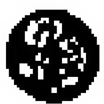
سوری پٹھانوں کی حکومت

شیر شاہ سوری:

فرید خان بہار اور بنگال کے علاوہ اب جونپور، آگرہ، دہلی اور پنجاب پر قبضہ کر کے "شیر شاہ" کے لقب سے دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ چند سالوں میں اس نے مالوہ اور راجپوتانہ کے بھی چند قلعے فتح کر لئے۔ آخر کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ بارود میں آگ لگ جانے سے جو شعلہ بھڑکا تو شیر شاہ اس سے جانبر نہ ہو سکا۔ چنانچہ 1545ء میں اُدھر قلعہ فتح ہوا اور اِدھر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے بنگال سے پنجاب تک ایک بڑی سڑک تیار کرائی اور دو رویہ سایہ دار درخت لگائے اور ہر کوس پر پختہ سرائے، مسجد اور کنواں بنوایا۔ سرائے میں ہر قوم اور مذہب کے افراد کو بادشاہ کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ اس کا انصاف اور قوانین مشہور ہیں۔

شیر شاہ سوری کے بعد اس کا لڑکا سلیم شاہ تخت پر بیٹھا اور نو سال تک حکومت کی۔ دہلی کے پاس سلیم گڑھ کا قلعہ اس کی یادگار ہے۔

1552ء میں محمد شاہ عادل جسے عوام عدلی شاہ کہتے تھے، دہلی کا بادشاہ ہوا جس نے عیش و عشرت اور فیاضی میں خزانہ خالی کر دیا اور ہیمو بقال کو وزیر بنا کر بڑے بڑے امیروں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ سب سے پہلے بنگال باغی ہوا، یہ بنگال کی بغاوت ختم کرنے گیا تو اس کے ایک رشتہ دار ابراہیم سوری نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ عادل شاہ یہ سن کر پلٹا اور ابراہیم سے لڑائی شروع کر دی مگر شکست کھا کر بہار کی طرف بھاگا۔ اُدھر لاہور کا حاکم سکندر سوری، ابراہیم سے دہلی لے کر خود بادشاہ بن گیا۔ ہیمو بقال، عادل کو لے کر چنار کے قلعہ میں فوج کی تیاری کر رہا تھا کہ ابراہیم سوری سے مقابلہ کرنا پڑا جو دہلی سے بھاگ کر بہار آیا تھا۔ ہیمو نے گو اسے شکست دی مگر بنگال کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جلد ہی جانا پڑا۔ انہیں زیر فرمان کر کے سیدھا دہلی کی طرف روانہ ہوا جہاں ہمایوں بادشاہ ایران سے واپس آ کر سکندر سوری سے دہلی لے چکا تھا۔ ابھی ہیمو بقال دہلی نہ پہنچا تھا کہ 1555ء میں یکا یک مکان کی سیڑھیوں سے گر کر ہمایوں نے جان دے دی اور دہلی کی مشہور عمارت مقبرہ ہمایوں میں دفن کیا گیا۔ اس وقت اکبر پنجاب میں مقیم تھا۔

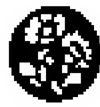


متحدہ اسلامی سلطنت

تیمور کا خاندان

ہمایوں کی واپسی:

ہمایوں جب ہندوستان سے ایران پہنچا تو شاہ ایران نے اس کی بڑی دلدہی کی۔ ہمایوں کچھ عرصہ وہاں رہا۔ 1545ء میں وہ ایران سے چودہ ہزار فوج لے کر قندھار پہنچا اور پھر بدخشاں' کابل اور سیستان کے قصبہ میں دس برس گزر گئے آخر 1554ء میں جب سب بھائیوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو پندرہ ہزار سوار لے کر لاہور فتح کیا اور سرہند کے پاس خود سکندر کو بھی شکست دی۔ اب ہمایوں دہلی اور آگرہ کا مالک بن گیا لیکن سکندر سوری دوبارہ جنگی تیاری میں مصروف تھا اس لئے اکبر کو اس کے اتالیق بیرم خان کے ساتھ پنجاب سے سکندر سوری کو نکالنے کے لئے بھیجا۔ اکبر اسی ادھیڑ بن میں مصروف تھا کہ ہمایوں نے 1555ء میں دہلی میں وفات پائی۔



سلاطین دہلی (1199ء تا 1412ء)

خاندان غلاماں تا خاندان تغلق

سلاطین دہلی کی حکمرانی اس وقت تک شرعاً درست تسلیم نہ کی جاتی تھی جب تک خلافت عباسیہ کی طرف سے انہیں باقاعدہ سند عطا نہ کر دی جاتی کیونکہ مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق خلافت عباسیہ ہی اسلامی حکومت تھی جسے ان کی طرف سے سند مل جاتی وہ اسلامی حکومت بن جاتی۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان محمد غوری کے دور میں جو سکے ڈھالے جاتے تھے' ان پر خلیفۃ المسلمین کے الفاظ ملتے ہیں۔ اسی طرح سلطان شمس الدین التمش نے بھی عباسی خلیفہ المستنصر باللہ سے حکمرانی کا اجازت نامہ حاصل کیا تھا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب ہلاکو خاں نے 1258ء میں بغداد پر حملہ کر کے خلافت عباسیہ کا تخت اُلٹ دیا تھا پھر بھی سکہ رائج الوقت پر ان کا نام کافی بعد تک چلتا رہا اور علاؤالدین خلجی نے اسے ختم کر کے ان پر ''ناصر امیر المومنین'' اور ''یمین الخلافت'' کے الفاظ کندہ کرائے تھے۔



سلاطین دہلی کا انتظام سلطنت

سلاطین دہلی کے نظام حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے' ایک وہ انتظام تھا جو مرکزی حکومت چلاتی تھی جبکہ دوسرا انتظام صوبائی ہوتا تھا۔

مرکزی انتظام سلطنت میں درج ذیل امور شامل تھے:

خلیفہ:

خلیفہ کا لقب ہندوستان میں سب سے پہلے مبارک خلجی نے اختیار کیا تھا۔

سلطان:

سلطنت دہلی کے سربراہ سلطان کہلاتے تھے۔ اسے خلیفہ کا نائب بھی کہا جاتا تھا۔ سلطان کے اختیارات میں عدلیہ' انتظامیہ کا پورا انتظام کرنا' اعلیٰ عہدوں پر اہل کار متعین کرنا شامل تھا۔ عموماً سلطان کا انتخاب علماء' امراء اور عوام الناس کرتے تھے۔ سلطان کی ذمہ داریاں حسب ذیل ہوتی تھیں:

1- مذہب کا تحفظ کرنا۔
2- مملکت اسلامیہ کی سڑکوں اور علاقوں کی حفاظت کرنا۔
3- فوجداری قوانین نافذ کرنا اور ان پر عمل درآمد کروانا۔
4- رعایا کے جھگڑوں کا تصفیہ کرنا۔
5- مخالفین اسلام کے ساتھ جہاد کرنا۔
6- مملکت میں لگائے گئے ٹیکسوں کی وصولی کرنا۔
7- مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔
8- غرباء اور مساکین کی بیت المال سے مدد کرنا۔
9- عوام کے حالات سے باخبر رہنا اور عوام سے رابطہ رکھنا۔
10- ایسے حاکم مقرر کرنا جو قانون کے علاوہ اجتماعی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔

مرکزی انتظام سلطنت میں وزراء اور انتظامیہ کے شعبے

نائب سلطنت:

نائب مملکت کو وزیراعلیٰ بھی کہا جاتا تھا۔ کچھ کے نزدیک یہ قائمقام ہوتا تھا۔ سلطان کی عدم موجودگی میں سلطنت کا انتظام اس کے ذمہ ہوتا تھا۔ اگر سلطان کم عمر کا ہوتا جیسا کہ بلبن کو سلطان ناصر الدین کے عہد میں اور ملک کافور کو سلطان علاؤالدین خلجی کے دور میں مقرر کیا گیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق جب کسی طویل مہم کے سلسلے میں باہر چلا جاتا تھا تو اپنے وزیر خان جہاں کو اپنا قائمقام کر جاتا تھا۔

نائب مملکت کی ذمہ داریاں:

1- تمام اہم امور میں سلطان کو مشورہ دینا۔
2- حاکموں کا تقرر کرنا۔
3- محکمہ مال کی نگرانی کرنا۔
4- ٹیکسوں کی وصولی کا انتظام کرنا۔
5- سلطنت کے ذرائع آمدن وخرچ کا مکمل حساب رکھنا۔

نائب مملکت کے علاوہ دیگر وزراء اور ان کے شعبے یہ ہوتے تھے:

1- دیوان عرض:

اس شعبہ کے وزیر یا افسر اعلیٰ کو "عارض مملکت" کہتے تھے۔ اس کے ذمے شعبہ دفاع ہوتا تھا اور اس کی درج ذیل ذمہ داریاں ہوتی تھیں:

1- افواج کے لئے اسلحہ اور سامان رسد کا بندوبست کرنا۔
2- فوج سے متعلق گھوڑوں کی جانچ پڑتال کرنا۔
3- فوج کے ملازمین کی تنخواہیں مقرر کرنا۔
4- فوج سے متعلق تمام حساب کتاب کو دیوان کے سامنے پیش کرنا۔

2- دیوان رسالت:

اس شعبے کا نگران وزیر ہوتا تھا جس کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ تمام مذہبی امور کی نگرانی کرے۔ علماء، فضلاء، طلباء اور غرباء کی مالی مدد کا انتظام کرے، مساجد اور خانقاہوں کے لئے فنڈ مخصوص کرے اسی کی سفارش پر اہل علم حضرات کے وظائف مقرر کئے جاتے تھے۔

3- دیوان قضاء:

عدل وانصاف کے محکمہ کو دیوان قضاء کہا جاتا تھا اور اسے دیوان شرع بھی کہتے تھے۔ اس کے نگران اعلیٰ کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کہتے تھے۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ فریادیوں کو انصاف مہیا کرے۔ افسران مملکت کے خلاف شکایت بھی اسے ہی سنائی جاتی تھی اور یہ سائلوں کی پوری پوری دادرسی کرنے کا پابند ہوتا تھا۔ دیگر شہروں میں قاضیوں کا تقرر کرنا بھی دیوان قضاء کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ قاضی القضاہ کے عہدے پر ایسے شخص کا تقرر کیا جاتا تھا جو عوام کی نظر میں واجب الاحترام ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ کا بھی پابند ہوتا۔ دیوان قضاء کا سربراہ براہ راست سلطان کو جوابدہ ہوتا تھا۔

4- دیوان برید:

اس کے سربراہ کو برید الممملکت کہتے تھے اس کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ سلطان کی طرف سے جاری ہونے والے تمام احکامات ملک کے گوشے گوشے میں پہنچانا، پوری سلطنت کے حالات کی خبریں

سلطان تک پہنچاتا۔ یہ دیوان بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔

غیاث الدین بلبن اور علاؤالدین کے زمانے میں اسی محکمہ کی مستعدی اور کوششوں سے اقتصادی نظام کامیاب ہوا تھا اور محکمہ کی خوب ترقی بھی ہوئی تھی۔

5- دیوان انشاء:

اس شعبہ کا افسر اعلیٰ دبیر خاص کہلاتا تھا جس کے ماتحت کئی اور دبیر ہوتے تھے۔ ان کا کام شاہی خط و کتابت کی ترتیب و تسوید ہوتی تھی۔ اس شعبہ کے تمام دبیر فن تحریر کے ماہر ہوتے تھے۔ عوام اس شعبہ کو رازوں کا خزانہ کہتے تھے کیونکہ دبیر خاص سلطنت کا محرم راز ہوتا تھا۔

6- دیوان احتساب:

اسے شعبہ احتساب بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شعبہ عوام کی دینی اور اخلاقی زندگی پر کڑی نگاہ رکھتا تھا اور تمام غیر شرعی رسم و رواج کی بیخ کنی کرتا تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ محتسب کہلاتا تھا۔

7- کوتوال:

ہر شہر میں ایک پولیس افسر مقرر ہوتا تھا جسے کوتوال کہتے تھے۔ شہر میں امن و امان بحال رکھنا' عوام کے جان و مال کا تحفظ کرنا' ناپ تول کے پیمانوں کی پڑتال کرنا' دھوکہ بازی' ٹھگی اور چوری چکاری کا خاتمہ کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

8- مجلس خلوت:

اس میں شہر کے چیدہ چیدہ اشخاص' امراء' علماء اور مشائخ شامل ہوتے تھے۔ یہ سب کے سب سلطان کے خاص احباب ہوتے تھے اور سلطان کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے تھے لیکن ان کے مشوروں اور تجاویز پر عمل کرنے کا سلطان پابند نہیں ہوتا تھا۔

سلطان کا ذاتی عملہ:

ان انتظامی شعبوں کے علاوہ سلطان کا ذاتی عملہ بھی ہوتا تھا جس میں وکیل دار محل کا نگران ہوتا تھا۔ امیر حاجب کا کام عوام' امراء اور وزراء کی عرضداشتیں سلطان کے حضور پیش کرنا تھا۔

نقیب:

جب سلطان محل سرا سے دربار کی جانب آتا یا دربار سے محل سرا کو واپس جاتا تو یہ اس کے آنے جانے کا باآواز بلند اعلان کرتا تھا تاکہ سلطان کی آمد کا پتہ چل جائے۔ اس ذمہ داری کو نقیب نبھاتا تھا۔ اس شعبہ کے افسر اعلیٰ کو نقیب النقباء کہتے تھے۔

جاندار:

شاہی محافظ دستہ کے سپاہیوں کو جاندار کہا جاتا تھا اور ان کے افسر اعلیٰ کو افسر جاندار کہا جاتا تھا۔

ان کے علاوہ بھی کئی عہدے دار ہوتے تھے جن میں طبیب محل، مہتمم شاہی کتب خانہ، مشعل بردار اور شاہی رسوم کا منتظم شامل ہوتے تھے۔ خاصہ دار کا کام شاہی دسترخوان کا انتظام کرنا، امیر تزک کے ذمہ شاہی مہر، خازن دار شاہی خزانہ کا نگران اور امین ہوتا تھا۔

مرکزی انتظام کے ذرائع آمدنی

سلطانی دور حکومت میں اس کی شرح 1/5 حصہ اور زیادہ سے زیادہ 1/2 حصہ ہوتی تھی سلاطین دہلی نے اس کا تعین دو طریقوں سے کیا تھا۔ علاؤالدین کے دور حکومت میں ''مساحت'' کا طریقہ رائج تھا۔ اس طریقہ میں زمین کی پیمائشوں کے حساب سے مالگزاری وصول کی جاتی تھی۔ دوسرا طریقہ فیروز شاہ اور غیاث الدین تغلق نے رائج کیا تھا جسے ''محاصل'' کہتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ اصل پیداوار کے لحاظ سے مالگزاری وصول کی جاتی تھی۔

خراج وصول کرنے کا ایک اور طریقہ بھی رائج تھا کہ پوری ریاست کا خراج ہندو راجہ طے شدہ معاہدے کے تحت یکمشت ادا کر دیتا تھا۔

عشر:

زمین کا مالیہ شرعی حد کے مطابق وصول کیا جاتا تھا یعنی بارانی زمین سے دسواں حصہ اور مصنوعی آبپاشی والی زمین سے بیسواں حصہ لیکن ہمیں اس کی مثالیں فیروز شاہ اور دیگر سلاطین دہلی کے ادوار میں بہت کم ملتی ہیں۔

زکوٰۃ:

یہ صرف مسلمان رعایا ادا کرتی تھی۔ اس کی شرح بھی شرعاً مقرر تھی یعنی صاحب نصاب لوگوں سے ان کی آمدنی کا چالیسواں حصہ، جب کوئی مال دیار غیر سے ملک میں داخل ہوتا تو سرحد پر ہی اس سے 2½ فیصد زکوٰۃ وصول کر لی جاتی تھی۔ طلائی زیورات پر زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروری تھا۔

جزیہ:

مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے مال و جان کے تحفظ کے بدلے میں ان سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے جزیہ کہتے ہیں جن کی ادائیگی کے بعد انہیں مسلم ریاست میں ہر طرح کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

مال غنیمت:

میدان جنگ میں دشمن کا جو مال فاتح افواج کے ہاتھ آتا تھا، اسے مال غنیمت کہا جاتا تھا۔ اس میں سے پانچواں حصہ مرکزی خزانہ میں جمع ہوتا تھا اور باقی ماندہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

لاوارث جائیدادیں:

مدفون خزانے اور کانوں سے ملنے والے مال کا پانچواں حصہ مرکزی خزانہ میں پہنچا دیا جاتا تھا جبکہ لاوارث جائیداد (جس کا وارث تلاش بسیار کے باوجود نہ ملتا) پوری کی پوری شاہی خزانہ میں جمع کر لی جاتی تھی۔

تحفے تحائف:

بادشاہ یا سلطان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ وہ تحفے تحائف اور نذرانے ہوتے تھے جو سلطان کو امراء اور غیر ملکی سفراء کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ کچھ ٹیکس ایسے بھی تھے جو زمانہ قدیم سے رائج تھے' وہ بھی اسی طرح وصول کیے جاتے تھے۔ ان میں ہاؤس ٹیکس' واٹر ٹیکس اور چرنی ٹیکس قابل ذکر ہیں۔ ان سے چونکہ کافی آمدنی ہوتی تھی اس لئے انہیں منسوخ نہیں کیا گیا تھا۔

عدالتی نظام کا ڈھانچہ

سلطان کی عدالت:

یوں تو ہر مقدمہ کا فیصلہ قاضی کرتے تھے لیکن اپیل کی سماعت سلطان کرتا تھا اور اس کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا تھا۔

دیوان مظالم و سیاست:

اس کا سربراہ میرداد کہلاتا تھا جو کوتوال شہر' محتسب اور امیر شرطہ کے کاموں کی نگرانی کرتا تھا اور گورنروں اور جرنیلوں کے خلاف پائی جانے والی شکایتوں کو بھی سنتا تھا۔

قاضی القضاۃ:

بنیادی سول مقدمات کی سماعت کے لئے ہر شہر میں قاضی مقرر تھے جو اسلامی شریعت کے مطابق مسلمانوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے اور غیر مسلموں کے مقدمات کا فیصلہ رائج الوقت قانون کے مطابق کرتے تھے۔ اگر کسی کو قاضی کا فیصلہ منظور نہ ہوتا تو وہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی عدالت میں اپیل کر سکتا تھا جہاں اس کی شکایت کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق رفع کیا جاتا تھا۔

دیہاتی پنچائیت:

چھوٹے چھوٹے قصبوں میں پنچائتی سسٹم رائج تھا اور چھوٹے مقدمات کا فیصلہ پنچائیت ہی کرتی تھی جس کے سربراہ گاؤں کے چوہدری اور مقدم ہوتے تھے۔ اگر کوئی بڑا کیس ہوتا تو اس کا فیصلہ شہر کے قاضی کی عدالت میں لے جایا جاتا تھا۔

امیر شرطہ یا کوتوال کی عدالت:

یہ جرائم کی روک تھام اور مجرموں سے عوام کو محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مجرموں کو سزائیں دلوانا بھی اس کا فرض ہوتا تھا۔ ریاست میں اُبھرنے والی شورشوں اور بغاوتوں کا سدباب کرنا بھی کوتوال کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

سلطنت کا صوبائی انتظام

شیر شاہ سوری اور اکبر اعظم کے دور حکومت میں صوبائی نظام کی مکمل تشکیل عمل میں لائی گئی تھی اس سے پہلے صوبوں کی حدود متعین نہ تھیں بلکہ اہم صوبوں میں گورنروں کو لامحدود اختیارات تفویض کر دیئے گئے تھے اور وہ مرکز کی زیرنگرانی اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ صوبوں کی تعداد بھی مختلف ادوار میں گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔

صوبائی گورنر:

گورنر کے لازمی فرائض میں قانون وضوابط کو اپنے صوبے میں لاگو کرنا' تمام اہلکاروں' فوجیوں اور علماء کا پورا پورا خیال رکھنا' عوام کو خوشحال بنانے کے منصوبوں پر عمل کروانا' پیداوار کو بڑھانے والے ذرائع اختیار کرنا' عوام کو انصاف مہیا کرنا۔ غریبوں' ناداروں اور کمزوروں کو ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھنا اور سرکاری واجبات وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کروانا۔

شق:

ہر صوبے کو شقوں ''ڈویژنوں'' میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور ہر شق کا الگ حاکم ہوتا تھا جسے شق دار کہتے تھے۔ اس کی مدد کے لئے ایک فوجدار بھی مقرر ہوتا تھا۔

پرگنہ:

چھوٹی انتظامی وحدت کو پرگنہ ''ضلع'' کہا جاتا تھا اس پرگنہ میں کم از کم سو دیہات شامل ہوتے تھے۔ پرگنہ کے ذمے دار افسر کو ''امیر صدہ'' کہا جاتا تھا۔

سلاطین دہلی کا فوجی نظام

سلاطین دہلی کے دور میں ملکی استحکام کی پوری ذمہ داری فوج پر ہوتی تھی اور پورے ملک میں چھاؤنیاں اور قلعے تعمیر کئے گئے تھے۔ ایسا کرنے کی ضرورت صرف منگولوں کے حملوں کے سدباب کے لئے پیش آئی تھی۔ فوج کے تمام انتظام کی ذمہ داری ''دیوان عرض'' کے فرائض میں شامل تھی جو فوج کی بھرتی کرتا' ان کی تنخواہیں مقرر کرتا' سامان جنگ کی فراہمی اور جانچ پڑتال کرتا۔ دیوان عرض کے افسر اعلیٰ کو عارض الممالک بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سرحد کے محافظ الگ ہوتے تھے جو اعلیٰ پائے کے

جرنیل ہوتے تھے۔ ان کا زیادہ تر تعلق شاہی خاندان سے ہوتا تھا اس کی حیثیت سپہ سالار کی ہوتی تھی۔ اس کے کنٹرول میں اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل فوج ہوتی تھی اور اس کے فرائض میں سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی۔

فوج کی تنظیم کچھ اس طرح ہوتی تھی:

1- سوار فوج
2- پیادہ فوج
3- جنگی ہاتھی

1- سوار فوج:

آج جس فوج کو ''رسالہ'' کہا جاتا ہے' سوار فوج وہی ہوتی تھی اور سلطنت دہلی کا سب سے اہم اور مؤثر حصہ سوار فوج ہوتی تھی۔ اس کے پاس نہایت عمدہ نسل کے گھوڑے ہوتے تھے جو زیادہ تر ترکستان' عرب اور روس سے منگوائے جاتے تھے۔

2- پیادہ فوج:

پیدل فوج کے جوانوں کو ''پائک'' کہا جاتا تھا جبکہ تیرانداز ''دھانک'' کہلاتے تھے۔ اس فوج نے اندرونی سازشوں اور سرکش عناصر کو کچلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

3- جنگی ہاتھی:

جس طرح موجودہ دور میں ''   '' کو بہت اہمیت حاصل ہے' اس دور میں اسی طرح جنگی ہاتھیوں کو بہت اہم خیال کیا جاتا تھا۔ یہ عام ہاتھی نہیں ہوتے تھے بلکہ انہیں بڑی محنت سے جنگی تربیت دی جاتی تھی۔ ہاتھیوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک الگ افسر مقرر ہوتا تھا جسے ''شحنہ فیل'' کا نام دیا جاتا تھا۔

غیاث الدین بلبن تو ایک جنگی ہاتھی کو پانچ سو سپاہیوں کے برابر سمجھتا تھا۔ اس دور میں جنگ کے اسلحہ میں تیر کمان' تلوار' نیزہ' خنجر' گرز اور ڈھال ہوتے تھے۔

علم:

ہر فوج کے ہمراہ بڑے بڑے علم ''جھنڈے'' ہوتے تھے جنہیں ہاتھیوں پر رکھ کر بلند کیا جاتا تھا۔ شاہی جھنڈے کا رنگ سرخ ہوتا تھا۔ قطب الدین ایبک کے زمانہ میں ان جھنڈوں پر چاند' شیر' اژدھا اور دوسری کئی تصاویر کشیدہ کر کے بنائی جاتی تھیں۔

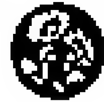
تعداد افواج:

مختلف اوقات میں فوج کی تعداد بھی مختلف رہی ہے جیسے ہنگامی حالات کے تحت بھرتی کی جانے والی فوج کو ''غیر وجی'' کہا جاتا تھا جبکہ مستقل فوج ''وجی'' کہلاتی تھی اور سلاطین دہلی کے پاس

ایک بحری بیڑہ بھی تھا۔

تنخواہ:

شمس الدین التمش کے دور میں فوج کو نقد تنخواہ کی بجائے اقطاع "جاگیر" بخش دی جاتی تھی جس سے وہ اپنا' اپنے بال بچوں اور گھوڑے کا خرچ پورا کرتا تھا جبکہ علاؤالدین نے قیمتوں پر کنٹرول کرنے کے بعد فوج کی تنخواہیں کم کر دی تھیں۔



تغلق دورِ حکومت کے نمایاں پہلو

تغلق سلاطین کا دور 1320ء میں شروع ہوا اور تقریباً سو سال تک رہنے کے بعد 1412ء میں سلطان محمود تغلق کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا جن کی تفصیل ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ اس عرصہ میں انہوں نے ملکی ترقی کی طرف بہت زیادہ توجہ فرمائی۔ دکن جو باغی ہو چکا تھا اُسے از سرِ نو مطیع کیا اور اس طرح انہوں نے مغلوں کے حملوں سے کچھ اطمینان حاصل کیا۔ انہوں نے نئے شہر آباد کرنے کی طرف توجہ مبذول کی چنانچہ کئی نئے شہر اور قصبے وجود میں لائے جونپور کا موجودہ شہر بھی انہوں نے بسایا تھا۔

اہلِ تاریخ کے مطابق محمد تغلق کے دور میں صرف دہلی میں ستر شفاخانے موجود تھے جہاں مریضوں کا علاج اور طعام و قیام مفت تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے پچاس نہریں، چالیس مساجد، تیس مدارس، بیس خانقاہیں، ایک سو محل، پانچ شفاخانے، کئی ایک مقبرے، دس حمام، پندرہ کنویں، ایک سو پل اور لاتعداد باغات بنوائے تھے۔ اسی نے مجرموں کو دی جانے والی سزا کے ظالمانہ طریقوں کو ختم کیا۔ تمام غیر مناسب محصولات ختم کر دیئے۔ یہ پہلا حاکم تھا جس نے شراب پینا اور بنانا جرم قرار دیا تھا۔ اس نے دہلی کے قریب فیروز آباد کے نام سے نیا شہر تعمیر کیا۔ اس پُر رونق شہر میں عالیشان قابلِ دید مساجد اور مدرسے تعمیر کرائے۔ ہندوستان میں پہلا گھنٹہ گھر اسی کے دور میں تعمیر ہوا۔ ہندوستانی عوام کے لئے یہ نئی چیز تھی اور وہ اسے عجوبہ کہتے تھے۔

سلطان محمد تغلق کے دور میں بے شمار نئی سڑکیں بنائی گئیں۔ ڈاک کا نظام بہت بہتر تھا اس نے ڈاک کی کئی قسمیں بنائی تھیں۔ ڈاک نقارہ، ڈاک کبوتر، شتر سواروں کی ڈاک، گھڑ سواروں کی ڈاک اور پیادوں کی ڈاک۔ یہ ڈاک کے نظام کی ہی خوبی تھی کہ محمد تغلق دولت آباد میں بیٹھ کر روزانہ گنگا کا تازہ پانی استعمال کرتا تھا کیونکہ یہ پانی ڈاک کے ذریعے موصول ہوتا تھا۔ یہ غیر ملکیوں کی بہت قدر کرتا تھا۔ علماء، حکماء اور مؤرخ ہر وقت اس کے دربار میں موجود رہتے تھے جن میں چند ایک نام یہ ہیں:

امیر خسرو دہلوی، بدر چاچی، شاعر مظہر ہندی، مؤرخ ضیاء برنی، منطقی سعد، منجم کانگو برہمن، نظام الدین اولیاءؒ، رکن عالمؒ اور نصیر الدین چراغ دہلویؒ۔

یہ تمام بزرگ اپنے اپنے علم کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ اسے ہندو جوگیوں سے بھی اُنس تھا اور وہ ان سے ایک خاص کمرے میں ملاقات کرتا تھا اور ان کی صحبت سے بھی پورا پورا فائدہ اُٹھاتا تھا۔ محمد تغلق کے دورِ اقتدار میں ہندوؤں کے کئی خاندان حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ اس کے دور میں سنسکرت کی کئی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے لئے مصر کے عباسی خلفاء کی طرف سے سفیر حضرات کئی بار خلعتیں لے کر آئے۔

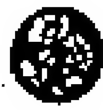
اس کے دور میں تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا یہی وجہ تھی کہ مصر، عراق، عرب اور ترکستان کے تاجروں نے ملک میں ہر وقت گہما گہمی رہتی تھی۔ اس کے دور کی یادگاروں میں گجرات میں بھروچ،

دھوکہ، کھنبائت اور مانگروال کی جامع مسجدیں بہت مشہور تھیں۔ محمد تغلق کے دور میں فوجی عہدے داروں کو نقد تنخواہ کے علاوہ جاگیریں بھی دی جاتی تھیں۔ اس کا دربار بہت شاندار ہوتا تھا۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ اسی کے دور میں ہندوستان آیا تھا اس نے اس کے نظام حکومت کے متعلق لکھا ہے کہ:

''اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ہندوستان کا سرمایہ ہندوستان میں ہی رہے۔ اسی کے دور میں کئی قسم کے نئے سکے جاری ہوئے۔ اس کے دور میں چھوٹے سے چھوٹا سکہ بھی ہوتا تھا۔ اس نے دریائے جمنا کے کنارے ایک نئی چھاؤنی آباد کی تھی جس کا نام ''سورگ دوارا'' رکھا تھا۔ یہ بحیثیت سلطان بڑا رحم دل تھا لیکن سزائے قتل سے کم سزا نہ دیتا تھا۔''

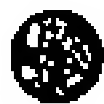
فیروز شاہ تغلق بھی بہت رحم دل تھا۔ اس نے دریائے جمنا سے ایک نہر نکالی جس کا لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ اس نے ''سید حسن پور'' اور ''فیروز آباد'' نام کے دو نئے شہر بسائے۔ یہ خاندان عروج کے دور میں ہندوستان کا تاریخی خاندان تھا بالآخر ''ہر کمالے را زوالے'' کے مصداق اس خاندان کا آخری بادشاہ سلطان محمود شاہ تغلق نہایت کسمپرسی کی حالت میں 1412ء میں فوت ہو گیا چنانچہ ہندوستان میں تخت دہلی پر تغلق خاندان کا قبضہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔



خلجی دور حکومت کے چند نمایاں پہلو

خلجی خاندان نے چالیس برس حکومت کی اور ملک کی سرحدوں کو دھور سمندر تک پہنچا دیا۔ گجرات' دکن اور تلنگ کے راجاؤں کو مطیع اور باجگوار بنایا۔ علاؤالدین خلجی ہندوستان کا صحیح معنوں میں بادشاہ تھا۔ گو مغلوں کے حملے ان کے دور میں جاری رہے مگر خلجی اپنی بہادری سے انہیں فرو کرتے رہے۔ ان کی فوجی طاقت بہت عمدہ تھی۔ ان کے جرنیل اور فوجی سپہ سالار بہت قابل تھے جن میں الغ خان' ظفر خان اور الپ خان جیسے نامور تاریخ میں نمایاں حصہ رکھتے ہیں۔ ان کے دور میں عورتیں بھی کاروبار حکومت میں دخل دیتی تھیں جیسے ملکہ جہاں کے مشورہ سے گجرات کا علاقہ سلطنت دہلی میں داخل ہوا۔ خاندان غلاماں کی نسبت ان کے دور میں تجارت کو زیادہ فروغ ملا۔ غیر ملکی تاجر بہار اور بنگال تک آتے جاتے رہتے تھے۔ سمندر کے راستے بھی تجارت ہوتی تھی۔ دکن اور گجرات کی بندرگاہیں تجارت کا مرکز تھیں۔

جبکہ بھروچ اور کھمبائت کی بندرگاہوں سے روئی' چمڑا' کپڑا' ہتھیار' گینڈے کی کھال اور گرم مصالحہ باہر جاتا اور سونا' چاندی اور گھوڑے درآمد کیے جاتے۔ بادشاہ اشیاء ضروریہ کے نرخوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے بلکہ چیزوں کے نرخ مقرر کر دیئے گئے تھے۔ جتنی ارزانی ان کے دور میں ہوئی ویسی ارزانی ہندوستان میں پھر کبھی نہ ہوئی۔ عمارتیں بہت زیادہ تعمیر کی گئی تھیں جن میں مساجد' مدرسے اور خانقاہیں ملک کے کونے کونے میں تعمیر ہوئیں۔ گجرات پٹن میں الپ خان نے ایک مسجد ایسی کاریگری سے بنوائی تھی کہ ہر ماہ کی یکم تاریخ کا چاند اس کے مینار سے صاف نظر آ جاتا تھا۔ امیر خسرو جیسا شاعر' ضیاء برنی جیسا مؤرخ اور مولانا یعقوب جیسا مفسر اسی زمانے سے تعلق رکھتے تھے۔ شراب بنانا اور بیچنا جرم تھا۔ اخلاقی مجرموں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ سکے سونا' چاندی اور تانبہ تین دھاتوں کے ہوتے تھے جن میں ایک سمت قیمت' بادشاہ اور دارالخلافہ کا نام اور دوسری جانب عباسی خلفاء کا نام ہوتا تھا۔ خلجیوں کے دور میں ہندوستان میں زیادہ ترقی ہوئی حتیٰ کہ ملک خسرو بھی ہندو تھا جو مسلمان ہو کر بادشاہ کا نائب بنا۔



اکبر بادشاہ کی تخت نشینی

اکبر اس وقت تیرہ برس نو ماہ کا تھا کہ مغلوں نے کلانور کے مقام پر اس کے سر پر ہندوستان کی بادشاہت کا تاج رکھ دیا اور اسے "جلال الدین" شاہی لقب دیا گیا۔

بیرم خان جو عام طور سے خانخاناں کے لقب سے مشہور تھا' ہمایوں کے ان رفیقوں میں سے تھا جنہوں نے ہر حال میں اس کا ساتھ دیا۔ وہ اس نوجوان بادشاہ کا سپہ سالار اور اتالیق مقرر ہوا۔ اکبر کلانور میں ہی تھا کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد آگرہ اور دہلی کے مغل حاکم ہیمو بقال سے شکست کھا کر یہاں ملے۔ خانخاناں اب اپنی مغل فوج کو لے کر دہلی کی طرف بڑھا۔ ادھر ہیمو بقال بھی اکبر کو پنجاب سے نکالنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ دونوں کا مقابلہ 1556ء کو پانی پت کے مشہور میدان میں ہوا۔ ہیمو بقال گرفتار ہو کر مارا گیا اور دہلی پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ ہیمو بقال کی شکست کی خبر سن کر سکندر شاہ سوری نے جو پہاڑوں میں چھپا موقع کا انتظار کر رہا تھا' پنجاب میں پھر شورش برپا کر دی۔ آخر کئی مہینوں تک مغلوں کی فوجوں میں محصور رہ کر اس نے اس شرط پر ہتھیار رکھا کہ اس کو بنگالہ نکل جانے دیا جائے۔

خانخاناں میں جنگی قابلیت کے علاوہ موقع شناسی کا بڑا جوہر تھا۔ وہ تجربہ کار اور مستقل مزاج افسر تھا لیکن درباری اس کی سخت گیری اور مطلق العنانی سے گھبرا گئے تھے۔ جب دو تین سرداروں کو اس نے اپنے حکم سے قتل کرا دیا اور اکبر کے استاد ملا پیر محمد کو جراج کے بہانے ملک سے نکال دیا تو خود اکبر بھی ناراض ہو کر دہلی چلا آیا۔ خانخاناں نے ایک عرصہ تک آگرہ میں اکبر کی رضامندی کا انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ بات بنتی نظر نہیں آتی تو سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ شاہی فوجوں نے اسے اس قدر تنگ کیا کہ آخر معافی مانگ کر حج کے ارادہ سے گجرات چلا آیا۔ پٹن میں خان سرور کے تالاب پر تھا کہ ایک پٹھان نے خانخاناں کو قتل کر ڈالا کیونکہ اس نے اس کے باپ کو کسی زمانہ میں قتل کیا تھا۔

سلطنت کی مشکلات سے آگاہی:

اب اکبر سلطنت کی اصل مشکلات سے آگاہ ہوا۔ پنجاب پر حکیم مرزا نے حملہ کیا۔ مالوہ کے ادھم خان نے خودمختاری کا خواب دیکھنا شروع کر دیا ادھر خان زمان جونپور سے بڑھ کر اودھ اور قنوج پر قابض ہو گیا لیکن اس اولوالعزم نوجوان بادشاہ نے ہر جگہ خود پہنچ کر باغیوں کا خاتمہ کیا۔ جب اس سے فراغت ملی تو چتوڑ پر حملہ کیا اور راجہ جے مل کو اپنی بندوق سے مار کر اس کے مضبوط قلعہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد گجرات کی باری آئی جہاں مظفر شاہ سوم کی برائے نام حکومت تھی۔ درحقیقت یہاں کے امیر اپنے اپنے اقتدار کے لئے دن رات لڑتے رہتے تھے۔ 1572ء میں مظفر کے وزیر اعتماد خان نے اپنے اقتدار کو جاتا دیکھ کر اکبر کو گجرات آنے کی دعوت دی اور اکبر کے پہنچنے پر اپنے آقا مظفر شاہ اور سارے گجرات کو اکبر کے حوالے کر دیا۔ اکبر گجرات کی بڑی دولت اور دو سو برس کا جمع کیا ہوا کتب خانہ لے کر دہلی واپس آیا۔

بہار اور بنگال ابھی تک پٹھانوں کے قبضے میں تھے' اکبر نے 1575ء میں بہار فتح کیا۔ پھر بہار

کے مغل حاکموں نے آہستہ آہستہ پورے بنگال پر قبضہ کر لیا اور 1586ء میں کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ یوسف زئی پٹھانوں کو بھی اسی سال شکست دی اور اس لڑائی میں اکبر کا مشہور مصاحب بیربل مارا گیا۔ 1591ء میں قندھار اور سندھ دونوں اکبری سلطنت میں داخل ہوئے۔ 1595ء میں برار 1600ء میں خاندیس اور احمد نگر کا کچھ حصہ بھی سلطنت مغلیہ میں شامل ہوا۔ اس طرح اکبر کے زمانہ میں ہندوستان کی متحدہ سلطنت دوبارہ قائم ہوئی۔ اکبر 63 سال کی عمر میں 49 برس حکومت کر کے 1605ء میں انتقال کر گیا۔

مذہب کے متعلق اکبر کا نیا طرز عمل، تحقیق و جائزہ اور اثرات:

علامہ اقبالؒ کا فرمان ہے:

تخمِ الحاد کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

یعنی اکبر نے مذہب کے بارے میں جو بے دینی کی راہ اختیار کی تھی اس نے دوبارہ دارا شکوہ کی فطرت میں جنم لیا۔

اکبر کا مذہبی رجحان:

اکبر بہت چھوٹی عمر کا تھا کہ اسے ہندوستان کے تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر تک ایک اتالیق کی نگرانی میں رہا۔ اس کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی۔ وہ بچپن میں نماز کا باقاعدگی سے پابند تھا۔ پنج گانہ نمازیں ادا کیا کرتا تھا۔ مذہب اور مسجد سے اسے اس قدر اُنس تھا کہ وہ محلے کی مسجد میں خود جھاڑو دیا کرتا تھا۔ اسے اذان کہنے کا بہت شوق تھا۔ اکبر کی ذات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء کا دل سے قدردان تھا۔ عقائد کے اعتبار سے پختہ مسلمان تھا۔ وہ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس قدر احترام کرتا تھا کہ ملا عبدالنبی کے جوتے سیدھے کیا کرتا تھا لیکن بڑا ہوا اور سیاسی داؤ پیچ سیکھے تو اس نے اپنی سیاسی مصلحتوں کو اولیت دیتے ہوئے درباری ماحول سے متاثر ہو کر مذہب کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔

مذہبی تبدیلی کی چند وجوہ

مذہبی طبقے سے اختلافات:

مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک بڑا طاق تعمیر کرایا، اس کمرے میں مختلف مذاہب کے راہنما اکٹھے ہوتے تھے اور مذہبی موضوعات پر بحث ہوتی تھی۔ بحث کرنے والے علماء کے درمیان بہت بڑی خلیج تھی جسے پاٹنا انسانی بس سے باہر تھا۔ ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا۔ مخدوم الملک اور ملّا عبدالنبی کے درمیان بڑی شدید جھڑپیں ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا جاتا تھا۔ علماء کے درمیان اس اختلاف کو دیکھ کر اکبر کے دل میں شدید ردعمل پیدا ہوا۔

دوسرے مذاہب کے علماء کو دعوت:

مسلم علماء کے درمیان اختلافات کی بناء پر اکبر نے دوسرے مذاہب کے علماء کو اپنے پاس بلوایا۔ ان کے مذہبی خیالات کو سن کر اکبر نے بعض کو اپنا لیا مثلاً:

1- آگ یا سورج کی پوجا کی جائے۔
2- بعض جانوروں کے ذبح پر پابندی عائد کر دی۔
3- جانوروں کے ذبح کے ساتھ شکار پر بھی پابندی لگا دی۔

بھگتی تحریک کے اثرات:

دربار اکبری میں شیخ مبارک ناگوری اور اس کے دونوں بیٹوں یعنی ابوالفیض فیضی اور ابوالفضل کا بہت بڑا دخل تھا اور یہ تینوں آزاد خیال تھے۔ وہ قادریہ صوفیہ اور بھگتی تحریک کے زیر اثر تمام مذاہب کو بنیادی طور پر ایک ہی خیال کرتے تھے۔ مجوسیت (آتش پرستی) ہندومت، جین مت اور اسلام کو ملا کر ایک نیا مذہب اختیار کرنے کا تصور انہی کے ذہن کی پیداوار ہے۔

راجپوت بیویاں:

غیر مسلم راجپوت بیویاں بھی اکبر کے مذہبی خیالات میں مداخلت کرتی تھیں۔ اکبر نے انہیں خوش کرنے کے لئے بہت سی ہندوانہ رسمیں اختیار کر لیں جو سراسر اسلام کے خلاف تھیں۔ راجپوت بیویوں کے علاوہ اکبر کے حاشیہ نشینوں میں بعض خوشامدی درانداز تھے جو مذہب کو اکبر کے ہاتھ میں کھلونا بنانا چاہتے تھے۔ سیاسی اعتبار سے اکبر اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہم ملانا چاہتا تھا اس لئے اس نے ہر مذہب کے چیدہ چیدہ اصول یکجا کر کے ایک ایسے نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کے اصول و ضوابط دونوں کے لئے قابل قبول ہوں۔

مذہب پر اجارہ داری کا پروگرام:

اکبر نے محسوس کیا کہ مذہبی آزاد خیالی کی راہ میں علماء ہی ایک دیوار ہیں۔ ان کے زور کو حتمی طور پر کم کیا جائے۔ علماء اکبر کی پیش کردہ تجویز کو غیر شرعی قرار دیتے تھے۔ اس بناء پر اکبر مذہب کو اپنے اختیار میں لانا چاہتا تھا۔

دیگر بادشاہوں کا رجحان قلب:

تاریخ دان اصحاب نے اس امر کی بھی نشاندہی کی ہے کہ اکبر کے دوران اقتدار میں باقی دنیا کے بادشاہوں کا رجحان قلب بھی یہی تھا کہ مذہب کو اپنے ڈھنگ پر نافذ کر کے سلطنت میں استحکام پیدا کیا جائے۔

اس زمانے میں یورپ میں گرجے کا وجود پیدا ہوا' مشرقی بادشاہوں نے بھی علماء کی آراء کو نظر انداز کر دیا تھا اور اپنی مرضی سے کام چلایا۔ شرعی اور غیر شرعی بحث کو ختم کرنا چاہا۔ بادشاہ عوام کے

مذہبی جذبات کو اپنے اقتدار کو طول دینے اور مستحکم کرنے کے لئے استعمال کرنے پڑتے ہوئے تھے۔ ان حالات میں اکبر نے اپنی اطاعت کو لازم قرار دیا۔

ترجیحی سلوک:

اکبر آغاز کار میں رواداری کی طرف مائل تھا۔ اس نے تخت نشین ہو کر:

1- جزیہ اور یاترا محصول منسوخ کر دیا۔
2- ہندوؤں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے۔
3- اکبر نے ہندوؤں کے مقدس تہوار شاہی محل میں منانا شروع کئے بلکہ ان تہواروں کی رسومات میں اکبر بذات خود شامل ہوتا تھا۔
4- دربار میں راجپوت امراء کو مسلمان امراء پر ترجیح دی جانے لگی۔
5- راجہ مان سنگھ اور راجہ بھگوان داس معتمد ترین فوجی سربراہ شمار ہونے لگے۔
6- راجہ ٹوڈرمل اور رائے سنگھ کو بلند مناصب پر فائز کیا گیا۔
7- اکبری دور میں ہندوؤں کو مکمل آزادی حاصل تھی بلکہ ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جانے لگا۔

ایک فتویٰ کا اجراء اور مسلمانوں کا احتجاج:

1579ء میں اکبر نے مسلمان علماء کے باہمی جنگ و جدل اور اختلاف سے تنگ آ کر مسلمان علماء سے ایک فتویٰ جاری کرایا جس کی رُو سے اکبر کو اسلامی مسائل کی تاویل و تشریح اور مذہبی امور کے فیصلے کرنے کے غیر معمولی اختیارات حاصل ہو گئے۔ یہ فتویٰ حقیقت میں ابوالفضل کے والد شیخ مبارک کی ذہنی اختراع تھی چونکہ اکبر ہر نئی چیز کو فوراً قبول کر لیتا تھا اور اس میں تو اکبر کا اپنا فائدہ تھا لہٰذا اس نے اس فتویٰ کو بہت پسند کیا اور تمام درباری علماء کے دستخط کروا کر اسے اپنے دستخطوں سے جاری کر دیا۔

اس فتویٰ کی بناء پر ایک مسلمان کو مسلمان رہتے ہوئے جتنے حقوق دیئے جا سکتے تھے' دیئے گئے۔ اس لئے ایک مغربی تاریخ دان اسے ''اعلان معصومیت'' قرار دیتا ہے جبکہ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے فوری طور پر اسے غلط قرار دیا اور جونپور کے قاضی مُلا محمد یزدی نے اس فتویٰ کی بناء پر اکبر کو کافر قرار دیا اور لوگوں کو اکبر کے خلاف بغاوت پر اُکسایا۔

اکبر کے امراء میں سے قطب الدین کوکا اور شہباز خاں کمبوہ نے برسر دربار اس فتویٰ پر تنقید کی۔ اکبر کی سلطنت میں کئی اطراف سے بغاوتیں ہوئیں لیکن اکبر نے انہیں بزور طاقت دبا دیا اور صورت حال پر قابو پا لیا۔

اکبر کے عقائد:

1581ء میں اکبر نے ''توحید الٰہی'' کے نام سے ایک حلقہ ارادت قائم کیا جس کے عقائد مندرجہ ذیل تھے:

1- اکبر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔
2- اکبر ایک روحانی پیشوا ہے اس کے احکامات' خیالات اور نظریات اور حکومت کی مخالفت کرنا دین سے نکلنے کے مترادف ہے۔

اس اعلان میں اگرچہ رسول اکرم ﷺ کی لفظوں میں مخالفت نہیں کی گئی مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد اکبر کا نام آتا ہے حالانکہ دوسرے درجے پر رسول کریم ﷺ کا نام آنا چاہیے۔ اس بناء پر علماء اور تاریخ دان حضرات نے اس اعلان کو ایک الگ مذہب قرار دیا۔

اکبر کے اعلان ''توحید الٰہی'' یا ''دین الٰہی'' کی وضاحت:

اکبر کے اس اعلان کی وضاحت کے ضمن میں ان رسوم کا ذکر کرنا ضروری ہے جو اکبر نے دین الٰہی میں شامل کی تھیں۔

اعلان میں بیان کردہ رسوم

1- بیعت:

بادشاہ چونکہ اس سلسلے کا سربراہ تھا اس لئے وہ سربراہ کی حیثیت سے لوگوں کو ''دین الٰہی'' میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ جو شخص شمولیت اختیار کر لیتا تھا وہ اپنے ماتھے پر تلک لگا کر اتوار کے دن دوپہر کے وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا' اپنی پگڑی اُتار کر ہاتھ میں رکھ لیتا تھا اور سر بادشاہ کے قدموں میں رکھ دیتا تھا۔ اکبر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اوپر اُٹھاتا تھا اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر پگڑی باندھتا تھا بعدازاں اکبر اسے ایک تمغہ دیتا تھا جس پر اللہ اکبر لکھا ہوتا تھا۔

2- سلام کا طریقہ:

اس مذہب کا ماننے والا شخص اگر سلام کرنا چاہتا تو وہ ''اللہ اکبر'' کہتا تھا اور دوسرا آدمی ''جل جلالہٗ'' کہتا تھا۔

3- موت سے پہلے دعوت:

مسلمانوں میں بعض لوگوں کے ہاں کسی کے مر جانے کے چالیس دن بعد ایک رسم منائی جاتی تھی جسے چہلم یا چالیسواں کہتے ہیں لیکن اکبر کے ارادت مند اس رسم کو اپنی زندگی میں مناتے تھے چنانچہ رسم منانے والا ایک بڑی دعوت کا اہتمام کرتا تھا جس میں مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ احباب اور ہم مذہبوں کو بھی اس دعوت میں شامل کیا جاتا تھا۔

4- یوم ولادت:

اکبر نے حکم دے رکھا تھا کہ بچے کی پیدائش دھوم دھام سے منائی جائے اور خیرات بھی کی جائے۔

5- تجہیز و تکفین:

اگر کوئی شخص مر جائے تو اس کے گلے میں کچا اناج اور پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دیا جائے۔ جب لاش پھول جائے تو نکال کر جلا دیا جائے اور اگر کوئی جلانا نہ چاہے تو اس کے سر کو مشرق کی طرف اور پاؤں کو مغرب کی طرف کر کے دفن کر دیا جائے۔

6- گوشت کھانے سے پرہیز:

اکبر نے گوشت کھانے کی ممانعت کے آرڈر جاری کئے ہوئے تھے لیکن دین الٰہی کے پیروکار دوسروں کو گوشت کھانے کو دے سکتے تھے۔

7- سونے کے آداب:

سونے کے بارے میں حکم تھا کہ سر مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی طرف کر کے سوئیں۔

8- شادی بیاہ کے آداب:

شادی بیاہ کے سلسلہ میں یہ احکام نافذ تھے کہ نابالغ اور بوڑھی عورت سے شادی کرنا منع تھا۔ بانجھ عورت سے ہم بستری کرنا منع تھا۔

اکبر کے خلافِ اسلام احکام

اسلام کے جملہ احکام میں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کی وساطت سے لوگوں کی بہبود اور عبادت گزاری کے لئے نازل فرمائے ہیں' کوئی لچک نہیں ہے۔ ان کا اطلاق امیر و غریب پر یکساں ہوتا ہے اور یہی مساوات ہی درحقیقت اسلام کی نشر و اشاعت کا بڑا ذریعہ ہے۔ اکبر نے ان اساسی اور اسلامی احکام و قوانین میں کھلی مداخلت کی اور بہت سے نئے احکام جاری کئے جو کسی مرحلے پر بھی عوام کو پسند نہیں تھے۔ پچھلے آٹھ قسم کے امور اور ذکر کردہ احکام اکبر کے خاص مریدوں کے لئے تھے۔ اب ہم اسلام کے ان احکام کا تذکرہ کر رہے ہیں جو اس نے عوام الناس کے لئے نافذ کئے تھے اور ان پر تاکیداً عمل کرایا جاتا تھا۔

1- گائے کا گوشت کھانے پر پابندی:

اکبر نے گائے ذبح کرنے اور اس کا گوشت کھانے پر پابندی لگا دی اور گائے کے گوشت کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا اور بعض خاص دنوں میں تمام جانوروں کے ذبح کرنے اور گوشت کھانے پر پابندی لگا دی۔

2- ارکان اسلام پر پابندی:

اکبر نے نماز باجماعت اور آذان پر پابندی لگا دی۔ سجدہ صرف بادشاہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ روزہ رکھنے پر بھی پابندی عائد کر دی۔ حج کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی۔ عیدین کے بجائے جشن نوروز کو رائج

کیا اور سرکاری طور پر منانے کے آرڈر جاری کیے۔

مولانا عبدالقادر بدایونی کے قول کے مطابق بعض مساجد پر ہندو چوکیدار مقرر کر دیئے' بعض مساجد کو مقفل کر دیا گیا اور بعض کو بطور اصطبل استعمال کیا جانے لگا۔

3- عائلی قوانین:

شادی کے لئے عمر مقرر کر دی۔ لڑکے کے لئے 16 سال اور لڑکی کے لئے 14 سال سے قبل شادی کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ قریبی رشتے دار مثلاً ماموں' چچا' پھوپھی اور خالہ کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کو ممنوع کر دیا اور ایک سے زیادہ شادی پر بھی پابندی لگا دی۔

4- زیورات اور ریشمی کپڑے کا استعمال:

سونے اور ریشمی کپڑے کے استعمال کو مردوں کے لئے جائز قرار دیا بلکہ لازم قرار دیا کہ عبادت کے موقع پر سونے اور ریشمی کپڑے کو استعمال میں لایا جائے۔

5- علم دین پر پابندی:

بدایونی نے ذکر کیا ہے کہ اکبر نے علماء کو ملک بدر کیا اور عربی زبان کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی۔

6- اسلامی ناموں پر پابندی:

اکبر نے ایسے نام رکھنے سے منع کر دیا جن الفاظ میں محمد یا احمد آتا ہو۔ یہاں تک سختی کی کہ اپنے نام کو جلال الدین محمد اکبر کی بجائے جلال الدین اکبر کر دیا۔

اکبر کے دین الٰہی کا ردعمل:

اکبر نے ہندو مسلم دونوں مذاہب کے چیدہ چیدہ اصول جمع کیے مگر اس پر نہ ہندو خوش ہوئے اور نہ ہی مسلمان مطمئن ہوئے۔ راجہ مان سنگھ اور بھگوان داس نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ ہندوؤں میں سے صرف بیربل نے اسے قبول کیا جسے اکبر کا درباری مسخرہ قرار دیا جاتا ہے۔ شیخ فرید اور دوسرے راسخ العقیدہ مسلمانوں نے سر دربار اس مذہب کی مخالفت کی اور اسے خلاف اسلام قرار دیا۔ عوام الناس نے بھی اس سے نفرت کا اظہار کیا نتیجتاً چند ہزار افراد کے سوا کسی اور نے اسے قبول نہ کیا۔

دین الٰہی کا عملی ردعمل:

خواجہ باقی باللہ بیرنگ نقشبندیؒ نے شاہی دربار میں اس مذہب کو بدلنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں شیخ فرید' گورنر لاہور قلیچ خان اور سپہ سالار دکن عبدالرحیم خان خاناں' خواجہ صاحب کے معتقدین میں شامل ہو گئے۔

ابوالفضل کے عزیز شیخ حسام الدین نے خواجہ صاحب کی تبلیغ سے متاثر ہو کر دربار اکبری کی ملازمت ترک کر دی۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے اپنے مرشد خواجہ صاحب کے عمل کو جاری رکھا اور جہانگیر کے دربار میں اپنا گہرا اثر و رسوخ پیدا کر لیا اور بہت محنت کی۔ شاہ جہاں کے دور میں اس مذہب کے اثرات کم ہو گئے۔ اورنگ زیب نے ایک مرتبہ بھرے دربار میں کہا کہ "میرا دادا کافر تھا۔"

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا



نورالدین جہانگیر بادشاہ

1014ھ مطابق 1605ء میں اکبر کا لڑکا سلیم' نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ جہانگیر کا بڑا لڑکا خسرو جو اپنے دادا اکبر ہی کے وقت سے تخت کا مالک بننے کا منتظر تھا' مایوس ہو کر پنجاب کی طرف بھاگا۔ شیخ فرید بخاری نے پیچھا کر کے گرفتار کر لیا۔ پھر اس نے نظر بندی کی حالت میں ہی وفات پائی۔

1030ھ مطابق 1620ء میں جہانگیر کے لڑکے شہزادہ خرم (جس نے آگے چل کر شاہجہان کا لقب اختیار کیا) نے رانا اودے پور کو مطیع کیا اور دربار میں لے آیا۔ 1625ء میں خرم نے دکن پہنچ کر احمد نگر کی پوری سلطنت پر قبضہ کر لیا اسی سن میں ملک عنبر حبشی نے بغاوت کی جو کہ نظام شاہیوں کا سپہ سالار تھا چنانچہ خود تو کشمیر چلا گیا لیکن شہزادہ خرم کو ملک عنبر کی سرکوبی کے لئے دکن روانہ کر دیا۔ شہزادے نے ملک عنبر کو عاجز کر کے صلح پر مجبور کر دیا۔

اسی سال ایرانیوں نے قندھار لے لیا جہانگیر نے خرم کو قندھار کی واپسی کا حکم دیا۔ خرم کو بدگمانی ہوئی کہ نورجہاں مجھے قندھار بھیج کر تخت سے محروم کر دینا چاہتی ہے اس لئے وہ فوج کو لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ سپہ سالار مہابت خان نے لڑائی کر کے شہزادے کو شکست دی لیکن بڑی مشکل یہ آ پڑی کہ خود مہابت خان کا دربار میں اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا جو کہ شہزادہ پرویز کا ہمدرد تھا۔ نورجہان نے اس کانٹے کو بھی نکالنا چاہا۔ مہابت خان ایک اکھڑ سپاہی تھا' نورجہاں کی مخالفت معلوم کر کے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ پہنچا اور موقع دیکھ کر 1625ء میں بادشاہ کو نظر بند کر لیا۔

کچھ دنوں بعد مہابت خان کے سپاہی آپس میں لڑ پڑے اور اس ہلچل میں لوگ بادشاہ کو بھی نظر بندی سے نکال لائے۔ نورجہاں نے خرم کی گرفتاری کی شرط پر مہابت خان کو معافی دی لیکن مہابت خان خرم سے مل گیا۔ 1626ء میں شہزادہ پرویز نے دکن میں انتقال کیا' خود بادشاہ کشمیر سے واپسی کے وقت 1627ء میں لاہور پہنچ کر وفات پا گیا۔

اسی زمانہ میں انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کی طرف سر ٹامس رو سفیر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ جہانگیر نے محض پرتگیزوں کا زور توڑنے کے لئے اس مضمون کا فرمان سفیر کے حسب خواہش دے دیا کہ انگریزی مال پر محصول نہ لیا جائے۔

جہانگیر ہندوستان کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ خوش مذاق تھا' اس کو فطری چیزوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ عجیب وغریب چیزیں جمع کرتا تھا اس کے پاس طرح طرح کے جانوروں کا عجائب خانہ بھی تھا۔ وہ بابر کی طرح علمی ذوق بھی رکھتا تھا۔ تزک جہانگیری اس کا روزنامچہ ہے۔ ان کی بیگم نورجہاں بھی علم دوست تھی۔ اسے تکلف و آرائش کی نئی نئی چیزوں کی ایجاد کا بڑا خیال رہتا۔ گلاب کا عرق پہلے اسی نے کشید کروایا اور چاندنی کا فرش بھی پہلے اسی نے بچھوایا۔



شہاب الدین شاہجہان بادشاہ

خرم 1627ء میں باپ کے مرنے کے بعد شاہجہان کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ تین برس کے بعد دکن کے حاکم خانجہان لودھی نے بغاوت کی جو آخر مارا گیا۔ اعظم خان' آصف خان اور مہابت خان جیسے بڑے مغل سپہ سالاروں نے دکن پر حملے کر کے سارے دکن میں ہلچل مچا دی۔ ساتھ ہی وباء اور قحط نے لاکھوں انسانوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ 1631ء میں دولت آباد اور احمد نگر کی سلطنت مکمل طور پر مغلیہ سلطنت میں شامل کر دی گئی۔ 1635ء میں دکن کی شورش کو دبانے کے لئے بادشاہ خود دولت آباد پہنچا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہوں کو فرمانبرداری کی ترغیب دی گئی۔ بیجاپور کے بادشاہ عادل شاہ کے انکار پر لڑائی شروع کر دی گئی۔ آخر عادل شاہ نے مجبور ہو کر سالانہ خراج دینے کا اقرار کیا تو مغل فوج واپس چلی گئی چنانچہ 1636ء میں شہزادہ اورنگزیب دکن کا صوبیدار مقرر ہوا۔

ہگلی میں پرتگیزوں نے تجارتی کوٹھی کو قلعہ بنا ڈالا۔ بنگال کے صوبیدار نے انہیں تنبیہ کی مگر انہوں نے اپنی توپوں کے بل بوتے پر اس کی پرواہ نہ کی۔ مجبور ہو کر بادشاہ کے حکم سے ان سے زبردستی قلعہ چھین لیا گیا۔ 1637ء میں ایران کے بادشاہ کی طرف سے قندھار کا حاکم علی مراد خان بادشاہ سے ناراض ہو کر شاہجہان کے پاس چلا آیا اور قندھار مغلوں کے حوالے کر دیا۔ 1647ء میں بلخ اور بدخشاں پر مغلوں کے سپہ سالاروں نے لگاتار حملے کئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔

1656ء میں شاہجہان سخت بیمار ہو گیا چنانچہ سلطنت کی باگ ڈور اس کے بڑے لڑکے شہزادہ داراشکوہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے اپنے بھائیوں کو باپ کی بیماری سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو بادشاہ کے مر جانے کا یقین ہو گیا اور ہر بھائی اپنی اپنی فوج لے کر آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب داراشکوہ کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے لڑکے سلیمان شکوہ کو شہزادہ شجاع کے مقابلہ پر بھیجا جس نے بنارس میں شجاع کو شکست دی اور شجاع واپس بنگال چلا گیا اور راجہ جسونت سنگھ کو مراد اور عالمگیر کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ راجہ شکست کھا کر اپنے وطن مارواڑ بھاگ گیا۔ داراشکوہ اس واقعہ سے بڑا تلملایا۔ شاہجہان خود صلح کرانے کے لئے جانا چاہتا تھا مگر داراشکوہ نے نہ جانے دیا اور ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوا۔ آگرہ کے قریب مقابلہ ہوا۔ داراشکوہ شکست کھا کر بھاگ نکلا اور عالمگیر کا آگرہ پر قبضہ ہو گیا۔

عالمگیر نے اپنی سلامتی اور حفاظت کی خاطر شاہجہان کو آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ سات سال کے بعد یہ بوڑھا بادشاہ دنیا سے چل بسا۔ اس کے زمانہ میں بڑی بڑی عمارتیں بنیں جن میں سے دہلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد لاجواب عمارتیں ہیں اور آگرہ کا تاج محل تو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاہجہان کے زمانے میں ہندوستان کی خالص مال گزاری ساڑھے سینتیس کروڑ ادا کی جاتی تھی۔ آمدن کی ترقی ہی سلطنت کے امن و امان کی بڑی دلیل ہے جس کے سبب سے اس کا زمانہ "زریں عہد" کہلاتا ہے۔

محی الدین اورنگزیب عالمگیر

اورنگزیب پایہ تخت میں داخل نہیں ہوا بلکہ داراشکوہ کے تعاقب میں لاہور جانا چاہتا تھا جہاں داراشکوہ ایک بڑی فوج کی تیاری میں مصروف تھا مگر مراد کے مصاحبوں نے مراد کو بدعہدی کی ترغیب دی مجبوراً عالمگیر نے اس کی بدنیتی دیکھ کر انجام کے خیال سے اس کو قید کر دیا اور پھر پے در پے کوچ کرتا ہوا لاہور کی طرف چلا۔ داراشکوہ یہ سن کر ملتان چلا گیا۔ عالمگیر راستہ ہی سے ملتان کی طرف مڑ گیا۔ داراشکوہ کو بھی اس کی خبر ہو گئی' وہ ملتان سے سندھ جا پہنچا۔ عالمگیر نے دو تین افسروں کو داراشکوہ سے لڑنے کے لئے روانہ کیا اور خود دہلی واپس آ گیا۔

یہاں اسے معلوم ہوا کہ شاہجہان اور داراشکوہ کے کہنے سے شہزادہ شجاع معاہدہ کے خلاف فوج لئے بنارس تک آ گیا ہے۔ عالمگیر اسے روکنے کے لئے فوراً چل پڑا۔ اٹاوہ کے پاس دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ راجہ جسونت سنگھ (جس کی پہلی خطا معاف کر کے اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا) یکا یک رات کو دشمن کے ساتھ مل گیا اور شاہی خیموں کو لوٹتا ہوا چل دیا۔ شجاع کو اپنے جنگی ہاتھیوں اور بارہہ کے سادات پر بڑا گھمنڈ تھا جو کہ بہت بڑے بہادر اور جنگجو تھے لیکن عالمگیر نے ان کو شکست دے دی اس کے بعد عالمگیر خود تو دہلی چلا آیا اور میر جملہ سپہ سالار کو شجاع کے پیچھے روانہ کیا۔ اس نے شجاع کو بنگال سے نکال دیا اور بنگال' بہار اور چاٹگام کو فتح کر کے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا۔ شجاع اراکان (برما) پہنچا جہاں سے پیکو (برما کا پایہ تخت) جانا چاہتا تھا کہ اراکان کے راجہ سے راستہ میں لڑائی ہوئی' اس میں مارا گیا۔

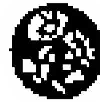
داراشکوہ سندھ سے ''کچھ'' ہوتے ہوئے گجرات پہنچا' یہاں کا صوبیدار اس سے مل گیا۔ عالمگیر کو جب اس کی خبر ہوئی تو ایک فوج ادھر روانہ کی۔ دونوں فوجوں کا اجمیر کے پاس مقابلہ ہوا۔ دارا شکست کھا کر ''کچھ'' ہوتے ہوئے سندھ پہنچا جہاں کے ایک زمیندار ملک جیون نے اس کو گرفتار کر کے عالمگیر کے پاس بھیج دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

چنانچہ 1658ء میں عالمگیر نے اپنے سر پر ہندوستان کی بادشاہت کا تاج سجایا۔ امیروں کو خطاب' جاگیریں اور انعام دیئے۔ غریبوں پر بے حساب سخاوت کی گئی۔ 1662ء میں کشمیر کے حاکم نے چھوٹا تبت فتح کر لیا۔ 1669ء میں افغانوں نے سر اٹھایا تو آغر خان نے دلیری سے حملہ کر کے انہیں کچل دیا۔

1671ء میں ست نامی فقیروں نے نارنول کے پاس فساد مچا دیا اور ایک دو لڑائیوں کے بعد دہلی کے قریب تک چڑھتے چلے گئے۔ عالمگیر نے راجہ بشن سنگھ اور حامد خان کو بھیجا جنہوں نے انہیں شکست دے کر اس فساد کا خاتمہ کر دیا۔

1678ء میں جودھپور کے راجہ نے باغیوں کو پناہ دے کر سرکشی کر دی' عالمگیر اس تیزی سے فوج لے کر پہنچا کہ راجہ کو معافی مانگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ عالمگیر دہلی واپس پہنچا ہی تھا کہ راجہ

نے پھر بغاوت کر دی۔ عالمگیر ادھر اجمیر آیا اور شہزادہ اکبر کو ایک سردار تہور خان کے ساتھ جودھپور روانہ کر دیا۔ دکن اور گجرات کی فوجیں بھی آ گئیں جنہوں نے باغیوں کو اس طرح گھیر لیا کہ انہیں ایک دانہ بھی نہ مل سکے۔ راجہ شاہی فوج کے آتے ہی پہاڑوں میں بھاگ گیا تھا۔ اس نے بادشاہ کو زیر کرنے کی ایک نئی تدبیر سوچی یعنی شہزادہ اکبر کو سبز باغ دکھا کر باپ سے باغی کر دیا۔ اب شہزادہ اکبر نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ راجپوت بھی مل گئے۔ شہزادہ آگرہ کی طرف چلا لیکن عالمگیر کو جن بڑے بڑے سرداروں کی دور اندیشی اور استقلال کا حال اچھی طرح معلوم تھا' وہ شہزادے کو چھوڑ کر ایک ایک کر کے عالمگیر کے پاس چلے آئے۔ اکبر کے راجپوت دوستوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ آخر شہزادے کو دکن بھاگنا پڑا جہاں سے وہ ایران پہنچ کر 1680ء میں مر گیا۔ راجہ جب اپنی اس تدبیر میں بھی ناکام رہا تو شہزادہ محمد اعظم کے ذریعے بادشاہ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ نے اسے معاف کر دیا جس کے بعد وہ خود اور اس کے لڑکے ہمیشہ اورنگزیب کے مطیع اور فرمانبردار رہے۔

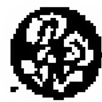


پنجاب میں سکھ

پندرہویں صدی کے آخر میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں ہندو مذہب کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ان میں سے بابا کبیر داس' سوامی ولبھ اچاریہ اور مہاتما چیتیہ نمایاں تھے۔ انہی میں سے بابر کے زمانے میں گورونانک نامی ایک صوفی منش ہندو فقیر تھے' انہوں نے خدا کی یکتائی اور مساوات کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ جب ان کا اثر پھیلا تو لوگوں کو مرید (سکھ) بنا لیا۔ جب 945ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ "گروانگد" ہوئے۔ اس وقت سکھ ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ عقیدہ میں صوفیانہ اسلام اور معاشرت میں ہندو طریقہ کے پیروکار رہے۔ گورمکھی زبان کے حروف انہی کی ایجاد ہے۔ 1552ء میں گرو امرداس اس گدی پر بیٹھے اور امرتسر انہی کا آباد کیا ہوا ہے جس کے لئے زمین اکبر بادشاہ نے عنایت کی تھی۔ ان کے بعد ان کے داماد گرو رام داس گرو بنائے گئے۔ 1581ء میں یہ بھی چل بسے تو ان کے لڑکے ارجن دیو گدی پر آئے۔ سکھوں کی مذہبی کتاب "گرنتھ صاحب" انہی کی مرتب کی ہوئی ہے۔

جہانگیر کے زمانے میں پنجاب کا سرکاری دیوان چندوشاہ ایک ہندو تھا جس نے اپنی لڑکی کی شادی گرو کے لڑکے گوبند سے کرنا چاہی مگر ارجن دیو کے انکار کرنے پر وہ ان کا جانی دشمن ہو گیا اور 1606ء میں بغاوت کا الزام لگا کر ان کو قتل کرا دیا۔ اب ہرگوبند گرو ہوئے۔ انہوں نے مریدوں میں فوجی روح پیدا کی اور ہتھیار بند رہنے کا حکم دے دیا۔ 1644ء میں جب وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے تو گرو ہررائے' ہرکشن اور تیغ بہادر ایک دوسرے کے بعد گرو بنائے گئے۔ 1675ء میں تیغ بہادر کے بعد ان کے لڑکے گوبند سنگھ گرو ہوئے تو انہوں نے مریدوں کو فقیری سے فوجی قالب میں تبدیل کر دیا۔

یہ عالمگیر کا زمانہ تھا' سکھ بیس برس تک ہمالیہ کے دامن میں رہ کر فوج تیار کرتے رہے پھر پہاڑی راجاؤں کو زیر کر کے پنجاب کے شہروں اور دیہات کو لوٹنا شروع کر دیا۔ پنجاب کے حاکم نے ان کی روک تھام شروع کی' تقریباً گیارہ بارہ سال تک ان کے مابین لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ جب اس لڑائی میں ہزاروں مریدوں کے علاوہ گرو گوبند سنگھ کا خاندان بالکل تباہ ہو گیا تو 1707ء میں یہ پنجاب سے دکن چلے آئے اور دریائے گوداوری کے کنارے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔



دکن کے مرہٹے

دکن کے مغربی حصے پہاڑوں سے اٹے پڑے ہیں جن کا کچھ حصہ آج احاطہ بمبئی میں داخل ہے مرہٹے اس جگہ رہتے ہیں۔ یہ دراصل درواڑی نسل کے اصلی ملکی باشندے ہیں لیکن انہوں نے آرین زبان اختیار کر لی۔ جب سلطنت کے شاہی نظام میں ملک عنبر سپہ سالار ہوا تو مغلوں کے مقابلے میں بڑی فوج کی ضرورت دیکھ کر ان کاشتکاروں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور گوریلا جنگ کی تربیت دے کر ان سے کام لینے لگا۔ انہی میں ''سیواجی'' کا داماد ''مالوجی'' بھی تھا جو ملک عنبر کی فوج میں ترقی کر کے ایک بڑے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ''ساہوجی'' شاہی نظام سلطنت میں دخیل ہو گیا اور مغلوں کے مقابلہ کے لئے سلطنت میں جدید روح ڈالنے کی کوشش کی۔

شاہجہان کے زمانہ میں ''ساہوجی'' مغلوں سے مل گیا۔ بادشاہ نے اسے پنج ہزاری عہدہ کے ساتھ ملک عنبر کی جاگیر کا ایک حصہ بھی عنایت فرمایا تھا۔ جب ملک عنبر کا لڑکا فتح خان بھی مغلوں کے ساتھ ہو گیا تو اس کی جاگیر اسے واپس کر دی گئی۔ یہ بات ساہوجی کو ناگوار گزری چنانچہ اس نے مغلوں کے خلاف بغاوت کر دی لیکن شاہی فوج نے اسے جلد ہی زیر کر لیا اور ساہوجی کو معافی دے دی۔ ساہوجی عادل شاہی سلطنت میں ملازم ہو گیا اور ''پونا'' اسے جاگیر میں دے دیا گیا۔

ساہوجی کا لڑکا سیواجی تھا جس نے ایک جتھا بنایا اور چھوٹے چھوٹے قلعوں اور دیہات پر چھاپے مارنے لگا اور کچھ ہی دنوں میں بڑا طاقتور ہو گیا۔ 1657ء میں افضل خان سپہ سالار کو اس کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا گیا لیکن سیواجی نے ایک ملاقات میں دھوکے سے اسے قتل کر ڈالا' پھر عالمگیر نے شائستہ خان کو اس کے تدارک کے لئے بھیجا۔ 1662ء میں شائستہ خان اسے ہر جگہ شکست دیتا ہوا پونا پر قابض ہو گیا۔ اب سیواجی نے ایک اور حربہ استعمال کیا کہ چوروں کی طرح رات کو کھڑکی میں سے اندر گھس آیا تاکہ شائستہ خان کو قتل کر دے مگر دونوں ایک دوسرے سے صاف بچ گئے۔

سیواجی نے اپنے آپ کو مستقل راجہ سمجھ کر اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا اور پھر بندر سورت کے حاجیوں کا قافلہ لوٹ لیا چنانچہ 1663ء میں جے سنگھ اور دلیر خان کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ راجہ جے سنگھ نے 1664ء میں پونا فتح کر لیا اور دلیر خان نے ایک ایک کر کے تمام قلعے چھین لئے اور ایک قلعہ میں یہ خود بھی گھیرے میں آ گیا۔ جب بچنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو مجبور ہو کر بلا ہتھیار سجائے راجہ جے سنگھ سے آ کر معافی کا خواستگار ہوا۔ جے سنگھ نے عزت کے ساتھ اسے دہلی بھیج دیا جہاں بادشاہ نے اسے پنج ہزاری عہدہ داروں میں شامل کر لیا جو مغلوں کے ہاں امیروں کے لئے بڑا عہدہ تھا مگر سیواجی وہاں سے بھاگ کر پھر دکن آ گیا اور بدستور لوٹ مار شروع کر دی۔

1666ء میں وہ اپنے تمام قلعوں کا پھر مالک ہو گیا اور شہزادہ معظم کے ذریعے مغلوں سے صلح کر کے اپنی طاقت بڑھانے میں مصروف ہو گیا۔ آخر عمر میں جب کافی مستحکم ہو گیا تو پھر مغلوں کے ملک میں چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ مغل بھی وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ روک تھام کرتے

رہے حتیٰ کہ 1679ء میں سیواجی کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا لڑکا سنبھاجی تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ دکن کی اسلامی ریاستیں مغل دشمنی میں درپردہ اس کی مدد کرتی تھیں چنانچہ ان ریاستوں کی طرف توجہ کرنا ضروری ہو گیا۔

لہٰذا عالمگیر خود دکن آیا' محاصرہ کیا اور 1685ء میں بیجاپور اور گولکنڈہ کو اپنے قبضے میں کیا۔ ادھر سے اطمینان کر کے مرہٹوں کی طرف توجہ کی۔ ایک دلیر افسر مقرب خان کو سنبھاجی کو تنبیہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ یہ پہاڑوں' گھاٹیوں پر یلغار کرتا ہوا ایک مندر سے سیواجی کو گرفتار کر کے لایا جو بھیس بدل کر بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا۔ عالمگیر تو اسے صرف قید کرنا چاہتا تھا مگر اس نے اپنی نالائق حرکتوں کی وجہ سے اسے کے قتل پر مجبور کر دیا اور اس کے لڑکے ''ساہو'' کو بادشاہ نے اپنے درباری امیروں میں شامل کر لیا۔ پھر وہ عمر بھر ٹھیک رہا۔

سیواجی کی اصلی ریاست تو درہم برہم ہو گئی تھی مگر ساہو کا بھائی رام راجہ ابھی تک راجہ کہلاتا تھا اور چند طاقتور سردار اس کے نام سے اِدھر اُدھر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ ان لئے ذوالفقار خان نے اسے 1697ء میں رام راجہ کے مسکن قلعہ جنجی کو فتح کر لیا۔ رام راجہ بھاگ کر برار چلا گیا اور وہیں جا کر مر گیا۔ 1698ء میں عالمگیر نے بسنت گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ پھر ستارا' کھیلنا' پرنلا' تورنا وغیرہ سب قلعے ایک ایک کر کے واپس لے لئے گئے۔

غرضیکہ 1704ء میں تمام مرہٹے مطیع ہو گئے اور چند مربع میل بھی جگہ ایسی نہ تھی جہاں مرہٹوں کی خودمختار حکومت ہو بلکہ سارا دکن اور مرہٹہ دیس بلا کسی شرکت غیرے عالمگیر کی سلطنت میں تھے اور پھر کسی مرہٹہ سردار کا حوصلہ نہ پڑا کہ سر اُٹھا سکے۔ 1706ء میں عالمگیر بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

عالمگیر پر مختصر تبصرہ:

ہندوستان میں تاریخی زمانہ سے لے کر اس وقت تک اورنگزیب عالمگیر جیسا بادشاہ نہیں گزرا۔ اس نے ہندوستان پر پچاس سال سے زیادہ حکومت کی تھی۔ اس کی عمر 90 برس تھی جو اس نے اعتدال سے گزاری۔ بلخ سے لے کر راج کماری تک اور کراچی (بحر عرب) سے آسام (چین کی سرحد) تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بڑا دور اندیش اور مستقل مزاج حکمران تھا' خود بھی عالم تھا اور علماء کی قدر کرتا تھا۔ فتاویٰ عالمگیری اسی دور میں لکھی گئی ہے اور وہ فارسی زبان کا شاہکار ادیب تھا۔ رقعات عالمگیری پڑھنے سے اس کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے ہندوؤں کی بھی بڑی دلجوئی کی اور اپنے زمانہ میں ہندوؤں کو بڑے بڑے مناصب پر فائز کیا اور مندروں کے نام بہت سی جاگیریں وقف کیں۔

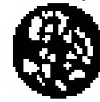


محمد معظم ''شاہ عالم بہادر شاہ'' اوّل

عالمگیر کے بڑے لڑکے شہزادہ معظم کو جب باپ کے مرنے کی خبر ملی تو وہ پنجاب سے دہلی کی طرف چلا گیا۔ ادھر دکن سے عالمگیر کا دوسرا لڑکا شہزادہ اعظم بھی فوجی تیاری کے ساتھ کوچ در کوچ کرتے ہوئے روانہ ہوا۔ معظم شاہ نے صلح کی بہت کوشش کی مگر لڑائی سے نہ بچ سکا۔ آخر دونوں بھائیوں میں سخت معرکہ ہوا اور اعظم کے مارے جانے پر معاملہ طے ہو گیا۔

معظم ''شاہ عالم بہادر شاہ'' کے لقب سے تخت پر بیٹھا تھا۔ اودھے پور اور جودھپور کے حکمرانوں نے حسب عادت بغاوت کی جسے شاہ عالم نے اپنے عظیم الشان اور سپہ سالار ''کام بخش'' منعم خان کو بھیج کر فرو کیا۔ ادھر بیجا پور اور حیدرآباد میں مقیم شاہ عالم کا بھائی لوگوں کے بہلاوے میں آ کر بھائی شاہ عالم سے لڑنے کے لئے چل پڑا بالآخر لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی جگہ داؤد خان پنی کو امیر دکن بنا دیا گیا اور خود واپس ہوا۔ ابھی شاہ عالم برہان پور میں ہی تھا کہ راجپوتوں کی شورش کی خبر سن لی جن کو ایک امیر سیف خان کام بخش کی طرف سے مدد پر آمادہ کیا تھا۔ شاہ عالم اجین سے گزر کر اجمیر میں آ ٹھہرا اور ہر طرف فوجیں روانہ کیں چنانچہ ان راجاؤں نے معافی مانگ لی جو رحم دل بادشاہ نے قبول کر لی۔

1708ء میں سکھوں کے گرو گوبند سنگھ کے انتقال پر ''بندا'' نامی ایک شخص نے گرو گوبند ہونے کا دعویٰ کیا اور ایک بڑی جمعیت اکٹھی کر کے سرہند پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ لوگ دریائے ستلج کی دوسری جانب تک بھی لوٹ مار کرنے لگے۔ آخر بادشاہ نے شہزادہ رفیع الشان کو ان کی روک تھام کے لئے بھیجا۔ شہزادے نے انہیں پے در پے شکستیں دے کر ایک قلعہ میں محصور کر دیا مگر ''بندا'' بھیس بدل کر بھاگ نکلا اور اس کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ شاہ عالم لاہور آ گیا اور 1711ء میں انتقال کر گیا۔



جہاندار شاہ اور فرخ سیر

شاہ عالم کا لڑکا شہزادہ معز الدین اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو ٹھکانے لگا کر جہاندار شاہ کے لقب سے تخت ہندوستان پر بیٹھا لیکن ادھر پٹنہ (بہار) میں عظیم الشان کا لڑکا فرخ سیر موجود تھا اس نے بارہہ کے سادات کی مدد سے آگرہ کے پاس 1712ء میں زبردست لڑائی کے بعد جہاندار شاہ پر فتح پائی۔

بارہہ کے سادات میں سے سیّد عبداللہ خان کو قطب الملک' ان کے بھائی سیّد حسین علی خان کو امیر الامراء کا خطاب دیا اور فیروز جنگ بہادر کے لڑکے چین قلیچ خان کو نظام الملک فتح جنگ کا خطاب دے کر دکن کی صوبے داری عنایت کی۔ حیدر آباد کے نظام کی سلطنت کی بنیاد انہی سے پڑی۔ حسب دستور بادشاہ کے تخت نشین ہوتے ہی جودھپور کا راجہ باغی ہو گیا۔ بادشاہ نے سیّد حسین علی کو گوشمالی کے لئے بھیجا جس نے پے در پے شکستیں دے کر راجہ کو پہاڑوں میں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ناچار اس نے معافی مانگی اور سالانہ خراج ادا کیا اور سیّد حسین' اس کے لڑکے کو لے کر دہلی واپس آیا۔

1714ء میں "بندا" نے پھر سر اٹھایا اور سکھوں کی پہاڑی جماعت کو لے کر پنجاب کے دیہات لوٹنے لگا اور اس بے رحمی اور سنگدلی سے رعایا کو ستایا کہ سارا پنجاب چیخ اٹھا۔ بادشاہ نے لاہور کے حاکم عبدالصمد خان کو اس کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا اس نے ان سب کو اس طرح گھیر لیا کہ فاقوں مرنے لگے مجبوراً "بندا" نے خود کو حوالے کر دیا جسے ساتھیوں سمیت دہلی لا کر قتل کر دیا گیا۔

اب بارہہ کے سادات کا زور بہت بڑھ گیا تھا (بارہہ موجودہ ضلع مظفر نگر میں واقع ہے' یہاں کے سادات اپنی غیر معمولی بہادری کے سبب سے ہمیشہ فوجی عہدوں پر ممتاز رہے) اور وہ سلطنت کے سارے کاروبار پر حاوی ہو گئے۔ دربار کے پرانے امیر تک دم بخود تھے۔ بادشاہ بھی ان کے ہاتھوں تنگ آ گیا تھا۔ سیّد عبداللہ بھی اس معاملہ کو سمجھ گئے۔ 1718ء میں فرخ سیر کو قید کر دیا اور اسی قید میں وہ مار ڈالا گیا اور شاہ عالم بہادر شاہ کے پوتے "رفیع الدرجات" کو تخت پر بٹھایا' وہ تین ماہ بعد دق کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔ پھر اس کے بھائی "رفیع الدولہ" کو تخت نشین کیا لیکن بدقسمتی سے دو ماہ بعد یہ بھی مر گیا۔ ملک میں ہر طرف افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی اور تمام صوبوں کے والی خود مختاری کا خواب دیکھنے لگے۔



محمد شاہ رنگیلا کی تخت نشینی

سیّدوں نے بہادر شاہ کے پوتے مرزا روشن اختر کو محمد شاہ کا خطاب دے کر دہلی پر حاکم بنایا اور نظام الملک کو مالوہ کا حاکم بنا کر دہلی سے رخصت کیا۔ جب سیّدوں کو ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو وہ نظام الملک کے درپے ہوئے چنانچہ سیّد دلاور علی اور عالم خان دو امیروں کو فوج دے کر نظام الملک سے لڑنے کے لئے روانہ کیا مگر نظام الملک نے ان دونوں کو شکست دے کر دکن پر قبضہ کر لیا۔ دوسری لڑائی میں سیّد حسین اور عبداللہ دونوں مارے گئے۔ بادشاہ نے آزادی تو حاصل کر لی مگر عیش و عشرت میں ایسا پھنسا کہ سلطنت کے تمام کاروبار سے بے خبر ہو گیا۔ دکن سے نظام الملک کو بلا کر آصف جاہ کا خطاب دیا اور وزیر بنایا مگر آصف جاہ نے دیکھا کہ یہاں رہنا بادشاہ کی بے اعتدالی کی وجہ سے مفید نہیں ہوگا اس لئے واپس دکن چلا گیا جہاں مرہٹے ملکی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر پھر مضبوط ہو رہے تھے اور ساہو جی کے وزیر بالاجی پیشوا کی ہوشیاری سے بڑی قوت پیدا کر کے چھاپے مارنے لگے تھے۔ نظام الملک کے دکن پہنچتے ہی بالاجی نے صلح کر لی اور اپنا رُخ گجرات اور مالوہ کی طرف کر دیا اور لوٹ کھسوٹ کر ان علاقوں کو تباہ کر دیا اور آخر ان پر قبضہ کر لیا۔

ایران کا بادشاہ ان دنوں نادر قلی درانی تھا' چند امیر اس سے باغی ہو کر پنجاب آ گئے۔ نادر نے لکھا کہ انہیں اپنے ملک سے نکال دو یا گرفتار کر لو۔ محمد شاہ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی تو 1738ء میں نادر شاہ نے مغلیہ سلطنت سے کابل اور پھر سندھ بھی لے لیا اور پنجاب کو کراس کر کے دہلی کی طرف بڑھا۔ محمد شاہ بھی لڑنے کے لئے آمادہ ہوا لیکن آصف جاہ نظام الملک کی کوشش سے دو کروڑ روپیہ پر صلح ہو گئی مگر اودھ کے صوبے دار برہان الملک سعادت خان کی ترغیب سے نادر شاہ دہلی آ پہنچا اور بعض سپاہیوں کی بے اعتدالی سے شہر میں غدر مچ گیا۔ سات روز تک دہلی میں قتل عام اور لوٹ مار مچی رہی۔ آخر نادر شاہ 15 کروڑ نقد' کوہ نور ہیرا اور شاہجہان کے وقت کا بنا ہوا تخت طاؤس لے کر ایران واپس چلا گیا۔ چند سال بعد نادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور کابل کی حکومت اس کے سپہ سالار احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ میں آئی جس نے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ اس طرح ہندوستان میں مغلیہ سلطنت' سلطنت کے ان حصوں سے بے دخل ہو گئی جہاں سے اس کی فوج کے لئے کارآمد سپاہی ہاتھ آتے تھے۔

1748ء میں محمد شاہ کا انتقال ہو گیا اس کا لڑکا احمد شاہ چند سال کے لئے بادشاہ بنا رہا۔ 1753ء میں غازی الدین خان وزیر نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور جہاندار شاہ کے لڑکے کو عالمگیر ثانی کا خطاب دے کر تخت پر بٹھایا۔ وزیر نے پنجاب پر پھر قبضہ کر لینا چاہا لیکن احمد شاہ ابدالی فوراً پنجاب آ گیا اور وہاں سے دہلی آ پہنچا اور ایک روہیلہ سردار نجیب الدولہ خان کو اپنا قائمقام بنا کر واپس ہوا۔ غازی الدین نے مرہٹوں کو ترغیب دے کر دہلی اور پنجاب پر ان کا قبضہ کرا دیا۔ یہ دیکھ کر نجیب الدولہ روہیل کھنڈ چلا گیا اور پنجاب کے پٹھان حاکم کابل پہنچے۔ احمد شاہ ابدالی یہ دیکھ کر مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے ہندوستان روانہ ہوا۔ غازی الدین کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے عالمگیر ثانی کو قتل کر ڈالا اور خود بھاگ کر سورج مل نامی ایک جاٹ کے پاس چلا گیا۔

مرہٹوں کا نیا دور اور پانی پت کی لڑائی

سیواجی کا پوتا ''راجہ ساہو'' جس کو بہادر شاہ نے اس کے وطن واپس کر دیا تھا' عیش پسند اور کاہل نکلا اس لئے سلطنت کی اصل باگ ڈور اس کے وزیر بالاجی کے ہاتھ میں آ گئی جس کا لقب ''پیشوا'' تھا اس نے اندرونی نظام درست کر کے' ان جاگیرداروں کی سرکوبی کی جو شاہی مقامات پر ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ امیر الامراء سید حسین نے دس لاکھ سالانہ اور بوقت ضرورت پندرہ ہزار سپاہی مہیا کرنے کے بدلہ میں دکن کے پرانے رواج کے مطابق سرکاری محاصل کا چوتھائی حصہ بطور کمیشن مرہٹوں کو دینا قبول کیا۔

1719ء میں بالاجی کے بعد اس کا لڑکا باجی راؤ ''پیشوا'' ہوا' اس نے نظام الملک کے سبب سے دکن میں فتوحات کا راستہ بند دیکھ کر گجرات' مالوہ' ماڑوار اور ناگپور کی طرف پیش قدمی کی اور ہر جگہ کامیاب رہا۔ 1740ء میں اس کے لڑکے بالاجی باجی راؤ نے جب اپنے باپ کے بعد سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی تو سلطنت اس قدر مضبوط ہو گئی تھی کہ نظام دکن سے احمد نگر کا ضلع لے لیا اور شمالی ہندوستان میں غازی الدین کی ترغیب سے دہلی اور پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

اب پیشوا دہلی کی شہنشاہی کے خواب دیکھنے لگا اس وقت احمد شاہ ابدالی پنجاب پہنچ چکا تھا۔ مرہٹے ہٹ کر جمنا پار آ گئے ابدالی بھی یلغار کرتا ہوا ان کے سر پر آ پہنچا اور اس زور کا حملہ کیا کہ مرہٹوں کے ایک دستے کے سوا قریب قریب سارے مرہٹے مارے گئے جب ''پیشوا'' کو اس صورت حال کا علم ہوا تو اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور بدلہ لینے کے لئے ایک بہادر سردار ''سدا شیو بھاؤ'' کی ماتحتی میں ایک لاکھ باقاعدہ فوجیوں سمیت تین لاکھ فوج کو روانہ کیا۔ اس فوج کے پاس دو سو توپیں تھیں جو افسر توپ خانہ ابراہیم خان کے ماتحت تھیں۔ پانی پت کے میدان میں 1761ء میں دونوں فوجیں باہم ٹکرائیں۔ فرانسیسی طرز کی گولہ باری میں مہارت تامہ رکھنے والے ابراہیم خان نے اپنے توپ خانہ سے ایک قیامت برپا کر دی لیکن ابدالی نے اپنے خاص رسالہ سے مرہٹہ لشکر کے پچھلے حصے پر اس زور کے ساتھ حملہ کیا کہ مرہٹوں کا میدان میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور بالآخر وہ بھاگ نکلے۔ تقریباً دو لاکھ مرہٹے مارے گئے اور کوئی نامی سردار زندہ نہ بچا۔ پیشوا اس غم میں مر گیا اور اس کا لڑکا مادھوراؤ ''پیشوا'' ہوا۔

ابدالی دہلی پہنچا اور شاہ عالم ثانی کو بادشاہ بنا کر واپس چلا گیا۔ شاہ عالم ان دنوں بہار پر قبضہ کرنا چاہتا تھا جب اسے کسی طرف سے کوئی امداد نہ ملی تو الٰہ آباد میں دس برس تک انگریزوں کا پنشن خوار بن کر مقیم رہا۔ پھر مرہٹوں کی امداد کے بھروسے پر دہلی آیا لیکن دہلی پر قابض غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم کی آنکھیں نکال دیں۔ آخر مرہٹوں نے غلام قادر کے پنجوں سے نجات دلا کر بادشاہ کو اپنے قبضے میں رکھا۔ اس طرح شاہ عالم عرصہ تک مرہٹوں کا دست نگر رہا۔

1804ء میں انگریزوں نے مرہٹوں سے نجات دلا کر پنشن مقرر کر دی۔ اب ہندوستان کی بادشاہت تو انگریزوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور شاہ عالم صرف دہلی کا بادشاہ ہو کر رہ گیا۔

مغربی اقوام کی ہندوستان آمد اور حکمرانی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کا پس منظر:

پانی پت کے میدان میں ایسی بڑی شکست سے مرہٹوں کی مرکزی طاقت ٹوٹ گئی اور دہلی کی شہنشاہی کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ خود آپس میں بھی نفاق پیدا ہو جانے سے چاروں مرہٹہ سردار الگ الگ ہو گئے۔ بھونسلا ناگپور میں' گائیکواڑ گجرات میں' ہلکر اندور میں اور سندھیا گوالیار میں خود مختار ہو کر حکومت کرنے لگے۔ اس بناء پر ایک تیسری قوم کو بڑھنے کا موقع مل گیا۔ یہ لوگ یورپین تھے' ایشیا اور یورپ میں تجارتی تعلقات قدیم زمانہ سے قائم تھے اور خاکنائے سویز کے راستہ سے آپس میں تجارت کرتے تھے۔ آٹھویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک تجارت کا یہ سلسلہ اس طرح رہا کہ بحیرۂ روم کے کنارے رہنے والی قومیں مصر اور شام کی بندرگاہوں میں آ کر ہندوستان کی اجناس جو فارس یا بحیرۂ قلزم کی راہ سے وہاں جاتی تھیں' خرید کر لے جاتی تھیں۔ ان قوموں میں سے وینس اور جنیوا والے اس کام میں بڑے ہوشیار تھے۔ ہندوستان سے مصر یا شام کی بندرگاہوں تک مال زیادہ تر عرب تاجر لے جاتے تھے۔

پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں پرتگال کے باشندے پرتگیزوں کو تجارت کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے جہازرانی میں خوب مہارت پیدا کی۔ انہیں خیال پیدا ہوا کہ ہم لوگ خود ہندوستان جا کر خود کیوں نہ مال لائیں اور پورا نفع اٹھائیں چنانچہ 1498ء میں ''واسکوڈی گاما'' نامی جہازراں پہلی مرتبہ افریقہ کا چکر لگا کر ''راس امید'' پہنچا' پھر وہاں سے اسدالبحر نامی ایک مسلمان جہازراں کی رہنمائی سے کالی کٹ آ گیا۔

اس راستہ کے معلوم ہو جانے سے ہندوستان کی تجارت آہستہ آہستہ پرتگیزوں کے قبضہ میں آ گئی۔ عربوں (موپلوں) کا چونکہ اس سے بڑا نقصان تھا اس وجہ سے ان کے ساتھ اکثر لڑائی رہتی۔ عربوں (مالاباری موپلے) کو شکست ہوئی اور جہازوں کی وجہ سے پرتگیز' مالابار کے کمزور راجاؤں پر بھی غالب آ گئے اور انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی بستیاں سمندر کے کنارے کنارے بسائیں۔ یہ آبادیاں جب بڑھ گئیں تو پرتگال کے بادشاہ نے ان کے انتظام و انصرام اور حفاظت کے لئے ایک حاکم ہندوستان بھیجا۔

1508ء میں دوسرا نائب ''ال بوکرک'' نامی شخص بھیجا گیا۔ یہ بڑا ہوشیار اور عقلمند تھا۔ اس نے تجارت کو ترقی دینے میں بڑی کوشش کی۔ اس شخص کے بعد ستر برس کے عرصہ میں پرتگیزوں نے بڑا عروج پایا۔ ہندوستان کی اکثر بندرگاہیں اور جزیرے ان کے قبضے میں آ گئے چنانچہ سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں جب ان کا زوال ہو رہا تھا تو گوا' سدگلدیپ' ہگلی' چاٹگام' دیو اور دمن سب ان کے ہاتھ میں تھے۔

1600ء میں ہالینڈ کے ولندیزوں کو جہازرانی کا خیال پیدا ہوا اور وہ بھی ہندوستان آ کر تجارت

کرنے لگے اور آہستہ آہستہ انہوں نے پرتگیزوں کی جگہ لے لی۔ پچاس برس کے عرصہ میں ہر جگہ ولندیز ہی ولندیز نظر آنے لگے اور بحری قوت کے سبب سارے بحر ہند پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ ان کا صدر مقام بنگالہ کا مقام ''چنسرا'' تھا۔ ولندیزوں کی کامیاب تجارت نے یورپ کے ہر ملک کو ہندوستان سے تجارت کرنے کا شوق پیدا کر دیا چنانچہ ڈنمارک' جرمنی' فرانس اور انگلینڈ کے لوگ یہاں نہ جم سکے لیکن فرانسیسی اور انگریز برابر ترقی کرتے رہے۔

1591ء میں انگریزوں کا پہلا بیڑا روانہ ہوا مگر یہ ہندوستان نہ پہنچ سکا۔ غالباً راستہ میں ڈوب گیا۔ 1600ء میں انگلستان کی ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں ایک انگریزی کمیٹی قائم ہوئی اور اس کی طرف سے تجارتی جہازوں کا ایک بیڑا ہندوستان بھیجا گیا جو 1601ء میں بڑی کامیابی سے واپس ہوا۔ 1690ء میں ایک اور انگریزی کمپنی قائم ہوئی اسی طرح 1700ء میں ایک تیسری انگریزی کمپنی کھڑی ہوئی۔ ان مختلف انگریزی کمپنیوں میں آپس میں ناچاقی رہتی تھی اس لئے آخر میں یہ مشورہ قرار پایا کہ سب انگریزی کمپنیوں کو ملا کر ایک ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کر دی جائے چنانچہ اس طرح تمام کمپنیاں مل کر ایک ہو جانے سے انگریزوں کے آپس میں رشک و حسد کا خاتمہ ہو گیا اور یہ کمپنی روز بروز ترقی کرنے لگی۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں اس کمپنی کو تجارت کے لئے چار کوٹھیاں بنانے کی اجازت ملی۔ پھر انگریزوں نے محصول معاف کرا کر تجارت کو بڑی ترقی دی۔

1638ء میں شاہجہان نے بائن نامی ایک انگریز ڈاکٹر کے علاج سے شہزادی کی صحت پانے کے انعام میں کمپنی کو تجارتی حقوق عطا کیے۔ صوبہ بنگالہ کے صوبے دار نے بھی اسی طرح رعایتیں حاصل کیں۔ 1640ء میں بیجانگر دکن کے حاکم رام راجا کے بھائی نے انگریزوں کو وہ زمین دی جو آج مدراس کے نام سے مشہور ہے اور انگلستان کے بادشاہ چارلس کے حکم سے وہاں ایک قلعہ بنایا گیا جس کا نام ''سینٹ جارج'' رکھا گیا۔ بمبئی کا جزیرہ پرتگال کے بادشاہ کی طرف سے انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم کی ملکہ کو جہیز کے طور پر ملا اور چارلس نے اس جزیرہ کو کمپنی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

1685ء میں عالمگیر نے انگریزوں کی نیت دیکھ کر بمبئی کے سوا تمام ہندوستان سے ان کو نکال دیا۔ 1696ء میں شہزادہ عظیم الشان نے پھر ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے کلکتہ خرید لیا اور وہاں ''فورٹ ولیم'' کے نام سے ایک قلعہ بنایا۔ اس طرح سے انگریز 1700ء کے اختتام پر مضبوطی سے کلکتہ مدراس اور بمبئی میں جم گئے۔

فرانسیسی بھی انگریزوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں آئے اور کلکتہ کے پاس چندرنگر اور مدراس کے پاس پانڈی چری میں اپنے صدر مقام بنائے اور انگریزوں کے ساتھ ساتھ ہر کام میں دخل دیتے رہے۔ ان کا مشہور فرانسیسی سردار ''ڈوپلے'' تھا جو ہندوستان سے انگریزوں کو نکال کر فرانسیسی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ یہ دونوں قومیں مقامی نوابوں اور راجاؤں کی مدد کے بہانے ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوششیں کرتی رہیں چنانچہ 1750ء میں فرانسیسی غالب اور انگریز پریشان حال ہو گئے لیکن یہ حالت بہت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی بلکہ 1752ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک انگریز کلرک

کلائیو نامی نے قلم چھوڑ کر تلوار سنبھالی اور آہستہ آہستہ تمام فرانسیسی لوگوں کو شکست دے کر انگریزوں کو مضبوط بنایا اور 1759ء میں فرانسیسی ہر جگہ پست ہو کر ہمیشہ کے لئے سلطنت ہندوستان سے مایوس ہو گئے اور 1769ء میں فرانسیسیوں کی تمام تجارتی کمپنیاں بھی ٹوٹ گئیں اور انگریز ہندوستان میں پوری قوت کے ساتھ عروج پر آ گئے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ---- ارتقائی مراحل

انگریزی اقتدار کا آغاز:

فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگالہ میں اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدنے کی اجازت مل چکی تھی اور کلکتہ کے صدر کے دستخط سے جو مال روانہ ہوا کرتا تھا محصول کی غرض سے اس کی تلاش موقوف ہو چکی تھی۔ اس کے بعد سے ارباب کمپنی نے بلامحصول مال کی درآمد و برآمد شروع کر دی۔ ساتھ ہی سازش کے طور پر دوسروں کا مال بھی اپنے دستخطوں سے بھیجنے لگے۔ اس حرکت سے بنگالہ کے ناظم کی آمدن میں بہت نقصان ہونے لگا۔ اس نے ناراض ہو کر زمینداروں کو اشارہ کیا کہ کوئی شخص انگریزوں کے ہاتھ زمین فروخت نہ کرے اس وجہ سے انگریزوں کو ایک عرصہ تک اپنی مطلب برآری میں ناکامی رہی جبکہ نواب علی وردی خان ناظم نے وفات پائی اور نرینہ اولاد نہ ہونے کی بناء پر اس کے بھتیجے کا بیٹا نواب سراج الدولہ اٹھارہ برس کی عمر میں ناظم قرار پایا تو اس کی انگریزوں سے اس بناء پر بگڑی کہ اس کے چچا کا دیوان اس سے ٹوٹ کر انگریزوں سے جا ملا اور جب نواب سراج الدولہ نے اس کا مطالبہ کیا تو واپس نہ ملنے پر جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی' بہت سے مارے گئے۔ مدراس میں بھی انگریز بڑھ رہا تھا' وہاں سے کمک آئی اور انگریزی فوج کے ساتھ نواب کرناٹک کی فوج ہونے کے باوجود سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست دی مگر سراج الدولہ کی فوج کے آدمی اس قدر مارے گئے کہ فتح کی خوشی میسر نہ آئی مگر پھر بعد میں اس شرط پر صلح ہوئی کہ شاہی نامہ معاہدہ کی رو سے انگریز اڑتیس گاؤں کی زمینیں خریدیں اور مال بھی اپنے دستخط سے روانہ کریں مگر مال صرف اپنا ہو۔

میر جعفر کی غداری:

چند روز گزرے تھے کہ اور سازش شروع ہوئی۔ علی وردی خان کا داماد میر جعفر خان' دیوان رائے دلبھ رائے جگت اور سیٹھ مہتاب رائے کے ساتھ اندر کھاتے انگریزوں سے جا ملا۔ انگریزوں نے اسے ناظم بنگالہ بنا دینے کے وعدے پر اس سے ایک خفیہ عہدنامہ کرا لیا جس میں سراج الدولہ کے عہدنامہ میں اس قدر اضافہ کیا گیا کہ "کلکتہ سے دکن تک کمپنی کی زمین داری سمجھی جائے۔ فرانسیسی بنگال سے نکال دیئے جائیں اور کمپنی کو نقصان کے طور پر دو کروڑ پینتیس لاکھ ہرجانہ ادا کیا جائے۔"

اس عہدنامہ کی سراج الدولہ کو خبر نہ ہوئی اور وہ دل سے جعفر کے ساتھ صاف رہا۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے پھر جنگ شروع کی مگر جب عین لڑائی میں جعفر کی بے وفائی کا پتہ چلا تو سراج الدولہ

کے ہوش جاتے رہے اور ساتھ ہی اس کے پاؤں اکھڑ گئے لہٰذا اس لڑائی میں سراج الدولہ کو ناکامی ہوئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے انگریزوں کے قدم جم گئے اور وہ حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے۔ (شاہ عالم نامہ' ص 52)

میر قاسم کی سازش:

میر جعفر کا ایک بیٹا تھا جو اس زمانہ میں آسمانی بجلی گرنے سے مر گیا تھا' اب جعفر کے داماد قاسم علی خان نے وہی کارروائی شروع کی جو سراج الدولہ کے خلاف اس کے خسر میر جعفر نے کی تھی۔ انگریزوں سے اندر ہی اندر سازشیں ہونے لگیں اور وہی پرانا طریقہ کام میں لایا گیا کہ عہدنامہ سابق کے علاوہ پینتیس لاکھ نقد اور بردوان' میدنی پور اور چٹ گاؤں کی زمینداری کا اضافہ کرنے کے بعد انگریزوں کے پاس مشورہ لینے کے لئے گیا جس کے نتیجے میں جعفر کو قید کر لیا گیا اور قاسم علی خان کو ناظم بنگال مشتہر کر دیا گیا۔ میر قاسم نے اپنے عہد حکومت میں عہدنامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا مگر کمپنی کی ضروریات دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں۔

عالی گوہر کی تخت نشینی:

عالی گوہر نے 1762ء میں دوبارہ بہار کی طرف رُخ کیا۔ دریائے سون کو عبور کر کے کھٹولی میں قیام کیا۔ چار ماہ بعد دہلی سے خبر ملی کہ عماد الملک نے عالمگیر ثانی کو قتل کر دیا۔ (شاہ عالم نامہ' ص 90)

اراکین مملکت کے مشورہ سے عالی گوہر نے کھٹولی میں شاہ عالم کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ (مفتاح التواریخ' ص 344)

چنانچہ خیرخواہی کے صلہ میں نجیب الدولہ کو امیر الامراء بنایا اور شجاع الدولہ کو وزارت کا نامہ ارسال کیا اور منیر الدولہ کو احمد شاہ ابدالی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔ رسومات جشن جلوس سے فراغت پا کر لشکر نے حرکت کی۔ رام نرائن نے آگے بڑھ کر روکا مگر اسے شکست اٹھانا پڑی اور زخمی ہو کر پٹنہ میں محصور ہونا پڑا۔ بادشاہی فوج نے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا۔

کمپنی نے راجہ کی مدد کے لئے اپنی فوج بھیج دی۔ سال بھر تک جھڑپیں جاری رہیں' آخر میں کامیابی انگریز کو ہوئی لہٰذا بادشاہ نے موسیوں فرانسیسی کی مدد سے انگریزوں کا مقابلہ کیا مگر بڑے کشت و خون اور شکست کے بعد اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریز سردار انہیں لے کر پٹنہ چلے آئے اور قلعہ میں ٹھہرایا۔

ناظم بنگال میر قاسم' بادشاہ کے پاس پٹنہ آیا چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر بادشاہ سے نظامت کی شرط حاصل کر لی مگر انگریزوں نے خلاف معاہدہ اپنے دستخط سے اپنا اور اپنے گماشتوں اور دیگر قوموں کے تاجروں کا مال روانہ کرنا شروع کر دیا جس سے میر قاسم کی آمدنی بہت کم ہو گئی۔ اس نے انگریزوں سے شکایت کی جب اس کی شنوائی نہ ہوئی تو اس نے سرے سے محصول ہی بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اس سے انگریزوں کو نقصان ہوا انہوں نے قاسم کو دھمکایا کہ ہمارے سوا کسی

کا محصول معاف نہ کیا جائے۔

الٰہ آباد میں قیام:

منیر الدولہ احمد شاہ ابدالی کے پاس سے واپس آیا اور سلطنت کی بحالی کا مژدہ سنایا شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ نے بادشاہ کو الٰہ آباد آ کر مقیم ہونے کی فرمائش کی۔ بادشاہ خود بھی انگریزوں کی نگرانی سے بچنا چاہتے تھے آخر پٹنہ سے روانہ ہو گئے اور الٰہ آباد آ گئے۔ یہاں شجاع الدولہ ان پر مسلط ہو گیا۔

بکسر کی جنگ میں مہاراجہ بنارس کی غداری:

میر قاسم کی انگریزوں سے کشمکش چل رہی تھی بالآخر مقابلہ ہوا۔ میر قاسم شکست کھا کر شجاع الدولہ کے پاس الٰہ آباد آیا چنانچہ 1764ء میں بکسر کے مقام پر میر قاسم اور شجاع کا اکٹھا لشکر انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں آیا۔ اس جنگ میں انگریز کثرت سے کام آئے۔ جنگ کے موقع پر ابتری کی حالت میں انگریزوں نے بنارس کے مہاراجہ کو ان سے توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے آقا شجاع الدولہ کی فوج میں انگریزوں کو بغیر لڑے گھس آنے دیا اور یہی جنگ بکسر کی جنگ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔

بادشاہ کی بے بسی:

شجاع الدولہ جان بچا کر روہیل کھنڈ کے نوابوں کی خدمت میں آ گیا۔ یہاں اس کی بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ اب بادشاہ بے یارومددگار تھے انہوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کی حفاظت میں دے دیا اور الٰہ آباد واپس چلے آئے۔

بکسر کی لڑائی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر گئی۔ اب تک انگریز ہندوستان میں تجارت کرتے تھے اس فتح کے بعد تین بڑے صوبوں کے حاکم بن گئے۔

شجاع الدولہ سے انگریز کی صلح:

انگریزوں نے پچاس لاکھ اور اڑتالیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی والے دو صوبے الٰہ آباد اور کوڑہ شاہجہان آباد شاہ عالم کی جاگیر میں دیئے جانے پر شجاع الدولہ سے صلح کر لی۔ بادشاہ کا قیام الٰہ آباد میں برقرار رکھا گیا۔ اس عرصہ میں میر جعفر دنیا سے چل بسا تو انگریزوں نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو مسند نشین کیا۔

اب گزشتہ عہدناموں پر یہ اضافہ کیا کہ نائب صوبہ انگریزوں کے مشورے سے مقرر ہوا کرے گا اور ان کی اجازت کے بغیر اسے عہدے سے سبکدوش نہیں کیا جا سکے گا۔ اب چند دن کے بعد ناظم کو برائے نام کر کے تمام اختیارات نائب ناظم کو دے دیئے گئے۔ شاہ عالم الٰہ آباد میں سلطنت کر رہے تھے مگر نگران انگریز تھے۔ (سیر المتاخرین ص 70)

اور شجاع الدولہ بادشاہ کو کھانے کے اٹھارہ سو ماہوار ادا کرتے تھے۔ بادشاہ سات برس تک الٰہ آباد میں رہے۔ امراء نے رنگ رلیوں میں جی بہلانے کا سامان مہیا کر دیا تھا۔

بادشاہ کی دہلی میں تشریف آوری:

بادشاہ کی الٰہ آباد میں موجودگی' نجیب الدولہ کے انتقال اور سکھوں کی کمزور حکومت سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں نے پورے ملک پر حکومت کرنے کا پھر منصوبہ بنایا۔ تجویز یہ تھی کہ فی الحال شاہ عالم کو ہاتھ میں لیا جائے۔ ادھر نجیب الدولہ کا خلف ضابطہ خان' اپنے علاقے فرخ آباد میں چلا گیا۔ بادشاہ کو بھی حکومت پھیلانے کی راہ سوجھی چنانچہ بادشاہ انگریزوں اور شجاع الدولہ دونوں کی مرضی کے خلاف دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ فرخ آباد آ کر مقیم ہوئے' یہاں مرہٹہ سردار آ کر قدم بوس ہوئے۔ فرخ آباد کے نواب نے نذرانہ پیش کیا' وہ منظور کرتے ہوئے۔ جناب 1772ء کو دہلی تشریف لے آئے۔

نواب ضابطہ خان کی تذلیل:

مرہٹوں کی راہ میں نواب ضابطہ خان ایک زبردست کانٹا تھا اور یہ روہیلوں کا سردار بھی تھا جبکہ بادشاہ مرہٹوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا چنانچہ بادشاہ نجیب الدولہ کے تمام احسانات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے 1772ء میں روہیلوں (نجیب الدولہ کا خاندان) کے تباہ کرنے کے لئے اپنی فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ اس فوج کشی کا ضابطہ خاں مقابلہ نہ کر سکا' بھاگ کر شجاع الدولہ کی پناہ میں چلا گیا۔ مرہٹوں نے نجیب الدولہ کے خاندان کے جملہ افراد' بچوں اور عورتوں تک کو پکڑ کر قید کر لیا' مال و اسباب لوٹا' شاہ عالم اپنے سامنے روہیلہ خاندان کی پردہ دار عورتوں کو ذلیل و رسوا ہوتا دیکھ رہا تھا۔

(نجیب التواریخ قلمی' بیت المصنفین علی گڑھ)

مرہٹے کامیاب ہوئے مگر انہوں نے مال میں سے بادشاہ کو کوئی حصہ نہ دیا۔ غوث گڑھ کے علاوہ پورا سہارنپور کا علاقہ بادشاہی قبضہ میں چلا گیا۔

اب روہیلے آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ بادشاہ بے سمجھ ہے' اسے کسی نہ کسی طرح مرہٹوں کے پنجوں سے نکالا جائے اور رہی سہی حکومت کو بچا لیا جائے۔ ضابطہ خان نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے سازباز کی حتیٰ کہ مشہور ہو گیا کہ ضابطہ خان سکھ بن گیا ہے بالآخر نجف خان کے ہاتھوں اس کی تدبیریں خاک میں مل گئیں۔ ضابطہ خان کا بیٹا غلام قادر تھا' جب غوث گڑھ کی تباہی کے بعد مرہٹے ضابطہ خان کے بیوی بچوں کو پکڑ کر لائے تھے تو ان میں اس کا بیٹا غلام قادر بھی تھا اس وقت اس کی عمر نو دس سال تھی اور یہ بہت حسین تھا۔ بادشاہ نے اسے قتل کرنا چاہا مگر منظور علی خان کی سفارش پر چھوڑ دیا لیکن بادشاہ نے اسے خصی کرا دیا اور اپنا منظور نظر بنا کر قدسیہ باغ میں رکھا۔ بادشاہ خوب رنگ رلیاں مناتا' ناچ گانا ہوتا اور غلام قادر کو زنانہ لباس پہنا کر ان کے سامنے لایا جاتا۔ اس نے نادانی کی حالت میں بادشاہ کے سب ظلم سہے مگر ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملا۔

(تاریخ ہندوستان ج 9' ص 334- واقعات مظفری و نجیب التواریخ قلمی' ص 150)

نواب غلام قادر کا انتقام:

ضابطہ خان کے انتقال کے بعد نواب غلام قادر جاگیر پر قابض ہوا۔ اہل دربار اور امراء بادشاہ

کی مرہٹہ نوازی سے تنگ آ چکے تھے اور پھر جب غلام قادر دہلی آیا تو بادشاہ نے خفیہ طریقے سے مادھو جی سندھیا کو پیغام دیا کہ اگر تو دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے آئے تو میں تیری مدد کروں گا اور تیرا قبضہ کرواؤں گا۔ اس حرکت سے تمام امراء بادشاہ سے بگڑ گئے اور غلام قادر کے ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی مسلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اس نے منظور علی کی معرفت اس سے ملاقات کی اور اسے امیر الامراء بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا کہ شاہی خزانے سے نئی فوج کی بھرتی اور اس کی از سر نو تنظیم کے لئے روپیہ دے دیجئے تاکہ مرہٹوں کے قبضے میں جانے والا حصہ واپس لے کر مغلیہ سلطنت کی عزت و آبرو کو بچا لیا جائے۔ تمام اہل کار غلام قادر کی رائے کے مؤید تھے مگر سیتل داس خزانچی نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔ (نادرات شاہی' ص 28)

غلام قادر کو پتہ لگ گیا کہ یہ بادشاہ کی حرکت ہے اور اس نے بادشاہ کی طرف سے سندھیا کو لکھا گیا خط نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا جس میں اسے غلام قادر کے خلاف مدد کے لئے پکارا تھا۔
(تاریخ ہندوستان' ص 333)

پھر غلام قادر نے بادشاہ سے التجا کی کہ آپ مغلیہ سلطنت کو مرہٹوں کے سپرد کیوں کر رہے ہیں؟ اسے ان سے بچا کر اپنا اور اپنے امراء کا وقار بحال کریں مگر بادشاہ نے اس کی کوئی شنوائی نہ کی چنانچہ بالآخر غلام قادر نے اپنی جان اور مغلیہ سلطنت کو بچانے کے لئے پہلے شاہ عالم کو معزول کیا اور پھر احمد شاہ کے بیٹے بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا اور بادشاہ کو مرہٹوں کا حامی پا کر قلعہ معلی میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ غوث گڑھ کی لوٹ مار کے وقت جو کچھ اس کے خاندان پر گزری تھی' کچھ اس سے بڑھ کر ہی شاہی خاندان پر گزری کیونکہ غلام قادر کا جوش انتقام بہت بڑھا ہوا تھا۔ (نادرات شاہی' ص 29)

بادشاہ' شاہ عالم کی آنکھیں نکالنا:

7 ذی قعدہ 1202ھ کو شاہ عالم کو دیوان عام میں بلا کر اس سے روپیہ طلب کیا۔ اس کے انکار کرنے پر غلام قادر نے اسے نیچے گرا کر اس کی آنکھیں نکال لیں۔ غلام قادر کی اس قبیح حرکت پر ارا کین سلطنت اس سے بگڑ گئے اور اس نے تمام ہمدردیاں ختم کر دیں۔ یہ چند شہزادوں کو ساتھ لے کر میرٹھ چلا بنا۔ سندھیا نے رانا خان کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور اسے پھر موقع مل گیا کہ بادشاہ کو قابو میں لائے کیونکہ ایک مرتبہ اس نے پہلے بھی بادشاہ کی کمزوری اور مسلمان امراء کی باہمی شکر رنجیوں سے فائدہ اُٹھا کر آگرہ سے دہلی تک کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا اور بادشاہ کی 65 ہزار تنخواہ مقرر کر دی اور تمام امراء کی جاگیروں کو ضبط کر لیا تھا۔ یہ وہ دن تھا جب مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہو گیا اور بادشاہ مرہٹہ ریاست کے تنخواہ دار کی حیثیت سے نظام سلطنت چلانے لگے۔ اس سے مسلمانوں میں شدید غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی۔

اب پھر مرہٹہ فوج نے غلام قادر کو گھیر لیا اور ربیع الاوّل 1203ھ میں گرفتار کر کے بادشاہ کے انتقام میں تکہ بوٹی کر دیا۔

سندھیا نے مصلحت کی بناء پر بادشاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا مگر کل اختیارات چھین لئے اور اخراجات کے لئے نو لاکھ سالانہ مقرر کر دیئے۔ اب بادشاہ مرہٹوں کے آلہ کار تھے' کوئی روہیلہ سردار باقی نہ بچا تھا کہ اس کی معاونت کی بناء پر مرہٹوں پر خوف طاری ہوتا۔

مرہٹوں کے مظالم:

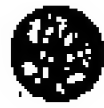
کچھ عرصہ ہی بعد مرہٹوں نے وحشیانہ طور پر شاہ دہلی اور دلی والوں کو ستانا شروع کر دیا اور جو ان کے دل میں آتا' کرتے۔ قلعہ معلیٰ میں دست اندازی کر کے بادشاہ کا دل دکھاتے۔ شاہ عالم کی پانچویں بیوی زبدۃ النساء بیگم بڑی عقل مند عورت تھی اس نے مرہٹوں کا یہ رنگ دیکھا کہ مقررہ رقم دینے میں بھی اُلجھن پیدا کی جاتی ہے جس سے محل کے اخراجات میں بھی بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے اس نے شاہ عالم سے کہا کہ لارڈ ولزلی کے نام خط بھیجو اور انگریزوں کے ذریعے ان مرہٹوں کے پنجہ سے رہائی پاؤ چنانچہ شاہ نے لارڈ ولزلی کو اپنی داستان مصیبت یوں لکھی:

> ''میری مرہٹوں کی قید میں حالت اور بھی بدتر ہے وہ وزیر بن کر رہتے ہیں لیکن الٹا مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں تمہیں یا تمہارے پسند کردہ شخص کو اپنا دستور بناؤں' میری آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم بہت جلد آؤ اور مرہٹوں کی قید سے مجھے رہائی دلاؤ'' (تذکرہ عالم از مولوی رحیم بخش دہلوی' ص 256)

لارڈ ولزلی کا کردار:

جونہی لارڈ ولزلی نے یہ سلطانی تحریر دیکھی تو بہت خوش ہوا اور اس کے جواب میں لارڈ موصوف نے بادشاہ کا یوں اطمینان خاطر کر دیا کہ:

> ''آپ گھبرائیں نہیں ہم لوگ بہت جلد آپ کو مرہٹوں کی قید سے رہائی دلا دیتے ہیں۔''



انگریز اور مرہٹہ جنگ

پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور مرہٹوں کو شکست دی۔ دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی۔ انگریزوں نے اس جنگ کے لئے ''لارڈ لیک'' کو مقرر کیا تھا' وہ 1803ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا جبکہ دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسیسی جنرل ''یوکین'' تھا۔ مرہٹے اس جنگ کو دل لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لئے انہوں نے اس میں اتنا زور ہی نہیں لگایا۔ صرف جنرل یوکین صف آراء تھا۔ جب جنگ خونریزی کے ساتھ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ آپ چل کر جنگ کریں۔

زبدۃ النساء نے ہر چند چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلے میں نہ جائے لیکن مرہٹے بضد رہے بالآخر زبدۃ النساء بادشاہ کے پیچھے ہاتھی پر خود بیٹھی اور ہاتھی میدان جنگ کی طرف چلا چنانچہ زبدۃ النساء پیچھے سے کہتی جاتی تھی کہ ہاتھ بلند کر کے تیر مارتے جایئے اس اثناء میں بیگم نے لارڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک تحریر بھیجی جس میں مجبوری کا اظہار تھا بالآخر مرہٹے لارڈ لیک کے مقابلہ میں شکست کھا گئے۔

انگریز کی فتح:

11 ستمبر 1803ء کو دہلی فتح ہوئی' لارڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں آ کر عرض کیا: حضور آج آپ مرہٹوں کی قید سے آزاد ہو گئے۔ زبدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا کہ شاہ آپ کو فرزند دلبند کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارک باد دیتے ہیں۔ لارڈ لیک نے یہ سن کر ٹوپی اُتار کر سلام کیا' شاہ کے اسے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ گوروں کی پلٹنوں نے لارڈ لیک کے حکم سے شاہ کو سلامی دی اور شاہ پھر بڑے جاہ و جلال سے قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے۔
(تذکرۂ عالم' ص 256)

دہلی پر انگریزی قبضہ:

14 ستمبر 1803ء کو برطانوی فوجوں نے جمنا عبور کر کے دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا اور 16 ستمبر کو لارڈ لیک دہلی شہر میں داخل ہوئے اور مظلوم مسلمانوں کی دلجوئی کی جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ اب شمال مغربی صوبوں میں ان کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دوآبہ کا علاقہ برطانیہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ (مقدمہ راجہ رام موہن رائے' ص 89)

بادشاہ کی حالت:

اب بادشاہ کی حالت بہت زبوں تھی' وہ جس وقت دہلی کے قلعہ میں گئے تھے شکستہ حالی میں گرفتار' ضعیفی' غربت' عدم بصارت اور ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنی عظمت رفتہ پر آنسو بہا رہے تھے۔

ریزیڈنٹ کا تقرر:

شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے۔ کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے تو ڈپٹی جوائنٹ جنرل لیفٹیننٹ کرنل اکڑلونی برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے دربار مغلیہ میں ریزیڈنٹ بنائے گئے۔

دو سال جوں توں کر کے گزرے اس اثناء میں زیواڑی پر برطانیہ نے فتح حاصل کی تو بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلہ میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مسرت اور جانبداری کا اظہار کیا۔

برطانوی افسران میں مشورہ ہوا کہ مدت دراز ہوئی شاہ دہلی اپنا شاہی وقار کھو چکے ہیں لہٰذا اسے ازسرنو زندہ نہ کیا جائے اس بناء پر شاہی رتبہ اور وظیفہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔

(دیباچہ رام موہن رائے' ص 93)۔

13 مئی 1805ء کو دہلی کے ریزیڈنٹ کے ذریعے بادشاہ کو مطلع کیا گیا کہ ہمارے اور آپ کے تعلقات کن شرائط پر استوار ہوں گے اور ساتھ ہی اقرار نامہ بھیجا گیا جس کی مختصر شرائط یہ تھیں:

1- وہ خاص علاقہ جو دہلی کے نواح میں دریائے جمنا کے داہنی طرف ہے' اقرار نامہ کی شرائط کے مطابق شاہی خاندان کی کفالت کے لئے دے دیا جائے لیکن یہ علاقہ دہلی کے ریزیڈنٹ کے ماتحت رہے گا۔ مالیات کا وصول کرنا اور انصاف قائم کرنا گورنمنٹ برطانیہ کے قانون کے مطابق ہوگا لیکن شاہ عالم کے نام سے موسوم ہوگا۔

2- بادشاہ کو اختیار ہے کہ کلکٹر کے دفتر میں ایک دیوان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے افسر رکھیں جو حساب کتاب کی پڑتال رکھیں اور آمدن و خرچ کی رپورٹ دیں۔ (مقدمہ رام موہن' ص 92)



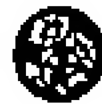
مغلیہ حکومت کا آخری دور

سر جے ڈبلیو لکھتا ہے کہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر قیام سلطنت (مغلیہ) کی تجویز لارڈ ولزلی' جارج پارلو اور مسٹر ریڈ جانسن جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔

اس اسکیم کے تحت شاہ عالم کی حیثیت ایک پنشن خوار کٹھ پتلی سے گو کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اس کے پاس کچھ بھی شاہی اختیارات نہ تھے۔ وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی۔ وہ سب کچھ بھی اور کچھ بھی نہیں تھا۔ (مقدمہ راجہ رام موہن رائے' ص 93)

وفات:

چنانچہ 19 نومبر 1806ء کو اس بادشاہ نے مغلیہ حکومت کا بیڑہ غرق کر کے اس عالم فانی سے کوچ کیا اور اسے قطب صاحب میں بہادر شاہ اوّل کی قبر کے برابر دفن کیا گیا۔ اس کی حکومت کی کل مدت اڑتالیس سال ہے جس میں سے اس نے بارہ برس بہار اور الٰہ آباد اور سترہ برس بینائی کے ساتھ اور انیس برس بغیر آنکھوں کے دلی میں گزارے۔



ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی' شاہ دہلی

شاہ عالم کی وفات کے وقت محمد اکبر شاہ ثانی کی عمر 46 سال تھی۔ یہ تخت نشین ہوئے تو ریذیڈنٹ اور کمپنی کے دیگر حکام نے درباری مراسم ادا کیے۔ تخت کے روبرو لال پردہ کے باہر تین جگہ مجرا کیا گیا' اکبر شاہ کی تخت نشینی پر گورنر جنرل نے جو تہنیت نامہ بھیجا اس میں بادشاہ کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ آپ کی خدمت' اقتدار اور حفاظت کی ضامن ہے لیکن اکبر شاہ کے براہ راست اور متواتر خطوط پر گورنمنٹ برطانیہ کو یہ حکم دینا پڑا کہ بادشاہ کے خطوط ریذیڈنٹ کی معرفت آیا کریں' وہ جن خطوط کو مناسب سمجھے آگے بھیجے ورنہ وہ فائل میں رکھ لئے جائیں۔

بادشاہ کے متعلق پالیسی میں تبدیلی:

نائب صدر چارلس مٹکاف کو بادشاہ کے ساتھ نرم سلوک کرنا پسند نہ تھا بلکہ وہ چاہتا تھا کہ نہ صرف بادشاہ کو تمام اختیارات سے محروم کر دیا جائے بلکہ مغلیہ خاندان کو شاہی لقب سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اکبر شاہ نے شیر لعل اور شاہ جی پر مشتمل وفد کلکتہ بھیجا تو گورنمنٹ کے ایرانی سفیر نے اسے ناکام بنا دیا اور دہلی کے شاہ کو شہنشاہیت کے دعویٰ سے روک دیا گیا اور شاہی وظیفہ کے ایک لاکھ تیس ہزار ماہوار تک بڑھا دینے کا مطالبہ' ولی عہد کا انتخاب' ضبط شدہ اراضی کی واگزاری اور انتظامی شرائط کی پابندی وغیرہ میں سے اکثر مطالبات کی منظوری سے حکومت نے انکار کر دیا مگر بادشاہ کی مسلسل کوشش سے بارہ لاکھ سالانہ کی سفارش کی مگر ریذیڈنٹ ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔

دس سال بعد لارڈ ہسٹنگز نے سخت روش اختیار کی اور شاہی آداب اور درباری رسوم ختم کر دیئے۔ بادشاہ جو چاہتا تھا' وہ نہ ملا اور مراسلوں میں آداب و القاب بھی ختم کر دیئے۔

1820ء میں شاہ انگلستان کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے گورنر جنرل کی معرفت تعزیت اور نئے شاہ کی تہنیت کا پیغام بھیجنا چاہا مگر یہ درخواست نامنظور کی گئی۔

ان واقعات نے بادشاہ کو انگلستان وفد بھیجنے پر مجبور کیا چنانچہ راجہ موہن رائے کو انگلستان جا کر کورٹ میں عرضداشت کی پیشی کے لئے مقرر کیا۔

راجہ رام نے حکومت برطانیہ کے سامنے بادشاہ کی طرف سے مطالبات کی فہرست پیش کی لیکن ایک عرصے تک اس کا فیصلہ نہ ہوا۔

پھر ڈائریکٹران نے فیصلہ کیا اور 13 فروری 1832ء کو گورنر کے اجلاس میں کونسل کو بھیج دیا گیا۔ انہوں نے سب مطالبات کو رد کر کے صرف تین لاکھ روپے سالانہ کے اضافہ کو اس شرط پر منظور کیا کہ اس کے بعد شہنشاہ دہلی کے ہر قسم کے دعوے ختم ہو جائیں گے اور اس اضافہ کی تقسیم کا طریقہ کونسل کا اجلاس بلا کر گورنر جنرل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر شاہ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے اظہار خیال سے انکار کر دیا۔ ادھر قرض خواہوں کا تقاضا ہونے لگا چنانچہ بادشاہ نے بے دلی سے مذکورہ رقم لینے کی منظوری دے دی مگر ارباب کمپنی نے اس میں بھی رخنے ڈالے' آخر بادشاہ نے نام نہاد اضافہ لینے سے انکار کر

دیا اور راضی نامہ کی واپسی چاہی۔ (تاریخ خاندان مغلیہ' مطبوعہ مکتبہ نیا کتاب گھر دہلی' ص 301)

وفات:

بادشاہ کو ارباب حکومت کی فتنہ پردازیوں سے سخت صدمہ تھا اور وہ ان ظالمانہ واقعات سے بے حد اثر لے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہا 28 جمادی الاولی 1253ھ کو 84 سال کی عمر میں لال قلعہ میں انتقال کیا۔ (حوالہ مذکور)



ابوظفر بہادر شاہ ظفر

خاندان تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کی قسمت میں روز اوّل سے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ دیکھنا لکھا جا چکا تھا۔

یہ 28 شعبان 1189ھ مطابق 1775ء پیدا ہوا اور اس کا تاریخی نام ''ابوظفر'' رکھا گیا۔ اس کے والد مرزا اکبر شاہ' فرمانروائے دہلی شاہ عالم کے دوسرے شہزادے تھے اور والدہ کا نام لال بائی تھا۔

تعلیم و تربیت:

''ابوظفر'' جب سن شعور کو پہنچے تو حافظ ابراہیم استاذ مقرر ہوئے اور مشہور حافظ محمد جمیل نے قرآن مجید کی تعلیم دی۔ مشہور خوشنویس سیّد جلال الدین حیدر مرصع رقم کے والد میر ابراہیم علی شاہ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی اوسط درجہ کی اور فارسی ادب کی تکمیل کرنے کے علاوہ تیراندازی' شہسواری' تیغ زنی اور نشانہ بازی اور دیگر فنون میں یدطولیٰ حاصل کیا۔

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آٹھ آدمیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بیک وقت ہر ایک کا وار روکتے تھے اور سب پر اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے اور شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس وقت ہندوستان میں اڑھائی سوار مشہور تھے۔ ایک یہ ایک ان کے بھائی جہانگیر اور آدھا کوئی اور تھا۔

(تاریخ ملت' ج 2' ص 894)

ابوظفر کی تخت نشینی:

شاہ عالم ثانی کے انتقال کے بعد ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مسند نشین اور وظیفہ خوار ہوئے۔ شاہ عالم ثانی نابینا بادشاہ کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا' یہ سارے انقلابات نوجوان شہزادہ ابوظفر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک حساس طبیعت رکھتا تھا اور ہر واقعہ اس پر اپنا گہرا اثر چھوڑتا تھا تاہم اب تک شہزادوں کی زندگی ایک اعتبار سے بے فکری کی زندگی تھی۔ خارجی ماحول کا پورا پورا اثر قبول کرتے رہنے کے باوجود شہزادہ ابھی تک بذات خود حوادث و افکار کا شکار نہیں ہوا تھا لیکن کوٹ قاسم کی جاگیر جو مرہٹوں نے ولی عہد کی جاگیر قرار دی تھی اور جس پر اکبر شاہ اپنے زمانہ ولی عہدی میں قابض و متصرف رہے تھے اب شاہی املاک میں شامل ہوگئی اور اکبر شاہ ثانی نے اپنے دوسرے بیٹے جہانگیر کو ظفر پر ترجیح دی اور اپنا ولی عہد بنانا چاہا۔ جب انگریزوں نے اسے اس بے انصافی سے باز رکھنا چاہا تو باپ نے بلاتکلف فرما دیا کہ ابوظفر میرا بیٹا نہیں ہے لیکن ابوظفر نے چوں چرا نہ کی' اب اس کی قناعت اور تسلیم و رضا کا صلہ اسے یوں ملا کہ 1841ء میں جہانگیر مرزا الٰہ آباد میں انگریزوں کی قید میں انتقال کر گیا اور کمپنی سرکار نے اعلان کر دیا کہ کمپنی مرزا ابوظفر کے سوا کسی کو تخت و تاج کا وارث تسلیم نہیں کرے گی اور یہ ولی عہد قرار پایا جس تخت و تاج کا یہ وارث ہوا اس کی حالت روز بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔

1832ء میں دلی کو صوبہ مغربی شمالی میں شامل کر دیا گیا اور رہا سہا اشتباہ بھی باقی نہ رہا کہ بادشاہ سلامت کی ملکیت خود دہلی پر بھی برقرار نہیں ہے۔ گویا اب پورے طور پر بادشاہ کی معزولی کا اعلان ہو گیا اور 1835ء میں دلی اور گردونواح میں سکہ بھی سرکار کمپنی بہادر کا رائج ہو گیا۔ 1837ء میں اکبر شاہ ثانی دنیا سے رخصت ہو گیا اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر تخت بادشاہت پر متمکن ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر باسٹھ سال تھی اور انقلاب آہستہ آہستہ رونما ہو رہا تھا چنانچہ رفتہ رفتہ سلطنت کا اقتدار کم ہوتا گیا یہاں تک کہ آگرہ کی عدالت عالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ دہلی سے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا استحقاق حاصل نہیں ہے۔

1854ء میں دلی کے ہندو اور مسلمانوں میں گائے کشی کے معاملہ پر جھگڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے جھگڑا فرو کرانا چاہا اور کچھ نیک مشورہ دینے کی غرض سے اپنی رائے لیفٹیننٹ گورنر بہادر صوبہ مغربی شمالی کو لکھ بھیجی تو اس نے جواب دیا کہ قیام امن کے ذمہ داران مقامی عہدہ داران سے رجوع کیا جائے۔ القاب و آداب میں بھی فرق آ گیا کیونکہ پہلے خطوط گورنر بہادر کی جانب سے بادشاہ کے پاس آتے تھے اور May is please be noted-your majesty سے شروع ہوتے تھے اور Your majesty-faithful servent پر ختم ہوتے تھے لیکن 22 اگست 1854ء کو مسٹر کالیم (Caluim) جو آگرہ کے لیفٹیننٹ گورنر تھے' وہ لقب تحریر کیا جو ایک دوست دوسرے دوست کو لکھتا ہے یعنی اس نے ''مائی ڈیئر ظفر'' سے خط کا آغاز کیا اور "Sincerely" پر اس کی تان توڑی۔ ظفر جیسی حساس طبیعت اور موقع شناس کے لئے یہ ایک کاری ضرب تھی۔

1856ء میں ولی عہد مرزا فخرو کا انتقال ہو گیا۔ ولی عہدی کا قصہ اٹھا' بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطلع کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر ان کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور ان میں لکھا تھا کہ ہم سب برضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے بہادر شاہ ظفر کے بڑے بیٹے مرزا قویش سے یہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کا لقب شاہی ختم کیا جائے گا صرف خطاب شہزادہ باقی رہ جائے گا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سوا لاکھ روپیہ ماہوار تھا' صرف پندرہ ہزار رہ جائے گا اور مرزا قویش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب یہ خبر بوڑھے بادشاہ کو ملی تو اس کے رنج و غم کی کوئی حد نہ رہی۔



انگریزی اقتدار کا استحکام

جنگ پلاسی کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ روز بروز مکر و فریب سے ریاستوں کو باہم لڑا کر کمزور ملک اپنی نگرانی میں لینے کے بہانے تسلط جماتا چلا جا رہا تھا۔ جب اقطاع ہند پر اس کا پورا اقتدار ہو گیا تو اس نے یہاں کی اقوام کو مذہبی جال میں پھانسنے کی کوشش کی چنانچہ ان کی کیفیت کا نقشہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے رسالہ غدریہ (الثورۃ الہندیہ) میں اس طرح کھینچا ہے۔

انگریز ہندو اور مسلم لشکریوں کو ان کے اصول و رسوم سے ہٹانے اور مذہب و عقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے۔ گمان یہ تھا کہ لشکری قابو میں آ جائیں گے تو دوسرے باشندے سزا و عتاب سے ڈرتے ہوئے خود ہی رام ہو جائیں گے چنانچہ گائے کی چربی اور سور کی چربی چکھانے پر زور ڈالا گیا اور یہ کارتوس پر ملی گئی۔ دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ منحرف ہو گئے اور عیسائیوں کو قتل اور ڈاکہ زنی کرنے لگے اور بہت سے لشکر سلطنت دہلی جا پہنچے اور سراج الدین بہادر شاہ ظفر امیر و حاکم کے پاس ارکان دولت اور وزیر بھی تھے' اسے اپنا پیشوا بنایا۔ وہ خود ضعیف' غمزدہ عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا اور سچ پوچھیے تو وہ اپنی شریک حیات (زینت محل) اور وزیر (احسن اللہ خان) کا مامور و محکوم تھا اس کا یہ وزیر حقیقت میں نصاریٰ کا کارپرداز اور ان کی محبت میں فریفتہ تھا۔

یہ تو سب کچھ تھا ہی کہ بعض شہروں اور دیہات سے مسلمانوں کی ایک جماعت علماء' زہاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جہاد و قتال کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
(الثورۃ الہندیہ' مطبوعہ مدینہ پریس بجنور' ص 264)

7 فروری 1857ء کو انیسویں رجمنٹ جو مرشد آباد کے علاقہ چھاؤنی برم پور میں مقیم تھی' اچانک کارتوس کے کاٹنے پر جھگڑا کرنے لگی۔ (غدر کے مناظر از مسٹر ہورٹسٹبٹ ترجمہ ظفر تاباں' ص 120)
اور پیش پیش منگل پانڈے تھا' رجمنٹ توڑ دی گئی اور 8 اپریل کو منگل پانڈے کو پھانسی دے دی گئی۔ رجمنٹ کے سپاہیوں نے فوجیوں میں گشت کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد افسران فوج نے میرٹھ میں چربی کے کارتوس دانتوں سے کٹوانا چاہے' چنانچہ جنہوں نے انکار کیا انہیں گرفتار کر لیا اور ان کا کورٹ مارشل کرنا چاہا۔ اس واقعہ نے فوجیوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت شروع کر دی اور وہ مرنے مارنے کو تیار ہو گئے۔

10 مئی 1857ء کو رجمنٹ کے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر اپنے افسروں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ عوام بھی ان کے ساتھ ہو گئے' سویلین کی کوٹھیوں میں آگ لگا دی۔ حریت نوازوں کا جم غفیر دلی کی طرف روانہ ہو گیا ادھر میرٹھ کے کلکٹر نے دہلی کے کمشنر سمین کو خط لکھا۔ آدھی رات کو خط پہنچا' وہ جیب میں رکھ کر سو گیا۔ (حالات غدر از نواب غلام حسین خان فارس' ص 7)

11 مئی صبح دلی میں داخل ہوا۔ بادشاہ اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ اشارے سے شور و غل

کے متعلق پوچھا یہ کیا ہے؟ خدام نے کہا کہ سرکاری فوج اپنے افسروں سے باغی ہو کر انگریزوں کو قتل کر کے یہاں آئی ہے۔ بادشاہ نے وظیفہ ختم کیا۔

غلام عباس کو نکلسن فریزر اور کپتان ڈگلس کو قلعہ میں بلانے کو بھیجا' دونوں بادشاہ کے حضور حاضر ہوئے۔ قلعہ کے نیچے موجود فوج انگریزوں سے قطعی بیزار تھی۔ بادشاہ نے انہیں طفل تسلی دی۔ فریزر یہ رنگ دیکھ کر واپس لوٹ کر دربار کی طرف جا رہا تھا کہ مرزا مغل بیگ نے گولی مار دی' وہ گر پڑا۔ پھر ڈگلس کی طرف بڑھا' اسے بھی قتل کر دیا۔ بادشاہ کو پتہ چلا وہ برا بھلا کہتے رہے۔

مرزا مغل' مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ فوجیوں کے ساتھ مل گئے۔ فوجیوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنا لیا۔ دوسرے شہزادے بھی ممتاز عہدوں پر فائز کیے گئے۔ شہر میں مار دھاڑ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ دکانیں لٹنے لگیں' بادشاہ اردگرد کے حالات سے واقف تھا اور مجبوری سے انگریزوں کے ظلم و ستم سہہ رہا تھا۔ وہ بھی انتقام لینا چاہتا تھا' فوجیں چلی آ رہی تھیں بادشاہ کا دل بڑھ رہا تھا چنانچہ اس نے دو دن کا رنگ دیکھ کر 12 مئی کو شہر کے عمائدین اور فوجی سرداروں کو مدعو کیا۔

بہادر شاہ ظفر کا دربار:

13 مئی کو شاہی دربار لگا خود بادشاہ تخت طاؤس پر رونق افروز ہوئے۔ مفتی صدر الدین خان آزردہ' مولانا امام بخش صہبائی' نواب ولی داد خان رئیس مالا گڑھ' نواب علی محمد خان' نواب علی قلی خان' شمشیر الدولہ بہادر' حکیم عبدالحق' حکیم احسن اللہ خان تمام شہزادے شریک دربار تھے۔ جنگی امور کے لئے ایک کونسل منتخب ہوئی۔ وزیر حرب مرزا جواں بخت بنائے گئے' ایک فوج کی کمان نواب زینت محل کے سپرد ہوئی۔ مرزا مغل فوجوں کے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے اور خضر سلطان کو پاپٹ کا کرنل بنایا گیا۔ محمد بختاور شاہ الیگزینڈر پلٹون کے کرنل مرزا عبداللہ اور مرزا قویش کرنل مقرر ہوئے اور مرزا مینڈھو پلٹن کین کے افسر ہوئے۔ نواب محمد حسن خان' مرزا خضر سلطان کے نائب ہوئے۔ میر نواب نائب قویش' میر فتح علی وزیر صحرائی مقرر ہوئے۔ شہزادہ محمد عظیم بن شہزادہ میاں اختر ضلع سرسہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ مفتی صاحب خاموش تھے' حکیم احسن اللہ خان برابر بیٹھے ہوئے لوگوں کو انگریزوں سے خوف زدہ کر رہے تھے مگر شہزادے بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ دربار برخاست ہوا اور بادشاہ کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوا۔

شاہی اعلان:

جہاں پناہ ظالم انگریزوں کو دفع کرنے کے بعد تخت طاؤس پر جلوہ فرما ہوئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ منصفانہ قانون صادر کیا جاتا ہے کہ انگریزوں کے قتل و غارت کو موقوف کر دیا جائے اور تمام معاملات عدالت کے سپرد کر دیئے جائیں گے جہاں عدل و انصاف ہو گا اور کسی پر ظلم و ستم نہیں ہو گا۔ (روزنامچہ نواب معین الدین خان بہادر' ص 101 - غدر کے مناظر' ص 59)

مگر شہر میں اس اعلان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ فوجیوں کے ساتھ غیر ذمہ دار لوگ شریک ہو کر

جوہریوں اور امراء کے مکان لوٹنے لگے۔ ان کی سرپرستی عیاش شہزادے کر رہے تھے۔

وفود مجاہدین کی آمد:

سید احمد بریلوی کے مریدوں میں سے رئیس المجاہدین مولوی سید سرفراز علی گورکھ پور کے اضلاع میں انگریزوں کے خلاف ایک عرصہ سے خفیہ طور پر جہاد کی بیعت لے رہے تھے' وہ دورے بھی خود کرتے اور اپنے خلفاء کو دیہات میں بھیجتے چنانچہ جب سلطان پور پہنچے تو ایک صوبہ دار بخت خان ان کا مرید ہوا جو نواب نجیب الدولہ کے خاندان سے تھا اور اس کے والد نے نواب شجاع الدولہ کے گھرانے میں شادی کر لی تھی۔ اس نے جہاد کی بیعت کر لی۔ یہ صوبہ دار انگریزی توپ خانہ کا سب سے بڑا افسر تھا۔ بخت خان کے ماتحت تمام ہندوستانی توپچی تھے۔ (ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی' ج 2' ص 236)

بخت خان کی دہلی آمد اور استقبال:

بخت خان افغانستان سے واپس آ کر نیچ کی چھاؤنی میں متعین کیے گئے۔ جب بخت خان نے یہ خبر سنی تو وہ نیچ کی چھاؤنی سے توپ خانہ اور تین رجمنٹ لے کر روہیلوں کے مرکز بریلی پہنچا۔ یہاں نواب حافظ الملک رحمت خان کے پوتے نواب بہادر خان جو صدر الصدور رہ چکے تھے' انہوں نے اپنی نوابی کا اعلان کر دیا۔ بخت خان نے ان کی معاونت کی اور ان کی حکمرانی کو مضبوط کر کے توپ خانہ اور چار لاکھ روپیہ ساتھ لیا۔ نانا راؤ کا بھائی بالا راؤ آیا ہوا تھا اسے بھی ہمراہ لے کر دتی روانہ ہوا۔ دہلی پہنچ کر بادشاہ کو آمد کی اطلاع دی' بادشاہ نے اپنے خسر نواب شمشیر الدولہ احمد علی خان' حکیم احسن اللہ خان' احمد یار خان' ابراہیم خان اور غلام علی خان کو استقبال کے لئے بھیجا۔ صوبہ دار کے ساتھ ایک صد علماء بھی تھے۔ بخت خان اپنی پوربی سادہ وضع میں بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا جو کہ بظاہر ایک عام سپاہی لگتا تھا۔ بادشاہ سلامت کی طرف سے بڑے پیمانہ پر ان کی پوری فوج کو دعوت دی گئی اور اپنی جیب خاص سے چار ہزار روپیہ دیئے۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

> ''سپاہ میں سب سے زیادہ بہتر حالت بریلی بریگیڈ کی تھی جس نے چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ اپنے سپاہیوں کو دے دی تھی اور اس کے سالار کے پاس چار لاکھ روپیہ تھا۔'' (عروج عہد انگلشیہ)

بادشاہ کو بخت خان کے انتظام شہر' خوش سلیقگی اور فوج کی تنظیم کا پتہ چلا تو اپنے حضور طلب فرمایا اور فرزند کا خطاب عطا کیا۔ ایک بیش قیمت ڈھال اور تلوار بھی عنایت کی۔ جنرل کمانڈر فوج بنایا اور شہر میں منادی کرا دی گئی کہ جملہ پلٹنیں جو دہلی میں جمع ہیں' وہ جنرل صاحب سے جنگی ہدایات لیں۔ جنرل صاحب نے دفتر قائم کیا اور میر منشی خیرات علی مقرر کیے گئے۔

انگریزوں سے پہلی جنگ

مولوی ذکا اللہ لکھتے ہیں:

"29 جولائی کے دربار میں جنرل بخت خان بادشاہ کا قائمقام ہو کر آیا۔ بادشاہ نے ساری سپاہ اور شہر پر نیم بادشاہ بنا دیا۔ جنرل نے بھی کمانڈر انچیف کی نقل اُتاری۔ آج میگزین دیکھتا ہے اس میں بالترتیب سامان رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں فوج کی پریڈ لی۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"جب تک بخت خان دلی نہیں آیا تھا' جہاد کا چرچا بہت کم تھا۔ اس نے علماء کو جامع مسجد میں جمع کیا ان سے جہاد کے فتویٰ پر دستخط کرائے اور تمام فوجیوں سے اس پر اقرار لیا اور پھر اس فتویٰ کی تشہیر کی گئی۔"

اس فتویٰ کا اچھا اثر ہوا۔ لوگ ٹونک' جے پور اور آگرہ سے جہاد کی غرض سے آنے لگے چنانچہ بادشاہ کی نظر میں بخت خان کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور جنرل بخت خان جلوت دخلوت میں جب چاہتے' بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتے' کوئی پابندی نہ تھی۔

مورچہ بندی:

جنرل بخت خان نے شہر کا مکمل انتظام کر کے فوج کی تنظیم کی اور جگہ جگہ مورچے بنانے کا انتظام کیا اور جہاں جہاں انگریزی فوجیں تھیں' وہاں ان کے مقابلے کے لئے دستے روانہ کئے۔ پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور رسالہ کے پانچ سو سپاہی' چھ توپوں اور سامان اسلحہ کے ساتھ بخت خان کے حکم سے باغپت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو پل تعمیر کرنے سے روکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی کثیر تعداد مع سامان حرب' علی پور روانہ ہوئی۔ سہ پہر کو یہ افواہ اُڑی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح ہوئی۔ اس سے عوام میں بڑا جوش وخروش پیدا ہو گیا۔ دہلی سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ لی گئی۔ جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت کی اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا کہ جو شخص میدان جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھائے گا اسے اعزازی عہدہ کے علاوہ پانچ ایکڑ زمین دی جائے گی۔

اپنوں کی بے وفائی:

بادشاہ نے عام راجاؤں اور نوابوں کو شرکت کے فرمان جاری کئے۔ معمولی رئیس جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ بڑے راجاؤں اور نوابوں نے بجائے جواب دینے کے انگریزوں کی پشت پناہی کی۔

بہرحال انگریزوں نے جہاں جہاں بھی بخت خان کا مقابلہ کیا' شکست کھائی۔ انگریزوں نے یہ رنگ دیکھے تو حکیم احسن اللہ خان سے منشی رجب علی کے ذریعے زینت محل اور مرزا مغل پر زور ڈالا

شروع کیا۔ میگزین میں آگ لگوائی اور بارود کے کارخانہ میں باجرہ رنگا جانے لگا۔ ادھر شاہ عالم کے پوتے مرزا الٰہی بخش ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ قلعہ کا چمن لال اور بالکمند روزانہ کے حالات انگریزوں کو بھیج رہا تھا۔ جنرل صاحب کونسل کے سامنے جو اسکیم پیش کرتے انگریزوں کو اس کا علم ہو جاتا۔

مغلوں کی اپنے ہاتھوں تباہی:

مرزا مغل نے جنرل بخت خان کی مقبولیت عامہ اور کامیابی کو دیکھ کر جنرل کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ دوسرے شہزادے بھی مرزا مغل کے ہمنوا ہو گئے۔ مرزا الٰہی بخش نے شہزادوں میں یہ خبر مشہور کر دی کہ بخت خان غلام قادر روہیلہ کے خاندان کا فرد ہے اور وہ ہم لوگوں کی آڑ لے کر انگریزوں کو ملک سے نکال کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ جب تک جنرل بخت خان دلّی میں نہیں آیا تھا۔ حریت نواز فوج مرزا مغل کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتی تھی۔ اب وہ مرزا کو منہ نہیں لگاتی تھی۔ اس سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی بساط میں رخنے پڑ گئے اور ہر بادشاہ روزانہ دربار لگاتا۔

تیس ہزاری میدان سے انگریزوں کو نکالنے میں جنرل بخت خان کے ساتھ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا فتح الملک بہادر کے صاحبزادہ مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ اور مرزا مینڈھو دوش بدوش دادِ شجاعت دے رہے تھے لیکن اب جس مورچہ پر جنرل صاحب شہزادوں کو لگاتے ہیں، وہیں سے شکست کھا کر آتے یا بلامقابلہ کمر کھول دیتے۔ بخت خان نے بادشاہ کے حضور یہ واقعات پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے شہزادوں کو تنبیہ بھی کی مگر ان پر مرزا الٰہی بخش کا جادو چل چکا تھا۔ جنرل صاحب نے انگریزوں پر 33 حملے کیے جن کی انہوں نے خود تصدیق کی۔ (غدر عظیم کا تذکرہ از ولیم فورس)

جنرل بخت خان کی ناکامی اور اس کے اسباب:

مغل شہزادوں اور قوم فروشوں کی سازش کے نتیجے میں حریت نوازوں کی قربانیاں رائیگاں گئیں اور فتح، شکست میں تبدیل ہونے لگی۔

ظہیر دہلوی لکھتا ہے:

''اس زمانہ میں ستم یہ ہوا کہ شمرو بیگم کی حویلی میں جو میگزین تھا اس میں سات سو من بارود تھا' وہ اُڑا دیا گیا۔ بارود کی عدم فراہمی کی وجہ سے تمام آلات حرب بے کار تھے۔ دشمن دروازے پر کھڑا تھا باہر سے امداد کی کوئی صورت نہ تھی۔ بادشاہ پہلے سے سوختہ جگر اور سوختہ سامان ہو رہے تھے۔ مرزا الٰہی بخش نے کچھ ایسا افسوس کیا کہ قلعہ چھوڑ کر مقبرہ ہمایوں میں گوشہ نشین ہونے میں عافیت سمجھی۔''

(داستان غدر)

منشی رجب علی، میر منشی ہڈسن کا خط حکیم احسن اللہ خان کے پاس لایا کہ بادشاہ کو رام کر لو اسے اور اس کے لواحقین کو گزند نہیں پہنچے گا اور بادشاہ کو باغیوں سے بچا لو۔ وہ خط زینت محل کو دکھایا گیا اس نے بادشاہ کو آمادہ کر لیا اور وہ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں آ گئے۔

(تذکرہ عالم از رحیم بخش دہلوی' ذکر بہادر شاہ)

بخت خان کی بادشاہ کو پیشکش:

میلسن لکھتا ہے کہ فوج کے سپہ سالار بخت خان نے اسی رات شہر کو خالی کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی لے گیا جن پر اسے اعتماد تھا۔ بخت خان نے ممکن الفاظ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ چلیں' انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا لیکن ملک کے دروازے ان کے لئے کھلے ہیں اور پھر یہ کہ بادشاہ کی موجودگی سے اب بھی اس کے نام پر جنگ جاری رکھنا ممکن ہے اور کامیابی کے امکانات ہیں۔ (تاریخ غدر عظیم از میلسن)

پچاس ہزار روہیلے روہیل کھنڈ میں موجود تھے جو جانثاری کو تیار تھے چنانچہ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں:

''بریلی میں ہر طرف کے معززین کا اجتماع ہے اور ناناؤ' پیشوا اور فیروزشاہ جیسے سب سردار جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور پچاس ہزار اجتماع بریلی میں موجود ہیں۔''

(داستان غدر)

چنانچہ یہاں سے مایوس ہو کر جنرل بخت خان سیدھے لکھنؤ گئے اور اپنی عزیزہ نواب بہو بیگم کے محل میں مقیم ہوئے۔ پھر مولوی احمد شاہ کے ہمراہ آزادی کی مہم میں شریک رہے۔ شاہ صاحب کی شہادت کے بعد روپوش ہو گئے۔

بہادر شاہ ظفر قید میں:

بہادر شاہ ظفر مقبرہ ہمایوں میں تھے کہ ہڈسن پچاس گوروں کے ہمراہ پہنچا۔ وہ باہر کھڑا رہا۔ مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو باہر لائے پہلے انہیں' زینت محل اور جواں بخت کو اس نے پالکی میں سوار کر دیا۔ مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان بیل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بیل گاڑی قلعہ کو روانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے ہڈسن نے پہلے ہتھیار لے لئے اور پھر دونوں کو گولی مار دی اور دیگر شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ لال کنواں پر بادشاہ کو زینت محل کی محل سرا میں ٹھہرایا گیا۔ نواب زینت محل اور جواں بخت بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ ہڈسن نے ایک طشتری میں شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور پیش کئے۔ بادشاہ نے سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ ہڈسن بہادر شاہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اس کے افسر نے اس کو اس فعل سے باز رکھا۔

مقدمہ بغاوت:

انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر پر بغاوت کا الزام لگایا اور ظالم انگریز نے مظلوم بادشاہ پر یہ الزام لگائے کہ اس نے 49 انگریز قتل کرائے' وظیفہ خوار ہو کر حکومت سے بغاوت کی' فوجیوں کو ورغلایا۔ اس مقدمہ کے لئے لال قلعہ میں ایک بنچ مقرر کی اس فوجی کمیشن کے صدر لیفٹیننٹ کرنل داس تھے۔ میجر پامر' ریڈمنڈ' میجر سائرس' کپتان راتھن' کپتان سلہ بے دل' مترجم مسٹر جیمس' وکیل سرکار میجر ایف۔ جے ہیرٹ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل تھے۔ دیوان خاص میں بادشاہ کو قیدیوں کی طرح لایا جاتا۔

27 جنوری 1858ء سے مقدمہ شروع ہوا۔ مکند لال پیش کار بہادر شاہ' چنی لال روزنامچہ نویس'

حکیم احسن اللہ خان اور فوجی افسران گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی کرنی میں کسر نہ چھوڑی۔ بادشاہ کی طرف سے غلام عباس مقدمہ کے پیروکار تھے۔ بہادر شاہ نے اپنا تحریری بیان دیا اور تمام الزام بخت خان اور مرزا مغل کے سر تھوپا اور خود اپنے دامن کو انقلابی تحریک سے بچانے کی کوشش کی۔

عدالت کا فیصلہ' بادشاہ کی رنگون جلاوطنی:

بالآخر عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ انگریزوں کو بادشاہ نے قتل کرایا اور ملک میں بغاوت پھیلائی غرضیکہ تمام جرائم کے مجرم بادشاہ ہیں۔ 9 مارچ 1858ء کو رنگون جلاوطن کئے جانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا۔ بہادر شاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب تاج محل بیگم' نواب زینت محل اور جواں بخت ان کے برادر نسبتی ولایت علی بیگ اور بیوی رنگون گئے۔
(دہلی کی جانکنی' ص 95)

ان پر بھی مقدمہ تھا لیکن یہ بری ہو کر واپس آ گئے۔ زینت محل اور جواں بخت وہیں رہے۔ چھ سو ماہوار مقرر ہوا جسے بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال نہایت عسرت سے بسر کئے۔ 7 نومبر 1862ء کو عالم غربت میں بہادر شاہ نے وفات پائی اور سرزمین رنگون میں دفن ہوئے۔
(غالب کا روزنامچہ' ص 38)



مغلوں کا انتظام سلطنت

برصغیر میں مغل سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر ہے جس نے پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر مغل سلطنت کی بنیاد رکھی لیکن زندگی نے اسے فرصت ہی نہ دی کہ وہ مستقل طور پر حکومت کر سکے اس وجہ سے اس نے کوئی انتظامی ڈھانچہ کھڑا نہ کیا بلکہ اس نے سلاطین دہلی کے انتظام سے ہی راہنمائی حاصل کی اور انتظام میں کچھ ردوبدل کیا۔

بابر کا لڑکا نصیر الدین ہمایوں بھی اپنے دور اقتدار میں انتظام سلطنت کو سہارا نہ دے سکا کیونکہ اُسے ہندوستان سے باہر رہنا پڑا اور اس کی عدم موجودگی میں سوری خاندان کے پٹھانوں نے حکومت کی' ان کی حکومت ختم ہونے کے بعد ہمایوں دوبارہ ہندوستان آیا لیکن زندگی نے دفا نہ کی۔ ہمایوں کے بعد اس کے لڑکے جلال الدین اکبر نے برصغیر کو دوبارہ فتح کیا اور سلطنت کے نظم ونسق کی داغ بیل ڈالی۔ اس نے ایک اچھا نظام قائم کیا' یہ انتظام سابقہ تجربات کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا۔ اس نظم ونسق میں اس کی ذاتی سوچ شامل تھی اور کچھ اس کے قابل مشیروں اور اصلاح کاروں کی فکری کاوش تھی اور یہی انتظام سلطنت کچھ ردوبدل کے ساتھ اورنگزیب کے زمانے تک رائج رہا۔

مرکزی حکومت اور بادشاہت:

مغل حکام کی حیثیت لفظ ''بادشاہ'' کے اردگرد گھومتی نظر آتی ہے۔ مغل بادشاہ کی حیثیت قرون وسطی کے بادشاہوں سے ممتاز تھی۔ وہ حکومتیں کسی نہ کسی طرح خلیفہ وقت کے ماتحت ہوتی تھیں اور وہ بادشاہ اسلامی خلیفہ کی روحانی برتری تسلیم کرتے تھے لیکن مغل بادشاہ ان کے برعکس بالکل آزاد تھے۔ مغلوں کی حکومت ایران کے قدیم بادشاہوں کے مشابہ تھی' بادشاہ کا وجود حکومت کی جملہ شاخوں پر غالب اور قوی ہوتا تھا۔ عوام اس کے احکام کو اس لئے قابل عمل جانتے تھے کہ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔

مرکزی شعبہ جات

سلطنت مغلیہ میں مرکز کے تحت مندرجہ ذیل شعبے تھے:

1- محکمہ مال (مالیات وخزانہ):

محکمہ مال کو اہم جانتے ہوئے اس شعبے کو بنیادی حیثیت دی گئی۔ اس شعبے کی نگرانی براہ راست وزیر یا دیوان کے سپرد ہوتی تھی۔ اس کی مدد کے لئے اعلیٰ سرکاری افسر مقرر ہوتے تھے۔ یہ شعبہ آمدن و خرچ پر کل تصرف کا اختیار رکھتا تھا۔ مالیات کا حساب کتاب اسی شعبہ کے سپرد تھا۔

2- فوج کے حسابات:

اس شعبے کا افسر اعلیٰ میر منشی ہوتا تھا اس کے فرائض میں یہ امور شامل تھے:

1- فوج کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال۔

-2 منصب داروں کی حاضری اور فہرست تیار کرنا۔

3- شعبہ دولت خانہ شاہی:

یہ شعبہ خانساماں کے ماتحت ہوتا تھا۔ اس کے ذمہ یہ امور تھے:

-1 شاہی محل کی رہائش، طعام اور دیگر ضروریات کا اہتمام۔

-2 بادشاہ کے ذاتی ملازمین بھی خانساماں کے ماتحت ہوتے تھے۔

-3 مہمات اور سیر و شکار وغیرہ میں خانساماں بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا اس بناء پر اس شعبہ کا سربراہ نہایت قابل اعتماد شخص کو مقرر کیا جاتا تھا۔

4- احتساب عامہ کا شعبہ:

اس شعبے کا سربراہ محتسب ہوتا تھا اس کے فرائض یہ تھے:

-1 دارالحکومت کے عوام کی اخلاقی حالت کا جائزہ۔

-2 شراب، نشہ آور اشیاء کا استعمال، جواء، زنا اور اس قسم کے دیگر جرائم کا انسداد۔

5- خیرات و صدقات کا شعبہ:

اس شعبے کے نگران اعلیٰ کو صدرالصدور کہا جاتا تھا جس کے ذمہ درج ذیل امور تھے:

-1 شعبہ اوقاف کی نگرانی کرنا۔

-2 صدقات و خیرات کی تقسیم کا بندوبست کرنا۔

-3 تعلیمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی بھی اس شعبے کے ذمہ تھی۔

-4 طلباء کو وظائف دینا بھی اس کی ذمہ داری میں شامل تھا۔

6- عدلیہ:

اس شعبے کا سربراہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کہلاتا تھا۔ اسے دوسرے علاقوں میں قاضی مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا لیکن ایسی تقرریوں کی منظوری بادشاہ دیتا تھا۔ ان کے علاوہ ایک فوجی قاضی بھی ہوتا تھا۔ قاضی عساکر صرف فوجیوں کے متعلق فیصلے کرتا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں قاضی کی مدد کے لئے میر عدل مقرر کئے جاتے تھے۔ ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں بھی قاضی القضاۃ کے ہاں پیش ہوتی تھیں۔ بادشاہ براہ راست بھی مقدمات کا فیصلہ کر سکتا تھا۔ آخری فیصلہ بادشاہ کا ہوتا تھا۔

7- شعبہ توپ خانہ:

اس شعبے کا سربراہ میر آتش کہلاتا تھا۔ یہ بڑا اہم شعبہ تھا۔

8- شعبہ برید (ڈاک):

اس شعبے کا تعلق شعبہ ڈاک اور خفیہ پولیس کے ساتھ تھا۔ اس شعبہ کا سربراہ داروغہ ڈاک چوکی

کہلاتا تھا۔

9۔ دارالضرب (ٹکسال):

ٹکسال کا شعبہ داروغہ ٹکسال کے ماتحت ہوتا تھا۔ اس شعبہ کا کام سکے ڈھالنا ہوتا تھا۔

دیگر شعبہ جات:

مذکورہ بالا شعبہ جات کے علاوہ بھی کچھ شعبے تھے جن کی ذمہ داری دربار کے روزانہ اخراجات کے مہتمم کے سپرد ہوتی تھی مثلاً:

1- آفت بیگی...... داروغہ اصطبل
2- ناظر بیوتات...... شاہی کارخانوں کا نگران اعلیٰ
3- میر بحری...... بندرگاہوں کا سربراہ
4- میر بری...... جنگلات کا منتظم
5- خواں سالار...... شاہی باورچی خانے کا سربراہ۔
6- واقعہ نویس...... حوادث و وقوعات کا ناظم' بادشاہی خبر نویس
7- میر عرض...... درخواستیں پیش کرنے کا سربراہ

صوبائی نظام

انتظامی سہولت کے پیش نظر تمام ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اکبر کے زمانے میں صوبوں کی تعداد پندرہ تھی۔ جہانگیر کے زمانے میں سترہ ہو گئی۔ عالمگیر کے زمانے میں اکیس ہو گئی۔ تعداد میں اضافے کی وجہ انتظامی سلطنت کی وسعت تھی۔ صوبوں کا نظام مرکز کے انتظام کے مشابہ تھا اس کے اہم عہدہ دار یہ تھے:

1۔ سپہ سالار:

سپہ سالار صوبے کا سربراہ ہوتا تھا۔ اس کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ وہ باقاعدہ دربار لگاتا تھا۔ اسے سرکاری ملازمین کے عزل و نصب کا مکمل اختیار تھا۔ صوبائی قاضیوں کے فیصلے کے خلاف اپنا حکم بھی نافذ کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ چند ایک پابندیاں بھی اس پر عائد تھیں مثلاً:

1- وہ شہنشاہ کی اجازت کے بغیر صلح و جنگ کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔
2- وہ جھروکے میں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔
3- چند ایک اعلیٰ صوبائی حاکموں کا تقرر بادشاہ خود کرتا تھا اور معزولی کا اختیار بھی بادشاہ کے پاس تھا۔
3- عدلیہ میں سپہ سالار کا اختیار محدود تھا۔ بادشاہ کی منظوری کے بغیر وہ سزائے موت نہیں دے سکتا تھا۔

-4 سپہ سالار کے مالی اختیارات بھی محدود تھے۔ وہ مرکزی حکومت کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔

-5 وہ صوبہ دار کے رویہ کو قابل اعتراض ہونے کی وجہ سے مرکزی حکومت کو مداخلت کے لئے کہہ سکتا تھا۔

-6 صوبہ داروں کے تقرر میں عمر کی کوئی قید نہیں تھی۔

2- دیوان:

دیوان صوبے کا وزیر مال تھا اور سب سے بڑا وزیر شمار ہوتا تھا۔ اس کا تقرر مرکز کرتا تھا اور وہ مرکزی حکومت کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔ سپہ سالار کا حکم اس کے لئے آخری حکم نہیں ہوتا تھا۔ وہ اخراجات کے بارے میں سپہ سالار سے اختلاف کی صورت میں مرکزی حکومت کی طرف رجوع کر سکتا تھا۔ عام معاملات میں سپہ سالار کی نگرانی کرنا بھی دیوان کے فرائض میں شامل تھا۔ دیوان کے ہوتے ہوئے سپہ سالار باغیانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اس ضمن میں دیوان کی حیثیت مستقل رکاوٹ ہوتی تھی۔

3- صدر:

صوبے کے مذہبی اور عدالتی نظام کو برقرار رکھنے اور نگرانی کرنے والے شخص کو صدر کہا جاتا تھا' مزید یہ کہ:

-1 صدر' اوقاف کا نگران ہوتا تھا اور وظائف کی تقسیم بھی اس کے ذمے ہوتی تھی۔

-2 علمی اور تعلیمی مقاصد کے لئے زمین وقف کرنے کی سفارش کر سکتا تھا۔

-3 مذہبی مسائل کے اختلاف میں اسے فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تھا۔ تمام قاضی اور میر عدل اس کے ماتحت ہوتے تھے۔

4- بخشی:

صوبائی فوج کو تنخواہ تقسیم کرنے والے کو بخشی کہتے تھے۔ وہ مرکز کے ماتحت ہوتا تھا۔ وہ اپنے کام کے متعلق میر بخشی کو جوابدہ ہوتا تھا۔

5- خزانہ دار:

عرف عام میں خزانہ دار کو کیشئر کہتے ہیں۔ اس کے ذمہ یہ کام تھے:

-1 خزانہ دار نقدی وصول کر کے رسیدیں جاری کرتا تھا۔

-2 دیوان کے حکم پر اخراجات کے لئے رقم دیتا تھا۔

-3 وصولی اور ادائیگی کا پورا حساب رکھتا تھا لیکن دیوان کے حکم کے بغیر خرچ کرنے کا مجاز نہ تھا۔

6- عامل:

یہ محکمہ مال کا سربراہ ہوتا تھا۔ اس کے ذمے یہ کام تھے:

1- مقدمات اور پٹواریوں کے کام کی نگرانی کرتا تھا۔

2- مالیہ (لگان) کی تشخیص اور وصولی کا سارا انتظام اس کے سپرد تھا۔

3- قیام امن اس کے اہم فرائض میں شامل ہوتا تھا۔ یہ چوروں' ڈاکوؤں اور رہزنوں کا انسداد کرتا تھا۔

4- اس کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ زمینداروں' جاگیرداروں اور منڈیوں کے حالات سے حکومت کو باخبر رکھے اور ہر ماہ اپنی کارگزاری کی اطلاع دے۔

7- تیکچی:

یہ محکمہ مال گزاری کا دوسرا افسر تھا جو تقریباً عامل کے برابر اختیار رکھتا تھا۔

اس کی ذمہ داریاں کچھ یوں تھیں:

1- یہ قانون گوؤں کے کام کی نگرانی کرتا تھا۔

2- قابل کاشت اور بنجر زمینوں کے نقشے اور حسابات مرتب کرنے کے فرائض اس کی ذمہ داری میں شامل تھے۔

3- یہ براہ راست مرکزی حکومت کو اطلاع بھیج سکتا تھا لیکن عامل تیکچی کو غلط روش اختیار کرنے پر روک سکتا تھا۔

8- فوجدار:

فوج کا سربراہ فوجدار کہلاتا تھا کیونکہ سپہ سالار کا فوجی ہونا ضروری نہیں تھا۔ ایک صوبے کے کئی فوجدار ہوتے تھے۔

اس کی ذمہ داریاں یہ تھیں:

1- فوجدار صوبے میں قیام امن کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

2- یہ سپہ سالار کا معاون ہوتا تھا اور عامل کی امداد کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا' سپہ سالار فوجدار کے عزل ونصب کا اختیار رکھتا تھا۔

9- کوتوال:

یہ شہر کا پولیس افسر ہوتا تھا۔

شہر میں امن وامان برقرار رکھتا تھا۔

امن دشمن لوگوں کو سزا دیتا تھا۔

بعض معاملات میں اسے فیصلہ کرنے کا بھی اختیار تھا۔

10- قاضی و میر عدل:

مذکورہ بڑے افسروں کو چھوڑ کر قاضی و میر عدل اہم منصب تھے۔ یہ مقدمات کی سماعت کرتے تھے۔ کوتوال ان کے سامنے ملزموں کو پیش کرتا تھا' یہ اپنے کام میں فنی مشورے مفتی سے لیتے تھے۔

11- واقعہ نویس:

بادشاہ واقعہ نویس کے ذریعے پورے ملک کے حالات پر نگاہ رکھتا تھا۔ واقعہ نویس کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ صوبے کے واقعات پر سپہ سالار کے دربار کی کارروائی اور دوسری ہر قسم کی خبریں مرکزی حکومت کو مہیا کرے۔ واقعہ نویس کی ذمہ داری بہت نازک تھی کیونکہ اسے بادشاہ کو سپہ سالار کے خلاف بھی اطلاع دینا ہوتی تھی۔ غلط اطلاع یا اطلاع دینے میں غفلت کی وجہ سے اس پر شاہی عتاب نازل ہوتا تھا۔

مغل دور میں ذرائع آمدن

مغل دور میں آمدن کے مندرجہ ذیل ذرائع تھے:

1- اسلامی شریعت کی رو سے واجبات
2- خلافت عباسیہ کی روایات کی رُو سے واجبات
3- ہندوستان کے پرانے رسم و رواج کے مطابق واجبات
4- ایرانی حکومت کے انداز کے مطابق واجبات وغیرہ

اسلامی شریعت کے ذرائع آمدن مندرجہ ذیل ہیں:

1- جزیہ:

جزیہ وہ محصول ہے جو ذمی رعایا سے اسلامی حکومت' ان کی حفاظت کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے وصول کرتی تھی۔ یہ محصول ان جوان لوگوں سے لیا جاتا تھا جو فوجی ملازمت نہیں کرتے تھے اور بچے بوڑھے اور عورتیں بھی اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھیں۔

2- خراج:

وہ محصول جو اسلامی حکومت اجناس پر عائد کرتی ہے' عشر وغیرہ اسی ضمن میں آتے ہیں۔ یہ پیداوار کا ایک تہائی حصہ ہوتا تھا۔

3- مال غنیمت:

وہ آمدن جو لڑائیوں میں فتح حاصل کرنے کے بعد اسلامی حکومت کے قبضے میں آتی تھی۔

4- درآمد کے محاصل:

باہر سے جو لوگ مال بیچنے کے لئے لاتے تھے تو حکومت ان سے ٹیکس لیتی تھی۔

5- معدنیات

6- دفینے اور خزانے کی آمدنی

7- تجارتی محصول

8- لاوارث جائیدادیں

اکبر نے جزیہ معاف کر دیا تھا۔ اورنگزیب نے 1579ء میں دوبارہ رائج کر دیا۔

تجارتی محصول مختلف زمانوں میں مختلف تھے۔ اکبر نے اپنے زمانے میں بہت سے محصولات معاف کر دیئے تھے۔ جہانگیر نے بھی معاف کئے اور اورنگزیب عالمگیر نے شرعی محصولات کے علاوہ باقی سب معاف کر دیئے تھے۔ اتنے محصولات معاف کر دینے کے باوجود سلطنت کی آمدن میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔

مغلوں کا فوجی نظام

مغل فوج کے چار دستے تھے:

1- منصب داروں کی فوج

2- راجاؤں کے امدادی دستے

3- شاہی دستے...... یہ دستے منصب داروں کی زیرکمان ہوتے تھے اور شاہی خزانے سے باقاعدہ تنخواہ وصول کرتے تھے۔

4- وہ سپاہ جو منصب دار بننے کی امیدوار ہوتی تھی' ان کی تنخواہ عام سپاہیوں سے زیادہ ہوتی تھی۔

جنگ کی صورت میں یہ تمام فوجی دستے اکٹھے کر لئے جاتے تھے اور مختلف سالاروں کے زیرکمان محاذ جنگ پر جاتے تھے۔ فوج کا سب سے مضبوط حصہ سواروں پر مشتمل ہوتا تھا' پیادہ فوج کی تعداد زیادہ ہوتی تھی لیکن ان میں اکثر خدمت گزار اور پہرے دار ہوتے تھے۔ توپ خانہ بھی موجود ہوتا تھا۔ اکبر نے توپ خانے کی طرف خاص توجہ مبذول کی لیکن اس کی مضبوطی کے لئے اکبر نے یورپی افسروں سے مدد لی۔ مغل دور کے آخری ایام میں فوج کا معیار پست ہو گیا اسی وجہ سے اورنگزیب کے زمانے میں مرہٹوں کے مقابلے میں مغل فوج خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی کیونکہ امراء عیش پرست ہو گئے تھے۔

بحری فوج:

مغلوں کے زمانے میں بری فوجوں کے ساتھ ساتھ بحری فوج بھی تھی مگر یہ فوج کمزور تھی۔ ساحلی بندرگاہوں میں جہاز سازی کے کارخانے تھے لیکن ان کارخانوں میں تجارتی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جہاز بنائے جاتے تھے۔ پرتگیزوں کو حسب سابق سمندر پر قابض رہنے دیا گیا اور جو شاہی جہاز حج یا تجارت کے لئے جاتے تھے وہ پرتگیزوں سے اجازت لے کر جاتے تھے۔ اکبر نے بنگال میں

سمندری لٹیروں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک چھوٹا سا بحری بیڑہ بنایا تھا۔ اس بیڑے میں 76 چھوٹی کشتیاں تھیں لیکن اس چھوٹے سے بیڑے کو پرتگیزوں کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

الحاصل اگر مغلوں کے نظام حکومت کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کا انتظامی ڈھانچہ بہت شاندار تھا۔ فوج کا انتظام وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خراب ہوتا گیا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد اچھے فوجی افسر اور کمانڈر میسر نہ آنے کی وجہ سے نظام حکومت میں کمزوریاں نمودار ہونا شروع ہوئیں نتیجہ یہ نکلا کہ فوج کا وقار ختم ہو گیا۔

مغلیہ سلطنت کے سماجی حالات

یہ مسلمہ امر ہے کہ معاشرہ میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور سب کی طبائع باہم مختلف ہوتی ہیں۔ جب ہم مغل دور اقتدار کے معاشرتی حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ مغل دور اقتدار میں معاشرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا:

1- طبقہ منصب داران:

منصب داری کے نظام نے معاشرے کے افراد میں ادنیٰ اور اعلیٰ کا امتیاز قائم کیا تھا اس امتیاز کی وجہ سے افراد میں باہم نفرت پیدا ہوئی۔

ہر منصب دار کو اس کے درجے کے مطابق تنخواہ دی جاتی تھی۔ بسا اوقات ان کو جاگیریں بھی عطا کی جاتی تھیں اور منصب دار کے فوت ہو جانے پر جاگیریں ضبط کر لی جاتی تھیں یعنی یہ جاگیریں موروثی نہیں ہوتی تھیں۔

منصب دار کے لئے ملک' ملت اور مذہب کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی۔ ان کو پتہ تھا کہ ہمارے فوت ہونے کے بعد جاگیریں ضبط کر لی جائیں گی اس لئے وہ دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ ان کا انداز معیشت شاہانہ ہوتا تھا۔ شعراء' علماء اور فضلاء منصب داروں کی سرپرستی میں رہتے تھے۔

2- درمیانہ طبقہ:

یہ طبقہ افراط و تفریط کے درمیان وسطی درجہ رکھتا تھا۔ یہ طبقہ سرکاری ملازمین' علماء' اساتذہ' اطباء' ہنرمندوں اور فنکاروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ تاجروں اور ساہوکاروں کا شمار بھی اسی طبقے میں ہوتا تھا۔

3- عوام:

تیسرا طبقہ عوام کا ہے۔ کاشتکار' مزدور اور چھوٹے طبقے کے لوگ عوام میں شمار ہوتے تھے مسلمان عام طور پر فوج میں بھرتی ہونا اور ہندو کاشتکاری کو پسند کرتے تھے۔ زمین زرخیز تھی اس لئے زراعت پیشہ لوگ خوش حال تھے۔ سود کے بغیر قرضے دیئے جاتے تھے اور محصولات بھی معاف کر دیئے جاتے تھے لیکن ایسا قحط کی صورت میں ہوتا تھا۔

4- مغل بادشاہوں کے مشاغل:

مشاغل سے مراد ایسے اقدامات ہیں جو معاشرے میں مروج تھے۔ مختلف مشاغل عوام میں رائج تھے۔ مغل بادشاہ عروج کے زمانے میں فارغ اوقات میں جانوروں کی پرورش اور سیر و شکار میں دلچسپی لیتے تھے اور اصطبل کے گھوڑوں' ہاتھیوں اور اونٹوں کا معائنہ کرتے تھے۔ جنگلی جانوروں کو سدھایا جاتا تھا حتیٰ کہ پالتو شیر اور چیتے بازاروں میں سے گزرتے تھے تو دیکھنے والوں پر حملہ آور نہیں ہوتے تھے۔

5- طرز معاشرت:

مغلوں کے دور میں مسلمانوں کی معاشرت میں اسلامی رنگ نمایاں تھا۔ کثرت دولت اور اسلامی اصولوں سے روگردانی کے باوجود ہندو مسلم کی بود و باش میں نمایاں فرق تھا۔ مسلمانوں کا لباس شلوار' کرتہ اور عمامہ ہوتا تھا۔ امراء' قباء اور چست چغہ استعمال کرتے تھے۔ افسروں کے لئے سرخ پگڑی خاص امتیاز تھا۔ آخری زمانے میں تنگ موہری کا پاجامہ اور جامہ بہت مقبول لباس سمجھا جاتا تھا۔ کھانے پینے میں مسلمانوں کا ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ مذہبی تہوار بڑے شوق اور شان و شوکت سے مناتے تھے۔ محرم کا جلوس بھی نکلتا تھا۔ مسلمان اکبر کے مصالحانہ انداز سے متاثر ہو کر ہندوؤں کے تہوار بھی مناتے تھے۔

6- ہندو معاشرت:

برصغیر میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ ہندو دھوتی اور کرتہ پہنتے تھے۔ شہری عورتیں ساڑھی جبکہ دیہاتی عورتیں گھگرا اور شانہ پوش استعمال کرتی تھیں۔ ہندوؤں کے مکانات تنگ و تاریک تھے۔ ہندو گوشت سے پرہیز کرتے اور کھچڑی شوق سے کھاتے تھے اور اپنے تہوار بڑے شوق سے مناتے تھے۔ مغلوں کے زمانے میں ہندو مذہب میں بہت سی اصلاحات بھی ہوئیں۔ ستی کی رسم کو قانوناً منع کر دیا گیا۔ ہندوؤں کو اعلیٰ ملازمتیں دی گئیں۔ ہندو تجارت اور مالیات میں اجارہ دار تھے۔ مغل دور میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح دی گئی۔ وہ اکثریت کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مظاہرے بھی کرتے رہتے تھے۔ مغل دور میں عورت کو بڑے احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ عورتوں کی تعلیم کا بھی اہتمام تھا۔

معاشی حالات

معاشی حالات کے ضمن میں زراعت' صنعت اور تجارت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں:

1- زراعت:

برصغیر کی زمین زرخیز تھی' باشندے محنتی تھے اور بارش کافی ہوتی تھی۔ دریاؤں کے ذریعے بھی آبپاشی ہوتی تھی۔ آب و ہوا گرم مرطوب تھی جس بناء پر لوگ خوشحال تھے۔ برصغیر کی پیداوار زیادہ تر گندم' چاول' سبزی' گنا' تیل نکالنے والے بیج' کپاس' تمباکو' سیاہ مرچ اور دالیں تھیں۔

2- صنعت:

مغلوں کے زمانے میں زندگی میں بہت سارے تکلفات داخل ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صنعت بہت زیادہ ترقی کر گئی تھی۔ اس زمانے میں سب سے بڑی صنعت سوتی اور ریشمی کپڑے کی صنعت شمار ہوتی تھی حتیٰ کہ کپڑا برآمد کیا جاتا تھا۔ دوسری مصنوعات میں برتن سازی' چمڑے کا سامان اور لکڑی سے بنی اشیاء کو خاص اہمیت تھی۔ چٹاگانگ میں جہاز سازی کا کارخانہ تھا۔ شالیں اور غالیچے بھی تیار ہوتے تھے۔

3- تجارت:

تجارت پر مغلوں نے خاص توجہ دی۔ تجارت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ تجارت پیشہ حضرات کو ہر قسم کی سہولتیں دی جاتی تھیں۔ غیر ملکی تاجروں کو خصوصی مراعات دی جاتی تھیں۔ درآمدات و برآمدات لگی رہتی تھیں۔ اس بناء پر برصغیر کے لوگ خوشحال تھے۔ ہر چیز کی فراوانی تھی' اشیاء کی قیمتوں کی حدود مقرر تھیں' قیمتوں پر خصوصی نگران مقرر تھے۔ اٹھارہویں صدی تک ہندوستان معاشی طور پر یورپ سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔

مغلیہ دور میں علوم وفنون

تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح مغلیہ دور فوجی اعتبار سے ممتاز ترین شمار کیا جاتا ہے اسی طرح علوم وفنون کے اعتبار سے بھی ممتاز تھا۔

مغلیہ دور کی علمی اور ادبی سرگرمیاں:

مغل بادشاہ علم اور تعلیم کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اس ضمن میں بابر اور جہانگیر کی سوانح عمریاں بہترین مثالیں ہیں۔ اکبر کے زمانے میں امراء کے دربار بھی علوم کے مرکز بن گئے تھے۔ مغل بادشاہوں نے تعلیم کی اشاعت کے لئے وسیع انتظامات کئے ہوئے تھے۔ آثار الصنادید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہجہان کے زمانے میں متعدد عمارتوں کو تعلیم کے لئے وقف کیا گیا تھا۔ مغل بادشاہوں کی تعلیمی سرپرستی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ محمد شاہ رنگیلا کا بھی ذاتی کتب خانہ تھا۔ ذیل میں ہم چند ایک علوم کا ذکر کرتے ہیں:

شعر وسخن:

مغل دور میں شعر وسخن کمال درجے تک پہنچے ہوئے تھے۔ مغلوں کے اخیر دور میں کئی ایک مایہ ناز شعراء بھی شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ بابر بذات خود شاعر تھا۔ ہمایوں کی ساری زندگی پریشانیوں میں گزری لیکن وہ شاعر اور شاعر نواز تھا۔ شاہجہان کے دربار میں متعدد شعراء موجود تھے۔

علم طب:

مغل بادشاہوں نے طب کی بھی حوصلہ افزائی کی جس بناء پر اکبر کے دربار میں بہت سے اطباء اکٹھے ہو گئے۔ جہانگیر کے زمانے میں ہر بڑے شہر میں ہسپتال بنائے گئے۔ شاہجہان کے زمانے میں ان میں اور اضافہ ہوا۔ اورنگزیب نے مزید اضافہ کیا۔ عالمگیر کے دور میں دربار سے منسلک اطباء کا فنی معیار بہت بلند تھا۔ دور مغلیہ کے بعض خاندان طب کے ساتھ مخصوص ہو گئے تھے اور اس دور میں طب کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

علم تاریخ:

مغل بادشاہ واقعات نویسی میں بذات خود دلچسپی لیتے تھے۔ ''تزک بابری'' اور ''تزک جہانگیری'' یہ دونوں عظیم کتابیں بابر اور جہانگیر نے ذاتی دلچسپی کی بناء پر لکھی تھیں۔ ہمایوں کی بہن گلبدن بیگم نے ہمایوں نامہ لکھا۔ کاظم شیرازی کے لکھے ہوئے عالمگیر نامہ کے مسودہ کو عالمگیر خود دیکھتا تھا۔ مغلوں کے کارنامے بہت سی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

اُردو زبان:

اُردو زبان نے مغلوں کے دور میں کافی ترقی کی بلکہ مغل دور کا آخری علمی اور ادبی تحفہ اُردو زبان ہے۔ 1707ء کے بعد اُردو نے بہت ترقی کی اور یہ مقبول عام زبان بن گئی اور آج یہ دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔

مغلیہ دور میں فنون لطیفہ

مصوری:

تیمور اور اس کی اولاد میں مصوری کا شوق موروثی تھا۔ مغل بادشاہوں میں اولین مصور نصیرالدین ہمایوں ہے۔ وہ ایران سے واپس آتے ہوئے اپنے ساتھ میر سیّد علی اور خواجہ عبدالصمد دو مصور لایا تھا۔ تصویر کشی کے ضمن میں اکبر کا زمانہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے تو دیواروں پر بھی تصویریں بنوائیں۔ جہانگیر کے زمانے میں مصوری کا نیا دور شروع ہوا۔ اکبر کے دور میں ایرانی اور ہندی مصوری کی آمیزش کی گئی۔ شاہجہان نے بھی اس کی کافی حوصلہ افزائی کی۔ 1729ء میں نادر شاہ مغلوں کے تصویری شاہکار کو اپنے ساتھ ایران لے گیا۔

خطاطی:

بابر اور ہمایوں نے خطاطی میں بڑی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ بابر نے تو اپنے نام سے خط بابری ایجاد کیا۔ ہمایوں کے زمانے میں دو خطاط شہاب معمائی اور مُلا بقائی بہت مشہور تھے۔ آگرہ کی مسجد کے کتبے انہی دونوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ اکبر کے زمانے میں کتابوں کو خوشنما اور دیدہ زیب

بنانے کے سلسلہ میں خوشنویس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی۔ اورنگزیب عالمگیر بذات خود کاتب تھے اور انہیں قرآن پاک کی کتابت سے بہت اُنس تھا۔ اس زمانے میں یاقوت رقم اور زرّیں رقم بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ کئی غیر مسلم بھی خوشنویس تھے۔

موسیقی:

مغل بادشاہ موسیقی کے بہت دلدادہ تھے۔ ہمایوں کے دربار میں شاعروں اور موسیقاروں کا ہر وقت ایک گروہ موجود رہتا تھا۔ اکبر کو موسیقی سے بہت لگاؤ تھا۔ جہانگیر نے بھی اسے زندہ رکھا۔ مغلوں کے زوال کے بعد موسیقی نے بہت ترقی کی۔ بادشاہ رات کو سونے سے پہلے موسیقی سننے کے عادی تھے۔ یہ رواج شاہجہان کے زمانے تک رہا۔ عالمگیر کے بعد بادشاہ امور سلطنت میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اس لئے ان کے زمانوں میں موسیقی کی حوصلہ افزائی سب ادوار سے زیادہ ہوئی۔ محمد شاہ رنگیلا کا زمانہ فوجی قوت کے زوال کا زمانہ تھا۔ اس لئے موسیقی اپنے کمال کو پہنچی۔ یہ دور سراج الدین ظفر بہادر تک رہا۔

مغل باغات:

مغلوں سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے دہلی کے گردونواح میں باغات لگوائے مگر نیت پھلوں کی فروخت سے نفع کا حصول تھی جبکہ مغلوں نے اپنے جمالیاتی ذوق کے پیش نظر باغات لگا کر اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ ہمایوں کا ذوق دیکھئے کہ اس نے باغوں کا ذوق پورا کرنے کے لئے دریائے جمنا میں لکڑی کے تختے جوڑ کر ان کے اوپر ایک باغ لگایا۔ یہ باغ ہر وقت پانی کی سطح پر تیرتا رہتا تھا۔ اکبر کے زمانے میں کثرت باغات کی وجہ سے فتح پور سیکری باغوں کا شہر کہلاتا تھا۔ مغلوں کا یہ ذوق شالامار باغ لاہور' باغ دلکشا اور مقبرہ جہانگیر کی سیر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مغلوں کے لگائے ہوئے باغات کا نچلا حصہ بیگمات کے لئے مختص تھا کیونکہ ان کے لئے باپردہ باغ لگائے گئے تھے بلکہ مغلوں نے باغوں کے بغیر کوئی محل تعمیر نہیں کیا۔ مغلوں کے لگائے ہوئے باغات میں نہریں اور چشمے تھے اور عمارتوں میں بارہ دروازوں والے مکانات تھے جنہیں بارہ دریاں کہا جاتا تھا۔ اس قسم کی آرائش سے باغات کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا۔

فن تعمیر:

مغلوں نے جس طرح فن تعمیر کی سرپرستی کی ہے' وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ لاہور کی مثال لیجئے کہ شاہی مسجد' شالامار باغ اور مسجد وزیر خان وغیرہ مسلمانوں کے اقتدار کی یادگاریں ہیں۔

مغل بادشاہوں کا ذوق تعمیر

1- بابر کا عہد حکومت:

ظہیر الدین بابر اعلیٰ ذوق کا حامل تھا۔ اس نے قلیل مدت حکمرانی کے باوجود خوبصورت محلات اور مساجد تعمیر کرائیں۔ تزک بابری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آگرہ' گوالیار' دھول پور اور کول میں

1491 سنگ تراش کام میں مصروف رہتے تھے۔ ہندوستان میں بابری مسجد عالمی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ سنبھل پور میں پانی پت کی مساجد اب تک موجود ہیں۔ بابر ہندوستانی کاریگروں سے خوش نہیں تھا اس لئے ایران سے کاریگر منگوائے گئے تھے۔

2- ہمایوں کا عہد حکومت:

مغل بادشاہوں میں ہمایوں کا زمانہ پُرآشوب تھا۔ اس کی تعمیر کردہ عمارات میں دین پناہ کا شہر آگرہ کے ایوان جنہیں ہفت ایوان آگرہ کہا جاتا ہے' اس نے ایران سے واپسی پر بہت سی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ان میں آگرہ اور فتح آباد کی مساجد قابل ذکر ہیں۔ اس کے طرزِ تعمیر میں ایرانی رنگ غالب نظر آتا ہے۔

3- اکبر اعظم کا عہد:

اکبر کے عہد میں ہندوانہ اثرات غالب نظر آتے ہیں جیسے شیر اور ہاتھی کی تصاویر ہیں۔ ان تعمیرات میں راجپوت فن تعمیر نمایاں ہے لیکن ساتھ ساتھ ایرانی فن تعمیر بھی نمایاں ہے۔ اکبر کے عہد کی تعمیرات میں فتح پور سیکری کی عمارات' الہ آباد کا چالیس ستونوں والا محل اور شاہی قلعہ لاہور وغیرہ ہے۔

4- جہانگیر کا عہد:

جہانگیر عمارات کی بجائے باغات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ لاہور کے شاہی قلعہ میں موتی مسجد اور خوابگاہ جہانگیر کی تعمیر کردہ ہیں۔ چند ایک عمارات کا تعلق نور جہاں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ نور جہاں نے اپنے والد اعتماد الدولہ کا مقبرہ تعمیر کرایا اور باغ دلکشا جس میں جہانگیر کا مقبرہ ہے۔ تعمیرات میں زیادہ تر سنگ مرمر استعمال ہوا ہے۔ لوگ آج تک ان کی سیر سے محظوظ ہوتے ہیں۔

5- شاہجہان کا عہد:

تعمیرات کے ضمن میں شاہجہان کا دور معراج کا دور کہلاتا ہے۔ ہر طرف امن و امان تھا لہٰذا بادشاہ کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کا بہترین موقع ملا۔ شاہجہان کے دور کی تعمیرات میں تاج محل آگرہ' دیوان خاص و دیوان عام دہلی' موتی مسجد آگرہ' جامع مسجد اور تخت طاؤس نمایاں ہیں۔

6- اورنگزیب عالمگیر کا عہد:

عالمگیر سادہ مزاج انسان تھے۔ ان کی عمر جنگ و جدل میں گزری لیکن پھر بھی وہ تعمیرات کی سرپرستی کرتے رہے۔ بنارس میں انہوں نے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ لاہور کی شاہی مسجد بھی انہی کی یادگار ہے۔ علاوہ ازیں شاہی مسجد اور لال قلعہ دہلی کے اندر موتی مسجد کے علاوہ دکن میں بھی عالمگیر نے کئی مسجدیں تعمیر کرائیں اورنگزیب کے بعد سلطنت مغلیہ کو زوال آ گیا تو مغلوں کا فن تعمیر زوال کا شکار ہو گیا۔ مغلوں کی تعمیرات میں عموماً سنگ مرمر کا استعمال ہوا ہے۔

مسلمان اور برصغیر پاک و ہند

اسلام کی آمد اور اشاعت کے مختلف ذرائع:

اشاعت اسلام کے سلسلے میں تجارت پیشہ حضرات نے جزائر شرق الہند کے علاقوں میں تجارت کے ساتھ ساتھ دینی تبلیغ کی خدمات بھی سرانجام دیں اور مسلمانوں نے اسلام کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تبلیغ کے فریضہ کو اہم صوفیاء کرام نے امکانی حد تک ادا کیا۔ سلاطین دہلی کے... اقتدار میں اصلاح معاشرہ اور دینی تبلیغ کے فرائض ادا کیے۔ ان بادشاہوں کے زمانے میں صوفیوں کا ایک گروہ خاموشی اور مستقل مزاجی سے اشاعت اسلام میں مصروف رہا۔ بزرگان دین کی زندگیاں صاف اور سادہ ہوتی تھیں لیکن پاکیزہ ہوتی تھیں مگر ان کی اس سادگی اور پاکیزگی میں بڑی کشش ہوتی تھی۔ ان کا کردار محاسن اخلاق کا بہترین نمونہ ہوتا تھا۔ لوگ ان کے اقوال' افعال اور کردار کو دیکھتے تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے۔ ان کے ہاں ذات پات کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہرکس و ناکس محمود و ایاز کی تمیز سے بالا تھا۔ ان کی مجالس وعظ میں ہر کسی کو آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ان کی مجلسوں میں صلح و صفائی' امن و آشتی اور مساوات کی تعلیم ہوتی تھی۔ انہی اوصاف کو دیکھ کر عوام میں اسلام کی رغبت اور کشش پیدا ہوتی تھی۔ ان کی بابرکت زندگیوں سے متاثر ہو کر عوام کے قلب و جگر میں راستی اور اصلاح کی تڑپ پیدا ہوتی تھی چونکہ ان بزرگان کے مقاصد بے لوث ہوتے تھے اس وجہ سے شاہان دہلی اور اصحاب اقتدار کے ہاں ان کا بڑا احترام ہوتا تھا اور وہ ان کے جملہ اخراجات پورے کرنے کے لئے بڑی بڑی رقوم بھیجتے تھے اس لئے یہ دینی تبلیغ کا فریضہ احسن انداز میں انجام دیتے تھے۔

برصغیر پر مسلمانوں نے دس گیارہ سو سال تک حکومت کی اس مدت میں صوفیوں نے اصلاح معاشرہ اور تبلیغ دین کا فریضہ ادا کیا۔ اسلامی مساوات کے سامنے ذات پات اور چھوت چھات کے معبودان باطل نیست و نابود ہو گئے' ہر طرف نغمہ توحید گونجنے لگا' اسلامی اصولوں کے سامنے ہندو مذہب کی زنجیریں ایک ایک کر کے ٹوٹ گئیں۔

بزرگان دین اور علماء کرام:

مسلم معاشرے کی تشکیل میں ان علماء کے علمی کارناموں اور صوفیاء کرام کی اصلاحی مجالس کو بہت دخل ہے جن کی کوششوں سے برصغیر کے بعض علاقوں میں ایک ایسا معاشرتی اور مذہبی نظام قائم ہو گیا جہاں ہندوؤں کی اکثریت دین اسلام میں داخل ہو گئی اور یہ علاقے مسلم اکثریتی علاقوں میں تبدیل ہو گئے۔ اس باب میں ان بزرگان دین اور علماء کرام کی کوششوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جنہوں نے برصغیر میں اسلامی نظریہ کے فروغ کے لئے اپنی مساعی جمیلہ جاری رکھیں اور برصغیر میں قومیت کی بنیادیں زمین سے وابستگی پر نہیں بلکہ مذہب سے وابستگی پر قائم کیں۔

مغل حکمران اکبر نے پہلی مرتبہ حکومت کی جانب سے ''دین الٰہی'' کے ذریعے ''ایک قومیت'' کی تشکیل کی کوششیں کی تھیں جن کی تردید حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کی اور آپ کے نظریات کو شاہ ولی اللہؒ اور ان کے جانشینوں کے علاوہ بعض دیگر علماء کرام نے بھی جاری رکھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ (971ھ مطابق 1564ء تا 1034ھ مطابق 1624ء):

آپ کا اصلی نام شیخ احمد تھا۔ علاقہ سرہند میں پیدا ہوئے چونکہ آپ کے والد محترم سرہند کے علماء میں سے تھے اس لئے ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔ پھر حصول علم کے لئے مغل بادشاہ اکبر کے دارالحکومت آگرہ میں آ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ یہاں آپ کافی سال رہے۔ آپ کے اندر تلاش حق کی ایک تڑپ تھی جو آپ کو کئی بار آگرہ اور دہلی لے گئی بالآخر آپ 1008ھ میں جب دہلی تشریف لائے تو خواجہ باقی باللہؒ سے تعلق قائم ہو گیا' انہوں نے آپ کو سرہند میں قیام کرنے کا حکم دیا جہاں سے آپ نے اس تحریک کا آغاز کیا جسے بجاطور پر برصغیر میں اسلام کے احیاء کی تحریک کہا جا سکتا ہے۔

اگرچہ یہ دور' مغل حکومت کے استحکام کا زمانہ تھا لیکن دہلی سلطنت کے زوال اور خاتمہ کے بعد مسلم معاشرہ کے اندر جو افراتفری پیدا ہو چکی تھی' وہ کسی دینی تحریک کے بغیر درست نہیں ہو سکتی تھی۔ اکبر کی فتوحات نے مغل سلطنت میں توسیع ضرور کی تھی لیکن اسے سیاسی مصلحتوں کی بناء پر راجپوتوں سے تعلقات استوار کرنے پڑے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے راجپوت راجاؤں کی بیٹیوں سے شادیاں تک کر لی تھیں۔ دربار میں نہ صرف ہندو اثرات کا غلبہ ہو رہا تھا بلکہ شیعہ عقائد کو فروغ حاصل ہو رہا تھا کیونکہ ہمایوں ایران کی مدد سے دوبارہ ہندوستان کا تخت حاصل کر سکا تھا اس بناء پر شیعہ علماء اور شعراء کی خاصی بڑی تعداد لاہور' دہلی اور آگرہ تک آباد ہو گئی تھی جن کے اثرات نمایاں تھے۔ اسی عرصہ میں پرتگال کے عیسائیوں کو بھی مراعات حاصل ہو گئی تھیں اور اکبر نے مختلف مذاہب کے علماء کو آگرہ میں جمع کر کے مذہبی مناظروں کی بنیاد ڈال دی تھی۔ یہی مناظرے کچھ عرصہ بعد ''دین الٰہی'' کی صورت میں انجام پذیر ہوئے۔

اکبر کے درباری ابوالفضل اور فیضی نے اکبر کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ لگا کر پہلے تو مذہبی مناظرے منعقد کروائے' اور اکبر کو علماء سے بددل کیا اور پھر ہندومت' اسلام' عیسائیت اور مجوسیت کی اپنے نزدیک مشترکہ قدریں تلاش کر کے ''دین الٰہی'' کا خاکہ تیار کیا اور اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ وہ بادشاہ کی حیثیت سے زمین پر اللہ کا سایہ بھی ہے اور امام وقت بھی ہے مزید یہ کہ مجتہد کی حیثیت سے اسے دین میں تبدیلیاں کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے چنانچہ اکبر جو کہ ان پڑھ تھا' وہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا اور ابوالفضل اور فیضی نے مشہور کر دیا کہ بادشاہ عنقریب نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہے۔

لہٰذا وقت کے علماء نے اکبر کے خلاف ایک بغاوت عام کی منصوبہ بندی کی اور اس کے بھائی مرزا محمد حکیم حکمران کابل کے ذریعے بغاوت کروا بھی دی مگر اکبر نے جلد ان پر قابو پا لیا چنانچہ 1582ء

میں اکبر نے ابوالفضل اور فیضی کے ترتیب دیئے ہوئے "دین الٰہی" کے نفاذ کا فرمان جاری کر دیا۔ اس کی رو سے بادشاہ نے "سلطان عادل" کا لقب اختیار کیا جسے مجتہد سے افضل قرار دیا گیا۔

اس نئے مذہب میں پارسی اور ہندو رسومات کو اہمیت دی گئی تھی مثلاً بادشاہ کے لئے "تعظیمی سجدہ" کی بدعت شروع کی گئی' سورج اور آگ کے سامنے مراقبہ کرنے کو عبادت قرار دیا گیا۔ شراب نوشی کو قانوناً جائز اور گوشت خصوصاً گائے کے گوشت کو ممنوع قرار دیا گیا۔ دین الٰہی کو اختیار کرنے والے ہندوؤں کو دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے کی اجازت مل گئی اور جن ہندو عورتوں نے مسلمانوں سے شادیاں کی تھیں' انہیں زبردستی ان کے والدین کے حوالے کیا جانے لگا۔

(مغل ایمپائر ان انڈیا از ایس۔ آر۔ شرما' ص 341)

غیر مسلموں سے جزیہ پہلے ختم کیا جا چکا تھا' بادشاہ کی جھروکہ سے درشن کی رسم کو اہمیت دی گئی اور اب مسلمانوں سے صوم و صلوٰۃ کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔

اس نئے مذہب کا مقصد ہندوؤں کے دلوں کو جیتنا تھا اور چونکہ حاشیہ نشینوں اور خوشامدی درباریوں نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ بعثت نبوی کو اب ایک ہزار سال پورے ہو چکے ہیں' شریعت کی عمر پوری ہو چکی ہے' اب نئے عقائد کا آغاز کیا جا سکتا ہے چنانچہ اکبر نے اس توجیہہ کو قبول کر کے' شاہی اختیارات کے ساتھ ساتھ مذہبی اختیارات بھی حاصل کر لئے اور وہ امراء اور عوام سے نئے مذہب کی بیعت لینے لگا جس میں اخلاص چہارگانہ (ترک مال' ترک جان' ترک ناموس اور ترک دین) کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا از سیّد قاسم محمود' ص 880)

اسی طرح کی اور بہت سی خرافات تھیں جنہیں دین کے جزو کے طور پر اپنانا پڑتا تھا اگرچہ بہت سے امراء اور عوام نے اسے قبول نہ کیا لیکن اس تحریک سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دہلی سلطنت کے زوال اور مغلوں کے عہد عروج تک برصغیر کے مسلم معاشرے میں اتنا بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اور علماء کرام میں باہمی اختلافات اس قدر شدت اختیار کر چکے تھے کہ جن سے ایک طرف ہندو اور پارسی فائدہ اُٹھا رہے تھے اور دوسری طرف درباری علماء ابوالفضل اور فیضی اسلام کی جگہ ایک "ہندوستانی مذہب" رائج کرنے کی فکر میں تھے اور اکبر کو انہوں نے آلہ کار بنایا ہوا تھا۔

اس نئے فتنہ کی بیخ کنی کے لئے ایک ایسے مجدد اور رہنما کی ضرورت تھی جو متشرع ہو اور ان بدعتوں کا خاتمہ کر سکے جو اس مدت میں مسلمانوں میں رائج ہو چکی تھیں۔

شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) کی تعلیمات:

اللہ تعالیٰ نے شیخ سرہندی کو مجدد الف ثانیؒ کی حیثیت سے اصلاح احوال کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کی تعلیمات کے جو دیرپا اثرات مرتب ہوئے' ان میں قیام پاکستان بھی شامل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے برصغیر میں اسلام کے علیحدہ تشخص پر زور دے کر دو قومی نظریہ کی بنیادوں کو مضبوط کیا جبکہ اکبر نے ایک قومی نظریہ کے تحت "دین الٰہی" کو رائج کرنا چاہا تھا۔ دو قومی نظریہ ہی قیام پاکستان کا باعث ہوا۔

آپ نے سرہند میں قیام فرما کر مندرجہ ذیل طریقوں سے رشد و ہدایت کے سلسلے کو جاری رکھا:

1- خانقاہی تعلیم و تربیت:

آپ اپنی خانقاہ میں عبادات کی تعلیم دیتے تھے اور اصلاح نفس کے لئے لوگ دور دراز سے آپ کی خانقاہ میں آتے تھے۔ آپ نے تصوف کو شریعت کے تابع بنانے پر سعی و کوشش کی اور عقیدۂ وحدۃ الوجود کے رد میں خصوصی جدوجہد کی اور اس میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

2- تعلیم بذریعہ کتب و رسائل:

رشد و ہدایت کا جو سلسلہ آپ نے خانقاہ میں درس و تدریس کے ذریعے قائم فرمایا تھا اسے مزید وسعت دینے کے لئے آپ نے متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے جن کی خصوصی طور پر اشاعت آپ کی زندگی میں ہوئی۔ ان رسائل میں رد روافض (شیعی عقائد کی مخالفت میں)، رسالہ تہلیلیہ (جس میں کلمہ طیبہ کے مختلف امور کی وضاحت کی گئی ہے) اور اثبات نبوت (جس میں نبوت کی ضرورت اور اہمیت کو بیان کیا گیا ہے) اور آپ نے ان خیالات کی بھی تطہیر فرمائی جن کی وجہ سے شریعت کی اہمیت کم ہو رہی تھی۔

3- تعلیم بذریعہ خطوط:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خطوط نویسی کو بھی تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ بنایا چنانچہ مکتوبات امام ربانی کو تین جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ خطوط زیادہ تر اکبر اور جہانگیر کے امراء کے نام ہیں جن میں انہیں دین کی ترویج کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بعض خطوط میں دینی اور علمی مسائل کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ ان خطوط کا بیشتر مقصد امراء سلطنت کے ذریعے ان بدعتوں کو دور کرنا تھا جو مسلم معاشرے میں پھیل چکی تھیں اور جنہیں شاہی دربار سے فروغ حاصل ہوتا تھا۔ آپ کے خطوط ایک ایسی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں جن سے اس دور کے مذہبی اور معاشرتی مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے ان خطوط کے ذریعے نہ صرف دین اسلام کو مختلف بدعتوں سے پاک کیا بلکہ شریعت کی بالادستی کا احساس دلا کر اسلام کے قلعہ کو کفار، ملحدین اور مشرکین کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی وہ کوششیں کیں جو بالآخر دو قومی نظریہ کے ارتقاء کا باعث ثابت ہوئیں۔

(مطالعہ تاریخ و تحریک پاکستان، ص 124)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور جہانگیر:

اکبر کے انتقال کے بعد اصلاح کی امید تھی مگر جلد ہی اس کے ہوش و حواس پر نور جہاں کا قبضہ ہو گیا لہٰذا اس نے اکبر کا رائج کردہ سجدہ تعظیمی بھی موقوف نہ کیا۔ کسی نے شیخ احمد سرہندی کے متعلق جہانگیر کے کان بھرے۔ چنانچہ شاہی فرمان کے ذریعے شیخ کو دربار میں بلایا گیا۔ یہاں سجدہ تعظیمی کا مسئلہ پیدا ہو گیا، آپ نے بادشاہ کو سجدہ کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:

”جو سر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا ہے وہ کسی انسان کے سامنے نہیں جھک سکتا۔“

یہ انکار شاہی مزاج کے خلاف تھا لہٰذا آپ کو قلعہ گوالیار میں ایک سال تک قید کر دیا گیا۔ آپ نے اس قید سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قلعہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کے ہاتھ پر متعدد ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان اطلاعات کے ملنے پر جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ آپ کو رہا کر کے یہ اختیار دیا کہ چاہیں تو مغل فوج میں تبلیغ کے کام کو جاری رکھیں اور چاہیں تو گھر چلے جائیں۔ آپ نے لشکر میں قیام کو اختیار کیا اور سپاہیوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ آپ تین چار سال تک لشکر شاہی میں رہے پھر تو آپ اکثر اوقات جہانگیر کو بھی نصیحتیں کرتے رہے اور کئی دفعہ سفر بھی اکٹھے کیا۔ پھر آپ جسمانی ضعف کی بناء پر بادشاہ سے اجازت لے کر سرہند واپس آ گئے اور آپ نے خلوت نشینی اختیار کر لی۔ کچھ ہی عرصہ بعد 10 دسمبر 1624ء کو اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی عمر 63 سال تھی۔

آپ کے کارناموں میں احیاء دین، ہندوؤں اور شیعوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کی روک تھام دین الٰہی کی بدعتوں کا خاتمہ تھا۔ آپ کے بعد بھی آپ کی تحریک جاری رہی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مزید توانائی پیدا ہوتی رہی اور دو قومی نظریہ فروغ پایا۔

آپ کی تحریک کے نتیجے میں شاہ ولی اللہؒ کی تحریک اصلاح، سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد اور دارالعلوم دیوبند کا قیام ممکن ہو سکا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (1551ء تا 1642ء):

شیخ عبدالحق 1551ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار برصغیر کے ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ حصول علم کے بعد کوئی بائیس سال کی عمر میں دارالحکومت آگرہ آ گئے، یہاں آپ نے دس بارہ سال قیام کیا۔ پھر آپ کو حج کا شوق ہوا تو آپ حجاز مقدس روانہ ہوئے وہاں حج سے فارغ ہونے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ پانچ سال بعد دہلی واپس آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور آپ نے حدیث کی ترویج کو اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ اس بناء پر آپ محدث کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ 94 سال کی عمر میں 1642ء میں فوت ہوئے۔ آپ کا تعلق تین مغل حکمرانوں کے ادوار سے رہا۔ یہ حکمران اکبر، جہانگیر اور شاہجہان تھے۔ آپ کا سب سے اہم کارنامہ برصغیر میں علم حدیث کی نشر و اشاعت تھا۔ آپ کے دینی کام کو آپ کے صاحبزادوں اور شاگردوں نے جاری رکھا جس کے نتیجہ میں دہلی، علم حدیث کا بہت بڑا مرکز بن گیا اور اسی شہر میں جب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی دینی اور علمی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو سیاسی زوال کے باوجود مسلمانوں کے تن مردہ میں ایک نئی روح پڑ گئی اور انہیں انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشیں اور مشترکہ کوششیں ختم نہ کر سکیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (1703ء تا 1762ء):

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فراغت کے بعد درس و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا اور دہلی میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا۔ دس گیارہ سال تک آپ مدرسہ رحیمیہ میں عقلی و نقلی علوم کی تدریس میں مشغول رہے پھر آپ حجاز مقدس چلے گئے۔ دو سال تک آپ مکہ اور مدینہ میں رہے اور وہاں مختلف اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر آپ واپس ہندوستان میں آ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جب ہوش سنبھالا تھا تو مغلیہ سلطنت تیزی سے زوال پذیر ہو رہی تھی۔ ایک طرف مرہٹوں کے اقتدار میں اضافہ ہو رہا تھا تو دوسری جانب سکھوں نے مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر رکھی تھیں۔ بنگال' دکن اور اودھ میں مسلمان امراء نے اپنی خودمختار مگر کمزور سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ راجپوتانہ اور بعض دیگر علاقوں میں ہندوؤں کی آزاد ریاستیں وجود میں آ گئی تھیں غرضیکہ ایک سیاسی انتشار برپا ہو چکا تھا جس کے اثرات مسلمانوں کی مذہبی' اخلاقی' معاشرتی اور معاشی زندگیوں پر مرتب ہو رہے تھے اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو اندلس کے مسلمانوں کا تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ہو چکا تھا لیکن برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی بنیادیں زیادہ مضبوط ثابت ہوئیں اور یہ یہاں کے علماء کرام اور صوفیاء عظام کی جہد مسلسل کا نتیجہ ہے کہ ہر طرح کی ابتری کے باوجود نہ صرف مغلوں کے عہد زوال میں بلکہ برطانوی سامراجیت کے دور میں بھی اسلامیان ہند کا تشخص باقی رہ گیا اور ان کے اندر جو ایک نئی روح بیدار ہوئی وہی آخرکار قیام پاکستان کا باعث بنی۔ اس نئے عزم کی بیداری کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ کو بجا طور پر ''حکیم الامت'' کہا جا سکتا ہے۔ ایک شخص کی مساعی جمیلہ' کس طرح تاریخ پر اثرانداز ہوتی ہے اس کا مطالعہ ''ولی اللہ تحریک اور اس کے مسلسل اثرات'' کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے کہ بیداریٔ ملت کا باعث یہی تحریک ثابت ہوئی تھی۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (1818ء تا 1899ء):

شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ آپ کے شاگردوں اور مریدوں میں سب سے زیادہ شہرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو حاصل ہوئی جن کا تعلق تھانہ بھون سے تھا۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو ہدایت کی کہ واپس جا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں۔ حاجی امداد اللہ کے شاگردوں میں مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے جید علماء شامل ہیں۔ جب 1857ء کی جنگ آزادی میں ہنگامہ برپا ہوا اور تھانہ بھون میں بھی بدانتظامی پیدا ہو گئی تو آپ نے اپنے قصبہ کا انتظام خود سنبھال لیا اور قاضی شریعت کی حیثیت سے دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔ (موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص 195)

جب دوبارہ انگریزوں کی عملداری قائم ہوئی تو آپ پر اور آپ کے بعض ساتھیوں پر بغاوت کا

الزام عائد کیا گیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی تو گرفتار ہو گئے مگر آپ کسی نہ کسی طرح تھانہ بھون سے نکل کر ہجرت کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ ہجرت کی۔ آپ کو اسی بناء پر مہاجر مکی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہجرت کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ میں بیالیس (42) سال قیام فرمایا اور وہیں 1899ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (1831ء تا 1880ء):

مولانا قاسم نانوتوی نے ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی کے بعض علماء سے درس حدیث لیا پھر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور ان ہی کی قیادت میں جنگ آزادی میں بھی حصہ لیا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد آپ پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا۔ کچھ عرصہ آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ انگریز حکومت نے 1857ء کی کامیابی کے بعد عیسائی پادریوں کی بڑی عزت افزائی کی تاکہ برصغیر میں عیسائیوں کو فروغ حاصل ہو۔ عیسائی پادریوں نے علماء دین سے بعض مذہبی معاملات میں مناظرے شروع کر دیئے۔ آپ نے عیسائی پادریوں اور سوامی ہندوؤں سے مناظرے کئے۔ ان مناظروں میں شریک ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی تھی۔

آپ کا دوسرا کارنامہ دارالعلوم دیوبند کا قیام تھا جس کی ابتداء 1867ء میں ایک مسجد کے احاطہ سے ہوئی تھی۔ آپ کے ذہن میں ایک شاندار مدرسہ کا تصور تھا۔ رفتہ رفتہ ان کا تخیل حقیقت کا روپ دھار گیا۔

مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا (1851ء تا 1920ء):

آپ ابتدائی تعلیم اپنے شہر بریلی میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ دیوبند سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے بیس سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے جبکہ تینتیس سال کی عمر میں دارالعلوم کے صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔

آپ کا شمار تحریک آزادی کے صف اوّل کے قائدین میں ہوتا ہے۔ آپ برصغیر سے انگریزی اقتدار کو صرف جلسوں' جلوسوں اور قراردادوں کے ذریعے ختم کرنے کے قائل نہ تھے بلکہ عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے جہاد کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔

لیکن اپنوں کی غداری کی وجہ سے انگریزوں کو اس کا علم ہو گیا۔ بہت سے افراد گرفتار ہو گئے اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کو برطانوی حکومت نے اٹلی کے قریب جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا۔ اسی لئے آپ ''اسیر مالٹا'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ تین سال بعد آپ کا دیوبند میں 1920ء میں انتقال ہو گیا۔ مالٹا کی اسیری میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور سورہ مائدہ تک حواشی لکھے جنہیں بعد میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکمل کیا۔

سیّد میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد ولی اللّٰہی مسند علم کو ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق نے

رونق بخشی۔ آپ کے حلقہ درس سے بے شمار شائقین علم کو فائدہ پہنچا جن میں شاہ عبدالغنی مجددی، شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا شیخ محمد تھانوی، مولانا شیخ احمد علی سہارنپوری، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور نواب قطب الدین خان رحمہم اللہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے مشہور تلامذہ میں سے مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں۔

شاہ اسحاقؒ نے جب 1258ھ میں بیت اللہ کے قصد سے ہجرت کی تو انہوں نے اپنی جانشینی اور فکر ولی اللہی کی تکمیل و اشاعت کے فریضہ کی انجام دہی کے لئے سیّد میاں نذیر حسینؒ کا انتخاب کیا جنہوں نے دہلی میں پورے ساٹھ (60) سال تک درس حدیث کی وجہ سے شیخ الکل کا لقب پایا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''مدرسے کے دوسرے معلم مولوی عبدالخالق کے داماد شمس العلماء علامہ سیّد نذیر حسین تھے جن کے علم و فضل کا یہ مرتبہ تھا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی نے ہجرت کے وقت افادہ، افتاء اور تدریس کی خدمت ان کے سپرد کر کے خلیفہ و جانشین مقرر فرمایا تھا۔''

(مولوی نذیر احمد دہلوی احوال و آثار، ص 46)

میاں صاحب ان جیسے دیگر محدثین نے لوگوں کی دین سے وابستگی اور اسلاف سے محبت کو نئے سرے سے اُجاگر کیا جو بعد میں تحریک پاکستان کا باعث بنی۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (1885ء تا 1949ء):

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شروع میں ''جمعیت علماء ہند'' سے وابستہ ہو گئے تھے جو آل انڈیا کانگریس سے تعاون کر رہی تھی لیکن جب آپ کو کانگریس کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو آپ نے اکتوبر 1945ء میں ''جمعیت علماء الاسلام'' کی بنیاد رکھی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنی چاہئے۔ پھر آپ نے قائداعظمؒ کی موجودگی میں کئی مرتبہ ان خیالات کا اظہار کیا کہ قیام پاکستان کے بعد یہاں اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا۔ 45-1946ء کے انتخابات میں بھرپور شرکت اور ولولہ انگیز خطابات کے بعد پاکستان کے نام پر ہونے والے ریفرنڈم میں سلہٹ اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی کامیابی کو یقینی بنایا۔ پھر قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور قرارداد مقاصد کی تدوین میں آپ کا بہت نمایاں حصہ ہے۔ قائداعظمؒ کی نماز جنازہ بھی آپ نے پڑھائی تھی۔ آپ کا انتقال کراچی میں 1949ء میں ہوا۔ گویا تحریک و قیام پاکستان کی تحریک میں آپ کا بھی نمایاں کردار ہے۔



مشہور علمی، مذہبی اور سیاسی تحریک، طریق کار اور اثرات و نتائج

اٹھارہویں صدی ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اسی صدی میں ان کے سیاسی انحطاط کی تکمیل ہوئی اور یہی زمانہ اس سبب سے بھی اہم تھا کہ ان کی سماجی، معاشرتی اور مذہبی اصلاح کی تحریکیں بھی اسی دور میں شروع ہوئیں۔ اس دور کے مسلمانوں کی مذہبی اور سماجی حالت ناگفتہ بہ حد تک خراب ہو چکی تھی۔ انہوں نے اسلام کے سیدھے سادھے اصولوں کو ترک کر کے ہندوؤں کی مشرکانہ رسوم کو اپنی زندگیوں میں داخل کر لیا تھا۔ تمام مسلم معاشرہ، مشرکانہ رسوم، ہندوانہ تہذیب، اخلاقی پستی، دینی افلاس اور اقتصادی بدحالی کا عبرتناک نمونہ بن چکا تھا۔

تحریک جہاد

سیّد احمد شہید کا تعارف:

ان حالات میں سیّد احمد شہید بریلوی نے مسلم معاشرے میں پیدا شدہ برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ مولانا ابوالحسن ندوی کے بقول:

> ”سیّد صاحب نے اس ملک میں توحید، تجدید دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کیا اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کی یاد تازہ کر دی۔“

آپ نے پنجاب میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مذہبی آزادی کے لئے جہاد کیا۔

سیّد صاحب 29 نومبر 1786ء میں لکھنؤ سے 49 میل دور ایک قصبہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے اسی بناء پر آپ کو بریلوی کہا جاتا ہے۔ آپ بچپن سے ہی پڑھائی لکھائی کی نسبت جسمانی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیتے رہے۔ آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں حصول ملازمت کے لئے لکھنؤ کا رُخ کیا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ دہلی تشریف لے آئے اور شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو شاہ عبدالقادرؒ کی سرپرستی میں دے دیا چنانچہ آپ نے ان سے پڑھنا شروع کیا۔ اسی سال یعنی 1807ء میں آپ رائے بریلی واپس آ گئے اور 1810ء میں آپ ریاست ٹونک کے نواب امیر خان کی فوج میں ملازم ہو گئے اور چھ سال سے زیادہ کا عرصہ وہاں گزارا۔ اس ملازمت سے آپ کا مقصد فوجی نظم و ضبط اور جنگی فنون کا سیکھنا تھا جس نے آگے چل کر آپ کو جہاد میں بہت مدد دی۔

جب 1817ء میں نواب ٹونک نے اپنی فوج کو ختم کر دیا تو سیّد احمد صاحب 1818ء میں شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ ان ہی ایام میں شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی نے سیّد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شاہ ولی اللہؒ کے گھرانے کے دو اہل علم حضرات کا آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی چنانچہ اسی سبب سے سیّد صاحب کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور لوگ

جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ مختلف علاقوں کے مسلمانوں نے سید صاحب کو دورہ کرنے کی دعوت دی لہٰذا آپ نے غازی آباد' میرٹھ' مظفرنگر' تھانہ بھون' دیوبند' سہارنپور اور نانوتہ کا آٹھ ماہ تک دورہ کیا اور اپنے پُر تاثیر وعظ سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کامیاب کوششیں کیں۔

سیّد صاحب کی باتوں میں غیر معمولی اثر تھا۔ آپ کی باتیں سیدھی سادھی اور عام فہم ہوا کرتی تھیں۔ آپ کی تعلیمات کا بنیادی پہلو شرک سے اجتناب اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرنا تھا۔ آپ نے ان تمام ہندوانہ رسومات کی سختی سے مخالفت کی جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے اختیار کر لیا تھا حتیٰ کہ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی بیوہ سے نکاح کرنا گناہ تصور کرتے تھے۔ سلام مسنون کی بجائے "تسلیمات" اور "آداب عرض" کا رواج بڑھ گیا تھا اور حج جیسے اہم رکن کو بھی فقہی عذر کی بناء پر ساقط قرار دے دیا گیا تھا کیونکہ مکہ کا راستہ غیر محفوظ اور جہاز اکثر و بیشتر ڈوب جاتے تھے۔ آپ نے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کیا بلکہ چار سو لوگوں کو ساتھ لے کر حج کے لئے رائے بریلی سے کلکتہ روانہ ہوئے۔ وہاں آپ نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو اس کا اس قدر اثر ہوا کہ کلکتہ کی حالت ہی بدل گئی۔ شہر میں شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں اور لوگوں کی اخلاقی و سماجی حالت میں انقلاب آ گیا اور سیّد صاحب حجاز میں دس ماہ قیام کرنے کے بعد 29 اپریل 1824ء کو واپس ہندوستان پہنچے اور سکھوں کے خلاف جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔

تحریک جہاد کا پس منظر:

سیّد صاحب کو سکھوں کے خلاف جہاد کا خیال ایک دردناک واقعہ سے ہوا۔ جب آپ وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں رام پور گئے ہوئے تھے تو وہاں کئی افغان آپ کو ملے اور واقعہ بتلایا کہ "پنجاب کے علاقے میں ہمیں پانی پینے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ہم ایک کنویں پر گئے جہاں چند سکھ عورتیں کھڑی پانی بھر رہی تھیں چونکہ ہم ان کی زبان سے نابلد تھے اس لئے انہیں اشارے سے کہا کہ ہمیں پانی پلاؤ اس پر ان عورتوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا کہ ہم سب مسلمان افغان زادیاں ہیں اور یہ سکھ ہمیں زبردستی پکڑ کر لائے ہیں۔"

اس دردناک واقعہ کو سن کر سیّد صاحب نے فرمایا کہ "میں ان شاء اللہ عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔"

اس دور میں پنجاب کے مسلمانوں کی مظلومیت ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تھی اور مسلمان غلامی کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔ شاہی مسجد کے حجروں کو اصطبلوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا' مساجد میں سور باندھے جاتے تھے' کئی جگہ آذان دینے پر بھی پابندی تھی۔ پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم اس قدر بڑھ چکے تھے کہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز بھی ان کے خلاف جہاد کے متمنی تھے لیکن اپنی جسمانی کمزوری کے باعث ایسا نہ کر سکے۔

تحریک جہاد کا عملی آغاز:

حج سے واپسی کے بعد سیّد صاحب دو سال تک جہاد کی تیاریوں میں مشغول رہے اور چالیس سال کی عمر میں 16 جنوری 1826ء کو سیّد اسماعیل کے ساتھ جہاد کی غرض سے بریلی سے روانہ ہوئے اور شمال مغربی سرحدی صوبہ تک پہنچنے کے لئے یو۔ پی' مالوہ' راجپوتانہ' مارواڑ' سندھ' بلوچستان اور افغانستان کے ریگستانوں' میدانوں' پہاڑوں' دریاؤں' جنگلوں اور دروں کو طے کیا جو بذات خود ایک مستقل جہاد تھا۔ آپ کے ہمراہیوں کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ اس طویل راستے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان تمام علاقوں کے لوگ اس تحریک سے روشناس ہو گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں جذبہ جہاد بیدار ہو گیا اور سیّد صاحب بلوچستان سے قندھار' غزنی اور کابل ہوتے ہوئے پشاور پہنچے اور نوشہرہ کو اپنا مرکز بنایا۔ (تاریخ پاکستان' ص 76-77)

حاکم پنجاب رنجیت سنگھ کے مسلمانوں پر مظالم:

پنجاب میں رنجیت سنگھ کی حکومت نے مسلمانوں کے لئے زمین تنگ کر دی تھی اگرچہ اکثر مسلمان حکمرانوں کی سرحدیں پنجاب سے ملتی تھیں مگر وہ سب سکھوں سے خائف تھے۔ سیّد احمد بریلوی کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے رنجیت سنگھ کے خلاف جہاد کو اوّلیت دی۔ اس وقت آپ کے پاس تقریباً پانچ ہزار سرفروش زیر کمان تھے۔ سیّد صاحب نے پشاور کے راستے پنجاب پر حملہ آور ہونے کی حکمت عملی وضع کی۔ آپ کا یہ لشکر جب نوشہرہ سے دشوار گزار راستوں کو عبور کرتا ہوا پنجاب کی طرف بڑھ رہا تھا تو اب اس کی تعداد سات ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

اکوڑہ' سکھوں کے ساتھ پہلا معرکہ:

رنجیت سنگھ نے دس ہزار سکھوں کی فوج بدھ سنگھ کی سربراہی میں نوشہرہ کی طرف روانہ کی جس نے اکوڑہ کے مقام پر قیام کیا جو نوشہرہ سے تقریباً 13 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

سیّد احمد بریلوی نے اسلامی روایت کے مطابق سکھوں کو پہلے اسلام کی دعوت دی بصورت دیگر جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا ورنہ جنگ کی صورت ہوگی۔ سکھوں نے آخری بات کو ہی قبول کیا۔

چنانچہ 20 دسمبر 1826ء کو دونوں لشکر وہاں مدمقابل ہوئے چونکہ مسلمانوں کے مقابلے میں سکھوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے دشمن کی فوج پر شب خون مارنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے لئے 21 دسمبر کی صبح بدھ سنگھ کی فوج پر اس قدر سخت حملہ کیا کہ دشمن کے سات سو کے قریب آدمی مارے گئے جس کے نتیجے میں بدھ سنگھ کی فوج نے پیچھے ہٹنے میں عافیت سمجھی۔ مجاہدین کی اس فتح کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے قبائلی سرداروں نے سیّد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرو دوسرا معرکہ' مرکز کی ضرورت:

اس کے بعد دوسرا معرکہ حضرو کے مقام پر پیش آیا اس میں بھی کامیابی ہوئی۔ ان دونوں معرکوں کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ آئندہ فتوحات کے لئے مرکز کا بنانا ضروری ہے

چنانچہ پشاور کے سرداروں، علماء اور دیگر معززین نے 11 جنوری 1827ء کو سیّد صاحب کو امیر المومنین منتخب کر لیا۔ سیّد صاحب کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا۔ اب تحریک مجاہدین کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور مجاہدین کی تعداد دو ماہ کے اندر اندر اسی ہزار (80,000) تک جا پہنچی۔

اٹک قلعے پر قبضے کا پروگرام:

اب سیّد صاحب کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ سکھوں کو للکار سکتے تھے چنانچہ اٹک قلعے پر قبضے کا پروگرام بنایا گیا لیکن اس سے پہلے ایک مشکل پر قابو پانا ضروری تھا کہ دریائے سندھ کے مغربی حصے پر جنرل بدھ سنگھ کی زیر قیادت سیدو کے مقام پر سکھوں کا اجتماع ہو رہا تھا جو کہ اکوڑہ سے زیادہ دور نہیں تھا اگرچہ پشاور کے سردار جنگ کرنے کے خواہش مند تھے مگر انہوں نے ہی سیّد صاحب کو شکست دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حاکم پشاور یار محمد کی غداری:

آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں حاکم پشاور یار محمد بھی شامل تھا مگر اسے اور بعض دیگر افغان سرداروں کو سید صاحب کی کامیابیاں بالکل پسند نہ آئیں لہٰذا یار محمد نے خفیہ طور پر رنجیت سنگھ سے سازباز شروع کر دی۔ سکھ فوجیں ایک مرتبہ پھر نوشہرہ کے قریب جمع ہونا شروع ہو گئیں اور یار محمد نے رات کو یا آغاز جنگ سے قبل دھوکے سے سیّد صاحب کو کھانے میں زہر دے دیا اگرچہ وہ جان لیوا ثابت نہ ہوا مگر عین جنگ کے موقع پر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور یار محمد نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فوج کو جنگ سے ہٹا لیا۔

مجاہدین کا نقصان اور یار محمد کا انجام:

چنانچہ یار محمد کی غداری نے مجاہدین کو سکھوں کے مقابلے میں پہلی شکست دلوا دی اور مجاہدین کی جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی اور چھ ہزار مسلمان جنگ میں شہید ہو گئے۔ اس دوران مجاہدین کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ مالی امداد کا سلسلہ بھی بند ہو گیا ادھر سیّد صاحب کے دست راست مولانا عبدالحیٰ کا انتقال ہو گیا۔

ان تمام مصائب و تکالیف کے باوجود شاہ اسماعیل کے دستوں نے رنجیت سنگھ کی افواج کو لڑائیوں میں مشغول رکھا۔ رنجیت سنگھ نے مایوس ہو کر پشاور کے سردار یار محمد خان کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح سیّد صاحب اور یار محمد کے درمیان جنگ شروع ہو گئی اور ایک معرکہ میں سردار یار محمد مارا گیا اور پشاور پر سیّد صاحب کا قبضہ ہو گیا۔ یار محمد کے بھائی سلطان محمد نے سیّد صاحب سے معافی مانگ لی۔

اصلاحی اقدامات کا آغاز اور مخالفین کا کردار:

اب اس علاقے میں قانون شریعت کی ترویج کے لئے قدم اٹھایا گیا۔ شہر میں نشہ آور اشیاء کی دکانیں بند ہو گئیں، معاشرتی رسومات اور خرابیوں کے خاتمہ کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔

ان تمام اصلاحی اقدامات سے سیّد صاحب کے مخالفین نے خوب فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو سیّد صاحب کے خلاف کر دیا چنانچہ یار محمد کے بھائی سلطان محمد نے سیّد صاحب کے مقرر کردہ تمام نائبین کو ایک رات قتل کر ڈالا اس صورت حال کے پیش نظر سیّد صاحب نے اپنا مرکز راج دواری منتقل کر لیا۔

بالاکوٹ آنے کی وجہ اور شیر سنگھ سے مقابلہ:

راجہ شیر سنگھ سیّد صاحب سے بہت زیادہ خائف تھا اس کے ادھر آنے پر سردار حبیب اللہ نے سیّد صاحب سے مدد چاہی لہٰذا آپ مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بالاکوٹ تشریف لائے۔ شیر سنگھ نے سید صاحب کے بالاکوٹ پہنچنے پر فوجیں بالاکوٹ کے اردگرد جمع کرنی شروع کر دیں۔

سیّد احمد اور سیّد اسماعیل کی شہادت:

بالاکوٹ میں داخلہ کے دو راستوں میں سے ایک متروکہ راستہ کے متعلق شیر سنگھ کو کسی مقامی شخص نے مطلع کر دیا چنانچہ اس نے سیّد صاحب کی فوجوں کا محاصرہ کر لیا اور دست بدست جنگ کے نتیجے میں سیّد صاحب اپنے ساتھی شاہ اسماعیل اور دیگر چھ سو رفقاء کے ساتھ جام شہادت نوش کر گئے۔
(تاریخ پاکستان' ص 76 تا 79

تحریک جہاد کے مقاصد:

سیّد صاحب کی تحریک صحیح اسلامی تحریک تھی اور اس تحریک کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

1- عملی جہاد:

سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء کا نصب العین اس تحریک سے صرف ا[ور] صرف یہ تھا کہ ہندوستان میں صرف قرآن و حدیث کے قوانین و احکام پر عمل ہو اور آپ نے ا[س] مقصد کے حصول کے لئے ان تمام طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا ہوا تھا اور وہ چا[ہتے] تھے کہ اسلامی سلطنت پر قبضہ جمانے والے تمام مخالفوں (ہندوؤں' سکھوں اور انگریزوں) سے اقتد[ار] واپس لے لیا جائے۔

2- احیاء سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ:

سیّد صاحب کی معرکہ آرائی اور تکلیفیں اٹھانے کا اصل مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نا[فذ] کر دیا جائے اور کلمۃ اللہ بلند ہو کر عدل و انصاف کی سلطنت قائم کرنے میں معاون ہو۔ انہوں [نے] احیاء سنت کے ضمن میں بڑی سے بڑی رکاوٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جہاد کا پر کٹھن راستہ منتخب کیا اور وہ ایسی سنن کو زندہ کرنا چاہتے تھے جن کا بظاہر زندہ ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اس تحریک کے آغ[از] سے پہلے مسلمانوں کی مذہبی اور دینی حالت انتہائی ناگفتہ بہ حد تک غیر اسلامی ہو چکی تھی مثلاً:

1- ہندوؤں سے متاثر ہو کر بیوہ عورتوں سے نکاح نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ نے اپنے بھائی کی [بیوہ] عورت سے نکاح کر کے عملی ثبوت دیا۔

2- ایک اور فتنہ پیدا ہو چکا تھا کہ حج کی ادائیگی کچھ مدت سے متروک ہو چکی تھی۔ آپ نے خود اپنے چار سو رفقاء کے ساتھ جا کر اس رکن کو خود جاری کیا۔

3- مختلف قسم کی بدعات اور مشرکانہ رسومات معاشرے میں عام ہو گئی تھیں۔

تحریک کی ناکامی کے اسباب:

تحریک جہاد کی ناکامی کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

1- مجاہدین اور سکھوں کی فوج کی تربیت اور اسلحہ میں نمایاں فرق موجود تھا۔ سکھوں کی فوج نہ صرف مکمل تربیت یافتہ تھی بلکہ بعض اوقات ان کی فوج کی کمان اعلیٰ فرانسیسی اور اطالوی سپاہیوں نے بھی کی۔

2- سیدین شہیدین کی ناکامی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ جہاں دست بدست جنگ نے کوئی نتیجہ فراہم نہ کیا تو وہاں رنجیت سنگھ نے پشاور کے سرداروں کو پیسہ اور لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

3- ایک اہم سبب پٹھانوں کی باہمی رقابت بھی مجاہدین کی کامیابی میں آڑے آئی۔ سید صاحب اگر ایک پٹھان سردار کی حمایت حاصل کرتے تو دوسرا سردار محض پہلے سردار کی رقابت کی بناء پر سید صاحب کا ساتھ نہ دیتا۔

4- مالی مشکلات بھی سید صاحب کے راستے میں رکاوٹ بنتی رہیں۔

5- اور پھر یہ کہ جب سید صاحب نے پشاور پر قبضہ کے بعد نفاذ شریعت کے لئے اقدامات کئے تو ان میں سے بیشتر اقدامات وہ تھے جن کی براہ راست قبائلیوں کے مروجہ رسوم و رواج پر زد پڑتی تھی۔

چنانچہ سید صاحب کو پٹھانوں کی مخالفت مول لینی پڑی جس کے نتیجے میں انہوں نے موقع پا کر سید صاحب کے بہت سے آدمی جو بطور قاضی اور ٹیکس کلکٹر مقرر کئے گئے تھے، قتل کر دیئے۔

6- سید صاحب ایک ایسے علاقے میں جنگ کر رہے تھے جو ان کے گھروں سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن اس کے برعکس سکھوں کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں۔

تحریک مجاہدین کے اثرات:

اگرچہ یہ تحریک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کے باوجود یہ تحریک ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی:

"یہ پہلی عوامی تحریک تھی جو سیاسی فرض کے شعور سے پیدا ہوئی۔"

اس تحریک کا مقصد کسی خاندان کو واپس لانا یا حکومت کا حصول نہ تھا بلکہ اپنے ہم مذہب لوگوں کے مذہبی حقوق کی بحالی اس کا مقصد تھا جیسا کہ خود سید صاحب نے جہاد کے لئے روانگی کے وقت کہا

تھا کہ ہمارا مقصد نہ انگریزوں کا ملک لینا ہے اور نہ ہی سکھوں کا بلکہ سکھوں سے جہاد کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ (تاریخ پاکستان' ص 79-80)

سیدین شہیدین کی تحریک جہاد ان کی شہادت کے بعد بھی جاری رہی اور اس نے انگریز حکومت کو ناکوں چنے چبوائے۔

سید احمد شہید کی تحریک جہاد نے لوگوں کے دلوں میں جانبازی اور سرفروشی کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو کسی صورت مٹائے نہیں مٹ سکتا تھا۔ اس تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں پر دوررس اثرات مرتب کیے اور انہیں ایک صدی تک متاثر کیا۔ اس تحریک کی روشنی سے کئی اور تحریکوں کے چراغ روشن ہوئے۔ اگرچہ یہ تحریک ناکامی سے دوچار ہوئی لیکن اس کی ناکامی نے بھی کئی کامیاب تحریکوں کو جنم دیا۔

فرائضی تحریک (1775ء تا 1862ء)

تحریک کا پس منظر:

فرائضی تحریک بھی احیاء دین اور حصول آزادی کی تحریک تھی اور اس کا تعلق بنگال کے علاقے سے تھا۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور انگریزوں نے وہاں اپنا اقتدار نواب سراج الدولہ کی شکست کے بعد قائم کیا تھا اور اسے مستحکم بنانے کے لئے ہندوؤں کی نہ صرف حمایت کی تھی بلکہ انہیں بڑی مراعات بھی دی تھیں۔ نتیجہ میں ہندو زمینداروں نے مسلمان کسانوں اور کاشتکاروں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیئے تھے اور وہ مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر مسلمانوں کو بالکل بے دست و پا کر دینا چاہتے تھے۔ بتوں اور بت خانوں کی دیکھ بھال تک کے لئے مسلمانوں سے درگاہ پوجا کے نام پر ٹیکس وصول کیا جانے لگا۔ اس طرح بنگال کا غریب مسلمان' ایک طرف انگریزی حکومت کے ظلم و تشدد کا شکار ہو رہا تھا اور دوسری جانب ہندو زمیندار ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر رہا تھا۔ جب ظلم حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو اس کے خلاف احتجاج کا ہونا اور کسی تحریک کا منظم ہونا لازمی ہوتا ہے۔

بانی تحریک حاجی شریعت اللہ:

بنگال کے غریب اور لاچار مسلمانوں میں جس تحریک کا آغاز ہوا اسے فرائضی تحریک کہا جاتا ہے۔ فرائضی تحریک کے بانی حاجی شریعت اللہ تھے جو 18 سال کی عمر میں حجاز مقدس چلے گئے تھے جہاں انہوں نے مختلف علماء کرام سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس عرصہ میں وہابی تحریک کو حجاز مقدس میں فروغ حاصل ہو رہا تھا جس سے حاجی شریعت اللہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جب وہ بیس برس بعد بنگال واپس پہنچے تو احیاء اسلام کے جذبے سے سرشار تھے۔ انہوں نے ضلع فرید پور سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور دیہی علاقوں میں تبلیغ دین کے کام میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے چونکہ احکام شریعت کے نفاذ پر اور فرائض کی ادائیگی پر زور دیا تھا اس لئے آپ کی تحریک فرائضی تحریک کے نام سے موسوم ہوئی۔

گئی۔ (مطالعہ تاریخ وتحریک پاکستان، ص 198)

پروفیسر ظفر عمر زبیری لکھتے ہیں:

''وہابی تحریک کا آغاز محمد بن عبدالوہاب (1737ء تا 1787ء) نے سرزمین عرب میں کیا تھا جس کا مقصد اسلام کی خالص تعلیمات کو عام کرنا اور اسے مختلف بدعات سے پاک کرنا تھا۔ وہابی تحریک کو سعودی قبیلے نے قبول کر لیا تھا اور جب سعودی قبیلے کو حرمین شریفین پر اور عرب کے بڑے علاقے پر اقتدار حاصل ہو گیا تو وہاں خالص اسلامی عقائد' سعودی عرب کے سرکاری عقائد قرار دے دیئے گئے جنہیں متعصب لوگوں نے وہابی عقائد کا نام دیا۔ وہابی تحریک سے علماء پاک و ہند کا ایک بڑا طبقہ متاثر ہے۔

فرائضی تحریک کے اہم نکات:

1- مسلمانوں کو قرآن وسنت کی صحیح تعلیمات سے آگاہ کیا گیا۔ ہندوؤں کے اثرات کی بناء پر پیدا ہونے والی کمزوریوں کو دور کیا گیا۔ اسی طرح دیگر بدعات اور اوہام پرستی کے خلاف تبلیغ کی گئی۔

2- مسلمانوں کو ہندوؤں کی معاشی برتری اور معاشرتی اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی۔ ہندو زمینداروں کو بیگار دینے سے قطعی منع کر دیا گیا۔ اسی طرح درگاہ پوجا ٹیکس ادا کرنے سے بھی مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

3- چونکہ بنگال پر انگریزوں کی حکومت تھی اس لئے اسے دارالحرب قرار دے کر بنگالی مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد بیدار کیا گیا۔ انگریزی عدالتوں کا بائیکاٹ کر کے شرعی عدالتیں قائم کی گئیں۔

فرائضی تحریک مسلمانوں میں بہت جلد مقبول ہو گئی اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر اس کے نمایاں اثرات نظر آنے لگے لیکن ہندو زمینداروں اور انگریزوں کے لئے اس کے بڑھتے ہوئے اثرات سخت پریشانی کا باعث بننے لگے چنانچہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو گرفتار کیا گیا۔ حاجی شریعت اللہ پر بھی کئی مقدمات قائم کئے گئے۔ بعد میں عدم ثبوت کی بناء پر وہ بری کر دیئے گئے لیکن مستقل جدوجہد کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہو چکی تھی چنانچہ 1840ء میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

انہوں نے بنگال میں احیاء اسلام کی جس تحریک کا آغاز کیا تھا وہ اگرچہ کچھ عرصہ بعد ختم ہو گئی لیکن بنگالی مسلمانوں کے اندر دین اسلام سے محبت وعقیدت کے پیدا کئے جانے والے جذبے نے ان کے علیحدہ تشخص کو برقرار رکھا۔

سر سید احمد خان اور تحریک علی گڑھ

سر سید احمد خان کا تعارف:

سر سید احمد خان دہلی کے ایک معزز خاندان میں 1817ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا لہٰذا انہیں نو عمری میں ہی ملازمت اختیار کرنی پڑ گئی۔ کچھ عرصہ مغل حکومت کے ملازم رہے۔ پھر انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو جوائن کیا۔ انہیں عدالتی سررشتہ دار بنا دیا گیا۔ اسی اثناء میں انہوں نے قانون کے امتحانات پاس کیے چنانچہ ان کے عہدوں میں ترقی ہوتی گئی۔ غدر کے وقت وہ بجنور میں بحیثیت سب جج تعینات تھے۔ وہاں انہوں نے کئی انگریز مردوں' عورتوں اور بچوں کی جانیں بچائیں جس کے بدلے میں انہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور مراد آباد تبادلہ کر دیا گیا۔ یہاں سے سر سید احمد خان نے اپنی ملی اور قومی خدمات کا آغاز کیا۔ آپ نے جس تحریک کا آغاز کیا' وہ جلد ہی "علی گڑھ تحریک" کے نام سے موسوم ہوئی۔

سائنٹفک سوسائٹی کا قیام:

مئی 1862ء میں سر سید کا تبادلہ غازی پور کر دیا گیا۔ وہاں آپ نے سائنسی علوم سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے "سائنٹفک سوسائٹی" قائم کی اور جب آپ کا تبادلہ علی گڑھ کر دیا گیا تو سوسائٹی کا دفتر بھی علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام علی گڑھ سے "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے نام سے ایک رسالہ جاری ہوا جو سر سید کی وفات تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

ایم-اے-او کالج کا قیام:

سر سید نے علی گڑھ کے قیام کے دوران وہاں 1875ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل سکول کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جس کا مقصد دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم دینا بھی شامل تھا۔ سر سید نے 1877ء میں اس اسکول کو کالج میں تبدیل کر دیا اور اس کا نام ایم-اے-او کالج (محمڈن اینگلو اورینٹل کالج) ہو گیا۔ علی گڑھ تحریک میں سر سید کی وہ تمام کوششیں شامل تھیں جو آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کی تھیں۔ علی گڑھ کالج کا قیام جہاں مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم کی تعلیم کا انتظام یورپین اساتذہ کے ذریعے کیا گیا' محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ انعقاد ملک کے مختلف شہروں میں کیا جاتا تھا تاکہ ہر علاقے کے مسلمانوں میں تعلیمی شعور بیدار ہو۔ سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعے' سائنس اور دیگر مغربی علوم کی کتب کے تراجم اور رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے مسلمانوں کی تہذیبی' اخلاقی اور معاشرتی قدروں کو اُجاگر کرنا۔ یہ سب علی گڑھ تحریک کا حصہ تھیں۔

یہ سر سید کی شخصیت کا سحر تھا کہ ان کے رفقاء میں نواب محسن الملک' نواب وقار الملک' مولانا الطاف حسین حالی اور علامہ شبلی جیسی شخصیات شامل ہو گئی تھیں جن کی قومی اور ملی خدمات کا آغاز علی گڑھ سے ہی ہوا تھا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام اور مقاصد:

علی گڑھ کالج کو ایک تحریک میں تبدیل کرنے کے لئے ایک ایسی انجمن کی ضرورت تھی جو علم و عمل کے پیغام کو ہندوستانی مسلمانوں میں عام کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سرسید نے "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" قائم کی۔ اس کے ذریعے مسلمانوں میں تعلیم کو رائج کرنے کے منصوبے بناتے تھے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ اس کانفرنس کی کوششوں کے نتیجے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جن میں بنگال' پنجاب' سندھ اور سرحد کے علاقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں' ان میں سکول اور کالج قائم ہونے لگے جہاں علی گڑھ کی طرز پر تعلیمی نصاب رائج کیا گیا اور مسلمانوں کے بڑے طبقے میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم بھی پھیلنے لگی بلکہ حصول علم کی ایک تحریک شروع کی گئی اور ملک کے طول و عرض میں ایسی انجمنیں وجود میں آنے لگیں۔ تحریک علی گڑھ کے اثرات ہی تھے کہ لاہور میں انجمن حمایت اسلام' کراچی میں سندھ مدرسۃ الاسلام اور پشاور میں دارالعلوم اسلامیہ (اسلامیہ کالج پشاور) کی بنیادیں رکھی گئیں اور سرسید کے کام کو مزید آگے بڑھایا گیا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ

پس منظر:

ندوۃ العلماء کا قیام ایک تحریک کی صورت میں ہوا جس کے مقاصد میں برصغیر ہند کے مسلمانوں میں دینی اور تہذیبی بیداری' دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کا حصول اور اسلام پر عیسائی پادریوں اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دینے کے لئے ایسے علماء تیار کرنا تھے جو اسلامی تہذیب کی فکری بنیادوں کو اُجاگر کر سکیں۔ ان مقاصد کے پیش نظر 1893ء میں مولانا محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء کو ایک انجمن کی صورت میں کانپور میں قائم کیا جہاں یہ انجمن کا صدر دفتر 1898ء تک برقرار رہا۔ 1898ء میں اس دفتر کو لکھنؤ منتقل کیا گیا اور اس سال ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی گئی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے نصاب میں قدیم اور جدید دونوں علوم کو شامل کیا گیا اور عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا۔

ندوۃ العلماء کے اساتذہ:

دارالعلوم ندوۃ العلماء دراصل دیوبند اور علی گڑھ کے امتزاج کی شکل تھی۔ جلد ہی اس دارالعلوم کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مسلمان طلباء نے حصول علم کے لئے دارالعلوم کا رُخ کیا۔ یہاں کے اساتذہ میں سب سے زیادہ شہرت مولانا شبلی نعمانی کو حاصل ہوئی جنہوں نے تاریخ اسلام اور ادب پر بہترین کتابیں تحریر کیں۔ یہاں کے جن طلباء نے اسلامی ادب اور تاریخی نویسی میں شہرت دوام حاصل کی ان میں مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا عبدالسلام ندوی' مولانا مسعود عالم اور مولانا ابوالحسن علی ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ندوۃ العلماء کا کردار:

ندوۃ العلماء کی تحریک درحقیقت علمی اور فکری تحریک تھی جس نے مسلمانوں میں اعتماد اور اولوالعزمی کے جذبات بیدار کئے اور ملی تشخص کا احساس اُجاگر کیا۔ یہاں کے علماء کا ابتداء سے ہی تعلق آل انڈیا مسلم لیگ سے رہا اور قائداعظمؒ نے اپنی اکثر تقاریر میں مولانا شبلی کا تذکرہ بہت عزت و احترام سے کیا۔ تحریک پاکستان میں دارالعلوم ندوہ کے فارغ التحصیل طلباء نے موثر اور باوقار کردار ادا کیا اور انہوں نے تحریک پاکستان کو عقلیت اور دلائل کی روشنی میں آگے بڑھانے میں مسلم لیگ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ (مطالعہ تاریخ و تحریک پاکستان' ص 238-239)

دارالعلوم دیوبند

پس منظر:

اگر ایک طرف سرسید احمد خان اور ان کے معتقدین' ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے تعلیمی ادارے قائم کر رہے تھے جن میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم کی بھی تعلیم دی جا رہی تھی تو دوسری طرف مسلمان علماء ایسے مدارس قائم کر رہے تھے جہاں مسلمانوں کو خالص مذہبی تعلیم دینے کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دہلی کے جس مدرسہ میں پہلے تعلیم حاصل کی تھی اور بعد میں جہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے تھے اس مدرسہ کا نام "مدرسہ رحیمیہ" تھا جو ان کے والد شاہ عبدالرحیم نے قائم کیا تھا لیکن یہ مدرسہ غدر کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا مگر یہاں کے فارغ التحصیل طلباء نے ہمت نہیں ہاری بلکہ 1867ء میں دیوبند ضلع سہارنپور کے ایک بزرگ حاجی عابد حسینؒ کے ذہن میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا خیال آیا اور انہوں نے عالم دین' حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی سربراہی میں دیوبند کی مشہور مسجد "چھتہ والی مسجد" کے صحن میں ایک انار کے درخت کے نیچے مدرسہ کا آغاز کیا۔ جلد ہی مدرسہ کے لئے نئی جگہ اور عمارت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ مولانا قاسم نانوتوی نے "چھتہ والی مسجد" کے نزدیک ہی ایک قطعہ اراضی حاصل کر کے عمارت کی تعمیر کا کام شروع کروا دیا اور نو سال کے قلیل عرصہ (1876ء) میں ایک عالیشان دارالعلوم وجود میں آ گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا کردار:

اس دارالعلوم میں نہ صرف قرآن' حدیث اور فقہ کی درس و تدریس کا انتظام کیا گیا بلکہ یہاں کے طلباء میں ایک ایسا انقلابی جذبہ پیدا کیا گیا جس کے نتیجے میں انہوں نے آزادی ہند کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس دارالعلوم میں چونکہ انگریزی حکومت' انگریزی زبان اور مغربی علوم کی مخالفت کو بڑی اہمیت حاصل تھی اس لئے یہ جلد ہی ایک عظیم الشان قومی تحریک میں تبدیل ہو گیا اور نہ صرف ہندوستان کے تمام علاقوں میں طلباء یہاں آنے لگے بلکہ دیگر اسلامی ممالک سے بھی یہاں طلباء کی بڑی تعداد فارغ التحصیل ہونے لگی اور انہوں نے اپنے ممالک میں احیاء دین کی تحریکوں

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مغربی برتری کے بتوں کو توڑا اور مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کا آئینہ دکھایا۔

علماء دیوبند کے سیاسی خیالات:

دیوبند کے مکتبہ فکر کو جن علماء نے مسلمانوں میں عام کرنا چاہا' ان کا زیادہ تر اشتراک آل انڈیا نیشنل کانگریس سے رہا اور انہوں نے "جمعیت العلمائے ہند" کے نام سے جو سیاسی تنظیم قائم کی اس نے کانگریس ہی کے ساتھ تعاون کیا۔ ان علماء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین شامل تھے۔ 1940ء کے بعد جب تحریک پاکستان کا آغاز ہوا تو اس سے علماء دیوبند متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

آج بھی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل طلباء پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ اکثر مساجد کے پیش امام ہیں جو اسلام کے احیاء کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ (مطالعہ تاریخ' ص 236)

انجمن حمایت اسلام لاہور

پس منظر:

پنجاب جو غزنوی دور میں "مدارس کا شہر" کہلاتا تھا' انیسویں صدی کے آخر میں علمی اعتبار سے انتہائی پسماندگی کا شکار ہو چکا تھا۔ 1849ء میں انگریزوں نے سکھ حکومت کا خاتمہ کر کے پنجاب کو برطانوی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی یہاں مغربی تعلیم کا آغاز ہوا اور مختلف مقامات پر سکول اور کالجوں کا قیام عمل میں آیا۔ 1864ء میں گورنمنٹ کالج لاہور اور 1866ء میں مشن کالج قائم ہوئے۔

مسلمانوں نے مخصوص وجوہ کی بناء پر ان تعلیمی اداروں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور تعلیمی پسماندگی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ادھر عیسائی مشنریوں نے پنجاب کی سرزمین کو اپنے لئے "زرخیز" پاتے ہوئے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور غریب مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے لگے۔ عیسائی مشنریوں کے ساتھ آریہ سماجیوں نے بھی پر نکالنے شروع کئے۔ ان دونوں کی سرگرمیوں نے اس قدر زور پکڑا کہ 1883ء میں ایک سیدزادی اپنے تین بچوں سمیت عیسائی ہوگئی۔ یہ واقعہ مسلمانوں کی قومی حمیت کے لئے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کی کوشش سے وہ دوبارہ مسلمان ہوگئی مگر اس سے مسلمانوں کو سبق حاصل ہو گیا چنانچہ مسلمانان لاہور نے اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے مارچ 1884ء میں انجمن حمایت اسلام کے نام سے ایک تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا۔

ابتدائی طور پر انجمن نے واعظین اور مناظرین کا انتظام کیا جو پنجاب کے شہروں' قصبوں اور دیہات کے دورے کرتے اور عیسائیت کے مقابلے کے لئے ذہن تیار کرتے۔ انجمن نے اسلام کی

اشاعت و تبلیغ اور عیسائیت کے رد میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔

انجمن کے اغراض و مقاصد:

مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے انجمن حمایت اسلام کا قیام عمل میں آیا:

1- مسلمان طلباء و طالبات کی مذہبی اور عام تعلیم کا بندوبست کرنا تاکہ وہ غیر مذہب کی مذہبی تعلیم کے بُرے اثرات سے محفوظ رہیں۔

2- اسلامی اقدار کا تحفظ اور ان کی اشاعت۔

3- عیسائی آریہ سماجی مشنریوں کی طرف سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا تحریری و تقریری جواب دینا اور اس کے لئے واعظوں کا تقرر اور ایک رسالے کا اجراء۔

4- اہل اسلام کو اصلاح معاشرت اور تہذیب و اخلاق اور علوم دینی و دنیوی کی تحصیل اور باہمی اتحاد و اتفاق کا شوق دلانا۔

انجمن کی سرگرمیوں کا آغاز اور ارتقائی مراحل:

انجمن نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز اڑھائی روپے ماہوار پر ایک مکان لے کر پرائمری سکول سے کیا۔ انجمن نے گرلز سکولز کے قیام کی طرف زیادہ توجہ کی اور ابتدائی دو سالوں میں دس گرلز سکول قائم کئے۔ 1886ء میں ایک بوائز سکول قائم کیا گیا جس نے اس قدر تیزی سے ترقی کی کہ 1888ء میں اسے مڈل سکول کا درجہ دینا پڑا۔ 1892ء میں اسلامیہ کالج لاہور کا آغاز شیرانوالہ سکول کے دو کمروں سے ہوا جسے 1908ء میں ریلوے روڈ پر منتقل کر دیا گیا۔ انجمن نے 1939ء میں لڑکیوں کے لئے بھی ایک کالج قائم کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور نے پنجاب کی تعلیمی اور سیاسی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

دارالامان اور دارالشفقت کے قیام کے مقاصد:

انجمن کا ایک اور اہم کارنامہ "دارالامان" اور "دارالشفقت" کا قیام ہے۔ عیسائی مشنری مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لاوارث مسلمان بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے کر انہیں عیسائی بنا لیتے۔ اس صورتحال کے پیش نظر انجمن حمایت اسلام نے "دارالشفقت" قائم کیا جہاں ہزارہا مسلمان یتیم بچے عیسائی مشنریوں کے ہتھے چڑھنے سے محفوظ رہنے کے علاوہ معاشرہ میں باعزت زندگی گزارنے کے قابل بن گئے۔

انجمن کی علمی خدمات کا جائزہ:

علمی میدان میں بھی انجمن نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ 1885ء میں انجمن کا ماہنامہ حمایت اسلام جاری ہوا جو 1926ء میں ہفت روزہ میں تبدیل ہو گیا۔ انجمن کی جانب سے تاریخ، سوانح، سیرت، تعلیم، تہذیب اور ثقافت پر بہت سی بلند پایہ کتب شائع کی گئیں۔ انجمن کا شائع کردہ قرآن مجید مستند شمار کیا جاتا ہے۔ انجمن کا سالانہ جلسہ نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان کی سیاسی، تعلیمی اور ثقافتی تاریخ کے ایک اہم باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان جلسوں سے سرسید احمد خان، مولانا حالی، محسن

الملک' سر محمد شفیع' سر عبدالقادر اور علامہ اقبال جیسی ہستیوں نے خطاب کیا۔ ان جلسوں میں مسلمانوں کی سیاسی' ثقافتی اور علمی زندگی پر بحث کی جاتی اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی تجاویز پر سوچ و بچار ہوتا تھا۔ علامہ اقبال نے اپنی بیشتر اہم نظمیں پہلی مرتبہ انجمن کے سالانہ جلسوں میں پڑھیں۔

تحریک پاکستان میں انجمن کا کردار:

اسلامیہ کالج لاہور نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مارچ 1940ء کے تاریخی جلسہ میں قائداعظمؒ کو اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء نے اپنی حفاظت میں ایک شاندار جلوس کی شکل میں منٹو پارک پہنچایا تھا۔ انجمن حمایت اسلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کے ایک تعلیمی ادارے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پاکستان کے مجوزہ پرچم کو لہرانے کی ولولہ انگیز رسم ادا کی۔ سو سالوں پر محیط انجمن کی خدمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1972ء تک انجمن کے زیراہتمام 26 ادارے کام کر رہے تھے جن میں دو ڈگری کالج' ایک انٹر کالج' ایک لاء کالج' ایک طبیہ کالج' سات ہائی سکول اور تین جونیئر سکول شامل تھے۔

(تاریخ پاکستان از احمد سعید' ص 129 تا 132)



جامعہ ملیہ دہلی

نامور شخصیات اور ان کے کارنامے

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ 1564ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصلی نام شیخ احمد تھا اور آپ سرہند کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مخدوم عبدالاحد کا شمار علماء سرہند میں ہوتا تھا۔

مجدد الف ثانیؒ کی وجہ تلقیب:

الف کے معنی ہزار اور ثانی کا معنی دوسرا یعنی دوسرا ہزار سالہ عہد۔ یہ تصور عام کیا گیا تھا کہ اسلامی تاریخ کے ایک ہزار سال مکمل ہو رہے ہیں اور دوسرا ہزار سالہ عہد شروع ہو رہا ہے اس بناء پر اکبر کو دین میں ترمیم کا حق دیا گیا تھا۔ مجدد الف ثانیؒ کا لقب بھی اسی مناسبت سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالات اور ان کی احیاء اسلام کی تحریک کے متعلق ہم سابقہ صفحات میں مفصل بحث لکھ چکے ہیں اس لئے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اورنگزیب عالمگیر (1658ء تا 1706ء)

1658ء میں عالمگیر نے اپنے سر پر ہندوستان کی بادشاہت کا تاج رکھا' امیروں کو خطابات' جاگیریں اور انعام ملے' غریبوں کو بے حساب دولت بخش دی گئی۔ خود اورنگزیب مذہبی بادشاہ تھا لیکن اپنی رعایا کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اس نے بیجاپور' گولکنڈہ کو فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا۔ مرہٹوں سے کئی بار مقابلہ ہوا بالآخر انہیں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔ یہ بہت دور اندیش حکمران تھا۔ اس نے نوے برس کی عمر پائی۔ 1706ء میں تقریباً اڑتالیس برس حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کی سلطنت کی سرحدیں راس کماری اور کراچی سے آسام تک پھیلی ہوئی تھیں۔ خود بھی عالم تھا' علماء کی قدر کرتا تھا۔ اس کے دور میں جید علماء نے مل کر فتاویٰ عالمگیری لکھی۔ عالمگیر فارسی زبان کا ماہر ادیب تھا' اس کی علمیت اور قابلیت کا اندازہ ''رقعات عالمگیری'' سے چلتا ہے۔ اس کے دور حکومت میں ہندو بھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ اس نے معذوروں کے نام پر بہت سی جاگیریں وقف کر دی تھیں۔

ہندوستان میں عالمگیر سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اس کے دور اقتدار کی طوالت ہی اس بات کی گواہ ہے کہ اس کا دور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا سنہری دور تھا۔ پچھلے صفحات میں ہم اورنگزیب عالمگیر کے متعلق تفصیلاً لکھ آئے ہیں۔ مزید مطالعہ کیلئے ان صفحات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ

سرزمین حجاز سے واپس آنے کے بعد شاہ صاحب نے ''مدرسہ رحیمیہ'' کی بنیاد رکھ اور ایک معمولی عمارت میں درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا لیکن نہ صرف مدرسہ کے حالات میں جلد ہی تبدیلی واقع ہو گئی بلکہ شاہ صاحب کے انداز تدریس میں بھی نمایاں فرق آ گیا۔ آپ کی سرگرمیاں جن مختلف محاذوں پر شروع ہوئیں اور جس انداز میں آپ نے اصلاح احوال کی ذمہ داریاں پوری کیں' وہ کچھ اس طرح ہیں:

مسلمانوں کیلئے مرتب کردہ لائحہ عمل

1- دینی علوم کو مسلمانوں میں عام کرنا:

آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ دین سے واقفیت کے بغیر نہ مسلمانوں کا کوئی تشخص ہے اور نہ ہی ان کا کوئی مستقبل۔ اس کے لئے قرآن فہمی ضروری ہے اگرچہ اس وقت تک برصغیر کے مسلمانوں کی علمی زبان فارسی تھی لیکن فارسی میں قرآن کریم کا کوئی ایسا ترجمہ موجود نہیں تھا جو علم قرآن کو مسلمانوں کے لئے عام کر سکتا ہو۔ اس لئے آپ نے ایک سال کے اندر اندر فارسی ترجمہ قرآن مکمل کر لیا جس کے متعدد قلمی نسخے تیار کرائے گئے اور ساتھ ساتھ آپ نے درس حدیث شروع کیا جس میں سینکڑوں طلباء شریک ہوتے۔ آپ کو دہلی میں ''محدث'' کے لقب سے شہرت حاصل ہوئی۔

2- جہاد فی القلم:

تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کا دوسرا بڑا کارنامہ اصلاح دین پر پوری توجہ مرکوز کرنا تھا جسے آپ نے جہاد بالقلم کے ذریعے سرانجام دیا۔ آپ نے قرآن و حدیث کی تشریح اور وضاحت کے لئے مزید کتابیں مرتب کیں۔ علوم قرآنی کے متعلق الفوز الکبیر اور علم حدیث کے سلسلہ میں مؤطا امام مالک کی عربی اور فارسی میں دو شرحیں لکھیں۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح لکھی۔ مذاہب کے مابین اختلاف ختم کرنے کے لئے ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فقہ پر آپ کی اجتہادی تحریر ''فقہ عمر'' کے نام سے شائع ہوئی ہے اور اجتہاد کے موضوع پر آپ کی ایک اہم تصنیف ''عقد الجید'' ہے۔ آپ نے شیعہ سنی اختلاف کو کم کرنے کے لئے ''ازالتہ الخفاء'' نام سے ایک کتاب لکھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیف کردہ کتابوں میں سب سے اہم کتاب ''حجتہ اللہ البالغہ'' ہے جس نے مسلمانان برصغیر کے ذہنوں میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا جو احیاء ملت کا باعث بن گیا۔ اس کتاب نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے فکری اور عملی انقلابات کی بنیادیں رکھیں جن میں سیاسی' معاشرتی اور معاشی زندگیوں کو نئے انداز سے مرتب کرنا مقصود تھا۔

3- مکتوبات:

شاہ ولی اللہؒ کے مکتوبات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

i- تبلیغی مکتوبات

ii- سیاسی مکتوبات

i- تبلیغی خطوط:

شاہ صاحب نے ان مکتوبات کے ذریعے نہ صرف احیاء دین کا فریضہ انجام دیا بلکہ سیاسی اور معاشرتی زوال کی وجوہات کا تجزیہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے ان طبقوں کو ان کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جو عوام الناس میں اپنا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ یہ تبلیغی خطوط برصغیر کے امراء علماء اور عمائدین حکومت کے نام لکھے گئے جن میں شریعت پر عمل پیرا ہو کر صراط مستقیم اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔

ان خطوط کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح بیدار کرنا' ان کے آپس کے اختلافات کو ختم کرنا اور دین کی سمجھ پیدا کرنا تھا۔

ii- سیاسی خطوط:

آپ نے مسلمان حکمرانوں اور امراء سلطنت کے نام وقتاً فوقتاً سیاسی خطوط لکھے جن میں ان کی توجہ مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ہندوؤں' خاص طور پر مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرف مبذول کرائی گئی۔

افغانستان کے حکمران احمد شاہ' دکن کے والی نظام الملک اور اودھ کے نواب نجیب اللہ کے نام متعدد خطوط میں شاہ صاحب نے نہ صرف کفر کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا بلکہ انہیں اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد فی السیف کی اہمیت سے بھی آگاہ کیا۔

حضرت شاہ صاحب کی ذات میں وہ تمام خوبیاں جمع تھیں جو کسی بھی قوم کے عظیم مصلح کا طرۂ امتیاز ہو سکتی ہیں۔ آپ نے نہ صرف مسلمانان برصغیر کے روحانی' سیاسی' معاشی اور معاشرتی امراض کی تشخیص کی بلکہ ان کا علاج بھی تجویز فرمایا اور درس و تدریس' مواعظ' کتابوں اور خطوط کے ذریعے تنہا وہ کام سرانجام دیا جس کے لئے کئی منظم جماعتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (ملخص از مطالعہ تاریخ)

سرسید احمد خان

آپ تحریک علی گڑھ کے بانی ہیں اور یہ اس زمانے میں قائم ہوئی تھی جب مسلمانوں پر بدنصیبی کے سیاہ بادل چھا چکے تھے اور اسلام کے ازلی دشمن' انگریز پادری اسلام پر دھڑادھڑ حملے کر رہے تھے اور ہندوستان میں مکمل عیسائیت کو حاوی کرنا چاہتے تھے۔ ان دنوں مسلمانوں کی سیاسی حالت کے ساتھ ساتھ مذہبی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ سرسید احمد خان نے ہندوستان کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں آباد ہونے کا سوچا لیکن ان کی ملی غیرت کو گوارا نہ ہوا کہ مسلمانوں کو ابتلاء میں چھوڑ کر کہیں اور جا بسیں

چنانچہ انہوں نے میدان عمل میں قدم رکھا۔

انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ وہ علم حاصل کر کے اپنی ابتر حالت کو خیر باد کہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر اُبھارا تاکہ سرکاری ملازمتیں حاصل کر سکیں۔ ان کا اپنا خیال تھا کہ اگر مسلمان مغربی علوم حاصل نہ کر سکیں گے تو عمر بھر انگریزوں اور ہندوؤں کے غلام بنے رہیں گے۔ آپ نے مسلمانوں کے لئے پہلا ہائی سکول بنایا۔ پھر اسے کالج تک بڑھایا یہاں تک کہ اسے یونیورسٹی کا درجہ دیا جس کا نام علی گڑھ یونیورسٹی ہے۔ اس یونیورسٹی میں دور دور سے مسلمان طلباء حصول تعلیم کے لئے آنے لگے۔

سر سید احمد خان نے ولیم میور کی کتاب ''حیات محمد ﷺ'' کے جواب میں ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے کتاب لکھی۔ نصف قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ کئی رسائل جاری کئے۔ ان سب کاموں کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمان زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر سچے اور پکے مسلمان بن جائیں اور اپنا کھویا ہوا مقام و مرتبہ ایک بار پھر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ سر سید احمد خان اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہے۔

مولانا ظفر علی خان

(27 جنوری 1874ء تا 27 نومبر 1956ء)

ابتدائی حالات:

برصغیر پاک و ہند کے بلند پایہ صوفی' نامور لیڈر' شعلہ بیان مقرر' مترجم' زود گو شاعر اور نعت گو ظفر علی خان کوٹ مہرتھ (وزیر آباد' پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ سے بی۔ اے کیا۔

عملی زندگی کا آغاز:

اس کے بعد 1895ء میں نواب محسن الملک کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ ریاست حیدر آباد کے دارالترجمہ میں کام کرنے کے بعد وہیں ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کر لی اور اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری کے عہدے تک ترقی پائی۔ ریاست حیدر آباد میں بارہ تیرہ سال کی ملازمت کے بعد اپنے والد مولوی سراج الدین کے جاری کردہ اخبار ''زمیندار'' کی ادارت سنبھالی۔

زمیندار کی داستان:

آپ کی زیر ادارت ''زمیندار'' کا پہلا شمارہ یکم جنوری 1910ء کو شائع ہوا۔ یکم مئی 1911ء کا شمارہ کٹڑی امیر چند ٹیکسالی دروازہ لاہور سے شائع ہوا۔ مولانا نے اُردو صحافت کو ایک نئی جہت دی۔ جب جنگ طرابلس اور جنگ بلقان نے مسلمانوں میں ایک سیاسی ہلچل پیدا کی تو زمیندار اس نئی بیداری کا نقیب بن کر نمودار ہوا۔ زمیندار کو کئی مرتبہ حکومتی عتاب کا نشانہ بننا پڑا اور اس سے مجموعی طور پر پندرہ

مرتبہ ضمانتیں طلب کی گئیں اور خود مولانا نے اپنی زندگی کے پندرہ سال قید و بند میں گزارے۔

مولانا کی خداداد صلاحیتیں:

غرض کہ مولانا ظفر علی خان بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ پنجاب میں صحیح اور بامحاورہ اُردو لکھنے کے اعتبار سے بالکل بے مثال تھے۔ شاعری میں زود گوئی اور برجستہ نگاری کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ بقول شورش کاشمیری "ان کے لئے شعر کہنا اتنا ہی آسان تھا جیسا گھڑی اُٹھا کر وقت دیکھنا۔" قدرت کلام' حاضر دماغی اور آمد کا یہ حال تھا کہ الفاظ اور مضامین ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔

مولانا بحیثیت مقرر:

بحیثیت مقرر بھی مولانا کا ایک خاص مقام تھا۔ سامعین کو اپنے الفاظ کے ساتھ بہا کر لے جانا مولانا کے لئے کوئی دشوار کام نہ تھا۔ ان کی تقریر بھی دراصل نثر میں شعر و شاعری کا دوسرا نام تھا۔ اکتوبر 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قائداعظمؒ نے اپنے ہاتھ سے پہلی مرتبہ مسلم لیگ کا پرچم لہرایا اور آٹھ دس منٹ کی تقریر میں قومی پرچم کی اہمیت بیان کی۔ لوگوں نے مولانا سے تقریر کا اُردو ترجمہ کرنے کی درخواست کی تو آپ نے ترجمہ کی آڑ میں پون گھنٹہ تک تقریر کی۔

نعت گوئی میں اعلیٰ مقام:

نعت گوئی کے میدان میں مولانا کا نام ہمیشہ کے لئے تاریخ میں محفوظ رہے گا۔ آپ کا مطبوعہ کلام میں "جسیات' نگارستان' چمنستان' بہارستان" اور "ارمغان قادیان" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا مترجم کی حیثیت سے:

مولانا کو اُردو اور انگریزی ہر دو زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب "الفاروق" کا انگریزی ترجمہ اور قائداعظمؒ کے 1940ء کے صدارتی خطبہ کا فی البدیہہ ترجمہ ان کے اس فن کی بہترین مثالیں ہیں۔

مولانا کی سیاسی خدمات:

سیاسی میدان میں بھی مولانا کے کارنامے کچھ کم نہیں۔ دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد کی تائید کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ جنگ طرابلس اور بلقانی جنگوں کے درمیان اپنے ترک بھائیوں کی امداد کے لئے چندہ جمع کر کے ترکیہ ارسال کرتے رہے۔ اس دوران آپ کو ہندوستانی مسلمانوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

تحریک خلافت میں نمایاں کردار:

مولانا نے تحریک خلافت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کو پہلے پنجاب خلافت کمیٹی کا سیکرٹری اور پھر صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس دوران آپ نے سینکڑوں خلافت کانفرنسوں میں حصہ لیا۔ تحریک

خلافت کے بعد جب ہندوؤں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کا آغاز کیا تو آپ نے ان کے خلاف زبردست قلمی جہاد کیا۔

مجلس اتحاد ملت کا قیام:

مسجد شہید گنج کے واقعہ کے بعد 1935ء میں ''مجلس اتحاد ملت'' کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی۔ 1937ء میں لاہور سے مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور قائداعظمؒ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مؤقف کو تقویت پہنچاتے رہے لیکن قیام پاکستان کے بعد گوشۂ گمنامی میں چلے گئے۔ 27 نومبر 1956ء کو آپ انتقال فرما گئے۔ (تاریخ پاکستان ملخص از ص 412 تا 416)

علامہ اقبالؒ

ابتدائی حالات:

تحریک خلافت کے بعد جس شخصیت نے مسلم ہندوستان کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کی ذات تھی۔ آپ 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے' مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ علامہ اقبال کے اساتذہ میں پروفیسر آرنلڈ اور مولوی میر حسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولوی میر حسن کے متعلق مشہور تھا کہ وہ نہ صرف پڑھاتے ہیں بلکہ پڑھنے کا ذوق پیدا کر دیتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ مولوی میر حسن کا بے حد احترام کرتے تھے۔ فقیر وحید الدین نے اپنی کتاب ''روزگار فقیر'' میں اس سلسلے میں کئی واقعات بیان کئے ہیں۔ فقیر صاحب نے لکھا ہے:

> ''ڈاکٹر صاحب جب کبھی مولوی صاحب کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ اسوۂ رسول ﷺ پر اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ مولوی میر حسن ہیں۔''

نظریۂ وطنیت:

اقبالؒ کی شاعری کا آغاز ہمالہ' ترانہ ہندی' نیا شوالہ اور صدائے درد جیسی نظموں سے ہوا لیکن یورپ کے سفر کے بعد آپ کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اب آپ کی نظروں میں وطن کی بجائے ملت کا تصور بس چکا تھا۔ وطن کے نغمے الاپنے والا اقبالؒ اب ملت کے ترانے گانے لگا کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ ''اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں نظریۂ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔''

علامہ اقبالؒ تمام دنیائے اسلام کو ایک وحدت میں دیکھنے کے خواہاں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام مسلمان رنگ' زبان اور نسل کے بتوں کو توڑ کر ایک وحدت بن جائیں۔ اقبالؒ کی نظر میں وطنیت کا نظریہ دنیا میں رقابت کی جڑ ہے جس سے اسلامی قومیت کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنی

اور علامہ اقبالؒ کے درمیان نظریۂ وطنیت کے موضوع پر جو بحث چلی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ اس بارے میں کس قدر متشدد تھے۔

خطبہ الٰہ آباد:

علامہ اقبالؒ نے 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدارتی خطبہ میں برعظیم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی۔ آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ:

''میں چاہتا ہوں کہ پنجاب' شمال مغربی سرحدی صوبہ' سندھ اور بلوچستان ایک ریاست میں مدغم ہو جائیں کیونکہ شمال مغربی برصغیر میں ایک مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن گیا ہے۔ اس خیال سے ہندوؤں اور انگریزوں کو کسی قسم کی کوئی تشویش نہیں ہونی چاہئے۔ برصغیر دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ ثقافتی حیثیت سے اس ملک میں اسلام کی بقاء کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقے میں مرتکز کر دیا جائے۔ اس بناء پر میں مطالبہ کرتا ہوں کہ برصغیر اور اسلام کے مفاد کے پیش نظر ایک مستحکم ریاست قائم کی جائے۔''

خطبہ الٰہ آباد کی اہمیت:

علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ پہلی مرتبہ کسی جماعت کے پلیٹ فارم سے یہ صدا بلند ہوئی کہ ہندوستان کے آئینی و سیاسی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے برعظیم کو تقسیم کر دیا جائے اگرچہ اس سے قبل بہت سے لوگ نجی طور پر اس قسم کی تجاویز پیش کر چکے تھے۔

متحدہ سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت:

1935ء کے قانون حکومت ہند منظور ہو جانے کے بعد متحدہ سیاسی پلیٹ فارم کی اشد ضرورت تھی جبکہ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی طاقتور تھی۔ 1935ء میں علامہ اقبالؒ مسلم لیگ پنجاب کے صدر بنے جبکہ 1936ء میں قائداعظمؒ نے آپ کو پنجاب مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کی تشکیل کی ذمہ داری سونپی جسے آپ نے احسن طریقے سے نبھایا۔ تاہم 1937ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

آپ کا دور سیاسی طور پر تلاطم خیز اور پُرآشوب تھا جس میں متعدد حساس نوعیت کے واقعات رونما ہوئے۔ ہر موقع پر آپ نے قوم کی رہنمائی کی اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں پوری طرح فعال رہے۔

علامہ اقبالؒ کی وفات:

آپ 1937ء میں بیمار ہوئے اور اپریل 1938ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے لیکن جانے سے پہلے آپ ہندوستان کی سیاست میں ایک ایسا پودا لگا گئے جو تناور درخت بن کر اتنا مستحکم ہوا کہ بیسویں صدی کے اندر ہی مذہب کی اساس پر پہلی ریاست کے قیام کو ممکن بنا دیا۔

اقبالؒ کے کارہائے نمایاں:

علامہ اقبالؒ کی تحریریں پُرمغز' جامع اور حکمت و دانش کا مرقع ہیں۔ آپ کے نظریات کی ترجمانی' ان کی شاعری' نثر' تقاریر' خطبات اور خطوط سے ہوتی ہے۔ آپ مشرق و مغرب کی دانش وفکر سے مستفید ہوئے تھے۔ مغربی دانشوروں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد غزالی' ابن عربی اور رومی کی تحریروں سے بھی فیض یاب ہوئے۔

اقبالؒ نے اظہار خیال کے لئے تین زبانوں اُردو' فارسی اور انگریزی کو استعمال کیا جن پر آپ کو یکساں عبور حاصل تھا جبکہ عربی زبان پر دسترس ہونے کی وجہ سے قرآن و حدیث کی تعلیمات سے براہ راست مستفید ہوئے تھے۔

یورپی دانشوروں کی تحریروں سے استفادہ کرنے میں آپ نے یہ احتیاط کی کہ ان کی تعلیمات کی روح اور بنیادی نکات کو سمجھ کر انہیں مقصدیت کے حوالہ سے اپنی تعلیمات سے مماثلت کی صورت میں پیش کیا۔ منتہائے مقصود ہمیشہ ملت کی بہتری اور اسلام کی آفاقی تعلیمات کی فضیلت کو ثابت کرنا تھا مثلاً مرد مومن کے تصور کو اُجاگر کرتے ہوئے نطشے کے سپرمین کے تصور سے ایک حد تک استفادہ کیا۔ وقت کے نظریہ میں اقبالؒ اور برگ سن کی فکر میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ عشق' فقر اور مردمومن جیسے تصورات پر مولانا رومی کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ اللہ کی حاکیت کے اسلامی تصور پر ماوردی' غزالی اور ابن خلدون کی تحریروں کے اثرات کی جھلک ملتی ہے۔ جمال الدین افغانی کے پان اسلام ازم کے تصور نے بھی فکر اقبال پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

علامہ اقبالؒ کی قرآن فہمی:

آپ کو قرآن فہمی پر عبور حاصل تھا اس لئے روح اسلام کی تبلیغ پر زیادہ زور دیتے تھے اور فروعات یا غیر ضروری متنازعہ مسائل میں نہ اُلجھتے تھے۔ مسلمان ملت کے انفرادی و اجتماعی مسائل پر گہری نظر تھی اور ملت کا درد ان کے دل میں رچ بس چکا تھا۔ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ اسلام دور حاضر کے تمام مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت سے پوری طرح بہرہ ور ہے لیکن اس کے لئے صحیح سوچ اور راست فکر اختیار کرنا ضروری ہے۔ اقبالؒ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان بری طرح تنزلی کا شکار ہیں جبکہ دین کی پیشوائی کا دم بھرنے والے فرقہ پرستی اور باہمی تعصب میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دین کی سادہ تعلیمات کو اُلجھا رکھا تھا اور اس میں غلط رسوم اور بدعات داخل کر دی تھیں۔ بعض اہل تصوف نے دین کی حقیقی روح کو مسخ کر دیا تھا۔ یہ لوگ دور جدید کے حالات اور ان کے تقاضوں سے نابلد تھے اور ہندی اور یونانی تصورات کو اسلام میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ تاہم اقبالؒ نے جن بڑے بڑے مشاہیر اسلام کی تحریروں کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ ان کی قدر کرتے تھے بلکہ جید علماء کرام سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔

علامہ اقبالؒ کا اصل مقصد:

علامہ اقبالؒ کا اصل مقصد اسلامی نظریۂ حیات کی ترویج اور مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ یاد دلانا ہے۔ اس کے لئے وہ اتحاد اُمت اور ملی ذمہ داریوں کے احساس سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے خودی اور مردِ مومن جیسے تصور کو اُجاگر کیا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے سیاسی افکار:

سیاسی افکار میں علامہ اقبالؒ کا سب سے نمایاں کارنامہ دو قومی نظریہ کو نہایت مدلل اور منطقی اور ہمہ گیر تناظر میں پیش کرنا تھا۔ اسی نظریہ کی بناء پر انہوں نے الگ مسلمان مملکت کے قیام کا انقلاب آفریں تصور پیش کیا جو بعد میں شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔ (اسلامی سیاسی افکار ملخص از ص 421 تا 436)

محمد علی جناحؒ

جناح کی وجہ تسمیہ:

قائداعظمؒ کا تعلق راجکوٹ کے خواجہ خاندان سے ہے۔ ان کے والد پونجا جناح چمڑے کا کاروبار کرتے تھے 25 دسمبر 1876ء کو ان کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا نام محمد علی رکھا گیا تھا چونکہ محمد علی بچپن میں ہی کمزور جسم کے مالک تھے اس لئے وہ ''جینا'' یعنی کمزور جسم والا مشہور تھے جسے مولانا ظفر علی خان نے ''جینا'' سے عربی لفظ ''جناح'' سے بدل دیا۔

عملی زندگی کا آغاز:

آپ نے ابتدائی تعلیم سندھ مدرسۃ الاسلام سے حاصل کرنے کے بعد مشن ہائی سکول سے میٹرک کیا۔ سولہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے لندن چلے گئے وہاں ''لنکن ان'' میں داخلہ لیا اور قانون کی تعلیم حاصل کی اور کراچی واپس آ کر وکالت کے پیشے سے منسلک ہو گئے لیکن تھوڑے عرصے کے بعد اپنے والد کے کاروبار کو چمکانے کے لئے بمبئی چلے گئے۔ آپ کی وکالت صاف ستھری تھی اس لئے جلد مشہور ہو گئے۔

سیاسی زندگی کا آغاز:

1909ء میں مجلس قانون ساز ہند کے انتخاب میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے اور متواتر چالیس سال کے عرصہ تک بلامقابلہ منتخب ہوتے رہے۔ جب سیاست میں قدم رکھا تھا تو انڈین نیشنل کانگریس کے رکن بنے تھے لیکن جب محسوس کیا کہ ہندو مسلمانوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں تو کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ سیاسی جماعت بنائی۔ اس جماعت کا نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے الگ آزاد مملکت بنائی جائے جہاں مسلمان اسلامی عقائد کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

گول میز کانفرنس میں شرکت:

آپ نے دو مرتبہ لندن میں منعقد گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور انگریزوں پر مسلمانوں کے سیاسی نظریات کی اچھی طرح وضاحت کی۔ 1935ء میں جب حکومت ہند کا قانون جاری ہوا تو ہندوؤں نے بہت سے صوبوں میں قومی اسمبلی کی نشستیں جیت لیں اور مسلمانوں سے اچھا سلوک نہ کیا کیونکہ ہندو چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی تاریخ" حیثیت اور تہذیب کو بالکل مٹا دیا جائے۔ جب مسلمانوں کو اس ذہنیت کا علم ہوا تو انہوں نے ایک الگ قوم کا نعرہ بلند کیا اور ہندوؤں کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

1940ء کا تاریخی خطبہ:

1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں یہ عہد کیا گیا کہ مسلمان اپنے مذہب اور تہذیب کی حفاظت کرنے کے لئے علیحدہ ملک قائم کرنے پر مجبور ہیں۔ محمد علی جناحؒ نے اس عہد کو نبھانے کی ذمہ داری قبول کی اور بہت زیادہ مشکلات کا سامنا بھی کیا بالآخر انگریزوں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے الگ ملک کا مطالبہ ماننا پڑا اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر معرض وجود میں آ گیا۔

دو قومی نظریہ کی وضاحت:

اگر محمد علی جناحؒ کوششیں نہ کرتے تو آج مسلمان ہندوؤں کے غلام ہوتے اور انہیں اپنے اسلامی طور طریقوں کو آزادانہ طور پر ادا کرنے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔ آپ نے دو قومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا:

> "یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ اسلام اور ہندوازم مذہب کے عام مفہوم ہیں۔ صرف مذہب ہی نہیں بلکہ واقعی جداگانہ اور مختلف اجتماعی نظام ہیں اور یہ سوچنا کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترک قوم بن سکتے ہیں، محض ایک خواب ہے۔"

ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین فرق:

آپ نے وہ فرق بھی بیان کئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً:

1- ہندو اور مسلمان ایک جگہ پر بیٹھ کر کھانا تک نہیں کھا سکتے۔

2- مسلمان اور ہندو آپس میں شادیاں نہیں کر سکتے۔

3- ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبیں الگ الگ ہیں۔

4- دونوں اقوام کے خیالات اور تصورات میں ٹکراؤ ہے۔

5- مسلمان جس تاریخ پر نازاں ہیں وہ اس تاریخ سے مختلف ہے جس پر ہندو فخر کرتے ہیں۔

6- جس شخصیت کو ایک مثالی قرار دیتے ہیں دوسرے اسے دشمن سمجھتے ہیں۔

7- ایک کی فتح، دوسرے کی شکست ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں کس طرح ممکن ہے کہ یہ دونوں اقوام ایک ہی نظام حکومت میں پُرامن رہ سکیں گی۔ ان کو زبردستی ایک نظام میں جکڑ دینا تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے واضح کر دیا تھا کہ

''مسلمان ایک قوم ہیں اور قومیت کی ہر تعریف کے مطابق ایک قوم ہیں لہٰذا ان کے لئے ایک الگ وطن چاہئے' ایک ملک چاہئے' ایک حکومت چاہئے' ہم آزاد ہیں اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور آشتی سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہماری قوم دینی' تہذیبی' ثقافتی' اقتصادی' معاشرتی اور سیاسی زندگی میں اس طرح بھرپور ترقی کرے جو ہم بہتر سمجھیں اور اپنے تصور اور مزاج کے مطابق ترقی کریں جو مقصد ہم نے سامنے رکھ لیا ہے۔ وہ حاصل کرنے کے لئے ہمیں وہ تمام قربانیاں دینی ہیں جن کی ضرورت ہو۔''

مسلم لیگ کی تاریخی کامیابی:

1946ء میں جب ہندوستان میں انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت صرف مسلم لیگ ہی ہے۔ قائداعظم نے دوقومی نظریہ کو نظریہ ماننے سے انکار کر دیا تھا بلکہ وہ اسے ایک حقیقت کہتے تھے اور آپ نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو ثابت کر کے دکھا دیا تھا۔

مولانا محمد علی جوہر

تعلیم و تربیت:

مولانا محمد علی جوہر 1878ء میں نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے چونکہ والد کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا اس لئے والدہ نے آپ کی پرورش کی۔ والدہ نے بچے کی تربیت کا حق ادا کر دیا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے بریلی ہائی سکول میں داخلہ لیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ گئے جہاں ان کی ذہنی اور دماغی صلاحیتوں کو پوری طرح اُبھرنے کا موقع ملا۔

مولانا کا اعزاز:

1896ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور پوری یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ نواب محمد اسحاق خان نے ریاست رامپور کی طرف سے ان کو انگلستان جانے کا وظیفہ دلایا تو اس طرح انہیں اپنی خداداد صلاحیتوں کو نکھارنے کا قدرت نے ایک اور موقع مہیا کیا۔ انگلستان میں انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔

وطن واپسی:

اس زمانہ میں ہر ہندوستانی کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا سول سروسز کے امتحان میں کامیابی ہوتی تھی۔ آپ نے بھی قسمت آزمائی کی مگر قدرت کو یہ بات منظور تھی کہ وہ حکومت کا کل پرزہ بننے کی بجائے برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کریں چنانچہ وہ امتحان پاس نہ کر سکے اور 1902ء میں بی۔ اے آنرز کی ڈگری لے کر وطن واپس لوٹے۔

مذہبی تعلیم کے لئے کوششیں:

انگلینڈ سے واپسی پر انہوں نے رامپور میں انسپکٹر جنرل تعلیمات کے عہدے سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ ساتھ ہی آپ کو رامپور ہائی سکول کا پرنسپل بھی بنا دیا گیا۔ رامپور میں قیام کے دوران مولانا کو یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ مسلمان ریاست میں مذہبی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں چنانچہ ریاست میں مذہبی تعلیم کے اجراء کے سلسلے میں انہوں نے حسب مقدور کام کیے۔

نظریۂ صحافت:

مولانا نے ملازمت کے دوران مختلف رسائل و اخبارات میں مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی شروع کیا جس سے ان کے اندر صحافت کے ذریعے قوم کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا۔ ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد انہوں نے اپنا ایک اخبار نکالنے کا پروگرام بنایا چنانچہ انہوں نے کلکتہ سے اپنا مشہور ہفت روزہ کامریڈ نکالا جس نے تحریک آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

مشہور انگریز ادیب کا مقولہ:

آپ کی صحافت کے متعلق مشہور انگریز ادیب جی۔ ایچ۔ ویلز نے کہا تھا کہ:

''محمد علی نے میکالے کا قلم پایا ہے۔''

مولانا صحافت کے بارہ میں مخصوص نظریات رکھتے تھے اور انہوں نے ہمیشہ اپنے اصولوں پر عمل کیا۔ ایک مرتبہ ایک صحافی کی ذمہ داری پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''ایک صحافی کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس کا رسالہ صداقت پر مبنی ہو اور وہ جو مواد پیش کر رہا ہے تاریخ دان اس پر بھروسہ کر سکے گا۔ ایک صحافی صرف ترجمان ہی نہیں ہوتا بلکہ اسے رائے عامہ کا قائد بھی ہونا چاہئے۔''

کامریڈ اور ہمدرد:

مولانا کے شہرۂ آفاق ہفت روزہ ''کامریڈ'' کا پہلا شمارہ 14 جنوری 1911ء کو کلکتہ سے شائع ہوا۔ دارالحکومت کی کلکتہ سے دہلی منتقلی پر مولانا بھی اپنے اخبار کو دہلی لے آئے۔ اخبار نہ صرف ہندوستان میں دھڑا دھڑ بک جاتا تھا بلکہ یورپ میں بھی مقبول تھا۔

مولانا کا دوسرا اخبار ''ہمدرد'' تھا جس نے ہندوستانی صحافت کو متانت اور سنجیدگی کا راستہ دکھایا۔

مولانا نے اخبار کو لیتھو کی بجائے ٹائپ پر چھاپ کر ایک انقلابی قدم اُٹھایا۔ اخبار کے عملہ میں ہاشمی فرید آبادی، قاضی عبدالغفار، سیّد جالب اور عبدالحلیم شرر ایسے لوگ شامل تھے۔ "ہمدرد" نے براہ راست "ایسوسی ایٹیڈ پریس" اور "رائٹرز" کی خدمات حاصل کیں۔

علی گڑھ کے لئے خدمات:

ایک وقت آیا کہ علی گڑھ کالج کی حالت بہت ابتر ہوگئی تو مولانا کو اس کا بہت دُکھ ہوتا تھا۔ جب مولانا اولڈ بوائز کی طرف سے بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر منتخب ہوئے تو انہوں نے کالج کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔

جب علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دینے کی تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے اپنے اخبار اور اپنی زبان کو اس تحریک کی حمایت کے لئے وقف کر دیا۔

جنگ بلقان اور طبّی وفد:

1912ء اکتوبر میں بلقانی ریاستوں نے ترکی سیادت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس موقع پر ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے ترک بھائیوں کی مدد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ مولانا نے ترکیہ کے لئے ایک طبّی وفد روانہ کرنے کا بندوبست کیا۔ مولانا نے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے ایک فنڈ قائم کیا جس میں تھوڑے ہی عرصہ میں دو لاکھ روپے جمع ہو گئے۔ طبّی وفد کا ترکی جانا تمام تر مولانا کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

تحریک خلافت:

مولانا محمد علی جوہر اور تحریک خلافت جسم اور روح کی مانند تھے جنگ عظیم اوّل سے پہلے وہ اپنے ترک بھائیوں کی عملی امداد کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ لندن سے اشتعال انگیز مضمون چھپنے کے جواب میں مولانا نے منگلے دن اسی قسم کا جواب دیا جس سے حکومت سخت ناراض ہوئی اور کامریڈ اور ہمدرد اخبار کی ضمانتیں ضبط کر لیں اور مولانا کو نظر بند کر دیا۔ پانچ سال کے بعد دسمبر 1919ء میں رہائی ملی۔

مولانا کا تاریخی استقبال:

جب آپ کو رہا کیا گیا تو امرتسر میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ہو رہے تھے جب مولانا جلسہ گاہ پہنچے تو گاندھی اور دیگر رہنماؤں نے آپ کا استقبال کیا۔ جب انہوں نے کانگریس کے پنڈال میں قدم رکھا تو تمام حاضرین جلسہ کھڑے ہو گئے اور اس زور سے تالیاں بجتی رہیں کہ پندرہ منٹ تک کارروائی ملتوی رہی۔

خلافت وفد:

امرتسر میں خلافت کانفرنس کے منعقدہ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایک وفد برطانیہ بھیجا جائے جو وہاں کے ذمہ دار حضرات کو مسلمانوں کے خلافت کے بارے میں جذبات کے بارے آگاہ کرے

چنانچہ مولانا نے مسلمانوں کے جذبات سے تمام ذمہ داروں اور وزیراعظم کو بخوبی آگاہ کیا۔

جامعہ ملیہ کا قیام:

خلافت وفد کی آمد پر ہندوستان میں ترک تعاون اور ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی۔ مولانا نے ترک موالات کی تحریک کا آغاز علی گڑھ سے کیا چنانچہ انہوں نے ایم۔ اے۔ او کالج کے ارباب حل وعقد کو مشورہ دیا کہ وہ سرکاری گرانٹ کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیں اور حکومت سے تمام قسم کے تعلقات منقطع کر لیں مگر ان کی تجویز کو مسترد کر دیا گیا۔ مولانا نے کچھ طلباء کو ساتھ ملا کر کالج کے سامنے خیمہ لگا کر جامعہ ملیہ کا آغاز کیا۔ مولانا اس کالج کے پرنسپل مقرر کیے گئے اور اس کالج نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔

سائمن کمیشن کا بائیکاٹ:

آپ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کرنے والوں میں شامل تھے۔ آپ نے ایک مضمون میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> "برطانوی پارلیمنٹ کو ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ ہی وہ صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہے۔ یہ جماعت ہندوستان سے متعلق محض جاہلوں کی جماعت ہے۔ پارلیمنٹ کے ممبروں میں سے بمشکل ستر آدمی بھی نہیں مل سکیں گے جو ہندوستان کے متعلق کچھ جانتے ہوں۔"

گول میز کانفرنس میں شرکت:

مولانا کو بھی پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس کانفرنس کے دوران انہوں نے اپنی زندگی کی آخری تقریر کی جس میں ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کیا کہ:

> "میں آج جس ایک مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک اس حالت میں واپس جاؤں جبکہ آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو۔ میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو پھر آپ کو مجھے یہاں قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی۔"

وفات:

چنانچہ جنوری 1931ء کو ہندوستان کا بطل حریت اور اسلام کا سپاہی اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(25 ستمبر 1903ء تا 22 ستمبر 1979ء)

آباؤ اجداد کا تعارف:

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ 25 ستمبر 1903ء کو ہندوستان کی ریاست حیدر آباد دکن کے شہر اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی تعلق سادات کے اس خاندان سے ہے جو ہرات کے قریب چشت کے مقام پر آباد تھا اور آپ کے آباؤ اجداد میں خواجہ قطب الدین مودود گزرے ہیں جنہیں چشت میں پیدائش کی وجہ سے چشتی کہا جاتا ہے۔ انہی بزرگ کی نسبت سے اس خاندان کو مودودی خاندان کہا جاتا ہے۔ سکندر لودھی کے زمانے میں اس خاندان کے ایک اور بزرگ حضرت ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہرات سے ہجرت کر کے ہندوستان آگئے اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ مولانا مودودی کا نام انہی بزرگ کے نام پر ابوالاعلیٰ مودودیؒ رکھا گیا۔

والد کی زندگی میں انقلاب:

مولانا مودودی کے والد گرامی جناب سیّد احمد حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ دارالعلوم علی گڑھ میں زیر تعلیم رہے اس کے بعد الہ آباد جا کر وکالت کا امتحان پاس کیا۔ الہ آباد سے اورنگ آباد چلے آئے۔ ایک مدت تک وہاں وکالت کرتے رہے۔ وکالت کے دوران ہی ایک صوفی منش سیشن جج جناب محی الدین خان کی صحبت نے زندگی کا رنگ ہی بدل دیا چنانچہ آپ نے جدید طرز زندگی کو یکسر ترک کر دیا۔ وکالت سے بھی دستبردار ہو گئے۔ کاشت پر زمین لے کر کھیتی باڑی شروع کر دی۔ ذکر و فکر اور ریاضت و مجاہدے کو اپنا شغل بنا لیا۔

تعلیم و تربیت:

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ابتدائی تعلیم اورنگ آباد ہی میں حاصل کی۔ مدرسہ فوقانیہ سے 1916ء میں مولوی کا امتحان پاس کیا۔ دہلی آ کر دارالعلوم فتح پوری سے باقاعدہ تکمیل درس کی سند حاصل کی۔ علم حدیث کی تکمیل مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی سے کی۔ فلسفہ اور معقولات مولانا عبدالسلام نیازی سے پڑھا۔ جدید علوم اپنی ذاتی محنت سے پڑھے اور ان میں درجہ کمال کو پہنچے۔

مولانا مودودیؒ نے اپنے پیشہ ورانہ کام کا آغاز صحافت سے کیا۔ 1918ء میں اعظم گڑھ کے ایک مقتدر رسالے ''المعارف'' میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا۔ پھر آپ نے مدینہ بجنور کی ادارت سنبھال لی۔ ہفت روزہ ''تاج'' جبل پور کے مدیر ہوئے۔ مولانا مفتی کفایت اللہ نے جب دہلی سے اپنا رسالہ ''مسلم'' نکالا تو مولانا مودودیؒ کو مدیر معاون مقرر کیا۔ جمعیت علمائے ہند کے ترجمان رسالہ ''الجمعیت'' کی ادارت کا فریضہ انجام دیا۔ اسی دوران آپ نے جہاد کے موضوع پر مضامین کا وہ سلسلہ شروع کیا جو بعد میں ''الجہاد فی الاسلام'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ اس کتاب نے

ولانا مودودیؒ کو متکلم اسلام کے مقام پر پہنچا دیا۔

لامہ اقبالؒ کا خراج تحسین:

علامہ اقبالؒ جیسی شخصیت نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:
''اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔''

جمان القرآن کا کردار:

1932ء میں مولانا مودودیؒ نے حیدرآباد دکن سے اپنا رسالہ ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جاری یا۔ یہ رسالہ کیا تھا' احیاء ملت اور غلبہ اسلام کی ایک تحریک تھی۔ اس رسالہ کے ذریعے مولانا نے چومکھی ائی لڑی۔ مغربی تہذیب پر کاری ضرب لگائی' اشتراکیت کا پوسٹ مارٹم کیا' کانگریس کے قومیت کے ت کو دلیل و برہان کی ضربوں سے پاش پاش کر دیا اور مسئلہ قومیت لکھ کر دو قومی نظریہ کو دلیل کی قوت اہم کی۔ وہ نہام نہاد مسلمان ادیب و مصنف جو مسلمانوں میں اپنی تحریروں کے ذریعے اباحیت اور ہوس ق کا زہر پھیلا رہے تھے' دینی قدروں کی تضحیک جن کا وطیرہ تھا' جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو جنہوں نے ین سے برگشتہ کر دیا تھا' مولانا نے اپنی تحریر کے ذریعے ان کی آوارہ فکر کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے رجدید تعلیم یافتہ طبقے کے شکوک و شبہات کو دل نشیں طرز استدلال کے ذریعے دور کیا۔

یدرآباد دکن سے پٹھان کوٹ آمد:

مولانا مودودیؒ علامہ اقبالؒ کی ترغیب پر 1938ء میں حیدرآباد دکن سے پٹھان کوٹ (ضلع ورداسپور مشرقی پنجاب) میں آ گئے جہاں ایک علم دوست اور درد دل رکھنے والی شخصیت چوہدری نیاز ں خان نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور اصلاح تربیت کے لئے ایک ادارہ قائم کیا اس ادارے کو لانے کے لئے وہ کسی اہل شخصیت کے متلاشی تھے۔ چوہدری صاحب نے اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ ے رجوع کیا تو علامہ اقبالؒ نے مولانا مودودیؒ کا نام تجویز کیا تو اس طرح مولانا مودودیؒ حیدرآباد ن سے دارالسلام پٹھان کوٹ تشریف لے آئے اور پٹھان کوٹ کو احیائے اسلام کی تحریک کا مرکز بنایا۔

مولانا کی بلاوجہ گرفتاری:

تقسیم ملک کے بعد مولانا مودودیؒ پاکستان آ گئے اور پاکستان کو ایک اسلامی مملکت بنانے کی دوجہد شروع کر دی۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی میں مولانا مودودیؒ کو اس بات کا وقع دیا گیا کہ وہ ریڈیو پاکستان سے اسلامی نظام بارے تقریریں کریں تاکہ پاکستانی عوام اسلامی نظام کو سمجھ سکیں چنانچہ مولانا مودودیؒ نے ''اسلامی نظام حیات'' کے عنوان سے ریڈیو پاکستان سے ایک تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد آنے والے حکمرانوں نے مولانا مودودیؒ اور ان کے کام کو اپنے لئے خطرہ سمجھا اور اکتوبر 1948ء میں ''جہاد کشمیر'' کی مخالفت کا من گھڑت الزام لگا کر سیفٹی ایکٹ کے تحت انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا بیس مہینے جیل میں رہے۔ یہ گرفتاری دراصل مولانا مودودیؒ کے ''مطالبہ اسلامی دستور'' کی وجہ سے کی گئی تھی۔ اسلامی دستور کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا جا

رہا تھا اور حکمرانوں کے لئے یہ بات سخت تشویش کا باعث تھی۔

پاکستان کا اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنا' لادینی قوتوں اور قادیانیوں کو کبھی گوارا نہ ہوا۔ لادینی عناصر اور قادیانی مسلسل اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ بنایا جائے تاکہ وہ من مانی کرتے رہیں۔

مولانا کیلئے سزائے موت کا حکم اور پھر رہائی:

1953ء میں یہ مطالبہ زور پکڑ گیا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک الگ اقلیت قرار دیا جائے۔ حکومت نے ہر ممکن طریقے سے اس مطالبہ کو دبانے کی کوشش کی۔ پورے پنجاب میں دھماکے شروع ہو گئے۔ مولانا مودودیؒ نے قادیانی مسئلہ کی وضاحت کرنے کے لئے ایک پمفلٹ ''قادیانی مسئلہ'' لکھا۔ حکومت مولانا مودودیؒ پر وار کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی تھی' پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ دوسرے علماء کے ساتھ ساتھ مولانا کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ فوجی عدالت نے مولانا مودودیؒ کو سزائے موت سنائی۔ اس سزا کے خلاف ساری دنیا میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر جگہ احتجاج ہوا' دباؤ سے متاثر ہو کر موت کی سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ 6 جنوری 1964ء کو ایوب خان کی حکومت نے مولانا مودودیؒ اور ان کے ساتھیوں کو پھر گرفتار کر لیا۔ 9 ماہ کی گرفتاری کے بعد آپ ''سپریم کورٹ کے فیصلے کے نتیجے میں رہا ہوئے۔

ستمبر 1965ء کی جنگ میں مولانا مودودیؒ نے تمام اختلافات کو بھلا کر اور ایوب کے مظالم کو نظرانداز کر کے حکومت کا ساتھ دیا۔ مولانا مودودیؒ اور ان کے کارکنوں نے بے مثال خدمات انجام دیں۔

شاہ فیصل ایوارڈ:

28 فروری 1979ء میں مولانا مودودیؒ کو اسلام اور عالم اسلام کی عظیم الشان علمی اور عملی خدمت کے اعتراف میں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا۔

شاہ خالد نے مولانا مودودیؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم چاہتے تھے کہ شاہ فیصل فاؤنڈیشن کا پہلا ایوارڈ ایسی شخصیت کو دیا جائے جس نے اسلام کے بارے میں ہمہ جہت کام کیا ہو۔ ایسے افراد تو موجود تھے اور ہیں جنہوں نے محض فکری کام کیا ہے مگر عملی میدان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور ایسے افراد بھی موجود ہیں جنہوں نے عملی کام تو کیا ہے مگر ان کا فکری کام نہیں ہے اس لحاظ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے فکری اور عملی دونوں میدانوں میں فروغ اسلام کے لئے بے مثال کام کیا ہے۔''

وفات:

مولانا مودودیؒ اپنے بیٹے ڈاکٹر احمد فاروق کے ساتھ 26 مئی 1979ء کو علاج کے لئے کینیڈا گئے جہاں 22 ستمبر 1979ء کو پاکستان کے وقت کے مطابق 5 بج کر 45 منٹ پر بفیلو امریکہ میں انتقال کر گئے۔ آپ کی میت 25 ستمبر کو لاہور پہنچی۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے قذافی سٹیڈیم میں نماز جنازہ پڑھائی اور آپ A-5 ذیلدار پارک اچھرہ میں دفن کئے گئے۔



تاریخ پاکستان

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار

تحریک پاکستان کا دینی و سیاسی پس منظر:

تحریک پاکستان کی بنیاد تو اسی دن رکھی گئی تھی جس دن بنارس میں ہندوؤں نے اُردو زبا
رائج کرنے کی مخالفت کی تھی۔ اس تحریک کی آبیاری مسلم لیگ نے کرنی شروع کی جس کی ابتد
1906ء میں ہوئی۔ اسے خون قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مہیا کیا جنہوں نے 1930ء اور 1932ء میں
گول میز کانفرنسز منعقدہ لندن میں شرکت کر کے مسلمانوں کے سیاسی نظریات انگریزوں پر واضح کئے
اس میں زیادہ جوش 1940ء میں آیا جب مسلم لیگ نے اپنا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا اور قرار
پاکستان متفقہ طور پر منظور کی او اس نقشہ کو جو کبھی علامہ محمد اقبالؒ نے پیش کیا تھا' عملی طور پر پکا کرنے
تہیہ کیا کہ مسلمانوں کی علیحدہ حکومت قائم ہو گی جس میں پنجاب' سرحد' سندھ' کشمیر اور بلوچستان مغر
میں اور مشرق میں بنگال شامل ہوں گے۔

مسلمانوں کے لیڈر قائداعظم محمد علی جناحؒ کو اس لائحہ عمل کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے
بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور سخت ترین حالات کا مقابلہ کر کے ہندوؤں اور انگریزوں سے
مطالبہ منوالیا کہ مسلمانوں کی الگ حکومت قائم ہو گی۔

قائداعظمؒ ذہین' محنتی اور باصلاحیت شخص تھے۔ ان کی قابلیت کا اعتراف ان کے دشمن
کرتے تھے۔ ان کے کردار کے بارے میں ان کے مخالفین کا کہنا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بکنے والے نہیں
تھے اور نہ ہی انہیں کسی طرح خریدا جا سکتا تھا۔ وہ کبھی بھی اپنے دشمنوں اور مخالفین کی دھمکیوں
مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ 3 جون 1947ء کو قائداعظمؒ نے ہندوستان کی آزادی
برطانوی منصوبہ کو مسلمان قوم کے سامنے پیش کیا جسے پوری قوم نے 9 جون 1947ء کو منظور کر لیا۔ ا
منصوبے میں یہ بھی اعلان کیا گیا کہ ریاستوں کو حق حاصل ہو گا کہ وہ جس حکومت سے چاہیں الحاق
سکتی ہیں۔ ان پر کسی قسم کا دباؤ یا جبر نہیں ہو گا۔ 7 اگست 1947ء کو قائداعظمؒ کراچی پہنچے 10 اگست
پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح ہوا۔ 12 اگست کو محمد علی جناحؒ کو قائداعظمؒ کا خطاب دیا گیا اور 1
اگست 1947ء کو انہوں نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار:

جب ہم اسلام کی تبلیغ کے ضمن میں قرآن مجید سے مدد حاصل کرتے ہیں تو ہمیں یہ حکم ملتا
"لا اکراہ فی الدین" یعنی دین کی اشاعت میں جبر نہیں۔

جب ہم دنیاوی قوانین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایسا قانون دکھائی نہیں دیتا جس میں اس بات کا ذکر موجود ہو کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلاؤ یا کسی پر جبراً اسلام لاگو کر دیا جائے بلکہ اس کی اشاعت تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اشاعت کا سب سے بہترین طریقہ مبلغ کا اپنا عمل ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق، اس کا قول اور فعل ہوتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک شخص خود تو جھوٹ بولتا ہو اور دوسروں کو جھوٹ سے روکنے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی انسان خود پابند صوم وصلوٰۃ ہو تو دوسروں پر اس کا اچھا اثر مرتب ہوگا اور ایک دن وہ بھی نمازی اور پرہیزگار بن جائے گا۔ جب تک برصغیر پاک و ہند میں اسلامی حکومت قائم رہی، اسلام بھی قائم رہا جونہی انگریزوں اور سکھوں نے حکمرانی شروع کی، اسلام دن بدن روبہ زوال ہوتا گیا مگر چونکہ اسلام تاابد قائم رہنے والا مذہب ہے اس لئے اس کی اشاعت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے برابر کرتے رہے۔ یہ انہی علماء و مشائخ کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

جب اسلام عرب سے باہر نکلا تو اسے پھیلانے کا فریضہ عرب تاجروں نے ادا کیا جو دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تھے، ساتھ ساتھ وہ دین کی تبلیغ کا فرض بھی نبھاتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان غیر اسلامی ممالک میں اسلام کے نام لیوا پیدا ہی نہ ہوتے۔ بفضل خدا آج دنیا میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمان اور اسلام موجود نہ ہو۔

برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے محمد بن قاسم آئے اور ان کی وساطت سے سندھ اور ملتان میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ دیگر علاقوں میں یہ فریضہ علماء و مشائخ کے ایک گروہ نے مستقل مزاجی اور خاموشی سے انجام دیا ان کی زندگیاں بہت سادہ ہوتی تھیں۔ ان کی سادگی میں پاکیزگی کا عنصر بہت غالب ہوتا تھا۔ ان کا ذاتی کردار، اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کے کردار اور قول و فعل کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے۔ بزرگان دین کو کسی قسم کا لالچ یا مرتبہ کی طلب نہ ہوتی تھی اسی لئے مسلمان بادشاہوں کے دربار میں ان کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی جاتی تھی۔ ان کی مجلس میں ہر شخص کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ آقا و غلام میں کوئی فرق روا نہ رکھا جاتا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان حکومت کرتے رہے ہیں۔ ان اللہ کے نیک بندوں میں ذات پات اور چھوت چھات نام کی کوئی شئے نہ ہوتی تھی۔ یہ تو صرف ایک معبود حقیقی کی عبادت کرتے تھے جبکہ دیگر مذاہب میں کئی قسم کی پابندیاں ہوتی تھیں۔ ہندوؤں میں تو مذہب کی پابندیاں بہت سخت تھیں۔ اگر کوئی ان پابندیوں کو توڑتا تو اس کو سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے اس مذہب کے پیروکار باغی ہو جاتے۔ اسلام ان کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا اور وہ سکھ کا سانس لیتے۔ برصغیر میں علماء و مشائخ کا تذکرہ ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

دو قومی نظریہ

جب برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے ساتھ اسلام کی اشاعت شروع ہوئی تو

جلد ہی مسلمانوں کو یہ احساس ہو گیا کہ جس قوم سے ان کا مقابلہ ہے وہ بالکل ایک جداگانہ نظریہ کی حامل قوم ہے۔ اس میں اسلام کی اشاعت ناممکن تو نہیں لیکن آسان بھی نہیں ہے۔ جب کوئی ہندو اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیتا تھا تو اس کے قریبی رشتہ دار اور اس کے دوست و احباب اس سے تمام معاشرتی تعلقات ختم کر لیتے تھے اور اسے اپنی ذات سے اور اپنے حلقے سے جدا سمجھنے لگتے تھے اسی لئے قائداعظمؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

"پاکستان تو اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن برصغیر کا پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تو اس کے ہم قوم ہندوؤں نے اس سے اپنے تعلقات ختم کر لئے اور اسے ایک علیحدہ قوم کا فرد سمجھنے لگے۔ اس طرح جس جس طرح سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اسلام کی اشاعت ہوتی گئی اور ہندوؤں کی بڑی تعداد اسلام قبول کرتی گئی' دو علیحدہ قومیتوں کا تصور ہندوؤں میں زیادہ گہرا ہوتا گیا۔ وہ مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے خود کو مسلمانوں سے بالکل علیحدہ سمجھتے تھے اور اس طرح دو قومی نظریہ کی بنیاد خود ہندوؤں کے ہاتھوں رکھی گئی۔ انہوں نے نہ ان مسلمانوں کو جو عرب' ایران اور افغانستان سے ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے تھے اور نہ ان مسلمانوں کو جو پہلے ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اپنی قوم کا حصہ سمجھا اور وہ ان کے سایہ تک سے پرہیز کرتے رہے۔ اسی لئے جداگانہ قومیت کے متعلق قائداعظمؒ نے ایک مرتبہ بالکل واضح الفاظ میں فرمایا:

"ایک ہزار سال تک دونوں قوموں (ہندو اور مسلمان) میں میل جول رہا ہے لیکن ان کے اختلافات کی شدت بھی ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ کوئی انقلاب ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم بنا دے گا تو یہ بالکل غلط ہے۔ اسلام اور ہندو دھرم محض مختلف مذاہب ہی نہیں بلکہ حقیقت میں دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ اسے صرف ایک خواب ہی سمجھنا چاہیے کہ کبھی ہندو اور مسلمان ایک مشترکہ قومیت میں ڈھل جائیں گے۔"

1940ء سے 1947ء تک یعنی صرف سات سال کے عرصہ میں جس نظریہ کی اشاعت نہایت تیزی سے ہوئی تھی اور جس کی بنیاد اسلام اور علیحدہ وطنیت تھی' وہ پاکستان کی صورت میں دنیا کے نقشہ پر ابھر آیا جو علیحدہ وطن' مسلم قوم کو حاصل ہوا ہے۔ وہ نظریۂ پاکستان کی تخلیق ہے اور یہ ایک نظریہ ہی کی صورت میں زندہ اور برقرار رہ سکتا ہے۔

قرارداد مقاصد:

پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس 10 تا 14 اگست 1947ء کو کراچی میں منعقد ہوا۔ اسمبلی کی صدارت کے واحد امیدوار قائداعظم محمد علی جناحؒ بلامقابلہ صدر منتخب ہو گئے۔ پہلی دستور ساز اسمبلی کی سب سے نمایاں شخصیت خود قائداعظمؒ کی ذات تھی جنہوں نے قیام پاکستان میں سب سے

اہم اور نمایاں کردار ادا کیا۔ دستور ساز اسمبلی کے دیگر قابل ذکر لوگوں میں نوابزادہ لیاقت علی خان' خواجہ ناظم الدین' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی' ڈاکٹر محمود حسین' ڈاکٹر عمر حیات ملک' سردار عبدالرب نشتر اور مولانا شبیر احمد عثمانی شامل تھے۔

اسمبلی کا سب سے اہم کام پاکستان کے لئے آئین تیار کرنا تھا۔ پاکستان کا آئین کیسا ہو گا؟ قائداعظمؒ نے اس موضوع پر اپنی مختلف تقاریر میں اظہار خیال کیا جس سے پاکستان کے مجوزہ آئین کے بارے میں آپ کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے مجوزہ آئین کے متعلق فرمایا:

> "پاکستان کا دستور ابھی اسمبلی نے تیار کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی شکل کیا ہو گی لیکن یہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری آئین ہو گا۔ یہ اصول زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح آج سے 1300 برس پہلے تھے۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت کا سبق دیا ہے۔"

12 مارچ 1949ء کا دن دستور ساز اسمبلی کی تاریخ کا ایک اہم دن تھا جب اسمبلی میں لیاقت علی خان کی پیش کردہ قرارداد مقاصد کو منظور کیا گیا۔ یہ قرارداد آئین کے بنیادی ڈھانچہ کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ اس قرارداد کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کا نیا آئین تیار کیا جانا تھا۔

اسمبلی میں پیش کردہ قرارداد میں کہا گیا کہ تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو حکمرانی کا اختیار دیا ہے چونکہ وہ ایک مقدس فریضہ ہے اس لئے پاکستان کی یہ اسمبلی فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد' خودمختار پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کرے۔

آئین ساز اسمبلی جس نوعیت کا آئین تیار کرے گی اس کے متعلق قرارداد مقاصد میں کہا گیا:

1- حکومت عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اپنے اختیارات کا استعمال کرے گی۔

2- ریاست میں مسلمانوں کو اپنی زندگیاں اسلام کے اصولوں پر مبنی قرآن و سنت سے اخذ کردہ اصولوں کے مطابق گزارنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

3- ریاست کے مجوزہ آئین میں جمہوریت آزادی' مساوات' رواداری اور اسلام کے اصولوں پر مبنی سماجی انصاف پر عمل کیا جائے گا۔

4- اس آئین کے تحت اقلیتوں کو اپنے مذہب اور عقائد کے مطابق زندگیاں گزارنے کے لئے واضح شقیں موجود ہوں گی۔

5- یہ آئین وفاقی نوعیت کا ہو گا جس میں شامل مختلف یونٹ خودمختار ہوں گے۔

6- اس آئین میں تمام بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

7- اس آئین کے تحت عدلیہ کو مکمل آزادی دی جائے گی۔

اس دستور ساز اسمبلی میں صرف دو سیاسی جماعتیں مسلم لیگ اور کانگریس موجود تھیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی' ڈاکٹر محمود حسین اور سردار عبدالرب نشتر نے قرارداد کی پرزور حمایت کی۔ خان لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

"اسلامی نظریہ کے تحت جمہوریت مغرب اور روس کی مروجہ جمہوریت سے بالکل مختلف ہے بلکہ یہ ان دونوں سے بہتر جمہوریت ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ہندوؤں کے اس خدشے کو دور کرتے ہوئے کہا کہ اسلام نے اقلیتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں' وہ اقوام متحدہ کے چارٹر سے متصادم نہیں ہیں۔

اہم سیاسی ادوار

تشکیل پاکستان ایک مسلسل تاریخی اور پیہم ملی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

تاریخی شواہد:

تشکیل پاکستان کی ابتداء اسی دن عمل میں آ گئی تھی جس دن ہندوؤں نے بنارس میں اردو رائج کرنے کی مخالفت کی تھی۔

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام:

جب 1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا تو ہندوؤں نے اس میں کثرت سے حصہ لیا جبکہ مسلمانوں نے سرسید کے کہنے کے مطابق شرکت نہ کی۔ اس کانگریس کے قیام سے ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم ہاتھ آ گیا اور انہوں نے ایسے مطالبات پیش کرنے شروع کر دیے جو مسلمانوں کے مفادات کے سخت خلاف تھے جیسے ہندوستان میں انتخابی نظام رائج کرنا' مقابلے کا امتحان انگلستان کی بجائے ہندوستان ہی میں منعقد کرنا اور یہ دونوں مطالبات مسلمانوں کے خلاف تھے۔ نیز سرسید یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ جماعت اب صرف ہندوؤں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی ہے اسی لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس میں حصہ نہ لینے کی ہدایت کی تھی اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں جن کی الگ اپنی تہذیب' ثقافت' معاشرت اور مذہب ہے اور یہ ہندوؤں سے جدا ہیں۔

ہندوؤں کی مفاد پرستی:

1892ء میں جب انگریز حکومت نے ہندوستانیوں کو نمائندگی دینے کی بات شروع کی ہندوؤں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بات عام کرنا شروع کر دی کہ

ہندوستان کی جغرافیائی حدود میں آباد تمام لوگ بلاامتیاز رنگ و نسل اور مذہب و ملت ایک قوم کے افراد ہیں اس لئے حکومتی اختیارات اسی قوم کی طرف منتقل ہوں گے۔ ملک میں جمہوریت کا نظام رائج ہو گا اور مملکت کے تمام فیصلے اکثریت رائے سے ہوں گے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں زیادہ آبادی ہندوؤں کی تھی اور انگریزی ملازمتیں بھی ہندوؤں کو حاصل تھیں۔ مسلمان تعداد میں کم تھے اور اقتدار میں بھی نہ تھے۔ اس لئے ہندوؤں کو یقین تھا کہ وہ جو فیصلے کرنا چاہیں گے اپنی کثرت کی وجہ سے کر ہی لیں گے اور کثرت تعداد کی وجہ سے قوی امید تھی کہ ہندوستان کا اقتدار بھی ہندوؤں کو منتقل ہو گا۔

وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملاقات:

لیکن مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں کا بخوبی علم تھا لہٰذا انہوں نے سر آغا خان کی سربراہی میں 35 اکابر مسلمان افراد پر مشتمل وفد کی شکل میں انگریز حکومت سے ملنے کا پروگرام بنایا چنانچہ اکتوبر 1906ء میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کی۔ وائسرائے نے ان کے مطالبات بڑے ہمدردانہ طریقے سے سنے اور وعدہ کیا کہ جب اصلاحات کے نفاذ کا وقت آئے گا تو یہاں کے باشندوں کے حالات کو ضرور سامنے رکھا جائے گا۔

اس ملاقات کا نتیجہ 1909ء کو سامنے آیا اور انگریز حکومت نے مسلمانوں کے قومی تشخص کو تسلیم کرتے ہوئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ مان لیا اور یہ مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ شملہ وفد کی کامیابی کے بعد مسلمانوں نے مسلم لیگ کے نام سے الگ جماعت بنانے کا اعلان کر دیا۔

علامہ اقبالؒ کا تاریخی خطاب:

1910ء میں علامہ محمد اقبالؒ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک تاریخی خطاب کیا۔ اس خطاب میں علامہ اقبالؒ نے دو قومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ

> ''مسلمانوں اور دنیا کی دوسری اقوام میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زمان ہے اور نہ اشتراک وطن اور نہ ہی اقتصادی اشتراک اغراض بلکہ ہم لوگ اس برادری سے ہیں جو رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمائی تھی اور اس لئے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں ملی ہیں وہ ہم سب کے لئے یکساں ہیں۔''

معاہدۂ لکھنؤ:

محمد علی جناحؒ جو اب تک انڈین نیشنل کانگریس کے ممبر تھے، مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ان کی کوششوں سے 1916ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ طے پایا تھا جو بعد میں معاہدۂ لکھنؤ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس معاہدے میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا جداگانہ انتخاب کا مطالبہ مان لیا اور دونوں قوموں میں عارضی طور پر دوستی قائم ہو گئی گو بعد میں ہندو اپنے عہد پر قائم نہ رہے پھر ایسے حالات بدلے کہ نہ تو ہندو مسلمانوں کی کوئی بات مانتے تھے اور نہ ہی مسلمان ہندوؤں کی کوئی بات تسلیم کرتے تھے۔

قائداعظمؒ کے چودہ نکات:

1928ء کی نہرو رپورٹ تجاویز دہلی اور 1929ء کے قائداعظمؒ کے چودہ نکات اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ مسلمانوں نے دوٹوک اعلان کر دیا کہ وہ قائداعظم کے چودہ نکات کے علاوہ کوئی بات

تسلیم نہیں کرتے جبکہ ہندو چودہ نکات کی مخالفت کرتے رہے۔ اس طرح دونوں قوموں کے درمیان ایک خلیج حائل ہوگئی۔

علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد:

علامہ محمد اقبالؒ نے الٰہ آباد میں اس مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مذہبی' تہذیبی' ثقافتی' سماجی اور معاشی اختلافات اس قدر بنیادی ہیں کہ یہ کبھی دور نہیں ہوسکتے۔ مسلمانوں کے حقوق صرف اسی صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں کہ انہیں اپنے مذہب اور تہذیب و ثقافت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جائے اور یہ اس طرح کہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل ایک مسلم ریاست بنائی جائے جس میں مسلمان آزادی سے اپنے مذہب کے اصولوں پر عمل پیرا ہوسکیں۔''

ہندوؤں کا منفی کردار:

اس خطاب کے بعد ہندو ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے مطالبات پیش کرنے لگے۔ کبھی گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی مخالفت کی اور کبھی 1937ء میں صوبائی آزادی کے عنوان سے وزارتوں میں مسلمانوں کی حیثیت کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر قائداعظمؒ نے کسی بھی موقع پر ان کی دال نہ گلنے دی اور اس خطرناک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہوں نے پاکستان کے نام سے الگ ملک کے قیام کو ضروری قرار دیا۔

قائداعظمؒ کی کوششیں:

قائداعظمؒ نے 1937ء سے 1939ء تک پورے ہندوستان کا دورہ کیا' مسلمانوں کو متوقع خطرات سے آگاہ کیا۔ مسلمان جو 1930ء کی گول میز کانفرنس میں اپنے ہی لیڈروں کے ہاتھوں مار کھا چکے تھے اور خاموشی اختیار کر چکے تھے' ایک بار پھر ایک ٹھوس نصب العین کے ساتھ میدان سیاست میں نکل پڑے۔

قائداعظمؒ ایک عظیم قائد:

1938ء میں قائداعظم نے مسلم طلباء کے ساتھ رابطہ کیا۔ ہندو لیڈر مسٹر گاندھی سے بھی خط و کتابت جاری رکھی۔ انہوں نے طلباء میں سیاسی بیداری پیدا کی۔ حصول پاکستان کے مقصد کی بھی وضاحت کی۔ اپریل 1938ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں شریک ہوئے' اس سال اکتوبر میں کراچی میں مسلم لیگ کانفرنس میں بطور صدر شریک ہوئے۔

1939ء میں مسلمانوں کے واحد نمائندہ قائداعظم نے یہ بیان دیا کہ

''مسلم لیگ کسی بھی حالت میں فیڈریشن کی بات کو تسلیم نہیں کرے گی کیونکہ ہندوستان میں ایک علیحدہ مملکت کی ضرورت ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

"جمہوریت ہندوستان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔"

یوم نجات:

انگریزوں نے قائداعظمؒ کے دلائل میں کافی وزن محسوس کیا اس کے ردعمل میں ہندوؤں نے تمام صوبوں میں استعفے پیش کر دیئے اس پر جناحؒ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ یوم نجات منائیں کیونکہ قدرت الہیہ نے انہیں ہندوؤں کے راج سے نجات دلائی ہے چنانچہ مسلمانوں نے دسمبر میں یوم نجات بڑے جوش وخروش سے منایا۔

قرارداد پاکستان:

1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں قرارداد پاکستان پیش کی گئی جسے بھاری اکثریت سے منظور کرلیا گیا۔ اسی سال انہوں نے ماہ فروری میں مسٹر گاندھی سے ایک خصوصی ملاقات کی اور نومبر 1940ء میں مسلمانوں سے سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لینے کی اپیل بھی کی۔ اس سے اگلے سال لاہور ہی میں آل پاکستان طلباء کانفرنس منعقد ہوئی اس کی صدارت بھی قائداعظمؒ نے فرمائی۔

مدراس کا سالانہ جلسہ:

اسی سال مدراس میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں قائداعظمؒ نے قوم کے سامنے پانچ سالہ منصوبہ پیش کیا۔ 1942ء میں فروری کے مہینے میں بنگال کے شہر سراج گنج میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں قائداعظم نے قوم کو مستقبل کی زندگی سے آگاہ کیا۔

فنڈ اکٹھا کرنے کی مہم:

مارچ 1942ء میں مسلمانوں نے ملک بھر سے فنڈ اکٹھا کرنے کی مہم شروع کی۔ جولائی 1943ء میں ایک خاکسار نے ان کی بمبئی کی رہائش گاہ میں داخل ہو کر قاتلانہ حملہ کیا مگر قدرت نے انہیں محفوظ رکھا۔ اپریل 1944ء میں قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کو پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کے جال سے نکالا اسی سال قائداعظمؒ کشمیریوں کی حوصلہ افزائی کے لئے کشمیر تشریف لے گئے۔ اس سال دسمبر میں پاکستان کے فارمولے کی بناء پر ہندو لیڈر مسٹر گاندھی سے ملاقات کی جو بے نتیجہ رہی۔

یوم پاکستان میں اعلان:

1945ء میں الہ آباد کے ایک جلسہ عام میں پاکستان کی جنگ کو پورے ہندوستان کی جنگ قرار دیا۔ مارچ کے مہینے میں یوم پاکستان منایا گیا۔ اس کے بعد قائداعظمؒ نے فرمایا:

"اب پاکستان ہماری مٹھی میں ہے" اسی سال برطانوی حکومت کو تار دے کر آگاہ کیا کہ اگر حکومت برطانیہ مسلم لیگ کے مشورہ کے بغیر کوئی دستور بنائے گی تو نہ تو مسلمانوں کو اور نہ ہی ہندوؤں کو منظور ہوگا سب اس کی مخالفت کریں گے۔"

شملہ کانفرنس میں شرکت:

اسی سال ماہ جون' جولائی میں شملہ کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن یہ کانفرنس مسلم لیگ اور کانگریس میں کوئی سمجھوتہ نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہی۔

9 ستمبر 1945ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب ہم اپنے آزاد وطن پاکستان میں عید کی خوشیاں منائیں گے۔

قائداعظمؒ کا برملا اعلان:

10 اکتوبر 1945ء کو کوئٹہ میں مسلم لیگ کی طرف سے منعقد کئے جانے والے اجلاس میں قائداعظمؒ نے اس بات کا برملا اعلان کیا کہ اگر کوئی امتحان کی گھڑی آئی تو پہلی قربانی میں دوں گا اور پہلی گولی بھی اپنے سینے پر میں کھاؤں گا۔

مسلم لیگ کی کامیابی اور جشن فتح:

اسی طرح اگلے ماہ یعنی نومبر میں سرحد کا دورہ کیا اور وہاں کے کانگریسی مسلمان لیڈروں غفار خان جو سرحدی گاندھی کہلاتے ہیں اور وہاں کے سرخ پوش مسلمانوں کو یہ بات وضاحت کے ساتھ سمجھائی کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور ہمارا مطالبہ کیا ہے۔ ہم کس لئے الگ وطن کا مطالبہ کرتے ہیں؟ ہم کسی صورت بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہیں رہنا چاہتے۔ شاید قائد کی یہ باتیں سرحدی لیڈروں اور عوام کی سمجھ میں آ گئی تھیں' جب انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ نے وہاں صد فیصد کامیابی حاصل کی۔ اس عظیم فتح پر محمد علی جناحؒ نے تمام مسلمانوں کو مبارک باد پیش کی اور ہدایت فرمائی کہ وہ سب مل کر 11 جنوری 1946ء کو فتح کا جشن بڑی شان و شوکت سے منائیں۔ مسلمانوں نے یہ جشن بڑے تزک و احتشام سے منایا۔

قائداعظمؒ کی جرأت:

قائداعظمؒ نے 1946ء میں لاہور' بنگال اور آسام کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو پاکستان کے حصول کے لئے تیار کیا البتہ انہوں نے یہ ضرور کہا کہ اگر کسی وجہ سے پاکستان ہمیں آسانی اور امن و سلامتی سے حاصل نہ ہو سکا تو پھر ہم اس کو حاصل کرنے کے لئے تن' من' دھن کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ میرا ایمان ہے اور مجھے پکا یقین ہے کہ مسلمان قوم کو خواہ اپنا سب کچھ بھی قربان کرنا پڑا تو وہ دریغ نہ کریں گے لیکن پاکستان حاصل کر کے ہی چین سے بیٹھیں گے۔

وزارتی مشن سے ملاقات:

1946ء میں ہی انہوں نے وزارتی مشن سے ملاقات کی اور 24 مئی کو اس کی کانگریس نوازی پر ایک مفصل بیان فرمایا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد یعنی اگست میں یہ اعلان کیا کہ مسلم لیگ کانگریس سے تعاون کرنے سے انکار نہیں کرتی مگر کانگریس کے آگے گھٹنے ٹیکنے کو ہرگز ہرگز تیار نہیں اور اپنے

مطالبہ آزادی اور قیام پاکستان کو بھی حکومت میں نمائندگی کا حق دیا گیا۔

بہاری مسلمانوں کا قتل عام:

بدقسمتی سے نومبر 1946ء میں بہار کے بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام ہونا شروع ہوا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ مصیبتوں میں گھری رہے اور مسلمان اپنی جماعت کی مخالفت شروع کر دیں اور اس سے نفرت کرنے لگ جائیں۔ جلد ہی مسلمانوں کا مقدس مہینہ ذی الحجہ (عیدالاضحیٰ) شروع ہوا' مسلمان اس ماہ میں فریضہ اسلام حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرتے ہیں اور اسے حرام یعنی محترم مہینہ شمار کرتے ہیں۔ قائداعظمؒ نے اپنے پیغام عیدالاضحیٰ میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ قتل و غارت گری کے انتقامی جذبہ کو روک دیں کیونکہ ہندو تو یہی چاہتے تھے کہ مسلمان جوش انتقام میں اپنا اصل مقصد بھولے رہیں۔

قائداعظمؒ نے ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ "مسلمانوں کو ہندوؤں کی چوکیداری کرنی چاہئے اور فسادات کو روکنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہندوؤں کو عملی طور پر مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان صدق دل سے قبول کر لینا چاہئے۔"

پاکستان دنیا کے نقشے پر:

پورے ہندوستان میں 23 مارچ 1947ء کو یوم پاکستان منایا گیا اور اسی سال 3 جون کو قائداعظمؒ نے مسلمان قوم کے سامنے ہندوستان کی آزادی کے لئے نئے منصوبے جو برطانوی حکومت نے تیار کیا تھا' پیش کیا۔ ان کے صرف چھ دن بعد 9 جون کو پوری قوم نے اس منصوبہ کو منظور کر لیا نیز یہ اعلان بھی کیا گیا کہ یہ ریاستیں اپنی مرضی سے جس حکومت (پاکستان یا بھارت) کے ساتھ الحاق کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔ ان پر کسی قسم کا جبر نہیں ہوگا۔ خدا خدا کر کے ہندوستان تقسیم ہو گیا اور 14 اگست 1947ء کو سرسید کا نظریہ' علامہ اقبالؒ کا تصور' چوہدری رحمت علی کا پاکستان اور قائداعظمؒ کی جدوجہد حقیقت کا روپ دھار کر دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا اور قائداعظمؒ اس کے پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خان پہلے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنا آزاد وطن حاصل ہو جانے کی خوشیاں منائیں۔

مندرجہ بالا اہم سیاسی حالات و ادوار کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ تشکیل پاکستان ایک مسلسل تاریخی عمل اور پیہم ملی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے تاقیامت قائم و دائم رکھے اور یہ فروغ دین اور احیائے اسلام کے لئے کوشاں رہے۔ آمین! (تاریخ پاکستان از مکتبہ دانیال' لاہور)



سقوط مشرقی پاکستان

پس منظر:

پاکستان جب وجود میں آیا تھا تو وہ مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل تھا اور دونوں علاقوں کے درمیان بھارت حائل تھا۔ جغرافیائی فاصلے کے باوجود قومی یکجہتی کو فروغ دیا جا سکتا تھا لیکن مغربی پاکستان کے مقابلے میں مشرقی پاکستان کی زیادہ آبادی نے مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کو اس داؤ پیچ میں مبتلا رکھا کہ طاقت کے سرچشمہ کو مستقل طور پر کس طرح مغربی پاکستان میں رکھا جا سکتا ہے۔ اسی بناء پر دستور سازی میں تاخیر ہوئی تا کہ کوئی ایسا فارمولا وضع کیا جا سکے جو مشرقی پاکستان کو اس کے جمہوری حق سے کم لینے پر تیار کر سکے۔ فوج میں چونکہ مغربی پاکستان کے لوگوں کی اکثریت تھی لہٰذا فوجی طاقت کے زور پر 1956ء کے دستور میں ''ون یونٹ'' کے اصول پر سمجھوتہ کیا گیا اور اسی کی بناء پر قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے نمائندوں کی تعداد ''برابری کے اصول کے مطابق'' یکساں مقرر کی گئی چونکہ ان فرضی اصولوں سے جمہوریت کے اس واضح اصول کی خلاف ورزی ہوتی تھی کہ عددی اکثریت کو عددی اقلیت پر قربان نہیں کیا جا سکتا اس لئے 1956ء کے دستور کے نفاذ کے باوجود مسئلہ حل نہ ہو سکا اور ایک مارشل لاء کے بعد دوسرے مارشل لاء کے لئے راہیں ہموار ہوتی گئیں۔

ایوب خان کے مارشل لاء اور دور حکومت (1958ء تا 1969ء) میں اگرچہ صنعتی ترقی پر توجہ دی گئی مگر اس سے سیاسی حقوق کی محرومی کا احساس بجائے کم ہونے کے بڑھتا رہا اور مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ نے شیخ مجیب الرحمٰن کی سربراہی میں بنگلہ دیش کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ تب بھی ہمارے سیاستدانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں اور ایوب خان نے رخصت ہوتے ہوتے خود اپنے ہی نافذ کردہ دستور 1962ء کی دھجیاں بکھیر کر دوسرے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا اور حکومت یحییٰ خان کے سپرد کر دی۔ یحییٰ خان نے سیاسی شعبدہ بازیوں سے کام نکالنا چاہا جس سے مشرقی پاکستان کے عوام مطمئن نہ ہو سکے اور وہاں بھارت کی مدد سے بغاوت شروع ہو گئی۔

پاکستان کا اکثریتی علاقہ مشرقی پاکستان' اقلیتی علاقہ مغربی پاکستان سے علیحدگی کی جدوجہد میں مشغول ہو گیا۔ یہ بھی تاریخ اور جمہوریت کا عجوبہ ہی سمجھا جائے گا' زوال ڈھاکہ' پاکستانی فوجوں کا ہتھیار ڈالنا' صرف تاریخ پاکستان کا ہی نہیں تاریخ اسلام کا عظیم سانحہ ہے جس سے سبق حاصل نہ کرنا' مزید مشکلات کے لئے راہیں کھولنے کے مترادف سمجھا جا سکتا ہے۔

مشرقی پاکستان کے اعلان بغاوت کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کو جنرل یحییٰ خان نے گرفتار کر کے مغربی پاکستان منتقل کر دیا تھا اور ان کی رہائی مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کے برسر اقتدار آنے سے ممکن ہوئی۔ بنگلہ دیش کا قیام پاکستان کا ایک بازو کٹنے کے بعد ہی ہو سکا۔

بنگلہ دیش میں اقتدار سنبھالنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے پاکستان کے خلاف نہ صرف ایک

محاذ کھول لیا تھا بلکہ متعدد مطالبات بھی حکومت پاکستان کو پیش کر دیئے تھے۔ بھارت سے پاکستان جنگی قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ بھی تھا اس لئے ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش کی مخالفت کو اپنی سیاست کا محور بنا کر اپنی حکمت عملی کا آغاز کیا جس ملک نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا اس سے پاکستان کے تعلقات خراب ہو گئے اس بناء پر دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کی گئی اور بنگلہ دیش کو اس وقت تک اقوام متحدہ کا رکن نہیں بننے دیا گیا جب تک کہ جنگی قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ "شملہ معاہدہ" کے ذریعے حل نہیں ہو گیا۔

لاہور میں 1974ء میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر پاکستان نے نہ صرف بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا بلکہ شیخ مجیب الرحمٰن کو کانفرنس میں شرکت کے لئے مدعو کر کے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کے اک نئے دور کا بھی آغاز کر دیا۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب

بظاہر سقوط ڈھاکہ 16 دسمبر 1971ء کو وقوع پذیر ہوا لیکن اس کے جراثیم بہت دیر سے موجود تھے جنہوں نے اس کی علیحدگی کے لئے راہ ہموار کی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے مندرجہ ذیل اسباب دکھائی دیتے ہیں:

1- ہندوؤں کا اثر ورسوخ:

صوبے کی معیشت اور تعلیم پر ہندوؤں کا غلبہ تھا اگرچہ مسلمان اکثریت میں تھے تاہم دیہی علاقوں میں ہندو ان سے اچھوتوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان کی 80 فیصد قومی دولت پر ہندو قابض تھے۔ مشرقی پاکستان میں موجود 290 ہائی سکول اور 47 کالجوں کے 95% پر بھی ہندوؤں ہی کا کنٹرول تھا۔

2- مسلم لیگی قیادت کی نااہلی:

مرکزی حکومت بنگالیوں کا اعتماد کھو بیٹھی اور مسلم لیگ کے خلاف عوام میں نفرت کے جذبات جنم لینے لگے۔

3- معاشی ابتری:

معاشی میدان میں مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے کہیں پیچھے تھا۔ بعض اندازوں کے مطابق 1948-47ء اور 1960-59ء کے درمیان سرکاری شعبے میں مشرقی پاکستان میں 2750 ملین روپے خرچ کئے گئے جبکہ اس عرصہ میں مغربی پاکستان میں ان اخراجات کا اندازہ 8017 ملین روپے تھا۔ نجی شعبے میں کل ترقیاتی اخراجات کا بمشکل 20 فیصد حصہ مشرقی پاکستان میں صرف کیا گیا۔

4- سہروردی، بھاشانی اور فضل الحق کی سیاست:

1954ء میں مسلم لیگی قیادت کو مشرقی پاکستان میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ انتخاب ہار گئی

اور 309 میں سے صرف 9 نشستیں حاصل کر سکی۔ متحدہ محاذ نے ایک دوسرے سے اقتدار چھیننے کے لئے ہندو ارکان اسمبلی کی حمایت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ اس کوشش میں انہوں نے ملکی سیاست کے بارے میں ہندو ارکان کا رویہ اپنایا اور دونوں گروپ ایک دوسرے سے بڑھ کر علیحدگی کی بولی بولنے لگے۔ اس پُر آشوب دور میں بھاشانی گروپ اُبھرا جو علیحدگی کے مقصد میں باقی سب سے زیادہ مخلص تھا۔ یہ جماعتیں علاقائی طرز فکر کی حامل تھیں۔ ان جماعتوں میں سہروردی اور مولانا بھاشانی کی عوامی لیگ اور فضل الحق کی کرشک سرامک پارٹی کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ انہی سیاستدانوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لئے کام کیا۔

5- بنگالی زبان کا مسئلہ:

دونوں صوبوں کے درمیان بدگمانی اور شکر رنجی کی مستقل فضاء پیدا کرنے میں لسانی مسئلے نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔

بنگالیوں نے جنہیں اپنی زبان سے بہت محبت تھی' اُردو کی برتری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

6- دستور سازی کا مسئلہ:

قیام پاکستان کے بعد دستور سازی کا مسئلہ پیدا ہو گیا اور اس نے نازک صورتحال اختیار کر لی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد ڈیڑھ سال کے اندر اندر نیا آئین تیار ہو جاتا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی عبوری رپورٹ نے صوبوں کی نمائندگی کے مسائل کی ایسی پیچیدہ بحث چھیڑ دی جو ملک کے دولخت ہونے تک جاری رہی۔

7- آمریت کا کمال:

ایوب خان کی مستقل طور پر نافذ ''ہنگامی حالت'' نے نوکر شاہی کو تحفظ دیئے رکھا اور انہوں نے دبا کر رکھنے کی وہ پالیسی اختیار کی جس کے خلاف خوانخواہ ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی علیحدگی کا ایک سبب بنا۔

8- مجیب الرحمٰن کے چھ نکات:

ایوب کے دور میں مشرقی پاکستان میں جس سیاست دان نے سب سے زیادہ اہمیت حاصل کی وہ شیخ مجیب تھا جس نے اپنے چھ نکات کو مشرقی پاکستان کے تمام مسائل کا حل قرار دیا اور عوام کو یقین دلایا گیا کہ جب تک مغربی پاکستان کی معاشی غلامی ختم نہیں ہوتی' تم خوشحال نہیں ہو سکتے اس طرح آخری سین کے لئے سٹیج تیار ہونے لگے۔

9- بھارتی حکومت کی مداخلت

بھارتی حکومت کے خطرناک عزائم کا اندازہ سبرا منیم سوامی کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''بھارت کا سواد اعظم ہندوستان کی تقسیم کو کالعدم کرنے کے حق میں

ہے۔ بھارتی قوم پرست بچے کھچے پاکستان کو بھی توڑنا چاہتے ہیں۔ اکھنڈ بھارت کا حصول اسی طرح ممکن ہے۔"

10-1970ء کے انتخابات میں علاقائی جماعتوں کی کامیابی:

نئی قیادت کا نقطۂ نظر غیر معمولی طور پر متعصبانہ اور علاقائی رجحانات کا حامل تھا۔ قومی نقطۂ نظر کی حامل قیادت کا فقدان ملکی یکجہتی کے لئے غیر معمولی طور پر مضر ثابت ہوا اور یوں پاکستان کی سیاست صوبہ پرستی کا شکار ہو کر رہ گئی۔

11- بھٹو مجیب اختلافات:

ان دنوں قصر صدارت سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' بجائے اس کے کہ نئی قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے اقتدار مجیب الرحمٰن کو منتقل کیا جاتا' بھٹو نے دوسری اکثریتی جماعت کا تصور پیش کر کے اقتدار میں اپنا حصہ مانگا چنانچہ جب انہوں نے 3 مارچ 1971ء کے اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو یحییٰ خان نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ مجیب الرحمٰن کو ان کے خلاف جانبداری کا الزام لگانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے اس کی اوٹ میں اپنے مقاصد کے لئے عوام کے جذباتی طبقے کو خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک دیا۔ گویا بھٹو کی طرف سے اسمبلی بائیکاٹ وہ اہم موڑ تھا جس کے بعد مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔

12- سوشلزم کا پرچار:

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والی جماعتیں اسلام کی بجائے سوشلزم کی علمبردار تھیں۔ سوشلزم ہر لحاظ سے پاکستانی قوم کے لئے ناقابل قبول نظریہ تھا اس کا نتیجہ علیحدگی کی صورت میں نکلا۔

13- بیوروکریسی کا طرز عمل:

مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بیوروکریسی نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ مجیب الرحمٰن نے اعلیٰ سرکاری ملازمین کو اپنے ساتھ ملا لیا حتیٰ کہ مشرقی پاکستان میں چیف سیکرٹری تک گورنر اے۔ ایم۔ مالک کی بجائے مجیب الرحمٰن کا حکم ماننے لگے۔ مشرقی پاکستان کی پولیس بھی مجیب الرحمٰن کے ساتھ تھی۔ اس صورت حال میں بھارتی حملے کا سامنا کرنا انتہائی مشکل تھا۔

14- ٹکا خان کی فوجی کارروائی:

مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی کارروائیاں خطرناک صورتحال اختیار کرتی جا رہی تھیں بالآخر یحییٰ خان نے فوجی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ ٹکا خان کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کا آپریشن بڑا بے رحم تھا۔ اندھیرے میں فوجی کارروائی نے وہاں کی عوام کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکا دیا جس پر کوئی بھی قابو نہ پا سکا۔

15- فضائی رابطے کا خاتمہ:

مشرقی و مغربی پاکستان میں ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا' دونوں بازوؤں کے درمیان فضائی رابطہ تھا۔ مواصلات کا یہ نظام بھارت کی سرزمین سے گزر کر جاتا تھا۔ بھارت نے یہ رابطہ ختم کرنے کے لئے سازش کے تحت اپنا ایک طیارہ گنگا اغواء کروا کر لاہور پہنچا دیا۔ بدقسمتی سے بھٹو نے اس اقدام کو سراہا بلکہ ہوائی اڈے پر اغواء کنندہ سے ملاقات کر کے گویا یہ ثبوت فراہم کر دیا کہ یہ پاکستانی حکومت کی شہ پر کیا گیا۔ بھارت نے اس کی آڑ میں پاکستان کو بھارت کی فضاء سے طیارے گزارنے سے منع کر دیا۔ اس طرح دونوں حصوں میں نظام مواصلات معطل ہو گیا۔

16- بڑی طاقتوں کی سازشیں:

بڑی طاقتیں امریکہ اور روس' چین کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی خاطر پاکستان کے حصے بخرے کرنے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ اس سلسلے میں امریکی سفیر جوزف فارلینڈ نے اس زمانے میں بھٹو اور مجیب سے کئی ملاقاتیں کیں۔

17- بھارت' روس معاہدہ:

اسی زمانے بھارت نے روس کے ساتھ بیس سالہ معاہدہ پر دستخط کیے جس کا مطلب یہ تھا کہ بھارت نے روس کو اپنا حامی بنا لیا تھا جس بناء پر بھارت کو روس سے ضروری کارروائی کے لئے حسب ضرورت سامان اور تکنیکی امداد حاصل ہو گئی۔

18- بھارت کی فوجی مداخلت:

مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی خاطر بھارت نے ''مکتی باہنی'' کے نام پر اپنے تخریب کار' جو دراصل بھارتی فوج کے سپاہی تھے مشرقی پاکستان میں داخل کر دیئے اور بعد میں بھارتی فوج نے براہ راست حملہ بھی کر دیا۔ پاکستانی افواج چونکہ ہوائی تحفظ سے محروم تھیں اس لئے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔

19- سلامتی کونسل میں پاکستانی وفد کا طرز عمل:

ابھی تک اس بات کا امکان موجود تھا کہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام سیاسی حل پر آمادگی کے اظہار کے بعد فریقین کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے لیکن بھٹو کی زیر قیادت پاکستانی وفد نے جنگ بندی کی بعض قراردادوں کو قبول نہ کر کے ڈھاکہ پر بھارتی فوجوں کے تسلط اور تقریباً ایک لاکھ نفوس کے جنگی قیدی بن جانے کی راہ ہموار کی۔ (پاکستان کیوں ٹوٹا؟ ملخص)

نفاذ اسلام کی کوششوں کا جائزہ

پاکستان ہمارا پیارا وطن ہے جسے مسلمانان ہند نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی مخلصانہ قیادت میں لگاتار کوشش سے حاصل کیا۔ موجودہ زمانے میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جسے نظریہ اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس ملک کی اساس نظریۂ اسلام پر ہے۔ اس ملک میں لادینی سیاست کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ پاکستان میں بسنے والے جملہ مسلمانوں کا اتحاد ہی پاکستان کے استحکام کی دلیل ہے۔ اس نظریہ میں خداداد قوت ہے جس کی بناء پر اس نظریہ پر عمل کرنے والوں نے دنیا کی طاقتور اقوام کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔

پاکستان کا جذبہ ایمان کا اہم مظہر ہے' اسلام ایک عقیدہ بھی ہے اور عمل بھی اور اس میں مکمل ضابطہ حیات موجود ہے۔ پاکستان ایک اسلامی فلاحی مملکت ہے۔ پاکستان میں پنجابی' پٹھان' سندھی اور بلوچ رہنے سہنے میں مختلف خصوصیات رکھنے کے باوجود ایک قوم ہیں۔ پاکستان کے جملہ اشخاص اسلامی عدل سے یکساں مستفید ہوتے ہیں۔ اسلامی قوانین کی رُو سے معاشرے کے جملہ افراد حکومت میں شریک ہیں۔ کسی مخصوص فرد کو کوئی اجارہ داری حاصل نہیں۔

اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کے ضمن میں ایسے اعلیٰ اور بلند ترین اصولوں کو اپنا کر عمل کیا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زرّیں دور میں جاری و ساری تھے۔ اسلامی اصول اصلی اور اٹل ہیں۔ ان میں کوئی لچک نہیں' یہ محمود و ایاز یعنی مالک اور غلام کے لئے یکساں ہیں۔ اسلام میں حقوق و فرائض کا وسیع نظام موجود ہے۔

پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں ہر لحاظ سے مسلمان ہونا شرط اوّل ہے۔ مثال کے طور پر ہم چند ایک شقوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اسلامی لحاظ سے اُن شقوں پر عمل کرنا ضروری ہے:

1- اسلام کا نظریۂ حاکمیت واضح طور پر یہ ہے کہ
قانون سازی اور منصب اقتدار کے لئے ذات واحد (اللہ تعالیٰ) ہی مختص ہے۔ اسلام ایک دینی ریاست کے ساتھ ساتھ دنیوی بھی ہے کیونکہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جن لوگوں کو حکومت کی ذمہ داریاں تفویض کی جائیں' انہیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر اپنے فرائض بجالانے چاہئیں۔
اولوالامر کی اطاعت واجب ہے مگر مشروط ہے کہ حاکم' اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کا حکم نافذ نہ کرے۔

2- رئیس مملکت کے لئے راست باز اور منصف مزاج ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا کردار معاشرے کے ہر طبقے میں منعکس ہوتا ہے۔ اگر وہ راہِ راست سے ہٹ جائے تو سارا معاشرہ تباہ اور برباد ہو جائے گا۔

3- اسلامی معاشرے کے لئے جو رہنما اصول وضع کئے گئے ہیں' ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو

اولیت حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک اور معبودِ حقیقی ہے۔

4- انسانوں سے حسن سلوک اور احترام آدمیت' معاشرہ کے مختلف طبقات کے حقوق ادا کرنا' نیکی کی تعلیم دینا' عدل و انصاف کے جملہ تقاضے پورے کرنا' برائی سے بچنے کی تلقین کرنا وغیرہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے۔

5- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ انسانی زندگی کے جملہ مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔ اسلام جس جمہوریت کا علمبردار ہے اس جمہوریت میں ہر فرد حکومت کے کاروبار میں برابر کا شریک ہے۔ اس میں رنگ' نسل اور قومیت وغیرہ کا ذکر تک نہیں ہے۔ لوگ کسی خوف کے بغیر اس جمہوریت میں اپنے مطالبات پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جمہوریت کے باقی نظریات یعنی اکثریت کی حکومت سب باطل اور لغو ہیں۔ مغربی جمہوریت کسی طرح بھی اسلامی جمہوریت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

6- اسلام کا معاشی نظام متوازی اور عالمگیر ہے جس کے زریں اصول اعتدال اور مساوات ہیں۔ اسلام انفرادی ملکیت کا قائل ہے۔ سرمائے کو ضروریات زندگی کے لئے خرچ کیا جا سکتا ہے لیکن احتکار اور اکتناز اسلام میں مستحسن نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے مال کو پاک کرنے کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اسی کے ذریعے دولت کی صحیح تقسیم ہوتی ہے۔ اسی سے مادی وسائل میں متوازن معیشت قائم ہوتی ہے۔

7- نفاذ اسلام کا مقصد ہے کہ شرعی عدالتیں قائم کی جائیں' اسلامی سزائیں رائج کی جائیں جن کے اجراء سے جرائم میں کمی آئے بالآخر ان کا خاتمہ ہو جائے اور بلاسود بینکاری کے مواقع پیدا کئے جائیں' مال پر زکوٰۃ نافذ کی جائے اور پیداوار پر عشر وغیرہ کے احکام نافذ ہوں۔ ان قوانین کا اطلاق اس حد تک کیا جائے کہ انسان کا ذہن اسلامی سوچ کا حامی ہو۔ سرزمین پاکستان میں اسلامی ضابطہ حیات کو کلی طور پر رائج کیا جائے۔ اس امر کا امکان اس وقت تک نہیں جب تک ہمارے عمل اور نظریے میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔

یہ تو تھا اسلامی نقطۂ نظر سے اسلامی ضابطہ حیات کا قانونی جائزہ...... مگر موجودہ دور میں ہمارا قومی کردار بہت پست ہے۔ ہم اپنے مطالب و مقاصد کے حصول کے لئے رشوت کا لین دین عام کرتے ہیں حالانکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ رشوت لینے' دینے اور رشوت کا معاملہ کرانے والا تینوں گناہگار ہیں۔ اس بناء پر ہمیں رشوت سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔

ہمارے نزدیک وعدہ خلافی کوئی عیب نہیں ہے۔ بے حیائی اور فحش اخلاقی کی طرف توجہ مبذول کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اگرچہ اسلامی نظریے کے مطابق ملک تو حاصل کر لیا ہے لیکن آج تک اس کے بنیادی مقاصد کو پورا نہیں کیا۔

آئینی اعتبار سے پاکستان میں نفاذ اسلام کی کوششیں

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی بنیاد اور اساس اسلامی نظام حیات ہے۔ آزادی سے پہلے بچے بچے کی زبان پر یہ نعرہ تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

اس نعرے سے اللہ تعالیٰ کی معبودیت پر یقین کامل کا اظہار ہوتا ہے۔ وحدانیت خداوندی کے اقرار کے بعد اس عزم کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ حصول آزادی کے بعد اس سلطنت خداداد میں نظام اسلام قائم کریں گے۔

قائداعظمؒ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانا چاہتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ پاکستان کے تمام باسی اپنی زندگیوں کو اسلامی روایات کے مطابق بسر کریں گے۔

قائداعظمؒ نے 17 جولائی 1948ء کو پریس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال (1300) پہلے سیکھ لی تھی۔ جمہوریت مسلمانوں کے رگ و پے میں ہے۔"

قائداعظمؒ چاہتے تھے کہ سیاسی' معاشرتی اور اقتصادی ڈھانچے کی بنیاد اسلام کے اصولوں (عدل و مساوات) پر رکھی جائے۔ آپ نے قبائلی دربار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم پیغمبر ﷺ نے قائم کیا۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیاد سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئے۔"

اور پہلے گورنر جنرل ہونے کی حیثیت سے فرمایا:

"اسلام کے بنیادی اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔ ہم نے اسلام اور اس کے نظریات سے جمہوریت سیکھی ہے۔ اسلام نے ہمیں انسانی برابری' انصاف اور رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے مستقبل کے دستور کے بانی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہیں۔"

ان کی وفات کے بعد بعض قائدین نے یہ بحث کرنا شروع کر دی کہ مذہب تو ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے جس کا ریاست اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ مزید یہ کہتے تھے کہ اسلامی نظام کا نعرہ تو پاکستان کے حصول کے لئے بطور حربہ استعمال کیا تھا ورنہ اسلامی نظام نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

ایسے حالات پیدا ہونے کے بعد جماعت اسلامی نے اسلامی نظام کے نفوذ کے لئے ایک مہم

شروع کی چنانچہ مولانا مودودیؒ نے پاکستان کے مختلف شہروں میں جلسوں سے خطاب کیا اور مطالبہ کیا کہ دستور ساز اسمبلی قرارداد پیش کرے جو درج ذیل امور پر مشتمل ہو:

1- پاکستان کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور حکومت پاکستان کی اس کے سوا کوئی حیثیت نہیں کہ وہ اپنے بادشاہ کی مرضی اس ملک میں پوری کرے۔

2- پاکستان کا بنیادی قانون شریعت اسلامی ہے۔

3- وہ تمام قوانین منسوخ کئے جائیں جو اسلام کے خلاف ہیں اور مستقبل میں ایسا کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔

4- حکومت پاکستان اپنے اختیارات اسلامی شریعت کی دی ہوئی حدود کے اندر استعمال کرے۔

جماعت اسلامی کی اس قرارداد کے بعد مودودی صاحب اور ان کے ساتھی سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے ضمن میں دوسری بڑی شخصیت مولانا شبیر احمد عثمانی تھے۔ انہوں نے جمعیت اسلامی کی نئے سرے سے تنظیم' نظام اسلامی کو مقبول اور قابل عمل بنانے کے سلسلے میں ایک مشاورتی اجلاس بلایا۔ 1948ء جون میں لمبی چوڑی بحث وتمحیص کے بعد انہوں نے دستور کا ایک ڈھانچہ مرتب کیا۔ قرارداد مقاصد مارچ 1949ء پاکستان کی دستوریہ میں اسلامی دستور کے متعلق بڑے اختلاف پائے جاتے تھے۔ ایک طرف مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اور دوسری طرف سرکاری عہدیدار ملک غلام محمد اور ہاشم گزرد تھے۔ لیاقت علی خان مرحوم نے ایک سب کمیٹی بنائی تاکہ وہ کمیٹی قرارداد مقاصد کی تشکیل کرے۔ کمیٹی نے اکثریت کے اعتبار سے فیصلہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حق میں دیا۔ ان کا نظریہ قبول کر لیا گیا۔ قرارداد مقاصد کا متن دوسرے دن اخباروں میں شائع ہوا اور ڈان اخبار نے من وعن فیصلہ چھاپ دیا۔ آخر 12 مارچ 1949ء کو دستوریہ نے اس قرارداد کو پاس کر دیا جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1- چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے مملکت پاکستان کو اقتدار اعلیٰ کی امانت باشندگان پاکستان کے ذریعے تفویض کی ہے تاکہ قرآن مجید اور سنت (حدیث) کی حدود کے اندر اس کے مقاصد کی تکمیل کی جاسکے۔

2- اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں' ان پر عمل کر سکیں اور اپنے مذہب وثقافت کو ترقی دے سکیں۔

3- وہ علاقے جو اب پاکستان میں شامل ہو گئے ہیں اور وہ علاقے جو آئندہ پاکستان میں شامل ہوں' ایک وفاقیہ بنائیں جس کے ارکان مقررہ حدود اربعہ ومتعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

4- اس دستور کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے۔ ان حقوق میں قانون واخلاق عامہ

کے ماتحت مساوات حیثیت و مواقع' قانون کی نظر میں برابری' عمرانی' اقتصادی اور سیاسی عدل' اظہار خیال' عقیدہ' دین' عبادت اور ارتباط کی آزادی حاصل ہو۔

5- اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

6- نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو اور اسے انتظامیہ کے اثر سے آزاد رکھا جائے۔

7- اہل پاکستان کو انفرادی و اجتماعی حیثیت سے اسلامی طریق زندگی اختیار کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔

8- اس دستور یہ کے مطابق وفاقیہ کے علاقوں کی حفاظت' اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا تحفظ کیا جائے جن میں اس کے بحر و بر اور فضاء پر سیادت کے حقوق شامل ہیں۔

بیان کردہ اصول و ضوابط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اختیارات کا استعمال اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود کے اندر ہو سکتا ہے اور قرآن و حدیث پر مبنی قوانین کو دوسرے ہر قسم کے قوانین پر فوقیت حاصل ہے۔ ان قوانین پر عمل کرنے سے نظریہ پاکستان کے جملہ تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ قرارداد مقاصد پاکستان کی ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بناء پر اسے آئین کے اساسی اصولوں کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔

1956ء کے آئین کی اسلامی دفعات:

چوہدری محمد علی نے 1956ء میں ایک آئین تشکیل دیا جو 29 جنوری 1956ء کو منظور ہوا۔ اس میں سکندر مرزا کو صدر مملکت منتخب کیا گیا۔ اس کی اسلامی دفعات یہ تھیں:

1- دستور میں قرارداد مقاصد کی روشنی میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے لئے ہے۔

2- ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان تجویز ہوا۔

3- اسلامی قوانین کو یکجا کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے کا وعدہ کیا گیا تاکہ موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ہم آہنگ کیا جائے۔

4- اسلام کی روح کے مخالف کوئی بھی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

5- سربراہ مملکت یعنی صدر پاکستان کے لئے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا تاہم قومی اسمبلی کے اراکین کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

6- تمام غیر اسلامی سرگرمیوں کو ناجائز قرار دیا گیا۔ رذائل اخلاق کے ضمن میں زنا' جواء' شراب نوشی کا انسداد کیا جائے گا۔

7- مسلمانوں کو اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کرنے کے لئے پوری سہولتیں دی جائیں گی اور قرآن پاک کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا۔

8- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں سے مساوات اور رواداری کا سلوک کیا جائے گا۔

9- اسلام کے عالمگیر نفع بخش اصولوں کو پاکستان کے لئے رہنما قرار دیا گیا اور زکوٰۃ اور اوقاف کا معقول بندوبست کرنے کی ہدایت کی گئی۔

10- تمام ملکوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کئے جائیں گے۔ اسلامی ممالک کے ساتھ خصوصی تعلقات رکھنے پر زور دیا گیا۔

11- اسلامی احکام کی روشنی میں محنت کرنے والوں کے مسائل حل کرنے اور دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جانے سے بچایا جائے گا۔

1962ء کی اسلامی دفعات:

اس آئین کے مطابق سابقہ شقوں کے علاوہ مروجہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کا وعدہ کیا گیا۔ کتاب و سنت کے خلاف قوانین وضع کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ سود خوری، عصمت فروشی، جواء بازی، شراب نوشی اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال میں غیر اسلامی حرکات کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

زکوٰۃ مساجد اور اوقاف کے لئے مناسب قوانین وضع کئے جائیں گے۔

اسلامی تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا۔

1973ء کا آئین اور اسلامی دفعات:

14 اگست 1973ء کو نافذ ہونے والے آئین میں یہ اسلامی دفعات شامل کی گئیں۔

سابقہ اسلامی شقوں کے ساتھ ساتھ یہ کہا گیا کہ

مملکت کا سربراہ یعنی صدر اور سربراہ حکومت یعنی وزیراعظم دونوں کے لئے مسلمان ہونا اور ختم نبوت پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ان کے حلف برداری میں شامل الفاظ ملک کی نظریاتی اساس اور اس کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہیں:

> ''میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور میرا خدا کی وحدت، اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں اور قرآن حکیم پر جو کہ آخری کتاب ہے، نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت پر، یوم آخرت پر، قرآن و حدیث کی عائد کردہ دیگر حدود پر کامل یقین ہے۔ میں پاکستان کا وفادار رہوں گا۔ پاکستان کا صدر یا وزیراعظم ہونے کی حیثیت سے میں اپنے فرائض بحسن و خوبی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق ادا کروں گا۔ ہمیشہ اسلامی نظریات حیات کے تحفظ کے لئے کوشاں رہوں گا کیونکہ یہ پاکستان کی اساس ہے۔ اپنے فرائض منصبی ادا کرتے وقت ملکی مفاد، سلامتی اور استحکام کو ہمیشہ مدنظر رکھوں گا۔''

شرعی قوانین کی روشنی میں موجودہ قوانین پر نظر ثانی کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کے قیام کو آئین کا حصہ قرار دیا گیا۔ مشاورتی ادارہ کی حیثیت سے اس کا اہم فریضہ پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں

سے ایسے اقدامات کی سفارش کرنا ہے جن کے ذریعے پاکستانی مسلمان اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔

نئے دستور میں اس امر کا وعدہ کیا گیا کہ حکومت قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم لازمی کرنے کی کوشش کرے گی۔ عربی زبان کی تعلیم کے لئے خصوصی سہولتیں فراہم کی جائیں گی اور اغلاط سے پاک قرآن پاک کی طباعت کا بندوبست کیا گیا۔

آئین میں لفظ ''مسلم'' کی تعریف واضح کر دی گئی کہ ہر وہ شخص جو رسول اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا وہ مسلمانوں میں نہیں ہوتا اور قادیانیوں اور لاہور کے مرزائیوں کو مسلمانوں کی تعریف سے نکال دیا۔

سود کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

5 جولائی کو بری فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے 12 ربیع الاوّل 1399ھ مطابق 10 فروری 1979ء کو قوم سے خطاب میں فرمایا:

> ''تحریک پاکستان اور اس کے قیام کی جدوجہد کے پس پشت ایک ہی جذبہ کارفرما تھا کہ ہم پاکستان میں اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں گے۔ قرارداد مقاصد اور اس کے بعد تینوں دساتیر میں اسلامی نظام قائم کرنے پر زور دیا گیا لیکن بعض مخالف قوتوں کی وجہ سے ہم اپنے نصب العین کے حصول میں ناکام رہے۔ یہ موجودہ حکومت (ضیاء الحق کی حکومت) کی خوش بختی ہے کہ اس نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ٹھوس اقدامات کئے ہیں۔''

24 مارچ 1981ء کو عبوری آئین کا ایک حکم نامہ جاری کیا گیا جس میں درج ذیل دفعات شامل تھیں:

1- 1973ء کے آئین کی اسلامی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے 12 ربیع الاوّل 1399ھ رسول کریم ﷺ کے یوم ولادت کی مقدس تقریب میں صدر ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے نفاذ کی خاطر چند اہم اعلانات کئے جن کے مطابق چوری، حرام کاری جیسے جرائم کے انسداد کی خاطر اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں تاکہ ان جرائم کی حوصلہ شکنی ہو۔

2- اوّلین قدم کے طور پر ایک ایسی پالیسی مرتب کی گئی جس کا اسلامی تعلیمات کے ساتھ تطابق ہے۔ اس کے زیر اثر یہ ہوا کہ:

i- سکولوں اور کالجوں کی نصابی کتابوں پر نظر ثانی کی گئی تاکہ انہیں قومی نظریات سے ہم آہنگ اور غیر اسلامی مواد سے پاک کر دیا جائے کیونکہ بھٹو کے زمانے میں سوشلزم کی حمایت میں بہت سے اقدامات کئے گئے تھے۔

ii- انٹرمیڈیٹ (F.A) اور B.A کی سطح پر اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کو لازمی قرار دیا گیا تاکہ

موجودہ نسل نظریہ پاکستان سے بخوبی واقفیت حاصل کرے۔

اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے کئی یونیورسٹیوں میں شریعت کے شعبہ جات قائم کئے گئے۔

بہاولپور کی اسلامی یونیورسٹی کی کارکردگی کو بہتر بنایا گیا اور اسلام آباد میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی۔



جدید دنیائے اسلام

دنیائے اسلام کا اجمالی تعارف

اس وقت دنیا کے نقشے پر تقریباً 53 ممالک ایسے ہیں جن کو ہم تحدیث نعمت کے طور پر اسلامی ملک کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے اور تہذیبی اور معاشرتی لحاظ سے ان میں اسلامی رنگ نمایاں ہے۔ ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہے:

افغانستان' ایران' البانیہ' انڈونیشیا' اریٹیریا' آذربائیجان' الجزائر' اردن' ازبکستان' بحرین' بوسنیا ہرزے گووینا' بنگلہ دیش' برونائی دارالسلام' پاکستان' ترکی' ترک جمہوریہ شمالی قبرص' ترکمانستان' تاجکستان' تیونس' جبوتی' چاڈ' سینی گال' سوڈان' سعودی عرب' شام' صومالیہ' صحراوی عرب' عراق' عمان' فلسطین' قطر' کویت' قازقستان' کیمرون' کومورو' کرغستان' گیمبیا' گنی' گیبون' گنی بساؤ' لیبیا' لبنان' متحدہ عرب امارات' مالدیپ' مالی' ماریطانیہ' مراکش' ملائیشیا' مصر' نیجر' نائیجیریا۔

اب ہم ذیل میں چند اہم ممالک کا تعارف پیش کرتے ہیں:

افغانستان

افغانستان کے مغرب میں ایران' شمال میں ازبکستان' ترکمانستان' تاجکستان' مشرق اور جنوب میں پاکستان اور شمال مشرق میں چین واقع ہیں۔ اس کی سرحدیں سمندر سے بہت دور ہیں۔ سمندری تجارت کے لئے کراچی کی بندرگاہ استعمال ہوتی ہے۔ زیادہ رقبہ پہاڑی ہے اور تمام پہاڑ خشک ہیں۔ آبادی ایک کروڑ پچھتر لاکھ افراد ہے جس میں پچاس فیصد پشتون' پچیس فیصد تاجک' نو فیصد ازبک اور نو فیصد ہزارہ قبائل ہیں۔ ملک کی صرف اٹھارہ فیصد شہری آبادی ہے۔ مشہور شہروں میں غزنی' مزارشریف' خوست' ہرات' قندھار اور جلال آباد کے نام آتے ہیں۔ ملک کا صدر مقام کابل ہے۔ ننانوے فیصد آبادی مسلمان ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے۔ پورے ملک میں تین زبانیں ہیں پشتو' داری فارسی اور ازبک۔ آب و ہوا خشک ہے۔ افغانستان کے سکے کا نام افغانی ہے۔ اس ملک میں تعلیم کی کمی ہے تاہم 29 فیصد لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ ملک میں ریلوے نہ ہونے کے برابر ہے۔ ملک میں آریانہ ایئر لائنز کے نام سے فضائی سروس موجود ہے۔ ملک میں اکتالیس ہوائی اڈے ہیں۔

تاریخ پس منظر:

زمانہ قدیم میں اس کا نام آریانہ باختریا تھا۔ اس کے بعد خراسان کے نام سے پکارا جاتا رہا۔ 322 قبل مسیح میں سکندر اعظم نے حملہ کیا اور اس کے ایک جرنیل نے گریکو بکٹرین سلطنت قائم کی جو دو سو سال تک قائم رہی۔ پھر بدھ مت آئے جن کے نشانات آج بھی ملک میں موجود ہیں۔ خلیفہ راشد

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہاں مسلم حکمرانی قائم رہی۔ کچھ عرصہ ایرانی حکومت بھی قابض رہی۔ پندرھویں صدی عیسوی میں مغل قابض رہے۔ 1747ء میں ایک خودمختار سلطنت قائم ہوئی۔ 1933ء میں ظاہر شاہ بادشاہ بنا۔ 1973ء میں جمہوریہ قرار پایا۔ 1979ء میں روس نے فوج اور اسلحہ افغانستان اُتار دیا۔ مجاہدین نے پاکستان' ایران' سعودی عرب اور امریکہ کے تعاون سے گوریلا جنگ شروع کی جو نو سال تک جاری رہی۔ آخرکار 1989ء میں روس کو ملک چھوڑنا پڑا۔ 1992ء میں صبغت اللہ مجددی کو صدر بنایا گیا۔ تھوڑے عرصے بعد پروفیسر برہان الدین صدر بنائے گئے لیکن افغان رہنماؤں میں پھوٹ پڑ جانے سے ملک ایک بار پھر خانہ جنگی کا شکار ہو گیا جو تاحال جاری ہے۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے لئے طالبان کی پُرسکون حکومت قائم ہوئی مگر امریکہ نے اسامہ بن لادن کا بہانہ بنا کر افغانستان پر حملہ کر کے طالبان کی حکومت کو ختم کر دیا اور عملاً حکمران بن گیا۔ اب بظاہر حامد کرزئی حکمران ہے لیکن یہ امریکہ کا کٹھ پتلی ہے اور امریکہ نے افغانستان میں کئی ایک فوجی اڈے قائم کر لئے ہیں اور اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد از جلد امریکہ کو بھی روس کی طرح توبہ کر کے افغانستان سے نکل جانے پر مجبور کر دے۔



ایران

ایران کی سرحدیں شمال میں آرمینیہ' آذربائیجان' ترکمانستان مغرب میں ترکی' عراق' مشرق میں پاکستان' افغانستان اور جنوب میں خلیج فارس اور عمان ہیں۔ یہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ملک ہے۔ ایران میں مشہور جزیرے ہرمز اور قشم کہلاتے ہیں۔ ایران کا شمالی علاقہ' جنوبی حصہ کی نسبت زیادہ سرد ہے۔ ایران کی آبادی چھ کروڑ ہے جس میں اکاون فیصد ایرانی' پچیس فیصد آذربائیجانی نسل اور نو فیصد کرد باشندوں پر مشتمل ہے۔ ایران کا دارالخلافہ تہران ہے۔ اصفہان' مشہد' اردبیل' تبریز' شیراز' اہواز' ابادان' ہمدان اور بختاران مشہور شہر ہیں۔ سرکاری زبان فارسی ہے اس کے علاوہ بلوچی' ترکی اور کردشی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ ملک کی پچانوے فیصد آبادی مسلمان' باقی میں یہودی' عیسائی اور پارسی ہیں۔ ایرانی سکہ ریال کہلاتا ہے۔

ملک میں پانی کی کمی ہے۔ بہت سا علاقہ ویران ہے۔ ملک کی سب سے بڑی معدنی دولت تیل ہے۔ ایران سے ریلوے سروس کے ذریعے پاکستان میں آمدورفت ہوتی ہے۔ ایران میں سترہ ہوائی اڈے ہیں اور فضائی سروس کا نام ایران ایئر لائنز ہے۔ ملک میں صدر راج قائم ہے۔ شرح تعلیم ستر فیصد ہو چکی ہے۔

تاریخی پس منظر:

1600 قبل مسیح میں یہاں آرین میدس اور پارسی نسل کے لوگ آباد ہوئے۔ 550 قبل مسیح میں سائرس دوم نے شام' بلیونیا اور ایشیائے کوچک کو ملا کر ایران کی بنیاد رکھی۔ 334 تا 338 ق-م کے

درمیان سکندر اعظم نے حملہ کر کے ملک کو سیلوکس کے سپرد کر دیا۔ 226ء میں ساسانی حکومت کے بانی اردشیر نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1037ء تا 1055ء سلجوقی ترک حکومت کرتے رہے۔ بارہویں صدی میں منگول قابض ہو گئے۔ 1334ء میں ایران تقسیم ہوا۔ 1380ء میں تیمور لنگ حکمران بنا رہا۔ 1499ء تا 1736ء صفوی خاندان برسر اقتدار رہا۔ اس کے بعد نادر شاہ کی حکمرانی ہوئی۔ جب جنگ عظیم اوّل شروع ہوئی تو روس اور برطانیہ نے اس کے دو حصے کر دیئے اور اس پر حکومت کرتے رہے۔ 1917ء کے روسی انقلاب کے بعد روس نے قبضہ چھوڑ دیا چنانچہ انگریز پورے ملک پر قابض ہو گئے۔ 1921ء میں فوجی کمانڈر رضا خان نے تین ہزار فوج سے حملہ کر کے تہران پر قبضہ کر لیا اور 1925ء میں رضا شاہ پہلوی کے لقب سے ایران کا حکمران بنا اور ایران کو جدید بنانے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔ پردے کا رواج ختم کر دیا اور اپنے بیٹے محمد رضا شاہ پہلوی کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ 1978ء میں شاہ کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے اور 1979ء میں جلاوطن مذہبی رہنما علامہ آیت اللہ خمینی نے واپس آ کر ملک کو جمہوریہ قرار دے کر نئی حکومت کی بنیاد رکھی۔ 1980ء میں شط العرب کے مسئلہ پر عراق' ایران جنگ چھڑ گئی جو آٹھ سال تک جاری رہی۔ 1988ء میں انتخابات میں علی اکبر ہاشمی رفسنجانی صدر بنے۔ جون 1990ء میں شدید زلزلہ کی وجہ سے پینتالیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے اور چار لاکھ افراد بے گھر ہو گئے۔ اس وقت محمود احمدی نژاد ایران کے جوشیلے اور سرگرم حکمران ہیں جو علی الاعلان ایٹم بم بنانے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور امریکہ اور اس کے حواری اسے روکنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں لیکن اُمید ہے کہ ایران اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔



انڈونیشیا

انڈونیشیا چھوٹے بڑے سترہ ہزار جزائر پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں ملائیشیا اور مشرق میں نیوگنی ہے۔ اس کا کل رقبہ 735270 مربع میل اور آبادی انیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے جبکہ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چودھواں ملک ہے۔ اس کا دارالخلافہ جکارتہ ہے۔ سرکاری زبان انڈونیشی ہے۔ ملک میں انگریزی اور ولندیزی بھی بولی جاتی ہیں۔ آبادی کا نوے فیصد حصہ مسلمان ہے۔ ہندو تین فیصد' عیسائی پانچ فیصد دو فیصد بقیہ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ انڈونیشیا میں چینی' ملائی اور ایرانی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ یہاں جنگل بہت زیادہ ہیں' عوام کا زیادہ تر ذریعہ روزگار ماہی گیری ہے۔

انڈونیشی عوام کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے اور تقریباً 85 فیصد آبادی خواندہ ہے۔ صحت پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔ ذرائع آمدورفت میں ریل گاڑی کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ گارودا ایئر لائنز کے نام سے اپنی فضائی سروس ہے۔ مختلف جزائر میں آنے جانے کے لئے سمندری راستے استعمال ہوتے ہیں اس لئے بندرگاہوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ پورے ملک میں پختہ سڑکیں بھی ہیں۔

تاریخی پس منظر:

یہاں مسلمان تیرھویں صدی میں غالب آئے۔ سولھویں صدی میں پرتگالی تاجروں نے یہاں قبضہ کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے البتہ 1602ء سے 1798ء تک نیدرلینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی حکومت کرتی رہی۔ سترہویں صدی میں انگریز یہاں سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے اور حکومت پر پرتگالیوں نے قبضہ کر لیا۔ 1816ء سے 1942ء تک یہاں نیدرلینڈ کی حکومت رہی۔ جب جاپان جنگ عظیم دوم میں ہار گیا تو جاپان نے بھی اپنا قبضہ چھوڑ دیا اور ڈاکٹر سوئیکارنو اور ڈاکٹر ہتی نے ملک کا انتظام سنبھالا اور اس کا نام انڈونیشیا رکھا مگر برطانیہ اور ہالینڈ نے 1945ء میں اس پر ایک بار پھر حملہ کر دیا۔ اقوام متحدہ کی مداخلت سے جنگ بند کی گئی مگر دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ 1948ء میں ولندیزیوں نے جاوا' سماٹرا کے جزیروں پر قبضہ کر کے ڈاکٹر سوئیکارنو اور دیگر لیڈروں کو گرفتار کر لیا جنہیں 1949ء میں رہائی ملی۔ 1963ء میں سوئیکارنو کو تاحیات صدر منتخب کر لیا گیا مگر 1965ء میں فوجی بغاوت میں جنرل سوہارتو ملک کے صدر بن بیٹھے جو 1993ء تک اس اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ اس دوران امریکہ نے انڈونیشیا پر الزام عائد کیا کہ وہ کیمیائی ہتھیار تیار کر رہا ہے۔ 1993ء میں پھر جنرل سوہارتو کو منتخب کر لیا گیا۔

ملائیشیا

یہ ایک جزیرہ نما ملک ہے اور جنوب مشرقی ایشیا میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا رقبہ 132000 مربع میل اور آبادی 2 کروڑ ہے جس میں 59 فیصد ملائی' 32 فیصد چینی اور نو فیصد بھارتی لوگ آباد ہیں اور اب پاکستانی بھی ایک محدود تعداد میں ملائیشیا گئے ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی 51 فیصد سے تجاوز کر گئی ہے۔ یہ ایک جدید اسلامی ملک ہے۔ اس کی سرکاری زبان ملائی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

اس کے شمال میں تھائی لینڈ' ویتنام اور لاؤس واقع ہیں جبکہ مشرق کی جانب فلپائن اور انڈونیشیا واقع ہیں۔ یہاں غیر مذاہب کو بھی مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔

یہ تیرہ مختلف ریاستوں کا وفاق ہے جن حصوں میں پہاڑی سلسلے ہیں وہاں موسمی فرق نمایاں ہوتا ہے۔ حکومت تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دے رہی ہے اور 96 فیصد نوجوان طلباء سکولوں' کالجوں میں جاتے ہیں۔ ملک میں تعلیم کا تناسب 80 فیصد سے زیادہ ہے۔ ملک میں ہر قسم کی طبی سہولتیں میسر ہیں۔ ذرائع مواصلات میں ریل' سمندری اور ہوائی جہاز استعمال ہوتے ہیں۔ ملائیشیا کی ہوائی سروس ملائیشین ایئر لائنز ہے۔ ریلوے سروس کا نام ''کیری تاپی تناہ ملایو'' ہے۔ ملائیشیا میں نظام حکومت کی بنیاد پانچ اصولوں پر ہے جس کی بناء پر ملک میں دن بدن ترقی زوروں پر ہے:

1- اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان

2- ملک اور بادشاہ سے پوری وفاداری

3- ملکی دستور کی عملاً بالادستی اور سربلندی
4- قانون کی حکمرانی اور احترام
5- حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق

ترکی

ترکی جدید اسلامی ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی سرحدیں شمال میں بحیرۂ اسود' شمال مشرق طرف سے جارجیا' آرمینیہ' آذربائیجان اور مشرق کی طرف سے ایران جبکہ جنوب کی طرف عراق اور شام سے ملتی ہیں۔ اس کا رقبہ 301382 مربع میل ہے۔ اس کی آبادی 60,700,000 افراد پر مشتمل ہے۔ یہ ملک دو براعظموں میں بٹا ہوا ہے اس کا 95 فیصد حصہ براعظم ایشیا میں اور صرف 5 فیصد براعظم یورپ میں واقع ہے۔ ترکی کے تین اطراف میں بلند و بالا پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ ترکی کا ساحل بحیرۂ روم' بحیرۂ اسود اور بحیرۂ کیسپین سے ملتا ہے۔ یہاں موسم گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سرد ہوتا ہے۔ انقرہ' استنبول' ازمیر اور برسا بڑے شہر شمار ہوتے ہیں۔ ترکی کا تیس فیصد حصہ قابل کاشت ہے۔

ترکی میں تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔ چھ سال کی عمر تک کے بچے کو سکول نہ بھیجنے سے والدین کی جواب طلبی ہوتی ہے۔ ترکی میں شرح اموات بہت کم ہے۔ سفر کے ذرائع میں ریل' جہاز' موٹر گاڑیاں اور بحری جہاز استعمال ہوتے ہیں۔ ترکی میں پندرہ ہوائی اڈے ہیں۔ اس کی فضائی سروس ترکش ایئر لائنز ہے۔ ترکی میں پارلیمانی طرز حکومت ہے۔ ترکی کی سرکاری زبان ترکی ہے جبکہ کرد اور عربی بھی ملک میں رائج ہے۔ یہ سیکولر حکومت ہے۔ ملک کی 98 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے مگر بہت سے احکامات خلاف اسلام ہیں۔

تاریخی پس منظر:

ترکی پر تقریباً ایک ہزار سال تک بازنطینی حکمران حکومت کرتے رہے۔ 1453ء میں عثمانی سلطان محمد دوم نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور عیسائیت ہمیشہ کے لئے ملک سے رخصت ہو گئی اور اسلام کا دور شروع ہوا جو ہنوز جاری ہے۔

عراق

1921ء سے پہلے عراق کو ''میسوپوٹیما'' کہتے تھے۔ 1921ء میں اسے عراق کا نام دیا گیا۔ اس کا کل رقبہ 167924 مربع میل اور آبادی 2½ کروڑ ہے۔ یہ جدید اسلامی ملک ہے اس کی سرحدیں شمال میں ترکی اور مشرق میں ایران سے جبکہ جنوب میں کویت اور مغرب میں اردن سے ملتی ہیں۔ آبادی کا 95 فیصد مسلمان ہیں جبکہ 5 فیصد عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں میں 60 فیصد شیعہ اور 35 فیصد سنی

مسلمان ہیں۔ عراق کی سرکاری زبان عربی ہے۔ اس کے علاوہ کرد ترکی اور آشیری زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔

عراق میں دو مشہور دریا دجلہ اور فرات بہتے ہیں۔ عراق کا صرف 21 فیصد رقبہ قابل کاشت ہے۔ آبادی کا 45 فیصد زراعت سے منسلک ہے۔ عراق میں کھجوریں دنیا بھر سے زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ 7000 مربع میل پر جنگلات واقع ہیں۔ عراق کی سب سے بڑی معدنی دولت تیل ہے جس کی دریافت 1927ء اور 1952ء میں ہوئی۔ عراق میں فروغ تعلیم کے لئے بہت زیادہ کوششیں ہوئیں۔ چھ سال کے عمر کے بچے کو سکول بھیجنا لازمی ہے۔ تعلیم کا تناسب 60 فیصد سے زیادہ جبکہ صحت کی سہولیات کی بھی یہی صورتحال ہے۔

ذرائع مواصلات میں ریل، کار، ہوائی اور سمندری جہاز کا استعمال ہے۔ عراق ایئرویز کے نام سے فضائی سروس ہے۔ یہاں کی دو بندرگاہیں بصرہ اور اُم قصر بہت مشہور ہیں۔ مشہور شہروں میں بصرہ، موصل، کرک، کربلا، اربل، نصیرہ، کوفہ اور بعقوبہ کے نام آتے ہیں۔

عراق میں اسلام کی روشنی 637ء میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وجہ سے پھیلی تھی۔ 1921ء میں شاہ فیصل (یہ سعودی شاہ فیصل کے علاوہ ہیں) نے عوام سے مشورہ کر کے بادشاہت قائم کی اور قانون بھی نافذ کیا اور بیس سالہ معاہدہ کے تحت دفاع، خارجہ اور مالیات کی ذمہ داریاں برطانیہ کے حوالے کر دیں لیکن عوام نے آزادی کی کوششیں جاری رکھیں بالآخر 1932ء میں عراق کو مکمل آزادی حاصل ہوگئی۔

جولائی 1958ء میں فوجی جنرل عبدالکریم قاسم نے امیر عبداللہ اور وزیراعظم نور السعید کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ 1963ء میں ایک اور انقلاب میں جنرل عبدالکریم بھی مارا گیا اور عبدالسلام عارف حاکم بن گیا جو 1966ء میں فضائی حادثہ میں انتقال کر گئے اور ان کا بھائی عبدالرحمٰن حکمران بنا۔ 1968ء میں مارشل احمد البکر نے حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور روس سے دوستی کا معاہدہ کیا جس بناء پر عراق میں اسلحہ کے انبار لگ گئے۔ 1969ء میں ایران سے شط العرب کے مسئلہ پر جھگڑا شروع ہوا۔ 1973ء میں احمد شاہ البکر مستعفی ہوئے اور صدام حسین صدر بنے۔ 1980ء میں ایران عراق جنگ شروع ہوئی جو 1988ء میں ختم ہوئی جس میں دس لاکھ افراد مارے گئے۔ 1990ء میں عراق نے کویت پر قبضہ کر لیا۔ اقوام متحدہ کی منظوری سے 30 اتحادی ممالک کی مدد سے امریکہ نے قیادت کر کے کویت کو آزادی دلائی۔

صدام حسین نے عراق کو دفاعی لحاظ سے مضبوط بنانے میں زیادہ دلچسپی لی۔ امریکہ کو مسلمان ملک کی یہ تیاری پسند نہ آئی اور اس نے پہلے عراق کویت لڑائی کو بہانہ بنایا اور اب ایک بار پھر عراق کی رہی سہی کسر نکالنے کے لئے کیمیاوی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور عراق پر غاصبانہ قبضہ جما لیا۔ اب نہ تو عراق کو اپنا تیل بیچنے کی آزادی ہے اور نہ ہی ہتھیار بنانے کی لیکن اس وقت اہل عراق نے امریکی فوج کو خودکش حملوں کی صورت میں جو ناکوں چنے چبوائے ہیں اس نے اسے

ویتنام جنگ کی یادیں تازہ کر دی ہیں۔

سعودی عرب

سعودی عرب مشرق وسطیٰ کا اہم ترین ملک ہے۔ اس کے مغرب میں بحر احمر' مشرق میں قطر' متحدہ عرب امارات' شمال میں کویت اور شام' جنوب میں یمن' عمان اور حضر موت واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 214969 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 2 کروڑ ہے۔ دارالخلافہ ریاض اور بڑے شہروں میں جدہ' مکہ مکرمہ' الدمام' تبوک' مدینہ منورہ' داہران اور طائف زیادہ مشہور ہیں۔ مکہ مکرمہ مسلمانوں کے لئے پایۂ دین ہے۔ یہاں خانہ خدا کی مقدس عمارت جو مسلمانوں کا قبلہ ہے' مدینہ میں روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے اس کی 100 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ سرکاری زبان عربی ہے۔ سکے کا نام ریال ہے۔ اہم پیداوار گندم' کھجوریں اور کھالیں ہیں۔ سعودی عرب گندم کے معاملے میں خودکفیل ہے۔ تیل ملک کی سب سے بڑی معدنی دولت ہے جو ملک کے نوے فیصد اخراجات کے لئے کافی ہے۔ طبی امداد نہ صرف سعودی باشندوں بلکہ خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے لئے آنے والے ہر شخص کے لئے مفت ہے۔ امراض کی تشخیص اور ادویات کی بھی کوئی قیمت وصول نہیں کی جاتی جس مرض کا علاج اندرون ملک نہ ہو سکے تو اس کا علاج بیرون ملک مفت کرایا جاتا ہے۔

سعودی عرب میں تعلیم مفت ہے۔ پٹرول اور معدنیات کی تعلیم کے لئے کالج اور یونیورسٹی قائم ہے۔ اس کے علاوہ ریاض یونیورسٹی' شاہ فیصل یونیورسٹی' دمام یونیورسٹی' شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ' ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ اور اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ قابل ذکر ہیں۔

سعودی عرب میں آمدورفت کا ذریعہ ریل' موٹر کاریں اور ہوائی جہاز ہیں۔ فضائی سروس کا نام سعودی ایئر لائنز ہے۔ یہاں موروثی بادشاہت کا نظام رائج ہے۔

تاریخی پس منظر:

عہد فاروقی میں عرب سلطنت کی سرحدیں سپین' ہندوستان اور شمالی افریقہ تک پھیل گئی تھیں۔ سلجوقیوں کے بعد ایوبیوں اور مملوکوں نے بھی یہاں حکومت کی۔ 1517ء میں سلطان سلیم نے مصر و حجاز فتح کر لیا اور خادم الحرمین کے لقب سے 1741ء تک پھر عبدالوہاب اور محمد بن مسعود کے فرزند اور اس کے جانشین عبداللہ اوّل نے محمد علی مصری کو شکست دی۔ 1902ء میں عبدالعزیز بن سعود نے پورے نجد پر کنٹرول حاصل کر لیا اور 1925ء میں حجاز پر بھی قبضہ ہو گیا۔ 1927ء میں برطانیہ نے معاہدہ جدہ کے تحت آزاد اور خودمختار حکومت کے طور پر تسلیم کر لیا۔ 1935ء میں یہاں تیل دریافت ہوا۔ 1953ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز بادشاہ بنے جو 1964ء میں شاہ فیصل کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ عرب اسرائیل جنگ میں خود تو حصہ نہ لیا بلکہ مصر' شام اور اردن کی بھرپور مالی امداد کی۔

1968ء میں ایران کے ساتھ ساحلی پٹی کا معاہدہ کیا۔ 1975ء میں شاہ فیصل کو ان کے بھتیجے نے

قتل کر دیا۔ شہزادہ خالد حکمران بنے۔ 1979ء میں کچھ شرپسندوں نے خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا جو جلد ہی واگزار کرا لیا گیا۔ 1987ء میں شاہ خالد کا انتقال ہو گیا اور شاہ فہد بادشاہ بنے۔ 1990ء میں کویت عراق لڑائی میں سعودی عرب نے کویت کی بھرپور مدد کی اور خادم الحرمین کا لقب پایا۔ 2006ء میں شاہ فہد فوت ہو گئے تو شہزادہ عبداللہ بادشاہ بن گئے۔ اب وہی بادشاہ ہیں اور انہوں نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا ہے۔

لیبیا

لیبیا کا شمار شمالی افریقہ کے بہت ہی اہم ممالک میں ہوتا ہے۔ اس کے مشرق میں مصر، سوڈان، جنوب اور جنوب مغرب میں چاڈ، نیجر اور شمال میں بحیرۂ روم اور مغرب میں الجزائر اور شمال مغرب میں تیونس واقع ہیں۔

اس کا ساحل 1100 میل لمبا ہے اس کا رقبہ 679359 مربع میل ہے۔ اس کی آبادی کی زیادہ تعداد میں عرب یعنی بربر عرب 97 فیصد ہیں۔ 75 فیصد لوگ کاشتکار ہیں۔ دارالخلافہ کا نام طرابلس ہے۔ البیضا، بن غازی، مصراتہ، طبروق، درنہ اور خمس مشہور شہر ہیں۔ دنیا کا گرم ترین مقام اسی ملک میں ہے جس کا نام عزیزیہ ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے۔ 97 فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ سرکاری زبان عربی ہے۔ بربر اور اطالوی زبانیں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے سکہ کا نام دینار ہے۔ ملک کا زیادہ رقبہ ویران اور بے آباد ہے۔ اس ملک کی سب سے بڑی معدنی دولت تیل ہے۔

سات سال کے بچے کو سکول میں داخل کرانا لازمی ہے۔ 90 فیصد لڑکے اور لڑکیاں سکولوں اور کالجوں میں جاتے ہیں۔ صحت کی جانب خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ یہاں ریلوے سروس نہیں ہے۔ اپنی ہوائی سروس لیبیئن ایئر لائنز ہے۔ طرز حکومت صدارتی ہے۔

تاریخی پس منظر:

630 قبل مسیح میں یونانیوں نے بستیاں قائم کیں۔ انہی دنوں فونیقیوں نے مغربی لیبیا پر قبضہ کر لیا۔ پہلی صدی میں رومی سلطنت کا حصہ بنا۔ 642ء میں اسے عربوں نے فتح کیا۔ 1551ء میں عثمانی سلطنت کا حصہ بنا۔ 1911ء میں اٹلی نے فرانس کی مدد سے لیبیا پر قبضہ کرنا چاہا لیکن سنوسی قبائل نے ان کے قدم نہ جمنے دیئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد 1949ء میں اقوام متحدہ نے اسے آزاد کرنے کا فیصلہ کیا اور شاہ ادریس سنوسی کی بادشاہت قائم ہو گئی۔ وہ لیبیا کی عوام پر کچھ خرچ نہ کرتا تھا۔ 1969ء میں کرنل معمر قذافی نے بادشاہت کا تختہ الٹ دیا۔ قذافی کی قیادت میں لیبیا نے بہت ترقی کی ہے۔ 1986ء میں امریکہ نے اقتصادی پابندیاں لگا دیں۔ 1993ء میں سلامتی کونسل نے امریکہ کے کہنے پر اس کے اثاثے منجمد کر دیئے۔ تیل کی صنعت کو تباہ کرنے کے لئے ساز و سامان کی درآمد پر بھی پابندی لگا دی۔ ابھی وہ

سال پہلے پابندیوں میں نرمی کی ہے۔

مراکش

مغربی افریقہ میں واقع اس ملک کے شمال میں بحیرۂ روم' مغرب میں بحر اوقیانوس' جنوب میں صحراوی عرب ری پبلک' مشرق اور جنوب میں الجزائر واقع ہیں۔

اس ملک کی لمبائی 825 میل اور چوڑائی 475 میل ہے۔ اس کا رقبہ 172413 مربع میل ہے۔ آبادی 2 کروڑ ستر لاکھ ہے۔ اس میں ننانوے فیصد بربر عرب آباد ہیں۔ دارالحکومت کا نام مراکش ہے۔ فیض' دارالبیضا' طنجہ' مراکش' تطوان' مکناس' آغادیر اور کاسابلانکا مشہور شہر ہیں۔ مسلمان کل آبادی کا 99 فیصد ہیں۔ ملک کی سرکاری زبان عربی ہے۔ بربر زبان بولی جاتی ہے۔ مراکش کے سکہ کا نام درہم ہے۔ 52 فیصد آبادی زراعت پیشہ ہے۔

فاسفیٹ اہم معدنی دولت ہے۔ مراکش تعلیمی اعتبار سے پسماندہ ہے۔ ہوائی سروس کا نام ''رائل ایئر مراکو'' ہے۔ یہاں جمہوری بادشاہت قائم ہے۔

تاریخی پس منظر:

حضرت عقبہ بن نافع اور موسیٰ بن نصیر نے پہلی صدی ہجری میں اسے فتح کر کے اموی سلطنت میں شامل کیا۔ ادریس اوّل نے 788ء میں مراکش کے بہت زیادہ علاقے متحد کر کے اہم کردار ادا کیا۔ یوسف بن تاشفین مذہبی مصلح نے 1094ء میں شمالی افریقہ اور سپین کے اکثر علاقے فتح کر لئے۔ 1578ء میں محمد المنصور نے تمام غیر ملکی فوجوں کو نکال باہر کیا۔ محمد بن عبداللہ 1758ء میں حکمران بنا جو انصاف پسند حاکم تھا۔ 1844ء میں فرانسیسیوں نے طنجہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان مراکش کو اوپر نیچے کئی شکستیں ہوئیں۔ 1912ء میں فرانس کا زیر تحفظ علاقہ بنا۔ 1956ء کو مراکش آزاد ہوا۔ 1957ء میں شاہ حسن ولی عہد مقرر ہوئے۔ 1961ء میں والد کی ناگہانی موت کے بعد تخت پر بیٹھے۔ 1971ء میں شاہ حسن کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی گئی جو ناکام رہی۔ 1972ء میں شاہ کے طیارے پر فائرنگ کی گئی۔ جون 1993ء میں پارلیمانی انتخابات میں حزب مخالف کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔



اہم مسائل اور ان کا حل

دنیائے اسلام آج گوناگوں مسائل کا شکار ہے اور روز بروز زوال پذیر ہے۔ اس کے زوال کے چند بڑے بڑے اسباب یہ سمجھ آتے ہیں:

1- آباؤاجداد اور مذہبی رہنماؤں کی اندھی تقلید:

اہل اسلام نے اپنے آباؤاجداد اور مذہبی رہنماؤں کی اندھی تقلید کرنا شروع کر دی اور اپنی عقل سلیم اور ہوش سے کام نہیں لیا اور نہ ہی انہوں نے قرآن مجید کی اعلیٰ و ارفع تعلیمات پر غور کرنے کی تکلیف گوارا کی بلکہ انہوں نے تو یہ عہد کر رکھا ہے کہ قرآنی تعلیمات اور احکامات پر عمل کرنے کیلئے صرف مذہبی رہنما ہی کافی ہیں۔ اگر وہ قرآن پاک پر غور کرتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔

ان کی اس غلط سوچ کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ ایسی دلدل اور پستی میں جا گرے کہ وہاں سے نکلنا ان کے لئے ممکن ہی نہ رہا۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو سدھارنے کے خواہشمند ہوتے تو ان بری رسومات اور غلط عقیدوں کی اصلاح کرتے مگر انہوں نے یہ زحمت ہی گوارا نہ کی۔ ایسے ہی لوگوں اور قوموں کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیرو اما بانفسھم (الرعد)

''واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ اپنی صلاحیت کی حالت کو نہیں بدلتے۔''

علامہ اقبالؒ نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

2- جدید علم کے حصول کا فقدان:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (ابن ماجہ)

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان میں تخصیص نہیں ہے کہ کون سا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے مسلمانوں کو عموماً علم القرآن تک ہی محدود رکھا اور دنیاوی علوم سے دور رکھا جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہم مسلمان یورپی اقوام سے پسماندہ شمار کئے جاتے ہیں۔

ہمارے علماء عموماً مذہبی تعلیم کی طرف دھیان دیتے رہے اور سائنسی علوم سے مسلمانوں کو ہمیشہ دور رکھا اور اسے مسلمانوں کے حق میں مضر قرار دیتے رہے۔ یہی نہیں ان پیشواؤں نے عورتوں کو تو علم

کے نزدیک تک نہ پھٹکنے دیا جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ انہیں ترقی کا خیال ہی نہ آیا۔

3- رسم و رواج سے نہ پھرنا:-

مسلمانوں کی پستی کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہ رسم و رواج کے اتنے دلدادہ ہیں کہ عقل و خرد سے کام ہی نہیں لیتے اور اپنے آباؤ اجداد اور بڑوں کی رسوم اور تاویلات کو بلا حیل و حجت مان لیتے ہیں اور خداداد صلاحیتوں کو استعمال میں نہیں لاتے۔

4- قرآنی تعلیمات سے روگردانی:

اسلامی دنیا کے زوال اور پستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

والذین آمنوا و عملوا الصالحات و آمنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم کفر عنھم سیآتھم و اصلح بالھم (محمد: 2-3)

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور اس سب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے رب کے پاس امر واقعی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے گناہ ختم کر دے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا۔"

ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلا ما تذکرونo

"اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اُتارا گیا اس کے سوا دوستوں کی پیروی نہ کرو تم بہت ہی کم سوچتے ہو۔"

ان آیات الٰہیہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ان باتوں اور احکامات پر عمل کرنا چاہئے جو قرآن نے بیان کی ہیں مگر افسوس کہ ہم نے ان کو نظرانداز کر دیا ہے۔

5- قول و فعل میں تضاد:

مسلمانوں کو درپیش مسائل میں ایک یہ بھی ہے کہ ہم اپنی بات پر قائم نہیں رہتے' کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلونo کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلونo

"اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے ہاں یہ بات بہت ناراضی والی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔"

تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم اپنے قول و فعل میں پکی ہوتی ہے وہی عزت پاتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ بھی قول و فعل میں مطابقت ہی تھی کیونکہ گفتار و کردار ہی کسی کو ذلت کی پستی میں اور کسی کو معراج پر پہنچاتا ہے۔

6- آلات حرب تیار نہ کرنا:

عالم اسلام کے سامنے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مسلمان ممالک سامان حرب تیار کرنے میں پوری دنیا سے پیچھے ہیں جبکہ آلات حرب' وقت کی اہم ضرورت ہیں جس ملک میں یہ جنگی آلات تیار ہوں گے وہاں کی عوام دلیر اور بہادر ہو گی۔ مسلم دنیا میں عراق اور پاکستان میں اس میدان میں کچھ ترقی کی ہے مگر افسوس کہ دشمنان اسلام نے عراق کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا ہے اور پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے لہٰذا مسلم دنیا کو ہمہ وقت اپنے دشمنوں سے چوکنا رہنا چاہیے۔

7- سرحدوں کا کمزور ہونا:

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی جغرافیائی سرحدوں کی نگرانی سے غافل نہ ہوں کیونکہ انسان جب ذرّہ بھر اسلام کے کاموں سے غافل ہوتا ہے تو شیطان فوراً اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے قبل کہ دشمن ہماری سرحدوں میں گھس آئیں ہمیں ان کا راستہ روکنے کا کماحقہ انتظام کرنا چاہیے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

واعدوالهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم و آخرين من دونهم لا تعلمونهم' الله يعلمهم (الانفال)

''اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جس قدر طاقت رکھتے ہو' سامان تیار رکھو' تیر اندازی ہو یا گھڑ سواری سے' ان پر رعب ڈالتے رہو' اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اور دوسرے جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔''

8- دین کی تبلیغ نہ کرنا:

دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام اپنے دین کی تبلیغ پر کافی روپیہ پیسہ اور انسانی ذرائع خرچ کرتی رہتی ہیں لیکن مسلمان ان کے مقابلے میں خاصے غافل ہیں۔ اگر مسلمانوں کا کوئی تبلیغی مشن غیر ممالک جاتا بھی ہے تو وہ صحیح طرح کامیاب نہیں ہو پاتا کیونکہ وہ اپنے دین کی وضاحت اس ملک کی زبان میں نہیں کر سکتا کیونکہ تبلیغ کے لئے دنیا کی چند اہم زبانوں کا سیکھنا ضروری ہے۔

تبلیغ کی اہمیت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته (المائدہ)

''اے رسول ﷺ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ بھی دین خداوندی کی تبلیغ نہ کرتے تو گویا وہ اپنی رسالت کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔

9- ایک دوسرے کی امداد نہ کرنا:

جب مسلمانوں نے باہمی مدد اور امداد کرنا چھوڑ دیا تو اپنے اپنے نہ رہے اور دشمن زور پکڑتے گئے لیکن جب تک مسلمان اس سنہری اصول پر عمل پیرا رہے کسی کو ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ فرمان الٰہی ہے:

تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. (المائدہ)

”نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور برائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“

10- دین الٰہی کا مددگار نہ ہونا:

جب تک مسلمان دین اسلام کے محافظ و مددگار بنے رہے وہ دنیا میں ہر جگہ کامیاب و کامران رہے۔ جب انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

یا ایہا الذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (محمد)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

11- زندگی کا واضح نصب العین نہ ہونا:

وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جس کے پیش نظر کوئی واضح نصب العین نہ ہو۔ زمانہ رسالت اور عہد خلفاء راشدین میں مسلمانوں نے تبلیغ اسلام اور وسعت اسلام کو اپنا نصب العین مقرر کیا ہوا تھا اسی لئے ان کے قدم آگے ہی بڑھتے گئے اور وہ دنیا میں ایک زبردست قوم بن کر اُبھری اور یہ خدا کا حکم بھی ہے:

افحسبتم انما خلقنا کم عبثا و انکم الینا لا ترجعون (المومنون)

”کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور یہ خیال کیا تھا کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے۔“

12- دنیاوی اسباب سے فائدہ نہ اُٹھانا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا مکنا لہ فی الارض و آتینہ من کل شیئ سبا. (الکہف)

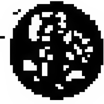
”ہم نے اسے روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے اسے ہر قسم کا (کافی) سامان دیا تھا۔“

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالم اسباب میں رہ کر صرف دعاؤں پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ وسائل سے بھی کام لے کیونکہ دنیاوی ساز و سامان سے منہ پھیر لینا تقاضائے عقل کے خلاف ہے۔ علامہ اقبالؒ اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

فرائض بھی ادا کر قوت باطل سے بھی ٹکرا
دوا کا کام لیتا ہے کیوں دعاؤں سے

13- وقت کی پابندی سے لاپرواہی:

اسلام میں وقت کی پابندی بہت ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اپنے مقرر وقت پر طلوع ہوتا ہے اور مقررہ وقت پر غروب ہوتا ہے۔ ماہ و سال کے اوقات مقررہ ہیں۔ نماز پنج گانہ اگر وقت پر ادا نہ کی جائے تو قضا لازم آتی ہے۔ لہٰذا مسلمان اس وجہ سے بھی مصائب میں گھر گئے ہیں کہ انہوں نے وقت کی پابندی کا خیال رکھنا چھوڑ دیا ہے بلکہ آج کل تو جو عین ٹائم پر پہنچ جائے اس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تو فارغ ہے اور تقریبات میں لیٹ آنا فیشن بن گیا ہے اور یہ مرض من حیث القوم پھیل گیا ہے جس کی ہم سزا بھی پا رہے ہیں۔



مسلمانوں کی عام اجتماعی حالت کا جائزہ

آج مسلمان ایک بہت بڑے چیلنج سے دوچار ہیں۔ ان کے چاروں جانب اسلام دشمن اور جارحیت پسند اقوام ہر وقت صف آراء ہیں۔ ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ مسلمان ممالک میں کسی ایسے مسئلہ کو ہوا دیں جو مسلمانوں کے ملی وجود کے لئے ہر قوت دردِ سر بنا رہے۔

علاوہ ازیں یہ دشمن طاقتیں مسلم ممالک کے سینے میں کوئی نہ کوئی چھرا گھونپتی رہتی ہیں اور مسلمانوں کے زخموں کو ہر وقت تازہ کئے رکھنے کی تگ و دو جاری رکھتی ہیں جس کا ادنیٰ سا جائزہ پیش خدمت ہے۔

مسئلہ قبرص ذریعہ ظلم:

ترکوں کو یونان کے ذریعے قبرص کا مسئلہ کھڑا کر کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔

کشمیریوں پر ظلم:

1965ء میں ہندو جارحیت پسندوں کے ہاتھوں نہ صرف مظلوم حریت پسند کشمیریوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے بلکہ امن پسند اسلامی ملک پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ایک بار پھر 1971ء میں ہندوؤں نے پاکستان کے مشرقی بازو پر حملہ کر کے اسے ہمیشہ کے لئے پاکستان سے الگ کر کے بنگلہ دیش بنا دیا۔

اشتراکی انقلاب:

1966ء میں اشتراکی انقلاب کے نام پر انڈونیشیا میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی جو آج تک ختم نہیں ہوئی۔

لبنان اسرائیلی جارحیت کا نشانہ:

1976ء میں لبنان کو اسرائیلی جارحیت کا شکار بنایا گیا اور لبنان کو اتنا نقصان پہنچایا گیا کہ وہ آج تک پڑا کراہ رہا ہے۔

مسلم آبادی پر ظلم:

اشتراکیت پسند ممالک بھارت اور برما اپنی مسلم آبادی پر جو مظالم روا رکھے ہوئے ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔

روس کے مظالم:

افغانستان اور چیچنیا پر روس کے مظالم کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ بوسنیا میں جو کھیل کھیلا گیا اسے پوری دنیا نے دیکھا ہے اور اب تک دیکھ رہی ہے۔

افغانستان اور عراق پر امریکہ کی جارحانہ کارروائی:

جو کچھ امریکہ افغانستان میں کر رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے ابھی حال ہی میں عراق کے خلاف امریکی کارروائی نے عراق کو روٹی سے بھی محروم کر رکھا ہے۔ ان سب واقعات کے پیچھے ایک ہی مقصد کارفرما ہے کہ مسلم طاقتیں متحد نہ ہو سکیں کیونکہ اسلام دشمن طاقتیں جانتی ہیں کہ انہیں ماضی میں بھی یہ تجربہ حاصل ہو چکا ہے کہ مسلمان اگر ایک ہو گئے تو ایک بار پھر پوری دنیا پر چھا جائیں گے۔

پس پردہ عوامل

جب ہم ان ہتھکنڈوں کے پس پردہ کام کرنے والے عوامل کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ عیاں ہوتا ہے کہ

1- اُمت مسلمہ کے ساتھ عناد:

تمام جارحیتوں کا نشانہ صرف اُمت مسلمہ ہے۔

2- بیرونی طاقتیں مسلم مخالف:

تمام بیرونی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔

3- اقوام متحدہ کا دوہرا معیار:

آج تک مسلمان ممالک نے جتنے مسائل اقوام متحدہ میں پیش کئے ہیں ان میں سے حق پر ہونے کے باوجود بختی سے عمل درآمد نہیں کروایا جا سکا البتہ یہ ضرور ہوتا رہا ہے کہ جتنے بھی بین الاقوامی فیصلے یا اقدامات کئے گئے ہیں ان کا فائدہ جارحیت پسندوں کو ہی پہنچایا گیا ہے۔

4- مسلمانوں کو کمزور کرنے کے منصوبے:

تجربہ شاہد ہے کہ سامراجی قوتیں ہمیشہ مسلمانوں کو کمزور تر کرنے کے منصوبے بنا کر دیر پا امن قائم رکھنے کا نام دیتی ہیں جس سے مخالف طاقت بار بار جارحیت کا ارتکاب کرتی رہتی ہے۔ بوقت صلح یہی اسلام دشمن طاقتیں غیر جانبداری کا سہارا دے کر مسلمانوں کو ٹھنڈا کر لیتی ہیں اور جارح کو حملہ کرنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

5- چہرہ صاف اور خنجر زیر آستیں:

غیر مسلم عالمی طاقتیں ایسے گروپ بنا کر مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہیں اور جب کوئی فیصلے کی گھڑی آتی ہے تو خفیہ اور ظاہری طور پر آپس میں ایک ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچاتی ہیں کہ مسلمانوں کی کمر ہی ٹوٹ جاتی ہے۔

6- مسلمانوں کی نا اتفاقی کے نتائج:

اسلام دشمن قوتیں ہر گھڑی اور ہر پل ایسے منصوبے بناتی رہتی ہیں کہ مسلمان ایک نہ ہوں اور اس کے لئے وہ بھائی کو بھائی سے لڑا دیتی ہیں۔

موجودہ دور میں اسلام کو پیش مسائل کا جائزہ

مسلمانوں کے خلاف منظم سازش:

عصر حاضر کے مسلمان کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ اس کے خلاف دنیا میں دو بڑے دھڑے بن چکے ہیں ایک طرف یہودیت اور عیسائیت کا اتحاد ہے تو دوسری طرف ہندو' مسلمانوں کو پیسنے کے لئے طاقت پکڑ رہے ہیں اور اُسے تمام طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ دونوں دھڑے مکمل طور پر جدید ترین اسلحہ سے لیس ہیں اور اسلام کو مکمل طور پر ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے بہت سے علاقے افریقہ میں عیسائیوں کی سازشوں سے عیسائی اقلیت کے ہاتھوں میں آ چکے ہیں۔ سپین سے تو مسلمانوں کا نام ونشان بہت پہلے مٹایا جا چکا ہے۔

اشتراکیت کے مذموم مقاصد:

اشتراکیت مسلمانوں کی کم از کم ایک درجن ریاستوں پر قابض ہے اور وہاں سے اسلامی تہذیب و ثقافت کی ہر علامت کو مٹایا جا رہا تھا مگر روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد الحمدللہ تمام اسلامی ریاستیں آزاد ہو چکیں جو اب اپنے اسلامی تشخص کو بحال کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں لیکن مجموعی طور پر مسلمان سلطنتیں تنزل اور زوال کا شکار ہیں۔

فرقہ بندی کا ناقابل تلافی نقصان:

معاشی طور پر مسلمان ہر ملک میں پسماندہ ہیں۔ عربوں نے اسرائیل سے بار بار شکست کھانے کے بعد بھی ہوش نہیں سنبھالا۔ وہ فلسطینیوں پر مظالم ڈھا رہا ہے لیکن مسلمانوں میں کوئی جنبش نظر نہیں آتی۔ ان میں روح اجتہاد مردہ ہو چکی ہے۔ فکر ونظر زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ ہمارے علماء تعطل کا شکار ہو گئے ہیں۔ ساری طاقت فروعی اختلافات کو ہوا دینے اور فرقہ بندی پر صرف ہو رہی ہے۔ ہمارے مشائخ خالص قرآن وحدیث سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ ہمیں فرقہ پرستی کی بیماری نے نیم جان کر دیا ہے۔ ایک فرقہ کے لوگ دوسرے فرقہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ واعظوں کے ہر وعظ اور خطباء کے ہر خطبے میں ملت کی بیماریوں کا علاج نہیں بلکہ اکثر ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔

اسلامی تعلیمات سے بے خبری:

ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بمشکل چند ایسے افراد میسر ہوں گے جو اسلام کے بارے میں مخلص ہوں اور عملی طور پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کوشاں ہوں ورنہ بعض تو ملحد' سوشلسٹ یا لادین

ہیں اور بعض غیر جانبدار ہیں۔ تعلیمی اداروں میں ملحدوں، سوشلسٹوں اور غیر ممالک کے جاسوسوں کے متعلق ذمہ دار لوگوں کی طرف سے اعلانات اور بیانات اکثر اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ بعض فرقے ذرائع ابلاغ پر قبضہ کر کے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں جس کا نتیجہ انتشار کے سوا کچھ بھی نہیں نکلتا۔ یہ لوگ دشمن ممالک کے پیسے اور سازشوں کے ذریعے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور ملت کا کام کرنے کے بجائے اپنے خاص طبقے یا فرقے کا کام کرتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی میں پسماندگی، غیروں کی دست نگری:

معاشی نقطۂ نظر سے اکثر ممالک پسماندہ ہیں اور مغربی ممالک کے محتاج ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فقدان کے باعث بڑی بڑی طاقتوں کے ایجنٹ بن کر رہ گئے ہیں اور یہاں کے حکمران بھی ان بڑی طاقتوں کے اشاروں پر آتے اور جاتے ہیں جس سے اسلامی ممالک کے تمام راز ان بڑی طاقتوں کے پاس منٹوں میں پہنچ جاتے ہیں جس سے یہ بڑی طاقتیں وہ تمام کام جو اُمت کی بھلائی کے لئے ہونا ہوتے ہیں آناً فاناً تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔ اسلامی ممالک کے حکمران ان غیر ملکی طاقتوں کے کمیشن ایجنٹ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ پسماندہ ملکوں کو بعض دفعہ بڑی طاقتوں کے سامنے مجبور ہو کر اپنے ملک میں فوجی اڈے اور بحری اڈے اور ہوائی اڈے بنانے کی اجازت بھی دینا پڑتی ہے۔

جدید علوم سے ناآشنائی، غیروں کی محتاجی کا سبب:

سائنس اور ٹیکنالوجی کسی ملک کی میراث نہیں لیکن ہم اس میدان میں بڑی طاقتوں سے بہت پیچھے ہیں۔ اس علمی بے مائیگی اور ذہنی پسماندگی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم غیروں کے محتاج بن کر رہ گئے ہیں۔

فضول رسومات اور اوہام و خرافات:

معاشرتی نقطۂ نگاہ سے ہماری سوسائٹی فضول رسومات اور اوہام و خرافات کا شکار ہے۔ ہم طبقات میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔ یہ طبقاتی مرض پڑھے لکھے اور سیاستدانوں میں زیادہ ہے۔ ہماری سرحدوں پر ہمارے ہمسایہ ملک میں جو قتل و غارت کے ہنگامے بپا ہوتے ہیں، ہم ان سے کوئی سبق نہیں لیتے۔

سیاستدانوں کا عدم اتفاق:

ہمارے سیاستدان بھی کسی قومی مسئلہ پر متحدہ قوت کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ نہیں۔ ہمارے ملک کی بیشتر مصیبتوں کا باعث یہی طبقہ ہے جو سیاست کاری کو اپنا مقصد گردانتے ہیں۔ تمام اسلامی ممالک تقریباً انہی حالات سے دوچار ہیں۔

اسلامی تشخص کی بحالی کی کوششیں:

یہ تصویر کا ایک رُخ ہے جو بھیانک نظر آتا ہے لیکن ہمیں دوسرا رُخ بھی دیکھنا ہے گزشتہ تیس پینتیس سال کے عرصے میں کئی اسلامی ممالک غیروں کی غلامی سے آزاد ہوئے ہیں جو اپنا اسلامی تشخص

بحال کرنے میں مصروف عمل ہیں اور کئی ممالک میں اسلامی تحریکیں بھی زور پکڑ رہی ہیں اور کئی اسلامی عالمی تحریکیں برسر پیکار ہیں۔ مسلم ممالک پہلے کی نسبت زیادہ جذبہ اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو رہے ہیں۔ فرقہ پرستی کے خلاف ہر جگہ ایک جذبہ تنفر پیدا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ مسلم عوام دین کی طرف از سر نو متوجہ ہو رہے ہیں۔ اشتراکیت اپنی موت آپ مر رہی ہے۔

غیر اسلامی نظریات سے بیزاری:

مسلم ممالک کے اندر سے اسلام کی طرف لوٹنے کی طاقتور آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ یوں نظر آ رہا ہے جیسے غیر اسلامی نظریات سے ایک عام بیزاری کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی رفتار بھی نسبتاً بہتر ہو چکی ہے۔

پاکستان میں اسلام کا پرچار:

پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا اور یہاں اسلامی تحریکیں روز اوّل سے زور پکڑ رہی ہیں مگر حکمرانوں کے غیر اسلامی ذہن نے انہیں صحیح طریقے سے پھلنے پھولنے نہیں دیا لیکن ان ناموافق حالات کے باوجود یہاں تحریکیں پھیل رہی ہیں اور نہ صرف پاکستان بلکہ یہ بیرون ملک میں بھی اپنا اثر بڑھا رہی ہیں۔

مسلم ممالک کے سربراہی اجلاس:

مسلم ممالک کی سربراہی کانفرنس کے اکثر اجلاس ہوتے ہیں۔ ان کا اثر بظاہر بہت خوشگوار نظر آتا ہے۔ اب انجمن اقوام متحدہ میں مسلم ممالک کی آواز کو اہمیت حاصل ہے۔ اگر مسلم ممالک کے سربراہ خلوص کے ساتھ اپنے فرائض کو پہچانیں تو مستقبل میں اسلام کے لئے کامیابی کے مواقع ہیں۔ مسلمان آسانی سے عظمت رفتہ اور شوکت ماضی حاصل کر سکتے ہیں اور اقوام عالم کے پیشوا ہو سکتے ہیں۔

اتحاد کے راستے میں حائل رکاوٹیں

اب ہم ان عوامل کی نشاندہی کرتے ہیں جو اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں:

1- لسانی اختلافات:

اتحاد عالم اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ زبان کا اختلاف ہے۔ ہر مسلمان ملک کی زبان الگ ہے جبکہ زبان' نظریات و افکار' تہذیب و تمدن' تعلیمی' سیاسی اور معاشرتی نظریات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ہر کوئی تمام زبانوں میں مہارت کا حامل نہیں ہوتا اس لئے یہ باہمی اختلاف کی وجہ ہے۔

2- فرقہ وارانہ اختلافات:

فرقہ وارانہ اختلافات بھی اتحاد عالم اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہیں کیونکہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے کیونکہ وہاں کے باشندے فلاں مسلک کے پیروکار ہیں۔

3- معاشی تصادم و تفاوت:

معاشی تفاوت بھی مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہونے دیتا کیونکہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے جس سے عالم اسلام کو بہت نقصان ہو رہا ہے۔

4- علاقائی نسبت:

یعنی ہم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ مسلمان ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانی ہے' پاکستانی ہے' افغانی ہے' عراق کا باشندہ ہے۔ اس کے مطابق اس سے سلوک کیا جاتا ہے جو سراسر ناانصافی ہے۔

5- نسلی اختلافات:

نسلی تفاخر بھی عالم اسلام کے اتحاد کے فقدان کا باعث ہے جس کو معیار فضیلت قرار دے دیا جاتا ہے کہ فلاں اعلیٰ نسل ہے اور ذات کا ادنیٰ ہے اس سے ادنیٰ و اعلیٰ کے مابین کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔

6- اخلاقی انحطاط:

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ

''قوموں کی ترقی نہ مادی طاقت کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل و دماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لئے صرف اخلاق کی ضرورت ہے۔''

7- خانہ جنگی:

مسلمان ممالک میں اقتدار کی خاطر جنگیں ہوتی رہتی ہیں۔ سیاسی کشمکش خانہ جنگی کا باعث بنتی ہے جو ملک اندرونی طور پر متحد نہ ہو تو وہ بیرونی طور پر کیسے متحد ہو سکتا ہے۔

8- غیر مسلموں کی مخالفت:

غیر مسلم یہود و نصاریٰ بھی پسند نہیں کرتے کہ مسلمان باہم مل کر رہیں بلکہ ہر حیلے بہانے سے ان کے مابین ناچاقی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ کہیں متحد ہو کر بڑی طاقت نہ بن جائیں۔

9- بڑی طاقتوں کی مداخلت:

بڑی طاقتیں مثلاً امریکہ اور روس بھی عالمی اتحاد کو ایک نظر نہیں دیکھ بھاتے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ مسلمان متحد ہو گئے تو ان کی دوکانداری ماند پڑ جائے گی۔

10- قرآنی تعلیمات پر عمل نہ کرنا:

عالم اسلام کے نفاق کی اہم وجہ قرآنی تعلیمات سے دوری ہے۔

11- قول و فعل کا تضاد:

دراصل جو قوم اپنے قول و فعل کو برابر رکھے گی وہی عزت پائے گی کیونکہ گفتار و کردار کا ساتھ

ساتھ ہونا انسان کو اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر مسلمان جو کہتے ہیں وہ کر کے نہیں دکھاتے تو ایسے افراد سے اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟ یہی چیز عالم اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اتحاد عالم اسلام کے عوامل

1- مسلمانوں کا علیحدہ قومی وجود:

مسلمان اپنا ایک الگ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کے اتحاد کی سب سے بڑی وجہ کلمہ طیبہ ہے جو یہ پڑھ لیتا ہے' وہ تسبیح کے دانوں کی طرح پرو لیا جاتا ہے اور سب کلمہ گو ایک برادری ہیں۔

2- دور غلامی کے تجربات:

غلامی کا تاریک دور مسلمانوں کے لئے ایک کٹھن دور تھا۔ غلامی کے ان تلخ تجربوں نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر حقوق آزادی کے لئے جدوجہد کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

3- مشترکہ نصب العین کے حصول کی کوشش:

مسلمانوں نے مشترکہ نصب العین یعنی اسلامی نظام حیات کے حصول کے لئے بھی کوششیں تیز تر کر دی گئی ہیں تاکہ وہ قومی اتحاد کمزور نہ ہونے پائے جو قوم میں بدرجہ کمال تھا۔

4- اقتصادی خوشحالی:

تمام عالم اسلام اقتصادی خوشحالی کے لئے سرگرم عمل ہے اور اس وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے متحد ہو سکتے ہیں۔

جدید دنیائے اسلام کے اتحاد کیلئے مثبت عملی تجاویز

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں' بیرون دریا کچھ نہیں

1- مسلمانوں کا مشترکہ پلیٹ فارم:

جدید دنیائے اسلام کو متحد و مضبوط کرنے کے لئے تمام مسلمانوں کو مشترکہ پلیٹ فارم یعنی دین اسلام کی سربلندی کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام ایک بار پھر حاصل کر لیں۔

2- مشترکہ نصب العین کا حصول:

جدید دنیائے اسلام کو اس طرح بھی متحد و مضبوط بنایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے مشترکہ نصب العین یعنی اخلاقی' معاشی اور سیاسی غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی نصب العین اور نظام حیات کو پروان

چڑھایا جائے۔

3- اسلامی تعلیمات پر عمل:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

4- فرقہ وارانہ اختلافات کا خاتمہ:

جدید دنیائے اسلام کو متحد و مضبوط بنانے کے لئے ضروری ہے کہ تمام فرقہ وارانہ اور فروعی اختلافات کو یکسر ختم کر کے صرف قرآنی اصول "تعاونوا علی البر والتقوی" پر عمل کیا جائے اور تمام لسانی اور علاقائی تعصبات کا خاتمہ کیا جائے۔

5- فروغ اخلاق:

جدید دنیائے اسلام کے اتحاد کے لئے اخلاق حسنہ کا فروغ بھی اشد ضروری ہے کیونکہ علامہ ابن خلدون کا قول ہے کہ "قوموں کی ترقی نہ مادی نہ طاقت کی فراوانی سے ہوتی ہے اور نہ صرف عقل و دماغ کی ترقی سے بلکہ اس کے لئے صرف اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔"

6- غیر مسلموں سے حسن سلوک:

غیر مسلموں سے حسن سلوک کو شعار بنایا جائے تو وہ بھی ملکی ترقی و خوشحالی کے لئے کوشاں رہیں گے اور نفاق کی بجائے اتحاد کی فضا قائم ہوگی۔

7- اسلامی کتب کے تراجم:

علماء کرام کا فرض ہے کہ وہ مختلف زبانوں میں چھپنے والی کتب جو باہمی اتحاد کا باعث ہوں ان کے ملکی زبان میں ترجمے کریں تاکہ وہاں کے عوام ان کتب سے بھرپور استفادہ کریں۔

8- ذرائع ابلاغ:

ذرائع ابلاغ بھی اتحاد عالم اسلام کا مؤثر ذریعہ ہو سکتا ہے کہ اگر وہ چند کالم اس کی ضرورت و اہمیت کے لئے وقف کر دے۔ ریڈیو ٹی وی پر ایسے پروگرام نشر ہونے چاہئیں جو اتحاد کی اہمیت کے بارے میں ہوں اور اخبارات میں مکالمے مضامین اور اداریوں کے ذریعے عوام الناس کو اتحاد کی اہمیت سے روشناس کرایا جائے۔

9- قول و فعل میں مطابقت:

دراصل جو قوم قول و فعل میں مطابقت رکھے گی وہی عزت پائے گی کیونکہ گفتار و کردار کا ساتھ ساتھ ہونا انسان کو اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اگر جدید دنیائے اسلام اس زریں اصول کو اپنا لے تو یہ مزید تقویت و استحکام اور اتحاد کا باعث ہوگا۔

10- مشترکہ تجارت:

جدید اسلامی دنیا کو متحد و مضبوط کرنے کے لئے ان کے مابین ایک مشترکہ تجارتی منڈی بھی ہونی چاہئے تا کہ وہ ایک دوسرے سے اشیاء کا تبادلہ کرسکیں اور ایک دوسرے سے اپنی ضرورت کی اشیاء خرید و فروخت کرسکیں۔

11- معاشی تفاوت کا خاتمہ:

جدید اسلامی دنیا کے اتحاد کے لئے معاشی تفاوت کا خاتمہ کرنا بھی ضروری ہے اور اسلام تو ویسے بھی گردش دولت کا خواہاں ہے کہ یہ دولت چند ہاتھوں میں نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہونی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ امیر' امیر تر اور غریب' غریب تر ہوتا جائے بلکہ ممکن حد تک معاشی تفاوت کا خاتمہ کر کے حد اعتدال کو اپنایا جائے تو یہ بھی اتحاد بین المسلمین کا باعث ہوگا۔

12- ادارہ انصاف کا قیام:

ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جو مختلف اقوام اور ممالک کے مابین جھگڑوں کا تصفیہ کرائے اور ان کے فیصلے کے آگے ہر کوئی سر تسلیم خم کر دے اور یہ چیز بھی اسلام کے اتحاد اور مسلمانوں کی نجات اور ترقی کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

13- مشترکہ اسلامی فنڈ کا قیام:

اسلامی ممالک کی فلاح و بہبود کے لئے مشترکہ اسلامی فنڈ کا قیام بھی جدید دنیائے اسلام کو مضبوط و متحد کرنے کا باعث ہوگا۔ اگر آج بھی تمام مسلمان متحد ہو جائیں تو یہ اپنا کھویا ہوا مقام ایک بار پھر حاصل کر سکتے ہیں۔



ایم اے اسلامیات کے پرائیویٹ طلباء کیلئے ہماری کامیاب کتب

سال اول

(۱) فہم القرآن	احمد رضا
(۲) فہم الحدیث	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
کتاب اللؤلؤ والمرجان	ڈاکٹر حمید اللہ
(۳) اسلام اور مذہب عالم	ملک کریم بخش
(۴) تاریخ اسلام	(ڈاکٹر حافظ اصغر اسد)
(۵) فہم العربی وزبان وادب	پروفیسر محمد نعیم صدیقی

سال دوم

(۱) فہم الفقہ	ڈاکٹر عبد الرشید قادری
اصول الشاشی	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
(۲) دعوت وارشاد	ڈاکٹر حمید اللہ۔
دعوت ارشاد	پروفیسر محمد نعیم صدیقی
(۳) اسلام اور جدید معاشی افکار اور تحریکیں	ملک کریم بخش
(۴) اسلام اور سائنس	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
(۵) اسلام اور فلسفہ	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
(۶) عالم اسلام کے وسائل ومسائل	ملک کریم بخش
(۷) اسلام اور جدید سیاسی عمرانی افکار	اصغر علی شاہ جعفری
(۸) اسلامی اخلاق وتصوف	قاری محمد امین کھوکھر
علم الکلام	پروفیسر محمد نعیم صدیقی

ایم اے اسلامیات کے لئے دانیال گائیڈ، حل شدہ پرچے بھی دستیاب ہیں



مکتبہ دانیال

Ph 042 7650736 03334276640

Web: [illegible]

Email:maktabahdaniyal@hotmail.com

ایم اے اردو کیلئے معیاری کتب و گائیڈ نوٹس

سال اول

پرچہ اول ☆ اُردو شاعری (کلاسیکی عہد میں) غلام عباس ماہو

پرچہ دوم ☆ افسانوی نثر اور ڈرامہ محمد عالم مدیل

پرچہ سوم ☆ اسالیب نثر اُردو ملک کریم بخش / میاں مقبول احمد

پرچہ چہارم ☆ تاریخ زبان ادب اُردو پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

پرچہ پنجم ☆ (فہم العربی و فارسی زبان ادب) محمد عالم مدیل

سال دوم

پرچہ اول ☆ اردو ادب بیسویں صدی میں غلام عباس ماہو

پرچہ دوم ☆ اصول تنقید میاں مقبول احمد محمد عالم مدیل

پرچہ سوم ☆ اقبال کا خصوصی مطالعہ غلام عباس ماہو محمد عالم مدیل

اختیاری پرچے

پرچہ چہارم ☆ حالی و اکبر کا خصوصی مطالعہ محمد عالم مدیل

پرچہ پنجم ☆ لسانیات پروفیسر صداقت حیات

عالمی کلاسیکی ادب غلام عباس ماہو

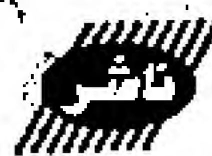
جنوبی ایشیاء میں مسلم تہذیب اور فکر کا مطالعہ غلام عباس ماہو محمد عالم مدیل

اصول تحقیق و تدوین غلام عباس ماہو محمد عالم مدیل

دانیال کا گائیڈ ایم اے اردو

ایم اے اردو گائیڈ سال اول	300/=
ایم اے اردو گائیڈ سال دوم	300/=
ایم اے اردو گائیڈ یکجا	450/=
سابقہ پرچے	24/=
حل شدہ پرچے	90/=

مکتبہ دانیال



غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور Ph:042-7660736 03334276640

Www.maktabahdaneyal.com

Email;maktabahdaneyal@hotmail.com


پنجاب یونیورسٹی
دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے عربی
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال


پنجاب یونیورسٹی
دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے تاریخ
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال


دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے اسلامیات
باہتمام
مکتبۂ دانیال


پنجاب یونیورسٹی
دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے پنجابی
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال


پنجاب یونیورسٹی
دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے سیاسیات
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال


دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ENGLISH
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال


پنجاب یونیورسٹی
دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے اردو
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال


پنجاب یونیورسٹی
دانیال گائیڈ اینڈ نوٹس
حل شدہ پرچے
ایم اے معاشیات
[redacted]
باہتمام
مکتبۂ دانیال